

أَسْرَارُ الْقَدَمِ

مِنْ

فُضُولِ الْحَكِيمِ

عَطَا مُحَمَّد

فهرست مضامین اسرارالقدم من فصوص الحکم

نمبر شمار	مضمون	نمبر صفحه
۱	دیباچه از شارح	۲
۲	خطبة الکتاب	۳
۳	فصل حکمة الهیة فی کلمة ادمیة	۴
۴	فصل حکمة نفثیة فی کلمة شیشیة	۳۱
۵	فصل حکمة سبوحیة فی کلمة نوحیة	۵۸
۶	فصل حکمة قدوسیة فی کلمة ادرسیة	۸۲
۷	فصل حکمة مهمیة فی کلمة ابراهیمیة	۱۰۰
۸	فصل حکمة حقیقیة فی کلمة اسعاقیة	۱۱۷
۹	فصل حکمة علییة فی کلمة استاعیلیة	۳۹
۱۰	فصل حکمة روحیة فی کلمة یعقوبیة	۱۵۷
۱۱	فصل حکمة نورانیة فی کلمة یوسفیة	۱۷۲
۱۲	فصل حکمة احدیة فی کلمة هودیة	۱۹۲
۱۳	فصل حکمة فتوحیة فی کلمة صالحیة	۲۲۳
۱۴	فصل حکمة قلبیة فی کلمة شعبیة	۲۳۵
۱۵	فصل حکمة ملکیة فی کلمة نوحیة	۲۶۲
۱۶	فصل حکمة قدرانیة فی کلمة عزیزیة	۲۷۵
۱۷	فصل حکمة نبویة فی کلمة عیسویة	۲۹۳
۱۸	فصل حکمة رحنانیة فی کلمة سلیمانیة	۳۳۶
۱۹	فصل حکمة وجودیة فی کلمة داودیة	۳۶۹
۲۰	فصل حکمة نفسیة فی کلمة یونسیة	۳۸۸
۲۱	فصل حکمة غیبیة فی کلمة ایوبیة	۴۰۱

وَمِنْ كُنُوزِ الْحِكْمَةِ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرَ كَثِيرٍ مِمَّا
أَلْهِمَهُ اللَّهُ فِي أَيَّامِ سَعَادَتِهِ فَرَجَاهُ كِتَابُ مُسْتَطَابِ الْمَوْسُومِ

أَسْرَارُ الْقَدَمِ

مِنْ

فُصُوصِ الْحِكْمَةِ

تصنيف لطيف

مسکین عطا محمد خادم خادمان قبلہ عالمیان خاتم الاولیاء غوث الاعظم ثانی امام ہمام
اعلیٰ حضرت جناب مولانا پیر غلام محمد صاحب قبلہ امام جیلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حیدر زیر سرپرستی

قبلہ حضرت پیر محمد انوار حسین صاحب ۛ قبلہ حضرت پیر محمد نیاز حسین صاحب
قبلہ حضرت پیر محمد افتخار حسین صاحب و قبلہ حضرت پیر محمد اعجاز حسین صاحب

سجادہ نشینان آستانہ عالیہ قادریہ حبلوآنہ شریف

أَدَامُ اللَّهُ تَعَالَى فُيُوضَهُمْ وَأَفَاضَ عَلَيْنَا بَرَكَاتِهِمْ

مطبوعہ

ملنے کا پتہ: میاں محمد یار وٹو قادری ڈھڈی والا کلاں لاہور روڈ لائل پور شہر

بار اول تعداد پانچ سو ہدیہ ۲۰ روپے

سال اشاعت ۱۳۸۶ھ

دیباچہ از شاہ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ أَشْرَفِ أَنْوَاعِ الْحَيَوَانِ وَفَضَّلَهُ عَلَى كَثِيرٍ مِمَّنْ خَلَقَ بِالْفَضْلِ وَالْإِحْسَانِ وَأَصْطَفَى مِنْهُمْ أَهْلَ الْكِمَالِ وَالْعِرْفَانِ وَنَوَّرَ قُلُوبَهُمْ بِنُورِ الْمَعْرِفَةِ وَالْإِيمَانِ وَأَخْرَجَ عَنْ قُلُوبِهِمْ مُحَبَّةَ الدُّنْيَا وَأَفْنَاهُمْ فِي مُحَبَّةِ وَهُوَ الرَّحْمَنُ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى رَسُولِهِ سَيِّدِ الْإِنْسِ وَالْجِنِّ الَّذِي هَدَانَا إِلَى سَبِيلِ الْجَنَّةِ الَّذِي تَوَرَّعَتْ قَدَمَاهُ بِكَثْرَةِ عِبَادَةِ الرَّحْمَنِ وَهُوَ الشَّافِعُ لِأَهْلَابِ الْجُرْمِ وَالْعُصْيَانِ وَعَلَى إِلِهِ وَأَصْحَابِهِ الَّذِينَ حَرَّقَتْ قُلُوبُهُمْ بِنَارِ الْعُشْقِ وَنُورِ الْعِرْفَانِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمْ أَجْمَعِينَ بِالْكَرَمِ وَالْإِحْسَانِ وَأَدْخَلَنِي اللَّهُ وَسَائِرَ الْمُسْلِمِينَ مَعَهُمْ فِي عُرَفَاتِ الْجَنَّةِ ط

اما بعد یہ بندہ مسکین خادم درویشان و خاکپائے ایشان عطا محمد عفی اللہ عنہ الصمد ملتئم ہے کہ کتاب فصوص الحکم وہ مقدس صحیفہ ہے جو سرکارِ دو عالم حضور نبی کریم جناب محمد پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت شیخ الاکبر محی الدین ابن العربی قدس سرہ الاطہر کو خواب میں عطا فرمایا جیسا کہ خطبۃ الکتاب میں مصنف نے اس امر کی صراحت فرمائی ہے۔ علماء باللہ و اولیاء اللہ کے نزدیک یہ کتاب حقیقتاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہے اور حضرت شیخ الاکبر رضی اللہ عنہ محض ناقل ہیں۔ برادرانِ طریقت و یارانِ حقیقت کی خدمت میں یہ فقیر ضعیف تاکیداً عرض رساں ہے کہ یہ کتاب مستطاب بمنزلہ کتاب حدیث پاک ہے اسلئے اس صحیفہ مقدس کے کسی حرف پر اعتراض کر کے اپنا دین و ایمان ضائع نہ کریں۔

کتاب فصوص الحکم پہلی بار پڑھی کوئی حرف سمجھ میں نہ آیا۔ دوسری بار پڑھی تو کوئی کوئی مضمون سمجھ میں آیا۔ ارادہ کیا کہ اردو میں ایک چھوٹا سا رسالہ استنباط کروں جو نافع خلّاق ہو۔ جب یہ مسکین اپنے پیر و مرشد امام مہمام قبلہ عالمیان خاتم الاولیاء غوث اعظم ثانی جناب اعلیٰ حضرت مولانا پیر غلام محمد صاحب قبلہ امام جلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عرس مبارک پر حاضر ہوا تو کتاب فصوص الحکم سے رسالہ استنباط کرنے کی اجازت مانگی۔ مکاشفہ میں معلوم ہوا کہ جناب مکمل کتاب کی شرح کا حکم فرما رہے ہیں۔ پہلے تو بندہ حیران رہ گیا لیکن بعد میں حضور نے سمجھا دیا کہ اس کام کو جناب خود اپنی ہمت و تصرف سے سرانجام دیں گے۔ دل کو نہایت خوشی ہوئی اور واپس گھر آکر کتاب کی شرح شروع کر دی۔ ایچیزنہ! اس راز کو قطاب عارفین ہی سمجھ سکتے ہیں کہ سرکارِ دو عالم حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت مبارکہ کے مکمل افراد رضی اللہ عنہم مکمل افراد کو کیسے کتابیں لکھاتے ہیں۔

قرآن مجید کے وہ اسرار و کتابت کے لائق ہیں سارے کے سارے فصوص الحکم میں مندرج ہیں متعذر و شارحین نے اس صحیفہ مقدس کی شرح عربی زبان میں سپرد قلم کی ہیں۔ اردو زبان میں صرف ایک ہی شرح ہے جو حضرت شاہ محمد مبارک علی راتپوری قدس سرہ کی تصنیف ہے جو اپنی مثال آپ ہے لیکن اس میں پُرانی طرز کی اردو استعمال کی گئی ہے۔ اس مسکین نے عام مسلمانوں کے فائدہ کیلئے ارادہ کیا ہے کہ اس کتاب مستطاب کا ترجمہ اور شرح سلیس اردو زبان میں با محاورہ پیش کیا جائے۔ اگرچہ یہ صحیفہ اسرار و حکریب کراں کی مثل ہے لیکن چند وہ حقائق اور وقایق کے لالی و جواہر پیش کئے جاتیں گے جو اس احقر نے سیدی مرشدی و مولائی امام مہام قبلہ عالمیان خاتم الاولیا غوث اعظم ثانی اعلیٰ حضرت جناب مولانا پیر غلام محمد صاحب قبلہ امام عبوی رضی اللہ عنہ سے حاصل کئے ہیں۔ یہ مزید کے سہرے انشاء اللہ تعالیٰ صوفیائے کرام و علمائے ذوی الاحترام کے اتواج علم کو مزین منور اور درخشندہ کر دینگے۔ اس شرح غیبی کا نام ”اسرار القدم من فصوص الحکم“ تجویز کیا جاتا ہے۔ رب تعالیٰ مجھے اس کتاب کی تکمیل کی توفیق بخشے بجاہ نبی الکریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آمین ثم آمین و بِاللّٰهِ التَّوْفِیْقُ وَهُوَ نِعْمَ الرَّفِیْقُ۔

مسکین عطا محمد عفی اللہ عنہ

گجرات پاکستان

فُصُوصُ الْحِکْمِ خُطْبَةُ الْکِتَابِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الْحَمْدُ لِلّٰهِ مُنْزِلِ الْحِکْمِ عَلٰی قُلُوبِ الْکَلِمِ بِأَحَدِیَّةِ الطَّرِیْقِ الْأَمَمِ مِنَ الْمَقَامِ الْأَقْدَمِ وَإِنْ اَخْتَلَفَ الْبَلَلُ وَالنَّحْلُ لِاِخْتِلَافِ الْأَمَمِ وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰی مُمَدِّ الْهَمَمِ مِنْ خَزَائِنِ الْجُودِ وَالْکَرَمِ بِالْقَبْلِ الْأَقْدَمِ مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَصَحْبِهِ وَسَلَّمَ أَمَّا بَعْدُ فَإِنِّی رَأِیْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِی مَبْشَرَةٍ أَرِیْتُهَا فِی الْعَشْرِ الْآخِرِ مِنْ مُحَرَّمِ سَنَةِ سَبْعٍ وَعِشْرَیْنِ وَسِتِّ مِائَةٍ بِمَحْرُوسَةٍ مَشَقٍّ وَبِیْدٍ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کِتَابٌ فَقَالَ لِیْ هَذَا کِتَابُ فُصُوصِ الْحِکْمِ خُذْهُ وَاخْرُجْ بِهِ اِلَی النَّاسِ یَنْتَفِعُونَ بِهِ فَقُلْتُ السَّمْعُ وَالطَّاعَةُ لِلّٰهِ وَلِرَسُولِهِ وَلَا وِلَی الْأَمْرِ مِمَّا كَسَا أَمْرُنَا یَهْ خَقَقْتُ الْأُمْنِیَّةَ وَأَخْلَصْتُ الدِّیَّةَ وَ جَرَدْتُ الْقَصْدَ وَالْهَمَّةَ لِابْرَازِ هَذَا الْکِتَابِ کَمَا حَدَّثَ لِیْ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ

مِنْ غَيْرِ زِيَادَةٍ وَلَا نَقْصَانٍ وَسَأَلْتُ اللَّهَ أَنْ يَجْعَلَ نِيَّ وَفِي جَمِيعِ أَحْوَالِي مِنْ عِبَادَةِ الَّذِينَ لَيْسَ
لِلشَّيْطَانِ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ وَأَنْ يَخْصِنِي فِي جَمِيعِ مَا يُرْقِبُهُ بَنَانِي وَيَنْطِقُ بِهِ لِسَانِي وَيَنْطَوِي عَلَيْهِ
جَنَانِي بِالْإِلْقَاءِ السُّبُوحِيِّ وَالنَّفْثِ الرُّوحِيِّ فِي الرُّوعِ النَّفْسِيِّ بِالتَّايِيدِ الْإِعْتَصَامِيِّ حَتَّى أَكُونَ مُتَرَجِّبًا
لَا مُتَعَدِّجًا لِيَتَحَقَّقَ مَنْ يَقِفُ عَلَيْهِ مِنْ أَهْلِ اللَّهِ أَصْحَابِ الْقُلُوبِ أَنَّهُ مِنْ مَقَامِ التَّقْدِيسِ الْمُنَزَّهِ
عَنِ الْأَعْرَاضِ النَّفْسِيَّةِ الَّتِي يَدْخُلُهَا الشَّيْطَانُ وَأَرْجُوا أَنْ يَكُونَ الْحَقُّ تَعَالَى لِنَّاسِيعِ دُعَائِي قَدْ
أَجَابَ نِدَائِي فَمَا أَلْقَى إِلَّا مَا يُلْقَى إِلَيَّ وَلَا أُنْزِلُ فِي هَذَا السُّطُورِ إِلَّا مَا يُنْزَلُ بِهِ عَلَيَّ وَلَسْتُ بِنَبِيِّ
وَلَا بِرَسُولٍ وَلكِنِّي دَارِثٌ وَلا خَيْرَ حَارِثٍ (شعر)

وَإِلَى اللَّهِ فَارْجِعُوا
مَا آتَيْتُ بِهِ فَقُوا
مُجْمَلِ الْقَوْلِ دَا جَمْعُوا
طَالِبِيهِ لَا تَمْنَعُوا
وَسِعَتْكُمْ فَوْسَعُوا

فَبِنِ اللَّهِ فَاسْمَعُوا
ثَاذَا مَا سَمِعْتُمْ
ثُمَّ يَا لَفْهَمِ فَصَلُّوا
ثُمَّ مَتَّوَابِهِ عَلَى
هَذِهِ الرَّحْمَةِ الَّتِي

وَمِنْ اللَّهِ أَرْجُوا أَنْ أَكُونَ مِمَّنْ أُيِّدَ فِتَائِدَ وَأَيَّدَ بِالشَّرْعِ الْمُحْمَدِيِّ السُّطُورِ فَتَقَيَّدَ
وَقَيَّدَ وَأَنْ يَحْشُرَنَا فِي دُمُورِهِ كَمَا جَعَلْنَا مِنْ أُمِّيهِ فَأَوَّلُ مَا أَلْقَاهُ الْمَالِكُ عَلَى الْعَبْدِ مِنْ ذِكْرِ
فَصَحْبِهِ الْهَيْتِي فِي كَلِمَةٍ اذْمِيَّةٍ

خطبۃ الکتاب

میں اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو رحمت عامہ اور رحمت خاصہ کا صاحب ہے۔ سب تعریفیں واسطے
اللہ تعالیٰ کے ثابت ہیں جو حکمتوں کو انبیاء کرام کے قلوب پر نازل کرنے والا ہے۔ اور جملہ انبیاء علیہم السلام کے قلوب
پر یہ حکمتیں مقام احدیت ذاتیہ سے ایک ہی صراط مستقیم پر نازل کی گئی ہیں۔ یعنی جملہ انبیاء کا اصل دین ایک ہے اصل دین
سے مراد توحید باری تعالیٰ ہے۔ پس علم حقیقت جملہ انبیاء علیہم السلام کیلئے ایک ہے اگرچہ امتوں کے اختلاف کے باعث
مختلف ملتیں اور مذاہب ہو گئے یعنی اگرچہ ائمہ کے امر و نہی و مراتب کے مطابق شرائع بدلتی چلی آئیں ہیں لیکن اصل
اصول دین یعنی علم توحید جملہ انبیاء کرام کیلئے ایک ہی ہے۔ جملہ انبیاء علیہم السلام کی دعوت الی اللہ کا الہ الا اللہ پر مبنی ہے
پس کا مفہوم حقیقت میں یہ ہے کہ سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی چیز موجود نہیں۔ اور اللہ تعالیٰ اس مقدس ذات پر رحمت

کا ملہ بھیجے جو انبیاء اولیاء اور مومنین کی ہمتوں کے اپنے جود و کرم کے خزانے سے اپنے کمالات ذاتی کیساتھ مدد کر نیوالے ہیں
یعنی جناب محمد پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آپ کی آل پر اور آپ کے صحاب پر اور سلام بھی بھیجے ۛ

اما بعد حمد و صلوة کے پس تحقیق میں نے ۱۲۷۷ھ محرم شریف کے آخر عشرہ میں شہر دمشق میں جناب رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں اس حالت میں زیارت کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک میں ایک کتاب ہے۔
حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا کہ یہ کتاب فصوص الحکم ہے اس کو لے اور اس کو لوگوں تک پہنچا تا کہ لوگ اس سے فائدہ
حاصل کریں۔ میں نے عرض کیا کہ میں نے جناب کا حکم مبارک سن لیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ و جناب رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم
اور اولی الامر کی اطاعت ہم پر فرض ہے جیسا کہ قرآن مجید میں یہ امر صراحتاً موجود ہے۔ پس میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم
کی مراد کو اچھی طرح تحقیق کر لیا اور اپنی نیت کو اس امر کیلئے خالص کر لیا۔ اور اس کتاب کے اظہار کیلئے جیسے کہ جناب
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے لئے حد مقرر کر دی ہے بغیر کمی اور بیشی کے میں نے اپنے قصد اور ہمت کو اغراض
نفسانی سے مجرّد کر لیا ہے۔ میں اللہ تعالیٰ سے دُعا مانگتا ہوں کہ اس کتاب کے اظہار میں خاصکر اور میرے جمیع احوال
میں مجھے اُن بندوں میں سے بنائے جن پر شیطان کا غلبہ نہیں ہے۔ اور یہ کہ جو کچھ میری انگلیاں تحریر کریں اور جو کچھ
میری زبان بولے اور جو کچھ میرے دل میں ہو ان سب میں مجھے رب تعالیٰ الہام ربانی سے مخصوص کرے۔ نیز فرشتے
کا الہام میرے قلب میں ساتھ تائید حفاظت الہی کے ہو تا کہ اس کتاب کے اظہار میں میں محض مترجم ہوں اور میرے
نفس کا اس میں کوئی حکم اور دخل نہ ہو۔ یہ اسلئے دُعا مانگتا ہوں تاکہ اہل اللہ جو اصحاب القلوب ہیں اس امر کو جان لیں
کہ یہ کتاب مقام قدس یعنی حقیقت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نازل شدہ ہے جو اغراض نفسانی سے منزّہ ہے اور جن
میں تلبیس کو دخل نہیں تلبیس کا تعلق اغراض نفسانی سے ہوتا ہے۔ اور میں اللہ تعالیٰ سے اُمید رکھتا ہوں کہ وہ میری
دُعا سن کر میری فریاد قبول کرے گا لہذا جو اسرار الہیہ میرے دل میں القا ہوں گے وہی میں تم پر افاضہ کروں گا اور
جو کچھ اس کتاب میں میں درج کروں گا وہ وہی ہو گا جو میرے دل پر منجانب الہی نازل ہو گا۔ اس سے کوئی یہ خیال
نہ کرے کہ میں نبی ہوں یا رسول ہوں بلکہ میں سرکارِ دو عالم جناب محمد پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا وارث ہوں اور اپنی آخرت
کیلئے کا سب ہوں۔ اقطاب عارفین کا نکتہ نگاہ مقام محمدی ہے صلی اللہ علیہ وسلم ۛ شجر (۱) سوا اللہ ہی کی طرف سے ان
مضامین کو سُنو کیونکہ میں تو محض ایک واسطہ ہوں اور ان حقائق اور دقائق کے سمجھنے کیلئے اللہ ہی کی طرف رجوع کرو۔
(۲) اور جب تم ان اسرار کو سُنو جو میں لایا ہوں تو ان کو یاد کر لو۔ (۳) پھر اپنے فہم سے قول مجمل کی تفصیل کر لو اور
اجمال و تفصیل کے جامع بن جاؤ۔ (۴ و ۵) پھر اس کتاب کے واسطہ سے طالبوں پر احسان کرو اور اس رحمت کو جو تم

پہر وسیع ہے نہ رو کو بلکہ اس کو وسیع کر دے

اور میں اللہ تعالیٰ سے اُمید رکھتا ہوں کہ میں اُن بندوں میں سے ہوں گا جن کی تائید کی گئی۔ پھر وہ خود بھی تائید ہو گئے اور دوسروں کے بھی مؤید ہو گئے اور جن کو شرع مطہرہ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کیساتھ مقید کیا گیا پس وہ خود بھی مقید ہو گئے اور دوسروں کو بھی مقید کیا۔ اس میں اس اسر کی طرف اشارہ ہے کہ ولایت کبریٰ کے صاحب شریعت مطہرہ کے سخت پابند ہوتے ہیں۔ اور میں یہ بھی اُمید کرتا ہوں کہ ہم کو آپ کے خاص زمرہ میں محشور فرمادے جیسا ہم کو آپ کی اُمت سے گردانا ہے۔ پس اُس مالک حق نے اُس کتاب فصوص الحکم میں سے اول جو اس عبد مملوک پر القا فرمایا وہ فص حکمت الہیہ فی کلمۃ ادمیہ ہے۔

فَصْنُ حِكْمَةِ الْهِيَّةِ فِي كَلِمَةِ اِدْمِيَّةِ

لَمَّا شَاءَ الْحَقُّ سُبْحَانَهُ مِنْ حَيْثُ اسْمَائِهِ الْحُسْنَى الَّتِي لَا يَبْلُغُهَا الْإِحْصَاءُ أَنْ يَرَى أَعْيَانَهَا وَإِنْ شِئْتُ قُلْتُ أَنْ يَرَى عَيْنَهُ فِي كَوْنٍ جَامِعٍ يَحْصُرُ الْأَمْرَ بِكَوْنِهِ مُتَّصِفًا بِالْوُجُودِ وَيُظْهِرُ بِهِ سِرَّهُ إِلَيْهِ فَإِنَّ رُؤْيَا الشَّيْءِ نَفْسُهُ فِي نَفْسِهِ بِنَفْسِهِ مَا هِيَ مِثْلُ رُؤْيَا نَفْسِهِ فِي أَمْرٍ آخَرَ يَكُونُ لَهُ كَالْمِرْآةِ فَإِنَّهُ يُظْهِرُ لَهُ نَفْسَهُ فِي صُورَةٍ يُعْطِيهَا الْمَحَلُّ الْمَنْظُورُ فِيهِ مِمَّا لَمْ يَكُنْ يُظْهِرُ لَهُ مِنْ غَيْرِ وَجُودِ هَذَا الْمَحَلِّ وَلَا تَجَلِّيهِ لَهُ وَقَدْ كَانَ الْحَقُّ أَوْجَدَ الْعَالَمَ كُلَّهُ وَجُودَ شَبَحِ مُسَوَّى لَا رُوحَ فِيهِ فِيهِ فَكَانَ كِبْرِيَاةً غَيْرَ مُجْلُوتَةٍ وَمِنْ شَأْنِ الْحُكْمِ الْإِلَهِيِّ أَنَّهُ مَا سَوَّى مَحَلًّا إِلَّا وَلَا بُدَّ أَنْ يَقْبَلَ رُوحًا إِلَهِيًّا غَيْرَ عَنْهُ بِالتَّفْخِخِ فِيهِ وَمَا هُوَ إِلَّا حُصُولُ الْإِسْتِعْدَادِ مِنْ تِلْكَ الصُّورَةِ الْمُسَوَّاةِ لِقَبُولِ الْفَيْضِ التَّجَلِّيِّ الدَّائِمِ الَّذِي لَمْ يَزَلْ وَلَا يَزَالُ وَمَا بَقِيَ إِلَّا قَابِلٌ وَالْقَابِلُ لَا يَكُونُ إِلَّا مِنْ فَيْضِهَا الْأَقْدَسِ فَلَا مَرْكُكَةَ مِنْهُ أَبَدًا أَوْ لَا وَانْتِهَاءً وَهُوَ إِلَيْهِ يَرْجِعُ الْأَمْرُ كُلُّهُ كَمَا ابْتَدَأَ مِنْهُ فَاقْتَضَى الْأَمْرُ جَلَاءَ مِرَاةِ الْعَالَمِ فَكَانَ أَدَمُ عَيْنَ جَلَاءِ تِلْكَ الْمِرَاةِ وَرُوحُ تِلْكَ الصُّورَةِ وَكَانَتْ الْمَلَائِكَةُ مِنْ بَعْضِ قُوَى تِلْكَ الصُّورَةِ الَّتِي هِيَ صُورَةُ الْعَالَمِ الْمُعَبَّرِ عَنْهُ فِي اضْطِلَاحِ الْقَوْمِ بِالْإِنْسَانِ الْكَبِيرِ فَكَانَتْ الْمَلَائِكَةُ لَهُ كَالْقُوَى الرُّوحَانِيَّةِ وَالْحَسِّيَّةِ الَّتِي هِيَ فِي النَّشْأَةِ الْإِنْسَانِيَّةِ وَكُلُّ قُوَّةٍ مِنْهَا تَحْجُوبَةٌ بِنَفْسِهَا لَا تَرَى شَيْئًا أَفْضَلَ مِنْ ذَاتِهَا وَأَنَّ فِيهَا فَيْضًا تَزَعُمُ الْأَهْلِيَّةَ بِكُلِّ مَنْصِبٍ عَالٍ وَمَنْزِلَةٍ رَفِيعَةٍ عِنْدَ اللَّهِ لَهَا عِنْدَهَا مِنَ الْجَمْعِيَّةِ الْإِلَهِيَّةِ بَيْنَ مَا يَرْجِعُ مِنْ ذَلِكَ إِلَى الْجَنَابِ الْإِلَهِيِّ

وَالِى جَنَابِ حَقِيقَةِ الْحَقَائِقِ وَفِي النَّشْأَةِ الْحَامِلَةِ لِهَذِهِ الْأَوْصَافِ إِلَى مَا تَقْتَضِيهِ الطَّبِيعَةُ الْكَلِيَّةُ الَّتِي
خَصَرَتْ قَوَائِلَ الْعَالَمِ كُلِّهِ أَعْلَاهُ وَأَسْفَلِهِ وَهَذَا لَا يَعْرِفُهُ عَقْلٌ بِطَرِيقٍ نَظَرٍ فِكْرِي بَلْ هَذَا انْفَنُّ
مِنَ الْأَدْرَاكِ لَا يَكُونُ إِلَّا عَنْ كَشْفِ الْهِمِّي مِنْهُ يُعْرِفُ مَا أَصْلُ صُورِ الْعَالَمِ الْقَابِلَةِ لِأَرْوَاحِهِ
فَسَيِّ هَذَا الْبَدَنُ كَوْنُ إِنْسَانًا وَخَلِيفَةً فَأَمَّا إِنْسَانِيَّتُهُ فَلِعُمُومِ نَشْأَتِهِ وَخَصَرَةِ الْحَقَائِقِ كُلِّهَا وَ
هُوَ لِلْحَقِّ بِمَنْزِلَةِ إِنْسَانِ الْعَيْنِ مِنَ الْعَيْنِ الَّذِي بِهِ يَكُونُ النَّظَرُ وَهُوَ الْمُعَبَّرُ عَنْهُ بِالْبَصَرِ فَلِهَذَا
سُمِّيَ إِنْسَانًا فَإِنَّهُ بِهِ نَظَرَ الْحَقِّ إِلَى خَلْقِهِ فَرَحِمَهُمْ فَهُوَ الْإِنْسَانُ الْحَادِثُ الْأَزَلِيُّ وَالنَّشْأَةُ الدَّائِمَةُ
الْأَبَدِيَّةُ وَالْكَلِمَةُ الْفَاصِلَةُ الْجَامِعَةُ فَتَمَّ الْعَالَمُ بِوُجُودِهِ فَهُوَ مِنَ الْعَالَمِ كَفَيْهِ الْخَاتِمُ مِنَ الْخَاتِمِ
الَّذِي هُوَ مَحَلُّ النَّقْشِ وَالْعَلَامَةِ الَّتِي بِهَا يَخْتَمُ الْمَلِكُ عَلَى خَزَائِنِهِ وَسَمَاءُ خَلِيفَةٍ مِنْ أَجْلِ هَذَا
لَا نَهْ تَعَالَى الْحَافِظُ بِهِ خَلْقَهُ كَمَا يَحْفَظُ بِالْخَتْمِ الْخَزَائِنَ فَسَادًا مَخْتَمُ الْمَلِكِ عَلَيْهَا لَا يَجْسُرُ أَحَدٌ
عَلَى فَتْحِهَا إِلَّا بِإِذْنِهِ فَاسْتَخْلَفَهُ فِي حِفْظِ الْعَالَمِ فَلَا يَزَالُ الْعَالَمُ مُحْفُوظًا مَا دَامَ فِيهِ هَذَا إِلَّا نِسَانُ
الْكَامِلِ الْأَتْرَاكِ إِذَا زَالَ وَفَلَّ الْخَتْمُ عَنْ خَزَانَةِ الدُّنْيَا لَمْ يَبْقَ فِيهَا مَا اخْتَزَنَهُ الْحَقُّ فِيهَا وَخَرَجَ
مِنْهَا مَا كَانَ فِيهَا وَالتَّحَقُّقُ بَعْضُهُ بِبَعْضِهِ وَانْتَقَلَ الْأَمْرُ إِلَى الْآخِرَةِ فَكَانَ خَتْمًا عَلَى خَزَانَةِ
الْآخِرَةِ خَتْمًا أَبَدِيًّا فَظَهَرَ جَمِيعُ مَا فِي الصُّورِ الْإِلَهِيَّةِ مِنَ الْأَسْمَاءِ فِي هَذِهِ النَّشْأَةِ الْإِنْسَانِيَّةِ
فَحَازَتْ رُتْبَةَ الْإِحَاطَةِ وَالْجَمْعِ بِهَذَا الْوُجُودِ وَبِهِ قَامَتِ الْحُجَّةُ لِلَّهِ تَعَالَى عَلَى الْمَلَائِكَةِ فَحَفَظَ
فَقَدْ وَعَظَكَ اللَّهُ بِغَيْرِكَ وَأَنْظُرْ مِنْ أَيْنَ أُرَى عَلَى مَنْ أُرَى عَلَيْهِ فَإِنَّ الْمَلَائِكَةَ لَمْ تَقِفْ مَعَ تَعْطِيهِ
نَشْأَةَ هَذَا الْخَلِيفَةِ وَلَا وَقَفَتْ مَعَ مَا تَقْتَضِيهِ خَصَرَةُ الْحَقِّ مِنَ الْعِبَادَةِ الدَّائِمَةِ فَإِنَّهُ مَا يَعْرِفُ
أَحَدٌ مِنَ الْحَقِّ إِلَّا مَا تُعْطِيهِ ذَاتُهُ وَلَيْسَ لِلْمَلَائِكَةِ جَمِيعَةُ آدَمَ وَلَا وَقَفَتْ مَعَ الْأَسْمَاءِ الْإِلَهِيَّةِ
الَّتِي تَخْصُهَا وَسَجَّتِ الْحَقَّ بِهَا وَقَدْ سَتَّهُ وَمَا عَلِمَتْ أَنَّ لِلَّهِ أَسْمَاءً مَا وَصَلَ عَلَيْهَا إِلَيْهَا فَمَا سَبَّحَتْهُ
بِهَا وَلَا قَدْ سَتَّهُ فَغَلَبَ عَلَيْهَا مَا ذَكَرْنَا وَحَكَمَ عَلَيْهَا هَذَا الْحَالُ فَقَالَتْ مِنْ حَيْثُ النَّشْأَةُ أَتَجَعَلُ
فِيهَا مَنْ يُفْسِدُ فِيهَا وَلَيْسَ إِلَّا الْإِنْسَانُ وَهُوَ عَيْنُ مَا وَقَعَ مِنْهُمْ فَمَا قَالُوا فِي حَقِّ آدَمَ هُوَ عَيْنُ مَا هُمْ
فِيهِ مَعَ الْحَقِّ فَلَوْ لَا أَنَّ نَشْأَتَهُمْ تُعْطَى ذَلِكَ مَا قَالُوا فِي حَقِّ آدَمَ مَا قَالُوا وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ فَلَوْ
عَرَفُوا أَنْفُسَهُمْ لَعَلِمُوا وَلَوْ عَلِمُوا الْعَصَمَةَ لَمْ يَقِفُوا مَعَ التَّجَرُّعِ حَتَّى زَادُوا فِي الدَّعْوَى بِمَا
هُمْ عَلَيْهِ مِنَ التَّقْدِيرِ وَالنَّسَبِ وَعِنْدَ آدَمَ مِنَ الْأَسْمَاءِ الْإِلَهِيَّةِ مَا لَمْ يَكُنِ الْمَلَائِكَةُ تَقِفُ

عَلَيْهَا فَمَا سَبَّحَتْ رَبَّهَا بِهَا وَلَا قَدَّ سَنَدَهُ عَنْهَا تَقْدِيرُ آدَمَ وَتَسْبِيحُهُ فَوَصَفَ الْحَقُّ لَنَا مَا جَرَى لِنَقِفَ
 عِنْدَكَ وَتَعَلَّمَ الْأَدَبَ مَعَ اللَّهِ تَعَالَى فَلَا نَدْعِي مَا نَحْنُ مُتَحَقِّقُونَ بِهِ وَحَاوُنَ عَلَيْهِ بِالتَّقْيِيدِ فَكَيْفَ
 لَنَا أَنْ نَطْلُقَ فِي الدَّعْوَى فَنَعْمَ بِهَا مَا لَيْسَ لَنَا بِحَالٍ وَلَا نَحْنُ مِنْهُ عَلَى عِلْمٍ فَتَفْتَحْ فَهَذَا التَّعْرِيفُ
 إِلَهِئِي مِنْ أَدَبِ الْحَقِّ بِهِ عِبَادَةُ الْأَدْبَاءِ الْأَمْنَاءِ الْخُلَفَاءِ ثُمَّ نَرْجِعُ إِلَى الْحِكْمَةِ الْإِلَهِيَّةِ فَنَقُولُ
 إَعْلَمُ أَنَّ الْأُمُورَ الْكُلِّيَّةَ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهَا وَجُودٌ فِي عَيْنِهَا فَهِيَ مَعْقُولَةٌ مَعْلُومَةٌ بِلَا شَكٍّ فِي الذَّهْنِ
 فَهِيَ بَاطِنَةٌ لَا تَزُولُ عَنِ الْوُجُودِ الْعَيْنِيِّ وَلَهَا الْحُكْمُ وَالْأَثَرُ فِي كُلِّ مَالَةٍ وَجُودٌ عَيْنِيٌّ بَلْ هُوَ
 عَيْنُهَا لَا غَيْرَهَا أَعْيَانُ الْمَوْجُودَاتِ الْعَيْنِيَّةِ وَلَمْ تَزَلْ عَنْ كَوْنِهَا مَعْقُولَةٌ فِي نَفْسِهَا فِي الظَّاهِرِ
 مِنْ حَيْثُ أَعْيَانُ الْمَوْجُودَاتِ كَمَا هِيَ الْبَاطِنَةُ مِنْ حَيْثُ مَعْقُولِيَّتُهَا فَاسْتِنَادُ كُلِّ مَوْجُودٍ عَيْنِيٍّ
 لِهَذِهِ الْأُمُورِ الْكُلِّيَّةِ الَّتِي لَا يُدْرِكُ رَفْعُهَا عَنِ الْعَقْلِ وَلَا يُدْرِكُ وَجُودُهَا فِي الْعَيْنِ وَجُودًا
 تَزُولُ بِهِ عَنْ أَنْ تَكُونَ مَعْقُولَةٌ وَسَوَاءٌ كَانَ ذَلِكَ الْمَوْجُودُ الْعَيْنِيُّ مَوْقَّتًا أَوْ غَيْرَ مَوْقَّتٍ وَ
 نِسْبَةُ الْمَوْقَّتِ وَغَيْرِ الْمَوْقَّتِ إِلَى هَذَا الْأَمْرِ الْكُلِّيِّ الْمَعْقُولِ نِسْبَةٌ وَاحِدَةٌ غَيْرَ أَنَّ هَذَا
 الْأَمْرَ الْكُلِّيَّ يَرْجِعُ إِلَيْهِ حُكْمٌ مِنَ الْمَوْجُودَاتِ الْعَيْنِيَّةِ بِحَسَبِ مَا تَطْلُبُهُ حَقَائِقُ ذَلِكَ الْمَوْجُودَاتِ
 الْعَيْنِيَّةِ كَنِسْبَةِ الْعِلْمِ إِلَى الْعَالِمِ وَالْحَيَاةِ إِلَى الْحَيِّ فَالْحَيَاةُ حَقِيقَةُ مَعْقُولَةٌ وَالْعِلْمُ حَقِيقَةُ مَعْقُولَةٌ مُتَمَيِّزَةٌ عَنِ
 الْحَيَاةِ كَمَا أَنَّ الْحَيَاةَ مُتَمَيِّزَةٌ عَنْهُ ثُمَّ نَقُولُ فِي الْحَقِّ تَعَالَى إِنَّ لَهُ عِلْمًا وَحَيَاةً فَهُوَ الْحَيُّ الْعَالِمُ
 وَنَقُولُ فِي الْمَلِكِ إِنَّ لَهُ حَيَاةً وَهُوَ الْحَيُّ الْعَالِمُ وَنَقُولُ فِي الْإِنْسَانِ إِنَّ لَهُ حَيَاةً وَهُوَ
 الْحَيُّ الْعَالِمُ وَحَقِيقَةُ الْعِلْمِ وَاحِدَةٌ وَحَقِيقَةُ الْحَيَاةِ وَاحِدَةٌ وَنِسْبَتُهُمَا إِلَى الْعَالِمِ وَالْحَيِّ نِسْبَةٌ
 وَاحِدَةٌ وَنَقُولُ فِي عِلْمِ الْحَقِّ إِنَّهُ قَدِيمٌ وَفِي عِلْمِ الْإِنْسَانِ إِنَّهُ مُحَدَّثٌ فَانْظُرْ إِلَى مَا أَحَدَثْتَ
 الْإِضَافَةَ مِنَ الْحُكْمِ فِي هَذِهِ الْحَقِيقَةِ الْمَعْقُولَةِ وَانْظُرْ إِلَى هَذَا الْإِرْتِبَاطِ بَيْنَ الْمَعْقُولَاتِ وَ
 الْمَوْجُودَاتِ الْعَيْنِيَّةِ فَكَمَا حَكَمَ الْعِلْمُ عَلَى مَنْ قَامَ بِهِ أَنْ يُقَالَ فِيهِ إِنَّهُ عَالِمٌ كَذَلِكَ حَكَمَ
 الْمَوْصُوفُ بِهِ عَلَى الْعِلْمِ بِأَنَّهُ حَادِثٌ فِي حَقِّ الْحَالِثِ قَدِيمٌ فِي حَقِّ الْقَدِيمِ فَصَارَ كُلُّ وَاحِدٍ
 مُحْكُومًا بِهِ وَمُحْكُومًا عَلَيْهِ وَمَعْلُومٌ أَنَّ هَذِهِ الْأُمُورَ الْكُلِّيَّةَ وَإِنْ كَانَتْ مَعْقُولَةً فَإِنَّهَا مَعْدُومَةٌ
 فِي الْعَيْنِ مَوْجُودَةٌ فِي الْحُكْمِ كَمَا هِيَ مُحْكُومَةٌ عَلَيْهَا إِذَا سُبِّحَتْ إِلَى الْمَوْجُودِ الْعَيْنِيِّ فَتَقْبَلُ
 الْحُكْمَ فِي الْأَعْيَانِ الْمَوْجُودَةِ وَلَا تَقْبَلُ التَّفْصِيلَ وَلَا التَّجْزِيَةَ فَإِنَّ ذَلِكَ مُحَالٌ عَلَيْهَا فَإِنَّهَا

بِذَاتِهَا فِي كُلِّ مَوْصُوفٍ بِهَا كَالْإِنْسَانِيَّةِ فِي كُلِّ شَخْصٍ مِنْ هَذَا النَّوْعِ الْخَاصِّ لَمْ تَنْفَصِلْ وَلَمْ تَتَعَدَّدْ
بِتَعَدُّدِ الْأَشْخَاصِ وَلَا بَرَحَتْ مَعْقُولَةٌ وَإِذَا كَانَ الْإِرْتِبَاطُ بَيْنَ مَنْ لَهُ وَجُودٌ عَيْنِيٌّ وَبَيْنَ مَنْ لَيْسَ لَهُ
وَجُودٌ عَيْنِيٌّ قَدْ ثَبَتَ وَهِيَ نِسْبٌ عَدَمِيَّةٌ فَارْتِبَاطُ الْوُجُودَاتِ بَعْضُهَا بِبَعْضٍ أَقْرَبُ أَنْ يُعْقَلَ لِأَنَّهُ
عَلَى كُلِّ حَالٍ بَيْنَهُمَا جَامِعٌ وَهُوَ الْوُجُودُ الْعَيْنِيٌّ وَهُنَاكَ فَنَائِثَةٌ جَامِعٌ وَقَدْ وَجِدَ الْإِرْتِبَاطُ بِعَدَمِ
الْجَامِعِ فَبِالْجَامِعِ أَقْوَى وَآحَقُّ وَلَا شَكَّ أَنَّ الْمُحَدَّثَ قَدْ ثَبَتَ حَدُّهُ وَثَبَتَ وَافْتِقَارُهُ إِلَى مُحَدِّثِهِ
أَحَدَثُهُ لِإِمْكَانِهِ بِنَفْسِهِ فَوُجُودُهُ مِنْ غَيْرِهِ فَهُوَ مُرْتَبِطٌ بِهِ ارْتِبَاطٌ افْتِقَارٌ وَلَا بُدَّ أَنْ يَكُونَ الْمُسْتَنَدُ
إِلَيْهِ وَاجِبَ الْوُجُودِ لِذَاتِهِ غَنِيًّا فِي وَجُودِهِ بِنَفْسِهِ غَيْرَ مُفْتَقِرٍ وَهُوَ الَّذِي أَعْطَى الْوُجُودَ بِذَاتِهِ بِهَذَا
الْحَادِثِ فَانْتَسَبَ إِلَيْهِ وَلَمَّا اقْتَضَا لِدَايَتِهِ كَانَ وَاجِبًا بِهِ وَلَمَّا كَانَ اسْتِنَادُهُ إِلَى مَنْ ظَهَرَ عَنْهُ لِدَايَتِهِ
اقْتَضَى أَنْ يَكُونَ عَلَى صُورَتِهِ فَيُنَاسِبُ إِلَيْهِ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مِنْ إِسْمٍ وَصِفَةٍ مَا عَدَا الْوُجُوبَ الذَّاتِيَّ
فَإِنَّ ذَلِكَ لَا يَحُمُّ فِي الْحَادِثِ وَإِنْ كَانَ وَاجِبَ الْوُجُودِ وَلَكِنْ وَجُوبُهُ بِغَيْرِهِ لَا بِنَفْسِهِ ثُمَّ لِنَعْلَمَ أَنَّهُ
لَمَّا كَانَ الْأَمْرُ عَلَى مَا قُلْنَا مِنْ ظُهُورِهِ بِصُورَتِهِ أَحَالَ اللَّهُ تَعَالَى فِي الْعِلْمِ بِهِ عَلَى النَّظَرِ فِي الْحَادِثِ
وَذَكَرَ اللَّهُ أَرَانَا آيَاتِهِ فِيهِ فَاسْتَدَلَّنَا بِهَا عَلَيْهِ فَمَا وَصَفْنَا لَهُ بِوَصْفٍ إِلَّا كُنَّا نَحْنُ ذَلِكَ الْوَصْفُ
إِلَّا الْوُجُوبَ الذَّاتِيَّ الْخَاصُّ فَلَمَّا عَلِمْنَا بِهَا وَنَاسَبْنَا إِلَيْهِ كُلَّمَا نَسَبْنَا إِلَيْنَا وَبِذَلِكَ وَرَدَّتْ
الْأَخْبَارُ الْإِلَهِيَّةُ عَلَى الْكِسَّةِ التَّرَاجِمِ إِلَيْنَا فَوَصَفَ نَفْسَهُ لَنَا بِمَا فَادَا شَهِدْنَا لَا شَهِدْنَا نَفْسًا
وَإِذَا شَهِدْنَا شَهِدَ نَفْسَهُ وَلَا نَشْكُ أَنَّ كَثِيرُونَ بِالشَّخْصِ وَالنَّوْعِ وَأَنَّا وَإِنْ كُنَّا عَلَى حَقِيقَةٍ وَآدَارَةً
تَجَمُّعًا فَتَعْلَمُ قَطْعًا أَنَّ ثُمَّ فَارْقَاهُ تَهَيَّزَتْ الْأَشْخَاصُ بَعْضُهَا عَنْ بَعْضٍ وَلَوْ لَا ذَلِكَ مَا كَانَتْ
الْكِبْرَةُ فِي الْوَاحِدِ فَكَذَلِكَ أَيْضًا وَإِنْ وَصَفْنَا بِهَا وَصَفَ بِهِ نَفْسَهُ مِنْ جَمِيعِ الْوُجُودِ فَلَا بُدَّ مِنْ
خَارِقٍ وَ لَيْسَ إِلَّا افْتِقَارُنَا إِلَيْهِ فِي الْوُجُودِ وَتَوَقُّفُ وَجُودِنَا عَلَيْهِ لِإِمْكَانِنَا وَغِنَائِهِ عَنْ مِثْلِ مَا
افْتَقَرْنَا إِلَيْهِ فِيهِ هَذَا صَحَّ لَهُ الْأَنْزَلُ وَالْقَدَمُ الَّذِي انْتَفَتَتْ عَنْهُ الْأَوَّلِيَّةُ الَّتِي لَهَا افْتِتَاحُ الْوُجُودِ
عَنْ عَدَمٍ فَلَا يَنْتَسِبُ إِلَيْهِ الْأَوَّلِيَّةُ مَعَ كَوْنِهِ الْأَوَّلِ وَلِهَذَا قِيلَ فِيهِ الْآخِرُ وَلَوْ كَانَتْ أَوَّلِيَّتُهُ
أَوَّلِيَّةً وَجُودَ التَّقْيِيدِ لَمْ يَصِحَّ أَنْ يَكُونَ الْآخِرُ لِلْمُقَيَّدِ لِأَنَّهُ لَا آخِرَ لِلْمُسَدِّكِ لِأَنَّ الْمُسَدِّكَاتِ
غَيْرُ مُتَنَاهِيَةٍ فَلَا آخِرَ لَهَا وَإِنَّمَا كَانَ آخِرًا لِرَجُوعِ الْأَمْرِ كُلِّهِ إِلَيْهِ بَعْدَ نِسْبَةِ ذَلِكَ إِلَيْنَا
فَهُوَ الْآخِرُ فِي عَيْنِ الْأَوَّلِ فِي عَيْنِ آخِرِيَّتِهِ ثُمَّ لِنَعْلَمَ أَنَّ الْحَقَّ وَصَفَ نَفْسَهُ بِأَنَّهُ

ظَاهِرٌ وَبَاطِنٌ فَأَوْجَدَ الْعَالَمَ عَالَمَ غَيْبٍ وَشَهَادَةٍ لِنُدْرِكَ الْبَاطِنَ بِغَيْبِنَا وَالظَّاهِرَ بِشَهَادَتِنَا وَوَصَفَ
نَفْسَهُ بِالرِّضَى وَالْغَضَبِ فَأَوْجَدَ الْعَالَمَ ذَا خَوْفٍ وَرَجَاءٍ فَخَافَ غَضَبَهُ وَتَرَجَّوْهُ رَحْمَةً وَوَصَفَ
نَفْسَهُ بِأَنَّهُ جَبِيلٌ وَذُو جَلَالٍ فَأَوْجَدَنَا عَلَى هَيْبَةٍ وَأُسٍّ وَهَكَذَا جَمِيعُ مَا يُنْتَسَبُ إِلَيْهِ تَعَالَى
وَلَيْسَتْ بِهِ نَعْبَرٌ عَنْ هَاتَيْنِ الصِّفَتَيْنِ بِالْيَدَيْنِ اللَّتَيْنِ تَوَجَّهَتَا مِنْهُ عَلَى خَلْقِ الْإِنْسَانِ الْكَامِلِ يَكُونُهُ
الْجَامِعُ لِحَقَائِقِ الْعَالَمِ وَمُفْرَدَاتِهِ فَالْعَالَمُ شَهَادَةٌ وَالْخَلِيفَةُ غَيْبٌ وَلِهَذَا يُحْجَبُ السُّلْطَانُ وَوَصَفَ
الْحَقُّ نَفْسَهُ بِالْحُجُبِ الظُّلُمَانِيَّةِ وَهِيَ الْأَجْسَامُ الطَّبِيعِيَّةُ وَالنُّورَانِيَّةُ وَهِيَ الْأَمْوَاحُ اللَّطِيفَةُ وَالْعَالَمُ
بَيْنَ كَثِيفٍ وَطَهِيفٍ وَهُوَ عَيْنُ الْحُجَابِ عَلَى نَفْسِهِ فَلَا يُدْرِكُ الْحَقُّ إِذْ رَاكَ نَفْسُهُ فَلَا يَزَالُ
فِي حُجَابٍ لَا يُرْفَعُ مَعَ عَلَيْهِ بِأَنَّهُ مُتَبَيِّنٌ عَنْ مُوْجِدِهِ بِافْتِقَارِهِ وَلَكِنْ لَّا حَظَّ لَهُ فِي الْوُجُوبِ الذَّاتِيِّ
الَّذِي يُوْجِدُ الْحَقَّ فَلَا يُدْرِكُهُ أَبَدًا فَلَا يَزَالُ الْحَقُّ مِنْ هَذِهِ الْحَيْثِيَّةِ غَيْرَ مَعْلُومٍ عِلْمَ ذَوْقٍ وَ
شُهُودٍ لِأَنَّهُ لَا قَدَمَ لِلْحَادِثِ فِي ذَلِكَ فَمَا جَمَعَ اللَّهُ تَعَالَى لِأَدَمَ بَيْنَ يَدَيْهِ إِلَّا تَشْرِيفًا وَلِهَذَا قَالَ
لَا يَلِيسَ مَا مَنَعَكَ أَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِإِدَّتِي وَمَا هُوَ إِلَّا عَيْنٌ جَمَعَهُ بَيْنَ الصُّورَتَيْنِ صُورَةِ الْعَالَمِ
وَصُورَةِ الْحَقِّ وَهُمَا يَدَا الْحَقِّ وَابِلَيْسُ جُزْءٌ مِنَ الْعَالَمِ لَمْ يَحْصُلْ لَهُ هَذِهِ الْجَمْعِيَّةُ وَلِهَذَا
كَانَ أَدَمُ خَلِيفَةً فَإِنْ لَمْ يَكُنْ ظَاهِرًا بِصُورَةٍ مِنْ اسْتِخْلَافِهِ فِيمَا اسْتِخْلَفَهُ فِيهِ فَمَا هُوَ
خَلِيفَةٌ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ فِيهِ جَمِيعُ مَا تَطْلُبُهُ الرِّعَايَا الَّتِي اسْتِخْلَفَ عَلَيْهَا لِأَنَّ اسْتِنَادَهَا إِلَيْهِ
فَلَا بُدَّ أَنْ يَقُومَ بِجَمِيعِ مَا تَحْتَاجُ إِلَيْهِ وَإِلَّا فَلَيْسَ بِخَلِيفَةٍ عَلَيْهِمْ فَمَا صَحَّتِ الْخِلَافَةُ إِلَّا لِلْإِنْسَانِ
الْكَامِلِ فَأَنْشَأَ صُورَتَهُ الظَّاهِرَةَ مِنْ حَقَائِقِ الْعَالَمِ وَصُورَتَهُ وَانْشَأَ صُورَتَهُ الْبَاطِنَةَ عَلَى صُورَتِهِ
تَعَالَى وَلِذَلِكَ قَالَ فِيهِ كُنْتُ سَمْعَهُ وَبَصَرَهُ وَمَا قَالَ كُنْتُ عَيْنَهُ وَأُذُنَهُ فَفَرَّقَ بَيْنَ الصُّورَتَيْنِ
وَهَكَذَا هُوَ فِي كُلِّ مُوْجُودٍ مِنَ الْعَالَمِ بِقَدَرِ مَا تَطْلُبُهُ حَقِيقَةُ ذَلِكَ الْمَوْجُودِ لَكِنْ لَيْسَ لِأَحَدٍ
مَجْمُوعُ مَا لِلْخَلِيفَةِ فَمَا فَازَ إِلَّا هُوَ بِالْمَجْمُوعِ وَلَوْ لَا سَرِيَانُ الْحَقِّ فِي الْمَوْجُودَاتِ بِالصُّورَةِ مَا
كَانَ لِلْعَالَمِ وُجُودٌ كَمَا أَنَّهُ لَوْ لَا تِلْكَ الْحَقَائِقُ الْمَعْقُولَةُ الْكُلِّيَّةُ مَا ظَهَرَ حُكْمٌ فِي الْمَوْجُودَاتِ
الْعَيْنِيَّةِ وَمِنْ هَذِهِ الْحَقِيقَةِ كَانَ الْإِفْتِقَارُ مِنَ الْعَالَمِ إِلَى الْحَقِّ فِي وُجُودِهِ (شعر)

هَذَا هُوَ الْحَقُّ قَدْ قُلْنَا لَا نَكُنِي

فَقَدْ عَلِمْتَ الَّذِي يَقُولُنَا لَعْنِي

فَالْكُلُّ مُفْتَقِرٌ مَّا الْكُلُّ مُسْتَغْنٍ

فَإِنْ ذَكَرْتَ غَنِيًّا لَا افْتِقَارَ بِهِ

فَالْكُلُّ بِالْكُلِّ مَرْبُوطٌ فَلَيْسَ لَهُ

عَنْهُ الْفَصَالُ خُذْ وَأَمَا قُلْتُهُ عَنِّي

فَقَدْ عَلِمْتَ حِكْمَةَ نَشْأَةِ جَسَدِ آدَمَ أَغْنَى صُورَتَهُ الظَّاهِرَةَ وَقَدْ عَلِمْتَ نَشْأَةَ رُوحِ آدَمَ أَغْنَى
صُورَتَهُ الْبَاطِنَةَ فَهُوَ الْحَقُّ وَالْخَلْقُ وَقَدْ عَلِمْتَ نَشْأَةَ دُتْبَتِهِ وَهِيَ الْمَجْمُوعُ الَّذِي بِهِ اسْتُخِيقَ
الْخِلَافَةُ فَآدَمُ هُوَ النَّفْسُ الْوَاحِدَةُ الَّتِي خُلِقَ مِنْهَا هَذَا النَّوعُ الْإِنْسَانِيُّ وَهُوَ قَوْلُهُ تَعَالَى يَا أَيُّهَا
النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا
وَنِسَاءً فَقَوْلُهُ اتَّقُوا رَبَّ بَعْضُكُمْ أَجْعَلُوا مَا ظَهَرَ مِنْكُمْ وَقَايَةُ لِرَبِّكُمْ وَاجْعَلُوا مَا بَطَنَ مِنْكُمْ وَهُوَ رَبُّكُمْ
وَقَايَةُ لَكُمْ فَإِنَّ الْأَمْرَ ذَمٌّ وَحَمْدٌ فَكُونُوا إِذْ قَايَتُهُ فِي الدِّمِّ وَاجْعَلُوا وَقَايَتَكُمْ فِي الْحَمْدِ تَكُونُوا
أَدْبَاءً عَالِمِينَ ثُمَّ إِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ أَطْلَعَهُ عَلَى مَا أودَعَ فِيهِ وَجَعَلَ ذَلِكَ فِي قُبُضَتِيهِ الْقَبْضَةُ فِيهَا
الْعَالَمُ وَالْقَبْضَةُ الْآخِرَى فِيهَا آدَمُ وَبَنُوهُ وَبَيَّنَّ مَرَاتِبَهُمْ فِيهِ وَلَمَّا أَطْلَعَنِي اللَّهُ فِي سِرِّي عَلَى مَا
أودَعَ فِي هَذَا الْإِمَامِ الْوَالِدِ الْأَكْبَرِ جَعَلْتُ فِي هَذَا الْكِتَابِ مِنْهُ مَا حَدَّثَنِي لَا مَا وَفَّقْتُ عَلَيْهِ فَإِنَّ
ذَلِكَ لَا يَسَعُهُ كِتَابٌ وَلَا الْعَالَمُ الْمَوْجُودُ الْآنَ فَمَا شَاهَدْتُهُ مِنْهُ أَنْ أُودِعَهُ فِي هَذَا الْكِتَابِ كَمَا
حَدَّثَنِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِكْمَةً إلهِيَّةً فِي كَلِمَةٍ أَدْمِيَّةٍ وَهُوَ هَذَا الْبَابُ ثُمَّ
حِكْمَةً نَفْثِيَّةً فِي كَلِمَةٍ شَيْثِيَّةٍ ثُمَّ حِكْمَةً سُبُوحِيَّةً فِي كَلِمَةٍ نُوحِيَّةٍ ثُمَّ حِكْمَةً قُدُّوسِيَّةً
فِي كَلِمَةٍ إِذْرِيَّةٍ ثُمَّ حِكْمَةً مُهَيَّبِيَّةً فِي كَلِمَةٍ إِبْرَاهِيمِيَّةٍ ثُمَّ حِكْمَةً حَقِيقِيَّةً فِي كَلِمَةٍ
إِسْحَاقِيَّةٍ ثُمَّ حِكْمَةً عَلِيَّةً فِي كَلِمَةٍ إِسْمَاعِيلِيَّةٍ ثُمَّ حِكْمَةً رُوحِيَّةً فِي كَلِمَةٍ يَعْقُوبِيَّةٍ
ثُمَّ حِكْمَةً نُورِيَّةً فِي كَلِمَةٍ يُوْسُفِيَّةٍ ثُمَّ حِكْمَةً أَحَدِيَّةً فِي كَلِمَةٍ هُودِيَّةٍ ثُمَّ حِكْمَةً
فَارُحِيَّةً فِي كَلِمَةٍ صَالِحِيَّةٍ ثُمَّ حِكْمَةً قَلْبِيَّةً فِي كَلِمَةٍ شُعَيْبِيَّةٍ ثُمَّ حِكْمَةً مُلْكِيَّةً فِي كَلِمَةٍ
لُوطِيَّةٍ ثُمَّ حِكْمَةً قَدَرِيَّةً فِي كَلِمَةٍ عَزْزِيَّةٍ ثُمَّ حِكْمَةً نَبَوِيَّةً فِي كَلِمَةٍ عِيسَوِيَّةٍ
ثُمَّ حِكْمَةً رَحْمَانِيَّةً فِي كَلِمَةٍ سُلَيْمَانِيَّةٍ ثُمَّ حِكْمَةً وَجُودِيَّةً فِي كَلِمَةٍ دَاوُدِيَّةٍ ثُمَّ حِكْمَةً
نَفْسِيَّةً فِي كَلِمَةٍ يُونُسِيَّةٍ ثُمَّ حِكْمَةً غَيْبِيَّةً فِي كَلِمَةٍ إِلَهِيَّةٍ ثُمَّ حِكْمَةً جَلَالِيَّةً فِي
كَلِمَةٍ يَحْيَوِيَّةٍ ثُمَّ حِكْمَةً مَالِكِيَّةً فِي كَلِمَةٍ زَكَرِيَّوِيَّةٍ ثُمَّ حِكْمَةً إِيْنَسِيَّةً فِي كَلِمَةٍ
إِلْيَاسِيَّةٍ ثُمَّ حِكْمَةً إِحْسَانِيَّةً فِي كَلِمَةٍ لُقْمَانِيَّةٍ ثُمَّ حِكْمَةً إِمَامِيَّةً فِي كَلِمَةٍ هَارُونِيَّةٍ
ثُمَّ حِكْمَةً عَلَوِيَّةً فِي كَلِمَةٍ مُوسَوِيَّةٍ ثُمَّ حِكْمَةً صَمَدِيَّةً فِي كَلِمَةٍ خَالِدِيَّةٍ ثُمَّ حِكْمَةً

فَرْدِيَّةٌ فِي كَلِمَةٍ مُحَمَّدِيَّةٍ وَفَصُّ كُلِّ حِكْمَةٍ الْكَلِمَةُ الَّتِي نُسِبَتْ إِلَيْهَا فَاقْتَصَرْتُ عَلَى مَا ذَكَرْتُهُ
 مِنْ هَذِهِ الْحِكْمِ فِي هَذَا الْكِتَابِ عَلَى حَدِّ مَا ثَبَتَ فِي أُمِّ الْكِتَابِ فَأَمَثَلْتُ مَا رَسَمْتُ وَوَقَفْتُ
 عِنْدَ مَا حَدَّثَنِي وَلَوْ رُمْتُ زِيَادَةً عَلَى ذَلِكَ مَا اسْتَطَعْتُ فَإِنَّ الْحَضْرَةَ تَنْمَعُ بِكَ وَاللَّهُ السُّوْفِيُّ لَا
 رَبَّ غَيْرُكَ

یہ حکمت الہیہ کا فص کلمہ آدمیہ کے بیان میں ہے

فص سے مراد کسی شے کا خلاصہ اور زبدہ ہے۔ نیز فص سے مراد نگینہ انگشتی بھی ہے اور یہ دونوں معانی
 اس محل میں مناسب ہیں۔ یکسر اول اور بضم اول بھی آیا ہے یعنی فص فص اور فص تینوں تلفظ جائز ہیں۔ حکمت
 سے مراد اشیاء کے حقائق، اوصاف اور احکام کا گہرا جی جاننا ہے۔ کلمہ سے مراد ہر فرد عالم ہے کیونکہ کلمہ کن
 سے ایجاد ہوا ہے لیکن اس جگہ اُس نبی کے روح یا قلب سے عبارت ہے جس کی طرف وہ کلمہ منسوب ہے۔
 حکمت الہیہ کو حضرت آدم علیہ السلام کی طرف منسوب کرنے کی حکمت یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام اسم اللہ کے
 مظہر ہیں لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ إِنَّ اللَّهَ خَلَقَ آدَمَ عَلَى صُورَتِهِ۔ جیسے اسم اللہ جمیع اسماء و صفات کو جامع
 ہے ایسے ہی حضرت آدم علیہ السلام تمام مراتب حقیقی و خلقی کے جامع ہیں۔ ذات الہیہ کا تعین اول وحدت
 ہے جو نور محمدی ہے صلی اللہ علیہ وسلم۔ یہ ذات الہیہ کا ظہور علی اجمالی ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام چونکہ ظہور عنصری
 میں اللہ تعالیٰ کیلئے تعین اول ہیں اسلئے حکمت الہیہ کو آپ کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ جملہ انسان آدم علیہ
 السلام سے پیدا ہوئے اسلئے آپ اجمال کا حکم رکھتے ہیں۔ حقیقت میں آدم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پہلا ظہور
 عنصری ہیں۔

جب حق سبحانہ و تعالیٰ نے باعتبار اپنے اسمائے حسنی کے جو عدد شمار سے خارج ہیں، یہ چاہا کہ ان اسماء
 کے اعیان کو اور اگر چاہے تو کہہ کہ اپنی حقیقت کو ایک کون جامع میں دیکھے، جو وجود حق کے ساتھ موصوف
 ہونے کے باعث تمام اسماء کو محیط ہو، اور اُس کون جامع کے سبب اللہ تعالیٰ کا بھیدا اُس کیلئے ظاہر ہو، تو حضرت
 آدم علیہ السلام کو پیدا کیا۔ لَمَّا شَاءَ الْحَقُّ..... اَلَمْ يَسْرُكَ اِلَيْهِ شَرْطٌ ہے اور ہذا اسکی محذوف ہے جو فَخَلَقَ
 آدَمَ ہے۔ مراد یہ ہے کہ ازل الازل میں حق تعالیٰ ایک مخفی خزانہ تھا۔ خلقت کا نام و نشان نہ تھا۔ حق تعالیٰ کو محبت
 پیدا ہوئی کہ وہ پہچانا جائے اور اُس کے کمالات حسن یعنی اسماء و صفات کا ظہور ہو تو خلقت کو پیدا کیا لِقَوْلِهِ تَعَالَى
 كُنْتُ كَنْزًا مَخْفِيًّا فَاحْبَبْتُ اَنْ اُعْرَفَ فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ فَبَيَّ عَرَفُونِي۔ حق تعالیٰ مرتبہ احدیت ذاتیہ

میں بطون در بطون تھا۔ اُس کے اَسْمَاء و صفات اُس کی ذات میں بالقوہ موجود تھے۔ مرتبہ احدیت سے ذات نے تنزل فرما کر مرتبہ وحدت میں ظہور فرمایا۔ اس مرتبہ میں اَسْمَاء و صفات کا ظہور علمی اجمالی ہوا۔ پھر اس مرتبہ سے تنزل فرما کر مرتبہ واحدیت میں ظہور فرمایا۔ اس مرتبہ میں اَسْمَاء و صفات کا ظہور علمی تفصیلی ہوا۔ پھر اس مرتبہ سے تنزل فرما کر ذات نے عالم ارواح کی صورت پر ظہور فرمایا۔ پھر اس مرتبہ سے تنزل فرما کر عالم مثال کی صورت پر ظہور فرمایا۔ پھر اس مرتبہ سے تنزل فرما کر عالم اجسام کی صورت پر ظہور فرمایا۔ اس مرتبہ میں اَسْمَاء و صفات کا ظہور خارجی تفصیلی ہوا۔ مرتبہ احدیت وحدت اور واحدیت تینوں حقیقی مراتب ہیں۔ عالم ارواح عالم مثال اور عالم اجسام تینوں خلقی مراتب ہیں۔ پھر حق تعالیٰ نے چاہا کہ ایک ایسی ہستی کو پیدا کیا جائے جو تمام مراتب حقیقی اور خلقی کی جامع ہو اور اُس کے جمیع اَسْمَاء و صفات کی مظہر ہو اور وہ ہستی اللہ تعالیٰ کا ایک راز ہو یعنی اللہ تعالیٰ کے جمیع کمالات اُس میں پائے جائیں، تو اللہ تعالیٰ نے حضرت انسان کامل کو پیدا کیا۔ کون جامع سے مراد انسان کامل ہے یعنی وہ ہستی جو جمیع کمالات الہیہ کی جامع ہو۔ اسم اللہ حق اور خلق دونوں کو جامع اور شامل ہے، لہذا کمالات الہیہ سے مراد جمیع کمالات حقیقی اور خلقی ہے۔ وضاحت کیلئے دائرۃ اللہ پیش کیا جاتا ہے:-

دَائِرَةُ اللَّهِ

اَلَيْمَنَ

رُبُوبِيَّةَ

قَوَّسَ

صفات فاعلہ وجوبیہ مَظاہِرُ اللہ
حقیقت مستعد جامعۃ الرُّبُوبِيَّةِ وَالْإِنْسَانِيَّةِ
صفات قابلۃ امْكَانِيَّةِ مَظاہِرُ اللہ

اَلْيَسَرَ

عُبُودِيَّةَ

قَوَّسَ

دائرۃ اللہ اس امر کی وضاحت کر رہا ہے کہ ربوبیت اور عبودیت دونوں اللہ تعالیٰ کی شانیں ہیں اور ربوبیت اور عبودیت کے درمیان ایک برزخ جامع ہے۔ اُسی کا دوسرا نام کون جامع ہے۔ اس سے مراد حضرت انسان

کامل ہے جو تمام کمالات الہیہ کو جامع ہے۔ کمالات الہیہ سے مراد تمام کمالات حقیقی و خلقی ہے۔ تو گویا عالم کے افراد اللہ تعالیٰ کے مختلف اسماء کے مظاہر ہیں لیکن حضرت انسان اللہ تعالیٰ کی ذات یعنی جمیع اسماء و صفات کا مظہر ہے۔ حقیقتاً انسان کامل سے مراد سرکارِ دو عالم جناب محمد پاک صلی اللہ علیہ وسلم ہیں لیکن ظہور کے لحاظ سے ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ابوالارواح ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے انسان کو اسلئے پیدا کیا کہ وہ اپنی ذات کو اپنے اسماء و صفات کو اس میں دیکھے۔ لہذا انسان برسر الہی ہے۔ دوسرے الفاظ میں انسان کی صورت پر اللہ تعالیٰ جلوہ نما ہے۔ جو انسان اس راز کو پالیتا ہے وہ عارف باللہ ہے اور جو نہیں جانتا وہ جاہل ہے۔

فَإِنَّ رُؤْيَا الشَّيْءِ الْإِلَهِيِّ ابَسْوَالِیْہِ یہ پیدا ہوتا ہے کہ عالم اور انسان کو اللہ تعالیٰ نے کیوں ایجاد فرمایا اور یہ کیوں چاہا کہ اللہ تعالیٰ اپنے آپ کو ایک کون جامع یعنی انسان میں دیکھے۔ اُس کا جواب فرمایا ”کیونکہ ایک شے کا اپنی ذات کو اپنی ذات میں اپنی ذات کیساتھ دیکھنا ایسا نہیں ہے جیسا دیکھنا اپنی ذات کا کسی دوسری شے میں ہوتا ہے یعنی جب دوسری شے اُس کیلئے مثل آئینہ کے ہو۔ کیونکہ مرآت اُس شخص کو ایک ایسا محل منظور فیہ عطا کرتا ہے جس میں اُس کی ذات اُس کیلئے ظاہر ہوتی ہے اور اُس محل کے وجود کے بغیر اور بغیر اُس شخص کے تجلی کرنے واسطے اُس محل کے، اُس شخص کی ذات اُس کے لئے ظاہر نہ ہو سکتی تھی۔“ مراد یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ بطون در بطون مرتبہ احدیت میں مخفی خزانہ تھا تو حقیقتاً کی مثال بیج کی سی تھی۔ بیج میں درخت سارے کا سارا بالقوہ موجود ہے لیکن بیج کے کمالات کا ظہور نہیں۔ جب بیج بویا گیا تو انگور اُگا۔ اب بیج انگور کی صورت پر جلوہ نما ہو گیا ہے۔ اب انگور سے بیج کا علیحدہ وجود ہے ہی نہیں۔ بسا اوقات بیج کا خالی چھلکا انگور کے اوپر لٹکا ہوا نظر آتا ہے۔ انگور سے مراد سرکارِ دو عالم جناب محمد پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا نور پاک ہے۔ اب یہ انگور پھلا پھولا اور ایک درخت تیار ہو گیا۔ اس درخت کا نام شجرۃ الکون ہے۔ اس درخت پر پھل لگا اور وہ پھل حضرت انسان ہے۔ پھل ہمیشہ بیج کی صورت پر ہوتا ہے لہذا ارشاد ہوا خَلَقَ آدَمَ عَلٰی صُورَتِہِ۔ بیج کے جملہ کمالات پھل میں پاتے جاتے ہیں بلکہ بیج عین پھل ہے اور پھل عین بیج۔ اب اللہ تعالیٰ نے عالم کو پیدا کیا کہ اپنے کمالات اس میں دیکھے اور خاص طور پر حضرت انسان کو پیدا کیا کہ اس کی ذات کا مرآت ہو۔ اب انسان اپنے آپ کو بغیر آئینہ کے نہیں دیکھ سکتا۔ ایسے ہی عالم اور انسان اللہ تعالیٰ کے کمالات یعنی اسماء و صفات کے آئینے ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ ہی عالم اور بالخصوص انسان کی صورت پر جلوہ نما ہے تو اب وہ اپنے کمالات کیسے دیکھ رہا ہے؟ آئینے کا انسان سے ایک علیحدہ وجود ہے اور اُس دوسرے وجود میں وہ اپنے آپ کو دیکھتا ہے۔ لیکن حقیقتاً کی مراد یہ ہے کہ ساری خلقت میرے کمالات میرے مرآتِ تامہ جناب محمد

پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک میں دیکھے۔ یہ خلقت کا دیکھنا ہی اللہ تعالیٰ کا دیکھنا ہے۔ سبحان اللہ! پتہ لگ گیا کہ عالم کی پیدائش کی علت غائی یہ ہے کہ ہر کوئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر عاشق ہو اور ہر کوئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس میں اللہ تعالیٰ کے حسن و کمالات کو دیکھے۔

وَقَدْ كَانَ الْحَقُّ الْخَالِقُ اور تحقیق اللہ تعالیٰ نے مجملہ عالم کو مانند ایک ایسے کالبدی وجود کے ایجاد کیا تھا جو عمدہ معتدل بنا ہوا تھا لیکن اُس میں رُوح نہ تھی۔ پس عالم ایک ایسے آئینے کی مانند تھا جو غیر مجلّوہ تھا یعنی روشن نہ تھا۔ مراد یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے عالم کو پیدا کیا تو اللہ تعالیٰ کی مراد پوری نہ ہوئی کیونکہ عالم کی کوئی جزا اُلُوہیت کو قبول نہیں کرتی۔ اگرچہ شجرہ کون کی صورت پر حقیقی کا ظہور ہے لیکن عالم سب کا سب خلق ہے۔ لہذا اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا جو دو نسخہ ہے۔ نسخہ ظاہر اور نسخہ باطن۔ نسخہ ظاہر تمام عالم کے مشابہ ہے اور نسخہ باطن مرتبہ الہیہ کے مشابہ ہے پس انسان باعتبار اطلاق اور حقیقت کُلّی ہے اور وہ تمام موجودات قدیمہ اور حدیثہ کو قبول کرنے والا ہے۔ اور اس کے سوا اور کوئی اس کو قبول نہیں کرتا۔ پس عالم کالبد ہے اور حضرت انسان اُس کا رُوح ہے۔ وَ مِنْ شَأْنِ الْخَالِقِ اور ایجاد عالم و آدم کے متعلق حکم الہی کی شان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس محل عالم و آدم کو اسلئے معتدل بنایا کہ یہ رُوح الہی کو قبول کرے۔ قبول رُوح سے مراد نفخ رُوح ہے۔ نفخ رُوح سے مراد یہ ہے کہ یہ عالم و آدم کی معتدل صورت ایسی استعداد حاصل کر لے جو تجلی دائمی کے فیض کو قبول کرے۔ تجلی دائمی ایسی ہے کہ وہ ہمیشہ تھی اور ہمیشہ رہے گی۔ مراد یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے فیض اقدس سے اپنی ذات پر تجلی کی تو اللہ تعالیٰ کو عالم کے اعیان ثابتہ حاصل ہوئے۔ یعنی ممکنات عالم کے حقائق اور استعدادت حاصل ہوئیں۔ یہ عالم اور آدم کا حقیقی اللہ تعالیٰ کی ذات میں وجود علمی ہے۔ فیض مقدس سے اللہ تعالیٰ نے اعیان ثابتہ عالم کو وجود خارجی عطا کیا۔ فیض مقدس تجلی دائمی ہے کیونکہ ہر لحظہ ہر آن حقیقی ممکنات عالم کے اعیان ثابتہ کو لباس وجود خارجی عطا کر رہا ہے یعنی عالم اور آدم کی علمی صورتوں کو عینی ظاہری خارجی وجود عطا کر رہا ہے۔ وَ مَا بَقِيَ الْخَالِقُ اور نہ رہی کوئی شے باقی مگر قابلیتیں اور قابلیتیں فیض اقدس سے حاصل ہوتی ہیں۔ مراد یہ ہے کہ فیض اقدس سے اللہ تعالیٰ کو عالم کے اعیان ثابتہ حاصل ہوئے۔ اعیان ثابتہ سے مراد ممکنات کے حقائق و استعدادات ہے۔ فیض مقدس سے اللہ تعالیٰ عالم کے اعیان ثابتہ کو وجود خارجی عطا کر رہا ہے۔ لیکن وہ اعیان ثابتہ یعنی ممکنات کی علمی صورتیں اب بھی اللہ تعالیٰ کے علم میں باقی ہیں۔ اگرچہ حقیقی اُن علمی وجودوں کو خارجی وجود عطا کر رہا ہے لیکن وہ علمی صورتیں اب بھی اللہ تعالیٰ کے علم میں موجود ہیں۔ مثال کے طور پر ایک کاریگر کے ذہن میں ایک مکان کا نقشہ ہے۔ وہ اُس نقشہ کے مطابق مکان موقع پر تیار کر دیتا ہے لیکن وہ ذہنی نقشہ اب بھی کاریگر کے ذہن میں باقی موجود ہے۔ فَالْخَالِقُ

انہیں تمام امور اُسی سے ہیں یعنی اُن کی ابتدا اور انتہا اُسی سے ہے۔ مراد یہ ہے کہ ہر شے کا اوّل آخر ظاہر باطن ذات حق ہے یعنی ہر شے پر اُسی کا ظہور ہے۔ اور تمام امورِ عالم اُسی کی طرف رجوع کریں گے جیسا کہ اُن کی ابتدا اُس سے ہوئی ہے۔ مراد یہ ہے کہ عالم کی ہر شے کا مبداء و معاد ذات حق ہے جیسا کہ موجیں و ٹھاٹھیں سمندر سے پیدا ہوتی ہیں اور سمندر ہی میں مٹ جاتی ہیں۔ پس ذات حق بھر موج کی مثل ہے اور جملہ موجوداتِ عالم اُسی بھر کی امواج ہیں۔

جبکہ عالم بغیر وجودِ آدم کے آئینہ بے جلا کے مانند تھا اور شانِ الہی یہ ہے کہ ہر محل بعد تسویہ اور تعدیل کے روح الہی کو قبول کرے پس شانِ الہی نے تقاضا کیا کہ آئینہ عالم جلا پاوے اور وہ محل روح الہی کو قبول کرے لہذا آدم اُس آئینہ کی جلا اور اُس محلِ مستوی کی روح ہوئے۔

ظانگ مدبرِ عالم ہیں اور صورتِ عالم کیلئے بعض قویٰ میں سے ہیں۔ بعض قویٰ اسلئے کہ سوائے اُن کے اور بھی قوتیں ہیں جیسے کہ قویٰ روحانیہ اور نفوسِ منطبعہ کہ اجرامِ علوی اور اجسامِ سفلی میں ہیں اور قویٰ جسمانیہ کہ خادم نفوسِ منطبعہ ہیں۔ واضح ہو کہ حق سبحانہ تعالیٰ انسانِ کامل جو اُس کا خلیفہ ہے کے آئینہ دل میں تجلی فرماتا ہے اور اُس کے آئینہ دل کا عکس عالم پر فائض ہوتا ہے اور اس فیض کے وصول سے عالم باقی رہتا ہے۔ جب تک انسانِ کامل عالم میں باقی رہتا ہے حق تعالیٰ اُن اسماء اور صفات کے واسطے سے جنکے لئے موجوداتِ عالم مظاہر اور محلِ استواء ہیں، اپنی تجلیات ذاتیہ اور رحمتِ رحمانیہ اور رحیمیت سے امداد فرماتا ہے۔ پس عالم بسبب اس امداد اور فیضانِ تجلیات کے محفوظ رہتا ہے جب تک کہ انسانِ کامل عالم میں باقی ہے۔ لہذا کوئی معافی بغیر اُس کے ذریعہ اور حکم سے باطن سے ظاہر کی طرف نہیں آتے ہیں اور کوئی شے سوائے اُس کے ذریعہ اور حکم سے ظاہر سے باطن کی طرف نہیں رجوع کرتی ہے اگرچہ انسانِ کامل بسبب غلبہ بشریت کے اس معنی سے مطلع نہ ہوں فہو البرزخ بین البحرین و الیہ الاشارة بقولہ تعالیٰ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيْنِ۔

عالم کو انسانِ کبیر اور انسان کو عالمِ صغیر اس واسطے کہتے ہیں کہ جو کچھ عالم میں تفصیلوارہ موجود ہے نمونہ اسکا انسان میں بطریقِ اجمال موجود ہے اور حقیقت میں معاملہ برعکس ہے اسلئے کہ انسانِ عالم پر خلیفہ ہے اور خلیفہ کو ماتحتت فیہ پداستعلا ہے۔

وہ فرشتے جن کے ذریعہ سے عالم کی تدبیر ہوتی ہے اُن روحانی اور جسمانی قوتوں کی مانند ہیں جو جسدِ انسانی میں حاصل ہیں۔ وہ ملائکہ جو حضرت آدم علیہ السلام کے حق میں منازعین ہیں بذاتہ محبوب ہیں کیونکہ وہ کسی شے کو اپنی ذات سے بہتر نہیں دیکھتے ہیں۔ اور اُن کا گمان اس امر تک نہیں پہنچتا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں جملہ

عالیٰ مناصب اور منازل رفیعہ کی اہلیت نصیب ہے۔ اور اُس کو یہ کمال بوجہ جمیعت الہیہ کے حاصل ہے جسکی رُوس سے وہ تمام مراتب حقیقی احدیت وحدت اور واحدیت اور تمام مراتب خلقی عالم ارواح عالم مثال و عالم اجسام سب کو شامل ہے۔ اس امر جمیعت الہیہ کو جو آدم علیہ السلام کو حاصل ہے عقل فکر سے اسے نہیں پاسکتی بلکہ اس کا ادراک کشف الہی سے حاصل ہوتا ہے اور اسی کشف الہی سے صور عالم جو ارواح کو قبول کرنے والی ہیں کی اصل پہچانی جاتی ہے۔ صور عالم کی اصل ذات الہیہ ہے۔ اسی لئے آدم مذکور کا نام انسان اور خلیفہ رکھا گیا ہے۔

انسان کی وجہ تسمیہ بہ سبب دو امور کے ہے۔ امر اول بسبب عموم نشاۃ انسان کے ہے اسلئے کہ وہ مانوخذ ہے اُس سے بمعنی مایونس بہ کے اور انسان جمیع حقائق عالم کیساتھ مانوس ہے کیونکہ حقیقتی کا ظہور اُس میں بوجہ اکل ہے اور تمامی افراد عالم کا نمونہ اُس میں موجود ہے۔ دوسرا امر یہ ہے کہ انسان کے لغوی معنی آنکھ کی پتلی ہے جسمیں بینائی کی قوت ہے اور جس سے آنکھ کو نظر حاصل ہوتی ہے۔ چونکہ حقیقتی نے اپنے آپ کو یعنی اپنے کمالات کو انسان کے توسط سے دیکھا اور مجملہ مخلوق کو بھی اُسی انسان کے سبب دیکھا لہذا انسان حقیقتی کیلئے بمنزلہ آنکھ کی پتلی کے ٹھہرا اور اس جامع مذکور کا نام انسان رکھا۔ پس حقیقتی نے انسان کے توسط سے اپنی جمیع مخلوق پر رحم فرمایا یعنی اپنے انعام اکرام جمیع مخلوق پر انسان کے واسطہ سے تقسیم فرمائے۔

انسان حادث ہے کیونکہ ازل میں وہ خارج میں موجود نہ تھا بعد میں موجود ہوا۔ انسان ازلی ہے کیونکہ اسکا علی وجود حقیقتی کے علم میں موجود تھا۔ انسان نشاۃ دائمی ابدی ہے اسلئے کہ علت تامہ اُس کی باقی اور ابدی ہے اور تحلف معلول کا علت تامہ سے محال ہے۔ انسان کی حقیقت حضرت روح ہے جو دائمی ابدی ہے۔ انسان کلمہ فاصلہ جامع ہے۔ کلمہ اسلئے کہ کلمہ (کُن) سے پیدا ہوا ہے۔ کلمہ فاصلہ اسلئے ہے کہ حقیقت انسانی حقائق وجودیہ اور امکانیہ کے درمیان متصل ہے۔ جامع اسلئے ہے کہ وہ تمامی حقائق الہیہ اور کونیہ کو جامع ہے یعنی انسان حق اور خلق کے درمیان برزخ جامع ہے جیسا کہ دائرۃ اللہ میں اس امر کی وضاحت کی گئی ہے۔ پس وجود انسان کے باعث عالم تمام ہوا کیونکہ شجرۃ الکون پر مقرر حضرت انسان ہے۔

حضرت انسان عالم میں ایسے ہی ہے جیسے نگینہ انگوٹھی میں اور نگینہ نقش و علامت کا محل ہے۔ اُس علامت کے سبب بادشاہ اپنے خزانوں پر مہر کرتے ہیں۔ پس جیسے کہ بادشاہ اپنے خزانوں کی مہر کیساتھ محافظت کرتا ہے ایسے ہی حقیقتی اپنی مخلوق کی انسان کے ساتھ محافظت کرتا ہے۔ اس اعتبار سے اس جامع مذکور کا نام خلیفہ رکھا۔ مخلوق کی محافظت حقیقتاً اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے لیکن چونکہ حضرت انسان کامل تمام صفات الہیہ سے متصف ہے

اسلئے حقیقتاً نے حضرت انسان کامل کو اپنا خلیفہ بنا کر اپنی مخلوق کا محافظ ٹھہرایا۔ پس جب تک خزانوں کے اوپر بادشاہ کی مہر موجود ہو کوئی شخص بغیر بادشاہ کے حکم کے خزانوں کے کھولنے کی دلیوری نہیں کرتا ہے۔ لہذا حقیقتاً نے محافظت عالم کیلئے انسان کو اپنا خلیفہ بنایا۔ پس جب تک انسان کامل عالم میں موجود ہے عالم ہمیشہ محفوظ رہے گا۔ کیا تو نہیں دیکھتا کہ جب انسان کامل زائل ہوگا اور دنیا کے خزانہ سے مہر ٹوٹ جائیگی تو جو کچھ حقیقتاً نے خزانہ میں رکھا ہوا ہے اُس میں سے کچھ بھی باقی نہ رہے گا بلکہ سارے کا سارا نکل جائیگا اور بعض بعض کیساتھ مل جائیگا اور ظہور الہی کا امر آخرت کی طرف منتقل ہو جائیگا پس انسان کامل خزانہ آخرت پر مہر ابدی ہوگا۔

چونکہ جمیع اسماء الہیہ کا ظہور اس نشاۃ انسانی میں ہوا اسلئے اس وجود عنصری کیساتھ حضرت آدم علیہ السلام کو احاطت اور جمعیت کا رتبہ حاصل ہوا اور اسی احاطت اور جمعیت کے باعث اللہ تعالیٰ کی حجت فرشتوں پر قائم ہوئی۔ پس اسے طالب! تو نصیحت حاصل کر اور حضرت انسان کامل کے کمالات الہیہ کا انکار نہ کر اور دیکھ کہ فرشتوں پر کیسے عتاب نازل ہوا لِقَوْلِهِ تَعَالٰی اِنِّیْ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ) سبب وقوع تو یہی ہے کہ ملائکہ نے قناعت نہ کی اور اُس چیز پر ثابت نہ رہے جو اُن کو اُن کی استعداد کے مطابق حضرت انسان کامل سے پہنچتی ہے۔ اُس چیز سے مراد عبادت تسلیم اور تہلیل و دیگر کمالات ہیں جنکے ساتھ وہ محتق ہیں۔ حضرت آدم ظہور عنصری سے قبل عالم ارواح میں موجود تھے۔ جب فرشتوں نے اپنی حیثیت سے زیادہ طلب کیا تو حقیقتاً نے عتاب نازل کیا۔ جمیع افراد عالم اپنے اپنے کمالات حضرت انسان کامل سے اخذ کرتے ہیں کیونکہ ہر فرد پر ایک خاص اسم کا غلبہ ہے اور جمیع اسماء اسم اعظم اللہ سے جو جامع جمیع اسماء ہے استمداد چاہتے ہیں اور انسان کامل مظہر اسم جامع اللہ کا ہے۔ مراد یہ ہے کہ ملائکہ منازعین اُس اسم کیساتھ جس کے وہ مظاہر ہیں اور جس کے ساتھ وہ محتق ہیں اور جس کے موافق وہ عبادت کرتے ہیں ثابت نہ رہے حالانکہ حقیقتاً بھی اُن سے اُس عبادت کا طالب ہے کہ اُن کی ذات اُس کی مقتضی ہیں۔ جامعیت سوائے آدم کے اور کسی مخلوق کو حاصل نہیں اور عبادت بمقدار استعداد و علم اور معرفت کے ہے۔ پس جس کو حقیقتاً نے جمیع اسماء اور صفات کی استعداد و علم اور معرفت نہ بخشی ہو وہ حقیقتاً کی عبادت جمیع اسماء و صفات کیساتھ کیسے کرے گا۔ ملائکہ نے اس بات کو نہ جانا کہ تحقیق اللہ تعالیٰ کے واسطے ایسے اسماء ہیں جن کا علم اُن کو نصیب نہ ہوا پس ملائکہ نے اُن اسماء کیساتھ حقیقتاً کی نہ تسلیم کی نہ تقدیس کی۔ پس عدم ثبوت و عدم علم و عدم قناعت نے اُن پر غلبہ کیا اور اسی حال کی بدولت آدم کی خلقت عنصری پر نظر رکھتے ہوئے بولے (اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُفْسِدُ فِيْهَا) آیا تو بیچ زمین کے ایسا خلیفہ پیدا کرے گا جو اس میں فساد کرے گا۔

ملائکہ کا یہ قول محض نزاع تھا جو اُن سے وقوع پذیر ہوا۔ اور جو کچھ فرشتوں نے آدم کے حق میں کہا وہ عین اُس سرشت کی بدولت ہے جو اُن کو حق تعالیٰ سے نصیب ہے کیونکہ اگر اُن کی سرشت اُس جھگڑے کا تقاضا نہ کرتی تو ہرگز وہ آدم کے حق میں وہ کلمات نہ کہتے جو انہوں نے کہے۔ فرشتے اپنی حقیقت کا شعور نہیں رکھتے ہیں کیونکہ اگر وہ اپنی حقیقت کو پہچانتے تو رتبہ آدم کو ضرور جانتے۔ اور اگر وہ رتبہ آدم کو جانتے تو جھگڑے سے البتہ محفوظ رہتے۔ پھر طرہ یہ کہ ملائکہ نے اُس طعن آدم پر اکتفا نہ کیا بلکہ یہاں تک زیادتی کی کہ آدم پر خونریزی کا الزام بھی لگا دیا۔ اس دعویٰ کا سبب انکی تقدیس و تسبیح ہے جو وہ حق تعالیٰ کی کرتے ہیں۔ حالانکہ حضرت آدم علیہ السلام کے علم میں وہ اسماء الہیہ تھے جن پر ملائکہ واقف نہ تھے لہذا ملائکہ نے اُن اسماء کیساتھ اپنے رب کی نہ تسبیح کی نہ تقدیس کی جیسا کہ آدم علیہ السلام اُن اسماء کے ساتھ تسبیح و تقدیس کرتے تھے۔ پس حق تعالیٰ نے یہ ماجرا ہمارے لئے اسلئے بیان فرمایا کہ ہم حق تعالیٰ کے نزدیک رضا بالقضائے کے مقام میں رہیں یعنی جو مقام ہم کو بارگاہ الہی میں حاصل ہے اُس پر زیادتی نہ چاہیں۔ مراد یہ ہے کہ ہم ترقی درجات و مراتب کیلئے رب تعالیٰ کو مجبور نہ کریں بلکہ اللہ تعالیٰ کیساتھ ہم ادب سیکھیں کیونکہ وہ حکیم الخبیر ہے۔ ہماری استعدادات کے مطابق ہم کو مراتب و مناصب عطا کرتا ہے۔ اور اس واقعہ کے بیان کرنے کی دوسری حکمت یہ ہے کہ ہم کو اللہ تعالیٰ نے ادب سکھایا ہے کہ ہم اُس چیز کا دعویٰ نہ کریں جس کے متعلق ہم کو تحقیق نہ ہو اور جس پر ہم پورے پورے حاوی نہ ہوں کیونکہ ہم کو کیسے سزاوار ہے کہ ہم اپنے دعویٰ میں اُس چیز کو شامل کریں جس کا ہم کو علم نہ ہو اور یہ اسلئے ادب سکھایا ہے کہ ہم بعد میں رسوا نہ ہوں۔ پس یہ سارا بیان الہی اس لئے ہے کہ اس کے ساتھ حق تعالیٰ نے اپنے بندوں اَدَبًا اَمَنًا خُلَفًا کو ادب سکھایا ہے۔

ہم پھر حکمت الہیہ کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ حکمت الہیہ محققین صوفیائے کرام کی اصطلاح میں ایک علم ہے جس میں اُن امور کلیہ معقولہ پر بحث کی جاتی ہے جو وجود اور تعقل میں مادہ کے محتاج نہ ہوں جیسے کہ باری تعالیٰ اور عقول اور نفوس مجردہ ہیں۔ پس ہم کہتے ہیں کہ اُسے طالب! اس بات کو جان لے کہ تحقیق امور کلیہ مطلقہ معقولہ مثل حیات اور علم اور ارادہ اور قدرت وغیرہ کا اگرچہ خارج میں کوئی وجود نہیں ہے لیکن بلاشک وہ ذہن میں معقول اور معلوم ہیں۔ پس وہ امور کلی باطنی ہیں اور وجود خارجی سے جدا نہیں ہوتے ہیں کیونکہ اُن کا ہر اُس چیز میں جس کا وجود خارجی ہے حکم اور اثر ہے بلکہ وجود خارجی امور کلی کا عین ہے نہ غیر۔ وجود خارجی سے میری مراد ذوات موجودات خارجیہ ہے۔ مثال کے طور پر حیات باعتبار قید جزئی شخصی کے حق کی حقیقت کا عین ہے اور علم باعتبار قید جزئی شخصی کے عالم کی حقیقت کا عین ہے۔ پس امور کلی باعتبار کلیت کے خارج میں نہیں پاتے

جاتے بلکہ وہ خارج میں باعتبار قید جزئیہ کے پائے جاتے ہیں۔ امور کلیہ مطلقہ معقول میں اپنی معقولیت سے کبھی منفک نہیں ہوتے ہیں اور وہ اس حیثیت سے اسم باطن کے تحت میں مندرج ہیں۔ اور چونکہ خارج میں باعتبار قید جزئیہ کے پائے جاتے ہیں اس حیثیت سے وہ اسم ظاہر کے تحت میں مندرج ہیں پس امور کلی عقلی باطنی ساتھ قید جزئی شخصی کے وجود خارجی ظاہری کے عین ہیں اور یہ محال ہے کہ بدول اسم باطن کے اسم ظاہر کا وجود پایا جاوے۔

موجودات خارجی بسبب تعینات اور تشخصات کے امور کلیہ کے عین نہیں ہو سکتے ہیں بلکہ ذوات موجودات خارجی امور کلیہ کے عین ہیں۔ خلاصہ معنی کلام کا یہ ہے کہ یہ امور کلیہ اور اعیان موجودات خارجیہ یعنی ذوات موجودات خارجیہ اگرچہ ایک اعتبار سے تابع اور متبوع، لازم اور ملزوم، موثر اور متاثر ہیں لیکن دوسرے اعتبار سے ایک دوسرے کے عین ہیں کیونکہ تمامی حقائق کی حقیقت ذات الہیہ ہے اور وہ ایک ہی حقیقت ہے جو باعتبار تعینات اور تجلیات کے مراتب کثیرہ میں تعدد اور تکرر کے ساتھ متصف ہوتی ہے۔

امور کلیہ اپنی ذات کی حیثیت سے اپنی معقولیت سے کبھی منفک نہیں ہوتے ہیں لیکن جیسے کہ وہ معقولیت کے اعتبار سے باطن میں ایسے ہی وہ باعتبار موجودات خارجی کی عین ذوات ہونے کے ظاہر ہیں۔ پس جملہ موجودات خارجیہ کا قیام اور استناد ان امور کلیہ کی طرف ثابت ہے اور جملہ امور کلیہ کی حقیقت واحدہ ہے اور وہ ذات حق تعالیٰ ہے لہذا ثابت ہوا کہ جملہ موجودات خارجیہ کا قیام اور استناد ساتھ ذات حق تعالیٰ کے ہے جیسا کہ کتاب کے جملہ حروف والفاظ و کلمات کا قیام اور استناد ساتھ سیاہی کے ہے۔ امور کلیہ مطلقہ معقولہ مثل صفات باری تعالیٰ کے حد و حصر سے باہر ہیں لیکن سب کی حقیقت واحدہ ہے اور وہ وجود باری تعالیٰ ہے۔ اسی مسئلہ کا نام وحدت وجود ہے۔ امور کلیہ کو عقل سے اٹھا دینا ممکن نہیں ہے اور ان کا بیچ خارج کے اس طرح پر پایا جانا کہ بسبب اس وجود خارجی کے وہ اپنی معقولیت سے زائل ہو جاویں ممکن نہیں ہے۔ یعنی اگرچہ موجودات خارجیہ کی ذوات میں امور کلیہ ہی کا ظہور ہے لیکن پھر بھی امور کلیہ کا وجود ذہن میں بدستور سابق عقل میں اور علم میں موجود ہے۔ مثال کے طور پر ایک کاریگر کے ذہن میں ایک مکان کا نقشہ ہے۔ وہ اس ذہنی نقشہ کو کاغذ پر اتار کر مکان کا نقشہ تیار کر دیتا ہے۔ اس کے بعد اس کاغذی نقشہ سے مکان تیار کر دیتا ہے۔ اب مکان تیار ہو جانے کے بعد بھی اس مکان کا نقشہ کاریگر کے ذہن میں بدستور رہتا ہے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ مکان تیار ہو جانے کے بعد وہ ذہنی نقشہ کاریگر کے ذہن سے زائل ہو جاتے۔

اُمور کُلّی باوجود موجودات خارجیہ کی ذوات پر ظاہر ہونے کے ذہن سے زائل نہیں ہوتے خواہ موجودات خارجی زمانی ہوں یا غیر زمانی۔ وجود باری تعالیٰ کی دو جہتیں ہیں۔ ایک جہت سے وہ واجب الوجود ہے اور دوسری جہت سے وہ ممکن الوجود ہے۔ باعتبار وجوب کے وہ غیر زمانی ہے یعنی مرتبہ وجوب میں زمانہ نہیں پایا جاتا اور باعتبار امکان کے وہ زمانی ہے۔ پس ممکن زمانی اور واجب غیر زمانی کی اس امر کُلّی عقلی کی طرف نسبت یکساں ہے۔ ممکن زمانی کو حادث بھی کہتے ہیں اور واجب غیر زمانی کو قدیم بھی کہتے ہیں۔

اب موجود خارجی خواہ حادث ہے خواہ قدیم ہے دونوں کی نسبت امر کُلّی عقلی کیساتھ برابر ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ موجودات خارجیہ کا بھی حسب اقتضائے حقائق موجودات خارجیہ اس امر کُلّی میں تاثیر ہے۔ مثال کے طور پر علم کی عالم کیساتھ نسبت ہے اور حیات کی حقیقت کیساتھ نسبت ہے پس حیات بھی ایک حقیقت معقول ہے اور علم بھی ایک حقیقت معقول ہے۔ نیز حیات اور علم ایک دوسرے سے متمیز ہیں۔ اب تحقیق حق تعالیٰ کیلئے علم اور حیات ہے پس حقیقت تعالیٰ حقیق اور عالم ہے۔ ایسے ہی فرشتہ کیلئے بھی علم اور حیات ہے پس فرشتہ حقیق اور عالم ہے اسی طرح انسان کیلئے بھی حیات اور علم ہے پس انسان حقیق اور عالم ہے۔ ان سب میں حقیقت علم کی ایک ہی حقیقت ہے اور حقیقت حیات بھی ایک ہی حقیقت ہے اور نسبت علم اور حیات کی عالم اور حقیق کی طرف ایک ہی نسبت ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ حقیقت تعالیٰ کے علم کے متعلق ہم کہیں گے کہ تحقیق حقیقت تعالیٰ کا علم قدیم ہے اور انسان کے علم کے متعلق ہم کہیں گے کہ تحقیق انسان کا علم حادث ہے۔ پس دیکھ اے طالب! کہ موجودات خارجیہ کا بھی اس حقیقت معقولہ میں ایک حکم اور تاثیر ہے۔ مراد یہ ہے کہ جیسے ان اُمور کُلّیہ معقولہ کو بیچ موجودات خارجیہ کے حکم اور تاثیر ہے خواہ وہ موجودات خارجیہ واجب ہوں یا ممکن ایسے ہی موجودات خارجیہ کو بھی اُمور کُلّیہ میں حکم اور تاثیر ہے خواہ وہ اُمور کُلّی واجب ہوں یا ممکن۔ اُمور کُلّیہ جیسے ذات باری تعالیٰ اور صفات باری تعالیٰ واجب ہیں اور اُمور کُلّیہ جیسے نفوس اور عقول مجرّده اور ارواح کُلّیہ ممکن ہیں۔ پس معقولات اور موجودات خارجیہ کا آپس میں ارتباط ثابت ہوا۔

مثال کے طور پر جیسے کہ علم نے اُس شخص پر جس میں علم کا ظہور ہے یہ حکم کیا کہ اُس شخص کے حق میں کہا جاوے کہ تحقیق وہ عالم ہے ایسے ہی اُس شخص نے جو علم کیساتھ موصوف ہے علم پر اس طرح حکم کیا کہ تحقیق وہ علم حادث کے حق میں حادث ہے اور قدیم کے حق میں قدیم ہے۔ پس ہر ایک امر کُلّی اور موجود خارجی محکوم بہ اور محکوم علیہ ہوا۔ اور یہ معلوم و مقرر ہے کہ تحقیق اگرچہ اُمور کُلّیہ معقول ہیں لیکن خارج میں معدوم ہیں اور موجود خارجی پر حکم کرنے

میں موجود ہیں جیسے کہ وہ امور کلیہ موجود خارجی کی طرف نسبت کئے جانے میں محکوم علیہ ہیں۔ پس وہ امور کلیہ درمیان اعیان موجودہ کے ایک حکم کو قبول کرتے ہیں لیکن وہ تفصیل اور تجزی کو قبول نہیں کرتے بلکہ تحقیق امور کلیہ کیلئے یہ تفصیل اور تجزی محال ہے کیونکہ امور کلیہ ہر موجود خارجی میں جو امور کلیہ کیساتھ موصوف ہے بذاتہ ثابت ہیں۔ جیسے کہ صفت انسانیت کی ہر ہر فرد انسان میں موجود ہے لیکن اس نوع خاص سے کبھی جدا نہیں ہوتی اور وہ انسانیت کی صفت بسبب تعدد افراد انسان متعدد نہیں ہوتی۔ نیز امور کلیہ ہمیشہ معقول اور عقل میں ثابت ہیں۔ ان کیلئے وجود خارجی ثابت نہیں ہے۔

اب جبکہ ارتباط درمیان اُس شے کے جس کیلئے وجود خارجی ہے اور درمیان ایک شے کے جس کے لئے وجود خارجی نہیں ثابت ہوا حالانکہ ان دونوں کے درمیان امر جامع نہیں ہے تو موجودات خارجیہ کا بعض کا بعض کیساتھ ارتباط عقل کے زیادہ قریب کیونکہ ان دونوں موجود خارجیہ میں امر جامع موجود ہے۔ امر جامع سے مراد وجود خارجی بلکہ امر جامع کی وجہ سے ارتباط ان دونوں موجود خارجیہ میں قوی تر اور سزاوارتر ہے۔ اب موجودات خارجیہ کی دو قسمیں ہیں۔ بعض موجودات علمی ہیں بعض عینی خارجی ہیں یعنی بعض قدیم یا واجب ہیں اور بعض حادث یا ممکن ہیں۔ پس حادث کا قدیم کیساتھ یعنی ممکن کا واجب کیساتھ ارتباط بطریق اولیٰ ثابت ہوا ہے۔

اس بات میں شک نہیں ہے کہ جو چیز حادث ہے وہ اپنے وجود کی خاطر اپنے موجد کی محتاج ہوگی اس سے معلوم ہوا کہ وجود حادث کا از خود نہیں ہے بلکہ اپنے موجد کی طرف مرتبط اور مستند ہے اور یہ ضروری ہے کہ واسطے دفع دور اور تسلسل کے موجد واجب الوجود لذاتہ ہو۔ سبب ارتباط درمیان واجب الوجود کہ بذاتہ موجود ہے اور درمیان حوادث کہ لذاتہ معدوم ہیں یہ ہے کہ حادث واجب کی طرف احتیاج رکھتا ہے اور حادث کی علت احتیاج اُس کا ذاتی امکان ہے پس حادث اپنے وجود کی خاطر اپنے موجد کا محتاج ہے اور ارتباط افتقاری کے ساتھ اُس کے ساتھ مرتبط ہے۔ اور یہ ضروری ہے کہ وہ ذات جس کی طرف حادث مستند ہے لذاتہ واجب الوجود ہوا اور اپنے وجود کی خاطر بذاتہ بے پرواہ ہو یعنی اپنے وجود کی خاطر کسی کا محتاج نہ ہوا اور یہ ذات وہی موجد ہے جس نے اپنی ذات سے اس حادث کو وجود بخشا ہے پس یہی وجہ ہے کہ حادث اُسی واجب لذاتہ کی طرف منسوب ہے۔ مثال کے طور پر موجیں اور ٹھاٹھیں جو بحر سے پیدا ہوتی ہیں ان کا وجود اپنا علیحدہ ذاتی مستقل وجود نہیں ہے بلکہ ان کو وجود بحر نے عطا کیا ہے پس موجیں اور ٹھاٹھیں حادث ہیں اور بحر واجب لذاتہ ہے۔ اب موجیں اور ٹھاٹھیں بحر ہی کی طرف منسوب ہیں۔

جب واجب نے اپنی ذات کے ظہور کے واسطے حادث کو چاہا تو وہ حادث بسبب اُس واجب بذاتہ کے واجب ہو گیا۔ حادث کی واجب کی طرف استناد اور احتیاج اس بات کی مقتضی ہے کہ حادث واجب کی صورت پر ہو یعنی حادث واجب کے جملہ اسماء و صفات سے متصف ہو سوائے وجوب ذاتی کے جو حادث کے حق میں صحیح نہیں ہے کیونکہ اگرچہ حادث واجب الوجود ہو گیا ہے لیکن اُس کا وجوب ساتھ غیر کے ہے بذاتہ نہیں ہے۔ اگر حادث کیلئے وجوب ذاتی تسلیم کر لیا جائے تو ممکن کا من حیث ممکن واجب کیساتھ منقلب ہونا لازم آئیگا اور یہ محال ہے۔ حادث کا واجب کے اسماء اور صفات سے متصف ہونا دو وجہوں سے ثابت ہے۔ اول یہ کہ حادث وجود کیساتھ متصف ہے اور اسماء اور صفات وجود کو لازم ہیں پس لامحالہ حادث بھی لازم وجود کے ساتھ متصف ہوگا ورنہ ملزوم سے تخلف لازم آئیگا اور یہ محال ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ معلول علت کا اثر ہے اور آثار اپنی ذات اور صفات کیساتھ متاثر کی ذات اور صفات پر دلالت کرنے والے ہیں اور دلیل میں آثار مدلول کا ہونا ضروری ہے جیسے کہ اشکال اربعہ میں نتیجہ کی ذات اور آثار بالفعل یا بالقوہ موجود ہوتے ہیں پس جب حادث کا وجود بالغیر ہے تو اُس کا وجوب بھی بالغیر ہوگا۔ اگرچہ جملہ موجودات متصف بالوجود ہیں لیکن واجب کے جمیع کمالات کے ظہور کی صلاحیت سوائے انسان کے اُن میں بالفعل نہیں پائی جاتی۔ اور پھر انسانوں میں بھی فرق ہے۔ ذات حق کا ظہور ہر انسان میں اُس کی خداداد استعداد کے مطابق ہے۔ ذات حق کے اسماء و صفات کیلئے مراتب نامہ سرکارِ دو عالم حضور نبی کریم جناب محمد پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک ہے۔ پھر چاہتے کہ ہم اس بات کو جان لیں کہ جب تحقیق عالم صورت حق پر ظاہر ہے تو اللہ تعالیٰ نے ہم کو اپنی معرفت کا علم حادث کی ذات میں غور و فکر کرنے پر سونپا۔ نیز ذکر کیا کہ حق تعالیٰ نے اپنی نشانیاں ہم کو بیچ حادث کے دکھلائیں کَمَا قَالَ (سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنْفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ) اور فرمایا (وَفِي الْأَرْضِ آيَاتٌ لِلْمُوقِنِينَ ۖ وَفِي أَنْفُسِكُمْ أَفَلَا تُبْصِرُونَ) پس ہم نے اپنی معرفت سے حق تعالیٰ کی معرفت پر استدلال کیا۔ لہذا ہم حق تعالیٰ کی جملہ صفات سے موصوف ہیں سوائے وجوب ذاتی کے جو ذات حق کے ساتھ مختص ہے۔ جب حق تعالیٰ کو ہم نے اپنی ذات کیساتھ جانا اور ہر وہ چیز جو ہماری طرف منسوب ہے اُس کی طرف منسوب کی جیسا کہ اخبارات الہیہ بتوسط انبیاء کرام کی زبانوں کے ہماری طرف وارد ہوئیں تو حق تعالیٰ نے اپنی ذات کی صفت ہمارے واسطے ہماری صفات کیساتھ کی۔ مثال کے طور پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے (وَأَقْرَبُوا لِلَّهِ قَرَضًا حَسَنًا ۖ وَاللَّهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ ۖ وَ مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ ۖ وَيُذِ اللَّهُ

فَوْقَ أَيْدِيهِمْ ۖ وَفَايِنَمَا تَوَلَّوْا فَتَمَّ وَجْهَ اللَّهِ ۖ وَإِنَّ اللَّهَ خَلَقَ آدَمَ عَلَى صُورَتِهِ ۖ وَمَرِضْتُ فَلَمْ تَعْدِنِي ۖ
وَفَلَا يَزَالُ يَدْعُو حَتَّىٰ يَضْحَكَ اللَّهُ مِنْهُ ۖ (من الآيات والاحادیث)۔ لہذا جب ہم نے حق تعالیٰ کا مشاہدہ
کیا تو اپنی ذاتوں کا مشاہدہ کیا اور جب حق تعالیٰ نے ہم کو دیکھا تو اُس نے اپنی ذات کو دیکھا۔

مُراد یہ ہے کہ اگر ذات الہی کو بیج سے مثال دی جائے تو یہ شجرہ کون اُسی بیج کا ظہور ہے اور حضرت انسان
اس شجرہ کون پر ثمر ہے اور ثمر ہمیشہ بیج کی صورت پر ہوتا ہے۔ اب کوئی بیج کو دیکھنا چاہے تو ثمر کو دیکھ لے۔
بیج عین ثمر ہے اور ثمر عین بیج ہے ۝

ہم اس بات میں شک نہیں رکھتے ہیں کہ ہم اہل عالم افراد اور انواع کے ساتھ کثیر ہیں اگرچہ ہم سب پر
حقیقت واحدہ کا ظہور ہے۔ اور پھر عالم کے افراد میں تمیز کرنے کیلئے ایک فرق کر نیوالی چیز ہے اور وہ یہ ہے کہ عالم کی بعض
اشیاء جو ہر ہیں اور بعض عرض ہیں۔ جو ہر وہ شے ہے جو بذات خود موجود ہو اور عرض وہ ہے جس کا وجود بالغير
ہو۔ مثال کے طور پر ہر قسم کے کپڑے وجود کیلئے رُوئی کے محتاج ہیں۔ ہر قسم کے زیورات سونا چاندی کے محتاج
ہیں۔ حروف وجود کیلئے سیاہی کے محتاج ہیں۔ مٹی کے برتن وجود کیلئے مٹی کے محتاج ہیں۔ نیز افرادِ عالم میں تمیز
کرنے کیلئے ایک اور فارق ہے اور وہ یہ ہے کہ چونکہ حق تعالیٰ کے اُسماء و صفات لامتناہی ہیں اسلئے ہر فردِ عالم
ایک خاص اسم و ایک خاص صفت کا مظہر ہے۔ اور اگر یہ چیز نہ ہوتی تو وحدت میں کثرت نہ ہوتی۔ مُراد یہ ہے
کہ واحد میں کثرت کا باعث ظہورِ اُسماء و صفات واحد ہے۔ پس ایسا ہی حال افرادِ انسان کا بھی ہے یعنی انسانوں
میں بھی تمیز کا باعث یہی ہے کہ کوئی انسان کسی صفت کا مظہر ہے کوئی کسی صفت کا مظہر۔ کوئی جمال کا مظہر ہے
کوئی جلال کا مظہر ہے۔ مُراد یہ ہے کہ اگرچہ یہ شجرہ الکلون ایک بیج کا ظہور ہے لیکن اس پر پھول بھی ہیں اور کانٹے
بھی ہیں۔ پھول کون ہیں؟ ابرارِ لوگ یعنی انبیاء و اولیاء صالحین پھول ہیں۔ کانٹے کون ہیں؟ اشرار و فجارِ لوگ۔
اگرچہ پھول کانٹا نہیں ہو سکتا اور کانٹا پھول نہیں ہو سکتا لیکن دونوں درخت واحد کا ظہور ہیں ۝

اگرچہ حق تعالیٰ نے ہماری صفت اُس چیز کے ساتھ کی ہے جس کے ساتھ اُس نے اپنی ذات کی صفت
جمع و جوہ سے کی ہے لیکن ہم میں اور اُس میں ایک چیز فرق کرنے والی ضرور ہے اور وہ یہ ہے کہ ہم اپنے
وجود کی خاطر اُس کے محتاج ہیں اور بسبب ہمارے امکان کے ہماری ہستی اُس پر موقوف ہے لیکن غناء ذاتی
کے باعث وہ ہماری طرح وجود کی خاطر کسی کا محتاج نہیں۔ پس اس غناء ذاتی اور وجود کی خاطر کسی مبداء کی طرف
بے محتاجی کے سبب حق تعالیٰ کیلئے ازل و قدم صحیح ثابت ہوا۔ اس ازل و قدم سے وہ اَوَّلِیَّتِ مُنتَقٰی ہوتی جس

سے مراد عدم سے افتتاح اور ابتدا وجود کی ہے۔ لہذا حقیقی کے اول ہونے کے باوجود اس کی طرف اولیت کی نسبت نہیں کی جائیگی یعنی اس کی اولیت ایسی ہے کہ اس اولیت کے اول کوئی چیز نہیں۔ حقیقی قدیم ذاتی ہے اور ممکنات قدیم زمانی ہیں۔ حقیقی کی اولیت سے مراد ہر شے کی مبدائیت ہے۔ مراد یہ ہے کہ اس کی اولیت کی کوئی حد نہیں۔ اور ان ہی معنوں میں حقیقی آخر ہے۔ ممکن کی آخر سے مراد اس کی آخری حد ہے لیکن حقیقی کی آخریت سے مراد ایسی آخریت ہے جس کی کوئی حد نہیں۔ اگر حق تعالیٰ کی اولیت ممکنات کے وجود کی اولیت کے مثل ہوتی تو اس کا آخر ہونا واسطے ممکنات کے صحیح ثابت نہ ہوتا کیونکہ ممکنات کیلئے کوئی آخر نہیں۔ سوائے اس کے نہیں ہے کہ حقیقی کی آخریت سے مراد موجودات کی ذوات و صفات اور افعال کا حقیقی کی ذات و صفات و افعال میں فنا ہونا ہے۔ پس حقیقی اپنی اولیت کے عین میں آخر ہے اور اپنی آخریت کے عین میں اول ہے۔ مثال کے طور پر حقیقی فرماتا ہے (اَلَا اِنَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيطٌ) خبردار تحقیق حقیقی ہر شے پر محیط ہے۔ اس آیت کریمہ کی بنا پر سید المکونین حضرت امام حسین پاک صلوٰۃ اللہ علیہ و علیٰ آباءہم اکرام اپنی تصنیف لطیف مرآت العارفین میں حقیقی کو ایک دائرہ کیساتھ تشبیہ دیتے ہیں اور اس دائرہ کا نام دائرۃ اللہ رکھا ہے۔ اب دائرہ کے محیط پر جو نقطہ اول مانا جائے وہ ہی محیط کا آخر بھی ہوگا۔ اسی طرح جو آخر تسلیم کیا جائے وہ ہی اول بھی ہوگا۔ پس دائرہ میں اول عین آخر ہے اور آخر عین اول ہے۔ نیز دائرہ کے محیط کا ہر نقطہ ہی اول ہو سکتا ہے یعنی اس کا اول متعین نہیں۔ ایسے ہی دائرہ کے محیط کا ہر نقطہ ہی آخر ہو سکتا ہے یعنی اس کا آخر متعین نہیں۔ پس حقیقی ایک بحر موج ہے جس کا نہ کوئی ابتدا ہے نہ کوئی انتہا ہے نہ کوئی اول ہے نہ کوئی آخر ہے۔ جہاں حقیقی ہے وہاں زمانہ نہیں ہے۔ وہاں ازل ابد ایک ہی چیز ہے۔ اب امواج اگرچہ بحر ہی کا ظہور ہیں لیکن وجود کی خاطر بحر کی محتاج ہیں۔ نیز اگرچہ امواج کا وجود بحر کیساتھ ہی ہے لیکن بحر کو امواج پر تقدم حاصل ہے۔ اگرچہ یہ تقدم اور تاخر عقلی ہے زمانی نہیں۔ علمی وجود کی روئے سے امواج ازلی اور قدیم ہیں اور خارجی وجود کی روئے سے امواج حادث ہیں۔

پھر چاہیے کہ ہم اس بات کو جانیں کہ تحقیق حقیقی نے اپنی ذات کی صفت اس طرح سے کی ہے کہ تحقیق وہ ظاہر بھی ہے اور باطن بھی ہے۔ پس پیدا کیا عالم کو دو عالم یعنی عالم غیب و عالم شہادت تاکہ اسم ظاہر کا بھی ظہور ہو اور اسم باطن کا بھی ظہور ہو۔ حضرت انسان برتر الہی ہے اسلئے اس کا باطن باطن حق ہے اور اس کا ظاہر ظاہر حق ہے۔ پھر حقیقی نے اپنی ذات کی صفت ساتھ رضا اور غضب کے کی پس عالم کو خوف والا اور

امید وار پیدا کیا تاکہ ہم اہل عالم اُس کے غضب سے ڈریں اور اُس کی رضا کے امید وار رہیں۔ پھر حق تعالیٰ نے اپنی ذات کی صفت اس طرح سے کی کہ تحقیق وہ صاحب جمال بھی ہے اور صاحب جلال بھی پس اُس نے ہم کو ہیبت و انس پر پیدا کیا یعنی اُس کے جمال کی وجہ سے ہم اُس سے انس پکڑتے ہیں اور اُس کے جلال کی وجہ سے ہم پر ہیبت طاری ہوتی ہے۔ اور اسی طرح حق تعالیٰ کی جملہ صفات ہم اہل عالم میں پائی جاتی ہیں لہذا حق تعالیٰ کے فرمان کہ میں نے انسان کامل کو اپنے دونوں ہاتھوں سے پیدا کیا میں دونوں ہاتھوں سے مراد دونوں صفات جمال اور جلال کی ہیں۔ پس حضرت انسان کامل جمیع مراتب حقیقی و خلقی کو جامع ہے۔ نیز عالم ظاہر ہے اور خلیفہ غیب یعنی حضرت انسان کامل جو مدبر عالم ہے عالم کی روح ہے لہذا غیب ہے اگرچہ خلیفہ خارج میں موجود ہے لیکن سوائے بعض خواص اولیاء کے اس کو کوئی نہیں پہچانتا لہذا غیب ہے۔ خلیفہ سے مراد قطب زمان ہے اور وہ اپنے وقت کا سلطان ہے۔ چونکہ عالم کا انتظام اُس کے سپرد ہے لہذا یہ اُس کی شان کے لائق ہے کہ وہ خلق میں پوشیدہ رہے۔

حدیث شریف میں وارد ہوا کہ تحقیق اللہ تعالیٰ کیلئے ستر ہزار حجاب نور کے اور ظلمت کے ہیں حجب ظلمانی سے مراد اجسام طبعی عنصری ہیں اور حجب نورانی سے مراد ارواح لطیفہ ہیں اور ستر ہزار کثرت کی طرف اشارہ ہے۔ اور اسی طرح عالم بھی کثیف اور لطیف کے درمیان ہے۔ عالم امر یعنی عالم ارواح لطیف ہے اور عالم اجسام کثیف ہے۔ انسان کا جسد کثیف ہے اور روح لطیف ہے۔ عالم حق تعالیٰ کی ذات پر عین حجاب ہے۔ ذات سے مراد کُنہ ذات حق ہے جو صرافت ذاتی کا مرتبہ ہے اور اس مرتبہ میں اسماء و صفات الہیہ کا ظہور نہیں۔ عالم اسماء و صفات کے ظہور کا مرتبہ ہے اور کُنہ ذات حق بطون کا مرتبہ ہے۔ جس نے عالم کو عین حق تصور کیا اور محض تشبیہ کا قائل ہوا وہ ذات حق کی شان بطون سے غافل ہوا لہذا اُس شخص کیلئے عالم حق تعالیٰ کی ذات یعنی کُنہ پر حجاب ہے۔ نیز عالم ذات حق کا ادراک اس طرح نہیں کر سکتا جیسا طرح حق تعالیٰ اپنی ذات کا ادراک کرتا ہے۔ کیونکہ عالم کو اپنے وجود کیلئے اپنے موجد کی طرف احتیاج ہے اور اُس کو وجوب ذاتی جو حق تعالیٰ کی ذات کے لئے مختص ہے، میں کوئی حصہ نہیں۔ پس یہ بھی وجہ ہے کہ عالم ہمیشہ حجاب میں رہتا ہے اور یہ حجاب اُس پر کبھی اٹھایا نہیں جاتا۔ لہذا عالم حق تعالیٰ کی ذات یعنی کُنہ کا ادراک نہیں کر سکتا کیونکہ مرتبہ احدیت تک عقل و فکر کی رسائی نہیں۔ پس اس حیثیت سے ذات حق ہمیشہ علم ذاتی اور شہودی کے ساتھ غیر معلوم ہے کیونکہ حادث کو وجوب ذاتی میں کوئی دخل نہیں۔ لہذا انسان کامل اللہ تعالیٰ کا ادراک کرتا ہے لیکن معاً یہ بھی ادراک کرتا ہے

کہ اُس کی ذات یعنی کُنہ ذات حق غیر مذکور ہے کیونکہ اگر کُنہ ذات حق انسان کے حیطہ ادراک میں آجاتے تو ذات حق محدود ہو جاتی ہے اور یہ نقص ہے۔ لیکن اگر کُنہ ذات حق حقیقی کے حیطہ علم میں آجاتے تو بھی ذات حق محدود ہو جاتی ہے اور یہ نقص ہے۔ لہذا ثابت ہوا کہ کُنہ ذات حق کا ادراک نہ انسان کامل کر سکتا ہے نہ حق تعالیٰ کر سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آدم کیلئے اپنے دونوں ہاتھوں کو ایسے جمع کیا تا کہ اُس کو بزرگ کرے اور اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ابلیس کو فرمایا (مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِیْدَیَّ) کس چیز نے تجھ کو اُس کو سجدہ کرنے سے منع کیا جس کو میں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے پیدا کیا۔ آدم کو بزرگی اسی لئے ہے کہ وہ دونوں صورتوں یعنی صورتِ عالم اور صورتِ حق کا جامع ہے۔ اُس کی ظاہری صورتِ عالم کو شامل ہے اور باطنی صورتِ حق تعالیٰ کو شامل ہے۔ یعنی آدم خلقی کمالات اور حقیقی کمالات کا جامع ہے اور حقیقی کے دونوں ہاتھ یہی ہیں۔ مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کیلئے دو جہتیں ہیں ایک جہت ربوبیت دوسری جہت عبودیت اور آدم دونوں جہتوں کا جامع ہے۔ ابلیس عالم میں سے ایک جز ہے۔ اُس کو یہ جمیعت حاصل نہیں۔ اسی جمیعت کے واسطے آدم خلیفہ ٹھہرے۔ اگر آدم مُستخلف کی صورت پر ظاہر نہ ہوتے تو جس غرض کیلئے وہ خلیفہ بنائے گئے تھے وہ غرض اُن سے پوری نہ ہوتی۔ لہذا وہ خلیفہ کہلانے کے حقدار نہ ہوتے۔ یعنی اگر آدم اللہ تعالیٰ کی صفات کاملہ سے موصوف نہ ہوتے تو عالم میں اللہ تعالیٰ کے نائب کیلئے ہوتے کیونکہ خلیفہ کیلئے لازمی ہے کہ ہر وہ چیز جو رعایا اُس سے طلب کرے وہ اُن کو عطا کر سکے ورنہ وہ اُن پر خلیفہ نہیں ہو سکتا۔ لہذا خلافت کا اطلاق سوائے انسان کامل کے کسی پر صحیح نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آدم کی ظاہری صورتِ عالم کے حقائق اور عالم کی ظاہری صورتوں سے پیدا کی اور آدم کی باطنی صورتِ اپنی صورت یعنی اللہ تعالیٰ کی صورت پر پیدا کی۔ مراد یہ ہے کہ آدم کا ظاہر خلق کو شامل ہے اور باطن حق کو شامل ہے۔ یعنی ظاہر اس کا خلقی صفات سے آراستہ ہے اور باطن اس کا حقیقی صفات سے پیراستہ ہے۔ اور اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے حدیث قدسی میں آدم کے حق میں فرمایا کُنْتُ سَمْعًا وَبَصَرًا میں اُس کی قوتِ سامعہ اور قوتِ باصرہ ہوتا ہوں۔ اور یہ نہیں فرمایا کہ میں اُس کی آنکھ اور اُس کا کان ہوتا ہوں۔ پس حقیقی نے دونوں صورتوں ظاہری اور باطنی میں فرق کیا۔ یعنی اللہ تعالیٰ کیلئے دو جہتیں ہیں۔ ایک جہت سے وہ رب ہے دوسری جہت سے وہ عبد ہے لیکن صفاتِ اعلیٰ کو صفاتِ اسفل پر یعنی صفاتِ حقیقی کو صفاتِ خلقی پر اطلاق نہ کرے۔

ہر مرتبہ از وجود حُکمے دارد ۔۔۔ گر حفظ مراتب ننگی ز ندیقی (جامی)

اُس وجود ذات کا ہر مرتبہ میں ایک خاص حکم ہے۔ اگر حفظ مراتب نہ کریگا تو تو نزدیک ہے۔ مرتبہ لائقین میں اُس کا نام رب ہے اور مرتبہ تعین میں اُس کا نام عبد ہے۔ اسی طرح انسان کے ظاہر یعنی قالب کا نام خلق ہے اور اُس کے باطن یعنی حضرت روح کا نام حق ہے۔ قالب کثیف ہے اور روح لطیف ہے۔

حق تعالیٰ کا ظہور صرف آدم میں ہی محدود نہیں بلکہ اُس ذات کا جمیع موجودات عالم میں ظہور ہے لیکن اُس کا ظہور ہر موجود میں اُس قدر ہے جس قدر اُس موجود کی حقیقت اور استعداد چاہتی ہے۔ آدم اسلئے خلیفہ مٹھڑے کہ آپ جمیع حقائق کو نبیہ والہیہ کے جامع ہیں اور اس قدر جامعیت سوائے آدم کے اور کسی موجود کو نصیب نہیں۔ پس جمیع موجودات میں سے آدم کا منصب خلافت پر فائز ہونے کا سبب صرف یہ ہے کہ آپ جمیع کمالات خلقی و جمیع کمالات حقی کے جامع ہیں۔ نیز اگر موجودات میں ذات حق کی سرایت بالقوت نہ ہوتی تو عالم کی واسطے وجود نہ ہوتا جیسے کہ تحقیق اگر حقائق معقولہ کلیہ نہ ہوتے تو موجودات خارجیہ میں کوئی حکم اور تاثیر ظاہر نہ ہوتا۔ پس اس حقیقت کی روتے سے عالم اپنے وجود کی خاطر حق تعالیٰ کا محتاج ہے۔

ذات بحت کی مثال بیچ کی سی ہے۔ جب بیچ بویا جاتا ہے تو اُس میں سے انگور نکلتا ہے۔ انگور سے مراد نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم ہے کما ذکر فی الحدیث اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ نُورَہِی سب سے پہلے جو چیز اللہ تعالیٰ نے پیدا کی وہ میرا نور ہے۔ بیچ بے صورت ہے لیکن انگور کی صورت اُلف کی سی ہے جو نور احمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔ بسا اوقات بیچ کا خالی چھلکا انگور کے اوپر چلا آتا ہے جو زبان حال سے شہادت دے رہا ہے کہ بھائی میں تو اب چھلکا ہی ہوں، بیچ یعنی بیچ کے مغز نے ایک ہیئت بدل لی ہے، اب کوئی اگر مجھے دیکھنا چاہے تو اس انگور کو دیکھ لے۔ یعنی میرا تو اب نام ہی نام باقی ہے، نام واسے کو دیکھنا چاہو تو اس انگور کو دیکھو۔ اگر کوئی باور نہ کرے اور اُس گول گولار بیچ کو تلاش کرے تو تحت الثریٰ تک زمین کو کھودے وہ بیچ کہیں نہ ملے گا۔ وہ بیچ کہاں گیا؟ اُس بیچ نے ایک ہیئت بدل لی ہے۔ آگے بی صورت تھا اب صورت کا لباس پہن لیا بقولہ تعالیٰ (ہٰذَا الْقُرْآنُ الَّذِیْ نَزَّلْنٰہُ عَلَیْکَ وَیَٰرَسُوْلُ اللّٰہِ صَلِّ اللّٰہُ عَلَیْکَ وَسَلِّمْ اٰیٰتِہٖ سُوْرٰتِ مَبْرُکَہِہٖ) کیونکہ آپ کی صورت پاک پر میں رب تعالیٰ جلوہ نما ہوں۔ ص سے مراد صورت احمدی ہے صلی اللہ علیہ وسلم۔ ص پر مبی مد (س) ظل کی طرف اشارہ ہے یعنی اس صورت احمدی صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ تعالیٰ کا سایہ ہے۔ یہ ہی وجہ ہے کہ اس صورت پاک کا سایہ اللہ تعالیٰ کے سایہ میں گم ہو گیا۔ اور قسم ہے سمجھانے والے قرآن کی یعنی قسم ہے آپ کی حقیقت کی کیونکہ آپ کی حقیقت عین میری حقیقت ہے اور آپ کی حقیقت میں میری حقیقت تلاوت

کی جا رہی ہے۔ اب انگور سے علیحدہ کوئی بیج کو تلاش کرے تو وہ بیج اب نہ ملے گا کیونکہ اُس کا وجود اب ہے ہی نہیں۔ اُس کا تو اب نام ہی نام ہے۔ پھر یہ انگور بڑھا اور پھلا پھولا۔ اس میں سے کئی ٹہنیاں بیشمار برگ حتیٰ کہ ایک عالیشان درخت تیار ہو گیا۔ اس درخت کا نام شجرۃ الکون ہے۔ اب اس درخت کو بیج کا ظہور کہیے تو بجا ہے اور اگر انگور کا ظہور کہیے تو بھی بجا ہے لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَنَا مِنَ نُورِ اللَّهِ وَالْخَلْقُ كُلُّهُمْ مِنْ نُورِي حضرت انسان کامل جناب محمد پاک صلی اللہ علیہ وسلم صورتِ اہمّیہ کیساتھ ظاہر ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ کمال اسلئے عطا فرمایا تاکہ آپ حقیقی کا بدل ہوں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کا نام خلیفہ رکھا ہے اور آپ کے بعد جو آپ کی مثل ہیں وہ آپ کے خلیفے ہیں۔ پس آپ اکیلے اللہ تعالیٰ کے خلیفے ہیں اور جو آپ کی مثل عالم اجسام میں ظاہر ہوئے ہیں وہ آپ کے خلیفے ہیں اور ہر امر میں جو آپ کے واسطے صحیح ہے وہ اُس کے بدل ہیں چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پہلا خلیفہ حضرت آدم علیہ السلام ہیں ۛ شعر

(۱) پس ہر ایک واجب اور ممکن ایک دوسرے کے محتاج ہیں اور ایک دوسرے سے بے نیاز نہیں ہیں۔ واجب ظہور کیسے ممکن کا محتاج ہے اور ممکن وجود کیلئے واجب کا محتاج ہے سیاہی ظہور کیلئے حروف کی محتاج ہے اور حروف وجود کیلئے سیاہی کی محتاج ہیں۔ یہ بات حق ہے جو ہم نے کہی ہے۔ ہم اس کو پوشیدہ نہیں رکھتے ہیں ۛ

(۲) اگر تو حقیقی کی بے نیازی کا ذکر کرے کہ اُس کو کسی کی محتاجی نہیں تو بھی درست ہے لیکن تحقیق تو نے جان لیا جو کچھ اس قول سے ہماری مراد ہے۔ مراد یہ ہے کہ حقیقی وجود ذاتی کی بنا پر بے نیاز ہے۔ اپنے وجود کے لئے وہ کسی کا محتاج نہیں لیکن ظہور کے لئے عالم کا اور بالخصوص انسان کا محتاج ہے ۛ

(۳) پس ہر ایک واجب اور ممکن بائیکد مگر مربوط ہیں اور حقیقی کو عالم سے جدائی حاصل نہیں ہے۔ پس جو کچھ میں نے کہا ہے اُس کو لے لو یعنی قبول کر دو ۛ

پس تحقیق تو نے جسدِ آدم کی پیدائش کی حکمت کو جان لیا یعنی اُس کی ظاہری صورت کو اور تحقیق تو نے رُوحِ آدم کی پیدائش کی حکمت یعنی اُس کی باطنی صورت کو بھی جان لیا۔ پس ثابت ہوا کہ آدم حق بھی ہے اور خلق بھی ہے۔ نیز تو نے اُس کے رتبہ کی وجہ بھی جان لی کہ وہ جامعیتِ حق اور خلق ہے اور اسی جامعیت کے باعث وہ خلافت کے مستحق ہوتے۔ پس آدم ہی وہ نفسِ واحدہ ہے جس سے یہ نورِ انسانی پیدا کی گئی ہے اور اس کا مذکور اللہ تعالیٰ کے قول (يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا ذَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً) اے لوگو! اپنے رب سے ڈرتے رہو جس نے تم کو ایک

جان سے پیدا کیا اور اُسی سے اُس کا بھڑا بنایا اور ان دونوں سے بہت مرد اور عورتیں بکھیرے، میں موجود ہے۔
 آیہ مذکورہ میں ”اتَّقُوا سِرَّاتِكُمْ“ سے مراد یہ ہے کہ امور مذموم کی نسبت اپنے نفس کی طرف کرو اور امور
 محمود کی نسبت اپنے رب کی طرف کرو۔ اگرچہ عالم میں فعل الہی جاری ہے لیکن بندہ کو چاہیے کہ حفظِ ادب اختیار کرے
 اپنے رب سے ڈر یعنی اپنے رب کی بے ادبی سے ڈر و تا کہ تم صاحبِ ادب عارفین کا ملین میں شامل ہو جاؤ۔
 جب حق تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو منصبِ خلافت پر فائز کیا تو باوجود خلافت کے ایک اور
 خلعت بھی عطا فرمایا۔ یعنی اُن حقائق اور معارف اور اسرارِ الہیہ سے جو اُن کی حقیقت میں ودیعت رکھے تھے
 اُن کو مطلع فرمایا۔ اُن اسرارِ مودع سے مراد اسماء اور اُن کے معانی ہیں کَمَا قَالَ تَعَالَى (وَعَلَّمَهُ اَدَمُ الْاَسْمَاءَ
 كُلَّهَا)۔ اُن اسرارِ الہیہ کو حق تعالیٰ نے اپنے دونوں قبضوں میں لیا۔ اُن میں سے ایک قبضہ میں عالمِ کبیر ہے اور
 دوسرے قبضہ میں عالمِ صغیر ہے۔ عالمِ صغیر سے مراد آدم اور اُن کی اولاد ہے۔ مراد یہ ہے کہ وہ اسرارِ الہیہ حق تعالیٰ
 نے آدم اور اُن کی اولاد کو سکھلاتے اور آدمی کے سوا دوسری مخلوقات کو بھی وہ اسرارِ اُن کی استعداد کے
 مطابق سکھلاتے۔ بلحاظ حقائق اور معارفِ الہیہ کے اللہ تعالیٰ نے آدم کے فرزندوں کے مراتب میں امتیاز بخشا
 یعنی بعض کو بعض پر فضیلت بخشی۔ اگرچہ والدِ کبیر ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام ہیں یعنی جملہ انسان حضرت آدم
 علیہ السلام سے پیدا ہوتے ہیں لیکن سب انسانوں کے امام اور والدِ اکبر سرکارِ دو عالم جناب محمد پاک صلی اللہ علیہ
 وسلم ہیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ابوالارواح ہیں اور جملہ ارواح آپ ہی سے پیدا ہوتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ
 وسلم کی قابلیت اور استعداد کی مثال بحرِ مَوَاج کی سی ہے۔ جملہ انبیاء سابقہ علیہم السلام مثل جداول اور انہار کے
 ہیں جو اُس بحر سے نکالی گئی ہیں۔ باقی مخلوقات اُس بحر کے قطرات ہیں۔ اس روحِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں جو
 اسرارِ الہیہ اللہ تعالیٰ نے ودیعت رکھے ہوتے تھے انہیں سے جو اللہ تعالیٰ نے میرے ہر اور بھید کو عطا کئے
 بعض اُن میں سے اس کتاب میں درج کئے گئے ہیں۔ اور جو اسرارِ درج کئے گئے ہیں وہ ہیں جو میرے
 لئے حد مقرر کی گئی تھی ورنہ جملہ اسرارِ جو مجھے سکھلاتے گئے ہیں کتاب تو درکنار جملہ عوالم میں بھی نہیں سما
 سکتے۔ مراد یہ ہے کہ جناب محمد پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات حیطہ تحریر سے باہر ہیں کیونکہ ہر نبی یا ولی آپ
 کی ایک جُز ہے اور جُزِ کل کے کمالات کو ادراک نہیں کر سکتی۔

پس وہ چیز جس کو میں نے خواب میں مشاہدہ کیا یعنی وہ چیز جو میں اس کتاب میں امانت رکھوں گا
 جیسا کہ میرے واسطے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حد مقرر کی تھی حکمتِ الہیہ ہے بیچ بیان کلمہ آدمیہ کے

اور وہ یہی باب ہے، پھر حکمت نفثیہ ہے بیچ بیان کلمہ شیشیہ کے، پھر حکمت سبوحیہ ہے بیچ بیان کلمہ نوحیہ کے، پھر حکمت قدوسیہ ہے بیچ بیان کلمہ ادرویہ کے، پھر حکمت مہیمیہ ہے بیچ بیان کلمہ ابراہیمیہ کے، پھر حکمت حقہ ہے بیچ بیان کلمہ اسحاقیہ کے، پھر حکمت علیہ ہے بیچ بیان کلمہ اسماعیلیہ کے، پھر حکمت روحیہ ہے بیچ بیان کلمہ یعقوبیہ کے، پھر حکمت نوریہ ہے بیچ بیان کلمہ یوسفیہ کے، پھر حکمت احدیہ ہے بیچ بیان کلمہ ہودیہ کے، پھر حکمت فاتحیہ ہے بیچ بیان کلمہ صالحیہ کے، پھر حکمت قلبیہ ہے بیچ بیان کلمہ شعبیہ کے، پھر حکمت ملکیہ ہے بیچ بیان کلمہ لوطیہ کے، پھر حکمت قدریہ ہے بیچ بیان کلمہ عزیزیہ کے، پھر حکمت نبویہ ہے بیچ بیان کلمہ عیسیویہ کے، پھر حکمت رحمانیہ ہے بیچ بیان کلمہ سلیمانیہ کے، پھر حکمت وجودیہ ہے بیچ بیان کلمہ داؤدیہ کے، پھر حکمت نفسیہ ہے بیچ بیان کلمہ یونسہ کے، پھر حکمت غیبیہ ہے بیچ بیان کلمہ ایوبیہ کے، پھر حکمت جلالیہ ہے بیچ بیان کلمہ یحویۃ کے، پھر حکمت مالکیہ ہے بیچ بیان کلمہ زکریویہ کے، پھر حکمت انبیاسیہ ہے بیچ بیان کلمہ الیاسیہ کے، پھر حکمت احسانیہ ہے بیچ بیان کلمہ لقمانیہ کے، پھر حکمت امامیہ ہے بیچ بیان کلمہ ہارونیہ کے، پھر حکمت علویہ ہے بیچ بیان کلمہ موسویہ کے، پھر حکمت محمدیہ ہے بیچ بیان کلمہ خالدیہ کے، پھر حکمت فردیہ ہے بیچ بیان کلمہ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے۔

اور ہر حکمت کا قص وہ کلمہ ہے جس کی طرف وہ حکمت منسوب ہے۔ کلمہ اُس نبی کے روح یا قلب سے عبارت ہے جس کی طرف وہ کلمہ منسوب ہے۔ اور ان حکمتوں میں سے ہر حکمت کے متعلق جو کچھ میں نے اس کتاب میں ذکر کیا ہے وہ اُس حد کے مطابق ہے جو اُم الکتاب میں ثابت ہے۔ پس میں نے اُس علامت کی جو میرے واسطے نشان کی گئی تھی پیروی کی اور میں اُس حد کے نزدیک جو میرے واسطے مقرر کی گئی تھی ٹھہرا۔ اور اگر میں اس پر زیادتی چاہتا تو طاقت نہ رکھتا کیونکہ تحقیق حضرت الہیہ اس امر سے منع کرتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ہی توفیق دینے والا ہے اُس کے سوا کوئی رب نہیں۔

فَضْلُ حِكْمَةِ نَفْثِيَّةٍ فِي كَلِمَةِ شَيْشِيَّةٍ

إِعْلَمَنَّ أَنَّ الْعَطَايَا وَالْمَنَحَ الظَّاهِرَةَ فِي الْكَوْنِ عَلَى أَيْدِي الْعِبَادِ وَ عَلَى غَيْرِ أَيْدِيهِمْ عَلَى قِسْمَيْنِ مِنْهُمَا مَا يَكُونُ عَطَايَا ذَاتِيَّةً وَ عَطَايَا أَسْبَابِيَّةً وَ تَسْمِيَّتُهُ عِنْدَ أَهْلِ الْأَذْوَاقِ كَمَا أَنَّ مِنْهَا مَا يَكُونُ عَنْ سُؤَالٍ فِي مُعَيَّنٍ وَ عَنْ سُؤَالٍ فِي غَيْرِ مُعَيَّنٍ وَ مِنْهَا مَا لَا يَكُونُ عَنْ سُؤَالٍ سِوَاءِ كَانَتْ الْعَطِيَّةُ ذَاتِيَّةً أَوْ أَسْبَابِيَّةً

فَالْمُعَيَّنُ كَمَنْ يَقُولُ يَا رَبِّ اعْطِنِي كَذَا فَيُعَيَّنُ أَمْرًا مَالًا يَخْطُرُ لَهُ سِوَاهُ وَغَيْرُ الْمُعَيَّنِ كَمَنْ يَقُولُ
يَا رَبِّ اعْطِنِي مَا تَعْلَمُ فِيهِ مَصْلَحَتِي مِنْ غَيْرِ تَعْيِينٍ بِكُلِّ جُزْءٍ ذَاتِي مِنْ لَطِيفٍ وَكَثِيفٍ وَ
السَّائِلُونَ صِنْفَانِ صِنْفٌ بَعَثَهُ عَلَى السُّؤَالِ الْإِسْتِعْجَالُ الطَّبِيعِيُّ فَإِنَّ الْإِنْسَانَ خُلِقَ عَجُولًا وَ
الصِّنْفُ الْآخِرُ بَعَثَهُ عَلَى السُّؤَالِ لِمَا عِلِمَ أَنَّ ثَمَّةَ أُمُورٍ عِنْدَ اللَّهِ قَدْ سَبَقَ الْعِلْمُ بِإِنْفَالِهَا تَنَالُ
إِلَّا بَعْدَ سُؤَالٍ فَيَقُولُ فَلَعَلَّ مَا أَسْأَلُهُ سُبْحَانَهُ يَكُونُ مِنْ هَذَا الْقَبِيلِ فَسُؤَالُهُ إِحْتِيَاطٌ لِمَا هُوَ الْأَمْرُ
عَلَيْهِ مِنَ الْإِمْكَانِ وَهُوَ لَا يَعْلَمُ مَا فِي عِلْمِ اللَّهِ وَلَا مَا يُعْطِيهِ اسْتِعْدَادًا فِي الْقَبُولِ لِأَنَّهُ مِنْ أَغْصَنِ
الْمَعْلُومَاتِ الْوَقُوفُ فِي كُلِّ زَمَانٍ فَرَدٌّ عَلَى اسْتِعْدَادِ الشَّخْصِ فِي ذَلِكَ الزَّمَانِ وَلَوْ لَا مَا أُعْطَاهُ
الْإِسْتِعْدَادُ السُّؤَالُ مَا سَأَلَ فَعَايَةُ أَهْلِ الْحُضُورِ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ مِثْلَ هَذَا أَنَّ يَعْلَمُوا فِي
الزَّمَانِ الَّذِي يَكُونُونَ فِيهِ فَإِنَّهُمْ لِحُضُورِهِمْ يَعْلَمُونَ مَا أُعْطَاهُمْ الْحَقُّ فِي ذَلِكَ الزَّمَانِ وَ
أَنَّهُمْ مَا قَبِلُوا إِلَّا بِالْإِسْتِعْدَادِ وَهُمْ صِنْفَانِ صِنْفٌ يَعْلَمُونَ مِنْ قَبُولِهِمْ اسْتِعْدَادَهُمْ وَصِنْفٌ يَعْلَمُونَ
مِنْ اسْتِعْدَادِهِمْ مَا يَقْبَلُونَهُ هَذَا أَتَمَّ مَا يَكُونُ فِي مَعْرِفَةِ الْإِسْتِعْدَادِ فِي هَذَا الصِّنْفِ وَمِنْ
هَذَا الصِّنْفِ مَنْ يَسْأَلُ لَا لِلْإِسْتِعْجَالِ وَلَا لِلْإِمْكَانِ وَإِنَّمَا يَسْأَلُ إِمْتِنَانًا لِأَمْرِ اللَّهِ فِي قَوْلِهِ
تَعَالَى (وَقَالَ رَبُّكُمْ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ) فَهُوَ الْعَبْدُ الْمُحْضَرُّ وَلَيْسَ لَهُ الدَّاعِي هِمَّةٌ مُتَعَلِّقَةٌ
فِيمَا سَأَلَ فِيهِ مِنْ مُعَيَّنٍ أَوْ غَيْرِ مُعَيَّنٍ وَإِنَّمَا هِمَّتُهُ فِي امْتِنَانٍ أَوْ أَمِيرٍ سَيِّدٍ فَإِذَا اقْتَضَى الْحَالُ
السُّؤَالُ سَأَلَ عِبُودِيَّةً وَإِذَا اقْتَضَى التَّفَوُّيْضَ وَالسَّكُوتَ سَكَتَ فَقَدْ ابْتَلَى الْيُوبَ وَغَيْرُهُ وَمَا
سَأَلُوا رَفَعَ مَا ابْتَلَاهُمْ اللَّهُ بِهِ ثُمَّ اقْتَضَى لَهُمُ الْحَالُ فِي زَمَانٍ آخَرَ أَنْ يَسْأَلُوا رَفَعَ ذَلِكَ
فَسَأَلُوا رَفَعَهُ اللَّهُ عَنْهُمْ وَالتَّعْجِيلُ بِالْمُسْتَوْجِبِ فِيهِ وَالْإِبْطَاءُ بِالْمُعَيَّنِ لَهُ عِنْدَ اللَّهِ فَإِذَا
وَافَقَ السُّؤَالُ الْوَقْتَ أَسْرَعَ بِالْإِجَابَةِ وَإِذَا تَأَخَّرَ الْوَقْتُ إِمَّا فِي الدُّنْيَا وَإِمَّا فِي الْآخِرَةِ تَأَخَّرَتْ
الْإِجَابَةُ فِي ذَلِكَ الْمُسْتَوْجِبِ فِيهِ لَا الْإِجَابَةُ الَّتِي هِيَ لَبَّيْكَ مِنَ اللَّهِ فَافْهَمْ هَذَا وَأَمَّا الْقِسْمُ الثَّانِي
وَهُوَ قَوْلُنَا وَمِنْهَا مَا لَا يَكُونُ عَنْ سُؤَالٍ فَإِنَّمَا أُعِيدَ بِالسُّؤَالِ التَّلَفُّظُ بِهِ فَإِنَّ فِي نَفْسِ الْأَمْرِ لَا بُدَّ
مِنْ سُؤَالٍ إِمَّا بِاللَّفْظِ أَوْ بِالْحَالِ أَوْ بِالْإِسْتِعْدَادِ كَمَا أَنَّ لَا يَصِحُّ حَمْدُ مُطْلَقٍ قَطُّ إِلَّا فِي اللَّفْظِ وَ
أَمَّا فِي الْمَعْنَى فَلَا بُدَّ أَنْ يُقَيَّدَ الْحَالُ فَالَّذِي يَبْعَثُكَ عَلَى حَمْدِ اللَّهِ هُوَ الْمُقَيَّدُ لَكَ بِاسْمِ فِعْلٍ
أَوْ بِاسْمِ تَنْزِيهِهِ وَالْإِسْتِعْدَادُ مِنَ الْعَبْدِ لَا يَشْعُرُ بِهِ صَاحِبُهُ وَيَشْعُرُ بِالْحَالِ لِأَنَّهُ يَعْلَمُ الْبَاعِثَ

وَهُوَ الْحَالُ فَالْإِسْتِعْدَادُ أَخْفَى سُؤَالٍ وَإِنَّمَا يَمْنَعُ هُوَ لَا مِنْ السُّؤَالِ عَلَيْهِمْ بَأَنَّ لِلَّهِ فِيهِمْ سَابِقَةً
 قَضَاءَهُمْ قَدْ هَيَّؤُوا مَحَلَّهُمْ يَقْبُولُ مَا يَرُدُّ مِنْهُ وَقَدْ غَابُوا عَنْ نَفْسِهِمْ وَأَعْرَضُوا عَنْهُمْ وَ مِنْ
 هُوَ لَا مَنْ يَعْلَمُ أَنَّ عِلْمَ اللَّهِ بِهِ فِي جَمِيعِ أَحْوَالِهِ هُوَ مَا كَانَ عَلَيْهِ فِي حَالِ ثُبُوتِ عَيْنِهِ قَبْلَ
 وَجُودِهَا وَيَعْلَمُ أَنَّ الْحَقَّ لَا يُعْطِيهِ إِلَّا مَا أَعْطَاهُ عَيْنُهُ مِنَ الْعِلْمِ بِهِ وَهُوَ مَا كَانَ عَلَيْهِ فِي حَالِ
 ثُبُوتِهِ فَيَعْلَمُ أَنَّ عِلْمَ اللَّهِ بِهِ مِنْ أَيْنَ حَصَلَ وَمَا شَمَّهَ صِنْفٌ مِنْ أَهْلِ اللَّهِ أَعْلَى وَ أَكْشَفٌ مِنْ
 هَذَا الصِّنْفِ فَهُمْ الْوَاقِفُونَ عَلَى سِرِّ الْقَدْرِ وَهُمْ عَلَى قِسْمَيْنِ مِنْهُمْ مَنْ يَعْلَمُ ذَلِكَ مُجْمَلًا وَمِنْهُمْ
 مَنْ يَعْلَمُهُ مُفَصَّلًا وَالَّذِي يَعْلَمُهُ مُفَصَّلًا أَعْلَى وَ أَتَمُّ مِنَ الَّذِي يَعْلَمُهُ مُجْمَلًا فَإِنَّهُ يَعْلَمُ مَا تَعَيَّنَ
 فِي عِلْمِ اللَّهِ فِيهِ إِمَّا بِإِعْلَامِ اللَّهِ إِيَّاهُ بِمَا أَعْطَاهُ عَيْنُهُ مِنَ الْعِلْمِ بِهِ وَإِمَّا بِإِنْ يُكْشَفُ لَهُ عَنْ
 عَيْنِهِ الثَّابِتَةِ وَ إِنْتِقَالَاتِ الْأَحْوَالِ عَلَيْهَا إِلَى مَا لَا يَتَنَاهَى وَهُوَ أَعْلَى فَإِنَّهُ يَكُونُ فِي عِلْمِهِ بِنَفْسِهِ
 بِتَنْزِيلِ عِلْمِ اللَّهِ بِهِ لِأَنَّ الْأَخْذَ مِنْ مَعْدِنٍ وَاحِدٍ إِلَّا أَنَّهُ مِنْ جِهَةِ الْعَبْدِ عِنَايَةً مِنَ اللَّهِ سَبَقَتْ
 لَهُ وَهِيَ مِنْ جُمْلَةِ أَحْوَالِ عَيْنِهِ يَعْرِفُهَا صَاحِبُ هَذَا الْكُشْفِ إِذَا أَطْلَعَهُ اللَّهُ عَلَى ذَلِكَ أَيْ عَلَى
 أَحْوَالِ عَيْنِهِ فَإِنَّهُ لَيْسَ فِي وَسْعِ الْمَخْلُوقِ إِذَا أَطْلَعَهُ اللَّهُ عَلَى أَحْوَالِ عَيْنِهِ الثَّابِتَةِ الَّتِي يَقَعُ
 صُورَةُ الْوُجُودِ عَلَيْهَا أَنْ يَطْلُعَ فِي هَذِهِ الْحَالِ عَلَى إِبْلَاجِ الْحَقِّ عَلَى هَذِهِ الْأَعْيَانِ الثَّابِتَةِ فِي حَالِ
 عَدَمِهَا لِأَنَّهَا نَسَبُ ذَاتِيَّةٌ لَا صُورَةٌ لَهَا فِي هَذَا الْقَدْرِ نَقُولُ إِنَّ الْعِنَايَةَ الْإِلَهِيَّةَ سَبَقَتْ بِهَذَا
 الْعَبْدِ بِهَذِهِ الْمَسَاقَاتِ فِي إِفَادَةِ الْعِلْمِ وَمِنْ هُنَا يَقُولُ اللَّهُ حَتَّى نَعْلَمَ وَهِيَ كَلِمَةٌ مُحَقِّقَةٌ
 الْمَعْنَى مَا هِيَ كَمَا يَتَوَهَّمُ مِنْ لَيْسَ لَهُ هَذَا الْمَشْرَبُ وَغَايَةُ الْمُنَازَعَةِ أَنْ يَجْعَلَ ذَلِكَ الْحَدُوثَ
 فِي الْعِلْمِ لِلتَّعَلُّقِ وَهُوَ أَعْلَى وَجْهِ يَكُونُ لِلْمُسْتَكَلِّ بِعَقْلِهِ فِي هَذِهِ الْمَسْئَلَةِ تَوَلَّى أَنَّهُ أَثَبَّتَ
 الْعِلْمَ زَائِدًا عَلَى الذَّاتِ فَجَعَلَ التَّعَلُّقَ لَهُ لَا لِلذَّاتِ وَبِهَذَا الْفَصْلِ عَنِ الْمُحَقِّقِ مِنْ أَهْلِ
 اللَّهِ صَاحِبِ الْكُشْفِ وَالْوُجُودِ ثُمَّ نَرْجِعُ إِلَى الْأَعْطِيَّاتِ فنَقُولُ إِنَّ الْأَعْطِيَّاتِ إِمَّا ذَاتِيَّةٌ
 أَوْ أَسْبَابِيَّةٌ فَأَمَّا الْمُنْحُ وَالْهَبَاتُ وَالْعَطَايَا الذَّاتِيَّةُ فَلَا تَكُونُ أَبَدًا إِلَّا عَنْ تَجَلِّيِ الْإِلَهِيِّ
 وَالتَّجَلِّيِّ مِنَ الذَّاتِ لَا يَكُونُ أَبَدًا إِلَّا بِصُورَةٍ اسْتِعْدَادٍ الْمُتَجَلِّيُّ لَهُ غَيْرُ ذَلِكَ لَا يَكُونُ
 أَبَدًا فَإِذَا تَجَلَّى لَهُ مَا رَأَى سِوَى صُورَتِهِ فِي مِرَاةِ الْحَقِّ وَمَا رَأَى الْحَقَّ وَلَا يُبْكَرُ
 أَنْ يَرَاهُ مَعَ عَلَيْهِ أَنَّهُ مَا رَأَى صُورَتَهُ إِلَّا فِيهِ كَالْمِرَاةِ فِي الشَّاهِدِ إِذَا رَأَيْتَ الصُّورَ

أَوْ صُورَتِكَ فِيهَا لَا تَرَاهَا مَعَ عَلَيْكَ أَنْتَ مَا رَأَيْتَ الصُّورَةَ أَوْ صُورَتِكَ إِلَّا فِيهَا فَأَبْرَزَ اللَّهُ
 ذَلِكَ مِثَالًا نَصَبَهُ لِتَجَلِّيهِ الدَّائِقِ لِيَعْلَمَ السُّتَجَلِّي لَهُ أَنَّهُ مَا رَأَاهُ وَمَا شَبَّهَ مِثَالُ اقْتِرَابٍ وَلَا
 أَشْبَهَ بِالرُّؤْيَةِ وَالْجَلِّي مِنْ هَذَا وَاجْهَدْ فِي نَفْسِكَ عِنْدَ مَا تَرَى الصُّورَةَ فِي الْبَرَاءَةِ أَنْ
 تَرَى جِزْمَ الْبَرَاءَةِ لَا تَرَاهُ أَبَدًا أَلْبَتَّةَ حَتَّى أَنْ بَعْضَ مَنْ أَدْرَكَ مِثْلَ هَذَا فِي صُورِ الْمَرَايَا
 ذَهَبَ إِلَى أَنَّ الصُّورَةَ السَّرِّيَّةَ حِجَابٌ بَيْنَ بَصَرِ الرَّائِي وَبَيْنَ الْبَرَاءَةِ وَهَذَا أَكْثَرُ مَا
 قَدَّرَ عَلَيْهِ مِنَ الْعِلْمِ وَالْأَمْرِ كَمَا قُلْنَا وَذَهَبْنَا إِلَيْهِ وَقَدْ بَيَّنَّا هَذَا فِي الْفَتْوحَاتِ الْمَكِّيَّةِ وَ
 إِذَا دُقْنَا هَذَا إِذْ قَدْ غَايَا لَيْسَ فَوْقَهَا غَايَةٌ فِي حَقِّ الْمَخْلُوقِ فَلَا تُطِيعُ وَلَا تُتَعَبُ نَفْسُكَ
 فِي أَنْ تَرْتَقِيَ فِي أَعْلَى مِنْ هَذَا الدَّرَجِ فَمَا هُوَ ثَمَّةَ أَصْلًا وَمَا بَعْدَ إِلَّا الْعَدَمُ الْمَحْضُ فَهُوَ
 مِرَاتُكَ فِي رُؤْيِكَ نَفْسِكَ وَأَنْتَ مِرَاتُهُ فِي رُؤْيِيهِ أَسْمَاءُهُ وَظُهُورُ أَحْكَامِهَا وَلَيْسَتْ سِوَى
 عَيْنِهِ فَاحْتَطَطِ الْأَمْرَ وَأَبْتَهُمْ فِيمَا مِنْ جَهْلٍ فِي عَلَيْهِ فَقَالَ وَالْعَجْزُ عَنْ ذَلِكَ الْإِذْ هَا كِ
 إِذْ رَأَيْتَ وَمِنَّا مَنْ عِلْمٌ فَلَمْ يَقُلْ بِمِثْلِ هَذَا وَهُوَ عَلَى الْقَوْلِ بَلْ أَعْطَاهُ الْعِلْمُ السَّكُوتَ كَمَا
 أَعْطَاهُ الْعِجْزَ وَهَذَا هُوَ أَعْلَى عَالِمٍ بِاللَّهِ وَلَيْسَ هَذَا الْعِلْمُ بِالْأَصَالَةِ إِلَّا بِخَاتِمِ الرُّسُلِ وَ
 خَاتِمِ الْأَوْلِيَاءِ وَمَا يَرَاهُ أَحَدٌ مِنَ الْأَنْبِيَاءِ وَالرُّسُلِ إِلَّا مِنْ مَشْكُوتَةِ الرُّسُولِ الْخَاتِمِ وَ
 لَا يَرَاهُ أَحَدٌ مِنَ الْأَوْلِيَاءِ إِلَّا مِنْ مَشْكُوتَةِ الْوَلِيِّ الْخَاتِمِ حَتَّى أَنَّ الرُّسُلَ لَا يَرَوْنَهُ مَتَى رَأَوْا
 إِلَّا مِنْ مَشْكُوتَةِ خَاتِمِ الْأَوْلِيَاءِ فَإِنَّ الرِّسَالََةَ وَالنُّبُوَّةَ أَعْنَى نُبُوَّةِ التَّشْرِيعِ وَرِسَالَاتُهُ تَنْقُطُ
 وَالْوَلَايَةُ لَا تَنْقُطُ أَبَدًا فَالْمُرْسَلُونَ مِنْ كُونِهِمْ أَوْلِيَاءُ لَا يَرَوْنَ مَا ذَكَرْنَا إِلَّا مِنْ مَشْكُوتَةِ
 خَاتِمِ الْأَوْلِيَاءِ فَكَيْفَ مَنْ دُونَهُمْ مِنَ الْأَوْلِيَاءِ وَإِنْ كَانَ خَاتِمُ الْأَوْلِيَاءِ تَابِعًا فِي الْحُكْمِ
 لِمَا جَاءَ بِهِ خَاتِمُ الرُّسُلِ مِنَ التَّشْرِيعِ فَذَلِكَ لَا يَقْدَحُ فِي مَقَامِهِ وَلَا يُنَاقِضُ مَا ذَهَبْنَا
 إِلَيْهِ فَإِنَّهُ مِنْ وَجْهِ يَكُونُ أَنْزَلَ كَمَا أَنَّ مِنْ وَجْهِ يَكُونُ أَعْلَى وَقَدْ ظَهَرَ فِي ظَاهِرِ
 شَرْعِنَا مَا يُؤَيِّدُ مَا ذَهَبْنَا إِلَيْهِ فِي فَضْلِ عُمَرَ فِي أَسَارِي بَدْرٍ بِالْحُكْمِ فِيهِمْ وَفِي تَابِئِ الْخَلِ
 فَمَا يُلْزَمُ الْكَامِلُ أَنْ يَكُونَ لَهُ التَّقَدُّمُ فِي كُلِّ شَيْءٍ وَفِي كُلِّ مَرْتَبَةٍ وَإِنَّمَا نَظَرُ الرِّجَالِ إِلَى
 التَّقَدُّمِ فِي سُرَّتِبِ الْعِلْمِ بِاللَّهِ هُنَالِكَ مَطْلَبُهُمْ وَأَمَّا حَوَادِثُ الْأَكْوَانِ فَلَا تَعْلُقُ لِخَوَاطِرِهِمْ
 بِهَا فَتَحَقَّقْ مَا ذَكَرْنَا وَلَمَّا مِثْلَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ النَّبُوَّةَ بِالْحَائِطِ مِنَ اللَّيْنِ وَقَدْ

كَمُلَ سِوَى مَوْضِعِ لِبْنَةٍ وَاحِدَةٍ وَكَانَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تِلْكَ اللَّبْنَةُ غَيْرَ أَنَّهُ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَرَاهَا إِلَّا كَمَا قَالَ لِبْنَةٌ وَاحِدَةٌ وَأَمَّا خَاتِمُ الْأَوْلِيَاءِ فَلَا بُدَّ لَهُ مِنْ هَذِهِ السُّرُورِ
فَيَرَى مَا مَثَلُ بِهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَيَرَى فِي الْحَائِطِ مَوْضِعَ لِبْنَتَيْنِ اللَّبْنُ مِنْ
ذَهَبٍ وَفِضَّةٍ فَيَرَى اللَّبْنَتَيْنِ اللَّتَيْنِ تَنْقُصُ الْحَائِطُ عَنْهُمَا وَيَكْمُلُ بِهِمَا لِبْنَةٌ ذَهَبٌ وَلِبْنَةٌ
فِضَّةٌ فَلَا بُدَّ أَنْ يَرَى نَفْسَهُ تَنْطَبِعُ فِي مَوْضِعِ تَيْنِكَ اللَّبْنَتَيْنِ فَيَكُونُ خَاتِمُ الْأَوْلِيَاءِ تَيْنِكَ
اللَّبْنَتَيْنِ فَيَكْمُلُ الْحَائِطُ وَالسَّبَبُ الْمَوْجِبُ يَكُونُهُ رَاهَا لِبْنَتَيْنِ أَنَّهُ تَالِعٌ لِشَرْعِ خَاتِمِ
الرُّسُلِ فِي الظَّاهِرِ وَهُوَ مَوْضِعُ اللَّبْنَةِ الْفُضِّيَّةِ وَهُوَ ظَاهِرُهُ وَمَا يَتَّبِعُهُ فِيهِ مِنَ الْأَحْكَامِ كَمَا
هُوَ أَخَذَ عَنِ اللَّهِ فِي السِّرِّ مَا هُوَ بِالصُّورَةِ الظَّاهِرَةِ مُتَّبِعٌ فِيهِ لِأَنَّهُ يَرَى الْأَمْرَ عَلَى مَا هُوَ
عَلَيْهِ فَلَا بُدَّ أَنْ يَرَاهُ هَكَذَا وَهُوَ مَوْضِعُ اللَّبْنَةِ الذَّهَبِيَّةِ فِي الْبَاطِنِ فَإِنَّهُ أَخَذَ مِنَ الْمُعَدِّينَ الَّذِي
يَأْخُذُ مِنْهُ الْمَلِكُ الَّذِي يُوحَى بِهِ إِلَى الرَّسُولِ فَإِنْ فَهِمْتَ مَا أَشْرَفْتَ بِهِ فَقَدْ حَصَلَ لَكَ الْعِلْمُ
التَّامُّ فَكُلُّ نَبِيٍّ مِنْ لَدُنِ آدَمَ إِلَى آخِرِ نَبِيِّ مَا مِنْهُمْ أَحَدٌ يَأْخُذُ إِلَّا مِنْ مَشْكُوتَةٍ خَاتِمِ النَّبِيِّينَ
وَأَنْ تَأْخُذَ جُودُ طِينَتِهِ فَإِنَّهُ بِحَقِيقَتِهِ مُوجُودٌ وَهُوَ قَوْلُهُ كُنْتُ نَبِيًّا وَآدَمُ بَيْنَ الْمَاءِ وَالطِّينِ
وَعَبْرَةُ مِنَ الْأَنْبِيَاءِ مَا كَانَ نَبِيًّا إِلَّا حِينَ بُعِثَ وَكَذَلِكَ خَاتِمُ الْأَوْلِيَاءِ كَانَ وَلِيًّا وَآدَمُ
بَيْنَ الْمَاءِ وَالطِّينِ وَعَبْرَةُ مِنَ الْأَوْلِيَاءِ مَا كَانَ وَلِيًّا إِلَّا بَعْدَ تَحْصِيلِهِ شَرَائِطَ الْوَلَايَةِ مِنَ
الْأَخْلَاقِ الْإِلَهِيَّةِ فِي الْإِتِّصَافِ بِهَا مِنْ كَوْنِ اللَّهِ يُسَمَّى بِالْوَلِيِّ الْحَمِيدِ فَخَاتِمُ الرُّسُلِ مِنْ حَيْثُ
وَلَايَتِهِ نَسَبَتُهُ مَعَ الْخَاتِمِ لِلْوَلَايَةِ نَسَبَةً الْأَنْبِيَاءِ وَالرُّسُلِ مَعَهُ فَإِنَّهُ الْوَلِيُّ الرَّسُولُ النَّبِيُّ
وَخَاتِمُ الْأَوْلِيَاءِ الْوَلِيُّ الْوَارِثُ الْأَخِذُ عَنِ الْأَصْلِ الشَّاهِدُ لِلْمَرَاتِبِ وَهُوَ حَسَنَةٌ مِنْ حَسَنَاتِ
خَاتِمِ الرُّسُلِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُقَدِّمُ الْجَمَاعَةِ وَسَيِّدُ دُنْيَا آدَمَ فِي فَتْحِ بَابِ الشَّفَاعَةِ
فَعَيْنَ خَالِ خَاتَمِ مَا عَمَّمَهُ وَفِي هَذِهِ الْحَالِ الْخَاصِّ تَقَدَّمَ عَلَى الْأَسْمَاءِ الْإِلَهِيَّةِ فَإِنَّ الرَّحْمَنَ
مَا شَفَعَ عِنْدَ الْمُتَّقِينَ فِي أَهْلِ الْبَلَاءِ إِلَّا بَعْدَ شَفَاعَةِ الشَّافِعِينَ فَفَازَ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
فِي السِّيَادَةِ فِي هَذَا الْمَقَامِ الْخَاصِّ فَهِيَ الْمَرَاتِبُ وَالْمَقَامَاتُ لَمْ يَعْسُرْ عَلَيْهِ قَبُولُ مِثْلِ
هَذَا الْكَلَامِ وَأَمَّا الْيَمْنُ الْأَسْمَائِيَّةُ فَاعْلَمْ أَنَّ مَنْعَ اللَّهِ تَعَالَى خَلْقَهُ رَحْمَةً مِنْهُ بِهِمْ وَهِيَ كُلُّهَا
مِنَ الْأَسْمَاءِ فَأَمَّا رَحْمَةُ خَالِصَةٍ كَالطِّيبِ مِنَ السَّمَرَةِ الَّذِي يُذِيذُ فِي الدُّنْيَا الْخَالِصِ يَوْمَ الْقِيَمَةِ وَ

يُعْطَى ذَلِكَ الْإِسْمُ الرَّحْمَنُ فَهُوَ عَطَاءُ رَحْمَانِي وَإِمَّا رَحْمَةً مُمْتَزِجَةً كَشْرِبِ الدَّوَاءِ الْكَرِيمِ الَّذِي
يُعْقَبُ شُرْبُهُ الرَّاحَةُ وَهُوَ عَطَاءُ إِلَهِي فَإِنَّ الْعَطَاءَ إِلَّا لِلَّهِ لَا يُمكنُ إِطْلَاقُ عَطَائِهِ مِنْ غَيْرِ أَنْ
يَكُونَ عَلَى يَدِ سَادِينَ مِنْ سَدَنَةِ الْأَسْمَاءِ فَتَأْتِيهِ يَدُ اللَّهِ الْعَبْدَ عَلَى يَدِ الرَّحْمَنِ فَيَخْلُصُ الْعَطَاءُ
مِنَ الشُّوْبِ الَّذِي لَا يُلَاحِظُ الطَّبْعُ فِي الْوَقْتِ أَوْ لَا يَنْبِيلُ الْغَرَضُ وَمَا أَشْبَهَ ذَلِكَ وَتَأْتِيهِ يَدُ اللَّهِ
عَلَى يَدِ الْوَاسِعِ فَيَعْمُرُ أَوْ عَلَى يَدِ الْحَكِيمِ فَيَنْظُرُ فِي الْأَصْلَحِ فِي الْوَقْتِ أَوْ عَلَى يَدِ
الْوَاهِبِ فَيُعْطَى لِيُنْعِمَ وَلَا يَكُونَ مَعَ الْوَاهِبِ تَكْلِيفُ الْمُعْطَى لَهُ بِعَوَضٍ عَلَى ذَلِكَ مِنْ شُكْرِ أَوْ
عَمَلٍ أَوْ عَلَى يَدِ الْجَبَّارِ فَيَنْظُرُ فِي الْمَوْطِنِ وَمَا يَسْتَحِقُّهُ أَوْ عَلَى يَدِ الْغَفَّارِ فَيَنْظُرُ الْمَحَلَّ وَمَا
هُوَ عَلَيْهِ فَإِنْ كَانَ عَلَى حَالٍ يَسْتَحِقُّ الْعُقُوبَةَ فَيَسْتُرُّهَا عَنْهَا أَوْ عَلَى حَالٍ لَا يَسْتَحِقُّ الْعُقُوبَةَ فَيَسْتُرُّهَا
عَنْ حَالٍ يَسْتَحِقُّ الْعُقُوبَةَ فَيَسْتُرُّهَا بِمَعْصُومٍ وَمُعْتَنٍّ بِهِ وَتَحْفُوظًا وَغَيْرَ ذَلِكَ مِمَّا يَشَارِكُ هَذَا النَّوعَ
وَالْمُعْطَى هُوَ اللَّهُ مِنْ حَيْثُ مَا هُوَ خَازِنٌ لِمَا عِنْدَهُ فِي خَزَائِنِهِ فَمَا يُخْرِجُهُ إِلَّا بِقَدَرٍ مَعْلُومٍ
عَلَى يَدِ اسْمٍ خَاصٍ بِذَلِكَ الْأَمْرِ فَأَعْطَى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهُ عَلَى يَدِ الْإِسْمِ الْعَدْلِ وَآخَوَاتِهِ
وَأَسْمَاءُ اللَّهِ وَإِنْ كَانَتْ لَا تَتَنَاهَى لَأَنَّهَا تَعْلَمُ بِمَا يَكُونُ عَنْهَا وَمَا يَكُونُ عَنْهَا غَيْرُ مُتَنَاهٍ
وَإِنْ كَانَتْ تَرْجِعُ إِلَى أُمُولٍ مُتَنَاهِيَةٍ هِيَ أُمُهَا تِ الْأَسْمَاءُ وَحَضَرَاتُ الْأَسْمَاءِ وَعَلَى الْحَقِيقَةِ
فَمَا تَمَّةُ الْحَقِيقَةِ وَاحِدَةٌ تَقْبَلُ جَمِيعَ هَذِهِ النِّسَبِ وَالْإِضَافَاتِ الَّتِي يُكْنَى عَنْهَا بِأَلْسِنَةِ الْإِلَهِيَّةِ
وَالْحَقِيقَةُ تَقْتَضِي أَنْ يَكُونَ بِكُلِّ اسْمٍ يَظْهَرُ إِلَى مَا لَا يَتَنَاهَى حَقِيقَةُ يَتَمَيَّزُ بِهَا عَنِ اسْمٍ آخَرَ
بِذَلِكَ الْحَقِيقَةِ الَّتِي بِهَا يَتَمَيَّزُ هِيَ الْإِسْمُ عَيْنُهُ لَا مَا يَقَعُ فِيهِ الْإِشْتِرَاكُ كَمَا أَنَّ الْأَعْطِيَاتِ تَتَمَيَّزُ
كُلُّ أَعْطِيَةٍ عَنْ غَيْرِهَا بِشَخْصِيَّتِهَا وَإِنْ كَانَتْ مِنْ أَصْلِ وَاحِدٍ فَمَعْلُومٌ أَنَّ هَذِهِ مَا هِيَ هَذِهِ
الْآخَرَى وَسَبَبُ ذَلِكَ تَمَيُّزُ الْأَسْمَاءِ فَمَا فِي الْحَضَرَةِ الْإِلَهِيَّةِ لَا تَسَاعِيهَا شَيْءٌ يَتَكَرَّرُ أَصْلًا
هَذَا هُوَ الْحَقُّ الَّذِي يُعَوَّلُ عَلَيْهِ وَهَذَا الْعِلْمُ كَانَ عِلْمَ شَيْءٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَرُوحُهُ هُوَ
الْمِدُّ بِكُلِّ مَنْ يَتَكَلَّمُ فِي مِثْلِ هَذَا مِنَ الْأَرْوَاحِ مَا عَدَى رُوحَ الْخَارِجَةِ فَإِنَّهُ لَا يَأْتِيهِ الْمَادَّةُ
إِلَّا مِنْ اللَّهِ لَا مِنْ رُوحٍ مِنَ الْأَرْوَاحِ بَلْ مِنْ رُوحِهِ تَكُونُ الْمَادَّةُ لِجَمِيعِ الْأَرْوَاحِ وَإِنْ كَانَ
لَا يَعْقِلُ ذَلِكَ مِنْ نَفْسِهِ فِي نَرْمَانٍ تَرْكِيْبٍ جَسَدِيٍّ الْعُنْصُرِيِّ فَهُوَ مِنْ حَيْثُ حَقِيقَتِهِ وَرُتَبَتِهِ
عَالِمٌ بِذَلِكَ كُلِّهِ بِعَيْنِهِ مِنْ حَيْثُ مَا هُوَ جَاهِلٌ بِهِ مِنْ جِهَةِ تَرْكِيْبِهِ الْعُنْصُرِيِّ فَهُوَ الْعَالِمُ الْجَاهِلُ

فَيَقْبَلُ الْإِصْطَافَ بِالْأَمْدَادِ كَمَا قَبِلَ الْأَصْلُ الْإِصْطَافَ بِذَلِكَ كَالْجَلِيلِ وَالْجَمِيلِ وَالظَّاهِرِ وَالْبَاطِنِ
وَالْأَوَّلِ وَالْآخِرِ وَهُوَ عَيْنُهُ وَلَيْسَ غَيْرُهُ فَيَعْلَمُ لَا يَعْلَمُ وَيَدْرِي لَا يَدْرِي وَيَشْهَدُ لَا يَشْهَدُ وَبِهَذَا
الْعِلْمُ سَمِيَ شَيْئًا لِأَنَّهُ مَعْنَاهُ هَبَّةُ اللَّهِ فَيَبْدِيهِ مُقْتَاخُ الْعَطَايَا عَلَى اخْتِلَافِ أَصْنَافِهَا وَنِسْبَتِهَا فَإِنَّ اللَّهَ
وَهَبَهُ لِأَدَمَ أَوَّلَ مَا وَهَبَهُ وَالْأَمْنَةُ لِأَنَّ الْوَلَدَ سِرًّا أَبِيهِ فَمِنْهُ خَرَجَ وَإِلَيْهِ عَادَ فَمَا أَتَاكَ
غَرِيبٌ يَمْنُ عَقْلَ عَنِ اللَّهِ وَكُلُّ عَطَاءٍ فِي الْكُؤُونِ عَلَى هَذَا الْمَجْرَى فَمَا فِي أَحَدٍ مِنَ اللَّهِ شَيْءٌ وَمَا
فِي أَحَدٍ مِنْ سِوَى نَفْسِهِ شَيْءٌ وَإِنْ تَنَوَّعَ عَلَيْهِ الصُّوَرُ وَمَا كُلُّ أَحَدٍ يَعْرِفُ هَذَا وَأَنَّ الْأَمْرَ عَلَى
ذَلِكَ إِلَّا أَحَادٌ مِنْ أَهْلِ اللَّهِ فَإِذَا رَأَيْتَ مَنْ يَعْرِفُ ذَلِكَ فَاعْتَمِلْ عَلَيْهِ فَذَلِكَ هُوَ عَيْنُ صَفَاءِ
خَلِصَةِ الْخَاصَّةِ الْخَاصَّةِ مِنْ عُمُومِ أَهْلِ اللَّهِ فَأَيُّ صَاحِبٍ كَشَفَ شَاهِدَ صُورَةٍ تُلْقَى إِلَيْهِ مَا لَمْ يَكُنْ
عِنْدَكَ مِنَ الْمَعَارِفِ وَتُمْنَحُهُ مَا لَمْ يَكُنْ قَبْلَ ذَلِكَ فِي يَدِهِ فَبِذَلِكَ الصُّورَةِ عَيْنُهُ لَا غَيْرُكَ فَمِنْ
شَجَرَةٍ نَفْسِهِ جَنَى ثَمَرَةً غَرَسَهُ كَالصُّورَةِ الظَّاهِرَةِ مِنْهُ فِي مَقَابِلَةِ الْجِسْمِ الصَّيْقِلِ لَيْسَ غَيْرُهُ
إِلَّا أَنَّ الْمَحَلَّ أَوَّالَ الْحَضَرَةِ الَّتِي رَأَى فِيهَا صُورَةَ نَفْسِهِ تُلْقَى إِلَيْهِ تَنْقَلِبُ مِنْ وَجْهِهِ إِلَى وَجْهِهِ
لِحَقِيقَتِهِ تِلْكَ الْحَضَرَةُ كَمَا يَظْهَرُ الشَّيْءُ الْكَبِيرُ فِي الْمِرْآةِ الصَّغِيرَةِ وَالْمُسْتَطِيلَةُ مُسْتَطِيلًا وَ
الْمُتَحَرِّكَةُ مُتَحَرِّكًا وَقَدْ تُعْطِيهِ إِنْ تَكَاسَ صُورَتُهُ مِنْ حَضَرَةٍ خَاصَّةٍ وَقَدْ تُعْطِيهِ عَيْنٌ مَا يَظْهَرُ
مِنْهَا فَيُقَابِلُ الْيَمِينُ مِنْهَا الْيَمِينُ مِنَ الرَّأْيِ وَقَدْ يُقَابِلُ الْيَمِينُ الْيَسَارَ وَهُوَ الْغَالِبُ فِي الْمَرَايَا
يَسْتَزِلُّ الْعَادَةَ فِي الْعُمُومِ وَيَخْرُقُ الْعَادَةَ يُقَابِلُ الْيَمِينُ الْيَمِينُ وَيُظْهَرُ الْإِنْتِكَاسُ وَهَذَا كُلُّهُ
مِنْ أَعْطِيَاتِ حَقِيقَةِ الْحَضَرَةِ الَّتِي أَنْزَلْنَاهَا مَنْزِلَةً الْمَرَايَا فَمَنْ عَرَفَ اسْتِعْدَادَهُ
عَرَفَ قَبُولَهُ وَمَا كُلُّ مَنْ عَرَفَ قَبُولَهُ يَعْرِفُ اسْتِعْدَادَهُ إِلَّا بَعْدَ الْقَبُولِ وَإِنْ كَانَ
يَعْرِفُهُ مُجْمَلًا إِلَّا أَنَّهُ بَعْضُ أَهْلِ النَّظَرِ مِنْ أَصْحَابِ الْعُقُولِ الضَّعِيفَةِ يَرَوْنَ أَنَّ اللَّهَ
لَمَّا ثَبَتَ عِنْدَهُ هُمَا أَنَّهُ فَقَالَ لِمَا يَشَاءُ جَوَّزُوا عَلَى اللَّهِ مَا يَنَاقِضُ الْحِكْمَةَ وَمَا هُوَ إِلَّا مَرُ
عَلَيْهِ فِي نَفْسِهِ وَلِهَذَا عَدَلَ بَعْضُ النُّظَائِرِ إِلَى نَفْيِ الْإِمْكَانِ وَإِثْبَاتِ الْوُجُوبِ بِالذَّاتِ وَ
بِالْغَيْرِ وَالْمُحَقِّقُ يَثْبُتُ الْإِمْكَانَ وَيَعْرِفُ حَضَرَتَهُ وَالْمُمْكِنُ وَمَا هُوَ الْمُمْكِنُ وَمِنْ أَيْنَ هُوَ
مُمْكِنٌ وَهُوَ بِعَيْنِهِ وَاجِبٌ بِالْغَيْرِ وَمِنْ أَيْنَ صَحَّ عَلَيْهِ اسْمُ الْغَيْرِ الَّذِي اقْتَضَى لَهُ الْوُجُوبُ
وَلَا يَعْلَمُ هَذَا التَّفْصِيلَ إِلَّا الْعُلَمَاءُ بِاللَّهِ خَاصَّةً وَعَلَى قَدَمِ شَيْءٍ يَكُونُ آخِرُ مَوْلُودٍ يُوَلَّدُ

مِنْ هَذَا النَّوْعِ الْإِنْسَانِي وَهُوَ حَامِلٌ أَسْرَارِهِ وَلَيْسَ بَعْدَكَ وَكَدُّ فِي هَذَا النَّوْعِ فَهُوَ خَاتِمُ الْأَوْلَادِ
وَتُولَدُ مَعَهُ أُخْتُ لَهُ فَتَخْرُجُ قَبْلَهُ وَيَخْرُجُ بَعْدَهَا يَكُونُ رَأْسُهُ عِنْدَ يَحْلِيهَا وَيَكُونُ مَوْلِدُهُ
بِالصَّبِيِّ وَلُغَتُهُ لُغَةُ بَلَدِهِ وَيَسْرِي الْعُقْمُ فِي الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ فَيَكْثُرُ النِّكَاحُ مِنْ غَيْرِ وِلَادَةٍ
وَيَدْعُوهُمْ إِلَى اللَّهِ فَلَا يُجَابُ فَإِذَا قَبَضَهُ اللَّهُ وَقَبَضَ مُؤْمِنِي زَمَانِهِ بَقِيَ مَنْ بَقِيَ مِثْلُ الْبَهَائِمِ
لَا يُحِلُّونَ حَلَالًا وَلَا يُحَرِّمُونَ حَرَامًا يَتَصَرَّفُونَ بِحُكْمِ الطَّبِيعَةِ شَهْوَةً مُجَرَّدَةً عَنِ الْعَقْلِ
وَالشَّرْعِ فَعَلَيْهِمْ تَقْوَمُ السَّاعَةُ ۝

یہ حکمت نقشبۃ کا فص کلمہ شیشیہ کے بیان میں ہے

نُفْت میں نفث کے معنی سانس کا آسانی کے ساتھ چھوڑنا ہیں جیسے کہ اصحاب افسون دعا کے بعد دفع
بیماری کیلئے استعمال کرتے ہیں۔ اور اس کے اسجگہ مجازی معنی حقیقی کا علوم اور عطایا الہیہ کو حضرت شیت
علیہ السلام کے دل میں القا کرنا ہے۔ نیز نفس رحمانی کا چھوڑنا بھی مراد ہو سکتا ہے یعنی ماہیات اور اعیان ثابتہ پر
وجود خارجی کا افاضہ کرنا ہے۔ شیت کے معنی عبرانی نُفْت میں ہبہ اور بخشش کے ہیں۔ عنوان سے مراد یہ ہے
کہ وہ خلاصہ علوم جو حضرت شیت علیہ السلام کی روح کو بطریق وہب اور تفضل نہ بطریق کسب اور تعلم حاصل ہے
واضح ہو کہ حضرت آدم علیہ السلام مرتبہ الہیہ کے مظہر ہیں اور مرتبہ الہیہ جمیع مراتب عالم کو مجمل اور شامل ہے۔ اس
اجمال کی تفصیل حقیقی کی جانب سے نفس رحمانی کے ذریعہ ہوتی ہے اور نفس رحمانی سے مراد حضرت وہاب اور
جواد کی جانب سے اعیان ثابتہ پر انبساط وجود ہے۔ اسم مبدا اور خالق اسم وہاب اور جواد سے متفرع اور ظاہر
ہیں۔ اور حضرت شیت علیہ السلام مرتبہ مبدئیت اور خالقیت اور موجدیت کی صورت ہیں اور تحتی جودی اور
وہبی کے مظہر ہیں۔ مرتبہ مبدئیت مرتبہ الہیہ کے بعد ہے کیونکہ مقام تفصیل مقام اجمال کے بعد ہوتا ہے۔ چونکہ
مرتبہ مبدئیت تفصیل کا اول مقام ہے اسلئے فص حکمت الہیہ کے بعد فص حکمت نقشبۃ بیان کیا گیا ہے۔ مرتبہ
الہیہ سے مراد مرتبہ وحدت ہے اور مرتبہ مبدئیت سے مراد مرتبہ واحدیت ہے۔ مرتبہ وحدت سے مراد اللہ
تعالیٰ کا ظہور علمی اجمالی ہے اور مرتبہ واحدیت سے مراد اللہ تعالیٰ کا ظہور علمی تفصیلی ہے۔ بظاہر شیت علیہ السلام
چونکہ آدم علیہ السلام کی پہلی تفصیل اور پہلی بخشش ہیں اسلئے مرتبہ نقشبۃ یعنی مرتبہ واحدیت جو تفصیل کا مرتبہ ہے
کو شیت علیہ السلام کی طرف منسوب کیا گیا ہے ۝

اے طالب! اس بات کو جان لے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا یا اور بخشش جو عالم میں ظاہر ہو رہی ہیں، خواہ وہ عطا یا بندوں پر ہو رہی ہیں یا دوسری مخلوق پر ہو رہی ہیں، دو قسم پر ہیں۔ انہیں سے ایک عطا یا تے ذاتیہ ہیں اور دوسری عطا یا تے آسمانیہ ہیں۔ عطا یا تے ذاتیہ تجلی ذاتی کے سبب ہوتی ہیں اور عطا یا تے آسمانیہ تجلی آسمانی کے سبب ہوتی ہیں۔ تجلی ذاتی یا فیض اقدس سے ذات الہی کا ظہور اعیان ثابتہ کی صورت پر ہوا۔ تجلی آسمانی یا فیض مقدس سے اللہ تعالیٰ کا ظہور اعیان خارجیہ کی صورت پر ہوا۔ اشیاء الہیہ کو مرتبہ اندراج سے مرتبہ علم میں ظاہر کیا اور تجلی آسمانی سے اشیاء الہیہ کا ظہور مرتبہ علم سے مرتبہ خارج میں ہوا۔ اہل اذواق یعنی عارفین کا ملین تجلی ذاتی و تجلی آسمانی میں تمیز کرتے ہیں۔ تجلی ذاتی سے اللہ تعالیٰ نے ممکنات عالم کے اعیان ثابتہ کو استعدادیں عطا کیں اور تجلی آسمانی سے اعیان ثابتہ کو ان کی استعدادات کے مطابق اعیان خارجیہ کا لباس پہنایا۔ عطا یا بنظر ذات اور اشیاء کے دو قسم پر ہیں جیسے کہ وہ بنظر سوال کے دو قسم پر ہیں۔ تحقیق بعض ان میں سے وہ عطا یا ہیں جو سوال سے حاصل ہوتے ہیں اور سوال مطلوب معین کے متعلق ہوتا ہے اور بعض وہ ہیں جو سوال سے حاصل ہوتے ہیں لیکن سوال میں مطلوب معین نہیں ہوتا۔ بعض ان میں سے وہ عطا یا ہیں جو سوال سے حاصل نہیں ہوتے برابر ہے کہ وہ عطیہ ذاتیہ ہو یا آسمانیہ ہو۔ سوال سے مراد لفظی سوال ہے۔ مراد یہ ہے کہ بعض کا ملین صفاتی قلب کے باعث بہتر قدر سے واقف ہیں اور اپنے رزق مقسوم کو اپنے علم سے جانتے ہیں۔ ان کا علم انکو زبانی سوال سے روکتا ہے اور عطا یا خود بخود بغیر زبانی سوال کے ان تک پہنچتے رہتے ہیں۔

پہلے قسم اول کی شرح کی جاتی ہے جس میں ان عطا یا کا ذکر ہے جو سوال سے حاصل ہوتے ہیں۔ مطلوب معین مثل اس شخص کے مطلوب کے ہے جو کہتا ہے اے میرے رب مجھ کو یہ چیز عطا کر۔ پس وہ سائل ایک ایسی چیز کو معین کرتا ہے کہ اس کے ذہن میں کوئی چیز نہیں گذرتی۔ مطلوب غیر معین مثل اس شخص کے مطلوب کے ہے جو کہتا ہے اے میرے رب مجھ کو وہ چیز عطا کر جس میں تو میری مصلحت جانتا ہے۔ پس یہ سائل اپنے سوال میں کسی چیز کو لطیف ہو یا کثیف ہو معین نہیں کرتا۔ لطیف چیز سے مراد علوم اور معارف اور اذواق روحانیہ ہے اور کثیف چیز سے مراد مال و اولاد اور اذواق جسمانیہ ہے۔

اور سوال کرنے والے دو قسم کے ہیں۔ ایک قسم وہ ہے کہ اس کو طبیعت کی جلد بازی نے سوال پر برا نگینہ کیا ہے کیونکہ تحقیق انسان جلد باز پیدا کیا گیا ہے۔ دوسری قسم وہ ہے کہ اس کو اس کے علم نے سوال پر برا نگینہ کیا ہے کیونکہ جب اس نے اپنے علم میں اس بات کو جانا کہ تحقیق اللہ تعالیٰ کے پاس ایسے عطیات ہیں جنکے

متعلق علم الہی میں سبقت ہے کہ وہ عطیات بغیر سوال کے نہ پہنچیں گے تو وہ سائل کہتا ہے کہ شاید وہ چیز جس کا وہ
 حقیقتاً سے سوال کرتا ہے اسی قبیل سے ہو۔ پس اُس سائل کا سوال بطور احتیاط کے ہے کیونکہ اگر وہ سوال کرے گا تو
 مطلوب حاصل ہوگا ورنہ حاصل نہ ہوگا۔ لیکن وہ یہ نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں کیا مقرر ہے اور بھی وہ نہیں جانتا
 ہے کہ اُس کی استعداد قبولیت سوال میں کس چیز کی مقتضی ہے کیونکہ ہر شخص کا ہر زمانہ معین میں اپنی استعداد پر
 واقف ہونا حال غامض ترین معارف سے ہے۔ نیز سائل کو اگر اُس کی استعداد سوال کرنے کی توفیق نہ عطا کرتی تو
 وہ سوال نہ کرتا۔

اہل حضور کے علم کی غایت چنکا علم مثل کا ملین کے نہیں ہے یہ ہے کہ وہ اپنی استعداد کو اپنے زمانہ حضوری
 میں جانتے ہیں کیونکہ وہ لوگ بہ سبب اپنی حضوری کے اُن چیزوں کو جانتے ہیں جو حقیقتاً نے اُن کو اس وقت
 خاص میں عطا کی ہیں اور یہ بھی جانتے ہیں کہ انہوں نے عطیہ حق کو اپنی استعداد کے سبب قبول کیا ہے۔ اور یہ اہل
 حضور بھی دو گروہ ہیں۔ ایک گروہ وہ ہے جو عطایا بے حق کو قبول کرنے سے اپنی استعداد کو جانتے ہیں اور دوسرا گروہ
 وہ ہے جو اپنی استعداد سے اُس عطیہ کو جو وہ قبول کرتے ہیں جانتے ہیں۔ یہ گروہ معرفت استعداد میں کامل تر ہے۔
 اور اس گروہ عارفین میں سے بعض وہ شخص ہے جو نہ واسطے جلد بازی طبیعت کے اور نہ واسطے مطلوب کے
 ممکن ہونے کے سوال کرتا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے امر کی پیروی کے واسطے سوال کرتا ہے اور وہ امر اللہ تعالیٰ کے
 اس قول میں واضح ہے (وَقَالَ رَبُّكُمْ ادْعُونِيْ اَسْتَجِبْ لَكُمْ) یعنی تم مجھ سے دُعا مانگو میں تمہاری دُعا
 قبول کر دوں گا۔ پس وہ شخص بندہ خالص ہے اور اس داعی کا اُس چیز کے متعلق جس کیلئے اس نے سوال کیا خواہ
 مطلوب معین ہے یا غیر معین اپنا کوئی تصرف نہیں ہوتا بلکہ اُس کا قصد محض اپنے مولا کے احکام کی پیروی ہے۔

ایسا عارف جب حال سوال کا مقتضی ہو تو عبودیت کی رُو سے سوال کرتا ہے اور جب حال تفویض و سکوت کا
 مقتضی ہو تو ساکت رہتا ہے۔ چنانچہ جب ایوب اور دیگر انبیاء مبتلا کئے گئے تو انہوں نے اُس بلا جس میں اللہ نے
 اُن کو مبتلا کیا تھا کے رفع کرنے کیلئے سوال نہیں کیا پھر بعد میں جب اُن کا حال اس امر کا مقتضی ہوا کہ وہ اُس بلا کے
 رفع کرنے کیلئے سوال کریں تو انہوں نے سوال کیا پس اللہ نے اُن سے اُس بلا کو دفع کیا۔ حصول مطلب کیلئے سوال
 میں تعجل و تاخیر اس اندازہ کی مطابق ہے جو اُس کیلئے اللہ کے نزدیک معین ہے۔ پس جب وقت سوال وقت مقدر کے
 ساتھ موافقت کرتا ہے تو قبولیت جلدی نصیب ہو جاتی ہے اور جب وقت معین میں دیر ہوتی ہے خواہ وہ وقت
 معین دنیا میں ہو یا آخرت میں تو قبولیت میں دیر ہوگی لیکن اللہ کی بلیک میں تاخیر نہ ہوگی۔ پس اے طالب! اس از

کو سمجھ لے۔ مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر اسقدر رحیم اور کریم ہے کہ خواہ سوال کی قبولیت کے وقت معین
میں تاخیر ہو رُب تعالیٰ سے سوال کیساتھ ہی لبیک فرمادیتے ہیں یعنی سوال کیساتھ ہی سائل کے دل کو تسکین عطا
فرمادیتے ہیں تاکہ اُس کا اضطراب اور قلق ختم ہو جائے۔

اور لیکن قسم ثانی جس کے متعلق ہمارا یہ قول ہے (وَمِنْهَا مَا لَا يَكُونُ عَنْ سُؤَالٍ) اور بعض اُن میں سے وہ
عطا یا ہیں جو سوال سے حاصل نہیں ہوتے) میں سوال سے میری مراد سوال باللفظ ہے۔ اور تحقیق نفس الامر میں ہر
عطیہ کے واسطے سوال کا ہونا ضروری ہے خواہ سوال باللفظ ہو یا سوال بالحال ہو یا سوال بالاستعداد ہو۔ نفس الامر میں ہر
عطیہ کیلئے سوال کا ہونا ضروری ہے لیکن سوال کا مطلق بلا قید ہونا صحیح نہیں ہے مگر فقط لفظ کی رو سے جیسے کہ حمد کا
مطلق ہونا صحیح نہیں ہے مگر فقط لفظ کی رو سے لیکن سوال بحسب معنی کے یعنی سوال ساتھ لسان حال اور استعداد کے
مسئول اور مطلوب کو بہ سبب اقتضائی حال مخصوص اور استعداد معین کے مقید کرتا ہے۔ مثال کے طور پر سائل کہتا ہے
يَا رَبِّ اَعْطِنِي مَا تَعْلَمُ فِيهِ مَصْلِحَتِي۔ یہ اگرچہ لفظ کی رو سے مطلق ہے لیکن سائل کا حال اور استعداد مسئول اور مطلوب
کو مقید کرتا ہے۔ رُب تعالیٰ اُس کو وہ چیز ہی عطا کریں گے جو اُس کی استعداد اور حال کے موافق ہوگا۔ ایسے ہی
حمد مطلق بحسب معنی کے یعنی حمد لسان حال اور استعداد کیساتھ بہ سبب اقتضائی حال اور استعداد کے حمد کو مقید کرتا
ہے۔ مثلاً شفا کے بعد کوئی کہے اَلْحَمْدُ لِلّٰہ۔ یہ حمد اگرچہ لفظ کی رو سے مطلق واقع ہوا لیکن حال اُس کا یعنی مرض کے
بعد شفا یاب ہونا حمد کو اسم شافی کیساتھ مقید کرتا ہے پس گو یا کہ اُس نے کہا اَلْحَمْدُ لِلشّافی۔ لہذا جو چیز تجھ کو اللہ
کی حمد پر برا لگتی کرتی ہے وہ چیز تجھ کو حمد کیلئے ساتھ اسم صفت فعلیہ یا ساتھ اسم صفت تنزیہ کے مقید کر نیوالی ہے۔
اسم صفت فعلیہ سے مراد معطی اور رزاق اور دہاب وغیرہ ہے۔ اسم صفت تنزیہ سے مراد قدوس اور صمد اور غنی وغیرہ
ہے۔ ایسے ہی اسم صفت اضافیہ سے مراد علیم اور حکیم اور قادر وغیرہ ہے۔ اور بندے کو اپنی استعداد کا شعور نہیں
ہوتا البتہ وہ اپنے حال کا شعور رکھتا ہے جو عطیہ کا باعث ہے۔ پس سوال بالاستعداد بہت ہی پوشیدہ سوال ہے۔ اور سوائے
اس کے نہیں ہے کہ اُن سائلین کو اُن کا علم لفظی سوال سے باز رکھتا ہے کیونکہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے اُن کے حق میں اُن
میں مقدر کر دیا ہوا ہے وہ اُس کو صفاتی قلوب کے باعث جانتے ہیں اور تحقیق وہ لوگ اپنے نفوس اور اغراض سے فانی ہیں
اور بعض اُس گروہ میں سے وہ عارف ہے جو اس بات کو جانتا ہے کہ اللہ کا علم اُس کے جمیع احوال میں وہ
چیز ہے جس پر وہ بیچ حال ثبوت عین ثابتہ قبل وجود خارجی کے عارف تھا۔ اور وہ عارف اس بات کو بھی جانتا ہے
کہ تحقیق حق تعالیٰ اُس کو وہ ہی چیز عطا کرتا ہے جو اُس کے عین ثابتہ نے حق تعالیٰ کو عطا کی ہے۔ عین ثابتہ سے مراد

بندے کے حق میں اللہ تعالیٰ کا علم ہے۔ حقیقتاً کو علم معلومات نے عطا کیا ہے لہذا بندے کے متعلق حقیقتاً کا علم وہ علم ہے جو بندے کے عین ثابتہ نے حقیقتاً کو عطا کیا ہے کیونکہ علمی وجود کی رو سے بندہ حقیقتاً کے علم میں موجود تھا۔ پس وہ عارف اس بات کو جانتا ہے کہ تحقیق اللہ کا علم بندے کے حق میں اللہ کو کہاں سے حاصل ہوا۔ اہل اللہ میں سے کوئی گروہ اس گروہ سے اعلیٰ و اکشف نہیں ہے کیونکہ یہ عارفین ہر قدر پر واقف ہیں۔

ہر قدر پر واقف عارف دو قسم کے ہیں۔ بعض اُن میں سے وہ عارف ہے جو ہر قدر کو مجملًا جانتا ہے اور بعض اُن میں سے وہ عارف ہے جو ہر قدر کو مفصلًا جانتا ہے۔ وہ عارف جو ہر قدر کو مفصلًا جانتا ہے اُس عارف سے جو ہر قدر کو مجملًا جانتا ہے عرفان میں اعلیٰ و کامل تر ہے۔ پس تحقیق وہ جانتا ہے جو کچھ اللہ کے علم میں اُس کے حق میں تعین ہوا ہے۔ اُس عارف کا یہ جاننا یا تو بہ سبب اُس چیز سے اعلیٰ ہے جو اُس کے عین ثابتہ نے حقیقتاً کو عطا کیا ہے یعنی وہ علم جو اُس کے علمی وجود نے حقیقتاً کو عطا کیا ہے۔ یا بہ سبب اس کے کہ اُس کا عین ثابتہ اور عین ثابتہ کے احوال کے غیر متناہی انتقالات اُس پر مکشوف ہو جائیں اور یہ صاحب کشف بلند مرتبہ والا ہے کیونکہ وہ اپنے علم میں بذاتہ اللہ کے اُس علم جو اُس کے متعلق ہے کے ہم مرتبہ ہے اسلئے کہ دونوں کا ماخذ ایک ہی معدن ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم ذاتی ہے اور بندے کا علم عنایتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُس بندے کیلئے یہ عنایت سابقہ ازلی ہے نیز یہ عنایت اُس بندے کیلئے جمیع احوال عین ثابتہ میں شامل حال ہے۔ جب اللہ تعالیٰ اُس بندے کو اُس بندے کے عین ثابتہ کے احوال پر مطلع فرماتا ہے تو وہ صاحب کشف اُس سابقہ عنایت کو پہچانتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو بذریعہ کشف اُس کے عین ثابتہ کے احوال پر مطلع فرماتا ہے تو قبل صورت وجود خارجی یعنی بیچ حال وجود علمی کے بندے کا اپنے عین ثابتہ کے احوال پر مطلع ہونا اس طریق پر نہیں ہے جس طرح حقیقتاً کا اُس عبد کے عین ثابتہ کے احوال پر مطلع ہونا ہے کیونکہ اعیان ثابتہ عدم اضافی کی حالت میں محض ذاتی نسبتیں ہیں یعنی محض صورت علمیہ ہیں اُن کو وجود خارجی کی کوئی صورت حاصل نہیں۔ پس بندے کے عین ثابتہ کے احوال کے متعلق اللہ تعالیٰ کا علم اُس بندے کے اپنے عین ثابتہ کے احوال کے علم پر سابق ہوگا لہذا اللہ تعالیٰ کا علم ذاتی ہے اور بندے کا علم عنایتی ہے۔ لہذا موافق اس قدر اور اندازہ کے کہ عبد کو قدر اور احوال عین ثابتہ کا علم پہلے تفصیل حاصل ہے اگرچہ عبد کی اطلاع عین ثابتہ پر حقیقتاً کی اطلاع کے مثل نہیں ہے ہم اُسی عبد کی شان میں یہ کہتے ہیں کہ اُس کے واسطے عنایت الہی نے سبقت کی اور اُس کو فقط اند علم میں حقیقتاً کیساتھ مساوات اور برابری حاصل ہے کیونکہ دونوں کا ایک ہی معدن ہے اور وہ معدن عبد کا عین ثابتہ ہے۔

حقیقی عالم کے عین ثابتہ سے علم حاصل کرتا ہے پس معلوم یعنی عین ثابتہ معبد کو علم پر تقدّم حاصل ہے لیکن یہ تقدّم عقلی ہے زمانی نہیں۔ عین ثابتہ معبد قدیم ہے لہذا علم بھی قدیم ہے اور علم کا تعلق ساتھ معلوم کے بھی قدیم ہے۔ علم کا معلوم سے تاخر عقلی ہے زمانی نہیں۔ متکلم کہتے ہیں کہ علم باری تعالیٰ کا ازلی ہے لیکن تعلق اُس علم کا اشیاء کیساتھ حادث ہے اور اس پر آیہ ذیل پیش کرتے ہیں (وَلْتَبْلُواْ نَكَمٌ حَتّٰی تَعْلَمَ الْمُجْهِدِیْنَ مِنْكُمْ وَالصّٰبِرِیْنَ وَ تَبْلُواْ اَخْبَارَكُمْ)۔ کلمہ حَتّٰی سے تاخر مفہوم ہوتا ہے اور متکلم اس تاخر کو حدوث زمانی پر اطلاق کرتا ہے لیکن عارف کامل جانتا ہے کہ اس سے حدوث علم حق اور حدوث تعلق علم حق لازم نہیں آتا کیونکہ اعیان ثابتہ یعنی معلومات مرتبہ علم میں قدیم ہیں۔ ہاں البتہ یہ لازم آتا ہے کہ اعیان معلومہ کو علم حق پر تقدّم حاصل ہے اور یہ تقدّم اور تعلق عقلی ہے زمانی نہیں اور یہ ممنوع نہیں ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ آیہ کریمہ میں علم حق سے مراد شہود حق ہے۔ اشیاء قبل از وجود خارجی حقیقی کے معلومات اور صورت علمیہ ہیں اور بعد وجود خارجی کے شہود حق ہیں پس اس صورت میں حَتّٰی تَعْلَمَ سے مراد حَتّٰی تَشَافِدَ فِی الْخَارِجِ کے ہیں۔ نیز مرتبہ علم میں یا مرتبہ ظہور میں عالم و علم اور معلوم کا وجود واحد ہے لہذا تقدّم اور تاخر کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا البتہ نسبت کے لحاظ سے معلوم کو علم پر تقدّم عقلی حاصل ہے زمانی نہیں۔ آیہ کریمہ سے علم حق کا حادث ہونا اور علم حق کا اشیاء کے ساتھ تعلق حادث ہونا ثابت نہیں ہوتا لیکن محبوب حبیب کو یہ مشرب کشف نصیب نہیں وہ علم حق کو اپنے توہم میں حادث ٹھہراتا ہے۔

صاحب تنزیہ متکلم کے قول کی نہایت یہ ہے کہ وہ اپنی عقل سے حقیقی کو نقائص حدوث سے منترہ کرتا ہے اور علم اور دیگر صفات حق کو ذات پر زائد ثابت کرتا ہے اور علم حق کا اشیاء کے ساتھ تعلق بحدوث زمانی حادث ثابت کرتا ہے۔ یعنی وہ ذات حق اور صفات حق کو قدیم مانتا ہے لیکن حدوث کو تعلق علم کی طرف راجع کرتا ہے۔ اگر وہ متکلم علم کو ذات پر زائد نہ کہتا اور حدوث کو صرف تعلق کی طرف راجع کرتا تو وہ البتہ محققین میں سے ہوتا۔ عند العارفین صفات عین ذات ہیں اور ذات عین صفات ہے۔ مثال کے طور پر بغیر عالم کے علم کا وجود ہی نہیں ہو سکتا۔ لہذا علم حق قدیم ہے اور چونکہ حقیقی نے علم عبد کے عین ثابتہ سے اخذ کیا ہے اسلئے علم حق کو عین ثابتہ معبد پر تاخر حاصل ہے لیکن یہ تاخر عقلی ہے زمانی نہیں۔

ہم پھر عطایا کی طرف رجوع کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تحقیق عطایا یا ربانی یا ذاتی ہیں یا اسمائی۔ انواع انعامات اور بخششیں اور عطایا جو ذاتی ہیں ہوائے تجلی الہی کے ہرگز حاصل نہیں ہوتے ہیں۔ اور تجلی ذات حق ہمیشہ متجلی نہ کی استعداد کی صورت پر ہوتی ہے۔ اور وہ تجلی ہرگز اُس کی استعداد کے خلاف نہیں ہوتی ہے۔ پس اُس وقت

متجلی نہ نے مرآت حق میں اپنی صورت کو دیکھا اور حقیقتاً کو نہیں دیکھا۔ مرآت حق سے مراد جناب محمد پاک صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی عارف کے دل پر تجلی فرماتے ہیں تو آپ اُس کی استعداد کے مطابق تجلی فرماتے ہیں۔ اب اُس عارف میں صفات کاملہ کا ظہور اُس کی استعداد کے مطابق ہو گا نہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی استعداد کے مطابق۔ اب وہ حقیقتاً کو دیکھتا ہے یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتا ہے لیکن اپنی استعداد کے مطابق دیکھتا ہے۔ گویا اُس نے اپنی استعداد کی صورت کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت پاک پر دیکھا۔ پس وہ اپنے آپ کو ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت پاک پر دیکھتا ہے نہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو۔ کوئی ولی یا نبی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات حقیقی کو برداشت نہیں کر سکتا پس آپ کو یعنی حقیقتاً کوئی نہیں دیکھ سکتا۔ اپنی صورت بندہ کو سوائے مرآت کے نظر نہیں آ سکتی لہذا بندہ اپنی صورت کو مرآت حق یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت پاک میں ہی دیکھ سکتا ہے۔ اس کی مثال ایسے ہے جیسے کہ آئینہ ناظر کے سامنے ہوتا ہے۔ جب تو آئینہ میں صورتِ اشیاء کو یا اپنی صورت کو دیکھے گا تو تو آئینہ کو نہ دیکھے گا حالانکہ تجھ کو اس بات کا علم ہے کہ تو نے صورتِ اشیاء کو یا اپنی صورت کو اُس آئینہ کے بغیر نہیں دیکھا۔ وجہ اُس کی یہ ہے کہ آئینہ ایک جرم مصفا ہے۔ نظر اُس پر ٹھہر سکتی ہی نہیں آئینہ رانی کو اُس کی صورت دکھاتا ہے۔ البتہ آئینہ کے بغیر کوئی آدمی اپنی صورت ہرگز نہیں دیکھ سکتا۔ پس اللہ تعالیٰ نے آئینہ کو ایک مثال قائم کیا ہے اور اپنی تجلی ذاتی کیلئے مظہر بنایا ہے تاکہ متجلی نہ اس بات کو جان لے کہ اُس نے حقیقتاً کو نہیں دیکھا۔ رویت حق اور تجلی ذاتی میں اس مثال سے اور کوئی مثال بہتر نہیں ہے۔ سرکارِ دو عالم جناب محمد پاک صلی اللہ علیہ وسلم حقیقتاً کیلئے مرآتِ تامہ ہیں۔ اسلئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قابلیت اور استعداد مثل بحرِ متواج کے ہے۔ محمد انبیاء اور اولیاء اُس بحر کی جداول اور انہار ہونے کے باعث مثل اجزاء کے ہیں اور جزو کل کے کمالات کو کبھی پا نہیں سکتا۔ لہذا بندہ مرآت حق کو نہیں دیکھ سکتا۔ پس اے طالب! جب تو اپنی صورت آئینہ میں دیکھتا ہے کوشش کر کہ تو آئینہ کے جسم کو دیکھے لیکن تو کبھی اُس کو نہ دیکھ سکے گا۔ اسی لئے بعض عارف جہنوں نے مرایا کی صورتوں میں اس امر کا ادراک کیا ہے اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ صورتِ مرئیہ ہی رانی کی بصر اور مرآت کے درمیان حجاب ہے اور یہ ان کے اعظم علوم میں سے ہے۔ پس یہ مسئلہ رویت ایسا ہی ہے جیسا ہم نے بیان کیا ہے۔ نیز فتوحاتِ مکبہ میں بھی ہم نے اس کو واضح طور پر بیان کیا ہے۔ جب تو نے مرتبہ تجلی ذاتی کا پالیا تو معرفتِ الہی میں یہ غایت کا مرتبہ ہے۔ مخلوق کے حق میں اس سے فوق کوئی مرتبہ نہیں۔ اسلئے امید نہ رکھ اور اپنے نفس کو رنج میں نہ ڈال کہ تو ترقی کر کے اس درجہ سے اعلیٰ درجہ حاصل کر سکے گا کیونکہ اس

سے فوق تر اصلاً کوئی درجہ نہیں اور اس کے بعد سوائے عدم محض کے اور کوئی مرتبہ نہیں۔ مراد یہ ہے کہ عارف کو پہلے تجلی ذاتی حاصل ہوتی ہے اور تجلی صفاتی بعد میں۔ یعنی ذات الہی کی معرفت پہلے حاصل ہوتی ہے اور صفات کاملہ کا ظہور قلب عارف میں بتدریج ہوتا ہے۔ اسلئے ہدایت کی گئی ہے کہ جب درویش کو معرفت الہی حاصل ہو جائے تو کشف و کرامات کی تمنا نہ کرے کیونکہ معرفت الہی کا تعلق کشف و کرامات سے نہیں ہے۔ جیسا کہ عدم محض کا وجود نہیں ہے ایسے ہی تجلی ذاتی یعنی معرفت ذات الہی سے فوق تر مرتبے کا وجود نہیں ہے۔ پس تیرے اپنے نفس یعنی تیری ذات کی رویت کیلئے حق تعالیٰ تیرا آئینہ ہے اور حق تعالیٰ کے اپنے اسماء کی رویت اور ان اسماء کے احکام کے ظہور کیلئے تو حق تعالیٰ کا آئینہ ہے۔ حق تعالیٰ کے اسماء اس کی ذات کے عین ہیں۔ لہذا عباد اور حق کی معرفت مختلط اور مبہم ہے۔ مراد یہ ہے کہ اللہ اسم ہے اور مسمیٰ حضرت انسان ہے کَمَا وَرَدَ فِي الْحَدِيثِ الْقُدْسِيِّ الْإِنْسَانُ سِرِّي وَأَنَا سِرُّكَ اور انسانوں کے سردار جناب محمد پاک صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کیلئے مرآت نامہ ہیں۔ اگرچہ ہر انسان میں اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات کا ظہور ہے لیکن ہر ایک میں ظہور اس کی استعداد اور قابلیت کی مطابق ہے۔ ہم عارفین میں سے بعض وہ عارف ہیں جو معرفت الہی میں متخیر ہوئے اور کہا "حق تعالیٰ کے ادراک میں ادراک کا عاجز ہو جانا ہی ادراک ہے" اور ہم میں سے بعض وہ عارف ہیں جس نے اللہ تعالیٰ کو جان لیا پس وہ ایسی کلام نہیں کرتا۔ اُس کا قول اعلیٰ ہے بلکہ اُس کو اُس کے علم نے سکوت عطا کیا ہے جیسا کہ پہلے کو اُس کی حیرت نے اُسکو عجز عطا کیا ہے۔ اور یہ ساکت عارف علمائے باللہ میں سے اعلیٰ مرتبے کا ہے۔ یہ علم معرفت بالاصالت سوائے خاتم الرسل اور خاتم الاولیاء کے کوئی نہیں جانتا۔ انبیاء اور رسل میں سے کوئی ایک بھی اللہ تعالیٰ کو خاتم الرسل کی مشکوٰۃ کے بغیر نہیں دیکھ سکتا اور اسی طرح اولیاء میں سے بھی کوئی فرد اللہ تعالیٰ کو خاتم الاولیاء کی مشکوٰۃ کے بغیر نہیں دیکھ سکتا۔ بلکہ اصل حقیقت یہ ہے کہ مجملہ رسل بھی فیضان ولایت خاتم الاولیاء کی مشکوٰۃ سے حاصل کرتے ہیں۔ اُسکی وجہ یہ ہے کہ رسالت اور نبوت یعنی نبوت تشریعی اور رسالت تشریعی دونوں منقطع ہو جاتی ہیں اور ولایت ابد الابد تک باقی رہتی ہے۔ مراد یہ ہے کہ رسالت اور نبوت کا اصل گوہر ولایت ہے۔ بغیر ولایت کے کوئی فرد نبی یا رسول نہیں ہو سکتا۔ رسول کیلئے لازمی ہے کہ وہ پہلے ولی بھی ہو لہذا مجملہ رسل باعتبار ولی ہونے کے پہلے علوم ولایت خاتم الاولیاء کی مشکوٰۃ سے حاصل کرتے ہیں اور بعد میں ان کے سرور پر رسالت یا نبوت کا تاج رکھا جاتا ہے۔ نیز علوم ولایت چونکہ لامتناہی ہیں لہذا علوم ولایت میں ترقی کیلئے وہ ازل سے لیکر ابد تک خاتم الاولیاء کی مشکوٰۃ کے محتاج ہیں۔ گویا علوم ولایت میں خاتم الاولیاء مجملہ سابقہ رسل کے پیرو مرشد ہیں۔ پس رسل سے جو کمتر درجے

کا ہے یعنی خواہ وہ محدث ہے خواہ وہ صحابی ہے خواہ وہ امام ہے، وہ خاتم الاولیاء سے کیسے بے نیاز ہو سکتا ہے۔ لہذا خاتم الاولیاء مجملہ سابقہ رُسل و اولیاء علیہم السلام پر فضیلت رکھتے ہیں۔

اگرچہ خاتم الاولیاء احکام شریعت میں خاتم الرسل کا تابع ہے لیکن اُس کی یہ پیروی اُس کے مرتبہ میں ضرر نہیں کرتی اور نہ اُس امر کی مخالفت کرتی ہے جس کو ہم نے بیان کیا ہے۔ اُس امر سے مراد خاتم الاولیاء کا خاتم الرسل و سابقہ رُسل کو فیضان ولایت تقسیم کرنا ہے۔ خاتم الرسل کا خاتم الاولیاء سے فیضان ولایت حاصل کرنا ایسے ہے جیسے بادشاہ کا اپنے خزانچی سے نقدی وصول کرنا ہے لیکن سابقہ رُسل کی یہ شان نہیں اُن کو علوم ولایت خاتم الاولیاء کی مشکوٰۃ سے نصیب ہوتے ہیں لہذا علم ولایت میں خاتم الاولیاء سابقہ رُسل کے پیر و مرشد ہیں۔ خاتم الاولیاء سابقہ رُسل سے ایک وجہ سے کمتر مرتبہ والے ہیں اور ایک وجہ سے برتر مرتبہ والے ہیں۔ خاتم الاولیاء کا وجود خاتم الرسل کی طرح قدیم ہے اور سابقہ رُسل خاتم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کے سب نواب تھے۔ سابقہ رُسل کی شریعتیں حقیقتاً خاتم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی شریعتیں ہیں اور خاتم الاولیاء پر ہر رسول کی شریعت کی پیروی فرض تھی۔ اس وجہ سے سابقہ رُسل خاتم الاولیاء سے افضل ہیں۔ اور چونکہ سابقہ رُسل علوم ولایت خاتم الاولیاء سے حاصل کرتے ہیں اس اعتبار سے خاتم الاولیاء سابقہ رُسل سے افضل ہیں۔ اس امر پر جو ہم نے بیان کیا ہے ہماری ظاہر شریعت بھی مؤید ہے۔ مثال کے طور پر جنگ بدر کے قیدیوں کے متعلق حکم کرنے میں عمر کی فضیلت پائی جاتی ہے۔ نیز درخت خرما کے تلیق کرنے والے واقع میں انصار کی فضیلت پائی جاتی ہے۔ پس کامل کیلئے یہ لازم نہیں کہ ہر شے اور ہر مرتبہ میں اُس کو تقدّم حاصل ہو۔ اہل اللہ کے نزدیک تقدّم کا تعلق ساتھ معرفت باللہ کے مراتب کے ہے یعنی اُن کے نزدیک اُس شخص کو تقدّم اور فضیلت حاصل ہے جس کو علوم ولایت میں زیادہ کمال حاصل ہے۔ اہل اللہ کے قلوب کو چونکہ دنیاوی امور و مشاغل میں بہت کم تجربہ ہوتا ہے اسلئے ان فنون و مشاغل میں اگر کوئی شخص اُن پر سبقت لے جائے تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔ فضیلت کا تعلق ساتھ معرفت الہی اور علوم ولایت کے ہے۔ پس ہمارا فرمان پایہ تحقیق کو پہنچ گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد یہ ہے کہ علم شریعت کا تعلق ہمارے ظاہر و مستور حیات کیساتھ ہے اور ولایت جو ابد الابد تک باقی رہنے والی ہے، کا تعلق خداوند تعالیٰ کے قرب کیساتھ ہے۔ لہذا علم باطن علم ظاہر سے افضل ہے۔ پس خاتم الاولیاء اگرچہ ظاہر میں سابقہ رُسل کی شرع کے تابع ہے لیکن چونکہ علوم ولایت میں خاتم الاولیاء سابقہ رُسل کے پیر و مرشد ہیں اسلئے خاتم الاولیاء کو سابقہ رُسل پر بہتین فضیلت حاصل ہے۔ خاتم الاولیاء خاتم الرسل کی طرح واحد ہے۔ جن شارحین نے یہ شرح کی ہے کہ اس مذکورہ

بالا کلام سے خاتم الاولیاء کی سابقہ رُسل پر فضیلت ثابت نہیں ہوتی انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کلام مبارک کو نہیں سمجھا۔

حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کو اینٹوں کی دیوار کیساتھ مثال دی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب مبارک میں اینٹوں کی دیوار دیکھی جس میں ایک اینٹ کی جگہ خالی تھی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم وہی ایک اینٹ تھے۔ اس کی ایک توجیہ تو یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نبوت کی دیوار مکمل ہو گئی ہے یعنی نبوت کے کمالات حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہیں۔ دوسری توجیہ یہ ہے کہ آپ کی ایک ہی حالت ہے یعنی آپ اخذ احکام شریعت و اسرار معرفت حق تعالیٰ سے کرتے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم صرف حق تعالیٰ کے تابع ہیں۔ اسی طرح ضروری ہے کہ خاتم الاولیاء بھی اسی قسم کی خواب دیکھے۔ پس خاتم الاولیاء خواب میں دیوار دیکھتا ہے اور دیوار میں ایک موضع پر دو اینٹیں دیکھتا ہے۔ ایک اینٹ سُنہری اور ایک اینٹ روپہلی۔ ان دونوں اینٹوں کے بغیر دیوار نامکمل رہتی ہے اور ضروری ہے کہ خاتم الاولیاء اپنی ذات کو ان دونوں اینٹوں کی جگہ چسپاں دیکھے۔ پس وہی دونوں اینٹیں خاتم الاولیاء ہونگے اور دیوار مکمل ہو جائیگی۔ اور علت موجبہ اس بات کی کہ خاتم الاولیاء نے اس ایک اینٹ کو دو اینٹ دیکھا، یہ ہے کہ وہ ظاہر میں خاتم الرسل کی شرع کے تابع ہے اور یہ اشارہ طرف روپہلی اینٹ کے ہے اور باطن میں وہ اسرار ولایت اللہ تعالیٰ سے اخذ کرتا ہے اور یہ اشارہ طرف سُنہری اینٹ کے ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ خاتم الاولیاء اس معدن سے اسرار حاصل کرتا ہے جس سے وہ فرشتہ جو ان اسرار کیساتھ رسول کی طرف وحی کیا جاتا ہے اخذ کرتا ہے۔ پس جس امر کی طرف میں نے اشارہ کیا ہے اگر تو نے سمجھ لیا تو تجھ کو تحقیق علم نافع حاصل ہوا۔

آدم سے لیکر آخری نبی تک مجملہ انبیاء نے فیضان نبوت خاتم الانبیاء کی مشکوٰۃ سے اخذ کیا ہے۔ اگرچہ آپ کے وجود عنصری کا ظہور بعد میں ہوا لیکن آپ اپنی رُوحانیت کیساتھ موجود تھے جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہوا **كُنْتُ بَيْنَ آدَمَ بَيْنَ النَّارِ وَالطَّيْنِ** میں اُس وقت نبی تھا جب آدم درمیان پانی اور مٹی کے تھا۔ اور آپ کے سوا انبیاء میں سے کوئی نبی نہ ہوتا تھا جب تک کہ مبعوث نہ ہوتا تھا۔ اسی طرح خاتم الاولیاء اُس وقت ولی تھے جب آدم درمیان پانی اور مٹی کے تھے اور آپ کے سوا اولیاء میں سے کوئی ولی نہیں ہوتا جب تک ولایت کی شرائط نہ حاصل کرے۔ ولایت کی شرائط سے مراد صفات کاملہ الہیہ سے متصف ہونا ہے جیسا کہ اللہ کا اسم ولی حمید ہے۔ خاتم الرسل باعتبار اپنی ولایت کے خاتم الاولیاء کیساتھ وہی نسبت رکھتے ہیں جو انبیاء اور رُسل کو خاتم الاولیاء کیساتھ ہے۔

مراد یہ ہے کہ جیسا کہ دیگر انبیاء و رسل علوم ولایت خاتم الاولیاء سے حاصل کرتے ہیں ایسے ہی خاتم الرسل بھی علوم ولایت خاتم الاولیاء سے حاصل کرتے ہیں۔ خاتم الرسل ولی ہے اور رسول ہے اور نبی ہے اور خاتم الاولیاء ولی ہے اور وارث ہے اور فیوضات اصل معدن سے اخذ کر نیوالا ہے اور مراتب کا تقسیم کرنے والا ہے۔

کلام مذکورہ بالا سے عقدہ پیدا ہوتا ہے کہ سابقہ رسل کی طرح خاتم الرسل پر بھی خاتم الاولیاء کو فضیلت حاصل ہے۔ اس کے حل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں وَهُوَ حَسَنَةٌ مِّنْ حَسَنَاتِ خَاتِمِ الرُّسُلِ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مُقَدِّمَ الْجَمَاعَةِ اور خاتم الاولیاء خاتم الرسل جناب محمد پاک صلی اللہ علیہ وسلم مقدم جماعت کے حسان ہیں سے ایک حسنہ ہے۔ یعنی خاتم الاولیاء خاتم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات میں سے ایک کمال ہے۔ مراد یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بہر اہی ہیں۔ باعتبار رسالت اس بہر اہی کا نام خاتم الرسل ہے اور باعتبار ولایت اس بہر اہی کا نام خاتم الاولیاء ہے یعنی بظاہر خاتم الرسل اور خاتم الاولیاء کے دو وجود ہیں لیکن حقیقت میں ایک ہی وجود ہے اور وہ وجود خاتم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے کَمَا قَالَ تَعَالٰی (وَالْفَجْرِ ذِیَ الْاُتْرَاقِ وَالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ ذِی الْاُتْرَاقِ) یہ آیت کریمہ میں رب تعالیٰ نے معراج کی رات کا نقشہ باندھا ہے جب معراج شریف کی رات کو خاتم الرسل جناب محمد پاک صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الاولیاء جناب غوث اعظم پاک سید عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کے کندھوں مبارک پر راکب ہو کر عرش معلیٰ پر پہنچے تو رب تعالیٰ نے آپ کا استقبال کیا اور فرمایا (وَالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ) قسم ہے جوڑے کی اور قسم ہے ایک کی یعنی رب تعالیٰ نے اشارہ فرمادیا کہ یہ دو وجود نہیں ہیں بلکہ ایک ہی وجود ہے۔ پس جس نے اس حقیقت کو پالیا اس کا عقدہ حل ہو گیا۔ لہذا ثابت ہوا کہ خاتم الاولیاء کی مشکوٰۃ خاتم الرسل ہی کی مشکوٰۃ ہے۔ اب خاتم الرسل کا خاتم الاولیاء سے فیضان ولایت حاصل کرنا خاتم الرسل کا خاتم الرسل سے ہی فیض حاصل کرنا ہے۔

بعض شارحین نے اس کتاب کو حضرت شیخ اکبر رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کیا ہے۔ اگر انہوں نے شیخ رضی اللہ عنہ کو مقام محمدی صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرّف سمجھتے ہوئے اس کتاب فصوص الحکم کو آپ کی طرف منسوب کیا ہے تو بجا ہے ورنہ بے جا ہے۔ کاتب الحروف مسکین عطا محمد عفی اللہ عنہ عرض کناں ہے کہ صحیفہ مقدسہ کے مطالعہ کے دوران اس احقر کے دل میں ایک مسئلہ پر اعتراض پیدا ہوا اور اس اعتراض کو میں نے شیخ کی طرف منسوب کیا۔ اسی رات حضرت شیخ اکبر رضی اللہ عنہ خواب میں ملاقی ہوئے اور فرمایا ”مجھ پر کیا اعتراض ہے۔ دیباچہ

نہیں پڑھا۔ فوراً دل میں القا ہو گیا کہ آپ کی مراد یہ ہے کہ یہ صحیفہ مقدسہ جیسا کہ دیباچہ میں وضاحت کی گئی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہے۔ صبح کو اٹھ کر جب وہ ہی مقام دوبارہ پڑھا تو معلوم ہو گیا کہ میرا اعتراض بوجہ کم فہمی کے تھا۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اہل اللہ کی جماعت یعنی انبیاء اور اولیاء کے پیشوا ہیں۔ اور روزِ محشر کو شفاعت کا دروازہ کھولنے میں آدم اور آدم کی اولاد کے سردار ہیں۔ پس اس حال خاص یعنی شفاعت میں آپ کو جمیع انبیاء اور اولیاء پر سرداری اور تقدّم حاصل ہے۔ لیکن ہر فن اور ہر وجہ میں آپ کو تقدّم حاصل نہیں بقولہ عَلَیْہِ السَّلَام اَنْتُمْ اَعْلَمُ بِاُمُورِ دُنْيَاكُمْ۔ اس حال خاص یعنی شفاعت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اسمائے الہیہ پر بھی تقدّم حاصل ہے جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہوا کہ روزِ محشر سب سے پہلے شفاعت کا دروازہ جناب محمد پاک صلی اللہ علیہ وسلم کھولیں گے پھر انبیاء پھر اولیاء پھر مومنین شفاعت کریں گے اور آخر میں ارحم الراحمین شفاعت کریں گے۔ پس اس مقام خاص میں جناب محمد پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو سرداری حاصل ہے۔ لہذا جس نے مراتب اور مقامات کو سمجھ لیا اُس کیلئے ایسی کلام کو قبول کر لینا دشوار نہیں ہے۔

خاتم الاولیاء کے نام کی تخصیص چونکہ نہیں کی گئی اسلئے دل کو تشویش پیدا ہوتی۔ رب تعالیٰ کے فضل سے چند مبشرات نصیب ہوئیں جو ذیل میں درج کی جاتی ہیں:-

(۱) ایک رات سرکارِ دو عالم جناب محمد پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارتِ پاک سے مُشرف ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”اولیائی صحابی انبیاء صحابی غوث الاعظم کا قمر (وَالشَّيْشُ وَضُحَاهَا وَالْقَهْرُ اِذَا اَقْلَاهَا) علی مرتضیٰ اسلئے قمر نہیں کہ اُن کا ظہور ہمارے ساتھ ہے۔“

(۲) ایک رات سرکارِ دو عالم جناب محمد پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس مبارک آراستہ ہے۔ سابقہ رُسل اور کُل افراد حاضر خدمت اقدس ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مسکین کی طرف اشارہ کر کے فرمایا ”اس شخص نے قرآن مجید کے وہ حقائق اور دقائق بیان کئے ہیں جو آج تک کسی نے بیان نہیں کئے۔“ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارہ مبارک پر حاضرین نے اس مسکین کو گھیر لیا اور مجھ کو دیکھ کر ہنس رہے تھے۔ حاضرین میں سے حضرت امام حسن پاک علیہ السلام میرے سامنے تشریف فرما ہوئے اور فرمایا ”اپنی کتب میں یہ بھی لکھو قمر وہ ہستی ہے جس کا ظہور عصری حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہے۔“

اُس وقت تفسیرِ جلوی و تحقیقِ الاولیاء فی شان سلطان الاصفیاء زیرِ کتابت تھیں۔ میرے دل میں معاً القا

ہو کہ امام پاک علیہ السلام آیہ کریمہ (وَالْقَسْرَ إِذْ أَقْلَحَا) سے قمر کے معانی استنباط کرنے کی تعلیم فرما رہے ہیں۔ یعنی جب شمس سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم لی جائے تو قمر سے مراد وہ ہستی لی جائیگی جس کا ظہور عنقریب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہوگا۔ لہذا قمر سے مراد نہ کوئی سابقہ رسول ہے نہ کوئی صحابی ہے بلکہ قمر سے مراد عالی سرکار جناب حضرت غوث الاعظم پاک شیخ سید عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ ہے۔

(۳) ایک رات مولا مشککشا حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ خواب میں تشریف فرما ہوئے۔ فرمایا ”ہم غوث الاعظم پاک کے خادم ہیں“۔

ان مُبَشِّرَات سے تحقیق ہو گئی کہ خاتم الاولیاء سے مراد حضرت سلطان غوث الاعظم پاک شیخ سید عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ ہے۔ لفظ خاتم الاولیاء سے یہ مراد نہیں کہ آپ کے بعد ولایت ختم ہے بلکہ یہاں اصطلاحی معنی مراد ہیں۔ یعنی وہ ہستی جس پر ولایت کے کمالات ختم ہیں یا وہ ولی جو اولیاء کی ولایت پر مہر لگانے والے ہیں۔

عطایا سے ربانی ذاتی کے بعد عطایا سے ربانی اسمائی کا ذکر شروع ہوتا ہے۔ جان تو اسے طالب تحقیق اللہ تعالیٰ کی عطایا اپنی مخلوق کیلئے محض رحمت ہیں اور وہ عطایا اسمائے الہیہ سے مخلوق کو پہنچ رہی ہیں۔ رحمت اسمائی دو قسم پر ہے۔ ایک رحمت خالص یعنی جو قیامت کے دن آمیزش عذاب سے خالص ہے مثلاً دنیا میں لذیذ طیب رزق اور اس قسم کی عطایا کو اسم رحمن بخشتا ہے پس وہ عطا عطاے رحمانی ہے۔ دوسری رحمت جو کمالات سے ملی ہوئی ہے مثلاً بد مزہ ادویہ کا پینا کہ پیچھے سرور اور راحت اور صحت لاتی ہیں یا جیسے کافروں کے ساتھ جہاد کرنا کہ بعد میں مراتب اور مدارج نصیب ہوتے ہیں۔ پس وہ عطا عطاے الہی ہے یعنی ذات مع جمیع صفات کے نہ محض باعتبار ذات کے اسلئے کہ اس اعتبار سے مقتضای غنی عن العالمین ہے۔ اور اسم اعظم اللہ کے خادموں میں سے کسی ایک خادم کے بدول حصول عطا ممکن نہیں کیونکہ ہر عطاء معین کسی خاص جزئی اسم کیساتھ مختص ہے مثلاً رزق اسم رزاق سے اور آرزو اسم غفور سے اور پیش اسم شہار سے وغیرہ۔ پس اسمائے الہی میں سے کسی ایک اسم کی تجلی کے بغیر حصول عطا ممکن نہیں۔ مراد یہ ہے کہ چونکہ اسم اعظم اللہ جامع جمیع اسماء ہے اور جمیع اسماء اس اسم اعظم کے سہ نہ اور خدام ہیں اسلئے اللہ تعالیٰ افاضۃ الغامات بوساطت اسماء کے جو بمنزلہ خدام اور خزانچی کے ہیں، کیا کرتا ہے۔

کبھی اللہ تعالیٰ اسم رحمن کے دونوں ہاتھوں سے بندے کو عطا کرتا ہے پس وہ رحمت محض ہے اور وہ عطا اس شے کی آمیزش سے خالص ہوتی ہے جو کسی وقت بھی طبع کے خلاف ہو یا وہ عطا اس کی غرض کو پورا

نہ کرے یا اُس کے ساتھ اور کوئی تکلیف ہو۔ مراد یہ ہے کہ جب اسمِ رحمن کی وساطت سے اللہ تعالیٰ بندے کو عطا کرتا ہے تو وہ عطا محض رحمت ہوتی ہے۔ اُس کے ساتھ ظاہر یا باطن میں کسی قسم کی تکلیف کی آمیزش نہیں ہوتی اور کبھی اللہ تعالیٰ اسمِ واسع کے دونوں ہاتھوں سے بخشش کرتا ہے پس وہ بخشش تمام مخلوق کو شامل ہوتی ہے یا کبھی اللہ تعالیٰ اسمِ حکیم کے دونوں ہاتھوں سے بخشش کرتا ہے پس اُس وقت اسمِ حکیم بندے کی مصلحت کو دیکھتا ہے۔ اور کبھی اللہ تعالیٰ اسمِ واپس کے دونوں ہاتھوں سے بخشش کرتا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے پر اظہارِ انعام کرے اور اللہ تعالیٰ معطی نہ کو تکلیف نہیں دیتا ہے کہ اُس انعام کے عوض میں وہ شکر ادا کرے یا کوئی عمل کرے۔ یا کبھی اللہ تعالیٰ اسمِ جبار کے دونوں ہاتھوں سے بخشش کرتا ہے۔ اسمِ جبار دو معنوں پر مستعمل ہو منکسر اور مطلقوں کے نقصان کا تدارک کرنے والا ہے اور ظالموں پر ظہر کرنے والا ہے۔ پس اسمِ جبار بحسب استحقاق موطن و محل عمل کرتا ہے۔ یا کبھی اللہ تعالیٰ اسمِ غفار کے دونوں ہاتھوں سے بخشش کرتا ہے پس اسمِ غفار بندے کے مقام اور حال کو دیکھتا ہے۔ اگر بندہ ایسے حال پر ہے کہ وہ عذاب کا مستحق ہے تو اسمِ غفار اُس بندے کو عذاب سے چھپاتا ہے یا اگر وہ ایسے حال پر ہے کہ وہ عذاب کا مستحق نہیں ہے تو اسمِ غفار بندے کی ایسے حال سے حفاظت کرتا ہے جس کے باعث وہ عذاب کا مستحق ہو جائے۔ پس اُس وقت بندے کا نام معصوم اور معتنی بہ یعنی عنایت کیا گیا ساتھ اُس کے اور محفوظ رکھا جاتا ہے۔ اور اُن اسماء میں سے جو اس نوع کے ہم شکل ہیں ان کے ہوا کئی اور ہیں۔

حقیقت میں اللہ ہی باعتبار اُس اسم کے جو اُن عطایا کا خازن ہے عطا کر نیوالا ہے اور وہ عطایا اللہ تعالیٰ کے خزانے میں موجود ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ اندازہ معلوم کے مطابق خزانہ کو اُس اسمِ خاص کے دونوں ہاتھوں پر نکالتا ہے جو اُس عطا کیساتھ مختص ہے۔ لہذا اللہ تعالیٰ نے ہر شے کو یعنی ہر عین ثابتہ کو اُس کی استعداد بحسب فیض اقدس بذریعہ دونوں ہاتھوں اسمِ عدل اور امثال اُس کی کے عطائی۔ اسمِ عدل کی مثل اسماء الہیہ منقسطہ اور حکم وغیرہ ہیں۔ پس اس صورت میں یہ نہ کہا جائیگا کہ کیوں یہ انسان ہے اور وہ گدھا، اور یہ فقیر ہے اور وہ غنی، اور یہ عاصی ہے اور وہ مطیع اور یہ مردود ہے اور وہ مقبول کَمَا قَالَ اللَّهُ تَعَالَى (وَإِنَّا لَمُؤَفَّقُوهُمْ فَصِيبَتْهُمْ غَيْرَ مَنقُوصٍ فَلِلَّهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ)۔

کسی اسم کے دونوں ہاتھوں سے مراد بحیثیتِ ظاہر اور باطن کے ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ اسمِ رزاق کے ذریعہ بندے کو رزق پہنچاتا ہے۔ اب رزق دو قسم پر ہے، ایک رزق ظاہری یعنی جہم کی غذا دوسرا رزق باطنی مثلاً

روح کی غذا جیسے علوم اور معارف الہیہ ہیں۔ پس دونوں ہاتھوں سے مراد دست ظاہر و دست باطن ہے۔ دست ظاہر سے وہ اسم عبد کے ظاہر یعنی قالب کو بخشش کرتا ہے اور دست باطن سے وہ اسم عبد کے باطن یعنی حضرت روح کو بخشش کرتا ہے۔

چونکہ آثار اور افعال اسماء الہیہ غیر متناہی ہیں لہذا اسماء الہیہ بھی غیر متناہی ہیں۔ اگرچہ اسماء الہیہ غیر متناہی ہیں لیکن وہ چند اصول متناہیہ کبریٰ جمع کرتے ہیں اور وہ ہی اصول اُتہات الاسماء یا حضرات الاسماء ہیں۔ حقیقت میں ان سب اسماء کی حقیقت واحدہ ہے۔ یہ اسماء محض نسبتیں اور اضافتیں ہیں جن کو وہ حقیقت واحدہ قبول کرتی ہے۔ حقیقت واحدہ سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ اور ذات حق اس امر کی مقتضی ہے کہ ہر اسم جس کا ظہور غیر متناہی ہے، کے واسطے ایسی ایک حقیقت معقولہ ہو جس کے سبب ایک اسم دوسرے اسم سے متمیز ہو جائے مثلاً حقیقت عطار دیگر اور حقیقت قہار دیگر ہے۔ اور یہ حقیقت معقولہ جُزئیہ جس کے سبب ایک اسم دوسرے اسم سے متمیز ہوتا ہے، اپنے اُس اسم کی عین ہوتی ہے۔ یہ وہ حقیقت کلی نہیں جس میں اشتراک اسماء ہے۔ حقیقت کلی سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور وہ حقیقت جُزئیہ اُس صفت کی عین ہے کہ جب اُس صفت کی اضافت اللہ تعالیٰ کیساتھ کی جائے تو بعد نسبت کے وہ اسم حاصل ہو جائے جسکی حقیقت وہ صفت ہے۔ مثلاً رحمت عامہ کی اضافت جب ذات حق کیساتھ کی جائیگی تو ذات حق کا نام اسم رحمن ہوگا۔ جب رحمت خاص کی اضافت ذات حق کیساتھ کی جائیگی تو ذات حق کا نام رحیم ہوگا۔ پس ذات حق واحد ہے اور تمام اسماء کو مشترک ہے جیسے کہ عطایا بہ سبب اپنے خاص تشخص کے ایک دوسرے سے متمیز ہوتے ہیں اگرچہ وہ عطایا اصل واحد سے ہیں۔ مثال کے طور پر علم اور عطیہ ہے اور سمع اور عطیہ، کلام اور عطیہ ہے اور عطیہ حالانکہ ان سب کی اصل ذات حق ہے۔ پس معلوم ہوا کہ ہر ایک عطیہ دوسرے کا غیر ہے اور اس کا سبب اسماء الہیہ کا آپس میں متمیز ہونا ہے۔ مثال کے طور پر اسم علیم علم عطا کرتا ہے، اسم رزاق رزق عطا کرتا ہے، اسم کلیم کلام عطا کرتا ہے اور اسم حلیم علم عطا کرتا ہے یعنی اسماء کے آپس میں متمیز ہونے کی وجہ سے عطیات بھی متمیز ہیں۔ ہر عطیہ دوسرے کا غیر ہے۔ پس ذات حق میں بوجہ اُس کی وسعت کے کسی شے میں ہرگز تکرار نہیں۔ یہ حق بات ہے اور اسی پر اعتماد کیا جاتا ہے۔ مراد یہ ہے کہ چونکہ اسماء الہیہ غیر متناہی ہیں اسلئے عطیات بھی غیر متناہی ہیں یعنی بسبب فراخی اور وسعت ذات حق کے کوئی تجلی مکرر اور دوبارہ نہیں ہوتی ہے۔ ہر تجلی میں اُس کی ایک نئی شان ہے (لِقَوْلِهِ تَعَالَى كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ) یعنی ہر ذرہ میں ہر شے میں ہر تعین میں ہر انسان میں اُس کی ایک نئی شان ہے۔ شیت علیہ السلام کا علم ہی اسماء الہیہ کا علم تھا اور آپ کی روح ان اشخاص کے ارواح کی مدد کرنے والی

نیز سب سے پہلی بخشش جو اللہ تعالیٰ نے آدم پر کی وہ شیت کا وجود ہے۔ اور شیت کو اللہ نے آدم ہی سے پیدا کیا کیونکہ بیٹا باپ کا راز ہوتا ہے یعنی بیٹا باپ میں بالقوہ موجود ہوتا ہے۔ پس شیت اسی آدم سے نکلا۔ آدم چونکہ ظہور حق ہے اسلئے اگر کہا جائے کہ شیت ظہور آدم ہے تو بھی بجا ہے اور اگر کہا جائے کہ شیت ظہور حق ہے تو بھی بجا ہے۔ پس شیت کا مبداء حق ہے اور معاد بھی حق ہے جیسا کہ موجیں سمندر سے پیدا ہوتی ہیں اور سمندر ہی میں مٹ جاتی ہیں۔ جس شخص کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عقل کل سے حصہ نصیب ہوتا ہے اُسکے لئے یہ امر کوئی عجیب نہیں۔ اب موج عین بحر ہے اور بحر عین موج۔ پس عالم میں جملہ عطا یا اسی طریق پر جاری ہیں۔ یعنی کسی شخص میں سوائے اللہ کے اور کوئی چیز نہیں اور کسی شخص میں سوائے اُس کی ذات اور حقیقت کے اور کوئی چیز نہیں۔ مراد یہ ہے کہ ہر انسان کی حقیقت ذات حق ہے جیسا کہ ہر حرف کی حقیقت سیاہی ہے چونکہ جملہ صور اسی حقیقت واحدہ کا ظہور ہیں اور وہ حقیقت انسان ہی کی حقیقت ہے اسلئے جملہ صور حقیقت انسانی کی صور ہیں۔ مراد یہ ہے کہ عالم میں اگرچہ صور کی کثرت ہے لیکن جملہ صور کی حقیقت ذات حق ہے۔ مثال کے طور پر کتاب میں حروف کی صورتیں بشمار ہیں لیکن سب صورتوں پر ایک سیاہی کا ظہور ہے۔ یہ مسئلہ وحدت وجود ہے ہر کوئی اس مسئلہ سے واقف نہیں ہے۔ اہل اللہ میں سے کوئی کوئی اس راز کو جانتا ہے۔ پس جبوقت تو کسی ایسے شخص کو دیکھے جو اس مسئلہ کو جانتا ہو تو تو اُس پر اعتماد کر کیونکہ یہ علم اہل اللہ میں سے اخص الخواص کو نصیب ہوتا ہے۔

صاحب کشف جب مکاشفہ میں کسی صورت کا مشاہدہ کرتا ہے جو صاحب کشف کو ایسے معارف و اسرار القا کرتی ہے جن کا وہ پہلے عالم نہ تھا تو وہ صورت اُس کی عین ہوتی ہے نہ غیر۔ پس صاحب کشف نے اپنی ذات کے درخت سے اپنی استعداد کا میوہ چن لیا۔ پس ناز موسیٰ عین موسیٰ تھی۔ اور ہر پیغمبر کا جبرائیل اُس کا عین ہوتا ہے اس پر دلیل یہ ہے کہ جبرائیل ہر پیغمبر کے ساتھ اُس پیغمبر کی زبان کیساتھ بولتا ہے۔ لہذا عارف کامل کو ہر مقام میں جو مختلف صورتیں مشاہدہ میں آتی ہیں وہ اُس عارف کے عین ثابۃ کی استعداد کی صورتیں ہیں اس کی مثال ایسے ہے جیسے وہ عارف اپنی صورت آئینہ میں دیکھتا ہے۔ وہ صورت مرئی اُس کی غیر نہیں ہے۔ لیکن وہ صورت جو صاحب کشف کو علوم و اسرار القا کرتی ہے وہ اُس کے اپنے نفس کی ہی صورت ہوتی ہے۔ وہ صورت مرئی ایک وجہ سے دوسری وجہ کی طرف اور ایک شکل سے دوسری شکل کی طرف بدلتی رہتی ہے کیونکہ رائی کے نفس کی صورت بدلتی رہتی ہے۔ نفس سے مراد ذات ہے۔ اللہ تعالیٰ کی شان بدلتی ہے تو بندے کا

حال بدل جاتا ہے۔ رائی کی ذات اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ہر لحظہ ایک نئی شان ہے کَمَا قَالَ تَعَالَى
 (مُحَلِّیْوْمُھُو فِی شَیْءٍ) اسلئے رائی کی بھی ہر لحظہ ایک نئی شان ہے۔ مراد یہ ہے کہ رائی کی شان اور حالت بدلتی
 رہتی ہے۔ رائی کی حالت کے مطابق ہر وقت عالم مثال میں رائی کی ایک خاص صورت ہوتی ہے۔ جب اُسکی
 حالت بدلتی ہے صورت مرنی جس محل یا حضرت میں وہ دیکھتا ہے بھی بدل جاتی ہے۔ اگر نفس رائی کے اوصاف نیک
 ہیں صورت مرنی حسین ہوگی اگر نفس رائی کے اوصاف بد ہیں صورت مرنی قبیح ہوگی۔ مثال کے طور پر ایک کبیر شے
 آئینہ صغیر میں صغیر آئینہ طویل میں طویل اور آئینہ متحرک میں متحرک معلوم ہوتی ہے۔ آئینہ سے مراد رائی کی استعداد
 ہے۔ جب رائی کی استعداد بدلتی ہے تو صورت مرنی بھی بدل جاتی ہے۔ اسی لئے گاہے وہ مقام خاص جو اُس
 صاحب کشف کی استعداد کا آئینہ ہے اُس کو سرنگوں صورت عطا کرتا ہے اور گاہے وہ صورت مرنی اُس کی
 عین ہوتی ہے یعنی صورت مرنی کا دایاں رائی کے دائیں کے مقابل ہوتا ہے۔ اور گاہے دایاں بائیں کے مقابل
 ہوتا ہے اور یہ مشاہدہ آئینوں میں بالعموم عادت کے موافق اور اکثر ہے۔ اور گاہے عادت کے برخلاف دایاں
 دائیں کے مقابل ہوتا ہے اور رائی کی صورت سرنگوں ظاہر ہوتی ہے۔ یہ مجملہ صورت جو صاحب کشف کو حاصل ہوتی
 ہیں اُس مقام خاص کی حقیقت کی عطا یا ہیں۔ وہ صورتیں اُس مقام خاص میں تجلی کی گئی ہیں اور وہ مقام خاص
 مثل مرایا کے ہے۔

جس شخص نے اپنی استعداد کو پہچان لیا اُس نے اپنے قبول کو پہچان لیا۔ قبول سے مراد صور مختلفہ کا
 قبول کرنا ہے۔ مراد یہ ہے کہ صاحب کشف کو جو صورت معارف و اسرار القا کرتی ہے وہ اُس کی استعداد
 قابلیت اور مرتبہ کے مطابق ہوتی ہے۔ یہ ہی وجہ ہے کہ منتهی عارف کیلئے ایک مظہر محمدی صلی اللہ علیہ وسلم
 تیار ہو جاتا ہے اور اُس صورت معین میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اُس کو تعلیم عطا فرماتے ہیں۔ نیز اُس کے لئے
 ایک مظہر جبریلی تیار ہو جاتا ہے اور اُس صورت معین میں حضرت جبریل علیہ السلام اُس کو احکام الہیہ یعنی حضور
 صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام پہنچاتے ہیں۔ جبریل علیہ السلام قطب زمان کے خادم ہیں اور ہر وقت قطب زمان
 کی خدمت میں رہتے ہیں۔ جبریل امین خادم دربان محمد (سعدی)۔ ہر سال شبِ برات یعنی ۱۵ شعبان
 کی رات کو مجملہ عالم کے ایک سال کے کاغذات خزانہ غیب سے نکال لئے جاتے ہیں۔ جبریل اُن کا غذاست
 یعنی موت کا جبر، پیدائش کا جبر، برزق کا جبر، سرکشوں کی گرفت کا جبر، سب کو قطب زمان کی خدمت
 میں پیش کرتا ہے۔ قطب زمان اُن سب پر اپنے دستخط کر دیتا ہے۔ پھر جبریل امین وہ ہی کاغذات خاتم الاولیاء

حضرت غوث اعظم پاک شیخ سید عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کی خدمت اقدس میں پیش کرتا ہے۔ آپ اپنی مرضی سے جو چاہیں رد و بدل کر دیتے ہیں اور کاغذات جبرئیل امین کو واپس کر دیتے ہیں۔ جبرئیل امین جملہ کاغذات متعلقہ ملائکہ کے سپرد کر دیتے ہیں اور وہ ایک سال تک اُن منظور شدہ کاغذات کے مطابق عملدرآمد کرتے ہیں۔ بعد میں بھی حضرت غوث اعظم پاک رضی اللہ عنہ جو چاہیں رد و بدل کرتے رہتے ہیں۔ بعض اوقات حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کئی امور میں قطب زمان کا مشورہ لے لیتے ہیں۔ یہ جناب کی خاص مہربانی ہے۔ قطب زمان کی حالت کو کوئی ٹلی نہیں سمجھ سکتا۔ البتہ اقطاب عارین ایک دوسرے کو پہچانتے ہیں۔ ایک دفعہ بچپن میں یہ مسکین اپنے پیر و مرشد امام بہام خاتم الاولیاء حضرت مولانا غلام محمد صاحب قبیلہ امام جلوی رضی اللہ عنہ کیساتھ لاہور شہر آیا۔ حضور فرمانے لگے کہ لاہور شہر میں دہری فقیر ہیں، اندر دانا صاحب اور باہر میاں میر صاحب۔ یہ مسکین سمجھ گیا کہ یہ دونوں صاحب اپنے اپنے وقت کے قطب تھے۔ الحمد للہ کہ آج اس مسکین کو اس امر کا مشاہدہ حاصل ہے۔ ایک شب حضرت شاہ دولہ صاحب علیہ الرحمۃ گجراتی اس مسکین کو ملے اور فرمایا "میں بھی اپنے وقت کا قطب تھا" اسی طرح طالبانِ خدا کے گرد اگر دانا بیاء و اولیاء علیہم السلام کے ارواح طیبات رہتے ہیں۔ کوئی شخص قبولِ صور سے قبل اپنی استعداد کو نہیں پہچانتا ہے البتہ ہر کوئی بعد قبولِ صور اپنی استعداد کو پہچانتا ہے۔ اگر کوئی شخص قبولِ صور سے قبل اپنی استعداد کو پہچانتا ہے تو عجبلا پہچانتا ہے نہ کہ تفصیلاً۔ مراد یہ ہے کہ اگر صاحب کشف اعلیٰ منصب کا ہے تو الفا کرنے والی صورتیں اعلیٰ درجہ والے لوگوں کی ہوں گی اور اگر وہ خود اوسط درجہ کا ہے تو وہ صور اوسط درجہ والے لوگوں کی ہوں گی علیٰ ہذا القیاس۔ الفقہ عطا یاتے آسمانیہ حسب اقتنائے اعیان ثابۃ اور استعدادات اور قابلیت حقتعالیٰ سے بذریعہ اسماء کے حسب اقتناء و حکمت افاضہ ہوتے ہیں لیکن اصحاب عقول ضعیفہ میں سے بعض اہل نظر بلا رعایت استعداد اور قابلیت اعیان کے امکان کو وسعت دے کر حقتعالیٰ کی قدرت کو بظراف حکمت کے ممتنعات پر بھی جائز رکھتے ہیں مثلاً ایجادِ مثل و تعذیب من یشیق الانعام و تنعیم من یشیق التعذیب۔ اُن کا اعتقاد ہے کہ حقتعالیٰ جو چاہتا ہے کر گزرتا ہے اور وہ حکمت کو قطع نظر کرتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے لئے وہ چیز جائز قرار دیتے ہیں جو اُس کی حکمت کے مخالف ہو اور جو چیز نفس الامر میں ہے اُس کے بھی خلاف ہو۔ بعض اہل نظر یعنی محبوب لوگ مرتبہ امکان کی نفی کرتے ہیں اور وجوب بالذات اور وجوب بالغیر کا اثبات کرتے ہیں اور محقق عارف مرتبہ امکان کا اثبات کرتا ہے اور پہچانتا ہے امکان کو اور ممکن کو۔ اور وہ پہچانتا ہے کہ کیا چیز ممکن ہے اور کس جگہ سے وہ ممکن ممکن بعینہ کس طرح واجب بالغیر ہے اور واجب الوجود

نے اُسی ممکن کیلئے اسم غیر کا کیسے تقاضا کیا اور اس تفصیل کو سوائے خواص علمائے باللہ کے کوئی نہیں جانتا۔
ہم پہلے واجب و ممکن و ممتنع کی تعریف لکھتے ہیں۔ واجب الوجود وہ ہے جس کا ہونا ضروری ہو اور وہ
اللہ تعالیٰ ہے۔ ممتنع الوجود وہ ہے جس کا نہ ہونا ضروری ہو اور وہ غیر اللہ ہے۔ اور ممکن الوجود وہ ہے جس ہونا نہ ہونا
دونوں برابر ہوں یعنی نہ وجود ضروری ہو نہ عدم اور وہ عالم ہے۔ لیکن اس جگہ امکان سے مراد امکان خاص ہے
یعنی حقتعالیٰ کا وجود میں حیث تعینات علمیہ کے حضرت علم میں ممکن ہے کیونکہ ان تعینات علمیہ کی نسبت طرف
ظہور اور عدم ظہور کے برابر ہے۔

محقق عارف کی تحقیق یہ ہے کہ حقتعالیٰ مرتبہ احدیت ذاتیہ سے تنزل فرما کر مرتبہ علم میں تعینات علمیہ کی صورت
پر ظاہر ہوا اور مرتبہ علم سے تنزل فرما کر مرتبہ عین یعنی تعینات خارجیہ کی صورت پر ظاہر ہوا۔ پس عارف کامل کے نزدیک
عالم ظہور حق ہے اور قبل از ظہور عالم اللہ تعالیٰ کے علم میں موجود تھا۔ لیکن علمائے رسوم جن کو معرفت الہی کا ذوق
نصیب نہیں ہوا اس امر کا انکار کرتے ہیں اور امکان یعنی مرتبہ علم کی نفی کرتے ہیں۔ اُن کا کہنا ہے کہ حقتعالیٰ
نے عالم کو اپنی قدرت کاملہ سے عدم محض سے پیدا کیا ہے نہ کہ مرتبہ علم یعنی اپنی ذات سے۔ اُن کے نزدیک
عالم حقتعالیٰ کا غیر ہے۔ وہ حقتعالیٰ کو تو واجب الوجود ثابت کرتے ہیں لیکن عالم کو واجب بالغیر ان معنوں میں ثابت
کرتے ہیں کہ عالم کا وجود بعد وجود خارجی کے واجب ہے اگرچہ ایک لباس سے دوسرے لباس کیساتھ متغیر اور
متبدل ہو جائے اور بالغیر ان معنوں میں کہ عالم کا وجود غیر حق کے ساتھ قائم ہے نہ کہ حقتعالیٰ کیساتھ۔ علمائے
باللہ کے نزدیک حقتعالیٰ کی ذات واجب بالذات ہے یعنی ذات حق وجود کے لئے کسی چیز کی محتاج نہیں اور
ممکنات واجب بالغیر ہیں یعنی اصل کے لحاظ سے ممکنات قدیم ہیں ازلی ہیں اور ابدی ہیں لہذا واجب ہیں
لیکن اُن کا وجود ساتھ حقتعالیٰ کے ہے۔ اُن کا اپنا ذاتی مستقل علیحدہ وجود نہیں ہے۔ ان معنوں میں وہ واجب بالغیر
ہیں۔ اور ممکنات پر جو لفظ غیر کا عائد ہوتا ہے وہ بہ سبب امتیازات ذاتیہ کے ہے۔ یعنی ممکنات عالم کے تعینات
پر نظر رکھی جائے تو وہ ایک دوسرے کے غیر ہیں اور اگر ان کی حقیقت پر نظر رکھی جائے تو وہ سب ایک دوسرے کے عین
ہیں۔ مثال کے طور پر حروف اب ت ث ج وغیرہ کے تعینات پر نظر رکھی جائے تو الف ب نہیں اور ب ت نہیں یعنی
تعین کے لحاظ سے سب ایک دوسرے کے غیر ہیں اور اگر حروف کی حقیقت پر نظر رکھی جائے تو الف بھی سیاہی ب بھی سیاہی
اور ت بھی سیاہی غرضیکہ حروف کی حقیقت سیاہی ہے یعنی حقیقت کے لحاظ سے حروف ایک دوسرے کے عین ہیں۔
اور اس نوع انسانی سے اخیر میں ایک لڑکا پیدا ہو گا جو شیت کے قدم پر ہو گا اور اُس کے اسرار کا

حامل ہوگا۔ اس نوع انسانی میں اُس کے بعد کوئی بڑکانہ ہوگا یعنی وہ بڑکا اولادِ آدم کی ولادت کا ختم کرنے والا ہے۔ اُس کے ساتھ اُس کی خواہر پیدا ہوگی جو شکمِ مادر سے اُس سے پہلے نکلیگی اور وہ اپنی بہن کے بعد اس طرح نکلیگا کہ اُس کا سر اپنی بہن کے دونوں پاؤں کے نزدیک ہوگا۔ مراد یہ ہے کہ بطنِ مادر سے اُس کا خروج بلا مہلت ہوگا۔ اُس بڑکے کی ولادت چھین میں ہوگی اور اُس کی زبان اُس شہر کی زبان ہوگی۔ مردوں اور عورتوں میں بانجھ کا عارضہ سرایت کرے گا۔ نکاح کی کثرت ہوگی لیکن ولادت نہ ہوگی۔ وہ بڑکا اُن کو اللہ کی طرف دعوت دیگا لیکن وہ قبول نہ کریں گے۔ پس جبوقت اللہ اُس کی اور اُس کے زمانہ کے مومنین کی ارواح قبض کرے گا باقی جو شخص رہیں گے مانند چار پاویں کے ہوں گے۔ وہ حلال کو حلال نہیں جانیں گے اور حرام کو حرام نہیں جانیں گے۔ وہ خواہشِ نفسانی کی رُس سے تصرف کریں گے اور عقل اور شرع محمدی سے خالی ہوں گے پس اُن پر قیامت کبریٰ قائم ہوگی :

فَصِّ حِكْمَةٍ سُبُوْحِيَّةٍ فِي كَلِمَةٍ لُّوْحِيَّةٍ

اعْلَمُوا أَنَّ الشَّرِيَّةَ عِنْدَ أَهْلِ الصَّائِقِ فِي الْجَنَابِ الْإِلَهِيِّ عَيْنُ التَّحْدِيدِ وَالتَّقْيِيدِ فَالْمُنَزَّهَةُ أَمَّا جَاهِلٌ
وَأَمَّا صَاحِبُ سُوءِ آدَبٍ وَكَانَ إِذَا أَطْلَقَا قَالَا بِهِ فَالْقَائِلُ بِالشَّرَائِعِ الْهُومِ إِذَا نَزَّكَ وَ
وَقَفَّ عِنْدَ التَّنْزِيهِ وَلَمْ يَرِغَيْرِ ذَلِكَ فَقَدْ آسَأَ الْآدَبَ وَآكَذَبَ الْحَقَّ وَالرُّسُلَ صَلَوَاتُ اللَّهِ
عَلَيْهِمْ وَهُوَ لَا يَشْعُرُ وَيَتَخَيَّلُ أَنَّهُ فِي الْحَاصِلِ وَهُوَ فِي الْفَاسِتِ وَهُوَ كَمَنْ آمَنَ بِبَعْضٍ وَكَفَرَ بِبَعْضٍ
وَلَا سِيَّامَا وَقَدْ عَلِمَ أَنَّ السُّنَّةَ الشَّرَائِعِ الْإِلَهِيَّةِ إِذَا انْطَقَتْ فِي الْحَقِّ تَعَالَى بِمَا نَطَقَتْ بِهِ إِنَّمَا
جَاءَتْ بِهِ فِي الْعُسُومِ عَلَى الْمَفْهُومِ الْأَوَّلِ وَ عَلَى الْخُصُوصِ عَلَى كُلِّ مَفْهُومٍ يُفْهَمُ مِنْ وَجُودِ ذَلِكَ
اللفظِ بِأَيِّ لِسَانٍ كَانَ فِي وَضْعِ ذَلِكَ اللِّسَانِ فَإِنَّ لِلْحَقِّ فِي كُلِّ خَلْقٍ ظَهْرًا أَنَّهُوَ الظَّاهِرُ فِي كُلِّ
مَفْهُومٍ وَهُوَ الْبَاطِنُ عَنْ كُلِّ فَمٍّ إِلَّا عَنْ فَمِّهِ مَنْ قَالَ إِنَّ الْعَالَمَ صُورَتُهُ وَهُوَ بَيْتُهُ وَهُوَ الْأَسْمُ
الظَّاهِرُ كَمَا أَنَّهُ بِالسُّعْنِ رُوحٌ مَا ظَهَرَ فَهُوَ الْبَاطِنُ فَنِسْبَتُهُ لِمَا ظَهَرَ مِنْ صُورِ الْعَالَمِ نِسْبَةُ الرُّوحِ
الْمُدَبِّرِ لِلصُّورَةِ فَيُؤْخَذُ فِي حِدَّةِ الْإِنْسَانِ مَثَلًا بِاطْنُهُ وَظَاهِرُهُ وَكَذَلِكَ كُلُّ مُخَدُّودٍ فَالْحَقُّ مُخَدُّودٌ
بِكُلِّ حِدَّةٍ وَصُورِ الْعَالَمِ لَا تَنْضَبِطُ وَلَا يُحَاطَبُ بِهَا وَلَا تَعْلَمُ حُدُودَ كُلِّ صُورَةٍ مِنْهَا إِلَّا عَلَى قَدْرِ مَا حَصَلَ
لِكُلِّ عَالِمٍ مِنْ صُورَةٍ فَلِذَلِكَ يَجْهَلُ حِدَّةَ الْحَقِّ فَإِنَّهُ لَا يَعْلَمُ حِدَّةَ إِلَّا بِعِلْمِ حِدَّةِ كُلِّ صُورَةٍ وَهَذَا أَعْمَالٌ

حُصُولُهُ فَحَدُّ الْحَقِّ مُحَالٌ وَكَذَلِكَ مَنْ شَبَّهَهُ وَمَا نَزَّهَهُ فَقَدْ قَيَّدَهُ وَحَدَّدَهُ وَمَا عَرَفَهُ وَمَنْ
 جَمَعَ فِي مَعْرِفَتِهِ بَيْنَ التَّنْزِيهِ وَالتَّشْبِيهِ وَوَصَفَهُ بِالْوُصْفَيْنِ عَلَى الْإِحْصَالِ لَا تَنْهَى عَنْ تَحْيِيلِ ذَلِكَ عَلَى
 التَّفْصِيلِ بَعْدَ الْإِحْاطَةِ بِمَا فِي الْعَالَمِ مِنَ الصُّورِ فَقَدْ عَرَفَهُ مُجْمَلًا لَا عَلَى التَّفْصِيلِ كَمَا عَرَفَ نَفْسَهُ
 مُجْمَلًا لَا عَلَى التَّفْصِيلِ وَلِذَا لِكَ رَاطِبُ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَعْرِفَةُ الْحَقِّ بِمَعْرِفَةِ النَّفْسِ فَقَالَ
 مَنْ عَرَفَ نَفْسَهُ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهُ وَقَالَ اللَّهُ تَعَالَى (سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْأَفَاقِ) وَهُوَ مَا خَرَجَ عَنْكَ
 (وَفِي أَنْفُسِهِمْ) وَهُوَ عَيْنُكَ (حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ) أَيْ لِلنَّاطِقِينَ (أَنَّهُ الْحَقُّ) مِنْ حَيْثُ أَنَّكَ صُورَتُهُ
 وَهُوَ رُوحُكَ فَأَنْتَ لَهُ كَالصُّورَةِ الْجَسَدِيَّةِ لَكَ وَهُوَ لَكَ كَالرُّوحِ الْمَدِيرِ بِصُورَةِ جَسَدِكَ وَالْحَدُّ يَشْمَلُ
 الظَّاهِرَ وَالْبَاطِنَ مِنْكَ فَإِنَّ الصُّورَةَ الْبَاقِيَةَ إِذَا زَالَ عَنْهَا الرُّوحُ الْمَدِيرُ لَهَا لَمْ يَبْقَ إِنْسَانًا وَلَكِنْ
 يُقَالُ فِيهَا إِنَّهَا صُورَةٌ تَشْبِيهُ صُورَةِ الْإِنْسَانِ فَلَا فَرْقَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ صُورَةِ مَنْ خَشِبَ أَوْ حَجَارَةٍ
 وَلَا يُطْلَقُ عَلَيْهَا اسْمُ إِنْسَانٍ إِلَّا بِالْمَجَازِ لَا بِالْحَقِيقَةِ وَصُورُ الْعَالَمِ لَا يُمْكِنُ نَزْوَالُ الْحَقِّ عَنْهَا
 أَصْلًا فَحَدُّ الْإِلَهِيَّةِ لَهُ بِالْحَقِيقَةِ لَا بِالْمَجَازِ كَمَا هُوَ حَدُّ الْإِنْسَانِ إِذَا كَانَ حَيًّا وَكَذَا أَنَّ ظَاهِرَ
 صُورَةِ الْإِنْسَانِ تُشْنَى بِلِسَانِهَا عَلَى رُوحِهَا وَنَفْسِهَا الْمَدِيرِ لَهَا كَذَلِكَ جَعَلَ اللَّهُ صُورَةَ الْعَالَمِ
 تَسْبِيحُ بِحَمْدِهِ وَلَكِنْ لَا نَفْقَهُ تَسْبِيحَهُمْ لَنَا لَا نَحِيطُ بِمَا فِي الْعَالَمِ مِنْ صُورٍ فَالْكُلُّ السَّمْعُ الْحَقُّ
 نَاطِقَةٌ بِالثَّنَاءِ عَلَى الْحَقِّ وَلِذَا لِكَ قَالَ (الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ) أَيْ إِلَيْهِ يَرْجِعُ عَوَاقِبُ
 الثَّنَاءِ فَهُوَ الْمُنْتَهَى وَالْمُنْتَهَى عَلَيْهِ (شِعْر)

فَإِنْ قُلْتَ بِالتَّنْزِيهِ كُنْتَ مُقَيَّدًا ۝ وَإِنْ قُلْتَ بِالتَّشْبِيهِ كُنْتَ مُحَدَّدًا ۝
 وَإِنْ قُلْتَ بِالْأَمْرَيْنِ كُنْتَ مُسَيَّدًا ۝ وَكُنْتَ إِمَامًا فِي الْمَعَارِفِ وَسَيِّدًا ۝
 فَسَنَ قَالَ بِالْإِشْفَاعِ كَانَ مُشِيرًا ۝ وَمَنْ قَالَ بِالْإِفْرَادِ كَانَ مُوَحِّدًا ۝
 فَإِيَّاكَ وَالتَّشْبِيهِ إِنْ كُنْتَ ثَانِيًا ۝ وَإِيَّاكَ وَالتَّنْزِيهِ إِنْ كُنْتَ مُفْرَدًا ۝
 كَمَا أَنْتَ هُوَ بَلْ أَنْتَ هُوَ وَتَرَاكَ فِي ۝ عَيْنِ الْأُمُورِ مُسَرَّحًا وَ مُقَيَّدًا !

قَالَ تَعَالَى (لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ) فَتَرَى (وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ) فَشَبَّهَ قَالَ تَعَالَى (لَيْسَ كَمِثْلِهِ
 شَيْءٌ) فَشَبَّهَ وَشَيْءٌ (وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ) فَتَرَى وَأَفْرَدَ لَوْ أَنَّ نُوحًا جَمَعَ لِقَوْمِهِ بَيْنَ الدَّعَوَتَيْنِ
 لَا جَابِزًا فَدَعَاهُمُ (جَهَارًا) ثُمَّ دَعَاهُمُ (إِسْرَاسًا) ثُمَّ قَالَ لَهُمْ (اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ إِنَّهُ كَانَ

غَفَّارًا) وَقَالَ (إِنِّي دَعَوْتُ قَوْمِي لَيْلًا وَنَهَارًا فَلَمْ يَزِدْهُمْ دُعَائِي إِلَّا فِرَارًا) وَذَكَرَ عَنْ قَوْمِهِ أَنَّهُمْ
 تَصَامَمُوا عَنْ دَعْوَتِهِ لِعَالِيهِمْ بِمَا يَحِبُّ عَلَيْهِمْ مِنْ إِجَابَةِ دَعْوَتِهِ فَقِيلَ الْعُلَمَاءُ بِاللهِ مَا أَشَارَ إِلَيْهِ
 نُوحٌ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِي حَقِّ قَوْمِهِ مِنَ الثَّنَاءِ عَلَيْهِمْ بِلِسَانِ الذَّمِّ وَعَلِمَ أَنَّهُمْ إِنَّمَا لَمْ يُجِيبُوا دَعْوَتَهُ
 لِسَافَهَاتِهِ مِنَ الْفُرْقَانِ وَالْأَمْرِ قُرْآنٍ لَا فُرْقَانٍ وَمَنْ أُرْقِمَ فِي الْقُرْآنِ لَا يَصِفِي إِلَى الْعُقُوتِ إِنْ وَرَأَى
 كُنْ فِيهِ فَإِنَّ الْقُرْآنَ يَمُضُّ مِنَ الْفُرْقَانِ وَالْفُرْقَانُ لَا يَتَضَعُّ الْقُرْآنَ وَلِهَذَا مَا اخْتَصَّ بِالْقُرْآنِ
 الْأَحْمَدُ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهَذِهِ الْأُمَّةُ الَّتِي هِيَ خَيْرُ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ (فَلَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ)
 فَجَمَعَ الْأَمْرَيْنِ فِي أَمْرٍ وَاحِدٍ فَلَوْ أَنَّ نُوحًا يَا قِيِّ بِمِثْلِ هَذِهِ الْآيَةِ لَفَطًا لَأَجَابُوا فَاتَهُ شَبَهُ وَنَزَعَهُ
 فِي آيَةٍ وَاحِدَةٍ بَلْ فِي نَصِيفِ آيَةٍ وَنُوحٌ دَعَا قَوْمَهُ لَيْلًا مِنْ حَيْثُ عَقُولُهُمْ وَنُوحًا بَيْنَهُمْ فَإِنَّهَا
 غَيْبٌ وَنَهَارًا دَعَاهُمْ أَيْضًا مِنْ حَيْثُ ظَاهِرُ صُورِهِمْ وَجَبَّتْهُمْ وَمَا جَمَعَ فِي الدَّعْوَةِ مِثْلَ (لَيْسَ
 كَمِثْلِهِ شَيْءٌ) فَتَفَرَّقَتْ بَوَاطِنُهُمْ بِهَذَا الْفُرْقَانِ فَزَادَهُمْ (فِرَارًا) ثُمَّ قَالَ عَنْ نَفْسِهِ إِنَّهُ دَعَاهُمْ
 لِيُغْفِرَ لَهُمْ لَا لِيُكْشِفَ لَهُمْ وَفِيهِمْ وَأَذَلِكَ مِنْهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ لِذَلِكَ (جَعَلُوا أَصَابِعَهُمْ فِي آذَانِهِمْ
 وَاسْتَغْشَوْا ثِيَابَهُمْ) وَهَذِهِ كُلُّهَا صُورَةُ الْبَسْطِ الَّتِي دَعَاهُمْ إِلَيْهَا فَأَجَابُوا دَعْوَتَهُ بِالْفِعْلِ لَا بِالْبَيِّنَاتِ
 فَقِي (لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ) إِنْ بَاتَ الْمِثْلُ وَنَفِيَهُ وَبِهَذَا قَالَ عَنْ نَفْسِهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّهُ أَدْنَى
 جَوَامِعِ الْكَلِمِ كَمَا دَعَا مُحَمَّدٌ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَوْمَهُ لَيْلًا وَنَهَارًا بَلْ دَعَاهُمْ لَيْلًا فِي نَهَارٍ وَ
 نَهَارًا فِي لَيْلٍ فَقَالَ نُوحٌ فِي حِكْمَتِهِ يَقَوْمِهِ (يُرْسِلُ السَّمَاءُ عَلَيْكُمْ مِدْرَارًا) وَهِيَ الْمَعَارِفُ
 الْعَقْلِيَّةُ فِي الْمَعَانِي وَالنَّظَرُ الْإِعْتِبَارِيُّ (وَيُيَسِّرُكُمْ بِالْمَوْلَى) أَيْ بِمَا يَمِيلُ بِكُمْ إِلَيْهِ فَإِذَا مَا لَ
 بِكُمْ إِلَيْهِ سَأَيْتُمْ صُورَتَكُمْ فِيهِ مَنْ تَخَيَّلَ مِنْكُمْ أَنَّهُ سَأَلَ فَمَا عَرَفَ وَمَنْ عَرَفَ مِنْكُمْ أَنَّهُ
 سَأَلَ نَفْسَهُ فَهَوَّ الْمَعَارِفُ فَلِهَذَا انْقَسَمَ النَّاسُ إِلَى عَالِمٍ بِاللهِ وَغَيْرِ عَالِمٍ بِهِ (وَوَلَدُكَ) وَهُوَ
 مَا أَنْتَجَتْ لَهُمْ نَظَرُهُمْ الْفِكْرِيُّ وَالْأَمْرُ مَوْقُوفٌ عَلَيْهِ عَلَى الْمَشَاهِدَةِ بَعِيدٌ عَنْ تَتَارُجِ الْفِكْرِ
 (إِلَّا خَسَارًا) فَمَا رَجَحَتْ تَجَارَتُهُمْ فَزَالَ عَنْهُمْ مَا كَانَ فِي أَيْدِيهِمْ مِمَّا كَانُوا يَتَخَيَّلُونَ أَنَّهَا
 مِلْكٌ لَهُمْ وَهُوَ فِي الْحَقِّ مِلْكٌ لِلَّهِ (وَالْفُقَرَاءُ مِمَّا جَعَلَكُمْ مُسْتَخْلَفِينَ فِيهِ) وَفِي نُوحٍ (لَا تَتَّخِذُوا
 مِنْ دُونِي وَكِيلًا) فَاتَّخَذَ الْمَلِكُ لَهُمْ وَالْوَكَّالَةَ لِلَّهِ فِيهِ فَهُمْ مُسْتَخْلَفُونَ فِيهِ فَالْمَلِكُ لِلَّهِ وَ
 وَهُوَ وَكِيلُهُمْ فَالْمَلِكُ لَهُمْ وَذَلِكَ الْمَلِكُ الْإِسْتِعْلَافُ وَبِهَذَا كَانَ الْحَقُّ مِلْكًا لِلْمَلِكِ كَمَا قَالَ

الترمذى (وَمَكُرُوا مَكْرًا كَبِيرًا) إِنَّ الدَّعْوَةَ إِلَى اللَّهِ مَكْرٌ بِالدُّعَا لِأَنَّهُ مَا عَدُمَ مِنَ
 الْبِدَايَةِ فَيُدْعَى إِلَى الْغَايَةِ (أَدْعُوا إِلَى اللَّهِ) فَهَذَا عَيْنُ الْمَكْرِ عَلَى بَصِيرَةٍ فَنَبَّهَ أَنَّ الْأَمْرَ لَهُ
 كَلَمَةٌ فَأَجَابُوا بِمَكْرٍ كَبِيرٍ فَجَاءَ الْحَمْدُ وَ عَلِمَ أَنَّ الدَّعْوَةَ إِلَى اللَّهِ مَا هِيَ مِنْ حَيْثُ هُوَ يَتَّبِعُ
 وَإِنَّمَا هِيَ مِنْ حَيْثُ أَسْمَائِهِ فَقَالَ (يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِينَ إِلَى الرَّحْمَنِ وَفْدًا) فَجَاءَ بِحَرْفِ الْغَايَةِ
 وَقَرَّبَهَا بِالْإِسْمِ فَفَنَّا أَنَّ الْعَالَمَ كَانَ تَحْتَ حِيطَةٍ إِسْمِ اللَّهِ أَوْ جَبَّ عَلَيْهِمْ أَنْ يَكُونُوا مُتَّقِينَ
 فَقَالُوا إِنِّي مَكْرُهُمْ (لَا تَذَرُنَّ آلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَلَا سُوَاعًا وَلَا يَغُوثَ وَيَعُوقَ وَنَسْرًا)
 فَإِنَّهُمْ إِذَا تَرَكَوهُمْ جَهِلُوا مِنَ الْحَقِّ عَلَى قَيْدٍ مَا تَرَكَوْا مِنْ هُوْلَاءِ فَإِنَّ لِلْحَقِّ فِي كُلِّ مَعْبُودٍ وَجْهًا
 يَعْرِفُهُ مَنْ عَرَفَهُ وَيَجْهَلُهُ مَنْ جَهِلَهُ فِي الْمُحْمَدِيِّينَ (وَتَضَى رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ) أَيْ حَكَمَ
 فَالْعَالِمُ يَعْلَمُ مَنْ عُبِدَ وَفِي أَيْ صُورَةٍ ظَهَرَ حَتَّى عُبِدَ وَأَنَّ الْمُفَرِّقَ وَالْكَثْرَةَ كَالْأَعْضَاءِ فِي
 الصُّورَةِ الْخُشُوعِ وَالْقُوَى الْمُعْنَوِيَّةِ فِي الصُّورَةِ الدُّوْحَانِيَّةِ فَسَاعِدَ غَيْرُ اللَّهِ فِي كُلِّ مَعْبُودٍ
 فَالْأَدْنَى مَنْ تَخَيَّلَ فِيهِ الْأُلُوهِيَّةَ فَلَوْلَا هَذَا التَّخَيُّلُ مَا عُبِدَ الْحَجَرُ وَلَا غَيْرُهُ وَلِهَذَا قَالَ (قُلْ
 سُبُّهُمْ) فَلَوْلَا سُبُّهُمْ لَسُمُّوهُمْ حَجَرًا وَشَجَرًا وَكُوكِبًا وَلَوْ قِيلَ لَهُمْ مَنْ عُبِدَ تَمَّ لَقَالُوا إِيَّا مَا
 كَانُوا يَقُولُونَ اللَّهُ وَلَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ مَا تَخَيَّلَ بَلْ قَالَ هَذَا عَجَلِي إِلَهِي يَنْبَغِي تَعْظِيمُهُ فَلَا يَقْتَضِيهِ
 فَالْأَدْنَى صَاحِبُ التَّخَيُّلِ يَقُولُ (مَا تَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرَّبُوا إِلَى اللَّهِ زُلْفَى) وَالْأَعْلَى الْعَالِمُ يَقُولُ
 (رَأَيْتُمْ إِلَهُكُمْ إِلَهُ ذَا حِدَةٍ فَلَهُ أَسْمَاءُ) حَيْثُ ظَهَرَ (وَبَشِّرِ الْخَافِينَ) الَّذِينَ خَبَتُ نَارُ طَبِيعَتِهِمْ
 فَقَالُوا إِيَّا مَا لَمْ يَقُولُوا طَبِيعَةً (وَقَدْ أَضَلُّوا كَثِيرًا) أَيْ خَيْرُهُمْ فِي تَعْدَادِ الْوَاحِدِ بِالْوُجُودِ
 وَالنِّسْبِ (وَلَا تَزِدِ الظَّالِمِينَ إِلَّا تَفْسِيرًا) الْمُصْطَفِينَ الَّذِينَ أُورِثُوا الْكِتَابَ هُمْ أَوَّلُ الثَّلَاثَةِ
 فَقَدْ مَلَّحَ عَلَى الْمُقْتَصِدِ وَالسَّابِقِ (إِلَّا ضَلَالًا) الْآخِرَةَ الْمُحْمَدِيَّةَ زِدْنِي فِيكَ خَيْرًا (كَلَّمَآ
 أَضَاءَ لَهُمْ مَشْوَائِهِ وَإِذَا أَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوا) فَالْحَايِرُ لَهُ الدُّوْرُ وَالْحَرَكَةُ الدُّوْرِيَّةُ حَوْلَ
 الْقُطْبِ فَلَا يَبْرُحُ مِنْهُ وَمَا حَبَّ الطَّرِيقِ السُّطُوبِ مَا بُلَّ خَارِجُ عَيْنِ الْمُتَّصِفِ طَالِبُ مَا هُوَ فِيهِ
 صَاحِبُ خَيَالٍ إِلَيْهِ غَايَتُهُ فَلَهُ مِنْ دَرَجَاتٍ وَمَا بَيْنَهُمَا وَصَاحِبُ الْحَرَكَةِ الدُّوْرِيَّةِ لَا بَدَأَ
 لَهُ قَيْلُزْمَةٌ مِنْ وَلَا غَايَةَ لِكَمَالِهِ فَيُحْكَمُ عَلَيْهِ إِلَى فَلَهُ الْوُجُودُ الْأَتَمُّ وَهُوَ السُّوْقَى جَوَامِعُ الْكَلِمِ
 وَالْحَكَمِ (مِمَّا خَطَبْتُمْ أَغْرَقُوا) فِيهِ الَّتِي خَطَبْتُ بِهِمْ فَغَرَقُوا فِي بَحَارِ الْعِلْمِ بِاللَّهِ وَهُوَ

الْحَيَرَةُ (فَادْخُلُوا نَارًا) فِي عَيْنِ السَّمَاءِ فِي الْمُحَمَّدِيِّينَ (وَإِذَا الْبَحَارُ سُجِّرَتْ) مِنْ سُجِّرَتْ النُّورُ
 إِذَا أَوْقَدَتْهُ (فَلَمْ يَجِدُوا لَهُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَنْصَارًا) فَكَانَ اللَّهُ عَيْنَ أَنْصَارِهِمْ فَهَلَكُوا فِيهِ
 إِلَى الْعِيدِ فَلَوْ أَخْرَجَهُمُ اللَّهُ إِلَى السَّيِّئِ سَيِّئِ الطَّبِيعَةِ لَنَزَلَ بِهِمْ عَنْ هَذِهِ الدَّرَجَةِ الرَّفِيعَةِ
 وَإِنْ كَانَ أَلَكُ لِلَّهِ وَبِاللَّهِ بَلْ هُوَ اللَّهُ (وَقَالَ نُوحٌ رَبِّ) مَا قَالَ إِلَهِي فَإِنَّ الرَّبَّ لَمَّا
 الثُّبُوتُ وَالْإِلَهُ يَتَنَوَّعُ بِالْأَسْمَاءِ فَهُوَ (كُلُّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ) فَأَرَادَ بِالرَّبِّ ثُبُوتَ السَّلَاطِينِ
 إِذْ لَا يَصِحُّ إِلَّا هُوَ (لَا تَدْرُ عَلَى الْأَرْضِ) يَدْعُوا عَلَيْهِمْ أَنْ يَصِيرُوا فِي بَطْنِهَا الْمُحَمَّدِيُّ لَوْ
 دَلَّيْتُمْ بِحَبْلِ لَهَبٍ عَلَى اللَّهِ (لَهُ مَا فِي السَّمُوتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ) وَإِذَا دُفِنَتْ فِيهَا فَانْتَفَيْتُهَا
 وَهِيَ ظَرْفُكَ (وَفِيهَا نُعِيدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً أُخْرَى) لِاخْتِلَافِ الْوُجُوهِ مِنَ
 الْكَافِرِينَ الَّذِينَ (جَعَلُوا أَصَابِعَهُمْ فِي آذَانِهِمْ وَاسْتَعْصَمُوا بِأَنَّهُمْ) طَلَبُوا السِّرَّ لِأَنَّهُ دَعَاهُمْ
 (وَرَأَى كُلَّادَعُوهُمْ لِيُغْفِرَ لَهُمْ) وَالْغَفْرُ السِّرُّ (ذِيَّارًا) أَحَدًا حَتَّى تَعْمَ الْمُنْفَعَةُ كَمَا عَمَّتِ
 الدَّعْوَةُ (رَأَيْتُكَ إِنْ تَذَرُهُمْ) أَيْ تَدْعُهُمْ وَتَتْرَكُهُمْ (يُضِلُّوا عِبَادَكَ) أَيْ يُحْيِرُ وَهُمْ
 فَيُخْرِجُوهُمْ مِنَ الْعِبُودِيَّةِ إِلَى مَا فِيهِمْ مِنْ أَسْرَارِ السُّبُوتِ فَيَنْظُرُوا أَنْفُسَهُمْ أَسْرَابًا بَعْدَ مَا
 كَانُوا عِنْدَ نَفْسِهِمْ عِبِيدًا فَهُمْ الْعَبِيدُ الْأَسْرَابُ (وَلَا يَلِدُوا) أَيْ مَا يَنْتَجُونَ وَلَا يَطْهَرُونَ
 (إِلَّا فَاجِرًا) أَيْ مُظْهِرًا مَا سَتَرَ (كَفَّارًا) أَيْ سَاتِرًا مَا ظَهَرَ بَعْدَ ظُهُورِهِ فَيُظْهِرُونَ مَا سَتَرَ
 ثُمَّ يَسْتُرُونَهُ بَعْدَ ظُهُورِهِ فَيَحَارُّ النَّاطِرُ وَلَا يَعْرِفُ فَصَدَّ الْفَاجِرُ فِي خُبْرِهِ وَلَا الْكَافِرُ فِي
 كُفْرِهِ وَالشَّخْصُ وَاحِدٌ (رَبِّ اغْفِرْ لِي) أَيْ أَسْتُرْ لِي وَاسْتُرْ مِنْ أَجْلِ فَيُجْهَلُ مَقَامِي وَقَدَرِي
 كَمَا جُهِلَ قَدْرُكَ فِي قَوْلِكَ (وَمَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ) (وَلِيُؤْذِيَ) مَنْ كُنْتُ نَتِيجَةً
 عَنْهَا وَهِيَ الْعَقْلُ وَالطَّبِيعَةُ (وَلَيْسَ دَخَلَ بَيْتِي) أَيْ قَلْبِي (مُؤْمِنًا) أَيْ مُصَدِّقًا بِمَا يَكُونُ
 فِيهِ مِنَ الْأَخْبَارِ إِلَّا لِهَيْئَةٍ وَهُوَ مَا حَدَّثَتْ بِهِ أَنْفُسُهُمْ (وَالْمُؤْمِنِينَ) مِنَ الْعُقُولِ (وَالْمُؤْمِنَاتِ)
 (وَالْمُؤْمِنَاتِ) مِنَ النُّفُوسِ (وَلَا تَزِدِ الظَّالِمِينَ) مِنَ الظُّلُمَاتِ أَهْلَ الْغَيْبِ الْمَكْتَرِفِينَ خَلْفَ
 الْعُجْبِ الظُّلُمَاتِ (إِلَّا تَبَارًا) أَيْ هَلَاكًا فَلَا يَعْرِفُونَ نَفْسَهُمْ لِشُهُودِهِمْ وَجْهَ الْحَقِّ
 دُونَهُمْ فِي الْمُحَمَّدِيِّينَ (كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ) وَالتَّبَارُ الْهَلَاكُ وَمَنْ أَرَادَ أَنْ يَقِفَ
 عَلَى أَسْرَارِ نُوحٍ فَعَلَيْهِ بِالْتَّرَقِّي فِي فَلَكَ يَوْمٍ وَهُوَ فِي التَّزَلُّاتِ الْمُؤَصِّلِيَّةِ لَنَا وَالسَّلَامُ

یہ حکمت سُبُوْحِیہ کا فض کلمہ نوحیہ کے بیان میں ہے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر فض کو بحسب مراتب ذکر کیا ہے۔ چونکہ مرتبہ اول مرتبہ الہیہ کا ہے اور مظہر اُس کا بنظر ظاہر ابوالبشر آدم کا وجود تھا اسلئے فض اول کو اُن کے ساتھ منسوب کیا۔ بعد اُس کے چونکہ مرتبہ فض عطا اور جودی کا تھا جو مرتبہ مبدئیت کا ہے اور مظہر اُس کا ازروسے وراثت شیت علیہ السلام تھا اسلئے حکمت نفیہ کو اُن کے ساتھ منسوب کیا۔ مرتبہ الہیہ سے مراد مرتبہ وحدت ہے اور مرتبہ مبدئیت سے مراد مرتبہ واحدیت ہے۔ اور چونکہ مرتبہ وحدت اور مرتبہ واحدیت کے بعد مرتبہ عالم ارواح کا ہے جو حقیقی کی تنزیہ پر دال ہے اور مظہر اُس کا نوح علیہ السلام تھا اسلئے حکمت سُبُوْحِیہ جو تنزیہ پر دلالت کرنے والی ہے، کو اُن کے ساتھ منسوب کیا۔ نوح علیہ السلام کی قوم چونکہ بتوں کو پوجتی تھی اسلئے نوح علیہ السلام پر حقیقی کی تنزیہ بوجہ اتم واجب تھی۔ اے طالب معرفت! اس بات کو جان لے کہ تحقیق جناب الہی کے حق میں تنزیہ محض ذات حق کو عین محدث اور مقید کرنا ہے۔ تنزیہ سے مراد فقط حقیقت مطلقہ حقیقی کو بغیر لحاظ تقیید اور تعین کے ملاحظہ کرنا اور اُسی حقیقت مطلقہ کو نقائص امکانیہ سے بری کرنا ہے۔ اور تشبیہ سے مراد ذات حق کو مظاہر کونیہ کی صورتوں میں ملاحظہ کرنا ہے۔ پس تنزیہ کرنا والا حقیقی کے مراتب سے جاہل ہے اور اللہ اور جناب رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا بے ادب ہے کیونکہ وہ قرآن مجید اور حدیث شریف کی تکذیب کرتا ہے۔ قرآن مجید اور حدیث شریف کی رُوسے تشبیہ ثابت ہے کَمَا قَالَ تَعَالَى (وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَمَا كُنْتُمْ وَفِي آفَاقٍ كَثِيرَةٍ لَا تَبْصُرُونَ ط تَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ) وغیر ذلک من الآیات وَكَمَا قَالَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ حِكَايَةً مِّنَ اللَّهِ كُنْتُ سَنَعَةً وَبَصَرَةً الْخَطِّ وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ وَلَوْ دَلَيْتُمْ بِحَبْلِ إِلَى الْأَرْضِ مِنَ السَّابِقَةِ السُّفْلَى لَهَبَطَ عَلَى اللَّهِ هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَغَيْرَ ذَلِكَ مِنَ الْأَحَادِيث۔ پس مومن جو شریعتوں کا قائل ہے نے جب حقیقی کی تنزیہ کی اور صرف محض تنزیہ کا قائل ہوا اور اُس کے سوا یعنی حقیقی کی تشبیہ پر اُس کی نظر نہ پڑی اُس نے حقیقی کیساتھ بے ادبی کی کیونکہ اُس نے معرفت الہی کا حق ادا نہیں کیا۔ اور اُس نے حقیقی کو مجملہ رُسل صلوات اللہ علیہم کی تکذیب کی اگرچہ وہ مومن اس تکذیب کا شعور نہیں رکھتا ہے۔ وہ مومن اپنے گمان میں خیال کرتا ہے کہ تحقیق وہ اُن لوگوں میں سے ہے جن کو معرفت الہی حاصل ہے حالانکہ وہ اُن لوگوں میں سے ہے جن کو عرفان حاصل نہیں۔ اور وہ مومن اُس شخص کی مانند ہے جو قرآن مجید کی بعض آیات پر ایمان لایا اور بعض کا انکار کیا۔ مراد یہ ہے کہ قرآن مجید میں بعض آیات تنزیہ پر دال ہیں اور بعض تشبیہ پر دال ہیں عارف

کامل وہ ہے جو تنزیہ و تشبیہ اور تنزیہ کا قائل ہو کیونکہ وہ ذات جامع الاعداد بلکہ عین الاعداد ہے۔
 اور تحقیق یہ بات واضح طور پر معلوم ہو چکی ہے کہ السنۃ شرایع الہیہ یعنی انبیاء علیہم السلام جب حق تعالیٰ کی
 صفات میں وحی الہی سے کلام کرتے ہیں تو ان کی کلام عوام الناس کے حق میں مفہوم ظاہری کے موافق ہوتی
 ہے اور خواص کے حق میں وہ ہی کلام ہر مفہوم کو شامل ہوتی ہے کیونکہ ہر زبان میں ہر لفظ کے کئی متعدد معانی ہوتے
 ہیں اور خواص لوگ نور ولایت اور علم لدنی سے اس کلام سے حقائق اور امرات کے درجہ استنباط کر لیتے ہیں
 اس کی وجہ یہ ہے کہ بلا شک ہر مخلوق میں چونکہ اللہ تعالیٰ کا ظہور ہے اس لئے ہر مفہوم میں وہ ہی ظاہر ہے۔ مراد یہ
 ہے کہ چونکہ اہل اللہ کی استعدادات مختلف ہیں اس لئے خواص لوگ اپنی اپنی استعداد کے مطابق کلام الہی سے
 معانی استنباط کرتے ہیں اور اس کلام کی شان یہ ہے کہ وہ تمام معانی کو شامل ہے۔ اور حق تعالیٰ ہر فہم اور عقل سے
 باطن اور پوشیدہ ہے سوائے اس شخص کے فہم سے جس نے کہا کہ تحقیق عالم حق تعالیٰ کی صورت اور حق تعالیٰ کی
 ذات ہے۔ اور عالم حق تعالیٰ کا اسم ظاہر ہے جیسا کہ تحقیق حق تعالیٰ حقیقت کی رُوسے عالم کی رُوح ہے پس رُوح
 عالم حق تعالیٰ کا اسم باطن ہے۔ لہذا حق تعالیٰ کی نسبت ساتھ عالم کی ظاہر صورتوں کے وہ ہی نسبت ہے جو رُوح
 مدبر کو صورت جسم کے ساتھ ہے۔

جب ظاہر عالم ظاہر حق تعالیٰ ہے اور باطن عالم باطن حق تعالیٰ ہے تو حضرت انسان کی تعریف میں بھی ایسا
 ہی اخذ کیا جائے گا یعنی ظاہر انسان ظاہر حق تعالیٰ ہے اور باطن انسان باطن حق تعالیٰ ہے۔ اور ایسا ہی ہر محدود
 اور معروف شے کا حال ہے یعنی ہر شے کا ظاہر حق تعالیٰ کا ظاہر ہے اور ہر شے کا باطن حق تعالیٰ کا باطن ہے۔ پس ہر
 تعریف کیسا تھا اللہ تعالیٰ ہی معروف ہے کیونکہ ہر شے کی تعریف حقیقتاً اللہ تعالیٰ ہی کی تعریف ہے منطقین کی
 کی اصطلاح میں حد کے معنی کسی شے کی تعریف کرنا ہے۔ چونکہ عالم کی صورتیں منبسط اور احاطہ سے باہر ہیں اس
 لئے عالم کی جمیع صورتوں کی تعریف نہیں جانی جاتی مگر جس قدر ہر عالم کو عالم کی صورتوں کا علم حاصل ہے۔ پس اسی
 جہت سے حق تعالیٰ کی تعریف بھی نہیں جانی جاتی کیونکہ تحقیق اس کی تعریف کا جاننا عالم کی جمیع صورتوں کی تعریف کا
 علم ہے۔ اور عالم کی تمام صورتوں کا علم حاصل ہونا محال ہے لہذا حق تعالیٰ کی تعریف محال ہے۔

اور جس شخص نے حق تعالیٰ کی محض تشبیہ کی اور تنزیہ نہ کی اس کا بھی ایسا ہی حال ہے کیونکہ تحقیق اس نے
 بھی حق تعالیٰ کو مقید اور محدود کر دیا۔ جیسا کہ ذات حق محض تنزیہ کی تعریف سے مقید اور محدود ہو جاتی ہے ایسے
 ہی ذات حق محض تشبیہ کی تعریف سے مقید اور محدود ہو جاتی ہے۔ پس محض تشبیہ کے قائل نے بھی حق تعالیٰ کو

نہیں پہچانا۔

اور جس نے حق تعالیٰ کی معرفت میں تنزیہ تشبیہ دونوں کو جمع کیا یعنی جس نے حق تعالیٰ کی توصیف ساتھ دونوں وصفوں تنزیہ اور تشبیہ کے اجمالاً کی، کیونکہ صور عالم پر عدم احاطت کی وجہ سے اُس کی تعریف علی التفصیل محال ہے، پس اُس نے حق تعالیٰ کو مجہلاً پہچان لیا نہ کہ تفصیلاً جیسا کہ اُس نے اپنی ذات کو مجہلاً پہچان لیا نہ کہ تفصیلاً۔ اور یہ ہی وجہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے معرفت حق کو معرفت نفس کیساتھ ارتباط فرمایا اور فرمایا مَنْ عَرَفَ نَفْسَهُ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهُ جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا پس تحقیق اُس نے اپنے رب کو پہچانا۔ نفس بمعنی ذات اور حقیقت ہے۔

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا (سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْأَفَاقِ) ہم اپنی نشانیاں مخلوق کو بیچ عالم کے دکھلائیں گے اور وہ عالم ایسی چیز ہے کہ تجھ سے خارج ہے (وَنُفِثَ فِي نَفْسِهِمْ) اور بیچ اُن کی ذاتوں کے اور وہ ذات تیری غین ہے (حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَكُمُ) تاکہ ظاہر ہو جائے اُن کے واسطے یعنی واسطے دیکھنے والوں کے (آيَاتُهُ الْحَقُّ) یہ بات کہ تحقیق تیری ذات وہی حق تعالیٰ ہے اس اعتبار سے کہ تحقیق تو حق تعالیٰ کی صورت ہے اور حق تعالیٰ تیری روح ہے۔ پس تو اُس کی واسطے ایسا ہے جیسے کہ صورت جسمیہ تیرے واسطے اور وہ تیرے واسطے ایسا ہے جیسے کہ روح مدبر تیری صورت جسمی کیلئے ہے۔ اور تیری تعریف تیرے ظاہر و باطن کو شامل ہے۔ انسان کی انسانیت ساتھ روح مدبر کے ہے۔ جب روح مدبر اُس سے زائل ہو جاتی ہے تو انسان کی انسانیت باقی نہیں رہتی۔ البتہ اُس صورت کے حق میں کہا جائیگا کہ تحقیق وہ ایک صورت ہے جو صورت انسان کیساتھ مشابہ ہے۔ پس اُس صورت پہچان میں اور لکڑی یا پتھر کی صورت میں کوئی فرق نہیں اور اُس صورت پر انسان کے اسم کا اطلاق نہیں کیا جائیگا۔ اگر کیا جائیگا تو مجاز کی رو سے نہ کہ حقیقت کی رو سے۔ اور عالم کی صورتوں سے حق تعالیٰ کا جدا ہونا ہرگز ممکن نہیں ہے پس اُو کو ہیئت کی تعریف عالم کی واسطے بالحققت ہے نہ کہ بالمجاز جیسا کہ وہ انسان کی تعریف ہے جب وہ زندہ ہوتا ہے۔ مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ عین عالم ہے جیسا کہ وہ عین انسان ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ عالم خلق ہے اور انسان حق اور خلق دونوں کا جامع ہے۔

اور جیسا کہ انسان کا ظاہر صورت تحقیق اپنی زبان کیساتھ اللہ تعالیٰ کی شنا کرتی ہے جو اُس کی روح اور اسکا نفس مدبر ہے اسی طرح اللہ نے عالم کی جمیع صورتوں کو بنایا کہ وہ اُس کی حمد کیساتھ تسبیح کریں لیکن ہم اُن کی تسبیح کو نہیں سمجھتے۔ یہ اشارہ عوام الناس کی طرف ہے۔ خواص اہل اللہ ہر شے کی تسبیح سمجھتے ہیں اور ہم اس لئے

آیہ کریمہ سے مراد لیس مثلہ شئی ہے یعنی اُس کی مثل کوئی شے نہیں۔ اس میں نفی مماثلت کل وجہ سے پائی جاتی ہے۔ اس سے تنزیہ مراد ہے اور دھوا السَّمِیْعُ البَصِیْرُ سے تشبیہ مراد ہوگی کیونکہ سَمِع اور بَصَر غیر حق کے واسطے بھی ثابت ہے۔ اور اگر کَمِثْلِہ میں ک بمعنی مثل لیا جائے تو مراد ہوگی لیس مثل مثلہ شئی یعنی اُس کی مثل کی مثل کوئی شے نہیں۔ اس سے مثل کا اثبات پایا جاتا ہے اور مثل کی مثل کی نفی پائی جاتی ہے۔ تو یہ تشبیہ ہے۔ لہذا اللہ تعالیٰ کی مثل ثابت ہے اور وہ سرکارِ دو عالم حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مثل کی نفی ہے۔ اور اس تقدیر میں (دھوا السَّمِیْعُ البَصِیْرُ) سے تنزیہ مراد ہوگی کیونکہ علم بلاغت میں مذکور ہے کہ جب مُبتدا و ضمیر اور خبر پر مُقدم ہو اور خبر اُس کی مُعرف باللام اور مؤخر ہو تو فائدہ حصر کا دے گا یعنی سَمِع اور بَصَر فی الحقیقت حق تعالیٰ کے واسطے مخصوص ہے نہ غیر کے واسطے اَمْنِی لَا سَمِیْعٌ وَلَا بَصِیْرٌ اِلَّا هُوَ۔ پس حق تعالیٰ کیلئے تنزیہ در تشبیہ اور تشبیہ در تنزیہ ثابت ہے کیونکہ وہ ذات جامع الاعداد بلکہ عین الاعداد ہے۔ تعینات کی رُو سے وہ مقید ہے اور مُشبہ ہے اور حقیقت کی رُو سے وہ مُطلق ہے اور مُنرّہ ہے۔ ہر شے کا ظاہر مُشبہ ہے یعنی باصورت ہے اور ہر شے کا باطن یعنی حقیقت مُنرّہ ہے اور بصورت ہے۔ لہذا عالم کی ہر شے تنزیہ تشبیہ دونوں کو شامل ہے اور عالم کی ہر شے پر حق تعالیٰ کا ظہور ہے۔

اگر نوح اپنی قوم کیواسطے دونوں دعوتیں جمع کرتے تو قوم ضرور آپ کی دعوت قبول کرتی۔ دونوں دعوتوں سے مراد تنزیہ در تشبیہ اور تشبیہ در تنزیہ ہے۔ یعنی اگر نوح علیہ السلام حق تعالیٰ کی توحید اس طرح سمجھاتے کہ وہ ذات مُطلق بھی ہے اور مقید بھی ہے بصورت بھی ہے اور باصورت بھی ہے، صرافت ذاتی اور بطون کے لحاظ سے وہ بصورت ہے لیکن تجلیات اور ظہور کے لحاظ سے وہ باصورت ہے تو قوم ضرور سمجھ جاتی۔ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم بُت پرست تھی لیکن حقیقت سے ناواقف تھے۔ وہ اصنام کو غیر اللہ سمجھتے تھے اور اُن کی عبادت اسلئے کرتے تھے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اُن کے شفیع بنیں اور اُن کو اللہ تعالیٰ کا مقرب بنادیں (مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَا اِلٰی اللّٰهِ زُلْفٰی) حضرت نوح علیہ السلام نے پہلے محض تشبیہ کی تعلیم دی قوم نے قبول نہ کیا۔ پھر محض تنزیہ کی دعوت دی قوم نے قبول نہ کیا۔ پھر آپ نے اُن کو فرمایا اے لوگو! اپنے رب سے معافی مانگو تحقیق وہی بخشنے والا ہے۔ اس کلمہ سے آپ کی اپنی اُمت پر انتہائی شفقت کی جاتی ہے اور نوح نے کہا ”تحقیق میں اپنی قوم کو رات اور دن دعوت دیتا رہا لیکن میری دعوت نے اُن پر کوئی اثر نہ کیا سوائے بھاگنے کے“ رات سے مراد محض تنزیہ ہے اور دن سے مراد

محض تشبیہ ہے۔ اور نوح نے اپنی قوم کے متعلق ذکر کیا کہ وہ اُس کی دعوت سُنانے سے بہرے بن گئے باوجود علم کے کہ اُس کی دعوت کی اجابت اُن پر واجب ہے۔ اس کلام سے علمائے باللہ نے اُس امر کو جان لیا ہے جس امر کی طرف نوح علیہ السلام اپنی قوم کے حق میں ہسان مذمت سے تعریف کا اشارہ فرما گئے ہیں اور وہ امر یہ ہے کہ آپ کی قوم نے اسوجہ سے آپ کی دعوت قبول نہ کی کہ آپ کی دعوت فرقان کی طرف تھی یعنی آپ نے حق کو خلق سے جدا کیا اور حق اور خلق میں فرق ڈالا اور امر فی الحقیقت قرآن ہے نہ کہ فرقان۔ قرآن سے مراد حق کی خلق کے ساتھ مقارنت ہے۔ فرقان سے مراد تنزیہ اور تشبیہ میں فرق ڈالنا ہے اور قرآن سے مراد تنزیہ اور تشبیہ کو جمع کرنا ہے۔ فرقان سے مراد محض تنزیہ یا محض تشبیہ ہے اور قرآن سے مراد تنزیہ و تشبیہ ہے۔ لہذا جس کو مقام قرآن نصیب ہے وہ فرقان کی طرف کان نہیں دھتا اگرچہ قرآن میں فرقان حاصل ہے۔ کیونکہ قرآن فرقان کو شامل ہے اور فرقان قرآن کو شامل نہیں جیسے گل جبر کو شامل ہے اور جبر گل کو شامل نہیں۔ اور اس جمعیت کی خاطر کوئی شخص مقام قرآن یعنی مقام جامع کیساتھ مختص نہیں ہوا سوائے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور اس اُمت کے جو سب اُمتوں سے بہترین اُمت ہے کیونکہ اُن پر آیت لَیْسَ کَمِثْلَ شَیْءٍ آتاری گئی ہے۔ یعنی آپ نے دو امر تنزیہ اور تشبیہ ایک ہی آیت میں جمع کر دیئے لہذا آپ کا مقام وحدت اور کثرت، حق اور خلق، تنزیہ اور تشبیہ کا جامع ہے۔

اگر نوح اس آیت کی مثل ایک لفظ بھی لاتے تو البتہ آپ کی قوم آپ کی دعوت قبول کرتی کیونکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ایک ہی آیت میں تشبیہ اور تنزیہ کی بلکہ نصف آیت میں ہی تشبیہ اور تنزیہ کو جمع کر دیا۔ نوح نے اپنی قوم کو دعوت رات کے وقت دی اور وہ دعوت اُن کی عقول اور روحانیت کے لحاظ سے تھی کیونکہ وہ غیب ہیں۔ یعنی آپ نے تنزیہ کی دعوت دی کہ حق تعالیٰ مثل عقول اور ارواح کے غیب الغیب ہے تمام اضافتوں سے منزہ مقدس اور معز ہے۔ قوم نے قبول نہ کیا تو پھر دن کے وقت بھی دعوت دی اور یہ دعوت اُن کی صورت ظاہری اور ابدان کے اعتبار سے تھی۔ مراد یہ ہے کہ محض تنزیہ کے بعد آپ نے محض تشبیہ کی دعوت دی کہ حق تعالیٰ مثل ظاہری صورتوں اور ابدان کے ظاہر ہے۔ پس آپ نے تنزیہ اور تشبیہ کو جمع نہ کیا جیسا کہ وہ آیت کو یہ لَیْسَ کَمِثْلَ شَیْءٍ میں جمع ہیں۔ پس اس فرقان یعنی حق اور خلق میں فرق کرنے کے باعث اُن کے ارواح نے اس دعوت سے نفرت کی اور اُن کا فرار بڑھ گیا۔ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی طرف سے کہا کہ میں نے اُن کو دعوت کی تاکہ حق تعالیٰ اُن کو چھپا دے نہ اس لئے کہ حقیقت امر اُن کے واسطے ظاہر کرے بغیر بمعنی

ستر ہے۔ چونکہ قوم بت پرست تھی اسلئے ظلمت کثرت اور تشبیہ نے اُن کو احاطہ کیا ہوا تھا۔ آپ نے تنزیہ کی دعوت دی تاکہ قوم نور وحدت میں مستور ہو جائے اور ظلمت کثرت اور تشبیہ سے نکل کر سطوت وحدت میں فانی ہو جائے۔ آپ کی قوم آپ کی مراد سمجھ گئی اسلئے انہوں نے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں کیں اور اپنے آپ کو اپنے کپڑوں میں چھپایا۔ اور یہ سب صورتیں اُس چیز سے ستر کی ہیں جس کی طرف نوح نے قوم کو پکارا۔ پس انہوں نے آپ کی دعوت کی اجابت ساتھ فعل کے کی نہ ساتھ لبتیک کے۔ اگرچہ وہ بظاہر مخالفت کرتے تھے لیکن حقیقت میں وہ صراط مستقیم پر تھے کیونکہ کانوں میں انگلیاں کرنے سے اُن کی مراد یہ تھی کہ اُن کے کانوں تک حضرت نوح علیہ السلام کی آواز دعوت نہ پہنچے۔ جب داعی مدعو کو حقتعالیٰ کی طرف بلائے تو مدعو گویا غیر حق ٹھہرا اسلئے انہوں نے کانوں میں انگلیاں کر لیں کہ جب ہم عین حق ہیں تو نوح علیہ السلام ہم کو کس حق کی طرف بلاتے ہیں نیز جب نوح علیہ السلام نے اُن کو فنا فی الذات ہونے کی طرف اشارہ کیا تو انہوں نے اپنے آپ کو کپڑوں میں لپیٹ لیا۔ مراد اُن کی یہ تھی کہ جب ہم عین ذات حق ہیں تو ہم کونسے حق میں محو ہونے کی کوشش کریں۔ ہم تو اپنی ہستی کے قطرہ کو اپنے ہی بحر قلب میں گم کرنے کی کوشش کریں گے۔ آیت کریمہ لَیْسَ کَشِیْطَ شَیْءٍ مِّنْ اٰیٰتِیْ اِلَّا لِنَبِّیٍّ مِّثْلُہَا اور مثل کی نفی بھی ہے۔ اسی سبب سے حضور جناب محمد پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات سے خبر دی ہے اِنَّهُ اُوْتِیَ جَوَامِعَ الْکَلِمِ تحقیق آپ کلمات جامع دیئے گئے ہیں۔ جناب محمد پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قوم کو رات کے وقت اور دن کے وقت علیحدہ علیحدہ دعوت نہیں دی۔ رات سے مراد تنزیہ محض ہے اور دن سے مراد تشبیہ محض ہے۔ بلکہ آپ کی دعوت تنزیہ در تشبیہ اور تشبیہ در تنزیہ تھی۔ یعنی وحدت در کثرت اور کثرت در وحدت تھی۔ مراد یہ ہے کہ وہ ہی غیب الغیب تمام نقائص امکانی سے منزہ ذات مرتبہ ظہور میں آ کر عالم کی جملہ صورتوں پر جلوہ نما ہے۔ وہ ہی ذات مطلق تعینات کثرت میں متعین اور مقید ہے۔

نوح نے حکمت اور معرفت کی رو سے اپنی قوم کو فرمایا کہ میری تابعداری کرو تاکہ (یُرْسِلُ السَّمَاءُ عَلَیْکُمْ مِّدْرَارًا) اللہ تعالیٰ تجھ پر آسمان سے برسنے والا مینہ بھیجے۔ یعنی آسمان ولایت سے تمہاری زمینوں پر یعنی ارض القلوب پر اسرار و بوہیت کی بارش کرے۔ اور میں چونکہ آسمان ولایت کا نجم ہوں بقولہ عَلَیْہِ السَّلَامُ اَصْحَابِیْ کَا تَجْوِزُہُ اسلئے میری اقتدا کرو تاکہ تم کو ہدایت نصیب ہو۔ اور میرے ساتھ قلبی اتحاد پیدا کرو تاکہ تمہارے قلوب بھی منور ہو جائیں اور میرے بحر قلب سے تمہارے قلوب کی طرف حکمت کی نہریں جاری ہوں اور اپنی جزوی عقول کے دہانے میری عقل کل کے سمندر کے ساتھ ملاؤ تاکہ تم کو عقل مشترک کے علاوہ

عقل خاص بھی نصیب ہو جس کے باعث تم کو معرفت الہی نصیب ہو اور اسرار الہیہ نصیب ہوں اور وہ نظر نصیب ہو جس کے باعث تم اشیا کی حقیقت کو دیکھ سکو۔ اور اسے قوم اگر تم میری اطاعت کرو گے تو (وَيُنِدُّكُمْ بِأَمْوَالِكُمْ) اور اموال کیساتھ تمہاری مدد کرے گا۔ اموال میلان سے ہے۔ یعنی اُس چیز کے ساتھ مدد کرے گا جو تم کو حق تعالیٰ کی طرف مائل کرے۔ حق تعالیٰ کی طرف مائل کرنے والی چیز محبت اور عشق الہی ہے۔ جب وہ چیز تم کو اُس کی طرف مائل کرے گی یعنی جب تم کو عشق الہی نصیب ہو گیا تو غیریت کے مجب سب شق ہو جائیں گے اور چہرہ مقصود آئینہ قلب میں نظر آجائے گا۔ یعنی تم کو اپنی حقیقت یا ذات کا انکشاف ہو جائیگا کہ تمہاری حقیقت میں حق تعالیٰ کا ظہور ہے اور تم اپنی صورتوں کو حق تعالیٰ میں دیکھ لو گے یعنی تم اس امر کو پا لو گے کہ ہر صورت پر حق تعالیٰ کا ظہور ہے اور اُس کا ظہور ہر شے میں اُس کی استعداد یعنی اُس شے کی استعداد اور قابلیت کے مطابق ہے۔ پس حق تعالیٰ کی کُنہ کی معرفت کسی کیلئے ممکن نہیں کیونکہ اگر وہ ذات کسی شخص کے حیطہ ادراک میں آجائے تو وہ ذات محدود ہو جاتی ہے اور یہ نقص ہے۔ بلکہ اس مسکین کاتب الحروف عطا محمد عفی اللہ عنہ الصمد کی تحقیق یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی کُنہ کی معرفت حق تعالیٰ کیلئے بھی ممکن نہیں کیونکہ اگر وہ ذات اپنے حیطہ علم میں آجائے تو بھی محدود ہو جاتی ہے اور یہ نقص ہے نہ کہ کمال۔ پس حق تعالیٰ کی کما حقہ معرفت کسی شخص کیلئے بھی ممکن نہیں البتہ ہر کوئی اس بحر مواج سے حقائق و معارف کے دُر اپنی ہمت غواصی کی مطابق نکال رہا ہے لہذا تم میں سے جو اس بات کا خیال کرے کہ اُس نے حق تعالیٰ کو دیکھا ہے اُس نے حق کو نہیں پہچانا اور تم میں سے جس نے اس بات کو پایا کہ اُس نے اپنی ہی ذات اور حقیقت کو دیکھا ہے پس وہ شخص عارف ہے۔ نیز اس سے یہ بھی مراد ہے کہ جو شخص یہ دعویٰ کرے کہ اُس نے حق تعالیٰ کو اپنے سے علیحدہ دیکھا ہے اُس نے اللہ تعالیٰ کو نہیں پہچانا اور جو یہ کہے کہ میری ذات ہی ذات حق ہے وہ عارف ہے۔ پس اسی وجہ پر انسان دو قسم پر منقسم ہیں۔ ایک عارف باللہ اور دوسرے غیر عارف باللہ۔

سورہ نوح میں رب تعالیٰ فرماتا ہے (قَالَ نُوحٌ رَبِّ اِنَّهُمْ عَصَوْنِي وَاتَّبَعُوا مِنْ لَدُنْكَ مَا لَهُ وَ لَدُنْكَ الْاَخْسَارُ) اے کریم میں (وَلَدُكَ) اور اُس کی اولاد سے مراد وہ چیز ہے جو ان کی نظر فکری نے عطا کی ہے۔ یعنی وہ عقیدہ جو انہوں نے اللہ تعالیٰ کے متعلق گھڑا ہوا تھا وہ ان کی جُزوی عقل اور فکر کا نتیجہ تھا حالانکہ معرفت الہی کا تعلق مشاہدہ کیساتھ ہے اور مقام مشاہدہ فکر کے نتائج سے

بعید ہے۔ اپنی عقول ضعیفہ سے انہوں نے کچھ حاصل نہیں کیا (الْأَخْسَارُ) مگر خسارت حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کے متعلق رب تعالیٰ کے آگے شکایت کی کہ میری قوم نے میری نافرمانی کی اور اپنی عقول ضعیفہ کا اتباع کیا اسلئے اُن کی سوداگری نے اُن کو فائدہ نہ پہنچایا بلکہ اُنہوں نے اس مال و عمر و استعداد بھی ضائع کر دی جس کو وہ اپنی جاگیر سمجھتے تھے۔ یا اس سے یہ مراد ہے کہ عقول ضعیفہ کے اتباع کے باعث معرفت الہی کی جاگیر اُن کے ہاتھ سے جاتی رہی اگرچہ اُن کا زعم تھا کہ اُنہوں نے معرفت الہی کی جاگیر عقل و فکر سے حاصل کر لی ہے۔ اور حقیقت میں یہ معرفت الہی کی جاگیر محمدیوں کیلئے ثابت ہے جیسا کہ وارد ہوا (وَأَنْفَقُوا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُسْتَحْفِظِينَ فِيهِ) اور تم محمدی لوگ اُس چیز میں سے خرچ کرو جو میں اللہ تعالیٰ نے تمکو خلیفہ گردانا ہے چونکہ اس امت مرحومہ کا اعتقاد ہے کہ اصل وجود و ذات و صفات اللہ تعالیٰ کیلئے ثابت ہیں اور جمیع خلائق اپنی ذوات اور صفات کیلئے اللہ تعالیٰ کی محتاج ہیں اسلئے معرفت الہی کی جاگیر یا ملکیت بھی حقیقتاً اور اصالتاً اللہ تعالیٰ کیلئے ثابت ہے اور مخلوقات کیلئے یہ جاگیر عطائی اور بطور خلافت اور نیابت کے ہے۔ رب تعالیٰ نے انکے اعتقاد کے مطابق فرمایا (وَأَنْفَقُوا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُسْتَحْفِظِينَ فِيهِ) یعنی معرفت الہی کی جاگیر حق تعالیٰ نے اپنے لئے اصالتاً ثابت فرمائی اور محمدیوں کیلئے بطور خلافت ثابت فرمائی۔ ادھر نو حیوں کا اعتقاد تھا کہ علم معرفت کی جاگیر اُن کو اصالتاً حاصل ہے اسلئے اللہ تعالیٰ نے اُن کے اعتقاد کے مطابق فرمایا (لَا تَتَّخِذُوا مِن دُونِي وَكِيلًا) میرے سوا کوئی وکیل مت پکڑو۔ یعنی معرفت الہی کی جاگیر تو قوم نوح کے واسطے ثابت کی اور وکالت خود اللہ کے لئے۔ پس محمدی لوگ اُس ملک یا جاگیر کے خلیفہ کئے گئے جو خاص اللہ کیلئے ہے اور چونکہ نو حیوں کا اللہ وکیل ہے اسلئے ملک یا جاگیر نو حیوں کیلئے ثابت کیا ہے۔ لیکن یہ اللہ تعالیٰ نے اُن کے ساتھ مکر کیا ہے اور اُن کے گمان کے مطابق آیت نازل کی ہے حالانکہ نو حیوں کیلئے بھی یہ علم معرفت کی جاگیر بطور خلافت کے ہے نہ کہ بطور اصالت گو وہ علم معرفت جو اُن کو حاصل تھا ناقص تھا۔ چونکہ قوم نوح نے اللہ تعالیٰ کیساتھ مکر کیا اسلئے اللہ تعالیٰ نے بھی اُن کیساتھ مکر کیا اور اُن کے گمان کے مطابق آیت میں ملک یا جاگیر علم معرفت اُن کیلئے ثابت کیا اور اپنے آپ کو وکیل ثابت کیا۔ وکیل پر چونکہ موکل متصرف ہے لہذا وکیل موکل کی ملک ہے یعنی حق تعالیٰ بندہ کی ملک ہے۔ اور بلا شک بندہ حق تعالیٰ کی ملک ہے لہذا جیسا کہ ترمذی نے کہا حق تعالیٰ ملک کی ملک ہے۔

اور آیت کریمہ میں مذکور ہوا (وَمَكَرُوا مَكْرًا كَبِيرًا) اور قوم نوح نے مکر کیا جو بڑا بھاری مکر تھا۔

اس کی حقیقت یہ ہے کہ بیشک داعی کا مدعو کو اللہ کی طرف دعوت کرنا مکمل ہے کیونکہ مدعو نے شروع پیدائش ہی سے اللہ تعالیٰ کو عدم نہیں کیا کہ وہ اُس کی طرف دعوت کیا جائے اور داعی کہے کہ میں اللہ کی طرف دعوت کرتا ہوں۔ پس یہ دعوت علی بصیرت عین مکمل ہے۔ نوح علیہ السلام نے قوم کو تنبیہ کی کہ تمام اُمور اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہیں اور ہر صورت پر اللہ تعالیٰ کا ظہور ہے۔ پس قوم نے بھی دعوت کی اجابت کر کیساتھ کی جیسا کہ نوح نے اُن کو دعوت مکر کے ساتھ کی۔ یعنی انہوں نے جواب دیا کہ جب ہم عین حق ہیں تو پھر ہم کو آپ کی کیا ضرورت ہے۔ انہوں نے یہ نہ جانا کہ اگرچہ قطرہ بھی پانی ہے مشک بھی پانی ہے کھال بھی پانی ہے نہر بھی پانی ہے اور بحر بھی پانی ہے لیکن صفات میں بڑا فرق ہے۔ اگرچہ ذات اور حقیقت میں کوئی فرق نہیں لیکن کمالات میں بڑا فرق ہے۔ ایک عام انسان ایک نبی کا اسلئے محتاج ہے کہ جب جزوی عقل کا تعلق عقل کل کیساتھ ہو جاتا ہے تو جزوی عقل بھی بتدریج ترقی کر کے عقل کل کے مرتبہ پر پہنچ جاتی ہے اور نوحی اس امر سے جاہل تھے۔ عقل کل کا اطلاق حقیقتاً سرکارِ دو عالم جناب محمد پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر ہوتا ہے اور آپ کی مثال بحرِ موانع کی سی ہے۔ دیگر انبیاء اور اولیاء اُسی بحر کی انہار ہیں اور باقی مخلوقات اُسی بحر کے قطرات ہیں لیکن جب داعی محمدی آیا اُس نے جان لیا کہ یہ دعوت اُمت کی حقیقی کیطرف باعتبار ہوت اور ذات حقیقی کے نہیں ہے کیونکہ حقیقت مدعوین حقیقت حقیقی ہے اس تقدیر میں دعوت اُمت موجب نقور اُمت اور ضلال اُمت ہے۔ دعوت اُمت باعتبار اُسماء کے ہے یعنی دعوت اُسماءِ جزئیہ سے اسم جامع اللہ کیطرف ہے یا اسمِ رحمن کیطرف تاکہ اُمت عبادتِ اصنام کو ترک کر کے عبادتِ حقیقی کیطرف متوجہ ہوں کَمَا قَالَ تَعَالَى (يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِينَ إِلَى الرَّحْمَنِ وَفْدًا) جس دن ہم پر ہیزگاروں کو رحمن کی طرف بحیثیت مہمان کے جمع کریں گے۔ اسم اللہ جامعِ جمیع اُسماء و صفات ہے اور اسمِ رحمن عمومیت کے اعتبار سے اسم اللہ کی طرح کلیت کا اعتبار رکھتا ہے۔ دیگر مجملہ اُسماء منعم و منتقم و رزاق وغیرہ سب اُسماءِ جزئیہ ہیں اور ایک ایک خاص صفت کے مظہر ہیں۔ عابدِ اصنام کسی بُت کو منعم کسی کو منتقم کسی کو غفار کسی کو رزاق وغیرہ ٹھہراتے تھے۔ لہذا داعی محمدی آیا اور اُس نے فرمایا کہ تم اُس اللہ یا رحمن کی عبادت کرو جو جامعِ جمیع اُسماء و صفات ہے اور مجملہ عالم کی صورتیں اور موجودات اسمِ الہی کے حیثہ کے تحت ہیں۔ لہذا تم پر واجب ہے کہ تم متقی بنو یعنی الہِ مقید کی عبادت سے پرہیز کرو اور الہِ مطلق کی عبادت کرو۔ اُس رب کی عبادت سے پرہیز کرو جو کسی صورت میں مقید ہے۔ تم اُس رب کی عبادت کرو جو صورتوں سے منزہ ہے اور مجملہ صورتیں اُسی بی صورت کی ہیں۔ مراد یہ ہے

کہ جب تم نے کسی تعین مخصوص میں ذات حق کو متعین اور حصر کر دیا تو وہ ذات محدود ہو جائیگی اور یہ صریح کفر و شرک ہے۔ اگرچہ ہر شے کی حقیقت حقیقی ہے لیکن کسی خاص تعین میں ذات کو حصر کر دینا کفر و شرک ہے۔ قوم نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تعین خاص میں الوہیت کو حصر کر دیا لہذا کافر و مشرک ٹھہرے۔ داعی محمدی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تعین خاص میں الوہیت کو حصر نہیں کیا بلکہ ہر شے میں ظہور حق جانتا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حقیقی کیلئے مراتب تا تمہ ٹھہراتا ہے لہذا موحّد ٹھہراتا۔ اور قوم نوح نے مکر کی رو سے کہا (لَا تَذَرْنِ الْهَيْكُلَ وَلَا تَذَرْنِ وَدَّ وَلَا سِوَاعَ وَلَا يَغُوثَ وَيَعُوقَ وَنَسْرًا) مت چھوڑو اپنے معبودوں کو اور مت چھوڑو وُد کو اور نہ سِوَاع کو اور نہ یَغُوث کو اور یَعُوق کو اور نَسْر کو۔ قوم نوح اس امر کو جانتی تھی کہ ذاتِ حقیقی عالم کی جمیع اشیا میں ساری ہے اور ان کے ٹھاکروں میں بھی ہویتِ حقیقی ساری ہے اسلئے یہ مکر وہ جانتے تھے کہ اگر وہ اپنے معبودوں کو ترک کر دیں گے تو وہ حقیقی سے جاہل اور غافل رہیں گے۔ لیکن انہوں نے یہ نہ جانا کہ عبادتِ الہیہ مخصوص حقیقی کی تحدید اور تقیید کا باعث ہے جو کفر اور شرک ہے کیونکہ حقیقی نے الہِ مطلق کی عبادت کا حکم دیا ہے۔

اور محمدیوں کے حق میں وارد ہوا ہے (وَقَضَىٰ رَبِّيَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا رَآيَاكَ) اور حکم کیا تیرے رب نے یہ کہ مت عبادت کرو مگر خاص اُسی کی۔ یعنی اُس رب کی عبادت کرو جو جملہ اشیاء پر محیط ہے۔ یعنی جملہ جزئیاتِ عالم جو متفرقہ اور متکثرہ ہیں کی صورت پر اگرچہ اُسی کا ظہور ہے لیکن حقیقت اور کُنہ کے لحاظ سے وہ عقول اور فہوم سے بالا تر ہے اور مطلق ہے۔ بلحاظ بطون وہ مطلق ہے اور بلحاظ ظہور وہ مقید ہے۔ پس عارف محمدی جانتا ہے کہ کس کی عبادت کی جاتی ہے اور کس صورت میں حقیقی ظاہر ہوا ہے کہ اُس کی عبادت کی جائے۔ رب تعالیٰ نے عارف محمدی کو اشارہ کر دیا ہے کہ اے عارف احسن یعنی تُو خود ہی حامد ہے اور خود ہی محمود ہے خود ہی عابد ہے اور خود ہی معبود ہے خود ہی ساجد ہے خود ہی مسجود ہے۔ اپنی انانیت یعنی تعین اور ظاہرِ حجبہ کے لحاظ سے تو عابد ہے اور اپنی ہویت یعنی حقیقت اور باطن کے لحاظ سے تو معبود ہے۔ نیز عارف محمدی جانتا ہے کہ عالم کی جمیع اشیاء متفرقہ اور متکثرہ کی حقیقت کے ساتھ وہ ہی نسبت ہے جو ایک صورت محسوسہ کیساتھ اُس کے اعضاء کی نسبت ہے اور ایک صورت روحانیہ کیساتھ اُس کے قویٰ معنویہ کی نسبت ہے۔ مثال کے طور پر انسان کے ظاہری اعضاء لیجئے جن کو ظاہری حواس کہتے ہیں۔ آنکھ مظہر قوتِ باصرہ ہے، کان مظہر قوتِ سامعہ ہے، ناک مظہر قوتِ شامہ ہے، زبان مظہر قوتِ ذائقہ ہے اور ہاتھ مظہر قوتِ لامسہ ہے۔ ہر عضو ایک خاص صفت کا مظہر ہے اور ان جملہ اعضاء کے مجموعہ کا نام انسان ہے۔ پس ایسے ہی عالم کی جمیع موجودات کا مجموعہ حق ہے۔ اب انسان کے قویٰ

مغویہ یعنی باطنی حواس کو بیچئے۔ انسان کے باطنی حواس عقل اور وہم اور ذاکرہ اور حافظہ اور مفکرہ اور مخیلہ انسان کے روحانی قوتی ہیں اور ان سب کے مجموعہ کا نام رُوح ہے۔ اب انسان ایک ہے اور اس کے ظاہری باطنی اجزا بشمار ہیں۔ اجزا کی کثرت انسان کی وحدت پر حاجب نہیں۔ ایسے ہی عالم کی کثرت حق تعالیٰ کی وحدت پر حاجب نہیں۔ پس ہر ذرہ میں، ہر شے میں، ہر تعین میں، ہر ٹھکانہ میں، ہر معبود میں، ہر انسان میں ایک ذات حق کا ظہور ہے جیسے کہ ہر حرف میں، ہر لفظ میں، ہر کلمہ میں، ہر عبارت میں، ہر آیت میں، ہر شے میں، ہر مذہب میں، ہر زبیر میں ایک سیاہی کا ظہور ہے لہذا ہر معبود میں اللہ ہی کی عبادت کی جاتی ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ کسی ایک صورت کا عابد احاطہ کُل سے مجرب رہیگا۔ اسی لئے شریعت مطہرہ نے معبود مقید کی عبادت کو کفر اور شرک اور مذہب موم قرار دیا ہے اور معبود مطلق کی عبادت کا حکم دیا ہے۔

عابدوں میں سے ادنیٰ درجے والا وہ شخص ہے جو اپنے معبود میں اُلُوہیت کا خیال کرتا ہے پس اگر اُس کا یہ خیال نہ ہوتا تو نہ پتھر کی عبادت کی جاتی نہ کسی اور غیر شے کی۔ اور اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے فرمایا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (قُلْ سَمُّوْهُوَ) ان کفار کو فرمائیے کہ تم اپنے معبودوں کے نام رکھو پس اگر وہ نام رکھتے تو نام رکھتے پتھر اور درخت اور ستارہ۔ یہ نہ فرمایا (قُلْ مَنْ عَبَدْتُ) ان کو فرمائیے کہ تم کس کی عبادت کرتے ہو کیونکہ اگر ان کو کہا جاتا کہ تم کس کی عبادت کرتے ہو البتہ وہ کہتے اللہ کی۔ اس لئے کفار پر حجت قائم کرنے کیلئے سوال ہی ایسا کیا گیا کہ وہ جواب میں ملزم ٹھہریں۔ انہوں نے اپنے معبودوں کا نام نہ اللہ رکھا نہ الہ رکھا بلکہ شجر حجر اور کوکب رکھا اس لئے ملزم ٹھہرے۔ عابدوں اور عارفوں میں سے اعلیٰ وہ ہے جو ان معبودوں کو اللہ کا مظہر جانتا ہے اور باعتبار شعائر اللہ کے اُن کی حیثیت کے مطابق اُن کی تعظیم کرتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کو اُن معبودوں میں حصر نہیں کرتا ہے۔ خانہ کعبہ کی، عرش معلیٰ کی، انبیاء اور اولیاء کی مزارات کی اور انبیاء و اولیاء کے وجود سرایا نور کی تعظیم ضرور ہے لیکن اللہ تعالیٰ کو کسی تعین میں حصر کرنے سے کفر و شرک لازم آجاتا ہے۔ بت پرستوں میں سے ادنیٰ تخیل والے بلکہ جمیع عابدوں میں سے ادنیٰ عقیدہ والے وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں (مَا نَعْبُدُھُمْ اِلَّا لِیُقَرِّبُوْنَا اِلَی اللہِ زُلْفٰی) ہم ان کی عبادت اس لئے کرتے ہیں کہ یہ ہم کو اللہ تعالیٰ کا مقرب بنادیں گے۔ یعنی وہ ان معبودوں کو اللہ تعالیٰ کا غیر جانتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کو عالم کے جمیع موجودات سے وراء الورا جانتے ہیں۔ یہ مطلق جاہل لوگ ہیں۔ عارفوں میں سے اعلیٰ درجہ کا وہ عارف ہے جو کہتا ہے (اِنَّمَا الْھٰکُمُ الْاِلٰہُ وَ اَحَدٌ فَلَا اَسْلَمُوْا) اس لئے سوائے اس کے نہیں ہے کہ معبود تمہارا ایک ہی معبود ہے پس اُس کے واسطے مطیع ہو جاؤ۔ یعنی جس

صورت میں وہ ظاہر ہو تم اُس صورت کے مطیع ہو جاؤ۔ مراد یہ ہے کہ ذات حق کیلئے تعدد نہیں ہے وہ معبود حقیقی واحد ہی ہے اگرچہ صورت متکثرہ میں جلوہ نما ہے۔ پس سب سے اعلیٰ عارف وہ ہے جو وحدت وجود کا قائل ہے اور ہر صورت میں اُس بصورت کو دیکھتا ہے۔ اور انسان کو اُس کا مظہر جامع دیکھتا ہے اور انسانوں کے سردار جناب محمد پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کا ہر اہم نامہ جانتا ہے اور ایسے عارفوں کے حق میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے (وَبَشِّرِ الصَّالِحِينَ) اور خوشخبری دے عاجزی کو نیا لوں کو یعنی وہ لوگ جن کی طبیعت کی آگ آپ مجاہدہ اور نور معرفت سے بجھ گئی ہے۔ چونکہ ان کی وہی ہستی مٹ گئی ہے اسلئے وہ صرف ذات حق کے قائل ہیں۔ اُس کے سوا کسی اور وجود کے قائل نہیں۔ مراد یہ ہے کہ وہ عالم میں فعل الہی و صفات الہی و ذات الہی دیکھتے ہیں لہذا وہ ہر فعل کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کرتے ہیں اپنی طبیعت یا ہستی کی طرف نہیں کرتے۔

اب پھر فوج علیہ السلام کا قول شروع ہوتا ہے جو آپ نے اپنی قوم کے حق میں ازراہ معرفت و حکمت کے کہا تھا (وَقَدْ أَصَلُّوا كَثِيرًا) اور تحقیق انہوں نے بہتوں کو حیرانی میں ڈالا۔ مثال بمعنی حیرت ہے یعنی وہ حیرت جو ازراہ معرفت ہے نہ ازراہ جہالت۔ یعنی وہ اس امر پر متحیر تھے کہ ذات حق باوجود واحد ہونیکے لامتناہی و جوہ اور نسبتوں اور شیونات کو شامل ہے۔ آگے فرمایا (ذَلَّاتِزِجَ الظَّالِمِينَ) اور مت زیادہ کر ظالموں کو۔ عارف چونکہ اپنے نفس پر ظلم کرتے ہیں یعنی مجاہدہ سے اُس کی خواہشات کو روند ڈالتے ہیں اسلئے ازراہ حکمت عارفین باللہ کیلئے ظالمین کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ یہ وہ برگزیدہ لوگ ہیں جو کتاب کے وارث کئے گئے ہیں اور تینوں گروہوں سے بہترین اور اول درجہ کے لوگ ہیں اور ان کو دونوں گروہوں میںانہ رو اور سبقت لے جانے والوں پر تقدم حاصل ہے۔ ان تین گروہوں کا ذکر سورہ فاطر کی آیہ ذیل میں موجود ہے (ثُمَّ أَوْرَثْنَا الْكِتَابَ الَّذِينَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهِ وَمِنْهُمْ مُقْتَصِدٌ وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ إِنَّ اللَّهَ ذَلِكُ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيرُ)۔ آگے فرمایا (الْأَصْلَاحُ) مگر ضلالت بمعنی حیرت مراد یہ ہے کہ ان عارفوں کی حیرت زیادہ کر۔ اور محمدیوں کے واسطے بہ سبب علم اور معرفت کے یہ حیرت محمود ہے نہ کہ حیرت مذموم جو بسبب جہالت کے حاصل ہوتی ہے۔ یہ وہ حیرت ہے جس کی خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آرزو کی ہے لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ رَبِّ زِدْنِي فَيْكَ تَحِيًّا اے میرے رب! میری حیرت اپنی ذات میں زیادہ کر۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کی تجلیات غیر متناہی ہیں اسلئے علوم الہی بھی غیر متناہی ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا

علم مبارک بھی ہر دم ترقی پذیر ہے۔ لہذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد یہ ہے کہ الہی میرا علم اس قدر بڑھاتا جا کہ میں تیرے ذاتی کمالات میں متحیر ہو جاؤں اور تیری ذات پر قربان ہو کر بول اٹھوں کہ تیری ذات کی کُنہ غیر مد رک ہے۔ اے عزیز! یہ مت خیال کر کہ ذات حق کی کُنہ صرف علم محمدی میں ہی غیر مد رک ہے بلکہ ذات حق کی کُنہ علم الہی میں بھی غیر مد رک ہے کیونکہ اگر اُس کی ذات کے کمالات اُس کے حیطہ علم میں آجائیں تو ذات حق محدود ہو ہو جاتی ہے اور یہ نقص ہے نہ کہ کمال۔ ان صاحب ضلالت یعنی صاحب حیرت کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے (كُلَّمَا أَضَاءَ لَهُمْ مَشَوْا فِيهِ وَإِذَا أَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوا) یعنی جب سالک کو معرفت الہی میں تجلی حیرت نصیب ہوتی ہے تو اُس کا قلب انوارات الہیہ سے منور ہو جاتا ہے اور صاحب حیرت راہ حق میں روانہ ہوتا ہے اور یہ بسط کی حالت ہے۔ جب وہ تجلی الہی غائب ہوتی ہے تو حالت قبض طاری ہو جاتی ہے اور سالک اُسی مقام پر کھڑا ہو جاتا ہے اور یہ قبض کی حالت ہے۔ عارف جب منزل مقصود پر پہنچتا ہے اور اُس کو عرفان نصیب ہوتا ہے تو متحیر ہو جاتا ہے۔ جب سالک ذرے ذرے میں پتے پتے میں ہر شے میں ہر تعین میں ہر نیک میں ہر بد میں ہر کافر میں ہر مسلم میں ذات حق کا مشاہدہ کرتا ہے تو حیرت زدہ ہو جاتا ہے۔ بلکہ جب وہ مشاہدہ کرتا ہے کہ اللہ ذکا سوا کا تو متحیر ہو جاتا ہے۔ اُس کی حالت بدل جاتی ہے۔ اُس کی اعتراض والی زبان کاٹی جاتی ہے۔ پس صاحب حیرت کیلئے دور ہے۔ دور سے مراد دائرہ کون ہے یعنی جب عارف اپنی دیدہ دل سے اس امر کا مشاہدہ کر لیتا ہے کہ یہ دائرہ کون یعنی عالم میں حق ہے تو اُس کی حالت بدل جاتی ہے۔ جس دائرہ کون کو وہ غیر حق تصور کرتا تھا اب اُس کو عین حق دیکھتا ہے۔ اور دوسری حرکت قطب کے گرد اگر دہوتی ہے قطب واحد جناب محمد پاک ہیں صلی اللہ علیہ وسلم اور جمیع عوالم کا قیام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نور پاک کی جگہ موجودات میں سرایت اس طرح ہے جس طرح اشجار میں آب کی سرایت ہے۔ جس شجر کی جڑ سے پانی خشک ہو جاتا ہے وہ خشک ہو جاتا ہے۔ اسی طرح جس جاندار کی طرف سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے آفتاب کی شعاع ہٹا لیتے ہیں وہ بیجان ہو جاتا ہے۔ ہر زمانہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم ازل سے لیکر اب تک اپنا لباس مبارک بدلتے رہتے ہیں اور کُل افراد کی صورت پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی جلوہ نما ہوتے ہیں اور قطب زمان وہ ہستی ہے جس کے قلب میں حقیقت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا ظہور ہوتا ہے۔ نیز جب عارف مشاہدہ کرتا ہے کہ اسمائے الہیہ غیر متناہیہ ہیں اور ذات حق کے کمالات کی کوئی حد و غایت نہیں تو اُس کی سیر فی اللہ سیر مستدیر ہے۔ مراد یہ ہے کہ سیر فی اللہ کی مثال ایسے ہے جیسے کہ دائرہ کے گرد کوئی سیر کرے۔ دائرہ کا

نہ کوئی ابتدا ہے نہ کوئی انتہا ہے اسطرح ذات حق کی نہ کوئی ابتدا ہے نہ کوئی انتہا ہے۔ اور اس متخیر عارف کی یہ دہری حرکت قطب کے گرد اگر دہرتی ہے اور وہ قطب سے کبھی جدا نہیں ہوتا۔ مراد یہ ہے کہ ہر عارف یہ اسرار ربوبیت قطب زمان کی مشکوٰۃ سے حاصل کرتا ہے اور وہ قطب زمان سے کبھی بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ حقیقت میں قطب سے اسجگہ مراد خاتم الاولیاء ہے۔ حقیقی خاتم الاولیاء عالی سرکار جناب حضرت غوث الاعظم پاک محبوب سبحانی حضرت شیخ سید عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ ہیں اور جملہ سابقہ انبیاء و جملہ اولیاء علیہم السلام علم ولایت جناب سے حاصل کرتے ہیں۔ ہر زمانہ میں جو فرد اس منصب پر مامور کیا جاتا ہے وہ آپ ہی کا نائب ہوتا ہے۔ حضرت غوث اعظم پاک رضی اللہ عنہ کا وجود باجود خاتم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح قدیم ہے قرآن مجید میں رب تعالیٰ نے خاتم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کو شمس کے ساتھ اور خاتم الاولیاء رضی اللہ عنہ کو قمر کے ساتھ تشبیہ دی ہے کَمَا قَالَ تَعَالَى (وَالشَّمْسُ وَظُلُهَا وَالْقَمَرُ إِذَا قَلَّهَا) اور جملہ سابقہ انبیاء و اولیاء علیہم السلام کو نجوم کیساتھ تشبیہ دی ہے يَقُولُ تَعَالَى (فَلَا أُقْسِمُ بِتَوَاقِعِ النُّجُومِ)۔ نجوم میں سابقہ انبیاء علیہم السلام بھی شامل ہیں کیونکہ اگر ان کو مستثنیٰ سمجھا جائے تو سابقہ انبیاء علیہم السلام کی مزارات کی تعظیم کیلئے علیحدہ آیت چاہیے جو قرآن مجید میں نایاب ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت ختم ہے اور ولایت ابد الابد تک باقی ہے۔ خاتم الاولیاء تصوف کی اصطلاح ہے۔ اس سے یہ مراد نہیں کہ خاتم الاولیاء کے بعد ولایت ختم ہے بلکہ وہ فرد جو ولایت کا خزانہ تقسیم کرتا ہے اور اولیاء کی ولایت پر مہر لگاتا ہے۔ نیز یہ معنی بھی ہو سکتا ہے کہ وہ فرد واحد جس پر ولایت کے کمالات ختم ہوں۔

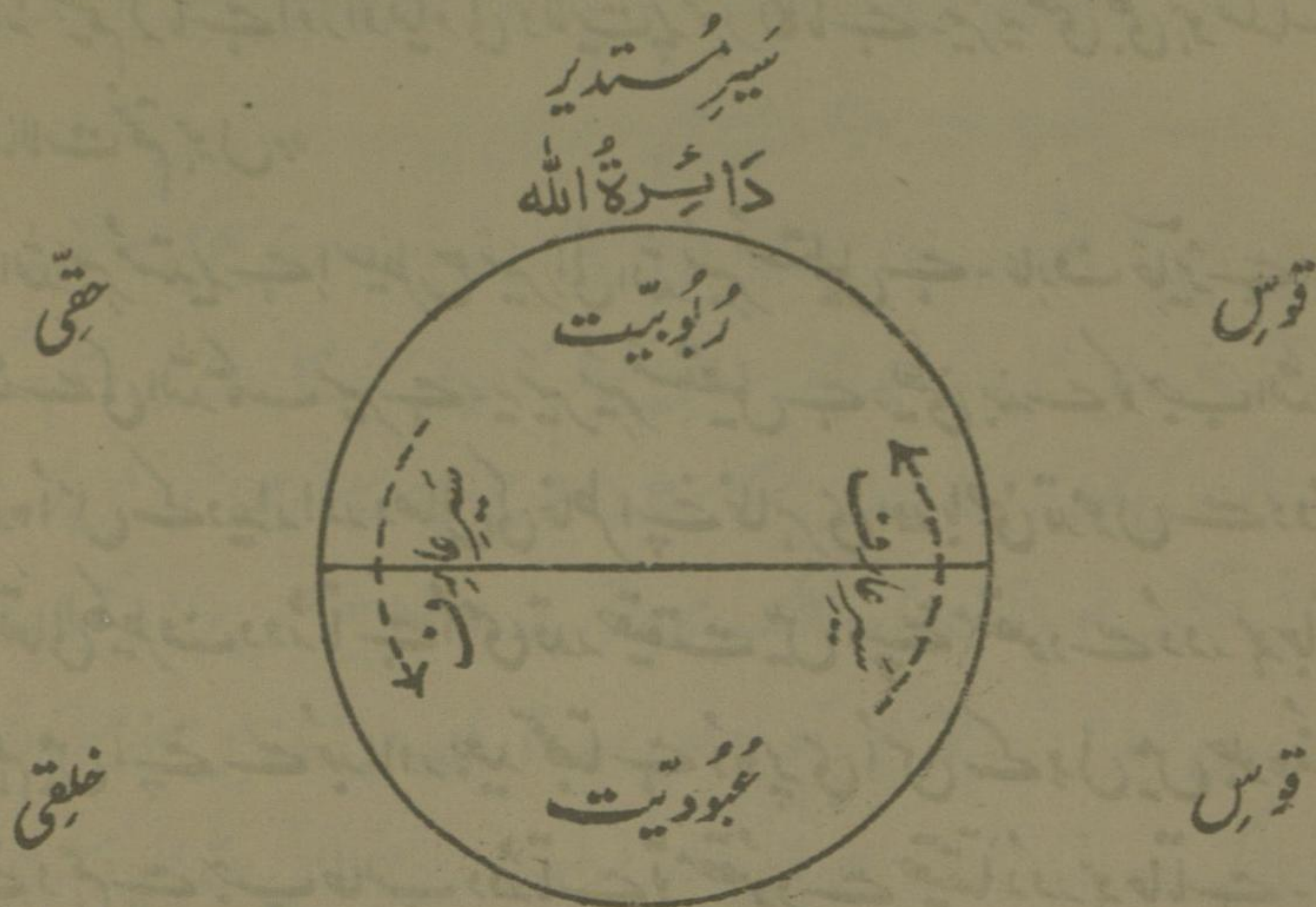
جس طرح سیر فی اللہ سیر مستدیر ہے اسطرح سیر الی اللہ سیر مستطیل ہے۔ عارف حایث ہے اور عاشق باطل ہے۔ سیر الی اللہ سے مراد بندے کی اللہ تک سیر ہے۔ یہ سیر سیر مستطیل ہے۔ یعنی بندے کو جب اللہ تعالیٰ کی محبت نصیب ہوتی ہے تو وہ اس کے دیدار اور وصال کی خاطر اپنے ظاہری اور باطنی قدموں سے دوڑنا شروع کر دیتا ہے۔ جس قدر بندہ اللہ تعالیٰ کی طرف دوڑتا ہے اسی قدر حقیقت میں اپنے مقصود سے دور ہو جاتا ہے کیونکہ جس پری کو طالب اپنے دہم میں اپنے سے جدا اور بعید سمجھتا ہے وہ پری اس کے دل میں جلوہ نما ہے بلکہ وہ پری عین طالب ہے۔ اپنے دہم سے جب طالب دوڑتا ہے تو مقصود سے حقیقتاً دور ہو جاتا ہے۔ طالب خدا کی ایک ابتدا ہے اور اس کے دہم میں ایک انتہا یعنی منزل مقصود ہے۔ اور اس درمیانی رستہ میں چند گھاٹیاں ہیں۔ گویا طالب ایک سیدھی لکیر پر چلتا ہے۔ وہ لکیر کافی لمبی ہے اس لکیر کے ایک طرف بندہ کھڑا ہے اور اس کے خیال کے مطابق لکیر کی دوسری طرف اللہ ہے۔ اور درمیانی فاصلہ کو طے کر کے طالب خدا تک پہنچنے کا ارادہ کر لیتا ہے

پس یہ سیرِ مستطیل ہے۔ وضاحت کیلئے نقشہ پیش کیا جاتا ہے۔
سیرِ مستطیل

اللہ

بندہ

بندہ اپنے وہم میں اللہ تعالیٰ کو اپنے سے بہت ہی بعید جانتا ہے اسی لئے شب و روز دوڑتا ہے لیکن مقصود
ہاتھ نہیں آتا۔ جب فضل ایزدی شامل حال ہوتا ہے اور بندہ کو معرفت الہی نصیب ہوتی ہے تو طالب کو معلوم
ہو جاتا ہے کہ اُس کے اور اُس کے مطلوب کے درمیان فاصلہ صرف وہم ہے۔ اسی لئے وہ حیرت زدہ ہو جاتا
ہے۔ جب بندہ کو عرفان ذات نصیب ہو جاتا ہے تو سیرِ الی اللہ ختم ہو جاتی ہے۔ اور عاشق مولا کو پتہ چل جاتا ہے کہ مبتدی
بھی وہ خود ہے اور منتہی بھی وہ خود ہے یعنی عاشق بھی وہ خود ہے اور معشوق بھی وہ خود ہے اور تمام منازل و مدارج اُسکے اندر ہیں۔ اور
اگے سیر فی اللہ شروع ہوتی ہے۔ صفات الہیہ چونکہ غیر متناہی ہیں اسلئے سیر فی اللہ کی کوئی حد اور غایت نہیں ہے۔ سیر فی اللہ کی
مثال سیرِ مستدیر کی ہے یعنی دائرہ کے گرد سیر کرنا ہے۔ اب دائرہ کا نہ کوئی ابتداء ہے اور نہ کوئی انتہا ہے۔ لہذا عارف باللہ کے
کمالات کی کوئی حد و غایت نہیں ہے۔ فنا بقا کی منازل طے کر کے وہ مقام استقامت میں پہنچ جاتا ہے حتیٰ کہ اُسکو وجودِ اتم
نصیب ہو جاتا ہے یعنی روح القدس کا اُس عارف کی صورت پر ظہور ہوتا ہے۔ اور اُس عارف محمدی کو کلمات جامع اور حکمتیں
دی گئی ہیں۔ یعنی وہ عارف تمام مراتب حقی اور خلقی کا جامع ہے۔ سیرِ مستدیر کی وضاحت کیلئے نقشہ پیش کیا جاتا ہے:-



دائرۃ اللہ کی دو قوسیں ہیں۔ ایک قوس کا نام ربوبیت اور دوسری قوس کا نام عبودیت ہے۔ پس عارف کامل
ان دونوں قوسوں میں چکر لگاتا رہتا ہے حتیٰ کہ وہ ذات حق کیلئے مراتبِ تامہ ہو جاتا ہے اور حق و خلق کے
درمیان برزخ جامع بن جاتا ہے یعنی جملہ صفات حقی و خلقی کا جامع بن جاتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ شروع ہوتا ہے جو قوم نوح کے حق میں نازل ہوا:

آگے پھر وَ (مِمَّا خَطِيئَتُهُمْ أُغْرِقُوا) اور بہ سبب اپنے گناہوں کے وہ غرق ہوتے لیکن حقیقت میں خطیات خطوہ سے ہے خطوہ سے مراد قوم ہے۔ یعنی پھر وہ قوم نوح بحر معرفت کی طرف چلے اور علم باللہ کے بحار میں غرق ہو گئے اور علم باللہ عین خیرت ہے۔ (فَإِذَا خَلَوْا نَارًا) پس قوم نوح آگ میں داخل کئے گئے۔ آگ سے مراد نار عشق ہے اور وہ آگ عین نیچ پانی کے تھی۔ پانی سے مراد علم اور معرفت الہی ہے۔ نار کا عین پانی ہونا محمدیوں کیلئے وارد ہے (وَإِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ) اور جس وقت دریا سُلگائے جائیں گے۔ یہ لغت سُجِّرَتْ الشُّؤْمُ سے مشتق ہے جس وقت تو اس کو سُلگا دے۔ مراد یہ ہے کہ قوم نوح پہلے معرفت الہی کے دریا میں اور بعد میں عشق الہی کے دریا میں غرق ہو گئے۔ (فَلَمْ يَجِدُوا لَهُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَنْصَارًا) پس قوم نوح نے سوا اللہ کے اپنے واسطے کوئی مدد دینے والا نہ پایا یعنی یہ سب مقامات اُن کو اللہ تعالیٰ کے فضل سے حاصل ہوتے اور بالآخر ساری قوم ذات حق میں ابدالاً بآیات تک ہلاک اور فانی ہو گئی اور اگر اُن کو اللہ تعالیٰ دریائے فنا فی الذات سے باہر کتنا رے طبیعت کی طرف نکالتا یعنی مقام محویت سے مقام صحو اور بشریت کی طرف لوٹاتا تو البتہ وہ اس درجہ رفیعہ سے تنزل کر جاتے اگرچہ تمام مراتب میں ذات حق کا ہی ظہور ہے۔ اللہ تعالیٰ مرتبہ احدیت سے تنزل فرما کر مرتبہ وحدت میں اور وحدت سے واحدیت میں اور واحدیت سے عالم ارواح میں اور عالم ارواح سے عالم مثال میں اور عالم مثال سے عالم اجسام میں جلوہ نما ہوا۔ تصوف میں ان کو مراتب بستہ یا تنزلات بستہ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ پہلے تین مراتب احدیت وحدت اور واحدیت تھی ہیں اور پچھلے تین مراتب عالم ارواح عالم مثال و عالم اجسام خلقی ہیں۔ آخر میں اللہ تعالیٰ نے لباسِ اخیر یا تجلیِ اخیر حضرت انسان کی صورت پر جلوہ آرائی کی جو جامع جمیع مراتب حقیقی و خلقی کا ہے۔ لہذا ثابت ہوا کہ ان سب مراتب کی صورت پر خود اللہ ہی جلوہ نما ہے۔ (وَقَالَ نُوحٌ رَبِّیْ) اور نوح نے کہا اے میرے رب اور نہ کہا اے میرے الہ کیونکہ اسم رب کیلئے ثبوت اور قرار ہوا اور اسم الہ اسمائے الہیہ کیساتھ تنوع پذیر ہے۔ جمیع عالمین کا رب واحد ہے لیکن معبود کئی ہیں۔ دُعائیں حضرت نوح علیہ السلام نے اسم رب کو پکار کے توحید کی طرف اشارہ فرمادیا ہے۔ نیز چونکہ (كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ) ہر تجلی میں اُسکی ایک نئی شان ہے اور تجلیات الہیہ چونکہ غیر متناہیہ ہیں اسلئے اللہ تعالیٰ کی شائیں بھی غیر متناہیہ ہیں۔ ادھر اللہ تعالیٰ کی شان بدلی ادھر انسان کا حال بدلا۔ پس طالبِ خدا ایک حال سے دوسرے حال کی طرف منتقل کیا جاتا ہے۔ تصوف کی اصطلاح میں حال کے بدلنے کا نام تلوین ہے اور مقام استقامت کا نام تمکین ہے۔ پس حضرت

نوح علیہ السلام نے اسم رب کیساتھ اس امر کا ارادہ کیا کہ آپ کی قوم مقام تلوین میں ہے اور وہ تربیت کے لائق ہیں۔ مقام تمکین ان کیلئے صحیح نہیں۔ (لَا تَذَرُ عَلٰی الْأَرْضِ) مت چھوڑا اور زمین کے یعنی حضرت نوح علیہ السلام دعا کرتے ہیں کہ میری قوم کو زمین کے اوپر نہ چھوڑ بلکہ ان کو زمین کے بطن میں پہنچا۔ مراد آپ کی یہ ہے کہ ان کو عالم شہادت سے عالم امر بلکہ عالم ذات کی طرف لے جا اور ان کو اپنی ذات میں چھپالے تاکہ ان کو معرفت الہی نصیب ہو اور وہ تشبیہ اور تنزیہ دونوں کے جامع بن جائیں۔ صورتوں میں تو اللہ کو مانتے ہیں لیکن ان کو عالم غیب میں پہنچا تاکہ یہ یہ بھی جان لیں کہ وہ ذات بیصورت بھی ہے جیسا کہ داعی محمدی تعلیم دے رہا ہے لَوْ كُنْتُمْ بِحَبْلِ لَّهَبٍ عَلٰی اِلٰهِ اِگرتم رسی کیساتھ ڈول چھوڑو گے تو البتہ وہ اللہ تعالیٰ پر نازل ہوگا مراد یہ ہے کہ زمین کے اوپر بھی اللہ ہے اور زمین کے نیچے بھی اللہ ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے (لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ) واسطے اسی کے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے یعنی آسمانوں میں بھی ذات حق کا ظہور ہے اور زمینوں میں بھی ذات حق کا ظہور ہے یعنی عالم امر اور عالم ذات میں بھی اللہ تعالیٰ کا ظہور ہے اور عالم شہادت میں بھی ذات حق کا ظہور ہے۔ مراد یہ ہے کہ وہ بیصورت بھی ہے اور باصورت بھی ہے۔ منزہ بھی ہے مشبہ بھی ہے۔ اور جسوقت تو دفن کیا جائے تو بیچ زمین کے ہوگا اور وہ زمین تیرا ظرف ہوگی۔ یعنی جسوقت تو ذات حق میں غوا اور مستغرق ہو جائیگا تو تو سر اپا نور ہو جائیگا۔ روحانی و ربانی ہو جائیگا اور تجھے وجود حقانی نصیب ہو جائیگا لِقَوْلِهِ تَعَالٰی (وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰی) جس زمین سے تو پیدا ہوا ہے اسی میں تجھے دوبارہ لے جائیں گے اور اسی میں سے تم کو دوبارہ نکالیں گے۔ یعنی انسان ذات حق سے پیدا ہوا ہے اور جب سیر عروجی کرتا ہے تو پھر ذات حق سے مل جاتا ہے۔ اُس کے بعد اُس کو وجود مہبوب عطا کیا جاتا ہے اور پھر واپس عالم محویت سے عالم صحو میں خدمت خلق کیلئے بھیجا جاتا ہے۔ یعنی مراتب فنا و بقا کے بعد اُسے مقام تمکین و استقامت نصیب ہو جاتا ہے۔ طالب مولا کا ایک حال سے دوسرے حال کی طرف انتقال کرنا اسوجہ سے ہے کہ انسان کا قلب تجلی الہی سے کبھی خالی نہیں ہوتا اور تجلیات ہمیشہ مختلف قسم کی ہوتی رہتی ہیں۔ تجلیات الہیہ مختلف اجناس کی اسلئے ہوتی ہیں کہ ہر وقت اُس کی شانیں بدلتی رہتی ہیں۔ (مِنَ الْكَافِرِيْنَ) الَّذِيْنَ (جَعَلُوْا اَصَابِعَهُمْ فِیْ اٰذَانِهِمْ وَاسْتَغْشَوْا ثِيَابَهُمْ) کافروں میں سے جنہوں نے انگلیاں اپنے کانوں میں ڈالیں اور اپنے آپ کو کپڑوں سے چھپایا۔ یعنی اُن کافروں کو جنہوں نے ذات حق کو اپنی ذات اور انانیت کے سبب چھپا رکھا ہے زمین پر مت چھوڑ بلکہ زمین کے نیچے یعنی اپنی ذات میں ان کو چھپالے۔ وہ کفار اپنے آپ کو کپڑوں میں اس

لئے چھپاتے تھے کہ وہ ستر کے طالب تھے یعنی ذات حق میں فنا اور استہلاک کے طالب تھے کیونکہ حضرت
نوح علیہ السلام نے اُن کیلئے ستر کی دعا کی تھی لِقَوْلِهِ تَعَالَى (وَإِنِّي كُنْتُ نَادٍ عَوْتُهُمْ لِيَعْفُرَ لَهُمْ) تاکہ اللہ تعالیٰ
اُن کو اپنی ذات میں چھپا دے۔ غفر بمعنی ستر کے ہے۔ (دِقَارًا) کوئی ایک بھی بسنے والا یعنی کوئی ایک بھی اس
نعمت معرفت سے محروم نہ رہے تاکہ جیسا کہ دعوت عام ہے منفعت بھی عام ہو۔ (إِنَّكَ إِنْ تَذَكَّرْهُمْ) بیشک
اگر تو ان کو چھوڑ بیگا یعنی مراتب فنا و بقاء طے کرنے کے بعد ان کو اجازت دیگا تو (يُضِلُّوا عِبَادَكَ) یہ تیرے
بندوں کو حیران کر دیں گے کیونکہ یہ جب اُن کو عبودیت سے نکال کر مقام ربوبیت کی طرف لے جائیں گے تو
وہ دیکھ لیں گے کہ تعین کے لحاظ سے وہ عبد ہیں اور حقیقت کے لحاظ سے وہ عین رب ہیں پس وہ حیران رہ
جائیں گے۔ مراد یہ ہے کہ جس ذات کو وہ دراء الوراہ اور اپنے سے بہت ہی بعید جانتے تھے جب اُسکو اپنی
ذاتوں کا عین دیکھیں گے تو حیران رہ جائیں گے۔ (وَلَا يَلِدُ ذَا) اور نہ جنیں گے یعنی نہ نتیجہ بخشیں گے اور نہ ظاہر
کریں گے (إِلَّا فَاجِرًا) مگر فاجر یعنی ظاہر کرنے والا اُن اسرار کا جو اُس میں چھپاتے گئے ہیں (كَفَرًا) کفر
کرنیوالا یعنی چھپانے والا اُن اسرار کا جو اُس پر ظاہر کئے گئے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ عارف کا ہے اسرار وحدۃ الوجود
کا اظہار کرتا ہے اور گاہے ان کو چھپاتا ہے۔ دیکھنے والا حیران رہ جاتا ہے کہ یہ شخص کا ہے اسرار ربوبیت چھپاتا
ہے اور گاہے ان کا اظہار کرتا ہے کیونکہ وہ یہ نہیں جانتا کہ متکلم عارف کلام کے ماتحت ہوتا ہے، کلام اُس کے
ماتحت نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ سامعین کی استعداد کے مطابق اُس کے دل میں کلام القا کرتا ہے اور اُس کی زبان
ترجمانی کر دیتی ہے۔ عارف باللہ نامحرموں سے اسرار ربوبیت چھپاتا ہے اور طالبانِ مولا کے سامنے انکا اظہار
کرتا ہے۔ (مَا يَتَغَفَّرُ لِي) اے رب! میرے واسطے مغفرت کر یعنی میری ذات کو اپنی ذات میں چھپالے اور
میری صفات کو اپنی صفات میں چھپالے تاکہ لوگ میرے مقام اور میری قدر سے ناواقف رہیں جیسا کہ تیری قدر
سے ناواقف ہیں۔ اس پر تیرا قول (وَمَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ) شاہد ہے۔ (وَلْيُؤَايِدُنِي) اور میرے باپ کو
بھی اپنی ذات میں چھپالے یعنی میری عقل اور طبیعت جن کا میں مجبوعہ ہوں کو بھی اپنی ذات میں چھپالے عقل
اور طبیعت سے مراد روح اور قالب ہے۔ مراد یہ ہے کہ میری روح اور میرے قالب کو بھی اپنی ذات میں فنا
کر کے نور علی نور کر دے۔ (وَلَسَمَنَ دَخَلَ بَيْتِي) اور اُن خطرات کو بھی اپنی ذات میں چھپا جو میرے قلب میں
داخل ہوں (مُؤْمِنًا) مومن ہو کر یعنی تمام خطرات جو میرے قلب میں وارد ہوں میں اُن کی نسبت تیری طرف کرنے
نہ کہ اپنی طرف (وَلِلْمُؤْمِنِينَ) اور چھپا سب مومنوں کو اپنی ذات میں یعنی حبلہ عقول کو اپنی ذات میں محو کر لے

(وَالْمُؤْمِنَاتِ) اور چھپا سب ایمان والیوں کو اپنی ذات میں یعنی جملہ نفوس کو بھی اپنی ذات میں محو کر لے۔ عقول سے مراد ارواح اور نفوس سے مراد اسجگہ احباد ہے۔ (وَلَا تَزِدِ الظَّالِمِينَ) اور نہ زیادہ کر ظالموں کیلئے یعنی ان لوگوں کیلئے جن کے دلوں پر ظلمت اور تاریکی کے حجاب چھاتے ہوئے ہیں (رَالَا تَبَارًا) مگر ہلاکت یعنی وہ لوگ جو تیری معرفت سے غافل ہیں ان کو اپنی ذات میں فنا کر دے تاکہ وہ اپنی ذاتوں کو تیری ذات کا عین بنائیں نہ کہ غیر جیسا کہ محمدیوں کے حق میں وارد ہوا ہے (كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ) ہر شے فنا ہونے والی ہے مگر اُس شے کی ذات یعنی حقیقت کیونکہ ہر شے کی حقیقت حق ہے۔ تبار بمعنی ہلاکت اور فنا کے ہے۔ اور جو شخص ارادہ کرے کہ وہ نوح کے اسرار سے واقف ہو جائے اُس کو چاہیے کہ فلک شمسی تک ترقی کرے اور نوح علیہ السلام کے اسرار ہمارے تصنیف تنزیلات موصیہ میں مندرج ہیں۔ نوح سے مراد نوحہ کرنا والا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے فراق میں رونے والا عاشق۔ فلک شمسی آسمان چہارم ہے اور سیر غر جی کے لحاظ سے ولایت کا پہلا آسمان لطیفہ نفس۔ دوسرا آسمان لطیفہ قلب۔ تیسرا آسمان لطیفہ روح۔ چوتھا آسمان لطیفہ ہر پانچواں آسمان لطیفہ خفی۔ چھٹا آسمان لطیفہ اخفی اور ساتواں آسمان لطیفہ انا ہے۔ پس عاشق جب تک ترقی کر کے مقام ہر میں نہ پہنچے وہ اسرار توحید سے بے بہرہ رہتا ہے۔ والسلام۔

فَصْحَمَةٌ قَدْ وَصِيَّةٌ فِي كَلِمَةِ اِدْرِيسِيَّةِ

اَلْعُلُوُّ نِسْبَتَانِ عُلُوُّ مَكَانٍ وَعُلُوُّ مَكَانَةٍ فَعُلُوُّ الْمَكَانِ (وَسَرَفَعْنَا مَكَانًا عَلِيًّا) وَاعْلَى الْأَمَكَةِ الْمَكَانِ الَّذِي تَدُوْرُ عَلَيْهِ رَحَى عَالِمِ الْأَفْلَاكِ وَهُوَ فَلَكُ الشَّمْسِ وَفِيهِ مَقَامُ رُوحَانِيَّةِ اِدْرِيسِ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَتَحْتَهُ سَبْعَةُ أَفْلَاكِ وَفَوْقَهُ سَبْعَةُ أَفْلَاكِ وَهُوَ الْخَامِسُ عَشَرَ فَالَّذِي فَوْقَهُ فَلَكُ الْأَحْمَرِ وَفَلَكُ الْمُسْتَرِي وَفَلَكُ كَيَوَانَ وَفَلَكُ الْمَنَازِلِ وَفَلَكُ الْأَطْلَسِ فَلَكُ الْبُرُوجِ وَفَلَكُ الْكُرْسِيِّ وَفَلَكُ الْعَرْشِ وَالَّذِي دُونَهُ فَلَكُ الزُّهْرَةِ وَفَلَكُ الْكَاتِبِ وَفَلَكُ الْقَمَرِ وَكُرَّةُ الْأَثِيرِ وَكُرَّةُ الْهَوَاءِ وَكُرَّةُ الْمَاءِ وَكُرَّةُ الشَّرَابِ فَبَيْنَ حَيْثُ هُوَ قُطْبُ الْأَفْلَاكِ هُوَ سَرَفِيعُ الْمَكَانِ وَآمَّا عُلُوُّ الْمَكَانَةِ فَهُوَ لَنَا عَنِ الْمُحَمَّدِيِّينَ قَالَ تَعَالَى (وَأَنْتُمْ الْأَعْلَوْنَ وَاللَّهُ مَعَكُمْ) فِي هَذَا الْعُلُوِّ وَهُوَ يَتَعَالَى عَنِ الْمَكَانِ لَا عَيْنَ الْمَكَانِ وَلَمَّا خَافَتْ نَفُوسُ الْعُمَّالِ مِنَّا آتَبَعَهُ السَّعْيَةَ لِقَوْلِهِ (وَلَنْ يَتَرَكَكُمْ أَعْمَالَكُمْ) وَالْعَمَلُ يُطْلَبُ الْمَكَانَ وَالْعِلْمُ يُطْلَبُ الْمَكَانَةَ فَجَمَعْنَا بَيْنَ

الرُّفَعَتَيْنِ عَلُوُّ السَّكَنِ بِالْعَمَلِ وَعُلُوُّ الْمَكَانَةِ بِالْعِلْمِ ثُمَّ قَالَ تَسْرِيهَا لِلْإِشْتِرَاكِ بِالتَّبَعِيَّةِ (سَبِّحْ
 اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى) عَنْ هَذَا الْإِشْتِرَاكِ الْمَعْنَوِيِّ وَمِنْ أَحْجَبِ الْأُمُورِ كَوْنُ الْإِنْسَانِ أَعْلَى الْمَوْجُودَاتِ
 أَعْنَى الْإِنْسَانِ الْكَامِلَ وَمَا نَسَبَ إِلَيْهِ الْعُلُوُّ إِلَّا بِالتَّبَعِيَّةِ إِمَّا إِلَى السَّكَنِ وَإِمَّا إِلَى الْمَكَانَةِ وَهِيَ الْمَنْزِلَةُ فَمَا كَانَ عُلُوُّهُ
 لِدَايَتِهِ فَهُوَ أَعْلَى بِالسَّكَنِ وَبِالسَّكَنِ فَالْعُلُوُّ لَهَا فَفَعُلُوُّ السَّكَنِ (كَالسَّحَابِ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَى)
 وَهُوَ أَعْلَى الْأَمَاكِينِ وَعُلُوُّ الْمَكَانَةِ (كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ) (وَالْيَهُ يُرْجَعُ الْأَمْرُ كُلُّهُ) (وَهُوَ إِلَهُ مُقَمَّرٌ
 اللَّهُ) وَلَمَّا قَالَ تَعَالَى (وَسَمِعْنَا مَكَانًا عَلِيًّا) فَجَعَلَ عَلِيًّا نَعْتًا لِلْمَكَانِ (وَإِذَا قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَأِئِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ
 فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً) فَهَذَا عُلُوُّ الْمَكَانَةِ وَقَالَ فِي الْمَلَأِئِكَةِ (أَسْتَكْبَرْتَ أَمْ كُنْتَ مِنَ الْعَالِينَ) فَجَعَلَ الْعُلُوُّ
 لِلْمَلَأِئِكَةِ فَلَوْ كَانَ لِكُونِهِمْ مَلَأِئِكَةً لَدَخَلَ الْمَلَأِئِكَةُ كُلُّهُمْ فِي هَذَا الْعُلُوِّ فَلَمَّا لَمْ يَجْعَمْ مَعَ أَشْرَافِهِمْ
 فِي الْمَلَأِئِكَةِ عَرَفْنَا أَنَّ هَذَا عُلُوُّ الْمَكَانَةِ عِنْدَ اللَّهِ وَكَذَلِكَ الْخُلَفَاءُ مِنَ النَّاسِ فَإِنَّهُ لَوْ كَانَ عُلُوُّهُمْ
 بِالْخِلَافَةِ عُلُوًّا أَذَاتِيًّا لَكَانَ لِكُلِّ إِنْسَانٍ فَلَمَّا لَمْ يَجْعَمْ عَرَفْنَا أَنَّ ذَلِكَ الْعُلُوُّ لِلْمَكَانَةِ وَمِنْ أَسْمَاءِ
 الْحُسْنَى الْعِلَى عَلَى مَنْ وَمَا شَمَّهَ إِلَّا هُوَ فَهُوَ الْعِلَى لِدَايَتِهِ أَوْ عَنْ مَا ذَا وَمَا هُوَ إِلَّا هُوَ فَعُلُوُّهُ لِنَفْسِهِ
 وَهُوَ مِنْ حَيْثُ الْوُجُودِ عَيْنُ الْمَوْجُودَاتِ فَالْمُسَمَّى مُحَدَّثَاتٌ هِيَ الْعِلِيَّةُ لِدَايَتِهَا وَلَيْسَتْ إِلَّا هُوَ
 فَهُوَ الْعِلَى لَا عُلُوًّا إِضَافَةً لِأَنَّ الْأَعْيَانَ الَّتِي لَهَا الْعَدَمُ الثَّابِتَةُ فِيهِ مَا شَمَّتْ سَائِرَ الْحَقِّ مِنَ الْوُجُودِ
 فَهِيَ عَلَى حَالِهَا مَعَ تَعْدَادِ الصُّوَرِ فِي الْمَوْجُودَاتِ وَالْعَيْنُ وَاحِدَةٌ مِنَ الْمُجْتَمِعِ فِي الْجَمْعِ فَوُجُودُ
 الْكَثْرَةِ فِي الْأَسْمَاءِ وَهِيَ النِّسْبُ وَهِيَ أُمُورٌ عَدَمِيَّةٌ وَلَيْسَ إِلَّا الْعَيْنُ الَّتِي هِيَ الذَّاتُ فَهُوَ
 الْعِلَى لِنَفْسِهِ لَا بِالإِضَافَةِ فَمَا فِي الْعَالَمِ مِنْ هَذِهِ الْحَيْثِيَّةِ عُلُوًّا إِضَافَةً لِحِكْمِ الْوُجُودِ الْوُجُودِيَّةِ
 مُتَفَاضِلَةً فَعُلُوُّ الإِضَافَةِ مَوْجُودٌ فِي الْعَيْنِ الْوَاحِدَةِ مِنْ حَيْثُ الْوُجُودِ الْكَثِيرَةِ وَلِذَا لِكَ تَقُولُ
 فِيهِ هُوَ لَا هُوَ أَنْتَ لَا أَنْتَ قَالَ الْخَرَّائِمُ وَهُوَ وَجْهٌ مِنْ وَجُوهِ الْحَقِّ وَبِسَائِكِ مِنَ السِّنَةِ يُنْطِقُ
 عَنْ نَفْسِهِ بِأَنَّ اللَّهَ لَا يَعْرِفُ إِلَّا جَمْعُهُ بَيْنَ الْأَصْدَادِ فِي الْحُكْمِ عَلَيْهِ بِهَا فَهُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ
 وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ فَهُوَ عَيْنُ مَا ظَهَرَ فِي حَالِ بَطُونِهِ وَهُوَ عَيْنُ مَا بَطَنَ فِي حَالِ ظُهُورِهِ وَمَا شَمَّهَ
 مِنْ بَيِّنَاتٍ غَيْرَ مَا شَمَّهَ مِنْ بَيِّنَاتٍ عَنْهُ فَهُوَ ظَاهِرٌ لِنَفْسِهِ وَبَاطِنٌ عَنْهُ وَهُوَ الْمُسَمَّى أَبَا سَعِيدٍ
 الْخَرَّازِ وَغَيْرُ ذَلِكَ مِنْ أَسْمَاءِ الْمُحَدَّثَاتِ فَيَقُولُ الْبَاطِنُ لَا إِذَا قَالَ الظَّاهِرُ أَنَا وَيَقُولُ الظَّاهِرُ
 لَا إِذَا قَالَ الْبَاطِنُ أَنَا وَهَذَا فِي كُلِّ صِنْدٍ وَالتَّكَلُّمُ وَاحِدٌ وَهُوَ عَيْنُ السَّامِعِ كَمَا يَقُولُ النَّبِيُّ

صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللَّهَ يُجَاوِزُ عَنْ أُمَّتِي مَا حَدَّثَتْ بِهِ أَنْفُسُهَا فَهِيَ الْمَحْدَّثَةُ السَّامِعَةُ حَدِيثُهَا
 وَالْعَالِيَةُ بِمَا حَدَّثَتْ بِهِ أَنْفُسُهَا وَالْعَيْنُ وَاحِدَةٌ وَإِنْ اخْتَلَفَتْ الْأَحْكَامُ وَلَا سَبِيلَ إِلَى الْجَهْلِ مِثْلُ
 هَذَا فَإِنَّهُ يَعْلَمُهُ كُلُّ إِنْسَانٍ مِنْ نَفْسِهِ وَهُوَ صُورَةُ الْحَقِّ فَاخْتَلَطَتْ الْأُمُورُ وَظَهَرَتْ الْأَعْدَادُ
 بِالْوَاحِدِ فِي السَّرَاتِبِ الْمَعْلُومَةِ فَأَوْجَدَ الْوَاحِدُ الْعَدَدَ وَفَعَّلَ الْعَدَدُ الْوَاحِدَ وَمَا ظَهَرَ حُكْمُ
 الْعَدَدِ إِلَّا بِالْمَعْدُودِ وَالْمَعْدُودُ مِنْهُ عَدَمٌ وَمِنْهُ وَجُودٌ فَقَدْ يَعْدَمُ الشَّيْءُ مِنْ حَيْثُ الْحَيُّ وَمَوْجُودٌ
 مِنْ حَيْثُ الْعَقْلُ فَلَا بُدَّ مِنْ عَدَدٍ وَمَعْدُودٍ وَلَا بُدَّ مِنْ وَاحِدٍ يُنْشِئُ ذَلِكَ فَيُنْشَأُ بِسَبَبِهِ فَإِنْ
 كَانَ بِكُلِّ مَرْتَبَةٍ مِنَ الْعَدَدِ حَقِيقَةٌ وَاحِدَةٌ كَالِثَلَاثَةِ مِثْلًا وَالْعَشْرَةِ إِلَى أَدْنَى وَإِلَى أَكْثَرٍ إِلَى غَيْرِ
 النِّهَائِيَةِ مَا هِيَ مَجْمُوعٌ لَا يَنْفَكُ عَنْهَا إِسْجَمُ الْإِحَادِ فَإِنَّ الْإِثْنَيْنِ حَقِيقَةٌ وَاحِدَةٌ وَالثَّلَاثَةُ
 حَقِيقَةٌ وَاحِدَةٌ بِالِغَاثِ نَبَغَتْ هَذِهِ السَّرَاتِبُ وَإِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَمَا عَيْنُ وَاحِدَةٍ مِنْهُنَّ عَيْنٌ مَا
 بَقِيَ فَالْجَمْعُ يَأْخُذُهَا فَتَقُولُ بِهَا مِنْهَا وَتَحْكُمُ بِهَا عَلَيْهَا وَقَدْ ظَهَرَ فِي هَذَا الْقَوْلِ عَشْرُونَ مَرْتَبَةً
 فَقَدْ دَخَلَهَا التَّرْكِيْبُ فَمَا تَنْفَكُ تَبَيَّنَ عَيْنٌ مَا هُوَ مُنْفَكٌ عِنْدَكَ لِيَدَايِهِ وَمَنْ عَرَفَ مَا قَرَّرْنَاهُ
 فِي الْأَعْدَادِ وَأَنَّ نَفِيهَا عَيْنٌ ثَبَتَهَا عَلِمَ أَنَّ الْحَقَّ الْمُرَّةَ هُوَ الْخَلْقُ الْمُسَبَّهٌ وَإِنْ كَانَ قَدْ تَمَيَّنَ
 الْخَلْقُ مِنَ الْخَالِقِ فَالْأَمْرُ الْخَالِقُ الْخَلُوقُ وَالْأَمْرُ الْخَلُوقُ الْخَالِقُ كُلُّ ذَلِكَ مِنْ عَيْنٍ وَاحِدَةٍ لَا
 بَلْ هُوَ الْعَيْنُ الْوَاحِدَةُ وَهُوَ الْعِيُونُ الْكَثِيرَةُ (فَانْظُرْ مَاذَا تَرَى قَالِ يَا أَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ)
 وَالْوَلَدُ عَيْنُ أَبِيهِ تَمَارَى يَذُبُّهُ سِوَى نَفْسِهِ وَقَدْ آكَ يَذُبُّ عَظِيمَ ظَهَرِ صُورَةٍ كَبِشَ مَنْ ظَهَرَ بِصُورَةِ إِنْسَانٍ وَظَهَرَ
 بِصُورَةٍ وَلَدٍ لَا بَلْ ظَهَرَ بِحُكْمِهِ وَلَدٍ مَنْ هُوَ عَيْنُ الْوَالِدِ (وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا) فَمَا نَكَّحَ سِوَى
 نَفْسِهِ فَبَيْنَهُ الصَّاحِبَةُ وَالْوَلَدُ وَالْأَمْرُ وَاحِدٌ فِي الْعَدَدِ فَتَمِينَ الطَّبِيعَةُ وَالظَّاهِرُ مِنْهَا وَمَا رَأَيْنَاهَا
 نَقَصَتْ بِمَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلَا تَرَادَتْ بِعَدَمِ مَا ظَهَرَ وَمَا الَّذِي ظَهَرَ غَيْرُهَا وَمَا هِيَ عَيْنُ مَا ظَهَرَ
 لِاخْتِلَافِ الصُّوَرِ بِالْحُكْمِ عَلَيْهَا فَهَذَا أَبَارِدُ يَا بَشَرُ وَهَذَا حَارٌّ يَا بَشَرُ فَجَمَعَهُ بِالْيُبْسِ وَأَبَانَ بِغَيْرِ
 ذَلِكَ وَالْجَامِعُ الطَّبِيعَةُ لَا بَلْ عَيْنُ الطَّبِيعَةِ فَعَالِمُ الطَّبِيعَةِ صَوَّرَ فِي مُرَارَةٍ وَاحِدَةٍ لَا بَلْ صُورَةُ
 وَاحِدَةٍ فِي مَرَايَا مُخْتَلِفَةٍ فَمَا شَمَّ إِلَّا الْجِيرَةُ لِتَفَرُّقِ النَّظَرِ وَمَنْ عَرَفَ مَا قُلْنَا لَمْ يَجْرَوْ
 وَإِنْ كَانَ فِي مَزِيدٍ عِلْمٍ فَلَيْسَ إِلَّا مِنْ حُكْمِ الْحَقِّ وَالْحَقُّ عَيْنُ الْعَيْنِ الثَّابِتَةِ فِيهَا يَتَنَوَّعُ
 الْحَقُّ فِي السَّجَلِ فَيَتَنَوَّعُ الْأَحْكَامُ عَلَيْهِ فَيَقْبَلُ كُلُّ حُكْمٍ وَمَا يَحْكُمُ عَلَيْهِ إِلَّا الْعَيْنُ مَا تَجَلَّى فِيهِ وَمَا

ثُمَّ الْإِهْدَاءِ شَعْر

فَالْحَقُّ خُلِقَ بِهَذَا الْوَجْهِ فَاعْتَبِرُوا ۝ وَلَيْسَ خَلْقًا بِذَلِكَ الْوَجْهِ قَادِرُونَ
مَنْ يَدْرِي مَا قُلْتُ لَوْ تَخَذَلُ بِهَيْبَتِهِ ۝ وَلَيْسَ يَدْرِيهِ إِلَّا مَنْ لَهُ بَصَرٌ
جَمَعَ وَفَرَّقَ فَإِنَّ الْعَيْنَ وَاحِدَةٌ ۝ وَهِيَ الْكَثِيرَةُ لَا تَبْقَى وَلَا تَذَرُ

فَالْعَلَىٰ لِنَفْسِهِ هُوَ الَّذِي يَكُونُ لَهُ الْكَمَالُ الَّذِي يَسْتَفِرِّقُ بِهِ جَمِيعَ الْأُمُورِ الْوُجُودِيَّةِ وَالنِّسَبِ
الْعَدَمِيَّةِ بِحَيْثُ لَا يُمَكِّنُ أَنْ يَفُوتَهُ نَعْتُ مِنْهَا وَسِوَاءُ كَانَتْ مُحْشُودَةً عُرْفًا وَعَقْلًا وَشَرْعًا أَوْ
مَذْمُومَةً عُرْفًا وَعَقْلًا وَشَرْعًا وَلَيْسَ ذَلِكَ إِلَّا لِيُسَمَّى اللَّهُ خَاصَّةً وَأَمَّا غَيْرُ مُسَمًّى اللَّهِ خَاصَّةً
مِثْلَهُوَجَلَّ لَهُ أَوْ صُورَةً فِيهِ فَإِنْ كَانَ مَجْلً لَهُ فَيَقَعُ التَّفَاضُلُ لَا بُدَّ مِنْ ذَلِكَ بَيْنَ مَجْلً وَمَجْلً وَ
إُمْكَانَ صُورَةٍ فِيهِ فَيَلْكَ الصُّورَةُ عَيْنُ الْكَمَالِ الدَّائِي لِيُسَمَّى اللَّهُ لِأَنَّهَا عَيْنٌ مَا ظَهَرَتْ فِيهِ
فَالَّذِي لِيُسَمَّى اللَّهُ هُوَ الَّذِي لِيَلْكَ الصُّورَةُ وَلَا يُقَالُ هِيَ هُوَ وَلَا هِيَ غَيْرُهُ وَقَدْ أَشَارَ أَبُو الْقَاسِمِ
ابْنُ قَسِيٍّ فِي خَلْعِهِ إِلَىٰ هَذَا يَقُولُهُ إِنَّ كُلَّ اسْمٍ إِلَهِيٍّ يُسَمَّى بِجَمِيعِ الْأَسْمَاءِ إِلَّا لِهَيْبَةٍ وَيُنْعَتُ بِهَا
وَذَلِكَ هُنَا أَنَّ كُلَّ اسْمٍ يَدُلُّ عَلَى الدَّائِي وَعَلَى الْمَعْنَى الَّذِي سَبَقَ لَهُ وَيَطْلُبُهُ فِيمَنْ حَيْثُ
دَلَّاهُ عَلَى الدَّائِي لَهُ جَمِيعُ الْأَسْمَاءِ وَمِنْ حَيْثُ دَلَّاهُ عَلَى الْمَعْنَى الَّذِي يَتَفَرَّدُ بِهِ يَتَمَيَّزُ عَنْ
غَيْرِهِ كَالرَّبِّ وَالْخَالِقِ وَالْمُصَوِّرِ إِلَى غَيْرِ ذَلِكَ فَالْأَسْمَاءُ عَيْنُ السُّمِّيِّ مِنْ حَيْثُ الدَّائِي وَالْأَسْمَاءُ
غَيْرُ السُّمِّيِّ مِنْ حَيْثُ مَا يُخْتَصُّ بِهِ مِنَ الْمَعْنَى الَّذِي سَبَقَ لَهُ فَإِذَا فَهِمْتَ أَنَّ الْعَلَىٰ مَا ذَكَرْنَا لَا عِلْمَتْ
أَنَّهُ لَيْسَ عُلُوًّا الْمَكَانِ وَلَا عُلُوًّا الْمَكَانَةِ فَإِنَّ عُلُوًّا الْمَكَانَةِ يَخْتَصُّ بِوَلَاةِ الْأَمْرِ كَالسُّلْطَانِ وَ
الْحُكَّامِ وَالْوُزَرَءِ وَالْقُضَاةِ وَكُلِّ ذِي مَنْصِبٍ سِوَاءُ كَانَتْ فِيهِ أَهْلِيَّةٌ ذَلِكَ السُّعْبِ أَوْ لَمْ يَكُنْ
وَالْعُلُوُّ بِالصِّفَاتِ لَيْسَ كَذَلِكَ فَإِنَّهُ قَدْ يَكُونُ أَعْلَمَ النَّاسِ يَتَحَكَّمُ فِيهِ مَنْ لَهُ مَنْصِبُ التَّحْكُمِ
وَأِنْ كَانَ أَجْهَلَ النَّاسِ وَهَذَا عَلَى الْمَكَانَةِ بِحُكْمِ التَّبَعِ مَا هُوَ عَلَى نَفْسِهِ فَإِذَا عُرِلَ دَلَّاهُ
بِرَفْعَتِهِ وَالْعَالِمُ لَيْسَ كَذَلِكَ ۝

یہ حکمت قدوسہ کا قص کلمہ ادبسیہ کے بیان میں ہے

قدوس بمعنی مقدس کے اسم مفعول باب تفعیل سے ہے جیسے کہ سُبُوح بمعنی سبوح کے اسم مفعول باب

تفہیل سے ہے اور یہ ہر دونوں اسمِ اسمائے حسنیٰ میں سے ہیں۔ تسبیح سے مراد نقائصِ امکانیہ سے حق تعالیٰ کی تنزیہ ہے مثل احتیاج وغیرہ کے اور تقدیس سے مراد نقائصِ امکانیہ اور صفاتِ کمالیہ مخلوق سے حق تعالیٰ کی تنزیہ ہے جیسے کہ طاعت اور عبادت وغیرہ ہیں۔ پس تقدیس تسبیح سے انحصار ہے اسی لئے حق تعالیٰ کے قول وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ میں تسبیح تقدیس پر مقدم ہوتی۔ چونکہ تسبیح کو تقدیس پر تقدم حاصل ہے اسلئے فص حکمت قدوسیہ کو فص حکمت سبوحیہ کے بعد بیان کیا۔ نیز حکمت سبوحیہ کا اختتام اس امر پر ہوا کہ حضرت نوح علیہ السلام کے اسرارِ جاننے کیلئے ضروری ہے کہ انسان ذات حق میں محو اور مستغرق ہو کر مقامِ قدس میں پہنچ جائے لہذا حکمت سبوحیہ کے بعد حکمت قدوسیہ کا بیان شروع کیا گیا ہے۔ فص حکمت قدوسیہ کو حضرت ادریس علیہ السلام کی طرف اسلئے منسوب کیا گیا ہے کہ انہوں نے بہ سبب تقدیس حق اور عبادت شاقہ کے مقدس اور مطہر ہو کر عالم ارواح اور ملائکہ کیساتھ مناسبت اور مخالطت پیدا کر لی تھی۔ اور صفات روحانی کو صفات جسمانی پر غلبہ دے کر صاحبِ معراج ہو گئے تھے۔ منقول ہے کہ ادریس علیہ السلام نے سولہ برس تک خواب و خور ترک کیا اور آپ عقل مجرّد ہو گئے اسی لئے حق تعالیٰ نے اُن کو مکانِ عالی میں اُٹھالیا لِقَوْلِهِ تَعَالَى (وَرَفَعْنَاكَ مَكَانًا عَلِيًّا)۔

عُلُوٌّ یعنی بلندی دو قسم پر ہے ایک عُلُوٌّ مکانی دوسری عُلُوٌّ رُتبی ہے۔ عُلُوٌّ مکانی پر آیہ ذیل شاہد ہے (وَرَفَعْنَاكَ مَكَانًا عَلِيًّا) اور ادریس کو ہم نے مکانِ بلند میں چڑھا لیا۔ مکانوں میں سے اعلیٰ مکان وہ ہے جس پر عالمِ الافلاک کی چکی گھومتی ہے اور وہ فلکِ شمس ہے۔ فلکِ شمس آسمانِ چہارم کو کہتے ہیں۔ اور اسی میں ادریس علیہ السلام کی روحانیت کا مقام ہے۔ فلکِ شمس کے نیچے سات افلاک ہیں اور اوپر بھی سات افلاک ہیں اور فلکِ شمس پندرہواں ہے۔ فلکِ شمس کے اوپر والے افلاک مندرجہ ذیل ہیں: فلکِ الاحمر و فلکِ المشتري و فلکِ کیوان و فلکِ المنازل و فلکِ الاطلس جو فلکِ البروج ہے و فلکِ الحُرسی اور فلکِ العرش۔ اور فلکِ شمس کے نیچے والے افلاک فلکِ زہرہ و فلکِ کاتب و فلکِ قمر و کرہ و آتش و کرہ و ہوا و کرہ و پانی اور کرہ و خاک ہیں۔ پس اس اعتبار سے کہ فلکِ شمس قطبِ الافلاک ہے رفیع المکان ہے۔ مراد یہ ہے کہ چونکہ جملہ افلاک کے نجوم کو فیض بواسطہ قمر شمس ہی سے پہنچ رہا ہے اسلئے فلکِ شمس کو رفیع المکان شمار کیا گیا ہے حقیقت میں شمس سے مراد حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور قمر سے مراد حضرت غوث الاعظم پاک رضی اللہ عنہ ہے اور نجوم سے مراد جملہ سابقہ انبیاء و جملہ اولیاء علیہم السلام ہے۔ پس عالمِ الافلاک کی چکی فلکِ شمس پر گھوم رہی ہے یعنی جمیع عوالم کا قیام ساتھ شمس

احدیّت جناب محمد پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ہے ۔

اور علو مکانت یعنی علو رتبی ہمارے لئے یعنی محمدیوں کیلئے ثابت ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے اس علو کے متعلق فرمایا (وَ اَنْتُمْ اَلْاَعْلَوْنَ وَاللّٰهُ مَعَكُمْ) اور تم بلند مرتبے والے ہو اور اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ہے ۔

اور اللہ تعالیٰ برتر ہے علو مکانی سے نہ علو رتبی سے یعنی اللہ تعالیٰ کو جو علو یعنی بلندی شان حاصل ہے وہ کسی خاص مکان کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ اُس کا علو ذاتی ہے اور وہ علو کی خاطر کسی چیز کا محتاج نہیں۔ علو رتبی سے وہ برتر یعنی بے نیاز نہیں۔ مراد یہ ہے کہ اُس کے مراتب کثیر ہیں اور ہر انسان میں اُس کا ایک نیا رتبہ اور اُس کی ایک خاص شان ہے۔ پس وہ اعلیٰ مراتب حاصل کرنے کیلئے اعلیٰ مہیا کا طالب ہے اسی لئے اُس ذات نے علو مکانت حاصل کرنے کیلئے سرکارِ دو عالم جناب محمد پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب پاک کو اپنے لئے مجلیٰ اعظم اور مرآتِ تامہ ٹھہرایا۔ لہذا حقیقتاً کیلئے مکان کوئی مخصوص نہیں لیکن مکانت مخصوص ہے اور حقیقتاً کی مکانت مکانت محمد پاک صلی اللہ علیہ وسلم۔ اس سے یہ مراد نہیں کہ حقیقتاً کی مکانت محدود ہے بلکہ اُس کی مکانت مخصوص ہے اور وہ مکانت محمد پاک صلی اللہ علیہ وسلم جو غیر محدود اور غیر متناہی ہے ۔

جو لوگ نیک اعمالِ علم اور معرفت کیساتھ کرتے ہیں اُن کو علو مکان و مکانت دونوں حاصل ہیں اور جو لوگ بلا حکمت و معرفت نیک اعمال کرتے ہیں اُن کو صرف علو مکان حاصل ہے نہ کہ علو مکانت۔ اس لئے جب محمدیوں میں سے عالمین بلا علم اس امر سے ڈرے کہ وہ علو مکانت یعنی بلندی مراتب سے محروم رہیں گے تو حقیقتاً نے اُن کی تسلی کیلئے بعد ایت معیت (وَاللّٰهُ مَعَكُمْ) یہ آیت اتاری (وَلَنْ يَّيْتَرَ كُفْرًا عَمَّا لَكُمْ) اور اللہ تعالیٰ ہرگز تمہارے اعمالِ ضائع نہ کریگا یعنی اگر تم کو معیت ذاتی کی معرفت نصیب ہو گئی تو تم کو بلند مراتب نصیب ہونگے اور اگر معرفت الہی کی خوشبو آپ کے دماغوں نے نہ سونگھی تو بھی آپ کے اعمال اور مجاہدات ضائع نہیں جائیں گے بلکہ آپ کو دارِ آخرت میں اعلیٰ مکان نصیب ہوگا۔ عمل کا تعلق جسد کے ساتھ ہے جسب نیک اعمال کی بدولت علو مکان کا طالب ہے اور چاہتا ہے کہ پرواز کرے اور سموات کو چیر کر عرشِ معلیٰ تک پہنچ جائے۔ علم کا تعلق روح کیساتھ ہے اس لئے روح انسان علو مکانت کا طالب ہے اور چاہتا ہے کہ ذاتِ حق میں محو اور مستغرق ہو کر فنا اور بقا کی لذت چکھے اور مقامِ تمکین و استقامت پر فائز ہو جائے۔ لہذا ہم جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے باب اور وارث ہیں کیلئے حقیقتاً نے دونوں بلندیاں جمع کر دی ہیں۔ ہم کو نیک اعمال اور مجاہدات کی توفیق دی ہے تاکہ ہم علو مکان حاصل کر سکیں اور ہم کو معرفت الہی کی توفیق بخشی تاکہ ہم علو مکانت بھی حاصل کر سکیں۔ پس حضور

صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت مبارکہ کے بعض کمل افراد کو ادریس علیہ السلام پر فضیلت حاصل ہے کیونکہ اُن کو صرف عُلُو مکان حاصل ہے عُلُو مکانت حاصل نہیں۔ آیہ کریمہ (وَأَنْتُمْ الْأَعْلَوْنَ وَاللَّهُ مَعَكُمْ) سے عُلُو میں اللہ تعالیٰ کا بندے کیسا قدرِ اشتراک معنوی ثابت ہوتا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ کیلئے عُلُو ذاتی ہے اور بندے کیلئے عطائی ہے اس لئے اس شریکت کے مفہوم سے اپنے آپ کو پاک کرنے کیلئے ارشاد فرمایا (سَبِّحْ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى) اپنے رب کی پاکی بیان کر جو اعلیٰ ہے یعنی جس کو عُلُو ذاتی حاصل ہے۔ اور تمام اُمور میں سے عجیب ترین چیز یہ ہے کہ تمام موجودات سے انسان اعلیٰ ہے۔ انسان سے مراد انسانِ کامل ہے۔ انسانِ کامل کا لفظ اصالتاً سرکارِ دو عالم جناب محمد پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر عائد ہوتا ہے۔ دیگر جملہ کاملین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نائب ہیں۔ عُلُو کی نسبت انسان کیطرف خواہ عُلُو مکانی ہو خواہ عُلُو رُتبی بالتحیح ہے ذاتی نہیں۔ مکانت سے مراد منزلت مرتبہ اور درجہ ہے پس انسانِ کامل اسلئے بلند ہے کہ اس کو بلندی مکان و بلندی مکانت دونوں حاصل ہیں ورنہ وہ بھی تو انسان ہی ہیں جو کالانعام بلکہ اُن سے بھی زیادہ گمراہ ہیں۔ لہذا بلندی حقیقتاً مکان اور مکانت یعنی مرتبہ کو حاصل ہے کیونکہ اگر انسان اعلیٰ مکان اور اعلیٰ مکانت حاصل کر لیتا ہے تو وہ اعلیٰ ہو جاتا ہے اور اگر اعلیٰ مکان اور اعلیٰ مکانت سے محروم ہے تو اسفل السافلین میں شامل ہو جاتا ہے۔

عُلُو مکان پر آیہ کریمہ (الْمَرْحَلُونَ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَى) رحمن عرش پر مستوی ہے دال ہے۔ اور عرشِ بلند ترین مکان ہے۔ اس سے یہ مراد نہیں کہ ذات حق عرش پر مقید ہے بلکہ اس سے یہ مراد ہے کہ عرش پر بھی اُس کا تجلی ہے۔ جیسے کہ اُس کا فرش پر تجلی ہے ایسے ہی اُس کا عرش پر تجلی ہے۔ عُلُو مکانت پر مندرجہ ذیل آیات دال ہیں: (۱) (كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ) سوائے اللہ تعالیٰ کی ذات کے ہر شے ہلاک ہونے والی ہے۔ (۲) (وَالْيَهُ يَرْجِعُ الْأَمْرَ كُلَّهُ) اور حق تعالیٰ تمام اُمور کا مرجع ہے (۳) (وَعَالَهُ مَعَ اللَّهِ) اور آیا ساتھ اللہ تعالیٰ کے کوئی معبود ہے۔ ان تینوں آیات سے حق تعالیٰ کیلئے عُلُو مکانت یعنی عُلُو رُتبی ثابت ہے۔ اور جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا (وَسَافَعْنَاكَ مَكَانًا عَلِيًّا) اور ادریس کو ہم نے مکانِ بلند میں چڑھالیا تو بلندی کی نسبت مکان کی طرف کی۔ اور آیہ کریمہ (وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً) اور جب تیرے رب نے فرشتوں کو فرمایا کہ تحقیق میں زمین میں نائب بنانے والا ہوں، خلیفہ کی عُلُو مکانت پر دال ہے۔ اس طرح عالین فرشتوں کے متعلق فرمایا (أَسْتَكْبَرْتَ أَمْ كُنْتَ مِنَ الْعَالِينَ) تو نے تکبر کیا یا تو بلند مرتبہ فرشتوں میں سے تھا؟ پس اللہ تعالیٰ نے عُلُو کو فرشتوں کیلئے گردانا۔ اگر یہ عُلُو اُن کیلئے فرشتے ہونے کی حیثیت سے ہوتی تو اس عُلُو میں سب فرشتے داخل ہوتے۔

چونکہ اللہ تعالیٰ نے سب کو اس زمرہ ملائکہ میں داخل نہیں کیا تو ہم نے اس امر کو پایا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ بلندی مرتبہ کی وجہ سے نہ کہ ذاتی۔ اور انسانوں میں سے جو خلفاء ہیں اُن کا بھی ایسا ہی حال ہے کیونکہ اگر خلفاء کے علو کی وجہ بلندی ذاتی ہوتی تو ہر انسان اس علو میں شامل ہوتا۔ چونکہ اس بلندی میں ہر انسان شامل نہیں ہے تو ہم نے اس بات کو پہچان لیا کہ یہ علو واسطے مرتبہ کے ہے۔

اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے ایک اسمِ علیّ ہے۔ علیّ سے مراد ہے کسی شخص کے اوپر بلندی رکھنے والا اور یہ علو مکان ہے۔ مگر چونکہ حقیقی کا غیر تو موجود ہی نہیں ہے اسلئے یہ اصنافِ علو حقیقی کیلئے متحقق نہیں۔ پس ثابت ہوا کہ اُس کا علو ذاتی ہے۔ یا علیّ سے مراد ہے کسی شے کے اوپر بلندی رکھنے والا اور یہ علو مکان ہے۔ مگر چونکہ حقیقی کے سوا کوئی شے موجود ہی نہیں اسلئے یہ اصناف بھی حقیقی کیلئے متحقق نہیں۔ پس ثابت ہوا کہ بلندی حقیقی کی بذاتہ ہے۔ چونکہ جملہ موجودات کا وجود حقیقی کیساتھ ہے اسلئے حقیقی موجودات کا عین ہے۔ لہذا موجودات جن کو محدثات کہا جاتا ہے بھی بذاتہ بلند ہیں۔ محدثات کا وجود سوائے حقیقی کے نہیں ہے پس حقیقی کیلئے علو ذاتی ہے اصنافی نہیں ہے۔ اعیانِ ثابتہ یعنی صورِ علمیہ کا وجود علمی ہے عینی اور خارجی نہیں۔ اس اعتبار سے وہ عدم میں ہیں لیکن علم میں ثابت ہیں۔ اس عدم کو عدمِ اصنافی کہا جاتا ہے کیونکہ عدم محض کا وجود ہی نہیں۔ عدمِ اصنافی اسلئے ہے کہ یہ نسبتِ ظہور کے باطن اور عدم میں ہے۔ اعیانِ ثابتہ یا صورِ علمیہ نے وجود خارجی کی بُو بھی نہیں سونگھی پس وہ اپنے حال پر ہیں اگرچہ موجودات خارجیہ کی لامتناہی صور پر اعیانِ ثابتہ کا ہی ظہور ہے فیضِ اقدس سے جمیع کائنات کی علمی صورتیں اللہ تعالیٰ کے علم میں تیار ہو گئیں۔ فیضِ مقدس سے جمیع کائنات کی خارجی صورتیں علمی صورتوں کے احکام اور آثار کے مطابق خارج میں تیار ہو گئیں۔ کائنات کی علمی صورتیں اب بھی ویسے ہی اللہ تعالیٰ کے علم میں موجود ہیں۔ ہر موجود کے دو وجود ہیں۔ ایک علمی وجود دوسرا خارجی وجود۔ علمی وجود ہر موجود کا اللہ تعالیٰ کے علم میں ثابت ہے لہذا قدیم ہے اور خارجی وجود حادث ہے۔ خارجی وجود اس علمی وجود کے احکام اور آثار کے مطابق ظاہر ہوتا ہے۔ وہ علمی وجود بذاتِ خود اللہ تعالیٰ کے علم میں ہی موجود رہتا ہے، وہ بنفسہ خارج میں ظاہر نہیں ہوتا۔ مثال کے طور پر ایک انجیئر کے ذہن میں ایک مکان کا نقشہ ہوتا ہے۔ وہ اُس ذہنی نقشہ کو کاغذ پر اتار لیتا ہے۔ پھر اُس کاغذی نقشہ کے مطابق مکان خارج میں تیار کر دیتا ہے۔ مکان کے خارجی وجود کے باوجود مکان کا ذہنی نقشہ بدستور انجیئر کے ذہن میں باقی رہتا ہے۔ ایسے ہی موجودات کے خارجی وجود کے باوجود موجودات کے علمی وجود اللہ تعالیٰ کے علم میں بدستور موجود ہیں۔ موجودات کے علمی وجود کا نام ہی اعیانِ ثابتہ یا صورِ علمیہ ہے۔ پس

صَوْرَ عَلَمِیہ اپنے اسی حال میں بدستور اللہ تعالیٰ کے علم میں موجود ہیں۔ انہوں نے وجود خارجی کی بوجہ نہیں سونگی بلکہ موجودات کا خارجی وجود اُن صَوْرِ عَلَمِیہ کے احکام اور آثار کے مطابق ظاہر ہوا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ جمیع موجودات قبل از ظہور علم الہی میں بحیثیت صَوْرِ عَلَمِیہ یا اعیان ثابۃ موجود تھے۔ علم الہی اللہ تعالیٰ کی صفت ہے جو ذات سے کسی صورت میں متفک اور جدا نہیں ہو سکتی لہذا یہ اس امر پر دلالت ہے کہ ذات واحد جمیع عوالم کی جمیع موجودات پر جلوہ نما ہے۔ اگرچہ موجودات خارجیہ میں کثرت لامتناہی ہے لیکن یہ کثرت وحدت پر حجاب نہیں۔ مثال کے طور پر بحر کی امواج لامتناہی ہیں لیکن جمیع امواج کی صورت پر آب واحد کا ظہور ہے۔ کتاب میں حروف اور الفاظ کی کثرت بیشمار ہے لیکن جمیع حروف اور الفاظ کی صورت پر سیاہی واحد کا ظہور ہے۔ موجودات میں کثرت اسمائے الہیہ کی کثرت کے باعث ہے۔ اسماء الہیہ ذات واحد کی نسبتیں ہیں۔ مثلاً وہ ہی ذات جو ایک نسبت سے منعم ہے دوسری نسبت سے مننعم ہے۔ ایک نسبت سے رحیم کریم ہے دوسری نسبت سے جبار قہار ہے۔ علیٰ ہذا القیاس اسمائے الہیہ لامتناہی ہیں لہذا کثرت موجودات جو اسمائے الہیہ کے مرایا اور مظاہر ہیں بھی لامتناہی ہے۔ اسمائے الہیہ امور عدمیہ ہیں یعنی خارج میں ان کا وجود نہیں پایا جاتا۔ تمام اسمائے الہیہ کی حقیقت ایک ذات ہے اور وہ ذات حق تعالیٰ کی ذات ہے۔ پس حق تعالیٰ کا علو بذاتہ ہے نہ بالاضافہ۔ پس اس اعتبار سے یعنی حقیقت کے اعتبار سے علو اضافی کا وجود عالم میں نہیں پایا جاتا لیکن چونکہ وجود واحد کے مظاہر کثیر ہیں اور اُن میں آپس میں تفاضل پایا جاتا ہے اسلئے باعتبار مظاہر کثیرہ کے ذات واحد میں علو اضافی موجود ہے۔ مثال کے طور پر ایک مکان دوسرے مکان سے اونچا ہے۔ اگرچہ بذاتہ دونوں کو علو مکانی حاصل ہے لیکن پہلے مکان کا دوسرے کی بہ نسبت زیادہ بلند ہونا اُس کی علو اضافی پر دلیل ہے۔ ایک نبی دوسرے نبی سے افضل ہے۔ اگرچہ دونوں کو علو مکانت بذاتہ حاصل ہے لیکن پہلے نبی کا دوسرے نبی کی بہ نسبت افضل ہونا اُس کے علو اضافی پر تصریح ہے۔

اور اسی لئے ہر مظہر کی شان میں ہم کہتے ہیں کہ وہ وہ نہیں ہے اور تو تو نہیں ہے۔ مراد یہ ہے کہ تمام موجودات کی صورت پر ذات واحد کا ظہور ہے مثال کے طور پر اَلِف اَلِف نہیں ہے اور ب ب نہیں ہے بلکہ اَلِف اور ب کی صورت پر ایک سیاہی کا ظہور ہے۔ ابو سعید خدریؓ از جو حق تعالیٰ کے مظاہر میں سے ایک مظہر ہیں اور اُس کی زبانوں میں سے ایک زبان ہیں، کا قول ہے کہ تحقیق اللہ تعالیٰ نہیں پہچانا جاتا سوائے اس حقیقت کے کہ وہ ذات جامع الاضداد ہے اور اس پر اللہ تعالیٰ کا کلام (هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ) شاہد ہے۔ اول آخر

کی ضد ہے اور ظاہر باطن کی ضد ہے۔ رب تعالیٰ نے اشارہ فرمادیا ہے کہ وہ ذات جامع الاضداد ہے۔ اُس میں جملہ اَضداد جمع ہیں۔ صرف اَوَّل آخر ظاہر باطن پر موقوف نہیں بلکہ حق اور خلق جلال اور جمال اسلام و کفر سب اُس ذات میں جمع ہیں۔ جامع الاضداد سے مراد عین الاضداد ہے۔ آیہ کریمہ اِس امر کی طرف اشارہ کر رہی ہے کہ اَقْلہ وَاکْثَر سِوَا اللّٰہ ہے اور اُس کے سوا کوئی موجد نہیں۔ پس حقیقی حال بطون میں جو کچھ ظاہر ہے اُس کا بھی عین ہے اور حال ظہور میں جو کچھ باطن ہے اُس کا بھی عین ہے۔ عالم یا انسان کا ظاہر اللہ تعالیٰ کا ظاہر ہے۔ عالم یا انسان کا باطن اللہ تعالیٰ کا باطن ہے۔ مراد یہ ہے کہ ہر شے کی صورت بھی حقیقی ہے اور ہر شے کا معنی بھی حقیقی ہے۔ اور اِس جگہ کوئی چیز نہیں جس کو حقیقی اپنا غیر دیکھے اور نہ ہی اُس کے سوا کوئی چیز ہے جس سے وہ باطن میں رہے پس حقیقی ظاہر بھی اپنی ذات ہی کیلئے ہے اور باطن بھی اپنی ذات ہی سے ہے۔ ابو سعید خدریؓ اُسی کا ایک اسم ہے بلکہ محدثات کے جملہ اسماء اُسی کے اسماء ہیں۔ جس وقت اسم ظاہر کہتا ہے میں ہوں اسم باطن کہتا ہے میں نہیں ہوں اور جس وقت اسم باطن کہتا ہے میں ہوں اسم ظاہر کہتا ہے میں نہیں ہوں۔ اور یہ حکم جملہ اَضداد میں ہے حالانکہ متکلم واحد ہے۔ مراد یہ ہے کہ انسان کا ظاہر اللہ کا ظاہر ہے اور انسان کا باطن اللہ کا باطن ہے۔ انسان کا ظاہر اُس کی صورت اور خبد ہے اور انسان کا باطن اُس کی رُوح ہے۔ خبد اور ہے رُوح اور ہے حالانکہ متکلم انسان واحد ہے۔ اِس طرح جملہ اَضداد انسان میں جمع ہیں۔ نیز اِس میں یہ اشارہ ہے کہ اَضداد میں سے جو نسی ضد غالب آجائے ضد متقابلہ مغلوب ہو جاتی ہے۔ انسان کے جسد کی پرورش کی جائے اور شجرہ رُوح کو پانی بھی نہ ملے تو رُوح کا پودا خشک ہو جائیگا اور جہم کا درخت تازہ و فربہ ہو جائیگا۔ صفات حیوانیت غالب آجائیں گی اور صفات رُوح مغلوب ہو جائیں گی۔ اِسی طرح جب رُوح کی پرورش کی جاتی ہے تو مرغ رُوح بیضہ و جود کو توڑ ڈالتا ہے یعنی صفات رُوح صفات بشریت پر غالب آجاتی ہیں۔ یہی حکم جملہ متضادہ صفات کا ہے۔ نیز اِس میں ایک اور ہر بھی ہے اور وہ یہ کہ جب اللہ تعالیٰ کسی انسان پر اسم ظاہر سے تجلی کرتا ہے تو اُس کے دل سے جملہ حُجُب اُٹھ جاتے ہیں اور کوئی چیز اُس پر باطن یعنی پوشیدہ نہیں رہتی۔ اور جب اللہ تعالیٰ کسی انسان پر اسم باطن سے تجلی کرتا ہے تو معرفت و اسرارِ الہیہ میں سے کوئی چیز اُس پر ظاہر نہیں ہوتی۔

متکلم عین سامع ہے یعنی کلام اور سمع دونوں ایک ذات کی صفات ہیں جیسا کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ تحقیق اللہ تعالیٰ میری اُمت کے اُن گناہوں سے درگزر کرتا ہے جو اُن کے نفوس نے اُن کے ساتھ باتیں کیں یعنی وساوس نفسانی پر اُن کو گرفت نہ ہوگی۔ پس اُن کے نفوس بات کرنے والے بھی ہیں اور اپنی

بات کے سننے والے بھی ہیں اور ان باتوں کو جاننے والے بھی ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ کلام کرنے والے اور سننے والے کی ذات اور حقیقت واحدہ ہے اگرچہ کلام اور سمع کے احکام مختلف ہیں۔ اور اس امر کا کوئی انسان انکار نہیں کر سکتا کیونکہ ہر انسان بذاتہ اس حقیقت کو جانتا ہے۔ اور انسان صورت حق تعالیٰ کی ہے۔ مراد یہ ہے کہ انسان کی صفات اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں اور جیسے ایک ہی انسان کی بیشمار صفات ہیں ایسے ہی ذات واحد حق تعالیٰ کی لامتناہی صفات اور لامتناہی مظاہر ہیں۔ اور جملہ موجودات خارجیہ کی صورت پر ذات واحد کا ظہور ہے اس واحد حقیقی کے احکام اور امور میں مجبوتین کو شبہ پڑا کہ یہ کثرت موجودات واحد حقیقی سے کیسے ظہور پذیر ہوتی ہے۔ ذات حق تعالیٰ کا موجودات خارجیہ لامتناہیہ کی صورت پر جلوہ نما ہونا ایسے ہی ہے جیسے اکائی کا عدد جملہ اعداد میں بالترتیب ظاہر ہے۔ اکائی سے دس بیس تیس سو ہزار لاکھ غرضیکہ بیشمار اعداد ظاہر ہوتے ہیں۔ ہر عدد میں ایک موجود ہے۔ ہر عدد کا وجود ساتھ اکائی کے ہے۔ جس عدد سے اکائی نکال لی جاتے اس عدد کا وجود ختم ہو جاتا ہے۔ مثلاً دس میں سے اگر ایک نکال لیا جائے تو باقی نو رہ جاتے ہیں۔ دس کا وجود ختم ہو جاتا ہے۔ مراد یہ ہے کہ ہر موجود کا وجود ساتھ وجود کے ہے۔ وجود سے مراد وجود باری تعالیٰ ہے۔ وجود پر جب میم (م) زائد ہوا تو موجود کا وجود ظاہر ہوا۔ م سے مراد صورت ہے یعنی جب اس بیصورت نے مختلف مراتب میں تنزل فرمایا تو عالم تیار ہو گیا۔ پس ثابت ہوا کہ عالم عین حق ہے۔ محققین کے نزدیک وہ مراتب معلومہ حسب ذیل ہیں۔ احدیت، وحدت، واحدیت، عالم ارواح، عالم مثال اور عالم اجسام۔ پہلے تین مراتب حقیقی ہیں اور پچھلے تین مراتب خلقی ہیں۔ ان کو مراتب ستہ بھی کہا جاتا ہے۔ ساتواں مرتبہ اور لباس اخیر حضرت انسان ہے جو جامع جمیع مراتب حقیقی اور خلقی ہے۔ پس واحد نے اعداد کو ایجاد کیا اور اعداد نے واحد کی تفصیل کی۔ مراد یہ ہے کہ اعداد موجودات کی صورت پر ذات واحد کا ظہور ہے یعنی موجودات کا وجود ساتھ ذات حق کے ہے۔ اور واحد حقیقی کی تفصیل ساتھ اعداد موجودات کے ہے یعنی ذات حق کا ظہور ساتھ موجودات کے ہے۔ لہذا ذات حق نہ ہو تو موجودات خارجیہ کا وجود ہی نہیں ہو سکتا اور موجودات کا وجود نہ ہو تو ذات حق کا ظہور نہیں ہو سکتا۔

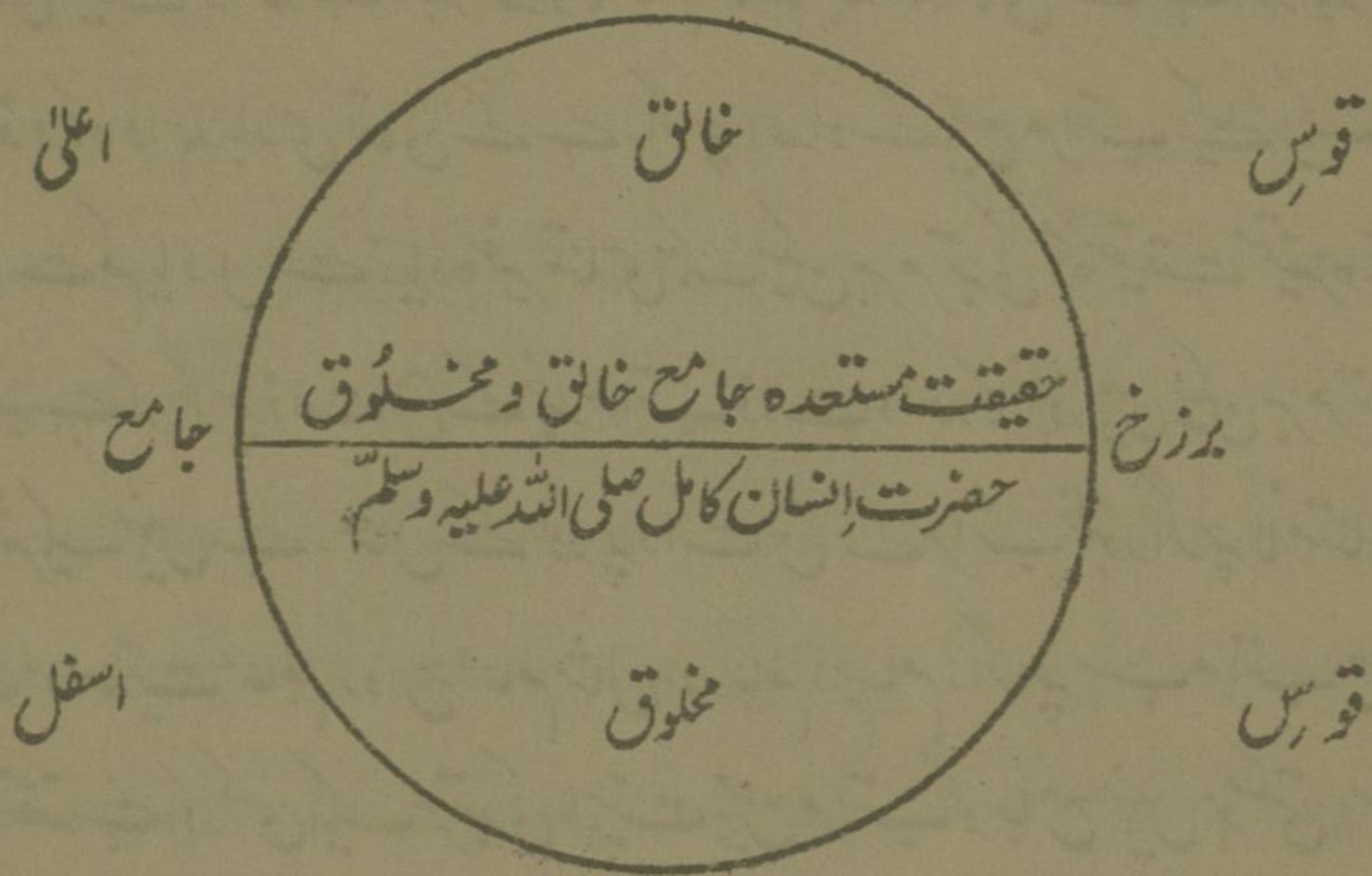
اور عدد واحد کا حکم سوائے معدودات کے ظاہر نہیں ہوا یعنی ذات واحد کا ظہور سوائے موجودات کے نہیں ہوا۔ معدودات بعض عدم ہیں اور بعض موجود ہیں۔ یعنی موجودات بعض عدم ہیں یعنی باعتبار جس ظاہر کے معدوم ہیں اور باعتبار عقل کے موجود ہیں۔ مراد یہ ہے کہ ذات حق مرتبہ صرافت ذاتی سے پہلے تنزل فرما کر صورت علمبیہ اور بعد میں صورت خارجیہ میں جلوہ نما ہوئی۔ نیز عدد کا حکم سوائے معدود کے ظاہر نہیں ہوا یعنی عدد کا اطلاق کسی نہ کسی معدود پر ہوگا۔ معدود کا وجود

خواہ حسی ہو خواہ عقلی غیر حسی ہو۔ پس عدد اور معدود کا ہونا ضروری ہے اور واحد کا ہونا بھی ضروری ہے جو عدد اور معدود کو پیدا کرتا ہے اور عدد و معدود بہ سبب واحد کے پیدا ہوتا ہے۔ عدد اور معدود کا وجود ذات الہی کے ظہور کیلئے ضروری ہے نیز جملہ اعداد اور معدودات کی حقیقت واحد ہے۔ جملہ اعداد کا قیام ساتھ ہندسہ اکائی کے ہے اور جملہ معدودات یعنی موجودات علمیہ یا خارجیہ کا قیام ساتھ وجود واحد باری تعالیٰ کے ہے۔ اگرچہ اعداد کے جمیع مراتب کیلئے ایک حقیقت متمیزہ ہے مثلاً عدد نو یا دس یا دس سے کم یا دس سے زیادہ غیر متناہی تک لیکن ہر مرتبہ کی وہ حقیقت متمیزہ جمیع مراتب کیلئے جامع حقیقت نہیں ہے۔ مراد یہ ہے کہ اگرچہ ذات حق کے جملہ مراتب ذات واحد کا ظہور ہیں لیکن ہر مرتبہ کی ایک مختصہ ماہیت ہے جس میں دوسرا مرتبہ شریک نہیں ہے۔ مثال کے طور پر ذات حق کے مراتب ظہور اگرچہ لامتناہی ہیں لیکن مراتب کلیہ چھ ہیں، احدیت، وحدت، واحدیت، عالم ارواح، عالم مثال اور عالم اجسام۔ اگرچہ سب مراتب میں ذات حق کا ظہور ہے لیکن ہر مرتبہ کی ماہیت مختصہ ہے اور کسی ایک مرتبہ کی ماہیت جمیع مراتب کو جامع نہیں ہو سکتی اسی لئے رب تعالیٰ نے سب سے آخر حضرت انسان کو اس شان سے پیدا کیا کہ اس کی حقیقت جمیع مراتب کو جامع ہے۔ اگرچہ اعداد کے مراتب میں سے ہر مرتبہ کیلئے ایک علیحدہ حقیقت متمیزہ ہے لیکن وہ حقیقت متمیزہ اکائیوں کی جمع ہے۔ مثال کے طور پر اثنین ایک حقیقت ہے، ثلثہ خود ایک حقیقت ہے حتیٰ کہ مراتب اعداد میں سے ہر عدد ایک خاص حقیقت ہے لیکن جمیع اعداد میں ایک حقیقت مشترکہ ثابت ہے اور وہ حقیقت مشترکہ اکائی کا ہندسہ ہے۔ اعداد کے مراتب اصولیہ بیس ہیں مرتبہ واحد مرتبہ اثنین مرتبہ ثلاثہ مرتبہ اربعہ مرتبہ خمسہ مرتبہ ستہ مرتبہ سبعہ مرتبہ ثمانیہ مرتبہ تسعہ مرتبہ عشرہ مرتبہ عشرین مرتبہ ثلاثین مرتبہ اربعین مرتبہ خمیسین مرتبہ ستین مرتبہ سبعین مرتبہ ثمانین مرتبہ تسعین مرتبہ مائتہ مرتبہ الف۔ یہ اعداد کے مراتب اصولیہ ہیں۔ لاکھ کروڑ اور ارب وغیرہ انہیں مراتب اصولیہ کی ترکیب سے حاصل ہوتے ہیں۔ پس جس شے کی ذات کو تو کسی دوسری شے کی ذات کا غیر ثابت کر رہا ہے ہمیشہ تو اس کو اس کا عین ثابت کر لیا۔ مراد یہ ہے کہ عالم کی ہر شے بظاہر ایک دوسرے کی غیر ہے لیکن حقیقت میں ایک دوسرے کی عین ہے۔

نظر بر تعین ہم غیر رہا ہے نظر بر حقیقت ہم عین رہا

پس جس شخص نے اس چیز کو جو ہم نے اعداد میں مقرر کی ہے پہچان لیا اور اس بات کو کہ تحقیق ان کی نفی عین ان کا اثبات ہے، اس امر کو جان لیا کہ تحقیق حق مندرجہ عین خالق مشتبہ ہے۔ یعنی وہ ہی بی صورت ذات اپنے صرافت ذاتی کے مقام سے تنزل فرما کر ان خلق کی صورتوں پر جلوہ نما ہے، اگرچہ خلق خالق سے متمیز ہے پس خالق عین مخلوق ہے اور مخلوق عین خالق ہے کیونکہ خالق اور مخلوق ایک عین واحدہ کی دو شانیں ہیں اور دونوں کی حقیقت

ایک ہے۔ اور وہی ایک ذات بہت سی ذاتوں پر جلوہ نما ہے۔ وضاحت کیلئے ایک دائرہ پیش کیا جاتا ہے و
 هُوَ هَذَا:
 حَاشِرَةُ اللَّهِ



(أَلَا إِنَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّخِيطٌ) کی رو سے سے اللہ کا دائرہ ثابت ہے۔ خط وسطانی دائرہ کو دو قوسوں میں تقسیم کر رہا ہے، قوس اعلیٰ اور قوس اسفل۔ قوس اعلیٰ سے مراد خالق ہے اور قوس اسفل سے مراد مخلوق ہے۔ چونکہ دونوں قوسیں ایک ہی دائرہ کی ہیں لہذا خالق و مخلوق ایک ہی ذات کی دو نشانیں ہیں اور دونوں کی حقیقت ایک ہے یعنی اللہ ہے۔ اور حضرت انسان کامل جناب محمد پاک صلی اللہ علیہ وسلم خالق اور مخلوق کے درمیان برزخ جامع ہے۔ اب مخلوق بھی بے شمار ہے اور گونا گوں ہے لیکن یاد رکھو ہر مخلوق کی صورت پر اس عین واحدہ ہی کا ظہور ہے یعنی ہر مخلوق کی صورت پر اللہ ہی جلوہ نما ہے۔ اللہ تعالیٰ تقسیم اور انقسام سے منزہ اور معرا ہے لیکن دائرۃ اللہ کی تقسیم محض تفہیم کیلئے کی گئی ہے۔ پس اے سالک! اب تو نظر کر کہ تو عالم کو کیا دیکھتا ہے۔ مراد یہ ہے کہ کثرت عالم میں وحدت جلوہ نما ہے۔ عالم کے ظاہر پر نظر رکھو تو یہ خلق ہے اور عالم کی حقیقت پر نظر رکھو تو یہ حق ہے۔ عالم کی مثال ایک کتاب کی سی ہے جس میں حروف، الفاظ اور کلمات کی کثرت لامتناہی ہے لیکن جملہ حروف، الفاظ اور کلمات کی حقیقت ایک سیاہی ہے۔ ایسے ہی عالم میں لامتناہی صورت اور ذوات ہیں لیکن جملہ صورت اور ذوات کی حقیقت ایک ذات ہے اور وہ ذات وجود باری تعالیٰ ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسحاق علیہ السلام کو کہا اے بیٹے! میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ میں تجھ کو ذبح کرتا ہوں (فَاَنْظُرْ مَاذَا تَرَىٰ) پھر دیکھ تو۔ تو کیا دیکھتا ہے؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام جانتے تھے کہ حضرت اسحاق علیہ السلام ازلی نبی ہیں اسلئے یہ واقع ان کو بھی اللہ تعالیٰ نے خواب میں ضرور دکھایا ہوگا کیونکہ ہر نبی نبوت

سے پہلے ولی لازمی طور پر ہوتا ہے۔ حضرت اسحاق علیہ السلام نے عرض کیا (قَالَ يَا بَتِ افْعَلْ مَا تَوْمَرُ) اے باپ! کہڑا دل جو تجھ کو حکم ہوتا ہے۔ ولد حقیقت میں اپنے باپ کا عین ہوتا ہے پس حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خواب میں سوائے اپنی ذات کے کسی کو ذبح کرتے نہ دیکھا اور اللہ تعالیٰ نے حضرت اسحاق علیہ السلام کو ایک عظیم قربانی کے بدلے چھڑا لیا۔ خواب میں جو انسان کی صورت میں ظاہر ہوا حقیقت میں وہ بکرے کی صورت پر ظاہر ہوا۔ چونکہ انسان مجموعہ کونین ہے اسلئے بکرہ بھی انسان ہی کا ایک جزو ہے۔ اسلئے بکرے کی قربانی کو ذبح عظیم کیسا تھ یاد کیا گیا ہے اس میں اشارہ یہ ہے کہ جب بکرے کو جو انسان کا جزو ہے لفظ عظیم کے ساتھ پکارا گیا ہے تو حضرت انسان کی عظمت کو کون قیاس کر سکتا ہے لہذا ارشاد ہوا اَلْاِنْسَانُ سِرِّيْ وَ اَنَا سِرُّكَ۔ ظاہر میں جو بکرے کی صورت میں ظاہر ہوا خواب میں وہ فرزند کی صورت میں ظاہر ہوا۔ ولد حکم اور مرتبہ میں ولد ہے لیکن حقیقت میں باپ کا عین ہے۔ مراد یہ ہے کہ ہر انسان کی حقیقت واحدہ ہے اور وہ ذات وجود باری تعالیٰ ہے۔ ہر انسان کا کمال مختلف ہے کیونکہ ہر انسان کی صورت پر ذات الہیہ نے ایک نئی شان سے تجلی کیا ہے (كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ) ﴿وَخَلَقَ مِنْهَا ذَوْجَهَا﴾ اور حق تعالیٰ نے آدم کی ذات سے اُن کی زوجہ کو پیدا کیا۔ پس آدم علیہ السلام نے اپنی ذات کے ساتھ ہی نکاح کیا ہے۔ اور آدم ہی سے آپ کی زوجہ اور آپ کا فرزند پیدا ہوئے اور درحقیقت آدم خوا اور ولد کا ایک ہی حکم ہے یعنی ان تینوں پر حقیقت واحدہ کا ظہور ہے جیسا کہ عدد واحد کا ظہور اعداد میں ہے۔ ہر عدد کا وجود اور قیام ساتھ ہندسہ اکائی کے ہے۔ دو میں سے ایک نکال لو دو دو نہ رہ جائیگا۔ اسی طرح کسی عدد میں سے ایک نکال لو وہ عدد ختم ہو جائیگا۔ مراد یہ ہے کہ ہر انسان بلکہ ہر شے کی حقیقت حق تعالیٰ ہے پس سمجھنا اس امر کا ہے کہ ان موجودات کی طبیعت یعنی حقیقت کیا چیز ہے اور جو کچھ اس حقیقت سے ظاہر ہوا وہ کیا چیز ہے۔ مراد یہ ہے کہ مجملہ موجودات کی حقیقت وجود باری تعالیٰ ہے اور اُسی وجود سے مجملہ موجودات ظہور میں آئے ہیں۔ مثال کے طور پر مجملہ الفاظ و کلمات کی حقیقت سیاہی ہے اور سیاہی ہی الفاظ و کلمات کی صورت پر ظاہر ہے نیز ہم نے یہ بھی نہیں دیکھا کہ وہ حقیقت اپنے مظاہر میں ظاہر ہونے کے باعث ناقص ہو گئی ہو یا عدم ظہور کے باعث اُس حقیقت کا کمال زیادہ ہو گیا ہو۔ اور جو چیز حقیقت سے ظاہر ہوئی ہے وہ حقیقت کا غیر نہیں ہے مثلاً حروف و الفاظ سیاہی کا غیر نہیں ہیں۔ لیکن وہ حقیقت اپنے مظاہر کی بوجہ اختلاف صور باعتبار صور عین نہیں ہے۔ مثال کے طور پر حروف ابجد وغیرہ سب سیاہی کے مظاہر ہیں لیکن سیاہی کسی خاص ایک حرف کا عین نہیں ہے کیونکہ اگر سیاہی کو کسی خاص ایک حرف میں حصر کر دیا جاتے تو یہ کفر ہے۔ قوم نصاریٰ اُلُوہیت کو عیسیٰ علیہ السلام کے تعین

میں حصر کرنے کی وجہ سے کافر ہوئے لِقَوْلِهِ تَعَالَى (لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ)۔ لہذا کوئی حرف یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ سیاہی میرا عین ہے۔ پس وہ حقیقت چونکہ کسی خاص ایک مظہر میں حصر اور مقید نہیں کی جاسکتی لہذا وہ اپنے مظاہر کا عین نہیں ہے۔ نیز حروف 'ا'، 'ب'، 'ج'، 'د' سب کی صورتیں اور سیرتیں مختلف ہیں۔ اگرچہ جملہ حروف سیاہی ہی کے مظاہر ہیں لیکن سیاہی کسی حرف کی بھی عین نہیں کیونکہ اگر کسی خاص ایک حرف کی عین ٹھہرے تو دوسرے حروف کی غیر ٹھہرے گی۔ مثال کے طور پر اگرچہ جملہ اشیاء کی حقیقت حق تعالیٰ ہے لیکن اگر ایک چیز سرد خشک ہے اور ایک گرم خشک ہے تو وہ حقیقت کسی کی عین نہیں ہے۔ اگر ایک کی عین ٹھہرے تو دوسرے کی غیر ٹھہرے گی۔ نیز ایک چیز سرد خشک ہے اور ایک چیز گرم خشک ہے۔ اب یہ بوسست ان دونوں میں مشترک ہے۔ ایسے ہی وہ حقیقت ہر شے میں مشترک ہے۔ اگرچہ وہ مظاہر ایک دوسرے کے متضاد معلوم ہوتے ہیں لیکن حقیقت واحدہ سب میں ساری ہے۔ اب سرد خشک اور گرم خشک میں یہ بوسست مشترک ہے اور اگر ان دونوں میں یہ بوسست کا اشتراک نہ ہوتا تو دونوں ایک دوسرے کے غیر ٹھہرتے۔ ایسے ہی موجودات عالم میں اگر حقیقت واحدہ مشترک نہ ہوتی تو جملہ موجودات ایک دوسرے کے غیر ٹھہرتے۔ اب سرد خشک اور گرم خشک ایک ہی حقیقت کی دو متضادہ صفات ہیں جیسے ہدایت اور ضلال ایک ہی ذات کی دو متضادہ صفات ہیں۔ ہدایت صفت جمالیہ ہے اور ضلال صفت جلالیہ ہے۔ پس سرد خشک اور گرم خشک ایک ہی حقیقت کے جامع ہیں، نہیں بلکہ ایک ہی حقیقت کے عین ہیں۔

اور عالم طبیعت یعنی عالم حقائق ممکنات مرآت واحدہ میں مختلف صورتیں ہیں۔ جب ذات حق نے مرتبہ احدیت یعنی صرافت ذاتی کے مقام سے تنزل فرما کر مرتبہ وحدت اور وحدیت میں اپنی ذات اور صفات کا ادراک کیا تو اپنی ہی ذات میں اپنی صفات اور اپنی صفات کے مظاہر کا ادراک علمی صورتوں میں کیا۔ یعنی ذات حق نے اپنے علم میں حقائق ممکنات کو علمی صورت میں جانا۔ مرآت واحدہ سے مراد علم حق ہے اور حقائق ممکنات کا نام علم الہی میں صور علمیہ یا اعیان ثابۃ ہے۔ نہیں بلکہ عالم حقیقت صورت واحدہ کا مختلف مرایا میں ظہور ہے۔ مراد یہ ہے کہ ذات حق کی صفات غیر متناہی ہیں اور ایک ہی ذات کے مظاہر لامتناہی ہیں کیونکہ ہر صفت کیلئے ایک خاص مظہر چاہیئے۔ حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی صورت واحدہ ہے اور وہ صورت جناب محمد پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت پاک ہے لِقَوْلِهِ تَعَالَى (ص وَالْقُرْآنِ ذِي الذِّكْرِ)۔ دیگر سب صورتیں آپ کی صورت پاک سے پیدا ہوئی ہیں کَمَا وَرَدَ فِي الْحَدِيثِ أَنَا مِنْ نُورِ اللَّهِ وَالْخَلْقُ كُلُّهُمْ مِنْ نُورِي، ان صورتوں

کا نام علم حقیقت میں معلومات ہے، خارج میں ان کا نام موجودات ہے اور عالم ذات میں ان کا نام شیونات ہے چونکہ صفات الہیہ گونا گون ہیں اسلئے مظاہر بھی گونا گون ہیں۔ ہر صفت ایک خاص استعداد اور ایک خاص مظہر کا تقاضا کرتی ہے لہذا علم الہی میں مختلف مرایا کا ظہور ہوا اگرچہ وہ حقیقت واحدہ ہے۔

تجلی تیری ذات کا سوسوبہ ہے۔ ہر صدمہ دیکھتا ہوں ادھر تو ہی تو ہے

لہذا یہ خیریت کا مقام ہے۔ اہل نظر اور اہل عقل اس کو تسلیم نہیں کرتے۔ عارف باللہ عالم کو ظہور حق جانتا ہے اور جہاں عالم کو مخلوق جانتا ہے اور حق تعالیٰ کی ذات کو عالم کا غیر جانتا ہے۔ جب تک کسی شخص کے دیدہ دل سے عشق الہی سے یا فضل الہی سے پردہ وہم غیریت شق نہ ہو جائے تب تک کسی شخص کو یہ دید نصیب نہیں ہو سکتی۔ اس مسئلہ کو وحدت الوجود کہتے ہیں۔ یعنی عارفین باللہ کے نزدیک جمیع عوالم میں وجود واحد کا ظہور ہے۔ عوالم سے مراد عالم ذات عالم امر و عالم خلق ہے۔ جو شخص عالم اور عارف ہے وہ ان اسرار کو پڑھ کر متحیر نہیں ہوگا۔ پس مختلف مرایا کا ظہور مختلف استعدادات یا اعیان ثابۃ کے باعث ہوا۔ ذات حق نے ہر شے ہر تعین اور ہر شخص کی استعداد کے مطابق تجلی فرمایا ہے۔ یعنی عالم میں ہر موجود کا ظہور اس کے علمی وجود یعنی عین ثابۃ کے احکام اور آثار کے مطابق ہوا ہے۔ وہ ذات چونکہ تنوع پسند ہے اسلئے اس کی تجلیات غیر مکرر ہیں اور صورتوں کا محل عین ثابۃ ہے۔ حق تعالیٰ اپنی لامتناہی صفات کیساتھ اپنے لامتناہی علمی مظاہر پر تجلی فرماتا ہے اور اس کو فیض اقدس کہتے ہیں۔ پھر ان علمی مظاہر یعنی اعیان ثابۃ کے احکام کے مطابق ان علمی مظاہر کے محل ظہور یعنی خارجی مظاہر پر تجلی فرماتا ہے اور اس کو فیض مقدس کہتے ہیں۔ اسلئے یہ اقوال صادق آتے ہیں شرعاً

(۱) تم اعتبار کرو کہ مرتبہ عین یعنی ظہور خارجی میں حق خلق ہے اور مرتبہ علم یعنی ظہور علمی میں حق خلق نہیں ہے پس تم اس امر کو ذہن نشین کرو۔ مرتبہ اطلاق میں اس ذات کا نام حق ہے اور مرتبہ تقیید میں اس کا نام خلق ہے۔ مرتبہ احدیت ذاتیہ صرافت ذاتی کا مقام ہے جو تمام اضافات سے منزہ مقدس اور معز ہے۔ دوسرا مرتبہ وحدت یعنی ظہور علمی اجمالی ہے۔ تیسرا مرتبہ وحدیت یعنی ظہور علمی تفصیلی ہے۔ یہ تینوں مراتب حق ہیں۔ عالم ارواح، عالم مثال اور عالم اجسام تینوں مراتب خلقی ہیں۔

(۲) جس نے اس چیز کو جان لیا جو میں نے بیان کی ہے، اس کی بصیرت کبھی خراب نہ ہوگی۔ لیکن اس راز کو وہ ہی پاسکتا ہے جس کو دیدہ دل نصیب ہے۔

(۳) مقام جمع اور مقام فرق یعنی وحدت اور کثرت دونوں ایک ہی ذات کے مقام ہیں۔ ذات الہی کی مثال بیچ

کی سی ہے جس میں سارے درخت یا ثنۃ موجود ہوتا ہے۔ گویا درخت کا علمی وجود پہلے ہی بیج میں موجود ہے جب بیج سے درخت ظاہر ہوتا ہے تو درخت کی شاخیں، پتے، پھول وغیرہ کی کثرت پیشتر ہوتی ہے۔ اب غور کا مقام ہے کہ درخت کہل سے آیا۔ درخت کا وجود محض عدم سے پیدا نہیں ہوا بلکہ درخت کا وجود بیج سے ظاہر ہوا۔ بیج مقام جمع ہے اور درخت مقام فرق ہے۔ پس ثابت ہوا کہ درخت کی صورت پر بیج ہی کا ظہور ہے یعنی اس شجرۃ الکون کی صورت پر ذات الہی کا ظہور ہے۔ بیج سے سب سے پہلے جو چیز پیدا ہوتی ہے وہ انگور ہے جس کی شکل (الف) کی ہوتی ہے۔ انگور سے مراد نور محمدی ہے صلی اللہ علیہ وسلم لقولہ علیہ السلام اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللہ نُورُی اور اَنَامِیْنُ نُورِی اللہ اب غور کا مقام یہ ہے کہ جب بیج سے انگور ظاہر ہو جاتا ہے کیا بیج کا وجود باقی رہ جاتا ہے نہیں ہرگز نہیں بلکہ بسا اوقات بیج کا خالی چھلکا انگور کے اوپر ٹکا چلا آتا ہے جو زبان حال سے شہادت دیتا ہے کہ اے بیج کے عاشقو! میں تو اب خالی چھلکا ہی چھلکا ہوں یعنی میرا تو اب نام ہی نام ہے بیج یعنی مغز نے اب انگور کی صورت اختیار کر لی ہے۔ اب جو شخص انگور سے علیحدہ بیج کے وجود کا قائل ہے وہ جاہل ہے۔ انگور زبان حال سے پکار کر فرما رہا ہے مَنْ دَانِی فَقَدْ دَانِی الْحَقِّ۔ اب انگور پھلا پھولا اور ایک درخت تیار ہو گیا۔ اب درخت کہاں سے آیا، انگور سے اور انگور کہاں سے آیا بیج سے لہذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی اَنَامِیْنُ نُورِی اللہ وَالْخَلْقُ كُلُّهُمْ مِنْ نُورِی کیسے صادق آیا۔ اب درخت کو چاہے بیج کا ظہور کہو چاہے انگور کا ظہور کہو بات ایک ہی ہے۔ سمجھنے کی یہ بات ہے کہ درخت بیج ہی کا ظہور ہے۔ مصرع ثانی: وہی ذات واحد کثیر ہے اور باقی نہیں رہی کوئی شے اور نہ ہی بھوڑی اُس نے کوئی شے۔ مراد یہ ہے کہ عالم کی لامتناہی کثرت اُسی ذات واحد کا ظہور ہے یعنی حقیقت کے لحاظ سے واحد ہے اور صورتوں کے لحاظ سے کثیر ہے۔

پس عالی مرتبہ بذاتہ وہ شخص ہے جسکو ایسا کمال حاصل ہو کہ اُس کمال کے باعث اُس کو جمیع امور وجودیہ اور جمیع نسب عدمیہ میں استغراق حاصل ہو۔ اور استغراق اس قدر مکمل ہو کہ صفات میں سے کوئی صفت بھی اُس سے فوت ہونا ممکن نہ ہو خواہ وہ صفات محمودہ ہیں عرفاً و عقلاً و شرعاً یا مذمومہ ہیں عرفاً و عقلاً و شرعاً اور یہ کمال کسی کو حاصل نہیں ہے مگر اُس ذات کو جس کا نام خاص طور پر اللہ رکھا گیا ہے۔ جمیع امور وجودیہ سے مراد جمیع مراتب خلقی ہے اور وہ مراتب عالم ارواح، عالم مثال اور عالم اجسام ہیں۔ اور جمیع نسب عدمیہ سے مراد وہ مراتب ہیں جو بلحاظ ظہور عدم ہیں اور بلحاظ بطون علم میں موجود ہیں اور وہ مراتب احدیت، وحدت اور واحدیت ہیں۔ یہ تینوں مراتب حقیقی ہیں۔ پس کامل اکمل اور مکمل وہ شخص ہے جو عالم اجسام سے ترقی کر کے مرتبہ

احدیت تک پہنچ جائے اور تمام صفات الہیہ سے متصف اور موصوف ہو جائے گماد سدا فی الحدیث
تَخَلَّقُوا بِأَخْلَاقِ اللَّهِ۔ صفات الہیہ بعض جلالیہ ہیں بعض جمالیہ ہیں۔ عارف کامل جمال اور جلال دونوں کا مظہر
ہے۔ حقیقتاً یہ کمال اس ذات کو حاصل ہے جس کا اسم اللہ ہے۔ یہ ذات کا وہ اسم ہے جو جمیع اسماء و صفات کا
جامع ہے۔ پس علو ذاتی اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے۔ مخلوقات میں سے اسم اللہ کا اطلاق صرف اور صرف جناب
محمد پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر صادق آتا ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کیلئے مراتب نامہ اور مجلیٰ اعظم ہیں۔
لہذا علو ذاتی جناب محمد پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ویسا ہی حاصل ہے جیسا اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے۔
اور لیکن غیر اس ذات کا جس کا اسم اللہ رکھا گیا ہے خاص کہ وہ چیز ہے کہ وہ ذات الہی کیلئے کوئی
مظہر ہے یا ذات الہی کیلئے کوئی صورت ہے۔ اگرچہ جملہ عوالم میں سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی چیز موجود نہیں
لیکن سرکارِ دو عالم جناب محمد پاک صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کیلئے مظہر اتم ہیں۔ دیگر انبیاء و اولیاء میں اللہ تعالیٰ
کی صفات کاملہ کا ظہور ان کی استعدادات کے مطابق ہے اور باقی انسان اللہ تعالیٰ کی صورتیں ہیں۔ مجلیٰ سے
مراد انبیاء و اولیاء ہے اور صورت سے مراد عام انسان ہے۔ اگرچہ انبیاء و اولیاء سب اللہ تعالیٰ کے مظاہر
اور مجلیٰ ہیں لیکن ان سب کو ایک دوسرے پر فضیلت حاصل ہے۔ رسل اور انبیاء کی باہمی فضیلت کا مدار
ان کی ولایت پر ہے۔ اللہ تعالیٰ کی سلطنت کے ازلی ابدی شہنشاہ خاتم الرسل جناب محمد پاک صلی اللہ علیہ وسلم
ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ازلی ابدی وزیر اعظم خاتم الاولیاء حضرت غوث اعظم پاک جناب سید عبدالقادر جیلانی
رضی اللہ عنہ ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ (انبیاء علیہم السلام و اولیاء رضی اللہ عنہم) حضور صلی اللہ علیہ وسلم
کے وقتی وزیر تھے ہیں اور ہوتے رہیں گے۔ عام انسان اللہ تعالیٰ کی صورتیں ہیں کیونکہ ان کو عرفان الہی حاصل
نہیں۔ اگر وہ غیر ایک عام انسان ہی ہو تو بھی وہ اللہ تعالیٰ کا ذاتی کمال ہے کیونکہ انسان اللہ تعالیٰ کی ذات سے
پیدا ہوا ہے۔ لیکن ہر انسان کے متعلق یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ اللہ ہے اور انسان اللہ کا غیر بھی نہیں ہے۔ مراد یہ
ہے کہ اگرچہ ہر انسان کی صورت پر اللہ تعالیٰ کا ظہور ہے لیکن اس ذات نے ہر انسان میں اس کی استعداد اور
قابلیت کے مطابق تجلی فرمایا ہے۔ صفات کاملہ الہیہ کا پورا پورا ظہور صرف سرکارِ دو عالم جناب محمد پاک صلی اللہ
علیہ وسلم کے قلب پاک میں ہوا ہے اسلئے اللہ تعالیٰ کیلئے مراتب نامہ صرف اور صرف آپ ہی ہیں۔ یہ ہی وجہ
ہے کہ اسم اللہ کا اطلاق صرف آپ ہی پر صادق آتا ہے۔ باقی انسان اگرچہ اللہ تعالیٰ کیلئے مرایا ہیں لیکن چھوٹے
چھوٹے آئینے ہیں۔ چھوٹے آئینہ میں صرف چہرہ نظر آتا ہے سارا وجود نظر نہیں آتا۔ سارا وجود صرف آدم قد

آئینہ میں نظر آتا ہے۔ اب اگر آدمی کے سامنے اُس کے قدم کے برابر آئینہ رکھا جائے تو عکس پورے کا پورا آئینہ میں موجود ہوگا۔ لہذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مراتب تائید یعنی قلب مقدس و مطہر میں اللہ تعالیٰ کا عکس پورا پورا پڑ رہا ہے پس عارفوں کی تحقیق صَوِّوْ وَہی ہے یعنی اللہ محمد پاک ہے صلی اللہ علیہ وسلم سچ ہے۔

اور تحقیق ابوالقاسم بن قسی نے اپنی کتاب خلع النعلین میں اس امر کی طرف قول ذیل کیساتھ اشارہ کیا ہے کہ تحقیق ہر ایک اسم الہی جمیع اسماء الہیہ کیساتھ موسوم ہے اور جمیع صفات الہیہ کیساتھ موصوف ہے۔ مراد یہ ہے کہ تحقیق ہر اسم ذات الہی پر بھی دلالت کرتا ہے اور اُس معنی خاص پر بھی دلالت کرتا ہے جس کیلئے وہ اسم وضع کیا گیا ہے۔ مثلاً رحمن چونکہ اللہ کا ایک صفاتی اسم ہے لہذا ذات الہی پر بھی دلالت کرتا ہے اور اُس معنی خاص (رحمت عامہ کا صاحب) پر بھی دلالت کرتا ہے جس کیلئے یہ اسم وضع کیا گیا ہے۔ پس ہر اسم اس حیثیت سے کہ وہ ذات الہی پر دلالت کرتا ہے جمیع اسماء الہیہ سے موسوم ہے اور باعتبار دلالت کرنے اُس معنی خاص پر جسکے لئے وہ اسم وضع کیا گیا ہے، وہ اسم دوسرے اسماء الہیہ سے متمیز اور جدا ہے جیسے رب و خالق و مصور وغیرہ۔ لہذا اسم بحیثیت ذات عین مسمیٰ یعنی ذات ہے اور باعتبار اُس خاص معنی کے جس کیلئے وہ اسم وضع کیا گیا ہے، اسم غیر مسمیٰ یعنی غیر ذات ہے۔ اس طرح ہر انسان باعتبار حقیقت عین اللہ ہے لیکن اس اعتبار سے کہ ہر انسان جمیع صفات کاملہ الہیہ کا مظہر نہیں، اسم اللہ سے موسوم نہیں ہو سکتا۔

اور جب تو نے جان لیا کہ عالی وہ ہے جو بذاتہ علو رکھتا ہو اور اُس کا علو علو مکان اور مکانت پر مبنی نہ ہو تو یہ علو صرف اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے کیونکہ اُس کو علو بنفسہ حاصل ہے اُس کا علو علو مکان اور علو مکان کا محتاج نہیں ہے۔ علو مکان صاحبان حکومت کیساتھ مختص ہے جیسے کہ بادشاہ و حکام و وزراء و قاضی اور ہر صاحب منصب اور برابر ہے یہ کہ اُن میں اُس منصب کی اہلیت ہو یا نہ ہو۔ اور علو صفاتی جیسا کہ کا ملین کو علم و معرفت الہی حاصل ہے، مثل علو مکان کے نہیں ہے کیونکہ بعض اوقات ایک شخص لوگوں کا عالم تر ہوتا ہے اور اُس پر وہ صاحب منصب حکم کرتا ہے جو لوگوں کا جاہل تر ہوتا ہے۔ اور اُس صاحب منصب کو علو مکانت بوجہ منصب کے حاصل ہے اُس کو علو ذاتی حاصل نہیں ہے کیونکہ جب وہ منصب سے معزول ہوتا ہے اُس کی رفعت زائل ہو جاتی ہے لیکن عالم کا علو صفاتی کبھی زائل نہیں ہوتا۔

فَصِّ حِكْمَةٍ مُّهِمَّةٍ فِي كَلِمَةِ اِبْرَاهِيمِيَّةٍ

إِنَّمَا سَمِيَ الْخَلِيلُ خَلِيلًا لِتَخَلُّلِهِ وَخَصَرِهِ جَمِيعَ مَا أُتِّصَفَ بِهِ الذَّاتُ إِلَّا لِوَهِيَّةٍ قَالَ الشَّاعِرُ شَعْرٌ
قَدْ تَخَلَّلَتْ مَسَلِكَ الرُّوحِ مَتْنِي ۖ وَبِذَا سَمِيَ الْخَلِيلُ خَلِيلًا

كَمَا يَتَخَلَّلُ اللَّوْنُ الْمُتَلَوَّنُ فَيَكُونُ الْعَرَضُ بِحَيْثُ جَوْهَرُهُ مَا هُوَ كَالْمَكَانِ وَالْمُسْتَحْكِنِ أَوْ لِيُخَلَّلَ
الْحَقُّ وَجُودَ صُورَةٍ إِبْرَاهِيمَ وَكُلِّ حِكْمٍ يَصِحُّ مِنْ ذَلِكَ فَإِنَّ كُلَّ حِكْمٍ مَوْطِنًا يَظْهَرُ بِهِ لَا يَتَعَدَّ إِلَّا
أَلَّا تَرَى الْحَقَّ يَظْهَرُ بِصِفَاتِ الْمُحَدَّثَاتِ وَأَخْبَرَ بِذَلِكَ عَنْ نَفْسِهِ وَبِصِفَاتِ النُّقُصِ وَبِصِفَاتِ
الذَّمِّ أَلَّا تَرَى الْمَخْلُوقَ يَظْهَرُ بِصِفَاتِ الْحَقِّ مِنْ أَوَّلِهَا إِلَى آخِرِهَا وَكُلُّهَا حَقٌّ لَهُ كَمَا هِيَ صِفَاتُ
الْمُحَدَّثَاتِ حَقٌّ لِلْحَقِّ (الْحَمْدُ لِلَّهِ) فَرَجَعْتُ إِلَيْهِ عَوَاقِبُ الثَّنَاءِ مِنْ كُلِّ حَامِدٍ وَمُحْسُودٍ (وَأُتِّ
إِلَيْهِ يُرْجَعُ الْأَمْرُ كُلُّهُ) فَعَمَّ مَا ذَمَّ وَحَمِدَ وَمَا شَدَّ إِلَّا مُحْسُودٌ أَوْ مَذْمُومٌ أَعْلَمَ أَنَّهُ مَا تَخَلَّلَ
شَيْءٌ شَيْئًا إِلَّا كَانَ مُحْمُولًا فِيهِ فَالْمُتَخَلَّلُ اسْمُ فَاعِلٍ مَحْجُوبٌ بِالْمُتَخَلِّلِ اسْمُ مَفْعُولٍ فَاسْمُ الْمَفْعُولِ
هُوَ الظَّاهِرُ وَاسْمُ الْفَاعِلِ هُوَ الْبَاطِنُ الْمُسْتَوْرٍ وَهُوَ غِذَاءُ لَهُ كَالْمَاءِ يَتَخَلَّلُ الصُّوفَةُ فَتَرَبُّو بِهِ وَ
تَتَسَّعُ فَإِنْ كَانَ الْحَقُّ هُوَ الظَّاهِرُ فَالْخَلْقُ مُسْتَوْرٌ فِيهِ فَيَكُونُ الْخَلْقُ جَمِيعَ أَسْمَاءِ الْحَقِّ سَمْعِهِ
وَبَصَرُهُ وَجَمِيعَ نِسْبِهِ وَإِذَا رَأَى كَاتِبَهُ وَإِنْ كَانَ الْخَلْقُ هُوَ الظَّاهِرُ فَالْحَقُّ مُسْتَوْرٌ بَاطِنٌ فِيهِ فَالْحَقُّ
سَمِعُ الْخَلْقِ وَبَصَرُهُ وَيَدُهُ وَرِجْلُهُ وَجَمِيعُ قُوَاهُ كَمَا وَرَدَ فِي الْخَبَرِ الصَّحِيحِ ثُمَّ إِنَّ الذَّاتَ لَوْ
تَعَرَّتْ عَنْ هَذِهِ النِّسْبِ لَمْ تَكُنْ إِلَهًا وَهَذِهِ النِّسْبُ أَحَدُ ثَمَنِي أَعْيَانِنَا فَتَحْنُ جَعَلْنَا هَـ بِهَا...
لَوْ هَيَّيْتِنَا إِلَهًا فَلَا يُعْرِفُ حَتَّى نَعْرِفَ قَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ مَنْ عَرَفَ نَفْسَهُ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهُ وَهُوَ أَعْلَمُ
الْخَلْقُ بِاللَّهِ فَإِنَّ بَعْضَ الْحُكَمَاءِ وَآبَاءِ حَامِدِي إِذْ عَوَا أَنَّهُ يُعْرِفُ اللَّهُ مِنْ غَيْرِ نَظَرٍ فِي الْعَالَمِ وَهَذَا غَلَطٌ
نَعَمْ نَعْرِفُ ذَاتَ قَدِيكَةِ أَنْزَلِيَّةٍ لَا يُعْرِفُ أَنَّهَا إِلَهٌ حَتَّى يُعْرِفَ الْمَالُوكُ فَهُوَ الدَّلِيلُ عَلَيْهِ ثُمَّ بَعْدَ
هَذَا فِي ثَانِي الْحَالِ يُعْطِيكَ الْكَشْفُ أَنَّ الْحَقَّ نَفْسُهُ كَانَ عَيْنَ الدَّلِيلِ عَلَى نَفْسِهِ وَعَلَى الْوَهْيِيَّةِ
وَأَنَّ الْعَالَمَ لَيْسَ إِلَّا تَجَلِيَّةً فِي صُورِ أَعْيَانِهِمُ الثَّابِتَةِ الَّتِي يَسْتَجِيلُ وَجُودَهَا بِدُونِهِ وَأَنَّهُ يَتَنَوَّعُ
وَيَتَصَوَّرُ بِحَسَبِ حَقَائِقِ هَذِهِ الْأَعْيَانِ وَأَحْوَالِهَا وَهَذَا بَعْدَ الْعِلْمِ بِهِ مِنَّا أَنَّهُ إِلَهٌ لَنَا ثَمَرِيَانِي الْكَشْفُ
الْآخِرُ يَظْهَرُ لَكَ صُورًا نَافِيَةً فِيهِ فَيَظْهَرُ بَعْضُنَا لِبَعْضٍ فِي الْحَقِّ فَيَعْرِفُ بَعْضُنَا لِبَعْضٍ وَيَتَمَيَّزُ بَعْضُنَا عَنْ بَعْضٍ
فَبِنَا مَنْ يُعْرِفُ أَنَّ فِي الْحَقِّ وَقَعَتْ هَذِهِ الْمَعْرِفَةُ لَنَا بِنَا وَمِنَّا مَنْ يُجْهَلُ الْحَضَرَةُ الَّتِي وَقَعَتْ
فِيهَا هَذِهِ الْمَعْرِفَةُ بِنَا أَعُوذُ بِاللَّهِ أَنْ أَكُونَ مِنَ الْجَاهِلِينَ وَبِالْكَشْفَيْنِ مَعًا مَا يَحْكُمُ عَلَيْنَا إِلَّا

بِنَا لَا بَلْ نَحْنُ نَحْكُمُ عَلَيْكَ بِنَا وَلَكِنَّ فِيهِ وَلِذَلِكَ قَالَ (فَلِلَّهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ) يَعْنِي عَلَى الْمُحْجُوبِينَ إِذْ
 قَالُوا لِلْحَقِّ لِمَ فَعَلْتَ بِنَا كَذَا كَذَا أَمَّا لَا يُوَافِقُ أَغْرَاضَهُمْ فَيَكْشِفُ لَهُمْ عَنْ سَائِرِ دَهْوِ الْأَمْرِ
 الَّذِي كَشَفَهُ الْعَارِفُونَ هُنَا فَيَرَوْنَ أَنَّ الْحَقَّ مَا فَعَلَ بِهِمْ مَا إِذْ عَمُوا أَنَّهُ فَعَلَهُ وَأَنَّ ذَلِكَ مِنْهُمْ فَإِنَّهُ
 مَا عَلَيْهِمْ إِلَّا عَلَى مَا هُمْ عَلَيْهِ فَنَتَذَكِّرُ مِنْهُمْ وَتَبْقَى الْحُجَّةُ لِلَّهِ الْبَالِغَةُ فَإِنْ قُلْتَ فَمَا فَايِدَةُ قَوْلِهِ
 (فَلَوْ شَاءَ لَهَدَى كُمْ أَجْمَعِينَ) قُلْنَا لَوْ حَرَفْتَ أَمْتِنَا لَمْ يَمْتِنَا فَمَا شَاءَ إِلَّا مَا هُوَ إِلَّا مَرُّ عَلَيْهِ وَلَكِنَّ
 عَيْنَ السُّنَنِ قَابِلٌ لِلشَّيْءِ وَنَقِصُهُ فِي حُكْمِ دَلِيلِ الْعَقْلِ وَآيُ الْحَكَمِيِّ السَّعْقُولِيِّ وَقَعَ فَذَلِكَ هُوَ الَّذِي
 كَانَ عَلَيْهِ السُّدْرُ فِي حَالِ ثُبُوتِهِ وَمَعْنَى لَهْدَى كُمْ أَجْمَعِينَ بَيِّنَ لَكُمْ وَمَا كُلُّ مُمَكِّنٍ مِنَ الْعَالَمِ
 فَتَمَّ اللَّهُ عَيْنَ بَصِيرَتِهِ لَا ذَرَاكَ إِلَّا مَرُّ فِي نَفْسِهِ عَلَى مَا هُوَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ الْعَالِمُ وَالْجَاهِلُ فَمَا شَاءَ فَمَا
 هَذَا يَهْمُ أَجْمَعِينَ وَلَا يَشَاءُ وَكَذَلِكَ إِنْ يَشَاءُ فَهَلْ يَشَاءُ هَذَا مَا لَا يَكُونُ فَمَشِيتُهُ أَحَدِيَّةُ التَّعَلُّقِ
 وَهِيَ نِسْبَةٌ تَابِعَةٌ لِلْعِلْمِ وَالْعِلْمُ نِسْبَةٌ تَابِعَةٌ لِلْمَعْلُومِ وَالْمَعْلُومُ أَنْتَ وَأَحْوَالُكَ فَلَيْسَ لِلْعِلْمِ أَثَرٌ
 فِي الْمَعْلُومِ بَلْ لِلْمَعْلُومِ أَثَرٌ فِي الْعِلْمِ فَيُعْطِيهِ مِنْ نَفْسِهِ مَا هُوَ عَلَيْهِ فِي عَيْنِهِ وَإِنَّمَا وَرَدَ الْخَطَابُ
 إِلَّا لِهَيْئِ بِحَسَبِ مَا تَوَاطَا عَلَيْهِ الْمُخَاطَبُونَ وَمَا أَعْطَاهُ النَّظَرُ الْعَقْلُ مَا وَرَدَ الْخَطَابُ عَلَى مَا يُعْطِيهِ
 الْكَشْفُ وَلِذَلِكَ كَثُرَ السُّؤْمُنُونَ وَقَلَّ الْعَارِفُونَ أَصْحَابُ الْكُشُوفِ (وَمَا مِنَّا إِلَّا لَهُ مَقَامُ
 مَعْلُومٍ) وَهُوَ مَا كُنْتَ بِهِ فِي ثُبُوتِكَ ظَهَرَتْ بِهِ فِي وُجُودِكَ وَهَذَا إِنْ ثَبَتَ أَنَّ لَكَ وُجُودًا فَإِنْ
 ثَبَتَ أَنَّ الْوُجُودَ لِلْحَقِّ لَا لَكَ فَالْحُكْمُ لَكَ بِلَا شَكٍّ فِي وُجُودِ الْحَقِّ وَإِنْ ثَبَتَ أَنَّكَ الْوُجُودُ
 فَالْحُكْمُ لَكَ بِلَا شَكٍّ وَإِنْ كَانَ الْحَاكِمُ الْحَقُّ فَلَيْسَ لَهُ إِلَّا إِفَاضَةُ الْوُجُودِ عَلَيْكَ وَالْحُكْمُ لَكَ
 عَلَيْكَ فَلَا تَحِيدُ إِلَّا نَفْسَكَ وَلَا تَدُمُ إِلَّا نَفْسَكَ وَمَا يَبْقَى لِلْحَقِّ إِلَّا أَحْمَدُ إِفَاضَةُ الْوُجُودِ لِأَنَّ
 ذَلِكَ لَهُ لَا لَكَ فَأَنْتَ غَدَاةُ الْأَحْكَامِ وَهُوَ غَدَاةُكَ بِالْوُجُودِ فَتَعَيَّنَ عَلَيْهِ مَا تَعَيَّنَ عَلَيْكَ فَالْأَمْرُ
 مِنْهُ إِلَيْكَ وَمِنْكَ إِلَيْهِ غَيْرُ أَنَّكَ تُسَمَّى مُكَلَّفًا وَمَا كَلَّفَكَ إِلَّا بِمَا قُلْتَ لَهُ كَلَّفَنِي بِعَالِكَ وَ
 بِمَا أَنْتَ عَلَيْهِ وَلَا يُسَمَّى مُكَلَّفًا اسْمُ مَفْعُولٍ شَعْرٌ

فَيَحْمَدُنِي وَأَحْمَدُهُ ۖ وَيَعْبُدُنِي وَأَعْبُدُهُ

فَنَحْنُ حَالِ أَقْرَبِهِ ۖ وَفِي الْأَعْيَانِ أَحْبَدُهُ

فَيُخْرِفُنِي وَأَنْكَرُهُ وَأَعْرِفُهُ فَأَشْهَدُهُ

فَآتَى بِالْغَفَى وَأَنَا ۖ أَسَاعِدُكَ وَأُسَعِدُكَ
لَذَلِكَ الْحَقُّ أَوْجَدَنِي ۖ فَأَعْلَمُهُ فَأَوْجِبُكَ
يَذَاجَاءُ الْحَدِيثُ لَنَا ۖ وَحَقَّقَ فِي مَقْصَدُكَ

وَلَمَّا كَانَ لِلْخَلِيلِ هَذِهِ الْمُرْتَبَةُ الَّتِي بِهَا سُمِّيَ خَلِيلًا لِذَلِكَ سَنَّ الْقُرَى وَجَعَلَهُ ابْنُ مَسْرُورٍ
الْجِيلَ مَعَ مِيكَائِيلَ مَلِكِ الْأَمْرَاقِ وَالْأَرْزَاقِ يَكُونُ تَغْدِي الْمَرْزُوقِينَ فَإِذَا تَخَلَّلَ الْمَرْزُوقُ ذَاتَ
الْمَرْزُوقِ بِحَيْثُ لَا يَبْقَى فِيهِ شَيْءٌ إِلَّا تَخَلَّلَهُ فَإِنَّ الْغِذَاءَ يَسْرِي فِي جَمِيعِ أَجْزَاءِ الْمَتَغَدِّ
كُلِّهَا وَمَا هُنَاكَ أَجْزَاءٌ فَلَا بُدَّ أَنْ يَتَخَلَّلَ جَمِيعَ الْمَقَامَاتِ إِلَّا لِهَيْئَةِ الْمُبْعَرِّ عَنْهَا بِالْأَسْمَاءِ فَيُظْهِرُ
بِهَا ذَاتَهُ جَلًّا وَعَلَا شَعْرًا

فَنَحْنُ لَهُ كَمَا ثَبَتَتْ ۖ أَدَلَّتْنَا وَنَحْنُ لَنَا!!
وَلَيْسَ لَهُ سِوَايَ كَوْنِي ۖ فَنَحْنُ لَهُ كَنَحْنُ لَنَا!
فَلِي وَجْهَانِ هُوَ وَأَنَا ۖ وَلَيْسَ لَهُ أَنَا يَا ذَا!
وَلَكِنْ رَفَعَ مَظْهَرَهُ ۖ فَنَحْنُ لَهُ كَمِثْلِي إِنْ أُنَا!
(وَاللَّهُ يَقُولُ الْحَقُّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيلَ) ۖ

یہ حکمت مہیمیہ کا قصہ کلمہ ابراہیمیہ کے بیان میں ہے

مہیمیہ مہیم سے مشتق ہے۔ مہیم صیغہ اسم فاعل باب تفعیل سے ہے۔ مراد ہیمن کے مورث ہے۔
ہیمن کے معنی شور و غل و عیش و شہوت ہے۔ اور یائے مشدودہ تحتانی ساتھ تائی فوقانی کے آخر میں واسطے مبالغہ کے
ہے۔ ہیمن افراط عیش و شدت محبت سے حاصل ہوتا ہے اور ایجاد عالم کا اصل یہی محبت ہے کما ورد
فِي الْحَدِيثِ الْقُدْسِيِّ كُنْتُ كَغُرًّا مَخْفِيًّا فَاحْبَبْتُ أَنْ أَعْرِفَ فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ۔ حکمت مہیمیہ حکمت
قدوسیہ کے بعد اسلئے لائی گئی ہے کہ حکمت قدوسیہ مورث تنزیہ ہے اور حکمت مہیمیہ مورث تشبیہ ہے کیونکہ
عشق اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ معشوق ہمیشہ حاضر اور دائم الواصل رہے اور معدوم و متغیر نہ ہو۔ یہی وجہ ہے
کہ ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا (لَا أُحِبُّ الْآفِلِينَ) اور یہ حضور می تشبیہ یعنی صورت میں ہوگی۔ اس حکمت کو ابراہیم
علیہ السلام کی طرف اسلئے منسوب کیا گیا ہے کہ اولادِ آدم علیہ السلام میں آپ اول وہ ہستی ہیں جنکو رب تعالیٰ

نے اپنے عشق اور خلقت سے نوازا اور آسمانوں اور زمینوں میں اپنا تجلی دکھایا لِقَوْلِهِ تَعَالَى (وَكَذَلِكَ نُرِىْ
اِبْرٰهِيْمَ مَلٰكُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ)۔

حضرت ابراہیم خلیل اللہ کا نام خلیل صرف اس لئے رکھا گیا ہے کہ آپ کو جمیع صفات الہیہ و مظاہر الہیہ
میں تخلل و حصر حاصل ہے۔ تخلل سے مراد خلل ڈالنا یا بیچ میں آنا ہے۔ پس تخلل تو آپ کو جمیع صفات الہیہ میں
حاصل ہے اور حصر آپ کو جمیع مظاہر الہیہ میں حاصل ہے۔ مراد یہ ہے کہ آپ کو فنا فی الصفات کا مرتبہ حاصل ہے
نیز آپ کو جمیع مظاہر الہیہ پر عبور حاصل ہے۔ مظاہر الہیہ سے مراد ارضین و سموات ہے یعنی آپ کو کشف کوئی
حاصل تھی۔ فنا فی الصفات سے مراد صفات بشری کا زوال اور اللہ تعالیٰ کی صفات کا ظہور ہے۔ اس سے
ثابت ہوا کہ آپ کو فنا فی الذات کا مرتبہ نصیب نہ تھا۔ فنا فی الذات سے مراد یہ ہے کہ بندہ بالکل تمام موجودات
کے شعور سے حتیٰ کہ اپنے آپ کے شعور سے بھی فنا ہو جائے اس حد تک کہ اُس کی نظر میں سوائے وجود حق
سبحانہ و تعالیٰ کے اور کچھ باقی نہ رہے۔ بندے کے اللہ تعالیٰ میں فنا ہونے کے یہی معنی ہیں۔ فنا فی الصفات
کو قرب نوافل کہتے ہیں اور فنا فی الذات کو قرب فرائض کہتے ہیں۔ لہذا ثابت ہوا کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ
قرب نوافل سے مشرف ہیں اور سرکارِ دو عالم جناب محمد پاک صلی اللہ علیہ وسلم قرب فرائض سے مشرف ہیں
لِقَوْلِهِ تَعَالَى (وَمَا مَمِيَّتٌ اِذْ مَمِيَّتٌ وَلَٰكِنَّ اللّٰهَ سَمِیٌّ)۔ بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ نرالی شان ہے کہ
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے بعض کُل افراد بھی فنا فی الذات یعنی قرب فرائض کے مقام سے مشرف ہیں
لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ اِنَّ اللّٰهَ يَنْطِقُ عَلٰی لِسَانِ عُمَرَ تَحْقِیْقَ اللّٰه تَعَالٰی عُمَر کی زبان پر بولتا ہے۔ یہ ہی وجہ ہے
کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت مبارکہ کے بعض کُل افراد درجہ میں، مرتبہ میں، کمال میں اور قرب میں سابقہ
انبیاء علیہم السلام سے افضل ہیں کَمَا وَرَدَ فِی الْحَدِیْثِ الْقُدْسِیِّ الْمُنْتَحَابُوْنَ فِیْ جَلَالِیْ لَھُمْ مَنَابِرُ مِنْ نُورٍ
يَغِيْطُھُمْ النَّبِیُّوْنَ وَالشُّھَدَآءُ۔ فنا فی الصفات میں فاعل بندہ آلت رب ہے۔ فنا فی الذات میں آلت
بندہ فاعل حق ہے۔ نیز حضرت ابراہیم خلیل اللہ کشف کوئی سے مشرف تھے، کشف الہیہ سے مشرف نہ تھے۔
کشف الہیہ سے مراد توحید باری تعالیٰ کے اسرار ہیں۔ یہ وہ اسرار ہیں جو صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور
آپ کی امت کے کُل افراد جو فنا فی الرسول کے مقام سے مشرف ہیں۔ سابقہ انبیاء علیہم السلام
کو ان میں بہرہ نہیں کیونکہ یہ سنگِ سرکارِ دو عالم جناب محمد پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کے بعد جاری کیا گیا ہے
کسی شاعر نے کیا عمدہ کہا ہے شعر

(۱) تحقیق تو درمیان آیا اور میرے رُوح کی جگہ تو نے سرایت کی اور اسی سبب سے ابراہیم خلیل اللہ کا نام خلیل رکھا گیا۔
 سرایت کرنے کی دوسری مثال یہ ہے کہ رنگ کسی رنگین چیز میں سرایت کر جائے اور عرض بحیثیت جوہر کے ہو جائے۔
 یعنی بندے کی صفات ذات حق کی صفات میں فنا ہو جائیں۔ بشری صفات حق تعالیٰ کی صفات کا ملہ کا ہی ظہور ہیں
 لیکن صفات کا ملہ کا ظہور ہر بشر کی استعداد اور قوت جذب کے مطابق ہوتا ہے۔ لہذا بشری صفات مثل عرض کے
 ہیں اور صفات حق مثل جوہر کے ہیں۔ پس بندے کی صفات کا زوال اور صفات حق کا ظہور ہو جاتا ہے۔

تو جزوی حق گل است گر روزے چند : اندیشہ گل پیشہ کئی گل باشی

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تخیل حق تعالیٰ کی ذات میں مثل مکین اور مکان کے نہیں ہے۔ مکین اور مکان دو علیحدہ
 وجود ہیں۔ بلکہ یہ سرایت کرنا ایسا ہے جیسا سیاہی کا سرایت کرنا بیچ حروف کے ہے۔ ابراہیم خلیل اللہ کا نام خلیل
 رکھنے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ کا وجود صورت ابراہیم علیہ السلام میں تخیل ہے۔ یعنی ابراہیم علیہ السلام
 کی صورت پر حق تعالیٰ کا ظہور ہے۔ پس آپ کا نام خلیل رکھنے کی دو وجہ بیان کی گئی ہیں (۱) آپ کا تخیل صفات
 الہیہ میں (۲) ذات حق کا تخیل آپ کی صورت پر۔ اس میں یہ اشارہ ہے کہ انسان کامل حق اور خلق کے درمیان
 برزخ جامع ہے۔ صفات خلقی سے بھی موصوف ہے اور صفات حق سے بھی موصوف ہے چنانچہ سید الکونین حضرت
 امام حسین علیہ السلام اپنی کتاب مرآت العارفین میں فرماتے ہیں فَهَذَا الْبَرَزُخُ هُوَ مَرْتَبَةُ التَّنَزُّلِ الرَّبَّانِيِّ لِيَتَّصِفَ
 الرَّبُّ فِيهَا بِالصِّفَاتِ الْعَبْدَانِيَّةِ وَ مَرْتَبَةُ ارْتِفَاعِ الْعَبْدِ لِيَتَّصِفَ الْعَبْدُ فِيهَا بِالصِّفَاتِ السَّرَّابَانِيَّةِ فِيهِ
 الْعَبَادَةُ الْمَذْكُورَةُ فِي الْحَدِيثِ الْمَشْهُورِ بِسُيَرِ بَرَزَخِ وَهُوَ مَرْتَبَةُ تَنْزُّلِ رَبَّانِي كَمَا هِيَ تَاكُ رُبُّ تَعَالَى فِي هَذَا
 صِفَاتِ عِبَادَتِهِ كَمَا هِيَ تَرْقِي كَمَا مَرْتَبَةُ تَرْقِي كَمَا مَرْتَبَةُ تَرْقِي كَمَا مَرْتَبَةُ تَرْقِي كَمَا مَرْتَبَةُ تَرْقِي كَمَا مَرْتَبَةُ تَرْقِي
 متصف ہو پس حدیث مشہور میں یہی مرتبہ عما یعنی برزخ انسانی مذکور ہے۔ اور حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے وجود پر
 تمام احکام صادق آتے ہیں یعنی آپ صفات عبودیت اور صفات ربوبیت دونوں سے موصوف ہیں :

ہر حکم کیلئے ایک خاص موطن ہے اور وہ حکم اسی موطن سے ظاہر ہوتا ہے اور وہ حکم اُس مقام سے تجاوز
 نہیں کرتا۔ اس راز کو سمجھانے کیلئے سید الکونین حضرت امام حسین پاک صلوٰۃ اللہ علیہ و علی آباءہ الکرام نے اپنی تصنیف
 لطیف مرآۃ العارفین میں ایک دائرہ پیش کیا ہے وَهُوَ هَذَا :-

دَائِرَةُ اللَّهِ

دائرة اللہ

اُمین

توس

رُبُوبِيَّةٌ

صفات فاعله وجوبية مظاهر الله

حقيقت مستندہ جامعۃ الربوبية والإنسانية

صفات قابله إمكانيّة مظاهر الله

عُبُودِيَّةٌ

اُمير

توس

خط وسطانی نے دائرہ کو دو قوسوں میں تقسیم کر دیا ہے، قوس اعلیٰ یا قوس رُبُوبِيَّة اور قوس اسفل یا قوس عُبُودِيَّة۔
مراد یہ ہے کہ رُبُوبِيَّة اور عُبُودِيَّة ایک ہی ذات کی دو شانیں ہیں اور دونوں کے مقام الگ الگ ہیں یعنی
عبد عبد ہے اور رب رب ہے لیکن اس سے دو وجود ثابت نہیں ہوتے بلکہ عُبُودِيَّة اور رُبُوبِيَّة ایک
ہی ذات کی دو شانیں ہیں۔ مرتبہ لا تعین میں اُس ذات کا نام رب ہے اور مرتبہ تعین میں اُس ذات کا نام عبد
ہے۔ مرتبہ اطلاق میں اُس ذات کا نام رب ہے اور مرتبہ تقييد میں اُس ذات کا نام عبد ہے۔ لیکن کیا تو نہیں
دیکھتا کہ حق خلقی صفات کے ساتھ حتیٰ کہ صفات ناقصہ اور مذمومہ کیساتھ بھی ظاہر ہوتا ہے اور اُس نے خود
اس امر کی قرآن مجید میں صراحت فرمائی ہے۔ جب رب تنزل فرماتا ہے تو صفات عُبُودِيَّة سے موصوف
ہو جاتا ہے بِقَوْلِهِ تَعَالَى (إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ أَوْ يَمْكُرُونَ بِاللَّهِ خَيْرُ الْمَأْكُورِينَ)
اور اسی طرح کیا تو نہیں دیکھتا کہ خلق مجملہ حتیٰ صفات کیساتھ ظاہر ہوتی ہے اور تمام حتیٰ صفات خلق کی واسطے
ثابت ہیں جیسے تمام خلقی صفات حق کی واسطے ثابت ہیں۔ مراد یہ ہے کہ جب عبد ترقی کرتا ہے تو صفات
رُبُوبِيَّة سے مشرف ہو جاتا ہے جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حق میں نازل ہوا ہے (إِنِّي قَدْ جِئْتُكُمْ
بِآيَةٍ مِنْ رَبِّكُمْ إِنِّي أَخْلُقُ لَكُمْ مِنَ الطَّيْرِ فَافْتَحْ فِيهِ فَيَكُونُ طَيْرًا بِإِذْنِ اللَّهِ وَ
أُبْرِئُ الْأَكْمَهَ وَالْأَبْرَصَ وَأُحْيِي الْمَوْتَى بِإِذْنِ اللَّهِ وَأُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَأْكُلُونَ وَتَدْخِرُونَ فِي بُيُوتِكُمْ

إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لِّكُلِّ مَنَّانٍ ﴿١٠٧﴾

(الْحَمْدُ لِلَّهِ) سب تعریف واسطے اللہ تعالیٰ کے ثابت ہے۔ یعنی ہر حامد اور محمود کی ثنا کا انخام اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہوتا ہے (وَالْيَهُ يُزَجِّعُ الْأُمُورُ كُلَّهُ) اور تمام امور اسی اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہوتے ہیں۔ تمامی امور میں حمد بھی شامل ہے اور ذم بھی شامل ہے اور ہر شے یا محمود ہوتی ہے یا مذموم ہوتی ہے۔ مراد یہ ہے کہ (الْحَمْدُ لِلَّهِ) سے یہ شائبہ گزرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف صرف حمد ہی منسوب ہے ذم منسوب نہیں اس لئے آیہ کریمہ (وَالْيَهُ يُزَجِّعُ الْأُمُورُ كُلَّهُ) میں وضاحت فرمادی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام صفات خلقی کیساتھ موصوف ہے خواہ وہ صفات محمود ہوں یا مذموم۔

اے طالب! جان لے کہ تحقیق ایک شے دوسری شے میں داخل نہیں ہو سکتی جب تک شے اول شے ثانی میں محمول نہ ہو یعنی شے ثانی اُس کی حامل ہوگی۔ پس مُتَخَلِّل ہو کہ اسم فاعل ہے مُتَخَلِّل ہو کہ اسم مفعول ہو میں محبوب اور مستور ہے لہذا اسم مفعول ظاہر ہے اور اسم فاعل اُس میں باطن اور مستور ہے۔ نیز باطن ظاہر کیلئے غذا ہے جیسا کہ پانی جب صوف یعنی اُون میں داخل ہوتا ہے تو اُون اُس کے سبب بڑھتی ہے اور وسیع ہو جاتی ہے۔ مراد یہ ہے کہ ہر شے کا قیام ساتھ اللہ تعالیٰ کے ہے کسی شے کا اپنا ذاتی مستقل وجود نہیں ہے بلکہ ہر موجود کا وجود ساتھ وجود باری تعالیٰ کے ہے جیسے حروف کا وجود ساتھ سیاہی کے ہے زیورات کا وجود ساتھ سونے کے ہے اور کپڑے کا وجود ساتھ روئی کے ہے۔ اگر حق ظاہر ہو تو خلق اُس میں مستور ہے۔ اس صورت میں خلق حق کے جمیع اسماء و صفات ہوگی یعنی حق کی سمیع و بصر بلکہ جمیع نسبتیں و ادراکات خلق ہوگی۔ اس مرتبہ کا نام قُرب فرائض ہے یعنی بندہ بالکلیہ تمام موجودات کے شعور سے قحی کہ اپنے آپ کے شعور سے بھی فنا ہو جائے اس حد تک کہ اُس کی نظر میں سوائے وجود حق سبحانہ و تعالیٰ کے اور کچھ باقی نہ رہے۔ بندہ کے اللہ تعالیٰ میں فنا ہونے کے یہی معنی ہیں۔ یہ فنا فی الذات کا مقام ہے۔ اس میں آلت بندہ اور فاعل حق ہے جیسا قرآن مجید میں وارد ہوا ہے (وَمَا مَیِّتٌ رَّآذٍ مَّیِّتٌ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ سَمِیٌّ) یا حدیث شریف میں وارد ہے إِنَّ اللَّهَ یَنْطِقُ عَلَى لِسَانِ عَمْرٍو۔ اور اگر خلق ظاہر ہو تو حق اُس میں مستور اور باطن ہوگا۔ پس حق تعالیٰ خلق کی سمیع و بصر و ماتہ و پاؤں بلکہ اُس کے جمیع قوئی ہوگا جیسا کہ حدیث صحیح میں وارد ہوا۔ یہ قُرب نوافل کا مرتبہ ہے۔ اور فنا فی الصفات کا مقام ہے۔ اس مرتبہ میں صفات بشری کا زوال اور اللہ تعالیٰ کی صفات کا ظہور ہوتا ہے اس طرح کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے زندہ کرے اور مارے اور تمام جسم سے سُنے اور دیکھے نہ کہ صرف

کان اور آنکھوں سے اور اسی طرح تمام صفات ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ کی صفات میں بندے کی صفات کے فنا ہونے کا یہی معنی ہے اور یہ نوافل کا ثمرہ ہے۔ اس مرتبہ میں قائل بندہ اور آلت رب ہے جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہوا وَمَا يَزَالُ عَبْدِي يَتَقَرَّبُ إِلَيَّ بِالنَّوَافِلِ حَتَّىٰ أَحْبَبْتُهُ فَإِذَا أَحْبَبْتُهُ فَكُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِي يَسْمَعُ بِهِ وَبَصَرَهُ الَّذِي يُبْصِرُ بِهِ وَيَدَهُ الَّتِي يَبْطِشُ بِهَا وَرِجْلَهُ الَّتِي يَمْشِي بِهَا۔

پھر تحقیق اگر حق تعالیٰ کی ذات ان نسبتوں سے عاری ہوتی تو وہ معبود نہ ہو سکتی اور یہ وہ نسبتیں ہیں جنکو ہمارے اعیان نے ظاہر کیا پس ہم نے اُس ذات کو اپنی عبادت سے معبود گردانا۔ ذات حق مرتبہ احدیت میں تمام اضافتوں سے مشرکہ اور معرّی ہے۔ اس مرتبہ میں اسماء و صفات حق کا ظہور نہیں۔ جب ذات حق نے اس مرتبہ لاتعین اور بطون و دربطون سے تنزل فرما کر ظہور فرمایا تو اپنے ظہور یعنی اپنے اسماء و صفات کے ظہور کی خاطر اپنے علم قدیم میں اپنی ہی ذات سے خلق کی علمی صورتیں یعنی علمی وجود پیدا کئے۔ پھر ان علمی وجودوں کے احکام و آثار کے مطابق عینی خارجی وجود پیدا کئے۔ تو گویا اُس ذات کے اسماء و صفات کا ظہور ہماری صورتوں پر ہوا۔ یعنی ہمارے تعینات میں اُسی لاتعین کا ظہور ہے۔ پس تعین کے لحاظ سے ہم عابد ہیں اور اپنی حقیقت کے لحاظ سے ہم ہی معبود ہیں۔ معبود کے وجود کو ثابت کرنے کیلئے عابد کا ہونا لازمی ہے۔ پس وہ نہیں پہچانا جاتا ہے جب تک ہم نہ پہچانے جائیں اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے اپنی ذات کو پالیا پس تحقیق اُس نے اپنے رب کو پالیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم خلق میں سے سب سے زیادہ عارف باللہ ہیں۔ اور جو بعض حکماء اور امام ابو حامد محمد غزالی نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ تحقیق اللہ تعالیٰ بغیر عالم میں نظر کرنے کے پہچانا جاتا ہے، محض غلط ہے ہاں البتہ وہ ذات قدیم ازلی بغیر عالم کے پہچانی جاتی ہے لیکن یہ بات کہ وہ ذات معبود ہے نہیں پہچانی جاتی جب تک کہ عابد نہ پہچانا جاوے پس عالم ہی اللہ تعالیٰ پر دلیل ہے۔ مراد یہ ہے کہ چونکہ اللہ تعالیٰ کی صفات کا ظہور بغیر عالم کے نہیں ہو سکتا لہذا صفات حق کا عرفان بغیر خلق کے نہیں ہو سکتا۔ اب کوئی عاشق رب سمع رب و بصر رب کو تلاش کرے تو اُس سمع و بصر کا نمونہ خلق میں دیکھے گا۔ اسی طرح دیگر مجملہ صفات رب کو بھی خلق میں دیکھیں گے۔ بعض اوقات عارف کے دل میں سے نور کی شعاعیں پیدا ہوتی ہیں اور وہ ذات کا تجلی بغیر صورت کے ہے لیکن اُس میں کوئی سرور نہیں۔ جب وہ ذات کسی صورت پر یا اپنے شیخ کی صورت پاک پر یا جناب رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت پاک پر متجلی ہو تو طالب کو سرور اور عرفان معاً حاصل ہو جائیگا۔ بی صورتی کے تجلی میں اُس ذات قدیم ازلی جس مرتبہ میں اسماء و صفات کا ظہور نہیں، کا عرفان ہو جاتا ہے لیکن ذات کے اسماء و صفات کا عرفان بغیر مشاہد عالم

کے نہیں ہو سکتا اور اُس ذات کا عرفان کما حقہ بغیر مشاہدہ جناب محمد پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے نہیں ہو سکتا۔
 پھر بعد اس معرفت ثانی الحال کے یعنی معرفت حق ساتھ مشاہدہ عالم کے یہ امر تجھ پر منکشف ہو جائے گا کہ
 تحقیق حقیقی ذات خود اپنی ذات پر اور اپنی اُلُوہیت پر عین دلیل ہے کیونکہ عالم عین حق ہے اور حق عین عالم۔
 اسلئے عالم حق پر دلیل ہے یا حق حق پر دلیل ہے یا عالم عالم پر دلیل ہے ایک ہی رمز ہے جب ہم کہتے ہیں کہ حروف سیاہی پر دلیل
 ہیں تو حروف عین سیاہی ہیں اور سیاہی عین حروف تو حروف سیاہی پر دلیل ہیں یا سیاہی سیاہی پر دلیل ہے
 ایک ہی بات ہے۔ مراد یہ ہے کہ سالک کے ذہن سے یہ وہم دور کرنا ہے کہ عالم کا اپنا علیحدہ ذاتی مستقل وجود
 سوائے وجودِ حق تعالیٰ کے نہیں ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا وجود سوائے عالم کے نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ازل
 الازل میں اپنے ہر صفت ذاتی کے مقام سے تنزل فرما کر پہلے عالم کے اعیان ثابتہ کی صورتوں پر تجلی فرمایا۔ اس
 تجلی سے ممکناتِ عالم کے حقائق کا علمی وجود علم الہی میں ظہور پذیر ہوا۔ اس تجلی کو فیض اقدس کہتے ہیں۔ پھر فیض مقدس
 سے ان اعیان ثابتہ یا صورتِ علمیہ کے حقائق و احوال کے مطابق اللہ تعالیٰ نوع بنوع اور صورت پذیر ہوتا ہے۔ اور
 عالم کو عینی خارجی وجود نصیب ہوتا ہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ عالم تجلی حق ہے لہذا عالم حق پر دلیل ہے یا حق حق پر دلیل
 ایک ہی بات ہے۔ اور یہ امر اس وقت ہم پر منکشف ہوتا ہے جب ہم کو یہ علم نصیب ہوتا ہے کہ تحقیق وہ ہمارا
 معبود ہے۔ مراد یہ ہے کہ جب سالک عابد کو اپنی حقیقت کا علم نصیب ہو جاتا ہے کہ میری ہی حقیقت معبود ہے
 اور حق ہے تو اُس پر اس راز کا انکشاف ہو جاتا ہے کہ جملہ عالم کی حقیقت حق ہے کیونکہ ممکن ممکن میں کوئی فرق نہیں
 پس سالک کو چاہیے کہ پہلے اپنی حقیقت کو پانے کی کوشش کرے۔ جب اپنے آپ کو پالیکا تو جملہ عالم کو پالیکا کہ عالم
 تجلی حق ہے بلکہ حق ہے۔

اے طالب! اس کشف کبریٰ یعنی معرفت الہی کے بعد تجھے ایک اور کشف نصیب ہوگی جس کو کشف
 صغریٰ کہا جاتا ہے۔ تیری نظر علم الہی پر پڑے گی اور اُس علم الہی میں تجھے ہم اہل عالم کی صورتیں علیحدہ علیحدہ نظر آئیں
 گی۔ علم الہی سے مراد مرتبہ واحدیت میں جملہ عالم کے ممکنات کے حقائق و احوال و استعدادات کا تفصیلی علم ہے۔
 ممکنات کے حقائق کا نام صورتِ علمیہ یا اعیان ثابتہ ہے۔ حکماء ان کو ماہیات کہتے ہیں۔ ہر شے اور ہر انسان کے احوال
 ازل سے لیکر ابد تک اُس کے عین ثابتہ کے مطابق یعنی اُس کی استعداد کے مطابق علم الہی میں مندرج ہیں۔ پس
 عارف کامل کو جب یہ کشف نصیب ہوتی ہے تو جملہ اہل عالم کی علمی صورتیں علم الہی میں دیکھتا ہے یعنی علم الہی
 میں اُن کی استعدادات کے مطابق جو کچھ مندرج ہے سب کچھ پڑھتا ہے اور جانتا ہے اور ایک دوسرے کے

نے عطا کر دیا۔ اگر کسی نے زہر مانگا تو عطا کر دیا، کفر مانگا تو عطا کر دیا، اسلام مانگا تو عطا کر دیا۔ اب جو حقیقی کی طرف سے تو عطا ہی عطا ہے۔ مانگنے والے ہم ہیں گویا ہم خود ہی اپنی استعدادات کے مطابق خود پر حکم کر رہے ہیں۔ اسی لئے رب تعالیٰ نے فرمایا (فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ) پس اللہ تعالیٰ کیلئے حجت بالغہ ہے۔ یعنی اُن مجاہدین پر جو اللہ تعالیٰ کو روزِ حساب یہ کہیں گے کہ تُو نے ہمارے ساتھ ایسا اور ایسا کیوں کیا، اللہ تعالیٰ کیلئے حجت بالغہ ہے، ایسا سے مراد وہ امور جو اُن کی اغراض کے موافق نہ تھے۔ اللہ تعالیٰ اُن کیلئے پنڈلی نشکی کر دے گا یعنی اُن پر یہ حقیقت کھول دے گا۔ غارِ دنیا میں ہی کشف سے اس راز کو پالیتے ہیں۔ پس مجاہدین دیکھ لیں گے کہ اُن کا دعویٰ کہ یہ امور ناقصہ ہم پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں، غلط ہے اور جان لیں گے کہ سب کام اُنہیں سے ہیں کیونکہ حقیقتاً تعالیٰ نے جو کچھ اُن پر مقدر کیا تھا وہ اُن کی استعدادات کی مطابق ہی مقدر کیا تھا لہذا اُن کی حجت باطل ہو جائیگی اور اللہ تعالیٰ کی حجت کاملہ حق ثابت ہوگی۔ اور اگر تو کہے کہ اللہ تعالیٰ کے قول (فَلَوْ شَاءَ لَهَدٰىكُمْ اٰجِبَعِيْنَ) پس اگر چاہتا اللہ تعالیٰ تو البتہ تم سب کو ہدایت کرتا، کا کیا فائدہ ہے، تو ہم کہیں گے کہ حرفِ نو (اگر) حرفِ امتناع واسطے امتناع کے ہے۔ یعنی فلو شاء اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایسا چاہا ہی نہیں اور ایسا چاہ سکتا ہی نہیں کیونکہ اُس کی چاہت ہر انسان کے متعلق اُس انسان کے عین ثابتہ کے حکم پر ہوگی۔ اور عقلی دلیل کے مطابق ایک ممکن کا عین ثابتہ کسی ایک شے یا اُس شے کی نقیض کے قابل ہوگا۔ اور جو ایک حکم ان دو عقلی حکموں میں سے واقع ہوگا وہی حکم اُس ممکن کے عین ثابتہ کا تھا اور اُسی حکم کے مطابق اللہ تعالیٰ اُس انسان کو چاہیگا۔ مثال کے طور پر ایک انسان اپنے عین ثابتہ یعنی علم الہی میں یا کافر ہو سکتا ہے یا مسلمان ہو سکتا ہے۔ اگر اُس پر کافر کا حکم جاری ہو چکا ہے تو رب تعالیٰ اُس کیلئے اب اسلام نہیں چاہتا بلکہ نہیں چاہ سکتا۔ اور (لَهَدٰىكُمْ اٰجِبَعِيْنَ) سے مراد لَبَيِّنَ لَكُمْ ہے یعنی اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو تم سب پر یہ راز ظاہر کر دیتا کہ اللہ تعالیٰ کیلئے حجت بالغہ اور کاملہ ہے عالم میں سے ہر ممکن اس لائق نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اُس کی بصیرت کی آنکھ کھول دے تاکہ وہ اس حقیقت کا ادراک کر سکے، اسلئے خلق میں سے بعض عالم ہیں اور بعض جاہل ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے نہ چاہا اور نہ ہی سب کو ہدایت کی اور نہ ہی اس امر کو چاہتا ہے اور آئندہ بھی نہ چاہے گا۔ اور ایسا ہی حال (اِنْ يَّشَأْ) کا ہے۔ حق تعالیٰ ایسی چیز کو کیا چاہے گا جو کبھی ہونے والی نہیں ہے کیونکہ حقیقتاً تعالیٰ کی ہر چاہت حکمت پر مبنی ہے۔ ہر شخص کے عین ثابتہ کیلئے دو جہتیں ہیں، یا تو اُس کی استعداد اور قابلیتِ ہدایت کے لائق ہوگی اور یا اُس کی استعداد

ضلالت کے لائق ہوگی۔ پس اللہ تعالیٰ کی مشیت کا تعلق ان دو جہتوں میں سے ایک ہی کے ساتھ ہوگا۔ اگر اُسکی استعداد ہدایت کے قابل ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اُس کیلئے ہدایت چاہتا ہے اور اگر اُس کی استعداد ضلالت کے قابل ہے تو اللہ تعالیٰ اُس کیلئے ضلالت ہی چاہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مشیت ایک نسبت ہے جو اُس کے علم کے تابع ہے اور اُس کا علم ایک نسبت ہے جو معلوم کے تابع ہے اور اُسے طالب! تو اور تیرے احوال تیرے عین ثابتہ میں معلوم ہے۔ پس علم کا اثر معلوم میں نہیں ہے بلکہ معلوم کا اثر علم میں ہے۔ لہذا شے معلوم حقتعالیٰ کو اپنی ذات سے وہ حکم اور علم عطا کرتی ہے جس پر وہ معلوم اپنے عین ثابتہ میں ہے۔ نیز قرآن مجید میں جملہ احکام مخاطبین کے فہم و نظر عقلی کے مطابق حقتعالیٰ نے نازل کئے ہیں۔ اہل کشف کے فہم کے مطابق خطاب الہی وارد نہیں ہوا کیونکہ مومنین بہت ہیں اور عارفین صاحب کشف کم ہیں۔ رب تعالیٰ نے خطاب عام مسلمانوں کی عقل کے مطابق کیا ہے۔ اب عام مسلمانوں کا چوہ نہ کہ یہ ہی عقیدہ ہے کہ رب تعالیٰ جو چاہے کر سکتا ہے اسلئے اُن کی عقل کے مطابق فرمایا (فَلَوْ شَاءَ لَهَدَاكُمْ أَجْمَعِينَ) کیونکہ اُن عام مسلمانوں کو یہ خبر نہیں کہ اُس کی مشیت اُس کے علم کے تابع ہے۔

(وَمَا مِنَّا إِلَّا لَهُ مَقَامٌ مَّعْلُومٌ) اور ہم میں سے ہر ایک کیلئے ایک خاص معین مقام ہے۔ اسے طالب! یہ وہ مقام ہے جس میں تو علم الہی میں بحیثیت عین ثابتہ کے موجود تھا اور اُسی معلوم مقام کیساتھ تو اپنے وجود خارجی میں ظاہر ہوا ہے۔ مراد یہ ہے کہ جو احوال اور آثار تیری استعداد نے علم الہی کو عطا کئے تھے اُن ہی احوال اور آثار کے مطابق تیرا ظہور تیرے وجود خارجی میں ہوا ہے۔ اور یہ مذکور تب صادق آتا ہے جب یہ امر ثابت ہو کہ تحقیق تیرے واسطے وجود خارجی ہے۔ چونکہ ہر شے کی صورت پر حقتعالیٰ کا ظہور ہے جیسے ہر حرف کی صورت پر سیاہی کا ظہور ہے اسلئے ہر شے کے وجود کی دو نسبتیں ہیں۔ ظاہر کی رُو سے ہر شے کا وجود اپنا ہے لیکن حقیقت کی رُو سے ہر شے کا وجود اللہ تعالیٰ کا وجود ہے۔ مثال کے طور پر ل کا اپنا وجود ہے ب کا اپنا وجود ہے لیکن حقیقت کی رُو سے ل بھی سیاہی کا ایک وجود ہے اور ب بھی سیاہی کا ایک وجود ہے۔ اور اُسے طالب! اگر یہ ثابت ہو کہ یہ وجود خارجی حقتعالیٰ کا ہے تیرا نہیں ہے تو تیرا حکم بے شک حقتعالیٰ کے وجود میں ہے یعنی تیرا اپنا وہی وجود مٹ جاتا ہے۔ یعنی جب طالب خدا پر یہ عقدہ کھل جاتا ہے کہ یہ میرا وجود میرا نہیں ہے بلکہ اُسی کا ہے تو وہ اصل باللہ ہو جاتا ہے۔ اور اگر ثابت ہو کہ تحقیق تو موجود ہے تو بے شک احکام کی نسبت تیری طرف ہوگی۔ اگرچہ حاکم حقیقی اور فاعل حقیقی حقتعالیٰ ہی ہے لیکن افاضہ وجود کی نسبت تو حقتعالیٰ کی طرف ہوگی

اور مجملہ احکام اور افعال اور صفات کی نسبت تیری طرف ہوگی۔ پس تو تعریف بھی اپنے نفس کی کر اور مذمت بھی اپنے نفس ہی کی کر۔ اگرچہ تیرے اعمال کا خالق حقیقی ہے لیکن اعمال کا کاسب تو ہی ہے اسلئے نیکی اور بدی کی نسبت تیری ہی طرف کی جائیگی۔ حقیقی کی طرف تو صرف افاضہ وجود کی نسبت کی جائیگی کیونکہ تحقیق وجود کی نسبت اسی طرف ہے نہ کہ تیری طرف۔ پس احکام میں تو اُس کی غذا ہے اور وجود میں وہ تیری غذا ہے۔ نیز وَالْحُكْمُ لَكَ عَلَيْكَ حُكْم واسطے تیرے ہے اور پر تیرے یعنی تیری استعداد نے ازل میں جو کچھ حقیقی سے سوال کیا حقیقی نے عطا کر دیا تو پس حقیقی کی طرف سے تو عطا ہی عطا ہے۔ اب تیری استعداد نے جو اعمال طلب کئے حقیقی نے عطا کر دیئے تو پس تو اپنے اعمال کا خود ہی طالب اور حاکم ہے لہذا ہر فعل نیک ہو یا بد ہو تو نے خود ہی لسان حال سے مانگا بلکہ اپنے واسطے حکم کیا۔ پس چونکہ تو اپنے پر خود ہی حاکم ہے لہذا ہر نیک و بد کا تو ہی ذمہ دار ہے۔ اس طرح سے ہر نیکی پر حمد بھی اپنی ہی کر اور ہر بُرائی پر مذمت بھی اپنی ہی کر تیرے علمی وجود کو غنی خارجی وجود عطا کرنا حقیقی کی فیض بخشی ہے۔ پس تیرا عین ثابتہ یا علمی وجود حقیقی پر لسان استعداد سے حکم کرنے والا ہے یعنی تو حقیقی کو احکام کی غذا دینے والا ہے اور حقیقی اُن احکام کے مطابق تجھے وجود کی غذا دینے والا ہے۔ یعنی اُن احکام کے مطابق تجھے افعال صفات اور ذات عطا کرنے والا ہے۔ نیز تو اپنے وجود کیلئے اور ظہور کیلئے اُس کا محتاج ہے اور حق اپنے ظہور کیلئے تیرا محتاج ہے۔ تو ظہور کیلئے اُس کی غذا ہے اور وہ وجود کیلئے تیری غذا ہے۔ عبد کا ظہور رب کے بغیر نہیں اور رب کا ظہور عبد کے بغیر نہیں۔ حروف کا ظہور سیاہی کے بغیر نہیں اور سیاہی کا ظہور حروف کے بغیر نہیں۔ پس جو کچھ حق کیلئے متعین ہے وہ تیرے لئے بھی متعین ہے۔ مراد یہ ہے کہ افتقار طرفین کو حاصل ہے۔ اُس کا حکم تیری طرف جاری ہے اور تیرا حکم اُس کی طرف جاری ہے۔ رب تعالیٰ تیرے عین ثابتہ یا علمی وجود کو حکم کرتا ہے کہ علم سے عین یعنی ظہور میں آجا جیسا کہ ایک انجنیر کے ذہن میں ایک مکان کا نقشہ ہوتا ہے۔ انجنیر کا غذا قلم و دوات کا محتاج ہے۔ وہ کاغذ قلم اور دوات لے کر اُس ذہنی نقشے کو کاغذ پر ظاہر کر دیتا ہے۔ پھر اُس نقشے کے مطابق مکان موقع پر تیار کر دیتا ہے۔ لیکن رب تعالیٰ اسباب کا محتاج نہیں۔ وہ جب عبد کے عین ثابتہ یا علمی نقشے کو ظاہر کرنا چاہتا ہے تو کُن کے امر سے اُسے خارجی وجود عطا کر دیتا ہے۔ تیرا حکم اُس کی طرف جاری ہے۔ یعنی تیرا عین ثابتہ لسان استعداد سے رب تعالیٰ کو حکم کرتا ہے کہ مجھے میری استعداد کے مطابق لباس وجود عطا کیجئے اور رب تعالیٰ عبد کے اس حکم کا پابند ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ تحقیق تیرا نام مُکَلَّف رکھا جاتا ہے اور رب تعالیٰ کا نام مُکَلَّف ساتھ اسم مفعول کے نہیں رکھا جاتا

ہے۔ اور رب تعالیٰ نے مجھے وہ ہی تکلیف دی ہے جو تیرے عین ثابتہ نے لسان حال اور استعداد سے رب تعالیٰ سے طلب کی ہے۔ بشعر

(۱) پس حقتعالیٰ میری تعریف کرتا ہے اور میں اُس کی تعریف کرتا ہوں۔ حقتعالیٰ میری تعریف کرتا ہے کہ میں نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا اور اس میں اپنی رُوح پھونکی۔ میں اُس کی تعریف کرتا ہوں کہ اُس نے مجھے اپنے کمالات سے نوازا اور اپنی صفات عطا کیں بلکہ اپنا وجود یعنی ذات بھی عطا کی۔ اور وہ میری عبادت کرتا ہے اور میں اُس کی عبادت کرتا ہوں۔ یعنی میں اُس سے دُعائیں مانگتا ہوں کہ ایسا کر اور ایسا نہ کر۔ حقتعالیٰ میری دُعائیں منظور کرنے میں میری اطاعت کرتا ہے۔ اور میں اُس کی عبادت کرتا ہوں جو میری حقیقت ہے اور میرا عین ہے یعنی میں خود ہی عابد ہوں اور خود ہی معبود ہوں۔ ظاہر کے اعتبار سے اور تعین کے اعتبار سے میں عابد ہوں اور باطن کے اعتبار سے میں ہی معبود ہوں۔

(۲) ایک حال خاص میں میں اُس کا اقرار کرتا ہوں اور اعیان خارجہ جہیہ میں میں اُس کا انکار کرتا ہوں۔ یہ عوام الناس کا عقیدہ بیان کیا گیا ہے۔ حال اطلاق میں وہ اللہ تعالیٰ کا اقرار کرتے ہیں یعنی وہ محض تنزیہ کے قائل ہیں کہ اللہ تعالیٰ بی صورت ہے، بیزنگ ہے، لامکان ہے، بیچون و بیچگون ہے۔ عالم کی صورتوں پر اللہ تعالیٰ کا ظہور نہیں مانتے۔ یہ علمائے ظواہر کا عقیدہ ہے جو بدل کے کو رہیں۔

(۳) وہ مجھے پہچانتا ہے اور میں اُس کا انکار کرتا ہوں۔ اور جب میں اُس کو پہچانتا ہوں تو اُس کا مشاہدہ کرتا ہوں ابتدا میں طالب مولا اللہ تعالیٰ کو اپنے سے جدا سمجھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ طالب میرا عین ہے لیکن طالب ابتدا میں اس امر کا انکار کرتا ہے اور اپنے سے باہر اُس کو تلاش کرتا ہے۔ اور جب طالب پر یہ راز منکشف ہو جاتا ہے تو اُس کا مشاہدہ اپنی ذات میں کرتا ہے بلکہ ہر ذرہ میں اُس کا مشاہدہ کرتا ہے۔

(۴) حقتعالیٰ کو کہاں سے غناء مطلق حاصل ہے یعنی اُس کو غناء مطلق حاصل نہیں کیونکہ اُس کے اُسماء و صفات کا ظہور میرے بغیر نہیں ہو سکتا بلکہ اُس کی ذات کا ظہور میرے بغیر نہیں ہو سکتا جیسے سیاہی کا ظہور بغیر صُروف کے نہیں ہو سکتا، رُوئی کا ظہور بغیر کپڑوں کے نہیں ہو سکتا، اور سونے چاندی کا ظہور بغیر زیورات کے نہیں ہو سکتا۔ پس ظہور کیلئے میں اُس کی مدد کرتا ہوں اور اُس کو کمال تک پہنچاتا ہوں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا کمال سوائے انسان کے کہیں پایا نہیں جاتا۔

(۵) حقتعالیٰ نے مجھے اسی لئے پیدا کیا کہ میں اُس کیلئے مرآت، مجلیٰ اور انموزج ٹھہروں اور میرے دیکھنے سے

لوگ رب تعالیٰ کو دیکھ لیں۔ پس میں اُس کو اچھی طرح جانتا ہوں اور اُس کو ظاہر کرتا ہوں۔
 (۶) اِس امر مذکور پر ہمارے واسطے حدیث قدسی آتی ہے اور حق تعالیٰ کا مقصد مجھ میں ثابت کیا گیا ہے۔ حدیث شریف میں وارد ہوا وَمَا ظَهَرْتُ كَظْهُوَ بِي فِي الْإِنْسَانِ نِزْوَارِدُ هُوَا إِلَّا نَسَانُ سِرِّي وَأَنَا سِرُّكَ۔ نیز وارد ہوا إِلَّا نَسَانُ مَطِيئِي وَأَنَا سِرُّكَ۔ نیز وارد ہوا لَا أَنَا إِلَّا هُوَ وَلَا هُوَ إِلَّا أَنَا۔ حق تعالیٰ نے عالم کو پیدا کیا تو اُس کی مرضی کے مطابق اُس کے اُس کے صفات کا ظہور تامہ نہ ہوا۔ بالآخر اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا تاکہ انسان اللہ تعالیٰ کی ذات کیلئے مرآتِ تامہ، مجلیٰ اعظم اور نمونہ مکمل ٹھہرے۔

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بہ عرفان اور شہود نصیب ہوا جسکے باعث اُن کا نام خلیل رکھا گیا تو اُنہوں نے مہمانی ایجاب کی یعنی جب اُن کو یہ عرفان نصیب ہوا کہ عبد کی صورت پر رب تعالیٰ جلوہ نما ہے تو اُنہوں نے عبد کی مہمانی اور خدمت کو رب تعالیٰ کی مہمانی اور خدمت سمجھ کر مہمان نوازی کا دسترخوان بچھا دیا حتیٰ کہ بغیر مہمان کے آپ کھانا تناول نہ فرماتے تھے۔ آپ کو مہمان نوازی کا اس قدر شوق تھا کہ حضرت شیخ ابن مسرّۃ البلیّ قدس سرہ آپ کو حضرت میکائیل ملک الارزاق کیساتھ تشبیہ دیتا ہے۔ نیز ضیافت سے مراد باطنی ضیافت ہے۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو عرفان الہی حاصل ہوا اور آپ اپنے وقت میں امرا الہی سے امام بنے تو آپ نے طالبانِ خدا کیلئے باطنی ارزاق کا دسترخوان فراخ کر دیا۔ مرزوقین کو غذا ارزاق کے ساتھ حاصل ہوتی ہے یعنی طالبانِ خدا سوائے عرفان اور مشاہدہ ذات حق سیراب نہیں ہوتے۔ نیز جب رزق مرزوق میں سرایت کرتا ہے تو مرزوق کے وجود میں سوائے رزق کے کوئی شے باقی نہیں رہتی کیونکہ غذا متغذی کے جمیع اجزاء میں پوری کی پوری سرایت کر جاتی ہے۔ مثال کے طور پر جب بندہ ظہور کی خاطر رب تعالیٰ کی غذا بنتا ہے تو بندہ رزق ہے اور رب تعالیٰ مرزوق یعنی وہاں نام عبد کا رہ جاتا ہے اور رب تعالیٰ کا نام گم ہو جاتا ہے اور جب رب تعالیٰ وجود کی خاطر عبد کی غذا بنتا ہے تو رب تعالیٰ رزق ہے اور عبد مرزوق یعنی وہاں نام رب تعالیٰ کا رہ جاتا ہے اور عبد کا نام گم ہو جاتا ہے۔ لہذا عبد کے ظہور پر نظر رکھو تو یہ عبد ہے اور عبد کے وجود یعنی حقیقت پر نظر رکھو تو یہ رب ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے اجزاء نہیں ہیں یعنی اللہ تعالیٰ تقسیم، انقسام سے منزہ مقدس اور معرّی ہے۔ بندہ اپنے وہم ہی سے اللہ تعالیٰ سے جدا ہے اور اپنے وہم ہی سے اللہ تعالیٰ کی جُز ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کے فضل کی بارش دُش کے دل پر ہوتی ہے تو سالک کا بشری وجود زائل ہو جاتا ہے اور روح القدس جسم کی صورت اختیار کر لیتا

ہے۔ اس وجود کو وجود حقانی یا وجود مہبوب الہی کہتے ہیں۔ رزق مرزوق کے جمیع اجزا میں سرایت کر جاتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کیلئے اجزا ثابت نہیں جو اس میں کوئی سرایت کر سکے۔

سب میں پورا ہے کسی میں کم نہیں۔ بلکہ سرتاپا وہی ہے ہم نہیں۔

صرافت ذاتی یعنی مرتبہ احدیت میں اسماء و صفات کا ظہور نہیں اور عقل فکر و ادراک کی اس مقام میں رسائی نہیں جب ذات حق نے اس بطون در بطون مرتبہ سے ظہور چاہا تو سب سے پہلے مقام وحدت میں تنزل فرمایا اور پھر واحدیت میں تنزل فرمایا۔ وحدت ظہور علمی اجمالی اور واحدیت ظہور علمی تفصیلی کو کہتے ہیں۔ اس کے بعد عالم ارواح و عالم مثال و عالم اجسام پیدا کئے اور سب سے آخر حضرت انسان کو پیدا کیا جو جمیع مراتب کا جامع ہے۔ ان جمیع مراتب میں حقتعالیٰ کے اسماء کا ظہور ہے یعنی ذات حق کا ظہور ہے۔ اب انسان کا ادراک سوائے مرتبہ احدیت ذاتیہ کے جمیع مقامات الہیہ میں سرایت کر سکتا ہے شہرہ

(۱) پس ہم اہل عالم حقتعالیٰ کے واسطے غذا ہیں یعنی حقتعالیٰ کا ظہور ہمارے ساتھ ہے جیسا کہ ہمارے دلائل کشفیہ سے یہ امر ثابت ہے۔ اور ہم اہل عالم اپنے لئے بھی غذا ہیں۔ یعنی ہمارے اعیان ثابتہ ہمارے اعیان خارجیہ کیلئے غذا ہیں۔ مراد یہ ہے کہ ہمارے خارجی وجودوں کا ظہور ہمارے علمی وجودوں کے احکام اور آثار کی مطابق ہے۔ (۲) سوائے میری ہستی کے اس کیلئے کوئی ظہور نہیں ہے۔ اگرچہ ہر انسان اس کی ذات کیلئے مرآت ہے لیکن مراتب میں بہت تفاوت ہے۔ ذات حق کیلئے مرآت نامہ یعنی آسمان ولایت کے شمس سرکار دو عالم حضور نبی کریم جناب محمد پاک صلی اللہ علیہ وسلم ہیں بقولہ تعالیٰ (وَالشَّمْسُ وَضُحَاهَا) اور آسمان ولایت کے قرعہ عالی سرکار جناب حضرت غوث اعظم پاک سید عبد القادر جیلانی ہیں رَضِیَ اللہُ عَنْہُ یَقُولُہُ تَعَالٰی (وَالْقَمَرُ اِذَا اَظْلَمَ) قسم اس چاند کی جب سورج سے پیچھے آوے۔ آیہ کریمہ سے ثابت ہے کہ قرعہ ہستی ہے جس کا ظہور غنصری حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہوگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ (جملہ سابقہ انبیاء و جملہ اولیاء علیہم السلام) آسمان ولایت کے ستارے ہیں کَمَا قَالَ عَلَیْہِ السَّلَامُ اَصْحَابِیْ کَالنُّجُومِ۔ باقی انسان شمس محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی شعاعیں ہیں مصرع ثانی: پس ہم اہل عالم واسطے حقتعالیٰ کے ایسے ہی ہیں جیسے کہ ہم واسطے اپنے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ حقتعالیٰ مہبوعہ کو نین ہے اور حضرت انسان کی حقیقت حضرت روح بھی کو نین کو محیط ہے کیونکہ جمیع عوالم سویداء قلب میں سمائے ہوئے ہیں۔ پس ثابت ہوا کہ انسان کی حقیقت حقتعالیٰ ہے۔

(۳) پس میرے واسطے دو جہیں ہیں۔ ایک وجہ سے میں وہ ہوں یعنی حق ہوں اور ایک وجہ سے میں میں

ہوں یعنی خلق ہوں۔ ظاہر کی وجہ سے انسان خلق ہے اور باطن کی وجہ سے حق ہے۔ کالبد پر نظر رکھو تو خلق ہے اور حضرت روح پر نظر رکھو تو حق ہے۔ اور حق تعالیٰ کے واسطے انانیت ہماری انانیت کے ساتھ نہیں ہے یعنی حق تعالیٰ کا وجود ہمارے وجود کے ساتھ نہیں ہے بلکہ اُس کا وجود ذاتی ہے اور ہماری انانیت یعنی ہمارا وجود حق تعالیٰ کے ساتھ ہے۔ سیاہی کا وجود حروف کے وجود کیساتھ نہیں ہے بلکہ حروف کا وجود سیاہی کے وجود کے ساتھ ہے۔

(۴) اور لیکن اُس کا ظہور بیچ میرے ہے پس ہم اہل عالم واسطے اُس کے مثل ظرف کے ہیں۔ حق تعالیٰ ظاہر ہو نیوالا ہے اور اہل عالم اُس کے مظاہر ہیں۔ عبد حق کیلئے اس لحاظ سے ظرف ہے کہ عبد کی صورت پر حق ظاہر ہے ورنہ اس طرح کا ظرف نہیں کہ عبد میں حق داخل ہے جیسا کہ گھرے میں پانی داخل ہے۔ اب گھر اور پانی دو علیحدہ چیزیں ہیں۔ رب عبد میں اس طرح داخل نہیں بلکہ اس طرح داخل ہے جس طرح سیاہی حروف میں داخل ہے یا روئی کپڑوں میں داخل ہے یا سونا زلیورات میں داخل ہے۔ مراد یہ ہے کہ عالم ظہور حق ہے۔ حق عین عالم ہے اور عالم عین حق ہے۔

(اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی زبان سے حق کہتا ہے اور وہی راہ راست کی طرف ہدایت کرتا ہے)

فَصُّ حِكْمَةِ حَقِّیَّةٍ فِی کَلِمَةِ اِسْحَاقِیَّةٍ

فَدَاءُ نَبِیِّ ذُبِحَ ذُبِحَ بِقُرْبَانٍ ۝ وَ اَیْنَ ثَوَاجِحُ الْكَبِشِ مِنْ ثَوَسِ اِنْسَانٍ
وَعَظْمَةُ اللّٰهُ الْعَظِیْمُ عِنَايَةً بِهٖ ۝ اَوْ بِنَالَمُ اَذْرًا مِنْ اَمِّ مِزَارِیْنِ
وَلَا شَكَّ اَنَّ الْبُذْنَ اَعْظَمُ قِیْمَةً ۝ وَقَدْ نَزَلَتْ عَنْ ذُبِحَ كَبِشٍ لِّقُرْبَانٍ
فَبَالِیْتَ شَعْرِیْ كَيْفَ نَابَ بِذَاتِهِ ۝ شَخِصُ كَبِشٍ عَنْ خَلِیْفَةِ رَحْمَانٍ
اَلَمْ تَدْرَا اَنَّ الْاَمْرَ فِیْهِ مُرْتَبٌ ۝ وَفَاءٌ لِاِسْرَاجٍ وَ نَقْصٌ لِّخُسْرَاۤیْنِ
فَلَا خَلَقَ اَعْلٰی مِنْ جَمَادٍ وَ بَعْدَ لَا ۝ نَبَاتٌ عَلٰی قَدْرِ یَكُوْنُ وَاَوْزَارِیْنِ
وَذُو الْحِیْسِ بَعْدُ النَّبَتِ وَالْكُلُّ عَارِفٌ ۝ بِخَلَاۤیْقِهِ كَشْفًا وَاِیْضًا حَبْرُهَاۤیْنِ
وَاَمَّا الْمُسْمٰی اَدَمُ فَمُقْبَسٌ ۝ یَعْقِلُ اَوْ فِیْكَرُ اَوْ قِلَادَةً اِیْمَانِ
بِذَا قَالَ سَهْلٌ وَالْمُحَقِّقُ مِثْلُنَا ۝ لَا تَاوِیَّا هُمُ بِسَنَرِیْ اِحْسَانِ

فَمَنْ شَهِدَ الْأَمْرَ الَّذِي قَدْ شَهِدْتَهُ ۖ يَقُولُ بَقَوْلِي فِي خَفَاءٍ وَإِعْلَانٍ
وَلَا تَلْتَفِتْ قَوْلًا يُخَالِفُ قَوْلَنَا ۖ وَلَا تَبْذُرِ السَّمَرَاءَ فِي أَرْضِ عُيَايِنَ
هُمُ الصُّمُّ وَالْبُكْمُ الَّذِينَ آتَى بِهِمْ ۖ لَا سَمَاعِنَا الْمُعْصُومُ فِي نَصِّ قُرْآنٍ

اعْلَمُوا أَنَّا اللَّهُ وَإِيَّاكَ أَنْ إِبْرَاهِيمَ الْخَلِيلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ لِإِبْنِهِ (رَأَيْتَ أَرَى فِي الْمَنَامِ
أَنْتَ أَذْ بَحَثَ) وَالْمَنَامُ حَضْرَةُ الْخِيَالِ فَلَمْ يُعَبِّرْهَا وَكَانَ كَبَشٌ ظَهَرَ فِي صُورَةِ ابْنِ إِبْرَاهِيمَ
فِي الْمَنَامِ فَصَدَّقَ إِبْرَاهِيمَ الرَّؤْيَا فَقَدَاكَ رَبُّهُ مِنْ وَهْمِ إِبْرَاهِيمَ بِالذَّبِّ الْعَظِيمِ الَّذِي هُوَ
تَعْبِيرُ رُؤْيَاكَ عِنْدَ اللَّهِ وَهُوَ لَا يَشْعُرُ فَالْتَجَلَّى الصُّورَةُ فِي حَضْرَةِ الْخِيَالِ مُتَجَاهٍ إِلَى عِلْمِ آخِرِ
يُدْرِكَ بِهِ مَا أَرَادَ اللَّهُ بِتِلْكَ الصُّورَةِ أَلَا تَرَى كَيْفَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
لَا بَنِي بَكْرٍ فِي تَعْبِيرِ الرَّؤْيَا أَصَبْتُ بَعْضًا وَأَخْطَأْتُ بَعْضًا فَسَأَلَهُ أَبُو بَكْرٍ أَنْ يُعْرِفَهُ مَا
أَصَابَ فِيهِ وَمَا أَخْطَأَ فَلَمْ يَفْعَلْ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ اللَّهُ تَعَالَى لِإِبْرَاهِيمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ
حِينَ كَادَا (أَنْ يَأْبُرَ هَيْمُ قَدْ صَدَّقْتَ الرَّؤْيَا) وَمَا قَالَ لَهُ صَدَّقْتَ فِي الرَّؤْيَا أَنَّهُ ابْنُكَ لِأَنَّهُ
مَا عَبَّرَ بَلْ أَخَذَ بِظَاهِرِ مَا رَأَى وَالرُّؤْيَا يَطْلُبُ التَّعْبِيرَ وَلِذَا قَالَ الْعَزِيزُ (إِنْ كُنْتُمْ لِلرُّؤْيَا
تَعْبِرُونَ) وَمَعْنَى التَّعْبِيرِ الْجَوَازُ مِنْ صُورَةِ مَا رَأَى إِلَى أَمْرٍ آخَرَ فَكَانَتْ الْبَقَرَاتُ سِنِينَ فِي
الْمَحَلِّ وَالْخَيْبِ فَلَوْ صَدَّقَ فِي الرَّؤْيَا لَذَبَحَ ابْنَهُ وَإِنَّمَا صَدَّقَ الرَّؤْيَا فِي أَنَّ ذَلِكَ عَيْنُ
وَلَدِهِ وَمَا كَانَ عِنْدَ اللَّهِ إِلَّا الذَّبِّ الْعَظِيمُ فِي صُورَةِ وَلَدِهِ فَقَدَاكَ لِمَا وَقَعَ فِي ذَهْنِ إِبْرَاهِيمَ
عَلَيْهِ السَّلَامُ مَا هُوَ فِدَاءٌ فِي نَفْسِ الْأَمْرِ عِنْدَ اللَّهِ فَصَوَّرَ الْحَسُّ الذَّبِّ وَصَوَّرَ الْخِيَالُ ابْنَ
إِبْرَاهِيمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَلَوْ رَأَى الْكَبَشُ فِي الْخِيَالِ لَعَبَّرَ بِابْنِهِ أَوْ بِأَمْرٍ آخَرَ ثُمَّ قَالَ (إِنَّ
هَذَا هُوَ الْبَلَاءُ الْبَيِّنُ) أَيْ الْإِخْتِبَارُ الظَّاهِرُ يُعْنِي الْإِخْتِبَارُ فِي الْعِلْمِ هَلْ يَعْلَمُ مَا يَقْتَضِيهِ
مَوْطِنُ الرَّؤْيَا مِنَ التَّعْبِيرِ أَمْ لَا لَأَنَّهُ يَعْلَمُ أَنَّ مَوْطِنَ الْخِيَالِ يَطْلُبُ التَّعْبِيرَ فَعَقَلَ فَمَا وَفَى
الْمَوْطِنَ حَقَّهُ وَصَدَّقَ الرَّؤْيَا لِهَذَا السَّبَبِ كَمَا فَعَلَ تَقِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ الْإِمَامُ صَاحِبُ الْمُسْتَدْرِ
سَبَعٌ فِي الْخَبَرِ الَّذِي ثَبَتَ عِنْدَكَ أَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ مَنْ رَأَى ابْنِي فِي النَّوْمِ فَقَدْ رَأَى ابْنِي فِي
الْيَقَظَةِ فَإِنَّ الشَّيْطَانَ لَا يَتِمَثَّلُ عَلَى صُورَتِي فَارَأَاهُ تَقِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ سَقَاكَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ فِي هَذِهِ الرَّؤْيَا لَبَنًا فَصَدَّقَ تَقِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ رُؤْيَاهُ فَاسْتَقَاءَ لَبَنًا وَلَوْ عَبَّرَ رُؤْيَاهُ لَكَانَ

ذَلِكَ اللَّيْلُ عَلِمًا فَجَرَّمَهُ اللَّهُ عَلِيمًا كَثِيرًا عَلَى قَدَرٍ مَا شَرِبَ أَلَا تَرَى رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
 وَسَلَّمَ أُرِيَ فِي الْمَنَامِ يَقْدَحُ لَبَنٍ قَالَ فَشَرِبْتُهُ حَتَّى خَرَجَ الرَّيُّ مِنْ بَيْنِ أَظْافِيرِي ثُمَّ أُعْطِيتُ
 فَضْلِي عُمَرَا بْنُ الْخَطَّابِ قِيلَ مَا أَوْلَتْهُ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ الْعِلْمُ وَمَا تَرَكَهُ لَبَنًا عَلَى صُورَةِ مَا
 رَأَى كَأَلَيْهِ بِمَوْطِنِ السُّرِّيَا وَمَا يَقْتَضِيهِ مِنَ التَّعْيِيرِ وَقَدْ عَلِمَ أَنَّ صُورَةَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
 الَّتِي شَاهَدَهَا الْحِسُّ أَتَتْهَا فِي السَّيِّئَةِ مَدْفُونَةٌ وَأَنَّ صُورَةَ رُوحِهِ وَلَطِيفَتِهِ مَا شَاهَدَهَا
 أَحَدٌ مِنْ أَحَدٍ وَلَا مِنْ نَفْسِهِ كُلُّ رُوحٍ بِهَذِهِ الْمَثَابَةِ فَيَتَجَسَّدُ لَهُ رُوحُ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ
 عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمَنَامِ بِصُورَةِ جَسَدٍ كَمَا مَاتَ عَلَيْهِ لَا يَحْزَمُ مِنْهُ شَيْءٌ فَهُوَ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللَّهُ
 عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَلَمْ تَرِ مِنْ حَيْثُ رُوحِهِ فِي صُورَةِ جَسَدِيَّةٍ تَشْبَهُ الْمَدْفُونَةَ لَا يُبْكِرُ لِلشَّيْطَانِ
 أَنْ يَتَّصُورَ بِصُورَةِ جَسَدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَصَمَةَ مِنَ اللَّهِ تَعَالَى فِي حَقِّ الرَّائِي وَلِهَذَا
 مَنْ رَأَى كَأَلَيْهِ الصُّورَةَ يَأْخُذُ عَنْهُ جَمِيعَ مَا يَأْمُرُ بِهِ وَيَنْهَاهُ عَنْهُ أَوْ يَخْبِرُ كَمَا كَانَ يَأْخُذُ
 عَنْهُ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا مِنَ الْأَحْكَامِ عَلَى حَسَبِ مَا يَكُونُ مِنْهُ اللَّفْظُ الدَّالُّ عَلَيْهِ مِنْ نَفْسٍ أَوْ
 ظَاهِرٍ أَوْ مُجْهَلٍ أَوْ مَا كَانَ فَإِنْ أَعْطَاهُ شَيْئًا فَإِنَّ ذَلِكَ الشَّيْءَ هُوَ الَّذِي يَدْخُلُهُ التَّعْيِيرُ فَإِنْ
 خَرَجَ فِي الْحِسِّ كَمَا كَانَ فِي الْخِيَالِ فَبِلَيْكِ السُّرِّيَا لَا تَعْيِيرُ لَهَا وَبِهَذَا الْقَدَرِ مَا جَزَمَ وَعَلَيْهِ
 اعْتَمَدَ إِبْرَاهِيمُ الْخَلِيلُ وَتَقَى بْنُ مُحَمَّدٍ وَلَمَّا كَانَ لِلرُّعْيَا هَذَا الْوَجْهَانِ وَعَلَّمَنَا اللَّهُ تَعَالَى
 فِيمَا فَعَلَ بِإِبْرَاهِيمَ وَمَا قَالَ لَهُ الْأَدَبُ لِمَا يُعْطِيهِ مَقَامُ النَّبُوَّةِ عَلَّمَنَا فِي رُؤْيَانَا الْحَقَّ تَعَالَى
 فِي صُورَةِ يَرُدُّهَا الدَّلِيلُ الْعَقْلِيُّ أَنَّ نَعِيرَ تِلْكَ الصُّورَةِ بِالْحَقِّ الْمَشْرُوعِ إِمَّا فِي الْحَقِّ الرَّائِي
 أَوِ الْمَكَانِ الَّذِي رَأَى فِيهِ أَوْ هُمَا مَعًا فَإِنْ لَمْ يَرُدَّهَا الدَّلِيلُ الْعَقْلِيُّ أَبْقَيْنَاهَا عَلَى مَا رَأَيْنَاهَا
 كَمَا نَرَى الْحَقَّ فِي الْآخِرَةِ سَوَاءٌ شَعَرَ

فَلِلْوَاحِدِ الرَّحْمَنِ فِي كُلِّ مَوْطِنٍ ۝ مِنَ الصُّورِ مَا يَخْفَى وَمَا هُوَ ظَاهِرٌ
 فَإِنْ قُلْتَ هَذَا الْحَقُّ قَدْ تَكُ صَادِقًا ۝ وَإِنْ قُلْتَ أَمْرًا خَرَأْتِ عَابِرٌ
 وَمَا حُكْمُهُ فِي مَوْطِنٍ دُونَ مَوْطِنٍ ۝ وَلَكِنَّهُ بِالْحَقِّ لِلْخَلْقِ تَنَافُرٌ
 إِذَا مَا تَجَلَّى لِلْعَيُّونِ تَرَدُّدٌ ۝ عَقُولُ بِرُهَايْنِ عَلَيْهِ تَنَافُرٌ
 وَيُقْبَلُ فِي تَجَلَّى الْعُقُولِ وَفِي الَّذِي ۝ يُسَمَّى خِيَالًا وَالصَّحِيحُ النَّوَاطِرُ

يَقُولُ أَبُو يَزِيدَ فِي هَذَا الْمَقَامِ لَوْ أَنَّ الْعَرْشَ وَمَا حَوْلَهُ مِائَةُ أَلْفِ مَرَّةٍ فِي زَاوِيَةٍ
 مِنْ زَوَايَا قَلْبِ الْعَارِفِ مَا أَحَسَّ بِهَا وَهَذَا وَسَمِعَ أَبِي يَزِيدَ فِي عَالَمِ الْأَجْسَامِ بَلْ أَقُولُ لَوْ أَنَّ
 مَا لَا يَتَنَاهَى وَجُودُهُ لَا يُقَدَّرُ انْتِهَاءُ وَجُودِهِ مَعَ الْعَيْنِ الْمَوْجِدَةِ لَهُ فِي زَاوِيَةٍ مِنْ زَوَايَا قَلْبِ الْعَارِفِ
 مَا أَحَسَّ بِذَلِكَ فِي عِلْمِهِ فَإِنَّهُ قَدْ ثَبَتَ أَنَّ الْقَلْبَ وَسَمِعَ الْحَقُّ وَمَعَ ذَلِكَ مَا أَصِيفَ بِالرَّيِّ
 فَلَوْ امْتَلَأَ الرُّتُوبَى وَقَدْ قَالَ ذَلِكَ أَبُو يَزِيدَ وَقَدْ نَبَّهْنَا عَلَى هَذَا الْمَقَامِ بِقَوْلِنَا شَعَرَ

يَا خَالِقَ الْأَشْيَاءِ فِي نَفْسِهِ ۖ أَنْتَ لِمَا تَخْلُقُهُ جَامِعُ
 تَخْلُقُ مَا لَا يَتَنَاهَى كَوْنُهُ ۖ فَيْكَ فَانْتَ الصَّبِيُّ الْوَاسِعُ
 لَوْ أَنَّ مَا قَدْ خَلَقَ اللَّهُ مَا ۖ لَأَحْبَبْتُ فَجِرَةَ السَّاطِعِ
 مَنْ وَسَمِعَ الْحَقُّ فَمَا ضَاقَ عَنْ ۖ خَلَقَ فَكَيْفَ الْأَمْرُ يَا سَامِعُ

يَا لَوْ هُوَ يَخْلُقُ كُلَّ إِنْسَانٍ فِي قُوَّةِ خَيَالِهِ مَا لَا وَجُودَ لَهُ إِلَّا فِيهَا وَهَذَا هُوَ الْأَمْرُ الْعَامُّ وَالْعَارِفُ
 يَخْلُقُ بِهَيْئَتِهِ مَا يَكُونُ لَهُ وَجُودٌ مِنْ خَارِجِ مَحَلِّ الْهَيْئَةِ وَلَكِنْ لَا تَزَالُ الْهَيْئَةُ تَحْفَظُ وَلَا
 يَوَدُّهَا حِفْظُهُ أَيْ حِفْظُ مَا خَلَقْتَهُ فَهِيَ طَرَأُ عَلَى الْعَارِفِ غَفْلَةٌ عَنْ حِفْظِ مَا خَلَقَ عَدَمَ ذَلِكَ
 التَّخَلُّوقُ إِلَّا أَنْ يَكُونَ الْعَارِفُ قَدْ ضَبَطَ جَمِيعَ الْحَضَرَاتِ وَهُوَ لَا يَغْفُلُ مُطْلَقًا بَلْ لَا بُدَّ لَهُ مِنْ
 حَضَرَةٍ يَشْهَدُهَا فَإِذَا خَلَقَ الْعَارِفُ بِهَيْئَتِهِ مَا خَلَقَ وَلَهُ هَذِهِ الْإِحَاطَةُ طَهَرَتْ لَكَ الْخَلْقُ بِصُورَتِهِ
 فِي كُلِّ حَضَرَةٍ وَصَارَتْ الصُّورُ يَحْفَظُ بَعْضُهَا بَعْضًا فَإِذَا غَفَلَ الْعَارِفُ عَنْ حَضَرَةٍ مَا أَوْ حَضَرَاتٍ
 وَهُوَ شَاهِدٌ حَضَرَةٍ مَّا مِنْ الْحَضَرَاتِ حَافِظٌ لِمَا فِيهَا مِنْ صُورِ خَلْقِهِ إِنْ حَفِظَتْ جَمِيعُ الصُّورِ يَحْفَظُهَا
 تِلْكَ الصُّورَةُ الْوَاحِدَةُ فِي الْحَضَرَةِ الَّتِي مَا غَفَلَ عَنْهَا لِأَنَّ الْغَفْلَةَ مَا تَعَرَّقُ طَلَا فِي الْعُصُومِ وَ
 لَا فِي الْخُصُومِ وَقَدْ أَوْضَحْتُ هُنَا سِرَّ الْمُرْسَلِ أَهْلُ اللَّهِ يُغَارُونَ عَلَى مِثْلِ هَذَا أَنْ يُظْهَرَ لِمَا فِيهِ
 مِنْ رَدِّ دَعْوَاهُمْ أَنَّهُمُ الْحَقُّ فَإِنَّ الْحَقَّ لَا يَغْفُلُ وَالْعَبْدُ لَا بُدَّ لَهُ أَنْ يَغْفَلَ عَنْ شَيْءٍ دُونَ
 شَيْءٍ فَبَيْنَ حَيْثُ الْحِفْظُ لِمَا خَلَقَ لَهُ أَنْ يَقُولَ أَنَا الْحَقُّ وَلَكِنْ مَا حِفْظُهُ لَهَا حِفْظُ الْحَقِّ وَقَدْ
 بَيَّنَّا الْفَرْقَ وَمِنْ حَيْثُ مَا غَفَلَ عَنْ صُورَةٍ مَّا وَحَضَرَتِهَا فَقَدْ تَسَيَّرَ الْعَبْدُ مِنَ الْحَقِّ وَلَا بُدَّ أَنْ
 يَتَسَيَّرَ مَعَ بَقَاءِ الْحِفْظِ لِجَمِيعِ الصُّورِ يَحْفَظُ صُورَةً وَاحِدَةً مِنْهَا فِي الْحَضَرَةِ الَّتِي مَا غَفَلَ عَنْهَا فَهَذَا
 حِفْظُهَا بِالنَّظَرِ وَحِفْظُ الْحَقِّ لِمَا خَلَقَ لَيْسَ كَذَلِكَ بَلْ حِفْظُهُ لِكُلِّ صُورَةٍ عَلَى النَّعْيَيْنِ وَهَذِهِ

مَسْئَلَةٌ أُخِرْتُ أَنَّهُ مَا سَطَرَهَا أَحَدٌ فِي كِتَابٍ لَا أَنَا وَلَا غَيْرِي إِلَّا فِي هَذَا الْكِتَابِ فَهِيَ يَتِيهَةُ
الْوَقْتُ وَفَرِيدَتُهُ فَإِيَّاكَ أَنْ تَفْعَلَ عَنْهَا فَإِنَّ تِلْكَ الْحَضْرَةَ الَّتِي يَبْقَى لَكَ الْحُضُورُ فِيهَا مَعَ الصُّورَةِ
مَثَلُهَا مَثَلُ الْكِتَابِ الَّذِي قَالَ اللَّهُ تَعَالَى فِيهِ (مَا فَزَّطْنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ) فَهُوَ الْجَامِعُ لِلْوَقْعِ
وَالْغَيْرِ الْوَاقِعِ لَا يَعْرِفُ مَا قُلْنَا إِلَّا مَنْ كَانَ قَرَأَنَا فِي نَفْسِهِ فَإِنَّ السُّتُورَ اللَّهُ يَجْعَلُ لَهُ فُرْقَانًا
وَهُوَ مِثْلُ مَا ذَكَرْنَا فِي هَذِهِ الْمَسْئَلَةِ مِمَّا يَتَمَيَّزُ بِهِ الْعَبْدُ عَنِ الرَّبِّ وَهَذَا الْفُرْقَانُ أَرْفَعُ فُرْقَانًا

شعر
فَوَقْتُ يَكُونُ الْعَبْدُ رَبًّا بِلَا شَكِّ ۖ وَوَقْتُ يَكُونُ الْعَبْدُ عَبْدًا بِلَا اِشْكِ ۖ
فَإِنْ كَانَ عَبْدًا كَانَ بِالْحَقِّ وَاسِعًا ۖ وَإِنْ كَانَ رَبًّا كَانَ فِي عَيْشَةٍ فَضْلًا ۖ
فِيمَنْ كَوْنِهِ عَبْدًا أَيْرَى عَيْنَ نَفْسِهِ ۖ تَتَسَعُ الْأَمَالُ مِنْهُ بِلَا شَكِّ ۖ
وَمِنْ كَوْنِهِ رَبًّا يَرَى الْخَلْقَ كُلَّهُ ۖ يُطَالِبُهُ مِنْ حَضْرَةِ الْمَلِكِ وَالْمَلِكِ ۖ
وَيَعْجِزُ عَمَّا طَالِبُوهُ بِذَاتِهِ ۖ لِيَذْأَتْرَى بَعْضَ الْعَارِفِينَ بِهِ بِيْلِكَ ۖ
فَكُنْ عَبْدًا رَبِّ لَا تَكُنْ رَبَّ عَبْدًا ۖ فَتَذْهَبُ بِالتَّعْلِيْقِ فِي النَّارِ وَالسَّبَبِ ۖ

یہ حکمت حقیقہ کا فص کلمہ اسحاقیہ کے بیان میں ہے

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکمت مہیمیہ کے بعد حکمت حقیقہ کو اسلئے بیان فرمایا ہے کہ حکمت مہیمیہ
کا تعلق ساتھ عالم ارواح کے ہے اور حکمت حقیقہ کا تعلق ساتھ عالم مثال کے ہے جو عالم ارواح کے متصل ہے
اور حکمت حقیقہ کو حضرت اسحاق علیہ السلام کی طرف منسوب کرنے کی حکمت یہ ہے کہ آپ نے اپنے باپ حضرت
ابراہیم علیہ السلام کے رؤیا کو حق جانا تھا اور کہا تھا (يَا بَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِي اِنْ شَاءَ اللَّهُ مِنْ
الصُّبْرِينِ)۔ سارے عالم میں یہ غلط عقیدہ پھیل گیا ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ذبیح ہیں حالانکہ حق بات
یہ ہے کہ حضرت اسحاق علیہ السلام ذبیح ہیں۔ سورہ صافات رکوع ۳۴ میں یہ سارا قصہ مذکور ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ
السلام کا نیک بیٹے کیلئے دُعا مانگنا، پھر حقیقی کا ایک لڑکا حلیم الطبع عطا کرنا، پھر اُس لڑکے کا باپ کے ساتھ
دوڑنا، پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اُس لڑکے کو ذبح کرنا، پھر باپ اور بیٹے کا امتحان میں کامیاب ہونا مکمل
مذکور ہے۔ اس امتحان میں کامیاب ہونے کے بعد رب تعالیٰ فرماتا ہے (وَبَشِّرْنَاهُ بِاسْحَاقَ نَبِيًّا مِنْ الصُّبْرِينِ)
اور ہم نے ذبیح کے واقعہ کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بشارت دی کہ آپ کا یہ بیٹا اسحق نبی ہوگا۔ اس

سارے واقعہ میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کا نام تک نہیں۔ امام عبد الرؤف المناوی کتاب کنوز الحقائق فی
 حدیث خیر الخلائق میں حدیث شریف نقل کرتے ہیں الذبیح هو اسحق ذبیح اسحق ہے۔ قاضی عیاض کتاب
 الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم جزاؤں ۵۸ پر فرماتے ہیں وَقِيلَ إِنَّ الْقَاءَ إِبْرَاهِيمَ عَلَيْهِ
 السَّلَامُ فِي النَّارِ وَحُجَّتُهُ كَانَتْ وَهُوَ ابْنُ سِتِّ عَشْرَةَ سَنَةً وَأَنَّ ابْتِلَاءَ إِسْحَاقَ بِالدَّبْحِ كَانَ وَ
 هُوَ ابْنُ سِتِّ عَشْرَ سَنِينَ اور بعض نے کہا کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام آگ میں ڈالے گئے اور آپ کی آزمائش
 کی گئی اس وقت آپ سولہ سال کی عمر کے تھے اور جب حضرت اسحاق علیہ السلام ذبیح کی آزمائش میں ڈالے گئے
 تو اس وقت آپ کی عمر سات سال کی تھی۔ مشکوٰۃ شریف باب فی التذویر میں حدیث شریف مندرج ہے وَ
 عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْتَشِرِ قَالَ رَأَى سَجَلًا نَذَمًا أَنَّ يَنْجَحِرَ نَفْسَهُ إِنَّ نَجَاةَ اللَّهِ مِنْ عَذَابٍ فَسَأَلَ ابْنَ
 عَبَّاسٍ فَقَالَ لَهُ سَلْ مَسْرُوقًا فَسَأَلَهُ فَقَالَ لَهُ لَا تَنْحَرِ نَفْسَكَ فَإِنَّكَ إِنْ كُنْتَ مُؤْمِنًا قَتَلْتَ نَفْسًا
 مُؤْمِنَةً وَإِنْ كُنْتَ كَافِرًا تَعَجَّلْتَ إِلَى النَّارِ وَاشْتَرَكَيْتَ بِهَا فَذَبَحَهُ لِلنَّسَاجِينَ فَإِنَّ إِسْحَاقَ
 خَيْرٌ مِنْكَ وَفَدَى بِكَ بَشَرًا أَخْبَرَ ابْنَ عَبَّاسٍ فَقَالَ هَكَذَا كُنْتُ أَرَدْتُ أَنْ أَفْتِيكَ (سہروردی)
 حضرت محمد بن منتشر کہتے ہیں کہ ایک شخص نے یہ نذر مانی کہ اگر خداوند تعالیٰ اُس کو دشمن کے ہاتھ سے نجات
 دلا دے تو وہ اپنے آپ کو قربان یعنی ذبیح کر ڈالیگا۔ جب خداوند تعالیٰ نے اُس کو دشمن سے بچا دیا تو اُس نے
 اپنی نذر کی بابت ابن عباسؓ سے پوچھا۔ انہوں نے کہا کہ مسروق سے دریافت کرو۔ اُس نے مسروق سے
 دریافت کیا تو انہوں نے کہا اپنے آپ کو ذبیح نہ کر اسلئے کہ اگر تو مسلمان ہے تو ایک مسلمان کی جان کے
 قتل کا مرتکب ہوگا اور اگر تو کافر ہے تو دوزخ کی جانب اپنے آپ کو جلد لے جائیگا۔ پس تو ایک ذنب خرید کر
 اور مسکیتوں کیلئے اُس کو ذبیح کر دے۔ حضرت اسحاقؓ تجھ سے بہتر تھے جن کا ذنب ایک ذنب سے دیا گیا تھا۔ اُس
 شخص نے اس جواب سے ابن عباسؓ کو آگاہ کیا۔ انہوں نے کہا کہ میں بھی تجھ کو یہی جواب دینے کا ارادہ رکھتا
 تھا۔ (رزین) اس میں صریح دلالت ہے کہ صحابہ کرام بالخصوص حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ ہی عقیدہ تھا
 کہ ذبیح حضرت اسحاق علیہ السلام ہیں۔ عالی سرکار جناب حضرت غوث اعظم پاک پیر و ستگیر میراں محی الدین
 شیخ سید عبدالقادر جیلانی محبوب سبحانی رضی اللہ عنہ اپنی کتاب فتوح الغیب المَقَالَةُ الْخَامِسَةُ وَالسَّبْعُونَ
 میں ارشاد فرماتے ہیں وَالتَّصَوُّفُ مَبْنِيٌّ عَلَى ثَلَاثِ خِصَالٍ اَلْإِسْحَاقُ اَلْإِبْرَاهِيمُ وَ اَلْإِسْحَاقُ اَلْمُ
 حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ شرح فتوح الغیب میں فرماتے ہیں وَالتَّصَوُّفُ مَبْنِيٌّ عَلَى

شَمَانِ خَصَالٍ و کار تصوف نہادہ شدہ است برہشت خصلت السَّخَاۃُ لِیَاۤ اِبْرٰہِیْمَ سخاوتے کہ ثابت بُود ابراہیم را علیہ السلام کہ ہمیشہ ضیافت کردے و بذل اموال در محبت حق نمودے وَالسَّخَاۃُ لِیَاۤ اِسْحٰقَ وَرِضٰی بقضای خدا کہ اسحاق علیہ السلام داشت خصوصاً بر تو لیکہ گویند کہ ذبیح اللہ اسحاق بود و ایں قول در کلام ایشان در جای دیگر نیز منقول است۔ سبحان اللہ! حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ کیسے احسن پیرایہ سے عالی سرکار جناب حضرت غوث اعظم پاک رضی اللہ عنہ کا عقیدہ مبارک پیش کرتے ہیں کہ ذبیح اللہ اسحاق علیہ السلام ہیں۔ کتاب فصوص الحکم اگرچہ بظاہر حضرت شیخ الاکبر رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہے لیکن دیباچہ کی روئے سے یہ سب کلام حقیقتاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے۔ اسلئے اب کسی مسلمان کیلئے یہ گنجائش نہیں کہ وہ اس حقیقت کا انکار کرے۔

(۱) کیا ایک نبی کے بدلے ذبیح کا ذبح کرنا قریب حق کا باعث ہے؟ اور کہاں ہے مینڈھے کی آواز برابر آواز انسان کے۔ مراد یہ ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسحاق علیہ السلام کے گلے پر پورے زور سے چھری چلا دی تو وہ تو آزمائش میں پورے اترے لیکن حق تعالیٰ کی محبت اور رحمت نے یہ گوارا نہ کیا کہ وہ لڑکے کے فراق میں تڑپیں اسلئے حق تعالیٰ نے جنت سے دُنبہ منگوایا اور جبرائیل علیہ السلام نے بیٹے کو سر کا دیا اور دُنبہ رکھ دیا۔ اُنکھیں کھولیں تو دُنبہ ذبح پڑا تھا لِقَوْلِهِ تَعَالٰی (وَنَادٰیۡنَہٗ اَنْ یَّاۤ اِبْرٰہِیْمُ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّعْیَا اِنَّا کَذٰلِکَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ۝ اِنَّ هَٰذَا لَہُوَ الْبَلٰۤؤُا الْبَیِّنُ ۝ وَفَدَّیۡنَہٗ بِذِبْحٍ عَظِیْمٍ)۔ اب اگرچہ ذبح تو ہوا دُنبہ لیکن اجر بیٹے کے ذبح کرنے کے مساوی ہے۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے اس مینڈھے کی قربانی کو از روئے عنایت قرآن مجید میں بِذِبْحٍ عَظِیْمٍ سے یاد فرمایا ہے یہ پتہ نہیں چلتا کہ یہ ذبیح کی عظمت کس قسم کے تراز و رحمت سے ہے آیا یہ عظمت کبش کی وجہ سے ہے یا نبی کی وجہ سے۔ یعنی کبش کو عظیم فرمانے کی دو وجہیں ہو سکتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ از روئے عنایت حق تعالیٰ نے کبش کو نبی کا درجہ عطا کر دیا کیونکہ ذبح نبی ذبح کبش ٹھہرا۔ گویا حق تعالیٰ نے اپنی رحمت و اسع سے کبش کو نبی کے ہم پلہ اور ہم درجہ ٹھہرایا اور اس پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہو سکتا لِقَوْلِهِ تَعَالٰی (قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بَیۡدِ اللّٰہِ یُوْتِیۡہِ مَنْ یَّشَآءُ وَاللّٰہُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ یَّخْتَصُّ بِرَحْمَتِہٖ مَنْ یَّشَآءُ ۝ وَاللّٰہُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ)۔ دوسری وجہ عظمت یہ ہے کہ وہ کبش ایک نبی کا بدلہ ٹھہرا۔

(۳) اور اس میں شک نہیں کہ قیمت کی رو سے اونٹ مینڈھے سے بہت بڑا ہے لیکن قربت حق کے واسطے

اُونٹ ذبیح مینڈھے سے کم مرتبہ والا ٹھہرا۔ حضرت اسحاق علیہ السلام کی قربانی سے پیشتر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کئی اُونٹ ذبیح کئے لیکن رب تعالیٰ راضی نہ ہوئے۔ بالآخر اسحاق علیہ السلام کی قربانی پر راضی ہوئے۔ یہ اور بات ہے کہ رب تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسحاق علیہ السلام کو اپنے عشق میں صادق پاکر اپنی قدرت کاملہ سے مینڈھا ذبیح کرادیا۔ رب تعالیٰ کی عنایت دیکھئے۔ جب اس مینڈھے پر نگاہ پڑی اُونٹ تو درکنار ذبیح کبش ذبیح نبی ٹھہرا۔

(۴) پس کاش کہ میں اس امر کو جانتا کہ مینڈھے کا چھوٹا سا جسم خلیفہ رحمان یعنی حضرت اسحاق علیہ السلام کا کیسے بذاتہ نائب بن گیا۔

(۵) کیا تو نے نہ جانتا کہ اس فدا اور بدلہ میں ایک خاص امر مرتب ہے یعنی حضرت اسحاق علیہ السلام اور اس مینڈھے میں ایک خاص مناسبت ہے کیونکہ ادنیٰ اعلیٰ کا بدلہ نہیں ہو سکتا۔ مراد یہ ہے کہ (وَإِنْ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا لَیْسَ بِمُحَمَّدٍ) کی رو سے ہر شے اللہ تعالیٰ کی تسبیح پکارتی ہے اسلئے ہر شے ذکر ہے۔ اور ذکر مذکور میں محو ہو کر مذکور ہو جاتا ہے اسلئے ہر شے عارف ہے اور ذات میں محو اور مستغرق ہونے کے باعث ہر شے عین ذات ہے لہذا ہر شے سبع صفات سے موصوف ہے۔ سبع صفات سے مراد حیات، علم، ارادہ، قدرت، سمع، بصر اور کلام ہے۔ ان کو اُہیات الصفات بھی کہتے ہیں۔ پس نبی بھی عارف باللہ اور کبش بھی عارف باللہ ہے۔ یہ ہی وجہ ہے کہ کبش کو عظیم کا لقب دیا گیا ہے۔ (مصرع ثانی) عہد کے وفا کرنے سے نفع حاصل ہوتا ہے اور عہد کا توڑنا سراسر نقصان ہے۔ انبیاء اور اولیاء کی رب تعالیٰ ہمیشہ آزمائش کرتا ہے کہ آیا وہ عشق الہی میں صادق ہیں یا نہیں۔ اور عاشق پر فرض ہے کہ معشوق پر اپنی ہر چیز قربان کرے اور معشوق کے ہر حکم کی تعمیل کرے۔ پس حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے عہد کی وفا کی۔ اور رب تعالیٰ نے بھی اپنی کمال محبت اور شفقت کا اظہار کیا۔ بیٹا بھی بچا دیا۔ قربانی کی یاد ابد الابد تک قائم کر دی اور رب تعالیٰ کی دوستی اور انعام و اکرام تا ابد نصیب ہو گئے۔ حضرت اسحاق علیہ السلام نے اپنے باپ کے حکم کی تعمیل رضا الہی کیلئے کی اسلئے رب تعالیٰ نے نبوت کی بشارت ساتھ ہی دے دی (لَقَوْلِهِ تَعَالَى) (وَبَشِّرْنَاهُ بِاسْحَاقَ نَبِيًّا مِّنَ الصَّالِحِينَ)۔ ہمارے مفسرین صرف اسلئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے ہیں زور دے رہے ہیں کہ ذبیح اللہ اسماعیل ہیں اسحاق نہیں اور یہود پر الزام لگایا جا رہا ہے کہ انہوں نے تورات میں اسماعیل کا نام کاٹ کر اسحق لکھ دیا ہے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کا امتحان اس سے کم نہیں۔ بچپن میں بمعہ والدہ ماجدہ گھر سے دیس نکالا اُس اُجڑ ویرانہ میں نصیب ہوا جہاں

کھانے پینے کی کوئی چیز میسر نہیں۔ پھر باپ کے ہوتے ہوئے باپ سے جِدائی رضا الہی کی خاطر برداشت کرنی اور پھر تازہ لیت، ایسی قربانی ہے جس پر اسحق علیہ السلام کی ہزار قربانی قربان کی جاسکتی ہے۔ وہ لمحہ بھر کی قربانی تھی اور یہ عمر بھر کی قربانی۔ وہاں تقدیر الہی نے صرف امتحان لیا اور یہاں تقدیر الہی وارد ہوئی۔ اہل کشف کے نزدیک حضرت اسماعیل علیہ السلام کا مقام حضرت اسحق علیہ السلام سے بہت ہی بلند ہے۔ پھر خانہ کعبہ کی تعمیر بھی نبی تعالیٰ نے ان ہی کے ہاتھ مبارک سے کرائی۔ اور پھر سب سے بڑی فضیلت یہ کہ جناب محمد پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا نور پاک ان ہی کے ہاتھ مبارک پر چمکا۔ اب اگر حضرت اسحق علیہ السلام کو ذبح مان لیا جاوے تو ان کی فضیلت میں کیا کمی واقعی ہوتی ہے۔ اور پھر جب یہ کتاب فصوص الحکم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہے اور آپ فرما رہے ہیں کہ اسحق علیہ السلام ہی مورد درویشی ابراہیم علیہ السلام ہیں تو علماء کرام کو چاہیئے کہ ادب اختیار کریں اور اپنے عقلی ڈھکوسلے ترک کر دیوں۔ عقل قربان کن بہ پیش مصطفیٰ۔ بعض کج فہم علماء اس کتاب کو حضرت شیخ الاکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف منسوب کر کے اپنی جان چھڑا لیتے ہیں۔ اُن کو تاکید کی جاتی ہے کہ وہ کتاب کا دیباچہ غور سے پڑھیں۔ اس مسکین نے جب ابتدا میں کتاب فصوص الحکم کا مطالعہ شروع کیا تو ایک مقام پر مجھے عقدہ پڑ گیا اور دل میں اعتراض پیدا ہوا۔ اگلا ورق مطالعہ کرنے کے بغیر ہی یہ بندہ بیکس سو گیا۔ اُسی وقت حضرت شیخ الاکبر محی الدین ابن العربی قدس سرہ الاطہر تشریف لائے اور فرمایا ”مجھ پر کیا اعتراض ہے دیباچہ نہیں پڑھا“ میں آپ کی مراد سمجھ گیا کہ یہ کلام مبارک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے میری نہیں، میں تو محض کاتب ہوں۔ دل میں ہیبت پیدا ہو گئی۔ صبح اُٹھ کر وہی مقام دوبارہ مطالعہ کیا۔ جب اگلا ورق پڑھا تو میرے اعتراض کا جواب موجود تھا۔ یہاں وہ بات ہے کہ کوئی اس راز کو نہ پاسکے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اقطاب عارفین رضی اللہ عنہم کو کتابیں کیسے لکھاتے ہیں ۛ

(۴) و (۵) عالم اجسام یعنی اشیائے کونیہ مرکبہ کثیفہ میں سے اول مرتبہ جماد کا ہے اور دوسرا مرتبہ نبات کا اور تیسرا مرتبہ حیوان کا ہے۔ ان کو موالید ثلاثہ کہتے ہیں۔ اور عالم کی ہر شے کشف اور واضح برہان کی رو سے اپنے خالق کی عارف ہے۔ ان تینوں مرکبات میں سے ہر ایک مرکب کے بشمار اقسام ہیں۔ واضح برہان سے مراد قرآن مجید کی آیات ہیں مثلاً (تَسْبِيحُ لَهُ السَّمَوَاتُ السَّبْعُ وَالْأَرْضُ وَمَنْ فِيهِنَّ وَإِنْ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ وَلَكِنْ لَا تَفْقَهُونَ تَسْبِيحَهُمْ إِنَّهُ كَانَ حَلِيمًا غَفُورًا) اور اَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يُسَبِّحُ لَهُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالطَّيْرِ خَفِيَّتْ كُلُّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهُ وَتَسْبِيحَهُ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِمَا يَفْعَلُونَ

ایسے ہی کئی اور آیات ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ عالم کی ہر شے اللہ تعالیٰ کی تسبیح پکارتی ہے۔ چونکہ ہر شے تسبیح پکارتی ہے لہذا ہر شے عاشق ہے اور ہر عاشق معشوق میں محو اور مستغرق ہو کر خود معشوق ہو جاتا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ ہر شے اللہ تعالیٰ کی عارف ہے۔

(۸) سب سے آخری مرتبہ انسان کا ہے جو اپنے عقل بجزی اور فکر ناقص اور ظاہری ایمان کی تقلید کے باعث مقید اور مجبوظ ہے۔ سوائے عارف کامل کے باقی انسان معرفت الہی سے محروم ہیں۔ اس پر دلیل یہ ہے کہ سرکارِ دو عالم جناب محمد پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب و تنقیص سوائے انسانوں کے کسی چیز نے نہیں کی۔ شجر و حجر کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سجدہ کرنا، اونٹ کا سجدہ میں گرنا، اُستینِ حنّانہ کا آپ کے فراق میں بظاہر رونا، کنکروں کا کلمہ طیبہ پڑھنا، جبریل علیہ السلام کا آپ کی درباری کرنا، سورج و چاند کا آپ کا اشارہ مبارک سمجھنا وغیرہ ذلک اس حقیقت پر منصوص ہیں کہ عالم کی ہر شے عرش سے لیکر تحت الثریٰ تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مطیع و منقاد ہے کیونکہ ہر شے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عارف ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عرفان ہی اللہ تعالیٰ کا عرفان ہے۔ چند انسان ہی ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کر رہے ہیں۔ یہ کفار ہیں ان کو معرفت الہی نصیب نہیں۔ چند انسان ہی ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تنقیص شان کر رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جدا کر رہے یہ مسلمان ہیں لیکن ان کو بھی معرفت الہی نصیب نہیں (ثُمَّ مَدَدْنَاهُ أَسْفَلَ سَافِلِينَ) پھر ہم نے اُس کو نیچوں سے نیچے پھینک دیا، انسان ہی کے شان میں وارد ہوا ہے۔

(۹) اس راز کے متعلق سہل تستری و مجملہ محققین جو ہماری مثل ہیں سب نے اس طرح کہا ہے۔ کیونکہ ہم اور وہ سب منزل احسان میں ہیں۔ منزل احسان سے مراد مقامِ مشاہدہ ہے لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ اِلْحْسَانُ اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ فَاِنْ لَمْ تَرَكَ تَرَكَ فَإِنَّهُ يَرَاكَ۔

(۱۰) پس جس نے اُس امر کا مشاہدہ کیا جو میں نے مشاہدہ کیا ہے وہ خفیہ اور اعلانیہ میرے قول کے مطابق ہی کلام کرے گا۔

(۱۱) و (۱۲) اے طالب! اُس قول کی طرف التفات نہ کر جو ہمارے قول کے مخالف ہو اور اس گندم کو اندھوں کی زمین میں نہ بوی یعنی اس علم اسرار کو عوام الناس کے سامنے بیان نہ کر کیونکہ جناب رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے نص قرآن سے ہم کو اُن کا حال سنایا ہے کہ وہ بہرے ہیں اور گونگے ہیں لِقَوْلِهِ تَعَالٰی (صُمُّ بُكْمٌ عُمْیٰ فَهُمْ لَا يَرْجِعُونَ)۔ مراد یہ ہے کہ اُن کے دلوں پر حجاب ہے۔ اس لئے اُن کے دلوں کی آنکھیں اندھی ہیں۔

اُن کے دلوں کے کان بہرے ہیں لہذا وہ ان اسرار کو سمجھنے کی استعداد ہی نہیں رکھتے۔

اے طالب! اللہ تعالیٰ ہم کو اور تجھ کو قوت دے، اس امر کو جان لے کہ تحقیق حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو کہا کہ تحقیق میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ تحقیق میں تجھ کو ذبح کرتا ہوں۔ اور خواب حضرت خیال ہے یعنی عالم خیال ہے۔ اس کو مثال مقید کہتے ہیں۔ محققین کے نزدیک مثال دو قسم ہے۔ ایک وہ ہے جس کے ادراک میں قوت متخیلہ انسانی کی شرط ہے۔ اسے مثال مقید اور خیال متصل کہتے ہیں۔ وہ خواب اور خیال میں ظاہر ہوتا ہے۔ اس میں جو کچھ دکھائی دیتا ہے گا ہے صحیح اور گا ہے غلط ہوتا ہے۔ دوم وہ ہے جس کے ادراک میں قوت متخیلہ کی شرط نہیں ہے۔ اسے مثال مطلق اور خیال منفصل کہتے ہیں۔ سالک جب مثال مقید سے ترقی کر کے مثال مطلق تک پہنچ جاتا ہے تو وہ جو کچھ دیکھتا ہے بالکل صحیح اور درست ہوتا ہے عقول اور نفوس مجردہ کا شہود صورت جسمانیہ میں اہل کشف کو اسی عالم میں ہوتا ہے جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جبرائیل علیہ السلام کا ظہور وحیہ قلبیہ کی صورت پر ہوا کرتا تھا اور یہ مکاشفہ انبیاء اور خاصان خدا کے سوا اور کسی کو حاصل نہیں۔ پس حضرت ابراہیم علیہ السلام کا خواب مثال مقید تھا جو گا ہے صحیح ہوتا ہے اور گا ہے غلط اور اسی لئے خواب ہمیشہ تعبیر طلب ہوتا ہے۔ لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خواب کی تعبیر نہ کی حالانکہ مینڈھا ہی خواب میں ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے کی صورت میں ظاہر ہوا تھا۔ چونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خواب ہی کی تصدیق کی اس لئے اُن کے رب نے ابراہیم علیہ السلام کے وہم یعنی جنون عشق کے بدولت اسحق علیہ السلام کا بدلہ ذبح عظیم کیسا تھ دیا۔ اور اصل حقیقت یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے خواب کی تعبیر اللہ تعالیٰ کے نزدیک ذبح عظیم یعنی مینڈھے ہی کی قربانی تھی لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس چیز کو نہ جانا۔ پس نتیجہ یہ نکلا کہ تجلی صورتی حضرت خیال یعنی مثال مقید میں ایک دوسرے علم یعنی علم تعبیر کی محتاج ہے جس سے یہ ادراک کیا جاسکے کہ اُس صورت مثالی سے اللہ تعالیٰ کی کیا مراد ہے۔ کیا تو نہیں دیکھتا کہ جناب رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب کی تعبیر کے سلسلہ میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو کیسے فرمایا کہ اے صدیق! تو نے بعض خوابوں کی تعبیر درست کی اور بعض میں تو نے خطا کی۔ ابوبکر نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ مجھے بتائیے کہ کہاں میں صواب کو پہنچا اور کہاں میں نے خطا کی لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ جواب نہ فرمایا اور جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پکارا تو فرمایا (اَنْ يَّارٰهِيْمُ قَدْ صَدَّقْتَ الشَّعْيَا) اے ابراہیم تحقیق تو نے اپنا خواب سچا کیا اور لیکن یہ نہ فرمایا کہ سچ کہا تو نے کہ خواب میں مرئی واقعی تیرا بیٹا ہے کیونکہ تحقیق ابراہیم

علیہ السلام نے خواب کی تعبیر نہیں کی بلکہ جو کچھ ظاہر دیکھا اُسی کو قبول کر لیا حالانکہ خواب تعبیر طلب کرتا ہے۔ اور اسی واسطے عزیز بادشاہ مصر نے اپنے خواب کی تعبیر طلب کی (يَا أَيُّهَا الْمَلَأُ أَفْتُونِي فِي رُؤْيَايَ إِنَّ كُنْتُ مِنَ الْغَايِبِينَ)۔ تعبیر سے مراد عبور کرنا ہے یعنی ظاہری مرئی صورت سے اصلی حقیقی مراد کی طرف تجاوز کرنا ہے پس خواب میں مرئی گائیں جو تھیں وہ قحط اور ارزانی کے برسوں کی صورت تھیں۔ اگر حضرت ابراہیم علیہ السلام خواب میں سچے ہوتے تو البتہ اپنے بیٹے کو ذبح کرتے۔ اور سوائے اس کے نہیں ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے خواب کی تصدیق اس بات میں کی کہ مذبح خواب اُن کے فرزند کا عین ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مذبح مرئی سوائے ذبح عظیم یعنی مینڈھے کے اور کوئی شے نہ تھی جو خواب میں اُن کے فرزند کی صورت پر ظاہر ہوا تھا۔ ابراہیم علیہ السلام کے ذہن میں اسحاق علیہ السلام کا بدلہ مینڈھا تھا، اسلئے برعایت ادب و پاس نبوت اللہ تعالیٰ نے اسحاق علیہ السلام کا بدلہ مینڈھے سے دیا حالانکہ حقیقت میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک اسحاق کا فدیہ مینڈھا نہ تھا۔ پس عالم جس اور شہادت نے ذبح کی صورت باندھی اور عالم خیال یعنی عالم مثال نے ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے کی صورت باندھی۔ نیز فعل الحکیم لا یخلو عن الحکمة حکیم مطلق کا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔ اگر ابراہیم علیہ السلام عالم خیال یعنی خواب میں مینڈھے کو دیکھتے تو اُس کی تعبیر ساتھ اپنے بیٹے یا کسی اور چیز کیساتھ کرتے کیونکہ عالم خواب ہمیشہ تعبیر طلب ہوتا ہے اسلئے یہ بھی اللہ تعالیٰ کا اپنے خلیل پر احسان تھا کہ خواب میں ذبح بیٹا دکھایا تاکہ اس کی تعبیر کسی اور چیز کیساتھ کریں۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا (إِنَّ هَذَا لَهُوَ الْبَلَاءُ الْبَیِّنُ) تحقیق یہ خواب البتہ بلائے مبین ہے یعنی صریح ظاہری آزمائش ہے۔ اُنی یہ آزمائش بیچ علم کے ہے کہ کیا ابراہیم علیہ السلام اس امر کو جانتے ہیں کہ مقام خواب تعبیر طلب ہے یا نہیں کیونکہ حقیقتاً جانتا ہے کہ تحقیق موطن خیال یعنی مقام خواب تعبیر طلب کرتا ہے لیکن ابراہیم علیہ السلام غافل رہے اور موطن خواب کا حق ادا نہ کیا یعنی خواب کی تعبیر نہ کی اور اسی غفلت کے سبب خواب کی ظاہری مرئی صورت کی تصدیق کی جیسے کہ امام تقی ابن محمد صاحب کتاب مسند نے بھی غفلت کی اور اپنی خواب کو ظاہر پر حمل کیا۔ امام موصوف نے ایک حدیث صحیح میں سنا تھا کہ تحقیق حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے مجھے خواب میں دیکھا پس تحقیق اُس نے مجھے بیداری میں دیکھا کیونکہ شیطان میری صورت پر متمثل نہیں ہو سکتا ہے۔ تقی ابن محمد نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس کو اُسی خواب میں دودھ پلایا۔ تقی ابن محمد نے اپنے خواب کی تصدیق کی اور اُسے ظاہر پر حمل کیا پھر

اُسے تے کی حاجت ہوئی اور اُس نے دودھ کی تے کی۔ اور اگر وہ اپنے خواب کی تعبیر کرتا تو البتہ وہ دودھ علم ہوتا پس اللہ تعالیٰ نے اُس کو علم کثیر سے محروم رکھا۔ علم کثیر اُس کو اُس اندازہ سے نصیب ہونا تھا جس قدر اُس نے دودھ خواب میں نوش کیا تھا۔ اس سے یہ ثابت ہوا کہ وہ خواب کو بغیر تعبیر کے ظاہر پر حمل کرنے کی وجہ سے فائدہ رو یا سے محروم رہا۔ کیا تو نہیں دیکھتا ہے کہ جناب رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دودھ کا پیالہ دیا گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے اُس میں سے اس قدر پیا کہ اُس کی سیرابی میرے ناخنوں سے باہر آگئی پھر میں نے اپنا باقی ماندہ عمر بن خطاب کو عطا کیا۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ نے اُس کی کیا تاویل کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دودھ سے مراد علم ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس دودھ کو صورت مرنی پر نہ چھوڑا کیونکہ آپ مقام خواب کے علم سے واقف ہیں اور خواب کی تعبیر کے علم میں بھی کامل ہیں۔

اور تحقیق یہ بات جانی گئی ہے کہ بیشک حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری صورت پاک جسکو حسن ظاہر نے دیکھا مدینہ منورہ میں مدفون ہے اور یہ صورت مدفونہ کسی کے خواب میں حاضر نہیں ہوتی۔ مراد یہ ہے کہ جسوقت کوئی ولی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت پاک سے خواب میں یا بیداری میں مشرف ہوتا ہے تو اس سے یہ مراد نہیں کہ اُسوقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ سے غائب ہوتے ہیں بلکہ چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کمالات حقیقی سے مشرف ہونے کے باعث محض ہمراہی ہیں اسلئے آپ مدینہ منورہ میں اپنی صریح مبارک میں مدفون ہوتے ہوئے اپنے جسد مثالیہ کیساتھ بیک وقت لاکھ مقامات پر یعنی ہر مقام اور ہر عالم میں موجود ہوتے ہیں۔ اور تحقیق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی روح اقدس کی صورت اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت کسی نے کسی میں یا اپنی ذات میں نہیں دیکھی۔ مراد یہ ہے کہ چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ابوالروح ہیں اور جملہ ارواح آپ کی روح القدس سے پیدا ہوئی ہیں بقولہ علیہ السلام اَقَامَ مِنْ نُورِ اللَّهِ وَانْخَلَقَ كُلُّهُمْ مِنْ نُورِهِ اسلئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم بمنزلہ کل ہیں اور دیگر جملہ ارواح بمنزلہ جز ہیں اور جز کل کا ادراک کیسے کر سکتی ہے۔ مثال کے طور پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم مثل سورج کے ہیں حضرت غوث اعظم پاک رضی اللہ عنہ مثل قمر کے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ (سابقہ انبیاء و جملہ اولیاء علیہم السلام) مثل نجوم کے ہیں اور باقی جملہ ارواح اُس سورج کی شعاعیں ہیں۔ اب ظاہر ہے کہ شعاعیں یا نجوم یا قمر سورج کی حقیقت کو نہیں پاسکتے اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے لَا يَعْلَمُ حَقِيقَتِي غَيْرُ رَافِعٍ۔ جملہ ارواح اسی مرتبہ میں ہیں یعنی کوئی بھی روح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت کا ادراک نہیں کر سکتی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی روح پاک رافی کیلئے خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد پاک کی صورت پر

متجسّد ہوتی ہے اور وہ صورتِ پاک وہ ہوتی ہے جس پر آپ نے دنیا سے انتقال فرمایا۔ نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جسدِ مدفونہ مطہرہ معتبرہ کی یہ نرالی حقیقت ہے کہ اس جسدِ مطہرہ سے کوئی شے منقطع اور متغیر نہیں ہوتی ہے۔ گویا آپ کی حیات اور ممات میں کوئی فرق نہیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سرِ پائور ہیں اور آپ کے وجودِ اقدس میں کوئی ایسی چیز ہے ہی نہیں جو مکروہ و ناپسندیدہ ہو اور موت کے بعد منقطع اور متغیر ہونے کے لائق ہو چنانچہ قاضی عیاض اپنی کتاب الشفاء میں احادیث شریف پیش کرتے ہیں وَمِنْهُ حَدِيثُ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ غَسَلْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَهَبَتْ أَنْظَرُ مَا يَكُونُ مِنَ النَّبِيَّةِ فَلَمْ أَجِدْ شَيْئًا قَلْتُ طِبْتَ حَيًّا وَمَيِّتًا قَالَ وَسَطَعَتْ مِنْهُ رَائِحَةُ طَيْبَةٍ لَمْ نَجِدْ مِثْلَهَا قَطُّ وَمِثْلُهُ قَالَ أَبُو بَكْرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ حِينَ قَبِلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ مَوْتِهِ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس بارے میں یہ حدیث شریف مروی ہے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو غسل دیا۔ پس میں دیکھنے لگا کہ کوئی ایسی چیز تو نہیں نکلی جو میت میں سے نکلتی ہے۔ میں نے وہاں کچھ نہ پایا۔ تب میں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! آپ کی زندگی بھی طیب و طاہر اور آپ کی ممات بھی پاک و صاف۔ فرماتے ہیں کہ بدنِ اقدس سے ایسی خوشبو نکلی کہ میں نے اس سے قبل کبھی نہ پائی تھی۔ اسی طرح حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا جب آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال مبارک کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی مبارک کا بوسہ لیا۔

پس خواب میں جناب محمد پاک صلی اللہ علیہ وسلم باعتبار اپنی روح پاک کے صورتِ حیدرِیہ مثالیہ میں مرئی ہوتے ہیں اور وہ صورتِ مثالیہ صورتِ مدفونہ کے مشابہ ہے۔ شیطان کیلئے یہ ممکن نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جسدِ اطہر کی صورتِ پاک پر متصور اور متشکل ہو سکے اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عصمت اور حفاظت ہے۔ نیز اس کا فائدہ رآئی کو بھی ہے اور وہ یہ کہ اگر رآئی خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت پاک سے مشرف ہو تو اس کیلئے شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہ ہو۔ اور اسی لئے جو کوئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں اس صورتِ مثالیہ میں دیکھتا ہے وہ آپ سے جمیع فیوضات و امریا نوامی یا اخبار اسی طرح حاصل کرتا ہے جیسا کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کی دنیاوی زندگی میں احکام حاصل کرتا تھا اور ان احکام کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم صراحت فرماتے تھے کہ اس حکم پر فلاں نص دال ہے یا یہ حکم ظاہر عقل کے مطابق ہے یا یہ حکم مجمل ہے اور تفصیل کے لائق ہے یا جیسا وہ حکم ہو۔ مراد یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جس ولی کی تربیت آج عالم مثال میں فرماتے ہیں اور اس کو قرآن مجید کے حقائق و اسرار پڑھاتے ہیں وہ تعلیم و تربیت بعینہ اسی سے ہے جیسے آپ

صحابہ کرامؓ کو تعلیم عطا فرماتے تھے۔ پس اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم رآئی کو خواب میں کوئی چیز عطا فرماویں تو وہ چیز تعبیر کے لائق ہے اور اگر وہ چیز جس ظاہر میں بعینہ خواب کے مطابق نکل آوے تو وہ خواب ایسا ہے جس کی تعبیر کی ضرورت نہیں۔ ابراہیم خلیل و تقی ولد مغلہ نے بھی اپنی خوابیں اسی قسم کی سمجھیں تھیں اسلئے انہوں نے اپنی خوابوں کی تعبیر نہ کی۔ جب تک کہ خواب کیلئے دو وجہیں ہیں تعبیر اور عدم تعبیر نیز جو کچھ اس بارہ میں اللہ تعالیٰ نے ابراہیم کیساتھ کیا یا ان کو فرمایا، یہ سب امور ہم کو ادب سکھاتے ہیں کیونکہ مقام نبوت اس امر کا مقتضی ہے یعنی مقام نبوت اس امر کا مقتضی ہے کہ ہم ابراہیم پر اعتراض نہ کریں کہ انہوں نے اپنے خواب کی تعبیر نہ کی اور ظاہری مرئی صورت کو ہی قبول کر لیا۔

جیسا کہ ہر خواب کی دو وجہیں ہیں تعبیر اور عدم تعبیر، ایسا ہی رویت الہی کی بھی دو وجہیں ہیں تعبیر اور عدم تعبیر، اگر کسی شخص کو رویت الہی کسی ایسی صورت میں نصیب ہو جس کو دلیل عقلی رد کرے تو اس صورت مرئی کی تعبیر امور ذیل کو مد نظر رکھتے ہوئے کی جائیگی (۱) خلاف شرع نہ ہو (۲) رآئی کے حال اور مرتبہ کی رعایت رکھی جائے گی (۳) مکان جس میں رآئی کو رویت الہی نصیب ہوئی کا پاس کیا جائیگا (۴) رآئی اور مکان دونوں کا معاً لحاظ رکھا جائیگا۔ اگر کسی شخص کو رویت الہی کسی ایسی صورت میں نصیب ہو جس کو دلیل عقلی رد نہ کرے تو ہم اس صورت مرئی کو اپنے حال پر باقی رکھیں گے یعنی اس کو بغیر تعبیر کے تسلیم کر لیں گے جیسا کہ ہم حقتعالیٰ کو آخرت میں دیکھیں گے اور بلا تعبیر تسلیم کر لیں گے۔ رویت حق تعالیٰ دنیا اور آخرت دونوں میں برابر یعنی جائز ہے۔ عارف کو اللہ تعالیٰ کا تجلی دو قسم کا نصیب ہوتا ہے۔ ایک تو ہے بیصورتی کا تجلی دوسرا تجلی صورت میں بسا اوقات عارف جب ظاہری آنکھیں بند کرتا ہے تو نور کی شعاعیں اور شعلے اس کے دل سے اٹھتے ہیں جن کو وہ دل کی آنکھوں سے دیکھتا ہے۔ یہ دل کا نور اللہ تعالیٰ ہی کا نور ہے۔ اس کی مثال ایسے ہے جیسے بیٹری کا بٹن دبانے سے بیٹری سے روشنی کی شعاعیں نکلتی ہیں۔ یہ بیصورتی کا تجلی ہے اور اس میں کوئی سرور نہیں۔ دوسرا تجلی صورت میں ہے۔ جب رب تعالیٰ کسی طالب کو اپنے مشاہدہ سے مشرف فرمانا چاہتا ہے تو سنت الہی یہ جاری ہے کہ مخلوق میں سے جس چیز کیساتھ اس کو انس ہوتا ہے اس چیز کی صورت پر رب تعالیٰ تجلی فرماتا ہے تاکہ عاشق اس صورت الہیہ پر صد جان سے قربان ہو جائے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو آگ کی طلب تھی اسلئے آگ کی صورت پر تجلی فرمایا۔ طالب مولا کو اپنے شیخ کیساتھ محبت ہوتی ہے اسلئے رب تعالیٰ اس کو شیخ کی صورت پاک پر تجلی فرماتا ہے۔ بسا اوقات اس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت پاک بھی اپنے شیخ

کی صورتِ پاک پر ہوتی ہے کیونکہ شیخ کامل مراتب فنا و بقا و استقامت کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک لباس ہوتا ہے۔ بعض اوقات اُس کو رب تعالیٰ کی رویت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صورتِ پاک پر ہوتی ہے۔ بعض اوقات عارف باللہ کو اللہ تعالیٰ کی رویت کسی حسینہ عورت کی صورت پر ہوتی ہے جو جاذب ترین صورت ہے۔ اب اللہ تعالیٰ کی رویت شیخ کامل کی صورتِ پاک پر یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صورتِ پاک پر قابل قبول عقل ہے اسلئے ایسی صورت میں تعبیر کی کوئی ضرورت نہیں۔ لیکن اگر رویت حق تعالیٰ کسی ایسی صورت میں نصیب ہو جسکو عقل قبول نہ کرے تو ایسی صورت میں تعبیر کی ضرورت ہے۔ ایک درویش کے پاس بھینس تھی اُسکو اُس کے ساتھ محبت تھی۔ ایک رات اُس نے خواب میں بھینس دیکھی جس کے جسم پر جلی حروف میں اسم اللہ لکھا ہوا تھا۔ اُس نے اپنا خواب مجھے بیان کیا اور متحیر تھا کہ بھینس کی صورت پر اللہ تعالیٰ کا تجلی کیسے ہو سکتا ہے۔ اُسکی عقل نے قبول نہ کیا اسلئے تعبیر کی ضرورت پڑی۔ اس مسکین نے یوں تعبیر کی۔ وہ درویش چونکہ مبتدی تھا اسلئے رب تعالیٰ نے بھینس کی صورت پر تجلی اسلئے فرمایا تاکہ درویش وحدت وجود میں کامل ہو جائے اور اُس پر منکشف ہو جائے کہ بھینس بھی غیر حق نہیں ہے۔ دوسری حکمت یہ تھی کہ وہ بھینس کی خدمت ایک حیوان سمجھ کر نہ کرے بلکہ عین ذات سمجھ کر کرے۔ تیسری حکمت یہ تھی کہ رب تعالیٰ نے جنوا دیا کہ جس چیز کے ساتھ طالب خدا کہ محبت ہو اُسی چیز کی صورت پر رب تعالیٰ تجلی فرماتا ہے۔ اب جس شخص کو رب تعالیٰ دارِ دنیا میں اپنی رویت سے مشرف فرماتا ہے وہ ہی آخرت میں بھی رویت الہی سے مشرف ہوگا اور جو یہاں رویت الہی سے محروم ہے دارِ آخرت میں بھی محروم رہے گا لِقَوْلِهِ تَعَالَى (وَمَنْ كَانَ فِي هَذِهِ أَعْمَى فَهُوَ فِي الْآخِرَةِ أَعْمَى وَاصْلُ سَبِيلًا)۔ اب جس شخص پر دارِ دنیا میں یہ رازِ حقیقت منکشف نہیں ہوا کہ عالم ظہور حق ہے بلکہ عین حق ہی اور جناب محمد پاک صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی ذات کیلئے مراتبِ تامہ ہیں وہ ازلی بد نصیب ہے اور آخرت میں بھی رویت الہی سے محروم رہیگا۔ شعر

(۱) پس واحدِ رحمن کیلئے ہر موطن میں بعض صورتیں پوشیدہ ہیں اور بعض ظاہر۔ گل موطن سے مراد یہاں عالم مثال اور عالم اجسام ہے۔ عالم مثال میں صورتیں مخفی ہیں اور عالم اجسام میں صورتیں ظاہر ہیں لیکن یہ سب صورتیں اُسی واحدِ رحمن کی ہیں۔

(۲) اگر تو اس حقیقت کا قائل ہے کہ سب صورتیں اُسی بی صورت کی ہیں تو تو صادق اور صدیق ہے اور اگر تو اس کے سوا کوئی اور چیز کہے یعنی ان صورتوں کو غیر حق جانے تو تو حق سے متجاوز ہو نیوالا ہے یعنی گمراہ ہے۔

(۳) اور حق تعالیٰ کا حکم اور اثر ہر موطن اور مقام اور مرتبہ میں علیحدہ ہے۔ مقام احدیت میں اُس ذات کا ایک خاص حکم ہے، پھر وحدت اور وحدیت میں اور حکم ہے۔ اسطرح عالم ارواح میں اور حکم اور عالم مثال میں اور حکم ہے۔ پھر عالم اجسام کا اور حکم اور حضرت انسان جو ذات کا آخری موطن اور آخری لباس ہے کی نرالی ہی شان ہے۔ لیکن جب حق تعالیٰ کا ظہور خلق کی صورت پر ہوا تو حق تعالیٰ نے اپنی دونوں صفات جلال اور جمال کے مظاہر بنائے۔ اب کئی مظہر جمال ہیں اور کئی مظہر جلال ہیں۔ چونکہ جمال جلال کی ضد ہے اسلئے مظاہر جمال اور مظاہر جلال میں ضد تنافر اور اختلاف پیدا ہوا۔

(۴) و (۵) جو لوگ محض تنزیہ کے قائل ہیں وہ محبوب ہیں اور جب اللہ تعالیٰ آنکھوں کے واسطے صورتوں میں متجلی ہوتا ہے تو اُن کی عقول عقلی دلائل کیساتھ اُس کو ہمیشہ رد کرتی ہیں۔ اور وہ محبوب لوگ حق تعالیٰ کو صرف عقول اور خیال میں قبول کرتے ہیں۔ یعنی اُن کے نزدیک حق تعالیٰ محض ایک عقلی اور خیالی چیز ہے جو ظاہر جس میں نہیں آسکتی اور صحیح العقیدہ وہ شخص ہیں جو تنزیہ اور تشبیہ دونوں کے قائل ہیں یعنی اُن کے نزدیک وہ ذات مطلق بھی ہے مقید بھی ہے، بصورت بھی ہے اور باصورت بھی ہے۔

بایزید بسطامی اس مقام کے متعلق کہتے ہیں کہ اگر عرشِ مبعہ اُن اشیاء جن پر عرشِ محیط ہے کا دس کروڑ بار قلب عارف کے زاویوں میں سے کسی ایک زاویے میں رکھ دیئے جائیں تو قلب عارف اُن کو محسوس تک نہ کرے۔ اور یہ وسعتِ عالمِ اجسام میں بایزید کے دل کی ہے لیکن میں کہتا ہوں کہ لامتناہی عوالمِ مبعہ اُن کے موجد کے اگر قلب عارف کے زاویوں میں سے کسی ایک زاویے میں رکھ دیئے جائیں تو قلب عارف اُس کو اپنے علم میں محسوس تک نہ کرے کیونکہ تحقیق یہ بات ثابت ہے کہ واقعی قلب عارف میں حق تعالیٰ سما جاتا ہے اور باوجود اس کے قلب عارف سیراب نہیں ہوتا۔ اگر قلب عارف پُر ہوتا تو سیراب ہوتا اور یہ قول بایزید کا ہے۔ اور تحقیق ہم نے بھی اس مقام پر اپنے قول کیساتھ اس بات کی تائید کی ہے۔

(۱) اے وہ ذات جس نے اشیاء کو اپنی ذات میں پیدا کیا ہے تو ہی ہے جس نے اُس کو پیدا کیا ہے جو جملہ اشیاء کا جامع ہے۔ مراد یہ ہے کہ جملہ عوالم اللہ تعالیٰ کی ذات سے پیدا ہوتے ہیں جیسا کہ بیج سے درخت پیدا ہوا ہے۔ پھر اس شجرۃ الکون پر مقرر حضرت انسان ہے جس کے سویدۂ قلب میں جمیع عوالم پیٹے گئے ہیں۔

(۲) تو اُن چیزوں کو پیدا کرتا ہے جن کا وجود تیری ذات میں لامتناہی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات لامتناہی ہے علوم لامتناہی ہیں اسلئے اعیانِ ثابۃ یا صورِ علمیه لامتناہی ہیں لہذا اعیانِ خارجہ یعنی صورِ خارجہ بھی لامتناہی

ہیں۔ نیز تو ہی تنگ ہے اور تو ہی واسع ہے۔ مراد یہ ہے کہ تعینات کی صورت پر تو ہی مقید اور تنگ ہے اور حقیقت کی رُو سے تو ہی مطلق اور واسع ہے۔

(۳۷) اگر جملہ عوالم جو اللہ تعالیٰ نے پیدا کئے ہیں میرے دل میں جمع کر دیئے جائیں تو اُن کی بلند روشنی میرے قلب سے باہر ظاہر نہ ہو۔ یعنی عارف کے قلب میں جملہ عوالم پیٹے ہوئے ہیں لیکن کوئی شخص اس راز سے واقف نہیں۔
(۳۸) جس قلب میں حق تعالیٰ سما گیا وہ خلق سے کیسے تنگ ہو گا۔ مراد یہ ہے کہ عارف کا ادراک جملہ عوالم پر محیط ہے یہ تو ہے خلق کا سما نا عارف کے قلب میں۔ اب حق تعالیٰ کا سما نا قلب میں کیسے ہے۔ انسان ہی کی حقیقت یاد دل کی حقیقت کا نام حق ہے جس کا دوسرا نام حضرت روح ہے۔ اسی کا نام ادراک ہے۔ اسے طالبِ باخود کر عارف کامل کی کیا شان ہے۔

ہر انسان اپنی قوت خیالیہ میں وہم کیساتھ ایسی چیزیں پیدا کر لیتا ہے جن کا خارج میں کوئی وجود نہیں ہوتا۔ اُن کا وجود صرف اُس کے خیال ہی کے اندر ہوتا ہے، حقیقت میں اُن کا کوئی وجود نہیں ہوتا۔ اور یہ عام لوگوں کی حالت ہے۔ مراد یہ ہے کہ ہر انسان نے حق تعالیٰ کے متعلق ایک عقیدہ دھار رکھا ہے۔ ہر عام شخص حق تعالیٰ کو اپنے وجود سے علیحدہ تصور کرتا ہے۔ عالم کو غیر خدا جانتا ہے۔ اپنے ہی خیال میں وہم کیساتھ اُس نے ایک وہمی خدا کا وجود گھڑ رکھا ہے حالانکہ حقیقت میں یہ اُس کا وہم ہی وہم ہے۔ بھلا جس خدا پر انسان کا خیال محیط ہو وہ خدا کیسے حق خدا ہو سکتا ہے۔ حق تعالیٰ وہ ہے جو ہر شے پر محیط ہے کَمَا قَالَ تَعَالَى (أَلَا أَنَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيطٌ)۔ لیکن عارف کامل اللہ تعالیٰ کو ہر شے کی حقیقت اور ہر شے کی صورت جانتا ہے اسلئے عارف اپنی ہمت یعنی خدا وادہم کیساتھ حق تعالیٰ کے متعلق ایسا عقیدہ رکھتا ہے جس کا اُس کے محلِ فہم سے باہر حقیقی وجود ہے اور عارف ہمیشہ اسی مراقبہ وحدت وجود میں محو اور مستغرق رہتا ہے۔ یہ عقیدہ اُس کے ذہن سے کبھی غائب نہیں ہوتا۔ البتہ ابتدا میں جب عارف کے قلب پر غفلت طاری ہوتی ہے تو یہ مخلوق یعنی یہ عقیدہ جو اُس کا اپنا پیدا کیا ہوا ہے گا بے اُس کے ذہن سے غائب ہو جاتا ہے۔ لیکن جب عارف جمیع حضرات یعنی مراتبِ ستہ احدیت، وحدت، وحدت، عالم ارواح، عالم مثال اور عالم اجسام پر حاوی ہو جاتا ہے تو یہ نقطہ توحید اُس کے دل میں بیٹھ جاتا ہے اور وہ کبھی اس حقیقت سے غافل نہیں ہوتا۔ بلکہ ان مراتب میں سے کسی نہ کسی مرتبہ میں عارف موجود رہتا ہے اور اُس مرتبہ میں ذات حق کا مشاہدہ کرتا ہے۔ مراد یہ ہے کہ عارف گاہے مراتبِ حقی احدیت، وحدت اور واحدیت کی سیر کرتا ہے اور گاہے مراتبِ خلقی عالم ارواح، عالم مثال اور عالم اجسام

کی سیر کرتا ہے لیکن جمیع مراتب حقیقی اور خلقی میں ذات حق کا ہی مشاہدہ کرتا ہے۔ اب جبکہ عارف اپنی ہمت سے اللہ تعالیٰ کے متعلق عقیدہ پیدا کرتا ہے اور اس کو اس عقیدہ کے پیدا کرنے پر پوری احاطت حاصل ہو جاتی ہے تو وہ مخلوق یعنی عقیدہ جمیع مراتب میں اُسی عارف کی صورت پر ظاہر ہوتا ہے۔ مراد یہ ہے کہ جب عارف ہی ہر مرتبہ میں اللہ تعالیٰ کا مشاہدہ کر نیوالا ہے تو گویا عارف کو اللہ تعالیٰ پر احاطہ حاصل ہے۔ پس اس لحاظ سے عارف خالق ہے اور اللہ تعالیٰ مخلوق۔ یہ ہی وجہ ہے کہ ہر مرتبہ میں عارف حقیقی کا مشاہدہ اپنی صورت پر کرتا ہے تاکہ اس پر یہ راز منکشف ہو جائے کہ ہر ہر عالم میں انسان ہی کا ظہور ہے اور انسان ہی طالب ہے اور انسان ہی مطلوب۔ انسان ہی بندہ ہے اور انسان ہی رب۔ ظاہر کے لحاظ سے انسان ہی کا نام عبد ہے اور باطن اور حقیقت کے لحاظ سے انسان ہی کا نام رب ہے۔ وَصَارَتِ الصُّوَرُ يَحْفَظُ بَعْضُهَا بَعْضًا عارف کامل مکاشفہ میں عالم مثال میں انبیاء و اولیاء و ملائکہ علیہم السلام کو صورتوں میں متجسّد دیکھتا ہے اور وہ صورتیں اُس کی حفاظت نگہبانی اور تربیت کرتی ہیں۔ بعض اوقات وہ عارف مشاہدہ کرتا ہے کہ وہ صورتیں کئی دوسری صورتوں کی بھی حفاظت اور تربیت کرتی ہیں۔

اگرچہ عارف کامل بعض اوقات مراتب میں سے کسی ایک مرتبہ یا چند مراتب سے بوجہ محویت اور استغراق غافل ہو جاتا ہے لیکن ضروری ہے کہ وہ کسی نہ کسی مرتبہ میں ذات حق کا مشاہدہ ہوتا ہے۔ اگر وہ عروج کر کے مرتبہ واحدیت یا وحدت میں پہنچ جاتا ہے اور نیچے کے مراتب سے غافل ہو جاتا ہے تو وہ مراتب واحدیت یا وحدت میں بھی ذات حق کا مشاہدہ کرتا ہے۔ پس جس عالم میں عارف ہوتا ہے اُسی عالم میں وہ اپنی کردہ مخلوق کا حافظ ہوتا ہے یعنی اپنے عقیدہ کا ملاحظہ کرتا ہے کہ ہر صورت میں ذات حق کا ظہور ہے۔ لہذا جس عالم میں عارف موجود ہوتا ہے اور اُس سے غافل نہیں، میں وہ ذات حق کا مشاہدہ کرتا ہے اور اُس کی بہ نسبت جمیع مراتب میں قائم رہتی ہے۔ مراد یہ ہے کہ عارف کامل عروج کرے تو وہ جانتا ہے کہ ذات حق ہونا بھی اُسی کی شان ہے اور اگر نزول کرے تو بھی جانتا ہے کہ خلق ہونا بھی اُسی کی شان ہے۔ غفلت ہرگز عام نہیں ہوتی نہ عموم میں نہ خصوص میں۔ مراد یہ ہے کہ خصوص یعنی عارفین باللہ کی غفلت جمیع مراتب یعنی جمیع عوالم سے نہیں ہوتی بلکہ کسی ایک مرتبہ سے ہوتی ہے۔ عارف جب ترقی کرتا ہے تو صفات ربوبیت سے موصوف ہو جاتا ہے اور جب تنزل کرتا ہے تو صفات عبودیت سے موصوف ہو جاتا ہے اسی لئے بعض عارف جب اُرج ربوبیت پر پرواز کرتے ہیں تو اُن کی صفات عبودیت گم ہو جاتی ہیں اور جب تو اس عبودیت میں تنزل کرتے ہیں تو صفات ربوبیت گم ہوتی ہیں۔ لیکن سرکارِ دو عالم حضرت

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی اُمت مبارکہ کے کُل افراد کی شانِ برائی ہے۔ اُن کو دائمی رُبوبیت اور دائمی عبودیت معاً حاصل ہے۔ ابھی اس کلمہ کی شرح باقی ہے کہ غفلت عموم میں بھی عام نہیں ہوتی۔ عموم سے مراد عوام مسلمان جن کے دل میں اللہ تعالیٰ کا عشق نہیں اور نہ ہی وہ رُبوبیت الہی کے طالب ہیں۔ اگرچہ عوام مسلمان بظاہر اللہ تعالیٰ کے عاشق نہیں لیکن اُن کے دل میں بھی کسی نہ کسی چیز کی محبت ضرور ہوتی ہے، کسی کی باغ کے ساتھ کسی کی زن کیساتھ کسی کی گھوڑے کیساتھ وغیرہ۔ اب اگرچہ یہ اشیاء بظاہر غیر خدا ہیں لیکن حقیقت میں عین خدا ہیں اور حق تعالیٰ نے ان اشیاء کی صورت پر اُن کیلئے تجلی فرمایا ہے۔ اگر حق تعالیٰ ان اشیاء کی صورت پر متجلی نہ ہوتا تو ہرگز یہ اشیاء اُن کیلئے باعثِ جذب نہ ہوتیں۔ پس ثابت ہوا کہ عوام لوگ بھی حق تعالیٰ کے ساتھ ہی مشغول ہیں اور غفلت کا لفظ اُن پر بھی عائد نہیں ہو سکتا۔

تحقیق میں نے اس جگہ ایک ایسا بھید واضح کیا ہے کہ جس کے ظاہر کئے جانے میں اہل اللہ ہمیشہ غیرت کرتے ہیں کیونکہ اس کے ظہور میں اُن کے اس دعویٰ کا رد ہے کہ تحقیق وہ سب حق ہیں کیونکہ حق کبھی غافل نہیں ہوتا اور ضروری ہے کہ عبد ایک شے سے ماسوا ایک شے کے غافل ہو۔ مراد یہ ہے کہ حق تعالیٰ بیک وقت مجملہ عوالم کا نگہبان ہے اور عبد خواہ کتنی ترقی کر جائے بیک وقت مجملہ عوالم کا نگہبان نہیں بن سکتا کیونکہ وہ کسی نہ کسی عالم کی طرف سے غافل ہوگا۔ البتہ جناب محمد پاک صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کیلئے مراتبِ تامہ ہونیکے باعث حق تعالیٰ کی مثل بیک وقت مجملہ عوالم کے نگہبان ہیں اسلئے اللہ تعالیٰ کا اسمِ التحفیظ ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اسمِ پاک حافظ ہے۔ اور اس حیثیت سے کہ عبد اپنی مخلوق کی حفاظت کرتا ہے جائز ہے کہ وہ کہے کہ میں حق ہوں۔ عبد عالم خیال میں اور عالم مثال میں کئی چیزیں پیدا کر لیتا ہے لیکن عالم شہادت میں بھی یہ کئی چیزیں پیدا کر سکتا ہے جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے عالم شہادت میں طیور کو پیدا کیا ہے تو پس عبد باعتبار خالق ہونے کے کہہ سکتا ہے کہ میں حق ہوں مگر اُس مخلوق کیلئے عبد کی حفاظت حق تعالیٰ کی حفاظت کے مانند نہیں ہے پس ہم نے تحقیق حق اور عبد کے درمیان فرق بیان کر دیا ہے۔ نیز اس اعتبار سے کہ بندہ جب ایک صورت کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے تو دوسری کسی صورت اور اُس کے عالم سے غافل ہو جاتا ہے حالانکہ یہ حق تعالیٰ کی شان نہیں ہے عبد حق سے متمیز ہوا۔ دوسرا فرق عبد اور حق کے درمیان یہ ہے کہ عبد جب اپنی مخلوق یعنی اپنے پیدا کردہ عقیدہ کی حفاظت کسی عالم کی کسی ایک صورت میں کرتا ہے یعنی کسی ایک صورت میں ظہور حق تسلیم کر لیتا ہے تو جمیع عوالم کی مجملہ صورت میں اُس کی مخلوق یعنی عقیدہ کی حفاظت اور صحتِ ضمناً ہو جاتی

ہے کیونکہ ممکن ممکن میں کوئی فرق نہیں۔ مگر حقیقی جمیع عوالم کی جمیع صورت کی حفاظت فرداً فرداً کرتا ہے یعنی ہر شے کی حقیقت کو اسلئے جانتا ہے کہ ہر شے اُس کا ظہور ہے۔ اے اپنی حقیقت جان کہ جان لیتا ہے کہ جمیع حروف کی حقیقت سیاہی ہے لیکن سیاہی ہر ہر حرف کی حقیقت کو اسلئے جانتی ہے کہ جمیع حروف اُس کے مظاہر ہیں حق کی مثال بحر مواج کی سی ہے اور عبد کی مثال قطرات بحر ہے اور انبیاء و اولیاء علیہم السلام اسی بحر کی اہوار و جداول ہیں اور جناب محمد پاک صلی اللہ علیہ وسلم خود بحر مواج ہیں یعنی ٹھاٹھیں مارنے والے نور کے سمندر ہیں لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَنَا مِنْ نُورِ اللَّهِ وَالْخَلْقُ كُلُّهُمْ مِنْ نُورِي۔ یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس کی مجھے بذریعہ کشف خبر دی گئی ہے اور تحقیق آج تک یہ مسئلہ کسی نے کتاب میں نہیں لکھا، نہ میں نے نہ میرے غیر نے، مگر اس کتاب میں میں نے لکھا ہے۔ پس یہ مسئلہ بینظیر اور نادرات وقت میں سے ہے۔ لہذا اے طالب اس مسئلہ سے ہرگز غافل نہ ہو۔ جب عالم مثال میں مکاشفہ میں یا عالم خیال میں خواب میں تجھے کسی صورت میں رؤیت الہی نصیب ہو تو تجھے اُس عالم میں اُس صورت پاک کی حضوری نصیب ہوتی ہے خواہ وہ صورت صورت پاک شیخ یا صورت پاک حضرت علی مرتضیٰ یا صورت پاک حضرت غوث اعظم پاک یا صورت پاک جناب محمد پاک صلی اللہ علیہ وسلم ہو۔ اُس صورت پاک کی مثال اُس کتاب کی سی ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے (مَا فَزَّطْنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ) ہم نے کوئی چیز کتاب میں نہیں چھوڑی پس وہ کتاب ہر واقع جو ہوا یا ہوگا کیلئے جامع ہے۔ مراد یہ ہے کہ حضرت انسان کامل اللہ تعالیٰ کی صورت ہے اور اسے جامعیت کا کمال حاصل ہے۔ اس کا ظاہر خلق کو شامل ہے اور باطن حق کو شامل ہے۔ صفات محمودیت اور صفات ربوبیت کا جامع ہے۔ واقع یعنی تشبیہ اور غیر واقع یعنی تمزیہ دونوں کا جامع ہے۔ پس حضرت انسان کامل صلی اللہ علیہ وسلم عبد اور رب کے درمیان بزرخ جامع یا حد فاصل ہے۔ سید الکونین حضرت امام حسین پاک صلوٰۃ اللہ علیہ و علیٰ آباءہ الکرام اپنی کتاب مرآت العارفین میں اس مسئلہ وحدۃ الوجود کو سمجھانے کیلئے دائرۃ اللہ پیش فرماتے ہیں اور فرماتے ہیں: فَاَمَّا اللَّهُ فَهُوَ مُشْتَبِلٌ عَلَى جَمِيعِ الْأَسْمَاءِ وَالصِّفَاتِ الْفَاعِلَةِ وَالْقَائِلَةِ وَالْحَقِيقَةِ الْمُسْتَعِدَّةِ لِلْفَاعِلَةِ وَالْقَائِلَةِ فَارْسُوفِيهَا دَائِرَةً أُخْرَى كَمَا قُلْتُ وَاثْبَتِ الْفَاعِلَةَ فِي الْأَيِّمِينَ وَالْقَائِلَةَ فِي الْإَيْسَرِ وَالْحَقِيقَةَ الْمُسْتَعِدَّةَ لَهُمَا فِي الْبَرِّ مَرَجٍ كَمَا تَرَى فَاشْهَدْ هَكَذَا:-

اٰمَنَ

تَوَسَّسَ

رُبُوبِيَّةٌ

صفات فاعله وجوبيه مظاهر الله
حقيقت مستنده جامعۃ الربوبية والانسانية
صفات قابله امكنانية مظاهر الله

عُبُودِيَّةٌ

اٰيَسَرَ

تَوَسَّسَ

اس راز کو سوائے اُس شخص کے جو بنفسہ قرآن ہے کوئی نہیں پاسکتا یعنی وہ عارف جو حق کیساتھ مقارنت خلق کا قائل ہے، وہ اس راز کو پاسکتا ہے۔ یا قرآن چونکہ جمیع سورتوں کا جامع ہے اس لئے قرآن کی مثال ساتھ انسان کامل کے دی گئی ہے کیونکہ وہ جمیع کمالات حقی اور خلقی کا جامع ہے۔ یعنی عارف کامل رُبُوبِيَّة اور عُبُودِيَّة کا جامع ہے۔ پس تحقیق اللہ تعالیٰ کا مُتَّقِی عارف وہ ہے جو حدیں نگاہ رکھے۔ رُبُوبِيَّة اور عُبُودِيَّة میں فرق قائم رکھے۔ صفات رُبُوبِيَّة کا اطلاق صفات عُبُودِيَّة پر اور صفات عُبُودِيَّة کا اطلاق صفات رُبُوبِيَّة پر نہ کرے۔ پس اس مسئلہ میں مذکورہ فرقان وہ فرقان ہے جس سے عباد اور رب میں تمیز ہوتی ہے اور یہ فرقان تمام فرقانوں سے بلند تر ہے۔ مُراد یہ ہے کہ جب کسی عالم میں طالب خدا کو اللہ تعالیٰ کی رُوبیت کسی صورت پر ہوتی ہے اور ساتھ ہی اُس کو اُس صُورت کی حضوری بھی نصیب ہوتی ہے تو اس رُوبیت الہی میں عباد اور رب میں صریح فرقان اور تمیز موجود ہے۔ اس سے ترقی کر کے جب سالک ذات حق میں خود محو اور مستغرق اور مُستہلک نور حق ہو جاتا ہے تو دو یانگی اور فرقان ختم ہو جاتا ہے۔ اور اس مقام پر رب تعالیٰ خود ہی شاہد ہے اور خود ہی مشہود ہے لہذا محویت حضوری سے افضل ہے کیونکہ حضوری میں دُوری اور دو یانگی موجود ہے پھر (۱) پس ایک وقت عید بلا شک رب ہوتا ہے اور ایک وقت عید بلا شک عبد ہوتا ہے۔ یعنی گاہے عارف پر صفات رُبُوبِيَّة کا غلبہ ہوتا ہے اور جب وہ اُس حالت سے تنزل کرتا ہے تو پھر صفات عُبُودِيَّة کا غلبہ ہوتا ہے

اکثر اہل اللہ کی یہ ہی حالت ہے لیکن سرکارِ دو عالم جناب محمد پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور جناب کی اُمت مبارکہ کے مکمل افراد کو دائمی ربوبیت اور دائمی عبودیت معا حاصل ہے۔

(۲) پس اگر عبد مدعی عبودیت ہوگا تو حقتعالیٰ کے نزدیک وسیع القدر ہوگا اور اگر عبد مدعی ربوبیت ہوگا تو وہ تنگ عیش میں ہوگا یعنی اُس کا عیش خراب ہو جائیگا۔

(۳) و (۴) و (۵) جو عبد عبودیت کا مدعی ہے اُس کی نگاہ اپنے نفس پر ہوتی ہے، اسلئے وہ رب تعالیٰ کے سامنے عاجز و ذلیل رہتا ہے لہذا بلا شک اُس کی حُجہ اُمیدیں حقتعالیٰ سے پوری ہو جاتی ہیں۔ اور جو عبد ربوبیت کا مدعی ہے وہ دیکھتا ہے کہ عالم ملک اور عالم ملکوت کی حُجہ مخلوقات اُس سے اپنے حقوق کا مطالبہ کرتی ہیں اور وہ مدعی ربوبیت اُس چیز سے جو مخلوق اُس سے بذاتہ مطالبہ کرتی ہے عاجز ہوتا ہے۔ اسی واسطے تو بعض عارفوں کو دیکھتا ہے کہ وہ اپنے عجز پر روتے ہیں۔ یہ عام عارفوں کی حالت ہے کہ لوگوں کی فریادیں سنتے ہیں لیکن لوگوں کی ازلی استعدادات کے مطابق عطا کرتے ہیں، اسلئے مخلوق کے حُجہ مطالبات کو وہ پورا نہیں کر سکتے۔ لیکن عالی سرکار جناب حضرت غوث اعظم پاک میراں محی الدین شیخ سید عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کی زالی ہی شان ہے۔ آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ عالیہ میں دائمی وزیر اعظم ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب ہونیکے باعث آپ کو مقام ناز حاصل ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ (جمع سابقہ انبیاء و حُجہ اولیاء علیہم السلام) حضرت غوث اعظم پاک رضی اللہ عنہ کے وقتی وزیر ہیں اور علم باطن میں حُجہ آپ ہی کے مرید ہیں۔ آپ کو وہ مقام ناز حاصل ہے کہ جس پر نگاہِ کرم پڑ گئی اُس کو جو چاہا عطا کر دیا۔ تقدیرِ مبرم یعنی علمِ الہی کو بھی بدل دیتے ہیں۔ آپ کی ایسی کرامات حد و حصر سے خارج ہیں۔ تفصیل کیلئے ہماری کتاب "تحقیق الاولیاء فی شان سلطان الاصفیا" پر پڑھئے اور قلوب کو نورِ ولایت سے منور کیجئے۔

(۶) پس تو رب کا عبد بن اور اُس کے عبد کا رب نہ بن یعنی اپنی ہستی سے خدائی دعویٰ نہ کر۔ اگر تو نے جھوٹا دعویٰ کیا تو تعلیقِ سلاسل کیسا تھ آگ میں ڈالا جائیگا اور پگھلایا جائیگا۔

فَصْرٌ حَكَمَةٌ عَلِيَّةٌ فِي كَلِمَةِ إِسْمَاعِيلِيَّةٍ

إِعْلَمَنَّ مُسَمَّى اللَّهِ أَحَدِيَّ بِالذَّاتِ كُلِّ بِإِسْمَاءٍ وَكُلُّ مَوْجُودٍ فَمَالَهُ مِنَ اللَّهِ إِلَّا رُبُّهُ خَاصَّةٌ
يَسْتَعِیلُ أَنْ يَكُونَ لَهُ الْكُلُّ شَعْرٌ

فَكُلُّ شَخْصٍ اسْمٌ وَهُوَ رَبُّهُ بِ ذَٰلِكَ الْإِسْمِ جِسْمٌ وَهُوَ قَلْبُهُ

وَأَمَّا الْأَحَدِيَّةُ الْإِلَهِيَّةُ فَمَا لَوْ أَحَدٌ فِيهَا قَدَّمَ لِأَنَّهُ لَا يُقَالُ لِوَاحِدٍ مِنْهَا شَيْءٌ وَالْآخِرُ مِنْهَا شَيْءٌ لِأَنَّهُ لَا يَقْبَلُ التَّبَعِيضَ لِمَا عَرَفَتْ فَأَحَدِيَّتُهُ مَجْبُوعٌ كُلُّهُ بِالْقُوَّةِ وَالسَّعِيدُ مَنْ كَانَ عِنْدَ رَبِّهِ مَرْضِيًّا وَمَا شَدَّ إِلَّا مَنْ هُوَ مَرْضِيٌّ عِنْدَ رَبِّهِ لِأَنَّهُ الَّذِي يُبْقَى عَلَيْهِ رُبُوبِيَّتُهُ فَهُوَ عِنْدَكَ مَرْضِيٌّ فَهُوَ سَعِيدٌ لِهَذَا قَالَ سَهْلٌ إِنَّ لِلرَّبِّ رُبُوبِيَّةً سِرًّا وَهُوَ أَنْتَ يُخَاطَبُ كُلَّ عَيْنٍ لَوْ ظَهَرَ لَبَطَلَتِ الرُّبُوبِيَّةُ فَأَدْخَلَ عَلَيْهِ لَوْ وَهُوَ حَرْفٌ امْتِنَاعٌ لَا مَتْنَاعٌ فَهُوَ لَا يُظْهَرُ فَلَا يَبْطُلُ الرُّبُوبِيَّةُ لِأَنَّهُ لَا وَجُودَ لِعَيْنٍ إِلَّا بِرَبِّهِ وَالْعَيْنُ مَوْجُودَةٌ دَائِمًا فَالرُّبُوبِيَّةُ لَا تَبْطُلُ دَائِمًا وَكُلُّ مَرْضِيٍّ مَحْبُوبٌ وَكُلُّهَا يَفْعَلُ الْحَبُوبُ مَحْبُوبٌ فَكُلُّهُ مَرْضِيٌّ لِأَنَّهُ لَا يَفْعَلُ لِلْعَيْنِ بَلِ الْفِعْلُ لِرَبِّهَا فِيهَا فَأَطْمَأْنَنْتِ الْعَيْنُ عَنْ أَنْ يُضَافَ إِلَيْهَا فِعْلٌ فَكَانَتْ رَاحِيَّةً بِمَا يَظْهَرُ فِيهَا وَعَنْهَا مِنْ أَفْعَالٍ رُبُّهَا مَرْضِيَّةٌ تِلْكَ الْأَفْعَالُ لِأَنَّ كُلَّ فَاعِلٍ وَصَارِيحٍ رَاضٍ عَنْ فِعْلِهِ وَمُصْنَعَتِهِ فَإِنَّهُ وَفِي فِعْلِهِ وَمُصْنَعَتِهِ حَقٌّ مَا هِيَ عَلَيْهِ (أَعْطَى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهُ ثُمَّ هَدَى) أَيْ بَيَّنَّ آدَاءَهُ أَعْطَى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهُ فَلَا يَقْبَلُ التَّقْصِيرَ وَلَا الزِّيَادَةَ فَكَانَ إِسْمَاعِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ يُعْتَوِرُهُ عَلَى مَا ذَكَرْنَاكَ عِنْدَ رَبِّهِ مَرْضِيًّا وَكَذَا أَكُلُ مَوْجُودٍ عِنْدَ رَبِّهِ مَرْضِيٌّ وَلَا يَلْزَمُ إِذَا كَانَ كُلُّ مَوْجُودٍ عِنْدَ رَبِّهِ مَرْضِيًّا عَلَى مَا بَيَّنَّاكَ أَنَّ يَكُونُ مَرْضِيًّا عِنْدَ رَبِّ عَيْنٍ آخَرَ لِأَنَّهُ مَا أَخَذَ الرُّبُوبِيَّةَ إِلَّا مِنْ كُلِّ لَاحِظٍ وَاحِدٍ فَمَا تَعَيَّنَ لَهُ مِنَ الْكُلِّ إِلَّا مَا يُنَاسِبُهُ فَهُوَ رَبُّهُ وَلَا يَأْخُذُكَ أَحَدٌ مِنْ حَيْثُ أَحَدِيَّتِهِ وَلِهَذَا مَنَعَ أَهْلُ اللَّهِ التَّجَلِّيَ فِي الْأَحَدِيَّةِ فَإِنَّكَ إِنْ نَظَرْتَهُ بِهِ فَهُوَ النَّاطِقُ نَفْسُهُ فَمَا تَرَاهُ نَاطِقًا نَفْسُهُ بِنَفْسِهِ وَإِنْ نَظَرْتَهُ بِكَ فَتَرَاهُ الْأَحَدِيَّةَ بِكَ وَإِنْ نَظَرْتَهُ بِهِ وَبِكَ فَتَرَاهُ الْأَحَدِيَّةَ أَيْضًا لِأَنَّ خَيْرَ النَّاسِ فِي نَظَرْتَهُ مَا هُوَ عَيْنُ الْمَنْظُورِ فَلَا يَدَّ مِنْ وَجُودِ نِسْبَةٍ مَا اقْتَضَتْ أَمْرَيْنِ نَاطِقًا وَمَنْظُورًا فَتَرَاهُ الْأَحَدِيَّةَ وَإِنْ كَانَ لَمْ يَرِ إِلَّا نَفْسُهُ بِنَفْسِهِ وَمَعْلُومٌ أَنَّ فِي هَذَا الْوَصْفِ نَاطِقًا وَمَنْظُورًا فَالرَّضَى لَا يَصِحُّ أَنْ يَكُونَ مَرْضِيًّا مُطْلَقًا إِلَّا إِذَا كَانَ جَمِيعُ مَا يَظْهَرُ بِهِ مِنْ فِعْلِ الرَّاضِي فِيهِ فَفُضِّلَ إِسْمَاعِيلُ عَلَى غَيْرِهِ مِنَ الْأَعْيَانِ بِمَا نَعَتَهُ الْحَقُّ بِهِ مِنْ كَوْنِهِ (عِنْدَ رَبِّهِ مَرْضِيًّا) وَكَذَا لِكُلِّ نَفْسٍ مُطْمَئِنَّةٍ قِيلَ لَهَا (إِرجعي إلى ربك) فَمَا أَمَرَهَا أَنْ تَرْجِعَ إِلَّا إِلَى رَبِّهَا الَّذِي دَعَاَهَا فَعَرَفَتْهُ مِنَ الْكُلِّ رَاحِيَّةً مَرْضِيَّةً (فَادْخُلِي فِي عِبَادِي) مِنْ حَيْثُ مَا

لَهُمْ هَذَا الْمَقَامُ فَالْعِبَادُ الْمَذْكُورُونَ هُنَا كُلُّ عَبْدٍ عَرَفَ رَبَّهُ تَعَالَى وَاقْتَصَرَ عَلَيْهِ وَلَمْ يَنْظُرْ إِلَى رَبِّ
غَيْرِهِ مَعَ أَحَدِيَّةِ الْعَيْنِ لَا يَبْدُ مِنْ ذَلِكَ (وَأَدْخُلِي جَنَّتِي) الَّتِي هِيَ سِتْرِي وَلَيْسَتْ جَنَّتِي سِوَاكَ فَأَنْتَ
تَسْتُرُنِي بِذَاتِكَ فَلَا أُعْرِفُ إِلَّا بِكَ كَمَا أَنَّكَ لَا تَكُونُ إِلَّا بِي فَمَنْ عَرَفَكَ عَرَفَنِي وَأَنَا لَا أُعْرِفُ
فَأَنْتَ لَا تَعْرِفُ فَإِذَا دَخَلْتَ جَنَّتَهُ دَخَلْتَ نَفْسَكَ فَتَعْرِفُ نَفْسَكَ مَعْرِفَةً أُخْرَى غَيْرَ الْمَعْرِفَةِ
الَّتِي عَرَفْتَهَا حِينَ عَرَفْتَ رَبَّكَ بِمَعْرِفَتِكَ إِيَّاهَا فَتَكُونُ صَاحِبَ مَعْرِفَتَيْنِ مَعْرِفَةٍ بِهِ مِنْ حَيْثُ
أَنْتَ وَمَعْرِفَةٍ بِهِ بِكَ مِنْ حَيْثُ هُوَ لَا مِنْ حَيْثُ أَنْتَ شَعْر

فَأَنْتَ عَبْدٌ وَأَنْتَ رَبٌّ ؛ لِيَمُنَّ لَهُ فِيهِ أَنْتَ عَبْدٌ

وَأَنْتَ رَبٌّ وَأَنْتَ عَبْدٌ ؛ لِيَمُنَّ لَهُ فِي الْخِطَابِ عَهْدٌ

فَكُلُّ عَقْدٍ عَلَيْهِ شَخْصٌ ؛ يَحِلُّهُ مَنْ سِوَاكَ عَقْدٌ

فَرَضِيَ اللَّهُ عَنْ عِبِيدِهِ فَهُمْ مَرْضِيُونَ وَرَضُوا عَنْهُ فَهُوَ مَرْضِيٌّ فَتَقَابَلَتِ الْحَضَرَتَانِ تَقَابُلَ
الْأَمْثَالِ وَالْأَمْثَالُ أَحَدٌ أَدْلَى لَأَنَّ الْإِثْلَيْنِ لَا يَجْتَمِعَانِ إِذْ لَا يَتَمَيَّزَانِ وَمَا شَمَهُ إِلَّا مَتَبَيِّرُهَا شَمَهُ
مِثْلُ فَمَا فِي الْوُجُودِ مِثْلُ فَمَا فِي الْوُجُودِ حِينَ فَإِنَّ الْوُجُودَ حَقِيقَةً وَاحِدَةً وَالشَّيْءُ لَا يُضَادُّ نَفْسَهُ
شَعْر

فَلَمْ يَبْقَ إِلَّا الْحَقُّ لَمْ يَبْقَ كَائِنٌ ؛ فَمَا شَمَهُ مَوْصُولٌ وَمَا شَمَهُ بَائِنٌ

يَذْأَجَاءُ بَرْهَانُ الْبَيَانِ نَهَارًا ؛ يَعْنِي الْأَعْيَنَةَ إِذَا أَعْمَانِ

(رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ) ذَلِكَ لِيَمُنَّ خَشْيَ رَبِّهِ) أَنْ يَكُونَ هُوَ يَعْلَمُهُ بِالتَّيْمِيزِ لَمَّا دَلَّنَا
عَلَى ذَلِكَ جَهْلُ أَعْيَانٍ فِي الْوُجُودِ بِمَا أَتَى بِهِ عَالِمٌ فَقَدْ وَقَعَ التَّيْمِيزُ بَيْنَ الْعَبِيدِ فَقَدْ وَقَعَ التَّيْمِيزُ
بَيْنَ الْأَسْرِيَّاتِ وَلَوْ لَمْ يَقَعْ التَّيْمِيزُ لَيُفْسَرُ الْأَسْمُ الْوَاحِدُ إِلَّا لِلْهِ مِنْ جَمِيعِ وَجُوهِهِ بِمَا يُفَسَّرُ بِهِ الْآخَرُ
وَالْمَعْنَى لَا يُفَسَّرُ بِالْمُذَلِّ إِلَى مِثْلِ ذَلِكَ لِحِكْمَتِهِ هُوَ مِنْ حَيْثُ وَجْهِهِ الْأَحَدِيَّةِ كَمَا تَقُولُ فِي كُلِّ
اسْمٍ رَأَيْتَهُ دَلِيلٌ عَلَى الذَّاتِ وَعَلَى حَقِيقَتِهِ مِنْ حَيْثُ هُوَ فَالْمُسَمَّى وَاحِدٌ فَالْمَعْنَى هُوَ الْمُذَلُّ مِنْ حَيْثُ
الْمُسَمَّى وَالْمَعْنَى لَيْسَ الْمُذَلُّ مِنْ حَيْثُ نَفْسِهِ وَحَقِيقَتِهِ فَإِنَّ الْمَفْهُومَ يَخْتَلِفُ فِي الْفَهْمِ فِي كُلِّ
وَاحِدٍ مِنْهُمَا شَعْر

فَلَا تَنْظُرْ إِلَى الْحَقِّ ؛ وَتُعْرِيه عَنِ الْخَلْقِ

وَلَا تَنْظُرْ إِلَى الْخَلْقِ ؛ وَتَكْسُوهُ سِوَى الْحَقِّ

وَنَزَّهَةٌ وَشَيْهَةٌ ۖ وَكُنْ فِي الْجَمْعِ إِنْ شِئْتَ ۖ
وَكُنْ فِي الْفَرْقِ ۖ وَإِنْ شِئْتَ فَفِي الْفَرْقِ
تَحْزُنُ بِأَكْلٍ إِنْ كُلُّ ۖ تَبَدَّى قَصَبَ السَّبِقِ
فَلَا تَفْنِي وَلَا تَبْقَى ۖ وَلَا تَفْنِي وَلَا تَبْقَى
وَلَا يُلْقَى عَلَيْكَ الْوَحْيُ ۖ فِي غَيْرِهِ وَلَا تُلْقَى

الثناء يصدق الوعد لا يصدق الوعيد والحضرة الإلهية تطلب الثناء المحمود بالذات فيثنى
عليها يصدق الوعد لا يصدق الوعيد بل بالتجاويز (فلا تحسبن الله فخلت وغيه رسوله) لم يقل
وعيد بل قال (ونتجاويز عن سيئاتهم) مع أنه توعد على ذلك فاشئ على اسمعيل (إنه كان
صادق الوعد) وقد زال الإمكان في حق الحق ليمافيه من طلب المرجح شعر

فَلَمْ يَبْقَ إِلَّا صَادِقُ الْوَعْدِ وَحْدَهُ ۖ وَمَا لَوْ عِيدَ الْحَقِّ عَيْنٌ تَعَانٍ
وَإِنْ دَخَلُوا دَارَ الشَّقَا فَا نَّهُمْ ۖ عَلَى لَذَّةٍ فِيهَا نَعِيمٌ مَبَارِنُ
نَعِيمِ جَنَانِ الْخُلْدِ قَالَا مَرُوحِدُ ۖ وَبَيْنَهُمَا عِنْدَ التَّجَبُّ تَبَارِنُ
يَسْمَى عَدَا بَا مِنْ عَذُوبَةِ طَعْمِهِ ۖ وَذَلِكَ لَهُ كَالْقَشْرِ وَالْقَشْرِ صَائِنُ

یہ حکمت علیہ کا فیض کلمہ اسماعیلیہ کے بیان میں ہے

حکمت حقیقہ کے بعد حکمت علیہ کے لانے کی وجہ یہ ہے کہ حکمت حقیقہ کا اختتام اس امر پر ہوا کہ عارف
کو رضا بالقضاء کا مقام حاصل کرنا چاہیے تاکہ اس کو رضائے رب حاصل ہو۔ جب بندہ کو رضائے رب حاصل ہوتی
ہے تو رب تعالیٰ اس بندہ کو منصب عالی عطا فرماتا ہے اسلئے حکمت علیہ حکمت حقیقہ کے بعد بیان کی گئی ہے
اور یہ علو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی طرف منسوب کرنے کی چند وجوہات ہیں۔ اول تو یہ کہ حضرت اسماعیل
علیہ السلام اسم علی کے منظر تھے جیسا کہ رب تعالیٰ کے قول (وَوَهَبْنَا لَهُمْ مِنْ رَحْمَتِنَا وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ
صِدْقٍ عَلِيًّا) میں آپ بھی شامل ہیں۔ اور خاص طور پر بھی آپ کی شان میں وارد ہے (وَإِذْ كُنَّا فِي الْكِتَابِ
إِسْمَاعِيلَ إِنَّهُ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُولًا نَبِيًّا وَكَانَ يَأْمُرُ أَهْلَهُ بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ وَكَانَ
عِنْدَ رَبِّهِ هَرُحْنِيًّا)۔ پس صدق وعد اور مرضی رب آپ کی علو ہمت اور مقام عالی پر دلیل ہے۔ دوسرے

یہ کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام روح محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے ظرف تھے اور یہ علو جملہ عالی مقامات و درجات سے اعلیٰ ترین ہے۔

اے طالب! اسی امر کو جان لے کہ وہ ذات اور وجود جس کا اسم اللہ ہے بالذات وہ احد ہے اور بالاسماء وہ کل ہے۔ یعنی حقیقت کے اعتبار سے وہ احد ہے اُس کے سوا کسی چیز کا وجود نہیں اور اسماء کے اعتبار سے کل موجودات اُسی احد کے مظاہر ہیں۔ اسم اللہ جامع جمیع اسماء و جامع جمیع صفات ہے۔ باقی اسماء میں سے ہر ایک اسم ایک خاص صفت کا مظہر ہے۔ اسم حی صرف حیات پر، اسم علیم صرف علم پر، اسم مرید صرف ارادہ پر، اسم قادر صرف قدرت پر، اسم سمیع صرف سمع پر غرضیکہ ہر اسم ایک خاص صفت پر دلالت کرتا ہے۔ اور یہ جملہ اسماء اُسی ذات کے اسماء ہیں جو احد بالذات ہے۔ ذات کے اعتبار سے وہ ایک ہے لیکن چونکہ اُس کے اسماء بیشمار ہیں لہذا اسماء کے مظاہر بھی بیشمار ہیں۔ اسماء کے مظاہر چونکہ اعیان خارجہ ہیں لہذا اعیان خارجہ بھی حد و حصر سے خارج ہیں۔ نیز جملہ ممکنات عالم اُسی ذات احد کے اسماء کے مظاہر ہیں یعنی جملہ ممکنات عالم کی صورت پر اُسی ذات احد کا ظہور ہے۔ نیز موجودات میں سے ہر ایک موجود کا ایک خاص رب ہے اور وہ موجود اُسی رب کا مربوب ہے۔ یعنی ہر موجود ایک خاص اسم کا مظہر ہے اور وہ موجود اُسی اسم کے تحت کام کرتا ہے گویا وہ اسم اُس موجود کا رب ہے اور اُس موجود کی تربیت وہ ہی اسم کرتا ہے۔ ایک شخص اسم ستار کا مظہر ہے وہ اسم اُس شخص کی تربیت کرتا ہے لہذا وہ لوگوں کے عیب ڈھانپتا ہے، ایک شخص اسم جبار کا مظہر ہے وہ لوگوں پر جبر کرتا ہے، ایک اسم کریم کا مظہر ہے وہ لوگوں پر کرم کما تا ہے، ایک اسم مُصل کا مظہر ہے وہ لوگوں کو گمراہ کرتا ہے علیٰ هذا القیاس۔ پس عالم کا ہر موجود ایک خاص اسم کا مظہر ہے۔ یہ محال ہے کہ ایک موجود کل اسماء کا مظہر ہو البتہ جیسا کہ وہ ذات جس کا اسم اللہ ہے جمیع اسماء کی جامع ہے ایسے ہی وہ ذات جس کا اسم پاک محمد پاک ہے صلی اللہ علیہ وسلم جمیع اسماء الہیہ کی جامع ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کیلئے مراتب تامہ ہیں اور آپ کی ذات یعنی حقیقت عین اللہ تعالیٰ کی ذات یعنی حقیقت ہے۔ شعر:

(۱) پس ہر شخص موجودات میں سے ایک اسم ہے اور وہ اسم اُس شخص کا رب ہے۔ وہ اسم جسم ہے اور وہ شخص اُس اسم کا دل ہے۔ شخص سے مراد شے ہے۔ مراد یہ ہے کہ عالم کی ہر شے ایک اسم ہے اور وہ اسم اُس شے کی تربیت کرتا ہے اور اُس شے پر متصرف ہے۔ یعنی ہر موجود ایک اسم کا مظہر ہے یا ہر موجود کیلئے ایک اسم ہے جو اُس موجود کی تربیت کرتا ہے۔ وہ اسم مثل جسم کے ہے اور وہ موجود مثل دل کے ہے۔ یعنی جیسے جسم

دل پر محیط ہے ویسے ہی وہ اسم اُس موجود پر محیط، متصرف اور قابض ہے اور اُس کی تربیت اُس کی استعداد کے مطابق کرتا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ ہر موجود کیلئے ایک خاص اسم یعنی ایک خاص رب ہے اور وہ موجود اپنے رب کا مطیع اور فرمانبردار ہے۔

احدیت الہیہ سے مراد احدیت ذاتیہ ہے۔ اس مرتبہ میں اسماء و صفات کا ظہور نہیں۔ چونکہ اس مرتبہ میں کسی اسم کو دخل نہیں اسلئے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ کسی ایک اسم کیلئے اس مرتبہ میں یہ شے ہے اور دوسرے کیلئے یہ شے کیونکہ تحقیق احدیت ذاتیہ بعض کو قبول نہیں کرتی۔ جیسا کہ تونے پہچان لیا مرتبہ احدیت ذاتیہ میں کل اسماء بالقوہ مجموع ہیں۔ مرتبہ احدیت میں اسماء و صفات سب مستہلک ہیں یعنی اسماء و صفات کا اس مرتبہ میں ظہور نہیں۔ اس کی مثال بیج کی سی ہے۔ بیج میں سارا درخت بالقوہ موجود ہے لیکن بیج میں درخت کا ظہور نہیں۔ ایسے ہی مرتبہ احدیت میں جملہ اسماء الہیہ بالقوہ موجود ہیں لیکن کسی اسم کا بھی اس مرتبہ میں ظہور نہیں یعنی کسی اسم کیلئے بھی حقیقت نہیں۔ اس مرتبہ میں ذات میں جملہ اسماء بالقوہ مجموع ہیں لیکن اس میں اسماء کا ظہور اور اسماء کی تمیز نہیں کیونکہ ذات تبعض اور تجزی کو قبول نہیں کرتی۔ بیج میں سارا درخت بالقوہ موجود ہے لیکن درخت کے علیحدہ علیحدہ اجزاء کی تقسیم اور تمیز بیج میں نہیں ہو سکتی۔

اور سعید وہ ہے جو اپنے رب کے نزدیک پسندیدہ ہو اور موجودات میں سے کوئی موجود ایسا نہیں جو اپنے رب کے نزدیک پسندیدہ نہ ہو کیونکہ وہ اپنے رب کی ربوبیت کا اقرار کرتا ہے اور اُس کا مطیع ہے پس وہ اپنے رب کے نزدیک پسندیدہ اور محبوب ہے لہذا سعید ہے۔ نیز ہر موجود اپنے رب کا مربوب ہے اسلئے اُس کے وجود کے ساتھ اُس کے رب کی ربوبیت ثابت اور باقی ہے۔ اگر مربوب کا وجود نہ ہوتا تو اُس کے رب کی ربوبیت کا وجود بھی ختم ہو جاتا یعنی ربوبیت باطل ہو جاتا۔ لہذا ہر موجود اپنے رب کا محبوب اور پسندیدہ ہے اور پس سعید ہے۔ اسی لئے سہل تستری نے کہا ہے کہ ربوبیت کیلئے ایک بھید ہے اگر وہ بھید زائل ہو جائے تو ربوبیت بھی باطل ہو جائے اور اے مخاطب وہ بھید تو ہے یعنی سہل تستری نے ہر عین خارجی کی طرف خطاب کیا ہے۔ آپ نے اپنے قول میں حرف کو داخل کیا ہے اور اُس سے مراد ایک شے کا امتناع بسبب دوسری شے کے امتناع کے ہے۔ اب چونکہ وہ بستر زائل نہیں ہوتا اسلئے ربوبیت باطل نہیں ہوتی۔ یعنی چونکہ کسی عین خارجی کا وجود سوائے اُس کے رب کے نہیں ہے اور وہ عین خارجی ہمیشہ موجود ہے اسلئے ربوبیت کبھی باطل نہیں ہوگی۔ مراد یہ ہے کہ اگر کسی موجود کیلئے فنا تسلیم کر لی جائے تو اُس کا رب بھی فنا ہو جائیگا۔ لہذا انسان راز ربوبیت ہے۔

کاثبات اور بقا ساتھ انسان کے ہے۔ اگر انسان زائل ہو جائے تو ربوبیت بھی زائل ہو جائے۔ اب چونکہ ربوبیت ہمیشہ قائم دائم ہے اسلئے انسان بھی ہمیشہ قائم دائم ہے۔

اور موجودات میں سے ہر موجود اپنے رب کا پسندیدہ اور محبوب ہے۔ محبوب جو کچھ کرتا ہے سب محبوب ہے اسلئے محبوب کا ہر فعل پسندیدہ ہے۔ نیز چونکہ تحقیق کسی عین خارجی کیلئے فعل ثابت نہیں بلکہ اُس عین خارجی میں اُس کے رب کا فعل ثابت ہے اسلئے وہ عین خارجی اس بات سے مطمئن ہے کہ اُس کے رب کا فعل اُسکی طرف مضاف کیا جائے۔ ہر موجود ایک خاص اسم یا خاص رب کا مربوط اور مظہر ہے اسلئے مظہر کا فعل حقیقتاً ظاہر ہونے والے کا فعل ہے اور مربوط کا فعل حقیقتاً اُس کے رب کا فعل ہے۔ عین خارجی ہر اُس فعل سے جو اسمیں یا اُس سے ظاہر ہوتا ہے راضی ہوتا ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ یہ افعال اُن افعال میں سے ہیں جن کو اُس کا رب پسند کرتا ہے۔ تحقیق ہر فاعل و صانع اپنے فعل و اپنی صنعت پر راضی ہے کیونکہ اُس نے اپنے فعل اور اپنی صنعت کو وہ حق ادا کیا ہے جس کے وہ لائق تھے۔ یعنی ہر رب اپنے مربوط کی تربیت اُس کی استعداد کے مطابق کرتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرمان ہے (أَعْطَى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهُ ثُمَّ هَدَى) یعنی حق تعالیٰ نے بیان کیا کہ تحقیق اُس نے ہر شے کو اُس کی استعداد عطا کی اسلئے کوئی شے اب اُس عطا کردہ استعداد میں کمی بیشی کو قبول نہیں کرتی چونکہ حضرت اسمعیل علیہ السلام اس راز سے واقف تھے کہ ہر انسان کا فعل اُس کے رب کا فعل ہے اور اُس کا ہر فعل اپنے رب کے نزدیک پسندیدہ ہے اور ہر مربوط اور موجود اپنے اپنے رب کا مظہر ہے اور ہر انسان کو اللہ تعالیٰ نے ہی ازل میں استعداد عطا کی جس میں کمی بیشی اب نہیں ہو سکتی اسلئے وہ اپنے رب کے نزدیک پسندیدہ تھے۔ اور ایسے ہی ہر موجود اپنے رب کے نزدیک پسندیدہ ہے۔

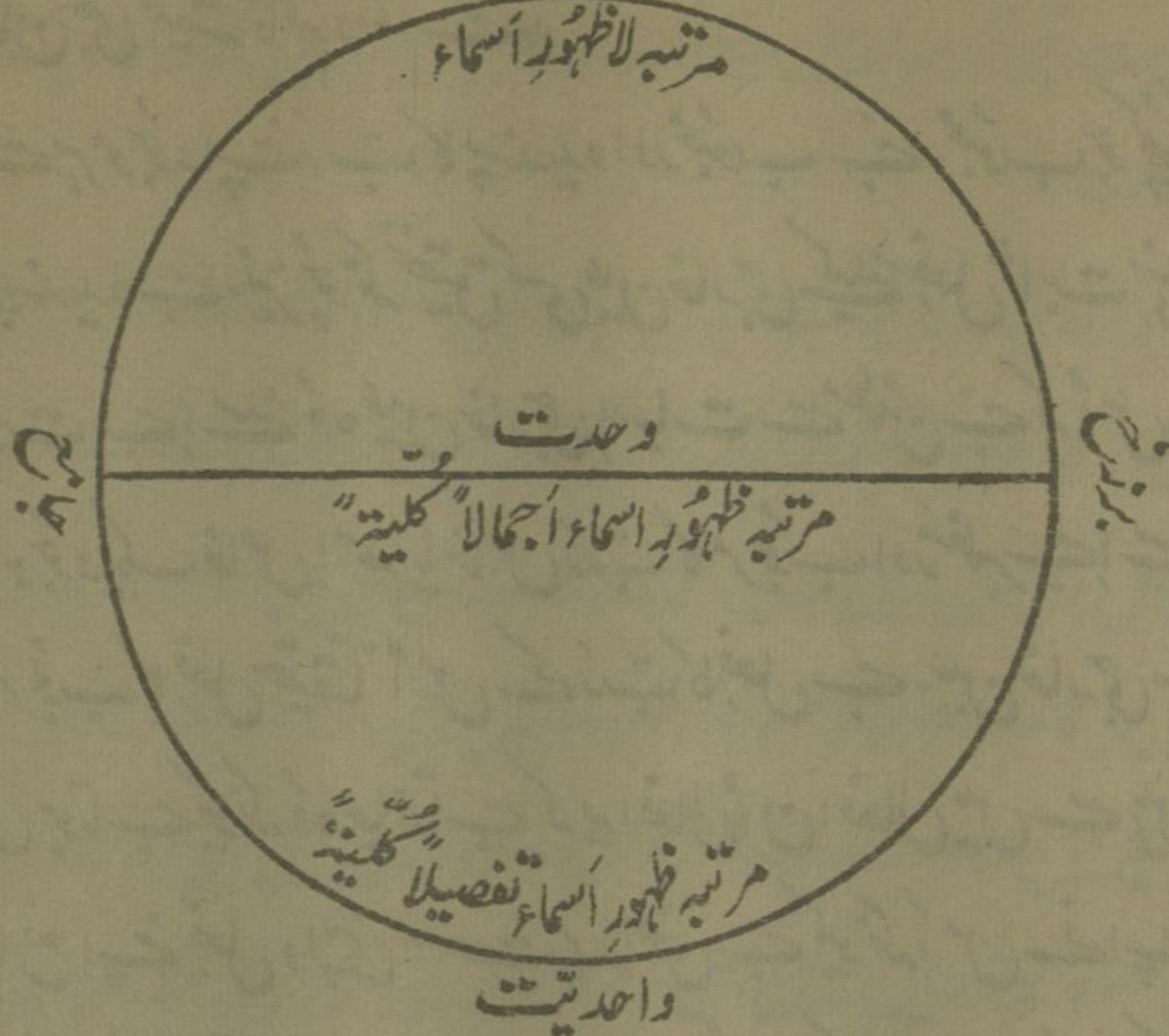
اور یہ لازم نہیں کہ جب ہر موجود اپنے رب کے نزدیک پسندیدہ ہے جیسا کہ اوپر بیان ہوا تو وہ موجود دوسرے عبد کے رب کے نزدیک بھی پسندیدہ ہو۔ مثال کے طور پر اسم ہادی کا مربوط اسم ہادی کا تو پسندیدہ ہے لیکن اسم مفضل کا وہ پسندیدہ نہیں ہو سکتا۔ ایسے ہی اسم مفضل کا مربوط اسم مفضل کا تو پسندیدہ ہے لیکن اسم ہادی کا وہ پسندیدہ نہیں ہو سکتا۔ مرتبہ احدیت میں اسماء سب مستہلک ہیں یعنی بالقوہ موجود ہیں لیکن اس مرتبہ میں اُنکا ظہور نہیں۔ مرتبہ وحدت میں اسماء کا ظہور علمی اجمالی کُلّی ہے لیکن اس مرتبہ میں اسماء کی آپس میں تمیز نہیں۔ مرتبہ واحدیت میں اسماء کا ظہور علمی تفصیلی کُلّی ہے اور اس مرتبہ میں اسماء ایک دوسرے سے متمیز ہیں۔ وضاحت کیلئے

كَأَشْرَكةِ الرَّبُّوبِيَّةِ پیش کیا جاتا ہے۔

دَا اِسْرَۃُ الرَّبُّوْبِيَّةَ

احدیت

مرتبہ لاظہور اسماء



لَا تَنْهَ مَا آخَذَ الرَّبُّوْبِيَّةَ اسلئے کہ ہر موجود نے نہیں اخذ کیا رُبُوبِيَّت کو اِلَا مِنْ كُلِّ مگر مجموعہ اسماء سے یعنی مرتبہ واحدیت سے لَا مِنْ كُلِّ دَا اِحِدٍ فَمَا تَعَيَّنَ لَهُ مِنَ الْكُلِّ نہ مرتبہ وحدت سے جس میں اسماء آپس میں متمیز نہیں اِلَّا مَا يَنْسَبُ بِهِ فَهُوَ سَائِبَةٌ اسلئے اس اسم کے جو اس موجود کے مناسب ہے پس وہ ہی اسم اس موجود کا رب ہے اور کوئی موجود مرتبہ احدیت سے رُبُوبِيَّت اخذ نہیں کرتا کیونکہ مرتبہ احدیت میں رُبُوبِيَّت کا ظہور نہیں۔ اسی لئے اہل اللہ مرتبہ احدیت میں تجلی حق روا نہیں رکھتے کیونکہ مرتبہ احدیت بطون در بطون مرتبہ ہے۔ یہ ذات حق کی گنہ ہے۔ صرافت ذاتی کا مقام ہے اس میں عقل فکر و ادراک کو رسائی نہیں۔ گنہ ذات حق کی غیر مد رک ہے اسلئے کوئی موجود اس مرتبہ سے بہرہ حاصل نہیں کر سکتا۔ البتہ جب سالک عروج کر کے مقام احدیت تک پہنچتا ہے تو اس کا اپنا وجود اس مقام پر نیست و نابود ہو جاتا ہے۔ جب ذات حق نے اپنے صرافت ذاتی کے مقام سے تنزل فرمایا تو اس کا تعین اول مقام وحدت ٹھہرا۔ یہ ظہور علمی اجمالی کا مرتبہ ہے۔ اس مرتبہ میں ذات حق نے اپنی ذات کا اور اپنے اسماء و صفات کا ادراک اپنی ذات کے لئے اپنی ہی ذات میں کُلِّيَّة کیا لیکن اجمالاً کیا یعنی بغیر تمیز کرنے بعض اسماء کو بعض سے۔ پھر مقام وحدت سے مقام واحدیت میں تنزل فرمایا۔ یہ ظہور علمی تفصیلی کا مرتبہ ہے۔ اس مرتبہ میں ذات حق نے اپنی ذات اور اپنے اسماء و صفات کا ادراک اپنی ذات کیلئے اپنی ہی ذات میں کُلِّيَّة تفصیلاً کیا یعنی اس مرتبہ میں کُل اسماء آپس میں متمیز ہو گئے۔ یہ تینوں مراتب حقی ہیں اور ان میں تقدیم اور تاخر عقلی ہے زمانی نہیں۔ جب رب تعالیٰ

سالک کے دل سے وہم کا پردہ ہٹا دیتا ہے تو اسکو حقیقی کا عرفان نصیب ہو جاتا ہے اور یہ راز اس پر منکشف ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر شے کی صورت اور ہر شے کا عین ہے۔ اس مقام پر غارف اللہ تعالیٰ کو اللہ تعالیٰ کیساتھ پاتا اور دیکھتا ہے لِقَوْلِهِ عَلَيِّهَا السَّلَامُ عَرَفْتُ رَبِّي بِرَبِّي۔ پس اے سالک! تحقیق جب تو حقیقی کو اس کیساتھ دیکھیکا تو حقیقت میں حق تعالیٰ ہی اپنی ذات کا ناظر ہے پس ہمیشہ حقیقی خود ہی اپنی ذات کا اپنی ذات ہی کیساتھ ناظر ہے۔ یہ مرتبہ احدیت کی تعریف ہے۔ اس مرتبہ میں تیرا وجود بالقوہ موجود ہے لیکن اس مقام میں تیرا حکم زائل ہو جاتا ہے۔ وہاں محض ذات بحت باقی رہ جاتی ہے اسلئے اس مقام میں ناظر منظور ایک ہے۔ اور جب تو تنزل کر کے مقام وحدت میں آجائیکا تو اس مقام میں تجھے علمی وجود اجمالاً نصیب ہوگا لیکن اسماء کی آپس میں تمیز نہ ہوگی۔ اس مقام پر تو اگر حقیقی کو دیکھیکا تو تیرے علمی وجود کی وجہ سے احدیت زائل ہو جائیگی۔ پھر اگر تو تنزل کر کے مقام واحدیت میں آجائیکا تو اس مقام میں تجھے علمی وجود تفصیلاً نصیب ہوگا اور اس مقام میں اسماء متمیز ہو جائیں گے۔ اور اس مقام میں تو حقیقی کو اس کے ساتھ دیکھے یا اپنے ساتھ دیکھے پھر بھی احدیت زائل ہو جائیگی۔ یہ ذیل سے مراد یہ ہے کہ تیرا علمی وجود چونکہ اس کی ذات سے پیدا ہوا ہے لہذا تیرا وجود اسی کا وجود ہے۔ لیکن تفصیل کی رو سے لفظ نَظَرُوتہ میں چونکہ ضمیر تاء مخاطب کی عین منظور نہیں ہے بلکہ ناظر اور منظور کے دو علیحدہ وجود ثابت ہوتے ہیں اسلئے اس مقام پر بھی احدیت زائل ہو جائیگی۔ مقام وحدت اور وحدیت میں بھی حقیقتاً ذات حق نے اپنی ذات کو اپنی ذات کیساتھ اپنی ذات میں دیکھا ہے۔ اسماء و صفات کا ادراک بھی حقیقتاً ذات حق کا ادراک ہے کیونکہ اسماء و صفات عین ذات ہیں۔ اُن کا اپنا علیحدہ وجود کوئی نہیں۔ اور یہ بات معلوم ہے کہ تحقیق حقیقی اس وصف میں ناظر و منظور ہے۔ مراد یہ ہے کہ مرتبہ وحدت و وحدیت میں اگرچہ تعینات اور موجودات کا وجود علمی ثابت ہے لیکن ان صور علمیہ پر بھی حقیقی کا ہی ظہور ہے۔ اگر کوئی موجود علمی وجود کے ساتھ حقیقی کا ناظر ہے تو حقیقتاً حقیقی ہی ناظر ہے۔ اب رہا یہ سوال کہ مرتبہ وحدت اور واحدیت میں منظور کون ذات ہے تو ہر طالب صادق ذات حق کو اپنے شیخ کی صورت پاک پر یا جناب محمد پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت پاک پر دیکھتا ہے۔ شیخ کی صورت پاک بھی جناب محمد پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت پاک ہے۔ ان مراتب میں یہ صورتیں بھی ذوقیہ علمی صورتیں ہونگی اور ہر موجود کہ اپنے رب کا پسندیدہ اور مرضی ہے یہ صحیح نہیں کہ وہ مطلق پسندیدہ اور مرضی ہو۔ یہ تب ہی صحیح ہو سکتا ہے جب اس کے جملہ افعال رب راضی کی مرضی کے مطابق ہوں۔ مراد یہ ہے کہ غارف کامل

مقبول بارگاہ وہ ہے جو اپنے کسی فعل کی نسبت اپنی طرف نہ کرے۔ دل کی باگ اللہ تعالیٰ کو سونپ دے اور
 جدھر جائے جانے دے روکے نہیں۔ جو فعل اچھا یا بُرا سرزد ہو اُس کو کسی حکمت پر مبنی کرے اور خود ہر فعل پر
 راضی رہے تاکہ رب ہادی اور رب مُضِلّ دونوں اُس پر راضی رہیں۔ ایسے عارف پر رب الارباب یعنی رب
 مُطلق بھی راضی ہوگا۔ حضرت اسمعیل علیہ السلام کی فضیلت باقی موجودات پر اسوجہ سے ہے کہ آپ پر رب الارباب
 کا راضی ہونا خود اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے (وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهِ فَخْرًا)۔ اسجگہ رب سے مراد رب مُطلق ہے
 یعنی اللہ تعالیٰ نہ رب خاص۔ باقی مخلوقات پر رب خاص راضی ہوتا ہے۔ مراد یہ ہے کہ حضرت اسمعیل علیہ السلام
 عارف کامل تھے اور اس راز سے واقف تھے۔ اور ایسا ہی حال ہر نفس مُطہّئہ کا ہے۔ ہر نفس مُطہّئہ سے مراد ہر
 نبی اور ولی ہے۔ مراد یہ ہے کہ ہر نبی اور ہر ولی اللہ تعالیٰ کا مرضی اور پسندیدہ ہے کیونکہ وہ اس راز سے واقف
 ہیں۔ اسی لئے نفس مُطہّئہ کو خطاب ہوا (اِنْمَا جِئْتُمُنِي رَاضِيًا) تو اپنے رب کی طرف رجوع کر یعنی رب تعالیٰ
 نے نفس مُطہّئہ کو حکم دیا ہے کہ تو ہر اُس رب کی طرف رجوع کر جو تجھے دعوت دے تاکہ تو جملہ ارباب کی پیروی
 سے رب تعالیٰ یعنی رب مُطلق کو پہچان لے کیونکہ جملہ ارباب یعنی جملہ اسماء کا مجموعہ رب تعالیٰ ہے جو اسم اللہ
 سے موسوم ہے۔ ہر رب کی پیروی کر جو تجھے دعوت دے یعنی ہر فعل کی نسبت اُن ارباب و اسماء کی طرف کر
 اور خود فارغ رہ تاکہ تو عارف باللہ بن جائے۔ اس طرح رب الارباب یعنی رب تعالیٰ سے تو راضی اور وہ تجھ
 سے راضی۔ (فَاَذْخُلِي فِي عِبَادِي) اے نفس مُطہّئہ میرے بندوں میں داخل ہو جا اسلئے کہ اُن کو بھی یہ مقام
 حاصل ہے۔ اس جگہ عباد مذکور سے مراد وہ جملہ بندے ہیں جو رب تعالیٰ کے عارف ہیں۔ اُن عارفین باللہ کے
 سوا باقی بندے اس میں داخل نہیں۔ اور وہ عارفین باللہ اس راز سے واقف ہیں کہ جملہ ارباب رب تعالیٰ کے
 عین ہیں اور با ایں ہمہ اپنے غیر کے رب کی طرف نظر نہیں کرتے۔ عارف لوگ اسم ہادی کے مظہر ہیں اسلئے
 ہمیشہ ہدایت کے راستے پر گامزن رہنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اگرچہ وہ جانتے ہیں کہ اسم مُضِلّ بھی اللہ تعالیٰ
 کا ہی ایک اسم ہے لیکن وہ حفظ مراتب نگاہ رکھتے ہیں اور گمراہی یعنی سیئات سے گریز کرتے ہیں۔ عارف باللہ
 کیلئے ضروری ہے کہ حفظ مراتب یعنی حدود شرعی نگاہ رکھے۔ (وَإِذْ خُلِيَ جَنَّاتُ) اور میری جنت میں داخل ہو
 جا۔ جنت سے مراد ستر ہے یعنی میرے ستر میں داخل ہو جا۔ مراد یہ ہے کہ میری ذات میں چھپ جا۔ اور نہیں ہے
 میرا ستر سوا تیرے یعنی اے عارف میں تیری ذات میں چھپا ہوا ہوں پس تو مجھ کو اپنی ذات میں چھپاتا ہے
 نیز میں تیرے بغیر نہیں پہچانا جاتا جیسا کہ تو میرے بغیر موجود نہیں ہوتا۔ مراد یہ ہے کہ انسان کا وجود ساتھ اللہ تعالیٰ

کے ہے اور اللہ تعالیٰ کا ظہور ساتھ انسان کے ہے۔ سیاہی کا ظہور ساتھ حروف کے ہے اور حروف کا وجود ساتھ ساتھ سیاہی کے ہے۔ پس جس نے تجھے پہچانا اُس نے مجھے پہچانا اور میں نہیں پہچانا جاتا پس تو بھی نہیں پہچانا جاتا۔ مراد یہ ہے کہ ذات حق کی کُنہ غیر مذکر ہے اور اسی ہی انسان کی حقیقت جو ذات حق کیلئے مرآت ہے بھی غیر مذکر ہے۔ لہذا جب تو اُس کی جنت یعنی ذات میں داخل ہوا تو اپنی ذات میں داخل ہو گیا۔ مراد یہ ہے کہ حق تعالیٰ جب تجلی کرے گا تو تیرے دل ہی سے کر لگا اور تو اپنے دل ہی میں محو اور مستغرق ہو جائیگا اور تجھے اپنی ذات کی ایک اور معرفت نصیب ہوگی سوائے اُس معرفت کے جس سے تو نے اپنی ذات کو پہچانا تھا اور اپنی اُس معرفت کے سبب اپنے رب کو پہچانا تھا۔ ابتدا میں عارف اپنے آپ کو محض بندہ حقیر ضعیف پُر تقصیر عاجز رب تعالیٰ سے دور اور جُدا تصور کرتا ہے اور رب تعالیٰ کو وراء الورا قادر مطلق احکم الحاکمین نور علی نور تصور کرتا ہے۔ یہ ابتدائی معرفت ہے۔ جب اللہ تعالیٰ عارف کے دل سے وہم کا پردہ اٹھا دیتا ہے تو وہ اس راز کو پالیتا ہے کہ وہ ذات حق جسکو وہ اپنے سے اور خلق سے دور جانتا تھا اُس کے دل میں جلوہ نما ہے۔ یہ معرفت کی انتہا ہے۔ یعنی عارف کامل جب صفات کاملہ الہیہ سے متصف اور موصوف ہو جاتا ہے تو وہ حق اور خلق کے درمیان برزخ جامع ہو جاتا ہے یعنی صفات عبودیت و صفات ربوبیت کا جامع ہو جاتا ہے اور اس راز کو پالیتا ہے کہ عبودیت اور ربوبیت دونوں اللہ تعالیٰ کے کمال ہیں اور ربوبیت اور عبودیت اللہ تعالیٰ کی دو جہتیں یا دو شانیں ہیں۔ مرتبہ لا تعین میں اُس ذات کا نام رب ہے اور مرتبہ تعین میں اُس ذات کا نام عبد ہے۔ وضاحت کیلئے دائرۃ اللہ پیش کیا جاتا ہے:-

كَأَشْرَكَ اللَّهُ

اٰمِن

رُبُوبِيَّتِهِ

تَوْس

صفات فاعله وجوبية مظاهر الله

حقیقت مستعدہ جامعۃ الربوبیۃ والانشائیۃ جامع برزخ

صفات قابله امکانیۃ مظاهر الله

اٰمِن

عُبُودِيَّتِهِ

تَوْس

دائرے کے وسط میں سے ایک خط گزرتا ہے جو دائرے کو دو قوسوں میں تقسیم کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ تقسیم انقسام سے منترہ اور مُعَرَّا ہے لیکن اس میں اشارہ یہ ہے کہ وسطانی خط سے دائرہ دو قوسوں قوسِ رُبُوبیت اور قوسِ عِبُودیت میں تقسیم ہو گیا ہے اور وسطانی خط برزخ جامع ہے جو رُبُوبیت اور عِبُودیت دونوں کو شامل ہے۔ برزخ جامع سے مراد حضرت انسان کامل ہے۔ یعنی انسان کامل ایک جہت سے رُب ہے اور ایک جہت سے عِب ہے۔ ظاہر کے لحاظ سے عِب ہے۔ باطن اور حقیقت کے لحاظ سے رُب ہے۔ اور دوسرے الفاظ میں رُبُوبیت اور عِبُودیت دونوں اللہ تعالیٰ کی شانیں ہیں کیونکہ دونوں قوسیں ایک ہی دائرہ کی ہیں۔ فَتَكُونُ صَاحِبَ مَعْرِفَتَيْنِ پس تو دو معرفت کا صاحب ہو گا۔ ایک معرفت اُسکی بحیثیت تیرے یعنی باعتبار عِب اور دوسری معرفت اُس کی ساتھ تیرے بحیثیت رُب نہ بحیثیت تیرے یعنی باعتبار رُب یعنی تو اس راز کو پالیکا کہ رُبُوبیت اور عِبُودیت دونوں اُسی کی شانیں ہیں۔ یا دوسرے الفاظ میں تو پالیکا کہ انسان کامل اللہ تعالیٰ کیلئے مِرآتِ تامہ ہے۔ اس کے ظاہر کا نام عِب ہے اور اس کے باطن کا نام رُب ہے۔

(۱) اے عارف! پس تو ہی عِب ہے اور تو ہی رُب ہے اُس شخص کے واسطے جس میں تو عِب ہے۔ مراد یہ ہے کہ انسان کامل کی حقیقت رُبُوبیت و عِبُودیت کی جامع ہے۔ ایک ہی ذات ہے جس کی دو شانیں ہیں ایک شان کا نام رُبُوبیت ہے دوسری شان کا نام عِبُودیت ہے۔

(۲) اور تو ہی رُب ہے اور تو ہی عِب ہے واسطے اُس ذات کے جس کیساتھ ازل میں تو نے اقرار کیا تھا۔ اور وہ اقرار یہ ہے اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوا بَلٰی شَهِدْنَا۔ مراد یہ ہے کہ وہ ہی ذات جس کیساتھ ازل میں تو نے عہد کیا تھا اب تنزل فرما کہ تیری حقیقت میں متعلق ہے۔ رُب تعالیٰ نے ازل میں ارواح سے اقرار لیا اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ اَيَا نَهْمُ مَنْم۔ کیا میں سب کچھ نہیں ہوں؟ ارواح نے اقرار کیا قَالُوا بَلٰی شَهِدْنَا۔ ہاں بے شک سب کچھ تو ہے۔

(۳) پس ہر ہر عقیدہ ایسا ہے کہ اُس کے اوپر ایک ایک شخص ہے کیونکہ ہر شخص ایک خاص اسم کا مظہر ہے۔ چونکہ اسماء الہیہ لامتناہی ہیں لہذا عالم میں اللہ تعالیٰ کے متعلق لامتناہی عقائد ہیں اور ہر شخص کا اللہ تعالیٰ کے متعلق ایک خاص عقیدہ اور ایک خاص علم ہے۔ مَن وَعَنَ وہ عقیدہ اور علم دوسرے کسی شخص کو نصیب نہیں ہو سکتا۔ اگرچہ سب صورتوں پر ذات واحد کا ظہور ہے لیکن ہر صورت میں اُس ذات نے اُس شے کی استعداد کے مطابق تجلّی فرمایا ہے۔ چونکہ جملہ مخلوقات میں سے اعلیٰ ترین استعداد سرکارِ دو عالم جناب

محمد پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے اسلئے اللہ تعالیٰ کیلئے مجلیٰ اعظم اور مرآتِ تامہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ٹھہرے۔
اب جس شخص کا اس عقیدہ کے سوا کوئی اور عقیدہ ہے وہ اس ازلی عہد اور اقرار کی مخالفت کرتا ہے کیونکہ
ازل میں ارواح سے یہی اقرار لیا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی چیز کا اپنا ذاتی علیحدہ مستقل وجود نہیں ہے
بلکہ قیوم مطلق وہ ہی ذات ہے اور ہر چیز کا قیام ساتھ اُسی کے ہے اور خاتم الرسل جناب محمد پاک صلی اللہ
علیہ وسلم تمام مخلوقات کے سردار ہیں۔

پس اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے راضی ہوا اسلئے وہ اللہ تعالیٰ کے محبوب ہیں اور وہ بندے اللہ تعالیٰ
سے راضی ہوئے اسلئے اللہ تعالیٰ اُن کا محبوب ہے۔ عینیدہ اسمِ تصغیر کا صیغہ اسلئے فرمایا کہ وہ بندے اللہ
تعالیٰ کے سامنے اس قدر عجز و نیاز کرتے ہیں کہ اپنی ہستی تک مٹا دیتے ہیں۔ دائرۃ اللہ کی طرف ذرا توجہ
فرمائیے۔ اللہ تعالیٰ کیلئے دو حضرت یعنی دو مراتب ثابت ہیں۔ حضرت اعلیٰ کا نام رُبوبیت ہے اور حضرت
اسفل کا نام عبودیت ہے۔ صفات فاعلہ و جوبیہ مظاہر اللہ حضرت رُبوبیت میں پائی جاتی ہیں اور صفات
قابلہ امکانیہ مظاہر اللہ حضرت عبودیت میں پائی جاتی ہیں۔ گویا دونوں مراتب رُبوبیت اور عبودیت ایک
دوسرے کے تقابل ہیں۔ مراد یہ ہے کہ صفات رُبوبیت کا ظہور قلبِ عبد کے ساتھ ہے۔ رُبوبیت اور
عبودیت کی دو قوسیں محض سمجھانے کیلئے ہیں ورنہ اللہ تعالیٰ تقسیم انقسام سے منزہ اور معز ہے حقیقت
یہ ہے کہ انسان کامل اللہ تعالیٰ کیلئے مرآتِ تامہ ہے۔ رُبوبیت اور عبودیت اللہ تعالیٰ یا انسان کامل کی دو
شائیں ہیں، دو جہتیں ہیں، یا دو کمال ہیں۔ رُبوبیت کا مرآتِ عبودیت ہے اور عبودیت کا مرآتِ رُبوبیت
ہے۔ حضرت انسان کامل عبودیت کی جہت سے ساجد ہے اور رُبوبیت کی جہت سے مسجود ہے عبودیت
کی جہت سے نیاز کرتا ہے اور رُبوبیت کی جہت سے ناز کرتا ہے۔ جہتِ رُبوبیت سے رب ہے
جہتِ عبودیت سے مَرْبُوب ہے۔ پس دونوں مراتب یا دونوں جہتوں میں صفات متقابلہ ایک مثل کی
ہیں۔ اگرچہ صفات متقابلہ ایک مثل کی ہیں لیکن حُجہ امثال آپس میں اصدا ہیں۔ مثلاً ساجد مسجود کی ضد ہے
عابد معبود کی ضد ہے ناز نیاز کی ضد ہے اور رب مَرْبُوب کی ضد ہے علیٰ هذا القیاس۔

اللہ تعالیٰ اسم ہے اور مسمیٰ حضرت انسان کامل ہے صلی اللہ علیہ وسلم۔ اب اللہ تعالیٰ یا حضرت انسان
کامل صلی اللہ علیہ وسلم کے دو حضرات یعنی دو درجے ہیں۔ ایک ہی ذات یا حقیقت یا وجود کے دو مراتب
ہیں۔ ایک کا نام رُبوبیت ہے دوسرے کا نام عبودیت ہے۔ کوئی یہ نہ سمجھے کہ رب اور عبد کے دو علیحدہ

علیحدہ وجود ہیں۔ یہ دونوں مراتب ایک دوسرے کے متقابل ہیں، یعنی امثال ایک دوسرے کے مقابل ہیں۔ مراد یہ ہے کہ ایک ہی صفت یا فعل کا ظہور دونوں مراتب میں بیک وقت ہے۔ اُس ایک فعل کی فاعلیت اگر مرتبہ ربوبیت میں پائی جاتی ہے تو اُس کی مفعولیت مرتبہ عبودیت میں پائی جاتی ہے مثلاً رزاقی فعل ہے، تو رزاقیت مرتبہ ربوبیت میں ہے اور مرزوقیت مرتبہ عبودیت میں ہے۔ خلق فعل ہے، تو خالقیت مرتبہ ربوبیت میں ہے اور مخلوقیت مرتبہ عبودیت میں ہے۔ رحم صفت ہے، رحیمیت مرتبہ ربوبیت میں ہے اور مرحومیت مرتبہ عبودیت میں ہے۔ اسی طرح ایک صفت یا فعل کی فاعلیت اگر مرتبہ عبودیت میں پائی جاتی ہے تو اُس کی مفعولیت مرتبہ ربوبیت میں پائی جاتی ہے مثلاً عبادت صفت ہے، عابدیت مرتبہ عبودیت میں پائی جاتی ہے تو معبودیت مرتبہ ربوبیت میں پائی جاتی ہے۔ سجدہ فعل ہے، ساجدیت مرتبہ عبودیت میں پائی جاتی ہے تو مسجودیت مرتبہ ربوبیت میں پائی جاتی ہے۔ پس ثابت ہوا کہ یہ دونوں مراتب آپس میں اس طرح متقابل ہیں کہ امثال یعنی ایک ہی صفت یا فعل کا ظہور معاً دونوں مراتب میں پایا جاتا ہے۔ نیز یہ امثال آپس میں تضاد ہیں جیسا کہ رزاقیت مرزوقیت کی یا ساجدیت مسجودیت کی ضد ہے کیونکہ اگر یہ امثال یعنی صفات یا افعال متقابلہ ایک دوسرے کی مثل ہوں تو جمع نہ ہوں گی کیونکہ تحقیق دو ہم مثل اشیاء جمع نہیں ہو سکتیں۔ یعنی دو ہم مثل اشیاء کا وجود علیحدہ علیحدہ مراتب میں نہیں ہو سکتا اور اگر وہ جمع ہو جائیں تو اُن کی علیحدہ علیحدہ تمیز نہ رہے گی۔ مراد یہ ہے کہ اگر یہ امثال یعنی صفات یا افعال اگر ضد ہیں نہ ہوں بلکہ ہم مثل ہوں تو پھر اُن کا وجود ہر دو مراتب میں نہیں ہو سکتا۔ مثلاً خالقیت کا تعلق مرتبہ ربوبیت سے ہے اور اگر مخلوقیت کی بجائے خالقیت کا تعلق مرتبہ عبودیت سے بھی ہو تو یہ محال ہے اور ناممکن ہے کیونکہ اس طرح دونوں مراتب کی تمیز نہ رہے گی۔ اور امثال کا وجود ساتھ تمیز کے ہے۔ اگر تمیز ختم ہو جائے تو امثال کا وجود ختم ہو جائے کیونکہ ہر صفت اور فعل کا ظہور ساتھ دونوں مراتب فاعلیت اور مفعولیت یعنی ربوبیت و عبودیت کے ہے۔ پس ثابت ہوا کہ یہ امثال یعنی صفات اور افعال متقابلہ ضد ہیں نہیں۔ نیز وجود یعنی ذات اور حقیقت اللہ تعالیٰ کی نہ کوئی مثل ہے اور نہ کوئی ضد ہے کیونکہ تحقیق وجود ایک حقیقت واحدہ ہے۔ اُس کا غیر موجود ہی نہیں جو اُس کی مثل ہو سکے یا اُس کی ضد ہو سکے۔ مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ یا دوسرے الفاظ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی چیز کا وجود ہی نہیں ہو سکتا یا ضد ہو سکے۔ جمیع کائنات کا وجود ساتھ اللہ تعالیٰ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم یعنی حقیقت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کیساتھ ہے جیسے کہ جمیع ضرورت

والفاظ و کلمات و کتب کا وجود ساتھ سیاہی کے ہے۔ اب سیاہی کی نہ کوئی مثل ہے نہ کوئی ضد ہے کیونکہ ایک شے اپنی ذات کی نہ مثل ہو سکتی ہے نہ ضد ہو سکتی ہے۔ شعر

(۱) پس نہیں باقی رہی کوئی چیز مگر حق اور نہ رہا باقی کائنات میں سے کوئی موجود۔ پس نہیں ہے وہاں کوئی اصل اور نہیں ہے وہاں کوئی جدا۔ یعنی جمیع کائنات میں سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی چیز کا وجود نہیں ہے۔ جمیع موجودات کے وجود ساتھ ذات حق کے ہیں جیسے جمیع حروف و الفاظ کے وجود ساتھ سیاہی کے ہیں۔ کسی حرف یا لفظ کا اپنا ذاتی مستقل وجود بغیر سیاہی کے نہیں ہو سکتا۔ اب ذات حق کیساتھ نہ کوئی اصل ہے نہ جدا ہے۔ جب ذات حق کے سوا کسی چیز کا وجود ہی نہیں تو اصل کون ہو اور جدا کون ہو۔ بندہ اللہ تعالیٰ سے جدا ساتھ وہم کے ہے ورنہ حقیقت میں جدائی کوئی نہیں۔ اسبطرح بندہ اللہ تعالیٰ سے اصل ساتھ سمجھ اور فہم کے ہوتا ہے ورنہ حقیقت میں بندہ اللہ تعالیٰ سے پہلے ہی اصل ہے۔

(۲) بوجہ عینی برہان جو مجھ کو نصیب ہے جب میں کسی شے کو اپنی دونوں آنکھوں سے دیکھتا ہوں تو اس کو عین اللہ تعالیٰ کی ذات دیکھتا ہوں۔ دونوں آنکھوں سے مراد ظاہری اور باطنی آنکھیں ہیں۔ ظاہری آنکھ سے اشیاء کی صورت کو دیکھتا ہوں اور باطنی آنکھ سے اشیاء کی حقیقت کو دیکھتا ہوں اور فہم اور حکمت کی آنکھ سے دیکھتا ہوں کہ جملہ اشیاء اس کی ذات کا عین ہیں۔

(رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ ذَلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهُ) اللہ ان سے راضی اور وہ اس سے راضی، یہ مقام رضاء اس شخص کو نصیب ہوتا ہے جو اپنے رب سے ڈرا یعنی جس نے اپنے علم کے باعث ربوبیت اور عبودیت کی تمیز کی۔ مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا محبوب وہ شخص ہے جس کو یہ عرفان نصیب ہو کہ انسان ربوبیت اور عبودیت کا جامع ہے اور وہ صفات ربوبیت اور صفات عبودیت کی تمیز کرے۔ صفات ربوبیت کا اطلاق صفات عبودیت پر نہ کرے اور صفات عبودیت کا اطلاق صفات ربوبیت پر نہ کرے۔ چونکہ موجودات خارجی میں سے بعض کو یہ عرفان نصیب ہے اور بعض اس سے جاہل ہیں اسلئے تحقیق بندوں میں تمیز واقع ہوئی۔ جب بندوں یعنی مرربوبیت میں تمیز واقع ہوتی تو ان کے ارباب یعنی اسماء جن کے وہ مظاہر ہیں، میں بھی لازماً تمیز واقع ہوتی۔ اور اگر اسماء الہیہ میں تمیز نہ ہوتی تو اسماء الہیہ میں سے ایک اسم کی تفسیر تمامی وجوہ سے وہ ہی ہوتی جو دوسرے اسم کی ہوتی اور یہ محال ہے۔ مثال کے طور پر اسم معتر کی تفسیر اسم نزل کیساتھ نہیں کی جاتی یعنی اسم معتر اور اسم نزل میں تمیز واقع ہوتی ہے اور اسبطرح جملہ اسماء الہیہ آپس میں متمیز ہیں۔ لیکن باعتبار ذات احدیت

کے اسمِ مُعَرَّعین اسمِ مُذَلّ ہے۔ یعنی مرتبہ احدیت ذاتیہ میں جملہ اسماءِ الہیہ بالقوۃ موجود ہیں لیکن سب اس مرتبہ میں مستہلک ہیں۔ کسی اسم کا اس مرتبہ میں ظہور نہیں اور اسماء کی احدیت ذاتیہ میں کوئی تمیز نہیں لہذا اسمِ مُعَرَّع اس مرتبہ میں عین اسمِ مُذَلّ ہے۔ جیسا کہ توہر اسم کے متعلق کہتا ہے کہ تحقیق وہ ذات حق پر بھی دلیل ہے اور اپنی حقیقت مختصہ پر بھی دلیل ہے ہر اسم کا مُسَمَّی واحد ہے اور وہ مُسَمَّی اللہ تعالیٰ کی ذات ہے پس باعتبار مُسَمَّی کے اسمِ مُعَرَّعین اسمِ مُذَلّ ہے یعنی اسمِ مُعَرَّع اور اسمِ مُذَلّ ایک ہی ذات کے دو اسماء ہیں۔ مراد یہ ہے کہ اسمِ مُعَرَّع اور اسمِ مُذَلّ کی ذات یعنی حقیقت (ذات حق) واحدہ ہے اسلئے باعتبار ذات واحدہ کے اسمِ مُعَرَّعین اسمِ مُذَلّ ہے لیکن اپنی اپنی علیحدہ مختصہ ذات اور حقیقت کے اعتبار سے اسمِ مُعَرَّع اسمِ مُذَلّ کا عین نہیں ہے کیونکہ دونوں اسماء میں سے ہر ایک اسم کا مفہوم فہم میں مختلف معلوم ہوتا ہے بلکہ مفہوم اور معانی مختلفہ کے اعتبار سے اسمِ مُعَرَّع اسمِ مُذَلّ کی ضد ہے۔ شعر

(۱) پس تو حقتعالیٰ کی طرف مت نظر کر جس حال میں تو حقتعالیٰ کو خلق سے جدا جانتا ہے یعنی حق کو خلق سے جدامت جان بلکہ اللہ تعالیٰ ہی تنزل فرما کر خلق کی صورت پر جلوہ نما ہے۔
(۲) اور تو خلق کی طرف نظر نہ کر جس حال میں تو خلق کو غیر حق کا لباس پہناتا ہے۔ یعنی خلق کو غیر حق نہ جان بلکہ خلق کو عین حق جان۔

(۳) اور تو حقتعالیٰ کی تنزیہ کر اور اُس کی تشبیہ کر۔ اور مقعد صدق میں قائم ہو جا۔ یعنی اس راز کو جان لے کہ وجود یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات کے دو مراتب ہیں۔ مرتبہ اطلاق یا مرتبہ لالتعین میں وہ ذات مُنَزَّہ ہے اور مرتبہ تقیید یا مرتبہ عبودیت میں وہ ذات مُشَبَّہ ہے۔ مقعد صدق سے مراد مقام مُشاہدہ ہے یعنی مقام مُشاہدہ حاصل کر تا کہ تجھے تجلی بی صورتی اور تجلی صوری نصیب ہو اور تجھے تحقیق حاصل ہو جائے کہ ذات کے ہی یہ دونوں مراتب ہیں۔ مرتبہ قدیم میں وہ ذات مُنَزَّہ یعنی بی صورت ہے اور مرتبہ حادث میں وہ ہی ذات با صورت یعنی مُشَبَّہ ہے۔ حضرت انسان کی حقیقت یعنی حضرت روح القدس بی صورت ہے اور حضرت انسان کا قالب با صورت ہے لہذا حضرت انسان بھی تنزیہ اور تشبیہ دونوں کا جامع ہے۔

(۴) اور اگر تو چاہے تو مقام جمع میں ہو جا اور اگر تو چاہے تو مقام فرق میں ہو جا۔ مقام جمع یعنی وحدت میں کثرت کو دیکھ اور مقام فرق یعنی کثرت میں وحدت کو دیکھ۔ مراد یہ ہے کہ عالم قبل از ظہور اللہ تعالیٰ کی ذات میں باعتبار صورِ علمیہ موجود تھا اور بعد از ظہور عالم اللہ تعالیٰ کی ذات عالم میں موجود ہے پس وحدت میں بھی وہ ہی

ذاتِ حق اور مرتبہ تشبیہ یعنی کثرتِ عالم میں بھی وہی ذاتِ جلوہ نما ہے۔

(۵) اگر تجھے تنزیہ در تشبیہ اور تشبیہ در تنزیہ کی تحقیق ہو گئی یعنی اگر تجھے وحدت در کثرت اور کثرت در وحدت کا مشاہدہ نصیب ہو گیا تو تو تمام کمالات کا جامع ہو جائیگا لیکن ہر سالک کو یہ مقام سبقت نصیب نہیں ہوتا۔ تنزیہ در تشبیہ اور تشبیہ در تنزیہ سے یہ مراد ہے کہ حق بلا خلق نہیں اور خلق بلا حق نہیں۔ مرتبہ احدیت میں بھی خلق موجود ہے جیسے بیچ میں درخت بالقوہ موجود ہوتا ہے اور خلق میں بھی حق موجود ہے جیسے حروف میں سیاہی موجود ہے۔ مرتبہ اندراج میں حروف سیاہی میں موجود تھے۔

(۶) جب تک تو ذاتِ حق میں فانی نہ ہو گا ذاتِ حق کیساتھ باقی نہ ہو گا۔ اپنے آپ سے نظر اٹھالینی فنا ہے اور حق تعالیٰ پر نظر رکھنی یہ بقاء ہے، مراد یہ ہے کہ سالک کو تحقیق ہو جائے کہ من نیم اوست۔ یعنی ابتدا میں گاہے تو عروج کر کے مقام ربوبیت میں پہنچ جائیگا اور گاہے تنزل کر کے مقام عبودیت میں واپس آجائیگا۔ یہ صاحبِ حال عارف کی حالت ہے۔ وہ مثل دریا کے ہو جاتا ہے جو گاہے سیلاب میں ہوتا ہے اور گاہے خشک بھی ہو جاتا ہے اس کو حالتِ تلوین بھی کہتے ہیں۔ اس حالت سے بعض اقل اخص الخواص عارف ترقی کر کے صاحبِ مقام ہو جاتے ہیں۔ صاحبِ مقام عارف وہ ہے جس کو دائمی ربوبیت اور دائمی عبودیت معا حاصل ہو۔ یہ مقام استقامت و تمکین ہے جو فنا بقا کے بعد حاصل ہوتا ہے۔ اس مقام کے بعد نہ فنا ہے نہ بقاء ہے۔ اصالتاً یہ مقام سرکارِ دو عالم جنابِ محمد پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت مبارکہ کے چند مکمل افراد جو کما حقہ مقامِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرف ہیں کو بھی یہ مقام حاصل ہے۔ صاحبِ مقام عارف مثل سمندر کے ہو جاتا ہے جو کبھی خشک نہیں ہوتا لیکن مد و جزر تو سمندر میں بھی ہوتا رہتا ہے۔

(۷) اور حقیقی جو تیری طرف وحی القا کرتا ہے وہ غیر حق میں نہیں ہے۔ اور اسبطرح جو تو وحی القا کرتا ہے وہ بھی غیر حق میں نہیں ہے۔ چونکہ عالم میں غیر حق موجود ہی نہیں اسلئے حقیقی جو عارف پر وحی القا کرتا ہے وہ اپنے غیر پر نہیں کرتا بلکہ مقامِ جمع سے مقامِ تفصیل پر کرتا ہے۔ اسبطرح عارف کا کسی کو کوئی چیز القا کرنا بھی حقیقی کا القا کرنا ہے کیونکہ عارف فانی فی اللہ اور باقی باللہ ہے۔ نیز عارف چونکہ مجموعہ کونین ہے اسلئے عارف کا کسی کو کوئی چیز القا کرنا اپنے غیر کو القا کرنا نہیں ہے۔ بلکہ اپنے ہی ایک جز کو القا کرنا ہے۔

جز در ویش اند جملہ نیک و بد۔ ورنہ باشد اینچنین در ویش نیست۔

کسی کو ثنا صدق وعدہ کیساتھ کی جاتی ہے نہ کہ صدق وعدہ کیساتھ کیونکہ وعدہ نیکی کرنے کا اقرار کرنا ہے اور

وعید عذاب کا وعدہ ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات کیلئے شہداء محمود و طلب کرتا ہے اسلئے اُس کی تعریف صدق وعدہ کیساتھ کی جاتی ہے نہ کہ صدق وعدہ کیساتھ بلکہ اُس کی تعریف گناہوں سے درگزر کرنے کے ساتھ کی جاتی ہے جیسا کہ ارشاد ہوا (فَلَا تَحْسِبَنَّ اللَّهَ مُخْلِفًا وَعْدَهُ رُسُلَهُ) پس مت گمان کر کہ اللہ اپنا وعدہ اپنے رسولوں سے خلاف کرے گا۔ یہ نہیں کہا مُخْلِفًا وَعْدَهُ خلاف کرنا والا ہے اپنے وعدہ کا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا (وَتَتَجَاوَزُ عَنْ سَيِّئَاتِهِمْ) اور اللہ تعالیٰ اُن کے گناہوں سے درگزر کریگا باوجود اس بات کے کہ تحقیق حقیقتاً نے گناہوں پر وعدہ کی ہے۔ اور اسمعیل کی تعریف بھی اس طرح کی (رَاحَهُ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ) تحقیق وہ سچے وعدے کے تھے۔

اور تحقیق حقیقتاً کے حق میں وقوع وعید کا امکان زائل ہوا کیونکہ وقوع وعید کے امکان کے سبب کو ترجیح دینے والا امر زائل ہوا۔ وقوع وعید کے امکان کا سبب گناہ ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ کے قول (وَتَتَجَاوَزُ عَنْ سَيِّئَاتِهِمْ) کے مطابق گناہ معاف ہو گئے تو وقوع وعید کے امکان کا سبب ہی زائل ہو گیا۔ جب وقوع وعید کے امکان کا سبب ہی زائل ہو گیا تو وقوع وعید کے امکان کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ وقوع وعید سے مراد وقوع وعدہ عذاب ہے۔ جب جرم ہی معاف ہو گیا تو سزا کس پیر کی بدشعر

(۱) پس نہ باقی رہا حقیقتاً مگر سچے وعدے کا فقط۔ اور نہیں ہے کوئی آنکھ کہ وعدہ حقیقتاً کو دیکھے۔ مراد یہ ہے کہ حقیقتاً صرف صادق الوعد ہے صادق الوعد نہیں کیونکہ وعدہ عذاب کے وقوع کا امکان ہی نہیں۔ البتہ انعام و اکرام کے وعدے پورے کئے جاتیں گے اور کسی شخص کو عذاب یعنی سزا نہ دی جائیگی۔

(۲) و (۳) اگرچہ صاحب وعید دوزخ میں داخل ہوں گے لیکن تحقیق وہ لذت حاصل کرتے ہیں اور اُن کو دوزخ میں نعمتیں حاصل ہیں جو جنانِ مُلحد کی نعمتوں سے جُدا ہیں۔ پس امر واحد ہے البتہ جنت اور دوزخ میں تجلی جُدا جُدا ہے۔ مراد یہ ہے کہ چونکہ جنتی مظاہر جمال کے ہیں اور دوزخی مظاہر جلال کے ہیں اسلئے دونوں فریقوں کے ابدی مُستقر جُدا جُدا بنائے گئے ہیں اور دونوں کا کمال اور سرور اور لذت اپنے اپنے مُستقر میں ہے ایک غریب فقیر آدمی ریل کے اول درجہ کے ڈبہ سے مُتفرق ہوتا ہے کیونکہ اُس کی استعداد تیسرے درجہ کے ڈبہ کے مطابق ہوتی ہے اور وہ اسی سے مانوس اور محظوظ ہوتا ہے۔ ایک امیر آدمی ریل کے تیسرے درجہ کے ڈبہ سے مُتفرق ہوتا ہے کیونکہ اُس کی استعداد اول درجہ کے ڈبہ کو قبول کرتی ہے اور وہ اسی سے مانوس اور محظوظ ہوتا ہے۔ اب جنتیوں کا کمال اور راحت اور سرور اور لذت جنت میں ہے اور دوزخیوں کا کمال و راحت

وسرور اور لذت و دوزخ ہی میں ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ دونوں کی غذا الگ الگ ہے اور رب تعالیٰ دونوں فریقوں کیلئے تجلی انکی استعداد اور طلب کیمطابق کرتا ہے تاکہ وہ لذت مشاہدہ حاصل کر سکیں۔ خشک لکڑی آگ کو طلب کرتی ہے اور جل کر روشن ہو جاتی ہے اور اُس کی تیرگی دور ہو جاتی ہے۔ اسلئے رب تعالیٰ خشک لکڑیوں یعنی دوزخیوں کیلئے تجلی آگ کی صورت پر کرتا ہے اور وہ صد جان سے آگ پر قربان ہو جاتے ہیں اور آگ میں جا کر روشن ہو جاتے ہیں اور نور معرفت سے منور ہو کر عارف باللہ ہو جاتے ہیں۔ اسبطرح ہر ابھرا پودا باغ کو طلب کرتا ہے اور باغ میں پہنچ کر فرہ و تازہ ہوتا ہے اور خوب سرور سے لہراتا اور پھلتا پھولتا ہے۔ اسلئے رب تعالیٰ ہرے بھرے پودوں یعنی جنتیوں کیلئے تجلی باغات اور انہار کی صورت پر کرتا ہے اور وہ صد جان سے باغات پر قربان ہو جاتے ہیں اور باغات میں پہنچ کر سرور اور راحت اور لذت اور کمال حاصل کرتے ہیں حتیٰ کہ عارف باللہ ہو جاتے ہیں۔ پس جنتی اپنا کمال جنت میں حاصل کرتے ہیں اور دوزخی اپنا کمال دوزخ میں حاصل کرتے ہیں۔

(۴) اگر کوئی سوال کرے کہ دوزخیوں کیلئے عذاب کا وعدہ ہے تو اُس کا جواب یہ ہے کہ عذاب عذوبت سے مشتق ہے۔ عذوبت کے معنی لذت اور شیرینی مزہ ہے۔ تو پس اس تقدیر سے مراد یہ ہوگی کہ دوزخیوں کو دوزخ میں بھاری عذاب یعنی بھاری لذت اور راحت ہوگی۔ اور لفظ عذاب واسطے عذاب کے مانند چھلکے کے ہے اور چھلکا مغز کی حفاظت کرنے والا ہے۔ یعنی عوام الناس لفظ عذاب کے ظاہری معنی لیتے ہیں، حقیقی معنی سے بے خبر ہیں۔ عذاب کا مغز یعنی حقیقی معنی عذوبت بمعنی لذت کے ہے۔

فَصْحِكْمَةٍ رَاحِيَةٍ فِي كَلِمَةٍ يَعْقُوبِيَّةٍ

الَّذِينَ دِينَانِ دِينٌ عِنْدَ اللَّهِ وَعِنْدَ مَنْ عَرَفَهُ الْحَقُّ تَعَالَى وَمَنْ عَرَفَهُ مَنْ عَرَفَهُ الْحَقُّ
وَدِينٌ عِنْدَ الْخَلْقِ وَقَدْ اُعْتَبَرَ اللَّهُ فَالَّذِينَ الَّذِي عِنْدَ اللَّهِ هُوَ الَّذِي اصْطَفَاكَ اللَّهُ وَاَعْطَاكَ
السَّرْبَةَ الْعَلِيَّةَ عَلَى دِينِ الْخَلْقِ فَقَالَ تَعَالَى (وَوَصَّى بِهَا اِبْرَاهِيْمُ بَيْنَهُ وَيَعْقُوبُ يَا بَنِي اِبْرَاهِيْمُ
اللَّهُ اصْطَفَى لَكُمْ الدِّينَ فَلَا تَتَّبِعُوهُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُسْلِمُونَ) اَيُّ مُنْقَادُونَ اِلَيْهِ وَجَاءَ الدِّينُ بِاللَّهِ
وَالْاَمْرِ لِلتَّعْرِيفِ وَالْعَهْدِ فَهُوَ دِينٌ مَعْلُومٌ وَمَعْرُوفٌ وَهُوَ قَوْلُهُ تَعَالَى (اِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ
الْاِسْلَامُ) وَهُوَ اِلَّا يُقْيَاذَ فَالَّذِينَ عِبَارَةً عَنِ اَلْقِيَادِ وَالَّذِي مِنْ عِنْدِ اللَّهِ هُوَ الشَّرْعُ الَّذِي

انْقَدَتْ اَنْتَ اِلَيْهِ قَالِدِيْنَ اِلَاقِيَادَ وَالتَّامُوسُ هُوَ الشَّرْعُ الَّذِي شَرَعَهُ اللهُ تَعَالَى فَمِنْ اَتُصِفَ
 بِالْاِنْقِيَادِ لَهَا شَرَعَهُ اللهُ تَعَالَى لَهُ فَذَلِكَ الَّذِي قَامَ بِالِدِّيْنِ وَاَقَامَهُ اَيُّ اُنْشَأَ كَمَا يُقِيْمُ الصَّلَاةَ
 فَالْعَبْدُ هُوَ الْمُنْشَى لِلِدِّيْنِ وَالْحَقُّ هُوَ الْوَاضِعُ لِلْاَحْكَامِ وَالْاِنْقِيَادُ عَيْنُ فِعْلِكَ قَالِدِيْنَ مِنْ فِعْلِكَ
 فَمَا سَعَدَتْ اِلَّا بِهَا كَانَ مِنْكَ فَكَمَا اَثْبَتَ السَّعَادَةَ لَكَ مَا كَانَ مِنْ فِعْلِكَ كَذَا لَكَ مَا اَثْبَتَ
 الْاَسْمَاءَ الْاِلَهِيَّةَ اِلَّا اَفْعَالَهُ وَهِيَ اَنْتَ وَهِيَ الدُّحْدُحَاتُ فَبِاَثَارِهِ سُمِّيَ اِلَهًا وَبِاَثَارِكَ سُمِّيَتْ
 سَعِيدًا فَانْزَلَكَ اللهُ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى مَنَزَلَتُهُ اِذَا اَقْبَمْتَ الدِّيْنَ وَانْقَدْتَ اِلَى مَا شَرَعَهُ اللهُ
 لَكَ وَسَاطُ فِي ذَلِكَ اِنْ شَاءَ اللهُ تَعَالَى مَا تَقَعُ بِهِ الْفَائِدَةُ بَعْدَ اَنْ يُبَيِّنَ الدِّيْنَ الَّذِي عِنْدَ
 الْخَلْقِ الَّذِي اَعْتَبَرَهُ اللهُ قَالِدِيْنَ كُلَّهُ لِلَّهِ وَكُلَّهُ مِنْكَ لَا مِنْهُ اِلَّا بِحُكْمِ الْاَصَالَةِ قَالَ اللهُ تَعَالَى
 (وَمَرْهَبَانِيَّةٌ اِنْ اَبْتَدَعُوْهَا) وَهِيَ التَّوَامِيْسُ الْحَكِيْمَةُ الَّتِي لَمْ يَحْبِيْ الرَّسُوْلُ الْمَعْلُوْمُ بِهَا فِي
 الْعَامَّةِ مِنْ عِنْدِ اللهِ بِالطَّرِيْقَةِ الْخَاصَّةِ الْمَعْلُوْمَةِ فِي الْعَرَفِ فَلَمَّا وَاَقْبَتِ الْحِكْمَةُ وَالْمُصْلِحَةُ
 الظَّاهِرَةُ فِيهَا الْحُكْمُ الْاِلَهِيُّ فِي الْمَقْصُوْدِ بِالْوَضْعِ الْمَشْرُوْعِ الْاِلَهِيِّ اَعْتَبَرَهَا اللهُ اِعْتِبَارًا مَا شَرَعَهُ
 مِنْ عِنْدِهِ تَعَالَى وَمَا كَتَبَهَا اللهُ تَعَالَى عَلَيْهِمْ وَلَمَّا فَتَمَّ اللهُ تَعَالَى بَيْنَهُ وَبَيْنَ قُلُوْبِهِمْ بَابَ الْعِنَايَةِ
 وَالرَّحْمَةِ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ جَعَلَ فِي قُلُوْبِهِمْ تَعْظِيْمًا مَا شَرَعُوْكَ يَطْلُبُوْنَ بِذَلِكَ رِضْوَانَ اللهِ
 تَعَالَى عَلَى غَيْرِ الطَّرِيْقَةِ النَّبَوِيَّةِ الْمَعْرُوْفَةِ بِالتَّعْرِيفِ الْاِلَهِيِّ فَقَالَ (فَمَا سَأَعُوْهَا) هُوَ الَّذِي
 شَرَعُوْهَا وَشَرَعْتُ لَهُمْ (حَقَّ رِغَائِيَّتُهَا اِلَّا اَبْتِغَاءَ رِضْوَانِ اللهِ) وَلِذَا لِكَ اَعْتَقَدُ وَا(فَاتَيْنَا الَّذِيْنَ
 اٰمَنُوا) بِهَا مِنْهُمْ اَجْرَهُمْ وَكَثِيْرٌ مِنْهُمْ) اَيُّ مِنْ هَؤُلَاءِ الَّذِيْنَ شَرَعَ فِيهِمْ هَذِهِ الْعِبَادَةُ (فَارْشِدُوْهُمْ)
 اَيُّ خَارِجُوْنَ عَنِ الْاِنْقِيَادِ اِلَيْهَا وَالْقِيَامُ بِحَقِّهَا وَمَنْ لَمْ يَنْقُدْ اِلَيْهَا لَمْ يَنْقُدْ اِلَيْهِ مُشْرَعُهُ بِمَا يَرْضَاهُ
 لَكِنَّ الْأَمْرَ يَقْتَضِي الْاِنْقِيَادَ وَبَيَانُهُ اَنَّ الْمُكَلَّفَ اِمَّا مُنْقَادٌ بِالْمُوَافَقَةِ وَاِمَّا مُخَالِفٌ فَالْمُوَافِقُ
 الْبَطِيْعُ لَا كَلَامَ فِيهِ لِبَيَانِهِ وَاَمَّا الْمُخَالِفُ فَانَّهُ يَطْلُبُ بِخِلَافِهِ الْعَاكِمَ عَلَيْهِ مِنْ اللهِ اَحَدَ الْأَمْرَيْنِ
 اِمَّا التَّجَاوُزُ وَالْعَفْوُ وَاِمَّا الْاِخْذُ عَلَى ذَلِكَ وَلَا يُدَّ مِنْ أَحَدٍ هَذَا لِأَنَّ الْأَمْرَ حَقٌّ فِي نَفْسِهِ فَعَلَى
 كُلِّ حَالٍ قَدْ صَحَّ اِنْقِيَادُ الْحَقِّ اِلَى عِبْدِهِ لَا فَعَالِهِ وَمَا هُوَ عَلَيْهِ مِنَ الْحَالِ فَالْحَالُ هُوَ الْمَوْثَرُ
 فَمِنْ هُنَا كَانَ الدِّيْنُ حَبَاءً اَيُّ مُعَاوَضَةً بِمَا يَسْرُءُ وَبِمَا لَا يَسْرُءُ فَبِمَا يَسْرُءُ (رَضِيَ اللهُ
 عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ) هَذَا حَبَاءٌ بِمَا يَسْرُءُ (وَمَنْ يُظْلِمُ مِنْكُمْ نُدِقُهُ عَذَابًا كَبِيْرًا) هَذَا جَزَاءُ

بِمَا لَا يَسُرُّ (وَنَتَجَاوَزُ عَنْ سَيِّئَاتِهِمْ) هَذَا جَزَاءُ فَصَحَّ أَنَّ الدِّينَ هُوَ الْجَزَاءُ وَكَمَا أَنَّ الدِّينَ
هُوَ الْإِسْلَامُ وَالْإِسْلَامُ هُوَ عَيْنُ الْإِنْفِيَادِ فَقَدْ انْتَقَادَ إِلَى مَا يَسُرُّ وَإِلَى مَا يَسُرُّ وَهُوَ الْجَزَاءُ هَذَا بَيَانُ
الظَّاهِرِ فِي هَذَا الْبَابِ وَأَمَّا سِرُّهُ وَبَاطِنُهُ فَإِنَّهُ تَجَلَّى فِي مِرْآةٍ وَجُودِ الْحَقِّ فَلَا يَعُودُ عَلَى الْمُمَكِّنَاتِ
مِنَ الْحَقِّ إِلَّا مَا تُعْطِيهِ ذَوَاتُهُمْ فِي أَحْوَالِهَا فَإِنَّ لَهُمْ فِي كُلِّ حَالٍ صُورَةً فَتَخْتَلِفُ صُورُهُمْ لِاخْتِلَافِ
أَحْوَالِهِمْ فَيَخْتَلِفُ التَّجَلِّيُ لِاخْتِلَافِ الْحَالِ فَيَقَعُ الْأَثَرُ فِي الْعَبْدِ بِحَسَبِ مَا يَكُونُ عَلَيْهِ فَمَا أُعْطِيَ
الْخَيْرَ سِوَاكَ وَمَا أُعْطِيَ صِدْقًا ذَلِكَ الْخَيْرُ غَيْرُهُ بَلْ هُوَ مُنْعَمٌ ذَاتِيهِ وَمُعْذِبُهُمَا فَلَا يَذُمُّنَ إِلَّا نَفْسَهُ
وَلَا يَحْمَدَنَّ إِلَّا نَفْسَهُ (فَلِلَّهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ) فِي عَلَيْهِمُ بِهِمْ إِذَا الْعِلْمُ يَتَّبِعُ الْمَعْلُومَ ثُمَّ السِّرُّ الَّذِي
فَوْقَ هَذَا فِي مِثْلِ هَذِهِ الْمَسْئَلَةِ أَنَّ الْمُسْكِنَاتِ عَلَى أَصْلِهَا مِنَ الْعَدَمِ وَلَيْسَ وَجُودُهَا إِلَّا وَجُودُ
الْحَقِّ بِصُورِ أَحْوَالِ مَا هِيَ عَلَيْهِ الْمُسْكِنَاتُ فِي أَنْفُسِهَا وَأَعْيَانِهَا فَقَدْ عَلِمْتُ مَنْ يَلْتَدُّ وَمَنْ يَتَأَلَّمُ وَ
مَا يَعْقِبُ كُلَّ حَالٍ مِنَ الْأَحْوَالِ وَبِهِ سُمِّيَ عُقُوبَةً وَعِقَابًا وَهُوَ سَائِعٌ فِي الْخَيْرِ وَالشَّرِّ غَيْرَ أَنَّ
الْعُرْفَ سَمَّاكَ فِي الْخَيْرِ ثَوَابًا وَفِي الشَّرِّ عِقَابًا وَبِهَذَا سُمِّيَ أَوْ شَرَحَ الدِّينُ بِالْعَادَةِ لِأَنَّهُ عَادَ
إِلَيْهِ مَا يَقْتَضِيهِ وَيَطْلُبُهُ حَالُهُ فَالِدِّينُ الْعَادَةُ قَالَ الشَّاعِرُ عَرَّ كَدِّينِكَ مِنْ أُمِّ الْخَوْبِ بِثَبَلْهَا
أَيَّ عَادَتِكَ وَمَعْقُولُ الْعَادَةِ أَنَّ يَعُودَ الْأَمْرَ بِعَيْنِهِ إِلَى حَالِهِ وَهَذَا لَيْسَ ثَبَةً فَإِنَّ الْعَادَةَ
تَكْرَارُ لَكِنَّ الْعَادَةَ حَقِيقَةٌ وَاحِدَةٌ مَعْقُولَةٌ وَالتَّشَابُهُ فِي الصُّورِ مَوْجُودٌ فَتَحْنُ نَعْلَمُ أَنَّ زَيْدًا
عَيْنٌ غَيْرُ وَفِي الْإِنْسَانِيَّةِ وَمَا عَادَةُ الْإِنْسَانِيَّةِ إِذْ لَوْ عَادَتْ لَتَكَثَّرَتْ وَهِيَ حَقِيقَةٌ وَاحِدَةٌ وَ
الْوَاحِدُ لَا يَتَكَثَّرُ فِي نَفْسِهِ وَنَعْلَمُ أَنَّ زَيْدًا غَيْرُ غَيْرٍ فِي شَخْصِيَّتِهِ فَشَخْصٌ زَيْدٌ لَيْسَ شَخْصٌ
غَيْرُ وَمَعَ تَحَقُّقِ وَجُودِ الشَّخْصِيَّةِ بِمَا هِيَ شَخْصِيَّةٌ فِي الْإِثْنَيْنِ فَتَقُولُ فِي الْحِسِّ عَادَتْ لِهَذَا
لِشَبْهِهِ وَتَقُولُ فِي الْحُكْمِ الصَّحِيحِ لَمْ تَعُدْ فَمَا ثَبَتَ عَادَةُ يَوْجُهُ وَثَبَتَ عَادَةُ يَوْجُهُ كَمَا أَنَّ ثَبَتَ
جَزَاءُ يَوْجُهُ وَمَا ثَبَتَ جَزَاءُ يَوْجُهُ فَإِنَّ الْجَزَاءُ أَيْضًا حَالٌ فِي الْمُسْكِنِ مِنْ أَحْوَالِ الْمُمَكِّنِ
وَهَذِهِ مَسْئَلَةٌ أَغْفَلَهَا عُلَمَاءُ هَذَا الشَّانِ أَيْ أَغْفَلُوا أَيْضًا حَالَهَا عَلَى مَا يَنْبَغِي لَا أَنَّهُمْ جَهَلُواهَا
لِأَنَّهَا مِنْ سِرِّ الْقَدَرِ الْمَتَحَكِّمِ فِي الْخَلَائِقِ وَاعْلَمْ أَنَّهُ كَمَا يَقَالُ فِي الطَّبِيبِ إِنَّهُ خَادِمُ الطَّبِيعَةِ
كَذَلِكَ يَقَالُ فِي الرُّسُلِ وَالْوَسَائِلِ إِنَّهُمْ خَادِمُ الْأَمْرِ الْإِلَهِيِّ فِي الْعَمُومِ وَهُمْ فِي نَفْسِ الْأَمْرِ خَادِمُ
أَحْوَالِ الْمُسْكِنَاتِ وَخِذْ مِنْهُمْ مِنْ جُبُلِكَ أَحْوَالِهِمُ الَّتِي هُمْ عَلَيْهَا فِي حَالِ ثُبُوتِ أَعْيَانِهِمْ فَانْظُرْ

مَا أَعْجَبَ هَذَا الْأَمْرَ إِلَّا أَنَّ خَادِمَ الْمَطْلُوبِ هُنَا إِنَّمَا هُوَ وَاقِفٌ عِنْدَ مَرْسُومٍ مَخْدُومٍ وَإِنَّمَا بِالْحَالِ
 أَوْ بِالْقَوْلِ فَإِنَّ الطَّبِيبَ إِنَّمَا يَصِيحُ أَنْ يُقَالَ فِيهِ إِنَّهُ خَادِمُ الطَّبِيعَةِ لَوْ مَشَى بِحُكْمِ الْمُسَاوَدَةِ لَهَا
 فَإِنَّ الطَّبِيعَةَ قَدْ أَعْطَتْ فِي جِسْمِ الْمَرِيضِ مِرَاجًا خَاصًّا بِهِ يُسَمَّى مَرِيضًا فَلَوْ سَاعَدَهَا الطَّبِيبُ خِدْمَةً
 لَزَادَ فِي كَيْفِيَةِ الْمَرَضِ بِهَا أَيْضًا وَإِنَّمَا يَرُدُّ عَنْهَا طَلِبًا لِلصِّحَّةِ وَالصِّحَّةُ مِنَ الطَّبِيعَةِ أَيْضًا بِإِنْشَاءِ
 مِرَاجٍ آخَرَ يَخَالِفُ هَذَا الْمِرَاجَ فَإِذَا نُسِيَ الطَّبِيبُ بِخَادِمِ الطَّبِيعَةِ وَإِنَّمَا هُوَ خَادِمٌ لَهَا مِنْ
 حَيْثُ أَنَّه لَا يُصْلِحُ جِسْمَ الْمَرِيضِ وَلَا يُغَيِّرُ ذَلِكَ الْمِرَاجَ إِلَّا بِالطَّبِيعَةِ أَيْضًا فَفِي حَقِّهَا يَسْعَى مِنْ
 وَجْهِ خَاصٍّ غَيْرِ عَامِلٍ لِأَنَّ الْعُمُومَ لَا يَهْتِمُّ فِي مِثْلِ هَذِهِ الْمَسْئَلَةِ فَالطَّبِيبُ خَادِمٌ لِخَادِمٍ أَعْنَى
 لِلطَّبِيعَةِ كَذَلِكَ الرَّسُلُ وَالْوَسَائِلُ فِي خِدْمَةِ الْحَقِّ وَآمُرُ الْحَقِّ عَلَى وَجْهَيْنِ فِي الْحُكْمِ فِي أَحْوَالِ
 الْمُكَلَّفِينَ فَيَجْرِي الْأَمْرُ مِنَ الْعَبْدِ بِحَسَبِ مَا تَقْتَضِيهِ إِرَادَةُ الْحَقِّ وَتَتَعَلَّقُ إِرَادَةُ الْحَقِّ
 بِهِ بِحَسَبِ مَا يَقْتَضِي بِهِ عِلْمُ الْحَقِّ وَتَتَعَلَّقُ عِلْمُ الْحَقِّ بِهِ عَلَى حَسَبِ مَا أَعْطَاهُ الْمَعْلُومُ مِنْ ذَاتِهِ
 فَمَا ظَهَرَ إِلَّا بِصُورَتِهِ فَالرَّسُولُ وَالْوَسَائِلُ خَادِمُ الْأَمْرِ إِلَّا لِلْهِ بِإِرَادَةِ خَادِمِ الْإِرَادَةِ نَهْوَ
 يَرُدُّ عَلَيْهِ بِهِ طَلِبًا لِسَعَادَةِ الْمُكَلَّفِ فَلَوْ خَدَّمَ الْإِرَادَةُ الْإِلَهِيَّةَ مَا نَصَحَ وَمَا نَصَحَ إِلَّا بِهَا أَعْنَى
 بِالْإِرَادَةِ فَالرَّسُولُ وَالْوَسَائِلُ طَبِيبٌ آخَرُ مِمَّنْ يَنْفُوسُ مُنْقَادٌ لِأَمْرِ اللَّهِ حِينَ أَمَرَكَ فَيَنْظُرُ فِي
 أَمْرِهِ تَعَالَى وَيَنْظُرُ فِي إِرَادَتِهِ فَيَرَاهُ قَدْ أَمَرَكَ بِمَا يَخَالِفُ إِرَادَتَهُ وَلَا يَكُونُ إِلَّا مَا يُرِيدُ وَ
 لِهَذَا كَانَ الْأَمْرُ فَاسْرَادًا الْأَمْرُ فَوْقَهُ وَمَا إِرَادَةُ وَقَوْعُ مَا أَمَرَهُ بِالْأَمْرِ فَلَمْ يَقَعْ مِنَ الْأَمْرِ
 فَسَمِيَ مُخَالَفَةً وَمَعْصِيَةً فَالرَّسُولُ مُبَلِّغٌ وَلِهَذَا قَالَ شَيْبَتْنِي سُورَةُ هُودٍ وَأَخَوَاتُهَا لِمَا تَحْوِي
 عَلَيْهِ مِنْ قَوْلِهِ (فَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ) فَشَيْبَتُهُ (كَمَا أُمِرْتَ) فَإِنَّهُ لَا يَدْرِي هَلْ أُمِرَ بِهَا
 يُوَافِقُ الْإِرَادَةَ فَلَا يَقَعُ أَوْ بِمَا يَخَالِفُ الْإِرَادَةَ فَلَا يَقَعُ وَلَا يَعْرِفُ أَحَدٌ حُكْمَ الْإِرَادَةِ إِلَّا بَعْدَ
 وَقَوْعِ الْإِرَادَةِ إِلَّا مَنْ كَشَفَ اللَّهُ عَنْ عَيْنِ بَصِيرَتِهِ فَادْرَكَ أَغْيَانَ الْمُسْكِنَاتِ فِي حَالِ
 ثُبُوتِهَا عَلَى مَا هِيَ عَلَيْهِ فَيَحْكُمُ عِنْدَ ذَلِكَ بِمَا يَرَاهُ وَهَذَا قَدْ يَكُونُ لِأَحَادِ النَّاسِ فِي أَوْقَاتٍ
 لَا يَكُونُ مُسْتَضْحًا (قُلْ مَا أَدْرِي مَا يَفْعَلُ بِي وَلَا بِكُمْ) فَصَرَّحَ بِالْجَبَابِ وَلَيْسَ الْمَقْصُودُ إِلَّا
 أَنْ يُطْلِعَ فِي أَمْرِ خَاصٍّ لَا غَيْرَ بِهِ

یہ حکمت روحیہ کا فص کلمہ یعقوبیہ کے بیان میں ہے

سرکارِ دو عالم جناب محمد پاک صلی اللہ علیہ وسلم حکمتِ علیہ کے بعد حکمتِ روحیہ کو بیان فرماتے ہیں۔
روح بفتح رائے مہملہ آسائشِ فرحت اور خوشبو اور تازگی کو کہتے ہیں۔ حکمتِ روحیہ سے مراد وہ معرفت اور حکمت
ہے جو آسائشِ ابدی کا موجب ہو اور وہ معرفت حقیقتِ دین ہے چنانچہ اس فص میں حقیقتِ دین کا بیان ہے۔
چونکہ حکمتِ علیہ کا اختتام اس امر پر ہوا کہ جنتیوں اور دوزخیوں کا انجام ابدی آسائش اور فرحت ہے اس لئے
اس حکمتِ روحیہ کو حکمتِ علیہ کے بعد بیان کیا گیا ہے۔ اور حکمتِ روحیہ کو حضرت یعقوب علیہ السلام کی طرف
منسوب کرنے کی حکمت یہ ہے کہ وہ روح اللہ کے پاس سے منع فرماتے تھے لِقَوْلِهِ تَعَالَى (يٰٓيٰٓهٖٓ اَذْهَبُوْا
فَتَحَسَّسُوْا مِنْ يُوْسُفَ وَآخِيْهِ وَلَا تَاْيَسُوْا مِنْ رُّوْحِ اللّٰهِ اِنَّهٗ لَا يَٓاْيَسُ مِنْ رُّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكَافِرُوْنَ)
دوسری وجہ یہ ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام حفظِ دین میں مبالغہ کرتے تھے جیسا کہ انہوں نے اپنے فرزندوں
کو حفظِ دین کی تاکید کی لِقَوْلِهِ تَعَالَى (اَمْ كُنْتُمْ شٰهِدَآءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا
تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِيْ ؕ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَ اِلٰهَ اَبَايْكَ اِبْرٰهِيْمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ وَ اِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا وَنَحْنُ
لَهٗ مُسْلِمُوْنَ)۔

لفظِ دین کے لغوی معنی انقیاد اور جزا اور عادت ہیں اور دین شرعی میں تینوں معنی ملحوظ ہیں کیونکہ جو
کچھ جناب خاتمِ الرسل صلی اللہ علیہ وسلم لائے ہیں اہل دین کیلئے اُس کا انقیاد لازم ہے اور اُس کے انقیاد پر
جزا مرتب ہے اور اُن امور کی ادائیگی کی عادت بھی لازمی ہے۔ دین دو قسم کے ہیں۔ ایک دین وہ ہے جو
اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہے اور اُس شخص کے نزدیک ہے جس کو حق تعالیٰ نے معرفت دی اور اُس شخص کے نزدیک
ہے جس کو اُس شخص نے معرفت دی جس کو حق تعالیٰ نے معرفت دی۔ وہ شخص جس کو حق تعالیٰ نے معرفت براہ
راست دی بنی ہے اور جس کو نبی معرفت عطا کرے وہ اُس کی اُمت کا ولی ہے۔ پس ایک دین وہ ہے جو
اللہ تعالیٰ کے نزدیک حق ہے اور انبیاء علیہم السلام و اولیاء رضی اللہ عنہم کے نزدیک بھی حق ہے۔ دوسرا دین وہ
ہے جو خلق نے خود اختیار کیا اور بعد میں اللہ تعالیٰ نے بھی اُس کو تحقیق مقرب گردانا جیسا کہ نصاریٰ نے رہبانیت
خود اختیار کی اور بعد میں اللہ تعالیٰ نے بھی اُس کو پسند فرمایا لِقَوْلِهِ تَعَالَى (ثُمَّ قَفَّيْنَا عَلَىٰ اٰثَارِهِمْ بِرُسُلِنَا وَقَفَّيْنَا
بِعِيسٰى ابْنِ مَرْيَمَ وَاتَّخَذْنَا اِلٰنٰجِيْلَ وَجَعَلْنَا فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ رَافِقًا وَّ سَاحِقًا وَّ سَآهِبًا نَّبِيًّا

يَنْبَغِي عَمَلًا مَا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ إِلَّا ابْتِغَاءَ رِضْوَانِ اللَّهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا فَآتَيْنَا الَّذِينَ آمَنُوا مِنْهُمْ أَجْرَهُمْ وَكَثِيرٌ مِنْهُمْ فَاسِقُونَ۔ پس دین وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہے۔ وہ وہی دین ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے پسند کیا ہے اور اس کو دین خلق پر مرتبہ علیہ عطا کیا ہے بقولہ تعالیٰ (وَوَصَّي بِهَا إِبْرَاهِيمَ بَيْنِي وَبَيْنِهِ وَيَعْقُوبَ يَا بَنِيَّ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ لَكُمُ الدِّينَ فَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنتُمْ مُسْلِمُونَ) اور ابراہیم اور یعقوب نے اپنے بیٹوں کو اسی دین کی وصیت کی۔ اے میرے بیٹو! تحقیق اللہ تعالیٰ نے تم کو چن کر دین دیا ہے پھر نہ مریو مگر مسلمانی پر یعنی اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار ہو کر مریو۔ لفظ الدین میں الف اور لام واسطے تعریف اور عہد کے ہے پس وہ دین معلوم اور معروف ہے جیسا ارشاد باری تعالیٰ ہے (إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ) تحقیق دین نزدیک اللہ تعالیٰ کے اسلام ہے اور اسلام سے مراد اطاعت ہے۔ پس دین سے مراد تیری اطاعت ہے۔ اور جو دین کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہے وہ شریعت ہے جس کی تو نے اطاعت کی لہذا دین انقیاد ہے۔

وَالنَّامُوسُ اور احکام ناموسی، نعت میں جبرئیل علیہ السلام کو ناموس کہتے ہیں اور جو احکام بذریعہ جبرئیل علیہ السلام انبیاء علیہم السلام پر نازل ہوتے ہیں اُن کو احکام ناموسی کہتے ہیں۔ اور احکام ناموسی وہی شریعت ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے وضع کیا۔ پس جو شخص اُس شریعت کے انقیاد کے ساتھ متصف ہوا جو اللہ تعالیٰ نے اُس کیلئے وضع کی وہ وہی شخص ہے جو دین کیساتھ قائم اور متصف ہوا اور اُس نے دین کو قائم کیا۔ یعنی اُس نے دین کو ظاہر کیا جیسا کہ وہ نماز کو قائم کرتا ہے۔ مراد یہ ہے کہ نماز کے قائم کرنے سے وہ دین کو ظاہر کرتا ہے لہذا عبد دین کو ظاہر کرنا والا ہے اور حقیقی احکام دین کو وضع کرنے والا ہے۔ نیز انقیاد عین تیرا فعل ہے پس دین تیرے فعل سے قائم ہے اور تو نہیں سعید ہوا مگر بسبب اُس دین سے جو تجھ سے قائم ہے۔ پس جیسا کہ اُس دین نے تیرے واسطے سعادت کو ثابت کیا جو تیرے فعل سے ہے ایسا ہی نہیں ثابت کیا اسماء الہیہ کو مگر اُس کے افعال نے اور اُسے انسان وہ افعال الہی تو ہے اور وہی افعال الہی محدثات ہیں۔ مراد یہ ہے کہ دین بھی انسان کیساتھ قائم ہے اور اللہ تعالیٰ کا ظہور بھی انسان ہی کے ساتھ ہے۔ حق تعالیٰ کے آثار اور افعال کے سبب حقیقی کا نام الہ رکھا گیا ہے اور تیرے آثار اور افعال کے سبب تیرا نام سعید رکھا گیا ہے۔ حقیقی معبود تب ظہر لگا جب انسان اُس کا عابد ہو گا۔ اور جب انسان عابد ہو گا تو انسان سعید ہو گا۔ پس انسان سے اللہ تعالیٰ کی اُلوہیت قائم ہے۔ انسان کے بغیر اُلوہیت ثابت نہیں ہوتی۔ اے

عارف: اللہ تعالیٰ نے تمہ کو اپنے مرتبہ میں اتارا ہے جب تو نے دین کو قائم کیا اور اُس دین کی اطاعت کی جو اللہ تعالیٰ نے تیرے لئے وضع کیا ہے۔ مراد یہ ہے کہ جب تو دین کی اطاعت کرے گا تو رب تعالیٰ تجھ کو اپنی معرفت عطا کر دے گا اور توجان لیگا کہ حضرت انسان اللہ تعالیٰ کا خلیفہ نائب بلکہ اُس کا مظہر ہے۔

انشاء اللہ تعالیٰ دین عند المخلوق جسکو اللہ تعالیٰ نے اعتبار کیا ہے کے بیان کرنے کے بعد دین اور انقیاد کے حقائق و اسرار مفصل بیان کروں گا۔ دین تمام خالص اللہ تعالیٰ کیلئے ہے۔ جبکہ دین سے مراد اللہ تعالیٰ کی طرف سے ادا و نواہی ہے لہذا دین تمام اللہ تعالیٰ کیلئے ہے۔ اور ایک جہت سے تمام دین تجھ سے ہے نہ کہ اللہ تعالیٰ سے مگر حکم اصالت تمام دین اللہ ہی کے واسطے ہے۔ یعنی چونکہ دین کے معنی انقیاد بھی ہیں اور انقیاد اور افعال دین بندہ سے صادر ہوتے ہیں اسی اعتبار سے تمام دین بندہ سے ہے لیکن چونکہ دین کی اطاعت کی توفیق اللہ استعداد اللہ تعالیٰ ہی نے بخشی ہے اسلئے اصالتاً دین اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا (وَرَهْبَانِيَّةً ابْتَدَعُوا) اور انہوں نے گوشہ گیری اپنی طرف سے نکالی۔ اور وہ گوشہ گیری شرائع حکمیہ ہیں یعنی گوشہ گیری سے حکمت اور معرفت الہی نصیب ہوتی ہے۔ وہ احکام حکمیہ مثلاً قَلْبَتْ طَعَامٍ وَ قَلْبَتْ كَلَامٍ وَ قَلْبَتْ مَنَامٍ وَ تَرْكٍ دُنْيَا وَ كَثْرَتِ عِبَادَتٍ وَ كَثْرَتِ صِيَامٍ وَ غَيْرِہٖ اُنہوں نے خود اختیار کر لئے تھے۔ یہ احکام حکمیہ رسول معلوم اللہ تعالیٰ کی طرف سے طریقہ خاصہ معلومہ معروفہ سے یعنی بذریعہ جبرئیل علیہ السلام عوام الناس کے حق میں نہ لائے۔ جب رہبانیت کی حکمت اور مصلحت ظاہرہ محکم الہی کے موافق ٹھہری تو اللہ تعالیٰ نے رہبانیت کو اس طرح اعتبار کر لیا جس طرح اُس دین کو اعتبار کیا تھا جو اپنی طرف سے وضع اور مشروع کیا تھا۔ حکم الہی یہ تھا کہ دین موضوع مشروع الہیہ کی اطاعت سے انسان منزل مقصود پر پہنچ جائے۔ منزل مقصود سے مراد معرفت الہی ہے۔ چونکہ رہبانیت کے اصول جیسے قَلْبَتْ طَعَامٍ قَلْبَتْ مَنَامٍ قَلْبَتْ كَلَامٍ تَرْكٍ دُنْيَا وَ غَيْرِہٖ معرفت الہی کے جُود اور معاون ٹھہرے اسلئے اللہ تعالیٰ نے رہبانیت کو بھی اپنے مشروع دین کی طرح منظور اور مقبول کر لیا حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اُن پر رہبانیت فرض نہ ٹھہرائی تھی۔ اور جب اللہ تعالیٰ نے اپنے اور اُن کے قلوب کے درمیان عنایت و رحمت کا دروازہ کھولا جس کو وہ نہیں جانتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے اُن کے قلوب میں اُس چیز کی جو انہوں نے خود وضع کی تھی تعظیم ڈال دی۔ وہ چیز رہبانیت تھی جس سے وہ اللہ تعالیٰ کی رضا مندی طلب کرتے تھے اور اُن کا یہ طریقہ طریقہ نبویہ معروفہ الہیہ کا غیر تھا۔ غیر سے مراد مخالف نہیں بلکہ نااہل ہے۔ یعنی جو احکام مشروع اللہ تعالیٰ نے بذریعہ جبرئیل علیہ السلام اپنے نبی پر بھیجے تھے ان لوگوں نے

چند زائد احکام رہبانیت اُن کے علاوہ خود اپنے آپ پر فرض ٹھہرائے تھے۔ آگے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے (کُنَّا مَعَ عَوْهًا) پس اُنہوں نے رہبانیت کی رعایت نہ کی جو اُنہوں نے خود اختراع کی تھی اور میں نے اُن کیلئے مشروع کیا تھا (حَقَّ رِعَايَتُهُمْ إِلَّا ابْتِغَاءَ رِضْوَانِ اللَّهِ) حق رعایت کرنے اُس کے کا صرف اللہ تعالیٰ کی رضا طلب کرنے کیلئے یعنی میں نے اُن کیلئے رہبانیت کی رعایت کا حق صرف اسلئے مشروع کیا تھا کہ وہ اس سے اللہ تعالیٰ کی رضا طلب کریں اور اسی رضا الہی کی خاطر اُنہوں نے اس رہبانیت پر اعتقاد کیا تھا۔ (فَاتَيْنَا الَّذِينَ آمَنُوا) پس دیا ہم نے اُن لوگوں کو جو ایمان لائے ساتھ رہبانیت کے (مِنْهُمْ أَجْرُهُمْ وَكَثِيرٌ مِنْهُمْ) اُن میں سے اجر اُن کا اور بہت اُن لوگوں میں سے جن کیلئے یہ رہبانیت مشروع کی گئی تھی (فَاسِقُونَ) فاسق ہیں یعنی اُس کے انقیاد اور اُس کا حق قائم کرنے سے خارج ہیں۔ اور جس راہب نے اُس شرع یعنی رہبانیت کی اطاعت نہ کی تو اُس شرع کا شارح یعنی حقتعالیٰ بھی اُس راہب کی اطاعت نہ کریگا۔ یہ شرع راہبوں نے نکالی تھی بعد میں حقتعالیٰ نے اُس کو مشروع کیا اس لئے اب شارح حقتعالیٰ ٹھہرا۔ مراد یہ ہے کہ حقتعالیٰ بھی اُس راہب کو اجر نہ دیگا جس سے وہ راضی ہو۔

اب امر الہی انقیاد کا مقتضی ہے اور انقیاد کا بیان یہ ہے کہ تحقیق بندہ مکلف ہے یا امر حق کے ساتھ موافقت کرنے سے فرمانبرداری ہے یا خلاف کرنے والا ہے۔ پس موافق اللہ تعالیٰ کا مطیع ہے اُس کے ظاہر حال کے سبب اُس کے متعلق کسی کلام کی گنجائش نہیں۔ اور لیکن جو مخالف ہے وہ اپنے خلاف کی وجہ سے اللہ تعالیٰ سے ایک حاکم اپنے اوپر طلب کرتا ہے۔ وہ حاکم دو امور میں سے ایک ہے یا درگزر کرنا اور معاف کرنا یا اُس خلاف پر مواخذہ کرنا۔ ان دو امور میں سے ایک کا ہونا ضروری ہے کیونکہ وہ مخالف فی نفسہ ان دو امور میں سے ایک امر کا تو خواہ مخواہ ہی حقدار ہے۔ پس ہر حال میں انقیاد حق طرف اپنے بندے کے واسطے اُس کے افعال کے اور حالات کے صحیح ہوا یعنی اللہ تعالیٰ کو ہر حال میں بندے کی طرف اُس کے افعال اور احوال کے مطابق توجہ کرنا ضروری ہے خواہ وہ بندہ اُس کے احکام کے موافق ہو یا مخالف ہو۔ لہذا ثابت ہوا کہ بندے کا حال اللہ تعالیٰ میں اثر کرنے والا ہے اور اسی وجہ سے دین بمعنی جزا کے آیا ہے یعنی معاوضہ اُس فعل کا جو حقتعالیٰ کو سرور بخشے والا ہے اور معاوضہ اُس فعل کا جو حقتعالیٰ کو سرور نہیں بخشنے والا ہے۔ پس بسبب اُس فعل کے جو حقتعالیٰ کو سرور بخشا ہے (رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ) اللہ تعالیٰ بندوں سے راضی ہوتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہوتے ہیں۔ یہ اُس فعل کے مقابلہ میں جزا ہے جو اللہ تعالیٰ کو سرور بخشا ہے۔ (وَمَنْ يَظْلَمْ

فَمِنْكُمْ نَذِيرُهُ عَذَابًا كَثِيرًا) اور جو شخص تم میں سے ظلم کرے گا اُس کو ہم بڑا عذاب چکھائیں گے۔ یہ اُس فعل کے مقابلہ میں جزا ہے جو اللہ تعالیٰ کو سرور نہیں بخشتا۔ (وَنَجَّادٌ عَنْ سَيِّئَاتِهِمْ) اور اللہ تعالیٰ اُن کے گناہوں سے درگزر کرتا ہے۔ یہ ایک جزا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ تحقیق دین جزا ہے۔ اور جیسے کہ تحقیق دین اسلام ہے اور اسلام عین اطاعت ہے پس تحقیق بندے نے اُس فعل کی اطاعت کی کہ سرور بخشتا ہے اور اُس فعل کی اطاعت کی جو سرور نہیں بخشتا اور یہی جزا ہے۔ اس باب دین میں جزا کے یہ ظاہری معنی ہیں:

اور جزا کے حقیقی اور باطنی معنی یہ ہیں کہ تحقیق جزا وجود حق کے مرآت میں حقتعالیٰ کی تجلی ہے۔ جب حق تعالیٰ نے مرتبہ واحدیت میں اپنی ذات پر خود تجلی کی تو ذات کو صورِ علمیہ یا اعیانِ ثابۃ اور اُن کی استعدادات حاصل ہوئیں۔ اعیانِ ثابۃ کو حقائقِ ممکنات بھی کہتے ہیں۔ اب حقتعالیٰ کی طرف سے ممکنات پر کوئی چیز عود نہیں کرتی بلکہ ممکنات کی استعدادات یعنی اُن کے اعیانِ ثابۃ نے جو کچھ حقتعالیٰ سے زبانِ حال سے طلب کیا حقتعالیٰ نے عطا کر دیا۔ ایک شخص کی استعداد نے اگر زہر طلب کیا تو اُس کو زہر ہی عطا کر دیا اور ایک شخص نے اگر تریاق طلب کیا تو اُس کو تریاق عطا کر دیا۔ اب حقتعالیٰ کی طرف سے تو عطا ہی عطا ہے۔ زہر کھا کر ہلاک ہو تو اُس کا اپنا قصور تریاق کھا کر شفا پائے تو اُس کا اپنا فائدہ۔ اسی طرح مظاہرِ جمالی نے اپنی استعدادات سے جنت طلب کی تو حقتعالیٰ نے ایسے اعمال عطا کر دیئے جن کے باعث وہ جنت تک پہنچ جائیں اور مظاہرِ جلال نے اپنی استعدادات سے دوزخ طلب کی تو حقتعالیٰ نے ایسے اعمال عطا کر دیئے جن کے باعث وہ دوزخ تک پہنچ جائیں۔ غرضیکہ ممکنات کی استعدادات نے جو کچھ طلب کیا حقتعالیٰ نے عطا کر دیا۔ نیز ممکنات کے احوال بدلتے رہتے ہیں کہ نہ کہ اللہ تعالیٰ کی شانیں بدلتی رہتی ہیں۔ اُدھر اللہ تعالیٰ نے شانِ بدلی اُدھر عبد کا حال بدل گیا اور ہر حال میں انسان کی ایک خاص صورت ہے۔ چونکہ انسانوں کی استعدادات مختلف ہیں اسلئے تجلی جزا بھی ہر انسان کیلئے اُس کی استعداد کے مطابق مختلف ہے۔ جو کچھ ہر انسان کی استعداد نے حق تعالیٰ سے طلب کیا حقتعالیٰ نے عطا فرما دیا پس اللہ تعالیٰ کا علم معلوم کے تابع ہے لہذا حقتعالیٰ کی تجلی جزا کا اثر عبد میں اُس کے حال کے مطابق واقع ہوتا ہے۔ عبد نے اگر نیکی طلب کی تو اُس کو نیکی مل گئی تو پس اُس کو نیکی اُس کے غیر نے عطا نہیں کی بلکہ اُس نے خود اپنے آپ کو نیکی عطا کی اسی طرح عبد نے اگر بدی طلب کی تو اُس کو بدی مل گئی تو پس اُس کو بدی اُس کے غیر نے عطا نہیں کی بلکہ اُس نے خود اپنے آپ کو بدی عطا کی۔ پس ثابت ہوا کہ عبد خود اپنی ذات کا مُنعم ہے اور خود اپنی ذات کا مُعذَّب ہے۔ اب عبد کو اپنی ہی ذات

کی مذمت کرنی چاہیئے اور اپنی ہی ذات کی تعریف کرنی چاہیئے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا (فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَاطِلَةُ) پس اللہ تعالیٰ کے لئے حجت قوی ہے کیونکہ تجلی جزا منجانب الہی اُس علم کے مطابق ہے جو معلوم یعنی عبد نے اللہ تعالیٰ کو عطا کیا ہے۔

اس مسئلہ مذکورہ میں اس راز کا راز یہ ہے کہ ممکنات تحقیق اپنی اصل پر ہیں یعنی معدوم ہیں۔ عبد کا اپنا وجود ہے ہی نہیں۔ ممکنات کا وجود سوائے وجود حق کے نہیں ہے۔ اب ممکنات کو استعدادیں عطا کرنے والا بھی حق ہے۔ اعیان ثابۃ کی صورت پر بھی حق جلوہ نما ہے اور اعیان خارجہ کی صورت پر بھی حق جلوہ نما ہے۔ اسے عارف! تحقیق تُو نے اب جان لیا ہوگا کہ کون لذت حاصل کرتا ہے اور کون اَلَم حاصل کرتا ہے اگرچہ ممکنات کے احوال اُن کے اعیان ثابۃ میں مختلف ہیں لیکن جمیع ممکنات کی صورتوں پر حق جلوہ نما ہے۔ ہر ممکن چُونکہ ذات حق کے ایک خاص اسم کا مظہر ہے اسلئے ہر ممکن کی استعداد اور عین ثابۃ میں اُس کا حال مختلف ہے۔ پس یہ ہی وجہ ہے کہ کسی صورت پر لذت حاصل کرتا ہے اور کسی صورت پر اَلَم حاصل کرتا ہے۔ لذت حاصل کر نیوالا بھی حق ہے اور اَلَم حاصل کرنے والا بھی حق ہے۔

عبد کے احوال میں سے ہر حال پر بندہ کو جزا ملتی ہے۔ چُونکہ جزا ہر حال کے بعد تعاقب کرتی ہے اسلئے اُس کا نام عقوبت و عقاب رکھا گیا اور استعمال عقاب خیر اور شر دونوں پر جائز ہے۔ لیکن بالعموم شرع میں خیر کیلئے اُس کا نام ثواب اور شر کیلئے اُس کا نام عقاب رکھا گیا ہے۔ اسی عود اور رجوع کی خاطر دین کی تفسیر عادت کیساتھ کی گئی ہے کیونکہ صاحب دین کا حال جس چیز کا مقتضی ہے یعنی جزا وہ صاحب دین کی طرف عود اور رجوع کرتی ہے۔ پس دین ایک عادت ہے جیسا کسی شاعر نے کہا ہے

كَذٰلِكَ مِنْ اَقَمِ الْحَوِيْرُثُ قَبْلُهَاْ يَعْنِيْ جِيسَ كَ عَادَتِ تِيْرِيْ اَقَمِ الْحَوِيْرُثُ سَے بوسہ لینے کی ہے۔ پس شعر میں دِنِيْكَ سَے مُراد اَحْيَ عَادَتِكَ یعنی عادت تیری ہے۔ اب عادت اور جزا میں فرق بیان کیا جاتا ہے۔ عادت کے معنی عقل کے نزدیک یہ ہیں کہ ایک امر خاص بعینہ اپنے حال کی طرف عود کرے۔ مثلاً ایک آدمی کو نماز کی عادت ہے۔ جب وقت نماز کا آتا ہے تو اُس پر ایک ذوق طاری ہو جاتا ہے وہ سب کام ترک کر کے نماز کی طرف عود یعنی رجوع کرتا ہے۔ تو پس نماز کی عادت سے یہ مُراد ہے کہ نماز اُس نمازی کی طرف اپنے وقت مقررہ پر عود کرتی ہے اور پھر ہر وقت مقررہ پر بعینہ اُس وقت مقررہ کی نماز عود کرتی ہے یعنی نماز میں تکرار ہے پس عادت میں تکرار ثابت ہوا لیکن جزا میں یہ معنی معقول نہیں کیونکہ

جزا میں تکرار نہیں۔ جزا ہمیشہ عید کے اعمال اور احوال کے بعد عید کی طرف عود کرتی ہے اور چونکہ عید کا حال بدلتا رہتا ہے اسلئے ہر حال کی جزا علیحدہ ہوگی۔ پس جزا میں تکرار نہیں۔ عید رب تعالیٰ کا آئینہ ہے اسلئے جب رب تعالیٰ ہر آن نئی شان میں ہے لِقَوْلِهِ تَعَالَى (كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ) تو عید بھی ہر آن حال نو کا لباس اور صفت ہے۔ حال نو سے عمل نو ظہور میں آتا ہے اور ہر مختلف عمل کے بعد مختلف قسم کی جزا عود کرے گی۔ لہذا عادت میں تکرار ہے اور جزا میں تکرار نہیں۔ عادت میں اگرچہ تکرار ہے لیکن عادت کی ایک ہی حقیقت معقولہ ہے اور اُس عادت کی تکراری صورت خارجہ میں تشابہ موجود ہے۔ مثلاً ایک شخص کو فجر کی نماز کی عادت ہے۔ اب ہر فجر کو اگرچہ وہ فجر کی نماز بعینہ نمازی کی طرف عود کرتی ہے یعنی فجر کی نماز میں تکرار ہے لیکن ہر فجر کی نماز کی حقیقت واحدہ ہے جس کو عقل تسلیم کرتا ہے۔ نیز ہر فجر کو نماز کے عود کرنے سے اگرچہ نماز کی ظاہری خارجہ صورتوں میں کثرت پائی جاتی ہے لیکن ان مجملہ صورت نماز میں آپس میں مشابہت پائی جاتی ہے۔ پس عادت کی حقیقت معقولہ واحدہ ہے اور اُس حقیقت معقولہ کیلئے صورت متکثرہ ہیں اور اُس حقیقت میں تکرار احوال کی ہے نہ تکرار حقیقت کی۔ مثال کے طور پر ہم جانتے ہیں کہ تحقیق زید عمرو کا حقیقت انسانیت میں عین ہے کیونکہ حقیقت انسانیت واحدہ ہے اور افراد کے تکرار سے حقیقت پر اثر نہیں پڑتا۔ لیکن انسانیت انسان کی طرف عود نہیں کرتی۔ ایک عادت انسان کی طرف اسلئے عود کرتی ہے کہ وہ عادت عارضی ہوتی ہے وقتی ہوتی ہے اور انسان اُس کو خود کوشش سے پیدا کرتا ہے اور پھر وہ آہستہ آہستہ سرشت میں داخل ہو جاتی ہے مثلاً نماز کی عادت ہے۔ انسان پہلے کوشش کرتا ہے پھر انسان کی سرشت میں داخل ہو جاتی ہے۔ انسانیت انسان کی ہی حقیقت ہے اسلئے عود کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ عادت وہ چیز ہے جو انسان باہر سے حاصل کرتا ہے۔ اگر انسانیت انسانیت میں عود کرتی تو حقیقت انسانی متکثر ہو جاتی حالانکہ وہ حقیقت انسانی واحدہ ہے اور واحد اپنی ذات میں متکثر نہیں ہوتا۔ نیز ہم جانتے ہیں کہ تحقیق شخصیت میں یعنی ظاہری صورت میں زید عمرو کا غیر ہے پس شخص زید ظاہر کے لحاظ سے شخص عمرو نہیں ہے حالانکہ یہ بھی تحقیق ہے کہ دونوں کی حقیقت ایک ہے۔ پس ہم کہیں گے کہ جس اور ظاہر صورت کے لحاظ سے انسانیت عود کرتی ہے اور حکم صمیم کے لحاظ سے ہم کہیں گے کہ انسانیت عود نہیں کرتی۔ مراد یہ ہے کہ حقیقت انسانی واحدہ ہے اور اس کے لباس کثیر ہیں پس ایک وجہ سے انسانیت عود نہیں کرتی اور ایک وجہ سے انسانیت عود کرتی ہے۔ اسی طرح سے جزا ایک وجہ سے ہے اور ایک وجہ سے نہیں کیونکہ جزا بھی ممکن کے احوال میں سے ممکن کا ایک حال ہے۔ مراد یہ ہے

کہ عبد کے احوال اور اعمال اور افعال اُس کے عین ثابتہ میں پہلے ہی مقدّر ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ اُس کی استعداد کے مطابق اُس کے عین ثابتہ میں مقدّر کر دیا اُس کا ظہور اب ہو رہا ہے۔ اس طرح سے عبد محض مجبور مامور اور معذور ہے لہذا جزا کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ اگر کہا جائے کہ عبد کے عین ثابتہ نے جو کچھ زبان استعداد سے طلب کیا حق تعالیٰ نے عطا کر دیا اسلئے احوال اور اعمال عبد کی طرف رجوع کریں گے لہذا جزا عبد کی طرف عود کرے گی پس ایک وجہ سے جزا عبد کی طرف عود کرتی ہے اور ایک وجہ سے نہیں کرتی۔

اور یہ مسئلہ کہ جزا اعمال پر ایک وجہ سے عبد کی طرف عود کرتی ہے اور ایک وجہ سے نہیں کرتی ایک ایسا مسئلہ ہے کہ علمائے ربانی نے اس کی طرف توجہ نہیں دی یعنی اس کا اظہار کما حقہ جیسا کہ چاہیے تھا نہیں کیا۔ اس سے یہ مراد نہیں کہ وہ اس مسئلہ کو جانتے نہیں تھے۔ اس مسئلہ کی وضاحت اسلئے لازمی ہے کہ یہ مسئلہ بہر قدر سے ہے جو خلاق پر حاکم ہے۔ اور اُسے طالب! اس بات کو جان لے کہ جیسا کہ طبیب کے حق میں کہا جاتا ہے کہ وہ طبیعت کا خادم ہے ایسا ہی رسولوں اور اُن کے وارثوں کے حق میں کہا جاتا ہے کہ وہ عام خلاق کی ہدایت کے متعلق امر الہی کے خادم ہیں۔ مراد یہ ہے کہ طبیب مریض کے علاج کیلئے مریض سے دریافت کرتا ہے کہ کیوں صاحب بھوک لگتی ہے یا نہیں، فلاں چیز آپ کی طبیعت کے موافق ہے یا مخالف۔ مریض جواب دیتا ہے۔ ان سوالات و جوابات سے طبیب مریض کی طبیعت کا اندازہ لگاتا ہے۔ جب طبیعت کے متعلق تحقیق کر لیتا ہے تو پھر طبیعت کے مطابق نسخہ تجویز کرتا ہے۔ پس حقیقتاً طبیب بیرونی طبیب اندرونی یعنی طبیعت کے اشارہ پر چلتا ہے لہذا طبیب طبیعت کا خادم ہے۔ ایسے ہی رسولوں اور اُن کے وارثوں یعنی اولیاء کا حال ہے کہ وہ خلاق کی ہدایت امر الہی کی مطابق کرتے ہیں۔ رب تعالیٰ نے خلاق کے احوال اُن کی استعدادات کے مطابق اُن کے اعیان ثابتہ میں مقدّر کر دیئے ہوئے ہیں۔ انبیاء اور اولیاء بھی اُن احوال کے مطابق ہی ہدایت کر سکتے ہیں لہذا وہ بھی خلاق کے اُن احوال جو اُن کے اعیان ثابتہ میں مندرج ہیں، کے حقیقتاً خادم ہیں۔ جو وہاں شقی ہے اُس پر اُن کا تصرف کام نہیں دیکھا جو وہاں سعید ہے اُس پر اُن کی ہدایت کا اثر ہوگا۔ نیز رسولوں اور اُن کے وارثوں کی خدمت خلق بھی رسولوں اور وارثوں کے اعیان ثابتہ کے احوال کے مطابق ہے یعنی وہ بھی خلاق کو فیض پہنچانے کے سلسلہ میں امر الہی کے پابند ہیں۔ مراد یہ ہے کہ رسولوں کے عین ثابتہ میں خلاق کا فیض بھی ثابت ہے اور اُس ازلی علی فیض کا ظہور اب خارج میں ہو رہا ہے۔ جو ارواح ازلی فیض یافتہ ہیں آج دُنیائے اُن کا انبیاء اور اولیاء کے ساتھ قلبی اتحاد قدرتاً پیدا ہو جاتا ہے اور جہانِ لی علم میں اُن سے دُور ہیں آج دُنیائے اُن سے دُور ہیں۔

اے طالب! پس نظر کر کہ یہ امر مذکور کیا عجب ہے کہ خادم مطلوب اسجگہ سوائے اس کے نہیں ہے کہ وہ اپنے
مخدوم کے حکم کے آگے کھڑا ہے چاہے وہ حکم قول کیساتھ ہے یا حال کے ساتھ ہے۔ یعنی طبیب مریض کا مطلوب
ہے لیکن وہ علاج میں مریض کی طبیعت کا خادم ہے۔ طبیعت مریض مخدوم ہے اسلئے اُس کا حکم گاہے تو لا ہے
گاہے حالاً یعنی گاہے طبیعت کا اندازہ وہ اُس کے حال سے کرتا ہے اور گاہے طبیعت کے متعلق مریض کلام
کرتا ہے۔ ایسے ہی انبیاء و اولیاء خلائق کے مطلوب ہیں کیونکہ وہ ہدایت اور فیضان کیلئے انبیاء اور اولیاء کو
تلاش کرتے ہیں لیکن چونکہ انبیاء و اولیاء فیضان کے سلسلے میں خلائق کے احوال کے پابند ہیں اسلئے وہ اُنکے
احوال کے خادم ہیں۔ احوال سے مراد اعیان ثابتہ کے احوال ہیں۔ لہذا اگر طبیب طبیعت کی امداد کے حکم پر چلے
تو طبیب کے حق میں اگر یہ کہا جاوے کہ تحقیق وہ طبیعت کا خادم ہے تو بجا ہے۔ تحقیق طبیعت نے جسم مریض میں
ایک خاص مزاج عطا کیا ہے جس کی وجہ سے مریض کا نام مریض رکھا جاتا ہے۔ مثلاً مریض کی طبیعت میں گرمی اعتدال
سے زیادہ ہو جاتی ہے۔ طبیعت ہی زبان حال سے طبیب کو آگاہ کرتی ہے کہ مریض کے جسم میں گرمی اعتدال سے
بڑھ گئی ہے۔ اب طبیب خدمت اور علاج سے طبیعت کی مدد کرتا ہے اور مرض کی کمی میں اسی طریقہ سے البتہ
زیادتی کرتا ہے یعنی مرض کو گھٹاتا ہے اور مرض کو کم کرنے میں اسلئے کوشش کرتا ہے کہ طبیعت صحت طلب کرنے
اور طبیعت کو صحت بھی تب حاصل ہوتی ہے جب پہلے مزاج کے خلاف دوسرا مزاج پیدا کیا جاوے۔ اب
طبیب مطلق طبیعت کا خادم نہیں ہے کیونکہ اس صورت میں یہ معنی ہوگا کہ طبیعت جدھر چاہے طبیب اُسکو جانے
دے حالانکہ طبیب اس امر کی اجازت نہیں دے سکتا اور سوائے اس کے نہیں کہ طبیب ایک خاص وجہ سے
طبیعت کا خادم ہے اور وہ وجہ یہ ہے کہ بغیر طبیعت کی امداد کے وہ جسم مریض کی اصلاح نہیں کر سکتا اور مزاج
فاسدہ کو بھی نہیں بدل سکتا۔ پس طبیب طبیعت کے حق میں ایک وجہ خاص سے سعی کرتا ہے نہ وجہ عام سے
کیونکہ اس مسئلہ میں وجہ عام سے خدمت اور سعی کرنا صحیح نہیں ہے یعنی یہ نہیں کہ طبیعت جو مانگے طبیب اُسکو
دے لہذا طبیب ایک وجہ سے طبیعت کا خادم ہے اور ایک وجہ سے خادم نہیں ہے۔ ایسے ہی حال رسولوں
اور اُن کے وارثوں کا خدمت حق کے متعلق ہے کیونکہ مکلفین کے احوال کے متعلق حکم کرنے میں امر حق دو قسم
پر ہے ایک قسم طاعت ہے اور دوسری قسم معصیت ہے۔ عبد کا ہر فعل ارادہ الہی سے صادر ہوتا ہے اور حق
تعالیٰ کا ارادہ علم الہی کے تابع ہے اور علم الہی معلوم کے تابع ہے۔ معلوم سے مراد عبد کا عین ثابتہ ہے اور عبد کا
عین ثابتہ گاہے طاعت کا مقتضی ہے اور گاہے معصیت کا۔ رسول اور اُن کے وارث مکلفین کی طاعت میں

تو مدد کرتے ہیں لیکن معصیت میں مدد نہیں کرتے اگرچہ معصیت بھی ارادہ الہی کے تحت صادر ہوتی ہے۔ اس مسئلہ قدر کے ابتدا میں بیان ہوا تھا کہ رسول اور ان کے وارث خلائق کے احوال جو ان کے اعیان ثابۃ میں ثابت اور مندرج ہیں کے مطابق ہی خدمت کر سکتے ہیں۔ اب وضاحت کر دی گئی ہے کہ انبیاء و اولیاء خلائق کے حق میں حق تعالیٰ کے مطلق ارادہ کے خادم نہیں ہیں بلکہ اُس ارادہ کے خادم ہیں جو ان کے نفع کے متعلق ہو۔ ارادہ حق تو بعض اوقات امور ضارہ یعنی معصیت کے متعلق بھی ہوتا ہے لیکن یہ لوگ خلائق کو ہمیشہ امور ضارہ سے منع فرماتے ہیں اور امور نافعہ کی تاکید کرتے ہیں۔ طاعت کی تبلیغ کرتے ہیں معصیت سے منع فرماتے ہیں حالانکہ ارادہ الہی بندہ کے عین ثابۃ کی اقتضا پر دونوں کو چاہتا ہے۔ پس رسول اور وارث امر الہی کیساتھ عبد پر وارد ہوتے ہیں تاکہ مکلف سعادت طلب کرے یعنی وہ عبد کو نیکی کی تلقین کرتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں۔ اور اگر وہ مطلق ارادہ الہی کی خدمت کرتے تو اُس کو نصیحت نہ کرتے بلکہ مراد الہی کے حصول میں کوشش کرتے کیونکہ مراد الہی بسا اوقات اُس کی شقاوت کے متعلق بھی ہوتی ہے اور مراد الہی یہ ہوتی ہے کہ اُس کو نصیحت نہ کی جائے حالانکہ رسول اور وارث ایسا نہیں کرتے۔ پس رسول اور ان کے وارث انسانوں کیلئے اخروی طیب ہیں اور اللہ تعالیٰ کے امر کے مطیع ہیں۔ یعنی رسول اور ان کے وارث امر الہی سے لوگوں کو تلقین کرتے ہیں اور اس منصب پر مغائب الہی مامور ہیں۔ جسوقت اللہ تعالیٰ بواسطہ رسول اور ان کے وارث عبد کو کسی چیز کا امر کرتا ہے تو رسول اور وارث امر الہی کی طرف بھی دیکھتے ہیں اور ارادہ الہی کی طرف بھی دیکھتے ہیں۔ جب وہ دیکھتے ہیں کہ تحقیق اللہ تعالیٰ نے اُس چیز کا عبد کو امر کیا ہے جس کا ارادہ الہی مخالفت کرتا ہے حالانکہ موجود وہ ہے ہوتی ہے پس کا اللہ ارادہ کرے تو امر تکلیفی واقع ہوتا ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے ارادہ ہی امر تکلیفی کا کیا تھا اسلئے امر تکلیفی واقع ہوا۔ اور جب اللہ تعالیٰ نے بندہ مامور سے اُس چیز کے واقع ہونے کا ارادہ ہی نہیں کیا جس کا امر کیا تھا تو بندہ مامور سے وہ امر واقع نہ ہوا۔ پس اُس عدم وقوع کا نام مخالفت یا معصیت نہ کھا گیا لہذا رسول محض امر حق کو پہنچانے والے ہیں۔ اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے شَيْبَتِي سَوْسَةٌ هُوَ وَآخَوَاتُهَا یعنی سورہ ہود اور اُس کی امثال نے مجھے بوڑھا کر دیا ہے کیونکہ سورہ ہود میں اللہ تعالیٰ کا یہ قول وارد ہوا ہے (فَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ) پس استقامت کر جیسے کہ تو امر کیا گیا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کے قول (كَمَا أُمِرْتَ) نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بوڑھا کر دیا۔ بظاہر اس قول کے مخاطب حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں لیکن مراد امت ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے

حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اُمت کو فرما دیجئے کہ دین الہی میں اس طرح استقامت اختیار کریں جیسے کہ امر کیا گیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم عارفوں کے سر تاج اور پیشوا ہونے کے باعث جانتے تھے کہ بعض صورتوں میں جب امر الہی ارادہ الہی کے موافق ہوتا ہے تو وہ امر بندہ سے وقوع میں آتا ہے اور جب امر الہی ارادہ الہی کے مخالف ہوتا ہے تو وہ امر بندہ سے وقوع میں نہیں آتا۔ اور رب تعالیٰ کا مطالبہ ہے کہ استقامت اختیار کریں جیسا کہ امر کیا گیا ہے اور یہ چیز محال ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جانتے تھے کہ بعض امور الہی ارادہ الہی کے مخالف ہوں گے اور وہ امور بندوں سے وقوع میں نہ آسکیں گے۔ اور اُن امور کے عدم وقوع کے باعث اُن کا نام عاصی رکھا جائیگا۔ ہوائے اہل کشف کے کوئی شخص کسی امر میں ارادہ الہی سے واقف نہیں ہوتا البتہ جب حقیقتی کی مراد وقوع میں آتی ہے تب ارادہ الہی کا پتہ چلتا ہے۔ یعنی جب امر الہی میں بندہ کوتاہی کرتا ہے تو معلوم ہو جاتا ہے کہ ارادہ الہی امر الہی کے خلاف تھا۔ اب نماز پڑھنے کا امر تو ہر مسلمان کو دیا ہے لیکن نماز پڑھنے کی توفیق بہت تھوڑے لوگوں کو دی ہے۔ پس ثابت ہوا کہ بے نماز لوگوں کے حق میں امر الہی ارادہ الہی کے خلاف ہے لیکن اُدھر مطالبہ یہ ہے کہ حدود الہی امر الہی کے عین مطابق قائم کر دے اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اس قول الہی کا گہرا ہوا۔ جس شخص کی اللہ تعالیٰ نے بصیرت کی آنکھ کھول دی ہے وہ ممکنات یعنی خلائق کے احوال اُن کے اعیان ثابتہ میں دیکھتا ہے اور اُسی کے مطابق حکم کرتا ہے اور عارفوں میں سے بہت تھوڑے لوگ ہیں جن کو یہ کشف نصیب ہے۔ نیز یہ کشف اُن کو گاہے نصیب ہوتا ہے دائمی نہیں۔ اسی کے مطابق حقیقتی کا ارشاد ہے (قُلْ مَا أَدْرِي مَا يَفْعَلُ رَبِّي وَلَا يَحْكُمُ) اے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم! فرما دیجئے کہ میں نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا کیا جائیگا اور تمہارے ساتھ کیا کیا جائے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جہت ربوبیت سے تو سب کچھ جانتے ہیں یہ جہت بشریت کے متعلق ہے کہ میں نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا ہوگا اور عام لوگ تو اپنے متعلق ارادہ الہی کو نہیں جان سکتے اور نہ ہی دوسروں کے متعلق ارادہ الہی جان سکتے ہیں۔ پس آیہ کریمہ میں صراحت کی گئی ہے کہ عام لوگوں کے دلوں پر حجاب ہیں۔ اُن کی نظر اعیان ثابتہ کے احوال تک نہیں پہنچ سکتی۔ نیز مقصود اس کشف سے یہ ہے کہ عارفین باللہ خاص امور سے مطلع ہو جاتے ہیں۔ یہ نہیں کہ بطریق نام مجملہ امور پر مطلع ہو جائیں۔ اعیان ثابتہ سے مراد علم الہی ہے۔ لوح محفوظ علم الہی کا وقتی پر تو ہے۔ لوح محفوظ پر تو اکثر عارفوں کی نظر پڑتی ہے لیکن علم الہی تک رسائی کسی شاذ کی ہوتی ہے۔

فَصُّ حِكْمَةِ نُورِيَّةٍ فِي كَلِمَةِ يُوسُفِيَّةٍ

هَذِهِ الْحِكْمَةُ النَّوْرِيَّةُ انْبِسَاطُ نُورِهَا عَلَى حَضْرَةِ الْخِيَالِ وَهُوَ أَوَّلُ مَبَادِي الْوَحْيِ الْإِلَهِيِّ فِي أَهْلِ
 الْعِنَايَةِ تَقُولُ عَائِشَةُ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا أَوَّلُ مَبَادِي بِهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ
 الْوَحْيِ الرَّوِّيَا الصَّادِقَةُ فَكَانَ لَا يَرَى رُؤْيَا إِلَّا جَاءَتْ مِثْلَ فَلَقِ الصُّبْحِ تَقُولُ الْأَخْفَاءُ بِهَا وَإِلَى هُنَا
 بَلَغَ عَلَيْهَا لَا غَيْرَ وَكَانَتْ الْمُدَّةُ لَهُ فِي ذَلِكَ سِتَّةَ أَشْهُرٍ ثُمَّ جَاءَهُ الْمَلَكُ وَمَا عَلِمَتْ أَنَّ رَسُولَ
 اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ قَالَ إِنَّ النَّاسَ نِيَامٌ فَإِذَا مَا تَوَارَتْ بَهُمْ أَفْكَلٌ مَا يَرَى فِي حَالِ الْيَقَظَةِ
 فَهُوَ مِنْ ذَلِكَ الْقَبِيلِ وَإِنْ اخْتَلَفَتِ الْأَحْوَالُ فَمَضَى قَوْلُهَا سِتَّةَ أَشْهُرٍ بَلْ عَمَرَ كُلَّهُ فِي الدُّنْيَا بَيْنَكَ
 الشَّابَةِ إِنَّهَا هُوَ مَنَامٌ فِي مَنَامٍ وَكُلُّ مَا وَرَدَ مِنْ هَذَا الْقَبِيلِ فَهُوَ الْمُسَمَّى عَالَمَ الْخِيَالِ وَبِهَذَا
 يُعَيَّرُ أَيْ الْأَمْرُ الَّذِي هُوَ فِي نَفْسِهِ عَلَى صُورَةٍ كَذَا أَظْهَرَ فِي صُورَةٍ غَيْرِهَا فَيَجُوزُ الْعَارِضُ مِنْ
 هَذِهِ الصُّورَةِ الَّتِي أَبْصَرَهَا النَّائِمُ إِلَى صُورَةٍ مَا هُوَ الْأَمْرُ عَلَيْهِ أَنْ أَصَابَ كَظُهُورِ الْعِلْمِ فِي صُورَةِ
 اللَّبَنِ فَعَبَّرَ فِي التَّأْوِيلِ مِنْ صُورَةِ اللَّبَنِ إِلَى صُورَةِ الْعِلْمِ فَتَأَوَّلَ أَيْ قَالَ مَا لُ هَذِهِ الصُّورَةُ
 اللَّبَنِيَّةِ إِلَى صُورَةِ الْعِلْمِ ثُمَّ إِنَّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا أُوحِيَ إِلَيْهِ أَخَذَ عَنِ الْمَحْسُوسَاتِ
 الْمُبْتَدَأَةِ فَسُجِّيَ وَغَابَ عَنِ الْحَاضِرِينَ عِنْدَكَ فَإِذَا سُرِّي عَنْهُ رُودَ قَبْلَ أَدْرَاكَهُ إِلَّا فِي حَضْرَةِ
 الْخِيَالِ إِلَّا أَنَّهُ لَا يُسَمَّى نَائِمًا وَكَذَلِكَ إِذَا تَمَثَّلَ لَهُ الْمَلَكُ رَجُلًا فَذَلِكَ مِنْ حَضْرَةِ الْخِيَالِ فَإِنَّهُ
 لَيْسَ بِرَجُلٍ وَإِنَّهَا هُوَ مَلَكٌ فَدَخَلَ فِي صُورَةِ إِنْسَانٍ فَعَبَّرَ لَا النَّاطِقُ الْعَارِفُ حَتَّى وَصَلَ إِلَى صُورَةِ
 الْحَقِيقِيَّةِ فَقَالَ هَذَا جِبْرِئِيلُ أَتَاكُمْ يُعَلِّمُكُمْ أَمْرَ دِينِكُمْ وَقَدْ قَالَ لَهُمْ رُدُّوا عَلَى الرَّجُلِ
 فَمَسَّاكَ بِالرَّجُلِ مِنْ أَجْلِ الصُّورَةِ الَّتِي أَظْهَرَ لَهُمْ فِيهَا ثُمَّ قَالَ هَذَا جِبْرِئِيلُ فَاعْتَبَرَ الصُّورَةَ
 الَّتِي مَالَ هَذَا الرَّجُلِ الْمُتَخَيَّلِ إِلَيْهَا فَهُوَ صَادِقٌ فِي الْمَقَالَيْنِ صَدَقَ لِلْعَيْنِ فِي الْعَيْنِ الْحَسَنِيَّةِ
 وَصَدَقَ فِي أَنَّ هَذَا جِبْرِئِيلُ فَإِنَّهُ جِبْرِئِيلُ بِلَا شَكٍّ وَقَالَ يُوسُفُ عَلَيْهِ السَّلَامُ (رَأَيْتُ سَرَّائِي
 أَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ مَرَّائِيَهُمَا لِي سَاجِدَيْنِ) فَرَأَى إِلَى إِخْوَتِهِ فِي صُورَةِ الْكَوَاكِبِ
 وَمَرَّ إِلَى أَبَاةٍ وَخَالَتِهِ فِي صُورَةِ الشَّمْسِ وَالْقَمَرِ هَذَا مِنْ جِهَةِ يُوسُفَ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَلَوْ كَانَ
 مِنْ جِهَةِ السَّرَّائِي لَكَانَ ظُهُورُ إِخْوَتِهِ فِي صُورَةِ الْكَوَاكِبِ وَظُهُورُ أَبِيهِ وَخَالَتِهِ فِي صُورَةِ

الشَّيْءُ وَالْقَبْرِ مُرَادًا لَهُمْ فَلَمَّا لَمْ يَكُنْ لَهُمْ عِلْمٌ بِمَا رَأَى يُوسُفُ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَانَ الْإِدْرَاكُ
 مِنْ يُوسُفَ فِي خَزَانَةِ خِيَالِهِ وَعِلْمُ ذَلِكَ يَعْقُوبُ عَلَيْهِ السَّلَامُ حِينَ قَصَّهَا عَلَيْهِ فَقَالَ (يَا بُنَيَّ
 لَا تَقْصُصْ رُءُيَاكَ عَلَى إِخْوَتِكَ فَيَكِيدُوا لَكَ كَيْدًا) ثُمَّ بَرَأَ أَبْنَاءَهُ عَنْ ذَلِكَ الْكَيْدِ وَ
 الْحَقُّهُ بِالشَّيْطَانِ وَلَيْسَ إِلَّا عَيْنُ الْكَيْدِ فَقَالَ (إِنَّ الشَّيْطَانَ لِلْإِنْسَانِ عَدُوٌّ مُبِينٌ) أَيْ ظَاهِرُ
 الْعَدَاوَةِ ثُمَّ قَالَ يُوسُفُ بَعْدَ ذَلِكَ فِي آخِرِ الْأَمْرِ (هَذَا تَأْوِيلُ رُءُيَايَ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّي
 حَقًّا) أَيْ أَظْهَرَهَا فِي الْحِسِّ بَعْدَ مَا كَانَتْ فِي صُورَةِ الْخِيَالِ فَقَالَ لَهُ الْيَسِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
 الْإِنْسَانُ نِيَامٌ فَكَانَ قَوْلُ يُوسُفَ (قَدْ جَعَلَهَا رَبِّي حَقًّا) بِمَنْزِلَةِ قَوْلِ مَنْ رَأَى فِي نَوْمِهِ أَنَّهُ
 اسْتَيْقَظَ مِنْ رُءُيَا رَأَاهَا ثُمَّ عَبَّرَهَا وَلَمْ يَعْلَمْ أَنَّهُ فِي النَّوْمِ عَيْنُهُ مَا بَرَحَ فَإِذَا اسْتَيْقَظَ يَقُولُ رَأَيْتُ
 كَذَا وَكَذَا وَرَأَيْتُ كَذَا فِي اسْتَيْقَظَتْ وَأَوَّلُهَا بِكَذَا هَذَا مِثْلُ ذَلِكَ فَانْظُرْ كَوْنُ إِدْرَاكِ
 مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَبَيْنَ إِدْرَاكِ يُوسُفَ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِي آخِرِ أَمْرِهِ حِينَ قَالَ (هَذَا
 تَأْوِيلُ رُءُيَايَ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّي حَقًّا) مَعْنَاهُ حِسًّا أَيْ مُحْسُوسًا وَمَا كَانَ إِلَّا مُحْسُوسًا
 فَإِنَّ الْخِيَالَ لَا يُعْطَى أَبَدًا إِلَّا الْمَحْسُوسَاتِ لَيْسَ لَهُ غَيْرُ ذَلِكَ فَانْظُرْ مَا أَشْرَفَ عِلْمُ وَرَأْيُهُ مُحَمَّدٍ
 صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَسَاءَ بَسْطُ مِنَ الْقَوْلِ فِي هَذِهِ الْحَصْرَةِ بِلِسَانِ يُوسُفَ الْمُحْسِنِ مَا تَقِفُ
 عَلَيْهِ إِشَاءَ اللَّهِ تَعَالَى فَنَقُولُ اعْلَمْ أَنَّ الْقَوْلَ عَلَيْهِ سِوَى الْحَقِّ أَوْ مُسَمًّى الْعَالِمُ هُوَ بِالنِّسْبَةِ
 إِلَى الْحَقِّ كَالظِّلِّ لِلشَّخْصِ فَهُوَ ظِلُّ اللَّهِ فَهُوَ عَيْنُ نِسْبَةِ الْوُجُودِ إِلَى الْعَالِمِ لِأَنَّ الظِّلَّ مَوْجُودٌ
 بِلا شَيْءٍ فِي الْحِسِّ وَلَكِنْ إِذَا كَانَ شَيْءٌ مِنْ يَظْهَرُ فِيهِ ذَلِكَ الظِّلُّ حَتَّى لَوْ قَدَّرْتَ عَدَمَ مَنْ يَظْهَرُ
 فِيهِ ذَلِكَ الظِّلُّ كَانَ الظِّلُّ مَعْقُولًا غَيْرَ مَوْجُودٍ فِي الْحِسِّ بَلْ يَكُونُ بِالْقُوَّةِ فِي ذَاتِ الشَّخْصِ
 الْمُنْسُوبِ إِلَيْهِ الظِّلُّ فَمَحَلُّ ظُهُورِ هَذَا الظِّلِّ إِلَهِي الْمُسَمًّى بِالْعَالِمِ إِنَّمَا هُوَ أَعْيَانُ الْمُسْكِنَاتِ
 عَلَيْهَا أَمْتَدَّ هَذَا الظِّلُّ فَيُدْرِكُ مِنْ هَذَا الظِّلِّ بِحَسَبِ مَا أَمْتَدَّ عَلَيْهِ مِنْ وَجُودِ هَذِهِ الذَّاتِ
 وَلَكِنْ بِإِسْمِهِ النُّورِ وَقَعَ الْإِدْرَاكُ وَأَمْتَدَّ هَذَا الظِّلُّ عَلَى أَعْيَانِ الْمُسْكِنَاتِ فِي صُورَةِ
 الْغَيْبِ الْمَجْهُولِ أَلَا تَرَى الظِّلَّ لَا تَضْرِبُ إِلَى السَّوَادِ تُشِيرُ إِلَى مَا فِيهَا مِنَ الْخَفَاءِ لِبُعْدِ الْمَنَاسِبَةِ
 بَيْنَهَا وَبَيْنَ أَشْخَاصٍ مَنْ هِيَ ظِلُّ لَهُ وَإِنْ كَانَ الشَّخْصُ أَبْيَضَ فَظِلُّهُ بِهَذِهِ الْمَثَابَةِ أَلَا تَرَى
 الْجِبَالَ إِذَا بَعُدَتْ عَنْ بَصَرِ النََّاظِرِ تَظْهَرُ سَوْدَاءَ وَقَدْ تَكُونُ فِي أَعْيَانِهَا عَلَى غَيْرِ مَا يُدْرِكُهُ

الْحِسُّ مِنَ اللَّوْنِيَّةِ وَلَيْسَ ثَمَّةَ عِلَّةٌ إِلَّا الْبُعْدُ وَكَرُوحَةُ السَّمَاءِ فَهَذَا مَا أَنْتَجَهُ الْبُعْدُ فِي الْحِسِّ
 فِي الْأَجْسَامِ الْغَيْرِ النَّبِيرَةِ وَكَذَلِكَ أَعْيَانُ الْمُسَكِّنَاتِ لَيْسَتْ نَبِيرَةً لِأَنَّهَا مَعْدُومَةٌ وَإِنْ
 اتَّصِفَتْ بِالنَّبُوتِ لَكِنْ لَمْ تُتَّصَفْ بِالْوُجُودِ إِذَا الْوُجُودُ نُورٌ غَيْرُ أَنَّ الْأَجْسَامَ النَّبِيرَةَ يُعْطَى
 فِيهَا الْبُعْدُ فِي الْحِسِّ مِثْلًا فَهَذَا تَأْثِيرُ آخِرُ الْبُعْدِ فَلَا يُدْرِكُهَا الْحِسُّ إِلَّا مِثْلَ الْعَجْمِ وَهِيَ
 فِي أَعْيَانِهَا كَبِيرَةٌ عَنْ ذَلِكَ الْقَدْرِ وَأَكْثَرُ كَيْمَيَاتٍ مِنْهُ كَمَا يُعْلَمُ بِالذَّلِيلِ أَنَّ الشَّمْسَ
 مِثْلُ الْأَرْضِ فِي الْجُرْمِ مِائَةً وَسِتَّةً وَسِتِّينَ وَرُبْعًا وَثَمَنَ مَرَّةٍ وَهِيَ فِي الْحِسِّ عَلَى قَدْرِ
 جُرْمِ الشَّمْسِ مِثْلًا فَهَذَا أَشْرُ الْبُعْدِ أَيْضًا فَمَا يُعْلَمُ مِنَ الْعَالَمِ إِلَّا قَدْرُ مَا يُعْلَمُ مِنَ الظُّلَالِ
 وَيُجْهَلُ مِنَ الْحَقِّ عَلَى قَدْرِ مَا يُجْهَلُ مِنَ الشَّخْصِ الَّذِي عَنْهُ كَانَ ذَلِكَ الظِّلُّ فَمِنْ حَيْثُ
 هُوَ ظِلٌّ لَهُ يُعْلَمُ وَمِنْ حَيْثُ مَا يُجْهَلُ مَا فِي ذَاتِ ذَلِكَ الظِّلِّ مِنْ صُورَةٍ شَخْصٍ مِنْ أَمْتَدَّةٍ
 عَنْهُ يُجْهَلُ مِنَ الْحَقِّ قِلْدَ ذَلِكَ تَقُولُ إِنَّ الْحَقَّ مَعْلُومٌ لَنَا مِنْ وَجْهِ فَجْهُولٌ لَنَا مِنْ وَجْهِ
 (أَلَمْ تَرَ إِلَى رَأْيِكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ وَلَوْ شَاءَ لَجَعَلَهُ سَاكِناً) أَيْ يَكُونُ فِيهِ بِالْقُوَّةِ
 يَقُولُ مَا كَانَ الْحَقُّ لِيَتَجَلَّى لِلْمُسَكِّنَاتِ حَتَّى يَظْهَرَ الظِّلُّ فَيَكُونُ كَمَا بَقِيَ مِنَ الْمُسَكِّنَاتِ
 الَّتِي مَا ظَهَرَ لَهَا عَيْنٌ فِي الْوُجُودِ (ثُمَّ جَعَلْنَا الشَّمْسَ عَلَيْهِ دَلِيلًا) وَهُوَ اسْمُهُ النُّورُ الَّذِي
 قُلْنَا لَهُ وَيَشْهَدُ لَهُ الْحِسُّ فَإِنَّ الظُّلَالَ لَا يَكُونُ لَهَا عَيْنٌ يَعْدِمُ النُّورُ (ثُمَّ قَبَضْنَا كَالْإِنْبَاءِ قَبَضًا
 نَبِيرًا) وَإِنَّمَا قَبَضَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ لِأَنَّهُ ظِلٌّ فَبَيْنَهُ ظَهَرَ وَإِلَيْهِ يَرْجِعُ (وَإِلَيْهِ يَرْجِعُ الْأَمْرُ كُلُّهُ)
 فَهُوَ هُوَ لَا غَيْرَ فَكُلُّ مَا تَدْرِكُهُ فَهُوَ وَجُودُ الْحَقِّ فَظَهَرَ فِي أَعْيَانِ الْمُسَكِّنَاتِ فَمِنْ حَيْثُ
 هُوَ يَدْرِكُهُ الْحَقُّ هُوَ وَجُودُهُ وَمِنْ حَيْثُ اخْتِلَافِ الصُّوَرِ فِيهِ هُوَ أَعْيَانُ الْمُسَكِّنَاتِ فَكَمَا
 لَا يَزُولُ عَنْهُ بِاخْتِلَافِ الصُّوَرِ اسْمُ الظِّلِّ كَذَلِكَ لَا يَزُولُ عَنْهُ بِاخْتِلَافِ الصُّوَرِ اسْمُ
 الْعَالَمِ أَوْ اسْمُ سَوَى الْحَقِّ فَمِنْ حَيْثُ أَحَدِيَّةُ كَوْنِهِ ظِلًّا هُوَ الْحَقُّ لِأَنَّهُ الْوَاحِدُ الْأَحَدُ وَ
 مِنْ حَيْثُ كَثَرَةُ الصُّوَرِ فِيهِ هُوَ الْعَالَمُ فَتَقَطَّنَ وَتَحَقَّقَ مَا وَصَفْتُهُ لَكَ وَإِذَا كَانَ الْأَمْرُ
 عَلَى مَا ذَكَرْتُهُ لَكَ فَالْعَالَمُ مُتَوَهِّمٌ مَالَهُ وَجُودٌ حَقِيقِيٌّ وَهَذَا مَعْنَى الْخِيَالِ أَيْ خَيْلَ لَكَ أَنَّهُ
 أَمْرٌ تَرَاهُ قَائِمٌ بِنَفْسِهِ خَارِجٌ عَنِ الْحَقِّ وَلَيْسَ كَذَلِكَ فِي نَفْسِ الْأَمْرِ إِلَّا تَرَاهُ فِي الْحِسِّ
 مُتَّصِلًا بِالشَّخْصِ الَّذِي أَمْتَدَّ عَنْهُ يَسْتَحِيلُ عَلَيْهِ إِلَّا نَفْكَالَكَ عَنْ ذَلِكَ الْإِتِّصَالِ لِأَنَّهُ يَسْتَحِيلُ

عَلَى الشَّيْءِ إِلَّا نَفِكَ عَنْ ذَاتِهِ فَأَعْرِفْ عَيْنَكَ وَمَنْ أَنْتَ وَمَا هُوَ يَتَكَّ وَمَا نَسَبَتْكَ إِلَى
 الْحَقِّ وَبِمَا أَنْتَ حَقٌّ وَبِمَا أَنْتَ عَالِمٌ وَسَوَى وَغَيْرُ مَا شَاكَ هَذَا إِلَّا لَفَافًا وَفِي هَذَا يَتَقَا
 الْعُلَمَاءُ فَعَالِمٌ وَأَعْلَمُ فَالْحَقُّ بِالنَّسَبَةِ إِلَى ظِلِّ خَاصٍ صَغِيرٍ وَكَبِيرٍ وَصَافٍ وَأَصْفَى كَالنُّورِ
 بِالنَّسَبَةِ إِلَى حِجَابِهِ عَنِ النَّظَرِ فِي الرَّجَاجِ يَتَلَوْنَ يَلَوْنَهُ وَفِي نَفْسِ الْأَمْرِ لَا تَوْنُ لَهُ وَلَكِنْ
 هَكَذَا تَرَاهُ مَرَبِّ مِثَالٍ يَحْقِيقُكَ بِرَيْكَ فَإِنْ قُلْتَ إِنَّ النُّورَ أَخْضَرُ يَخْضَرُ الرَّجَاجُ
 صَدَقْتَ وَشَهِدَكَ الْحُسَّ وَإِنْ قُلْتَ إِنَّهُ لَيْسَ بِأَخْضَرٍ وَلَا ذِي تَوْنٍ لِمَا آعْطَاكَ الدَّلِيلُ
 صَدَقْتَ وَشَهِدَكَ النَّظَرُ الْعَقْلُ الصَّحِيحُ فَهَذَا النُّورُ مُتَدَمِّنٌ ظِلُّهُ هُوَ عَيْنُ الرَّجَاجِ فَهُوَ
 ظِلُّ نُورِيٍّ يَصْفَايُهُ كَذَلِكَ أَلَمْ يَحَقِّقْ مِنَّا بِالْحَقِّ تَطَهَّرَ مَوْرَدًا الْحَقِّ فِيهِ أَكْثَرُ مِمَّا تَطَهَّرُ
 فِي غَيْرِهِ فَبِمَا مَنْ يَكُونُ الْحَقُّ سَعَةً وَبَصَرًا وَجَمِيعَ قَوَالٍ وَجَوَارِحِهِ بِعَلَامَاتٍ قَدْ آعْطَا
 الشَّرْعُ الَّذِي يُخَيِّرُ عَيْنَ الْحَقِّ وَمَعَ هَذَا عَيْنُ الظِّلِّ مَوْجُودٌ فَإِنَّ الضَّهِيرَ مِنْ سَعَةِ يَعُودُ
 إِلَيْهِ غَيْرُهُ مِنَ الْعَبِيدِ لَيْسَ كَذَلِكَ فَنَسَبَةُ هَذَا الْعَبْدِ أَقْرَبُ إِلَى وَجُودِ الْحَقِّ مِنْ نَسَبَةِ
 غَيْرِهِ مِنَ الْعَبِيدِ وَإِذَا كَانَ الْأَمْرُ عَلَى مَا قَرَّرْنَا قَالًا فَاعْلَمْ أَنَّكَ خَيَالٌ وَجَمِيعَ مَا تُدْرِكُهُ
 مِمَّا تَقُولُ فِيهِ سَوَى خَيَالٍ فَالْوُجُودُ كُلُّهُ خَيَالٌ فِي خَيَالٍ وَالْوُجُودُ الْحَقُّ إِنَّمَا هُوَ اللَّهُ خَاصَّةً
 مِنْ حَيْثُ ذَاتُهُ وَعَيْنُهُ لَا مِنْ حَيْثُ أَسْمَائِهِ لِأَنَّ أَسْمَاءَهُ لَهَا مَدُّ لَوْ لَا لِنَ الْمَدِّ لَوْلُ الْوَاحِدِ
 عَيْنُهُ وَهُوَ عَيْنُ السُّمِّيِّ وَالْمَدُّ لَوْلُ الْآخِرِ مَا يَدُلُّ عَلَيْهِ مِمَّا يَنْفَصِلُ الْأَسْمَاءُ عَنْ هَذَا الْأَسْمِ
 الْآخِرِ وَيَتَسَيَّرُ فَأَيْنَ الْعُقُورُ مِنَ الْمُنْتَهِيَةِ أَيْنَ الْأَسْمَاءُ مِنَ الْبَاطِنِ وَأَيْنَ الْأَوَّلُ مِنَ الْآخِرِ
 فَقَدْ بَانَ لَكَ أَنَّهُ بِمَا هُوَ كُلُّ اسْمٍ عَيْنُ الْأَسْمِ الْآخِرِ وَبِمَا هُوَ غَيْرُ الْأَسْمِ الْآخِرِ فَبِمَا هُوَ
 عَيْنُهُ هُوَ الْحَقُّ وَبِمَا هُوَ غَيْرُهُ هُوَ الْحَقُّ الْمُسْتَعِيلُ الَّذِي كُنَّا بِصَدَدِهِ قَسْبَعَانِ مَنْ لَمْ يَكُنْ
 عَلَيْهِ دَلِيلٌ سَوَى نَفْسِهِ وَلَا يَتَبَيَّنُ كَوْنُهُ إِلَّا بِعَيْنِهِ فَمَا فِي الْكَوْنِ إِلَّا مَا دَلَّتْ عَلَيْهِ الْأَحْدِيَّةُ
 وَمَا فِي الْخَيَالِ إِلَّا مَا دَلَّتْ عَلَيْهِ الْكُثْرَةُ فَهَنْ وَفَقَّ مَعَ الْكُثْرَةِ كَانَ مَعَ الْعَالَمِ وَمَعَ الْأَسْمَاءِ
 الْإِلَهِيَّةِ وَأَسْمَاءُ الْعَالَمِ وَمَنْ وَفَقَّ مَعَ الْأَحْدِيَّةِ كَانَ مَعَ الْحَقِّ مِنْ حَيْثُ ذَاتُهُ الْغَنِيَّةُ عَنِ
 الْعَالِيَيْنِ لَا مِنْ حَيْثُ صُورَتِهِ وَإِذَا كَانَتْ غَنِيَّةُ عَيْنِ الْعَالِيَيْنِ فَهُوَ عَيْنٌ غَنَاهَا عَنْ نَسَبَةِ
 الْأَسْمَاءِ إِلَيْهَا لِأَنَّ الْأَسْمَاءَ لَهَا كَمَا تَدُلُّ عَلَيْهَا تَدُلُّ عَلَى مَسْمِيَّاتِهَا خَوْصًا بِحَقِّ ذَلِكَ أَشْرَها

(قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ) مِنْ حَيْثُ عَيْنِهِ (أَلِلَّهُ الصَّمَدُ) مِنْ حَيْثُ اسْتِنَادِنَا إِلَيْهِ (لَمْ يَلِدْ) مِنْ حَيْثُ هُوَيْتِهِ (وَلَمْ يُولَدْ) كَذَلِكَ (وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ) كَذَلِكَ فَهَذَا لَفْظُهُ فَأُفْرَدَ ذَاتُهُ يَقُولُهُ اللَّهُ أَحَدٌ وَظَهَرَتْ الْكَثْرَةُ بِنُعُوتِهِ الْمَعْلُومَةِ عِنْدَنَا فَتَحْنُ نِلْدٌ وَتُولَدُ وَتَحْنُ نَسْتِنْدُ إِلَيْهِ وَتَحْنُ أَكْفَاءُ بَعْضُنَا لِبَعْضٍ وَهَذَا الْوَاحِدُ مُنْزَعٌ عَنْ هَذِهِ النُّعُوتِ فَهُوَ غَنِيٌّ عَنْهَا كَمَا هُوَ غَنِيٌّ عَنَّا وَمَا لِلْحَقِّ نَسَبٌ إِلَّا هَذِهِ السُّورَةُ سُورَةُ الْإِخْلَاصِ وَفِي ذَلِكَ نَزَلَتْ فَأَحَدِيَّةُ اللَّهِ مِنْ حَيْثُ الْأَسْمَاءُ الْإِلَهِيَّةُ الَّتِي تَطْلُبُنَا أَحَدِيَّةُ الْكَثْرَةِ وَأَحَدِيَّةُ اللَّهِ مِنْ حَيْثُ الْغِنَاءُ عَنَّا وَعَنِ الْأَسْمَاءِ أَحَدِيَّةُ الْعَيْنِ وَكِلَاهُمَا يُطْلَقُ عَلَيْهِ اسْمُ الْوَاحِدِ فَمَا عَلِمَ ذَلِكَ فَمَا أَوجَدَ الْحَقُّ الظَّلَالَ وَجَعَلَهَا سَاحِدَةً مُتَّفِقَةً عَنِ الشِّمَالِ وَالْيَمِينِ إِلَّا دَلَائِلَ لَكَ عَلَيْكَ وَعَلَيْهِ لَتَعْرِفَ مَنْ أَنْتَ وَمَا نَسَبْتُكَ إِلَيْهِ وَمَا نَسَبْتُهُ إِلَيْكَ حَتَّى تَعْلَمَ مِنْ آيِنٍ وَآيٍ حَقِيقَةٍ إِلَهِيَّةٍ تَصِفُ مَا سِوَى الْحَقِّ بِالْفَقْرِ الْكُلِّيِّ إِلَى اللَّهِ وَبِالْفَقْرِ النَّسَبِيِّ بِإِقْتِقَارِ بَعْضِهِ إِلَى بَعْضٍ وَحَتَّى تَعْلَمَ مِنْ آيِنٍ وَمِنْ آيٍ حَقِيقَةٍ تَصِفُ الْحَقَّ بِالْغِنَى عَنِ النَّاسِ وَبِالْغِنَى عَنِ الْعَالَمِينَ وَالتَّصِفُ الْعَالَمُ بِالْغِنَى آيٍ يُغْنِي بَعْضُهُ عَنْ بَعْضٍ مِنْ وَجْهِ مَا هُوَ عَيْنٌ مَا افْتَقَرَ بَعْضُهُ إِلَى بَعْضٍ بِهِ فَإِنَّ الْعَالَمَ مُفْتَقِرًا إِلَى الْأَسْبَابِ بِلَا شَكٍّ افْتِقَارًا إِذَا تَبَيَّنَ وَأَعْظَمُ الْأَسْبَابِ لَهُ سَبَبِيَّةُ الْحَقِّ وَلَا سَبَبِيَّةُ لِلْحَقِّ يَفْتَقِرُ الْعَالَمُ إِلَيْهَا سِوَى الْأَسْمَاءِ الْإِلَهِيَّةِ وَالْأَسْمَاءِ الْإِلَهِيَّةِ كُلُّ اسْمٍ يَفْتَقِرُ الْعَالَمُ إِلَيْهِ مِنْ عَالَمٍ مِثْلِهِ أَوْ عَيْنِ الْحَقِّ فَهُوَ اللَّهُ لَا غَيْرُكَ وَإِذَا قَالَ (يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ إِلَى اللَّهِ وَاللَّهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ) وَمَعْلُومٌ أَنَّ لَنَا اقْتِقَارًا مِنْ بَعْضِنَا لِبَعْضٍ فَاسْمَاءُنَا لِبَعْضٍ فَاسْمَاءُ اللَّهِ تَعَالَى إِذَا إِلَيْهِ الْإِفْتِقَارُ بِلَا شَكٍّ وَأَعْيَانُنَا فِي نَفْسِ الْأَمْرِ ظِلُّهُ لَا غَيْرُكَ فَهُوَ هُوَيْتُنَا لَا هُوَيْتُنَا وَقَدْ مَهَّدَ نَا لَكَ السَّبِيلَ فَانْظُرْ (وَاللَّهُ يَقُولُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيلَ) ❖

یہ حکمت نوریہ کا فص کلمہ یوسفیہ کے بیانی میں ہے

حکمت نوریہ کو حکمت روحیہ کے بعد بیان کرنے کی حکمت یہ ہے کہ حکمت روحیہ سے مراد معرفت احکام دین ہے اور احکام دین پر عمل کرنے سے اللہ تعالیٰ عارف کے دل کو ایک نور عطا کر دیتا ہے جس سے اُس کو عالم مثال اور اُس کے اسرار کی معرفت نصیب ہو جاتی ہے اور عالم مثال کی معرفت کا نام حکمت

نور یہ ہے۔ نیز حکمت روحیہ کا اختتام اس امر پر ہوا کہ اللہ تعالیٰ عارف کو وہ بصیرت عطا کر دیتا ہے کہ وہ خلائق کے احوال انکے ایمان ثابتہ میں دیکھتا ہے لہذا حکمت روحیہ کے بعد حکمت نور یہ کو لایا گیا ہے۔ اور حکمت نور یہ کو حضرت یوسف علیہ السلام کی طرف منسوب کرنے کی حکمت یہ ہے کہ عالم مثال کے اسرار کی معرفت کما حقہ آپ ہی کو نصیب تھی اسی لئے آپ منعمہ رؤیا تھے اور بالاصالت یہ مرتبہ آپ ہی کو نصیب ہے لیکن یاد رہے مجملہ انبیاء و اولیاء نے جمیع علوم سرکارِ دو عالم جناب محمد پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل کئے ہیں۔ اس حکمت نور یہ سے مراد عارف کامل کے نور کا عالم خیال پر انبساط ہے۔ یعنی جب عارف کامل کا دل متور ہو جاتا ہے تو وہ عالم خیال میں اشیاء کی مثالی صورتوں کو دیکھتا ہے اور اہل عنایت کے حق میں وحی الہی کا ابتدا اسی سے ہوتا ہے۔ اہل عنایت سے مراد انبیاء و اولیاء علیہم السلام ہیں۔ چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی کا ابتدا سچے خواب تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جو خواب بھی دیکھتے تھے وہ صبح صادق کی روشنی کی طرح سچا ظاہر ہوتا تھا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ اُس خواب میں کسی قسم کا شبہ نہ ہوتا تھا۔ اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا علم یہاں تک ہی پہنچا تھا اس کے سوا انہیں۔ ان سچے خوابوں کی مدت چھ ماہ تھی۔ اُس کے بعد فرشتہ آنا شروع ہو گیا۔ اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے نہ جانا کہ تحقیق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تحقیق انسان خواب میں ہیں اور جس وقت مرتے ہیں بیدار ہو جاتے ہیں۔ لہذا جو کچھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حالت یقظہ یعنی بیداری میں دیکھتے ہیں وہ بھی اسی قبیل سے ہے کیونکہ آپ کی حالت خواب اور حالت بیداری میں کوئی فرق نہیں بقولہ علیہ السلام تَنَامُ عَيْنِي وَلَا يَنَامُ قَلْبِي میری آنکھیں سوتی ہیں دل نہیں سوتا۔ اگرچہ خواب اور بیداری کے احوال مختلف ہیں لیکن جو کچھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیداری اور یقظہ کی حالت میں دیکھتے ہیں وہ اُسی قبیل سے ہے جو آپ خواب کی حالت میں دیکھتے ہیں یعنی آپ کی بیداری اور خواب میں کوئی فرق نہیں۔ پس حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کا چھ ماہ والا قول اپنے مقام پر ہے اور حقیقت یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تمامی دنیوی عمر مبارک اسی قبیل سے ہے۔ سوائے اس کے نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تمام عمر مبارک خواب در خواب تھی۔ خواب میں ظاہری حواس بند ہو جاتے ہیں اور باطنی حواس کھل جاتے ہیں اور بیداری میں ظاہری حواس کھل جاتے ہیں اور باطنی حواس بند ہو جاتے ہیں۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس نرالی ہے۔ آپ کی جہت بشریت عارضی ہے اور جہت ربوبیت دائمی ہے۔ یہ ہی وجہ ہے کہ جیسا کہ خواب میں حضور صلی اللہ علیہ

وسلم کے باطنی حواس کھلے ہوتے ہیں ایسے ہی بیداری میں بھی آپ کے باطنی حواس کھلے ہوتے ہیں لہذا ارشاد ہوا کہ آپ کی ساری زندگی مبارک ہی خواب در خواب ہے یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جہت ربوبیت دائمی ہے۔ اس میں دن رات یا حالت خواب اور بیداری میں کوئی تمیز نہیں۔ مراد یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ربوبیت کی خوشبو میں ہر وقت مہک رہی ہیں اور یہ آپ کی منزلت کی مطابقت ہے کیونکہ اگر کوئی شخص آپ کو دن کی وقت پکارے آپ سنتے ہیں اور اگر کوئی رات کو پکارے تب بھی آپ سنتے ہیں۔

جو کچھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر وارد ہوتا تھا وہ اسی قبیل خواب میں تھا اور اس کا نام عالم خیال رکھا جاتا ہے۔ عالم خیال کا نام عالم مثال بھی ہے۔ عقول اور نفوس مجردہ کا شہود صور جسمانیہ میں اہل کشف کو اسی عالم میں ہوتا ہے جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جبرائیل علیہ السلام کا ظہور وحیہ قلبی کی صورت پر ہوا کرتا تھا۔ عالم خیال یا عالم مثال کا اطلاق خواب اور بیداری دونوں پر ہو سکتا ہے۔ اہل عنایت ابتدا میں صور مثالیہ خواب میں دیکھتے ہیں اور انتہا میں وہ صور مثالیہ کو بیداری میں دیکھتے ہیں۔ عالم خواب چونکہ عالم خیال ہے لہذا تعبیر کے لائق ہے کیونکہ خواب میں ایک شے اپنی اصلی صورت کی بجائے کسی اور صورت میں ظاہر ہو جاتی ہے۔ پس یہی وجہ ہے کہ عا پر اس صورت سے ہونا نام نے منام میں دیکھی ہے اس صورت کی طرف تجاوز کرتا ہے جو نفس الامر میں ہے۔ لیکن صورت مرئیہ کی تعبیر صورت نفس الامری کیسا تھا اسی صورت میں درست ہوگی جب صاحب تعبیر خواب کی سچی تعبیر کرے جیسا کہ خواب میں علم کا ظہور دودھ کی صورت پر ہوا لہذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم تعبیر میں صورت دودھ سے صورت علم کی طرف گزر گئے اور ارشاد فرمایا کہ اس صورت دودھ سے مراد صورت علم ہے۔ پھر تحقیق جس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف وحی کیجاتی تھی تو آپ محسوسات معادہ سے اخذ کئے جاتے تھے اور پوشیدہ کئے جاتے تھے اور اس وقت آپ حاضرین مجلس سے غائب ہوتے تھے۔ پس جس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے آثار وحی آتے جاتے تھے تو آپ اصلی حالت کی طرف لوٹائے جاتے تھے۔ اس سے ثابت ہوا کہ آپ نے وحی کا ادراک صرف حضرت خیال میں کیا لیکن بلاشبہ اس حالت میں آپ کا نام نامی نہیں رکھا جاتا کیونکہ اسی طرح جب فرشتہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر فرد کی صورت پر نمٹتا تھا تو یہ متمثل ہونا بھی حضرت خیال سے ہے کیونکہ وہ فرشتہ فرد نہیں ہے اور سوائے اس کے نہیں ہے کہ فرشتہ صورت انسان میں داخل ہو گیا ہے یعنی فرشتے نے اپنی اصلی صورت بدل کر انسانی صورت کا برقعہ پہن لیا ہے۔ لہذا ناظر عارف صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تعبیر کی حتیٰ کہ آپ اس کی اصلی صورت تک پہنچے اور فرمایا "یہ جبرائیل تھے۔ تمہارے پاس تم کو تمہارا

امردین سکھانے کیلئے آئے تھے اور تحقیق حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو یہ بھی فرمایا تھا "اُس
مرد کو میرے پاس پھیر لاؤ۔" پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس فرشتے کا نام بسبب اُس صورت کے جس کے
ساتھ وہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں اُن کیلئے ظاہر ہوا تھا مرد رکھا۔ نیز آپ نے یہ بھی فرمایا "یہ جبریل تھے۔" اس موقع
پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس صورت کا اعتبار کیا جو اُس مرد تخیل کی مزج اصل صورت تھی۔ لہذا حضور صلی اللہ
علیہ وسلم اپنے دونوں اقوال میں صادق ہیں۔ آپ نے واسطے ظاہری آنکھ کے جو بظاہر صورت محسوسہ کو دیکھنے
والی ہے سچ کہا اور نیز اس بات میں کہ تحقیق یہ جبریل ہیں سچ کہا کیونکہ وہ بلا شک جبریل تھے۔

اور یوسف علیہ السلام نے کہا (رَافِئِی سَأَیْتُ أَحَدَ عَشَرَ کَوْکَبًا وَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ سَأَیْتُہُمْ لَی سَاجِدِیْنَ)
تحقیق میں نے خواب میں گیارہ ستارے و سورج اور چاند دیکھے اور اس حال میں دیکھے کہ مجھے سجدہ کر رہے ہیں۔
پس اُس نے اپنے بھائیوں کو بتاروں کی صورت میں دیکھا اور اپنے باپ اور اپنی خالہ کو سورج و چاند کی صورت
میں دیکھا۔ اور یہ خواب کی رویت یوسف علیہ السلام کی ازلی استعداد اور عین ثابۃ کے مطابق تھی یعنی یوسف علیہ
السلام کے عین ثابۃ میں آپ کا نبی اور بادشاہ بننا مندرج تھا اور آپ کے گیارہ بھائیوں اور باپ اور خالہ کا
آپ کو سجدہ کرنا بھی مندرج تھا۔ رب تعالیٰ نے آپ کو بچپن میں ہی بتلادیا کہ آپ نبی اور بادشاہ بنیں گے۔
اور بچپن میں ہی جنوانے کا مطلب یہ تھا کہ آپ تکالیف اور بلاؤں پر صبر کریں کیونکہ

ہر بلا کی قوم را حق دادہ است و زیر آں گنج کرم بہادہ است

نیز آپ خواب کی تعبیر سے واقف تھے کیونکہ جب مصر شہر میں آپ منصب پر بیٹھے اور آپ کے بھائیوں اور
باپ اور خالہ نے آپ کو سجدہ کیا تو آپ نے فرمایا (هٰذَا أَنَا وَبَنُو یَاقَی مِنْ قَبْلُ قَدْ جَعَلْنَا رَافِئِی حَقًّا) یہ میرے
پہلے خواب کی تاویل ہے تحقیق میرے رب نے اُسے سچا کر دیا۔ گویا آپ اس وقوع کے منتظر تھے کیونکہ آپ
خواب کی تعبیر سے بچپن میں ہی واقف تھے۔ اور اگر یہ خواب مرئی کی طرف سے ہوتی یعنی اگر بھائیوں میں
سے کوئی بھائی یا آپ کی خالہ یہ ہی خواب دیکھتے تو وہ فوراً اس خواب کی تعبیر کو پا جاتے اور کواکب کی صورت میں
بھائیوں کا ظہور اور شمس و قمر کی صورتوں میں باپ اور خالہ کا ظہور مراد لیتے۔ اسلئے رب تعالیٰ نے اُن میں
سے کسی کو بھی یہ خواب نہ دکھایا کیونکہ اگر دیکھ لیتے تو اُن کی حسد کی آگ بہت ہی تیز ہو کر بھڑکتی۔ جو کچھ
بھائیوں نے آپ کیساتھ سلوک کیا وہ صرف باپ کی زیادہ شفقت دیکھ کر کیا۔ اگر خواب دیکھ لیتے کہ انہوں
نے نبی اور بادشاہ بننا ہے تو خدا جانے کیا کیا تکالیف دیتے۔ جو کچھ یوسف علیہ السلام نے خواب میں دیکھا وہ

اپنے ہی خزانہ خیال میں دیکھا۔ مراد یہ ہے کہ چونکہ جمیع عوالم انسان کے سویداء قلب میں پیٹے ہوئے ہیں اسلئے جو کچھ یوسف علیہ السلام نے خواب میں دیکھا وہ اپنے خزانہ خیال یعنی سویداء قلب میں ہی سے دیکھا۔ اور یعقوب علیہ السلام اس خواب کی تعبیر کو جان گئے جس وقت یوسف علیہ السلام نے اپنا خواب اُن کے سامنے بیان کیا پس اسی لئے آپ نے فرمایا (يَا بُنَيَّ لَا تَقْصُصْ رُءُوسَاكَ عَلَىٰ إِخْوَتِكَ فَيَكِيدُوا لَكَ كَيْدًا) اے میرے پیارے بیٹے! اپنا خواب اپنے بھائیوں کے سامنے بیان نہ کیجٹو پس وہ تمہارے ساتھ کوئی مکر کریں گے مراد یعقوب علیہ السلام کی یہ تھی کہ آپ کے بھائیوں کو پہلے ہی آپکا حسد ہے۔ اگر آپ نے اپنا خواب اُن کیسا منے بیان کیا تو وہ آپ کو یقیناً قتل کر دیں گے۔ اور اب صرف اس سابقہ حسد کی بنا پر آپ کیساتھ کوئی مکر کریں گے قتل نہیں کریں گے۔ پھر یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو اُس مکر سے بری الذمہ قرار دیا اور مکر کی اِضافت شیطان کی طرف کی حالانکہ مکر کی اِضافت شیطان کی طرف کرنا خود ایک مکر ہے۔ کیونکہ حقیقت میں عالم میں فعل الہی جاری ہے اور کسی فعل کی نسبت شیطان کی طرف کرنی محض ایک مکر ہے۔ انبیاء کرام کا ادب دیکھئے اگرچہ وہ اس مسئلہ کے ماہر ہیں کہ عالم میں ہر فعل فعل الہی ہے لیکن کسی فعل بد کی اِضافت حقتعالیٰ کی طرف نہیں کرتے۔ لیکن نبی کا کمال دیکھئے کہ اپنی کلام میں تعلیم بھی دے دی کہ انسان محض مجبور معذور اور مامور ہے۔ اسی لئے آپ نے اپنے بیٹوں کو مکر سے بری الذمہ قرار دیا اور مکر کی اِضافت شیطان کی طرف کی اور فرمایا (رَأَى الشَّيْطَانَ لِلْإِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِينًا) تحقیق شیطان واسطے انسان کے ظاہر دشمن ہے یعنی اُس کی دشمنی ہر کسی پر ظاہر ہے۔

پھر آخر کار اس کے بعد یوسف علیہ السلام نے کہا (هَذَا تَأْوِيلُ رُءُوسَايَ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّي حَقًّا) یہ میرے پہلے خواب کی تعبیر ہے تحقیق میرے رب نے اُسے سچا کر دیا۔ یعنی جو خواب صورت خیال میں تھا اُس کو بعد میں عالم حَسّ اور شہادت میں ظاہر کر دیا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عالم خیال کے متعلق فرمایا النَّاسُ نِيَامٌ أَدْمَىٰ نِيَجْ خواب کے ہیں یعنی جُملہ عالم خواب میں ہے۔ مراد یہ ہے کہ عالم محض خیال ہے۔ اس کا اپنا مستقل کوئی وجود نہیں بلکہ اس کا وجود ساتھ حقتعالیٰ کے ہے۔ نیز آپ کی یہ مراد ہے کہ عالم اجسام عالم مثال کا ہی ایک تنزل ہے یعنی وہ ہی ذات حق مرتبہ خیال یا عالم مثال سے تنزل فرما کر عالم حَسّ یعنی عالم اجسام کی صورت پر جلوہ نما ہے۔ لیکن یوسف علیہ السلام کا عالم خیال کے متعلق یہ قول ہے (قَدْ جَعَلَهَا رَبِّي حَقًّا) تحقیق میرے رب نے میرے خواب کو عالم حَسّ میں سچ کر دیا۔ یعنی آپ کے نزدیک عالم حَسّ عالم خیال کا غیر ہے یا

عالم حقِ حق تعالیٰ کا غیر ہے۔ آپ کا قول اُس شخص کے قول کے مطابق ہے جس نے خواب میں کچھ دیکھا۔ پھر وہ خواب سے بیدار ہوا اور اُس رؤیا کی تعبیر کی۔ اور اُس نے یہ نہ جانا کہ وہ ہمیشہ ہی خواب میں ہے اور جو کچھ وہ دیکھتا ہے وہ خواب در خواب ہے۔ وہ خواب ہی میں بیدار ہوتا ہے اور خواب ہی میں تعبیر کر رہا ہے اور خواب ہی میں بیان کر رہا ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے نزدیک عالم حق ایک مستقل عالم ہے اور اس کا اپنا ذاتی مستقل وجود ہے اور عالم خیال کا غیر ہے۔ سرکارِ دو عالم حضور نبی پاک جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک عالم حق عین عالم خیال ہے یعنی عین ذات حق ہے اور انسان اُسی بحر حقیقت کی ماہی ہے اور اُسی بحر میں دائمی غوطہ زن ہے۔ اُس بحر سے یہ ماہی انسان آج تک باہر نکلی نہیں۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم مراتبِ ستہ کے عارف ہیں کہ وہ ہی ذات حق مرتبہ احدیت سے تنزل فرما کر مرتبہ وحدت میں پھر مرتبہ واحدیت میں پھر مرتبہ واحدیت میں پھر مرتبہ عالم ارواح میں پھر مرتبہ عالم مثال میں پھر مرتبہ عالم اجسام میں جلوہ نما ہوتی لیکن یوسف علیہ السلام ان مراتب سے ناواقف ہیں۔ عالم اجسام کو عالم مثال کا غیر سمجھ رہے ہیں اور یہ نہیں جانتے کہ عالم مثال اور عالم اجسام ذات حق کے ہی مراتب ہیں اور عالم اجسام عالم مثال کا ہی پر تو ہے۔ اے عارف! پس دیکھ جناب محمد پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ادراک میں اور یوسف علیہ السلام کے ادراک میں کتنا فرق ہے۔ اس فرق کی صراحت آپ کے اس قول میں جو آپ نے آخر کار فرمایا موجود ہے (هَذَا تَأْوِيلُ مَا عَيَايَ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَعَلْنَا رُبِّي حَقًّا) حَقًّا سے آپ کی مراد حسًّا یا محسوساً ہے۔ آپ نے یہ نہ جانا کہ رائی کے عین ثابۃ میں جو احوال مندرج ہیں خواب میں وہ اُن ہی احوال کو دیکھتا ہے اور رائی کے عین ثابۃ نے ہی وہ علمِ حق تعالیٰ کو ازل میں عطا کیا تھا۔ لہذا جو کچھ وہ خواب میں دیکھتا ہے وہ عین ثابۃ کا پر تو ہے اور عین خارجہ حقیقت میں عین ثابۃ کا پر تو ہے کیونکہ عین ثابۃ کے احکام اور آثار کے مطابق عین خارجہ کا ظہور ہوتا ہے۔ مرتبہ علم میں محسوسات معلومات ہیں۔ مرتبہ شہادت میں یا مرتبہ اجسام میں وہ ہی معلومات محسوسات ہیں۔ مرتبہ خیال میں وہ ہی معلومات خیالات ہیں یا صور خیالیہ ہیں۔ یعنی صور خیالیہ کا پر تو صور خارجہ ہے۔ مراد یہ ہے کہ صور خارجہ عین صور خیالیہ ہیں لیکن یوسف علیہ السلام صور خارجہ کو صور خیالیہ کا غیر سمجھتے ہیں اور عالم محسوسات یا عالم اجسام کا ایک ذاتی مستقل وجود سمجھ رہے ہیں یعنی عالم کو غیر حق سمجھتے ہیں۔

پس دیکھ اے عارف! جناب محمد پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے وارثوں کا علم کیسا اشرف ہے اور غفریب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قول مبارک متعلقہ حضرت خیال کی شرح ساتھ لسانِ یوسف محمدی صلی اللہ علیہ وسلم

کروں گا تاکہ تو اُس سے واقف ہو جاتے۔ یوسف محمدی سے مراد وہ افراد کا گروہ ہے جن کے قلوب میں حقیقت
 محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور ہے اور اُن پر انبیاء بھی رشک کرتے ہیں بِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ
 اَلْمُتَحَابُّونَ فِي جَلَالِي لَهُمْ مَنَابِرُ مِنْ نُورٍ يَغِيظُهَا النَّبِيُّونَ وَاشْتَدَّ اَعْدَاءُ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا میرے بعض
 ایسے دوست ہیں جو میرے جلال کے کشتہ ہیں اُن کے نور کے منابر ہیں اُن پر انبیاء و شہداء رشک کرتے
 ہیں۔ پس ہم کہتے ہیں اُسے طالب! تو جان لے کہ وہ چیز جس پر ماسوائے اللہ کا قول صادق آتا ہے یا جس کا
 نام عالم رکھا جاتا ہے اُس کی نسبت حقیقی کے ساتھ ایسے ہے جیسے سایہ کی نسبت شخص کے ساتھ۔ پس
 عالم اللہ کا سایہ ہے۔ چونکہ سایہ کا اپنا کوئی مستقل وجود نہیں ہوتا بلکہ سایہ کا وجود ساتھ شخص کے ہوتا ہے جیسا
 وہ سایہ ہے اسلئے عالم کا اپنا مستقل وجود کوئی نہیں بلکہ عالم کا وجود ساتھ اللہ تعالیٰ کے ہے۔ پس شخص کی سایہ
 کے ساتھ وہ ہی نسبت ہے جو وجود حق کی عالم کے ساتھ ہے کیونکہ ظل بے شک جس میں موجود ہے لیکن
 ظل اُسی صورت میں موجود ہوتا ہے جب وہ شخص جس کا وہ ظل ہے وہاں موجود ہو اور اگر تو اُس شخص
 کو محذوم فرض کرے تو وہ ظل جس میں غیر موجود ہوگا اور اُس کا وجود معقول ہوگا بلکہ وہ ظل اُس شخص کی
 ذات میں جسکی طرف وہ ظل منسوب ہے بالقوہ موجود ہوگا۔ مراد یہ ہے کہ عالم پیشتر از ظہور اللہ تعالیٰ
 کی ذات میں ممکنات کے اعیان ثابتہ کی صورت پر موجود تھا اور بعد از ظہور عالم اللہ تعالیٰ کی ذات اعیان
 ممکنات یعنی اعیان خارجیہ کی صورت پر جلوہ نما ہے۔ پس اس ظل الہی جس کا نام عالم ہے، کا محل ظہور
 سوائے اس کے نہیں کہ وہ محل ممکنات کا اعیان ثابتہ ہے۔ یعنی اعیان ثابتہ کی صورت پر ظل الہی پھیلا
 ہوا ہے۔ مراد یہ ہے کہ فیض اقدس سے ذات حق نے اپنی ہی ذات پر تجلی کی تو علم الہی میں ممکنات
 کے اعیان ثابتہ حاصل ہو گئے تو گویا ممکنات کے اعیان ثابتہ یعنی صور علمیہ کی صورت پر ذات حق کا ظہور
 ہوا۔ پس ممکنات کے اعیان ثابتہ پر اُس ذات کا ظل مُمتد ہوا یعنی ممکنات کے اعیان ثابتہ ذات حق
 کا ظل ہیں اور اسی ظل سے اُس ذات کا اندازہ ادراک کیا جاتا ہے۔ یعنی جس قدر یہ ظل پھیلا ہوا ہے
 اُسی اندازہ سے ذات حق کا ادراک کیا جاتا ہے۔ مراد یہ ہے کہ علم الہی میں اللہ تعالیٰ کے معلومات یعنی
 ممکنات کے اعیان ثابتہ چونکہ لامتناہی ہیں اسلئے وہ ذات حق بھی لامتناہی ہے اور حدود سے منزہ
 و مُعَرَّا ہے۔

لیکن وجود ذات حق کا ادراک حقیقی کے اسم نور کے ساتھ واقع ہوتا ہے یعنی عارف کو اللہ تعالیٰ

ایک نور عطا کرتا ہے جس سے وہ ذات حق کا ادراک کرتا ہے۔ نیز یہ ظن الہی ممکنات کے اعیان ثابتہ پر غیب مجہول کی صورت میں پھیلا ہوا ہے۔ مراد یہ ہے کہ اعیان ثابتہ یا حقائق ممکنات مرتبہ علم میں محقق ہیں۔ ان کا بظاہر ظہور کوئی نہیں۔ اعیان ثابتہ مرتبہ علم میں اللہ تعالیٰ کا ظن ہیں اور اعیان خارجیہ مرتبہ حس و شہادت میں اعیان ثابتہ کے احکام و آثار کے مطابق اللہ تعالیٰ کا ظن ہیں۔ نیز ظن الہی ممکنات کے اعیان خارجیہ کی صورت پر بھی غیب مجہول کی صورت پر پھیلا ہوا ہے مراد یہ ہے کہ اگرچہ ذات حق ہی اپنے ہر اہانت ذاتی کے مقام سے تنزل فرما کر اعیان خارجیہ یا ممکنات عالم کی صورت پر جلوہ نما ہے لیکن وہ حقیقت اب نظر نہیں آتی اور وہ حقیقت اب غیب مجہول ہے کیونکہ ہر کوئی اُس کو اب پا نہیں سکتا جو اہانت عالم کو اسی لئے غیر حق قرار دیتے ہیں کہ وہ ذات حق کے کمالات کو اب خلق میں نہیں پاتے۔ وہ یہ نہیں جانتے کہ جب ذات حق نے تنزل کر کے خلق کی صورت پر جلوہ آرائی کی تو خلقی صفات کا لبادہ اوڑھنا پڑا۔ اب یہ خلقی صفات ذات پر محجب بن گئیں۔ کیا تو نہیں دیکھتا کہ ظلال سیاہی کی طرف مائل ہوتے ہیں؟ یہ ظلال کی سیاہی خفا اور ظلمت کی طرف اشارہ کر رہی ہے اور یہ ظلمت ظلال اور اشعثاں جن کے وہ ظلال ہیں کے درمیان بعد مناسبت کی وجہ سے ہے۔ اگرچہ ایک شخص سفید ہو سایہ اُس کا بھی سیاہی کے مشابہ ہوگا۔ کیا تو پہاڑوں کو نہیں دیکھتا جب ناظر کی بصر سے بعید ہو جاتے ہیں تو سیاہ ظاہر ہوتے ہیں اور تحقیق حقیقت میں وہ پہاڑ کسی اور رنگ کے ہوتے ہیں یعنی جو رنگ جس ظاہر نے ادراک کیا ہے اُن کا اصل رنگ اُس رنگ کے سوا ہوتا ہے اور اصل رنگ سے کوئی اور رنگ دکھائی دینا بعد مسافت کی وجہ سے ہے۔ مراد یہ ہے کہ چونکہ حقیقتی کی ذات اپنے ہر اہانت ذاتی کے مقام سے بالترتیب مراتب ہستہ احدیت سے وحدت، وحدیت، عالم ارواح، عالم مثال اور عالم اجسام تنزل فرما کر عالم کی صورت پر جلوہ نما ہوئی ہے اس لئے اب یہ عالم ظاہرین کی نظر میں غیر حق دکھائی دیتا ہے کیونکہ مرتبہ احدیت ذاتیہ اور عالم میں بعد مسافت اور بعد مشابہت ہے۔ اب عارف کامل اپنی بصیرت سے مشاہدہ کرتا ہے کہ عالم غیر حق نہیں بلکہ عین حق ہے اور اس طرح آسمان کا نیلگوں دکھائی دینا بعد مسافت کی وجہ سے ہے حالانکہ آسمان کا ذاتی رنگ کبود نہیں ہے۔ پس اجسام غیر نورانی میں رنگوں میں اصل رنگ سے جس ظاہر میں مختلف دکھائی دینا بعد مسافت کا نتیجہ ہے۔ اور اسی طرح ممکنات کے اعیان ثابتہ نورانی نہیں ہیں کیونکہ وہ معدوم ہیں یعنی اگرچہ حضرت علم میں ثابت ہیں لیکن وجود کے ساتھ متصف نہیں ہیں پس وہ بلحاظ ظہور کے معدوم ہیں اور بلحاظ علم کے ثابت اور موجود ہیں۔ چونکہ

وجود یعنی ظہور خارجی ایک نور ہے اور اعیان ثابتہ بلحاظ ظہور کے عدم ہیں لہذا وہ نورانی نہیں ہیں۔ سابق میں اجسام غیر نورانی کا ذکر تھا کہ بعد مسافت کی وجہ سے جس ظاہر میں ان کا رنگ اصل رنگ سے مختلف دکھائی دیتا ہے۔ اب اجسام نورانی پر بعد مسافت کا یہ اثر پڑتا ہے کہ وہ جس ظاہر میں اصل حجم سے صغیرہ حجم والے دکھائی دیتے ہیں۔ پس بعد مسافت کی اجسام پر یہ دوسری تاثیر ہے۔ جس بصرہ ان نورانی اجسام کو ایک چھوٹے سے حجم والی اشیاء دیکھتی ہے حالانکہ حقیقت میں یہ اجسام مذکورہ اُس مرتبہ مقدار سے بہت زیادہ اور بڑے ہوتے ہیں جیسے کہ دلیل سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ تحقیق سورج جسامت میں زمین سے $\frac{1}{166}$ دفعہ بڑا ہے حالانکہ جس بصرہ میں سورج اندازاً ایک ڈھال کی جسامت کے مطابق ہے پس یہ بھی اثر بعد مسافت کا ہے۔

اور عالم سے معرفت الہی اُسی قدر حاصل ہوتی ہے جس قدر سایہ سے کالبد کی معرفت حاصل ہوتی ہے یعنی جیسا کہ سایہ کا وجود بغیر کالبد کے نہیں ہو سکتا ایسا ہی عالم کا وجود بغیر حق تعالیٰ کے نہیں ہو سکتا۔ سایہ کی حرکات سکناات سب کالبد کے ساتھ ہیں ایسا ہی اہل عالم کی حرکات سکناات یعنی صفات سب حق تعالیٰ کی صفات ہیں اور انسان حق تعالیٰ کی معرفت سے اُسی قدر جاہل رہتا ہے جس قدر کالبد کی معرفت سے جاہل رہتا ہے کالبد سے مراد وہ کالبد ہے جس کا وہ سایہ ہے۔ مراد یہ ہے کہ جیسا سایہ سے کالبد کی معرفت حاصل ہوتی ہے ویسے ہی عالم سے حق تعالیٰ کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔ اور جیسا کہ کسی کالبد کی کُنہ کی معرفت ناممکن ہے ایسا ہی حق تعالیٰ کی کُنہ کی معرفت ناممکن ہے۔ اور جیسا کہ سایہ یعنی کالبد کے ظہور اور صفات کی معرفت ممکن ہے ایسا ہی عالم یعنی حق تعالیٰ کے ظہور اور صفات کی معرفت ممکن ہے۔ مراد یہ ہے کہ ذات حق بلحاظ کُنہ کے غیر مدرك ہے اور بلحاظ صفات اور تجلیات ظہور وہ ذات مدرك ہے۔ پس اسی واسطے ہم کہتے ہیں کہ تحقیق حق تعالیٰ ہمارے لئے ایک وجہ سے معلوم ہے اور ایک وجہ سے مجہول ہے یعنی ایک وجہ سے مدرك ہے اور ایک وجہ سے غیر مدرك ہے۔ (اللّٰهُ تَرٰ اِلٰی رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ وَلَوْ شَاءَ لَجَعَلْنٰهُ سَاكِئًا) کیا تو نے اپنے رب کی طرف نہیں دیکھا کیسے اُس نے سایہ کو پھیلا یا ہے اور اگر چاہتا تو البتہ اُس کو ساکن کر دیتا۔ مراد یہ ہے کہ اگر حق تعالیٰ ممکنات کے اعیان ثابتہ پر متجلی ساتھ فیض مقدس کے نہ ہوتا تو ظل یعنی عالم کا وجود خارجی نہ ہوتا اور ظل یعنی عالم اللہ تعالیٰ کی ذات میں بالقوہ یعنی اعیان ثابتہ کی صورت میں پوشیدہ رہتا جیسا کہ ممکنات کے اعیان ثابتہ میں سے کئی ابھی مرتبہ علم میں ہی باقی ہیں اور اُن کو ابھی وجود کا لباس نہیں پہنایا گیا یعنی اُن کا ابھی ظہور نہیں ہوا۔ ممکنات کے اعیان ثابتہ لامتناہی ہیں اس لئے اُن کا ظہور عالم میں بتدریج ہو رہا ہے لہذا

حق تعالیٰ ہی ظاہر ہوا ہے۔ پس باعتبار ہوتِ حق عالم حق تعالیٰ کا وجود ہے اور اس اعتبار سے کہ عالم میں مختلف
 صورتیں پائی جاتی ہیں عالم ممکنات کے اعیان ہے۔ اور جیسا کہ بسبب مختلف صورتوں کے اُس سے اسم
 ظِلّ کا زائل نہیں ہوتا ایسے ہی بسبب مختلف صورتوں کے اُس سے اسم عالم یا اسم ماسوا اللہ زائل نہیں
 ہوتا ہے۔ پس باعتبار اس امر کے کہ عالم حق تعالیٰ کا ایک ظِلّ ہے وہ ظِلّ عین حق ہے کیونکہ تحقیق وہ ظِلّ واحد
 اور احد ہے اور باعتبار اس امر کے کہ اُس ظِلّ میں صورتوں کی کثرت ہے اُس ظِلّ کا نام عالم ہے۔ یعنی عرش
 سے لیکر تحت الثریٰ تک جملہ عالم کو ایک ظِلّ یا ایک نور کا شعہ یا ایک وجود تصور کیا جائے تو عالم حق ہے اور
 ممکنات کی صورتوں کی کثرت پر نظر رکھی جائے تو عالم عالم ہے۔ پس اے طالب! جو کچھ میں نے تیرے لئے
 واضح کیا ہے تو دانائی اختیار کر اور اس کو متحقق جان یعنی اس کو حق سمجھ اور حق جان اور اس میں ذرہ بھر شک
 نہ کر۔ اور جب عالم کا حال ایسا ہے جیسا کہ میں نے تیرے لئے بیان کیا ہے تو عالم ایک وہی وجود ہے۔
 اُس کے لئے حقیقی وجود کوئی نہیں اور یہی خیال کا معنی ہے یعنی تجھے خیال اور وہم ہو گیا ہے کہ تحقیق عالم وجود
 حق کے اسادہ ایک زائد شے ہے، اپنی ذات کیساتھ خود قائم ہے یعنی وجود کیلئے کسی کا محتاج نہیں اور اسکا
 وجود اپنا ذاتی علیحدہ مستقل وجود ہے۔ ذات حق تعالیٰ کے سوا ہے۔ اور حقیقت میں ایسا نہیں ہے۔ کیا تو ظاہر حق
 باصرہ میں ظِلّ کو اُس شخص کے ساتھ متصل نہیں دیکھتا ہے جس سے وہ پھیلا ہوا ہے۔ ظِلّ کیلئے محال ہے کہ
 اُس اتصال سے انفکاک حاصل کرے یعنی ظِلّ کیلئے یہ ممکن نہیں کہ جس شخص کا وہ ظِلّ ہے اُس شخص سے
 جدا ہو سکے کیونکہ تحقیق ایک شے کا اپنی ذات سے جدا ہونا محال ہے۔ مراد یہ ہے کہ عالم حق سے جدا نہیں ہو
 سکتا کیونکہ عالم ظِلّ حق ہے بلکہ عین ذات حق ہے۔ پس اے طالب! پہچان تو اپنی ذات کو اور کون ہے تو
 اور کیا ہے ہوتیت یعنی حقیقت تیری اور کیا ہے تیری نسبت حق تعالیٰ کی طرف اور کس وجہ سے تو حق ہے اور
 کس وجہ سے تو عالم ہے؟ اور پہچان تو بسوی وغیر حق کو اور اُس چیز کو جو ان الفاظ کیساتھ مشابہ ہے اور اس علم
 حقیقت میں بعض علماء بعض پر فضیلت رکھتے ہیں۔ بعض عالم ہیں اور بعض عالم تر۔ انسان کی ذات عین اللہ
 تعالیٰ کی ذات ہے۔ اس کا ظاہر عالم کے حقائق کو شامل ہے اور باطن حقائق ربوبیت کو شامل ہے۔ ماسوا حق
 وغیر حق ایسے الفاظ اور اسم ہیں جنکا مسمیٰ ناپید ہے یعنی مبہل الفاظ ہیں۔ ماسوا حق وغیر حق کا وجود ہی نہیں
 کجا غیر کو غیر کو نقش غیر ۛ بسوی اللہ واللہ مافی اللہ وجودہ

اگرچہ ہر انسان اللہ تعالیٰ کا ظِلّ ہے لیکن کوئی ظِلّ چھوٹا ہے اور کوئی بڑا ہے کوئی صاف ہے اور کوئی

صاف تر ہے۔ یعنی ہر انسان میں صفات کاملہ الہیہ کا ظہور مختلف ہے کیونکہ ہر انسان کو اللہ تعالیٰ نے ایک خاص استعداد عطا کی ہے جو دوسرے کو نصیب نہیں۔ اس کی مثال ایسے ہے۔ جیسے نور یعنی وجودِ ارض و سموات کا رنگ اس رنگ کیساتھ رنگین ہو جاتا ہے جس رنگ کی عینک ایک ناظر اپنی آنکھ پر چڑھا لیتا ہے۔ اگر ناظر سبز رنگ کی عینک چڑھا لیتا ہے تو اس کو سارا عالم سبز نظر آتا ہے اور اگر وہ ہی ناظر سرخ رنگ کی عینک آنکھوں پر چڑھا لیتا ہے تو سارا عالم اس کو سرخ نظر آتا ہے۔ اب اگر یہ ناظر ایک ہی ہے لیکن بوجہ مختلف رنگین عینکوں کے وہ عالم کو مختلف رنگوں میں دیکھتا ہے۔ ایسے ہی اگرچہ ذات حق واحد ہے لیکن اس کا ظہور ہر ظل میں یعنی ہر انسان میں استعدادات کے رنگ مختلف ہونے کی وجہ سے مختلف ہے۔ اب ناظر عینکوں کی رنگت کی وجہ سے نور یعنی عالم کو رنگین دیکھتا ہے اگرچہ نفس الامر میں عالم کا کوئی رنگ نہیں مراد یہ ہے کہ ہر انسان کا عالم کے متعلق نظارہ اس کی استعداد یعنی معرفت حق کے مطابق ہے۔ جس انسان کے دل پر جہل کی عینک چڑھی ہوئی ہے وہ عالم کو غیر حق دیکھتا ہے اور جس کے دل پر عرفان کی عینک چڑھی ہوئی ہے وہ عالم کو عین نور حق و ذات حق دیکھتا ہے۔ پس اگر تو بہ سبب سبز عینک کے اس نور یعنی عالم کو سبز کہے تو تو نے سچ کہا اور تیرا گواہ حق بصر ہے اور اگر تو بہ سبب اس حکم کے جو تجھے دلیل نے عطا کیا ہے کہے کہ تحقیق وہ نور یعنی عالم سبز نہیں ہے بلکہ اس کا کوئی رنگ نہیں تو تو نے سچ کہا اور تیرا گواہ صحیح عقلی نظر ہے۔ یہ صحیح عقلی نظر ایک نور ہے جو ظل کی طرف سے ممتد ہے یعنی انسان کے دل میں اللہ تعالیٰ ایک نور عطا کر دیتا ہے۔ نور سے مراد فہم اور ادراک ہے جو مجملہ عالم پر پھیلا ہوا ہے یعنی عارف کامل کا ادراک مجملہ عالم پر محیط ہے۔ وہ نور ہی عینک ہے جس سے عارف کامل عالم کو عین نور ذات دیکھتا ہے۔ پس وہ ظل یعنی انسان بوجہ اپنی صفائی کے نوری ہے۔ مراد یہ ہے کہ جب عارف کامل کا دل ذات حق کے نور سے منور ہو جاتا ہے تو اس کا جسم بھی لطیف ہو جاتا ہے اور وہ روحانی و ربانی ہو جاتا ہے۔ ایسا ہی حال اس بندے کا ہے جو ہم میں سے حق تعالیٰ کے ساتھ متحقق ہے کہ اس میں حق تعالیٰ کی صورت زیادہ روشن ہو کہ ظاہر ہوتی ہے بہ نسبت اس صورت کے جو اس بندے کے غیر میں ظاہر ہوتی ہے۔ حق تعالیٰ کی صورت سے مراد اس کی صفات ہیں۔ یعنی ذات حق تو ہر بندے کو یکساں نصیب ہے لیکن صفات کاملہ الہیہ کا ظہور ہر بندے میں اس کی استعداد کے مطابق ہوتا ہے اور عارف کے قلب میں صفات الہیہ کا ظہور بہ نسبت غیر عارف کے زیادہ ہوتا ہے۔ پس ہم عارفین میں سے بعض وہ عارف ہیں جس کی سمع و بصر بلکہ جمیع قوتیں اداس کے اعضاء حق تعالیٰ ہو جاتا ہے اور اس حقیقت پر

احادیث قدسی شاہد ہیں۔ انسان کامل عبد اور رب کے درمیان برزخ جامع ہے۔ اس برزخ انسانی میں عبد ترقی کر کے صفات ربوبیت سے متصف ہو جاتا ہے اور رب تنزل کر کے صفات عبودیت سے متصف ہو جاتا ہے۔ اگرچہ ہر عارف میں صفات کاملہ الہیہ کا ظہور ہوتا ہے لیکن یہ ظہور ہر عارف کی استعداد کے مطابق ہوتا ہے ذات حق کیلئے مراتب نامہ سرکار دو عالم جناب محمد پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم آسمان ولایت کے شمس ہیں۔ آپ کے بعد دوسرے نمبر پر حضرت غوث اعظم پاک جناب شیخ سید عبدالقادر جیلانی ہیں رضی اللہ عنہ اور حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ آسمان ولایت کے قمر ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ (جملہ سابقہ انبیاء و جملہ اولیائے متقدمین و متاخرین) رضی اللہ عنہم آسمان ولایت کے ستارے ہیں۔ اگرچہ بندہ ذات حق میں محو اور مستغرق ہو کر فانی فی اللہ اور باقی باللہ ہو جاتا ہے لیکن پھر بھی ظل کا عین یعنی بندے کی ذات اور حقیقت موجود ہے کیونکہ تحقیق حدیث شریف میں سمع و بصر وغیرہ کی ضمیر بندے ہی کی طرف عود کرتی ہے۔ عارف کامل کے سوا کسی بندہ کی یہ شان نہیں ہے یعنی عارف کامل کے سوا کسی بندہ میں صفات الہیہ کا ظہور کاملہ نہیں ہوتا۔ سرکار دو عالم جناب محمد پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت کی مثال بحر مواج کی سی ہے۔ جملہ انبیاء و اولیاء علیہم السلام اُس بحر کی انہار اور حیرا اول ہیں اور باقی آدمی اُس سمندر کے قطرات ہیں۔ پس اس عارف کامل کی وجود حق کی طرف نسبت بہ نسبت دوسرے بندوں کے سخت قریب ہے۔ اور جب عالم کی حقیقت اور حال ایسے ہے جیسے کہ ہم نے اُس کے متعلق تقریر کی ہے تو اُسے طالب پس جان تو کہ تحقیق تو خیال ہے یعنی تیرا وجود ایک خیال اور وہم ہے۔ یہ تیرا وجود تیرا نہیں ہے بلکہ یہ ذات حق کا وجود ہے اور ہر وہ چیز جسکو تو غیر حق کہتا ہے اور اُس میں سے جو کچھ تو ادراک کرتا ہے خیال ہے۔ یعنی جس کو تو ماسوا اللہ یا غیر حق کہتا ہے وہ تیرا ہی ایک وہم اور تیرا ہی ایک خیال ہے ورنہ حقیقت میں غیر حق کا وجود ہی نہیں اور جس کو تو غیر حق کہتا ہے وہ عین حق ہے۔ لہذا وجود کوئی یعنی عالم سارے کا سارا خیال در خیال ہے۔ اس کا اپنا ذاتی علیحدہ مستقل وجود کوئی نہیں۔ یہ تیرا خیال ہے کہ عالم بذاتہ موجود ہے۔ تیرے اس خیال پر حقیقت شاہد نہیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام کو بھی یہی وہم تھا کہ عالم کا وجود ذاتی مستقل اور ذات حق سے ایک علیحدہ وجود ہے۔

اور وجود جو ثابت متحقق بذاتہ ہے سوائے اس کے نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ ہے۔ اور اللہ تعالیٰ سے یہاں مراد خاص طور پر اللہ باعتبار اپنی ذات اور حقیقت ہے نہ باعتبار اپنے اسماء کے کیونکہ اُس کے اسماء کے دو معنی ہیں۔ ایک معنی تو یہ ہے کہ جملہ اسماء الہیہ حقیقت کے اعتبار سے ایک ہیں اور اس اعتبار سے اسم عین ذات ہے

دوسرا معنی وہ خاص صفت ہے جس پر وہ اسماء دلالت کرتے ہیں اور ان صفات کے سبب وہ اسماء ایک دوسرے سے جدا اور متمیز ہوتے ہیں۔ پس کہاں ہے اسم غفور اسم منتقم سے اور کہاں ہے اسم ظاہر اسم باطن سے اور کہاں ہے اسم اول اسم آخر سے۔ پس تحقیق تیرے لئے یہ امر ظاہر ہو گیا کہ تحقیق کس وجہ سے ہر ایک اسم ایک دوسرے کا عین ہے اور کس وجہ سے ہر ایک اسم ایک دوسرے کا غیر ہے۔ جس چیز کے سبب ایک اسم دوسرے اسم کا عین ہے وہ حق تعالیٰ ہے یعنی حق تعالیٰ کی ذات ہے اور جس چیز کے سبب ایک اسم دوسرے اسم کا غیر ہے وہ حق متخیل اور موبہوم ہے جس کے بیان کے ہم درپے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ عالم کی ہر شے اور ہر فرد کسی خاص ایک اسم کا مظہر ہے لہذا اسم اللہ کا اطلاق اُس پر نہیں ہو سکتا کیونکہ اسم اللہ سے مراد وہ وجود حق ہے جو جامع جمیع اسماء و صفات ہے۔ اس لحاظ سے عالم پر اسم اللہ کا اطلاق نہیں ہو سکتا بلکہ اسم اللہ کا اطلاق انسان کامل پر ہوتا ہے جو جامع جمیع اسماء و صفات ہے اور کاملوں کے سردار سرکار دو عالم جناب محمد پاک ہیں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ پس ایک اسم دوسرے اسم کا عین بوجہ ذات کے ہے کیونکہ ہر اسم کی ذات اللہ تعالیٰ ہے اور ایک اسم دوسرے کا غیر بوجہ صفات کے ہے کیونکہ ہر اسم کی ایک خاص صفت ہے جو دوسرے اسم میں نہیں پائی جاتی۔ صفت کو حق متخیل اس لئے کہا گیا ہے کہ حق متخیل سے مراد عالم شہادت ہے اور عالم کی ہر شے اور ہر فرد ایک خاص صفت کا مظہر ہے۔ تو اس حق متخیل میں صفات الہیہ کا ظہور ہے لیکن سوائے انسان کامل کے کوئی چیز ذات حق کیلئے مرآتِ تامہ نہیں ہے۔

پس پاک ہے وہ ذات جس کے وجود پر سوائے اُس کی ذات کے کوئی دلیل نہیں ہے اور اُس کا وجود بغیر اُس کی ذات کے ثابت نہیں ہوتا۔ مراد یہ ہے کہ چونکہ ذات حق کے بغیر کسی چیز کا وجود ہی نہیں اس لئے اب دلیل اُس پر کون بنے اور ثابت اُس کو کون کرے۔ اگرچہ سرکار دو عالم جناب محمد پاک صلی اللہ علیہ وسلم ذات حق پر دلیل ہیں کیونکہ جمیع صفات کاملہ الہیہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں پائی جاتی ہیں، لیکن ذات محمد ذات حق ہے اور ذات حق ذات محمد صلی اللہ علیہ وسلم پس وہ اپنی ذات پر آپ ہی دلیل ہے۔ اور نہیں ہے کوئی چیز کون میں مگر اُس پر احدیت دلالت کرتی ہے۔ یعنی عالم کی ہر شے پر ذات حق دلالت کرتی ہے مراد یہ ہے کہ ہر شے کی ذات اور حقیقت احدیت ذاتیہ ہے۔ ذات حق مرتبہ احدیت ذاتیہ سے تنزل فرما کر اعیان خارجیہ کی صورت پر جلوہ نما ہے۔ سیاہی دوات میں سے ظاہر ہو کر الفاظ کی صورت پر جلوہ نما ہے۔ اب کتاب میں کوئی ایسا لفظ نہیں جس پر دوات والی سیاہی دلالت نہ کرتی ہو۔ ہر لفظ کی ذات سیاہی ہے۔ اور نہیں

ہے خیال میں کوئی چیز مگر اُس پر کثرت دلالت کرتی ہے یعنی یہ عالم کی کثرت جو تجھے نظر آرہی ہے یہ تیرا خیال ہے اور وہم ہے ورنہ اس کثرت کے پردے میں وہی احدیت ذاتیہ جلوہ نما ہے۔ مراد یہ ہے کہ احدیت کا وجود ذاتی حقیقی ہے اور کثرت کا وجود خیالی ہے۔ درخت نیچ کا ظہور ہے اور پیشتر از ظہور درخت نیچ میں بالقوہ موجود تھا۔ نیچ مرتبہ احدیت ذاتیہ ہے اور درخت کثرت ذات ہے۔ اب درخت کی کثرت تیرا خیال اور وہم ہے ورنہ عارف کی نگاہ میں وہ نیچ درخت کی صورت پر جلوہ نما ہے لہذا نیچ عین درخت ہے اور درخت عین نیچ۔ پس جو شخص کثرت پر ٹھہر گیا وہ عالم اور اسماء الہیہ اور اسماء عالم کیساتھ ہوگا۔ مراد یہ ہے کہ اس کثرت عالم میں غور و خوض کیا جائے تو یہ عالم اسماء الہی اور اسماء کوئی کا ظہور ہے۔ اسماء الہی اور اسماء کوئی مراد بات ہیں اسمائے الہی کئی اٹھائیس ہیں اور اسمائے کوئی بھی اٹھائیس ہیں۔ اسمائے جزئی الہی یا کوئی حصر سے خارج ہیں۔ اسمائے الہی سے مراد حقائق الہیہ اور اسمائے کوئی سے مراد حقائق کونیہ ہے۔ حضرت انسان کامل حقائق الہیہ اور کونیہ کا جامع ہے۔ مرتبہ احدیت میں اسماء و صفات بالقوہ موجود ہیں۔ مرتبہ واحدیت میں اسمائے الہی و اسمائے کوئی تفصیلاً علم میں موجود ہیں۔ عالم میں اسمائے الہی و اسمائے کوئی خارج میں ظاہر موجود ہیں۔ اور جو احدیت کیساتھ ٹھہر گیا وہ حق تعالیٰ کے ساتھ باعتبار اُس کی ذات کے ہوگا۔ اُس کی ذات اور حقیقت عالمین سے غنی اور بے پرواہ ہے۔ اور جو احدیت کیساتھ ٹھہر گیا وہ حق تعالیٰ کے ساتھ باعتبار اُس کی صورت کے نہ ہوگا۔ مراد یہ ہے کہ مرتبہ احدیت میں اگر غور و خوض کیا جائے تو احدیت سے مراد ذات بحت یا کُنہ ذات حق ہے۔ اس مرتبہ میں عالمین کا کوئی دخل نہیں۔ یہ بطون و دربطون مرتبہ ہے۔ اس میں اسماء و صفات بالقوہ موجود ہیں لیکن اُن کا ظہور نہیں۔ حق تعالیٰ کی صورت سے مراد اُس کے اسماء و صفات ہے۔ اس مرتبہ میں اسماء و صفات کا کوئی ظہور نہیں، نہ علمی نہ خارجی۔ اس مرتبہ میں محض ذات ہی ذات ہے۔ اور جب مرتبہ احدیت ذاتیہ میں حق تعالیٰ کی ذات غنی عن العالمین ہے تو اس سے مراد یہ ہے کہ ذات حق اس مرتبہ میں اسماء کی اُس کی طرف نسبت کئے جانے سے غنی اور بے نیاز ہے۔ یہ مرتبہ سقوط الاصافات ہے۔ اس مرتبہ میں اسماء الہیہ و کونیہ ذات حق میں مضحل ہیں اور ذات حق میں بالقوہ موجود ہیں جیسا کہ درخت نیچ میں بالقوہ موجود ہوتا ہے۔ اسماء اگرچہ ذات حق پر بھی دلالت کرتے ہیں لیکن اسمائے سمیات پر بھی دلالت کرتے ہیں کیونکہ اسماء کا اثر سمیات کو ثابت کرتا ہے پس مرتبہ احدیت ذات حق کی کُنہ ہے۔ صرافت ذاتی اورستی سازج کا مرتبہ ہے۔ بطون و دربطون مرتبہ ہے۔ اس میں اسماء و صفات کا مطلق ظہور نہیں۔ اس مرتبہ کی مثال ایک عالم کی نوم ہے۔ جب عالم

سورہ ہوتا ہے اگرچہ اُس حالت میں بھی اُس کے سینہ میں بیشمار علوم ہیں لیکن اُس حالت میں اُس کو اپنے علوم کا شعور نہیں اور اپنے علوم سے غنی اور بے پرواہ ہے۔

(قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ) اے حبیب پاک صلی اللہ علیک وسلم! فرمادیجئے کہ وہ اللہ ایک ہی ہے یعنی اللہ تعالیٰ باعتبار ذات اور حقیقت اور کُنہ اپنی کے ایک ہی ہے۔ اس مرتبہ احدیت میں کسی دوسری چیز کا دخل تک نہیں، نہ عقل نہ فکر نہ ادراک نہ اسماء و صفات۔ (اللَّهُ الصَّمَدُ) اللہ بے نیاز ہے یعنی وہ وجود کے لئے کسی کا محتاج نہیں اور ہم وجود کیلئے اُس کے محتاج ہیں۔ (لَمْ يَلِدْ) اُس نے نہیں جنا۔ یعنی باعتبار اپنی کُنہ اور حقیقت کے اُس نے نہیں جنا۔ وہ ایک ہے اُس نے دوسرا نہیں جنا۔ (وَلَمْ يُولَدْ) اور نہیں جنایا گیا وہ یعنی وہ ایسا احد ہے کہ اُس کے بغیر کسی دوسرے کا وجود ہی نہیں جس سے وہ جنایا ہوتا۔ یہ بھی باعتبار ذات اور کُنہ کے ہے۔ (وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ) اور اُس کے واسطے کوئی برابری کرنے والا نہیں ہے۔ یہ بھی باعتبار حقیقت کے ہے۔ جب اُس ذات کے سوا کسی چیز کا وجود ہی نہیں تو اُس کی برابری کون کرے۔ پس یہ سورہ اخلاص اُس کی نعت ہے۔ اس میں خالص باری تعالیٰ کی توحید کا بیان ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنے قول (قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ) کیساتھ اپنی ذات اور حقیقت کو جدا کر لیا ہے۔ یعنی سورہ اخلاص مرتبہ احدیت کا بیان ہے۔ اور یہ کثرت عالم بہ سبب اُن صفات حق کے ظہور میں آئی جو ہمارے نزدیک معلوم ہیں مرتبہ احدیت میں اسماء و صفات بالقوہ موجود ہیں لیکن اس مرتبہ میں اُن کا کوئی ظہور علمی یا عینی نہیں ہے۔ مرتبہ وحدت میں اسماء و صفات کا ظہور علمی اجمالی ہے۔ مرتبہ واحدیت میں اسماء و صفات کا ظہور علمی تفصیلی ہے۔ اسی لئے مرتبہ واحدیت کو احدیت الکثرت بھی کہتے ہیں۔ یہ تینوں مراتب حقیقی ہیں۔ عالم کے اعیان خارجہ کی صمدت پر اسماء و صفات کا ظہور عینی ہے۔ پس ہم جنتے ہیں اور جنائے جاتے ہیں اور ہم اُس کی طرف حاجتمند ہیں اور ہم میں سے بعض بعض کی برابری کرنے والے ہیں۔ اور یہ واحد ان نعوت سے منزہ ہے پس حقیقی ان صفات سے ایسے ہی غنی ہے جیسے وہ ہم سے غنی ہے۔ اور نہیں ہے حقیقی کیلئے کوئی نسب مگر یہ سورہ یعنی جس کا نام سورہ اخلاص ہے یعنی یہ سورہ خالص توحید باری تعالیٰ میں نازل ہوئی ہے۔ مراد یہ ہے کہ حقیقی کے مرتبہ احدیت ذاتیہ پر ایک ہی سورت نازل ہوئی ہے اور وہ یہی سورہ اخلاص ہے۔ سورہ اخلاص ہی واحد سورت ہے جس میں حقیقی کی کُنہ کے اوصاف بیان کئے گئے ہیں۔ پس اے طالبِ نور! اُس امر کو جان لے کہ اسم احد کا اطلاق ذات کے دو مراتب پر ہوتا ہے۔ ایک مرتبہ احدیت الکثرت کا ہے

یہ مرتبہ اللہ تعالیٰ کی احدیت باعتبار اسمائے الہیہ کے ہے جو ہم اہل عالم کو طلب کرتے ہیں۔ اس کو واحدیت بھی کہتے ہیں۔ اس میں اسماء الہیہ کا ظہور علمی تفصیلی ہے اور ان کو حقائق ممکنات یا اعیان ثابتہ بھی کہا جاتا ہے یہ اعیان ثابتہ عالم میں اپنا ظہور طلب کرتے ہیں اور ظہور کیلئے ممکنات کے اعیان خارجیہ کے محتاج ہیں۔ دوسرا مرتبہ احدیت ذاتیہ ہے۔ یہ مرتبہ اللہ تعالیٰ کی احدیت باعتبار غنا عن العالمین و غنا عن الاسماء ہے۔ یعنی مرتبہ احدیت ذاتیہ میں اسماء کا ظہور نہ علمی ہے نہ عینی ہے۔ اس مرتبہ میں حقیقی کی طرف کسی قسم کی کوئی اضافت ممکن نہیں۔ یہ مرتبہ تمام اضافات اور نسب سے منزہ ہے۔

اور حقیقی نے ظلال کو نہ پیدا کیا اور نہ گردانا ان کو سجدہ کرنے والا زمین پر اور پھر نے والا تیرے چپ و راست مگر یہ تیرے واسطے اوپر تیری معرفت و حقیقی کی معرفت دلائل ہیں تاکہ تو پہچانے کہ تو کون ہے اور تیری حقیقی کے ساتھ کیا نسبت ہے اور حقیقی کی تیرے ساتھ کیا نسبت ہے۔ جیسا کہ سایہ انسان کا ظل ہے ایسا ہی انسان اللہ تعالیٰ کا ظل ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات سے ظل مُتشَبِّہ ہوا اور انسان کا عین ثابتہ اللہ تعالیٰ کے علم میں ظہور پذیر ہوا۔ پس انسان کا عین ثابتہ اللہ تعالیٰ کا ظہور علمی ہے یا ظل علمی ہے۔ یہ فیض اقدس ہے۔ جب فیض مقدس سے حقیقی نے انسان کے عین ثابتہ یا ظل علمی پر تجلی فرمایا تو انسان کو وجود عینی ظاہری خارجی کا لباس پہنایا۔ اب انسان کا خارجی وجود اللہ تعالیٰ کا خارجی ظل ہے لہذا انسان اللہ تعالیٰ کا ظل ہے۔ اب انسان کا اللہ تعالیٰ نے ظل بنایا ہے تاکہ یہ جان لے کہ انسان اللہ تعالیٰ کا ظل ہے۔ اب سایہ زمین پر سجدہ کرتا ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ انسان کو چاہیے کہ اپنے رب کو سجدہ کرے۔ سایہ انسان کے چپ و راست پھرتا ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ انسان رب تعالیٰ کا مطیع ہو کر رہے۔ سایہ کا وجود انسان سے پیدا ہوا ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ انسان کا وجود اللہ تعالیٰ سے پیدا ہوا ہے۔ سایہ کا وجود بغیر انسان کے نہیں ہو سکتا ایسے ہی انسان کا وجود بغیر اللہ تعالیٰ کے نہیں ہو سکتا۔ سایہ کی حرکات سکنت انسان کی حرکات سکنت ہیں ایسے ہی انسان کی حرکات سکنت یعنی افعال سب اللہ تعالیٰ کے افعال ہیں نیز سایہ کا وجود ذاتی نہیں بلکہ وجود کیلئے سایہ انسان کا محتاج ہے ایسے ہی انسان وجود کیلئے اللہ تعالیٰ کا محتاج ہے۔ لہذا ثابت ہوا کہ انسان محض مجبور مامور اور معذور ہے اور ہر امر میں اللہ تعالیٰ کا محتاج ہے۔ اور اے طالب! انسان اور ظل کی نسبت میں تو اس قدر غور کر کہ تو جان لے کہ کہاں سے اور کس حقیقت الہیہ سے ماسوا حق ساتھ احتیاج گلی طرف اللہ تعالیٰ کے متصف ہوا۔ ماسوا حق وجود اور ظہور کیلئے اسمائے الہیہ کا محتاج ہے۔ اسمائے الہیہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے محتاج ہیں پس ماسوا حق

وجود کیلئے اللہ تعالیٰ کی ذات کا کُلّی محتاج ہے۔ نیز توجان لے کہ کہاں سے اور کس حقیقت الہیہ سے ماسوا حق ساتھ
احتیاج نبی جو بہ سبب احتیاج بعض کے طرف بعض کے حاصل ہو متصف ہوا۔ احتیاج وصفی جو بعض کو طرف بعض کے
حاصل ہے، سے مراد یہ ہے کہ ایک شخص اور دوسرے شخص ب سے زیادہ عالم ہے۔ اب ب علم حاصل کرنے کی
خاطر کا محتاج ہے۔ ایسے ہی ہر شخص کسی نہ کسی فن یا علم کی خاطر دوسرے کا محتاج ہے پس ماسوا حق یا مخلوق
میں سے کوئی غنی نہیں۔ لہذا ماسوا حق فقر نسبی کیساتھ متصف ہے یعنی ہر انسان کسی دوسرے انسان کا کسی نہ
کسی وجہ سے محتاج ہے خواہ وہ نبی ہو خواہ بادشاہ ہو۔ مثال کے طور پر ایک نبی کو یا ایک بادشاہ کو بھی حجام کی
یا درزی کی یا کسی ڈاکٹر کی ضرورت پڑ جاتی ہے لہذا ماسوا حق کو نسبی فقر یعنی ذاتی فقر حاصل ہے۔ اب سوال
یہ ہے کہ جب ہر انسان اللہ تعالیٰ کا بطل ہے تو پھر ایک دوسرے کا محتاج کیوں ہے۔ جواب یہ ہے کہ انسانوں
کی استعدادات مختلف ہیں اور ہر انسان میں صفات الہیہ کا ظہور ہر انسان کی استعداد کی مطابقت ہے۔ آپ ایک
صفت علم کو لیجئے جس کی استعداد ناقص ہے وہاں ظہور بھی ناقص ہوگا اور جس کی استعداد کامل ہے وہاں
ظہور بھی کامل ہوگا۔ اب علم حاصل کرنے کی خاطر ناقص کامل کا محتاج ہوگا۔ نیز توجان لے کہ کہاں سے اور کس
حقیقت سے حق تعالیٰ ساتھ غنا عن الناس وغنا عن العالمین متصف ہوا۔ مرتبہ احدیت ذاتیہ میں حق تعالیٰ جمیع انسانوں
اور جمیع عوالم سے بے نیاز ہے۔ اور توجان لے کہ عالم کس طرح غنا کیساتھ متصف ہوا یعنی بعض بعض سے ایک
وجہ سے غنی ہے حالانکہ اُسی وجہ سے وہ دوسرے کا محتاج ہے۔ مثال کے طور پر ا علم میں ب سے غنی ہے
حالانکہ ج علم میں ا سے غنی ہے۔ اب ب سے غنی ہے لیکن ج کا محتاج ہے۔ ہر حال عالم حق تعالیٰ کی طرف
احتیاج رکھتا ہے۔ اور وجہ فقر اور احتیاج عبودیت اور ظلیت ہے۔ عالم کے افتقار کی وجہ اسباب ہے اور
بلا شک یہ عالم کا افتقار ذاتی ہے۔ حق تعالیٰ اسباب کا محتاج نہیں اور عالم اسباب کا محتاج ہے۔ عالم کے لئے
سب سے بڑا سبب حق تعالیٰ ہے کیونکہ عالم اسمائے الہیہ کا محتاج ہے۔ بغیر اسمائے الہیہ کے اس کا ظہور اور
وجود ناممکن ہے لہذا عالم کا وجود بغیر حق تعالیٰ کے ناممکن ہے پس عالم اپنے وجود کیلئے اللہ تعالیٰ کی طرف محتاج
ہے جیسے ظل اپنے وجود کے لئے انسان کا محتاج ہے۔ اسمائے الہیہ میں سے ہر ایک اسم الیسا ہے کہ عالم اُس
کی طرف محتاج ہے خواہ وہ اسم اسمائے الہیہ سے ہو یا اسمائے کوئیہ سے۔ پس وہ اسم اللہ تعالیٰ کا عین ہے نہ
کہ اُس کا غیر۔ مرتبہ واحدیت یا احدیت اکثریت کو مرتبہ حضرتین بھی کہا جاتا ہے کیونکہ اس میں دونوں حضرات
وجوب اور امکان پائے جاتے ہیں۔ اسمائے الہی و جوب کو شامل ہیں اور اسمائے کوئی امکان کو شامل ہیں اور

مرتبہ واحدیت مراتب حتی میں سے ہے۔ اسمائے الہی اور اسمائے کوئی کا ظہور خارج میں عالم ہی میں ہوگا کیونکہ مرتبہ واحدیت میں ان اسماء کا ظہور علمی ہے لہذا عالم ظہور اور وجود کی خاطر اسماء الہیہ کا محتاج ہے اور اسماء عین اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ اور اسی واسطے ارشاد ہوا (يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ إِلَى اللَّهِ وَاللَّهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ) اے لوگو! تم اللہ تعالیٰ کی طرف محتاج ہو اور اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے اور تعریف کیا گیا ہے۔ اور معلوم ہے کہ تحقیق ہم میں سے بعض کو بعض کی طرف احتیاج ہے پس یہی ہمارا احتیاج بعض کی طرف اللہ تعالیٰ کی طرف احتیاج ہے کیونکہ ہمارے اسماء جن کے ہم مظاہر اور مربوب ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے اسماء ہیں اور بلا شک ہمارے اسماء اُس کی ذات کے محتاج ہیں۔ اور ہمارے اعیان ثابتہ حقیقت میں حقتعالیٰ کا ظل ہیں نہ کہ اُس کا غیر پس حقتعالیٰ ہماری حقیقت ہے اور ایک وجہ سے ہماری حقیقت نہیں ہے۔ مرتبہ واحدیت میں حقتعالیٰ کا ظہور علمی تفصیلی ہے اور ہمارے اعیان ثابتہ اس مرتبہ علمی میں ثابت اور مندرج ہیں۔ پس ہمارے اعیان ثابتہ کی صورت پر حقتعالیٰ ہی کا ظہور ہے کیونکہ ہمارے اعیان ثابتہ اُسی ذات کا ظل ہیں۔ لہذا اس اعتبار سے کہ ہمارے اعیان ثابتہ کی حقیقت وہی حقتعالیٰ ہے وہ ہماری ہوت ہے لیکن اس اعتبار سے کہ کابد میں جو کمال پایا جاتا ہے وہ ظل میں نہیں پایا جاتا یعنی صفات کاملہ الہیہ اب خلق میں نہیں پائے جاتے وہ ہماری ہوت نہیں ہے۔ اگر اعیان سے مراد اعیان خارجہ لی جائے تو بھی درست ہے کیونکہ ہمارے اعیان خارجہ بھی حقتعالیٰ کا ظل ہیں۔ فَهُوَ هُوَ يَتَنَا لَا هُوَ يَتَنَا پس وہ ذات ایک اعتبار سے ہماری حقیقت ہے اور ایک اعتبار سے ہماری حقیقت نہیں۔ حق خلق کی صورت پر جلوہ نما ہو سکتا ہے خلق حق کی صورت پر جلوہ نما نہیں ہو سکتی۔ جبرئیل علیہ السلام وحیہ کلبی کی صورت پر آ سکتا ہے لیکن وحیہ کلبی رضی اللہ عنہ جبرئیل کی صورت پر نہیں آ سکتا۔ لہذا اس اعتبار سے کہ حق انسان کی صورت پر جلوہ نما ہے حق انسان کی حقیقت ہے لیکن اس اعتبار سے کہ صفات حقیقیہ کما حقہ انسان میں نہیں پائے جاتے حق انسان کی حقیقت نہیں ہے۔ پس اے طالب! ہم نے تیرے لئے معرفت کا ایک راستہ آراستہ کر دیا ہے۔ تو اس کو اچھی طرح دیکھ۔ واضح ہو کہ یہ امر ”حق خلق ہے اور خلق حق نہیں“ عام انسانوں پر عائد ہوتا ہے۔ ہر کارِ دو عالم جناب محمد پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سے مستثنیٰ ہیں۔ حق محمد ہے اور محمد حق ہیں صلی اللہ علیہ وسلم يَقُولُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ رَأَى فَقَدْ سَأَى الْحَقَّ۔ اور اللہ تعالیٰ حق فرماتا ہے اور وہی سیدھی راہ بتاتا ہے۔

فَصُّ حِكْمَةٍ أَحَدِيَّةٍ فِي كَلِمَةٍ هُودِيَّةٍ

إِنَّ لِلَّهِ الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ۖ ظَاهِرٌ غَيْرُ خَفِيٍّ فِي الْعُمُومِ
فِي كَبِيرٍ وَصَغِيرٍ عَيْنُهُ ۖ وَجَهْلٌ بِأُمُورٍ وَعِلْمٌ
وَلِهَذَا وَسِعَتْ رَحْمَتُهُ ۖ كُلَّ شَيْءٍ مِنْ حَقِيرٍ وَعَظِيمٍ

(مَا مِنْ دَابَّةٍ إِلَّا هُوَ آخِذٌ بِنَاصِيَتِهَا إِنَّ رَبِّي عَلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ) فَكُلُّ مَا شِئَ عَلَى صِرَاطِ الرَّبِّ
الْمُسْتَقِيمِ فَهُوَ غَيْرُ مَغْضُوبٍ عَلَيْهِمْ مِنْ هَذَا الْوَجْهِ وَلَا خِلَافٍ وَكَمَا كَانَ الصَّلَاةُ عَارِضًا كَذَلِكَ
الْغَضَبُ إِلَّا لِلَّهِ عَارِضٌ وَالْمَالُ إِلَى الرَّحْمَةِ الَّتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ وَهِيَ السَّابِقَةُ وَكُلُّ مَا سَوَى
الْحَقِّ دَابَّةٌ فَإِنَّهُ ذُو رُوحٍ وَمَا تَنَبَّهَ مِنْ يَدٍ بِنَفْسِهِ وَإِنَّمَا يَدُ بَعْضِهِ فَهُوَ يَدُ بَعْضِهِ
الْتَّبَعِيَّةُ لِلَّذِي هُوَ عَلَى الصِّرَاطِ الْمُسْتَقِيمِ فَإِنَّهُ لَا يَكُونُ صِرَاطًا إِلَّا بِالنَّشِئِ عَلَيْهِ شَعْر

إِذَا دَانَ لَكَ الْخَلْقُ ۖ فَقَدْ دَانَ لَكَ الْحَقُّ
وَإِنْ دَانَ لَكَ الْحَقُّ ۖ فَقَدْ لَا يَتَّبِعُ الْخَلْقُ
فَنَحَقُّ قَوْلَنَا فِيهِ ۖ فَقَوْلِي كُلُّهُ الْحَقُّ
فَمَا فِي الْكَوْنِ مَوْجُودٌ ۖ تَرَاهُ مَا لَهُ نُطْقٌ
وَمَا خَلَقَ تَرَاهُ الْعَيْنُ ۖ إِلَّا عَيْنُهُ حَقٌّ
وَلَكِنْ مُودَعٌ فِيهِ ۖ لِهَذَا صَوْرُهُ حَقٌّ

رَاعَوْا أَنَّ الْعُلُومَ الْإِلَهِيَّةَ الذَّوْقِيَّةَ الْحَاصِلَةَ لِأَهْلِ اللَّهِ مُخْتَلِفَةٌ بِاخْتِلَافِ الْقُوَى الْحَاصِلَةِ مِنْهَا
مَعَ كَوْنِهَا تَرْجِعُ إِلَى عَيْنٍ وَاحِدَةٍ فَإِنَّ اللَّهَ تَعَالَى يَقُولُ كُنْتُ سَمْعُهُ الَّذِي يَسْمَعُ بِهِ وَبَصَرُهُ الَّذِي
يُبْصِرُ بِهِ وَيَدُهُ الَّتِي يَسْطُرُ بِهَا وَرِجْلُهُ الَّتِي يَسْعَى بِهَا فَذَكَرَ أَنَّ هُوِيَّتَهُ هِيَ عَيْنُ الْجَوَارِحِ الَّتِي هِيَ
عَيْنُ الْعَبْدِ فَهُوِيَّةٌ وَاحِدَةٌ وَالْجَوَارِحُ مُخْتَلِفَةٌ وَبِكُلِّ جَارِحَةٍ عِلْمٌ مِنْ عُلُومِ الْأَذْوَاقِ يَخْصُهَا
مِنْ عَيْنٍ وَاحِدَةٍ تَخْتَلِفُ بِاخْتِلَافِ الْجَوَارِحِ كَالسَّاءِ حَقِيقَةً وَاحِدَةً تَخْتَلِفُ فِي الطَّعْمِ بِاخْتِلَافِ الْبَقَاعِ
فِيهِ (عَذْبٌ فُرَاتٌ) وَمِنْهُ (مِلْحٌ أُجَاجٌ) وَهُوَ مَاءٌ فِي جَمِيعِ الْأَحْوَالِ لَا يَتَغَيَّرُ عَنْ حَقِيقَتِهِ
وَإِنْ اخْتَلَفَتْ طَعُومُهُ وَهَذَا الْعَكْبَةُ مِنْ عِلْمِ الْأَرْجُلِ وَهُوَ قَوْلُهُ تَعَالَى فِي الْأَكْلِ بِسَرٍّ
أَقَامَ كُتْبَهُ (لَا تَكُلُوا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ أَرْجُلِهِمْ) فَإِنَّ الطَّرِيقَ الَّذِي هُوَ الصِّرَاطُ هُوَ
الْمَسْلُوكُ عَلَيْهِ وَالنَّشِئُ فِيهِ وَالسَّعْيُ لَا يَكُونُ إِلَّا بِالْأَرْجُلِ فَلَا يَنْتَبِهُ هَذَا الشُّهُودُ فِي أَخْذِ النَّوْأِ

بَيِّدَ مَنْ هُوَ عَلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ إِلَّا هَذَا الْفَرُّ الْخَاصُّ مِنْ عُلُومِ الْأَذْوَاقِ (وَ نُسُوقِ الْمُجَرِّمِينَ)
وَهُوَ الَّذِينَ اسْتَحَقُّوا الْبَقَاءَ الَّذِي سَاقَهُمُ إِلَيْهِ بِرِيحِ الدَّابُّورِ الَّذِي أَهْلَكَهُمْ عَنْ نُفُوسِهِمْ
بِهَافَهُو يَأْخُذُ بِنَوَاصِيهِمْ وَالرِّيحُ تَسُوقُهُمْ وَهِيَ عَيْنُ الْأَهْوَاءِ الَّتِي كَانُوا عَلَيْهَا (إِلَى جَهَنَّمَ) وَ
هِيَ الْبُعْدُ الَّذِي كَانُوا آيَتَوْهُمُ وَنَهْ فَلَمَّا سَاقَهُمُ إِلَى ذَلِكَ الْبُؤْسِ حَصَلُوا فِي عَيْنِ الْقُرْبِ فَزَالَ
الْبُعْدُ فَزَالَ مُسَمًّى جَهَنَّمَ فِي حَقِّهِمْ فَفَانَرُوا ابْتَعِيمَ الْقُرْبِ مِنْ جَهَنَّمَ إِلَّا اسْتَحَقَّاقَ لِأَنَّهُمْ مُجَرِّمُونَ
فَمَا آعَظَاهُمْ هَذَا الْبَقَاءَ الَّذِي كَانُوا فِي الدُّوْقِ الَّذِي نَزَلَ مِنْ جَهَنَّمَ إِلَيْهِ وَرَأَيْنَا آخِذُوا كَمَا بِمَا اسْتَحَقَّتْ حَقَائِقُهُمْ
مِنْ أَعْمَالِهِمِ الَّتِي كَانُوا عَلَيْهَا وَكَانُوا فِي السَّعْيِ فِي أَعْمَالِهِمْ عَلَى صِرَاطِ السَّرِّبِ الْمُسْتَقِيمِ لِأَنَّهُمْ نَوَاصِيهِمْ
كَانَتْ بَيِّدَ مَنْ لَهُ هَذِهِ الصِّفَةُ فَمَا مَشَوْا بِنُفُوسِهِمْ وَرَأَيْنَا مَشَوْا بِحُكْمِ الْجَبْرِ إِلَى أَنْ وَصَلُوا إِلَى
عَيْنِ الْقُرْبِ (وَ نَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْكُمْ وَلَكِنْ لَا تُبْصِرُونَ) وَرَأَيْنَا هُوَ يُبْصِرُ فَإِنَّهُ مَكْشُوفُ
الْغِطَاءِ فَبَصَرُهُ الْيَوْمَ حَدِيدٌ وَمَا خَصَّ مَيِّتًا مِنْ مَيِّتٍ آتَى مَا خَصَّ سَعِيدًا فِي الْقُرْبِ مِنْ شَقِيٍّ
(وَ نَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَيْلِ الْوَرَايِدِ) وَمَا خَصَّ إِنْسَانًا مِنْ إِنْسَانٍ فَالْقُرْبُ إِلَّا إِلَهُ مِنْ الْعَبْدِ الْخِفَاءِ
بِهِ فِي الْأَخْبَارِ إِلَّا إِلَهِيَّةٌ فَلَا قُرْبَ أَقْرَبُ مِنْ أَنْ يَكُونَ هُوِيَّتُهُ عَيْنَ أَعْضَاءِ الْعَبْدِ وَقُوا كُ
لَاَنَّ عَيْنَهُ تَعَالَى بِعَيْنِهِ مَوْجُودَةٌ فِي كُلِّ صَغِيرٍ وَكَبِيرٍ وَلَيْسَ الْعَبْدُ سِوَى هَذِهِ الْأَعْضَاءِ وَالْقَوَى
فَهُوَ حَقٌّ مَشْهُودٌ فِي خَلْقٍ مُتَوَهِّمٍ خَلَقَ مَعْقُولٌ وَالْحَقُّ مَعْسُوسٌ مَشْهُودٌ عِنْدَ الْمُؤْمِنِينَ وَ
أَهْلِ الْكُشْفِ وَالْوُجُودِ وَمَا عَدَا هَذَيْنِ الصَّنَفَيْنِ فَالْحَقُّ عِنْدَهُ هُوَ مَعْقُولٌ وَالْخَلْقُ مَشْهُودٌ
فَهُوَ بِمَنْزِلَةِ الْمَاءِ الْمِلْحِ الْأَجَابِ وَالطَّائِفَةِ الْأُولَى بِمَنْزِلَةِ الْمَاءِ الْعَذْبِ الْقَرَاتِ السَّائِغِ لِشَارِبِهِ
فَالنَّاسُ عَلَى قِسْمَيْنِ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَمْشِي عَلَى طَرِيقٍ يَعْرِفُهَا وَيَعْرِفُ غَايَتَهَا فَهِيَ فِي حَقِّهِ صِرَاطٌ
مُسْتَقِيمٌ وَمِنْ النَّاسِ مَنْ يَمْشِي عَلَى طَرِيقٍ يَجْهَلُهَا وَلَا يَعْرِفُ غَايَتَهَا وَهِيَ عَيْنُ الطَّرِيقِ الَّتِي
عَرَفَهَا الصَّنَفُ الْأَخَرُ فَالْعَارِفُ يَدْعُو إِلَى اللَّهِ عَلَى بَصِيرَةٍ وَغَيْرُ الْعَارِفِ يَدْعُو إِلَى اللَّهِ عَلَى
التَّقْلِيدِ وَالْجَهَالَةِ فَهَذَا عِلْمٌ خَاصٌّ يَأْتِي مِنْ أَسْفَلٍ سَافِلِينَ لِأَنَّ الْأَرْحُلَ هِيَ السِّفْلُ مِنْ
الشَّخْصِ وَالسِّفْلُ مِنْهَا مَا تَحْتَهُ وَلَيْسَ إِلَّا الطَّرِيقُ فَمَنْ عَرَفَ أَنَّ الْحَقَّ عَيْنُ الطَّرِيقِ عَرَفَ
الْأَمْرَ عَلَى مَا هُوَ عَلَيْهِ فَإِنَّ فِيهِ حَيْلٌ وَعَلَا يَسْنُكَ وَيُسَافِرُ أَدُلَّ مَا مَعْلُومٌ إِلَّا هُوَ وَهُوَ عَيْنُ السَّالِكِ
وَالْمُسَافِرِ فَلَا عَالِمَ إِلَّا هُوَ فَمَنْ أَنْتَ فَاعْرِفْ حَقِيقَتَكَ وَطَرِيقَتَكَ فَقَدْ يَانَ لَكَ الْأَمْرُ عَلَى

لِسَانِ التَّرْجُمَانِ إِنْ فَهِمْتَ وَهُوَ لِسَانُ حَقٍّ فَلَا يَفْهَمُهُ إِلَّا مَنْ فَهَمَهُ الْحَقُّ فَإِنَّ لِلْحَقِّ نِسْبًا
 كَثِيرَةً وَوُجُوهًا مُخْتَلِفَةً أَلَا تَرَى عَادَاتِ قَوْمٍ هُوْدٍ كَيْفَ قَالُوا هَذَا عَارِضٌ مُبْطِرُنَا فَظَنُّوا خَيْرًا
 يَا لِلَّهِ وَهُوَ عِنْدَ ظَنِّ عِبْدِهِ بِهِ فَأَضْرَبَ لَهُمُ الْحَقُّ عَنْ هَذَا الْقَوْلِ فَأَخْبَرَ هُمْ بِمَا هُوَ أَتَمُّ وَأَعْلَى
 فِي الْقُرْبِ فَإِنَّهُ إِذَا أَمْطَرَهُمْ فَذَلِكَ حَظُّ الْأَرْضِ مِنْ وَسْقِي الْجَنَّةِ فَلَا يَصِلُونَ إِلَى نَتِيجَةِ ذَلِكَ
 الظَّنِّ إِلَّا عَنْ بُعْدٍ فَقَالَ لَهُمْ رَبُّهُمَا هُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُمْ بِهِ رِيحٌ فِيهَا عَذَابٌ أَلِيمٌ فَجَعَلَ الرِّيحَ إِشَارَةً
 إِلَى مَا فِيهَا مِنَ السَّاحَةِ لَهُمْ فَإِنَّ بِهَذَا الرِّيحِ أَرَاهُمُ مِنْ هَذِهِ الْهَيَاكِلِ الْمُنْظَمَةِ وَالْمَسَالِكِ
 الْوَعْدَةِ وَالسُّدُوفِ الْمُدَّةِ لَهْمَةً وَفِي هَذِهِ الرِّيحِ عَذَابٌ أَلِيمٌ أَسْرُ يُسْتَعِذُّ بُوْنَهُ إِذَا قُوِيَ الْإِرَادَةُ
 يُوجِعُهُمْ لِفُرْقَةِ الْمَالُوفَاتِ فَبَاشَرَهُمُ الْعَذَابُ فَكَانَ الْأَمْرُ إِلَيْهِمْ أَقْرَبُ مِنْهَا يَتَخَيَّلُونَ (نَدْرُ
 كُلَّ شَيْءٍ بِأَمْرِ رَبِّهَا فَأَصْبَحُوا لَا يُرَى إِلَّا مَسَاجِدُهُمْ) وَهِيَ حِشْمُهُمُ الَّتِي عَمَّرَتْهَا أَرْوَاحُهُمُ الْحَقِيقَةُ
 فَزَالَتْ حَقِيقَةُ هَذِهِ النِّسَبِ الْخَاصَّةِ وَبَقِيَتْ عَلَى هَيَاكِلِهِمُ الْحَيَوَةُ الْخَاصَّةُ بِهِمْ مِنَ الْحَقِّ الَّتِي
 تَنْطِقُ بِهَا الْجُلُودُ وَالْأَيْدِي وَالْأَرْجُلُ وَعَذَابَاتُ الْأَسْوَاطِ وَالْأَفْحَادُ وَقَدْ وَرَدَ النَّصُّ الْإِلَهِيُّ
 بِهَذَا كُلِّهِ إِلَّا أَنَّهُ تَعَالَى وَصَفَ نَفْسَهُ بِالْغَيْرَةِ وَمِنْ غَيْرَتِهِ حَرَّمَ الْفَوَاحِشَ وَلَيْسَ الْفُحْشُ
 إِلَّا مَا ظَهَرَ وَآمَّا فُحْشٌ مَا بَطَنَ فَهُوَ لَيْسَ ظَهَرُ لَهُ فَلَمَّا (حَرَّمَ رَبِّي الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَ
 مَا بَطَنَ) أَيْ مَنَعَ أَنْ تُعْرَفَ حَقِيقَةُ مَا ذَكَرْنَاهُ وَهِيَ أَنَّهُ عَيْنُ الْأَشْيَاءِ فَسَتَرَهَا بِالْغَيْرَةِ
 وَهُوَ أَنْتَ مِنَ الْغَيْرِ فَالْغَيْرُ يَقُولُ السَّمْعُ سَمِعَ نَزِيدٌ وَالْعَارِفُ يَقُولُ السَّمْعُ عَيْنُ الْحَقِّ وَ
 هَكَذَا مَا بَقِيَ مِنَ الْقُوَى وَالْأَعْضَاءِ فَمَا كُلُّ أَحَدٍ عَرَفَ الْحَقَّ فَتَفَاضَلَ النَّاسُ وَتَمَيَّزَتْ
 الْمَرَاتِبُ فَبَانَ الْفَاضِلُ وَالْمَفْضُولُ وَاعْلَمْ أَنَّهُ لَمَّا أَطْلَعَنِي الْحَقُّ وَأَشْهَدَنِي فِي أَعْيَانِ رُسُلِهِ
 وَأَنْبِيَائِهِ كُلِّهِمُ الْبَشَرِيِّينَ مِنْ آدَمَ إِلَى مُحَمَّدٍ صَلَوَاتُ اللَّهِ عَلَيْهِمْ أَجْمَعِينَ فِي مَشْهَدٍ أَقَمْتُ
 فِيهِ بِقُرْطَبَةِ سَنَةِ سِتٍّ وَثَمَانِينَ وَخَمْسٍ مِائَةٍ مَا كَلَّمَنِي أَحَدٌ مِنْ تِلْكَ الطَّائِفَةِ إِلَّا
 هُوَ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَإِنَّهُ أَخْبَرَني بِسَبَبِ جَمْعِيَّتِهِمْ وَرَأَيْتُهُ رَجُلًا ضَخْمًا فِي الرِّجَالِ حَسَنَ الصُّوَرِ
 لَطِيفَ الْمُحَاوَرَةِ عَارِفًا بِالْأُمُورِ كَاشِفًا لَهَا وَدَائِنِي عَلَى كَشْفِهِ لَهَا قَوْلَهُ تَعَالَى (مَا مِنْ دَابَّةٍ
 إِلَّا هُوَ آخِذٌ بِنَاصِيَّتِهَا) إِنَّ رَبِّي عَلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ وَأَيْ بِشَارَةٍ أَعْلَمُ بِالْحَقِّ مِنْ هَذِهِ وَأَتَمُّ مِنْ إِمْتِنَانِ اللَّهِ عَلَيْنَا أَنْ أَوْصَلَ
 إِلَيْنَا هَذِهِ الْمَقَالَةَ عَنْهُ فِي الْقُرْآنِ ثُمَّ تَسَمَّيَ الْجَامِعُ لِلْكَلِّ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَا أَخْبَرَنِي عَنْ الْحَقِّ بِأَنَّهُ

عَيْنِ السَّمْعِ وَالْبَصَرِ وَالْيَدِ وَالرِّجْلِ وَاللِّسَانِ أَيْ هُوَ عَيْنُ الْخَوَاسِ وَالْقُوَى الرُّوحَانِيَّةُ أَقْرَبُ مِنَ
 الْخَوَاسِ فَكَتَفَى بِالْأَبْعَدِ الْمَحْدُودِ عَنِ الْأَقْرَبِ الْمَجْهُولِ الْحَدُّ فَتَرْجَمَ الْحَقُّ لَنَا عَنْ نَبِيِّهِ هُوْدٍ
 عَلَيْهِ السَّلَامُ مَقَالَتَهُ لِقَوْمِهِ بُشْرَى لَنَا وَتَرْجَمَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ اللَّهِ تَعَالَى
 مَقَالَتَهُ بُشْرَى لَنَا فَكَمَلَ الْعِلْمُ (فِي صُدُورِ الَّذِينَ أَوْتُوا الْعِلْمَ وَمَا يَجْحَدُ بِآيَاتِنَا إِلَّا الظَّالِمُونَ)
 فَإِنَّهُمْ يَسْتُرُونَهَا وَإِنْ عَرَفُوهَا حَسَدًا مِنْهُمْ وَنَفَاسَةً وَظُلُمًا وَمَا رَأَيْنَا قَطُّ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ فِي حَقِّهِ
 تَعَالَى فِي آيَةٍ أَنْزَلَهَا أَوْ أَخْبَارٍ عَنْهُ أَوْ صَلَهِ الْبَيْنَا فِي مَا يَرْجِعُ إِلَيْهِ تَعَالَى إِلَّا بِالْحَدِيدِ تَنْزِيهًا
 كَانَ أَوْ غَيْرَ تَنْزِيهِهِ أَوَّلُهُ الْعَمَاءُ الَّذِينَ مَا فَوْقَهُ هَوَاءٌ وَمَا تَحْتَهُ هَوَاءٌ وَكَانَ الْحَقُّ فِيهِ قَبْلَ
 أَنْ يَخْلُقَ الْخَلْقَ ثُمَّ ذَكَرَ أَنَّهُ (ثُمَّ اسْتَوَى عَلَى الْعَرْشِ) فَهَذَا أَيْضًا تَحْدِيدٌ ثُمَّ ذَكَرَ أَنَّهُ يَنْزِلُ
 إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا فَهَذَا تَحْدِيدٌ ثُمَّ ذَكَرَ أَنَّهُ فِي السَّمَاءِ وَأَنَّهُ فِي الْأَرْضِ وَأَنَّهُ مَعَ آيَاتِنَا كُنَّا
 إِلَى أَنْ أَخْبَرْنَا أَنَّهُ عَيْنُنَا وَنَحْنُ مَحْدُودُونَ فَمَا وَصَفَ نَفْسَهُ إِلَّا بِالْحَدِّ وَقَوْلُهُ (لَيْسَ كَمِثْلِهِ
 شَيْءٌ) حَدٌّ أَيْضًا إِنْ أَخَذْنَا الْكَافَ زَائِدًا بِغَيْرِ الصِّفَةِ وَمَنْ تَبَيَّنَ عَنِ الْمَحْدُودِ فَهُوَ مَحْدُودٌ
 بِكَوْنِهِ لَيْسَ عَيْنَ هَذَا الْمَحْدُودِ فَالْإِطْلَاقُ عَنِ التَّقْيِيدِ تَقْيِيدٌ وَالْمُطْلَقُ مُقَيَّدٌ بِالْإِطْلَاقِ لِيَبَيَّنَ
 فَهَمَّ وَإِنْ جَعَلْنَا الْكَافَ لِلصِّفَةِ فَقَدْ حَدَدْنَا وَإِنْ أَخَذْنَا (لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ) عَلَى نَفْيِ
 الْمِثْلِ تَحَقُّقًا بِالْمَفْهُومِ وَبِالْأَخْبَارِ الصَّحِيحَةِ أَنَّهُ عَيْنُ الْأَشْيَاءِ وَالْأَشْيَاءُ مَحْدُودَةٌ وَإِنْ
 اخْتَلَفَتْ حَدُودُهَا فَهُوَ مَحْدُودٌ بِحَدِّ كُلِّ مَحْدُودٍ فَمَا يُحَدُّ شَيْءٌ إِلَّا وَهُوَ حَدٌّ لِلْحَقِّ فَهُوَ
 السَّارِيُّ فِي مُسَمًّى الْمَخْلُوقَاتِ وَالنُّبْدِ غَابَتْ وَلَوْ لَمْ يَكُنِ الْأَمْرُ كَذَلِكَ مَا صَحَّ الْوُجُودُ
 فَهُوَ عَيْنُ الْوُجُودِ فَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ حَافِظٌ بِذَاتِهِ وَلَا يُؤَدُّ وَلَا حَافِظُ شَيْءٍ فَحِفْظُهُ لِلْأَشْيَاءِ
 كُلِّهَا حِفْظُهُ لِصُورَتِهِ عَنْ أَنْ يَكُونَ الشَّيْءُ عَلَى غَيْرِ صُورَتِهِ وَلَا يَصِيحُّ إِلَّا هَذَا فَهُوَ الشَّاهِدُ
 مِنَ الشَّاهِدِ وَالْمَشْهُودِ مِنَ الْمَشْهُودِ وَالْعَالَمِ صُورَتُهُ وَهُوَ رُوحُ الْعَالَمِ الْمُدَبِّرُ لَهُ فَهُوَ
 الْإِنْسَانُ الْكَبِيرُ شَعْرُ

فَهُوَ الْكَوْنُ كُلُّهُ ۖ وَهُوَ الْوَاحِدُ الَّذِي
 قَامَ كَوْنِي بِكَوْنِهِ ۖ وَ لِيَذَا قُلْتُ يَغْتَذِي
 فَوْجُودِي عِنْدَهُ ۖ وَبِهِ نَحْنُ نَحْتَدِي

فِيهِ مِنْهُ إِنْ نَظَرْتُ بِـ يَوْجِهِ تَعَوَّذِي !

وَلِهَذَا الْكَرْبِ تَنَفَّسَ نَفْسَ إِلَى الرَّحْمَنِ لِأَنَّهُ رَاحِمٌ بِهِ مَا طَلَبَتْهُ النِّسْبُ إِلَهِيَّةٌ مِنْ
إِيجَادِ صُورِ الْعَالَمِ الَّتِي قُلْنَا هِيَ ظَاهِرُ الْحَقِّ إِذْ هُوَ الظَّاهِرُ وَهُوَ بَاطِنُهَا إِذْ هُوَ الْبَاطِنُ وَهُوَ الْأَوَّلُ
إِذَا كَانَ وَلَا هِيَ وَهُوَ الْآخِرُ إِذَا كَانَ عَيْنُهَا عِنْدَ ظُهُورِهَا فَالْآخِرُ عَيْنُ الظَّاهِرِ وَالْبَاطِنُ عَيْنُ الْأَوَّلِ
(وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ) لِأَنَّهُ بِنَفْسِهِ عَلِيمٌ فَلَمَّا آوَجَدَ الصُّورَ فِي النَّفْسِ وَظَهَرَ سُلْطَانُ النِّسْبِ
الْمُعْتَرِ عَنْهَا بِأَلْسِنَاءِ صَحَّ النِّسْبُ إِلَهِي لِلْعَالِمِ فَانْتَسَبُوا إِلَيْهِ تَعَالَى فَقَالَ الْيَوْمَ آصْنَعُ نِسْبَكُمْ
وَأَرْفَعُ نِسْبِي أَيْ أَخْذُ عَنْكُمْ إِنْتِسَابَكُمْ إِلَى أَنْفُسِكُمْ وَأَرْدُكُمْ أَيْ إِنْتِسَابَكُمْ
إِلَى آيِنِ الْمُتَّقُونَ أَيْ الَّذِينَ اتَّخَذُوا اللَّهَ وَقَايَةً فَكَانَ الْحَقُّ ظَاهِرَهُمَا أَيْ عَيْنَ صُورِهِمَا
الظَّاهِرَةِ وَهُوَ أَعْظَمُ النَّاسِ وَأَحَقُّهُمْ وَأَقْوَاهُمْ عِنْدَ الْجَمِيعِ وَقَدْ يَكُونُ الْمُتَّقِيُّ مَنْ
جَعَلَ نَفْسَهُ وَقَايَةً لِلْحَقِّ بِصُورَتِهِ إِذْ هُوِيَّةُ الْحَقِّ قُوَى الْعَبْدِ فَجُعِلَ مُسَمًّى الْعَبْدِ وَقَايَةً
يُسَمًّى الْحَقُّ عَلَى الشُّهُودِ حَتَّى يَتَهَيَّزَ الْعَالِمُ مِنْ غَيْرِ الْعَالِمِ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَ
الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُوا الْأَلْبَابِ) وَهُمْ النَّاطِرُونَ فِي لُبِّ الشَّيْءِ الَّذِي هُوَ
الْمَطْلُوبُ مِنَ الشَّيْءِ فَمَا سَبَقَ مُقْصِرٌ فَجِدًّا كَذَلِكَ لَا يُبَايِلُ أَجِيرُ عَبْدًا إِذَا كَانَ الْحَقُّ
وَقَايَةً لِلْعَبْدِ بِوَجْهِهِ وَالْعَبْدُ وَقَايَةً لِلْحَقِّ بِوَجْهِهِ فَقُلْ فِي الْكُونِ مَا شِئْتَ إِنْ شِئْتَ قُلْتَ
هُوَ الْخَلْقُ وَإِنْ شِئْتَ قُلْتَ هُوَ الْحَقُّ وَإِنْ شِئْتَ قُلْتَ هُوَ الْحَقُّ الْخَلْقُ وَإِنْ شِئْتَ قُلْتَ
لَا حَقَّ مِنْ كُلِّ وَجْهِ وَلَا خَلْقَ مِنْ كُلِّ وَجْهِ وَإِنْ شِئْتَ قُلْتَ بِالْحَيْرَةِ فِي ذَلِكَ فَقَدْ
بَانَ الْمَطْلُوبُ بِتَعْيِينِكَ الْمَرَاتِبَ وَلَوْ لَا التَّحْدِيدُ مَا أَخْبَرْتَ الرُّسُلَ بِتَحْوِيلِ الْحَقِّ
فِي الصُّورِ وَلَا وَصَفَتْهُ بِخَلْقِ الصُّورِ عَنْ نَفْسِهِ شَعْر

فَلَا تَنْظُرُ الْعَيْنُ إِلَّا إِلَيْهِ ۖ وَلَا يَقَعُ الْحُكْمُ إِلَّا عَلَيْهِ

فَنَحْنُ لَهُ وَبِهِ فِي يَدَيْهِ ۖ وَفِي كُلِّ حَالٍ قَانَا لَدَيْهِ

وَلِهَذَا يُنْكِرُ وَيَعْرِفُ وَيُنْزَكُّ وَيُوصَفُ فَمَنْ رَأَى الْحَقَّ مِنْهُ فِيهِ يَعْيِينَهُ فَذَا لِكَ الْعَارِفُ
وَمَنْ رَأَى الْحَقَّ مِنْهُ فِيهِ يَعْيِينُ نَفْسِهِ فَذَا لِكَ غَيْرُ الْعَارِفِ وَمَنْ لَمْ يَرِ الْحَقَّ مِنْهُ وَ
لَا فِيهِ وَانْظَرَ أَنْ يَرَا يَعْيِينُ نَفْسِهِ فَذَا لِكَ الْجَاهِلُ وَبِالْجُمْلَةِ فَلَا بُدَّ بِكُلِّ شَخْصٍ مِنْ

عَقِيدَةٍ فِي رَبِّهِ يَرْجِعُ بِهَا إِلَيْهِ وَيَطْلُبُهُ فِيهَا فَإِذَا تَجَلَّى لَهُ الْحَقُّ فِيهَا عَرَفَهُ وَأَقْرَبَهُ وَ
وَرَأَى تَجَلَّى لَهُ فِي غَيْرِهَا أَنْكَرَهُ وَتَعَوَّذَ مِنْهُ وَأَسَاءَ الْأَدَبَ عَلَيْهِ فِي نَفْسِ الْأَمْرِ وَهُوَ عِنْدَ نَفْسِهِ
أَنَّهُ قَدْ تَأَدَّبَ مَعَهُ فَلَا يَعْتَقِدُ مُعْتَقِدُ الْهَاءِ إِلَّا بِمَا جَعَلَ فِي نَفْسِهِ فَإِلَّا لَهُ فِي الْإِعْتِقَادَاتِ بِالْجَعْلِ
فَمَا سَأَوْا إِلَّا أَنْفُسَهُمْ وَمَا جَعَلُوا فِيهَا فَانْظُرْ مَرَاتِبَ النَّاسِ فِي الْعِلْمِ بِاللهِ هُوَ عَيْنٌ مَرَاتِبُهُمْ
فِي الرُّعْيَةِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَقَدْ أَعْلَمْتُكَ بِالسَّبَبِ الْمَوْجِبِ لِذَلِكَ فَإِيَّاكَ أَنْ تَتَّقِدَ بِقَيْدِ
مَخْصُوصٍ وَتَكْفُرَ بِمَا سِوَاهُ فَيَقُولُ تِلْكَ خَيْرٌ كَثِيرٌ بَلْ يَقُولُ تِلْكَ الْعِلْمُ بِالْأَمْرِ عَلَى مَا هُوَ عَلَيْهِ
فَكُنْ فِي نَفْسِكَ هَيُولَى لِيُصَوِّرَ الْمُعْتَقِدَاتِ كُلَّهَا فَإِنَّ اللَّهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى أَوْسَعُ وَأَعْظَمُ مِنْ
أَنْ يُحْصَرَ عَقْدٌ دُونَ عَقْدٍ فَإِنَّهُ يَقُولُ (فَاتِنَمَا تَوَلَّوْا فِتْمَ وَجْهَ اللَّهِ) وَمَا ذَكَرَ آيِنَا مِنْ آيِنِ
وَذَكَرَ أَنْ تَمَّ وَجْهَ اللَّهِ وَوَجْهَ الشَّيْءِ حَقِيقَتُهُ فَنَبَّهَ بِهَذَا قُلُوبَ الْعَارِفِينَ لِئَلَّا تَشْغَلَهُمْ
الْعَوَارِضُ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا عَنْ اسْتِحْضَارِ مِثْلِ هَذَا فَإِنَّهُ لَا يَدْرِي الْعَبْدُ فِي أَيْ نَفْسٍ يُقْبَضُ
فَقَدْ يُقْبَضُ فِي وَقْتِ عَقْلَةٍ فَلَا يَسْتَوِي مَعَ مَنْ قُبِضَ عَلَى حُضُورِ ثَمَرَاتِ الْعَبْدِ الْكَامِلِ مَعَ عَلَيْهِ
بِهَذَا يُلْزَمُ فِي الصُّورَةِ الظَّاهِرَةِ وَالْحَالِ الْبُقَيْدَةِ التَّوَجُّهُ بِالصَّلَاةِ إِلَى (شَطْرِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ)
وَيَعْتَقِدُ أَنَّ اللَّهَ تَعَالَى فِي قِبْلَتِهِ حَالِ صَلَاتِهِ وَهُوَ بَعْضُ مَرَاتِبِ وَجْهِ الْحَقِّ مِنْ (آيِنَا تَوَلَّوْا
فَتَمَّ وَجْهَ اللَّهِ) فَشَطْرُ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ مِنْهَا فَفِيهِ وَجْهَ اللَّهِ وَلَكِنْ لَا تَقُلْ هُوَ هُنَا فَقَطْ بَلْ
يَقِفُ عِنْدَ مَا أَدْرَكَتْ وَالْزِيَمُ الْأَدَبُ فِي اسْتِقْبَالِ (شَطْرِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ) وَالْزِيَمُ الْأَدَبُ
فِي عَدَمِ حَصْرِ الْوَجْهِ فِي تِلْكَ الْآيِنَةِ الْخَاصَّةِ بَلْ هِيَ مِنْ جُمْلَةِ آيِنَاتِ مَا تَوَلَّى مُتَوَلِّ إِلَيْهَا
فَقَدْ بَانَ لَكَ عَنِ اللَّهِ أَنَّهُ فِي آيِنَةٍ كُلِّ وَجْهَةٍ وَمَا تَنَبَّهَ إِلَّا الْإِعْتِقَادَاتُ فَالْكُلُّ مُصِيبٌ وَ
كُلُّ مُصِيبٍ مَا جُورٌ وَكُلُّ مَا جُورٍ سَعِيدٌ وَكُلُّ سَعِيدٍ مُرَضٍ عِنْدَ رَبِّهِ وَإِنْ شَقِيَ زَمَانًا فِي الدَّارِ
الْآخِرَةِ فَقَدْ مَرَضَ وَتَأَلَّوْا أَهْلُ الْعِنَايَةِ مَعَ عَلَيْنَا يَا لَكُمْ سَعْدًا أَهْلُ حَقِّ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا
فَمِنْ عِبَادِ اللَّهِ مَنْ تُدْرِكُهُمْ تِلْكَ الْأَلَامُ فِي الْحَيَاةِ الْآخِرَةِ فِي دَارِ شَمْسٍ بِجَهَنَّمَ وَمَعَ هَذَا
لَا يَقْطَعُ أَحَدٌ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ الَّذِينَ كَشَفُوا الْأَمْرَ عَلَى مَا هُوَ عَلَيْهِ أَنَّهُ لَا يَكُونُ لَهُمْ فِي تِلْكَ
الدَّارِ نَعِيمٌ خَاصٌّ بِهِمْ إِمَّا لِفَقْدِ الْإِيمَانِ أَوْ لِجِدْوَالِهِ فَارْتَفَعَتْ عَنْهُمْ فَيَكُونُ نَعِيمُهُمْ رَاحَتَهُمْ
عَنْ وَجْدَانِ ذَلِكَ الْإِيمَانِ أَوْ يَكُونُ نَعِيمٌ مُسْتَقِيلٌ زَائِدٌ كَنَعِيمِ أَهْلِ الْجَنَانِ فِي الْجَنَانِ وَاللَّهُ أَعْلَمُ

یہ حکمتِ احدیت کا فص کلمہ ہودیہ کے بیان میں ہے

حکمتِ نور یہ کے بعد حکمتِ احدیت بیان کرنے کی حکمت یہ ہے کہ حکمتِ نور یہ کا اختتام ذاتِ حق کی ہوتیت پر ہوا جس کا نام مرتبہ احدیت ہے۔ حکمتِ احدیت کو حضرت ہود علیہ السلام کی طرف منسوب کرنے کی حکمت یہ ہے کہ ہود علیہ السلام مظہر احدیت تھے اور آپ نے اپنی قوم کو احدیت کی دعوت دی **يَقُولِ تَعَالَى (مَا مِنْ دَابَّةٍ اِلَّا هُوَ اخَذُ بِناصِيَتِهَا اِنَّ رَبيَّ عَلٰى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ)** نہیں ہے کوئی چلنے والا مگر وہ رب اُس کا اُس کی پیشانی کے بال پکڑ رہا ہے، تحقیق میرا رب اوپر سیدھی راہ کے ہے۔ احدیت کے تین مراتب ہیں۔ پہلا مرتبہ احدیت ذاتیہ یعنی توحید ذات ہے۔ دوسرا مرتبہ احدیت اسمائے یعنی توحید صفات ہے۔ تیسرا مرتبہ احدیت افعالیہ یعنی توحید افعال ہے۔ احدیت ذاتیہ اور احدیت اسمائے کا بیان فصِ سابق میں ہو چکا ہے۔ اس فص میں احدیت افعالیہ یعنی توحید افعالی کا بیان شروع کیا ہے۔ توحید افعالی سو مراد یہ ہے کہ جو افعال خلق سے صادر ہوتے ہیں ان کا فاعل حقیقی اللہ تعالیٰ ہے۔ (۱) تحقیق صراطِ مستقیم اللہ تعالیٰ کے لئے ہے۔ اور وہ راہِ عمومِ خلائق میں ظاہر ہے پوشیدہ نہیں ہے۔ اسم اللہ کا اطلاق اُس ذات پر ہوتا ہے جو جامعِ جمیع اسماء و صفات ہے۔ چونکہ سرکارِ دو عالم جناب محمد پاک صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی ذات کیلئے مراتبِ تامہ ہیں اسلئے اسم اللہ کا اطلاق حقیقتاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ہوتا ہے اب سیدھی راہ وہ ہے جس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود چلے اور دوسروں کو چلنے کا امر فرمایا۔ سابقہ انبیاء علیہم السلام چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نواب تھے اسلئے وہ راہیں بھی سیدھی ہیں چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پڑھائی ہوئی راہیں ہیں۔ نیز عمومِ خلائق میں سے ہر ہر فرد کسی خاص اسم یا رب کا مظہر یا مربوب ہے اسلئے وہ اپنے رب کی راہ پر چلتا ہے لہذا جمیع خلائق سیدھی راہ پر ہے۔ بعض کا رب اسمِ ہادی ہے اور بعض کا اسمِ مُضِلّ لیکن ہر کوئی اپنے اپنے رب کی اطاعت کر رہا ہے۔

(۲ و ۳) ہر بڑی اور چھوٹی چیز میں اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ ہر جاہل اور عالم میں اُسی کی ذات ہے اور یہ رازِ امورِ معارف میں سے ہے اور اُسی وجہ سے اُس کی رحمت نے ہر شے حقیر اور عظیم کو سمالیا ہے۔

کلامِ مندرجہ بالا پر آیہ کہ میہ پیش کی جاتی ہے **(مَا مِنْ دَابَّةٍ اِلَّا هُوَ اخَذُ بِناصِيَتِهَا اِنَّ رَبيَّ عَلٰى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ)** نہیں ہے کوئی چلنے والا مگر وہ رب اُس کا اُس کی پیشانی کے بال پکڑ رہا ہے، تحقیق میرا رب اوپر سیدھی راہ کے ہے۔ ہر پیشانی کو اُس کا رب پکڑ رہا ہے یعنی ہر پیشانی میں اُس کے رب کا ظہور ہے خواہ اُس کا

ظہور صفت جمال کے ساتھ ہے یا صفت جلال کے ساتھ ہے رب کا ظہور۔ مراد یہ ہے کہ ہر انسان میں اُس کا ظہور ہے۔ ہر پیشانی کو اُس کا رب پکڑ رہا ہے یعنی ہر انسان محض مجبور مامور اور معذور ہے اور اُس کا فعل حقیقتاً فعل الہی ہے۔ پس ہر راہ چلنے والا اپنے رب کی راہ پر ہے اور وہ راہ مستقیم ہے۔ عالم کا ہر فرد اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے کسی ایک اسم اور رب کا مظہر اور مربوب ہے لہذا وہ اپنے رب کے حکم کے تحت چلتا ہے۔ بعض کا رب اسم ہادی ہے اور بعض کا رب اسم مُضِلّ ہے۔ اسم ہادی کے مربوب اپنی راہ پر چلتے ہیں اور اسم مُضِلّ کے مربوب اپنی راہ پر چلتے ہیں۔ کسی فرد کو یہ طاقت نہیں کہ اپنے رب کے حکم کی خلاف ورزی کر سکے کیونکہ اُس کے رب نے اُس کو پیشانی کے بالوں سے پکڑ رکھا ہے لہذا ہر کوئی صراطِ مستقیم پر ہے اور نہ وہ مغضوب علیہم میں سے ہے اور نہ ضالین میں سے ہے۔ ہر کوئی بہ نسبت اپنے رب کے غیر مغضوب علیہ اور غیر ضال ہے البتہ جس بندہ کا رب اسم مُضِلّ ہے وہ اسم ہادی کے نزدیک مغضوب علیہ ہے اور جس بندہ کا رب اسم ہادی ہے وہ اسم مُضِلّ کے نزدیک مغضوب علیہ ہے اور جیسا کہ گمراہی ایک عارضی چیز ہے ایسا ہی غضب الہی بھی ایک عارضی چیز ہے۔ گمراہ اس لئے گمراہ ہے کہ ایک عام شخص اُس کو گمراہی میں دیکھتا ہے ورنہ عارف دیکھتا ہے کہ وہ اپنے رب کی راہ پر ہے۔ عارف کی نظر میں وہ گمراہ نہیں۔ لہذا اُس کی گمراہی ایک عارضی فریضی و ہمی چیز ہے جس کا عارف کی نظر میں کوئی حقیقی وجود نہیں۔ ایسے ہی غضب الہی بھی ایک و ہمی عارضی چیز ہے۔ ایک عام شخص کسی فرد کو مغضوب علیہ دیکھتا ہے۔ عارف دیکھتا ہے کہ اُس خاص فرد کے حق میں یہ غضب غضب نہیں بلکہ رحمت ہے۔ خشک لکڑی اگر تنور میں ڈالی جائے تو آگ اُس کے حق میں رحمت ہے غضب نہیں کیونکہ آگ میں وہ اپنا کمال حاصل کرتی ہے۔ ہاں ہر ابھرا پودا تنور میں ڈالا جائے تو آگ اُس کے لئے واقعی غضب ہے۔ لہذا غضب الہی بھی ایک عارضی و ہمی چیز ہے۔ عارف کی نظر میں اُس کا کوئی حقیقی وجود نہیں۔ ایک شخص کو جیل خانہ میں قید بامُشقت کی سزا دی جاتی ہے۔ ایک عام شخص اُس کو مغضوب علیہ دیکھتا ہے۔ عارف باللہ جانتا ہے کہ اُس حکیم مُطلق نے اپنی حکمت کاملہ سے اُس شخص پر رحمت کی بارش کی ہے۔ وہ سزا یافتہ شخص قید خانہ میں پہنچ کر جب مجاہدات و ریاضات کرتا ہے تو اُس کے دل سے نفرت کے پردے اٹھ جاتے ہیں۔ وہ اپنے معاصی سے توبہ کرتا ہے۔ ذکر الہی میں مشغول ہو جاتا ہے۔ نماز کا پابند ہو جاتا ہے حتیٰ کہ اُس کا دل صاف ہو جاتا ہے اور جب وہ قید خانہ سے باہر نکلتا ہے وہی کامل ہوتا ہے۔ پس ضلال کی طرح غضب الہی بھی ایک عارضی و ہمی چیز ہے اُس کا

حقیقتاً کوئی وجود نہیں۔ اس کا رجوع طرف رحمت کے ہے اور اس رحمت نے ہر شے کو سمال لیا ہے اور یہی رحمت غضب پر سبقت کرنے والی ہے۔ اور ہر ماسوا اللہ جاندار ہے اس لئے کہ وہ ذی روح ہے۔ ماسوا اللہ سے مراد جمیع ممکنات خارجیہ ہے، صرف انسان ہی نہیں۔ ماسوا حق میں ہر قسم کی خلق شامل ہے۔ اور نہیں ہے عالم میں کوئی کہ اپنی ذات کے ساتھ جنبش کرے اور سوائے اس کے نہیں کہ وہ اپنے غیر کے سبب حرکت کرتا ہے۔ مراد یہ ہے کہ ہر ذی روح کی حرکت ساتھ اللہ تعالیٰ کے ہے کیونکہ ہر جاندار کی چوٹی اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ مراد یہ ہے کہ عالم میں فعل الہی جاری ہے۔ پس ہر ذی روح اس ذات کے حکم متابعت پر چلتا ہے کہ وہ ذات اوپر سیدھی راہ کے ہے اور نہیں ہوتی ہے وہ راہ جب تک اس پر چلنا جائے۔ مراد یہ ہے کہ ہر جاندار کا فعل اللہ تعالیٰ کا فعل ہے اور اس کا چلنا خود اللہ تعالیٰ کا چلنا ہے۔ ظاہر عبارت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آگے آگے رتبہ چل رہا ہے۔ رب تعالیٰ کے ہاتھ میں اس بندہ کی پیشانی کے بال ہیں اور رب بندہ کو اپنے اس راہ پر گھسیٹ کر لے جا رہا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ بندہ کا ہر فعل ہر حرکت امر الہی یا ارادہ الہی کے تحت ہے بلکہ اس کا ہر فعل فعل الہی ہے۔ ذرا اور آگے غور کیجئے۔ بندہ کا وجود رب ہی کا ظہور ہے اس لئے بندہ کا چلنا رب ہی کا چلنا ہے۔ یہ نہیں کہ ایک علیحدہ رب بندہ کے آگے آگے چل رہا ہے۔ اور رب تعالیٰ کا صراط مستقیم پر چلنے سے مراد یہ ہے کہ عالم میں جو کچھ ہو رہا ہے سب درست ہے۔ عارف کی اعتراض کی زبان کاٹی جاتی ہے کیونکہ وہ عالم میں فعل الہی کا مشاہدہ کرتا ہے۔ از روئے شرع شریف وہ لوگوں سے مطالبہ کرتا ہے لیکن حقیقت کی روئے سے سب کو معذور سمجھتا ہے۔ بادشاہ، غنی، سلاطین، امیر، فقیر، سب کے سب تقدیر الہی کے اسیر ہیں۔ (ان دینی علی صراط مستقیم) تحقیق میرا رب سیدھی راہ پر ہے اور راہ راہ تب ہی ہوتی ہے جب اس راہ پر چلا جائے تو نتیجہ یہ نکلا کہ رب تعالیٰ ہر جاندار کی چوٹی پکڑ کر سیدھے راہ پر چل رہا ہے۔ مراد یہ ہے کہ ہر جاندار کو رب تعالیٰ ہی چلا رہا ہے اور سیدھے راہ پر چلا رہا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ اپنے احکام کی تکمیل بذریعہ خلق کرتا ہے۔ اسباب اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ایسے ہیں جیسے کاتب کے ہاتھ میں قلم اور کاریگر کے ہاتھ میں ہتھیار۔ اب جاہل کی نظر قلم پر ہے اور عارف کی نظر کاتب پر۔ غرضیکہ عالم میں فعل الہی جاری ہے اور اللہ تعالیٰ کا ہر فعل درست ہے یعنی حکمت پر مبنی ہے۔ اگرچہ عالم میں فعل الہی جاری ہے لیکن بظاہر اس فعل کو خلق کے ہاتھوں جاری کرتا ہے جسے

(۱) جب خلق تیرے واسطے مطیع اور منقاد ہوئی پس تحقیق حق تیرے قریب ہوا۔ چونکہ خلق کا ہر فعل حقیقتاً

فعل الہی ہے اسلئے خلق کا تیرے قریب ہونا اس امر پر دلیل ہے کہ حق تیرے قریب ہے یعنی تو حقیقتاً
کا مقرب ہے ۛ

(۲) اور اگر حقیقتاً تیرے قریب ہوا پس البتہ خلق متابعت نہیں کرتی۔ یعنی جب حقیقتاً تیرے دل پر علم
و اسرار سے تجلی کرے گا تو تو اسرار و حقائق الہیہ سے مالا مال ہو جائیگا۔ لیکن وہ حقائق اور دقائق عوام
الناس کی عقل سے بالاتر ہوں گے اور عام خلق تیرے اسرار و معارف کی متابعت نہیں کرے گی ۛ

(۳) اور جو قول ہم نے حقیقتاً کے حق میں بیان کئے ہیں ان کی تحقیق کر اور ان اسرار و معارف کو حاصل کرنے
کی کوشش کر کیونکہ میرے قول سب حق ہیں ۛ

(۴) پس عالم میں کوئی موجود ایسا نہیں کہ تو اُس کو دیکھے کہ اُس کے واسطے نطق نہیں ہے۔ یعنی عالم کی ہر شے
حی و ناطق ہے کیونکہ ہر شے حقیقتاً کی تسبیح پکار رہی ہے ۛ

(۵) و (۶) اور جو خلق کہ آنکھ دیکھتی ہے سوائے اُس کے نہیں کہ اُس کی حقیقت حق ہے۔ کتاب میں جو الفاظ
نظر آ رہے ہیں سب کی حقیقت سیاہی ہے یا زیورات جو نظر آ رہے ہیں سب کی حقیقت سونا چاندی ہے
لیکن یہ راز حقیقت خلق میں امانت رکھا گیا ہے یعنی حق خلق کی صورتوں میں پوشیدہ ہے لہذا اُس کی صورتیں
حق ہیں۔ بغیر صورتوں کے برقعوں کے حقیقتاً ظاہر نہیں ہو سکتا اسلئے ظہور حق کیلئے یہ صورتیں ضروری ہیں ۛ

اے عارف! اس راز کو جان لے کہ تحقیق علوم الہیہ ذوقیہ جو اہل اللہ کو اللہ تعالیٰ سے حاصل ہوتے
ہیں مختلف ہیں یعنی ہر ولی کا علم باطنی جدا ہے۔ اُس کی وجہ یہ ہے کہ اُن کی قوتیں یعنی استعدادیں جن
سے یہ علوم حاصل کئے جاتے ہیں مختلف ہیں اگرچہ وہ استعدادیں یا علوم ذات واحد یعنی حقیقتاً کی طرف
رجوع کرتے ہیں۔ اگرچہ ذات واحد ہی انسانوں کو قویٰ یعنی استعدادات عطا کرنے والی ہے لیکن سب کی
استعدادیں مختلف ہیں کیونکہ تجلیات الہیہ غیر مکرر ہیں۔ جس شان سے رب تعالیٰ ایک صورت پر تجلی کرتا ہے
ابداً یا دیکھ اُسی شان سے کسی دوسری صورت پر تجلی نہیں کرے گا لہذا اہل اللہ کے قویٰ اور استعدادات
مختلف ہیں۔ اسی کے مطابق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں اپنے بندے کی سمع ہو جاتا ہوں وہ اُس کے ساتھ
سُنتا ہے اور اُس کی بصر ہو جاتا ہوں وہ اُس کے ساتھ دیکھتا ہے اور اُس کے ہاتھ ہو جاتا ہوں وہ اُن کے
ساتھ پکڑتا ہے اور اُس کے پاؤں ہو جاتا ہوں وہ اُن کے ساتھ چلتا ہے۔ پس اس حدیث قدسی میں اللہ
تعالیٰ نے اس امر کا ذکر فرمایا کہ حقیقتاً کی حقیقت یہی جو ارح یعنی اعضاء کی عین ہے اور وہ اعضاء عین

عبد کے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ عبد کے ظاہر و باطن پر حق تعالیٰ ہی جلوہ نما ہے۔ پس ہُویت واحدہ ہے اور اعضا مختلف ہیں۔ رُب اور عبد کی حقیقت واحدہ ہے اور جیسے عبد کے اعضاء مختلف ہیں ایسے ہی رُب تعالیٰ کے اعضاء یعنی جمیع خلایق کی استعدادات و علوم مختلف ہیں۔ اور ہر عضو کے واسطے علوم ذوقیہ میں سے ایک خاص علم مختص ہے جو اعضاء کو عین واحدہ یعنی حقیقتِ عبد سے حاصل ہوتے ہیں اور وہ علوم بہ سبب اختلاف اعضا مختلف ہیں۔ جیسا کہ پانی کی حقیقت واحدہ ہے لیکن مقامات کے اختلاف کی وجہ سے ذائقہ میں بھی اختلاف ہے۔ بعض مقامات کا پانی (عَذْبٌ فُرَاتٍ) میٹھا پیاس بجھانے والا ہے اور بعض مقامات کا (مِلْحٌ اُجَاجٍ) کھاری کڑوا بد مزہ ہے۔ اور وہ پانی جمیع احوال میں پانی ہی ہے۔ وہ اپنی حقیقت سے متغیر نہیں ہوتا ہے اگرچہ اُس کے مزے مختلف ہوتے ہیں۔

اور یہ حکمتِ احدیت یعنی علم توحید وہ علم ہے جو مثنیٰ ارجل سے حاصل ہوتا ہے۔ ظاہر میں اس علم ذوقیہ کی خاطر بزرگانِ دین کے پاس چل کر جانا پڑتا ہے اور یہ علم اُن سے حاصل ہوتا ہے۔ حقیقت میں یہ ایک راہ ہے جس پر چل کر بندہ رُب تعالیٰ کی معرفت حاصل کرتا ہے اسی لئے اس کو علم سلوک کہتے ہیں ارجل سے مراد ظاہری و باطنی پاؤں ہیں۔ ظاہری پاؤں سے ولی کامل کی خاطر طالبانِ خدا مشرق مغرب کے چکر لگایا کرتے ہیں۔ جب ولی کامل سے طالبِ خدا بیعت کر لیتا ہے تو وہ اُس کو اس باطنی راستہ پر چلاتا ہے۔ لہذا اس راہ کو سلوک کہا جاتا ہے اور یہ باطنی راہ باطنی پاؤں سے طے کیا جاتا ہے۔ باطنی پاؤں سے مراد کتاب اللہ و سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی، ذکر، فکر، مراقبہ، بیداری، صدق، اخلاص، محبت اور توکل ہیں۔ اور علم سلوک اللہ تعالیٰ کے اُس قول سے ثابت ہے جو غذائے روحانی کے حق میں نازل ہوا ہے اور یہ غذائے روحانی اُس شخص کیلئے مخصوص ہے جو کتبِ آسمانی کے احکام کو قائم کرتا ہے وَ هُوَ هَذَا لَا تَكُونُوا تَقَامُوا التَّوَرَاةَ وَلَا انْجِيلَ وَمَا اُنْزِلَ بِالْيَهُودِ مِنْ رَبِّهِمْ لَا تَكُونُوا مِنْ قَوْمِهِمْ وَ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ) اور اگر وہ قائم رکھیں توریت اور انجیل کو اور جو اُترا اُن کو اُن کے رُب کی طرف سے تو کھاویں اپنے اوپر سے اور پاؤں کے نیچے سے۔ علم سلوک کو علم ارجل اس لئے کہا گیا ہے کہ وہ راہ جو صراطِ مستقیم ہے اُس پر سلوک کیا جاتا ہے اور اُس کے بیچ چلا جاتا ہے اور چلنا سوائے پاؤں کے ممکن نہیں۔ اور جب تک کسی شخص کو علوم ذوقیہ میں سے یہ فنِ خاص یعنی علم توحید حاصل نہ ہو تو اُس کو اس امر کا مشاہدہ کہ رُب تعالیٰ ہر جاندار کی پیشانی کے بال ہاتھ سے پکڑ کر سیدھی راہ پر چل رہا ہے نصیب

نہیں ہو سکتا۔

(وَلَسَوْفَ الْمُجْرِمِينَ) اور ہم گنہگاروں کو ہانکیں گے۔ ہر جاندار کے پیشانی کے بال پکڑ کر آگے صراطِ مستقیم پر چلنے میں حقیقی قائد ہے اور مجرموں کو پیچھے سے ہانکتے ہیں سائق بھی ہے۔ مجرمین وہ لوگ ہیں جو اس مقام کے مستحق ہوئے جس کی طرف رب تعالیٰ نے اُن کو ہوائے دُور کے ساتھ چلایا۔ ریح دُور اُس ہوا کو کہتے ہیں جو پیٹھ کے پیچھے سے چلتی ہو۔ اس جگہ ہوائے نفسانی مراد ہے جس کے باعث وہ احکامِ الہی کی مخالفت کرتے تھے۔ ریح دُور کے مقابل ریح صبا ہے چنانچہ سرکارِ دو عالم حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں نصرت بالصبا و اهدکت عاد بالمدبور یعنی مجھ کو ریح صبا سے نصرت ہوئی اور قوم عاد ریح دُور سے ہلاک کی گئی۔ ریح دُور کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اُن کو اُن کے نفسوں سے ہلاک کیا پس اللہ تعالیٰ اُن مجرموں کو اُن کی نواہی سے پکڑتا ہے اور ہوا اُن کو ہانکتی ہے۔ اور یہ ہوا اُن خواہشات نفسانی کا عین ہے جن پر وہ مُبتلا تھے اور جن کے باعث وہ احکامِ الہیہ کی مخالفت کرتے تھے۔ (رِالِی جَہَنَّمَ) طرف دوزخ کے۔ اور دوزخ بُعد ہے جس کا وہ لوگ وہم کرتے تھے مراد یہ ہے کہ دارِ دنیا میں یہ لوگ وہم میں مُبتلا تھے کہ عالمِ غیر حق اور عبدِ غیر حق ہے اور دوزخ قُرب حق سے بُعد کا مقام ہے۔ پس جب موت کے بعد اللہ تعالیٰ نے اُن کو اس موطن یعنی مقامِ جہنم کی طرف چلایا تو وہ عین قُرب میں واصل ہوئے اور وہ وہی دُوری زائل ہو گئی۔ یعنی موت کے بعد چونکہ پردے اٹھ جاتے ہیں اسلئے اُن پر مکشوف ہو گیا کہ غیر حق کا وجود ہی نہیں۔ جہنم جو بظاہر بُعد کا مقام ہے حقیقتاً اُن کیلئے عین قُرب ثابت ہوا اور وہ رازِ توحید کو پا گئے۔ پس جہنم کی حقیقت اُن کے حق میں زائل یعنی مُتبدل ہوئی اور بوجہ استحقاق کے وہ نعیم قُرب سے فائز ہوئے۔ چونکہ وہ لوگ گنہگار ہیں اسلئے حقیقی نے یہ مقام قُرب اور فنا جو ذوقیہ اور لذیذ ہے اُن کو اپنے فضل اور احسان سے عطا نہ کیا اور سوائے اس کے نہیں کہ انہوں نے یہ مقام قُرب بعد از موت اپنے اعیانِ ثابۃ کے استحقاق کی وجہ سے حاصل کیا اور اُن کے اعمال اُن کے اعیانِ ثابۃ کے مطابق تھے۔ مراد یہ ہے کہ مجرمین چونکہ اسمِ مفضل کے مظہر تھے اسلئے اُن کے اعیانِ ثابۃ نے علمِ الہی میں زبانِ استحقاق سے سوال کیا کہ ہم جہنم کے لائق ہیں ہمیں جہنم پہنچائیے۔ رب تعالیٰ نے اُن کیلئے ایسے اعمال مہیا کر دیئے جن کے باعث وہ اپنا کمال حاصل کر سکیں جب وہ دارِ دنیا میں تشریف لائے تو انہوں نے اُن اعمال کیلئے کوشش کی کیونکہ اُن کے رب اسمِ مفضل نے اُن کے نواہی ہاتھ سے پکڑ رکھے تھے اور اُن کو اُن اعمال کی توفیق بخشی۔ نیز اُن کا رب چونکہ سیدھی راہ پر تھا

اس لئے وہ اپنے کمال اور منزل مقصود یعنی جہنم سے واصل ہو گئے۔ چونکہ اُن کی پیشانیاں اُن کے رب نے پکڑ رکھی تھیں اس لئے وہ اپنی ذاتوں کے ساتھ اس راہ پر نہیں چلے بلکہ وہ اس راہ پر جبراً چلائے گئے ہیں حتیٰ کہ وقت موت اُن پہنچا اور وہم کے پردے سب دل سے اٹھ گئے اور وہ عین قرب کی طرف واصل ہو گئے۔ یعنی اُن پر رازِ توحید مکشوف ہو گیا کہ عالم عین حق ہے اور حضرت انسان عین حق ہے۔ لہذا میت کے حق میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں (وَنَحْنُ اقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْكُمْ وَذَكِّرْ لَا تَبْصِرُونَ) تم میں سے اُس میت کی طرف ہم سخت قریب ہیں اور لیکن تم نہیں دیکھتے ہو۔ اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ لوگ جو میت کے پاس بیٹھے ہوتے ہیں اُن سے علیحدہ ایک اللہ تعالیٰ کا وجود ہے اور وہ ذات اُن لوگوں کی بہ نسبت میت کے زیادہ قریب ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ میت کے قریب ترین ذات وہ میت ہی کی ذات ہے اور اُسی میت کی ذات کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب فرمایا ہے اور سوائے اس کے نہیں کہ وہ میت اس امر کو دیکھتا ہے کیونکہ اُس کے دل سے پردہ اٹھا دیا گیا ہے اور بینائی اُس میت کی اُس دن تیز ہو جاتی ہے یعنی موت کے بعد میت کے دل سے حجاب غفلت اور وہم اٹھا دیا جاتا ہے اور اُس کی دل کی بصیرت تیز ہو جاتی ہے جیسا کہ سورج کے آگے سے جب ابرِ رقیق کا پردہ اٹھ جاتا ہے تو سورج اپنی پوری تاب سے چمکتا ہے۔ یہی حالت میت کا ہے۔ موت کے بعد دل سے وہم کا پردہ اٹھا دیا جاتا ہے اور آفتاب حقیقت پوری تاب سے میت کے آسمانِ قلب پر چمکتا ہے لہذا روحانی قوی پوری تاب سے چمکارے مارتی ہیں۔ پس میت کا ادراک تیز ہو جاتا ہے اور وہ اس رازِ حقیقت کو خود بخود پالیتا ہے۔ نیز اس آیت شریفہ میں حق تعالیٰ نے ایک میت کو دوسری میت سے خاص نہیں گمراہ کیا یعنی اس قرب میں سعید کو شقی پر خصوصیت نہیں دی مراد یہ ہے کہ میت خواہ سعید ہو خواہ شقی دونوں ہی اس رازِ حقیقت کو اُس وقت پالیتے ہیں اور دونوں ہی کے حق تعالیٰ سخت قریب ہے یعنی دونوں ہی کی صورت پر حق تعالیٰ جلوہ نما ہے۔ لیکن پھر بھی شقی دوزخ میں جائیگا اور سعید جنت میں جائیگا کیونکہ شقی کا کمال دوزخ میں ہے اور سعید کا کمال جنت میں ہے بخشک لکڑی کا کمال آگ میں ہے وہ آگ میں پہنچ کر منور اور روشن ہو جاتی ہے۔ آگ ہی کے باعث اُس کی کثافت اور تیرگی زائل ہوتی ہے۔ ہرے بھرے پودے کا کمال باغ میں ہے۔ وہ باغ میں پہنچ کر اہنار کے پانی کے باعث خوب پھلتا پھولتا ہے۔ لیکن آیت کریمہ میں قرب حق کیلئے سعید اور شقی کی کوئی تمیز نہیں۔ ہر میت ہی مقرب ہے اس میں اس راز کی طرف اشارہ ہے کہ ہر میت خواہ شقی خواہ سعید دونوں کی صورت پر حق تعالیٰ جلوہ نما ہے۔

اور ایسے ہی آیہ شریفہ (وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ) اور ہر انسان کی طرف ہم رگ گردن سے بھی زیادہ قریب ہیں، میں بھی حق تعالیٰ نے کسی ایک انسان کو دوسرے انسان سے خاص نہیں کیا۔ پس اخبار الہیہ میں اللہ تعالیٰ کا عبد کے ساتھ قرب کوئی پوشیدہ امر نہیں ہے یعنی آیات قرآنی اس راز پر دلالت ہیں کہ ہر عبد کو اللہ تعالیٰ کا سخت قرب حاصل ہے اور کوئی قرب اس سے زیادہ قرب نہیں ہو سکتا کہ حق تعالیٰ کی ذات عبد کے اعضاء اور قوی کی عین ہو کیونکہ تحقیق حق تعالیٰ کی ذات ہر چھوٹے اور بڑے میں بذاتہ موجود ہے اور چونکہ عبد سوائے ان اعضاء اور قوی کے نہیں ہے لہذا عبد خلق متوہم میں حق مشہود ہے۔ یعنی عبد ظاہر باہر حق ہے اور اس کو خلق دیکھنا یا خلق کہنا ایک وہم ہے۔ پس مومنین اور اہل کشف و وجدان کے نزدیک خلق معقول اور حق محسوس و مشہود ہے اور ان دونوں فریقوں کے سوا جو لوگ ہیں ان کے نزدیک جو چیز منظور اور مشہود ہے وہ خلق ہے اور حق ایک عقلی چیز ہے جس کا خارج میں کوئی ظاہری حسی وجود نہیں۔ پس وہ ہی لوگ بمنزلہ اُس پانی کے ہیں جس کے متعلق ارشاد ہوا (مِلْحٌ أُجَاجٌ)۔ یعنی وہ لوگ مرتبہ میں کھاری بد مزہ پانی کے ہیں۔ اور گروہ اول جو حق کو محسوس و مشہود اور خلق کو معقول جانتے ہیں بمنزلہ اُس پانی کے ہیں جس کے متعلق ارشاد ہوا (عَذْبٌ فُرَاتٍ)۔ یعنی وہ لوگ مرتبہ میں میٹھے پیاس بجھانے والے پانی کے ہیں اور پینے والے کے واسطے مزے دار ہیں۔

پس آدمی دو قسم کے ہیں۔ لوگوں میں سے ایک وہ ہے جو اُس طریق پر چلتا ہے۔ طریق سے مراد وہ راہ جس پر چل کر عبد رب تعالیٰ تک پہنچ جائے۔ اور وہ شخص اُس راہ کی حقیقت اور اُس راہ کی غرض و غایت یعنی منزل مقصود کو پہچانتا ہے لہذا وہ راہ اُس شخص کے حق میں صراطِ مستقیم ہے۔ ایسے شخص کا نام عارف باللہ ہے۔ لوگوں میں سے ایک وہ ہے جو اُس طریق پر چلتا ہے لیکن اُس طریق کی حقیقت، مشکل گھائیوں، اور اُس طریق کی غایت یعنی منزل مقصود کو نہیں پہچانتا ہے حالانکہ یہ راہ بھی وہی راہ ہے جس کی حقیقت اور منزل مقصود کو دوسرے گروہ یعنی عارفین باللہ نے پہچانا۔ یہ علمائے ظواہر کا گروہ ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی معرفت سے بہت نوازا۔ پس عارف باللہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف علی بصیرت دعوت دیتا ہے یعنی عارف باللہ اُس رب کی طرف لوگوں کو بلاتا ہے جس کا اُس نے مشاہدہ حاصل کیا ہے اور غیر عارف لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف محض تقلید و جہالت کی رو سے دعوت دیتا ہے۔ یعنی ایسے شخص کو منزل مقصود کا تو پتہ ہی نہیں۔ نہ وہ منزل مقصود پر پہنچا نہ رب تعالیٰ کا قرب نصیب ہوا۔ اب وہ لوگوں کو اُس رب تعالیٰ کی طرف بلاتا ہے جس کا اُس کو

خود علم نہیں۔ وہ شرع شریف کی پیروی کرتا ہے لیکن علم تو حید و عرفان سے جاہل ہے۔
 پس یہ علم معرفت ایک خاص علم ہے اور سب نیچوں سے نیچے سے آتا ہے۔ مراد یہ ہے کہ پاؤں انسان
 کے سفل سے ہیں اور پاؤں سے اسفل وہ چیز ہے جو پاؤں کے نیچے ہے اور پاؤں کے نیچے اُسی راہ کے سوا اور
 کوئی چیز نہیں ہے، لہذا علم معرفت اس راہ پر چلنے سے حاصل ہوتا ہے۔ بلکہ جس نے یہ پایا کہ حق بیشک اس
 راہ کا عین ہے اُس نے راز حقیقت کو پایا۔ مراد یہ ہے کہ جس نے پایا کہ طالب خود مطلوب ہے اور اس طریق
 میں سالک و مسافر خود وہی ذات ہے کیونکہ اُس کے بغیر کوئی دوسری چیز معلوم یعنی موجود ہے ہی نہیں تو
 وہ منزل مقصود پر پہنچ گیا۔ پس وہ خود ہی عالم ہے اور خود ہی معلوم ہے خود ہی عاشق ہے اور خود ہی معشوق
 ہے۔ پس اُسے طالب! تو کون ہے۔ اپنی حقیقت و طریقت کو پہچان۔ پس تحقیق تیرے لئے تیرے امر کی
 حقیقت حقتعالیٰ کے مترجم کی زبان پر ظاہر ہو گئی اگر تو سمجھے۔ حقتعالیٰ کے مترجم سے مراد سرکارِ دو عالم جناب
 محمد پاک صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ اس کلمہ مبارک سے صاف ظاہر ہے کہ یہ کتاب خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت
 شیخ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لکھا رہے ہیں اور لسان محمد پاک صلی اللہ علیہ وسلم لسان حق ہے۔ اور اس راز کو وہ
 ہی سمجھتا ہے جس کو حقتعالیٰ سمجھا دے۔ پہلے فرمایا تھا کہ ہر عاشق کی صورت پر خود حقتعالیٰ ہی جلوہ نما ہے۔ اب
 ارشاد ہوا کہ لسان محمد پاک صلی اللہ علیہ وسلم لسان حق ہے یعنی جناب محمد پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت
 پاک پر حق جلوہ نما ہے۔ اس اشکال کو حل کرنے کیلئے فرمایا فَإِنَّ لِلْحَقِّ نِسْبًا كَثِيرَةً وَجُوهًا مُخْتَلِفَةً
 اس لئے کہ حقتعالیٰ کیلئے نسبتیں کثیر ہیں اور مظاہر مختلف ہیں۔ یعنی حقتعالیٰ کی ذات بہ اعتبار حقیقت کے واحد ہے
 لیکن باعتبار صفات اور صورتوں کے کثیر ہے۔ مراد یہ ہے کہ اگرچہ ہر انسان کی صورت پر حق جلوہ نما ہے لیکن
 اُس کی ذات کیلئے مراتب تامہ صرف سرکارِ دو عالم جناب محمد پاک صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم
 کی حقیقت اور قابلیت کی مثال بحر مَوَاج کے سی ہے۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک نور کے سمندر ہیں جو
 ٹھاٹھیں مار رہا ہے۔ دیگر انبیاء و اولیاء علیہم السلام مثل انہار اور جداول کے ہیں جو اُس سمندر سے نکالی گئی ہیں
 باقی مخلوقات اُسی سمندر کے قطرات ہیں۔ اب قطرہ بھی پانی نہر بھی پانی اور سمندر بھی پانی ہے لیکن کمالات
 میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

کیا تو نہیں دیکھتا کہ عاد قوم ہود نے کیسے کہا (قَالُوا هَذَا عَارِضٌ مُّنتَظَرٌ) انہوں نے کہا یہ ہمارے
 لئے مینہ برسانے والا بادل ہے۔ پس انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ نیک گمان کیا اور چونکہ اللہ تعالیٰ اپنے

بندے کے گمان کے نزدیک ہے اسلئے حقتعالیٰ نے اُن کے اس قول سے روگردانی کی اور اُن کو اُس چیز کی خبر دی جو قُرب حق کیلئے اَقَم اور اعلیٰ ہے کیونکہ اگر بادل برستا تو اس میں زمین کا حظ تھا یعنی باغات وغیرہ کو پانی آجاتا اُن کی ذات کو قُرب حق کی خاطر کوئی فوری فائدہ نہ پہنچتا بلکہ وہ اس نتیجہ پر مدت بعید کے بعد پہنچتے لہذا اللہ تعالیٰ نے اُن کو جواب دیا (بَلْ هُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُمْ بِهِ رِيحٌ فِيْهَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ) بلکہ وہ بادل وہ چیز ہے کہ قُوم اُس کے ساتھ جلدی کرتے تھے یہ ایک ہوا ہے کہ اُس میں درد دینے والا عذاب ہے۔ ریح سے اُس چیز کی طرف اشارہ تھا جس میں اُن کی راحت تھی کیونکہ اسی ریح سے اللہ تعالیٰ نے اُن کو ان ابدان ظلمانیہ و دُشوار راہوں اور تاریک حجابوں سے راحت بخشی۔ اور اس ریح میں عذاب ہے یعنی ایک چیز ہے جس کو جب وہ قوم چکھتی ہے لذیذ پاتی ہے مگر تحقیق وہ اُمرد کو بسبب فرقتِ مالوفات اُن کو درد پہنچاتا ہے۔ پس اُن کو عذاب لاحق ہوا اور وہ عذاب اُن کے حق میں اُن کی مُتَخِید چیز یعنی مَطر سے اقرب تھا یعنی مَطر سے وہ مدت مُدید کے بعد واصل باللہ ہوتے یعنی موت کے بعد جا واصل ہوتے لیکن حقتعالیٰ نے موت فوری طور پر بھیج دی تاکہ وہ لذت وصال سے بہرہ ور ہوں۔ پس حقتعالیٰ نے اُن کو اُن کی طلب کردہ چیز یعنی بارش ظاہری سے بھی کئی گنا بہتر چیز یعنی ریح عطا کر دی۔ ریح سے مراد راحت ابدی یعنی دولت قُرب و وصال ہے لِقَوْلِهِ تَعَالٰی (تَدْرِكُ كُلَّ شَيْءٍ رُّبَّهَا فَاَ صَبَّوْا اِلٰی يَدَايَ اِلَّا مَسَاكِيْنُهُمْ) اُکھاڑ مارے ہر شے کو اپنے رب کے حکم سے پھر کل کو رہ گئے اُن کے گھروں کے سوا کوئی نظر نہیں آتا۔ مَسَاكِن سے مراد اُن کے اجسام کے گھر ہیں جو اُن کے ارواح نے تعمیر کئے ہوئے تھے۔ اور ارواح وہ ہیں جن کی اِفْئَات اور نسبت حقتعالیٰ کی طرف ہے۔ عوام الناس کے دلوں پر حجاب ہونے کے باعث صفات رُوحانی کا پورا پورا ظہور اُن کے دلوں میں نہیں ہوتا جیسا کہ سُوْرَج کے سامنے ابر رقیق آجانے سے سُوْرَج کی تاب کا پورا پورا ظہور عالم میں نہیں ہوتا یعنی دُنیا میں رُوح کے کمالات کا جزوی ظہور ہوتا ہے۔ موت کے بعد ارواح کی وہ مخصوص مُعین جزوی نسبت اجسام کیساتھ زائل ہو جاتی ہے اور حقتعالیٰ کی طرف سے ہیا کل کو ایک خاص حیات نصیب ہو جاتی ہے۔ یعنی پردے اُٹھ جانے کے باعث رُوح کے کمالات کا پورا پورا ظہور موتی کی استعدادات کی مطابق ہو جاتا ہے جیسا کہ آفتاب کے سامنے سے ابر رقیق مہٹ جانے سے آفتاب پوری تاب سے چمکارے مارتا ہے۔ آفتاب حقیقت یا ابوالارواح یا رُوح اعظم یا رُوح القدس سرکارِ دو عالم جناب محمد پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور اجسام میں موت سے پہلے یا موت کے بعد اجسام کی استعدادات

کیمطابق شعائیں گزارنے والے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں۔ جملہ ارواح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آفتاب رُوحِ مقدسہ کی شعائیں ہیں۔ اسی لئے ارشاد ہوا فَذَٰلَتْ حَقِیْقَةُ هَٰذَا النَّسَبِ الْخَاصَّةِ یعنی اگرچہ ارواح کی اصنافِ حقیقی کی طرف ہے لیکن اجسام میں حقیقی کا ظہور کاملہ نہیں بلکہ ان نسب یعنی صفاتِ الہیہ مخصوصہ معینہ جزئیہ کی حقیقت زائل ہو جاتی ہے اور اجسام حیات خاصہ سے مشرف ہو جاتے ہیں۔ حیات خاصہ سے مراد صفاتِ الہیہ کا ظہور کاملہ ہے جو اجسام کی استعدادات کے مطابق ہوتا ہے۔ لہذا موت سے پہلے صفاتِ الہیہ کا ظہور اجسام میں جزوی ہوتا ہے اور موت کے بعد صفاتِ الہیہ کا ظہور اجسام میں تائم ہوتا ہے اور یہ وہ حیات ہے جس کے باعث انسانوں کے جُلُود و ہاتھ و پاؤں و تازیانوں کے اطراف و مردوں کی رائیں کلام کریں گی اور ان تمام اُمور مذکورہ کے کلام کرنے پر نفس الہی وارد ہے۔ لہذا وہ قوم موت کے بعد صفاتِ کاملہ الہیہ سے موصوف ہو کر دولتِ قرب و وصالِ الہی سے مشرف ہو گئی۔

تحقیقِ حقیقی نے اپنی ذات کی صفت ساتھ غیرت کے کی ہے یعنی حقیقی غیور ہے اور اُس کی غیرت کا تقاضا ہے کہ ان اسرار کا ظہور منع فرمایا ہے (قُلْ إِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَّنَ)۔ فحش بمعنی ظہور کے ہے اور لیکن فحشُ مَا بَطَّنَ سے مراد وہ شخص ہے کہ جس پر اسرار ظاہر ہوئے یعنی ظہورِ اسرار اُس شخص پر جس پر وہ اسرار پوشیدہ تھے۔ بہر حال فحش شے سے مراد ظہورِ شے ہے۔ پس جب حقیقی نے فواحش کو حرام کیا یعنی اس بات سے منع کیا کہ مندرجہ بالا اسرار کی حقیقت پہچانی جائے اور وہ حقیقت یہ ہے کہ تحقیقِ حقیقی اشیاء کا عین ہے تو حقیقی نے بسببِ غیرت کے اُس حقیقت کو چھپا دیا۔ مراد یہ ہے کہ حقیقی نے اس رازِ توحید کو اغیار سے چھپا دیا ہے۔ وہ اپنا رازِ ربوبیت سوا اپنے خواص کے کسی پر فاش نہیں کرتا۔ اور اُسے طالب! وہ غیرت تو ہی ہے کیونکہ تو نے اپنے آپ کو حقیقی سے جدا سمجھ رکھا ہے اور اپنے آپ کو غیر حق جانتا ہے۔ پس غیر عارف کہتا ہے کہ یہ سمعِ سمیع زید ہے اور عارف کہتا ہے یہ سمعِ زید حقیقی کا عین ہے اور ایسے ہی باقی جملہ قویٰ و اعضاء کو حقیقی کا عین جانتا ہے۔ مراد یہ ہے کہ عارف باللہ غیر عارف سے صرف اس بات سے متمیز ہے کہ عارف انسان کے قویٰ و اعضاء یعنی ظاہر و باطن کو عینِ حقیقی جانتا ہے اور غیر عارف انسان کو غیر حق جانتا ہے اور اُس کے نزدیک حقیقی کو انسان کے ساتھ کوئی نسبت ہی نہیں اور اُس کا مقولہ ہے چہ نسبت خاک را با عالم پاک اور عارف کہتا ہے سب میں پورا ہے کسی میں کم نہیں بلکہ سرتاپا وہی ہے ہم نہیں

پس ہر کوئی حقیقتی کا عارف نہیں ہے لہذا انسانوں میں بعض کو بعض پر فضیلت حاصل ہے اور وہ آپس میں مراتب کی وجہ سے متمیز ہیں اور اس عرفان کی بدولت فاضل مفضول سے جدا ہوا۔ انسانوں کے سردار سرکارِ دو عالم جناب محمد پاک صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الرسل ہیں اور آسمان ولایت پر مثل شمس کے ہیں **يَقُولُ لَهُ تَعَالَى (وَالشَّمْسُ وَضُحَاهَا)**۔

عالی سرکار جناب حضرت غوث اعظم پاک شیخ سید عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ خاتم الاولیا ہیں اور آسمان ولایت پر مثل قمر کے ہیں **يَقُولُ لَهُ تَعَالَى (وَالْقَمَرُ إِذَا تَلَّهَا)** اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ (سابقہ انبیاء علیہم السلام و حُججہ اولیاء رضی اللہ عنہم) آسمان ولایت کے ستارے ہیں **يَقُولُ لَهُ تَعَالَى (فَلَا أَقْسَمُ بِمَوْقِعِ النُّجُومِ وَإِنَّهُ لَقَسَمٌ لَّا تَعْلَمُونَ عَظِيمٌ)**۔

اور اے طالب! تو اس بات کو جان لے کہ تحقیق حضرت ہود علیہ السلام کی شان یہ ہے جب ۵۸۶ھ میں
میں شہر قرطبہ میں ایک مشہد میں قائم ہوا تو حق تعالیٰ نے مجھے حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر جناب محمد پاک صلی اللہ
علیہ وسلم تک جملہ رسل و انبیاء علیہم السلام کا مشاہدہ کرایا اور ان کے جمع ہونے کے سبب سے واقف کرایا۔ اس
طائفہ میں سے سب کے سب بشر ہیں۔ ان میں کوئی فرشتہ یا جن داخل نہیں۔ اس گروہ انبیاء میں سے میرے
ساتھ سوا ہود علیہ السلام کے کسی نے کلام نہ کیا۔ آپ نے انبیاء علیہم السلام کے جمع ہونے کے سبب سے مجھے
خبر دی۔ اس واقعہ کی صراحت فتوحات شریف میں کی گئی ہے اور اس کا بُب بُب یہ ہے: فَخَاطَبَنِي مِنْهُمْ
هُودٌ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَآخَبَنِي بِسَبَبِ جُعَيْتِهِمْ وَهُوَ أَنَّهُمْ اجْتَمَعُوا شَفَعَاءَ لِحَلِّجٍ إِلَى نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ عَلَيْهِ
السَّلَامُ وَذَلِكَ أَنَّهُ كَانَ قَدْ أَسَاءَ الْأَدَبَ بِأَن قَالَ فِي حَيَاتِهِ الدُّنْيَوِيَّةِ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَمَّتْهُ دُونَ مَنْصِبِهِ قِيلَ لَهُ وَلِمَ ذَلِكَ قَالَ لِأَنَّ اللَّهَ تَعَالَى قَالَ وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ
فَتَرْضَى فكَانَ مِنْ حَقِّهِ أَنْ لَا يَرْضَى إِلَّا أَنْ يَقْبَلَ اللَّهُ شَفَاعَتَهُ فِي كُلِّ كَافِرٍ وَ مُؤْمِنٍ لَكِنَّهُ مَا
قَالَ إِلَّا شَفَاعَتِي لِأَهْلِ الْكِبَايَرِ مِنْ أُمَّتِي اور ان میں سے ہود علیہ السلام نے مجھ سے خطاب کیا۔ اور ان
کے جمع ہونے کا سبب بیان کیا کہ تمام انبیاء علیہم السلام حضرت منصور علیہ الرحمۃ کی شفاعت کیواسطے حضور صلی
اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے ہیں کیونکہ منصور نے دنیاوی زندگی میں بے ادبی سے کہا کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمت اُن کے منصب سے کم ہے۔ لوگوں نے کہا کیوں؟ کہا اس لئے کہ اللہ
تعالیٰ نے فرمایا ہے (عنقریب آپ کو پروردگار وہ چیز عطا کرے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے)۔ پس آپ
کا یہ حق تھا کہ آپ راضی نہ ہوتے جب تک اللہ تعالیٰ ہر کافر و مومن کے حق میں آپ کی شفاعت قبول

نہ کرتا لیکن آپ نے یہی فرمایا کہ میری شفاعت اُمت کے اہل کیا کر کیلئے ہے۔ (انتہی) اور میں نے ہُود علیہ السلام کو انبیاء علیہم السلام میں ایک مردِ جسیم خوبصورت لطیف محاورہ والے، اُمورِ حقائق کے عارف اور اُمورِ حقائق و اسرارِ توحید کے کھولنے والے دیکھا۔ اور ہُود علیہ السلام کو اسرارِ توحید میں کشف نصیب ہونے پر میری دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے (مَا مِنْ دَابَّةٍ اِلَّا هُوَ اخَذُ بِناصِيَتِهَا اِنَّ رَبِّي عَلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ) نہیں ہے کوئی چلنے والا مگر حق تعالیٰ اُس کی پیشانی کے بال پکڑ رہا ہے، کیونکہ میرا رب سیدھی راہ پر ہے۔ اور خلق کے واسطے اس بشارت سے کوشی بشارت بزرگتر ہے۔ آیہ کریمہ صاف توحیدِ افعالیہ پر دلالت کر رہی ہے کیونکہ جب ہر جاندار کی چوٹی کے بال پکڑ کر رب تعالیٰ اُس جاندار کو خود چلا رہا ہے تو ہر جاندار اپنے افعال میں مجبور مامور اور معذور ہے اور عالم میں حقیقتاً فعل الہی جاری ہے۔ غور کرنے پر طالبِ خدا پر یہ راز بھی فاش ہو جاتا ہے کہ وہ چلانے والا رب انسان سے باہر نہیں ہے بلکہ انسان ہی کے دل میں بس رہا ہے اور ہر پیشانی پر اُسی کا ظہور ہے۔ پس آیہ شریفہ توحیدِ صفاتیہ و توحیدِ ذاتیہ پر بھی دلالت کرتی ہے۔ لہذا آیہ شریفہ طالبِ خدا کیلئے اعظم بشارت ہے۔ اور پھر حق تعالیٰ نے ہم پر اپنے احسان سے ہُود علیہ السلام کے اس قول کو ہم تک بواسطہ قرآن مجید پہنچایا۔ پھر اس قول مذکور کو جناب محمد پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو جامعِ کُلِّ ہیں، نے تمام اور مکمل کیا۔ جامعِ کُلِّ سے مراد یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جمیع عوالم کو جامع اور شامل ہیں۔ جمیع عوالم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اجزاء ہیں یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم جمیع حقائق الہیہ و جمیع حقائق کونیہ کے جامع ہیں یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کُلِّ رسل کے مجموعہ ہیں۔ آپ نے اس آیہ شریفہ کی تکمیل اور صراحت اور وضاحت اس حدیث قدسی کے ساتھ کی ہے کہ تحقیق حق تعالیٰ بندے کی سمع و بصر و ہاتھ و پاؤں و زبان کا عین ہے یعنی حق تعالیٰ بندے کے حواس ظاہری جسمانی کا عین ہے۔ اور بندے کیلئے قویٰ روحانیہ تو حواس ظاہری سے بھی زیادہ قریب ہیں اسلئے نتیجہ یہ نکلا کہ حق تعالیٰ بندے کے قویٰ روحانیہ کا بدرجہ اولیٰ عین ہے۔ حق تعالیٰ نے اسی وجہ سے صرف اس بیان پر اکتفا کیا کہ حق تعالیٰ بندے کے حواس ظاہری جسمانیہ کا عین ہے تا کہ طالبِ خدا پر منکشف ہو جاوے کہ اگر حق تعالیٰ بندے کے حواس ظاہری جسمانیہ جو اُبعد و محدود ہیں کا عین ہے تو بلا شک حق تعالیٰ بندے کے قویٰ روحانیہ جو اقرب و مجہول الحد ہیں کا بھی بدرجہ اولیٰ عین ہے۔ عبدِ دو چیزوں کا مجموعہ ہے ایک قالب دوسرا روح۔ اگر حق تعالیٰ قالب کا عین ہے تو روح کا تو بدرجہ اولیٰ عین ہے کیونکہ عالم ارواح بہ نسبت عالم اجسام کے مرتبہ احدیت ذاتیہ کے زیادہ قریب ہے۔ پس حق تعالیٰ نے اپنے

نبی ہو د علیہ السلام کا قول جو اُن کی قوم کیلئے تھا ہمارے لئے اسلئے بیان کیا کہ یہ قول ہمارے لئے علم توحید کی بشارت دینے والا ہے اور جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بھی اللہ تعالیٰ کا قول بیان فرمایا کیونکہ وہ قول بھی علم توحید کی بشارت دینے والا ہے۔ پس اس آیت اور حدیث سے علم توحید کامل ہو جاتا ہے بقولہ تعالیٰ (بَلْ هُوَ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ فِي صُدُورِ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ وَمَا يَجْحَدُ بِآيَاتِنَا إِلَّا الظَّالِمُونَ) جن لوگوں کے سینوں میں وحیانی علم ہے اُن کیلئے قرآن مجید روشن آیات ہیں اور ہماری آیتوں کا انکار سوائے ظالموں کے کوئی نہیں کرتا، کیونکہ وہ ظالم لوگ اگرچہ اُن آیات وحدت کو پہچانتے ہیں لیکن بوجہ اپنے حسد و بخل و ظلم کے اُن آیات کو چھپاتے ہیں۔

ہم نے کبھی کسی آیت میں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے توحید باری تعالیٰ کے متعلق نازل کی گئی ہے یا کسی حدیث قدسی میں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے توحید باری تعالیٰ کے متعلق ہم تک پہنچائی ہے، سوائے تحدید حق کے اور کوئی امر نہیں دیکھا خواہ وہ آیت اور حدیث تنزیہی ہو یا تشبیہی ہو۔ مراد یہ ہے کہ حقتعالیٰ محدود ہے۔ حقتعالیٰ کا سب سے اول مرتبہ مرتبہ عمائیہ ہے۔ اس کو مرتبہ احدیت بھی کہتے ہیں۔ یہ وہ مرتبہ ہے جس کے نہ اوپر ہوا ہے نہ نیچے ہوا ہے۔ اوپر کی ہوا سے مراد ظہور حق ہے نیچے کی ہوا سے مراد ظہور خلق ہے یعنی مرتبہ احدیت میں نہ ظہور حق ہے نہ ظہور خلق ہے۔ یہ بطون و بظون مرتبہ ہے اور حقتعالیٰ خلق کے پیدا کرنے سے پہلے اسی مرتبہ میں تھا۔ عماء ابر رقیق کو کہتے ہیں۔ جب قرص آفتاب کے آگے ابر رقیق آجائے تو آفتاب کی روشنی کا ظہور نہیں ہوتا۔ مرتبہ احدیت کو بھی مرتبہ عمائیہ اسلئے کہا جاتا ہے کہ اس میں اسماء و صفات کا ظہور نہیں۔ اس حدیث شریف میں جو تعریف اللہ تعالیٰ کی کی گئی ہے اس سے اللہ تعالیٰ محدود ثابت ہوتا ہے۔ پھر قرآن مجید میں ذکر فرمایا (ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ) پھر حقتعالیٰ نے عرش پر قرار پکڑا۔ پس یہ آیت بھی محدود کرنے والی ہے۔ پھر حدیث شریف میں ارشاد فرمایا کہ تحقیق حقتعالیٰ آسمان دُنیا کی طرف نازل ہوتا ہے۔ پس یہ حدیث شریف بھی محدود کرنے والی ہے۔ پھر حقتعالیٰ نے اس بات کا ذکر کیا کہ تحقیق حقتعالیٰ بیچ آسمان کے ہے اور تحقیق وہ بیچ زمین کے ہے۔ اس آیت سے بھی حقتعالیٰ محدود ہو جاتا ہے۔ اور پھر ذکر فرمایا کہ تحقیق حقتعالیٰ ہمارے ساتھ ہے جس جگہ ہم ہو ویں یہاں تک کہ حدیث قدسی میں حقتعالیٰ نے خبر دی کہ تحقیق حقتعالیٰ ہمارا عین ہے اور ہم محدود ہیں پس حقتعالیٰ نے اپنی ذات کا وصف ساتھ محدود کے کیا۔ نیز اللہ تعالیٰ کا قول (لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ) بھی محدود کرنے والا ہے۔ کِمِثْلِهِ میں اگر ک زائدہ لیا جائے اور ک بمعنی صفت اور مثل کے

نہ لیا جائے تو آیہ شریفہ کے معنی ہونگے 'اُس کی مثل کوئی شے نہیں' پس حقیقی مثل سے جدا ہوا۔ ہم اہل عالم
ایک دوسرے کی مثل ہیں لہذا محدود ہیں۔ پس حقیقی محدود سے متمیز اور جدا ہوا اور جو محدود سے جدا ہوا وہ بھی محدود ہے کیونکہ
کیونکہ اب اُس پر یہ قید اور حد لگ گئی کہ وہ محدود نہیں ہے۔ پس تقیید سے مطلق کرنا بھی تقیید ہے کیونکہ اگر
کہا جائے کہ وہ ذات مطلق ہے مقیّد نہیں تو اطلاق بھی تو قید ہی ہے۔ جیسا مقیّد ماننے سے وہ محدود ہو جاتا
ہے ایسا ہی مطلق ماننے سے وہ محدود ہو جاتا ہے۔ مقیّد میں تقیید کی قید اور حد ہے اور مطلق میں اطلاق کی
قید اور حد ہے۔ بہر حال یہ قول حق بھی حق کو محدود کرنے والا ہے۔ جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے فہم عطا کیا ہوا ہے
اُس کے نزدیک مطلق بھی بسبب قید اطلاق کے مقیّد ہو جاتا ہے۔ اب آیہ شریفہ کا دوسرا معنی لیجئے۔ اگر کِیْثِلَہ
میں ک بمعنی صفت اور مثل کے لیا جائے تو آیہ شریفہ کے معنی ہوں گے 'اُس کی مثل کی مثل کوئی شے نہیں'۔
اس سے حقیقی کی مثل تو ثابت ہے آگے اُس مثل کی مثل کی نفی ہے۔ جب حقیقی کی مثل ثابت ہو گئی
تو وہ ذات محدود ہو گئی۔ اب آیہ شریفہ کا تیسرا معنی لیجئے۔ اور اگر آیہ شریفہ (لَیْسَ کِیْثِلَہُ شَیْءٌ) کو ہم نفی
مثل حقیقی پر حمل کریں تو اس آیت شریفہ کے مفہوم اور اخبار صحیحہ کے سبب ہم کو تحقق ہو جائے گا کہ تحقیق
حقیقی اشیاء کا عین ہے کیونکہ اگر بہ نظر فراست دیکھا جائے تو عالم کی ہر شے بے مثل ہے۔ مثلاً بظاہر دیکھا
جائے تو ایک انسان دوسرے انسان کی تقریباً مثل ہے لیکن غور سے دیکھا جائے تو ایک انسان جیسا دوسرا
انسان من و عن سارے عالم میں نہ ملے گا بلکہ ابدال آباد تک نہ ملے گا۔ پس انسان بے مثل ہے اور اسی بنا پر
ہم استنباط کرتے ہیں کہ عالم کی ہر شے بے مثل ہے اور حقیقی بھی بے مثل ہے۔ لہذا ثابت ہوا کہ 'عالم کی ہر
شے' اور 'حقیقی' ایک دوسرے کے عین ہیں۔ اب ماننا پڑا کہ تحقیق حقیقی اشیاء کا عین ہے۔ اور اشیاء
محدود ہیں اگرچہ اُن کی حدود مختلف ہیں پس ہر محدود شے کی حد کیساتھ حقیقی بھی محدود ہے یعنی ہر شے
کی حد اور تعین اللہ تعالیٰ کی حد اور تعین ہے۔

پس حقیقی مخلوقات و مبدعات کے وجود میں سرایت کرنے والا ہے۔ مراد یہ ہے کہ ممکنات کے
اعیان خارجیہ و اعیان ثابۃ کی صورت پر حقیقی ہی جلوہ نما ہے یعنی عالم ذات، عالم امر اور عالم شہادت میں
حقیقی ہی سرایت کرنے والا ہے اور اگر یہ بات نہ ہوتی تو اشیاء کا وجود ثابت و صحیح نہ ہوتا پس حقیقی وجود
عالم کا عین ہے جیسا کہ سیاہی کتاب کے مجملہ اوراق، الفاظ و حروف میں ساری ہے۔ اب ہم کہہ سکتے ہیں کہ
سیاہی وجود کتاب کا عین ہے۔ پس حقیقی ہر شے پر بذاتہ نگہبان ہے اور کسی شے کی نگہبانی اُس پر گہرا

نہیں ہوتی۔ وہ ہر شے پر بذاتہ نگہبان ہے یعنی ہر نگہبان کی صورت پر خود ہی جلوہ نما ہے اور جمیع نگہبانوں کے افسر سرکار دو عالم جناب محمد پاک ہیں صلی اللہ علیہ وسلم۔ پس حقیقی کی نگہبانی واسطے مجملہ اشیاء کے نگہبانی واسطے اپنی صورت کے ہے اور وہ اشیاء کی نگہبانی اس امر سے کرتا ہے کہ کوئی شے اُس کی صورت کے بغیر نہ ہو۔ مراد یہ ہے کہ مجملہ اشیاء کی صورت پر حقیقی ہی جلوہ نما ہے اور کسی شے کی صورت اُس کی صورت کے بغیر نہیں اور یہ قول تب ہی صحیح ثابت ہوتا ہے جب ہر شاہد کی صورت پر خود حقیقی ہی شاہد ہو اور ہر مشہود کی صورت پر حق تعالیٰ ہی مشہود ہو۔ مراد یہ ہے کہ وہ خود ہی شاہد ہے اور خود ہی مشہود ہے وہ خود ہی ناظر ہے اور خود ہی منظور ہے۔ اُس کے سوا دوسرا پیدا ہی نہیں۔ پس عالم اللہ تعالیٰ کی صورت ہے اور اللہ تعالیٰ عالم کی روح ہے اور اُس کے واسطے مدبر ہے لہذا عالم انسان کبیر ہے۔ انسان جسد اور روح کا مجموعہ ہے اور روح جسد کیلئے تدبیر کر نیوالا ہے ایسے ہی عالم کی ایک صورت یا جسد ہے اور ایک اُس کا روح ہے لہذا عالم انسان کبیر ہے۔ شعر

(۱) تا (۳) پس حقیقی کلمہ کون ہے یعنی عالم سے علیحدہ حقیقی کا کوئی وجود نہیں، اللہ تعالیٰ اسم ہے اور مسمیٰ عالم ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات کا ظہور نامہ عالم کی صورت پر ہوا ہے۔ اور وہی واحد ہے کہ میری ہستی اُس کی ہستی کیساتھ قائم ہوئی۔ اور اسی لئے میں نے کہا کہ حقیقی غذا کرتا ہے۔ پس میرا وجود اُس کی غذا ہے اور ہم اُس کے ساتھ غذا کرتے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ اگرچہ عالم ظہور حق ہے لیکن انسان جامع جمیع مراتب حقیقی اور خلقی ہونے کے باعث ذات حق کیلئے مراتب نامہ ہے۔ انسان کا وجود ساتھ اللہ تعالیٰ کے ہے اور اللہ تعالیٰ کا ظہور ساتھ انسان کے ہے۔ انسان نہ ہو تو اللہ تعالیٰ کا ظہور نہیں ہو سکتا، اللہ تعالیٰ نہ ہو تو انسان کا وجود نہیں ہو سکتا۔ وہ واحد ہر شے ہر ہر تعین اور ہر انسان میں اس طرح جلوہ نما ہے جس طرح سیاہی ہر ہر حرف ہر ہر لفظ اور ہر ہر کلمہ کی صورت پر جلوہ نما ہے۔

(۴) میرا پناہ لینا پس ساتھ حقیقی کے حقیقی سے ہے اگر میں وجہ اطلاق اور وجہ تقييد پر نظر رکھوں۔ مراد یہ ہے انسان باعتبار صورت یا جسد کے عبد ہے اور باعتبار حقیقت کے رب ہے۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ ہی انسان کی صورت پر جلوہ نما ہے لیکن انسان جسد کے اعتبار سے مُقید ہے اور حقیقت کے لحاظ سے مُطلق ہے۔ لہذا عارف کامل خود ہی سائل ہے اور خود ہی مسئول ہے۔ پناہ لینے والا بھی خود ہے اور پناہ دینے والا بھی خود ہے کَمَا قَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَعُوذُ بِكَ مِنْكَ۔

مرتبہ احدیت ذاتیہ میں عالم کے اعیان ثابتہ بالقوۃ مندرج تھے۔ یعنی مرتبہ احدیت ذاتیہ میں اسماء الہیہ

بِالْقُوَّةِ موجود تھے۔ جب حق تعالیٰ نے جوشِ محبت سے اپنا ظہور یعنی اسماء الہیہ کا ظہور چاہا تو حق تعالیٰ نے سانس لیا یعنی تجلی کی۔ اسماء الہیہ چونکہ بطون میں تھے اسلئے انہوں نے ظہور کا تقاضا کیا۔ اس پر حق تعالیٰ کو کرب یعنی جوشِ محبت پیدا ہوا۔ اُس کرب کے ارتفاع کی خاطر حق تعالیٰ نے سانس لیا یعنی تجلی کی۔ اور اس سانس یعنی تجلی کی نسبت اسمِ رحمن کی طرف کی کیونکہ اسمِ رحمن کیساتھ اللہ تعالیٰ نے رحمتِ عامہ کی اور اسماء الہیہ کو ظہور فرمایا۔ پہلے ظہور علمی اور پھر ظہور خارجی عطا فرمایا۔ رحمت سے مراد اعیانِ ثابتہ عالم اور اعیانِ خارجیہ عالم کو اپنا وجود عطا کرنا ہے۔ پس صورِ عالم کے ایجاد کا باعث اسماء الہیہ کا تقاضا ظہور ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے بغیر تمیز ہر کسی کو اپنا وجود عطا کیا لہذا یہ اُسکی عام رحمت ہے۔ اس میں مومن کافر سب برابر کے شریک ہیں۔ اسی لئے ہم نے کہا کہ عالم کی ظاہر صورتیں حق تعالیٰ کا ظاہر ہیں کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے **هُوَ الظَّاهِرُ وَهُوَ الْبَاطِنُ** اور حق تعالیٰ عالم کی صورتوں کا باطن ہے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے **هُوَ الْبَاطِنُ وَهُوَ الْوَلَدُ** اور حق تعالیٰ ہر شے کا اول ہے کیونکہ جس وقت ازل الازل میں ذات حق مرتبہ صرافت ذاتی میں تھی تو حق تعالیٰ تھا اور عالم کی صورتیں نہ تھیں۔ **وَهُوَ الْآخِرُ** اور حق تعالیٰ ہر شے کا آخر ہے کیونکہ صورِ عالم کے خارج میں ظاہر ہونے کے وقت حق تعالیٰ صورِ عالم کا عین ہے پس اسمِ آخر اسمِ ظاہر کا عین ہے اور اسمِ باطن اسمِ اول کا عین ہے۔ **(وَهُوَ الْبَاطِنُ شَيْءٌ عَلِيمٌ)** اور حق تعالیٰ ہر شے کو جاننے والا ہے کیونکہ تحقیق وہ اپنی ذات کو جاننے والا ہے۔ مراد یہ ہے کہ کل شے کی صورت پر حق تعالیٰ کی ذات کا ظہور ہے اور وہ اپنی ذات کو جانتا ہے لہذا وہ کل شے کو جانتا ہے۔

پس جب حق تعالیٰ نے عالم کی صورتوں کو اپنے نفس یعنی تجلی میں پیدا کیا۔ مراد یہ ہے کہ فیضِ اقدس سے حق تعالیٰ نے اپنی ذات پر اپنی تجلی کی تو حق تعالیٰ کو عالم کے اعیانِ ثابتہ حاصل ہوئے یعنی عالم کی علمی صورتیں حاصل ہوئیں اور فیضِ مقدس سے حق تعالیٰ نے علمی صورتوں کو عینی خارجی لباس پہنایا تو عالم کی ظاہری صورتیں پیدا ہو گئیں اور نسبتوں جن کو اسماء الہیہ کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے کی سلطنت اور حکومت ظاہر ہو گئی۔ تو عالم کی صورتیں گویا سلطنت اسماء الہیہ کا ظہور ہیں۔ پس صورِ عالم کے ظہور کے سبب اللہ تعالیٰ کی عالم کے واسطے نسبتِ صحیح ہوئی اور اہل عالم اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت رکھنے والے ہوئے۔ حدیثِ قدسی میں سرکارِ دو عالم جنابِ محمد پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرمائے گا کہ آج کے دن میں تمہاری نسبتوں کو نیست و نابود کروں گا اور اپنی نسبتوں کو ظاہر کروں گا یعنی اُن نسبتوں کو جو تمہاری ذاتوں کی طرف منسوب ہیں تم سے اخذ کروں گا اور تم سے پھیر لوں گا یعنی تمہاری نسبتوں کو اپنی طرف پھیر لوں گا۔ مراد یہ ہے کہ قیامت

کے دن جب پردے اٹھا دیئے جائیں گے تو ہر کوئی اپنی حقیقت کو پالیگا اور اپنے افعال و صفات و ذات کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرے گا۔ دار دنیا میں اللہ تعالیٰ نے کسی حکمت کی خاطر انسان کے دل پر وہم کا حجاب ڈال دیا ہے اور وہ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ سے جدا جانتا ہے لہذا اپنے افعال و اپنی صفات و اپنی ذات کو اپنی ذات کی طرف منسوب کرتا ہے۔ قیامت کے دن جب حجاب وہم اٹھا دیا جائیگا تو ہر انسان راز توحید کو پالیگا اور اپنی ذات کو عین اللہ کی ذات جانے گا اور اپنے افعال و اپنی صفات کو بھی اللہ تعالیٰ کی ذات کی طرف منسوب کرے گا۔ لہذا حق تعالیٰ بندے کی تمام نسبتوں کو اُس سے اخذ کر لیں گے اور اپنی طرف پھیر دیں گے یعنی اُس کو عارف باللہ بنادیں گے۔ یہ عوام الناس کے حق میں ہے۔ عارف باللہ دار دنیا میں ہی اپنی وہمی خودی سے فارغ ہو جاتا ہے اور ہر توحید کو پالیتا ہے لہذا وہ اپنے افعال اور اپنی صفات اور اپنی ذات کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتا ہے۔ اِنَّ الْمُتَّقِينَ کہاں ہیں متقی لوگ یعنی وہ لوگ جنہوں نے اللہ تعالیٰ کو وقایہ گردانا یعنی ذات حق میں محو اور مستغرق ہو کر فانی فی اللہ اور باقی باللہ ہو گئے۔ اور اللہ تعالیٰ اُن کے ظاہر باطن کا حافظ ہے۔ پس اللہ تعالیٰ اُن کا ظاہر ہو گیا یعنی اُن کی ظاہری صورتوں کا عین ہو گیا۔ جب اللہ تعالیٰ کسی عارف کو فنا کرتا ہے تو اُس کا ظاہری وجود گداڑ ہو جاتا ہے اور مواد سے فارغ ہو جاتا ہے۔ روح القدس اُس کے جسد کی صورت اختیار کر لیتا ہے اور وہ عارف روحانی و ربانی ہو جاتا ہے۔ جمیع اہل اللہ کے نزدیک ایسے متقی لوگ انسانوں میں بزرگترین اور اُن میں سے راسخ ترین اور قوی ترین ہیں۔ متقیوں کا ایک اور گروہ بھی ہے۔ یہ صاحب تقویٰ ہیں لیکن ان کو معرفت الہی نصیب نہیں۔ ایسا متقی شخص مومن ہے عارف نہیں۔ یہ وہ شخص ہے جس نے اپنی ذات کو اپنی صورت کیساتھ حق تعالیٰ کے واسطے وقایہ بنایا ہوا ہے حالانکہ حق تعالیٰ کی ہوت اور ذات عابد کے قوی ہیں۔ یعنی مومن شخص اپنے افعال اپنی صفات اور اپنی ذات کو اپنی ذات کی طرف منسوب کرتا ہے اور یہ نہیں جانتا کہ اُس کے ظاہری باطنی قوای حق تعالیٰ ہے اور وہ اپنی کم فہمی کی وجہ سے حق تعالیٰ کا وقایہ یعنی حافظ بنا بیٹھا ہے اور اُس کی اس نادانی کو اہل شہود و کشف دیکھتے ہیں۔ پس اسی معرفت کے باعث عالم متقی غیر عالم متقی سے متمیز ہوا بقولہ تعالیٰ (قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ط إِنَّ تَنَائِدَ كَرُؤُا وُلُوَا الْاَلْبَابِ) اے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم! کیا برابر ہوتے ہیں وہ لوگ کہ جانتے ہیں اور وہ لوگ کہ نہیں جانتے ہیں؟ سوائے اس کے نہیں کہ صاحب عقل خالص نصیحت پکڑتے ہیں۔ اور اُولُو الْاَلْبَاب وہ لوگ ہیں جو کسی شے کے لب اور خلاصہ پر نظر کرنے والے ہیں یعنی وہ

اصل جو اُس شے سے مطلوب اور مقصود ہے۔ اب مومن کا مقصود جنت ہے اور عارف کا مقصود معرفت الہی ہے۔ مومن مُقَصِّر ہے اور عارف مُجَدِّد ہے۔ مومن معرفت الہی میں قصر کرتا ہے کوتاہی کرتا ہے اور سستی کرتا ہے لیکن عارف معرفت الہی میں کوشش کرتا ہے۔ پس مُقَصِّر نے مجد پر سبقت نہ کی۔ ایسے ہی اجیر عبد کیسا تھ مماثلت نہیں رکھتا کیونکہ مزدور اجرت کی خاطر محنت کرتا ہے اور عبد اپنے آقا کی خوشنودی کی خاطر کام کرتا ہے۔ مومن کی مثال مزدور کی سی ہے۔ مومن اپنی عبادت و ریاضت کے صلہ میں اللہ تعالیٰ سے جنت کا سائل ہے۔ اور مرد عاشق و عارف کی مثال عبد کی سی ہے۔ عارف اپنی عبادت و ریاضت کا صلہ اللہ تعالیٰ کا مشاہدہ اور وصال چاہتا ہے۔ وہ مولا سے مولا کا طالب ہے اور مومن مولا سے محض جنت کا طالب ہے۔

اور جب ایک وجہ سے حق عبد کا وقایہ ہوا اور ایک وجہ سے عبد حق کا وقایہ ہوا تو انسان کے حق میں جو چاہے کہہ۔ مراد یہ ہے کہ انسانوں کے مختلف مراتب و مدارج ہیں۔ اگر تو چاہے تو کہہ کہ انسان خلق ہے۔ یہ اُس انسان کے متعلق ہے جس کو عرفان الہی نصیب نہیں۔ وہ اپنے آپ کو حق تعالیٰ سے جدا جانتا ہے اور اپنے آپ کو محض خلق جانتا ہے۔ اور اگر تو چاہے تو کہہ کہ انسان حق ہے۔ یہ اُس انسان کے متعلق ہے جو مستہلک نور حق ہے اور اُس میں محض رُبوبیت کی خوشبوئیں مہک رہی ہیں۔ وہ ذات حق کے سمندر میں غوطہ زن ہے۔ یہ مجاذیب کا گروہ ہے۔ اور اگر تو چاہے تو کہہ کہ انسان حق بھی ہے اور خلق بھی۔ یہ اُس عارف کامل کے متعلق ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کے سمندر میں غوطہ لگوانے کے بعد پھر کنارے پر پھینک دیا ہے یعنی صفات بشریت کا لباس دوبارہ اوڑھا دیا ہے۔ وہ صفات کاملہ الہیہ سے بھی مُزین ہے اور صفات خلقیہ سے بھی موصوف ہے۔ ایسا شخص مُحَقِّق اور محبوب ہوتا ہے۔ اور اگر تو چاہے تو کہہ کہ انسان کُل وجہ سے حق نہیں ہے اور کُل وجہ سے خلق نہیں ہے۔ یعنی انسان میں جمیع کمالات حق نہیں پائے جاتے اور جمیع کمالات خلقی بھی نہیں پائے جاتے۔ یہ مبتدی سالک کے متعلق ہے۔ چونکہ صفات کاملہ کا ظہور درویش کے دل میں بتدریج ہوتا ہے اسلئے مبتدی سالک کا دل نور سے اگر چہ منور تو ہوتا ہے لیکن صفات کاملہ کا ظہور کُل نہیں ہوتا، جزوی ہوتا ہے۔ اُسکے دماغ میں توحید کی خوشبو تو پہنچتی ہے لیکن وہ فنا فی التوحید نہیں۔ خلق کی کُل صفات بھی اُس میں نہیں پائی جاتیں کیونکہ بعض صفات ناقصہ خلقیہ سے وہ فارغ ہو جاتا ہے۔ وہ اپنے نفس سے مجاہدہ کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے وہ حرص و ہوا و حسد و بخل و تکبر و دیگر بُرے اخلاق سے نجات پا جاتا ہے۔ عام خلق میں یہ حجبہ صفات بھی پائی جاتی ہیں۔ لہذا اُس مبتدی سالک میں خلقی صفات کا ظہور بھی کُل نہیں ہُزی۔

اور اگر تو چاہے تو کہہ کہ انسان محض خیرت ہی خیرت ہے۔ بشری عقول اور فہوم اُس کے ادراک سے عاجز ہیں یہ سرکارِ دو عالم جناب محمد پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس میں ہے کیونکہ حدیث شریف میں وارد ہوا لَا یَعْلَمُ حَقِیقَتِیْ غَیْرُ مَیْرَیْ میری حقیقت کو سوائے میرے رب کے کوئی نہیں جانتا۔ پس اُسے طالبِ تحقیق نہ کہ بالاکلام کے مطالب تعیینِ مراتب کیساتھ تجھ پر ظاہر ہو گئے لہذا ثابت ہوا کہ ہر انسان میں اللہ تعالیٰ کا ظہور اُس انسان کی استعداد کے مطابق ہے۔ اور اگر اللہ تعالیٰ کیلئے مد نہ ہوتی تو رُسُلِ حق تعالیٰ کے صورتوں میں تحول اور تبدیلی کی خبر نہ دیتے اور نہ ہی حق تعالیٰ کی صفت اس امر سے کہتے کہ مجھ صورتِ عالمِ حق تعالیٰ کی ذات سے پیدا ہوئی ہیں بد شع

(۱) پس نہیں نظر کرتی ہے کوئی آنکھ مگر طرفِ حق تعالیٰ کے یعنی جو نظر آ رہا ہے یہ سب اُسی کی ذات ہے۔ اور کوئی حکم واقع نہیں ہوتا مگر اُوپر حق تعالیٰ کے یعنی جو حکم نیک و بد کا انسان پر واقع ہوتا ہے اُس کا حقیقی فاعل حق تعالیٰ ہے۔

(۲) پس ہم اہلِ عالم اُسی کیلئے ہیں یعنی اُس ذاتِ پاک کے ظہور کیلئے ہیں اور اُسی کیساتھ ہیں یعنی ہمارا قیام ساتھ اُسی کے ہی سیاہی کا ظہور ساتھ حروف اور الفاظ کے ہی حروف اور الفاظ کا وجود ساتھ سیاہی کے ہی۔ اور ہم اہلِ عالم اُس کے دونوں ہاتھوں میں ہیں۔ اُس کے دو ہاتھ جلال اور جہاں کے ہیں۔ اور ہماری پیشانیاں اُس کے دونوں ہاتھوں میں ہیں چاہے جلال سے پکڑے چاہے جہاں سے پکڑے لیکن ہم کو ہماری استعدادات کے مطابق چلانا ہے۔ اور ہر حال میں ہم اہلِ عالم حق تعالیٰ کے قریب ہیں یعنی کیا عارف کیا جاہل ہر کوئی اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہے بلکہ اصل باللہ ہے۔ مراد یہ ہے کہ ہر صورت پر حق تعالیٰ ہی کا ظہور ہے۔

وَلِهَذَا اور بسببِ اسی تعیینِ مراتب کے حق تعالیٰ انکار کیا جاتا ہے اور پہچانا جاتا ہے اور منترہ کیا جاتا ہے اور وصف کیا جاتا ہے۔ یعنی انسانوں کے مراتب مختلف ہیں۔ بعض اُس کے وجود کے ہی مُنکر ہیں بعض اُس کی ذات کے عارف ہیں اور بعض اُس کو محض منترہ جانتے ہیں اور بعض اُس کو محض مشبہ جانتے ہیں۔ پس جس نے حق تعالیٰ کو حق سے بیچ حق کے حق تعالیٰ کی آنکھ کیساتھ دیکھا تو وہ شخص عارف ہے۔ یعنی جس نے اس امر کو جان لیا کہ رآئی اور مرئی حق ہے تو وہ عارف باللہ ہے۔ اور جس نے حق تعالیٰ کو حق سے بیچ حق کے ساتھ اپنی ذاتی آنکھ کے دیکھا وہ غیر عارف ہے یعنی ابھی اُس میں غیریت باقی ہے کیونکہ عالم کو تو وہ عین حق دیکھتا ہے لیکن اپنی خودی کا بھی اثبات کرتا ہے۔ جب تک انسان کے دل سے وہم خودی کا پردہ

شوق نہ ہو وہ عارف نہیں ہوتا۔ عارف وہ ہے جو اپنے آپ کی نسبت حقیقی کی طرف کرے یعنی کہے کہ میرا
قالب اور میرا روح اُسی کا ہے۔ میرا ظاہر باطن وہی ہے۔ اس صورت میں وہی ممکن ہے بلکہ ہر صورت میں
اُسی کو دیکھے اور کہے۔

سب میں پورا ہے کسی میں کم نہیں ؛ بلکہ سرتاپا وہی ہے ہم نہیں
اور جس نے حقیقی کو حق سے اور بیچ حق کے نہ دیکھا اور انتظار کی کہ وہ حقیقی کو اپنی آنکھ سے دیکھ گیا وہ جاہل
ہے یعنی جس شخص کا یہ خیال ہے کہ وہ اپنے آپ سے علیحدہ ایک خدا کو دیکھے وہ جاہل ہے کیونکہ خدا تو وہی ہے جو اس کی صورت
پر جلوہ نما ہے۔ حق اس سے جدا ہے ہی نہیں جس کو یہ دیکھنا چاہتا ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ حقیقی ہی حق
تعالیٰ ہے اُس کے سوا کسی چیز کا وجود ہی نہیں۔ لیکن ایک چیز جان لے کہ اگرچہ ہر انسان کی صورت پر اُسی
کا ظہور ہے لیکن اُس کا ظہور ہر انسان میں ہر تعین میں ہر شے میں ہر ہر کی استعداد کے مطابق ہے یعنی اُس
ذات پاک کے لئے مختلف مراتب ہیں اور ہر مرتبہ میں اُس کا ایک خاص حکم ہے۔ کہیں گل ہے کہیں خار ہے
کہیں نور ہے کہیں تاری ہے کہیں ابو جہل ہے اور کہیں احمد مختار ہے صلی اللہ علیہ وسلم
ہر مرتبہ از وجود حُکمے دارد ؛ گر حفظ مراتب نکنی زندیقی

حاصل کلام یہ ہے کہ ہر شخص کا اپنے رب کے متعلق ایک خاص عقیدہ ہے اور اُسی عقیدہ کے ساتھ وہ اپنے
رب کی طرف رجوع کرتا ہے اور وہ اُسی عقیدہ والی صورت میں اپنے رب کو طلب کرتا ہے۔ پس جب حق
تعالیٰ اُس کیلئے اُسی صورت میں تجلی کرتا ہے تو وہ حقیقی کو پہچانتا ہے اور اُس کے ساتھ اقرار کرتا ہے
یعنی اُس صورت کو عین حق مانتا ہے۔ اور اگر حقیقی اُس کیلئے کسی غیر صورت میں یعنی اُس کی معتقدہ صورت
کے سوا کسی اور صورت میں تجلی کرتا ہے تو وہ اُس کا یعنی حقیقی کا انکار کرتا ہے اور اُس سے پناہ مانگتا ہے۔
اور حقیقت میں وہ حقیقی کیساتھ سوئے ادبی کرتا ہے حالانکہ اُس کا زعم یہ ہے کہ اُس نے تحقیق حقیقی کے
ساتھ ادب کیا ہے۔ پس کوئی مُعتقد کسی معبود کیساتھ اعتقاد نہیں کرتا سوائے اُس معبود کے جس کو اُس نے
اپنے زعم میں معبود گردانا ہے۔ پس معبود اعتقادات میں ساتھ بنالینے کے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ ہر کسی نے اپنا معبود
اپنے اعتقاد کے مطابق گھڑ رکھا ہے۔ لہذا جملہ مختلف اعتقادات والے اپنی ذاتوں کو اور اُن صورتوں کو جو انہوں
نے اپنی ذاتوں میں گھڑ رکھی ہیں دیکھتے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ ہر کوئی اللہ تعالیٰ کو اُس صورت میں دیکھتا ہے جو صورت
وہ حقیقی کیلئے اپنے ذہن میں ٹھہراتا ہے۔ عارف کامل جو راہ توحید کو جانتا ہے اس حقیقت کو جانتا ہے کہ

اللہ تعالیٰ کی ذات ہر صورت پر جلوہ نما ہے لہذا وہ ہر صورت میں اُسی کو دیکھتا ہے۔ کسی ایک صورت میں اُس کو مقید نہیں کرتا۔

پس اسے طالب! تو معرفت باللہ میں لوگوں کے مراتب دیکھ اور روزِ قیامت کو رویت باری تعالیٰ کے متعلق اُن کے وہی مراتب ہوں گے جو آج دارِ دنیا میں اُن کو حاصل ہیں۔ یعنی روزِ قیامت ہر کسی کو دیدارِ الہی اُس کے اعتقاد کے مطابق ہوگا۔ اور تحقیق میں تجھے اُس سبب سے جو اس امر کا موجب ہے آگاہ کر چکا ہوں۔ پس اُسے عارف! تو اس بات سے اپنے آپ کو بچا کہ تو کسی ایک مخصوص عقیدہ کی قید میں مقید ہووے اور اُسکے سوا باقی جملہ عقائد کی تکفیر کرے۔ اگر تو ایسا کرے گا تو تجھ سے خیر کثیر فوت ہوگی بلکہ تجھ سے وہ علم باللہ جو نفس الامر میں چاہیئے فوت ہو جائیگا۔ لہذا تو اپنی ذات میں کل معتقدہ صورتوں کا ہیوولی بن جا کیونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ اس امر سے اوسع و اعظم ہے کہ کوئی ایک خاص عقیدہ سوائے دوسرے عقائد کے اُس کو حصر کر سکے۔ اُس پر دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے (فَاَيْنَبَا تُوَكُّوْا فِثْمَ وَجْهِ اللّٰهِ) جس طرف تم منہ پھیرو پس وہاں اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ آیہ شریفہ میں ایک جہت کی دوسری جہت سے تخصیص نہیں کی گئی اور حقیقتاً نے ذکر کیا کہ تحقیق اُس جگہ اللہ تعالیٰ کی وجہ ہے۔ اور کسی شے کی وجہ سے مراد اُس شے کی حقیقت اور ذات ہے۔ مراد یہ ہے کہ ہر طرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے یعنی ہر شے کی حقیقت حقیقتاً ہے اسی لئے وہ ذات جملہ عقائد کی حقیقت ہے۔ نیز اس آیہ شریفہ سے اللہ تعالیٰ نے عارفین کے قلوب کو تنبیہ کر دی ہے کہ وہ اس وحدت الوجود کا مراقبہ ہر حال میں اور ہر شغل میں قائم رکھیں اور اس دنیوی زندگی میں امور دنیوی اور دیگر غواض اُن کو اس شہودِ جمالِ حق سے باز نہ رکھیں۔ اس میں اشارہ ہے کہ عارف باللہ کسی فعل، کسی عقیدہ، اور کسی شے پر اعتراض نہ کرے کیونکہ ہر فعل، ہر عقیدہ اور ہر شے کی حقیقت حق ہے۔ نیز عارف کا حال ہر وقت بدلتا رہتا ہے۔ گاہے قبض گاہے بسط لیکن قبض کی حالت میں بھی عارف کو سمجھ لینا چاہیئے کہ یہ سب حالتیں آنے جانے والی ہیں۔ اصل حقیقت توحید ہے اور اُس کو اپنی حقیقت پر ہر حال میں توجہ رکھنی چاہیئے۔ اور اُسے سمجھ لینا چاہیئے کہ کوئی دنیا کا شغل اچھا یا برا دائرہ توحید سے باہر نہیں ہے۔ اگر عارف کے دل میں غش و محبت کی لہریں ٹھاٹھیں مار رہی ہیں تو یہ بسط کی حالت ہے اور اگر دل افسردہ ہے تو یہ قبض کی حالت ہے۔ بعض اوقات مبتدی درویش بہ سبب اشغالِ دنیوی کے اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل ہو جاتا ہے اور اُس غفلت کے دوران اُس کے دل پر قبض کی حالت طاری ہو جاتی ہے لیکن اگر وہ مراقبہ وحدت الوجود میں ماہر ہے تو وہ اس قبض کی حالت میں بھی جزع فزع نہیں کرے گا

کیونکہ وہ تمام حالتوں کو ذات حق کی طرف منسوب کرتا ہے۔ اور چونکہ اللہ تعالیٰ اپنی شانیں بدلتا رہتا ہے اسلئے بندے کی حالتیں بدلتی رہتی ہیں اور بندے کو یہ پتہ نہیں کہ اُس پر قبض کی حالت کس وقت طاری ہو جائے۔ جسوقت وہ سالک غفلت سے باہر نکلتا ہے اور یاد الہی میں مشغول ہو جاتا ہے اسوقت اُس کے دل میں بسط کی حالت پیدا ہو جاتی ہے۔ مُنتہی عارف پر بھی قبض بسط کی حالتیں آتی جاتی رہتی ہیں لیکن مُبتدئی اور مُنتہی برابر نہیں ہیں۔ یہ حالت تلویں ہے اور اس کا صاحب عارف صاحب حال کہلاتا ہے۔ بعض اخص ان خواص عارف اس سے ترقی کر کے مقام تمکین و استقامت پر فائز ہو جاتے ہیں اور وہ صاحب مقام کہلاتے ہیں۔ صاحب حال دریا میں جو کبھی بھرے ہوئے اور کبھی خشک بھی ہو جاتے ہیں۔ صاحب مقام سمندر میں جو کبھی خشک نہیں ہوتے۔ وہ قبض بسط سے فارغ ہو جاتے ہیں لیکن مذکورہ سمندر میں بھی ہوتی رہتی ہے۔

پھر عارف کامل کی یہ شان ہے کہ اگرچہ اُس کو آیہ شریفہ (فَإَيْنَمَا تَوَلَّوْا فَثَمَّ وَجْهَ اللَّهِ) کے مفہوم کا علم ہے لیکن وہ ظاہری صورت اور حال مُقید میں اس امر کو لازم پکڑتا ہے کہ نماز میں اپنی توجہ مسجد حرام کی جہت کی طرف رکھے بقولہ تعالیٰ (وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ) اور جس جگہ سے تُو نکلتے مسجد حرام کی طرف مُنہ کر۔ اور نمازی حالت نماز میں اعتقاد کرتا ہے کہ تحقیق اللہ تعالیٰ اُس کے قبلہ میں ہے یعنی اُس کے روبرو ہے۔ نیز قبلہ (أَيْنَمَا تَوَلَّوْا فَثَمَّ وَجْهَ اللَّهِ) کے اعتبار سے حقیقی کی ذات کے مراتب میں سے ایک مرتبہ ہے اور مسجد الحرام کی جہت بھی اُن مراتب اور جہات میں سے ایک جہت ہے۔ پس مسجد الحرام کی جہت میں اللہ تعالیٰ کی ذات ہے لیکن یہ مت کہہ کہ اللہ تعالیٰ کی ذات فقط اُسی جگہ ہے بلکہ تُو نے جو کچھ آیہ شریفہ سے ادراک کیا ہے اُس پر قائم رہ۔ آیہ شریفہ کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہر جہت میں اور ہر جگہ پائی جاتی ہے۔ باوجود اس علم کے تجھ پر لازم ہے کہ مسجد الحرام کی جہت کو تُو اپنا قبلہ ٹھہرائے۔ نیز ادب کو لازم پکڑ اور اُس جہت مخصوصہ میں اللہ تعالیٰ کی ذات کو حصر نہ کر بلکہ وہ جہت اُن جہات میں سے ایک جہت ہے جن کی طرف مُنہ پھیرنے والا اپنا مُنہ پھیرتا ہے اور اُن جمیع جہات میں اللہ تعالیٰ کی ذات کو پاتا ہے۔ پس تحقیق نص الہی سے یہ بات تیرے لئے ظاہر ہو گئی کہ تحقیق اللہ تعالیٰ ہر توجہ کی جہت میں ہے اور نہیں ہے مُراد یہاں جہات توجہ سے مگر اعتقادات یعنی عقلی جہات۔ لہذا نص قرآنی سے ثابت ہوا کہ ہر شخص حقیقی کے وجہ میں سے کسی ایک خاص وجہ کیساتھ اعتقاد رکھتا ہے پس ہر ایک صواب یعنی راستی پر ہے اور ہر راستی والا اجر دیا جاوے گا اور ہر ناجور سعید ہے اور ہر سعید اپنے رب کے نزدیک محبوب اور پسندیدہ ہے اگرچہ دارِ آخرت میں کچھ زمانہ شقی اور بد بخت رہے۔ بعض خاصا بن حق

جو اہل عنایت میں سے ہیں حیاتِ دنیا میں بیمار ہوئے اور اُن کو اطم بھی ہوا باوجود ہمارے علم کے وہ سعید اور اہل حق ہیں اور بعض بندگانِ خدا میں سے وہ ہیں جن کو یہ آلام یعنی دردِ حیاتِ آخرت میں اُس گھر میں جس کا نام جہنم ہے پہنچیں گے باوجود اس کے اُن اہل علم میں سے جن کو جہنم کی حقیقت کا کشف حاصل ہے ہر کوئی یقیناً جانتا ہے کہ تحقیق اُن کفار کو اس دارِ آخرت میں نعمت اور راحتِ خاص نصیب ہے۔ وہ نعمت یا تو اُس درد کے گم ہونے کے سبب ہے جو قومِ کفار پاتی تھی یعنی وہی دردِ سابق اُن سے دور ہو گا۔ پس اُن کی نعمت اسی درد کے پانے سے راحت اور نجات ہوگی یا ایک مستقل راحت پر زائد نعمت ہوگی جیسے کہ اہل بہشت کی نعمت بہشت میں ہوگی اور اللہ تعالیٰ دانا تر ہے۔

فصل حِکْمَةِ فُتُوْحِیَّةٍ فِی کَلِمَةِ صَالِحِیَّةٍ

مِنَ الْآیَاتِ آیَاتِ الذِّکْرِ ۖ وَذَٰلِكَ لِاخْتِلَافٍ فِی الْمَذَاهِبِ
فَمِنْهُمْ قَائِمُونَ بِهَا بِحَقِّ ۖ وَمِنْهُمْ قَاطِعُونَ بِهَا السَّبَابِ
فَأَمَّا الْقَائِمُونَ فَأَهْلُ عِیْنٍ ۖ وَأَمَّا الْقَاطِعُونَ فَهُمْ الْجَنَائِبُ
وَكُلُّ مِنْهُمْ یَا تِیْهِ مِنْهُ ۖ فُتُوْحُ غُیُوبِهِ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ

اعلم و فقلک اللہ تعالیٰ اَنَّ الْأَمْرَ مَبْنِیٌّ فِی نَفْسِهِ عَلَى الْفَرْدِیَّةِ وَلَهَا التَّثْلِیثُ فَمِنْ الثَّلَاثَةِ
فَصَاعِدًا فَالثَّلَاثَةُ أَوَّلُ الْأَفْرَادِ وَعَنْ هَذِهِ الْحَضَرَةِ الْإِلَهِیَّةِ وَجِدَ الْعَالَمُ فَقَالَ تَعَالَى (إِنَّمَا قَوْلُنَا
شَیْءٌ إِذَا أَرَدْنَا أَنْ نَقُولَ لَهُ كُنْ فَیَكُونُ) فَهَذِهِ ذَاتُ ذَاتِ إِرَادَةٍ وَقَوْلٍ فَلَوْلَا هَذِهِ الذَّاتُ
وَأَرَادَتُهَا وَهِيَ نِسْبَةُ التَّوْحِيدِ بِالتَّخْصِیصِ بِالتَّكْوِیْنِ أَمْرٌ مَّا تَمَّ قَوْلُهُ عِنْدَ هَذَا التَّوْحِيدِ (كُنْ)
لِذَلِكَ الشَّیْءُ مَا كَانَ ذَلِكَ الشَّیْءُ ثُمَّ ظَهَرَتْ الْفَرْدِیَّةُ الثَّلَاثِیَّةُ أَيْضًا فِی ذَلِكَ الشَّیْءِ وَبِهَا جِهَتُهُ
صَحَّ تَكْوِیْنُهُ وَاتِّصَافُهُ بِالْوُجُودِ وَهِيَ شَیْئِیَّةٌ وَسَبَاعُهُ وَامْتِنَالُهُ أَمْرٌ مَكُونُهُ بِإِلَاجٍ
فَقَابِلٌ ثَلَاثَةً بِثَلَاثَةٍ الثَّابِتَةُ فِی حَالٍ عَدَمِهَا فِی مُوَازَنَةِ ذَاتِ مُوْجِدِهَا وَسَبَاعُهُ
فِی مُوَازَنَةِ إِرَادَةِ مُوْجِدِهَا وَقَبُولُهُ بِالْإِمْتِنَالِ لِمَا أَمَرَ بِهِ مِنَ التَّكْوِیْنِ فِی مُوَازَنَةِ قَوْلِهِ
(كُنْ) فَكَانَ هُوَ قَسَبَ التَّكْوِیْنِ إِلَيْهِ فَلَوْلَا أَنَّهُ فِی قُوَّتِهِ التَّكْوِیْنِ مِنْ نَفْسِهِ عِنْدَ هَذَا الْقَوْلِ
مَا تَكُونُ فَمَا أَوْجَدَهَا هَذَا الشَّیْءُ بَعْدَ أَنْ لَمْ یَكُنْ عِنْدَ الْأَمْرِ بِالتَّكْوِیْنِ إِلَّا نَفْسُهُ فَأَثْبَتَ الْحَقُّ

تَعَالَى أَنَّ التَّكْوِينَ لِنَفْسِهِ لَا لِلْحَقِّ وَالَّذِي لِلْحَقِّ فِيهِ أَمْرٌ لَا خَاصَّةً وَكَذَا أَخْبَرَ عَنْ نَفْسِهِ فِي
قَوْلِهِ (إِنَّمَا قَوْلُنَا شَيْءٌ إِذَا أَرَدْنَا أَنْ نَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ) فَنسَب التَّكْوِينَ لِنَفْسِ الشَّيْءِ
عَنْ أَمْرِ اللَّهِ وَهُوَ الصَّادِقُ فِي قَوْلِهِ وَهَذَا هُوَ الْمَعْقُولُ فِي نَفْسِ الْأَمْرِ كَمَا يَقُولُ الْأَمْرُ الَّذِي
يَخَافُ فَلَا يُعْصِي لِعَبْدِهِ ثُمَّ يَقُومُ الْعَبْدُ امْتِثَالًا لِأَمْرِ سَيِّدِهِ فَلَيْسَ لِلْسَّيِّدِ فِي قِيَامِ هَذَا الْعَبْدِ
سِوَى أَمْرِ لَهُ بِالْقِيَامِ وَالْقِيَامُ مِنْ فِعْلِ الْعَبْدِ لَا مِنْ فِعْلِ السَّيِّدِ فَقَامَ أَصْلُ التَّكْوِينَ عَلَى
التَّثْلِيثِ أَيْ مِنَ الثَّلَاثَةِ مِنَ الْجَانِبَيْنِ مِنْ جَانِبِ الْحَقِّ وَمِنْ جَانِبِ الْخَلْقِ ثُمَّ سَرَى ذَلِكَ
فِي إِيْجَادِ الْمَعَانِي بِالْإِدْلَةِ فَلَا بُدَّ فِي الدَّلِيلِ أَنَّ يَكُونُ مُرَكَّبًا مِنْ ثَلَاثَةٍ عَلَى نِظَامٍ مَخْصُوصٍ
وَشَرْطٍ مَخْصُوصٍ وَحِينَئِذٍ يُنْتِجُ فَلَا بُدَّ مِنْ ذَلِكَ وَهُوَ أَنَّ يُرَكِّبُ الْمَنَاظِرَ دَلِيلَهُ مِنْ مُقَدِّمَتَيْنِ
كُلُّ مُقَدِّمَةٍ تَحْتَوِي عَلَى مُفْرَدَيْنِ فَيَكُونُ أَرْبَعَةً وَاحِدٌ مِنْ هَذِهِ الْأَرْبَعَةِ يَتَكَرَّرُ فِي الْمُقَدِّمَتَيْنِ
لِيَرْبُطَ أَحَدَهُمَا بِالْأُخْرَى كَالنِّكَاحِ فَيَكُونُ ثَلَاثَةً لَا غَيْرَ يَتَكَرَّرُ الْوَاحِدُ فِيهِمَا فَيَكُونُ الْمَطْلُوبُ
إِذَا وَقَعَ هَذَا التَّرْتِيبُ عَلَى الْوَجْهِ الْمَخْصُوصِ وَهُوَ رَبُّ أَحَدَى الْمُقَدِّمَتَيْنِ بِالْأُخْرَى يَتَكَرَّرُ
ذَلِكَ الْوَاحِدُ الْمَفْرَدُ الَّذِي بِهِ صَحَّ التَّثْلِيثُ وَالشَّرْطُ الْمَخْصُوصُ وَهُوَ أَنَّ يَكُونُ الْحُكْمُ
أَعَمَّ مِنَ الْعِلَّةِ أَوْ مُسَاوِيًا لَهَا وَحِينَئِذٍ تَصْدُقُ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ كَذَلِكَ فَإِنَّهُ يُنْتِجُ نَتِيجَةً غَيْرَ
صَادِقَةٍ وَهَذَا مَوْجُودٌ فِي الْعَالَمِ مِثْلُ إِضَافَةِ الْفِعَالِ إِلَى الْعَبْدِ مُعَرَّاةً عَنْ نِسْبَتِهَا إِلَى اللَّهِ
تَعَالَى أَوْ إِضَافَةِ التَّكْوِينَ إِلَى نَحْنٍ يَصْدَدُّ إِلَى اللَّهِ مُطْلَقًا وَالْحَقُّ مَا أَضَافَهُ إِلَّا إِلَى شَيْءٍ
الَّذِي قِيلَ لَهُ (كُنْ) وَمِثَالُهُ إِذَا أَرَدْنَا أَنْ نَدُلَّ عَلَى أَنَّ وُجُودَ الْعَالَمِ عَنْ سَبَبٍ نَقُولُ كُلُّ
حَادِثٍ فَلَهُ سَبَبٌ ثُمَّ نَقُولُ فِي الْمُقَدِّمَةِ الْأُخْرَى وَالْعَالَمُ حَادِثٌ
فَتَكَرَّرَ الْحَادِثُ فِي الْمُقَدِّمَتَيْنِ وَالثَّلَاثُ قَوْلُنَا الْعَالَمُ فَإِنَّهُ نَتَّبِعُ أَنَّ الْعَالَمَ لَهُ سَبَبٌ فَظَهَرَ فِي
النَّتِيجَةِ مَا ذُكِرَ فِي الْمُقَدِّمَةِ الْوَاحِدَةِ وَهُوَ السَّبَبُ فَالْوَجْهُ الْخَاصُّ هُوَ تَكَرُّرُ الْحَادِثِ وَ
الشَّرْطُ الْخَاصُّ هُوَ عُمُومُ الْعِلَّةِ لِأَنَّ الْعِلَّةَ فِي وُجُودِ الْحَادِثِ السَّبَبُ وَهُوَ عَامٌّ فِي حُدُوثِ
الْعَالَمِ عَنِ اللَّهِ تَعَالَى أَعْنَى الْحُكْمِ فَتَحْكُمُ عَلَى كُلِّ حَادِثٍ أَنَّ لَهُ سَبَبًا سِوَاكَ كَانَ ذَلِكَ السَّبَبُ
مُسَاوِيًا لِلْحُكْمِ أَوْ يَكُونُ الْحُكْمُ أَعَمَّ مِنْهُ فَيَدْخُلُ تَحْتَ حُكْمِهِ فَتَصْدُقُ النَّتِيجَةُ فَهَذَا
أَيْضًا قَدْ ظَهَرَ حُكْمُ التَّثْلِيثِ فِي إِيْجَادِ الْمَعَانِي الَّتِي تُقْتَضَى بِالْإِدْلَةِ فَأَصْلُ التَّكْوِينِ التَّثْلِيثُ

وَلِهَذَا كَانَتْ حِكْمَةُ صَالِحٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ الَّتِي أَظْهَرَهَا اللَّهُ فِي تَاخِيرِ أَخْذِ قَوْمِهِ (نَقَرُوهَا فَقَالَ
تَسْعَوْنِي دَارَكُمْ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ ذَلِكَ وَعْدٌ غَيْرُ مَكْذُوبٍ) فَأَنْتَجَ صِدْقًا وَهِيَ الصَّبْحَةُ الَّتِي
أَهْلَكَ هُمُ اللَّهُ بِهَا (فَأَصْبَحُوا فِي دِيَارِهِمْ جَائِعِينَ) فَأَوَّلُ يَوْمٍ مِنَ الثَّلَاثَةِ اصْفَرَّتْ وَجُوهُ
الْقَوْمِ وَفِي الثَّانِي اخْسَرَّتْ وَفِي الثَّالِثِ اسْوَدَّتْ فَلَمَّا كَلِمَتِ الثَّلَاثَةُ صَحَّ الْإِسْتِعْدَادُ فَظَهَرَ
كَوْنُ الْفَسَادِ فِيهِمْ فَسَبَى ذَلِكَ الظُّهُورُ هَلَاكَ فَكَانَ اصْفِرَارُ وَجُوهِ الْأَشْقِيَاءِ فِي مُوَازَنَةِ
إِسْفَارِ وَجُوهِ السُّعَدَاءِ فِي قَوْلِهِ تَعَالَى (وَجُوهٌ يَوْمَئِذٍ مُسْفِرَةٌ) مِنَ السُّفُورِ وَهُوَ الظُّهُورُ كَمَا
كَانَ الْإِسْفَارُ فِي أَوَّلِ يَوْمٍ ظُهُورَ عِلَامَةِ الشَّقَاءِ فِي قَوْمٍ صَالِحٍ ثُمَّ جَاءَ فِي مُوَازَنَةِ الْإِحْبَارِ الْقَائِمِ
بِهِمْ قَوْلُهُ تَعَالَى فِي السُّعَدَاءِ (مُتَّحِكَةٌ) فَإِنَّ الضَّحْكَ مِنَ الْأَسْبَابِ الَّتِي لِدَلَّةِ الْإِحْبَارِ الْوُجُوهِ
فِيهِ فِي السُّعَدَاءِ الْإِحْبَارُ الْوُجُنَاتِ ثُمَّ جَعَلَ فِي مُوَازَنَةِ تَغْيِيرِ بَشَرَةِ الْأَشْقِيَاءِ بِالسَّوَادِ قَوْلُهُ تَعَالَى
(مُسْتَبْشِرَةٌ) وَهُوَ مَا أَثَرَهُ السُّرُورُ فِي بَشَرَتِهِمْ كَمَا أَثَرُ السَّوَادِ فِي بَشَرَةِ الْأَشْقِيَاءِ وَلِهَذَا
قَالَ فِي الْفَرِيقَيْنِ (يَا بَشَرِي) أَيْ يَقُولُ لَهُمْ قَوْلًا يُؤَثِّرُ فِي بَشَرَتِهِمْ قِيَعِدُنْ بِهَا إِلَى لَوْنٍ لَمْ
تَكُنِ الْبَشَرَةُ تُصِفُ بِهِ قَبْلَ هَذَا فَقَالَ فِي حَقِّ السُّعَدَاءِ (يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَ
رِضْوَانٍ) وَقَالَ فِي حَقِّ الْأَشْقِيَاءِ (فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ) فَأَثَرُ فِي بَشَرَةِ كُلِّ طَائِفَةٍ مَا حَصَلَ
فِي نَفْسِهِمْ مِنْ أَثَرِ هَذَا الْكَلَامِ فَمَا ظَهَرَ عَلَيْهِمْ فِي ظَوَاهِرِهِمْ إِلَّا حُكْمُ مَا اسْتَقَرَّ فِي
بَوَاطِنِهِمْ مِنَ الْبَفْهُومِ فَمَا أَثَرُ فِيهِمْ سِوَا هُمْ كَمَا لَمْ يَكُنِ التَّكْوِينُ إِلَّا مِنْهُمْ (فَلِلَّهِ الْحُجَّةُ
الْبَالِغَةُ) فَهِنَّ فِي هَذِهِ الْحِكْمَةِ وَقَرَّرَهَا فِي نَفْسِهِ وَجَعَلَهَا مَشْهُودَةً لَهُ أَرَادَ نَفْسَهُ مِنَ
التَّعَلُّقِ بِغَيْرِهِ وَعَلِمَ أَنَّه لَا يُؤْتِي عَلَيْهِ بِخَيْرٍ وَلَا بِشَرٍّ إِلَّا مِنْهُ وَأَعْنَى بِالْخَيْرِ مَا يُوَافِقُ غَرَضَهُ
وَبِلَا يُضِرُّ طَبْعَهُ وَمِزَاجَهُ وَأَعْنَى بِالشَّرِّ مَا لَا يُوَافِقُ غَرَضَهُ وَلَا يُلَائِمُ طَبْعَهُ وَلَا مِزَاجَهُ وَيُقِيمُ
صَاحِبُ هَذَا الشُّهُودِ مَعَاذِيرَ الْوُجُودَاتِ كُلِّهَا عَنْهُمْ وَإِنْ لَمْ يَعْتَدِرُوا وَيَعْلَمَ أَنَّ مِنْهُ كَانَ
كُلُّ مَا هُوَ فِيهِ كَمَا ذَكَرْنَا هَذَا وَلَا فِي أَنَّ الْعِلْمَ تَابِعٌ لِلْمَعْلُومِ فَيَقُولُ لِنَفْسِهِ إِذَا جَاءَ مَا لَا يُوَافِقُ
غَرَضَهُ يَدَاكَ أَوْ كُنْتَ دَفُوكَ لَفَخَ (وَاللَّهُ يَقُولُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيلَ)

یہ حکمت فتوحیہ کا فص کلمہ صالحیہ کے بیان میں ہے

فصل ہودی میں مرتبہ احدیت کا بیان تھا۔ نیز یہ بیان تھا کہ ہر شے عین حقیقی ہے حکمت احدیت کے بعد حکمت فتوحیہ کے لانے کی حکمت یہ ہے کہ اس میں اس حکمت کا بیان ہے کہ حقیقی نے اپنی فتوح یعنی کشائش غیبی کیساتھ عالم کو کیسے ایجاد فرمایا یعنی مرتبہ احدیت سے صور عالم کو کیسے ظہور فرمایا۔ اس حکمت کو حضرت صالح علیہ السلام کی طرف منسوب کرنے کی حکمت یہ ہے کہ فتوح سے مراد ایک چیز کا دوسری چیز سے غیبی طور پر یا غیر متوقع طور پر حاصل ہونا ہے اور پتھر سے ناکہ کا خروج اور فتوح جو حضرت صالح علیہ السلام کا معجزہ ہے اسی قبیل سے ہے نیز حضرت صالح علیہ السلام چونکہ خود اسم فتاح کے مظہر تھے اسلئے بھی حکمت فتوحیہ کا آپ کی طرف منسوب کرنا مناسب بلکہ ضروری تھا۔

(۱) انبیاء کے بعض معجزات میں سے سوار یوں کے معجزے بھی ہیں جیسے حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی اور براق سرکار دو عالم جناب محمد پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تھا۔ حضرت صالح علیہ السلام سے اونٹنی کا معجزہ آپ کی امت نے بہ سبب اختلاف مذاہب کے طلب کیا تھا۔ حقیقت میں سوار یوں سے مراد ابدانِ سالکین ہے اور ان سالکین کے ارواح یعنی نفوسِ ناطقہ ان سوار یوں یعنی نفوسِ حیوانیہ پر سوار ہو کر راہِ طریقت طے کر کے منزلِ مقصود پر پہنچتے ہیں۔

(۲) اولیاء میں سے بعض وہ ہیں جو ان سوار یوں یعنی اجساد کی وساطت سے حقیقی کے ساتھ قائم ہیں اور ان میں سے بعض وہ ہیں جو ان سوار یوں یعنی اجساد کے واسطے سے میدانِ ظلمت کو قطع کر نیا لے لے ہیں۔

(۳) اور جو لوگ حق کے ساتھ قائم ہیں وہ اہل مشاہدہ ہیں۔ یعنی جو لوگ حقیقی کا مشاہدہ دیدہ دل سے کر لیتے ہیں وہ اس راز کو پالیتے ہیں کہ حقیقی کا ظہور ان کے ساتھ ہے اور ان کا وجود ساتھ حقیقی کے ہے اور جو لوگ ابھی راہِ طریقت پر چل رہے ہیں اور منزلِ مقصود پر نہیں پہنچے گویا ابھی میدانِ ظلمت کو انہوں نے چل کر قطع یعنی طے کرنا ہے وہ لوگ حقیقی سے مجرب اور بعید ہیں۔

(۴) اور جو لوگ اہل مشاہدہ ہیں ان سب کو ہر طرف سے مغائب الہی حقیقی کے غیبی فتوحات نصیب ہوتے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ کالمین کو حقیقی اپنے فضل و کرم سے ہر طرف سے اپنا ظاہری باطنی رزق خزانہ غیب سے پہنچاتا ہے۔

اے طالب! اس راز کو جان، اللہ تعالیٰ تجھ کو توفیق بخشے کہ تحقیق ایجاد عالم کا امر حقیقت میں فردیت پر مبنی ہے یعنی عالم کا ظہور عدم محض سے نہیں ہوا بلکہ عالم کا ظہور حقیقت میں اُس ذات سے ہوا ہے جو فرد ہے مراد یہ ہے کہ حقیقی کی ذات قبل از ظہور عالم بھی فرد تھی اور بعد از ظہور عالم بھی فرد ہے۔ وہ اسلئے فرد ہے کہ وہ تقسیم انقسام سے

منزہ ہے۔ نیز وہ اپنی فردیت میں اس طرح فرد ہے کہ اُس کے بغیر کسی دوسری چیز کا وجود ہی نہیں۔ اُس کی فردیت کے ظہور کیلئے تثلیث یعنی تین چیزوں کا ہونا ضروری ہے پس فردیت کا ظہور تین چیزوں سے ہوا پھر صعود کیا اور پھر کو یعنی کثرت عالم کا ظہور ہوا۔ پس یہ تین چیزیں سب سے پہلا ظہور ہیں اور اسی حضرت الہیہ سے ایجادِ عالم ہوئی۔ ذاتِ حق کا سب سے اول مرتبہ مرتبہ احدیت ہے۔ یہ ہر اہم ذاتی کا مرتبہ ہے۔ یہ ذاتِ حق کی کُنہ ہے۔ اس مرتبہ میں اسماء و صفات ذاتِ حق میں بالقوہ مندرج ہیں۔ یہ بطون در بطون مرتبہ ہے۔ جب ذاتِ حق نے اپنا ظہور چاہا تو ذاتِ حق نے اس مرتبہ سے تنزل فرما کر مرتبہ وحدت اور پھر مرتبہ واحدیت میں ظہور فرمایا۔ مرتبہ وحدت ظہورِ علمی اجمالی اور مرتبہ واحدیت ظہورِ علمی تفصیلی کا مرتبہ ہے۔ مرتبہ احدیت میں ذاتِ فرد تھی۔ مرتبہ واحدیت میں ذاتِ حق نے صورتِ عالم کی صورتِ علمیہ یعنی اعیانِ ثابۃ حاصل کیں۔ یہ فیضِ اقدس ہے۔ جب ذاتِ حق نے اپنی ذات پر خود تجلی کی تو ذات کو عالم کے اعیانِ ثابۃ حاصل ہو گئے۔ اس مرتبہ میں ذاتِ حق عالم ہے اور عالم کے اعیانِ ثابۃ معلوم اور صفتِ علم کی عالم یعنی حقیقی کو حاصل ہے۔ پس حقیقی کا پہلا ظہور علمی ان تین چیزوں پر ہوا۔ علم و علم اور معلوم۔ پس فردیت کا پہلا ظہور علمی تفصیلی مرتبہ واحدیت میں ان تین پر ہوا اور بعد میں ان تین ہی سے حُملہ مراتبِ ظہور میں آئے۔ اور اسی مرتبہ واحدیت جسکو حضرت الہیہ بھی کہا جاتا ہے سے عالم ایجاد ہوا۔ فیضِ اقدس سے حقیقی کا ظہور علمی عالم کے اعیانِ ثابۃ پر ہوا۔ پھر فیضِ مقدس سے حقیقی کا ظہور خارجی عالم کے اعیانِ خارجیہ پر ہوا۔ ان اعیانِ خارجیہ یعنی ممکناتِ عالم کا ظہور اعیانِ ثابۃ کے احکام و آثار کے مطابق ہوا۔ پس ثابت ہوا کہ صورتِ عالم کا ظہور حقیقی کی ذاتِ فرد سے ہوا جیسا کہ موجوں اور ٹھاٹھوں کا ظہور سمندر سے ہوا ہے۔ اب امواج کا وجود سمندر سے جدا نہیں۔ یہ کثرتِ عالم اور عالم کی صورتیں ہر ذاتِ فردیت کی ٹھاٹھیں ہیں اور ان ٹھاٹھوں میں اسی ذاتِ فرد کا ظہور ہے۔ اسی کے مطابق اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا (رَأَيْنَا قَوْلَنَا شَيْءٌ إِذَا أَرَدْنَاهُ أَنْ نَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ) سوائے اس کے نہیں ہے قول ہمارا واسطے کسی چیز کے جب ہم اُس کا ارادہ کرتے ہیں یہ کہہتے ہیں ہم اُس کو موجود ہو جا پس موجود ہو جاتی ہے وہ۔ شے کی علمی شئییت لفظ کہ سے ثابت ہوتی ہے۔ پس حقیقی جب کسی شے کو پیدا کرنا چاہتا ہے تو اُس شے کی علمی صورت یعنی عینِ ثابۃ کو حکم فرماتا ہے کہ باہر خارج میں ظاہر ہو جا تو وہ شے خارج میں موجود ہو جاتی ہے۔ لہذا اللہ تعالیٰ نے عالم کے اعیانِ ثابۃ کو اُمر فرمایا کہ باہر خارج میں ظاہر ہو جاؤ تو وہ اعیانِ ثابۃ اعیانِ خارجیہ یعنی ممکناتِ عالم کی صورتوں پر ظاہر ہو ہو گئے اور وہ اعیانِ ثابۃ مرتبہ علم میں بدستور اب بھی موجود ہیں پس اللہ تعالیٰ نے عالم کو اعیانِ ثابۃ سے پیدا

کیا اور اعیان ثابتہ کو اپنی ذات سے پیدا کیا۔ گویا عالم کو اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات سے پیدا کیا۔ اس کی مثال ایسے
 ہے جیسے ایک انجینئر کے ذہن میں ایک مکان کا نقشہ ہوتا ہے۔ وہ اس ذہنی نقشہ کو کاغذ پر اتار لیتا ہے۔ پھر وہ چونکہ
 مخلوق ہے اس لئے کاغذ قلم و دوات کا محتاج ہے۔ اور بعد میں اس کاغذی نقشہ کے مطابق مکان موقع پر تیار کر دیتا
 ہے۔ موقع پر مکان بنانے کیلئے وہ اینٹوں سیمنٹ وغیرہ کا محتاج ہے۔ جب وہ مکان موقع پر بنا لیتا ہے کیا
 وہ ذہنی نقشہ اس کے ذہن سے نکل جاتا ہے۔ نہیں ہرگز نہیں۔ بلکہ اس ذہنی نقشہ کے مطابق وہ موقع پر مکان
 تیار کر لیتا ہے۔ ایسے ہی حقیقی کی ذات میں یعنی مرتبہ احدیت میں عالم کے اعیان ثابتہ یا صورت علمیہ بالقوہ موجود
 تھے۔ مرتبہ وحدت میں ان اعیان ثابتہ کا ظہور علمی اجمالی ہوا اور مرتبہ واحدیت میں عالم کے اعیان ثابتہ کا ظہور
 علمی تفصیلی ہوا۔ حقیقی نے ان اعیان ثابتہ کو جو مرتبہ علم میں موجود تھے فرمایا کہ باہر خارج میں ظاہر ہو جاؤ۔ وہ
 چونکہ قادر مطلق ہے اس لئے اسباب کا محتاج نہیں۔ اس نے اپنی قدرت کاملہ سے اعیان ثابتہ کو اعیان خارجہ
 کا لباس پہنا دیا اور عالم تیار ہو گیا۔ پس اس حقیقت کو ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ عالم کو اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات
 سے پیدا کیا۔ مرتبہ احدیت سے تنزل فرما کر وحدت پھر واحدیت پھر عالم ارواح پھر عالم مثال پھر عالم اجسام
 کی صورت پر جلوہ آرائی کی۔ سب سے آخر حضرت انسان کو پیدا کیا جو مذکورہ بالا جمیع مراتب کو جامع ہے۔
 فَهَذِهِ ذَاتُ الْاَنَامِ پس جس ذات کا یہ قول ہے (اِنَّمَا قَوْلُنَا شَيْءٌ اِذَا ارَدْنَاهُ اَنْ نَّقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ)
 یہ ایک ذات ہے صاحب ارادہ و صاحب قول یعنی ارادہ تو ہے ممکنات کے اعیان ثابتہ کو لباس خارجی
 پہنانے کا اور پھر ان اعیان ثابتہ کو ظاہر خارج میں آنے کا ساتھ کلمہ 'کن' کے حکم کرنا قول ہے اگر یہ ذات یعنی ذات
 حقیقی کی نہ ہوتی اور ذات حق کا اس شے کے علمی وجود کو ظاہر کرنے کا ارادہ نہ ہوتا جو اس شے کے ایجاد
 کے متعلق ذات حق کی توجہ خصوصی کی نسبت ہے اور پھر اس توجہ کے ساتھ اس شے کے ظہور کیلئے اللہ
 تعالیٰ کا قول (کن) نہ ہوتا تو وہ شے خارج میں موجود نہ ہوتی۔ پھر وہی فردیت ثلاثہ اس شے میں بھی ظاہر
 ہوئی اور اسی فردیت ثلاثہ کیساتھ اور اسی کی وجہ سے اس شے کا خارج میں موجود ہونا اور اس شے کا ساتھ
 وجود حق کے متصف ہونا صحیح ثابت ہوا۔ مراد یہ ہے کہ ذات حق نے مرتبہ احدیت سے ظہور کی خاطر مرتبہ وحدت
 اور پھر مرتبہ واحدیت میں تنزل فرمایا۔ مرتبہ واحدیت میں ذات حق کا ظہور علمی تفصیلی ہوا اور اس مرتبہ میں ذات
 حق نے اپنے علم میں معلومات حاصل کئے لہذا یہ مرتبہ فردیت ثلاثہ کا مرتبہ ہے کیونکہ اس میں ذات حق عالم
 اور اشیاء کے اعیان ثابتہ معلومات اور ذات حق کی صفت علم تینوں پائے جاتے ہیں۔ جب ذات حق نے

اشیا کے اعیان ثابتہ کو خارج میں ظاہر ہونے کیلئے کلمہ ”کُن“ سے امر فرمایا تو فیض مقدس سے اشیاء کے اعیان خارجہ ظاہر ہو گئے۔ یعنی وہ ہی ذات مرتبہ واحدیت سے تنزل فرما کر عالم ارواح، پھر عالم مثال، پھر عالم اجسام کی صورت پر جلوہ نما ہو گئی۔ گویا عالم شہادت مرتبہ واحدیت ہی کا ظہور خارجی ہے اور ذات حق ہی مرتبہ علم سے خارج میں جلوہ نما ہوئی ہے لہذا اشیا کا وجود ساتھ حقتعالیٰ کے ہے اور حقتعالیٰ کا ظہور ساتھ اشیاء کے ہے جیسے سیاہی کا ظہور ساتھ حروف کے ہے اور حروف کا وجود ساتھ سیاہی کے ہے۔ ذہنی الخ اور مرتبہ واحدیت یعنی فردیت ثلاثہ میں کسی شے کے مرتبہ علم سے مرتبہ خارج میں ظہور کیلئے تین امور کا ہونا ضروری ہے۔ اول اُس شے کا عین ثابتہ اور دوم اُس شے کا اللہ تعالیٰ کا امر ”کُن“ سُننا اور تیسرے اُس شے کا خارج میں ظہور کیلئے امر بجالانا ہے۔ پس کسی مخلوق شے کے موجود ہونے کیلئے مخلوق کی تین چیزیں خالق کی تین چیزوں کے مقابل ہوئیں۔ ایک مخلوق کی ذات ثابتہ یعنی عدم اضافی کے حال میں عین ثابتہ اپنے خالق کی ذات کے مقابلہ میں، اور دوسرے اُس مخلوق شے کا مرتبہ علم میں سُننا اپنے خالق کے ارادہ کے مقابلہ میں، اور تیسرے اُس مخلوق شے کا امتثال امر تکوین اپنے خالق کے امر ”کُن“ کے مقابلہ میں۔ پس جب یہ تین چیزیں مخلوق شے کی خالق کی تین چیزوں کے مقابل ہوئیں تو وہ مخلوق شے مرتبہ عین یعنی خارج میں موجود ہو گئی۔ فتسبب التَّكْوِينِ الخ پس اللہ تعالیٰ نے نسبت تکوین اُس مخلوق شے کی طرف کی کیونکہ مرتبہ علم میں حقتعالیٰ کا امر ”کُن“ سُننے کی وقت اگر اُس شے میں اپنی ذات سے موجود ہونے کی قوت نہ ہوتی تو وہ شے ہرگز موجود نہ ہوتی۔ یعنی مرتبہ علم سے مرتبہ عین میں موجود ہونے کی قوت اُس شے کی ذات میں موجود تھی۔ تو گویا امر تکوین سُننے کے بعد اُس شے کو مرتبہ علم سے خارج میں اُس شے کی ذات ہی نے موجود کیا ہے پس حقتعالیٰ نے اس بات کو ثابت کیا ہے کہ کسی شے کا خارج میں موجود ہونا اُس شے کی ذات سے ہے نہ کہ واسطے حق تعالیٰ کے اور اس امر ایجاد میں جو کچھ حقتعالیٰ کی طرف منسوب ہے رُحْضُ اُسکا امر ”کُن“ ہے بِقَوْلِهِ تَعَالَى لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا إِذَا أَرَدْتُ أَن نَّقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ) سوائے اس کے نہیں ہے قول ہمارا واسطے کسی چیز کے جب ہم اُس کے موجود کرنے کا ارادہ کرتے ہیں یہ کہ ہم اُس شے کو مرتبہ علم میں امر کرتے ہیں کہ خارج میں موجود ہو جا تو وہ موجود ہو جاتی ہے۔ لہذا حقتعالیٰ نے تکوین کی نسبت یعنی اللہ تعالیٰ کے امر سے اُس شے کے خارج میں موجود ہونے کی نسبت اُس شے کی ذات کی طرف کی ہے اور حقتعالیٰ اپنے قول میں صادق ہے۔ یعنی مرتبہ علم میں اُس شے کے عین ثابتہ میں یہ قوت تھی کہ وہ شے امر الہی

سُن کر خود بخود علم سے عین یعنی خارج میں موجود ہو جاوے۔ اور یہ امر کہ ہر شے مخلوق اپنی قوت سے مرتبہ علم سے خارج میں موجود ہوئی ہے، ایک معقول حقیقت ہے۔ مثال کے طور پر ایک مالک جس سے اُس کا نوکر خوف کرتا ہے اور اُس کی نافرمانی نہیں کر سکتا، اُس نوکر کو امر کرتا ہے کہ کھڑا ہو جا۔ پس یہ نوکر اپنے مہر دار کا امر بجالانے کی خاطر کھڑا ہو جاتا ہے۔ اب اس نوکر کے قیام میں اُس سرور کیلئے بیوا سے اُس نوکر کو قیام کیلئے امر کرنے کے اور کوئی چیز نہیں اور قیام فعل نوکر ہے نہ کہ فعل سرور۔ پس نگہین شے اوپر تثلیث کے قائم ہوئی یعنی جانبین سے تین تین اجزاء ایک دوسرے کے مقابل ہوئے۔ تین حق کی طرف سے اور تین خلق کی طرف سے آپس میں مقابل ہوئے ان تین تین چیزوں کا ذکر آگے کیا جا چکا ہے۔

ثُمَّ سَرَى أَنَّهُ جِئَے کہ موجود خارجی کی اصل تثلیث ہے ایسے ہی وہ موجود ذہنی یعنی معانی جو دلائل سے حاصل کئے جاتے ہیں کی ایجاد میں بھی تثلیث نے سرایت کی۔ مراد یہ ہے کہ ہر موجود خارجی اور ذہنی کی اصل تثلیث یعنی تین اجزاء ہیں۔ یہ مسئلہ کہ معانی بالادہ کی ایجاد تین اجزاء پر مبنی ہے، کتب منطق میں بالضرر موجود ہے۔ مکمل توضیح کیلئے وہاں سے مطالعہ فرمادیں۔ پس دلیل میں یہ لازمی ہے کہ وہ دلیل اور پر نظام مخصوص و شرط مخصوص کے تین اجزاء سے مرکب ہو اذ تب ہی اُس سے نتیجہ حاصل کیا جائیگا۔ تین اجزاء سے مراد نتیجہ کا موضوع اور نتیجہ کا محمول اور حد واسطہ ہے۔ یہ حال دلیل افتراقی کا ہے اور دلیل استثنائی میں بھی تین جملوں یا مقدمات کا ہونا ضروری ہے۔ وضاحت کیلئے مسئلہ پیش کی جاتی ہیں۔ اس امر کے ثبوت میں کہ اللہ تعالیٰ کی کلام قدیم ہے تو کہے (۱) کلامہ تعالیٰ صفة له۔ وکل ما صفة له قدیم۔ فکلامہ قدیم (۲) اس امر کے ثبوت میں کہ دن موجود ہے تو کہے، جب طلوع آفتاب پایا جاوے دن موجود ہوگا، لیکن آفتاب طالع ہے پس لازم آیا کہ دن موجود ہووے۔ نظام مخصوص یعنی ترکیب مخصوص کیلئے یہ ضروری ہے کہ مناظر اپنی دلیل دو مقدمات یعنی دو جملوں سے مرکب کرے مثلاً مناظر کہے العالم متغیر، وکل متغیر حادث اور ہر مقدمہ یا جملہ دو مفرد پر شامل ہو۔ پس دلیل میں چار مفرد ہوں گے۔ ان چار مفردوں میں سے ایک مفرد دونوں مقدمات میں ایک مقدمہ کو دوسرے مقدمہ کے ساتھ نکاح کی طرح ربط دینے کیلئے مکرر آتا ہے پس دلیل کے اجزاء تین ہوں گے۔ اس کے ہوا نہیں ہو سکتے۔ اور یہ تثلیث اجزاء دونوں مقدمات یا دونوں جملوں میں ایک جز کے تکرار کے سبب حاصل ہوتی ہے پس جب مقدمہ کی ترتیب وجہ مخصوص کے اوپر واقع ہوگی تو مطلوب یعنی نتیجہ حاصل ہوگا اور وہ وجہ مخصوص دونوں جملوں کا ایک دوسرے کیساتھ اُس ایک مفرد

کیساتھ ربط دینا ہے اور اُسی ایک مُفرد کیساتھ تثلیث اجزاء صحیح ثابت ہوئی۔ مثال کے طور پر ایک مناظر اس امر کے ثبوت میں کہ عالم حادث کہتا ہے عالم متغیر، وکل متغیر حادث، فالعالم حادث۔ پس اس نتیجہ کیلئے وہ اپنی دلیل میں دو مقدمے پیش کرتا ہے اور ہر مقدمہ میں دو مفرد ہیں اور دونوں مقدموں میں کل چار مفرد بنتے ہیں لیکن ایک مُفرد "متغیر" دونوں میں مکرر آتا ہے لہذا دلیل کے اصل اجزاء تین ثابت ہوئے۔ اور دلیل میں جو شرط مخصوص مذکور ہے وہ یہ ہے کہ محکوم بہ یعنی محمول نتیجہ علت یعنی حدِ اوسط سے عام ہو یا اُس کے مساوی ہو تب دلیل کا نتیجہ صادق ہوگا۔ اور اگر مقدمہ کی ترتیب شرط مخصوص کے مطابق نہ ہو تو وہ دلیل غیر صادق نتیجہ پر منتج ہوگی۔ اور یہ غیر صادق نتیجہ عالم میں موجود ہے، مثال کے طور پر افعال کی اصناف محض عبد کی طرف کرنا بغیر اُن کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کرنے کے یا تکوین شے جس کے بیان کے ہم درپے ہیں، کی اصناف مطلق اللہ تعالیٰ کی طرف کرنا حالانکہ حقیقتاً اُن نے تکوین کی اصناف اُس شے کی طرف کی ہے جس کو کُن کہا گیا ہے۔ اور ایجاد معانی میں صحیح نتیجہ والی عقلی دلیل کی مثال یہ ہے کہ جب ہم اس بات کے دعویٰ پر استدلال کریں کہ تحقیق وجودِ عالم سبب سے حاصل ہے اَنَّ وُجُودَ الْعَالَمِ عَنْ سَبَبٍ تو ہم کہیں کُلُّ حَادِثٍ فَلَهُ سَبَبٌ ہر حادث کیلئے ایک سبب ہے پس ہم اہل استدلال کو ایک حادث یعنی حدِ اوسط قضیہ کی اور ایک سبب یعنی محمول نتیجہ حاصل ہوا۔ پھر دوسرے مقدمہ میں ہم کہتے ہیں اَنَّ الْعَالَمَ حَادِثٌ اور عالم حادث ہے۔ پس دونوں مقدموں میں حادث مکرر ہوا۔ اور ہمارا تیسرا قول کہ عالم ہے یعنی موضوع نتیجہ ہے۔ پس دلیل مذکور نے اس بات کا نتیجہ دیا کہ اَنَّ الْعَالَمَ لَهُ سَبَبٌ تحقیق عالم کیلئے ایک سبب ہے۔ لہذا نتیجہ میں وہ چیز ظاہر ہوتی جو ایک ہی مقدمہ میں ذکر کی گئی ہے اور وہ چیز سبب ہے۔ پس وجہ خاص وہی تکرارِ حادث ہے اور شرط خاص وہی علت کا عام اور کُلّی ہونا یعنی اکبر اور محمول نتیجہ ہے کیونکہ تحقیق وجودِ حادث یعنی حدِ اوسط میں علت موثرہ سبب ہے اور وہ سبب حدوثِ عالم میں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، عام ہے۔ سبب مذکور سے میں محمول نتیجہ مراد لیتا ہوں۔ پس ہم ہر حادث پر اس بات کا حکم کریں گے کہ تحقیق اُس کے واسطے ایک سبب ہے، برابر ہے کہ وہ سبب یعنی حدِ اوسط محمول نتیجہ کے مساوی ہو یا محمول نتیجہ عام سبب یعنی حدِ اوسط سے ہو۔ پس سبب یعنی حدِ اوسط محمول نتیجہ کے حکم کے تحت میں داخل ہوگا۔ لہذا نتیجہ صادق ہوگا۔ پس یہ موجود خارجی کا حکم تثلیث ایجاد معانی جو اولہ سے حاصل کئے جاتے ہیں، میں بھی ظاہر ہوا لہذا ثابت ہوا کہ کون یعنی موجود خارجی اور ذہنی کی اصل تثلیث ہے۔

اور صالح علیہ السلام کی حکمت اسی اصل یعنی تثلیث پر مبنی تھی جس کو اللہ تعالیٰ نے اُن کی قوم کے مواخذہ کی تاخیر میں ظاہر کیا۔ حضرت صالح علیہ السلام نے اپنی قوم کو تین دن کی مہلت دی تھی اور فرمایا تھا کہ تین دن کے بعد تم کو عتاب الہی پکڑے گا اور یہ ایسا وعدہ ہے جو جھوٹا نہ ہو گا کَمَا قَالَ تَعَالَى (فَعَقَرُوهَا فَقَالَ تَتَتَعَوْنَ فِي دَارِكُمْ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ ذَلِكَ وَعْدٌ غَيْرُ مَكْذُوبٍ)۔ تو حضرت صالح علیہ السلام کا اپنی قوم کو تین دن کی مہلت دینا اسی حکمت تثلیث پر مبنی تھا۔ پس تثلیث مذکور نے نتیجہ صادق دیا اور وہ نتیجہ ایک سخت آواز تھی جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اُس قوم کو ہلاک کیا۔ پس صبح کو قوم ساری اپنے گھروں میں سینے کے بل پڑی ہوئی مردہ ہوئی کَمَا قَالَ تَعَالَى (فَأَصْبَحُوا فِي دِيَارِهِمْ جِثِيَيْنَ)۔ تین دنوں میں سے پہلے دن قوم کے منہ زرد ہوئے اور دوسرے دن میں سُرخ ہوئے اور تیسرے دن میں سیاہ ہوئے۔ پس جب تین دن پورے ہوئے تو اُن کی استعدادِ ہلاکت کیلئے صحیح ہو گئی اور اُن میں وجودِ فساد ظاہر ہوا۔ اُس وجودِ فساد کے ظہور کا نام ہلاکت رکھا گیا۔ پس اشقیاء کے منہ کی زردی سُعدا کے منہ کی روشنی کے مقابلہ میں ہوتی جن کا ذکر اللہ تعالیٰ کے قول (وَجُودٌ يَوْمَئِذٍ مُّسْتَوِرٌ) کتنے منہ اُس دن روشن ہوں گے میں کیا گیا ہے کیونکہ مُسفرہ سفیر سے مشتق ہے اور سفیر بمعنی ظہور کے ہے اور قوم صالح میں پہلے دن میں علامتِ شقاوت کا ظہور منہ کی زردی تھی۔ دوسرے دن اشقیاء کے منہ سُرخ تھے اور اُس سُرخ کی مقابلہ میں سُعدا کیلئے اللہ تعالیٰ کا قول (مُنَاجَاةٌ) ہنستے ہوئے ہوں گے آیا ہے کیونکہ ضحک یعنی ہنسی اُن اسباب میں سے ہے جو منہ کی سُرخ پیدا کرنے والے ہیں۔ پس یہ ضحک سُعدا میں رُخساروں کی سُرخ کا سبب ہے۔ پھر تیسرے دن اشقیاء کے منہ سیاہ تھے۔ اس کے مقابلہ میں سُعدا کیلئے اللہ تعالیٰ کا قول (مُسْتَبْشِرٌ) خوش ہوں گے آیا ہے۔ اور وہ خوشی ایک چیز ہے جو خوشحالی اور سرور نے سُعدا کے منہ پر اُس کو پیدا کیا ہے جیسا کہ حُزن اور خوف نے سیاہی کو اشقیاء کے منہ پر پیدا کیا ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فریقین کے حق میں (بِالْبُشْرَى) فرمایا ہے یعنی دونوں فریقوں کے حق میں ایسا قول فرمایا ہے جو اُن کی شکلوں میں اثر پیدا کرتا ہے یعنی اُس بشارت کے سبب ہر فریق کا رنگ اُس رنگ کی طرف پھر جاتا ہے جس کے ساتھ اُس کا بُشری قبل اس بشارت کے متصف نہ تھا۔ سُعدا کے حق میں فرمایا (يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُم بِرُحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ) اُن کا پروردگار اُن کو اپنی رحمت اور اپنی رضامندی کے ساتھ بشارت دیتا ہے اور اشقیاء کے حق میں فرمایا (يُنَبِّئُهُم بِعَذَابٍ أَلِيمٍ) پس اُن کو دردناک عذاب سے بشارت دی۔ اب اللہ تعالیٰ کا کلام بشارت دونوں فریق کے حق میں واحد ہے لیکن اس کلام نے اُن کی استعداد کے مطابق اُن کے چہروں پر اثر کیا ہے۔ پس اُن کے ظواہر میں وہ چیز ظاہر ہوئی جس کا حکم اُن

کے بواطن میں قرار پکڑے ہوئے تھا اور وہ چیز کلام الہی کا مفہوم اور اثر ہے۔ اور حقیقت میں اُن میں ہوا سے اُن کی ذاتیں یعنی استعدادوں کے کسی چیز نے اثر نہ کیا کیونکہ اگرچہ کلام الہی دونوں فریق کیلئے واحد ہے لیکن استعدادوں کے اختلاف کے باعث اثر مختلف ہے۔ اس کی مثال ایسے ہے جیسے آسمان سے بارش یکساں ہوتی ہے لیکن زمینوں کی استعداد کے اختلاف کے باعث بارش کا اثر مختلف قسم کا ہوتا ہے۔ بعض زمینوں پر سبزہ و گلزار اُگاتا ہے اور بعض شور زمینوں پر کچھ بھی نہیں اُگتا۔ جیسے اُن میں اُن کی ذاتوں یعنی استعدادوں کے ہوا کسی چیز نے اثر نہ کیا ایسے ہی اُن کی تکوین میں بھی ہوا سے اُن کی ذاتوں کے کسی چیز نے اثر نہ کیا۔ مراد یہ ہے کہ سُعدا و اشقیاء کے اعیان ثابتہ نے جو کچھ زبان استعداد سے اللہ تعالیٰ سے طلب کیا، اللہ تعالیٰ نے عطا کر دیا۔ اب اللہ تعالیٰ کی طرف سے تو عطا ہی عطا ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے دونوں فریق کو بشارت دی کہ جو کچھ آپ نے مانگا آپ کو مل گیا، اب آپ کو خوشخبری ہے۔ اسی طرح سُعدا و اشقیاء کے اعیان ثابتہ نے ظہور چاہا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کُن یعنی ہماری طرف سے ظہور کی اجازت ہے۔ آپ بے شک ظاہر ہو جاؤ۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے محض امر اور اجازت ہے۔ اعیان ثابتہ کا اعیان خارجہ کی صورت پر ظاہر ہو جانا اُن کی اپنی قوت اور استعداد سے ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ سُعدا و اشقیاء کے اعیان ثابتہ نے جو کچھ زبان استعداد سے حق تعالیٰ سے طلب کیا، حق تعالیٰ نے عطا کر دیا۔ اب جو اعمال فریقین سے دارِ دنیا میں سرزد ہو رہے ہیں یہ ان کی استعدادوں کی طرف منسوب ہیں یعنی ان ہی کی ذاتوں کی طرف منسوب ہیں اور جو مقامات فریقین کو دارِ آخرت میں نصیب ہونگے وہ بھی انکی استعدادات کی مطابق ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی چیز کسی پر جبراً نہیں ٹھونسی گئی اسی لئے ارشاد ہوا (فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ) پس اللہ تعالیٰ کیلئے حجت بالغ ہے۔

پس جس نے اس حکمت کو سمجھا اور اُس کو اپنی ذات یعنی اپنے ذہن میں مقرر کیا اور اُس کو ہر وقت مشہود گردانا یعنی ہر وقت اُس کو اپنی آنکھوں کے سامنے رکھا، اُس نے اپنے آپ کو غیر کے تعلق سے راحت دی اور اُس نے جانا کہ تحقیق ہر خیر و شر جو اُس پر لائی جاتی ہے اُسی کی ذات کی طرف سے ہے۔ مراد یہ ہے کہ مخلوق کی طرف سے جو چیز اچھی یا بُری، عزت یا ذلت، نفع یا نقصان، تعریف یا مذمت، اُس کو پہنچتی ہے وہ اُن کو مخلوق کی طرف منسوب نہیں کرتا بلکہ اپنی ذات کی طرف منسوب کرتا ہے کیونکہ وہ جان لیتا ہے کہ یہ سب کچھ اُس کی استعداد اور قابلیت نے اُن میں اللہ تعالیٰ سے طلب کیا تھا اور اللہ تعالیٰ نے اُس کی مراد پوری کی اور اب اُس کی مطلوبہ مرادوں کا اجرا اللہ تعالیٰ مخلوق کے ہاتھوں کر رہا ہے۔ خیر سے مراد وہ چیز ہے

جو اُس کی غرض کے موافق اور اُس کی طبیعت و مزاج کے مناسب ہو اور شہرت سے مراد وہ چیز ہے جو اُس کی غرض کے موافق نہ ہو اور اُس کی طبیعت و مزاج کے مناسب نہ ہو۔ اس حکمت کا صاحب شہود موجودات میں سے تمام موجودات کی معذوری کو بجا رکھتا ہے اگرچہ وہ اُس عارف کے پاس آکر غدر نہیں چاہتے ہیں۔ یعنی اگر اس حکمت کے عارف کو کوئی تکلیف مخلوق کی طرف سے پہنچتی ہے تو وہ اُن کو معذرت سمجھتا ہے اگرچہ وہ اُس کے پاس آکر معافی طلب کریں یا نہ کریں کیونکہ وہ جانتا ہے کہ تحقیق ہر چیز اُسی سے ہے اور اُس کو وہ چیز حاصل ہوئی جو اُس کی ذات میں تھی یعنی جو کچھ اُس کے عین ثابتہ نے زبان استعداد سے طلب کیا تھا اور حق تعالیٰ نے عطا کیا تھا اور اب اُس کا اجرا بظاہر مخلوق کے ہاتھوں کر رہا ہے۔ یہ حکمت اُسی حکمت کے تحت ہے جس کا ہم نے ذکر پہلے کیا تھا کہ تحقیق علم معلوم کے تابع ہے یعنی معلوم ہمارا عین ثابتہ تھا اور اللہ تعالیٰ کا علم ہمارے متعلق ہمارے عین ثابتہ کے تابع ہے۔ یعنی جو کچھ ہمارے عین ثابتہ نے اللہ تعالیٰ سے طلب کیا وہ ہی اللہ تعالیٰ نے لکھ دیا۔ اب اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی چیز بہر اہم پر نہیں ٹھونس گئی۔ اسی لئے عارف باللہ ہر کسی کو معذرت سمجھتا ہے اور جو کچھ اُسے بظاہر مخلوق کی طرف سے پہنچتا ہے اُسے وہ اپنی ہی ذات کی طرف منسوب کرتا ہے۔ پس جب اُس کے پاس وہ چیز آتی ہے جو اُس کی غرض کے موافق نہ ہو تو وہ اپنے آپ کو کہتا ہے "یہ تیرے ہی دونوں ہاتھوں نے کمایا ہے اور تیرے ہی منہ نے پھونکا ہے" یعنی تیرے ہی عین ثابتہ نے زبان استعداد سے اس چیز کو حق تعالیٰ سے طلب کیا تھا۔ (وَاللّٰهُ يَقُولُ الْحَقُّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيلَ) اور اللہ تعالیٰ حق کہتا ہے اور وہی سیدھی راہ بتاتا ہے۔

فَصْ حِكْمَةٍ قَلْبِيَّةٍ فِي كَلِمَةٍ شُعْبِيَّةٍ

اعْلَمَنَّ الْقَلْبَ اغْنَى قَلْبَ الْعَارِفِ بِاللّٰهِ هُوَ مِنْ رَحْمَةِ اللّٰهِ وَهُوَ اَوْ سَمِعَ مِنْهَا قَائِمَةٌ وَسَمِعَ الْحَقَّ جَلَّ جَلَالُهُ وَرَحْمَتُهُ لَا تَسْعُهُ وَهَذَا لِسَانٌ مِّنْ بَابِ الْإِشَارَةِ فَإِنَّ الْحَقَّ رَاجِعٌ لِّنَفْسٍ بِسَرْحُونٍ فَلَا حَكْمَ لِلرَّحْمَةِ فِيهِ وَأَمَّا الْإِشَارَةُ مِنْ لِّسَانِ الْخُصُوصِ فَإِنَّ اللّٰهَ وَصَفَ نَفْسَهُ بِالنَّفْسِ وَهُوَ مِنَ الْغَنَفِيسِ وَإِنَّ الْأَسْمَاءَ الْإِلَهِيَّةَ عَيْنُ التَّسْمِيِ وَلَيْسَ الْأَهْوُ وَإِنَّهَا طَائِبَةٌ مَا تُعْطِيهِ مِنَ الْحَقَائِقِ وَلَيْسَتْ الْحَقَائِقُ الَّتِي تَطْلُبُهَا الْأَسْمَاءُ إِلَّا الْعَالَمُ فَلَا تُؤْهِتُهُ تَطْلُبُ الْمَالُوكَ وَالرُّبُوبِيَّةُ تَطْلُبُ السَّرْبُوبَ إِلَّا فَلَا عَيْنَ لَهَا إِلَّا بِهِ وَخُودًا أَوْ تَقْدِيرًا وَالْحَقُّ مِنْ حَيْثُ ذَاتُهُ (غَفُورٌ عَزِيزٌ)

الْعَالَمِينَ) وَالرُّبُوبِيَّةُ مَا لَهَا هَذَا الْحُكْمُ فَبَقِيَ الْأَمْرُ بَيْنَ مَا تَطْلُبُهُ الرُّبُوبِيَّةُ وَبَيْنَ مَا تَسْتَحِقُّهُ الدَّيَّةُ
 مِنَ الْغِنَى عَنِ الْعَالَمِ وَلَيْسَتْ الرُّبُوبِيَّةُ عَلَى الْحَقِيقَةِ وَالْإِنْفَاقِ إِلَّا عَيْنُ هَذِهِ الدَّيَّةِ فَلَمَّا تَعَارَضَ
 الْأَمْرُ بِحُكْمِ النَّسَبِ وَرَدَّ فِي الْخَبَرِ مَا وَصَفَ الْحَقُّ بِهِ نَفْسَهُ مِنَ الشَّفَقَةِ عَلَى عِبَادِهِ فَأَوَّلُ مَا
 نَفَسَ عَنِ الرُّبُوبِيَّةِ بِنَفْسِهِ الْمُسَوِّبِ إِلَى الرَّحْمَنِ بِإِجَادَةِ الْعَالَمِ الَّذِي تَطْلُبُهُ الرُّبُوبِيَّةُ بِمَا
 يَحْقِيقُهَا وَجَمِيعُ الْأَسْمَاءِ الْإِلَهِيَّةِ فَيَثْبُتُ مِنْ هَذَا الْوَجْهِ أَنَّ رَحْمَتَهُ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ فَوَسَّعَتْ
 الْحَقُّ فِيهِ أَوْ سَعَمَ مِنَ الْقَلْبِ أَوْ مُسَاوِيَةً لَهُ فِي السَّعَةِ هَذَا مَعْنَى ثُمَّ لِيَعْلَمَ أَنَّ الْحَقَّ تَعَالَى كَمَا
 ثَبَتَ فِي الصَّحِيحِ بِتَحَوُّلٍ فِي الصُّورِ عِنْدَ التَّجَلِّيِّ وَأَنَّ الْحَقَّ تَعَالَى إِذَا وَسَّعَهُ الْقَلْبُ لَا يَسَعُ مَعَهُ
 غَيْرُهُ مِنَ الْمَخْلُوقَاتِ فَكَانَتْ يَتَلَاكَ وَمَعْنَى هَذَا أَنَّهُ إِذَا انْظَرَ إِلَى الْحَقِّ عِنْدَ تَجَلِّيهِ لَهُ لَا يُدْرِكُ
 مَعَهُ أَنَّ يَنْظُرَ إِلَى غَيْرِهِ وَقَلْبُ الْعَارِفِ مِنَ السَّعَةِ كَمَا قَالَ أَبُو يَزِيدَ الْبُسْطَامِيُّ لَوْ أَنَّ الْعَرْشَ
 وَمَا حَوْلَهُ مِائَةُ أَلْفِ أَلْفِ مَرَّةٍ فِي نَرَاوِيَةٍ مِنْ نَرَايَا قَلْبِ الْعَارِفِ مَا أَحَسَّ بِهِ وَقَالَ الْجُنَيْدُ
 فِي هَذَا الْمَعْنَى إِنَّ الْمُحَدَّثَ إِذَا قَرِنَ بِالْقَدِيمِ لَمْ يَبْقَ لَهُ أَثَرٌ وَقَلْبُ يَسَعُ الْقَدِيمَ كَيْفَ
 يُحَسُّ بِالْمُحَدَّثِ مَوْجُودًا وَإِذَا كَانَ الْحَقُّ يَتَنَوَّعُ تَجَلِّيهِ فِي الصُّورِ فَبِالضَّرُورَةِ
 يَتَسَعُّ الْقَلْبُ وَيُضِيقُ بِحَسَبِ الصُّورَةِ الَّتِي يَقَعُ فِيهَا التَّجَلِّيُّ الْإِلَهِيُّ فَإِنَّهُ لَا يَفْضُلُ مِنَ الْقَلْبِ شَيْءٌ
 عَنْ صُورَةٍ مَا يَقَعُ فِيهَا التَّجَلِّيُّ فَإِنَّ الْقَلْبَ مِنَ الْعَارِفِ أَوِ الْإِنْسَانِ الْكَامِلِ بِمَنْزِلَةِ مَحَلِّ
 فَصِّ الْخَاتِمِ مِنَ الْخَاتِمِ لَا يَفْضُلُ بَلْ يَكُونُ عَلَى قَدَرِهِ وَشَكْلِهِ مِنَ الْإِسْتِدَارَةِ إِنْ كَانَ الْفَضُّ
 مُسْتَدِيرًا أَوْ مِنَ التَّرْبِيعِ وَالشَّدِيدِ وَالْتَّمِيمِ وَغَيْرِ ذَلِكَ مِنَ الْأَشْكَالِ إِنْ كَانَ الْفَضُّ مُرَبَّعًا
 أَوْ مُسَدِّسًا أَوْ مُثَمَّنًا أَوْ مَا كَانَ مِنَ الْأَشْكَالِ فَإِنَّ مَحَلَّهُ مِنَ الْخَاتِمِ يَكُونُ مِثْلَهُ لِأَنَّهُ وَهَذَا
 عَكْسُ مَا تُشِيرُ إِلَيْهِ الطَّائِفَةُ مِنْ أَنَّ الْحَقَّ يَتَجَلَّى عَلَى قَدَرِ اسْتِعْدَادِ الْعَبْدِ وَهَذَا لَيْسَ كَذَلِكَ
 فَإِنَّ الْعَبْدَ يَظْهَرُ لِلْحَقِّ عَلَى قَدَرِ الصُّورَةِ الَّتِي يَتَجَلَّى لَهُ فِيهَا الْحَقُّ وَتَحْرِيرُهُ هَذِهِ الْمَسْئَلَةُ أَنَّ
 إِلَهَ تَجَلِّيَّيْنِ تَجَلَّى غَيْبٍ وَتَجَلَّى شَهَادَةٍ فِيهِ تَجَلَّى الْغَيْبِ يُعْطَى الْإِسْتِعْدَادَ الَّذِي يَكُونُ عَلَيْهِ
 الْقَلْبُ وَهُوَ التَّجَلَّى الذَّاتِي الَّذِي الْغَيْبُ حَقِيقَتُهُ وَهُوَ الْهُوِيَّةُ الَّتِي يَسْتَحَقُّهَا بِقَوْلِهِ عَنْ نَفْسِهِ
 هُوَ فَلَا يَزَالُ هُوَ لَهُ دَائِمًا أَبَدًا فَإِذَا حَصَلَ لَهُ أَعْنَى لِلْقَلْبِ هَذَا الْإِسْتِعْدَادُ تَجَلَّى لَهُ التَّجَلَّى
 الشُّهُودِي فِي الشَّهَادَةِ فَهَذَا فَظْهَرَ بِصُورَةٍ مَا تَجَلَّى لَهُ كَمَا ذَكَرْنَا لَهُ فَهُوَ تَعَالَى أَعْطَاهُ الْإِسْتِعْدَادَ

يَقُولُ (قَالَ رَبَّنَا الَّذِي آعْطَى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهُ ثُمَّ هَدَى) ثُمَّ رَفَعَ الْحِجَابَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ عَبْدِهِ فَرَأَاهُ
 فِي صُورَةٍ مُعْتَقِدَةٍ فِي الْحَقِّ فَهُوَ عَيْنُ اِعْتِقَادِهِ فَلَا يَشْهَدُ الْقَلْبُ وَلَا الْعَيْنُ أَبَدًا إِلَّا صُورَةً مُعْتَقِدَةً
 فِي الْحَقِّ فَالْحَقُّ الَّذِي فِي الْمُعْتَقِدِ هُوَ الَّذِي وَسِعَ الْقَلْبُ صُورَتَهُ وَهُوَ الَّذِي يَتَجَلَّى لَهُ فَيَعْرِفُهُ
 فَلَا تَرَى الْعَيْنُ إِلَّا الْحَقَّ اِلَّا اِعْتِقَادِي وَلَا خَفَاءَ فِي تَنَوُّعِ اِلَا عْتِقَادَاتٍ فَهِيَ قَيِّدَةٌ أَنْ تُكَرَّكَ فِي
 غَيْرِ مَا قَيِّدَتْ بِهِ وَأَقْرَبُ بِهِ فِيمَا قَيِّدَتْ بِهِ إِذَا تَجَلَّى فَقَدْ آمَنَ بِبَعْضٍ وَكَفَرَ بِبَعْضٍ وَمَنْ أَطْلَقَهُ
 عَنِ التَّقْيِيدِ لَمْ يُنْكَرْهُ وَأَقْرَبُ بِهِ فِي كُلِّ صُورَةٍ يَتَحَوَّلُ فِيهَا وَيُعْطِيهِ مِنْ نَفْسِهِ قَدْ رُصِدَتْ مَا
 تَجَلَّى لَهُ فِيهَا إِلَى مَا لَا يَتَنَاهَى فَإِنَّ صُورَةَ التَّجَلِّيِّ مَا لَهَا نَهَايَةٌ يَقِفُ عِنْدَهَا وَكَذَلِكَ الْعِلْمُ بِاللهِ مَا لَهُ
 غَايَةٌ فِي الْعَارِفِينَ يَقِفُ عِنْدَهَا بَلْ هُوَ الْعَارِفُ فِي كُلِّ زَمَانٍ يَطْلُبُ الزِّيَادَةَ مِنَ الْعِلْمِ بِهِ رَبِّ زِدْنِي
 عِلْمًا رَبِّ زِدْنِي عِلْمًا رَبِّ زِدْنِي عِلْمًا فَالْأَمْرُ لَا يَتَنَاهَى مِنَ الطَّرَفَيْنِ هَذَا إِذَا قُلْتَ حَقٌّ وَخُلُقٌ
 وَإِذَا انْظَرْتَ فِي قَوْلِهِ كُنْتُ رَجُلَهُ الَّتِي يَسْعَى بِهَا وَيَدُهُ الَّتِي يَبْطِشُ بِهَا وَلِسَانُهُ الَّذِي يَتَكَلَّمُ
 بِهِ إِلَى غَيْرِ ذَلِكَ مِنَ الْقُوَى وَمَحَالِهَا الَّتِي هِيَ الْأَعْضَاءُ لَمْ تُفَرِّقْ فَقُلْتَ الْأَمْرُ حَقٌّ كُلُّهُ أَوْ
 خُلُقٌ كُلُّهُ فَهُوَ خُلُقٌ بِنِسْبَتِهِ وَهُوَ حَقٌّ بِنِسْبَتِهِ وَالْعَيْنُ وَاحِدَةٌ فَعَيْنُ صُورَةٍ مَنْ تَجَلَّى عَيْنُ
 صُورَةٍ مَنْ قَبْلَ ذَلِكَ التَّجَلِّيِّ فَهُوَ السَّجَلِيُّ وَالسَّجَلِيُّ لَهُ فَانْظُرْ مَا أَعْجَبُ أَمْرًا لِلَّهِ مِنْ حَيْثُ
 هُوَ يَتَبَيَّنُ وَمِنْ حَيْثُ نُسِبَتْهُ إِلَى الْعَالَمِ فِي حَقَائِقِ أَسْمَائِهِ الْحُسْنَى شَعْرٌ

فَمَنْ ثَبَّهَ وَمَا ثَبَّهَ ۝ وَعَيْنٌ ثُمَّ هُوَ ثَبَّهَ

فَمَنْ قَدْ عَنَّهُ خَصَّهُ ۝ وَمَنْ قَدْ خَصَّهُ عَمَّهُ

فَمَا عَيْنٌ مِثْلُ عَيْنٍ ۝ فَتُورُ عَيْنِهِ ظُلْمَهُ

فَمَنْ يَغْفُلُ عَنْ هَذَا ۝ يَحْدُ فِي نَفْسِهِ غَمَّهُ

وَلَا يَعْرِفُ مَا قُلْنَا ۝ سِوَى عَبْدٍ لَهُ هِمَّهُ

وَقَالَ (إِنْ فِي ذَلِكَ لَذِكْرٌ لِمَنْ كَانَ لَهُ قَلْبٌ) لِتَقْلِبِهِ فِي أَنْوَاعِ الصُّوَرِ وَالصِّفَاتِ وَلَمْ
 يَقُلْ لِمَنْ كَانَ لَهُ عَقْلٌ فَإِنَّ الْعَقْلَ قَيِّدٌ فَيَحْصِرُ الْأَمْرَ فِي نَعْتٍ وَاحِدٍ وَالْحَقِيقَةُ تَأْتِي الْحَصْرَ
 فِي نَفْسِ الْأَمْرِ فَمَا هُوَ ذِكْرٌ لِمَنْ كَانَ لَهُ عَقْلٌ وَهُمْ أَصْحَابُ اِلَا عْتِقَادَاتِ الَّذِينَ يَكْفُرُ بَعْضُهُمْ
 بِبَعْضٍ وَيَلْعَنُ بَعْضُهُمْ بَعْضًا وَمَا لَهُمْ مِنْ تَأْخِيرٍ فَإِنَّ إِلَهَ الْمُعْتَقِدِ مَا لَهُ حُكْمٌ فِي إِلَهِ الْمُعْتَقِدِ

الْآخِرِ فَصَاحِبُ الْإِعْتِقَادِ يَذُبُّ عَنْهُ أَيْ عَنِ الْأَمْرِ الَّذِي اعْتَقَدَهُ فِي إِلَهِهِ وَيَنْصُرُهُ وَذَلِكَ
 الَّذِي فِي اعْتِقَادِهِ لَا يَنْصُرُهُ فَلِهَذَا لَا يَكُونُ لَهُ أَثَرٌ فِي اعْتِقَادِ الْمُنَازِعِ لَهُ وَكَذَلِكَ الْمُنَازِعُ
 مَا لَهُ نَصْرَةٌ مِنَ إِلَهِهِ الَّذِي فِي اعْتِقَادِهِ فَمَا لِلْمُؤْمِنِ نَاصِرِينَ فَتَنَفَى الْحَقُّ النَّصْرَةَ عَنْ إِلَهِهِ
 الْإِعْتِقَادَاتِ عَلَى الْفِرَادِ كُلِّ مُعْتَقِدٍ عَلَيْهِ قَالَتِ الْمَنُصُورَةُ الْمَجْبُوعُ وَالنَّاصِرُ الْمَجْبُوعُ فَالْحَقُّ عِنْدَ
 الْعَارِفِ هُوَ الْمَعْرُوفُ الَّذِي لَا يُنْكِرُهُ أَهْلُ الْمَعْرُوفِ فِي الدُّنْيَا هُمْ أَهْلُ الْمَعْرُوفِ فِي الْآخِرَةِ
 وَهُمْ الَّذِينَ لَا يُنْكِرُونَ الْحَقَّ فِي أَيْ صُورَةٍ تَحِلِّيٍّ مِنْ صُورِ تَحَلِّيَاتِهِ الْإِعْتِقَادِيَّةِ وَالْإِشْهَادِيَّةِ
 فَلِهَذَا قَالَ (لَيْسَ كَانَ لَهُ قَلْبٌ) فَعَلِمَ تَقَلُّبَ الْحَقِّ فِي الصُّورِ بِتَقَلُّبِهِ فِي الْأَشْكَالِ فَمِنْ نَفْسِهِ عَرَفَ
 نَفْسَهُ وَلَيْسَتْ نَفْسُهُ بِغَيْرِ هُويَّةِ الْحَقِّ وَلَا شَيْءٌ مِنَ الْكُونِ مِمَّا هُوَ كَائِنٌ وَيَكُونُ بِغَيْرِ هُويَّةِ
 الْحَقِّ بَلْ هُوَ عَيْنُ الْهُويَّةِ فَهُوَ الْعَارِفُ وَالْعَالِمُ وَالْمُقَرَّرُ فِي هَذِهِ الصُّورَةِ وَهُوَ الَّذِي لَا عَارِفَ
 وَلَا عَالِمَ وَهُوَ الْمُنْكِرُ فِي هَذِهِ الصُّورَةِ الْآخَرَى هَذَا حَظٌّ مِنْ عَرَفَ الْحَقَّ مِنَ التَّحَلِّيِّ وَالشُّهُودِ
 فِي عَيْنِ الْجَمْعِ فَهُوَ قَوْلُهُ (لَيْسَ كَانَ لَهُ قَلْبٌ) يَتَنَوَّعُ فِي تَقْلِيْبِهِ وَأَمَّا أَهْلُ الْإِيمَانِ وَهُمْ الْمُقِلِّدُونَ
 الَّذِينَ قَلَّدُوا الْأَنْبِيَاءَ وَالرُّسُلَ فَيَمَّا أَخْبَرُوا بِهِ عَنِ الْحَقِّ تَعَالَى لَا مَنْ قَلَّدَ أَصْحَابَ الْأَفْكَارِ
 وَالْمُتَأَوِّلِينَ لِلْأَخْبَارِ الْوَارِدَةِ يَحْمِلُهَا عَلَى أَدْلَتِهِمُ الْعَقْلِيَّةِ فَهُوَ لَا مِنَ الَّذِينَ قَلَّدُوا وَالرُّسُلَ صَلَوَاتُ
 اللَّهِ عَلَيْهِمْ هُمُ الْمُرَادُونَ بِقَوْلِهِ تَعَالَى (أَوْ أَلْقَى السَّمْعَ) لِمَا وَرَدَتْ بِهِ الْأَخْبَارُ الْإِلَهِيَّةُ عَلَى أَلْسِنَةِ
 الْأَنْبِيَاءِ عَلَيْهِمُ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ وَهُوَ يَعْنِي هَذَا الَّذِي أَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيدٌ يُذَيِّقُهُ عَلَى حَضَرَةِ
 الْخَيَالِ وَاسْتَعْمَالَهَا وَهُوَ قَوْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ فِي الْإِحْسَانِ أَنْ تَعْبُدَ اللَّهَ كَمَا نَظَرْتَ تَرَاهُ وَاللَّهُ
 فِي قِبْلَةِ الْبَصَرِ فَلِذَلِكَ هُوَ شَهِيدٌ وَمَنْ قَلَّدَ صَاحِبَ نَظَرٍ فَكُرِّيٍّ وَتَقَيَّدَ بِهِ فَلَيْسَ هُوَ الَّذِي
 أَلْقَى السَّمْعَ فَإِنَّ هَذَا الَّذِي أَلْقَى السَّمْعَ لَا بُدَّ أَنْ يَكُونَ شَهِيدًا
 لِمَا ذَكَرْنَاهُ وَمَنْ لَمْ يَكُنْ شَهِيدًا لِمَا ذَكَرْنَاهُ فَهَذَا هُوَ الْمُرَادُ بِهَذِهِ الْآيَةِ فَهَؤُلَاءِ هُمُ
 الَّذِينَ قَالَ اللَّهُ فِيهِمْ (إِذَا تَبَرَّأَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا مِنَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا) وَالرُّسُلُ لَا يَتَّبِعُونَ
 مِنْ أَتْبَاعِهِمُ الَّذِينَ اتَّبَعُوا هُمْ فَحَقَّقْ يَا لَيْتِي مَا ذَكَرْتَهُ لَكَ فِي هَذِهِ الْحِكْمَةِ الْقَلْبِيَّةِ وَإِنَّمَا
 اخْتِصَّاصُهَا بِشُعَيْبٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَلَمَّا فِيهَا مِنَ الشُّعَيْبِ أَيْ شُعْبَهَا لَا تَحْصُرُ لِأَنَّ كُلَّ اعْتِقَادٍ
 شُعْبَةٌ فَهِيَ شُعْبٌ كُلُّهَا آعْنِي الْإِعْتِقَادَاتِ فَإِذَا انْكَشَفَ الْغِطَاءُ انْكَشَفَ بِكُلِّ أَحَدٍ بِحَسَبِ

مُعْتَقِدُهُ وَقَدْ يَنْكَشِفُ بِخِلَافِ مُعْتَقِدِهِ فِي الْحُكْمِ وَهُوَ قَوْلُهُ تَعَالَى (وَبَدَّ اللَّهُ مَا لَمْ يَكُونُوا
يَحْتَسِبُونَ) فَكَثُرَ هَا فِي الْحُكْمِ كَالْمُعْتَزِلِيِّ لِيَحْتَقِدُ فِي اللَّهِ لُقُودَ الْوَعِيدِ فِي الْعَامِي إِذَا مَاتَ
عَلَى غَيْرِ تَوْبَةٍ فَإِذَا مَاتَ وَكَانَ مَرْحُومًا عِنْدَ اللَّهِ قَدْ سَبَقَتْ لَهُ عِنَايَةٌ بِأَنَّهُ لَا يُعَاقَبُ (وَجَدَ
اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا) فَبَدَّ آلَهُ مِنَ اللَّهِ مَا لَمْ يَكُنْ يَحْتَسِبُهُ وَأَمَّا فِي الْهُوِّيَّةِ فَإِنَّ بَعْضَ الْعِبَادِ
يَجْزِمُ فِي اعْتِقَادِهِ أَنَّ اللَّهَ كَذَا وَكَذَا فَإِذَا انْكَشَفَ الْغَطَاءُ رَأَى صُورَةَ مُعْتَقِدِهِ وَهِيَ حَقٌّ
فَاعْتَقَدَهَا وَانْحَلَّتِ الْعُقْدَةُ فَزَالَ الْإِعْتِقَادُ وَعَادَ عِلْمًا بِالشَّاهِدَةِ وَبَعْدَ احْتِدَادِ الْبَصَرِ لَا
يَرْجِعُ كَيْلُ النَّظَرِ قَيْدًا لِبَعْضِ الْعَبِيدِ بِاخْتِلَافِ التَّجَلِّيِّ فِي الصُّورِ عِنْدَ الرُّؤْيَةِ خِلَافُ
مُعْتَقِدِهِ لِأَنَّهُ لَا يَتَكَرَّرُ فَيَصْدُقُ عَلَيْهِ فِي الْهُوِّيَّةِ (وَبَدَّ اللَّهُ مَا لَمْ يَكُونُوا
يَحْتَسِبُونَ) فِيهَا قَبْلَ كَشْفِ الْغَطَاءِ وَقَدْ ذَكَرْنَا صُورَةَ التَّرْقِي فِي بَعْدِ السُّبُوتِ فِي الْمَعَارِفِ الْإِلَهِيَّةِ
فِي كِتَابِ تَجَلِّيَّاتِنَا عِنْدَ ذِكْرِنَا بَعْضَ مَنَاجِزِ عِنَايَةِ مِنَ الطَّائِفَةِ فِي الْكَشْفِ وَمَا قَدْ نَا
هُمُ فِي هَذِهِ السُّئَلَةِ مِمَّا لَمْ يَكُنْ عِنْدَهُمْ وَمِنْ أَجَبِ الْأُمُرَاتِ فِي التَّرْقِي دَائِمًا وَلَا
يَشْعُرُ بِذَلِكَ لِلطَّافَةِ الْجَبَابِ وَرَقَّتْهُ وَتَشَابَهَ الصُّورِ مِثْلُ قَوْلِهِ تَعَالَى (وَأَلْوَاهِي مَتَشَابِهًا)
وَلَيْسَ هُوَ الْوَاحِدُ عَيْنَ الْآخِرِ فَإِنَّ الشَّيْئَيْنِ عِنْدَ الْعَارِفِ مِنْ حَيْثُ أَنَّهُمَا شَيْئَانِ يَمُرُّانِ
وَصَاحِبُ الْحَقِيقِ يَرَى الْكَثْرَةَ فِي الْوَاحِدِ كَمَا يَعْلَمُ أَنَّ مَدْلُولَ الْأَسْمَاءِ الْإِلَهِيَّةِ كَرَاتٍ
اخْتَلَفَ حَقَائِقُهَا وَكَثُرَتْ أَنَّهُمَا عَيْنٌ وَاحِدَةٌ فَهَذِهِ كَثْرَةٌ مَعْقُولَةٌ فِي وَاحِدِ الْعَيْنِ فَتَكُونُ
فِي التَّجَلِّيِّ كَثْرَةٌ مَشْهُودَةٌ فِي عَيْنٍ وَاحِدَةٍ كَمَا أَنَّ الْهَيُولَى تُوْخَذُ فِي حَدِّ كُلِّ صُورَةٍ وَ
هِيَ مَعَ كَثْرَةِ الصُّورِ وَاخْتِلَافِهَا تَرْجِعُ فِي الْحَقِيقَةِ إِلَى جَوْهَرٍ وَاحِدٍ وَهُوَ هَيُولَا هَاتِنِ عَرَفَتْ
نَفْسَهُ بِهَذِهِ الْمَعْرِفَةِ فَقَدْ عَرَفَتْ رَبَّهُ فَإِنَّهُ عَلَى صُورَتِهِ خَلَقَهُ بَلْ هُوَ عَيْنُ هُوِّيَّتِهِ وَحَقِيقَتِهِ
وَلِهَذَا مَا عَرَفَ أَحَدٌ مِنَ الْعُلَمَاءِ وَالْحُكَمَاءِ عَلَى مَعْرِفَةِ النَّفْسِ وَحَقِيقَتِهَا إِلَّا الْإِلَهِيُّونَ مِنَ الرُّسُلِ
وَالْأَكَابِرِ مِنَ الصُّوفِيَّةِ وَأَمَّا أَصْحَابُ النَّظَرِ وَأَرْبَابُ الْفِكْرِ مِنَ الْقَدَمَاءِ وَالْمُتَكَلِّمِينَ فَمِنْ
كَلَامِهِمْ فِي النَّفْسِ وَمَا هِيَ تَهَافُتًا مِنْهُمْ مَنْ عَثَرَ عَلَى حَقِيقَتِهَا وَلَا يُعْطِيهَا النَّظَرَ الْفِكْرِيُّ أَبَدًا
فَمَنْ طَلَبَ الْعِلْمَ بِهَا مِنْ طَرِيقِ النَّظَرِ الْفِكْرِيِّ فَقَدْ اسْتَسْهَنَ ذَا وَرَمَى وَنَفَعَ مِنْ غَيْرِ ضَرْمٍ
لَا جَرَمَ أَنَّهُمْ مِنَ (الَّذِينَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا) فَمَنْ

طَلَبَ الْأَمْرَ مِنْ غَيْرِ طَرِيقِهِ فَمَا ظَفَرَ بِتَحْقِيقِهِ وَمَا أَحْسَنَ مَا قَالَ اللَّهُ تَعَالَى فِي حَقِّ الْعَالَمِ وَتَبَدُّلِهِ
 مَعَ الْأَنْفَاسِ فِي خَلْقِ جَدِيدٍ فِي عَيْنٍ وَاحِدَةٍ فَقَالَ فِي حَقِّ طَائِفَةٍ بَلْ أَكْثَرُ الْعَالَمِ (بَلْ هُمْ فِي
 لَبْسٍ مِنْ خَلْقِ جَدِيدٍ) فَلَا يَعْرِفُونَ تَجْدِيدَ الْأَمْرِ مَعَ الْأَنْفَاسِ لَكِنْ قَدْ عَثَرْتُ عَلَيْهِ الْأَشَاعِرُ
 فِي بَعْضِ الْمَوْجُودَاتِ وَهِيَ الْأَعْرَاضُ وَعَثَرْتُ عَلَيْهِ الْحِسَابِيَّةُ فِي الْعَالَمِ كُلِّهِ وَجَهْلَهُمْ أَهْلُ النَّظَرِ
 بِاجْتِمَاعِهِمْ وَلَكِنْ أَخْطَا الْفَرِيقَانِ أَمَا خَطَا الْحِسَابِيَّةِ فَبُكُونُهُمْ مَا عَثَرُوا مَعَ قَوْلِهِمْ بِالتَّبَدُّلِ
 فِي الْعَالَمِ بِأَسْرِهِ عَلَى أَحَدِيَّةِ عَيْنِ الْجَوْهَرِ الْمَعْقُولِ الَّذِي قَبْلَ هَذِهِ الصُّورَةِ وَلَا يُوجَدُ إِلَّا بِهَا
 كَمَا لَا تَعْقِلُ إِلَّا بِهِ فَلَوْ قَالُوا بِذَلِكَ قَارُوا بِدَرْجَةِ التَّحْقِيقِ فِي الْأَمْرِ وَأَمَّا الْأَشَاعِرُ فَمَا عِلْمُوا
 أَنَّ الْعَالَمَ كُلَّهُ مَجْمُوعُ أَعْرَاضٍ فَهُوَ يَتَبَدَّلُ فِي كُلِّ زَمَانٍ إِذَا تَسَرَّضَ لَا يَبْقَى زَمَانَيْنِ وَيُظْهَرُ
 ذَلِكَ فِي الْحُدُودِ لِلْأَشْيَاءِ فَإِنَّهُمْ إِذَا حَدَّدُوا الشَّيْءَ تَبَيَّنَ فِي حَيْثُ هُمْ كَوْنُهُ الْأَعْرَاضُ وَأَنَّ
 هَذِهِ الْأَعْرَاضَ الْمَذْكُورَةَ فِي حَذِّهِ عَيْنُ هَذَا الْجَوْهَرِ وَحَقِيقَتُهُ الْقَائِمُ بِنَفْسِهِ وَمِنْ حَيْثُ
 هُوَ عَرَضٌ لَا يَقُومُ بِنَفْسِهِ فَقَدْ جَاءَ مِنْ مَجْمُوعٍ مَالًا يَقُومُ بِنَفْسِهِ مَنْ يَقُومُ بِنَفْسِهِ كَالْتَّحَيُّزِ فِي حَذِّ
 الْجَوْهَرِ الْقَائِمِ بِنَفْسِهِ الذَّاتِيَّ وَقَبُولِهِ لِلْأَعْرَاضِ حَذِّ لَهُ ذَاتِيٍّ وَلَا شَكَّ أَنَّ الْقَبُولَ عَرَضٌ إِذْ
 لَا يَكُونُ إِلَّا فِي قَابِلٍ لِذَلِكَ لَا يَقُومُ بِنَفْسِهِ وَهُوَ ذَاتِيٌّ لِلْجَوْهَرِ وَالتَّحَيُّزُ عَرَضٌ وَلَا يَكُونُ إِلَّا
 فِي مُتَحَيِّزٍ فَلَا يَقُومُ بِنَفْسِهِ وَلَيْسَ التَّحَيُّزُ وَالْمَقْبُولُ بِأَمْرٍ مُرَائِدٍ عَلَى عَيْنِ الْجَوْهَرِ الْمَحْدُودِ
 لِأَنَّ الْحُدُودَ وَالذَّاتِيَّةَ هِيَ عَيْنُ الْمَحْدُودِ وَهُوَ يَتَبَيَّنُ فَقَدْ صَارَ مَالًا لَا يَبْقَى زَمَانَيْنِ
 وَأَزْمِنَةٌ وَعَادَ مَالًا يَقُومُ بِنَفْسِهِ لَا يَشْعُرُونَ بِمَا هُمْ عَلَيْهِ وَهُوَ لَا (هُوَ فِي لَبْسٍ
 مِنْ خَلْقِ جَدِيدٍ) وَأَمَّا أَهْلُ الْكُشْفِ فَإِنَّهُمْ يَرَوْنَ أَنَّ اللَّهَ تَعَالَى يَجْعَلُ فِي كُلِّ نَفْسٍ وَلَا
 يَكْرَهُ التَّجَلِّيَّ وَيَرَوْنَ أَيْضًا شُهُودًا أَنَّ كُلَّ تَجَلٍّ يُعْطَى خَلْقًا جَدِيدًا وَيَذْهَبُ بِخَلْقٍ
 فَيَذْهَابُ هُوَ الْفَنَاءُ عِنْدَ التَّجَلِّيِّ وَالْبَقَاءُ لِمَا يُعْطِيهِ التَّجَلِّيُّ الْآخِرُ فَانْهَمِرْ

یہ حکمت قلبیہ کا قص کلمہ شعیبہ کے بیان میں ہے

حکمت فتوحیہ میں ایجادِ عالم کا بیان تھا۔ ایجادِ عالم کے بعد چونکہ حضرت انسان کی تخلیق کی گئی اس لئے حکمت فتوحیہ کے بعد حکمت قلبیہ کا بیان لایا گیا۔ قلب سے مراد قلبِ انسان ہے۔ حکمت قلبیہ کو حضرت

شعیب علیہ السلام کی طرف منسوب کرنے کی حکمت یہ ہے کہ آپ مقام قلب کیساتھ متحقق تھے کیونکہ آپ معانی کلیہ و جزئیہ کے مشابہ اخلاق الہیہ کیساتھ متعلق عادل اور عارف کامل تھے۔ نیز جیسا کہ قلب انسان شعب اعتقاد کا صاحب ہے ایسا ہی حضرت شعیب علیہ السلام کثیر اولاد کے صاحب تھے۔

اے طالب! اس بات کو تو جان لے کہ تحقیق قلب یعنی عارف باللہ کا قلب اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ہے۔ قلب سے مراد وہ گوشت کا ٹکڑا نہیں ہے جو انسان کے سینہ کے بائیں جانب رکھا ہوا ہے۔ وہ مجازی قلب ہے قلب سے مراد انسان کی حقیقت ہے جو لامکان ہے اور دائیں بائیں ہونے سے منزہ ہے۔ اس حقیقی قلب کا تعلق چونکہ صوبہ صوبہ کیساتھ ہے اسلئے مجازاً قلب صوبہ صوبہ کو بھی قلب کہتے ہیں۔ اور قلب عارف رحمت سے وسیع ہے کیونکہ قلب عارف نے حق جل جلالہ کو سمایا ہے اور حق تعالیٰ کی رحمت حق تعالیٰ کو نہیں سمایتی یہ قول عموم یعنی علماء ظاہر کی زبان کا اشارہ ہے اور اس پر دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ حق تعالیٰ رحمت کرنے والا ہے مگر وہ نہیں۔ پس رحمت کا حق تعالیٰ کی ذات میں کوئی حکم اور اثر نہیں لیکن مخصوص یعنی علمائے باطن کی زبان کا یہ اشارہ ہے کہ حق تعالیٰ کی ذات کو سمایتی ہے۔ اور اس پر دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کا وصف نفس کے ساتھ کیا ہے اور نفس تنفیس سے ماخوذ ہے تنفیس معنی سانس لینے کے ہے۔ حضرت ادیس قرنی رضی اللہ عنہ کی شان اقدس میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے اِنِّیْ لَا اَجِدُ نَفْسَ الرَّحْمٰنِ مِنْ جَانِبِ الْیَمٰنِ تحقیق میں یمن کی طرف سے رحمن کی خوشبو پاتا ہوں۔ اس حدیث شریف میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی صفت ساتھ نفس کے کی ہے۔ مراد یہ ہے کہ اسماء الہیہ مرتبہ احدیت ذاتیہ میں عین مسمیٰ ہیں اور نہیں ہے وہ مسمیٰ مگر عین ذات حق یعنی مرتبہ احدیت میں اسماء کا ظہور نہیں۔ مرتبہ وحدت میں اسماء کا ظہور علمی اجمالی ہے اور مرتبہ واحدیت میں اسماء کا ظہور علمی تفصیلی ہے۔ مرتبہ واحدیت میں اسماء اپنے ظہور خارجی کے متقاضی تھے اسلئے حق تعالیٰ کو کرب تھا کہ اسماء کا ظہور خارجی ہو اسلئے حق تعالیٰ نے سانس لیا اور اس کرب کا ازالہ کیا۔ یعنی اسم رحمن کیساتھ تجلی کی اور اسماء کیلئے مظاہر خارجی یعنی عالم کو ایجاد کیا۔ اسم رحمن کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے عالم پر رحمت عامہ کی اور عالم کو اپنے اسماء یعنی ذات عطا کی۔ اس وجہ سے عارف باللہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہر شے پر وسیع ہے اور اس نے عالم کو سمایا ہے لہذا اللہ تعالیٰ کی ذات کو بھی سمایا ہے کیونکہ عالم عین ذات حق ہے۔ مرتبہ احدیت میں اسماء بالقوہ موجود تھے اور عین ذات تھے۔ جب ذات حق کو محبت پیدا ہوئی کہ اس کی ذات یعنی اسماء کا ظہور ہو تو اس نے مرتبہ بطون سے تنزل فرما کر مرتبہ وحدت میں ظہور فرمایا۔ یہ اسماء کا ظہور علمی اجمالی ہے۔ پھر تنزل فرما کر مرتبہ واحدیت میں ظہور فرمایا۔ یہ اسماء کا ظہور علمی تفصیلی ہے۔

اس مرتبہ میں ذات کو حقائق الہیہ و حقائق کو نیا حاصل ہوئے۔ یہ ممکناتِ عالم کے اعیان ثابتہ ہیں۔ یہ اعیان ثابتہ ظہور کے متمنی تھے اسلئے اللہ تعالیٰ نے عالم کو پیدا کیا تاکہ اسماء الہیہ و کونیہ کا ظہور خارجی ہو۔ اللہ تعالیٰ کی دو شانیں ہیں، رُبُوبیت و عبودیت۔ مرتبہ رُبُوبیت صفات فاعلہ و جوہیہ مظاہر اللہ کے ظہور کا مرتبہ ہے اور مرتبہ عبودیت صفات قابلہ امکانیہ مظاہر اللہ کے ظہور کا مرتبہ ہے۔ مرتبہ واحدیت اسماء الہیہ و اسماء کونیہ کا جامع ہے۔ اسماء الہیہ ارباب ہیں اور اسماء کونیہ مربوبات ہیں۔ اسماء کی تمیز اور تعین اسی مرتبہ واحدیت میں ہے۔ اب اُلُوہیت مآلِوہ کو طلب کرتی ہے کیونکہ غایہ کے بغیر معبود کا وجود ثابت نہیں ہوتا اور رُبُوبیت مربوب کو طلب کرتی ہے۔ مراد یہ ہے کہ اسماء الہیہ کا محل ظہور عالم ہے۔ عالم کے بغیر اسماء کا ظہور ناممکن تھا۔ **وَالْاَفْلَاحُ عَيْنُ لَهَا اِنَّا** یعنی اگر اسماء الہیہ مربوبات کے طالب نہ ہوں تو اسماء کا کوئی عین یعنی حقیقت یا ظہور نہ ہو۔ مربوبات سے مراد ممکناتِ عالم ہے۔ اسماء کا علمی ظہور ممکناتِ عالم کے علمی وجود پر ہوا اور اسماء کا غیبی ظہور ممکناتِ عالم کے غیبی ظاہری خارجی وجود پر ہوا۔ اور حق تعالیٰ باعتبار اپنی ذات کے عالموں سے بے پرواہ ہے۔ یہ مرتبہ احدیت ذاتیہ ہے جو تمام اضافوں سے منزہ ہے اور مرتبہ رُبُوبیت یعنی واحدیت کیلئے یہ حکم غنا نہیں ہے۔ مرتبہ واحدیت میں اسماء ظہور کے مقتضی ہیں اور ظہور اسماء کیلئے اللہ تعالیٰ عالم کا محتاج ہے۔ پس احدیت اور واحدیت ذات حق کے دو مراتب ہیں۔ مرتبہ احدیت میں ذات حق تمام نسبتوں سے منزہ ہے اور مرتبہ واحدیت میں ذات حق کیلئے تمام نسبتیں ثابت ہیں۔ اگرچہ مرتبہ واحدیت بھی ذات حق کا عین ہے لیکن ذات حق کیلئے دو وجہ ہیں۔ ایک وجہ سے وہ غنی عن العالمین ہے اور ایک وجہ سے وہ عالمین کا محتاج ہے۔ یہ دونوں شانیں آپس میں متعارض ہیں پس حق تعالیٰ نے اپنے بندوں پر شفقت کی اور عالم کو ایجاد کیا۔ اور نفل میں اس امر کی خبر دی کہ عالم ظہور حق ہے اور انسان شجرۃ الکون کا پھل ہونے کے باعث ذات حق کیلئے مرآتِ تائید ہے۔ اور اس امر پر کئی آیات اور احادیث وارد ہیں۔ نفل میں اس بارے میں معرفت کی خبر دینا طالبانِ خدا پر خاص شفقت ہے۔ مرتبہ واحدیت سے سب سے اول سانس یعنی سب سے اول تجلی جو حق تعالیٰ نے کی وہ اُس کے اسمِ رحمن کی طرف منسوب ہے۔ مراد یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے اپنی رحمتِ عامہ سے عالم کو ایجاد کیا کیونکہ مرتبہ واحدیت بسبب اپنی حقیقت کے عالم کو طلب کرتا ہے۔ مرتبہ واحدیت میں جمیع اسماء الہیہ کا ظہور علمی تفصیلی ہے اور وہ اسماء ظہور غیبی خارجی کیلئے عالم کو طلب کرتے ہیں۔ پس اس وجہ مذکور سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ عالم میں نفسِ رحمانی ساری ہے۔ لہذا تحقیق حق تعالیٰ کی رحمت نے ہر شے کو سمایا ہے اور ہر شے میں چو نکہ نفسِ رحمانی یعنی ذات حق ساری ہے اسلئے اُس رحمت حق نے حق تعالیٰ کو سمایا ہے

پس رحمت حق قلب عارف سے وسیع تر ہے یا وسعت میں اُس کے مساوی ہے۔ ہذا مضمون یہ کلام عموم اور خصوص یعنی علمائے ظاہر و باطن کا کلام اس جگہ پر ختم ہوا ہے۔

اس حکمت کے بعد طالب حق کو چاہیے کہ اسباب کو جان لے کہ تحقیق حقیقتی تجلی کی وقت متعلیٰ کیلئے مختلف صورتوں پر متحول ہوتا ہے اور یہ امر حدیث صحیح میں ثابت ہوا ہے۔ اور تحقیق جب قلب عارف حقیقتی کو سمجھا لے تو وہ قلب عارف ساتھ حقیقتی کے مخلوقات میں سے غیر حق کو نہیں سمجھتا ہے۔ پس گویا کہ حقیقتی قلب عارف کو اپنی ذات سے پُر کر دیتا ہے اور اس کے معنی یہ ہیں کہ جب بندہ حقیقتی کی طرف نظر کرتا ہے، جس وقت حقیقتی اُس کیلئے تجلی کرتا ہے، بندے کیلئے یہ ممکن نہیں کہ باوجود معیت حق غیر حق کی طرف نظر کرے۔ مراد یہ ہے کہ جب آفتاب حقیقتِ دل کے آسمان پر طلوع کرتا ہے تو کثرت کے ستارے سب گم ہو جاتے ہیں۔ یعنی عارف پر سر تو حید منکشف ہو جاتا ہے اور اُس کی نظر میں غیر باقی نہیں رہ جاتا۔ جب حق تعالیٰ عارف کیلئے اُس کے قلب میں تجلی کرتا ہے تو وہم غیریت کا حجاب شق ہو جاتا ہے اور وہ بیخود ہو کر بول اٹھتا ہے۔ سب میں پورا ہے کسی میں کم نہیں، بلکہ سرتاپا وہی ہے ہم نہیں۔

وَقَلْبُ الْعَارِفِ اَلْحَقُّ جب حقیقتی قلب عارف میں تجلی ذاتی کرتا ہے تو حیوانی رُوح گداز ہو جاتا ہے۔ عارف کا جسم مواد سے فارغ ہو جاتا ہے۔ رُوح القدس جسم کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ عارف رُوحانی و ربانی ہو جاتا ہے۔ حقیقتی چونکہ لامتناہی ہے اسلئے قلب عارف کو غیر متناہی وسعت حاصل ہو جاتی ہے جیسا کہ بایزید بُسطامی نے کہا کہ اگر عرش بمعہ وہ اشیا جن پر عرش محیط ہے دس کروڑ بار قلب عارف کے زوایا میں سے کسی ایک زاویہ میں ہوتا تو قلب عارف اُس کو جس بھی نہ کرتا۔ مراد یہ ہے کہ قلب عارف لامتناہی ہے اور عرش متناہی ہے۔ اور عرش اور جو کچھ کہ عرش کے اندر ہے کتنا ہی مقدارِ فرہن کیا جاوے متناہی ہو گا۔ لہذا متناہی کو غیر متناہی کیساتھ کچھ نسبت نہیں۔ اور اس معنی میں جنید نے کہا کہ جب حادث قدیم کے نزدیک ہو جاتا ہے حادث کے واسطے کوئی اثر باقی نہیں رہ جاتا ہے اور جو قلب قدیم کو سمجھا لے وہ حادث کو کیسے موجود حس کرے گا۔

جب حقیقتی کی یہ شان ہے کہ اُس کی تجلی صورتوں میں نوع بنوع ہوتی ہے تو ضروری ہے کہ قلب عارف اُس صورت کے موافق جس صورت میں تجلی الہی واقع ہوتی ہے وسیع اور تنگ ہو گا کیونکہ قلب عارف سے اُس صورت سے جس میں تجلی واقع ہوتی ہے کچھ فاضل نہیں رہتا ہے۔ اُس کی مثال یہ ہے کہ عارف یا انسان کامل کا قلب بمنزلہ محلِ فص خاتم ہے اور صورتِ تجلیہ بمنزلہ فص خاتم ہے۔ یعنی قلب انگوٹھی کے نگینہ کا محل ہو

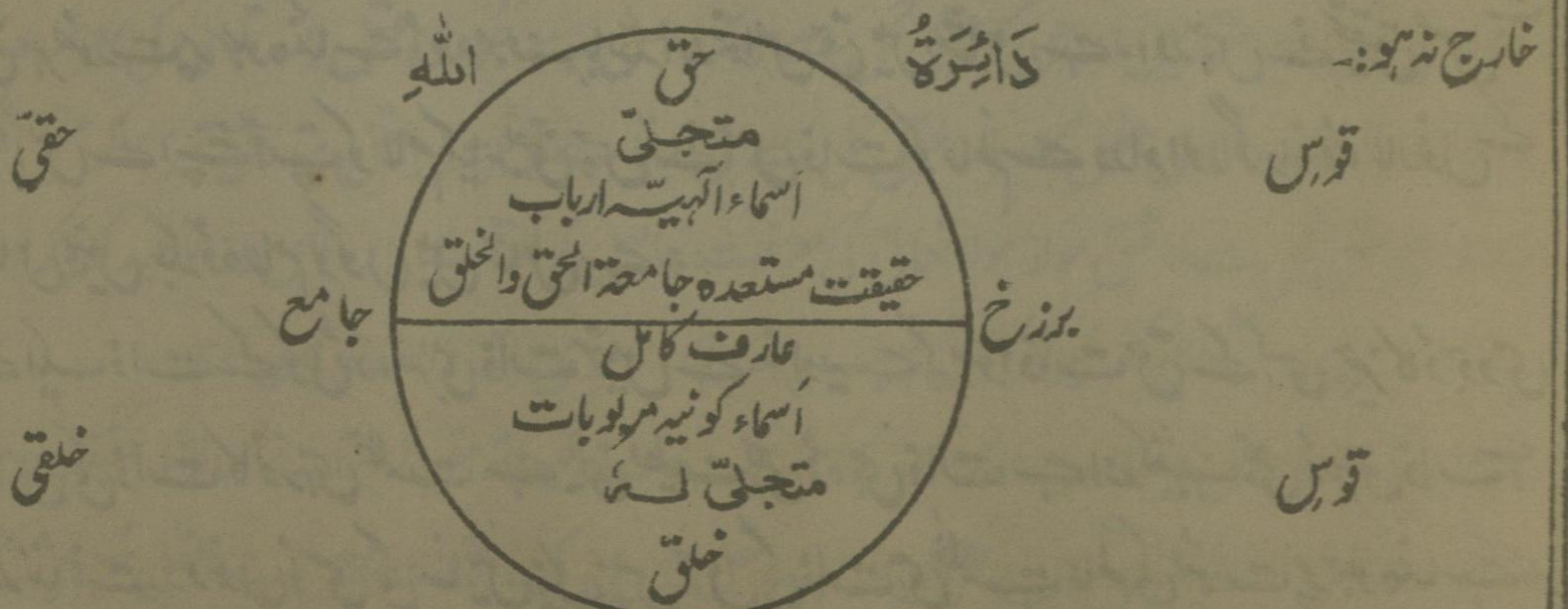
اور صورت تجلیہ انگوٹھی کا نگینہ ہے۔ اب انگوٹھی میں محل نگینہ نگینہ سے زیادہ یعنی فراخ نہیں ہوتا ہے بلکہ محل نگینہ نگینہ کے اندازہ کے مطابق ہوتا ہے۔ اور محل نگینہ کی شکل بھی نگینہ کی شکل کے مطابق ہوگی۔ اگر نگینہ گول یا چو پہل یا شش پہل یا ہشت پہل ہو تو محل نگینہ بھی گول یا چو پہل یا شش پہل یا ہشت پہل ہوگا اور اگر ان اشکال کے سوا نگینہ کی کوئی اور شکل ہو تو محل نگینہ کی بھی وہی شکل ہوگی کیونکہ انگوٹھی میں محل نگینہ کی شکل نگینہ کی شکل کے مانند ہوگی نہ کہ غیر اس شکل کی۔ مراد یہ ہے کہ محل تابع نگینہ ہے یعنی قلب عارف تجلی الہی کا تابع ہے۔ اس کی مثال ایسے ہے جیسے ماں کے رحم میں جب جنین بڑھتا ہے تو رحم خود بخود بڑھتا چلا جاتا ہے۔ مراد یہ ہے کہ تجلی الہی قلب عارف کی استعداد کے تابع نہیں بلکہ استعداد قلب عارف تجلی الہی کے تابع ہے۔ تجلی الہی استعداد قلب اپنے موافق پیدا کر لیتی ہے۔ اور یہ حکم اس چیز کے برعکس ہے جس کی طرف عارفوں کا ایک طائفہ اشارہ کرتا ہے اور وہ یہ ہے کہ حقیقی بندے کی استعداد کے اندازہ کے مطابق تجلی فرماتا ہے یعنی نگینہ محل نگینہ کے تابع ہے۔ اور یہ حکم سابق حکم کی مانند نہیں ہے کیونکہ عبد حقیقی کیلئے اس صورت کے اندازہ پر ظاہر ہوتا ہے جس صورت میں حقیقی اس کے لئے تجلی فرماتا ہے۔ یہ دونوں حکم آپس میں متضاد ہیں۔ اس مسئلہ کا اصل حل یہ ہے کہ تحقیق اللہ تعالیٰ کیلئے دو تجلیاں ہیں ایک تجلی غیبی اور دوسری تجلی شہادی۔ تجلی غیبی یا فیض اقدس سے حقیقی کو ممکنات عالم کے اعیان ثابتہ اور ان کی استعدادات حاصل ہوتی ہیں۔ یہ وہ استعداد ہے جس پر قلب عارف ہوتا ہے۔ پس اس تجلی غیبی میں محل تابع تجلی ہے کیونکہ محل مع استعداد اس تجلی سے حاصل ہوتا ہے۔ اور وہ تجلی غیبی تجلی ذاتی ہے اور اس کی حقیقت غیب مطلق ہے۔ وہ تجلی غیبی ہوتی ہے جس سے قبل حقیقی ہوتی مطلقہ کا مستحق ہوتا ہے اور اس حال اور مرتبہ میں حقیقی اپنے نفس اپنی ذات سے اپنے قول کے ساتھ خبر دیتا ہے۔ ہوتی مطلقہ سے مراد مرتبہ احدیت ذاتیہ ہے۔ یہ ذات حق کی کُنہ ہے اور بطون در بطون مرتبہ ہے یہ غیب الغیب یا غیب مطلق کا مرتبہ ہے۔ اس مرتبہ میں ذات حق تمام اصناف اور قیودات سے منزہ و معزا ہے لہذا یہ ہوتی مطلقہ کا مرتبہ ہے۔ جب حقیقی نے اپنی ذات کا ظہور چاہا تو مرتبہ احدیت سے تنزل فرما کر مرتبہ وحدت میں جلوہ آرائی کی۔ یہ ظہور علمی اجمالی کا مرتبہ ہے۔ یعنی ذات حق نے اپنی ذات میں اپنی ذات کیلئے اپنی ذات و صفات و جمیع کائنات کا اپنے علم میں اجمالاً یعنی بغیر تمیز کرنے بعض کو بعض سے ادراک کیا۔ پھر چاہا کہ اور ظہور ہو تو حقیقی نے مرتبہ وحدت سے تنزل فرما کر مرتبہ واحدیت میں جلوہ آرائی کی۔ یہ ظہور علمی تفصیلی کا مرتبہ ہے۔ یعنی اس مرتبہ میں ذات حق نے اپنی ذات میں اپنی ذات کیلئے اپنی ذات و صفات و جمیع کائنات

کا ادراک اپنے علم میں تفصیلاً یعنی بعض کو بعض سے تمیز کرنے کیساتھ کیا۔ یہ ہوسیت الہیہ کا مرتبہ ہے۔ اس مرتبہ میں
 حقتعالیٰ کو فیض اقدس یعنی تجلی غیبی سے ممکنات عالم کے اعیان ثابتہ مع استعدادات حاصل ہوئے۔ پس
 اس تجلی غیبی میں محل مع استعداد تجلی کے تابع ہے۔ فَلَا يَزَالُ اِنْهَ پس وہ تجلی غیبی حقتعالیٰ کیلئے دائمی ابدی
 ہے۔ حقتعالیٰ کی ذات غیر متناہی ہے۔ اگرچہ ذات میں تغیر جائز نہیں لیکن اُس کی تجلیات نوع بنوع ہیں بقولہ
 تَعَالٰی (كُلُّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ)۔ پس حقتعالیٰ کی تجلیات غیر متناہی ہیں۔ چونکہ اُس کی تجلیات غیر متناہی ہیں
 اسلئے اُس کے علوم و معلومات بھی غیر متناہی ہیں۔ معلومات کا دوسرا نام ممکنات کے اعیان ثابتہ ہے۔ چونکہ
 ممکنات کے اعیان ثابتہ غیر متناہی ہیں اسلئے اُن کے ظہور خارجی کیلئے اعیان خارجیہ بھی غیر متناہی ہوں گے۔
 اس میں ایک باریک برسر ہے جو عارف ہی سمجھ سکتا ہے۔ پس جبوقت اُس کو یعنی قلب کی واسطے مرتبہ واحدیت
 میں فیض اقدس یعنی تجلی غیبی سے استعداد حاصل ہوئی، تو حقتعالیٰ نے فیض مقدس یعنی تجلی شہودی سے اُس قلب
 کے واسطے اُس کی حاصل شدہ استعداد کے مطابق تجلی کی اور اُس کے عین ثابتہ کو اُس کی استعداد کے مطابق علم
 شہادت میں وجود خارجی عطا کیا۔ یہ تجلی شہودی تابع محل کے ہے یعنی تجلی الہی قلب عارف کی استعداد کے
 مطابق ہوتی ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ انگوٹھی کا نگینہ محل نگینہ کے مطابق ہوگا۔ پس تجلی غیبی میں استعداد قلب
 عارف تجلی الہی کے تابع ہے اور تجلی شہودی میں تجلی الہی استعداد قلب عارف کے تابع ہے۔ جب عالم
 شہادت میں قلب عارف پر حقتعالیٰ نے تجلی شہودی کی تو عارف نے حقتعالیٰ کو دیکھا۔ اور حقتعالیٰ عارف کیلئے
 اُس صورت کیساتھ ظاہر ہوا جس کیساتھ حقتعالیٰ نے اُس کیلئے تجلی کی۔ یعنی تجلی غیبی میں قلب عارف کو جو صورت
 استعداد حاصل ہوئی اُس صورت استعداد کے مطابق حقتعالیٰ اُس کیلئے ظاہر ہوا جیسے کہ ہم نے اُس کا آگے ذکر
 کیا ہے۔ پس تجلی غیبی کیساتھ اللہ تعالیٰ نے قلب کو استعداد عطا کی بقولہ تَعَالٰی (قَالَ رَبُّنَا الَّذِي اَعْطٰی كُلَّ
 شَيْءٍ خَلْقَهُ ثُمَّ هَدٰی) کہا ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر شے کو اُس کی استعداد عطا کی پھر راہ بتائی۔ پھر اللہ تعالیٰ
 نے اپنے اور اپنے بندے کے درمیان سے حجاب اٹھا دیا اور بندے نے حقتعالیٰ کو اپنی اعتقادی صورت میں دیکھا
 یعنی اپنے اعتقاد میں جو صورت وہ حقتعالیٰ کو تصور کرتا ہے اُس صورت میں اُس نے حقتعالیٰ کو دیکھا۔ پس مرنی اُس
 کے اپنے اعتقاد کا عین ہے۔

پس عارف کا قلب اور اُس کی آنکھ حقتعالیٰ کے بارہ میں اپنی اعتقادی صورت کو ہی ہمیشہ دیکھتا ہے۔ یہ
 وہی حق ہے جو اُس کیلئے تجلی کرتا ہے اور اسی لئے عارف اُس کو پہچانتا ہے۔ پس مشاہد کی آنکھ نہیں دیکھتی ہے

مگر اعتقادی حق کو مراد یہ ہے کہ ہر شخص حقتعالیٰ کو اپنے اعتقاد کی صورت میں دیکھتا ہے اور یہ امر پوشیدہ نہیں کہ آدمیوں کے اعتقادات نوع بنوع ہیں پس جس نے حقتعالیٰ کو کسی ایک صورت میں مقید کیا، وہ اُس مقیدہ صورت کی غیر صورتوں میں حقتعالیٰ کا انکار کرتا ہے اور جس وقت حقتعالیٰ اُس صورت میں تجلی کرتا ہے جس کے ساتھ اُس نے حقتعالیٰ کو مقید کیا ہوا ہے، تو وہ اُس کیساتھ اقرار کرتا ہے پس تحقیق وہ بعض صورتوں پر ایمان لایا اور حقتعالیٰ کی بعض صورتوں کا اُس نے انکار کیا۔ اور جس نے حقتعالیٰ کو تمام قیود سے مطلق جانا، وہ حقتعالیٰ کا کسی صورت میں بھی انکار نہیں کرتا ہے اور وہ حقتعالیٰ کا ہر اُس صورت میں جس میں حقتعالیٰ متحول ہوتا ہے اقرار کرتا ہے۔ بلکہ وہ عارف ہر اُس صورت کی جس میں حقتعالیٰ اُس کیلئے متجلی ہوتا ہے اپنی ذات سے تعظیم کرتا ہے خواہ وہ صورتیں غیر متناہی ہوں کیونکہ اللہ تعالیٰ کی تجلیات غیر متناہی ہیں۔ ہر صورت اُس کی ایک نئی تجلی ہے لہذا غیر متناہی تجلیات کیلئے غیر متناہی صورتیں ہوں گی۔ پس عارف کامل کسی ایک معین صورت پر نہیں ٹھہرتا یعنی وہ کسی ایک خاص صورت میں حقتعالیٰ کو مقید نہیں کرتا بلکہ ہر صورت الہیہ جانتا ہے۔ ایسے ہی علم باللہ بھی غیر متناہی ہے اسلئے عارفین کیلئے علم کی کوئی حد و غایت نہیں جہاں وہ ٹھہر جائیں۔ عارف باللہ ہر وقت علم باللہ میں زیادتی طلب کرتا ہے اور مکرر کہتا ہے اے میرے رب! میرے واسطے علم زیادہ کر۔ اے میرے رب! میرے واسطے علم زیادہ کر۔ اے میرے رب! میرے واسطے علم زیادہ کر۔ پس یہ امر طرفین سے لامتناہی ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی تجلیات غیر متناہی ہیں لہذا عارف کا علم بھی غیر متناہی ہے کیونکہ ہر تجلی الہی کیساتھ عارف باللہ کو ایک نیا علم حاصل ہوتا ہے پس وہ ہر لحظہ علم میں ترقی کر رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے کمالات کی حد نہیں اسلئے عارف کیلئے علم باللہ کی حد نہیں۔ یہ عارف کا زیادتی علم کیلئے اپنے رب سے دُعا مانگنا اس صورت میں ہے جس وقت تو حق اور خلق کی تمیز کرے یعنی اس مقام میں عارف اپنے تعین کیساتھ اپنی حقیقت کی طرف متوجہ ہو کر اپنی حقیقت ہی سے دُعا مانگتا ہے۔ تو گویا اپنے جسد کو وہ خلق تصور کرتا ہے اور اپنی حقیقت کو حق تصور کرتا ہے۔ اور اے طالب! جب تو قول حقتعالیٰ جو حدیث قدسی میں وارد ہے، میں نظر کرے کہ میں اُس بندے کے پاؤں ہو جاتا ہوں وہ ان کیساتھ چپتا ہے اور اُس کے ہاتھ ہو جاتا ہوں وہ ان کیساتھ پکڑتا ہے اور اُسکی زبان ہو جاتا ہوں وہ اُس کیساتھ کلام کرتا ہے بلکہ انکے سوا اُس کے جمیع قوی اور اُن قوی کے محل جو بندے کے اعضاء ہیں میں ہو جاتا ہوں تو تو حق اور خلق میں فرق نہیں کرے گا۔ اور تو عارف کے وجود کو تمامی حق کہیگا یا تمامی خلق کہیگا۔ یعنی تمامی حق کہے تو بھی بجا ہے اور تمامی خلق کہے تو بھی بجا ہے کیونکہ حدیث شریف کی رو سے عارف کا ظاہر باطن اللہ ہو جاتا ہے۔ مراد یہ ہے کہ اگر تو حقتعالیٰ

کی کلام کو من و عن تسلیم کرے تو عارف کو تو حق کہے لیکن تو حیران ہو گا کہ وہ بندہ جسکو تو خلق کہتا تھا کہاں گیا۔
ایعریز! وہ بندہ کہیں غائب نہیں ہوا اور نہ ہی بندہ بدل کر خدا ہو گیا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے اشارہ کر دیا ہے کہ
خلق کی صورت پر میرا ہی ظہور ہے۔ اب اُس ذات کو حق کہو۔ بجا ہے خلق کہو تو بھی بجا ہے۔ عارف کو حق کہو تو
بھی بجا ہے خلق کہو تو بھی بجا ہے لیکن عارف کامل وہ ہے جو حق اور خلق میں تمیز کرے اور اس بات کو جان لے کہ اللہ تعالیٰ
کیلئے دو جہتیں ہیں۔ ایک جہت سے وہ حق ہے اور ایک جہت سے وہ خلق ہے اور حضرت انسان کامل
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حق اور خلق کے درمیان برزخ جامع ہے۔ جب عارف کامل کے دل پر اللہ تعالیٰ تجلی کرتا
ہے تو اُس کا دل منور ہو جاتا ہے اور صفات کاملہ الہیہ کا ظہور اُس کے قلب میں ہوتا ہے۔ مراد یہ ہے کہ جب
شیخ کامل مرید کے دل پر دائمی توجہ رکھتا ہے تو مرید کا دل منور ہوتا چلا جاتا ہے حتیٰ کہ آفتاب حقیقت مرید کے
آسمان قلب پر پوری تاب سے چمکتا ہے اور وہ سرتاپا نورانی روحانی و ربانی ہو جاتا ہے۔ شیخ مرید کے وجود کو
نگل جاتا ہے یعنی اُس کی ہستی کو مٹا دیتا ہے اور اُس کی صورت میں خود جلوہ نما ہو جاتا ہے۔ اب وہ مرید بھی عارف
کامل ہے اور مجملہ صفات کاملہ الہیہ سے متصف ہے۔ پس اُس عین واحدہ یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات کیلئے دو جہتیں
ہیں۔ ایک جہت یعنی نسبت سے وہ حق ہے اور ایک نسبت سے وہ خلق ہے۔ تجلی کر نیوالے کی صورت کا
بھی عین ہے اور اُس تجلی کے قبول کرنے والے کی صورت کا بھی عین ہے۔ لہذا وہ ذات خود ہی متجلی ہے اور
خود ہی متجلی لہ ہے پس اسے طالب! تو دیکھ کہ اللہ تعالیٰ کی کیا بڑی شان ہے۔ اپنی ہوییت ذاتیہ کے اعتبار سے
وہ حق ہے اور اس نسبت کے اعتبار سے کما اُس کے اسماء الحسنیٰ کے حقائق کا ظہور عالم کی صورت پر ہے وہ
خلق ہے۔ اس نقطہ کو ذہن نشین کرنے کیلئے دائرۃ اللہ پیش کیا جاتا ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ ہر شے پر محیط ہے بقولہ
تعالیٰ (اَلَا اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِیْطٌ) اسلئے ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ایک دائرہ ہو اور کوئی شے اُس دائرہ سے



(۱) خط متوہم دائرہ کو دو قوسوں میں تقسیم کرتا ہے۔ ایک قوس حق ہے اور دوسری قوس خلقی ہے۔ یہ محض تفہیم کی خاطر ہے کہ اللہ تعالیٰ کیلئے دو نسبتیں ہیں۔ ایک نسبت سے وہ ذات اسم حق کیساتھ موسوم ہے اور ایک نسبت سے وہ ذات اسم خلق کیساتھ موسوم ہے ورنہ حقیقت میں وہ ذات تقسیم اور انقسام سے منزہ اور معز ہے۔

(۲) عارف کامل حق اور خلق کے درمیان بزرخ جامع ہے۔ عارف کامل کے توسط سے حق خلق پر تجلی کرتا ہے۔ اسماء الہیہ ارباب ہیں اور اسماء کونیہ مربوطات ہیں۔ اسماء الہی کئی اٹھائیس ہیں۔ ان کو حقائق الہیہ بھی کہتے ہیں یہ سب ارباب ہیں۔ حقائق کونیہ بھی اٹھائیس ہیں جو ان اٹھائیس اسماء الہی سے ظاہر ہوتے ہیں۔ یہ سب مربوطات ہیں۔ ان کی تفصیل حسب ذیل ہے۔ (۱) بدیع سے عقل کل پیدا ہوتی، بدیع فاعل اور رب ہے اور عقل کل مربوط اور مفعول (۲) اور باعث سے نفس کل (۳) اور باطن سے طبیعت کل (۴) اور آخر سے جوہر ہما (۵) اور ظاہر سے شکل کل (۶) اور حکیم سے جسم کل (۷) اور محیط سے عرش (۸) اور شکور سے کرسی (۹) اور غنی سے فلک بروج (۱۰) اور مقتدر سے فلک منازل (۱۱) اور رب سے فلک زحل (۱۲) اور علیم سے فلک مشتری (۱۳) اور قاہر سے فلک مرتخ (۱۴) اور نور سے فلک شمس (۱۵) اور مصور سے فلک زہرہ (۱۶) اور محیی سے فلک عطارد (۱۷) اور مبین سے فلک قمر (۱۸) اور قابض سے گرہ نار (۱۹) اور حتی سے گرہ ہوا (۲۰) اور محی سے گرہ آب (۲۱) اور جمیت سے گرہ خاک (۲۲) اور عزیز سے مرتبہ جماد (۲۳) اور رازق سے مرتبہ نبات (۲۴) اور مدلل سے مرتبہ حیوان (۲۵) اور قوی سے مرتبہ ملک (۲۶) اور لطیف سے مرتبہ جن (۲۷) اور جامع سے مرتبہ انسان (۲۸) اور رفیع سے مرتبہ جامع پیدا ہوئے۔

شعر (۱) پس کیا ہیں ذوی العقول اور کیا ہیں غیر ذوی العقول؟ ذوی العقول اور غیر ذوی العقول دونوں کی حقیقت ایک ہے۔ یعنی دونوں کی حقیقت ذات حق ہے۔

(۲) پس جس نے تحقیق اُس ذات کو عام کیا، اُس نے اپنے آپ کو خاص کر لیا۔ یعنی جس شخص کا یہ عقیدہ ہے کہ ذات حق ہر صورت پر جلوہ نما ہے وہ عارف باللہ اور خواص حق میں شامل ہے۔ اور جس نے تحقیق اُس ذات کو خاص کیا، اُس نے اپنے آپ کو عام کیا۔ یعنی جس نے اُس ذات کو عالم سے وراہ اولیٰ کر دانا وہ عارفوں کے گروہ میں شامل نہیں بلکہ وہ عام لوگوں میں شامل ہے۔

(۳) سوائے ایک ذات کے کوئی دوسری ذات نہیں ہے۔ مراد یہ ہے کہ ہوا ذات حق کے کسی چیز کا دوسری نہیں پس اُس کی ذات کا نور ہی ظلمت ہے یعنی لطیف بھی وہ ہی ذات ہے اور کثیف بھی وہ ہی ذات ہے۔ لطافت اور کثافت دونوں اُسی کی شائیں ہیں پس اُس کی ذات ہی ظلمت عالم کی صورت پر جلوہ نما ہے۔

(۴) و (۵) پس جو شخص اس رازِ توحید سے غافل ہے وہ اپنی ذات میں حجاب پائیگا۔ یعنی جس شخص کے قلب پر غیریت کا حجاب ہے وہ اس رازِ توحید کو نہیں پاسکتا۔ اور جو رازِ ہم نے بیان کیا ہے اس کو سوا اس بند سے کے جس کی ہمت بلند ہے کوئی نہیں پہچان سکتا۔ مراد یہ ہے کہ معرفت الہی کے قابل وہ شخص ہے جسکی ہمت بلند ہو۔ یعنی نہ وہ دنیا کا طالب ہو، نہ آخرت کا طالب ہو، بلکہ محض اللہ کی ذات کا طالب ہو۔

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا (اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰی لِمَنْ كَانَ لَهُ قَلْبٌ) تحقیق قرآن مجید میں البتہ اس شخص کے واسطے نصیحت ہے جسکے واسطے قلب ہے۔ قلب کو قلب اسلئے کہا جاتا ہے کہ اسکو انواعِ صُور و صفات میں تقلب حاصل ہے۔ روح مرتبہ احدیت کی صورت اور قلب مرتبہ واحدیت کی صورت ہے جو ظہور اور بطون کے درمیان برزخ ہے اور جمیع حقائق الہیہ اور کونیہ کو جامع ہے۔ قلب عارف مرتبہ واحدیت یعنی الوہیت کا آئینہ ہے اسلئے عارف جانتا ہے کہ حقائق جمیع صُور پر متجلی ہے اور جمیع صفات حقیقی یا خلقی کا جامع ہے۔ پس قلب سے مراد وہ قلب ہے جو معرفت الہی سے لبریز ہے۔ یعنی جسکو اس رازِ توحید کا عرفان حاصل ہے کہ حق تعالیٰ کسی ایک صورت میں مقید نہیں بلکہ ہر صورت پر وہ ہی متجلی ہے۔ پس ثابت ہوا کہ قرآن مجید میں یہی نصیحت ہے کہ سوائے حقائق کے کوئی چیز عرصہ وجود میں پیدا ہی نہیں اور یہ راز سوائے قلب عارف کے کسی کو نصیب نہیں۔ اور حقائق نے یہ نہیں فرمایا اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰی لِمَنْ كَانَ لَهُ عَقْلٌ تحقیق قرآن مجید میں البتہ اس شخص کیواسطے نصیحت ہے جس کیواسطے عقل ہے کیونکہ عقل ایک قید ہے اور وہ امر الہی کو ایک خاص صفت میں حصر کر دیتی ہے عقل سے مراد جزوی عقل ہے اور جزوی عقل کا یہ خاصہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں ایک خاص معین عقیدہ رکھتی ہے اور عقل جزوی کا صاحب اللہ تعالیٰ کو کسی ایک خاص وصف سے مقید کر دیتا ہے۔ اہل دنیا و اہل آخرت اہل عقل ہیں اور اہل اللہ اہل قلب ہیں۔ اہل قلب وہ لوگ ہیں جن کے قلب عشق اور عرفان الہی سے منور ہیں اور جن کو عقل کل سے حصہ حاصل ہے۔ جزوی عقل اللہ تعالیٰ کی معرفت نہیں حاصل کر سکتی البتہ جب جزوی عقل کا دہانہ عقل کل سے مل جاتا ہے تو جزوی عقل بتدریج تیز ہو کر عقل کل ہو جاتی ہے اور پھر عقل کل سے عاشق مولا مولا تعالیٰ کی معرفت حاصل کر لیتا ہے۔ اور اس رازِ توحید کو پا کر بول اٹھتا ہے

کجا غیر کو غیر کو نقشِ غیر! بی سوی اللہ و اللہ مافی الوجود

مراد یہ ہے کہ جزوی عقل کا صاحب اللہ تعالیٰ کو کسی ایک صفت کیساتھ مقید کر دیتا ہے حالانکہ حقیقت میں وہ ذاتِ حد و حصر سے منزہ اور معرّا ہے۔ پس یہ قرآن صاحب عقل جزوی کیلئے نصیحت نہیں ہے عقل جزوی کے اصحاب

اصحاب الاعتقادات ہیں یعنی ان کے اعتقادات جہاں ہیں۔ اسی لئے انہیں سے بعض بعض کی تکفیر کرتے ہیں اور
 ان میں سے بعض بعض کو لعن کرتے ہیں۔ نیز متفرق اعتقادات والے اصحاب کیلئے کوئی مددگار نہیں ہے کیونکہ
 ایک معتقد خاص کے معبود مجہول کیلئے دوسرے معتقد خاص کے معبود مجہول میں کوئی حکم اور اثر نہیں ہے۔ ایک
 شخص چاند کو اللہ جانتا ہے دوسرا شخص آگ کو اللہ مانتا ہے۔ اب چاند کا آگ میں کوئی اثر نہیں اور آگ کا چاند
 میں کوئی حکم اور اثر نہیں ہے۔ نیز یہ متفرق معبود اپنے عابدوں میں بھی کوئی حکم اور اثر نہیں رکھتے کیونکہ ہر معتقد
 اپنے اعتقاد خاص کی وجہ سے ایک معبود بنا لیتا ہے اور جس معبود اور اللہ کا خالق اور جاعل بندہ ہو وہ معبود اپنے
 خالق کی کیلئے مدد کر سکتا ہے۔ ایک خاص اعتقاد کا صاحب اپنے معبود مجہول سے امور منافی کو دور کرتا ہی
 یعنی جب اُس اعتقاد کا مخالف شخص اُس کے ساتھ منازعت کرتا ہے اور اُس کے معبود مجہول پر اعتراض
 کرتا ہے تو وہ معتقد اُن اعتراضات کی اُس امر سے جس کے باعث وہ اُس معبود میں اعتقاد رکھتا ہے دور
 رکھتا ہے اور اپنے معبود کی مدد کرتا ہے اور وہ معبود مجہول اپنے معتقد کی مدد نہیں کرتا ہے کیونکہ مجہول جاعل سے
 قوی نہیں ہوتا ہے۔ پس اسی عجز کے باعث وہ اپنے معتقد جو اُس کی خاطر جھگڑا کرتا ہے کے اعتقاد میں کوئی
 اثر نہیں رکھتا ہے۔ اور ایسا ہی مخالف کا حال ہے کہ اُس کو بھی اپنے معتقد معبود سے مدد نہیں ملتی پس اُن
 متفرق اعتقاد والوں کیلئے کوئی مددگار نہیں اور حق تعالیٰ نے تمام متفرق اعتقاد والوں کیلئے انفرادی طور پر علیحدہ
 علیحدہ اعتقادی معبودوں کی مدد کی نفی کی ہے۔ لہذا مجموع متفرق معبود منصوص ہیں اور مجموع متفرق اعتقاد والے
 اُن معبودوں کے ناصر ہیں۔ اور حق تعالیٰ عارف کے نزدیک ایسا معروف ہے کہ اُس کا انکار نہیں کیا جاتا ہے
 مراد یہ ہے کہ سوائے عارف باللہ کے حق تعالیٰ کے بارہ میں کسی شخص کا عقیدہ درست نہیں ہے۔ شروع باب
 میں عارف باللہ کا عقیدہ بیان کیا گیا تھا اور وہ یہ ہے کہ عارف وحدۃ الوجود کا قائل ہے۔ وہ ہر شے کی صورت اور
 معنی پر اللہ تعالیٰ کا ظہور مانتا ہے۔ لایتنکر سے مراد یہ ہے کہ یہ عقیدہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک حق ہے۔ اہل حقیقت
 اس کا انکار نہیں کر سکتے اگرچہ اہل ظاہر بوجہ کم فہمی کے اسکا انکار کرتے ہیں۔ پس جو دنیا میں اہل معرفت ہیں وہی
 آخرت میں بھی اہل معرفت ہیں اور اہل معرفت وہ لوگ ہیں جو حق تعالیٰ کا اُس کی صوبہ تجلیات میں سے کسی بھی
 صورت تجلیہ میں انکار نہیں کرتے خواہ وہ صورتیں اعتقادی ہوں یا شہادی۔ اعتقادی صورتوں سے مراد ذات حق
 کی شان تنزیہی ہے اور شہادی صورتوں سے مراد ذات حق کی شان تشبیہی ہے۔ یعنی عارف کامل ذات حق
 کو نہ نفس تنزیہ کی قید لگاتا ہے نہ محض تشبیہ کی قید لگاتا ہے بلکہ وہ تنزیہ در تشبیہ اور تشبیہ در تنزیہ کا قائل ہے مراد

یہ ہے کہ عارف جانتا ہے کہ حقیقتی جمیع انواع صور میں متحول اور منقلب ہوتا رہتا ہے اسی لئے حقیقتی نے فرمایا
 (اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَکُمْ عَلَمٌ لِّمَنْ کَانَ لَهُ قَلْبٌ) تحقیق قرآن مجید میں اُس شخص کیلئے نصیحت ہے جس کے واسطے قلب آگاہ
 ہے پس عارف کامل نے حقیقتی کے انواع صورتوں میں منقلب ہونے کو اپنے قلب کے مختلف اشکال میں
 منقلب ہونے کی وجہ سے جانا یعنی اللہ تعالیٰ اپنی شانیں بدلتا ہے اور بندے کے قلب کی حالتیں بدلتی رہتی ہیں
 نیز سالک جب سیر عروجی شروع کرتا ہے تو اُس کے قلب کی ایک خاص حالت ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے متعلق
 اُس کا ایک خاص عقیدہ ہوتا ہے۔ پھر جب وہ ترقی شروع کرتا ہے تو اُس کے قلب کی کیفیت بدلتی شروع ہو
 جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے متعلق بھی اُس کا عقیدہ بدلتا شروع ہو جاتا ہے۔ سب سے پہلے طالب اللہ تعالیٰ
 کو عالم سے جدا اورا جانتا ہے پھر جب اُس پر قنانی ایشخ کی حالت طاری ہوتی ہے تو اپنے وجود کو عین شیخ کا
 وجود دیکھتا ہے۔ پھر جب اُس پر قنانی الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت طاری ہوتی ہے تو اپنے آپ میں حقیقت
 محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا ظہور دیکھتا ہے۔ پھر جب اُسے اور زیادہ صفائی نصیب ہوتی ہے تو اپنے آپ
 کو عین اللہ تعالیٰ کی ذات جانتا ہے اور اُسے تحقیق ہو جاتی ہے کہ عالم ذات و عالم امر و عالم شہادت میں حقیقتاً
 کا ہی ظہور ہے۔ پس عارف کامل کو تحقیق ہو جاتی ہے کہ اُس کی حقیقت اور ذات عین اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور اسی
 پر وہ جمیع ممکنات کو قیاس کرتا ہے کہ جمیع ممکنات کی ذات اور حقیقت اللہ تعالیٰ کی ذات ہے کیونکہ ممکن ممکن
 میں کوئی فرق نہیں۔ پس عارف کامل پہلے اپنی حقیقت کو پاتا ہے اور بعد میں اللہ تعالیٰ کی حقیقت کو پاتا ہے لہذا
 اللہ تعالیٰ کی معرفت انسان کی اپنی معرفت پر مبنی ہے لہذا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا مَنْ عَرَفَ
 نَفْسَهُ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهُ۔ وَکَيْسَتْ نَفْسٌ اِنْ عَرَفَتْ عِلْمَ عَارِفٍ کی ذات بغیر ہویت حق کے نہیں ہے یعنی عارف کی
 ذات ذات حقیقتی ہے اور عالم میں کوئی شے جو موجود ہے اور موجود ہوگی بغیر ہویت حق نہیں ہے بلکہ وہ عین
 ہویت حق ہے۔ مراد یہ ہے کہ عالم عین ذات حق ہے اور ہر شے کی صورت پر ذات حق کا ظہور ہے۔ عالم کو اگر ایک
 کتاب تصور کیا جاوے تو ہر شے اُس کتاب عالم کا ایک نقطہ ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ ہر نقطہ کی صورت
 پر سیاہی کا ظہور ہے۔ پس حقیقتی ہی اس عارف کی صورت میں عارف و عالم و مقرر ہے اور وہی حقیقتی ہی کافر
 کی صورت میں نہ عارف ہے نہ عالم ہے بلکہ منکر ہے۔ مراد یہ ہے کہ عالم میں ذات حق کی دونوں صفات جلال
 اور جمال کا ظہور ہے۔ بعض مظہر جلال ہیں اور بعض مظہر جمال ہیں۔ مظاہر جمالیہ کی صورت پر وہ ذات عارف و
 عالم و مقرر ہے اور مظاہر جلالیہ کی صورت پر وہ نہ عارف ہے نہ عالم ہے بلکہ منکر ہے۔ یعنی ہر مومن اور کافر کی صورت

پر ذاتِ حق کا ظہور ہے۔ اور یہ معرفت الہی کا حَقُّ اُس شخص کو نصیب ہوتا ہے جو عین مقام جمع یعنی مقام وحدت میں ذاتِ حق کو تجلی و شہود سے شناخت کرتا ہے۔ یعنی جب آفتاب توحید سالک کے آسمانِ قلب پر طلوع فرماتا ہے تو کثرت کے سب ستارے مات پڑ جاتے ہیں اور سالک ہر طرف اپنا ہی نور دیکھتا ہے پس اللہ تعالیٰ کے قول (يَسِّرْ كَانْ لَهُ قَلْبٌ) میں وہ عارف ہی مراد ہے جس کا قلب معرفت الہی کی خوشبو سے معطر ہے اور وہ اُس زمزم سے آگاہ ہے کہ اُس کا قلب مرآتِ ذاتِ حق ہے اور ذاتِ حق کی انواع تجلیات کے باعث اُس کا قلب بھی انواعِ حالات و اشکال میں منقلب ہوتا رہتا ہے۔

اور لیکن اہل ایمان وہ مُقلدِ لوگ ہیں جنہوں نے انبیاء و رسل کی اُن اخبار میں جو انہوں نے حقیقی کی طرف سے بیان کیں تقلید کی ہے۔ یہ وہ لوگ نہیں ہیں جو اُن لوگوں کی تقلید کرتے ہیں جو اصحابِ افکار ہیں اور اخبارِ واردہ کی تاویل کر بیٹھے ہیں اور اُن اخبارِ واردہ کو اپنی عقلیہ دلائل پر جمل کرتے ہیں پس یہ وہ اہل ایمان ہیں جنہوں نے رسلِ صلوٰۃ اللہ علیہم کی تقلید کی اور اللہ تعالیٰ کے قول (اَوْ اَلْفَى السَّمْعَ) یا اُس نے کان کو لگایا میں یہی اہل ایمان مراد ہیں۔ آیہ کریمہ (رَاتِ فِیْ ذٰلِکَ لَیْذِکْرِیْ یَسِّرْ کَانَ لَهُ قَلْبٌ اَوْ اَلْفَى السَّمْعَ وَهُوَ شَہِیْدٌ) میں رب تعالیٰ فرماتا ہے کہ قرآن مجید میں دو فریقوں کیلئے نصیحت ہے۔ ایک فریق کے متعلق فرمایا (یَسِّرْ کَانَ لَهُ قَلْبٌ)۔ یہ عارفوں کا گروہ ہے جو حقیقی سے واصل ہیں۔ حقِ الیقین کے مرتبہ پر فائز ہیں اور اُن کی صورتوں میں حقیقتِ محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا ظہور ہے۔ دوسرے فریق کے متعلق ارشاد ہوا (اَوْ اَلْفَى السَّمْعَ وَهُوَ شَہِیْدٌ)۔ یہ مومنین کا گروہ ہے جن کو عین الیقین کا مرتبہ حاصل ہے۔ یہ حضوری والے لوگ ہیں اور ان کو مقامِ محویت حاصل نہیں۔ (یَسِّرْ کَانَ لَهُ قَلْبٌ) کے تحت عارفوں کا ذکر پہلے بیان کیا گیا ہے۔ اب (اَوْ اَلْفَى السَّمْعَ وَهُوَ شَہِیْدٌ) کے تحت اہل ایمان کا ذکر شروع ہے کہ اہل ایمان وہ شخص ہے جو اخبارِ الہیہ واردہ کو اپنے نبی کی زبان سے سنتا ہے اور جب وہ نبی کلام فرماتا ہے تو وہ مومن گویا حاضر ہوتا ہے اور کان لگا کر کلام سنتا ہے یَقُوْلُہُ تَعَالٰی (اَلْفَى السَّمْعَ وَهُوَ شَہِیْدٌ)۔ کسی نبی کے ظاہری زمانہ حیات میں جو شخص اُس کی زبان سے اخبارِ الہیہ سنتا ہے وہ اُس کا صحابی ہے۔ (اَلْفَى السَّمْعَ وَهُوَ شَہِیْدٌ) میں صحابی مراد نہیں ہے بلکہ وہ مومن مراد ہے جو اُس نبی کی اُمت میں سے اُس نبی کے فوت ہو جانے کے بعد پیدا ہوا اور بظاہر اُس مومن نے اپنے نبی کی زیارت نہ کی ہو۔ مثال کے طور پر ہم سرکارِ دو عالم جناب محمد پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اُمتی مومن کا ذکر کرتے ہیں کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا صحابی نہیں بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رحلت فرما جانے کے بعد اُس کا ظہور عنصری ہوا۔ اب وہ مومن اتنی ترقی کر جاتا ہے کہ وہ بیداری میں حضور

صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت پاک سے مشرف ہو کر آپ سے کلام مبارک سُنتا ہے اور اُس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حضوری حاصل ہے۔ اب وہ قرآن مجید حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پڑھتا ہے اور کان لگا کر سُنتا ہے بِقَوْلِهِ تَعَالَى (اَوْ اَنْتَ السَّمْعُ وَهُوَ شَهِيدٌ)۔ لہذا اللہ تعالیٰ کی مراد یہ ہے کہ قرآن مجید کو وہ شخص سمجھتا ہے جو فنا فی الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام سے مشرف ہو یا کم از کم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حضوری ہو۔

رَبِّ تَعَالَى اپنے قول (اَنْتَ السَّمْعُ وَهُوَ شَهِيدٌ) میں حضرت خیال اور اُس کے استعمال کے متعلق مومن کو تنبیہ کرتا ہے۔ حضرت خیال سے مراد عالم مثال ہے۔ یعنی مومن کیلئے حکم ہے کہ تصور شیخ میں محو رہے۔ مُرید صادق اپنے شیخ کامل کو عین اللہ تعالیٰ کی ذات اور جناب رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک جانتا ہے۔ اُس لئے آیہ مذکورہ میں رب تعالیٰ نے اشارہ کر دیا ہے کہ عاشق مولا کو چاہیئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو صورت شیخ میں دیکھے۔ چونکہ ہر وقت شیخ کامل کی مجلس طالب صادق کو میسر نہیں ہو سکتی اسلئے جب بظاہر حاضری میسر نہ ہو تو خیال سے باطن میں شیخ کو قوت تصور سے حاضر رکھے۔ اس کو حضرت خیال یا مثال متقیہ بھی کہتے ہیں۔ اس کا دوسرا نام خیال مُتصل بھی ہے۔ جب صور مثالیہ خود بخود بغیر توجہ یا خیال کے عارف کے سامنے تشریف لائیں تو اُس حضرت یا عالم کا نام مثال مُطلق ہے۔ اس کا دوسرا نام خیال مُنفصل ہے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام کا سرکار دو عالم جناب محمد پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حضرت وحیہ کبریٰ رضی اللہ عنہ کی صورت پر حاضر ہونا مثال مُطلق کی ایک مثال ہے۔ عقول اور نفوس مجردہ صور مثالیہ جسمانیہ میں عارف کامل کو اسی حضرت خیال یا عالم مثال میں دکھائی دیتے ہیں۔ اس حضرت خیال یعنی تصور کے استعمال کا اشارہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حدیث احسان میں فرماتے ہیں۔ حدیث احسان ”اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ“ احسان یہ ہے کہ تُو اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرے کہ گویا تُو اُس کو دیکھتا ہے، میں مومن کو تصور کے استعمال کا حکم دیا گیا ہے یعنی عبادت کرتے وقت نمازی کو چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کو اپنے سامنے قبلہ میں اپنے ہی خیال سے حاضر کرے پس اس طرح نمازی اپنے رب تعالیٰ کو نماز میں دیکھتا ہے اور اُس کے حضور میں ہوتا ہے اسی لئے ارشاد ہوا (وَهُوَ شَهِيدٌ)۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ نمازی رب تعالیٰ کو کس صورت میں حاضر کرے۔ طالب صادق کو چاہیئے کہ اپنے شیخ کامل کی صورت پاک کو قوت خیالیہ سے اپنے سامنے قبلہ میں اس طرح حاضر کرے کہ شیخ کا نورانی چہرہ اس کے سامنے ہو اور طالب اپنے شیخ کے قدموں میں سجدہ کرے۔ یہ مومنوں کا تصور ہے۔ عارف کامل نماز میں شیخ کی صورت کا بُرقع اوڑھ لیتا ہے، خود ہی ساجد اور خود ہی مسجود، خود ہی عابد اور خود ہی معبود ہوتا ہے۔ وَمَنْ ذَلَّلَ اَنْفَہُ اور جس شخص نے صاحب

نظر فکری کی تقلید کی اور اپنے آپ کو اُس کے ساتھ مقید کیا، ایسا نہیں کہ اُس نے کان لگایا ہو کیونکہ یہ شخص جس نے کان لگایا ضروری ہے کہ وہ اپنے تصور کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا مشاہدہ ہو اور حاضر ہو اور جب وہ اپنے رب تعالیٰ کا مشاہدہ اور حضوری والا نہ ہو تو اس آیت میں وہ شخص مراد نہیں ہے۔ صاحب نظر فکری سے مراد علمائے ظواہر ہیں جن کو باطن سے بہرہ نصیب نہیں ہوا۔ یہ آیات قرآنی اور احادیث نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی تاویلیں اپنی جزوی عقل کے ساتھ کرتے ہیں اور اُن کے معانی کو اپنے فکر کے ڈھلپنچے میں ڈھالتے ہیں۔ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کو محض تنزیہ کی قید لگانے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ کو صورتوں سے منزہ اور معراٹھہراتے ہیں۔ وہ اس مسئلہ وحدۃ الوجود کے قائل ہی نہیں بلکہ اس پر اعتراض کرتے ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کی رُیت دار دنیا میں جائز قرار ہی نہیں دیتے اسلئے جو شخص ایسے علمائے ظواہر کا مُقلد ہے وہ آیہ مذکورہ میں (أَتَقِي الشَّعْ وَهُوَ شَهِيدٌ) کا مصداق نہیں ہے کیونکہ آیہ کہ یہ کی رُو سے لازمی ہے کہ وہ شخص اللہ تعالیٰ کو کسی صورت میں دیکھے اور اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہو۔ پس علمائے ظواہر کے مُقلد وہ لوگ ہیں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا (يَا ذَٰلِكَرَّآ الَّذِينَ أَتَّبَعُوا مِنْ الَّذِينَ اتَّبَعُوا) جسوقت وہ لوگ کہ اُن لوگوں کے پیشوائے اُن لوگوں سے جو اُن کی پیروی کرتے تھے بیزار ہوں گے۔ مراد یہ ہے کہ قیامت کے دن علمائے ظواہر اپنے تابع داروں سے الگ ہو جائیں گے اور اپنے آپ کو عذاب الہی سے محفوظ کرنے کیلئے کہیں گے کہ ہم ان لوگوں سے الگ ہیں۔ قیامت کو ہر کسی پر یہ راز توحید فاش کر دیا جائے گا اور ہر کسی کو پتہ چل جائیگا کہ اللہ تعالیٰ کے متعلق وہ ہی عقیدہ درست ہے جو صوفیائے کرام اپنے احباب کو پڑھاتے ہیں اور وہ عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جمیع صورتوں میں متحول اور منقلب ہوتا ہے۔ باعتبار کُنہ وہ ذات بیصورت ہے اور بلحاظ تجلیات ظہور وہ ذات انواع صورتوں میں منقلب ہوتی ہے۔ اُس کی ذات میں تغیر تبدیل جائز نہیں لیکن باعتبار (مُحَلِّ يَوْمَ هُوَ بِنِي شَايِن) وہ ذات تنوع پسند ہے اور ہر لحظہ نئے نئے برقعے اور ڈھننی ہے۔ ہر صورت اُس ذات کیلئے ایک برقع ہے۔ یہ علمائے ظواہر دار دنیا میں دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم رُسل صلوٰۃ اللہ علیہم کے وارث ہیں حالانکہ رُسل کی یہ شان ہے کہ وہ اپنے تابعداروں سے جو اُن کی پیروی کرتے ہیں بیزار اور الگ نہیں ہوں گے بلکہ اُن کو ساتھ لے کر گروہ درگروہ جنت میں داخل ہوں گے پس اُسے میرے دوست! جو اسرار ہم نے تیرے لئے اس حکمت قلبیہ میں بیان کئے ہیں اُن کو حق جان مراد یہ ہے کہ مشاہدہ وحدت الوجود کو حق جان اور اپنے یقین کو عین الیقین اور حق البیقین کے مراتب پر پہنچاؤ اور لیکن اس حکمت قلبیہ کو شیب علیہ السلام کے ساتھ مخصوص کرنے کی وجہ یہ ہے کہ شیب شعبہ سے

مُتَشَقِّق ہے اور چونکہ اس حکمت قلبیہ کے بھی بہت شعبے ہیں یعنی اس حکمت کے شعبے حد و حصر سے خارج ہیں اس لئے اس مناسبت کی وجہ سے یہ حکمت حضرت شعیب علیہ السلام کیساتھ مختص کی گئی ہے۔ اس حکمت قلبیہ کے شعبے حصر سے خارج ہیں کیونکہ باری تعالیٰ کے متعلق اعتقادات حصر سے خارج ہیں۔ ہر اعتقاد ایک ایک شعبہ ہے شعبوں سے مراد اعتقادات ہے۔ پس جو وقت بندے کے دل سے حجاب اٹھتا ہے تو اللہ تعالیٰ ہر معتقد کیلئے اُس کے اعتقاد کے مطابق ظاہر ہوتا ہے۔ ہر معتقد اپنے ادراک کے مطابق اللہ تعالیٰ کے متعلق ایک عقیدہ رکھتا ہے اور اُسی عقیدہ والی صورت میں اللہ تعالیٰ کو دیکھتا ہے۔ یہ امر روا ہے کیونکہ ہر صورت میں اللہ تعالیٰ منقلب ہوتا ہے لیکن حکم شرعی ایک مقررہ امر ہے اور ہر انسان کیلئے اُس کا مساوی حکم ہے۔ حکم شرعی میں مختلف عقائد کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ حکم شرعی میں کبھی اللہ تعالیٰ معتقد کے عقیدہ کے خلاف ظاہر ہوتا ہے (يَقُولُ تَعَالَى) (وَبَدَّ اللَّهُ مَا كُنْ تَكُونُوا يَحْتَسِبُونَ) اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُن کی واسطے وہ ظاہر ہوگا جو کچھ کہ وہ گمان نہ کرتے تھے۔

اور کبھی اللہ تعالیٰ معتقد کے عقیدہ کے خلاف ظاہر ہوتا ہے اور اس کی دو صورتیں ہیں۔ ایک صورت جو اکثر ہے وہ احکام شرعی میں ہے جیسا کہ معتزلی اللہ تعالیٰ کے متعلق یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ ایک بندہ عاصی جب بغیر توبہ کے مرجاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُس کیلئے سزا کا حکم جاری کر دیتا ہے۔ پس جو وقت وہ معتزلی مرجاتا ہے، چونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مرتوم ہوتا ہے اسلئے عنایت ازلی سبقت سے جاتی ہے اور وہ عذاب نہیں کیا جاتا، تو وہ اللہ تعالیٰ کو غفور اور رحیم پاتا ہے لہذا اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُس کے لئے وہ چیز ظاہر ہوتی ہے جس کا وہ گمان نہ کرتا تھا۔ دوسری صورت معتقد کے اعتقاد کے خلاف منکشف ہونے کی ہوتی ذات حق کے اعتقاد کے بارہ میں ہے۔ یہ اُس شخص کے متعلق ہے جو ذات حق کو کسی ایک صورت میں مقید کرتا ہے کہ تحقیق اللہ تعالیٰ ایسا ہے اور ایسا ہے۔ جب موت کے بعد پردہ اٹھیں گا تو وہ حقیقی کو صورتوں میں متحول ہوتے دیکھیں گے اور اُس صورت کو بھی دیکھیں گے جس میں اُس نے حقیقی کو اعتقاد کیا تھا۔ اُس وقت اُس پر عقدہ کھل جائیگا کہ سب صورتیں حقیقی کی ہیں اور وہ ذات کسی ایک صورت میں مقید نہیں۔ پس اُس کا اعتقاد سابق زائل ہو جائیگا اور مشاہدہ کے سبب اُسکو عین الیقین کا علم اور مرتبہ نصیب ہوگا۔ موت کے بعد دل کی بینائی تیز ہو جائے گی اور وہ تنگ نظری دوبارہ رجوع نہیں کرے گی۔ پس موت کے بعد جب حقیقی مختلف صورتوں پر تجلی ہوگا تو بعض بندوں کے اعتقاد کے خلاف حقیقی ظاہر ہوگا کیونکہ انہوں نے تو حقیقی

کو ایک ایک خاص اعتقادی صورت میں مقید جان رکھا تھا لیکن رُوبیت کے وقت اُن پر ظاہر ہو جائیگا کہ حق تعالیٰ کی تجلیات غیر مکرر اور بے نہایت اور محدود و حصر سے خارج ہیں۔ لہذا حق تعالیٰ کی رُوبیت کے بارے میں اُن لوگوں کیلئے اللہ تعالیٰ کا قول صادق آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُن کیلئے رُوبیت ذاتیہ کے متعلق وہ چیز ظاہر ہوگی جسکے متعلق وہ پردہ کھلنے سے قبل گمان نہ رکھتے تھے۔

اب اس پر ایک اعتراض پیدا ہوتا ہے کہ آیہ شریفہ (وَمَنْ كَانَ فِي هَذِهِ أَعْمَى فَلَهُ فِي الْآخِرَةِ أَعْمَى وَأَضَلُّ سَبِيلًا) اس آیت مبارکہ (وَبَدَّ اللَّهُ مَا كُفِّرُوا بَعْدَ ذَلِكَ مِنْهُمْ قِيلَ لَهُمْ تَوَابَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ قَالُوا بَلَىٰ سُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يُشْرِكُونَ) کے مُتضاد ہے۔ آیہ کریمہ (وَمَنْ كَانَ) کا اطلاق اُن لوگوں پر ہے جو اللہ تعالیٰ کیلئے صورت کے قائل ہی نہیں۔ اسی لئے جب اللہ تعالیٰ قیامت کے دن صورتوں پر متجلی ہوگا تو وہ حق تعالیٰ کا انکار کریں گے کَمَا وَرَدَ فِي حَدِيثِ الْبُخَارِيِّ هُوَ يَتَجَلَّى هُوَ سُبْحَانَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِي صُورَةِ أَنْكَرِ دَهَا آخٍ۔ آیہ کریمہ (وَبَدَّ اللَّهُ مَا كُفِّرُوا بَعْدَ ذَلِكَ مِنْهُمْ قِيلَ لَهُمْ تَوَابَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ قَالُوا بَلَىٰ سُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يُشْرِكُونَ) کا اطلاق اُن لوگوں پر ہے جو اللہ تعالیٰ کیلئے صورت کے قائل ہیں لیکن وہ وحدت وجود کے قائل نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کیلئے ایک ایک معین اعتقادی صورت کے قائل ہیں اور پردہ اُٹھنے پر اُن پر منکشف ہو جائیگا کہ اللہ تعالیٰ کسی ایک صورت میں مقید نہیں بلکہ سب صورتیں اُسی کی ہیں۔ آیہ کریمہ (لَقَدْ كُنْتُمْ فِي غَفْلَةٍ مِنْ هَذَا فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَاءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيدٌ) ظہور اعمال و جنت و دوزخ و میزان و صراط کے باب میں وارد ہے اور یہ ہر کسی کیلئے ہے۔

دَقْدَ ذَكَرْنَا آخٍ اور تحقیق انسان کیلئے معارف الہیہ میں ترقی بعد از موت کی صورت ہم نے اپنی کتاب تجلیات میں بیان کی ہے۔ عارفوں کے ایک گروہ کیساتھ ہم حالت کشف میں جمع ہوئے اور ہم نے اس مسئلہ ترقی بعد از موت کا ذکر اُن کے ساتھ کیا۔ اُن کو چونکہ اس مسئلہ کی خبر نہ تھی اسلئے ہم نے اُن سب کو اس مسئلہ میں فائدہ پہنچایا۔ اور سب سے عجیب امر یہ ہے کہ انسان ہمیشہ ترقی میں ہے لیکن انسان کو اس ترقی کا شعور نہیں۔ انسان کی ترقی کیوجہ یہ ہے کہ انسان کا خارجی ظہور انسان کے عین ثابۃ کے احکام اور آثار کے مطابق ہوتا ہے۔ ممکنات کی استعدادات یعنی اعیان ثابۃ اللہ تعالیٰ کو فیض اقدس سے حاصل ہوئے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کی تجلیات ہر آن نئی ہیں یَقُولُ لَهُ تَعَالَى (كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ) اسلئے انسان کی استعداد یعنی عین ثابۃ ہر لمحہ ترقی کر رہا ہے۔ انسان کا عین ثابۃ چونکہ دائمی ترقی کر رہا ہے اسلئے انسان کا عین خارجی دنیا میں یا برزخ میں یا آخرت میں دائمی ترقی کر رہا ہے۔ نیز اصل حقیقت یہ ہے کہ ہر شے اور ہر انسان ابوالارواح یا بروج

اعظم سرکارِ دو عالم جناب محمد پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شمس نور کی ایک ایک شعاع ہے، خواہ انسان مرتبہ علم میں ہو یا مرتبہ عین ظہور میں ہو یا مرتبہ بعد از موت میں ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ اللہ تعالیٰ کی تجلیات کیلئے مرآۃ تامہ ہیں جو نو بنو ہیں اسلئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی معارف الہیہ میں ہر لحظہ ترقی فرما رہے ہیں۔ جب شمس نور ہی معارف الہیہ میں ترقی فرما رہا ہے تو اس کی ہر شعاع لازماً انسان کے قلب میں ایک نیا علم لیکر سرایت کرے گی اور یہ امر انسان کی دائمی ترقی کا باعث ہے۔ تو ثابت ہوا کہ انسان ازل سے لیکر ابد تک ترقی کر رہا ہے۔ لیکن انسان کو اس ترقی کا شعور بسبب لطافت حجاب تجلی و رقت حجاب تجلی و مشابہت صورت حجاب تجلیات نہیں ہے۔ یقولہ تعالیٰ (وَأُتُوا بِهِ مُتَشَابِهًا) اہل بہشت رزق تجلی اس حال میں دیئے جائیں گے کہ وہ رزق یا یکدیگر مشابہ ہو گا مراد یہ ہے کہ جب انسان کے دل میں اللہ تعالیٰ تجلی کرتا ہے تو انسان کا حال بدل جاتا ہے۔ ہر تجلی نو سے انسان کو حال نو کا حجاب یعنی لباس نصیب ہو جاتا ہے۔ چونکہ انسان کی استعداد بتدریج ترقی کرتی ہے اسلئے اللہ تعالیٰ تجلیات بھی بتدریج بڑھاتا ہے۔ پہلی تجلی اور دوسری تجلی میں فرق اسلئے معلوم نہیں ہوتا کہ تجلیات الہیہ سے جو لباس حال انسان کو نصیب ہوتا ہے وہ لطیف رقیق اور ایک دوسرے کے مشابہ ہوتا ہے۔ اور حقیقت میں انسان کا ایک حال دوسرے حال کا عین نہیں ہو سکتا کیونکہ حال تجلی الہی کا ثمرہ ہے اور تجلیات حق غیر مکرر ہیں۔ پس اسی لئے عارف کے نزدیک دو مشابہ اشیاء کی حقیقت یہ ہے کہ وہ مشابہ بھی ہیں اور ایک دوسرے کی غیر بھی ہیں۔ مراد یہ ہے کہ کوئی شے من و عن دوسری شے کا عین نہیں ہو سکتی۔ کوئی نہ کوئی فرق ضرور ہو گا۔ ایک درخت دوسرے کا مشابہ ہو سکتا ہے لیکن اس کا عین نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح ایک انسان دوسرے کا مشابہ ہو سکتا ہے لیکن اس کا عین نہیں ہو سکتا لہذا ثابت ہوا کہ عالم کی ہر شے بے مثل ہے۔

اور محقق عارف کثرت واحد میں دیکھتا ہے۔ مراد یہ ہے کہ عارف کامل اس راز کو پالیتا ہے کہ کثرت عالم ذات واحد کا ظہور ہے جیسا کہ کثرت درخت بیج واحد کا ظہور ہے یا جیسا کہ وہ اس راز کو جانتا ہے کہ اسماء الہیہ کا مدلول اور معنی اگرچہ ان کے حقائق مختلف اور کثیر ہیں، ذات واحدہ ہے۔ مراد یہ ہے کہ جملہ اسماء الہیہ ایک ذات کے اسماء ہیں۔ مثال کے طور پر رحمن رحیم غفار قہار وغیرہ سب کی حقیقت مختلف ہے لیکن سب کا مسمیٰ اور ذات اسم اللہ ہے جو جامع جمیع اسماء و صفات ہے۔ جملہ اسماء الہیہ مرتبہ احدیت ذات میں بالقوۃ مندرج ہیں جیسے بیج میں درخت بالقوۃ موجود ہوتا ہے اور مرتبہ وحدت میں اسماء الہیہ کا ظہور علمی اجمالی ہوا اور مرتبہ واحدیت میں اسماء الہیہ کا ظہور علمی تفصیلی ہے پس یہ اسماء کی کثرت ایک ذات واحد میں ایک عقلی چیز ہے

اس کا حقیقی خارجی وجود کوئی نہیں۔ ایسے ہی یہ عالم کی کثرت مشہودہ ایک ذات واحدہ کی تجلی یعنی ایک ذات واحدہ کے ظہور میں ہے۔ اب جو یہ کثرت شہودی نظر آ رہی ہے، یہ ایک عقلی چیز ہے۔ اس کا خارج میں اور حقیقت میں کوئی وجود نہیں۔ یعنی عالم کا ذات حق سے علیحدہ وجود کوئی نہیں بلکہ عالم کی ہر شے کی حقیقت حق ہے جیسا کہ ہر صورت کی تعریف اور حد میں ہیولی یعنی مادہ اور جوہر کو لیا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر کتاب ایک سیاہی ہی کا سب ظہور ہے۔ کتاب کے حروف بے شمار ہیں اور ہر حرف کی صورت مختلف ہے لیکن ہر حرف کا ہیولی یعنی جوہر واحد ہے اور وہ سیاہی ہے۔ اب حروف کی صورتوں میں کثرت ہے اور سب صورتیں مختلف ہیں لیکن ان سب صورتوں کا ہیولی اور جوہر واحد ہے اور وہ سیاہی ہے۔ پس جس نے اپنی ذات کو اس معرفت سے پہچانا کہ اُسکی ذات ذات حق ہے اور ہر صورت پر ذات حق کا ظہور اُس صورت اُس شے اُس شخص کی استعداد کے مطابق ہے اُس نے بیشک اپنے رب تعالیٰ کو پہچان لیا کیونکہ رب تعالیٰ نے انسان کو اپنی صورت پر پیدا کیا ہے بلکہ انسان رب تعالیٰ کی ہوت و حقیقت کا عین ہے۔ حضرت انسان کے نفس کی معرفت یعنی انسان کی ذات اور حقیقت کی معرفت پر علماء و حکماء میں سے کوئی شخص مطلع نہیں ہوا، سوائے علمائے ربانی کے جو رسل و اکابر صوفیائے کرام میں سے ہیں۔ حکمائے متقدمین و متکلمین میں سے اصحاب نظر و ارباب فکر کا نفس اور نفس کی ماہیت کے متعلق کلام موجود ہے۔ وہ کلام اس امر پر شاہد ہے کہ ان میں سے کوئی بھی حقیقت نفس انسان پر مطلع نہیں ہوا اور انکی نظر فکری کبھی بھی انکو علم حقیقت نفس عطا نہیں کرتی۔ علماءِ اَدلہ رب تعالیٰ کو عقلی دلائل سے ثابت کرنیکی کوشش کرتے ہیں اور علماءِ باللہ رب تعالیٰ کو اپنے ذوق و وجدانی علم سے مشاہدہ کرتے ہیں۔ علماءِ اَدلہ یعنی علماء ظواہر علمائے ربانی کی مجلس سے دور ہونیکے باعث رب تعالیٰ سے دور ہیں اور علمائے باللہ یعنی رسل و اولیاء علیہم السلام یہ علم معرفت خاتم الاولیاء رضی اللہ عنہ کی مشکوٰۃ سے حاصل کرتے ہیں۔ اگرچہ ہر ولی فیضان ولایت اپنے شیخ سے حاصل کرتا ہے لیکن جملہ مشائخ خاتم الاولیاء کے نواب ہیں۔ خاتم الاولیاء سے مراد عالی سرکار جناب حضرت غوث اعظم پاک محبوب سبحانی میراں محی الدین شیخ سید عبدالقادر جیلانی قدس سرہ النورانی ہیں۔ پس جس نے علم معرفت نظر فکری کے طریق سے طلب کیا، اُس نے صاحب دُرم کو فریہ جانا اور بغیر لکڑی کی چھٹیوں کے آگ سُلگانے کیلئے پھونکیں ماریں۔ القصہ یہ کہ وہ ان میں سے ہے جن کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے (الَّذِينَ صَلَّوْا سَعِيْلَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا) جن کی دُور دنیا کی زندگی میں بھٹک رہی ہے اور وہ یہ گمان کرتے ہیں کہ تحقیق وہ اچھا کام کرتے ہیں۔ پس جس نے کسی کام کو اُس کام کے طریقہ کے بغیر طلب کیا اُس نے اُس کی تحقیق اور دریافت کیساتھ فتح نہ

اور کیا ہی عمدہ راز ہے جو اللہ تعالیٰ نے عالم کے حق میں اور عالم کے ہر دم کیساتھ خلق جدید میں عین واحد میں بدلنے کے متعلق فرمایا۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے ایک گروہ کے حق میں بلکہ اکثر عالم کے حق میں فرمایا (بَلِّغْهُمْ فِيْ سُبُوْنِ مَنْ خَلَقَ جَدِيْدًا) بلکہ وہ خلق جدید سے دھوکے میں ہیں۔ خلق جدید سے تجدد امثال کی طرف اشارہ ہے۔ صوفیائے کرام کا مشاہدہ ہے کہ عالم ہر آن فنا ہوتا ہے اور ہر آن بقا ہوتا ہے۔ اسمِ مہیت عالم کو فنا کرتا ہے اور اسمِ محی اُسی آن میں عالم کو زندہ اور بقا کرتا ہے۔ یہ عالم کا فنا اور بقا اس سرعت سے ہو رہا ہے کہ یہ ظاہری آنکھ اسکو نہیں دیکھ سکتی۔ مثال کے طور پر نہر کا پانی جو دریا سے نہر میں آتا ہے ایک پانی کا ڈل معلوم ہوتا ہے لیکن حقیقت میں ہر لمحہ اگلا پانی آگے خارج ہو رہا ہے اور پیچھے سے ہر لمحہ نیا پانی آ رہا ہے۔ چراغ جو برابر جلتا نظر آتا ہے یہ آنکھ کا قصور ہے ورنہ حقیقت میں ہر لمحہ قطرہ قطرہ تیل بتی اُوپر کو جذب کرتی ہے۔ سابقہ قطرہ جو اُوپر چڑھتا ہے جل کر ختم ہو جاتا ہے اور چراغ حقیقتاً بجھ جاتا ہے لیکن اُس کی جگہ دوسرا بچلا قطرہ اس سرعت سے اُوپر چڑھتا ہے کہ چراغ پھر جل پڑتا ہے۔ یہ بجھنا اور جلنا اس سرعت سے ہو رہا ہے کہ آنکھ اس کی تیز نہیں کر سکتی لہذا چراغ برابر ایک جیسا جلتا نظر آتا ہے۔ اسی طرح انسان کی زندگی لگاتار مسلسل معلوم ہوتی ہے لیکن حقیقت میں ہر لمحہ اس کو فنا ہے اور ہر لمحہ اس کو بقا ہے۔ اس مسئلہ تجدد امثال کو سوائے صوفیائے کرام کے کوئی نہیں جانتا۔ اکثر اہل عالم اس سے بے خبر ہیں۔ لیکن اشاعرہ اس مسئلہ تجدیدِ خلق پر اس قدر مطلع ہوتے ہیں کہ وہ بعض موجودات میں تجدید کے قائل ہیں اور بعض میں نہیں یعنی وہ کہتے ہیں کہ اعراضِ عالم میں فقط تجدید ہو جو اہر عالم میں تجدید نہیں۔ امام ابو الحسن اشعری متکلمین اشاعرہ کے مقتدا ہیں یعنی امام ابو الحسن اشعری کے تابعین کا نام اشاعرہ ہے۔ فرقہ حسابانیہ کل عالم میں تجدید کا قائل ہے لیکن تمام اہل نظر اس گروہ کو جہالت کیساتھ منسوب کرتے ہیں کیونکہ اُن کو معرفتِ الہی نصیب نہیں۔ ان دونوں فریقوں نے خطا کی ہے۔ حسابانیہ کی خطا تو یہ ہے کہ باوجود تمام عالم میں تجدد امثال کے قائل ہونے کے وہ اس حقیقت پر مطلع نہ ہوتے کہ ان جملہ صورِ عالم کا جوہر معقول ذاتِ احد ہے اور وہ جوہر ان صورِ عالم کے بغیر پایا نہیں جاتا جیسا کہ اُن صورتوں کا وجود بغیر اُس جوہر کے محال ہے مراد یہ ہے کہ جمیع صورِ عالم کا وجود ساتھ ذاتِ حق کے ہے اور ذاتِ حق کا ظہور ساتھ صورِ عالم کے ہے مثال کے طور پر کتاب کے جملہ الفاظ کا وجود ساتھ سیاہی کے ہے اور سیاہی کا ظہور ساتھ الفاظ کے ہے۔ اگر وہ اس حقیقت کے قائل ہوتے تو تجدیدِ عالم کے امر میں تحقیق کے درجہ پر فائز ہوتے۔ اشاعرہ اعراضِ عالم میں تجدید کے

قابل ہیں اور جو اہر عالم میں تجدد کے قابل نہیں۔ جو ہر وہ چیز ہے جو بذات خود قائم ہو اور عرض وہ چیز ہے جو بذات خود قائم نہ ہو بلکہ اُس کا قیام ساتھ اُس جو ہر کے ہو۔ مثال کے طور پر سونا جو ہر ہے اور زیورات عرض ہیں۔ روئی جو ہر ہے اور ملبوسات سب اعراض ہیں۔ اب اشاعرہ کی خطایہ ہے کہ انہوں نے یہ نہ جانا کہ عالم سارے کا سارا اعراض کا مجموعہ ہے اور ان جملہ اعراض کا جو ہر واحد ذات حق ہے۔ لہذا عالم سارے کا سارا ہر زمانہ میں متبدل ہوتا ہے کیونکہ عرض دو زمانوں میں باقی نہیں رہتا ہے۔ مراد یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اسمِ ممیت کیساتھ تجلی کرتا ہے تو عالم کی جملہ صورت فنا ہو جاتی ہیں۔ اُس کے بعد اسمِ محی کیساتھ اللہ تعالیٰ تجلی کرتا ہے تو یہ تجلی عالم کی جملہ اشیاء کو نیست کر دیتی ہے اور جملہ اشیاء کو سابقہ صورت کی مثل جدید صورت عطا کر دیتی ہے۔ لہذا ثابت ہوا کہ سابقہ صورت کا وجود پہلی تجلی کے بعد یعنی دوسری تجلی کے وقت باقی نہیں رہتا۔ وَيُظْهِرُ ذَٰلِكَ اَشْيَاءَ كَی تَعْرِیْفَیْ عَالَمِ کا عرض ہونا ظاہر ہے کیونکہ عالم میں اگرچہ بعض اشیاء جو اہر ہیں اور بعض اعراض ہیں۔ لیکن عالم کے جملہ جو اہر و جملہ اعراض ذات حق کیلئے اعراض ہیں کیونکہ سب کا وجود ساتھ ذات حق کے ہے۔ اور جب علماء کسی شے کی تعریف کرتے ہیں تو وہ تعریفیں اُس شے کیلئے اعراض کا حکم رکھتی ہیں کیونکہ اُن تعریفوں یعنی اُن صفات کا وجود ساتھ اُس شے کے ہے اور وہ شے جو ہر کا حکم رکھتی ہے۔ اور تحقیق یہ اعراض مذکورہ یعنی صفات اُس جو ہر کا عین ہیں کیونکہ صفات کا بغیر موصوف یعنی جو ہر کے علیحدہ کوئی وجود نہیں۔ اور حقیقت کی رُود سے صفات عین ذات یعنی جو ہر میں اس لئے وہ بذاتہ قائم ہیں۔ اور اس اعتبار سے کہ وہ تعریف باصفت عرض ہے وہ تعریف بنفسہ قائم نہیں ہے۔ پس نتیجہ یہ نکلا کہ جو چیز بذات خود قائم ہے وہ ہی چیز ایک اعتبار سے بذات خود قائم نہیں۔ مثال کے طور پر کپڑے پر پھول دستکاری سے بنائے جاتے ہیں۔ اب پھولوں کا وجود بغیر کپڑے کے نہیں ہو سکتا اس لئے کپڑا تو جو ہر کا حکم رکھتا ہے اور پھول عرض کا حکم رکھتے ہیں۔ اب کپڑے کا وجود بغیر روئی کے نہیں ہو سکتا اس لئے روئی تو جو ہر کا حکم رکھتی ہے اور کپڑا عرض کا حکم رکھتا ہے۔ آگے کپڑا جو ہر تھا اور اب کپڑا ہی عرض ہے۔ پس ثابت ہوا کہ ایک شے ایک اعتبار سے جو ہر کا حکم رکھتی ہے اور ایک اعتبار سے وہی شے عرض کا حکم رکھتی ہے۔ لہذا عالم کے جملہ جو اہر اور اعراض اللہ تعالیٰ کیساتھ اعراض کا حکم رکھتے ہیں کیونکہ کسی شے کا وجود بغیر اللہ تعالیٰ کی ذات کے نہیں ہو سکتا خواہ وہ شے جو ہر ہو یا عرض ہو۔ ایک اور توجیہ یہ ہے۔ اب جو ہر قائم بنفسہ کی ذاتی تعریف یہ ہے کہ وہ متمیز ہو اور قابل للاعراض ہو یعنی جگہ لینے والا ہو اور ابعادِ ثلثہ کو قبول کرنے والا ہو۔ ابعادِ ثلثہ سے مراد طول عرض و عمق ہے۔ اور اس میں شک نہیں کہ قبول کرنا ابعادِ ثلثہ کو عرض ہے کیونکہ قبول کا وجود بغیر قابل یعنی جو ہر یا

جسم کے نہیں ہے یعنی ابعاد ثلثہ کا وجود بغیر جسم کے نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ بنفسہ قائم نہیں ہے۔ پس ثابت ہوا کہ قبول کرنا ابعاد ثلثہ کا عرض ہے لیکن چونکہ قبول جوہر کی ذاتی تعریف اور صفت ہے اسلئے وہ صفت موصوف یعنی جوہر سے جدا نہیں ہو سکتی۔ پس اس اعتبار سے وہ بھی بنفسہ قائم ہے۔ اسی طرح تجیز بھی عرض ہے کیونکہ متجیز کے بغیر تجیز نہیں ہو سکتا پس وہ بنفسہ قائم نہیں ہے۔ لیکن اس اعتبار سے کہ تجیز جوہر کی ذاتی صفت ہے بلکہ اُسکی ہوت اور حقیقت ہے تجیز کی صفت عین ذات موصوف ہے۔ اُس سے جدا نہیں ہو سکتی پس اس اعتبار سے وہ بھی بنفسہ قائم ہے۔ لہذا تجیز اور قبول جوہر محدود پر زائد نہیں ہیں کیونکہ وہ محدود کی حدود ذاتیہ ہیں اور حدود ذاتیہ محدود کا عین اور اُس کی ہوت اور ذات ہوتی ہیں۔ پس ثابت ہوا کہ جو چیز دو زمانوں میں باقی نہیں رہتی وہ ہی چیز دو زمانوں میں بلکہ کئی زمانوں میں باقی رہتی ہے۔ نیز جو چیز بذاتہ قائم نہیں رہتی وہ ہی چیز بذاتہ قائم رہتی ہے۔ مراد یہ ہے کہ ہر عرض ایک نسبت سے عرض ہے اور ایک نسبت سے وہ جوہر ہے۔ اب وہ جوہر یا جسم بھی بذات خود قائم نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی ذات کیساتھ قائم ہے لہذا وہ جوہر بھی عرض کا حکم رکھتا ہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ سوائے اللہ تعالیٰ کی ذات کے جملہ عالم عرض کا حکم رکھتا ہے اور ہر لحظہ فنا و بقا ہوتا رہتا ہے۔ اسی کا نام خلق جدید ہے۔ اکثر اہل عالم اس مسئلہ تجدد امثال سے ناواقف ہیں اور وہ ہی لوگ ہیں جو خلق جدید سے شک میں ہیں بقولہ تعالیٰ (بَلْ هُمْ فِي شَكٍّ مِنْ خَلْقٍ جَدِيدٍ)۔ اور لیکن اہل کشف اس امر کو دیکھتے ہیں کہ تحقیق اللہ تعالیٰ ہر آن تجلی کرتا ہے اور اُس کی وہ تجلی مکرر نہیں ہوتی ہے۔ مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر آن نئی شان سے تجلی کرتا ہے اور اُس کی تجلیات نوع بنوع ہیں یعنی غیر مکرر ہیں۔ اُس کی ذات میں تغیر و تبدل جائز نہیں لیکن اُسکی تجلیات متنوع ہونیکے باعث غیر مکرر ہیں بقولہ تعالیٰ (كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ)۔ اہل کشف شہود کی آنکھ سے اس بات کو دیکھتے ہیں کہ تحقیق ہر تجلی خلق جدید کو عطا کرتی ہے اور خلق قدیم کو لے جاتی ہے۔ پس خلق قدیم کا تجلی کے وقت لے جانا اُس کا فنا ہونا ہے اور تجلی ثانی کا اُس کو خلق جدید عطا کرنا اُس کا بقا ہے۔ اسے طالب اس مسئلہ کو خوب سمجھ لے۔ مراد یہ ہے کہ ایک تجلی سے اللہ تعالیٰ صور عالم کو فنا کر دیتا ہے اور تجلی ثانی سے اُن صور عالم کو دوبارہ پیدا کر دیتا ہے۔ دوبارہ پیدا کرنے کو خلق جدید کہا گیا ہے۔ تجلی اول سے پہلی صورتیں چونکہ مرط جاتی ہیں اسلئے تجلی ثانی سے پہلی صورتوں کی مثل صورتیں عالم کو عطا کی جاتی ہیں، اسی لئے اس مسئلہ کو مسئلہ تجدد امثال کہا جاتا ہے۔

فَصُّ حِكْمَةِ مَدْكِيَّةٍ فِي كَلِمَةِ لُوطِيَّةٍ

أَسَلْتُ الشَّدَّةَ وَالْبَلِيَّةَ الشَّرِيدَ يُقَالُ مَدَكْتُ الْعَجِينَ إِذَا شَدَّدْتُ عَجِينَهُ قَالَ قَيْسُ بْنُ الْحَظِمِ
يَصِفُ طَعْنَهُ شَعْرَ

مَدَكْتُ بِهَا كَفِّي فَأَنْهَزْتُ فَتَقَهَا ۝ يَرَى قَائِمٌ مِنْ دُونِهَا مَا وَرَائَهَا
أَيَّ شَدَّدْتُ بِهَا كَفِّي يَعْنِي بِالطَّعْنَةِ فَهُوَ قَوْلُ اللَّهِ عَنْ لُوطٍ (لَوْ أَنَّ لِي بِكُمْ قُوَّةً أَوْ آوِي إِلَى
رُكْنٍ شَرِيدٍ) فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَرْحُمُ اللَّهُ أَخِي لُوطًا لَقَدْ كَانَ يَأْوِي إِلَى رُكْنٍ
شَرِيدٍ فَتَبَّهَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ كَانَ مَعَ اللَّهِ مِنْ كَوْنِهِ شَرِيدًا وَالَّذِي قَصَدَهُ
لُوطٌ عَلَيْهِ السَّلَامُ الْقَبِيلَةَ بِالرُّكْنِ الشَّرِيدِ وَالْمَقَامَ بِقَوْلِهِ (لَوْ أَنَّ لِي بِكُمْ قُوَّةً) وَهِيَ الْهِمَّةُ
هُنَا مِنَ الْبَشِيرِ خَاصَّةً فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيمَنْ ذَلِكَ الْوَقْتُ يَعْنِي مِنَ الزَّمَانِ الَّذِي
قَالَ فِيهِ لُوطٌ عَلَيْهِ السَّلَامُ (أَوْ آوِي إِلَى رُكْنٍ شَرِيدٍ) مَا بُعِثَ نَبِيٌّ بَعْدَ ذَلِكَ إِلَّا فِي مَنَعَةٍ مِنْ قَوْمِهِ
فَكَانَ تَحْمِيهِ قَبِيلَتَهُ كَأَنِّي طَالِبٌ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَوْلُهُ (لَوْ أَنَّ لِي بِكُمْ قُوَّةً)
يَكُونُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ سَمِعَ اللَّهُ تَعَالَى يَقُولُ (اللَّهُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ ضَعْفٍ) بِالْأَصَالَةِ (ثُمَّ جَعَلَ مِنْ
بَعْدِ ضَعْفٍ قُوَّةً) فَعَرَضَتْ الْقُوَّةُ بِالْجَعْلِ فَهِيَ قُوَّةٌ عَرْضِيَّةٌ (ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ ضَعْفًا وَشَيْبَةً)
فَالْجَعْلُ يَتَعَلَّقُ بِالشَّيْبَةِ وَأَمَّا الضُّعْفُ فَهُوَ رُجُوعٌ إِلَى أَصْلِ خَلْقِهِ وَهُوَ قَوْلُهُ (خَلَقَكُمْ مِنْ ضَعْفٍ)
فَرَدَّهَا لِمَا خَلَقَهُ مِنْهُ كَمَا قَالَ (وَمِنْكُمْ مَنْ يُرَدُّ إِلَى أَرْدَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِنْ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْئًا)
فَذَكَرَ أَنَّهُ رُدَّ إِلَى الضُّعْفِ الْأَوَّلِ فَحُكْمُ الشَّيْخِ حُكْمُ الطِّفْلِ فِي الضُّعْفِ وَمَا بُعِثَ نَبِيٌّ إِلَّا بَعْدَ
تَسَامٍ الْأَرْبَعِينَ وَهُوَ زَمَانٌ أَخَذُكَ فِي النِّقْصِ وَالضُّعْفِ فَلِذَلِكَ قَالَ (لَوْ أَنَّ لِي بِكُمْ قُوَّةً) مَعَ
كَوْنِ ذَلِكَ يُطْلَبُ هِمَّةٌ مُوَشِّرَةٌ فَإِنْ قُلْتَ وَمَا يَمْنَعُهُ مِنَ الْهِمَّةِ الْمُوَشِّرَةِ وَهِيَ مَوْجُودَةٌ فِي
السَّائِكِينَ مِنَ الْأَتْبَاعِ قَالَ رَسُولُ أَوَّلِي بِهَا قُلْنَا صَدَقْتَ وَلَكِنْ نَقَصَكَ عِلْمٌ آخَرُ وَذَلِكَ أَنَّ الْمَعْرِفَةَ
لَا تَتْرُكُ لِلْهِمَّةِ تَصَرُّفًا فَكُلَّمَا عَلَتْ مَعْرِفَتُهُ نَقَصَ تَصَرُّفُهُ بِالْهِمَّةِ وَذَلِكَ لِوَجْهَيْنِ الْوَجْهَ الْوَاحِدَ
لِتَحْقِيقِهِ بِمَقَامِ الْعُبُودِيَّةِ وَنَظَرِهِ إِلَى أَصْلِ خَلْقِهِ الطَّبِيعِيِّ وَالْوَجْهَ الْآخَرَ أَحَدِيَّةُ الْمُتَصَرِّفِ وَ
الْمُتَصَرِّفِ فِيهِ فَلَا يَرَى عَلَى مَنْ يُرْسِلُ هِمَّتَهُ قِيَمَتَهُ ذَلِكَ وَفِي هَذَا الْمَشْهَدِ يَرَى أَنَّ الْمُنَازَعِ

لَهُ مَا عَدَلَ عَنْ حَقِيقَتِهِ الَّتِي هُوَ عَلَيْهَا فِي حَالِ ثُبُوتِ عَيْنِهِ وَحَالِ عَدَمِهِ فَمَا ظَهَرَ فِي الْوُجُودِ إِلَّا مَا
كَانَ لَهُ فِي حَالِ الْعَدَمِ فِي الثُّبُوتِ فَمَا تَعَدَّى حَقِيقَتَهُ وَلَا أَخْلَ بِطَرِيقَتِهِ فَتَسْمِيَةً ذَلِكَ نِزَاعًا إِنَّمَا
هُوَ أَمْرٌ عَرَضِيٌّ أَظْهَرَهُ الْحِجَابُ الَّذِي عَلَى أَعْيُنِ النَّاسِ كَمَا قَالَ اللَّهُ تَعَالَى فِيهِمْ (وَلَكِنَّ أَكْثَرَ
النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ يَعْلَمُونَ ظَاهِرًا مِنَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ عَنِ الْآخِرَةِ هُمْ غَا فُلُونَ) وَهُوَ مِنَ
الْمَقْلُوبِ فَإِنَّهُ مِنْ قَوْلِهِمْ (قُلُوبُنَا غُلْفٌ) آيٌ فِي غِلَافٍ وَهُوَ الْكِنُّ الَّذِي سَتَرَهُ عَنْ إِدْرَاكِ
الْأَمْرِ عَلَى مَا هُوَ عَلَيْهِ فَهَذَا وَآمَنَّا لَهُ يَنْبَغُ الْعَارِفُ مِنَ التَّصَرُّفِ فِي الْعَالَمِ قَالَ الشَّيْخُ أَبُو عَبْدِ اللَّهِ
مُحَمَّدُ بْنُ قَائِدٍ لِلشَّيْخِ إِلَى السَّعُودِ بْنِ أَشْبِلٍ لِمَا لَا تَتَصَرَّفُ فَقَالَ أَبُو السَّعُودِ تَرَكْتُ الْحَقَّ يَتَصَرَّفُ
لِي كَمَا يَشَاءُ يُرِيدُ قَوْلَهُ تَعَالَى أَمْرًا (فَاتَّخِذْهُ وَكِيلًا) فَالْوَكِيلُ هُوَ الْمُتَصَرِّفُ وَلَا سِيَّيْنَا وَقَدْ سَمِعَ
اللَّهُ يَقُولُ (وَأَنْفِقُوا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُسْتَخْلِفِينَ فِيهِ) فَعَلِمَ أَبُو السَّعُودِ وَالْعَارِفُونَ أَنَّ الْأَمْرَ الَّذِي
يَبْدَأُ لَيْسَ لَهُ فَإِنَّهُ مُسْتَخْلَفٌ فِيهِ ثُمَّ قَالَ لَهُ الْحَقُّ هَذَا الْأَمْرُ الَّذِي اسْتَخْلَفْتُكَ فِيهِ وَمَلَكَتْ إِيَّاهُ
إِجْعَلْنِي وَاتَّخِذْنِي وَكِيلًا فِيهِ فَاُمْتَثَلَ أَبُو السَّعُودِ أَمْرًا لِلَّهِ فَاتَّخَذَهُ وَكِيلًا فَكَيْفَ تَبْقَى رِسْمٌ
يَشْهَدُ مِثْلَ هَذَا الْأَمْرِ هَيْئَةً يَتَصَرَّفُ بِهَا وَالْهَيْئَةُ لَا تَفْعَلُ إِلَّا بِالْجَبْعِيَّةِ الَّتِي لَا تَسْمَعُ لِصَاحِبِهَا إِلَى غَيْرِ
مَا اجْتَمَعَ عَلَيْهِ وَهَذِهِ الْمَعْرِفَةُ تَفَرِّقُهُ عَنْ هَذِهِ الْجَبْعِيَّةِ فَيُظْهِرُ الْعَارِفُ التَّامُّ الْمَعْرِفَةَ بِغَايَةِ
الْعُجْزِ وَالضُّعْفِ قَالَ بَعْضُ الْأَنْبِيَاءِ لِلشَّيْخِ عَبْدِ الرَّزَّاقِ قُلْ لِلشَّيْخِ أَبِي مَدِينٍ بَعْدَ السَّلَامِ عَلَيْهِ يَا
أَبَا مَدِينٍ لِمَا لَا يَغْتَامُ عَلَيْنَا شَيْءٌ وَأَنْتَ تَغْتَامُ عَلَيْكَ الْأَشْيَاءُ وَنَحْنُ نَرْغَبُ فِي مَقَامِكَ وَأَنْتَ
لَا تَرْغَبُ فِي مَقَامِنَا وَكَذَلِكَ كَانَ مَعَ كَوْنِ أَبِي مَدِينٍ كَانَ عِنْدَكَ ذَلِكَ الْمَقَامُ وَغَيْرُهُ وَنَحْنُ
أَتَمُّ فِي مَقَامِ الضُّعْفِ وَالْعُجْزِ مِنْهُ وَمَعَ هَذَا قَالَ لَهُ هَذَا الْبَدَلُ مَا قَالَ وَهَذَا مِنْ ذَلِكَ الْقَبِيلِ
أَيْضًا وَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي هَذَا الْمَقَامِ عَنْ أَمِيرِ اللَّهِ لَهُ بِذَلِكَ (مَا أَدْرِي مَا
يُفْعَلُ بِي وَلَا بِكُمْ إِنْ أَتَيْتُمْ إِلَّا مَا يُوحَى إِلَيَّ) فَالرَّسُولُ يَحْكُمُ مَا يُوحَى إِلَيْهِ بِهِ مَا عِنْدَهُ غَيْرُ ذَلِكَ
فَإِنْ أُوْحِيَ إِلَيْهِ بِالتَّصَرُّفِ فِيهِ بِجَزْمٍ تَصَرَّفَ وَإِنْ مُنِعَ إِمْتَنَعَ وَإِنْ خُيِّرَ اخْتَارَ تَرَكَ التَّصَرُّفَ
إِلَّا أَنْ يَكُونَ نَاقِصَ الْمَعْرِفَةِ قَالَ أَبُو السَّعُودِ لِأَصْحَابِهِ الْمُؤْمِنِينَ يَا إِبْنِ اللَّهِ أَعْطَانِي التَّصَرُّفَ
مُنْذُ خَمْسَ عَشْرَةَ سَنَةً وَتَرَكَتُهَا تَطَرُّفًا هَذَا الْإِسَانُ إِذْ لَاحَظَ وَأَمَّا نَحْنُ فَمَا تَرَكَتُهَا تَطَرُّفًا وَ
هُوَ تَرْكُهُ إِنْ ثَارَ وَإِنَّمَا تَرَكَتُهَا لِكَمَالِ الْمَعْرِفَةِ فَإِنَّ الْمَعْرِفَةَ لَا تَقْتَضِيهِ بِحُكْمِ الْإِخْتِيَارِ فَمَتَى

تَصَرَّفَ الْغَارِثُ بِالْهِمَّةِ فِي الْعَالَمِ فَعَنْ أَمْرِ الْهِمِّيِّ وَجَبَ لَا بِاخْتِيَارٍ وَلَا شَكٍّ أَنَّ مَقَامَ الرِّسَالَةِ يَطْلُبُ
التَّصَرُّفَ يَقْبُولُ الرِّسَالَةَ الَّتِي جَاءَ بِهَا فَيُظْهِرُ عَلَيْهِ مَا يُصَدِّقُهُ عِنْدَ أُمَّتِهِ وَقَوْمِهِ لِيُظْهِرَ دُبْنَ الدُّبِّ
تَعَالَى وَالْوَلِيُّ لَيْسَ كَذَلِكَ وَمَعَ هَذَا فَلَا يَطْلُبُهُ الرَّسُولُ فِي الظَّاهِرِ لِأَنَّ لِلرَّسُولِ الشَّفَقَةَ عَلَى
قَوْمِهِ فَلَا يُرِيدُ أَنْ يُبَايِعَ فِي ظُهُورِ الْحُجَّةِ عَلَيْهِمْ فَإِنَّ فِي ذَلِكَ هَلَاكَهُمْ فَيُبْقَى عَلَيْهِمْ وَقَدْ عَلِمَ
الرَّسُولُ أَيْضًا أَنَّ الْأَمْرَ الْمُعْجَزَ إِذَا ظَهَرَ لِلْجَمَاعَةِ فَيَنْهَلُهُمْ مَنْ يُؤْمِنُ عِنْدَ ذَلِكَ وَمِنْهُمْ مَنْ يَعْرِفُهُ
وَيَجْعَدُهُ وَلَا يُظْهِرُ التَّصَدِيقَ بِهِ ظُلْمًا وَعُلُوًّا وَحَسَدًا وَمِنْهُمْ مَنْ يَلْحِقُ ذَلِكَ بِالسَّخِرِ وَالْإِيهَامِ فَلَمَّا
رَأَتْ الرُّسُلُ ذَلِكَ وَآتَتْهُ لَا يُؤْمِنُ إِلَّا مَنْ أَنَا اللَّهُ قَلْبُهُ بِنُورِ الْإِيثَانِ وَمَتَى لَمْ يَنْظُرِ الشَّخْصُ
بِذَلِكَ النُّورِ الْمُسَمَّى إِيثَانًا فَلَا يَنْفَعُ فِي حَقِّهِ الْأَمْرُ الْمُعْجَزُ فَقَصُرَتْ الْهِمَمُ عَنْ طَلِبِ الْأُمُورِ الْمُعْجَزَةِ
لِمَا لَمْ يَعْمَرْ أَثَرُهَا فِي النَّاطِقِينَ وَلَا فِي قُلُوبِهِمْ كَمَا قَالَ فِي حَقِّ أَكْمَلِ الرُّسُلِ وَأَعْلَمِ الْخَلْقِ وَ
أَصْدَقِهِمْ فِي الْحَالِ (إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ) وَلَوْ كَانَ لِلْهِمَّةِ أَثَرٌ
وَلَا بُدَّ لَوْ يَكُنْ أَحَدٌ أَكْمَلُ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَا أَعْلَى وَأَقْوَى هِمَّةً مِنْهُ وَمَا
أَثَرَتْ فِي إِسْلَامِ آدَمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِي طَالِبِ عَيْهِ وَفِيهِ نَزَلَتْ الْآيَةُ الَّتِي ذَكَرْنَاهَا وَلِذَا قَالَ تَعَالَى فِي الرَّسُولِ
إِنَّهُ مَا عَلَيْهِ إِلَّا الْبَلَاغُ وَقَالَ (لَيْسَ عَلَيْكَ هُدَاهُمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ) وَزَادَ فِي سُورَةِ
النَّقْصِ (وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ) أَيْ بِالَّذِينَ أَعْطَوْهُ الْعِلْمَ يَهْدِيهِمْ فِي حَالِ عَدَمِهِمْ بِأَعْيَانِهِمْ
الَّتَابِتَةِ فَانْتَبَتْ أَنَّ الْعِلْمَ تَابِعٌ لِلْمَعْلُومِ فَهِنْ كَانَ مُؤْمِنًا فِي ثُبُوتِ عَيْنِهِ وَحَالِ عَدَمِهِ ظَهَرَ
بِتِلْكَ الصُّورَةِ فِي حَالِ وُجُودِهِ وَقَدْ عَلِمَ اللَّهُ ذَلِكَ مِنْهُ أَنَّهُ هَكَذَا يَكُونُ فَلِذَا قَالَ (وَهُوَ
أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ) فَلَمَّا قَالَ مِثْلَ هَذَا قَالَ أَيْضًا (مَا يُبَدِّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ) لِأَنَّ قَوْلِي عَلَى حَدِّ عِلْمِي
فِي خَلْقِي (وَمَا أَنَا بِظَلَّامٍ لِلْعَالَمِينَ) أَيْ مَا قَدَّرْتُ عَلَيْهِمُ الْكُفْرَ الَّذِي يُشْقِيهِمْ ثُمَّ طَلَبْتُهُمْ بِمَا
لَيْسَ فِي وَسْعِهِمْ أَنْ يَأْتُوا بِهِ بَلْ مَا عَمَلْنَا هُمْ إِلَّا بِحَسَبِ مَا عَلِمْنَا هُمْ وَمَا عَلِمْنَا هُمْ إِلَّا بِمَا أَعْطَوْنَا
مِنْ نَفْسِهِمْ مِمَّا هُمْ عَلَيْهِ فَإِنْ كَانَ ظُلْمًا فَهُمْ الظَّالِمُونَ وَلِذَا قَالَ (وَلَكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ
يُظْلِمُونَ) فَمَا ظَلَمَهُمُ اللَّهُ كَذَلِكَ مَا قُلْنَا لَهُمْ إِلَّا مَا أَعْطَيْنَاهُمْ أَنَّا أَنْ نَقُولَ لَهُمْ وَذَاتُنَا مَعْلُومَةٌ
لَنَا بِهَا هِيَ عَلَيْهِ مِنْ أَنْ نَقُولَ كَذَا وَلَا نَقُولَ كَذَا فَمَا قُلْنَا إِلَّا مَا عَلِمْنَا أَنْ نَقُولَ فَلَمَّا الْقَوْلُ مِنَّا
وَلَهُمُ الْإِمْتِثَالُ وَعَدَمُ الْإِمْتِثَالِ مَعَ السَّمَاعِ مِنْهُمْ شَعَر

فَأَكُلُ مِنْهَا وَمِنْهُمْ ۖ وَالْأَخْذُ عَنَّا وَعَنْهُمْ

إِنْ لَا يَكُونُوا مِنَّا ۖ فَتَحْنُ لَهُمَا شَكَّ مِنْهُمْ

فَتَحَقَّقْ يَا وَلِيِّ هَذِهِ الْحِكْمَةِ الْمَلِكِيَّةِ مِنَ الْكَلِمَةِ الْوُطِيَّةِ فَإِنَّهَا لِبَابُ الْمَعْرِفَةِ شَعْرٌ
فَقَدْ بَانَ لَكَ السِّرُّ وَقَدْ انْضَحَ الْأَمْرُ ۖ وَقَدْ أَدْرَجَ فِي الشَّفَعِ الَّذِي قِيلَ هُوَ الْوِثَرُ

یہ حکمتِ ملکیت کا فہم کلمہ لوطیہ کے بیان میں ہے

حکمتِ قلبیہ کے بعد حکمتِ ملکیت کے بیان کرنے کی حکمت یہ ہے کہ حکمتِ قلبیہ صاحبِ قلب کو قوت اور ہمتِ باطن عطا کر دیتی ہے۔ اور ملکِ بمعنی قوت اور شدت کے ہے۔ اور اس حکمتِ ملکیت کو حضرت لوط علیہ السلام کی طرف منسوب کرنے کی حکمت یہ ہے کہ وہ اپنی قوم میں ضعیف تھے اور اُن کی قوم قوی اور مُفسد تھی۔ اور آپ نے اُن کے مقابلہ کیلئے اللہ تعالیٰ سے قوت اور شدت طلب کی تھی لِقَوْلِهِ تَعَالَى (قَالَ لَوْ أَنَّ لِي بِكُمْ قُوَّةً أَوْ آوِي إِلَى رُكْنٍ شَدِيدٍ)۔

ملکِ بمعنی شدت اور سختی کے ہے اور ملکِ بمعنی شدید کے ہے۔ عرب شریف کا مقولہ ہے مَلَكَتُ الْعَجِينَ یعنی میں نے خمیر کو سخت کیا۔ یہ اُس وقت بولا جاتا ہے جس وقت خادمہ خمیرِ مخدوم کو سخت کرے۔ تیس ولدِ حطیم نے اپنے نیزہ مارنے کی صفت میں کہا شعر

(۱) میں نے نیزہ کیسا تھاپنے دونوں ہاتھوں کو سخت کیا اور میں نے نیزہ سے شکافِ زخم کو ایسا کشادہ کیا کہ جو شخص نیزہ کے پیچھے کھڑا ہے اُس چیز کو دیکھے جو نیزہ سے وراء ہے یعنی مَلَكَتُ بِهَا كَفْتِي سے مراد شَدَدْتُ بِهَا كَفْتِي ہے۔ بھا سے مراد بِالطَّعْنَةِ یعنی ساتھ نیزہ کے ہے۔ پس ملکِ بمعنی شدت کے ہے اور یہ شدت لوط

نے اللہ تعالیٰ سے طلب کی تھی۔ لِقَوْلِهِ تَعَالَى (قَالَ لَوْ أَنَّ لِي بِكُمْ قُوَّةً أَوْ آوِي إِلَى رُكْنٍ شَدِيدٍ) بولا کاش کہ میرے پاس تمہارے مقابلہ کیلئے قوت ہوتی یا میں رُکنِ شدید یعنی زور آور قبیلہ کی طرف پناہ لیتا۔ پس جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”اللہ رحم کرے میرے بھائی لوط پر کہ وہ رُکنِ شدید کی طرف پناہ لیتے تھے۔“ تو گویا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آگاہ فرمایا کہ لوط علیہ السلام باطن میں اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ تھے اور رُکنِ شدید سے مراد آپ کی حق تعالیٰ تھی کیونکہ حق تعالیٰ شدید العقاب ہے اور بظاہر رُکنِ شدید سے آپ کی مراد قبیلہ تھی۔ مراد یہ ہے کہ آپ باطن میں حق تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوئے اور درخواست کی کہ میرے انصار ایک ایسا

زور آور قبیلہ بنادے جو اعدا پر میری مدد کریں۔ نیز آپ نے دشمنوں کے مقابلہ کیلئے اللہ تعالیٰ سے قوت باطنی طلب
 کی (لَوْ اَنَّ بِيْكُمْ قُوَّةٌ)۔ قوت سے اسجگہ انسان کامل کی باطنی ہمت مراد ہے۔ اور جناب رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اُس وقت سے یعنی اُس زمانے سے جس میں لوط علیہ السلام نے آوازیں رکن شہید
 کہا تھا اُس کے بعد جو نبی مبعوث ہوتا تھا اُس کی قوم میں سے اعدا کے روکنے والے ہوتے تھے اور اُس کا قبیلہ
 اُس کی حمایت کرتا تھا جیسا کہ ابو طالب جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت کرتے تھے۔ اور لوط علیہ السلام
 کا قول (لَوْ اَنَّ بِيْكُمْ قُوَّةٌ) اسے تھا کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کو فرماتے سنا تھا (اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ ضَعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْدِ ضَعْفٍ
 قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ ضَعْفًا وَ شَيْبَةً)۔ یعنی اللہ وہی ہے جس نے تم کو ضعیف سے پیدا کیا یعنی بالاصلات
 انسان ضعیف ہے۔ اس کا وجود ساتھ اللہ تعالیٰ کے ہے۔ بغیر اللہ تعالیٰ کے اس کا وجود ہو سکتا ہی نہیں۔ پھر ضعیف
 کے بعد اللہ تعالیٰ نے انسان کو قوت عطا کی۔ چونکہ یہ قوت اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ہے اسلئے یہ قوت عارضی ہے۔
 حقیقی قوت اللہ تعالیٰ کیلئے ہے۔ پھر قوت کے بعد اللہ تعالیٰ نے انسان کو ضعیف و بڑھاپا عطا کیا۔ نئی چیز جو انسان
 کیلئے ایجاد کی گئی ہے وہ بڑھاپا ہے لیکن ضعیف انسان کا اپنی اصلی پیدائش کی طرف رجوع کرنا ہے بقولہ تعالیٰ
 (خَلَقَكُمْ مِّنْ ضَعْفٍ) پس اللہ تعالیٰ نے انسان کو اُس چیز کی طرف پھیر دیا جس سے اُس کو پیدا کیا تھا جیسا
 ارشاد باری تعالیٰ ہے (وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِدْ اِلٰى اَزْدٍ لِّئَلَّا يُعْلَمَ مِنْ بَعْدِ شَيْءًا) اور بعض تم میں
 سے وہ ہے جو ناکارہ عمر کی طرف پھیرا جاتا ہے تاکہ جانے کے بعد کچھ نہ جانے۔ پس اللہ تعالیٰ نے آیہ کریمہ میں اس
 بات کا ذکر کیا کہ تحقیق آدمی ضعیف اول کی طرف پھیرا جاتا ہے لہذا ضعیف کے اعتبار سے بوڑھے کا حکم بمنزلہ
 طفل کے حکم کے ہے۔ اور اسی لئے کوئی نبی چالیس برس کی عمر سے پہلے خلقت کی طرف مبعوث نہیں کیا جاتا
 کیونکہ اُس عمر پر نقص و ضعیف شروع ہو جاتا ہے۔ چونکہ لوط علیہ السلام کی عمر بھی چالیس برس سے زائد تھی اور
 ظاہری جسمانی ضعیف میں گرفتار تھے اسلئے آپ نے اعدا کے مقابلہ کیلئے اللہ تعالیٰ سے باطنی روحانی قوت
 قلب طلب کی کَمَا قَالَ (لَوْ اَنَّ بِيْكُمْ قُوَّةٌ)۔ قوت سے مراد یہاں باطنی ہمت ہے۔ اس سے یہ مراد نہیں
 کہ آپ میں ہمت موثرہ موجود نہ تھی۔ آپ صفات الہیہ سے موصوف ہونے کے باعث صاحب تصرف تھے
 لیکن صاحب اذن نہ تھے۔ قوت طلب کرنے سے مراد یہ ہے کہ آپ نے قوت باطنی استعمال کرنے کیلئے اللہ
 تعالیٰ سے اذن طلب کیا۔ فَإِنْ قُلْتُمْ اَنَّا لَوْ اَعْلَمُ لَوْ اَعْلَمُ لَوْ اَعْلَمُ لَوْ اَعْلَمُ لَوْ اَعْلَمُ لَوْ اَعْلَمُ لَوْ اَعْلَمُ لَوْ اَعْلَمُ لَوْ اَعْلَمُ لَوْ اَعْلَمُ
 چیز نے روکا حالانکہ یہ چیز اولیاء میں موجود ہے جو انبیاء کے تابعین ہیں پس اُس ہمت باطنی کے استعمال کرنے میں

رُسل تو زیادہ حقدار ہیں۔ ہم جواب میں کہیں گے تو نے سچ کہا لیکن ایک دوسرے علم میں تو نے نقص کیا۔ اور وہ علم یہ ہے کہ تحقیق معرفت الہی ہمت باطنی کیلئے تصرف نہیں چھوڑتی پس ہر وہ شخص جس کی معرفت عالی ہو جاتی ہو وہ اپنی ہمت کے تصرف میں ناقص ہو جاتا ہے۔ اور اس کی دو وجہ ہیں۔ ایک وجہ تو یہ ہے کہ ایسے شخص کو مقام عبودیت میں تحقق حاصل ہو جاتا ہے اور اس کی نظر اپنی خلقت طبعی کے اصل پر ہے۔ یعنی اگرچہ ایسا عارف صابِ تصرف صاحبِ اذن بلکہ صاحب اختیار بھی ہو لیکن وہ بوجہ کمال عبودیت اللہ تعالیٰ کا ادب کرتا ہے اور اپنے تصرف کو ترک کر دیتا ہے اور رضا بالقضا کا مقام اختیار کرتا ہے اور اپنی اصل یعنی خلق کے ضعف پر نظر رکھتا ہے اور تصرف کو اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دیتا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ عارف کامل مُتَصَرِّف و مُتَصَرَّف فیہ کی احدیت یعنی عینیت دیکھتا ہے اسلئے وہ کسی غیر کو نہیں دیکھتا جس پر اپنی ہمت مؤثرہ کیساتھ تصرف کرے۔ یعنی عارف کامل کی نظر میں دشمن کا وجود اس کا اپنا ہی وجود ہے لہذا وہ اپنی ہمت کیساتھ کس کو ہلاک کرے۔ پس ثابت ہوا کہ حضرت لوط علیہ السلام صاحب تصرف تو تھے لیکن ان وجوہات کے باعث آپ نے اپنا تصرف ترک کر رکھا تھا۔ مگر جب قوم نے آپ کے مہمانوں کی بے عزتی کرنی چاہی تو آپ بے اختیار ہو گئے اور اُس وقت آپ نے اپنی ہمت باطنی کے استعمال کی اجازت مانگی بِقَوْلِهِ تَعَالٰی (قَالَ لَوْ اَنَّ لِيْ بِكُمْ قُوَّةً)۔ آپ کی دعا منظور ہو گئی اور وہ قوم ہلاک کر دی گئی۔ بظاہر تو وہ بستی ملائکہ نے ہلاک کر ڈالی لیکن حقیقت میں یہ حضرت لوط علیہ السلام کا ہی تصرف تھا کیونکہ ملائکہ رُسل علیہم السلام کے خادم ہیں۔ نیز رُسل علیہم السلام کی رُبُّ تَعَالٰی کی بارگاہ میں یہ قبولیت ہے کہ رُبُّ تَعَالٰی چونکہ اپنے ذاتی علم سے جانتے تھے کہ لوط علیہ السلام کی قوم آپ کے مہمانوں کی رسوائی کیلئے کوشش کرے گی اور لوط علیہ السلام کی اس قدر دل آزاری ہوگی کہ آپ قوم کی ہلاکت کی تمنا کریں گے رُبُّ تَعَالٰی نے پہلے ہی ملائکہ کو قوم کی ہلاکت کا حکم دے بھیجا بِقَوْلِهِ تَعَالٰی (قَالُوا يَلُوْطُ اِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ نَنْصِلُوْا اِلَيْكَ اَنْتَ مِنَ الظَّالِمِيْنَ بِبَعِيْدٍ)۔

وَفِيْ هٰذَا اَلْمُشْهَدِ اَنْتَ اور اس مُشْہِد میں یعنی جس مُشْہِد میں مُتَصَرِّف و مُتَصَرَّف فیہ کو اپنا عین دیکھتا ہے، عارف کامل اس امر کا مُشاہدہ کرتا ہے کہ تحقیق اُس کے مخالف نے اپنی اُس حقیقت سے تجاوز نہیں کیا جس پر وہ اپنے عین ثابتہ کے حال میں یا عدم اضافی کے حال میں تھا۔ ممکن کا عین ثابتہ علم الہی میں اُس کی علمی صورت اور اُس کی استعداد کا حال ہے۔ عین ثابتہ کا حال عدم اضافی کا حال ہے کیونکہ ظہور کے اعتبار سے عدم ہے اور بطون کے اعتبار سے اُس کا وجود علم الہی میں موجود ہے۔ لہذا ممکن کا عین ثابتہ علم الہی میں ممکن کی حقیقت اور استعداد

ہے۔ جو کچھ عبد کے عین ثابتہ نے زبان استعداد سے حقیقی سے طلب کیا حقیقی نے عطا کر دیا۔ اب اُس ازلی علم کے مطابق عبد کے واقعات اور حالات کا خارج میں ظہور ہو رہا ہے۔ اسکو سر قدر کہتے ہیں۔ اب کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ کسی شخص پر اعتراض کرے یا اللہ تعالیٰ پر اعتراض کرے کیونکہ جو کچھ اسے مخلوق کے ہاتھ سے یعنی خالق کے ہاتھ سے پہنچتا ہے وہ اس کا اپنا طلب کردہ ہے لہذا ارشاد ہوا (فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَاطِنَةُ) پس اللہ تعالیٰ کی حجت کامل ہے۔ فَمَا ظَنَرْتُمْ فِي الْوُجُودِ اِنَّمَا اُس عارف کامل کے مخالف سے وجود میں کوئی ایسی چیز ظاہر نہیں ہوتی جو اُس کے عین ثابتہ میں نہ تھی لہذا اُس مخالف نے اپنی حقیقت سے تجاوز نہیں کیا اور نہ ہی اپنے طریقہ سے گمراہ ہوا۔ ہر انسان کو اُس کا رب چلا رہا ہے لہذا وہ سیدھی راہ پر ہے يَقُولِہٖ تَعَالٰی (مَا مِنْ دَآئِبَةٍ اِلَّا هُوَ اَخَذُ بِنَاصِيَتِهَا) رَبِّیْ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ۔ کسی انسان کا رب اہم ہادی ہے اور کسی کا رب اسم مُضِل ہے۔ اگرچہ دونوں ارباب کے راہ مختلف ہیں لیکن دونوں مربوبات اپنے اپنے رب کے تابع دار ہونے کے باعث سیدھی راہ پر ہیں۔ لہذا عارف کامل کا مخالف شخص اپنے طریقہ سے گمراہ نہیں ہوا بلکہ وہ اُسی طریقہ پر ہے جس پر اُس کا رب اُس کو چلا رہا ہے۔ پس امر مخالف کا نام نزاع رکھنا سوائے اس کے نہیں ہے کہ وہ ایک عارضی چیز ہے اور جن لوگوں کی آنکھوں پر حجاب ہے وہ ہی اپنے مخالف کا نام منازع رکھتے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ عارف کامل جانتا ہے کہ اُس کا دشمن اپنے طریقہ پر بالکل سیدھا چل رہا ہے اور رب تعالیٰ ہی اُس کو اُس راہ پر چلا رہا ہے۔ اور وہ مخالف شخص محض مجبور مامور اور معذور ہے۔ اور مجبورین جو سر قدر سے ناواقف ہیں اُن کی نظر مخلوق پر ہے وہ اصل حقیقت کو نہیں جانتے يَقُولِہٖ تَعَالٰی (وَلٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ) اور لیکن بہت لوگ نہیں جانتے ہیں۔ اُن کی نظر ظاہر پر ہے۔ وہ دنیاوی امور کی حقیقت اور باطن سے ناواقف ہیں يَقُولِہٖ تَعَالٰی (يَعْلَمُونَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ عَنِ الْآخِرَةِ هُمْ غٰفِلُونَ) اور آیت مذکورہ میں لفظ غافلون سے مراد یہ ہے کہ اُن کے قلوب اس سر قدر سے غافل ہیں جیسا کہ مجبورین کا اپنا قول ہے (قُلُوبُنَا غُلْفٌ) یعنی ہمارے قلوب غلاف میں ہیں اور وہ غلاف ایک حجاب ہے جس نے مجبورین کو اصل حقیقت کے ادراک سے چھپایا ہوا ہے۔ پس مذکورہ بالا حقیقت اور ایسے ہی اُس کی مانند دوسرے اسرار عارف کامل کو عالم میں تصرف کرنے سے باز رکھتے ہیں۔ شیخ ابو عبد اللہ محمد بن قائد نے شیخ ابو السعود بن شبیل کو کہا کہ آپ تصرف کیوں نہیں کرتے۔ ابو السعود نے جواب دیا کہ میں نے تصرف کو حقیقی پر چھوڑ دیا ہے وہ جیسا چاہے میرے لئے تصرف کرے۔ ترک تصرف سے ابو السعود کی مراد حقیقی کے قول (فَاتَّخِذْهُ وَكِیْلًا) کی حقیقت تھی۔ پس وکیل وہی ہے جو تصرف کرنے والا ہو۔ نیز ابو السعود نے تحقیق اللہ تعالیٰ کا یہ قول خاص طور پر سن رکھا تھا

(وَأَنْفَقُوا مِنْ جَعَلَكُمْ مُسْتَخْلِفِينَ فِيهِ) اور خرچ کر وتم اُس چیز میں سے کہ کیا ہے تم کو جانشین پہلوں کا بیچ اُس کے پس ابوالسعود اور عارفوں نے اس بات کو جان لیا کہ تحقیق جو امر عارف کے ہاتھ میں ہے وہ امر ہر کسی کو نصیب نہیں کیونکہ ہر عارف اُسی امر میں جانشین ہے۔ یعنی عارف کو جو امر ارادہ توحید نصیب ہیں وہ ہر کسی کو نصیب نہیں اور اُن امر ارادہ توحید کی بدولت عارف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خلیفہ ہے۔ پھر حق تعالیٰ نے ہر عارف کو امر کیا ہے کہ یہ وہ امر ہے جس میں میں نے تجھ کو خلیفہ کیا ہے اور میں نے تجھ کو اُس کا مالک کیا ہے۔ تو مجھ کو اُس میں وکیل پکڑ۔ پس ابوالسعود نے اللہ تعالیٰ کے امر کی پیروی کی اور اُس کو وکیل پکڑ لیا۔ لہذا جو شخص اس امر کی مثل مشاہدہ کرتا ہے اُس کے واسطے ایسی بہت کب باقی رہے گی کہ اُس کے ساتھ وہ عالم میں تصرف کرے۔ نیز بہت بغیر جمعیت اور توجہ کامل کے کام نہیں کرتی اور جمعیت دل وہ چیز ہے کہ وہ صاحب بہت کو اس امر کی گنجائش نہیں دیتی کہ وہ اُس چیز کی طرف رجوع کرے جس میں اُس کی دل جمعی نہ ہو۔ چونکہ یہ معرفت اُس کی جمعیت میں تفرقہ ڈالتی ہے لہذا وہ عارف جس کو معرفت تاملہ نصیب ہے اُس میں غایت عجز و ضَعْف ظاہر ہوتا ہے۔ بعض ابدالوں نے شیخ عبدالرزاق سے کہا کہ آپ شیخ ابو مدین کو بعد سلام کے کہیں کہ اے ابو مدین! کیوں نہیں دشوار ہوتی ہے کوئی چیز اوپر ہمارے اور آپ پر بہت سی چیزیں دشوار ہوتی ہیں یعنی ہم عالم میں تصرف کرتے ہیں اور آپ عالم میں تصرف نہیں کرتے اور حال یہ ہے کہ ہم آپ کے مقام کی رغبت رکھتے ہیں اور آپ ہمارے مقام کی رغبت نہیں رکھتے۔ ابو مدین ایسے مرتبہ پر فائز تھا کہ اُسکو ابدالوں کا مقام بھی حاصل تھا اور اُسکے علاوہ اور مقام بھی حاصل تھا مراد یہ ہے کہ ابو مدین کا مقام ابدالوں سے افضل تھا۔ اور اسی مقام کی وجہ سے انہوں نے کہا تھا کہ ہم ابو مدین سے زیادہ ضَعْف اور عجز کے مقام میں ہیں۔ اگرچہ ابدالوں کا مقام ابو مدین کے مقام سے ادنیٰ تھا لیکن تصرف کے بارہ میں انہوں نے ابو مدین کو کہا جو کہا اور یہ عدم تصرف بھی اسی قبیل سے ہے۔ اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مقام عبودیت اور عجز کے متعلق اللہ تعالیٰ کے امر سے جو آپ کو اس مقام عبودیت کے متعلق ہوا، ارشاد فرمایا (مَا أَدْرِي مَا يَفْعَلُ بِي وَلَا بِكُمْ إِنْ أَتَيْكُمْ إِلَّا مَا يُوْحَىٰ إِلَيَّ) میں نہیں جانتا ہوں کہ میرے ساتھ اور تمہارے ساتھ کیا کیا جائیگا، میں اُس چیز کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف وحی کی جاتی ہے۔ یہ آیت کریمہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جہت عبودیت کے متعلق ہے۔ اس میں علم غیب کی نفی پائی جاتی ہے۔ ایسی آیات سے اللہ تعالیٰ کی منشا یہ ہے کہ قرآن مجید سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جہت عبودیت بھی ثابت ہو سکے ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جہت ربوبیت کے متعلق رب تعالیٰ فرماتا ہے (وَمَا هُوَ عَلَىٰ الْغَيْبِ بِظَنٍّ) اور ہمارے محبوب پاک صلی اللہ علیہ وسلم غیب بتلانے پر نہایت ہی سخی ہیں۔ پس رسول اُس

چیز کا حکم کرتا ہے جو اُس کو وحی کی جاتی ہے۔ سوائے وحی الہی کے رسول کے پاس اور کوئی چیز نہیں ہوتی۔ مراد یہ ہے کہ رسول کا ہر کلام وحی الہی سے ہے اسی لئے حدیث شریف کا حکم قرآن مجید کا حکم ہے۔ فَإِنْ أُوْحِيَ إِلَيْكَ بِسُورَةٍ مِّنْهُ فَتَقَرَأْهَا فَاخْتَارْ ۚ وَلَوْ أَنَّمَا فِي كُلِّ قَلْبٍ مِّمْلَاةٌ مِّنْ سُورَةٍ مِّنْهُ لَتَنفَعْنَا بِهِ الْغَافِلِينَ ۚ (سورہ ابراہیم: ۱-۲) اگر رسول کی طرف وحی کی جاوے کہ وہ خلق میں یقین کے ساتھ تصرف کرے تو وہ تصرف کرتا ہے اور اگر منع کیا جاوے تو تصرف سے باز رہتا ہے اور اگر اختیار دیا جاوے تو وہ ترک تصرف کو اختیار کرتا ہے لیکن اگر وہ ناقص معرفت والا ہو تو وہ تصرف کو اختیار کرتا ہے۔ إِلَّا أَنْ يَكُونَ نَاقِصَ الْمَعْرِفَةِ ۚ (سورہ ابراہیم: ۱) یہ پچھلا بیان جملہ رسل کے حق میں ہے اور اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ بعض سابقہ رسل علیہم السلام معرفت الہی میں ناقص بھی ہیں۔ ابوالسعود نے اپنے معتقد اصحاب کو کہا کہ اللہ تعالیٰ نے پندرہ برس سے مجھے تصرف عطا کیا ہوا ہے لیکن ہم نے زیر کی سے اُس تصرف کو ترک کر دیا۔ یہ زبان ناز ہے۔ اور لیکن ہم نے تصرف زیر کی سے ترک نہیں کیا اور وہ نظرت تصرف کا ایشار کی وجہ سے ترک کرنا ہے اور سوائے اسکے نہیں کہ ہم نے ترک تصرف کمال معرفت کی وجہ سے کیا ہے کیونکہ تحقیق حکم اختیار کے ساتھ معرفت تصرف کا تقاضا نہیں کرتی ہے۔ پس جب عارف کامل اپنی ہمت کے ساتھ عالم میں تصرف کرتا ہے تو امر الہی اور جبر سے کرتا ہے نہ کہ اختیار کیساتھ۔

وَلَا شَكَّ إِلَيْكَ وَأَنَّكَ تَقَرَأُهَا فَاخْتَارْ ۚ (سورہ ابراہیم: ۱) اور اس میں کوئی شک نہیں کہ تحقیق مقام رسالت تصرف کو طلب کرتا ہے تاکہ رسول جو رسالت لائے ہیں وہ اُن کی اُمت میں قبول ہو۔ پس رسول اپنی اُمت پر تصرف سے وہ چیز ظاہر کرتے ہیں جس کے ساتھ اُس رسول کی اُمت و قوم اُس رسول کی تصدیق کرے تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کا دین ظاہر کرے۔ اور ولی رسول کی مثل نہیں ہے یعنی رسول کو اپنی نئی کتاب اور نئی شریعت کے احکام جاری کرنے کیلئے معجزہ دکھانے کی ضرورت ہے لیکن ولی کے پاس کوئی نئی شریعت نہیں جس کیلئے کرامت دکھانا ضروری ہو۔ اور باوجود اس امر کے رسول تصرف کو ظاہر میں طلب نہیں کرتے ہیں یعنی وہ خود کوئی معجزہ دکھانا پسند نہیں کرتے جب تک قوم مطالبہ نہ کرے کیونکہ تحقیق رسول کو اپنی قوم پر شفقت ہوتی ہے۔ اور وہ ارادہ نہیں رکھتے کہ قوم پر معجزہ کے ظہور میں مبالغہ کریں کیونکہ معجزہ دیکھنے کے بعد اگر وہ قوم پھر بھی اپنے رسول کی رسالت کو تصدیق نہ کرے تو وہ قوم ہلاک کی جاتی ہے پس رسول تا امر الہی قوم پر حجت باقی رکھتے ہیں۔ یعنی جب تک خود قوم اصرار نہ کرے رسول قوم کو معجزہ نہیں دکھاتے تاکہ اُن کی حجت قطع نہ ہو جائے۔ اور تحقیق رسول نے اسباب کو بھی جان لیا ہے کہ جب کسی جماعت پر معجزہ ظاہر کیا جاتا ہے تو اُن میں سے بعض معجزہ دیکھنے سے ایمان لے آتے ہیں اور بعض اُن میں سے وہ شخص ہیں جو معجزہ کو پہچانتے ہیں لیکن اُس کا انکار کرتے ہیں اور بوجہ ظلم و برائی اور حسد کے اُس رسول کی

تصدیق نہیں کرتے ہیں اور بعض اُن میں سے وہ ہیں جو معجزہ کو جادو اور شعبدہ کے ساتھ الحاق کرتے ہیں۔ پس جب رُسل نے ان مذکورہ بالا اُمور کو دیکھا اور اس راز کو بھی پایا کہ تحقیق اُن میں سے وہ ہی شخص ایمان لاسکتا ہے جسکا قلب اللہ تعالیٰ نے نورِ ایمان سے منور کیا ہو اور جب تک کوئی شخص نورِ ایمان سے نہ دیکھے گا معجزہ اُس کے حق میں نافع نہ ہوگا تو رُسل کی ہمتیں اُمورِ معجزہ کی طلب سے قاصر ہو گئیں۔ یعنی جب رُسل نے دیکھ لیا کہ معجزہ ناظرین کی نظر اور قلوب میں عام اثر پیدا نہیں کرتا بلکہ صرف وہ خواص جن کے دل ازلی نورِ ایمان سے منور ہیں مستفید ہوتے ہیں تو اُن کی ہمتیں اُمورِ معجزہ کی طلب سے قاصر ہو گئیں۔ یعنی معجزہ صرف اُس شخص پر کارگر ہوتا ہے جس کے عین ثابتہ نے بسان استعداد سے اللہ تعالیٰ سے ایمان طلب کیا اور اللہ تعالیٰ نے اُسکو مرتبہ علم یعنی مقامِ واحدیت میں ایمان عطا کیا۔ ایسا شخص جب عین خارجی میں معجزہ دیکھتا ہے تو رسول کی تصدیق کرتا ہے اور اُس پر ایمان لاتا ہے۔ اسی حال کے مطابق رُسل میں سے کامل ترین و خلق میں سے عالم ترین و صادق ترین کے حق میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا (إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَئِنْ أَمَرْتُ أَنْ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ) اے حبیبِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم! جس کو آپ دوست رکھتے ہیں آپ اُس کو ہدایت نہیں کر سکتے اور میں اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے۔ یہ آیت ابوطالب جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ہیں کے حق میں نازل ہوئی ہے۔ چونکہ ابوطالب کے عین ثابتہ میں ایمان مقدر نہ تھا اسلئے ہر چند حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ازراہ شفقت کوشش کی لیکن ابوطالب ایمان نہ لائے۔ اگر ہمت میں اثر ہوتا تو ہمت اثر کرتی حالانکہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی فرد کامل تر و اعلیٰ و ہمت میں آپ سے قوی تر نہیں ہے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمت نے ابوطالب کے اسلام میں اثر نہ کیا۔ مراد یہ ہے کہ معجزہ کا اثر اُس شخص پر ہوتا ہے جو ازلی سعید ہے۔ ازلی بد نصیب پر معجزہ اثر نہیں کرتا۔ اس سے یہ نہیں پایا جاتا کہ ازلی بد نصیب کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہدایت نہیں کر سکتے اور اللہ تعالیٰ کر سکتا ہے۔ ازلی بد نصیب کو نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہدایت کر سکتے ہیں اور نہ اللہ تعالیٰ ہی ہدایت کر سکتا ہے۔ اسی لئے ارشاد ہوا (إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ) اے حبیبِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم! آپ جس کو دوست رکھیں آپ اُس کو ہدایت نہیں کر سکتے یعنی آپ تو رحمتہ للعالمین ہیں۔ آپ کی رحمت کا تقاضا یہ ہے کہ ہر کوئی اسلام قبول کر لے لیکن آپ صرف اُس کو ہدایت کر سکتے ہیں جو اپنے عین ثابتہ میں مومن ہے۔ (وَلَئِنْ أَمَرْتُ أَنْ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ وَهُوَ أَعْلَمُ بِأَنِ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ) اور لیکن اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے یعنی جسکے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے علم میں ایمان چاہا ہے اُسی کو ہدایت کرتا ہے اور وہ ہدایت پانے والوں کو

جانتا ہے کیونکہ اُس نے مُہتدین کو مرتبہ علم میں ایمان عطا کیا تھا۔ پس ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ بھی اُسی کو ہدایت کرتا ہے جو اپنے عین ثابۃ میں دولت ایمان سے مشرف ہے۔ ہر کسی کو اللہ تعالیٰ بھی ہدایت نہیں کر سکتا۔ یہ تفسیر عوام الناس کیلئے ہے۔ اور اسی لئے اللہ تعالیٰ نے رسول کے حق میں فرمایا کہ تحقیق رسول کے اوپر سوائے احکام کے پہنچانے کے اور کوئی چیز نہیں اور فرمایا (لَيْسَ عَلَيْكَ هُدَاهُمْ وَذِكْرُ اللَّهِ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ) اُن کو ہدایت کرنا آپ پر نہیں ہے لیکن اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے۔ ان آیات کا تعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جہت بشریت سے ہے یعنی آپ باعتبار عبد ہونے کے کسی کو ہدایت نہیں کر سکتے بلکہ جہت ربوبیت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہدایت کر رہے ہیں بقولہ تعالیٰ (وَإِنَّكَ لَتَهْدِي إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ) اور بے شک آپ ہی صراطِ مستقیم کی طرف ہدایت کرتے ہیں۔ خواص اولیاء اللہ اس راز کو جانتے ہیں کہ (وَ لَكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ) میں اللہ سے مراد وہی اللہ نہیں ہے بلکہ حقیقی اللہ ہے یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی جہت ربوبیت سے اُن لوگوں کو ہدایت کر رہے ہیں جن کیلئے حالت عدم یعنی مرتبہ علم میں ایمان چاہا گیا ہے۔ اور سورہ قصص میں حقتعالیٰ نے (وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ) زیادہ کیا ہے یعنی اللہ تعالیٰ ہدایت پانے والوں کو بہتر جاننے والا ہے۔ مراد یہ ہے کہ مُہتدین وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنی ہدایت کا علم حقتعالیٰ کو حال عدم میں اپنے اعیان ثابۃ کے ساتھ عطا کیا۔ پس حقتعالیٰ نے ثابت کیا کہ علم معلوم کے تابع ہے۔ لہذا حقتعالیٰ نے واضح کر دیا ہے کہ جس ممکن کے عین ثابۃ نے زبان استعداد سے اپنی ہدایت کی خبر دی حقتعالیٰ نے اُس کو ہدایت کر دی۔ اب جو حال عدم یعنی مرتبہ علم میں اپنے عین ثابۃ کیساتھ مومن تھا وہ حال وجود خارجی میں بھی اُسی صورت پر ظاہر ہوا۔ یعنی جو مرتبہ علم میں مومن تھا وہ ہی شخص ظاہر وجود میں بھی مومن ہوتا ہے۔ اور تحقیق چونکہ اللہ تعالیٰ نے اُس شخص مذکور سے اُس کے ایمان کے متعلق مرتبہ علم میں ہی جان لیا تھا کہ تحقیق وہ ایسا ہی ہوگا لہذا فرمایا (وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ) اور اللہ تعالیٰ ہدایت پانے والوں کو خوب جانتا ہے۔ اور اس قول کی مثل ایک اور قول بھی حقتعالیٰ نے فرمایا ہے (مَا يَبْدُلُ الْقَوْلُ لَدَائِي) میرے پاس میرا قول بدلا نہیں جاتا ہے کیونکہ میرا قول اور حکم میرے اُس علم کے موافق ہے جو خلق کے متعلق ہے (وَمَا آتَانَا بِظُلْمٍ لِّلْعَالَمِينَ) اور میں بندوں پر ظلم نہ نیوالا نہیں ہوں۔ یعنی میں نے اُن پر کفر مقدر نہیں کیا جو اُن کو شقی کرے اور پھر اُن سے وہ چیز طلب کروں جو اُن کی طاقت میں نہ ہو یعنی اُن میں اُن اعمال کے بجالانے کی طاقت نہ ہو۔ بلکہ ہم نے اُن کیساتھ اُس علم کیساتھ معاملہ کیا ہے جو ہم نے اُن کے اعیان ثابۃ سے مرتبہ واحدیت میں

یا شقاوت کی خبر عرض کی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کی مراد کے مطابق مفصل احکام جاری کر دیئے تاکہ وہ اپنا کمال حاصل کر سکیں۔ ممکنات کو مرتبہ واحدیت میں اپنے متعلق صرف استعدادی جزوی علم تھا جو انہوں نے اللہ تعالیٰ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عین ثابۃ کی خدمت عالیہ میں عرض کر دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حالت عدم یعنی مرتبہ علم میں ممکنات کی استعدادات کے مطابق احکام جاری کر دیئے اور ایسے اعمال مقدر کر دیئے جس سے ممکنات اپنا اپنا استعدادی کمال حاصل کر سکیں۔ اب اعمال کا مقدر کرنا اور اُن اعمال کیلئے اسباب کا مہیا کرنا ذات حق کی طرف سے ہے یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہے۔ ایک ہرے بھرے پودے یعنی مومن کے عین ثابۃ نے عرض کیا کہ میں جناب باغات و انہار کے لائق ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ذاتی کاملہ علم سے ایسے احکام جاری کر دیئے اور ایسے اعمال مقدر کر دیئے کہ وہ پودا باغات میں پہنچ جاتے۔ ایک خشک لکڑی یعنی کافر کے عین ثابۃ نے عرض کیا کہ میں جناب آتش کے لائق ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ذاتی کاملہ علم سے ایسے احکام جاری کر دیئے اور ایسے اعمال مقدر کر دیئے کہ وہ خشک لکڑی آتش سے ہمکنار ہو سکے۔ نیز اے طالب! اس حکمت کو ذہن نشین کر لے کہ ہرے بھرے پودے کا کمال اور سرور باغات میں ہے اور خشک لکڑی کا کمال اور سرور آتش میں ہے لہذا اللہ تعالیٰ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے تو عطا ہی عطا ہے۔ قُلْنَا الْقَوْلُ جِنَّا تو پس حکم کرنا ہماری طرف سے ہے اور اس حکم کی اطاعت یا نافرمانی بندوں کے لئے ہے۔ نیز ہمارا حکم ہر کسی نے سن رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا حکم دو قسم پر ہے۔ ایک حکم قضا و قدر دوسرا حکم تشریعی۔ حکم قضا و قدر بندوں کے حالات ہیں جو مقدر ہیں اور اس حکم کو کوئی ٹال نہیں سکتا۔ اس میں سُعداء و اشقیاء سب برابر ہیں۔ دوسرا حکم تشریعی یعنی شریعت کے احکام جو اللہ تعالیٰ بذریعہ رسل علیہم السلام اپنے بندوں کو پہنچاتا ہے۔ حکم تشریعی کی اطاعت کی توفیق صرف سُعداء کو مرتبہ عدم یا علم میں عطا کی گئی ہے۔ اشقیاء مظاہر جلال ہونیکے باعث حکم تشریعی کی عمدًا نافرمانی کرتے ہیں۔ حکم تشریعی کی اطاعت یا نافرمانی بھی بندوں کے حالات میں مقدر ہے۔ شعر

(۱) پس سب کچھ ہم سے ہے اور اُن سے ہے۔ یعنی مخلوق کے جملہ حالات اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں اور مخلوق کی طرف سے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ بندوں کے اعیان ثابۃ نے مرتبہ علم میں اپنی استعدادوں کا علم حقیقی کو عطا کیا اور حقیقی نے اُس علم کے مطابق بندوں کے اعمال و احوال مقدر کر دیئے جن کا ظہور اب خارج میں ہو رہا ہے۔ دوسرا مصرع: اور لینا ہم سے ہے اور اُن سے ہے۔ یعنی بندوں کی استعدادوں کا علم حقیقی بندوں سے اخذ کرتا ہے

اور اُن کی استعدادوں کے مطابق اعمال اور احوال بندے اللہ تعالیٰ سے اُنہیں کرتے ہیں۔
 (۲) اگر وہ ہم سے نہ ہوں تو ہم بے شک اُن سے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ اگر مخلوق کو اس راز کا علم نہ ہو کہ اُن کا وجود ہمارے ساتھ ہے، ہم کو معلوم ہے کہ ہمارا ظہور اُن کیساتھ ہے۔ حروف کا وجود ساتھ سیاہی کے ہے اور سیاہی کا ظہور ساتھ حروف کے ہے۔ خلق کا وجود ساتھ حق کے ہے اور حق کا ظہور ساتھ خلق کے ہے لیکن جہلاً اس راز کو نہیں جانتے۔

اے میرے دوست! اس حکمت ملکیت جو کلمہ لوطیہ کے تحت بیان کی گئی ہے، کی تحقیق کرے کیونکہ یہ حکمت معرفت کا خلاصہ ہے۔ شعر

(۱) پس تیرے واسطے بہر قدر ظاہر ہوا اور حقیقت توحید کی واضح ہو گئی۔ اور تحقیق وہ چیز جس کو وتر کہا جاتا ہے جنت میں درج کی گئی ہے۔ وتر سے مراد ذات حق ہے۔ جنت سے مراد حضرت انسان کامل ہے صلی اللہ علیہ وسلم یعنی ذات حق ذات محمد پاک صلی اللہ علیہ وسلم میں درج کی گئی ہے۔ حضرت انسان کامل صلی اللہ علیہ وسلم کو جنت اسلئے کہا گیا ہے کہ آپ کیلئے دو جہتیں ہیں، ظاہر آپ کا خلق ہے اور باطن آپ کا حق ہے۔

فَصْحَكَةٍ قَدَرِيَّةٍ فِي كَلِمَةِ عَزِيرِيَّةٍ

اعْلَمَ أَنَّ الْقَضَاءَ حُكْمُ اللَّهِ فِي الْأَشْيَاءِ وَحُكْمُ اللَّهِ عَلَى حَيْثُ عَلَيْهِ بِهَا وَفِيهَا وَعِلْمُ اللَّهِ فِي الْأَشْيَاءِ عَلَى مَا آعْطَتْهُ السُّعْلُومَاتُ مِمَّا هِيَ عَلَيْهِ فِي نَفْسِهَا وَالْقَدَرُ تَوْقِيتُ مَا هِيَ عَلَيْهِ الْأَشْيَاءُ فِي عَيْنِهَا مِنْ غَيْرِ مَزِيدٍ فَهَا حُكْمُ الْقَضَاءِ عَلَى الْأَشْيَاءِ إِلَّا بِهَا وَهَذَا هُوَ عَيْنُ سِرِّ الْقَدَرِ (لَيْسَ كَانَ لَهُ قَلْبٌ أَوْ أَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيدٌ) (فَلِلَّهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ) فَالْحَاكِمُ فِي التَّحْقِيقِ كَابِعُ الْعَيْنِ السُّئَلَةِ الَّتِي يُحْكَمُ فِيهَا بِمَا تَقْتَضِيهِ ذَاتُهَا فَالْحَاكِمُ عَلَيْهِ بِمَا هُوَ فِيهِ حَاكِمٌ عَلَى الْحَاكِمِ أَنْ يُحْكَمَ عَلَيْهِ بِذَلِكَ فَكُلُّ حَاكِمٍ مُحْكَمٌ عَلَيْهِ بِمَا حَكَمَ بِهِ وَفِيهِ كَانَ الْحَاكِمُ مَنْ كَانَ فَتَحَقَّقَ هَذِهِ السُّئَلَةُ فَإِنَّ الْقَدَرَ مَا جُهِلَ إِلَّا شِدَّةَ ظُهُورِهِ فَلَمْ يُعْرِفْ وَكَثُرَ فِيهِ الطَّلَبُ وَالْإِلْحَاحُ وَاعْلَمَ أَنَّ الرُّسُلَ صَلَوَاتُ اللَّهِ عَلَيْهِمْ مِنْ حَيْثُ هُمْ رُسُلٌ لَا مِنْ حَيْثُ هُمْ أَوْلِيَاءُ وَغَارِفُونَ عَلَى مَرَاتِبِ مَا هِيَ عَلَيْهِ أَمَّهُمْ فَمَا عِنْدَهُمْ مِنَ الْعِلْمِ الَّذِي أُرْسِلُوا بِهِ إِلَّا قَدَرُ مَا يَحْتَاجُ إِلَيْهِ أُمَّةٌ ذَلِكَ الرُّسُولُ لَا زَائِدَ وَلَا نَاقِصَ وَالْأَمَمُ مُتَّفَاجِلَةٌ يَزِيدُ بَعْضُهَا عَلَى بَعْضٍ فَتَقَاضَى الرُّسُلُ فِي عِلْمِهَا إِلَّا زَائِلٌ

بِتَفَاضِلِ أَمِيهَا وَهُوَ قَوْلُهُ تَعَالَى (تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ) كَمَا هُمْ أَيْضًا فِيهَا يَرْجِعُ إِلَى
ذَوَاتِهِمْ مِنَ الْعُلُومِ وَالْأَحْكَامِ مُتَفَاضِلُونَ بِحَسَبِ اسْتِعْدَادَاتِهِمْ وَهُوَ قَوْلُهُ تَعَالَى (وَلَقَدْ فَضَّلْنَا
بَعْضَ النَّبِيِّينَ عَلَى بَعْضٍ) وَقَالَ تَعَالَى فِي حَقِّ الْخَلْقِ (وَاللَّهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلَى بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ)
وَالرِّزْقُ مِنْهُ مَا هُوَ رَوْحَانِيٌّ كَالْعُلُومِ وَحِسِّيٌّ كَالْأَغْذِيَةِ وَمَا يُنَزِّلُهُ الْحَقُّ إِلَّا بِقَدْرِ مَعْلُومٍ وَهُوَ
الْإِسْتِحْقَاقُ الَّذِي يُطْلِبُهُ الْخَلْقُ فَإِنَّ اللَّهَ أَعْطَى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهُ فَيُنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَا يَشَاءُ وَمَا يَشَاءُ إِلَّا
مَا عِلِمَ فَحَكَمَ بِهِ وَمَا عِلِمَ كَمَا قُلْنَا إِلَّا بِمَا أَعْطَاهُ الْمَعْلُومُ مِنْ نَفْسِهِ فَالْتَوَقَّيْتُ فِي الْأَصْلِ لِلْعُلُومِ
وَالْقَضَاءِ وَالْعِلْمِ وَالْإِسْرَافِ وَالشَّيْئَةِ تَبَعٌ لِلْقَدَرِ فَيَسِّرُ الْقَدَرُ مِنْ أَجْلِ الْعُلُومِ وَمَا يُقِلُّهُ اللَّهُ
تَعَالَى إِلَّا لِمَنْ اخْتَصَّهُ اللَّهُ بِالنَّمْرِ فَالْعِلْمُ بِهِ يُعْطَى الرَّاحَةُ الْكُلِّيَّةُ لِلْعَالَمِ بِهِ وَيُعْطَى الْعَذَابُ
الْإِلِيمُ لِلْعَالَمِ بِهِ أَيْضًا فَهُوَ يُعْطَى التَّقْضِيَيْنِ وَبِهِ وَصَفَ الْحَقُّ نَفْسَهُ بِالْغَضَبِ وَبِالرِّضَى وَبِهِ تَقَابَلَتِ
الْأَسْمَاءُ الْإِلَهِيَّةُ فَحَقِيقَتُهُ تَحْكُمُ فِي الوجودِ الْمَطْلُوقِ وَفِي الوجودِ الْمُقَيَّدِ لَا يُدْرِكُ أَنْ يَكُونَ
شَيْءٌ أَوْ تَمَّ مِنْهَا وَلَا أَقْوَى وَلَا أَعْظَمُ يعمُومُ حُكْمُهَا الْمُتَعَدِّي وَغَيْرُ الْمُتَعَدِّي وَلَمَّا كَانَتْ الْأَنْبِيَاءُ
صَلَوَاتُ اللَّهِ عَلَيْهِمْ لَا تَأْخُذُ عُلُومَهَا إِلَّا مِنَ الْوَحْيِ الْخَاصِّ الْإِلَهِيِّ فَقُلُوبُهُمْ سَاحِدَةٌ مِّنَ النَّظَرِ الْعَقْلِيِّ
إِلَيْهِمْ بِقُصُورِ الْعَقْلِ مِنْ حَيْثُ نَظَرُهَا الْفِكْرِيُّ عَنْ إِدْرَاكِ الْأُمُورِ عَلَى مَا هِيَ عَلَيْهِ وَالْإِخْبَارُ
أَيْضًا يَقْصُرُ عَنْ إِدْرَاكِهَا لَا يَنَالُ إِلَّا بِالذَّوْقِ فَلَمْ يَبْقَ الْعِلْمُ الْكَامِلُ إِلَّا فِي التَّجَلِّي الْإِلَهِيِّ وَ
مَا يَكْشِفُ الْحَقُّ عَنْ آعْيُنِ الْبَصَائِرِ وَالْأَبْصَارِ مِنَ الْأَغْطِيَةِ فَتُدْرِكُ الْأُمُورَ قَدِيمَتِهَا وَحَدِيثَتِهَا
وَعَدَمَتِهَا وَجُودَهَا وَمَحَالَتِهَا وَوَاجِبَتِهَا وَجَائِزَتِهَا عَلَى مَا هِيَ عَلَيْهِ فِي حَقَائِقِهَا وَأَعْيَانِهَا فَلَمَّا كَانَ مَطْلَبُ
الْعَزِيزِ عَلَيْهِ السَّلَامُ عَلَى الطَّرِيقَةِ الْخَاصَّةِ لِذَلِكَ وَقَعَ الْعَتَبُ عَلَيْهِ كَمَا وَرَدَ فِي الْخَبَرِ فَلَوْ طَلَبَ
الْكَشْفَ الَّذِي ذَكَرْنَاهُ رَبَّنَا كَانَ لَا يَقَعُ عَلَيْهِ عَتَبٌ فِي ذَلِكَ وَالذَّلِيلُ عَلَى سَدَاجَةِ قَلْبِهِ قَوْلُهُ
فِي بَعْضِ الْوُجُودِ (أَنِّي يُحْيِي هَذِهِ اللَّهُ بَعْدَ مَوْتِهَا) وَأَمَّا عِنْدَنَا فَصُورَتُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِي قَوْلِهِ هَذَا
كَصُورَةِ إِبْرَاهِيمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِي قَوْلِهِ (رَبِّ أَرِنِي كَيْفَ تُحْيِي الْمَوْتَى) وَيَقْتَضِي ذَلِكَ الْجَوَابُ بِفَعْلٍ
الَّذِي أَظْهَرَهُ الْحَقُّ فِيهِ فِي قَوْلِهِ (فَأَمَّا تَهُ اللَّهُ مَا تَهُ عَامٌ ثُمَّ بَعَثَهُ) فَقَالَ لَهُ (وَالنُّظْرُ إِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ
نُنَشِّرُهَا ثُمَّ نَكْسُوها لَحْمًا) فَعَايَنَ كَيْفَ تَنْبُتُ الْأَجْسَامُ مُعَايَنَةً تَحْقِيقِيَّةً فَأَرَاهُ الْكَيْفِيَّةَ فَسَأَلَ عَنْ
الْقَدَرِ الَّذِي لَا يُدْرِكُ إِلَّا بِالنَّكْشِفِ لِأَشْيَاءٍ فِي حَالِ شُبُوتِهَا فِي عَدَمِهَا فَمَا أُعْطِيَ ذَلِكَ فَإِنَّ ذَلِكَ

مِنْ خَصَائِصِ الْإِطْلَاعِ إِلَّا لِلَّهِ فَمِنْ الْحَالِ أَنْ يَعْلَمَهُ إِلَّا هُوَ فَإِنَّهَا الْمَفَاتِيحُ الْأُولَى أَعْنَى (مَفَاتِيحِ الْغَيْبِ)
 الَّتِي (لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ) وَقَدْ يَطْلَعُ اللَّهُ مِنْ تَشَاءٍ مِنْ عِبَادِهِ عَلَى بَعْضِ الْأُمُورِ مِنْ ذَلِكَ وَاعْلَمْ أَنَّهَا لَا
 تُسَمَّى مَفَاتِيحَ إِلَّا فِي حَالِ الْفَتْحِ وَحَالِ الْفَتْحِ هُوَ حَالُ تَعَلُّقِ التَّكْوِينِ بِالْأَشْيَاءِ أَوْ قُلْ إِنْ شِئْتَ حَالُ
 تَعَلُّقِ الْقُدْرَةِ بِالْمَقْدُورِ وَلَا ذَوْقَ لِغَيْرِ اللَّهِ فِي ذَلِكَ فَلَا يَقَعُ فِيهَا تَجَلٍّ وَلَا كَشْفٌ إِذْ لَا قُدْرَةَ وَلَا
 فِعْلَ إِلَّا لِلَّهِ خَاصَّةً إِذْ لَهُ الْوُجُودُ الْمُبْتَطِقُ الَّذِي لَا يَتَقَيَّدُ فَلَمَّا رَأَيْنَا عَنَبَ الْحَقِّ لَهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِي
 سُؤَالِهِ فِي الْقَدَرِ عَلَيْنَا أَنَّهُ طَلَبَ هَذَا الْإِطْلَاعَ فَطَلَبَ أَنْ تَكُونَ لَهُ قُدْرَةٌ تَتَعَلَّقُ بِالْمَقْدُورِ وَمَا
 يَقْتَضِي ذَلِكَ إِلَّا مَنْ لَهُ الْوُجُودُ الْمُبْتَطِقُ فَطَلَبَ مَا لَا يُدْرِكُ وَجُودُهُ فِي الْخَلْقِ ذَوْقًا فَإِنَّ الْكَيْفِيَّاتِ
 لَا تُدْرِكُ إِلَّا بِالْأَذْوَاقِ وَأَمَّا مَا رَوَيْنَاهُ مِنْهَا أَوْحَى اللَّهُ بِهِ إِلَيْهِ لِيَنْتَهِيَ لَمْ تَنْتَهَ لَا مُحُونٌ رَسَمَكَ مِنْ
 دِيَوَانِ النَّبُوءَةِ أَيْ أَرْفَعُ عَنْكَ طَرِيقَ الْخَبَرِ وَأُعْطِيكَ الْأُمُورَ عَلَى التَّجَلِّيِّ وَالتَّجَلِّيُّ لَا يَكُونُ إِلَّا بِمَا
 أَنْتَ عَلَيْهِ مِنَ الْإِسْتِعْدَادِ الَّذِي بِهِ يَقَعُ الْإِدْرَاكُ الذَّوْقِيُّ فَتَعْلَمُ أَنَّكَ مَا أَدْرَاكَ كُنْتَ إِلَّا بِحَسَبِ اسْتِعْدَادِكَ
 فَتَنْظُرُ فِي هَذَا الْأَمْرِ الَّذِي طَلَبْتَ فَلَمَّا لَمْ تَرَ لَا تَعْلَمُ أَنَّهُ لَيْسَ عِنْدَكَ الْإِسْتِعْدَادُ الَّذِي تَطْلُبُهُ وَ
 أَنَّ ذَلِكَ مِنْ خَصَائِصِ الذَّاتِ الْإِلَهِيَّةِ وَقَدْ عَلِمْتَ أَنَّ اللَّهَ (أَعْطَى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهُ) فَإِذَا لَمْ يُعْطِكَ هَذَا
 الْإِسْتِعْدَادَ الْخَاصَّ فَمَا هُوَ خَلْقُكَ وَلَوْ كَانَ خَلْقُكَ لَأَعْطَاكَ الْحَقُّ الَّذِي أَخْبَرَ أَنَّكَ أَعْطَى كُلَّ شَيْءٍ
 خَلْقَهُ فَتَكُونُ أَنْتَ الَّذِي تَنْتَهِي عَنْ مِثْلِ هَذَا السُّؤَالِ مِنْ نَفْسِكَ لَا تَحْتَاجُ فِيهِ إِلَى نَهْيِ إِلَهِي وَهَذَا
 عِنَايَةٌ مِنَ اللَّهِ بِعِزِّهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ عَلِمَ ذَلِكَ مَنْ عِلْمُهُ وَجَهْلُهُ مَنْ جَهْلُهُ وَاعْلَمْ أَنَّ الْوِلَايَةَ هِيَ الْفَلَكَ
 الْمَحِيطُ الْعَامُّ وَهَذَا لَمْ تَنْقَطِعْ وَلَهَا الْإِنْبَاءُ الْعَامُّ وَأَمَّا نُبُوءَةُ الشَّرِيعِ وَالرِّسَالَةُ فَسُقُوطَةٌ وَفِي مُحَمَّدٍ
 صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَدْ انْقَطَعَتْ فَلَا بَنِي بَعْدَكَ يَعْنِي مُشْرِعًا أَوْ مُشْرَعًا لَهُ وَلَا رَسُولَ وَهُوَ الْمُشْرِعُ
 وَهَذَا الْحَدِيثُ قَصَمَ ظُهُورَ أَوْلِيَاءِ اللَّهِ لِأَنَّهُ يَنْتَضِي انْقِطَاعَ ذَوْقِ الْعِبَادِيَّةِ الْكَامِلَةِ التَّامَّةِ فَلَا يَنْطَلِقُ
 عَلَيْهِ إِسْمُهَا الْخَاصُّ بِهَا فَإِنَّ الْعَبْدَ يُرِيدُ أَنْ لَا يَشَارِكَ سَيِّدَهُ وَهُوَ اللَّهُ فِي إِسْمِهِ وَاللَّهُ لَمْ يُسَمَّ
 بِبَنِي وَلَا رَسُولٍ وَيُسَمَّى بِالْوَلِيِّ وَالتَّصِيفُ بِهَذَا الْإِسْمِ فَقَالَ (اللَّهُ وَلِيُّ الَّذِينَ آمَنُوا) وَقَالَ (وَهُوَ
 الْوَلِيُّ الْحَمِيدُ) وَهَذَا الْإِسْمُ بَاقٍ جَارٍ عَلَى عِبَادِ اللَّهِ دُنْيَا وَآخِرَةً فَلَمْ يَبْقَ إِسْمٌ يَحْتَقُّ بِهِ الْعَبْدُ
 دُونَ الْحَقِّ بِانْقِطَاعِ النَّبُوءَةِ وَالرِّسَالَةِ إِلَّا أَنَّ اللَّهَ لَطِيفٌ بِعِبَادِهِ فَابْقَى لَهُمُ النَّبُوءَةَ الْعَامَّةَ الَّتِي
 لَا شَرِيعَ فِيهَا وَابْقَى لَهُمُ الشَّرِيعَ فِي الْإِجْتِهَادِ فِي ثُبُوتِ الْأَحْكَامِ وَابْقَى لَهُمُ الْوِرَاثَةَ فِي الشَّرِيعِ

فَقَالَ الْعُلَمَاءُ وَرِثَةُ الْأَنْبِيَاءِ وَمَا تَمِيرَاثُ فِي ذَلِكَ إِلَّا فِي مَا اجْتَهَدُوا فِيهِ مِنَ الْأَحْكَامِ فَشَرَعُوا فَإِذَا
رَأَيْتَ النَّبِيَّ يَتَكَلَّمُ بِكَلَامٍ خَارِجٍ عَنِ التَّشْرِيعِ فَمِنْ حَيْثُ هُوَ وَوَلِيُّ وَعَارِفٌ وَهَذَا مَقَامُهُ مِنْ حَيْثُ
هُوَ عَالِمٌ وَوَلِيُّ أَمْرٍ وَكَمَلٌ مِنْ حَيْثُ هُوَ رَسُولٌ أَوْ دُشِيرٌ أَوْ شَرِيعٌ فَإِذَا سَمِعْتَ أَحَدًا مِنْ
أَهْلِ اللَّهِ يَقُولُ أَوْ يُنْقَلُ إِلَيْكَ عَنْهُ أَنَّهُ قَالَ أُولَايَةٌ أَعْلَى مِنَ النَّبُوَّةِ فَلَيْسَ يُرِيدُ ذَلِكَ الْقَائِلُ إِلَّا
مَا ذَكَرْنَا أَوْ يَقُولُ إِنَّ الْوَلِيَّ فَوْقَ النَّبِيِّ وَالرَّسُولِ فَإِنَّهُ يَعْنِي بِذَلِكَ فِي شَخْصٍ وَاحِدٍ وَهُوَ أَنَّ
الرَّسُولَ عَلَيْهِ السَّلَامُ مِنْ حَيْثُ هُوَ وَوَلِيُّ أَمْرٍ مِنْهُ مِنْ حَيْثُ هُوَ نَبِيٌّ وَرَسُولٌ لَا أَنَّ الْوَلِيَّ التَّابِعَ
لَهُ أَعْلَى مِنْهُ فَإِنَّ التَّابِعَ لَا يُدِيرُكَ النَّبِيُّ أَبَدًا فِيمَا هُوَ تَابِعٌ لَهُ فِيهِ إِذْ لَوْ أَدْرَكَهُ لَمْ يَكُنْ تَابِعًا
لَهُ فَافْهَمْ نَسْرَجِعُ الرَّسُولَ وَالنَّبِيَّ الشَّرِيعَ إِلَى أُولَايَةِ وَالْعِلْمِ لَا تَرَى أَنَّ اللَّهَ قَدْ أَمَرَ بِطَلَبِ
الزِّيَادَةِ مِنَ الْعِلْمِ لَا مِنْ غَيْرِهِ فَقَالَ لَهُ أَمِيرًا (قُلْ رَبِّ زِدْنِي عِلْمًا) وَذَلِكَ أَنَّكَ تَعْلَمُ أَنَّ الشَّرْعَ
تَكْلِيفٌ بِأَعْمَالٍ مَخْصُوصَةٍ أَوْ نَهْيٌ عَنْ أَعْمَالٍ مَخْصُوصَةٍ وَمَحَلُّهَا هَذِهِ الدَّارُ نَهْيٌ مُنْقَطِعَةٌ وَ
أُولَايَةٌ لَيْسَتْ كَذَلِكَ إِذْ لَوْ انْقَطَعَتْ لَا انْقَطَعَتْ مِنْ حَيْثُ هِيَ هِيَ كَمَا انْقَطَعَتْ الرِّسَالَةُ مِنْ
حَيْثُ هِيَ هِيَ وَإِذَا انْقَطَعَتْ مِنْ حَيْثُ هِيَ هِيَ لَمْ يَبْقَ لَهَا اسْمٌ وَالْوَلِيُّ اسْمٌ بَاقٍ لِلَّهِ فَهُوَ لِعَبِيدِهِ
تَحَلُّقًا وَتَحَقُّقًا وَتَعَلُّقًا فَقَوْلُهُ يُعْزِرُ لَيْنٌ لَمْ تَنْتَهِ عَنِ السُّؤَالِ عَنْ مَا هِيَ الْقَدَرُ لَا مُحَوَّنَ اسْمًا
مِنْ دِيْوَانِ النَّبُوَّةِ فَيَأْتِيكَ الْأَمْرُ عَلَى الْكَشْفِ بِالتَّعَلُّقِ وَيَزُولُ عَنْكَ اسْمُ النَّبِيِّ وَالرَّسُولِ وَ
تَبْقَى لَهُ وَلَا يَتَّهِ إِلَّا أَنَّهُ لَمَّا دَلَّتْ قَرِينَةُ الْحَالِ عَلَى أَنَّ هَذَا الْخِطَابَ جَرَى مَجْرَى الْوَعِيدِ عَلِمَ
مَنْ اقْتَرَنْتَ عِنْدَكَ هَذِهِ الْحَالَةَ مَعَ الْخِطَابِ أَنَّهُ وَاعِدٌ بِإِنْقِطَاعِ خُصُوصٍ بَعْضٍ مَرَاتِبِ أُولَايَةِ
فِي هَذِهِ الدَّارِ إِذَا النَّبُوَّةُ وَالرِّسَالَةُ خُصُوصٌ مُرْتَبَةٌ فِي أُولَايَةِ عَلَى بَعْضٍ مَا تَحْوِي عَلَيْهِ أُولَايَةُ مِنْ
الْمَرَاتِبِ فَيَعْلَمُ أَنَّهُ أَعْلَى مِنَ الْوَلِيِّ الَّذِي لَا نَبُوَّةَ تَشْرِيعٍ عِنْدَكَ وَلَا رِسَالَةَ وَمَنْ اقْتَرَنْتَ عِنْدَكَ
حَالَهُ أُخْرَى تَقْتَضِيهَا أَيْضًا مَرْتَبَةَ النَّبُوَّةِ يَثْبُتُ عِنْدَكَ أَنَّ هَذَا وَاعِدٌ لَا وَاعِدٌ وَأَنَّ سُؤَالَ عَلَيْهِ
السَّلَامُ مَقْبُولٌ إِذَا النَّبِيُّ هُوَ الْوَلِيُّ الْخَاصُّ وَيَعْرِفُ بِقَرِينَةِ الْحَالِ أَنَّ النَّبِيَّ مِنْ حَيْثُ لَهُ فِي أُولَايَةِ
هَذَا الْإِخْتِصَاصُ مُحَالٌ أَنْ يُقَدَّمَ عَلَى مَا يَعْلَمُ أَنَّ اللَّهَ يَكْرَهُهُ مِنْهُ أَوْ يُقَدَّمُ عَلَى مَا يَعْلَمُ أَنَّ حُصُولَهُ
مُحَالٌ فَإِذَا اقْتَرَنْتَ هَذِهِ الْأَحْوَالَ عِنْدَ مَنْ اقْتَرَنْتَ عِنْدَكَ وَتَقَرَّرَتْ أَخْرَجَ هَذَا الْخِطَابَ إِلَيْهِ
عِنْدَكَ فِي قَوْلِهِ (لَا مُحَوَّنَ اسْمِكَ مِنْ دِيْوَانِ النَّبُوَّةِ) مَخْرَجَ الْوَعْدِ وَعَارَ خَبَرًا يَدُلُّ عَلَى عُلُومِ مَرْتَبَةِ

بَاقِيَّةٌ وَهِيَ الْمَرْتَبَةُ الْبَاقِيَّةُ عَلَى الْأَنْبِيَاءِ وَالرُّسُلِ فِي الدَّائِرَةِ الْآخِرَةِ الَّتِي لَيْسَتْ بِحِلِّ الشَّرْعِ يُكُونُ عَلَيْهِ أَحَدٌ مِّنْ خَلْقِ اللَّهِ فِي جَنَّةٍ أَوْ نَارٍ بَعْدَ الدُّخُولِ فِيهِمَا وَإِنَّا قَيِّدُ نَاكَ بِالدُّخُولِ فِي الدَّائِرَةِ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ لِمَا شَرَعَ يَوْمَ الْقِيَمَةِ لِأَصْحَابِ الْفَتَرَاتِ وَالْأَطْفَالِ الصِّغَارِ وَالْمُجَانِّينَ فَيُحْشَرُ هَؤُلَاءِ فِي صَعِيدٍ وَاحِدٍ لِقَامَةِ الْعَدْلِ وَالْمُواخَذَةِ بِالْجَبْرِئِيَّةِ وَالنَّوَابِ الْعَلِيِّ فِي أَصْحَابِ الْجَنَّةِ فَإِذَا احْشَرُوا فِي صَعِيدٍ وَاحِدٍ يَنْغَرِلُ عَنِ النَّاسِ بُعِثَ فِيهِمْ نَبِيٌّ مِّنْ أَقْبَلِهِمْ وَتَمَثَّلَ لَهُمْ نَارِيَاتِي بِهَا هَذَا النَّبِيُّ الْمَبْعُوثُ فِي ذَلِكَ الْيَوْمِ يَقُولُ لَهُمْ أَنَا رَسُولُ الْحَقِّ إِلَيْكُمْ فَيَقَعُ عِنْدَهُمُ التَّصَدِيقُ بِهِ وَيَقَعُ الدَّكَذِيبُ عِنْدَ بَعْضِهِمْ وَيَقُولُ لَهُمْ اقْتَحِمُوا هَذِهِ النَّارَ بِأَنْفُسِكُمْ فَسَنَ أَطَاعَتِي نَجَاوُ دَخَلَ الْجَنَّةَ وَمَنْ عَصَانِي وَخَالَفَ أَمْرِي هَلَكَ وَكَانَ مِنْ أَهْلِ النَّارِ فَمِنْ أُمَثَّلَ أَمْرَكَ مِنْهُمْ وَرَأَى بِنَفْسِهِ فِيهَا سَعِدًا وَنَالَ الثَّوَابَ الْعَلِيِّ وَوَجَدَ يَلُوكَ النَّارَ بَرْدًا وَسَلَامًا وَمَنْ عَصَاكَ اسْتَحَقَّ الْعُقُوبَةَ فَدَخَلَ النَّارَ وَنَزَلَ فِيهَا بِعَمَلِهِ الْمُخَالِفِ لِقَوْمِ الْعَدْلِ مِنَ اللَّهِ فِي عِبَادَةٍ وَكَذَلِكَ قَوْلُهُ (يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ) أَيْ عَنْ أَمْرٍ عَظِيمٍ مِنْ أُمُورِ الْآخِرَةِ (وَيُذْعَوْنَ إِلَى السُّجُودِ) فَهَذَا كَلِمَةٌ وَتَشْرِيعٌ فِيهِمْ فَيَنْهَوْنَ مَنْ يَسْتَطِيعُ وَمِنْهُمْ مَنْ لَا يَسْتَطِيعُ وَهُوَ الَّذِينَ قَالَ اللَّهُ تَعَالَى فِيهِمْ (وَيُذْعَوْنَ إِلَى السُّجُودِ فَلَا يَسْتَطِيعُونَ) كَمَا لَمْ يَسْتَطِيعُوا فِي الدُّنْيَا أَمِثَالُ أَمْرِ اللَّهِ بِبَعْضِ الْعِبَادِ كَأَنِّي جَهْلِي وَغَيْرِهَا فَهَذَا أَقْدَرُ مَا بَقِيَ مِنَ الشَّرْعِ فِي الْآخِرَةِ يَوْمَ الْقِيَمَةِ قَبْلَ دُخُولِ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ فَلِهَذَا قَيِّدُ نَاكَ بِالْحَمْدِ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

یہ حکمت قدریہ کا فص کلمہ عزیر یہ کے بیان میں ہے

حکمتِ ملکیہ کے بعد حکمتِ قدریہ لانے کی حکمت یہ ہے کہ حکمتِ ملکیہ کا اختتام بہر قدر پر ہوا اور اس فص میں بہر قدر کا بیان ہے۔ حکمتِ قدریہ کو حضرت عزیر علیہ السلام کی طرف منسوب کرنے کی حکمت یہ ہے کہ آپ نے بہر قدر کی معرفت حقیقی سے طلب کی بقولہ تعالیٰ (أَوْ كَالَّذِي مَرَّ عَلَى قَرْيَةٍ وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلَى عُرُوشِهَا قَالَ أَنَّى يُغِي هَذَا اللَّهُ بَعْدَ مَوْتِهَا) یعنی جب حضرت عزیر علیہ السلام شہر بیت المقدس کے پاس سے گزرے اور اُس کو ویران دیکھا تو حقیقی سے سوال کیا کہ یہ ویران شہر اب دوبارہ کیسے اور کب آباد ہوگا۔ آپ کا یہ سوال حقیقتاً بہر قدر کے متعلق تھا۔

اسے طالب! جان لے کہ تحقیق قضا اشیاء میں اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اور اشیاء میں اللہ تعالیٰ کا حکم اُس کے علم کے اندازہ کے مطابق ہے جو اُس کو اشیاء کیساتھ اور اشیاء میں حاصل ہے۔ عَلَیْہِ فِہَا سے مراد اشیاء کا اجمالی علم ہے جو ذات کو مرتبہ وحدت میں حاصل ہے۔ وَ عَلَیْہِ فِہَا سے مراد اشیاء کا تفصیلی علم ہے جو ذات کو مرتبہ واحدیت میں حاصل ہے۔ اور اشیاء کا تفصیلی علم اللہ تعالیٰ کو معلومات نے اُس اندازہ پر عطا کیا جس اندازہ پر وہ اپنی ذات میں مقفیل ہے۔ اشیاء کا مرتبہ علم میں نام معلومات ہے یا دوسرا نام اعیان ثابتہ ہے۔ مرتبہ واحدیت میں ممکنات کے اعیان ثابتہ نے زبان استعداد سے اپنے استعدادی جزوی حالات اللہ تعالیٰ کو عطا کئے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے علم کاملہ اور حکمت کاملہ سے معلومات کے عطا کردہ علم کے مطابق احکام اعمال و احوال و اسباب جاری کر دیئے تاکہ معلومات عرصہ ظہور میں آکر اپنی اپنی استعدادوں کے مطابق اپنا کمال حاصل کر سکیں۔ اشیاء کے متعلق تفصیلی احکام یعنی احکام اعمال و احوال و اسباب جاری کر دینے کا نام قضاء ہے۔ اور اُن احوال کیلئے وقت معین کرنے کا نام قدر ہے۔ احوال سے مراد وہ احوال ہیں جو اشیاء کے اعیان ثابتہ نے زبان استعداد سے اللہ تعالیٰ سے طلب کئے۔ مِنْ غَیْرِ مَزِیْدٍ بغیر زیادتی کے یعنی اللہ تعالیٰ نے جبراً اپنی طرف سے کوئی چیز بندوں پر نہیں ٹھونسى۔ جو کچھ معلومات یعنی ممکنات کے اعیان ثابتہ نے حق تعالیٰ سے زبان استعداد سے طلب کیا، حق تعالیٰ نے مِنْ وَ غْنِ بغیر کمی بیشی کے عطا کر دیا۔ پس اشیاء پر حکم قضاء اُن اشیاء کے اعیان ثابتہ کی اقتضای کے مطابق ہے اور یہ حقیقت عین ہر قدر ہے لیکن اس راز کو وہ ہی جانتا ہے جو عارف کامل ہے یا صاحب حضوری ہے یَقُولُہُ تَعَالٰی (لَیْسَ کَانَ لَہٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْفَی السَّمْعَ وَہُوَ شَہِیْدٌ)۔ اب بندوں کو کوئی حق نہیں پہنچتا کہ وہ اللہ تعالیٰ پر کسی قسم کا اعتراض کریں کیونکہ جو حالات اُن کو درپیش آرہے ہیں وہ اُن کے اپنے طلب کردہ ہیں لہذا اللہ تعالیٰ کی حجت بندوں پر غالب ہے یَقُولُہُ تَعَالٰی (فَلِلّٰہِ الْحُجَّةُ الْبَاطِلَةُ)۔ اس کی مثال ایسے ہے کہ ایک حاکم کسی مسئلہ کے فیصلہ کرنے میں اُس مسئلہ کی صورت اور رُؤدَد کا حقیقت میں تابع ہے۔ حاکم اُس مسئلہ اور قضیہ کا فیصلہ اُس قضیہ کی حقیقت کی اقتضائی کے مطابق کرے گا۔ حاکم اپنی طرف سے کوئی فیصلہ نہیں کر سکتا۔ پس محکوم علیہ یعنی مسئلہ بسبب اُس صورت اور رُؤدَد کے جو اُس میں ہے، اپنے حاکم پر حکم کر نیوالا ہے کہ وہ حاکم اُس محکوم علیہ یعنی مسئلہ پر اُس محکوم علیہ کی استعداد یعنی مسئلہ کی صورت اور رُؤدَد کے مطابق حکم کرے۔ لہذا حاکم حقیقت میں محکوم علیہ ہے کیونکہ وہ حکم صادر کرنے میں محکوم علیہ یعنی مسئلہ کا تابع ہے۔ تو گویا حاکم حکم جاری کرنے میں مسئلہ کی رُؤدَد اور حقیقت کا تابع ہے، ایسے ہی اللہ تعالیٰ بندوں پر احکام جاری کرنے میں بندوں کے اعیان ثابتہ کی استعدادات کا تابع ہے۔

پس اے طالب! اس مسئلہ قدر کی تحقیق کر لے کیونکہ مسئلہ قدر اپنے شدت ظہور کی وجہ سے مجہول ہوا ہے۔ پس مسئلہ قدر نہیں پہچانا جاتا ہے اور اکثر لوگ اسکو طلب کرتے اور اس کے پانے کیلئے زاری کرتے ہیں۔ کوئی چیز باطن میں ہونے کی وجہ سے نظر نہ آئے، ہر کوئی تسلیم کرتا ہے لیکن ایک چیز شدت ظہور کی وجہ سے نظر نہ آئے قابل غور ہے۔ قرص آفتاب دوپہر کے وقت شدت ظہور کی وجہ سے نظر نہیں آتی۔ اسی طرح مسئلہ قدر غار فوں کے نزدیک صاف عیان ہے لیکن جہلا اس کو نہیں جانتے۔

اے طالب! اس بات کو جان لے کہ تحقیق جملہ رسل صلوات اللہ علیہم باعتبار رسالت نہ باعتبار ولایت و معرفت، ان مراتب پر ہیں جن پر ان کی امتیں ہیں پس رسل وہ ہی علم دیکر بھیجے گئے ہیں جن کی انکی امتیں محتاج ہیں، نہ زائد نہ کم یعنی ہر رسول جو احکام شریعت لایا ہے وہ اس کی امت کی استعداد اور طلب کی مطابق ہے۔ اور چونکہ امتوں میں سے بعض بعض پر فضیلت رکھنے والی ہیں اسلئے رسولوں کو علم رسالت میں بوجہ تفاضل ان کی امتوں کے ایک دوسرے پر فضیلت حاصل ہے بقولہ تعالیٰ (يَلِكَ الرَّسُلُ فَضْلًا بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ) یہ رسل ہیں ان میں سے بعض کو بعض پر ہم نے فضیلت دی۔ رسل کی ایک دوسرے پر فضیلت کی ایک وجہ امتوں کی ایک دوسرے پر فضیلت ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ ان کو اپنے علوم و احکام جن کا تعلق ان کی ذات و استعدادات سے ہے، ایک دوسرے پر تفاضل حاصل ہے بقولہ تعالیٰ (وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيِّينَ عَلَى بَعْضٍ) اور تحقیق ہم نے بعض انبیاء کو بعض پر فضیلت دی۔ اور خلق کے حق میں بھی اللہ تعالیٰ نے فرمایا (وَاللَّهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلَى بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ) اور اللہ تعالیٰ نے رزق میں تم میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی۔ رزق دو قسم پر ہے ایک روحانی جیسے علوم وغیرہ دوسرے حسی جیسے ظاہری غذا تے جسم۔ اور رزق کو اللہ تعالیٰ اندازہ معلوم کیسا نازل کرتا ہے اور وہ اندازہ معلوم خلقت کا استحقاق اور استعداد ہے جسکے مطابق خلقت طلب کرتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہر شے کو اس کی استعداد عطا کی۔ پس حق تعالیٰ جس قدر رزق چاہتا ہے نازل کرتا ہے اور نہیں چاہتا ہے مگر اس قدر کہ اسے جان لیا لہذا اس علم کے مطابق اللہ تعالیٰ نے حکم کیا۔ اور جیسا کہ سابق میں ذکر کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم وہ ہے جو معلوم نے اپنی ذات سے اللہ تعالیٰ کو عطا کیا یعنی ممکنات کے اعیان ثابتہ نے زبان استعداد سے مرتبہ علم میں اپنا استعدادی علم حق تعالیٰ کو عطا کیا اور حق تعالیٰ نے اس علم کے مطابق احکام جاری کئے۔ پس قوت کا معین کرنا جس کو قدر کہتے ہیں اصل میں معلوم کیلئے ہے کیونکہ کسی شے معلوم کا عین ثابتہ اگر ظہور کا تقاضا نہ کرتا اور کسی وقت معین کی تخصیص کا مقتضی نہ ہوتا تو حق تعالیٰ کی قضاء و علم و ارادہ اور مشیت ہرگز اس کے متعلق نہ ہوتا پس حق

تعالیٰ کی قضا و علم و ارادہ اور مشیت قدر کے تابع ہیں۔ یہ سہر قدر اَجَلِ عُلُوم میں سے ہے اور حَقُّ تعالیٰ یہ سہر قدر صرف اُس شخص کو سمجھاتا ہے جسکو حَقُّ تعالیٰ نے معرفتِ تامہ کیساتھ مختص کر لیا ہے۔ سہر قدر کا علم سہر قدر کے عالم کو راحت کُلّی اور عذابِ الیم دونوں عطا کرتا ہے۔ چونکہ عارفِ کامل سہر قدر سے واقف ہے اسلئے وہ جانتا ہے کہ قضا و قدر کی طرف سے جو حالات مخلوق پر وارد ہو رہے ہیں وہ اُن کے اعیانِ ثابتہ کی مراد کے موافق ہیں اُن میں کمی بیشی جائز نہیں۔ اسلئے وہ کسی چیز میں کمی یا زیادتی کا طالب نہیں لہذا راحت کُلّی اُس کو نصیب ہے۔ لیکن بعض حالات مثلاً مرض و تنگدستی وغیرہ جو اُس کی طبع کے بظاہر مخالف ہیں، کو جب اپنے عینِ ثابتہ کے مطابق دیکھتا ہے تو اُس کو رنج ہوتا ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ یہ چیزیں اُس سے دفع نہ ہوں گی۔ پس سہر قدر کا علم دو نقیضوں کو عطا کرتا ہے یعنی راحت اور عذاب اور اسی سہر قدر کے سبب حَقُّ تعالیٰ نے اپنی ذات کا وصف غضب اور رضا کیساتھ کیا ہے۔ مراد یہ ہے کہ اہل سعادت مظہرِ جمال ہیں اور اُن کے اعیانِ ثابتہ نے حَقُّ تعالیٰ سے جمال یعنی رضا طلب کی۔ اہل شقاوت مظہرِ جلال ہیں اور اُن کے اعیانِ ثابتہ نے حَقُّ تعالیٰ سے جلال یعنی غضب طلب کیا۔ پس اہل سعادت رضا طلب کرتے ہیں اور اہل شقاوت غضب طلب کرتے ہیں اور اسی لئے اسمائے الہیہ بھی باہم مقابل ہوتے یعنی سَعْدِ کَرِ اِسمِ ہادی ہر اور اَشْقِیاءِ کَرِ اِسمِ مُضِلّ ہے، سَعْدِ کَرِ اِسمِ رَحِیم ہے اور اَشْقِیاءِ کَرِ اِسمِ مُنْتَقِم ہے، عَلٰی ہَذَا الْقِیَاس۔ فَحَقِیْقَتُهُ تَحْکُمُ الْاَمْرَ پس سہر قدر کی حقیقت موجودِ مطلق اور موجودِ مقید میں حُکْم کرتی ہے۔ موجودِ مطلق سے مراد ذاتِ حق ہے اور موجودِ مقید سے مراد خلق ہے۔ موجودِ مطلق اور موجودِ مقید دونوں کی صورت پر اللہ تعالیٰ کا ظہور ہے۔ تعینات کا نام مرتبہ ذات میں شیونات ہے، مرتبہ علم میں معلومات یا اعیانِ ثابتہ ہے، مرتبہ شہادت یا خلق میں موجودات یا ممکنات ہے۔ موجودِ مطلق سے مراد ذات کے حقیقی مراتب میں وجودِ مقید یعنی خلق یا ممکناتِ عالم کے اعیانِ ثابتہ نے جو موجودِ مطلق کا مرتبہ ہے، اپنی اِسَانِ استعداد سے جو کچھ حَقُّ تعالیٰ سے طلب کیا، حَقُّ تعالیٰ نے اُس کے مطابق احکام جاری کر دیئے پس اب جو کچھ خلق پر وارد ہوتا ہے وہ سہر قدر کے ماتحت ہے۔ اسی طرح احکام جاری کرنے میں حَقُّ تعالیٰ بھی سہر قدر کے ماتحت ہے۔ لہذا سہر قدر حق اور خلق دونوں پر حاکم ہے۔ ممکن نہیں کہ کوئی شے سہر قدر سے زیادہ کامل و زیادہ قوی و زیادہ بزرگ ہو کیونکہ سہر قدر ایک ایسی شے ہے جو شقی اور سعید دونوں کو شامل ہے۔ مراد یہ ہے کہ اہل شقاوت کے احکام اور اہل سعادت کے اور لیکن سہر قدر اَشْقِیاء اور سَعْدِ کَرِ دونوں پر ایک جیسا حاوی ہے۔

اور چونکہ انبیاء و صلوات اللہ علیہم علوم کو سوائے خاص و حی الہی کے نہیں اخذ کرتے تھے اسلئے اُنکے قلوب

نظر عقلی سے سادہ تھے۔ وہ جانتے تھے کہ جزوی عقل نظر فکری سے امور کی حقیقت کے ادراک سے قاصر ہے۔ مراد یہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام اپنے جزوی عقل سے کوئی چیز قبول نہیں فرماتے تھے بلکہ اُن کے جملہ علوم کا ماخذ وحی الہی تھا۔ ایسے ہی اخبار الہیہ کے توسط سے انسان حقیقت اشیاء کے ادراک سے قاصر ہے۔ جملہ امور کی حقیقت کا ادراک ذوق اور دل کی سمجھ سے حاصل ہوتا ہے۔ پس عارف کو علم کامل نصیب نہیں ہوتا جب تک اُس کو تجلی الہی نصیب نہ ہو اور جب تک اللہ تعالیٰ اُس کی ظاہری و باطنی آنکھوں سے پردے نہ اٹھا دے۔ جب اُس کو تجلی الہی نصیب ہوگی اور دل سے حجاب اٹھ جائیں گے تو وہ امور کی حقیقت کا ادراک کر لگا۔ اُس وقت وہ قدیم اور حادث، عدم اور وجود، ممتنع اور واجب اور ممکن کا ادراک کر لگا۔ نیز وہ ممکنات کے حقائق و اعیان ثابتہ کا ادراک کر لگا۔ جب دل سے حجاب اٹھ جائیں گے تو وہ امور کی حقیقت کا ادراک کر لگا۔ یعنی اس راز کو پالے گا کہ ہر شے کی حقیقت حق تعالیٰ ہے جیسے ہر حرف کی حقیقت سیاہی ہے یا ہر کپڑے کی حقیقت روتی ہے یا ہر زیور کی حقیقت سونا چاندی ہے۔ نیز وہ ادراک کرتا ہے کہ وہ ہی ذات قدیم بھی ہے اور حادث بھی ہے۔ یعنی اُس ذات کی دو جہتیں ہیں، ایک جہت حقیقی ہے دوسری جہت خلقی ہے۔ مراتب لا تعین میں اُس کا نام حتی ہے، مراتب تعین میں اُس کا نام خلق ہے۔ مراتب حقیقی میں وہ وجود قدیم ہے، مراتب خلقی میں وہ وجود حادث ہے۔ قدیم وہ ہے جو ازلی ہو۔ حادث وہ ہے جو پہلے موجود نہ ہو اور پھر موجود ہو۔ حق قدیم ہے خلق حادث ہے۔ لیکن وہ ہی وجود قدیم میں قدیم ہے اور حادث میں حادث ہے۔ نیز وہ عدم اور وجود کا ادراک کرتا ہے۔ عدم وہ ہے جس کا نہ ہونا ضروری ہو اور وجود وہ ہے جس کا ہونا ضروری ہو۔ وجود اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور عدم محض لا شے ہے جیسے شریک باری تعالیٰ۔ نیز وہ عارف ممتنع اور واجب اور ممکن کا ادراک کرتا ہے۔ ممتنع الوجود وہ ہے جس کا نہ ہونا ضروری ہو اور وہ غیر اللہ ہے۔ واجب الوجود وہ ہے جس کا ہونا ضروری ہو اور وہ اللہ تعالیٰ ہے۔ ممکن الوجود وہ ہے جس کا ہونا نہ ہونا دونوں برابر ہوں یعنی نہ وجود ضروری ہو نہ عدم اور وہ عالم ہے۔ نیز وہ عارف ممکنات کے حقائق و اعیان ثابتہ کا ادراک کرتا ہے۔ عارفین کے نزدیک ہر شے کے دو وجود ہیں ایک ظاہری خارجی وجود، دوسرا اُس شے کا علم الہی میں علمی وجود۔ کسی ممکن کے علمی وجود کا نام اُس کی حقیقت یا اُس کا عین ثابتہ ہے۔

چونکہ عزیر علیہ السلام کا سوال طریقہ مخصوص پر تھا یعنی چونکہ آپ نے حق تعالیٰ سے بوجہ سادہ دلی اور بطریق تعجب سوال کیا تھا اسلئے آپ پر عتاب الہی نازل ہوا جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہوا۔ اگر عزیر علیہ السلام

اطمینان قلب کیلئے کشف طلب کرتے چسکا ہم نے پہلے ذکر کیا ہے تو سوال کرنے میں اُن پر عتاب واقع نہ ہوتا۔ اُن کی سادہ دلی اور تعجب پر آپ کا یہ قول (اَتَىٰ يُعْجَىٰ هَذِهِ اللَّهُ بَعْدَ مَوْتِهَا) دلیل ہے۔ جب حضرت عزیر علیہ السلام شہر بیت المقدس کے پاس سے گزرے اور شہر کو ویران دیکھا تو تعجب سے سوال کیا کہ رب تعالیٰ اب اس ویران شہر کو کیسے آباد کرے گا۔ اس سوال کرنے کی کئی وجوہات ہیں لیکن ایک وجہ آپ کی سادہ دلی بھی ہے۔ اس سوال کرنے پر جو عتاب نازل ہوا وہ یہ ہے لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهَ لَأَمْحُوتَنَّ اِسْمَكَ مِنْ دِيْوَانِ النُّبُوَّةِ اگر تو باز نہ آئیگا تو البتہ تیرا نام دیوان نبوت سے مٹا دوں گا۔ وَاَمَّا اَنْتَ اَوَّلُ لِيْکِن ہمارے نزدیک عزیر علیہ السلام کی صورت حال اُن کے اس قول (اَتَىٰ يُعْجَىٰ هَذِهِ اللَّهُ بَعْدَ مَوْتِهَا) میں مثل صورت حال ابراہیم علیہ السلام کے ہے بیچ اُنکے قول کے جو یہ ہے (رَبِّ اَرْنِي كَيْفَ تُحْيِي الْمَوْتَى)۔ مراد یہ ہے کہ یہ قول عام لوگوں کا ہے کہ عزیر علیہ السلام نے سوال بطور تعجب کے کیا تھا کیونکہ اُس قادر مطلق کی قدرت پر تعجب تو ایک عام مومن بھی نہیں کرتا، بھلا وہ نبی ہو کہ تعجب کیسے کر سکتے تھے۔ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرح سوال کا جواب بالفعل چاہتے تھے نہ کہ بالقول جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس سوال کا جواب بالفعل اُنکی ذات میں ظاہر کیا یعنی اُنکو بارہ سو سال کی بعد زندہ کیا بقولہ تعالیٰ (فَاَمَاتَهُ اللَّهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهُ)۔ نیز عزیر علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ نے اُنکے مردہ گدھے کی ہڈیوں پر گوشت پوست چڑھایا۔ یہ بھی جواب بالفعل تھا بقولہ تعالیٰ (وَاَنْظُرْ اِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنْشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوْهَا عَصَاً)۔ پس عزیر علیہ السلام نے معاینہ کیا کہ اجسام معاینہ میں واقعی کیسے اُگتے ہیں اور حق تعالیٰ نے زندہ کرنے کی کیفیت آپ کو دکھائی۔ نیز عزیر علیہ السلام کا سوال ستر قدر کے متعلق تھا کہ بیت المقدس کا ویران شدہ شہر کیسے اور کس وقت دوبارہ آباد ہوگا۔ اس سے یہ ثابت ہوا کہ آپ ستر قدر سے واقف نہ تھے اور آپ نے ستر قدر کی معرفت کیلئے حق تعالیٰ سے درخواست کی۔ ستر قدر وہ راز ہے جسکا ادراک سوائے کشف کے نصیب نہیں ہو سکتا۔ یعنی عارف کامل کو اشیاء کے اعیان ثابۃ کا حال عدم میں علم نصیب ہو پس یہ علم قدر عزیر علیہ السلام کو عطا نہیں کیا گیا کیونکہ یہ علم اطلع الہیۃ کے خصائص میں سے ہے یعنی ستر قدر کا علم اخص الخواص افراد کو نصیب ہے۔ ہر عارف کو نصیب نہیں۔ ستر قدر کا علم صرف اُن افراد کو نصیب ہے جنکی رسائی علم الہی تک ہے۔ تو گویا ستر قدر کا علم محالات میں سے ہے، اس کو سوائے حق تعالیٰ کے اصالتاً کوئی نہیں جانتا کیونکہ اعیان ثابۃ خرائن اول ہیں۔ یعنی موجودات مرتبہ ذات یعنی مرتبہ احدیت میں شیونات حق ہیں اور مرتبہ علم تفصیلی یعنی مرتبہ واحدیت میں اعیان ثابۃ ہیں یا موجودات کا مرتبہ علم میں معلومات نام ہے اور مرتبہ خلق یا شہادت میں ان کا نام موجودات خارجی یا اعیان خارجی ہے۔ پس مرتبہ علم میں معلومات یا اعیان ثابۃ کی صورت

عتاب الہی وارد ہوا تو ہم نے جان لیا کہ تحقیق آپ نے اس اطلاع کو طلب کیا تھا یعنی آپ نے حق تعالیٰ سے وہ قدرت طلب کی تھی جو مقدور کیساتھ متعلق ہو۔ مراد یہ ہے کہ آپ نے حق تعالیٰ سے قدرت تکوین طلب کی تھی۔ اور اس قدرت کا وہ ہی تقاضا کر سکتا ہے جسکے لئے وجود مطلق ہو۔ یعنی جب سالک پر حالت فنا یا طاری ہوتی ہے تو اس کا بشری وجود گداز ہو جاتا ہے اور مادہ سے فارغ ہو جاتا ہے۔ روح القدس جسم کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ اس وجود کا نام وجود حقانی یا وجود موہوب الہیہ ہے۔ اس وجود کیساتھ عارف کو صفات کاملہ الہیہ نصیب ہو جاتی ہیں۔ پس عزیر علیہ السلام نے وہ چیز طلب کی جسکا ذوق خلقی اور بشری وجود کیلئے ناممکن ہے حالانکہ صفات کاملہ الہیہ کی کیفیات کا ادراک بغیر اذواق کے ناممکن ہے۔ مراد یہ ہے کہ جب تک کوئی فنا و بقا کی لذت حاصل نہ کرے اور وجود موہوب حقانی سے مشرف نہ ہو، تب تک وہ صفات کاملہ الہیہ کی خوشبو بھی نہیں سونگھ سکتا۔ اس مقام پر محض ربوبیت کی خوشبوئیں مہکتی ہیں۔

وَأَمَّا مَا أَنَا فِي بَيْنِ يَدَيْهِمْ فَهُمْ غَافِلُونَ۔ روایت کی ہے اُس چیز میں سے ہے جو اللہ تعالیٰ نے عزیر علیہ السلام کی طرف وحی کی ہے اور وہ یہ ہے لَيْسَ لَكَ تَنْتَهُ لَا مَخُوفَ إِسْمِكَ مِنْ دِيْوَانِ النَّبُوءَةِ اگر تو اپنے آپ کو باز نہ رکھیں تو البتہ میں تیرا نام دفتر نبوت سے مٹا دوں گا۔ یعنی تجھ سے طریق خبر کو اٹھا دوں گا اور تجھے وہ علوم عطا کر دوں گا جن کا تعلق تجلی الہی سے ہے۔ مراد یہ ہے کہ نبوت احکام شریعت کی تبلیغ ہے اور نبی کو اللہ تعالیٰ صرف احکام شریعت کی خبر دیتا ہے جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کے قصہ میں منقول ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام علم اسرار سیکھنے کیلئے حضرت خضر علیہ السلام کے پاس گئے اور واپس آگئے۔ حضرت خضر علیہ السلام بلاشبہ ولی ہیں۔ جب حضرت عزیر علیہ السلام نے ستر قدر کے متعلق سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ علم ولایت میں سے ہے اور اگر آپ اصرار کریں گے تو ہم آپ کو ستر دست دفتر نبوت سے کاٹ دیں گے اور آپ کو تجلی الہی ایسی نصیب ہوگی جس سے آپ اس مقام ولایت پر پہنچ جائیں گے۔ لہذا اللہ تعالیٰ نے آپ پر تجلی کی اور آپ فنائے تام کے مقام پر پہنچ گئے يَقُولُ تَعَالَى (فَأَمَّا تَعَالَى) اور آپ عالم محویت اور استغراق میں سو برس رہے يَقُولُ تَعَالَى (مِائَةِ عَامٍ)۔ سو برس کے بعد وہ سُکر سے صحو میں لائے گئے جو مقام تمکین و استقامت ہے يَقُولُ تَعَالَى (ثُمَّ بَعَثْنَا)۔ اب وہ فنا اور بقا اور استقامت سے مشرف ہو کر ستر قدر سے واقف ہو گئے اور دوبارہ اللہ تعالیٰ نے اُن کو اپنی قوم میں بحیثیت نبی مبعوث کیا يَقُولُ تَعَالَى (ثُمَّ بَعَثْنَا)۔ وَاللَّجَجِي لَا يَكُونُ لَكَ اور اے عزیر! تجلی الہی تیرے عین ثابہ کی استعداد کے مطابق ہوگی کیونکہ ادراک ذاتی استعداد کے مطابق واقع

ہوتا ہے یعنی تیرے عین ثابۃ نے لسان استعداد سے جو علوم طلب کئے وہ ہم نے مرتبہ علم میں تجھے عطا کر دیئے اور اب تجلی الہی اُسی کے موافق ہوگی۔ پس اب تو جان لیگا کہ تجلی الہی کے باعث تو صرف وہ چیز ادراک کر لیگا جو تیری استعداد کے مطابق ہے۔ اب تو اُس امر میں غور کر جو تو نے طلب کیا یعنی بہر قدر میں اور اگر تو اُس علم کو اپنے میں نہ پاتے تو جان لے کہ یہ علم تیری یعنی خلق کی استعداد کے مطابق نہیں۔ یہ علم اُس وقت نصیب ہوتا ہے جب عارف مراتب حقیقی میں پہنچ کر صفات کاملہ الہیہ سے مشرف ہو جاتا ہے۔ اب تو نے جان لیا کہ تحقیق اللہ تعالیٰ نے ہر شے کو اُس کی استعداد عطا کی ہے (قَالَ رَبُّنَا الَّذِي أَعْطَى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهُ)۔ پس جب اللہ تعالیٰ نے تجھ کو یہ استعداد خاص عطا نہیں کی تو وہ تیرا خلق اور حصہ نہیں ہے یعنی بہر قدر خلق کے فہم سے بالاتر ہے اور اگر تیری استعداد کے مطابق یہ علم ہوتا تو اللہ تعالیٰ تجھے عطا کر دیتا جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے (قَالَ رَبُّنَا الَّذِي أَعْطَى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهُ)۔ پس اب تو خود اپنی ذات سے اس قسم کے سوال سے باز رہیگا اور باز رہنے میں نہی الہی کی طرف محتاج نہ ہوگا۔ یعنی اب جب تجلی الہی تجھے نصیب ہوگی تو تو اُس بہر قدر کے علم سے مشرف ہو جائیگا اور نہ تجھے سوال کی ضرورت پڑے گی اور نہ حق تعالیٰ کو نہی کی ضرورت پڑے گی۔ اور یہ خطاب اللہ تعالیٰ کی طرف سے عزیر علیہ السلام پر عنایت ہے۔ خطاب الہی تھا لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ لَأَمْحُوكَ مِنْ دِيَارِ النَّبِيِّتِ۔ اس خطاب الہی کی حقیقت کو صرف عارفین باللہ نے سمجھا ہے۔ مجاہدین نے اسکو نہیں سمجھا۔

اے طالب! اس امر کو جان لے کہ ولایت ایک فلک ہے جو محیط عام ہے۔ اور اسی لئے ولایت منقطع نہیں ہوتی اور ولایت کی واسطے اخبار عام ہیں۔ یعنی کسی ہستی کا قلبی یا روحی تعلق ساتھ اللہ تعالیٰ کے ولایت کے اسم سے موسوم ہے تو گویا ولایت سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات میں سیر کرتا ہے۔ اسی کو سیر فی اللہ کہتے ہیں۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کی تجلیات غیر متناہی ہیں لہذا اللہ تعالیٰ کے علوم بھی غیر متناہی ہیں۔ اسلئے سیر فی اللہ کی کوئی حد و غایت نہیں۔ یہ سیر مستدیر ہے گویا عارف باللہ ایک دائرہ کے گرد گھوم رہا ہے۔ اس سیر کی کوئی غایت نہیں اسی لئے یہ سلسلہ ولایت یعنی سیر فی اللہ ابد الابد تک جاری رہتا ہے۔ اس کے منقطع ہونے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ پس آسمان ولایت محیط عام ہے یعنی لامتناہی اسرار کو محیط ہے اسلئے اس فلک ولایت کی پیمائش کرنا ناممکنات سے ہے۔ اور ولایت کیلئے اخبار عام ہیں یعنی ولایت کے اسرار جو خاتم الاولیاء علی سرکار جناب حضرت غوث اعظم پاک پیران پیر دستگیر محبوب سبحانی شیخ سید عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ انبیاء اور اولیاء علیہم السلام کو پڑھاتے ہیں حد و عدد سے خارج ہیں۔ اور لیکن نبوت تشریفی و رسالت منقطع ہونے والی

ہے کیونکہ ہر رسول کی ایک نئی شریعت تھی جو سابقہ شرائع کی ناسخ ہوتی تھی اور سرکارِ دو عالم جناب محمد پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ظہور سے نبوت منقطع ہو گئی پس آپ کے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا یقولہ علیہ السلام لَا نَبِيَّ بَعْدِي۔ اس حدیث شریف سے مراد یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی مُشرِّع نبی نہیں ہوگا اور نہ ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے کوئی مُشرِّع نبی ہوگا۔ مُشرِّع نبی وہ نبی ہے جو نئی شریعت لاتے اور مُشرِّع نبی وہ نبی ہے جو سابقہ شریعت کی پابندی کرے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی رسول بھی نہ ہوگا جو نئی شریعت لاتے۔ نبی مُشرِّع اور رسول مُشرِّع میں کوئی فرق نہیں۔ رسول مُشرِّع کا ذکر علیحدہ خاص طور پر اسلئے کیا گیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی یا رسول نہیں آئیگا لیکن آپ کے بعد ہر زمانہ میں ایک ایسا فرد کامل ہوتا رہیگا جس میں حقیقت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا ظہور ہوگا اور وہ فنا فی الرسول کے مقام سے مُشرَّف ہوگا۔ وہ فرد کامل قُطبِ زمان ہے اور ہر زمانہ میں ایک ولی اس منصب پر فائز کیا جاتا ہے۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی فرد کامل نبی یا رسول کے لقب سے مُلقب نہیں ہو سکتا۔ اور اس حدیث شریف لَا نَبِيَّ بَعْدِي نے اولیاء اللہ کی کمر توڑ دی ہے کیونکہ یہ حدیث شریف عبودیت کا ملہ تائمہ کے ذوق کے انقطاع کو متضمن ہے عبودیت کا کمال نبوت و رسالت ہے یعنی نبوت و رسالت کیساتھ عبد کا وجود ثابت ہے لیکن ولایت میں عبد فانی فی اللہ ہو کر باقی باللہ ہو جاتا ہے اور اس میں ربوبیت کی خوشبوئیں مہکنے لگ جاتی ہیں۔ نبی و رسول میں کمال عبودیت ہے اسلئے وہ احکام شریعت کا پورا پورا نگہبان ہے۔ ولی مقام محویت اور استغراق میں احکام شریعت کی نگہبانی نہیں کر سکتا۔ پس کمال نبوت و رسالت کے منقطع ہو جانے سے کمال عبودیت کا ذوق بھی منقطع ہو گیا یعنی احکام شریعت کی اطاعت تائمہ بھی منقطع ہو گئی۔ لہذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی عبد پر عبودیت تائمہ کا اطلاق جائز نہیں کیونکہ ولی بوجہ محویت اور استغراق کے عبودیت تائمہ سے محروم ہو جاتا ہے۔ عبد جب فانی فی اللہ ہو جاتا ہے تو اپنے مالک کیساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا۔ یعنی اس مقام پر عبد کا وجود ختم ہو جاتا ہے اور باقی اللہ ہی اللہ رہ جاتا ہے۔ یعنی نبوت اور رسالت کا تعلق عبودیت سے ہے۔ اللہ تعالیٰ کا نام نبی و رسول نہیں مگر ولی اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ایک اسم ہے اور اس اسم کیساتھ اس نے اپنی صفت بیان کی ہے یقولہ تعالیٰ (اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا) (وَهُوَ اَوْلٰی الْاَحْمِیْد)۔ اور اب یہ اسم "ولی" اللہ کے بندوں پر دُنیا و آخرت میں باقی اور جاری ہے پس نبوت اور رسالت کے انقطاع کے سبب کوئی ایسا اسم سوائے "حق" کے باقی نہیں رہا جس سے عبد مختص ہو سکے یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کوئی ولی خواہ کتنی ترقی کر جائے خواہ ذات حق میں محو ہو کر عین حق ہو جائے،

نبی اور رسول کے اسم سے موسوم نہیں ہو سکتا۔ یہ سرکارِ دو عالم جناب محمد پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص اور کمالِ نادرہ میں سے ہے کہ اب ابدالاً بادتک کسی نبی و رسول کی ضرورت نہیں۔ ہاں البتہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر چونکہ مہربان ہے اسلئے نبوت عامہ اُن میں باقی رکھی ہے۔ یعنی نبوتِ تشریعی تو ختم ہے لیکن احکامِ شریعت خاتمِ الرسل صلی اللہ علیہ وسلم میں اجتہاد باقی رکھا ہے اور اُن کیلئے شریعت میں وراثت باقی رکھی ہے۔

لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَلْعِلْمَاءُ وَرَثَةُ الْاَنْبِيَاءِ عُلَمَاءُ اَنْبِيَاءِ كَيْفَ وَارِثُ هِيَ۔ اور نبوت میں میراث سوائے اس کے نہیں ہے کہ وہ احکامِ شرعیہ میں اجتہاد کریں لہذا اُنہوں نے احکامِ شرعیہ میں اجتہاد کیا۔ پس جبوقت تو کسی نبی کو ایسی کلام کرتے دیکھے جو شریعت سے خارج ہو تو اُس کی وہ کلام اُسکے ولی اور عارف ہونے کی حیثیت سے ہوگی جیسا کہ قرآن مجید اور احادیث شریف میں بہر توحید کے متعلق کلام موجود ہے وَهُوَ هَذَا اِلَّا اَنْ تَنْتَبِهَ اَيُّهَا يَعُونُ اَللّٰهُ طَيْدُ اَللّٰهِ فَوْقَ اَيِّدٍ يُّهْمُوهُ مَنْ يُطِيعُ الرَّسُولَ فَقَدْ اَطَاعَ اَللّٰهَ وَمَا رَمَيْتَ اِذَا رَمَيْتَ وَلَٰكِنَّ اَللّٰهَ رَمٰى ۝ مَنْ رَاْنِيْ فَقَدْ رَاْنِيْ اَلْحَقَّ وَغَيْرُ ذٰلِكَ۔ اب ایسی کلام کو عارفین باللہ ہی سمجھتے ہیں۔ اور اسی لئے اُس نبی کا مقام باعتبارِ عالم ربّانی اور ولی ہونیکے اُس کے رسول ہونے سے اتم و اکمل ہے خواہ وہ نبی مُشرّع ہو یا مُشرّع ہو یعنی خواہ وہ نبی نئی شریعت لایا ہو یا سابقہ شریعت کی تبلیغ کرنیوالا ہو۔ پس جب تو کسی اہل اللہ کو یہ کہتے سنے یا تجھ سے نقل کیا جاوے کہ وہ کہتا ہے کہ ولایت نبوت سوا علی ہے تو اُس کی وہ ہی مراد ہے جو ہم نے بیان کی ہے۔ یا اگر کوئی اہل اللہ کہتا ہے کہ ولی نبی و رسول پر فوق ہے تو وہ اس قول سے مراد شخص واحد میں لیتا ہے اور وہ مراد یہ ہے کہ تحقیق ایک رسول علیہ السلام باعتبارِ ولی ہونے کے باعتبارِ نبی و رسول ہونے کے سے افضل و اتم ہے۔ یعنی ایک رسول کی جہت ولایت اُس رسول کی جہت نبوت و جہت رسالت سے افضل ہے۔ اس قول سے یہ ہرگز مراد نہیں کہ ایک ولی ہو اُس رسول کا تابع ہے اُس سے اعلیٰ ہے کیونکہ تابع متبوع کے مقام کو ہرگز ادراک نہیں کر سکتا کیونکہ اگر تابع متبوع کا مقام حاصل کر لے تو ہرگز اُس کے تابع نہ رہے۔ پس اے طالب! اس راز کو سمجھ لے۔ اسی لئے خاتم الاولیاء علی سرکار جناب حضرت غوثِ اعظم پاک پیرانِ پیر دستگیرِ محبوب سبحانی شیخ سید عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ اگرچہ سابقہ انبیاء علیہم السلام سے افضل ہیں لیکن سرکارِ دو عالم رحمۃ للعالمین شفیع المذنبین محبوب رب العالمین خاتم الرسل جناب محمد پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تابع ہیں۔ اگرچہ بظاہر خاتم الاولیاء رضی اللہ عنہ خاتم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع ہیں اور خاتم الاولیاء رضی اللہ عنہ و خاتم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کے دو علیحدہ علیحدہ وجود نظر

آرہے ہیں لیکن حقیقت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم ستر الہی ہیں اور خاتم الاولیاء رضی اللہ عنہ کی صورت پر بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور ہے یَقُولُ تَعَالٰی (وَالشَّفَعُ وَالْوَسِيلُ)۔ چونکہ جملہ انبیاء و اولیاء علیہم السلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع ہیں اسلئے کوئی نبی یا ولی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام مبارک کو ادراک نہیں کر سکتا۔ اگرچہ مکمل عارفین رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں حقیقت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا ظہور ہوا ہے لیکن یہ ظہور اُن کی استعداد کے مطابق ہے نہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی استعداد کے مطابق۔ نیز ہر استعداد ایک خاص تجلی الہی ہے اور تجلیات الہیہ چونکہ غیر مکرر ہیں اسلئے استعدادات سب مختلف ہونگی۔ بنا بریں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی استعداد مبارک کسی نبی یا ولی کو نصیب نہیں ہو سکتی۔ لہذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات کو کوئی نبی، ادراک نہیں کر سکتا اور نہ ہی کوئی جن یا فرشتہ ادراک کر سکتا ہے اور یہ ہی وجہ ہے کہ جمیع خلائق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع ہیں مَرَّجِعُ الرَّسُولِ الْاٰخِرِ رَسُوْلٌ اَوْ رَبِّیْ مُشْرِعٌ کَا مَرْجِعِ وِلَایْتِ اَوْ عِلْمِ ہے۔ رسول اور نبی مُشْرِع سے مراد امر واحد ہے یعنی صاحب کتاب اور صاحب شریعت نبی۔ نبی مُشْرِع سے مراد وہ نبی ہے جو سابقہ شریعت کی پابندی کرے۔ اسلئے فرمایا کہ ہر رسول کا مرجع ولایت اور علم ہے یعنی رسول جو احکام شریعت و احکام معرفت اپنی اُمت کو پڑھاتا ہے اُن احکام کو وہ قوت ولایت اور علم باللہ سے حاصل کرتا ہے۔ اُن کا معدن وحی الہی ہے۔ وہ اُن احکام میں اپنی رائے کو دخل نہیں دیتا بلکہ وہ احکام وحی الہی کا ثمرہ ہوتے ہیں۔ لہذا ثابت ہوا کہ رسالت اور نبوت کا اصل گوہر اور جوہر ولایت اور علم معرفت ہے اسی لئے رسول اور نبی کی جہت ولایت اُس کی جہت رسالت و نبوت سے اعلیٰ ہے۔ کیا تو نہیں دیکھتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے امر کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ سے علم میں زیادتی طلب کریں نہ کہ کسی اور چیز میں یَقُولُ تَعَالٰی (قُلْ رَبِّ رِزْقِیْ عَلَیْکَ) پس ثابت ہوا کہ کسی ہستی کا کمال ساتھ علم باللہ کے ہے۔ چونکہ خاتم الاولیاء حضرت غوث اعظم پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے علم ولایت جملہ سابقہ انبیاء و اولیاء علیہم السلام کو پڑھایا ہے جیسا کہ نصوص شیشی میں مذکور ہوا، اسلئے آپ کی تفصیلات جملہ سابقہ انبیاء و اولیاء علیہم السلام پر ثابت ہے۔

اور وجہ انقطاع نبوت و رسالت کی یہ ہے کہ تحقیق تو جانتا ہے کہ شرع چند اعمال مخصوصہ کا بجا لانا ہے اور چند اعمال مخصوصہ سے باز رہنا ہے اور چونکہ اُن اعمال کا تعلق اس دار دنیا سے ہے لہذا وہ منقطع ہونے والے ہیں۔ اب چونکہ شرع کا تعلق صرف دار دنیا سے ہے اسلئے رسالت و نبوت کا تعلق بھی صرف دار دنیا سے ہے پس رسالت و نبوت منقطع ہونیوالی ہیں۔ لیکن ولایت منقطع ہونیوالی چیز نہیں ہے کیونکہ ولایت سے

مُراد بندے کا اللہ تعالیٰ کیساتھ روحانی تعلق ہے جو کبھی منقطع نہیں ہو سکتا۔ اگر ولایت منقطع ہو جائے تو البتہ باعتبار
 ماہیت کے منقطع ہو جائیگی جیسا کہ رسالت باعتبار ماہیت کے منقطع ہوتی اور اگر ولایت کی ماہیت منقطع ہو
 جاتے تو ولایت کیلئے کوئی اسم باقی نہ رہیگا حالانکہ اسم ولی باقی رہنے والا ہے کیونکہ ولی اللہ تعالیٰ کا اسم ہے۔
 اُس کے بندوں پر اسم ولی کا اطلاق اُس وقت ہوتا ہے جب وہ صفات الہیہ سے متعلق ہو جاتے ہیں اور اُسکی
 ذات میں فانی ہو کر اُس کی ذات سے باقی ہو جاتے ہیں اور مقام استقامت و تمکین پر فائز ہو جاتے ہیں مُراد
 یہ ہے کہ ولی چونکہ اپنی ہستی سے فانی ہوتا ہے اور وجود موموہب الہیہ سے مشرف ہوتا ہے اسلئے ولی کے دار
 دُنیا سے رحلت کرنے پر اُس کی ولایت پر کوئی اثر نہیں پڑتا بلکہ ولایت ابد الابد تک رہتی ہے۔ پس عُزیر کیلئے
 اللہ تعالیٰ کے قول "اگر تو ماہیت قدر کے سوال سے باز نہ رہیگا تو البتہ میں تیرا نام دفتر نبوت سے کاٹ دوں گا"
 سے مُراد یہ ہے کہ یہ ماہیت قدر کا امر تجھ کو بطریق کشف ساتھ تجلی الہی کے نصیب ہو گا اور تجھ سے نبی و رسول کا
 اسم زائل ہو جائیگا۔ اور اُسکے لئے اُس کی ولایت باقی رہیگی۔ اگرچہ حقیقی کا خطاب واسطے عُزیر علیہ السلام کے وعدہ
 اور عنایت ہے کہ اُن کو تجلی الہی سے ہر قدر بطریق کشف نصیب ہو جائیگا لیکن عُزیر علیہ السلام کا قرینہ حال اُس
 امر پر دلالت کرتا ہے کہ تحقیق یہ خطاب الہی مقام وعید میں واقع ہوا کیونکہ ولایت کے دو خاص مراتب نبوت
 و رسالت جن کا تعلق دار دُنیا سے ہے منقطع ہو جاتے تھے۔ قرینہ حال سے مُراد حال نبوت ہے۔ نبوت اور
 رسالت ولایت پر دو زائد مراتب ہیں۔ جو شخص اس حکمت کو جانتا ہے وہ اس بات کو بھی جانتا ہے کہ تحقیق نبی اُس
 ولی سے اعلیٰ ہے چکے پاس نبوت تشریعی اور رسالت نہ ہو اور اسطرح رسول اعلیٰ ہے نبی سے بوجہ زائد مرتبہ
 رسالت کے۔ نیز اُس کے نزدیک یہ بھی ثابت ہے کہ تحقیق یہ خطاب الہی وعدہ ہے نہ کہ وعید اور اس پر دلیل
 یہ ہے کہ وہ جانتا ہے کہ تحقیق عُزیر علیہ السلام کا سوال اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مقبول ہے کیونکہ نبی ولی خاص ہوتا
 ہے اور بوجہ ولایت خاصہ کے محال ہے کہ نبی وہ چیز طلب کرے جسکو اللہ تعالیٰ مکر وہ جانے یا وہ چیز طلب
 کرے جسکے متعلق وہ نبی جانتا ہو کہ تحقیق اُس کا حاصل کرنا محال ہے۔ یعنی عُزیر علیہ السلام کا سوال الہام الہی
 پر مبنی تھا۔ جب اُس عارف کے نزدیک عُزیر علیہ السلام کا سوال امر الہی اور الہام الہی سے تھا تو اُس سوال
 کے جواب میں جو خطاب وارد ہوا وہ لامحالہ وعدہ ہو گا نہ کہ وعید۔ لہذا مذکورہ بالا احوال کی رُو سے وہ عارف
 خطاب الہی (لَا مَحْوَۃَ اِسْمُکَ مِنْ دِیَوَانِ النُّبُوۃِ) کو محل وعدہ ٹھہراتا ہے۔
 اور یہ خطاب الہی ایک خبر ہے جو عُزیر علیہ السلام کے علو مرتبہ پر دلالت کرتی ہے یعنی اُس مرتبہ پر

دلائل کرتی ہے جو نبوت کے دفتر سے نام خارج ہونے کے بعد اُن کیلئے باقی ہوگا اور وہ مرتبہ ولایت ہے اور یہ وہ مرتبہ ہے جو انبیاء و رسل کو دارِ آخرت میں نصیب ہے۔ دارِ آخرت احکام شرع کی تبلیغ کا محل نہیں ہے اور خلق خدا میں سے کوئی شخص بھی جنت یا دوزخ میں اُن دونوں میں داخل ہونے کے بعد احکام شرع کا پابند نہیں ہے۔ اور ہم نے انقطاع احکام شرع کو دارین یعنی جنت اور دوزخ میں دخول کیساتھ اسلئے مقید کیا ہے کہ قیامت کے دن اصحابِ فترت و نابالغ بچوں و دیوانوں پر احکام شرع جاری کئے جائیں گے۔ پس یہ لوگ حشر کے دن ایک جگہ میں جمع کئے جائیں گے تاکہ عدل قائم کیا جاوے اور گناہ کے سبب مواخذہ کیا جاوے اور نیک اعمال کا ثواب اصحابِ جنت کو دیا جاوے۔ اور جب حشر کے دن لوگوں سے علیحدہ یہ لوگ جمع کئے جائیں گے تو اُن میں ایک نبی جو افضل ترین ہوگا مبعوث کیا جائیگا اور اُن کیلئے ایک آگ متمثل ہوگی جس کو یہ نبی مبعوث اُس دن لائیگا۔ پھر وہ نبی اُن کو کہیگا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے تمہاری طرف مبعوث کیا ہے۔ پس اُن میں سے بعض اُس کی تصدیق کریں گے اور بعض اُس کی تکذیب کریں گے۔ اور وہ نبی اُس گروہ کو کہیگا کہ اپنے آپ کو اس آگ میں ڈالو اور جو میری اطاعت کریگا نجات پاوے گا اور جنت میں داخل ہو جائیگا اور جو میری نافرمانی کریگا اور میرے حکم کی مخالفت کرے گا وہ ہلاک ہوگا اور دوزخیوں میں سے ہوگا۔ پس اُن میں سے جو شخص اُس نبی کا حکم بجالائیگا اور اپنے آپ کو اُس آگ میں ڈالیگا وہ سعید ہوگا اور وہ ثواب عملی کو پہنچے گا یعنی جنت میں داخل ہوگا اور اُس آگ کو سرد اور سلامتی والی پائیگا۔ اور جو شخص اُس نبی کی نافرمانی کریگا وہ عقوبت کا مستحق ہو جائیگا پس وہ دوزخ میں داخل ہوگا اور وہ اُس نبی کی مخالفت کے باعث اُس میں داخل ہوگا۔ اور اس گروہ میں نبی کو بھیج کر اُن کا امتحان لینا اسلئے ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُس کے بندوں میں عدل قائم ہو جائے۔ اور اسی کے مطابق اللہ تعالیٰ کا قول ہے (يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ وَيُدْعَوْنَ إِلَى السُّجُودِ فَلَا يَسْتَطِيعُونَ) یعنی اس قول سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ قیامت کے دن احکام شرع کی پابندی کی جائیگی اور جنت و دوزخ میں داخل ہونے کے بعد احکام شرع منقطع ہو جائیں گے۔ (يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ) جس دن پندلی کھولی جائیگی یعنی قیامت کے دن اُمورِ آخرت میں سے ایک امر عظیم دکھایا جائیگا مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ رازِ توحید اُسدن ہر کسی پر فاش کر دیگا۔ (وَيُدْعَوْنَ إِلَى السُّجُودِ) اور لوگ سجدے کی طرف بلائے جائیں گے۔ اور یہ لوگوں میں احکام شرع کی تکلیف و تبلیغ ہوگی پس اُن میں سے بعض سجدے کی طاقت رکھیں گے اور بعض سجدہ کرنے کی طاقت نہ رکھیں گے۔ اور جو لوگ سجدہ کرنے کی طاقت نہ رکھیں گے یہ وہ

لوگ ہیں جن کے حق میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا (وَيُذَعِّقُونَ إِلَى السُّجُودِ فَلَا يَسْتَطِيعُونَ) اور یہ سجدہ کرنے کی طاقت ایسے نہ رکھیں گے جیسے کہ دارِ دنیا میں بعض بندے جیسے ابو جہل وغیرہ اللہ تعالیٰ کا امر بجالانے کی طاقت نہ رکھتے تھے۔ پس یہ امور مذکورہ بالا اس بات پر دال ہیں کہ اس قدر احکام شرع آخرت میں قیادت کے دن جنت و دوزخ میں دخول سے قبل باقی رہیں گے اور لہذا ہم نے انقطاع تکلیف احکام شریعت کو دخول جنت و دوزخ کیساتھ مقید کیا ہے یعنی جب لوگ جنت و دوزخ میں داخل ہو جائیں گے تو احکام شریعت ان سے ساقط ہو جائیں گے وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝

فَصْحْكَةٍ نَّبَوِيَّةٍ فِي كَلِمَةِ عَيْسَوِيَّةٍ

شعر
عَنْ مَاءِ مَرْيَمَ أَوْ عَنْ تَفْحِ جِبْرِيلِ ۝ فِي صُورَةِ الْبَشَرِ الْوُجُودِ مِنْ طِينِ
تَكُونُ الرُّوحُ فِي ذَاتِ مُطَهَّرَةٍ ۝ مِنَ الطَّبِيعَةِ تَدْعُوهَا بِسَجِّينِ
لِأَجَلِ ذَلِكَ قَدْ طَالَتْ إِقَامَتُهُ ۝ فِيهَا فَرَادَ عَلَى الْفِ بَتَعْيِينِ
رُوحٌ مِنَ اللَّهِ لَا مِنْ غَيْرِهِ فَلِذَا ۝ أَحْيَى السَّمَوَاتِ وَأَنْشَأَ الطَّيْرَ مِنْ طِينِ
حَتَّى يَصْغَحَ لَهُ مِنْ رَأْيِهِ نَسَبٌ ۝ بِهِ يُؤَثِّرُ فِي الْعَالِي وَفِي الدُّنْيِ
اللَّهُ طَهَّرَهُ جِسْمًا وَنَزَّهَهُ ۝ رُوحًا وَصَيَّرَهُ مِثْلًا بِتَكْوِينِ
وَأَعْلَمَ أَنَّ مِنْ خَصَائِصِ الْأَسْرَاحِ أَنَّهَا لَا تَطَا شَيْئًا إِلَّا حَتَّى ذَلِكَ الشَّيْءُ وَسَرَتْ الْحَيَوَةُ فِيهِ وَ
لِهَذَا قَبَضَ السَّامِرِيُّ قَبْضَةً مِّنْ أَثَرِ الرَّسُولِ الَّذِي هُوَ جِبْرِيلُ وَهُوَ الرُّوحُ وَكَانَ السَّامِرِيُّ عِلْمًا
بِهَذَا الْأَمْرِ فَلَمَّا عَرَفَ أَنَّ جِبْرِيلَ عَرَفَ أَنَّ الْحَيَوَةَ قَدْ سَرَتْ فِيمَا وَطِئَ عَلَيْهِ فَقَبَضَ قَبْضَةً
مِّنْ أَثَرِ الرَّسُولِ بِالصَّنَادِ أَوْ بِالصَّنَادِ أَيْ بِسَلَاءِ يَدِهِ أَوْ بِأَطْرَافِ أَصَابِعِهِ فَنَبَذَهَا فِي الْعِجْلِ فَخَارَ
الْعِجْلُ إِذْ صَوْتُ الْبَقَرِ إِنَّمَا هُوَ خَوَارٌ وَلَوْ أَقَامَهُ صُورَةً أُخْرَى لَنَسِبَ إِلَيْهِ اسْمُ الصَّوْتِ الَّذِي
يَتْلِكَ الصُّورَةَ كَالرُّغَاءِ لِلْإِبِلِ وَالتَّوَارِجِ لِلْجِبَابِ وَالْيُعَارِ لِلشَّيَاخِ وَالصَّوْتِ لِلنَّسَائِنِ أَوِ النَّطْقِ
أَوِ الْكَلَامِ فَذَلِكَ الْقَدْرُ مِنَ الْحَيَوَةِ السَّارِيَةِ فِي الْأَشْيَاءِ يُسَمَّى لَاهُوتًا وَالنَّاسُوتُ هُوَ الْمَحَلُّ
الْقَائِمُ بِهِ ذَلِكَ الرُّوحُ فَيُسَمَّى النَّاسُوتُ رُوحًا يَمَّا قَامَ بِهِ فَلَمَّا تَمَثَّلَ الرُّوحُ الْأَمِينُ الَّذِي هُوَ
جِبْرِيلُ بِمَرْيَمَ عَلَيْهَا السَّلَامُ بَشَرًا سَوِيًّا تَخَيَّلَتْ أَنَّهُ بَشَرٌ يُرِيدُ مَوَاقِعَهَا فَاسْتَعَاذَتْ

بِاللهِ مِنْهُ اسْتِعَاذَةً بِجَبَعِيَّةٍ مِنْهَا لِيُخَلِّصَهَا اللهُ مِنْهُ لِيَمَّا تَعْلَمُ أَنَّ ذَلِكَ مِمَّا لَا يَجُوزُ فَحَصَلَ لَهَا
 حَضُورُ تَامٍ مَعَ اللهِ وَهُوَ الرُّوحُ الْمَعْنَوِيُّ فَلَوْ تَفَخَّرَ فِيهَا فِي ذَلِكَ الْوَقْتِ عَلَى هَذِهِ الْحَالَةِ لَخَرَجَ
 عَيْسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ لَا يُطِيقُهُ أَحَدٌ لِشِدَاةِ خُلُقِهِ بِحَالِ أُمِّهِ فَلَمَّا (قَالَ) لَهَا (إِنَّمَا أَنَا رَسُولُ رَبِّكِ)
 جِئْتُ (لَأَهْبَلَكَ غَلَامًا زَكِيًّا) انْبَسَطَتْ عَنْ ذَلِكَ الْقَبْضِ وَانْشَرَحَ صَدْرُهَا فَتَفَخَّرَ فِيهَا فِي ذَلِكَ
 الْجَنِينِ عَيْسَى فَكَانَ جِبْرِئِيلُ نَاقِلًا كَلِمَةَ اللهِ بِرُيُوسٍ كَمَا يَنْقُلُ الرَّسُولُ كَلَامَ اللهِ لِأُمَّتِهِ وَهُوَ
 قَوْلُهُ (وَكَلِمَتُهُ أَلْقَاهَا إِلَى مَرْيَمَ وَرُوحٌ مِنْهُ) فَسَرَتْ الشَّهْوَةُ فِي مَرْيَمَ فَخَلَقَ جِسْمَ عَيْسَى مِنْ
 مَاءٍ مُحَقِّقٍ مِنْ مَرْيَمَ وَمِنْ مَاءٍ مُتَوَهِّمٍ مِنْ جِبْرِئِيلَ سَرَى فِي رَطُوبَةٍ ذَلِكَ التَّفَخُّعُ لِأَنَّ التَّفَخُّعَ
 مِنَ الْجِسْمِ الْحَيَوَانِيِّ رَطْبٌ لِمَا فِيهِ مِنْ رُكُزِ الْمَاءِ فَتَكُونُ جِسْمُ عَيْسَى مِنْ مَاءٍ مُتَوَهِّمٍ وَمَاءٍ
 مُحَقِّقٍ وَخَرَجَ عَلَى صُورَةِ الْبَشَرِ مِنْ أَجْلِ أُمِّهِ وَمِنْ أَجْلِ تَمَثُّلِ جِبْرِئِيلَ فِي صُورَةِ الْبَشَرِ حَتَّى
 لَا يَقَعُ التَّكْوِينُ فِي هَذَا النَّوْعِ إِلَّا نِسَانِي إِلَّا عَلَى الْحُكْمِ الْمُبْتَدَأِ فَخَرَجَ عَيْسَى يُعِي السُّوْتِي لِأَنَّهُ
 رُوحٌ إِلَهِيٌّ فَكَانَ الْأَحْيَاءُ يَلَهُ وَالتَّفَخُّعُ يَعِيْسَى كَمَا كَانَ التَّفَخُّعُ لِجِبْرِئِيلَ وَالْكَلِمَةُ يَلَهُ فَكَانَ أَحْيَاءُ
 عَيْسَى لِلْأَمْوَاتِ أَحْيَاءُ مُحَقَّقًا مِنْ حَيْثُ مَا ظَهَرَ عَنْ تَفَخُّعِهِ كَمَا ظَهَرَ هُوَ عَنْ صُورَةِ أُمِّهِ وَكَانَ
 أَحْيَاءُ لَا أَيْضًا مُتَوَهِّبًا أَنَّهُ مِنْهُ وَإِنَّمَا كَانَ لِلَّهِ فَجَمَعَ بِحَقِيقَتِهِ الَّتِي خَلَقَ عَلَيْهَا كَمَا قُلْنَا كَارَاتِهَا
 مَخْلُوقٌ مِنْ مَاءٍ مُتَوَهِّمٍ وَمِنْ مَاءٍ مُحَقِّقٍ يُنْسَبُ إِلَيْهِ الْأَحْيَاءُ بِطَرِيقِ التَّحْقِيقِ مِنْ وَجْهِهِ وَبِطَرِيقِ
 التَّوَهُّمِ مِنْ وَجْهِهِ فَقِيلَ فِيهِ مِنْ طَرِيقِ التَّحْقِيقِ (وَيُعِي السُّوْتِي) وَقِيلَ فِيهِ مِنْ طَرِيقِ التَّوَهُّمِ
 (فَأَتَفَخُّعُ فِيهِ فَيَكُونُ طَيْرًا بِإِذْنِ اللهِ) فَالْعَامِلُ فِي الْمَجْرُورِ فَيَكُونُ لَا تَفَخُّعُ وَيَحْتَمِلُ أَنْ
 يَكُونُ الْعَامِلُ فِيهِ تَفَخُّعُ فَيَكُونُ طَيْرًا مِنْ حَيْثُ صُورَتُهُ الْجَسَدِيَّةُ الْجَسَدِيَّةُ وَكَذَلِكَ (تَبْرِي)
 الْأَكْبَهُ وَالْأَبْرَصَ) وَجَمِيعُ مَا يُنْسَبُ إِلَيْهِ وَإِلَى إِذْنِ اللهِ وَإِذْنِ الْكِنَايَةِ فِي مِثْلِ قَوْلِهِ بِإِذْنِ
 وَبِإِذْنِ اللهِ فَإِذَا تَعَلَّقَ الْمَجْرُورُ بِتَفَخُّعُ فَيَكُونُ النَّافِعُ مَا ذُوْنُ لَهُ فِي التَّفَخُّعِ وَيَكُونُ الطَّائِرُ
 عَنِ النَّافِعِ بِإِذْنِ اللهِ وَإِذَا كَانَ النَّافِعُ نَافِعًا لَا عَنِ الْإِذْنِ فَيَكُونُ التَّكْوِينُ لِلطَّائِرِ بِإِذْنِ اللهِ
 فَيَكُونُ الْعَامِلُ عِنْدَ ذَلِكَ فَيَكُونُ فَلَوْلَا أَنَّ فِي الْأَمْرِ تَرْتُّبًا وَتَحَقُّقًا مَا قَبِلَتْ هَذِهِ الصُّورَةُ
 هَذَيْنِ الْوُجْهَيْنِ بَلْ لَهَا هَذَانِ الْوُجْهَانِ لِأَنَّ الشَّأْنَ الْعَيْسَوِيَّةَ تُعْطَى ذَلِكَ وَخَرَجَ عَيْسَى مِنَ
 التَّوَاهُّمِ إِلَى أَنْ شَرَعَ لِأُمَّتِهِ أَنْ يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَدٍ وَهُمْ صَاغِرُونَ وَأَنَّ أَحَدَهُمَا إِذَا لَطَمَ

فِي خَدِّهِ وَضَعَهُ الْخَدَّ الْأَخِيرَ يَمِينَ لَطْمَةٍ وَلَا يَرْتَفِعُ عَلَيْهِ وَلَا يَطْلُبُ الْقِصَاصَ مِنْهُ هَذَا لَهُ مِنْ جِهَتِهِ
 أُمِّهِ إِذَا الْمَرْأَةُ لَهَا السِّفْلُ فَلَهَا التَّوَاضُّعُ لِأَنَّهَا تَحْتَ الرَّجُلِ حُكْمًا وَحِسًّا وَمَا كَانَ فِيهِ مِنْ قُوَّةِ
 الْأَحْيَاءِ وَالْإِبْرَاءِ فَمِنْ جِهَتِهِ نَفَخَ جِبْرِئِيلُ فِي صُورَةِ الْبَشَرِ كَانَ عِيسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ يُعِي السُّوْتِي
 بِصُورَةِ الْبَشَرِ وَلَوْ لَمْ يَأْتِ جِبْرِئِيلُ فِي صُورَةِ الْبَشَرِ وَآتَى فِي صُورَةٍ غَيْرِهَا مِنْ صُورِ الْأَكْوَانِ
 الْغَضَرِيَّةِ مِنْ حَيَوَانٍ أَوْ نَبَاتٍ أَوْ حَبَاءٍ لَكَانَ عِيسَى لَا يُعِي السُّوْتِي إِلَّا حِينَ يَتَلَبَّسُ بِتِلْكَ الصُّورَةِ
 وَيُظْهِرُ فِيهَا وَلَوْ آتَى جِبْرِئِيلُ بِصُورَةٍ تَهِيَ النُّورِيَّةِ الْخَارِجِيَّةِ عَنِ الْعَنَاصِرِ وَالْأَرْكَانِ إِذَا لَا يَخْرُجُ عَنْ
 كَيْفِيَّتِهِ لَكَانَ عِيسَى لَا يُعِي السُّوْتِي إِلَّا حِينَ يَظْهَرُ فِي تِلْكَ الصُّورَةِ الطَّبِيعَةِ النُّورِيَّةِ لَا الْغَضَرِيَّةِ
 مَعَ الصُّورَةِ الْبَشَرِيَّةِ مِنْ جِهَتِهِ أُمِّهِ فَكَانَ يُقَالُ فِيهِ عِنْدَ أَحْيَائِهِ السُّوْتِي هُوَ لَا هُوَ وَيَقَعُ الْخَيْرَةُ
 فِي النَّظَرِ إِلَيْهِ كَمَا وَقَعَتْ فِي الْعَاقِلِ عِنْدَ النَّظَرِ الْفِكْرِيِّ إِذَا رَأَى شَخْصًا بَشَرِيًّا مِنَ الْبَشَرِ
 يُعِي السُّوْتِي وَهُوَ مِنَ الْخَصَائِصِ الْإِلَهِيَّةِ أَحْيَاءَ النَّطْقِ لَا أَحْيَاءَ الْحَيَوَانِ بَقِيَ النَّاطِرُ حَائِرًا إِذَا رَأَى
 الصُّورَةَ بَشَرًا بِالْأَقْدَامِ فَآذَى بَعْضَهُمْ فِيهِ إِلَى الْقَوْلِ بِالْحُلُولِ وَآذَى هُوَ اللَّهُ بِمَا أَحْيَاهُ مِنَ
 السُّوْتِي وَلِذَلِكَ نُسِبُوا إِلَى الْكُفْرِ وَهُوَ السِّتْرُ لَا تَلَهُمْ سِتْرُ وَاللَّهُ الَّذِي أَحْيَى السُّوْتِي بِصُورَةِ بَشَرِيَّةِ
 عِيسَى فَقَالَ اللَّهُ تَعَالَى (لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ) فَجَمَعُوا بَيْنَ الْخَطَا
 وَالْكُفْرِ فِي تَمَامِ الْكَلَامِ كُلِّهِ لَا يَقُولُهُمْ هُوَ اللَّهُ وَلَا يَقُولُهُمْ ابْنُ مَرْيَمَ فَقَدُوا بِالنَّضِيِّينَ مِنَ
 اللَّهِ مِنْ حَيْثُ أَحْيَى السُّوْتِي إِلَى الصُّورَةِ النَّاسُوتِيَّةِ الْبَشَرِيَّةِ يَقُولُهُمْ ابْنُ مَرْيَمَ وَهُوَ ابْنُ مَرْيَمَ
 بِمَا شَكَّ تَخَيَّلَ السَّامِعُ أَنَّهُمْ نَسَبُوا الْأُلُوهِيَّةَ لِلصُّورَةِ وَجَعَلُوا هَا عَيْنَ الصُّورَةِ وَمَا فَعَلُوا بَلْ جَعَلُوا
 الْهُوِيَّةَ الْإِلَهِيَّةَ رَأْسَ بَدَأٍ فِي صُورَةِ بَشَرِيَّةٍ هِيَ ابْنُ مَرْيَمَ فَفَضَلُوا بَيْنَ الصُّورَةِ وَالْحُكْمِ إِلَّا أَنَّهُمْ
 جَعَلُوا الصُّورَةَ عَيْنَ الْحُكْمِ كَمَا كَانَ جِبْرِئِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِي صُورَةِ الْبَشَرِ وَلَا نَفَخَ فِيهِ ثُمَّ نَفَخَ
 فَفَصَلَ بَيْنَ الصُّورَةِ وَالنَّفَخِ وَكَانَ النَّفَخُ مِنَ الصُّورَةِ فَقَدْ كَانَتْ وَلَا نَفَخَ فَمَا هُوَ النَّفَخُ مِنْ خَدِّهَا
 الَّذِي قَوَّمَ الْخِلَافَ بَيْنَ أَهْلِ الْبَدَلِ فِي عِيسَى مَا هُوَ فَمَنْ نَظَرَ فِيهِ مِنْ حَيْثُ صُورَتُهُ الْإِنْسَانِيَّةِ
 الْبَشَرِيَّةِ فَيَقُولُ هُوَ ابْنُ مَرْيَمَ وَمَنْ نَظَرَ فِيهِ مِنْ حَيْثُ الصُّورَةِ الْمُسْتَمَلَّةِ الْبَشَرِيَّةِ فَيُنْسِبُهُ
 إِلَى جِبْرِئِيلَ وَمَنْ نَظَرَ فِيهِ مِنْ حَيْثُ مَا ظَهَرَ عَنْهُ مِنْ أَحْيَاءِ السُّوْتِي فَيُنْسِبُهُ إِلَى اللَّهِ بِالسُّوْتِيَّةِ
 فَيَقُولُ رُوحُ اللَّهِ أَمَى بِهِ ظَهَرَ الْحَيَاةُ فَيَمُنُّ نَفَخَ فِيهِ فَتَارَةً يَكُونُ الْحَقُّ فِيهِ مُتَوَهِّبًا اسْمُ

مَفْعُولٌ وَتَارَةً يَكُونُ الْمَلَكُ فِيهِ مُتَوَهِّبًا وَتَارَةً يَكُونُ الْبَشَرِيَّةُ الْإِنْسَانِيَّةُ فِيهِ مُتَوَهِّبَةً فَيَكُونُ
عِنْدَ كُلِّ نَظِيرٍ بِحَسَبِ مَا يَغْلِبُ عَلَيْهِ فَهُوَ كَلِمَةُ اللَّهِ وَهُوَ رُوحُ اللَّهِ وَهُوَ عَبْدُ اللَّهِ وَلَيْسَ ذَلِكَ فِي
الصُّورَةِ الْجَسَدِيَّةِ لِغَيْرِهِ بَلْ كُلُّ شَخْصٍ مَنُوبٌ إِلَى أَبِيهِ الصُّورِيِّ لَا إِلَى النَّافِعِ رُوحَهُ فِي الصُّورَةِ
الْبَشَرِيَّةِ فَإِنَّ اللَّهَ إِذَا سَوَّى الْجِسْمَ الْإِنْسَانِيَّ كَمَا قَالَ (فَإِذَا سَوَّيْتُهُ) تَفَخَّرَ فِيهِ هُوَ تَعَالَى مِنْ
رُوحِهِ فَتُسَبِّحُ الرُّوحُ فِي كَوْنِهِ وَعَيْنُهُ إِلَيْهِ تَعَالَى وَعَيْسَى لَيْسَ كَذَلِكَ فَإِنَّهُ إِنْ دَرَجَتْ تَسْوِيَّةُ
جَسَدِهِ وَصُورَتِهِ الْبَشَرِيَّةُ بِالنَّفْخِ الرُّوحِيِّ وَغَيْرِهَا كَمَا ذَكَرْنَا لَا لَمْ يَكُنْ مِثْلَهُ فَالْمَوْجُودَاتُ
كُلُّهَا كَلِمَاتُ اللَّهِ الَّتِي لَا تَنفَدُ فَإِنَّهَا عَنْ كُنْ وَكُنْ كَلِمَةُ اللَّهِ فَهَلْ تُنْسَبُ الْكَلِمَةُ إِلَيْهِ تَعَالَى بِحَسَبِ
مَا هُوَ عَلَيْهِ فَلَا تَعْلَمُ مَا هِيَئَتُهَا أَوْ يَنْزِلُ هُوَ تَعَالَى إِلَى صُورَةٍ مِنْ يَقُولُ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ قَوْلُ كُنْ
حَقِيقَةً لِتِلْكَ الصُّورَةِ الَّتِي نَزَلَ إِلَيْهَا وَظَهَرَ فِيهَا فَبَعْضُ الْعَارِفِينَ يَذْهَبُ إِلَى الطَّرَفِ الْوَاحِدِ
وَبَعْضُهُمْ إِلَى الطَّرَفِ الْآخِرِ وَبَعْضُهُمْ يَحَارُ فِي الْأَمْرِ وَلَا يَدْرِي وَهَذَا مَسْئَلَةٌ لَا يُمْكِنُ أَنْ تُعْرَفَ
إِلَّا ذَوَقًا كَارِي يَزِيدُ حِينَ تَفَخَّرَ فِي النَّمْلَةِ الَّتِي قَتَلَهَا فَحَيَّيْتُ فَعَلِمَ عِنْدَ ذَلِكَ بِسَبْغٍ يَنْفَخُ فَتَفَخَّرَ تَكَانَ
عَيْسَى الشَّهِيدَ وَمَا الْإِحْيَاءُ الْبَعْثُ بِالْعِلْمِ فَتِلْكَ الْحَيَاةُ الْإِلَهِيَّةُ الذَّاتِيَّةُ الْعِلْمِيَّةُ التَّوْحِيدِيَّةُ وَ
الَّتِي قَالَ اللَّهُ تَعَالَى فِيهَا (أَوْ مِنْ كَانَ مَيِّتًا فَأَحْيَيْنَاهُ وَجَعَلْنَاهُ نُورًا يَمْشِي بِهِ فِي النَّاسِ) فَكُلُّ مَنْ
أَحْيَا نَفْسًا مَيِّتَةً بِحَيَاةٍ عِلْمِيَّةٍ فِي مَسْئَلَةٍ خَاصَّةٍ مُتَعَلِّقَةٍ بِالْعِلْمِ بِاللَّهِ تَعَالَى فَقَدْ أَحْيَاهُ بِهَا وَكَانَتْ
لَهُ نُورًا يَمْشِي بِهِ فِي النَّاسِ أَيْ بَيَّنَّ أَشْكَالَهُ فِي الصُّورَةِ شَعْرًا

فَلَوْ لَا هُوَ وَلَوْ لَا نَا ! : لِمَا كَانَ الَّذِي كَانَا
فَإِنَّا أَعْبُدُ حَقًّا ! : وَإِنَّ اللَّهَ مَوْلَانَا
وَإِنَّا عَيْنُهُ فَاَعْلَمُ : إِذَا مَا قُلْتَ إِنْسَانًا
فَلَا تَجْعَلْ بِإِنْسَانٍ : فَقَدْ أَعْطَاكَ بُرْهَانًا
فَكُنْ حَقًّا وَكُنْ خَلْقًا : تَكُنْ بِإِلَهِ رَحْمَانًا
وَعِنْدَ خَلْقِهِ مِنْهُ : تَكُنْ رُوحًا وَرَيْحَانًا
فَاعْطِينَا مَا يَبْدُو : بِهِ فِينَا وَاعْطَانَا
فَصَارَ الْأَمْرُ مَقْسُومًا : بِإِيَّاهُ وَإِيَّا نَا

فَاحْيَا الَّذِي يَدْرِي ۖ يَقْلِبُ حِينَ أَحْيَا نَا !
فَكُنَّا فِيهِ أَكْوَافًا ۖ وَأَعْيَانًا وَآزْمَانًا !
وَلَيْسَ بِدَائِرِ فِينَا ۖ وَلَكِنْ ذَلِكَ أَحْيَانًا

وَمِمَّا يَدُلُّ عَلَى مَا ذَكَرْنَا فِي أَمْرِ النَّفْخِ الرُّوحَانِي مَعَ صُورَةِ الْبَشَرِ الْعُنْصُرِي هُوَ أَنَّ الْحَقَّ
وَصَفَتْ نَفْسَهُ بِالنَّفْسِ الرَّحْمَانِي وَلَا بُدَّ لِكُلِّ مَوْصُوفٍ بِصِفَةٍ أَنْ يُتَّبِعَ الصِّفَةَ جَمِيعَ مَا يَسْتَلْزِمُهُ
تِلْكَ الصِّفَةُ وَقَدْ عَرَفْتَ أَنَّ النَّفْسَ فِي الْمُتَنَفِّسِ مَا يَسْتَلْزِمُهُ فَلِذَا لِكَ قَبْلَ النَّفْسِ إِلَهِي صُورَ
الْعَالِمِ فَهُوَ لَهَا كَالْجَوْهَرِ الْهَيُولَانِي وَلَيْسَ إِلَّا عَيْنُ الطَّبِيعَةِ فَالْعَنَاصِرُ صُورَةٌ مِنْ صُورِ الطَّبِيعَةِ وَمَا
فَوْقَ الْعَنَاصِرِ وَمَا تَوَلَّدَ عَنْهَا فَهُوَ أَيْضًا مِنْ صُورِ الطَّبِيعَةِ وَهِيَ الْأَرْوَاحُ الْعُلُويَّةُ الَّتِي فَوْقَ السَّمَوَاتِ
السَّبْعِ وَأَمَّا أَرْوَاحُ السَّمَوَاتِ السَّبْعِ وَأَعْيَانُهَا فَهِيَ عُنْصُرِيَّةٌ فَإِنَّهَا مِنْ دُخَانِ الْعَنَاصِرِ الْمُتَوَلَّدِ عَنْهَا وَمَا
تَكُونُ عَنْ كُلِّ سَمَاءٍ مِنَ الْمَلَائِكَةِ فَهُوَ مِنْهَا فَهُوَ عُنْصُرِيٌّ وَمَنْ فَوْقَهُمْ طَبِيعِيٌّ وَلِهَذَا وَصَفَهُ اللَّهُ
تَعَالَى بِالْإِخْتِصَامِ أَعْنَى الْمَلَأَ الْأَعْلَى لِأَنَّ الطَّبِيعَةَ مُتَقَابِلَةٌ وَالتَّقَابُلُ الَّذِي فِي الْأَسْمَاءِ إِلَهِيَّةٌ الَّتِي
هِيَ النِّسَبُ إِنَّمَا أُعْطِيَ النَّفْسُ الْأَتْرَى الذَّاتِ الْخَارِجَةِ عَنْ هَذَا الْحَكْمِ كَيْفَ جَاءَ فِيهَا الْغَنَى
عَنِ الْعَالِيَيْنِ فَلِهَذَا أَخْرَجَ الْعَالَمَ عَلَى صُورَةٍ مِنْ أَوْجَدَهُهُ وَلَيْسَ إِلَّا النَّفْسُ إِلَهِيَّةٌ فِيهَا فَيْسُ
مِنَ الْحَرَارَةِ عَلَا وَبِمَا فِيهِ مِنَ الْبُرُودَةِ وَالرُّطُوبَةِ سَقَلَ وَبِمَا فِيهِ مِنَ الْيَبُوسَةِ ثَبَتَ وَلَمْ
يَتَزَلْزَلْ فَالْرُّسُوبُ لِلْبُرُودَةِ وَالرُّطُوبَةِ إِلَّا تَرَى أَنَّ الطَّبِيبَ إِذَا أَرَادَ سَقَى دَوَاءً لِأَحَدٍ يَنْظُرُ فِي
قَامِرُودَةٍ مَا فِيهِ فَإِذَا سَأَلَ سَبَّ عَلِمَ أَنَّ النَّضِجَ قَدْ كَمَلَ فَيَسْقِيهِ الدَّوَاءَ لِيَسْرَعَ فِي النُّجُجِ وَ
إِنَّمَا يَرْسُبُ لِرُّطُوبَتِهِ وَبُرُودَتِهِ الطَّبِيعِيَّةِ ثُمَّ إِنَّ هَذَا الشَّخْصَ الْإِنْسَانِيَّ عَجَنَ طِينَتَهُ بِيَدَيْهِ
وَهُمَا مُتَقَابِلَتَانِ وَإِنْ كَانَتْ يَدَايِهِ يَمِينًا فَلَا خِفَاءَ بِمَا بَيْنَهُمَا مِنَ الْفُرْقَانِ وَلَوْ لَمْ يَكُنْ
إِلَّا كَوْنُهُمَا اثْنَتَيْنِ أَعْنَى يَدَيْنِ لِأَنَّهُ لَا يُؤْثِرُ فِي الطَّبِيعَةِ إِلَّا مَا يُنَاسِبُهَا وَهِيَ مُتَقَابِلَةٌ
فَجَاءَ بِالْيَدَيْنِ وَلَهَا أَوْجَدُهَا بِالْيَدَيْنِ سَبَّكَ بَشَرًا لِلْمَبَاشَرَةِ اللَّائِقَةِ بِذَلِكَ الْجَنَابِ بِالْيَدَيْنِ
الْمُضَافَتَيْنِ إِلَيْهِ وَجَعَلَ ذَلِكَ مِنْ عِنَايَتِهِ بِهَذَا النُّوعِ الْإِنْسَانِيَّ فَقَالَ يَسُّنُ أَبِي عَنِ السَّجُودِ لَهُ
(مَا مَنَعَكَ أَنْ تَسْجُدَ لَنَا خَلَقْتَ بِيَدَيَّ أَسْتَكَبَرْتَ) عَلَى مَنْ هُوَ مِثْلُكَ يَعْنِي عُنْصُرِيًّا (أَمْ كُنْتَ
مِنَ الْعَالِيَيْنِ) عَنِ الْعُنْصُرِ وَلَسْتَ كَذَلِكَ وَتَعْنِي بِالْعَالِيَيْنِ مَنْ عَلَا بِذَاتِهِ عَنْ أَنْ يَكُونَ فِي

نَشَأَتِ النُّورِيَّةُ عُصْرِيًّا وَإِنْ كَانَ طَبِيعِيًّا فَمَا فَضَّلَ الْإِنْسَانُ غَيْرَهُ مِنَ الْأَنْوَاعِ الْعُصْرِيَّةِ إِلَّا
 بِكَوْنِهِ بَشَرًا مِنْ طِينٍ فَهُوَ أَفْضَلُ نَوْعٍ مِنْ كُلِّ مَا خَلَقَ مِنَ الْعَنَاصِرِ مِنْ غَيْرِ مَبَاشَرَةٍ بِالْيَدَيْنِ
 فَإِنَّ الْإِنْسَانَ فِي الرُّتَبَةِ فَوْقَ الْمَلَائِكَةِ الْأَرْضِيَّةِ وَالسَّمَاوِيَّةِ وَالْمَلَائِكَةِ الْعَالُونَ خَيْرٌ مِنْ هَذَا
 النَّوْعِ الْإِنْسَانِيِّ بِالنَّعْرِ الْإِلَهِيِّ فَتَمَّ ارْتَادُ أَنْ يَعْرِفَ النَّفْسَ الْإِلَهِيَّ فَلْيَعْرِفِ الْعَالَمَ فَإِنَّهُ مَنْ عَرَفَ
 نَفْسَهُ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهُ الَّذِي ظَهَرَ فِيهِ أَيْ الْعَالَمَ ظَهَرَ فِي نَفْسِ الرَّحْمَنِ الَّذِي نَفْسُ اللَّهِ بِهِ عَنِ
 الْأَسْمَاءِ الْإِلَهِيَّةِ مَا تَجَدُّدًا مِنْ عَدَمِ ظُهُورِ أَثَارِهَا بِظُهُورِ أَثَارِهَا فَاُمْتَنَ عَلَى نَفْسِهِ بِهَا أَوْجَدًا فِي
 نَفْسِهِ فَأَوَّلُ أَثَرٍ كَانَ لِلنَّفْسِ إِذَا كَانَ فِي ذَلِكَ الْجَنَابِ ثُمَّ لَمْ يَزَلِ الْأَمْرُ يَنْتَزِلُ بِتَنْفِيسِ
 الْغُيُومِ إِلَى آخِرِ مَا أُوجِدَ شَعْرُ

فَأَكُلُ فِي عَيْنِ النَّفْسِ ۖ كَالضَّوءِ فِي ذَاتِ الْغَلَسِ
 وَالْعِلْمُ بِالْبُرْهَانِ ۖ سَلَخَ النَّهَارَ بَيْنَ نَعَسِ
 قَيْرَى الَّذِي قَدْ قُلْتُ ۖ رُؤْيَا تَدُلُّ عَلَى النَّفْسِ
 قَيْرِجُهُ عَنْ كُلِّ غَمٍّ ۖ فِي تِلَاوَتِهَا عِبَسَ
 وَلَقَدْ تَجَلَّى لِلَّذِي ۖ قَدْ جَاءَ فِي طَلَبِ الْقَبَسِ
 فَرَأَاهُ نَارًا وَهُوَ نُورٌ ۖ فِي الْمُلُوكِ وَفِي الْعُسَسِ
 فَإِذَا فَهَمْتَ مَقَالَتِي ۖ تَعْلَمُ بِأَنَّكَ مُبْتَلَسٌ
 لَوْ كَانَ يَطْلُبُ غَيْرَ ذَا ۖ لَرَأَاهُ فِيهِ وَمَا نَكَسَ

وَأَمَّا هَذِهِ الْكَلِمَةُ الْعِيسَوِيَّةُ لَهَا قَامَ لَهَا الْحَقُّ فِي مَقَامٍ حَتَّى تَعْلَمَ وَتَعْلَمَ اسْتَفْهَمَهَا عَمَّا نَسِبَ
 إِلَيْهَا هَلْ هُوَ حَقٌّ أَمْ لَا مَعَ عَلَيْهِ الْأَوَّلُ هَلْ وَقَعَ ذَلِكَ الْأَمْرُ أَمْ لَا فَقَالَ لَهُ (مَا أَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ
 اتَّخِذُونِي وَأَتَى إِلَهَيْنِ مِنْ دُونِ اللَّهِ) فَلَا بُدَّ مِنَ الْأَدَبِ فِي الْجَوَابِ لِلْمُسْتَفْهِمِ لِأَنَّهُ لَمَّا تَجَلَّى
 لَهُ فِي هَذَا الْمَقَامِ وَفِي هَذِهِ الصُّورَةِ اقْتَضَتْ الْحِكْمَةُ الْجَوَابَ فِي التَّفَرُّقَةِ بَيْنِ الْجَمْعِ فَقَالَ
 وَقَدْ تَمَّ التَّنْزِيهِ (سُبْحَانَكَ) ثُمَّ دَخَلَ الْكَافِ الَّذِي تَقْتَضِيهِ السُّوَابِجَةُ وَالْخِطَابُ (مَا يَكُونُ لِي)
 مِنْ حَيْثُ أَنَا لِنَفْسِي دُونَكَ (أَنْ أَقُولَ مَا لَيْسَ لِي بِحَقٍّ) أَيْ مَا يَقْتَضِيهِ هُوِيَّتِي وَلَا ذَاتِي (إِنْ
 كُنْتُ قُلْتُ فَقَدْ عَلِمْتُ) لِأَنَّكَ أَنْتَ الْقَائِلُ وَمَنْ قَالَ أَمْرًا فَقَدْ عَلِمَ مَا قَالَ وَأَنْتَ اللِّسَانُ الَّذِي

أَتَكَلِّمُ بِهِ كَمَا أَخْبَرَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ رَبِّهِ فِي الْخَبَرِ الْإِلَهِيِّ فَقَالَ كُنْتُ لِسَانَهُ
الَّذِي يَتَكَلَّمُ بِهِ فَجَعَلَ هُوَيْتَهُ عَيْنَ لِسَانِ الْمُتَكَلِّمِ وَنَسَبَ الْكَلَامَ إِلَى عَبْدِهِ ثُمَّ تَسَمَّى
الْعَبْدُ الصَّالِحُ الْجَوَابَ يَقُولُهُ (تَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِي) وَالْمُتَكَلِّمُ الْحَقُّ (وَلَا أَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِكَ) فَقِي
الْعِلْمَ عَنْ هُوَيْتِهِ عَيْسَى مِنْ حَيْثُ هُوَيْتِهِ لَا مِنْ حَيْثُ آدَمَ قَائِلٌ وَذُو الشَّرِّ (إِنَّكَ أَنْتَ عَلَّامُ
الْغُيُوبِ) فَجَاءَ بِالْفَصْلِ وَالْعِمَادِ تَأْكِيداً لِلْبَيَانِ وَاعْتِمَاداً عَلَيْهِ إِذْ لَا يَعْلَمُ الْغَيْبُ إِلَّا اللَّهُ فَفَرَّقَ
وَجَمَعَ وَوَحَّدَ وَكَثَّرَ وَوَسَّعَ وَضَيَّقَ ثُمَّ قَالَ مُتِمِّمًا لِلْجَوَابِ (مَا قُلْتُ لَهُمْ إِلَّا مَا أَمَرْتَنِي بِهِ)
فَنَقَى أَوَّلًا مُشِيرًا إِلَى أَنَّهُ مَا هُوَ ثُمَّ أَوْجَبَ الْقَوْلَ أَذْ بَأَمَّعَ الْمُسْتَفْهِمَ وَلَوْ لَمْ يَفْعَلْ ذَلِكَ لَأَضَعَفَ
بِعَدَمِ عِلْمِ الْحَقَائِقِ وَحَاشَاكَ مِنْ ذَلِكَ فَقَالَ (إِلَّا مَا أَمَرْتَنِي بِهِ) وَأَنْتَ الْمُتَكَلِّمُ عَلَى لِسَانِي وَ
أَنْتَ لِسَانِي فَانْظُرْ إِلَى هَذِهِ الثَّنِيَّةِ الرُّوحِيَّةِ الْإِلَهِيَّةِ مَا أَلْطَفَهَا وَأَذَقَهَا
وَأَذَقَهَا (أَيْنَ الْعَبْدُ وَاللَّهُ) فَجَاءَ بِالِاسْمِ اللَّهِ لِاخْتِلَافِ الْعِبَادِ فِي الْعِبَادَاتِ وَاخْتِلَافِ الشَّرَائِعِ
وَلَمْ يَخْصُ اسْمًا خَاصًّا دُونَ اسْمٍ بَلْ جَاءَ بِالِاسْمِ الْجَامِعِ لِلِكُلِّ ثُمَّ قَالَ (رَبِّي وَرَبَّكُمْ) وَ
مَعْلُومٌ أَنَّ نِسْبَتَهُ إِلَى مَوْجُودٍ مَّا بِالرُّبُوبِيَّةِ لَيْسَتْ عَيْنَ نِسْبَتِهِ إِلَى مَوْجُودٍ آخَرَ فَلِذَلِكَ فَقُلْ
يَقُولُهُ (رَبِّي وَرَبَّكُمْ) بِالْكِنَايَتَيْنِ كِنَايَةُ الْمُتَكَلِّمِ وَكِنَايَةُ الْمُخَاطَبِ (إِلَّا مَا أَمَرْتَنِي
بِهِ) فَاتَّبَعَتْ نَفْسَهُ مَا مَوْجُودًا وَلَيْسَتْ سِوَى عِبُودِيَّتِهِ إِذْ لَا يُؤْمَرُ إِلَّا مَنْ يُتَوَصَّرُ مِنْهُ الْإِمْتِثَالُ
وَإِنْ لَمْ يَفْعَلْ وَلَكِنَّا كَانَ الْأَمْرُ يَنْزِلُ بِحُكْمِ الْمَرَاتِبِ لِذَلِكَ يَنْصَبُ كُلُّ مَنْ ظَهَرَ فِي مَرْتَبَةٍ
مَا يَسَا تَطْيِيهِ حَقِيقَةً تِلْكَ الْمَرْتَبَةِ فَهَرْتَبَةُ الْمَأْمُورِ لَهَا حُكْمٌ يَظْهَرُ فِي كُلِّ مَا مَوْجُودٍ وَمَرْتَبَةُ
الْأَمْرِ لَهَا حُكْمٌ يَبْدُو فِي كُلِّ أَمْرٍ فَيَقُولُ الْحَقُّ (أَقِيمُوا الصَّلَاةَ) فَهَذَا الْأَمْرُ وَالْهَكَكِلُ وَالْمَكَلَّفُ
الْمَأْمُورُ الْعَبْدُ وَيَقُولُ الْعَبْدُ (رَبِّ اغْفِرْ لِي) فَهَذَا الْأَمْرُ وَالْحَقُّ الْمَأْمُورُ فَهَذَا يَطْلُبُ الْحَقُّ مِنَ
الْعَبْدِ بِأَمْرٍ هُوَ يَعْنِيهِ مَا يَطْلُبُ الْعَبْدُ مِنَ الْحَقِّ بِأَمْرٍ وَهَذَا كَانَ كُلُّ دُعَاءٍ مُجَابًا وَكَأَنَّ
بُذْوَ أَنْ تَأْخُرَ كَمَا يَتَأَخَّرُ بَعْضُ الْمُكَلِّفِينَ مِنْ أَقِيمِ مُخَاطَبًا بِأَقَامَةِ الصَّلَاةِ فَلَا يُصَلِّي
فِي وَقْتِ فَيُؤَخِّرُ الْإِمْتِثَالَ وَيُصَلِّي فِي وَقْتٍ آخَرَ إِنْ كَانَ مُتِمِّكًا مِنْ ذَلِكَ فَلَا بُدَّ مِنَ
الْإِجَابَةِ وَلَوْ بِالْقَصْدِ ثُمَّ قَالَ (وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ) وَلَمْ يَقُلْ عَلَى نَفْسِي مَعْلُومٌ كَمَا قَالَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ
(شَهِيدًا مِمَّا دُمْتُ فِيهِمْ) لِأَنَّ الْأَنْبِيَاءَ شُهَدَاءُ عَلَى أُمَّهَاتِهِمْ مَا دَامُوا فِيهِمْ (فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي)

أَيْ رَفَعْتَنِي إِلَيْكَ وَحَبَّبْتَهُمْ عَنِّي وَحَبَّبْتَنِي عَنْهُمْ (كُنْتَ أَنْتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ) فِي غَيْرِ مَا دَنَيْتَنِي بَلْ
 فِي مَوَادِّهِمْ إِذْ كُنْتَ بَصَرَهُمُ الَّذِي يَقْتَضِي السَّرَاقِبَةَ فَشَهِدُوا الْإِنْسَانَ نَفْسَهُ شَهِدُوا الْحَقَّ إِيَّاهُ
 وَجَعَلَهُ بِالْإِسْمِ الرَّقِيبِ لِأَنَّهُ جَعَلَ الشُّهُودَ لَهُ فَأَرَادَ أَنْ يَفْصِلَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ رَبِّهِ حَتَّى يَعْلَمَ أَنَّهُ هُوَ
 يَكُونُهُ عَبْدًا وَأَنَّ الْحَقَّ هُوَ الْحَقُّ يَكُونُهُ رَبًّا لَهُ فَجَاءَ لِنَفْسِهِ بِأَنَّهُ شَهِيدٌ وَفِي الْحَقِّ بِأَنَّهُ رَقِيبٌ
 وَقَدْ مَلَّاهُمْ فِي حَقِّ نَفْسِهِ فَقَالَ (عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَادُمْتَ فِيهِمْ) إِيثَارًا لَهُمْ فِي التَّقَدُّمِ وَأَدَبًا وَآخِرُهُمْ
 فِي جَانِبِ الْحَقِّ عَنِ الْحَقِّ فِي قَوْلِهِ (الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ) لِمَا يَسْتَحِقُّهُ الرَّبُّ مِنَ التَّقَدُّمِ بِالرُّتْبَةِ ثُمَّ
 أَعْلَمَ أَنَّ لِلْحَقِّ الرَّقِيبَ الْإِسْمَ الَّذِي جَعَلَهُ عِيسَى لِنَفْسِهِ وَهُوَ الشَّهِيدُ فِي قَوْلِهِ (عَلَيْهِمْ شَهِيدًا) فَقَالَ
 (وَأَنْتَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ) فَجَاءَ بِكُلِّ لُغْوٍ وَبِشَيْءٍ يَكُونُهُ أَنْ تَكْرُرَ الذِّكْرَاتِ وَجَاءَ بِالْإِسْمِ
 الشَّهِيدِ فَهُوَ الشَّهِيدُ عَلَى كُلِّ مَشْهُودٍ بِحَسَبِ مَا يَقْتَضِيهِ حَقِيقَةُ ذَلِكَ الشُّهُودِ فَتَبَّهَ عَلَى أَنَّهُ تَعَالَى
 هُوَ الشَّهِيدُ عَلَى قَوْمِ عِيسَى حِينَ قَالَ (وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَادُمْتَ فِيهِمْ) فَبَيَّنَ شَهَادَةَ الْحَقِّ فِي
 مَا دَرَجَ عِيسَوِيَّةً كَمَا تَبَيَّنَ أَنَّهُ لِسَانُهُ وَسَعَةُ وَبَصَرُهُ ثُمَّ قَالَ كَلِمَةً عِيسَوِيَّةً وَتَحْمِيدِيَّةً أَمَا كُونُهَا
 عِيسَوِيَّةً فَإِنَّهَا قَوْلُ عِيسَى بِإِخْبَارِ اللَّهِ عَنْهُ فِي كِتَابِهِ وَأَمَا كُونُهَا مُحَمَّديَّةً فَلَوْ قُوِّمَتْ بِهَا مِنْ مُحَمَّدٍ
 صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالنِّسْبَةِ إِلَى الَّذِي وَقَعَتْ مِنْهُ فَقَامَ بِهَا لَيْلَةٌ كَامِلَةٌ يَرِدُ دَهْلُهَا لَمْ يَعُدْ إِلَى غَيْرِهَا
 حَتَّى طَلَعَ الْفَجْرُ (إِنْ تُعَذِّبُهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ) وَإِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ وَ
 هُمُ ضَمِيرُ الْغَائِبِ كَمَا أَنَّ هُوَ ضَمِيرُ الْغَائِبِ كَمَا قَالَ (هُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا) بِضَمِيرِ الْغَائِبِ فَكَانَ
 الْغَيْبُ سِتْرًا لَهُمْ عَنَّا يُرَادُ بِالشُّهُودِ الْحَاضِرِ فَقَالَ (إِنْ تُعَذِّبُهُمْ) بِضَمِيرِ الْغَائِبِ وَهُوَ عَيْنُ الْحِجَابِ
 الَّذِي هُمْ فِيهِ عَنِ الْحَقِّ فَذَكَرَهُمُ اللَّهُ قَبْلَ حُضُورِهِمْ حَتَّى إِذَا احْضَرُوا أَتَى كَوْنُ الْخَيْرِ ثُمَّ قَدْ
 تَحَكَّمَتْ فِي الْعَجِيزِينَ فَصَيَّرَتْهُ مِثْلَهَا (فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ) فَأَفْرَدَ الْخِطَابَ لِلتَّوْحِيدِ الَّذِي كَانُوا عَلَيْهِ
 وَلَا ذِلَّةَ أَعْظَمُ مِنْ ذِلَّةِ الْعَبِيدِ لِأَنَّهُمْ لَا تَصَرَّفَ لَهُمْ فِي أَنْفُسِهِمْ فَلَهُمْ بِحُكْمِ مَا يُرِيدُ لَا يَهْمُ
 سَيِّدُهُمْ وَلَا شَرِيكَ لَهُ فِيهِمْ فَإِنَّهُ قَالَ (عِبَادُكَ) فَأَفْرَدَ وَالْمُرَادُ بِالْعَذَابِ إِذْ لَا لَهُمْ وَلَا
 أَذَلَّ مِنْهُمْ يَكُونُهُمْ عِبَادًا فَذَكَرَهُمْ تَقْتَضِي أَنَّهُمْ إِذْ لَا تُدْرِكُهُمْ فَإِنَّكَ لَا تُدْرِكُهُمْ بِأَكْثَرِ
 مِمَّا هُمْ فِيهِ مِنْ كَوْنِهِمْ عِبِيدًا (وَإِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ) أَيْ تَسْتُرُهُمْ عَنِ إِيقَاعِ الْعَذَابِ الَّذِي هُمْ
 يَسْتَحِقُّونَهُ بِمُخَالَفَتِهِمْ أَيْ تَجْعَلْ لَهُمْ غَفْرًا لِيَسْتُرَهُمْ عَنْ ذَلِكَ وَيَمْنَعَهُمْ مِنْهُ (فَإِنَّكَ أَنْتَ

الْعَزِيزُ) اِی السَّیِّعُ الْحَمِی وَهَذَا الْاِسْمُ اِذَا اَعْطَاهُ الْحَقُّ لِمَنْ اَعْطَاهُ مِنْ عِبَادِهِ یَسْمَى الْحَقُّ بِالْمَعْرِ
وَالْمُعْطٰی لَهُ هَذَا الْاِسْمُ بِالْعَزِیزِ فَبِیْکُونُ مَنِیعَ الْحَمِی عَمَّا یُرِیدُ بِهِ الْمُنْتَقِمُ وَالْمُعَذِّبُ مِنَ
الْاِتِّقَامِ وَالْعَذَابِ وَجَاءَ بِالْفَضْلِ وَالْعِمَادِ اَیْضًا تَاْکِیْدًا لِلْبَّیَانِ وَیَتَّكُونُ الْاِیَّةُ عَلٰی مَسَارِقِ
وَاحِدٍ فِی قَوْلِهِ (اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوبِ) وَقَوْلِهِ (کُنْتَ اَنْتَ الرَّقِیْبُ عَلَیْهِمْ) فَجَاءَ اَیْضًا (اِنَّكَ
اَنْتَ الْعَزِیزُ الْحَكِیْمُ) فَكَانَ سُؤْلًا مِنَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَالْحَاحَاصُّ مِنْهُ عَلٰی رَأْیِهِ فِی الْمَسْئَلَةِ
لِیَلَّتْهُ الْکَامِلَةُ اِلٰی طُلُوعِ الْفَجْرِ یُرِیدُهَا طَلَبًا لِالْجَابَةِ فَلَوْ سَمِعَ الْجَابَةَ فِیْ اَوَّلِ سُؤْلِ مَا كَرَّرَ وَ
كَانَ الْحَقُّ یَعْرِضُ عَلَیْهِ فُصُولٌ مَا اسْتَوْجِبُوا بِهِ الْعَذَابَ عَرْضًا مُفَصَّلًا فِیَقُولُ لَهُ فِی كُلِّ عَرْضٍ عَرْضٍ
وَ عَيْنٍ عَيْنٍ (اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ) وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیزُ الْحَكِیْمُ) فَلَوْ
رَأٰی فِیْ ذَلِكَ الْعَرْضِ مَا یُوجِبُ تَقْدِیْمَ الْحَقِّ وَ اِثْنًا جَنَابِهِ لَدَعَا عَلَیْهِمْ لَا لَهُمْ فَمَا عَرَضَ عَلَیْهِ
اِلَّا مَا اسْتَحَقُّوا بِهِ مَا تُعْطِیْهِ هَذِهِ الْاِیَّةُ مِنَ التَّسْلِیْمِ لِلّٰهِ وَالتَّعَرُّیْفِ یَعْفُوهُ وَ قَدْ رَدَّ اَنَّ الْحَقَّ
اِذَا احَبَّ صَوَّتَ عَبْدًا فِی دُعَائِهِ اِیَّاهُ اَخْرَجَ الْجَابَةَ عَنْهُ حَتّٰی یَتَكَرَّرَ ذَلِكَ مِنْهُ حُبًّا فِیْهِ لَا
اِعْرَاضًا عَنْهُ وَ لِذَلِكَ جَاءَ بِالْاِسْمِ الْحَكِیْمِ وَالْحَكِیْمُ هُوَ الَّذِی یَضَعُ الْأَشْیَاءَ فِی مَوَاضِعِهَا وَلَا یَعْدِلُ
بِهَا عَمَّا یَقْتَضِیْهِ وَ یَطْلُبُهُ حَقًّا یُقْبَلُ بِهَا فَانْحَكِیْمُ هُوَ الْعَلِیْمُ بِالترَّتِیْبِ فَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی
اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَتَرَدَّدُ هَذِهِ الْاِیَّةُ عَلٰی عِلْمِ عَظِیْمٍ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰی فَهَنْ تَلَا فَلَکَذَا اِیْتَلَوْ وَاِلَّا فَاسْكُوْا
اَوَّلٰی بِهِ فَاِذَا وَفَّقَ اللّٰهُ عَبْدًا اِلٰی نَظَرٍ بِأَمْرٍ مَا نَفَقَهُ اِلَیْهِ اِلَّا وَقَدْ ارَادَ اِجَابَتَهُ فِیْهِ وَ قَضَاءَ
حَاجَتِهِ فَلَا یَسْتَبْطِیْ أَحَدٌ مَا یَقْتَضِیْهُ مَا وَفَّقَ لَهُ وَ لَیْتَ اَبْرُمُ ثَابِرَةً رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ
وَسَلَّمَ عَلٰی هَذِهِ الْاِیَّةِ فِی جَمِیْعِ اَحْوَالِهِ حَتّٰی یَسْمَعَ بِأُذُنِهِ اَوْ یَسْمَعَهُ کَیْفَ شِئْتَ اَوْ کَیْفَ اَسْمَعْتَ اللّٰهُ
الْاِجَابَةَ فَاِنْ جَاَزَاكَ یَسْوَالُ اللِّسَانِ اَسْمَعْتَ بِأُذُنِكَ وَاِنْ جَاَزَاكَ بِالْمَعْنٰی اَسْمَعْتَ بِسَمْعِكَ

یہ حکمت نبویہ کما فی قصہ عیسیٰ کے بیان میں ہے

حکمت قدریہ کے بعد حکمت نبویہ کے لانے کی حکمت یہ ہے کہ حکمت قدریہ کا اختتام نبوت کے ذکر پر
ہوا۔ اور اس حکمت نبویہ کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف منسوب کرنے کی چند حکمتیں ہیں (۱) آپ کی نبوت
کی خبر سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کی زبان پر حضرت مریم علیہا السلام کو دی یَقُولِیْ تَعَالٰی (اِذَا قَالَتْ

الْمَلٰٓئِكَةُ يٰۤهٰرَٓيْمُ اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِكِبٰرَةٍ مِّنْهُ اَسْمُهُ الْيَسِيْحُ عِيسٰى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيْهًا فِى الدُّنْيَا وَ
 الْآخِرَةِ وَ مِنَ الْمُنْقَرِبِيْنَ وَ يُكَلِّمُ النَّاسَ فِى الْمَهْدِ وَ كَهْلًا وَ مِنْ الصّٰلِحِيْنَ ۝ (۲) حضرت عیسیٰ علیہ
 السلام نے اپنی نبوت کی خبر تم کو مادر سے حضرت مریم علیہا السلام کو دی يَقُوْلِهٖ تَعَالٰی (فَنَادٰهَا مِنْ تَحْتِهَا
 اَلَا تَحْزَنِيْ قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا ۝) (۳) حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی نبوت کی خبر اپنی قوم کو
 ماں کی گود میں دی يَقُوْلِهٖ تَعَالٰی (قَالَ اِنِّىْ عَبْدُ اللّٰهِ اَتٰنِىَ الْكِتٰبَ وَ جَعَلَنِىْ نَبِيًّا ۝) (۴) حضرت عیسیٰ
 علیہ السلام لوگوں کو غیب کی خبریں دیتے تھے يَقُوْلِهٖ تَعَالٰی (وَ اُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَ مَا تَدْخِرُوْنَ
 فِىْ بُيُوْتِكُمْ ط) : شعر

(۱) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا جسم ماءِ مریم سے پیدا ہوا یا نفعِ جبرئیل سے جب جبرئیل علیہ السلام صورتِ بشری
 میں موجود تھے جو خاکی ہے۔ یعنی اگر حضرت عیسیٰ السلام کی جہت جسمانیّت کی طرف نظر کریں تو آپ مریم
 علیہا السلام کی منی سے پیدا ہوئے ہیں اور اگر آپ کی جہت روحانیّت کی طرف نظر کریں یعنی آپ کے معجزات
 خلقِ طیور اور احیاء الموتی وغیرہ پر نظر کریں تو آپ نفعِ جبرئیل سے پیدا ہوئے ہیں۔ لیکن چونکہ آپ جسمانیّت اور
 روحانیّت کے جامع ہیں اسلئے آپ ماءِ مریم اور نفعِ جبرئیل دونوں سے پیدا ہوئے ہیں :

(۲) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی رُوح اُس جسدِ مبارک میں ظاہر ہوتی وہ خواہشاتِ نفسانی سے پاک تھا۔ یہ
 خواہشاتِ نفسانی ہی مومن کیلئے قید خانہ ہے مُراد یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جہتِ روحانیّت جہتِ
 بشریت پر غالب تھی اور یہ خواہشاتِ نفسانی مومن کو قید کر لیتی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف پرواز کرنے سے
 روک لیتی ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام روحانی و ربّانی ہیں :

(۳) آپ کے روحانی اور ربّانی ہونے کی وجہ سے آپ کی رُوح کی اُس جسم میں اقامت دراز ہو گئی ہے حتیٰ کہ
 درازی اقامت ہزار سال سے بھی زائد ہو گئی ہے۔ مُراد یہ ہے کہ آپ جسم سمیت آسمان پر ہیں لیکن آپ کا جسم
 مبارک بشری صفات سے پاک ہے :

(۴) و (۵) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی رُوح اللہ تعالیٰ سے ہے نہ کہ اُس کے غیر سے۔ مُراد یہ ہے کہ آپ میں رُوح
 القدس کا ظہور ہے نہ کہ حیوانی رُوح کا جو عام انسانوں میں ہوتی ہے۔ پس اسی لئے آپ مُردے زندہ کرتے تھے اور
 مٹی سے پرندہ پیدا کرتے تھے مُراد یہ ہے کہ آپ میں صفاتِ کاملہ الٰہیہ کا ظہور تھا گویا آپ کی مناسبت اپنے رب
 تعالیٰ سے صحیح ہے کَمَا وَ سَدَ فِی الْحَدِیْثِ اِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ اٰدَمَ عَلٰی صُوْرَتِہٖ۔ اسی مناسبت یعنی صفاتِ کاملہ

الہیہ سے مُزین ہونیکے باعث آپ اعلیٰ مخلوق یعنی انسانوں میں اور ادنیٰ مخلوق یعنی جانوروں میں اثر بخشتے تھے۔
 (۶) اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جسم کی رو سے پاک کیا یعنی اُن کے جسم کو مواد سے فارغ کیا اور اُن کو روحانیت کی رو سے منترہ کیا یعنی حیوانی روح کی بجائے آپ کو روح القدس عطا کیا اور اُن کو تکوین میں اپنی مثل کر دیا یعنی اپنی صفات کاملہ عطا کر کے قوت تکوین سے مُزین کر دیا۔

اور اُسے طالبِ اسباب کو جان لے کہ تحقیق خصائص ارواح میں سے ایک امر یہ ہے کہ ارواح جس شے کو مِس کرتی ہیں اُسکو زندہ کر دیتی ہیں اور حیات اُس شے میں سرایت کرتی ہے اور اسی لئے سامری نے جبریلؑ کے نقش پاؤں سے ایک مٹھی مٹی کی بھر لی تھی کیونکہ جبریلؑ روح ہیں اور سامری اس راز کا واقف تھا کہ ارواح کاملہ کی پاؤں کی خاک مردے کو زندہ کر دیتی ہے۔ جب سامری نے پہچان لیا کہ واقعی وہ جبریلؑ ہیں اور اس راز کو بھی پالیا کہ جس چیز کو جبریلؑ مِس کرتا ہے اُس میں حیات سرایت کرتی ہے، تو اُس نے جبریلؑ کے نقش پاؤں سے مٹھی بھر خاک لے لی۔ لفظ قَبْضَة ضاد معجمہ اور صاد مہملہ دونوں کے ساتھ درست ہے ضاد یعنی قَبْضَة سے مراد اپنے پورے ہاتھ کے ساتھ ہے اور صاد یعنی قَبْضَة سے مراد اپنی انگلیوں کے اطراف کے ساتھ ہے جس کو چٹکی کہتے ہیں۔ پھر اُس نے وہ خاک اُس پھڑے میں ڈالی جو اُس نے خود بنایا تھا: پھر زندہ ہو گیا اور اُس نے گائے کی سی آواز نکالی جس کو خوار کہتے ہیں۔ حقیقتاً نے ہر ہر ذی روح کیلئے ایک خاص صوت مقرر فرماتی ہے۔ اگر سامری پھڑے کی بجائے کوئی اور صورت تیار کرتا اور اُس میں وہ مٹی ڈالتا تو وہ صورت زندہ ہو کر اپنی خاص صوت نکالتی اور اُس صوت کا خاص نام ہوتا جیسے کہ شتر کی آواز کا نام رُغَاء اور مینڈھوں کی آواز کا نام ثَوَاج اور بکریوں کی آواز کا نام بُعَار اور انسان کی آواز کا نام نَطَق یا کلام ہے۔ پس حیات الہیہ جو اشیاء میں ساری ہے لاہوت کے اسم سے مُستہی ہے۔ مرتبہ لاہوت مرتبہ ذات الہی ہے۔ اس مقام میں سابلک فنا فی اللہ ہو جاتا ہے اور اُس کو ذات حق میں محویت نصیب ہو جاتی ہے۔ اور وہ صفات کاملہ الہیہ سے مُشرّف ہو جاتا ہے حتیٰ کہ حیات الہیہ سے بھی جی ہو کر امیرانِ عالم بقائیں شامل ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی صفات غیر متناہی ہیں لیکن سات صفات اَبْمَہ صفات ہیں۔ ان کو اَبْمَہ سبعہ بھی کہا جاتا ہے اور وہ حیات، علم، ارادہ، قدرت، سمع، بصر اور کلام ہیں۔ ان سات صفات کی امام حیات ہے۔ اس مقام لاہوت پر عارف روح القدس سے مُشرّف ہو جاتا ہے۔ اور ناصوت وہ محل ہے جس کیساتھ روح القدس قائم ہے۔ عالم شہادت کو ناصوت کہتے ہیں۔ یہ عالم ہی ظہور حق ہے۔ عالم ناصوت چونکہ روح الہیہ کیساتھ قائم ہے اس لئے

اسکو روح بھی کہتے ہیں یعنی عین ذات حق کہتے ہیں۔ سیاہی کا ظہور ساتھ کتاب کے ہے۔ اب اگر کتاب کو سیاہی کہا جائے تو بجا ہے۔ ایسے ہی عالم چونکہ ظہور حق ہے، اگر عالم ناسوت یا عالم شہادت کو روح یعنی ذات حق کہا جائے تو بجا ہے۔

پس جب روح الایمن جو جبریل ہیں مریم علیہ السلام کے پاس پورے بشر بن کر آئے تو مریم علیہا السلام نے خیال کیا کہ تحقیق وہ بشر ہے اور اُن کے ساتھ جماع کرنا چاہتا ہے۔ لہذا آپ نے توجہ تام سے اُس بشر سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ پناہ مانگی تاکہ اللہ تعالیٰ آپ کو اُس سے خلاصی دے کیونکہ آپ جانتی تھیں کہ تحقیق نامحرم مرد کیساتھ جماع ناجائز ہے۔ پس آپ کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ حضوری تامہ حاصل ہوئی اور حضوری تامہ ہی دعا اور فریاد کی حقیقی روح ہے یعنی جس دعا کیساتھ اضطراب قلب اور درد نصیب ہو تو یہ دعا کی قبولیت کی علامت ہے۔ درد ہی سے حضوری تامہ حاصل ہوتی ہے اور حضوری تامہ دعا کیلئے روح معنوی ہے یعنی حضوری تامہ دعا کی قبولیت کی علامت ہے۔ اگر جبریل مریم میں اُس وقت اُس حالت انقباض اور بدخوتی میں پھونکتے تو البتہ عیسیٰ علیہ السلام ایسے حال میں ظاہر ہوتے کہ اُن کی مصاحبت کی کوئی شخص طاقت نہ رکھتا کیونکہ اُن کی ماں کا وہ حال اُن میں سرایت کرتا اور وہ بدخلق پیدا ہوتے۔ پھر جب جبریل نے مریم سے کہا ”سوائے اسکے نہیں کہ میں تیرے رب کا بھیجا ہوا ہوں“ میں اسلئے آیا ہوں کہ تجھ کو ایک پاکیزہ لڑکا بخشوں تو مریم نے اُس حالت قبض اور بدخوتی سے حالت بسط پائی اور آپ کا سینہ بسط کی وجہ سے کھل گیا۔ پس اس حالت بسط میں جبریل نے عیسیٰ کو مریم میں پھونکا تو گویا جبریل کلمۃ اللہ کو مریم کی طرف نقل کرنے والے ہیں جیسا کہ رسول کلام اللہ کو اپنی امت کی طرف نقل کرتے ہیں **يَقُولُ تَعَالَى (وَكَالِمَتُهُ أَنْقَلَهَا إِلَى مَرْيَمَ وَرُوحٌ مِنْهُ)** اور عیسیٰ اللہ تعالیٰ کا کلمہ ہے اُس کو جبریل نے مریم کی طرف ڈال دیا اور عیسیٰ اللہ تعالیٰ کی روح ہیں۔ عالم کی ہر شے ایک کلمہ ہے کیونکہ کلمہ کن سے پیدا ہوتی ہے لہذا عیسیٰ بھی ایک کلمہ ہے۔ نیز جیسا کہ رسول اللہ تعالیٰ کے کلمات اپنی امت کو پہنچاتے ہیں ایسا ہی جبریل علیہ السلام نے عیسیٰ علیہ السلام جو اللہ تعالیٰ کا ایک کلمہ ہے، کو مریم علیہا السلام کی طرف پہنچایا۔ نیز عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی روح ہیں یعنی روح القدس سے مشرف ہیں۔ یہ ہی وجہ ہے کہ آپ میں کمالات الہیہ پائے جاتے ہیں۔ جب جبریل علیہ السلام نے مریم علیہا السلام کو پاکیزہ لڑکے کی بشارت دی تو مریم میں شہوت نے سرایت کی اور آپ کا سینہ کھل گیا۔ اسوقت جبریل علیہ السلام نے مریم میں پھونکا۔ پس عیسیٰ کا جسم حقیقی پانی یعنی منی مریم سے اور وہی پانی یعنی نفخ جبریل

سے پیدا کیا گیا۔ اُس نفخ جبریل کی رطوبت میں وہی پانی نے سرایت کی ہوتی تھی کیونکہ جسم حیوانی کے نفخ میں رطوبت ہوتی ہے اور نفخ میں رطوبت کی وجہ یہ ہے کہ جسم حیوانی میں پانی کے اجزا پوشیدہ ہیں۔ لہذا جسم عیسیٰ ماء متوہم اور ماء محقق سے پیدا ہوا۔ تکوین کی چار قسمیں ہیں (۱) بغیر ماں باپ کے جیسے کہ حضرت آدم علیہ السلام (۲) فقط باپ سے جیسے کہ حضرت حوا علیہا السلام (۳) فقط ماں سے جیسے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام (۴) ماں باپ سے یہ معمول ہے۔ وَخَرَجَ عَلَىٰ عُمَرَاءَ الْبَشَرِ اِنَّ ابْنَ سِوَالِیہِ پیدا ہوتا ہے کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نفخ جبریل اور ماء مریم سے پیدا ہوتے تو اُن کی صورت بشری کیوں تھی اُس کے جواب میں یہ ارشاد ہوا کہ عیسیٰ بشری صورت پر اس وجہ سے ظاہر ہوتے کہ آپ کی ماں بشری صورت پر تھی اور جبریل بھی بوقت نفخ بشری صورت میں متماثل تھا۔ جبریل کا بوقت نفخ بشری صورت میں متماثل ہونا اسی وجہ سے تھا کہ اس نوع انسانی میں حکم معقاد یعنی معمول کے خلاف تکوین اور ایجاد واقع نہ ہو۔ اور عیسیٰ اس حال میں ظاہر ہوتے کہ آپ موتی کو زندہ کرتے تھے کیونکہ تحقیق آپ رُوح الہی تھے۔ پس مُردوں کو زندہ کرنا حقیقتاً اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب تھا۔ اگرچہ ہر انسان میں رُوح الہی کا ظہور ہے لیکن رُوح الہی کا ظہور ہر انسان میں اُس کی استعداد اور قوت جذب کے مطابق ہے۔ عام انسانوں میں آفتاب رُوح الہی کی ایک شعاع پڑ رہی ہے اور خواص یعنی انبیاء و اولیاء علیہم السلام میں وہ رُوح الہی کا آفتاب پوری ٹھاٹھ سے چمک رہا ہے چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں رُوح الہی کا آفتاب اُن کی استعداد کے مطابق خوب چمک رہا تھا۔ آفتاب رُوح الہی کیلئے مرآتِ تامہ سرکارِ دو عالم حضور نبی کریم جناب محمد پاک صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور آپ مثل نور کے سمندر کے ہیں۔ دیگر انبیاء و اولیاء علیہم السلام اُس سمندر کی انہار و جداول ہیں۔ باقی خلائق اُس سمندر کے قطرات ہیں۔ خاتم الرسل جناب محمد پاک صلی اللہ علیہ وسلم آسمان ولایت کے شمس ہیں۔ خاتم الاولیاء حضرت سید عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ آسمان ولایت کے قمر ہیں۔ دوازدہ امام اہلبیت علیہم السلام آسمان ولایت کے بُروج ہیں۔ مجملہ سابقہ انبیاء و مجملہ اولیاء علیہم السلام آسمان ولایت کے نجوم ہیں۔ مجملہ بُروج و مجملہ نجوم قمر سے نور حاصل کرتے ہیں لِقَوْلِهِ تَعَالٰی (تَبٰرَكَ الَّذِیْ جَعَلَ فِی السَّمَاءِ بُرُوجًا وَجَعَلَ فِیْهَا سِرَاجًا وَقَهَرًا مُّبِیْنًا)۔ آیہ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے قمر کو مُنیراً فرمایا ہے یعنی مجملہ بُروج اور مجملہ نجوم قمر سے نور حاصل کرتے ہیں۔ بہراج کو مُنیراً اسلئے نہیں فرمایا کہ بُروج اور نجوم کا تعلق براہ راست بہراج یعنی شمس کے ساتھ نہیں ہے بلکہ اُن کا براہ راست تعلق قمر کیساتھ ہے۔

وَالنَّفْخُ لِعِيسَى رَافِعًا اور نفخ واسطے عیسیٰ کے تھا جیسا کہ نفخ واسطے جبریل کے تھا اور کلمہ عیسوی واسطے اللہ تعالیٰ کے تھا۔ مردوں کو زندہ کرنے میں بظاہر عیسیٰ علیہ السلام نفخ کرتے تھے جیسا کہ عیسیٰ علیہ السلام کو پیدا کرنے میں بظاہر جبریل علیہ السلام نے نفخ کیا تھا اور مردوں کو زندہ کرنے میں کلمہ "کُنْ" یا "قُمْ" جو عیسیٰ علیہ السلام استعمال کرتے تھے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہے۔ مراد یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کیلئے دو جہتیں ہیں۔ ایک جہت ربوبیت ہے دوسری جہت بشریت ہے۔ نفخ آپ کی جہت بشریت کی طرف منسوب ہے اور کلمہ "قُمْ" آپ کی جہت ربوبیت کی طرف منسوب ہے۔ پس حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مردوں کو زندہ کرنا محقق تھا یعنی واقعی آپ کی طرف منسوب تھا کیونکہ بظاہر مردوں میں آپ ہی پھونکتے تھے۔ نیز احياء الموتی آپ کی طرف ایسے ہی منسوب ہے جیسے آپ کا ظہور آپ کی ماں کی صورت کی طرف منسوب ہے۔ مراد یہ ہے کہ بظاہر موتی کا زندہ کرنا آپ کی طرف منسوب تھا جیسے کہ آپ کی پیدائش بظاہر اپنی ماں کی صورت سے ہوئی۔ اور اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا موتی کا زندہ کرنا ایک دہی امر بھی تھا کہ احياء ان سے ہے اور سوائے اس کے نہیں کہ حقیقت میں موتی کا زندہ کرنا اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب تھا کیونکہ احياء بشری مقدور سے باہر ہے۔ پس عیسیٰ علیہ السلام بہ سبب اپنی حقیقت کے جس پر وہ مخلوق ہوئے ان ہر دو امور کے جامع ہیں یعنی احياء محقق و احياء متوہم کے جامع ہیں جیسا کہ انکی حقیقت کے متعلق ہم نے کہا ہے کہ وہ ماء متوہم اور ماء حقیقی سے پیدا کئے گئے ہیں۔ احياء ان کی طرف ایک وجہ سے بطریق تحقیق منسوب ہے اور ایک وجہ سے بطریق توہم منسوب ہے۔ طریق تحقیق کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے (وَيُحْيِي الْمَوْتَى) اور وہ مردوں کو زندہ کرتے اور طریق توہم کے متعلق ارشاد ہوا (إِنِّي آخِذٌ بِكُلِّ طَائِفَةٍ مِّنَ الطَّيِّفِينَ فَتَفْخَمُونَ بِأَذْنِ اللَّهِ) میں تم کو مٹی کا جانور بنا دیتا ہوں پھر اُس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ اللہ کے حکم سے زندہ ہو جاوے۔ آئیہ اولیٰ میں احياء کی اصناف عیسیٰ علیہ السلام کی طرف کی گئی ہے اور آئیہ ثانیہ میں احياء کی اصناف اللہ تعالیٰ کی طرف کی گئی ہے۔ پس آئیہ اولیٰ میں احياء کی نسبت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف بطریق تحقیق ہے اور آئیہ ثانیہ میں یہ نسبت بطریق توہم ہے۔ آئیہ ثانیہ میں عامل مجرور میں یعنی کلمہ بِأَذْنِ اللَّهِ میں کلمہ فَيَفْخَمُونَ ہے نہ کہ کلمہ فَتَفْخَمُونَ اور یہ بھی احتمال ہے کہ عامل فَتَفْخَمُونَ ہو کیونکہ پرندے کا پیدا ہونا بظاہر عیسیٰ علیہ السلام کی ظاہری جسمانی حسی صورت کے نفخ کی وجہ سے تھا۔ اور ایسا ہی حال اس قول کا ہے (تُبْرِئُ الْآكْمَةَ وَالْأَبْرَصَ بِأَذْنِي) تو مادر زاد اندھے کو اور کورھی کو

میرے اذن سے چنگا کرتا تھا۔ بلکہ جمیع معجزات کا یہ ہی حال ہے کہ وہ دونوں طرف منسوب ہیں عیسیٰ علیہ السلام کی طرف بھی اور اِذْنِ اللہ کی طرف بھی۔ مُراد یہ ہے کہ جمیع معجزات حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں بطریق تحقیق بھی پائے جاتے ہیں اور بطریق توہم بھی۔ اور جمیع معجزات جو عیسیٰ علیہ السلام کی طرف اور اِذْنِ اللہ کی طرف اور اذن الکنایہ یعنی بِاِذْنِ اللہ کی طرف منسوب ہیں اور جو اللہ تعالیٰ کے اقوال مندرجہ بالا آیات میں بِاِذْنِی اور بِاِذْنِ اللہ واقع ہے، کا حال یہ ہے کہ اگر مجرور یعنی کلمہ بِاِذْنِ اللہ اور بِاِذْنِی کلمہ تنفیخ کیساتھ متعلق ہو تو نافع نفع میں ماذون ہوگا اور پرندے کا موجود ہو جانا اللہ تعالیٰ کے اذن سے نافع کی طرف منسوب ہوگا یعنی اس میں اشارہ ہے کہ یہ معجزہ عیسیٰ علیہ السلام کی جہتِ مُحَقَّقہ کی طرف منسوب ہوگا۔ اور اگر نافع اللہ تعالیٰ کے اذن کے بغیر نافع ہوگا تو پرندے کی تکوین اذن اللہ کی طرف منسوب ہوگی اور اس صورت میں عامل کلمہ فیکُون ہوگا۔ یعنی اس صورت میں یہ ہی معجزہ عیسیٰ علیہ السلام کی جہتِ متوہمہ کی طرف منسوب ہوگا۔ اگر عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے امر میں توہم اند تحقیق نہ ہوتا تو آپ کی صورت ان دونوں وجہوں کو قبول نہ کرتی بلکہ یہ دونوں وجہیں آپ کو حاصل ہیں کیونکہ پیدائش عیسوی ان دونوں کو عطا کرتی ہے۔

وَخَرَجَ عِیْسَى الْاِیُّوَنَ یہ پھر ان دونوں وجہوں کا ذکر ہے۔ اور عیسیٰ تو وضع کیساتھ پیدا ہوئے یہاں تک کہ آپ نے مندرجہ ذیل امور اپنی اُمت کیلئے مشروع ٹھہرے۔ ایک تو یہ کہ وہ اپنے ہاتھ سے جزیہ دیوں اور خود ذلیل ہو کر رہیں۔ دوسرے یہ کہ تحقیق اگر ان میں سے کسی کو ایک رُخسار پر طمانچہ مارا جاتے تو وہ اپنا دوسرا رُخسار مارنے والے کو پیش کرے اور مظلوم طمانچہ مارنے والے پر نہ ہی فخر کرے اور نہ ہی اُس سے بدلہ طلب کرے۔ یہ تو وضع آپ کو اپنی ماں کی طرف سے حاصل ہے کیونکہ عورت کو پستی نصیب ہے اور اسی پستی کی وجہ سے عورت کو تو وضع کا شرف حاصل ہے۔ عورت کو پستی اسلئے حاصل ہے کہ وہ حکماً و حتماً مرد کے تحت ہے۔ اور جو عیسیٰ علیہ السلام میں احیاء اور ابراء کی قوت تھی وہ جبرئیل کے صورت بشری میں متمثل ہونے کے وقت نفخ جبرئیل کی وجہ سے تھی پس عیسیٰ علیہ السلام صورت بشری کے ساتھ مردوں کو زندہ کرتے تھے۔ اور اگر جبرئیل مریم علیہا السلام کے پاس صورت بشری میں نہ آتے بلکہ بشر کے سوا کسی اور صورت میں آتے یعنی موجودات عنصریہ حیوانات یا نباتات یا جمادات کی صورتوں میں سے کسی صورت میں آتے تو البتہ عیسیٰ علیہ السلام موتی کو زندہ نہ کر سکتے جب تک اسی صورت جبرئیل میں متلبس نہ ہوتے اور اسی

صورت جبرائیلیہ میں ظاہر نہ ہوتے۔ اسی صورت جبرائیلیہ سے مراد وہ مفروضہ صورت جو غیر بشری ہوتی۔ اور اگر جبرائیل اپنی صورت نوریتہ میں آتے جو عناصر و ارکان سے خارج ہے یعنی مثالی صورت میں آتے بشراً سیویاً پورے بشر بن کر جسم عنصری کے ساتھ نہ آتے، کیونکہ عالم مثال میں متمثل ہونے سے کوئی چیز اپنی اصلی طبیعت سے خارج نہیں ہوتی، تو بھی عیسیٰ علیہ السلام موتی کو زندہ نہ کر سکتے جب تک اس صورت طبعیہ نوریتہ جبرائیلیہ میں ظاہر نہ ہوتے۔ یعنی اُس صورت عنصریہ بشریہ کے ساتھ مردوں کو زندہ نہ کر سکتے کیونکہ وہ صورت اُن کی مال کی طرف منسوب ہے۔

اور موتی کے زندہ کرنے کی وقت عیسیٰ کے متعلق کہا جاتا تھا کہ عیسیٰ بشر ہیں اور نہیں ہیں وہ بشر۔ اور اُن کی طرف نظر کرنے میں حیرت واقع ہوتی ہے جیسا کہ ایک عاقل جب وہ اپنی نظر فکری سے بشر میں سے ایک بشری کا لبد کو مردوں کو زندہ کرتے دیکھے تو وہ حیران رہ جاتا ہے کیونکہ موتی کو زندہ کرنا خصل الہیہ میں سے ہے اور پھر عیسیٰ کا موتی کو زندہ کرنا ایسا تھا کہ مردے زندہ ہو کر کلام کرتے تھے۔ یہ نہیں کہ صرف حیوانوں کی طرح زندہ ہو کر حرکت کرتے تھے اور کلام نہیں کرتے تھے۔ جب وہ ناظر ایک بشری صورت کو صفات کاملہ الہیہ سے مزین دیکھتا ہے تو وہ حیران رہ جاتا ہے۔ پس انہیں سے بعض کو انکی نظر فکری نے حلول کے قول کی طرف پہنچایا یعنی انہوں نے کہا کہ اللہ نے عیسیٰ کی صورت میں حلول کیا ہے اور مردوں کو زندہ کیا ہے۔ اور بعض نے بہ سبب اُس صفت کے جس سے وہ موتی کو زندہ کرتے تھے کہا کہ تحقیق عیسیٰ ہی خود اللہ تعالیٰ ہیں۔ اور اسی لئے وہ کفر کی طرف منسوب کئے گئے۔ کفر بمعنی ستر کے ہے کیونکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کو عیسیٰ علیہ السلام کی صورت بشری میں اس طرح چھپایا کہ وہ اللہ تعالیٰ موتی کو زندہ کرتا تھا لہذا اللہ تعالیٰ نے اُن کے حق میں فرمایا (لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ) تحقیق وہ لوگ کافر ہوئے جنہوں نے کہا کہ مسیح ابن مریم ہی اللہ ہے کیونکہ اُن لوگوں نے اس پورے کلام میں خطا اور کفر کو جمع کر دیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ یہ عیسیٰ مریم کا بیٹا ہی اللہ ہے یعنی انہوں نے اللہ تعالیٰ کو عیسیٰ علیہ السلام کے تعین میں حصر کر دیا حالانکہ اللہ تعالیٰ حد و حصر سے منزہ ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کو عیسیٰ کے تعین میں حصر کر دینا ہی خطا و کفر ہے۔ محققین عارفین رضی اللہ عنہم کے نزدیک اِنَّهُ صُوْرَةٌ مِّثْلُ شَيْءٍ وَدَعَيْنُ مِثْلُ شَيْءٍ یعنی اللہ تعالیٰ ہر شے کی صورت اور ہر شے کا عین ہے (فتوحات باہیہ)۔ اگر وہ کہتے عیسیٰ اللہ ہے یا کہتے عیسیٰ مریم کا بیٹا ہے تو اُن پر کفر لازم نہ آتا۔ کلمہ ”عیسیٰ اللہ ہے“ بجا ہے کیونکہ ہر انسان اُس کیلئے ایک برقع ہے اور ہر برقع میں وہی محبوب واحد مستور

ہے۔ چونکہ عیسیٰ بھی اُن برقعوں میں سے ایک برقع ہے لہذا عیسیٰ اللہ ہے یعنی عیسیٰ کی صورت پر اللہ تعالیٰ کا ظہور ہے جیسے ہر صورت پر اُس ذات کا ظہور ہے۔ اور اگر کہا جائے کہ یہی عیسیٰ ابن مریم اللہ ہے تو یہ کفر ہے کیونکہ اسطرح اُلُوہیت عیسیٰ کے تعین میں حصر کر دیجاتی ہے۔ اور کلمہ ”عیسیٰ مریم کا بیٹا ہے“ بالکل بجا ہے۔ اس کلمہ سے بھی کوئی کفر لازم نہیں آتا۔ لیکن جب اُنہوں نے یہ کہا ”عیسیٰ ابن مریم ہی اللہ ہے“ تو قوم نصاریٰ نے تجاوز کیا اور اُلُوہیت کو عیسے کی صورت بشری ناسوتی کے ساتھ تفسیم کر دیا اور اس کا سبب یہ امر تھا کہ آپ مُردوں کو زندہ کرتے تھے۔ مُراد یہ ہے کہ انسان کامل کی دو جہتیں ہیں۔ ایک جہت ظاہری یعنی بشریت، دوسری جہت باطنی یعنی ربوبیت۔ عیسیٰ علیہ السلام کا مُردوں کو زندہ کرنا جہت ربوبیت سے تھا نہ کہ جہت بشریت سے لیکن قوم نصاریٰ نے آپ کی دونوں جہتوں میں تمیز نہ کی۔ وَهُوَ ابْنُ مَرْيَمَ اور بلا شک عیسیٰ مریم کا بیٹا ہے لیکن نصاریٰ کے قول (إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ) سے سامع نے اس امر کا خیال کیا کہ اُنہوں نے اُلُوہیت کو صورت کی طرف منسوب کیا ہے اور اُلُوہیت کو صورت عیسوی کا عین گردانا ہے یعنی اُنہوں نے اُلُوہیت کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تعین میں حصر کر دیا ہے اور صرف ایسا ہی نہیں کیا بلکہ اُنہوں نے اس سے بھی تجاوز کیا اور ہُویت الہیہ کو ابتدا میں ہی صورت بشری میں جو عیسیٰ ابن مریم کی صورت ہے، حصر کر دیا۔ ہُویت الہیہ سے مُراد مرتبہ احدیت ذاتیہ ہے جو قدیم ہے اور صورت بشری حادث ہے۔ یعنی قوم نصاریٰ نے قدیم کو عین حادث کہا اور قدیم اور حادث میں تمیز نہ کی۔ ابن مریم کے لفظ سے بظاہر اُنہوں نے صورت اور معنی میں تفریق کی لیکن حقیقت میں اُنہوں نے معنی کو صورت کا عین گردانا۔ یعنی اُنہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جہت بشریت یعنی صورت بشری کو بھی قدیم گردانا حالانکہ انسان کامل اپنے علمی وجود کے لحاظ سے قدیم ہے اور ظاہری خارجی وجود کے لحاظ سے حادث ہے۔ مُراد یہ ہے کہ اُلُوہیت قدیم ہے اور صورت ناسوتی بشری عیسوی حادث ہے لیکن قوم نصاریٰ نے قدیم کو عین حادث کہا۔ مثال کے طور پر جبریل علیہ السلام پہلے جب صورت بشری میں متمثل ہوئے تو نفخ اُس میں نہ تھا۔ بعد میں جبریل نے نفخ کیا۔ پس صورت جبریل اور نفخ جبریل میں فرق واقع ہوا اگرچہ نفخ صورت جبریل سے ہے۔ اور تحقق صورت حق اور نفخ نہ تھا پس معلوم ہوا کہ نفخ صورت کی حد ذاتی سے نہیں ہے۔ یعنی نفخ حادث ہے اور صورت جبریلی کے ذاتیات میں سے نہیں ہے۔ ایسے ہی اگرچہ ذات حق کا ظہور صورت عیسوی پر ہے لیکن ذات حق قدیم ہے اور صورت عیسوی حادث

ہے

پس عیسیٰ کے بارہ میں کہ اُن کی حقیقت کیا ہے، اہل ملت کے درمیان خلاف واقع ہوا۔ اب جس نے آپ کو باعتبار صورت انسانی بشری کے دیکھا وہ کہتا ہے کہ وہ مریم کا بیٹا ہے۔ اور جس نے آپ کو باعتبار صورت مثالی جبرئیلیہ متمثلہ بصورت بشریہ دیکھا وہ آپ کو جبرئیل کی طرف منسوب کرتا ہے اور جس نے آپ کو اس صفت کے اعتبار سے دیکھا جس کے باعث آپ سے احیاء موتی کا ظہور ہوا وہ آپ کو اللہ کی روح کی طرف منسوب کرتا ہے اور کہتا ہے کہ عیسیٰ روح اللہ ہے کیونکہ جس شے میں آپ نے پھونکا اُس میں حیات ظاہر ہو گئی۔ پس کبھی عیسیٰ میں حق تعالیٰ مُتَوَحِّم ہوتا ہے۔ لفظ مُتَوَحِّم اسم مفعول ہے یعنی عیسیٰ کی حقیقت کے متعلق ناظر کو وہم گذرتا ہے کہ عیسیٰ حق ہے۔ اور کبھی عیسیٰ میں فرشتہ مُتَوَحِّم ہے یعنی عیسیٰ کی حقیقت کے متعلق ناظر کو وہم گذرتا ہے کہ عیسیٰ فرشتہ ہے۔ اور کبھی اسی میں بشریت انسانی مُتَوَحِّم ہوتی ہے یعنی عیسیٰ کی حقیقت کے متعلق ناظر کو وہم گذرتا ہے کہ عیسیٰ بشر ہے۔ پس عیسیٰ علیہ السلام ہر ناظر کے غالب گمان کے موافق ہیں لہذا آپ اللہ کا کلمہ اللہ کی روح اور اللہ کا بندہ ہیں۔ اور عیسیٰ کے ہوا کسی انسان کی ظاہری حسیہ صورتیں اختلاف نہیں پایا جاتا بلکہ ہر شخص اپنے ظاہری باپ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے اور اُس کی صورت بشری میں اُس کی روح پھونکنے والے کی طرف منسوب نہیں کیا جاتا۔ قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ پہلے انسان کا اللہ تعالیٰ تسویۂ جسم کرتا ہے يَقُولُ تَعَالَى (فَإِذَا اسْتَوَيْتُهُ) بعد میں اُس میں اپنی روح پھونکتا ہے يَقُولُ تَعَالَى (وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُوحِي) اور حقیقت روح کی نسبت عین اللہ تعالیٰ کی طرف کی گئی ہے۔ لیکن عیسیٰ کی یہ حالت نہیں۔ اُن کا تسویۂ جسم و صورت بشری اُن کی روح کے نفخ میں مندرج تھی یعنی اُن کے تسویۂ جسم و نفخ روح کیلئے زمانہ واحد ہے مُراد یہ ہے کہ نفخ روح کے ساتھ ہی اُن کا تسویۂ جسم ہو گیا۔ اور عیسیٰ کے ہوا دوسرے کسی انسان کی یہ حالت نہیں جیسا کہ اوپر مذکور ہوا کیونکہ ہر انسان کا پہلے تسویۂ جسم ہوتا ہے اور بعد میں اُس میں روح پھونکی جاتی ہے۔

قَالَ تَبَّ جُودَاتُ كُلِّهَا اِنَّ اِسَّ سے پیشتر مذکور ہوا کہ عیسیٰ اللہ کا کلمہ ہے۔ اب فرماتے ہیں کہ صرف ایک عیسیٰ اللہ کا کلمہ نہیں بلکہ مجملہ موجودات ہی اللہ تعالیٰ کے کلمات ہیں جو ختم ہوئے ہیں۔ مجملہ موجودات اس لئے اللہ تعالیٰ کے کلمات ہیں کہ وہ کلمہ کُن سے پیدا ہوئے ہیں اور کُن اللہ تعالیٰ کا کلمہ ہے يَقُولُ تَعَالَى (رَأَيْتُمْ اَمْرًا اِذَا ارَادَ شَيْئًا اَنْ يَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ) اُس کا حکم یہی ہے کہ جب

وہ کسی چیز کا ارادہ کرے اور اُس کو کہے کہ ہو وہ ہو جاوے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا کلمہ کُن کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر مرتبہ حقیقی میں ہوتا ہے حالانکہ مرتبہ حقیقی میں کلمہ کُن کی ماہیت معلوم نہیں ہوتی، یا مرتبہ خلقی پر جب اللہ تعالیٰ اُس صورت میں نازل ہوتا ہے جو کُن سے اشیاء کو پیدا کرتا ہے۔ پس اس صورت میں کلمہ کُن حقیقتاً اُس صورت کیلئے ہے جس کی طرف اللہ تعالیٰ نازل ہوا اور اُس میں ظاہر ہوا۔ لہذا بعض عارفین ایک جانب یعنی مرتبہ حقیقی کو اختیار کرتے ہیں اور بعض جانب دوسری کو یعنی مرتبہ خلقی کو اور بعض اس امر میں حیران ہیں اور کچھ نہیں جانتے۔ اور یہ مسئلہ ایسا ہے کہ اس کا عرفان سوائے ذوق کے ممکن نہیں ہے جیسے کہ بایزید نے اس مسئلہ کو ذوق کے ساتھ پہچانا۔ آپ نے ایک چیونٹی میں جو آپ نے مار ڈالی تھی، پھونکا تو وہ زندہ ہو گئی۔ پس اُس وقت آپ نے پہچانا کہ کون پھونکتا ہے۔ آپ چونکہ عیسوی المشرق تھے اسلئے آپ نے نفع سے مردہ چیونٹی کو زندہ کر دیا۔ کاتب الحروف مسکین عطا محمد عفی اللہ عنہ عرض کرتا ہے کہ آیہ کریمہ (إِنَّمَا أَمْرُهُ إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَنْ يَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ) سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ شے کی شئییت پہلے موجود ہے جس کی طرف لہ کی ضمیر راجع ہے اور جس کو کُن کہا جا رہا ہے۔ یہ اُس شے کا علم الہی میں علمی وجود ہے۔ اس علمی وجود کو اُس شے کا عین ثابتہ کہا جاتا ہے۔ اب اللہ تعالیٰ اُس شے کے عین ثابتہ کو امر کرتے ہیں تو وہ شے مرتبہ علم سے خارج میں ظاہر ہو جاتی ہے۔ مجملہ موجودات ظہور سے پہلے اللہ تعالیٰ کے علم میں اعیان ثابتہ کی صورت پر موجود تھے۔ جب اللہ تعالیٰ نے عالم کے ظہور کا ارادہ فرمایا تو ممکنات عالم کے اعیان ثابتہ کو فرمایا "کُن" یعنی ظاہر ہو جاؤ تو اعیان ثابتہ موجودات عالم کی صورتوں پر ظاہر ہو گئے۔ یہ ہے کہ موجودات عالم اعیان ثابتہ کے احکام و آثار کے مطابق ظاہر ہوئے۔ اعیان ثابتہ مرتبہ علم سے باہر نہیں آتے۔ انہوں نے خارج کی خوشبو بھی نہیں سونگھی۔ موجودات عالم کے اعیان ثابتہ اللہ تعالیٰ کے معلومات ہیں جو غیر متناہی ہیں لہذا موجودات عالم بھی غیر متناہی ہیں اور ختم ہونے والے نہیں ہیں۔ مجملہ موجودات کلمہ کُن سے پیدا ہونے کے سبب اللہ تعالیٰ کے کلمات ہیں۔ مرتبہ احدیت میں اسماء الہیہ ذات حق میں بالقوہ موجود تھے۔ مرتبہ وحدت میں اسماء الہیہ کا ظہور علمی اجمالی ہے اور مرتبہ واحدیت میں اسماء الہیہ کا ظہور علمی تفصیلی ہے۔ مرتبہ احدیت ذات حق کا بطون در بطون مرتبہ ہے اور اسی مرتبہ میں اللہ تعالیٰ کو اپنے ظہور کا شوق ہوا لِقَوْلِهِ كُنْتُ كَثْرًا لَمْ أَعْرِفْ فَأَحْبَبْتُ أَنْ أَعْرِفَ فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ وَتَعَرَّفْتُ إِلَيْهِمْ فَتَعَرَّفُونِي۔ اس مرتبہ کی مثال بیج کی سی ہے۔ اس میں اسماء الہیہ بالقوہ موجود ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا تعین اول یا ظہور اول مرتبہ وحدت ہے۔ اس میں اسماء الہیہ کا ظہور علمی اجمالی ہے۔ اسکو نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہیں۔ اسکی مثال انگور کی سی ہے۔ یعنی بیج انگور کی صورت پر جلوہ نما ہو گیا۔ اس کے بعد مرتبہ واحدیت میں اسماء الہیہ کا ظہور علمی تفصیلی ہے۔ اس میں انگور بڑھ کر ایک درخت بن گیا۔ لیکن یہ دونوں مراتب ظہور علمی کے مراتب ہیں۔ اس مرتبہ میں ممکنات عالم کے اعیان ثابتہ ظاہر ہو گئے۔ مرتبہ وحدیت مرتبہ وحدت کی تفصیل ہے یعنی جملہ اعیان ثابتہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نور پاک کے اجزائیں۔ ان جملہ اعیان ثابتہ جو موجودات عالم کے علمی وجود ہیں، کو کُن سے اعیان خارجیہ کی صورت پر پیدا کیا گیا۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ کلمہ کُن کس کی طرف منسوب ہے کلمہ کُن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نور پاک یعنی عین ثابتہ کی طرف منسوب ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کلمہ کُن سے جملہ موجودات کے علمی وجود کو ظاہری خارجی لباس عطا کر دیا۔ اب خلق میں سے جو کوئی مقام محمدی صلی اللہ علیہ وسلم پر کما حقہ فائز ہو جاتا ہے وہ قوت تکوین سے مُشرف ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دار دنیا میں ظہور ہوا تو لاکھوں معجزات کا آپ سے صدور ہوا۔ ان سب معجزات کی اصل یہی قوت تکوین اور کلمہ کُن ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں وارد ہوا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنگ تبوک میں تھے کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے ایک شخص کو دُور سے دیکھا اور اُسے نہ پہچانا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ ابوذرؓ ہے۔ جب نزدیک آیا تو کوئی اور تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کُنْ اَبَاذَرٍّ یعنی ابوذر ہو جا پس وہ ابوذرؓ ہو گیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یَسْجِدُ لِلّٰہِ نہ فرمایا۔ پس آپ کی کُن اللہ تعالیٰ کی کُن ہے۔ لہذا ثابت ہوا کہ عالم کی تکوین اور ایجاد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کُن سے ہوئی اور اب عالم میں جس کسی کو قوت تکوین سے نوازا جاتا ہے اُس کے قلب میں حقیقت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا ظہور ہوتا ہے۔

وَأَمَّا الْإِحْيَاءُ أَمْحُ اور لیکن حیات معنوی جو علم سے حاصل ہوتی ہے، یہ حیات الہیہ ذاتیہ علمیہ نورانیہ ہے۔ اور اسی حیات معنوی کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا (أَوْمَنْ كَانَ مَيِّتًا فَأَحْيَيْنَاکَ وَجَعَلْنَا لَہٗ نُورًا یَّسِّرُنِیْ بِہٖ فِی النَّاسِ) بھلا جو شخص کہ مُردہ تھا پھر ہم نے اُس کو زندہ کیا اور اُس کے واسطے ایک نور گردانا جس کے ساتھ وہ لوگوں میں چلتا ہے۔ پس جس کسی نے کسی مُردہ نفس کو حیات علمیہ کے ساتھ زندہ کیا یعنی ایک مسئلہ خاص متعلقہ علم باللہ اُس کو پڑھایا تو بلا شک اُس نے اُس نفس مُردہ کو حیات معنوی کیساتھ زندہ کر دیا۔ آگے حیات صوری یعنی حیات جسد کا ذکر تھا، یہ حیات معنوی یعنی حیات روح کا ذکر ہے مسئلہ

خاص سے مراد مسئلہ توحید ہے۔ جس شخص نے کسی غافل شخص کو علم توحید پڑھایا اُس نے اُسے زندہ جاوید کر دیا۔ رب تعالیٰ اپنے اولیاء کو ایک نور عطا کرتا ہے جس سے اُن کو معرفت الہی نصیب ہوتی ہے۔ جب وہ کمال کو پہنچتے ہیں تو صفات کاملہ الہیہ سے مشرف ہو جاتے ہیں یعنی سات صفات نفسیہ ذاتیہ سے مشرف ہو جاتے۔ سات صفات ذاتیہ الہیہ حیات، علم، ارادہ، قدرت، سمع، بصر اور کلام ہیں۔ اور یہ حیات معنوی جو معرفت الہی سے نصیب ہوتی ہے عارف باللہ کے لئے ایک نور ہے جس کے ساتھ وہ لوگوں میں چلتا ہے یعنی اُن لوگوں میں جو صورت میں اُس کے ہمشکل ہیں۔ مراد یہ ہے کہ عارف باللہ کو جب معرفت الہی کا نور نصیب ہوتا ہے تو اُس نور کے باعث وہ اہل اللہ کے زمرہ میں داخل ہو جاتا ہے جو باطنی صورت میں اُس کے ہمشکل ہیں یعنی جو اُس نور معرفت سے پہلے ہی مشرف ہیں۔ نیز اس میں اس حکمت کی طرف اشارہ ہے کہ جملہ انبیاء و اولیاء باطنی صورت کے اعتبار سے ہمشکل ہیں یعنی سب ذات واحد کے مظہر ہیں بدشعر (۱) پس اگر وہ یعنی حقیقی نہ ہوتا اور اگر ہم نہ ہوتے یعنی ہمارے علمی وجود یا ہمارے اعیان ثابتہ اللہ کے علم میں موجود نہ ہوتے تو البتہ جو کچھ کہ موجود ہوا ہرگز موجود نہ ہوتا۔ یعنی ممکنات عالم کے خارجی وجود کا ظہور ممکنات کے اعیان ثابتہ کے احکام اور آثار پر ہے۔ ممکنات کے اعیان ثابتہ اللہ تعالیٰ کے معلومات ہیں اور اللہ تعالیٰ کا علم عین اللہ تعالیٰ کی ذات ہے کیونکہ صفت ذات سے جدا اور منفک ہرگز نہیں ہو سکتی۔ لہذا ثابت ہوا کہ عالم کی صورت پر حقیقی کا ظہور ہے۔ بنیر حقیقی کی ذات کے عالم کا وجود ہو سکتا ہی نہیں جیسے بغیر سیاہی کے کتاب کا وجود ہو سکتا ہی نہیں۔ جمیع عوالم کا نقشہ (ممکنات کے اعیان ثابتہ) اللہ تعالیٰ کے علم میں موجود تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے اُسی علمی نقشہ کو موقع پر کلمہ کُن سے ظاہری خارجی نقشہ کی صورت پر موجود کر دیا۔ بعض جہاں کا یہ خیال ہے کہ عالم کو اللہ تعالیٰ نے محض عدم سے پیدا کیا ہے۔ یہ غلط ہے۔ اللہ تعالیٰ عالم کو عدم اصنافی یعنی مرتبہ علم سے مرتبہ عین ظاہر خارج شہود میں لایا ہے۔

(۲) اور حقیقت میں ہم عبد ہیں اور تحقیق اللہ تعالیٰ ہمارا مولا و مالک ہے۔ یعنی حقیقت میں ہم وجود کی خاطر اللہ تعالیٰ کے محتاج ہیں اور ہمارا مولا و پرورش کنندہ اللہ تعالیٰ ہے یعنی حقیقی ہمارے وجودوں کی اپنے وجود کے ساتھ پرورش کر نیوالا ہے جیسے سیاہی اپنے وجود کے ساتھ حروف و الفاظ کے وجودوں کی پرورش کرتی ہے۔

(۳) اور تحقیق ہم اہل عالم حقیقی کے عین ہیں۔ پس اسے طالب اس راز کو اچھی طرح جان لے۔ بلکہ ہم

دونوں قوسوں کو شامل ہے یعنی حضرت انسان کامل حق اور خلق دونوں کو جامع ہے۔ نیز قوس خلتی بھی دائرۃ اللہ کی ایک قوس ہے یعنی خلق کی صورت پر بھی اللہ تعالیٰ کا ظہور ہے۔ اللہ تعالیٰ تقسیم انقسام سے منزہ ہے۔ دائرہ کو دو قوسوں میں تقسیم کرنے سے مراد یہ ہے کہ وجود واحد کیلئے دو جہتیں ہیں۔

(۶) اور اے طالب! عارف کامل بن اور خلق کو حق تعالیٰ سے خدادے یعنی خلق کو لقمہ معرفت کھلا۔ اُس وقت تو طالبانِ خدا کیلئے خوشبو و شراب ہو گا۔ یعنی تو طالبانِ خدا کے دماغ تو حید کی خوشبو سے معطر کر لگا اور اُن کو شراب تو حید پلاتے گا۔

(۷) پس ہم نے حق تعالیٰ کو وہ چیز عطا کی ہے جس کے ساتھ وہ ہم ہیں ظاہر ہوتا ہے حالانکہ وہ چیز بھی ہم کو حق تعالیٰ نے عطا کی ہوئی ہے۔ یعنی ہمارا وجود حق تعالیٰ کے ساتھ ہے اور حق تعالیٰ کا ظہور ہمارے وجود کے ساتھ ہے۔ سیاہی کا ظہور حروف کیساتھ ہے اور حروف کا وجود سیاہی کے ہے۔

(۸) لہذا ہر ظہور حق تعالیٰ اور ہمارے درمیان منقسم ہوا ہے۔ یعنی انسان کے بغیر حق تعالیٰ کا ظہور نہیں ہو سکتا اور حق تعالیٰ کے بغیر انسان کا وجود نہیں ہو سکتا۔

(۹) جو شخص اس راز کو جانتا ہے اُس نے میرے قلب کو حیاتِ علمیہ کیساتھ زندہ کر دیا۔ یعنی جو شخص اس سر تو حید سے واقف ہے وہ ہی طالبانِ خدا کے دلوں کو حیاتِ معنوی سے زندہ کر سکتا ہے۔ پس جو شخص اس مسئلہ وحدت الوجود سے بیخبر ہے وہ طالبانِ خدا کی پرورش کے لائق نہیں ہے۔

(۱۰) ہم اُس کی ذات میں از روئے اعیان و ازمان موجود تھے۔ یعنی انسان کی حقیقت قدیم ہے اور انسان ہر منزل اور ہر مرتبہ میں موجود تھا۔ مرتبہ احدیت ذاتیہ میں انسان بالقوۃ موجود تھا۔ مرتبہ وحدت میں انسان علم اجمالی کے اعتبار سے موجود تھا۔ مرتبہ واحدیت میں یعنی علم تفصیلی میں انسان بطور عین ثابتہ موجود تھا۔ پھر عالم ارواح میں انسان بطور روح موجود تھا۔ پھر تنزل کر کے انسان عالم مثال میں مثالی جسم کے ساتھ موجود تھا اور عالم شہادت میں انسان ظاہری خارجی وجود کیساتھ موجود ہے۔

(۱۱) اور یہ تجلی شانِ ربوبیت جو ہمارے دلوں کو زندہ کرتی ہے ہم میں دائمی نہیں ہے۔ حضرت انسان کامل ربوبیت اور عبودیت کا جامع ہے۔ گاہے اس پر ربوبیت کا تجلی ہوتا ہے گاہے عبودیت کا۔ عارف کو دائمی ربوبیت کا حال نصیب نہیں ہوتا لیکن یہ عام انبیاء و اولیاء علیہم السلام کا حال ہے یہ لوگ مثل دریا کے ہیں جو گاہے طغیانی پر ہوتا ہے اور گاہے خشک ہو جاتا ہے۔ سرکارِ دو عالم جناب

محکمہ پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے بعض وارثین مثل سمندر کے ہیں جو کبھی خشک نہیں ہوتا۔ دائمی ربوبیت اور دائمی عبودیت ان کی شان ہے۔

وَمِمَّا يَدُلُّ اَلْحَقَّ اِس سے پیشتر ذکر ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تسویہ جسم اور نفخ روح زمانہ واحد میں ہوا بر خلاف دیگر بنی آدم کے کہ اُن کا تسویہ جسم پہلے ہوتا ہے اور بعد میں اُن میں روح پھونکی جاتی ہے۔ اب ارشاد ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تسویہ جسم اور نفخ روح کا زمانہ واحد ہونے پر یہ دلیل ہے کہ نفخ جبرئیل نے صورت عیسوی کو قبول کیا جیسے نفس رحمانی نے صور عالم کو قبول کیا۔ تحقیق اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کی نفس رحمانی کے ساتھ صفت کی ہے يَقُولِ عَلَيْهِ السَّلَامُ اِنِّي لَا اَجِدُ نَفْسَ الرَّحْمٰنِ مِنْ جَانِبِ اَيْمٰنٍ اور ضروری ہے کہ ہر موصوف میں وہ امور پائے جائیں جو اُس صفت کیلئے لازم ہیں جس سے وہ چیز موصوف ہے اور تحقیق تو نے پہچانا کہ نفس یعنی سانس کو ہر متنفس میں کیا چیز لازم ہے۔ پس اسی لئے نفس الہی نے صور عالم کو قبول کیا۔ انسان جب سانس لیتا ہے تو ازالہ کرب اور وجدان راحت ہوتا ہے اور سانس کے ساتھ صوت لازم ہے اور اسی سانس کی اصوات کے ساتھ مختلف مراتب یعنی سانس کے مختلف مخارج کی وجہ سے حروف کی مختلف صورتیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ پس غور کر کہ نفس انسان کے ساتھ صوت اور صورت لازم ہے۔ اسی طرح نفخ جبرئیل کے ساتھ روح عیسوی اور صورت عیسوی لازم ہے۔ صوت صورت کی روح ہے۔ اسی طرح نفخ عیسوی سے مردوں میں صوت اور صورت پیدا ہو جاتی تھی اور مردے زندہ ہو کر کلام کرتے تھے۔ نفس رحمانی کو تجلی و جودی اور فیض مقدس کہتے ہیں۔ جب حق تعالیٰ کو اپنے ظہور کی محبت پیدا ہوتی تو حق تعالیٰ نے فیض مقدس سے اپنے معلومات کو وجود خارجی کا لباس پہنایا اور ازالہ کرب کیا۔ حق تعالیٰ نے اسم رحمن کے ساتھ تجلی کی اور اپنی رحمت عامہ سے جملہ خلائق کو نوازا یعنی جملہ موجودات کو اپنا وجود عطا کیا۔ پس جیسا کہ نفس انسانی ازالہ کرب کیلئے حروف کی صورت قبول کرتا ہے اسی طرح نفخ جبرئیل نے صورت عیسوی کو معاً قبول کیا اور ایسے ہی نفس رحمانی نے صور عالم کو قبول کیا۔ پس نفس رحمانی صور عالم کیلئے مثل جوہر ہیولانی ہے یعنی جمیع موجودات عالم کا جوہر و ہیولا و حقیقت حق تعالیٰ ہے یعنی ہر شے کا وجود ساتھ حق تعالیٰ کے ہے جیسے کتاب کے جملہ حروف و الفاظ کا وجود ساتھ سیاہی کے ہے۔ وَ لَيْسَ اَلْحَقُّ اور وہ نفس رحمانی صور عالم کی عین طبیعت ہے۔ طبیعت سے مراد معنی اور حقیقت ہے۔ پس اربعہ عناصر گ، مٹی، پانی، اور ہوا اسی

حقیقت احمدی کی صورتوں میں سے صورتیں ہیں۔ اور جو صورتیں اربعہ عناصر سے فوق ہیں اور جو صورتیں اربعہ عناصر سے پیدا ہوتی ہیں، وہ بھی حقیقت الہیہ کی صورتوں میں سے صورتیں ہیں۔ اور یہ صورتیں جو اربعہ عناصر سے فوق ہیں، ارواح علویہ ہیں جو ساتوں آسمانوں سے فوق ہیں۔ اور لیکن ساتوں آسمانوں کے ارواح اور ساتوں آسمان بذات خود عنصریہ ہیں۔ ساتوں آسمانوں کے ارواح سے مراد وہ ملائکہ ہیں جو ہر آسمان میں فرشتوں پر حاکم ہیں اور اُس آسمان کی تدبیر کرتے ہیں۔ پس ساتوں آسمانوں کے ملائکہ مدبرہ اور ساتوں آسمان بذات خود عنصری ہیں نوری نہیں۔ لیکن ان ساتوں آسمانوں میں جو عقول و نفوس مجردہ ہیں وہ نوری ہیں۔ ساتوں آسمان اور ملائکہ مدبرہ دُخان سے ہیں جو اربعہ عناصر سے پیدا ہے۔ اور ہر آسمان میں جو ملائکہ ہیں وہ بھی اربعہ عناصر سے پیدا ہیں پس ان ساتوں آسمانوں کے فرشتے عنصری ہیں نوری نہیں۔ اور جو ملائکہ ان ساتوں آسمانوں کے فوق ہیں وہ طبعیہ نوریہ ہیں اور اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اُن کا وصف ساتھ خصومت کے بیان کیا ہے۔ یہ ملائکہ اعلیٰ کے فرشتے ہیں یَقُولُ تَعَالٰی (مَا كَانَ لِیَ مِثٌّ عَلَیْہِ بِالْمَلٰئِکَۃِ اِذْ یَخْتَصِمُوْنَ)۔ ان اعلیٰ ملائکہ میں آپس میں خصومت اسلئے ہے کہ تحقیق ان میں سے ہر ایک کی طبیعت ایک دوسرے کے متقابل اور مخالف ہے۔ ان ملائکہ کی طبیعت میں تضاد بوجہ اسماء الہیہ کے ہے جو تضاد اور متقابل ہیں۔ مثال کے طور پر جو فرشتہ اسمِ رحمن کا مظہر ہے وہ رحم کا متقنی ہے اور جو فرشتہ اسمِ قہار کا مظہر ہے وہ قہر کا متقنی ہے۔ لہذا ذات حق جامع الاعداد بلکہ عین الاعداد ہے۔ اسماء الہیہ اللہ تعالیٰ کی ذات کی طرف نسبتیں اور اضافتیں ہیں۔ اسم اللہ جامع جمیع اسماء و صفات ہے۔ دیگر اسماء کسی خاص ایک صفت کے ساتھ موسوم ہیں۔ یہ اسماء الہیہ مرتبہ احدیت ذاتیہ میں بالقدوہ موجود تھے مرتبہ وحدت میں ان کا ظہور علمی اجمالی ہوا۔ مرتبہ واحدیت میں ان کا ظہور علمی تفصیلی ہوا۔ مرتبہ شہادت میں ان کا ظہور خارجی ہوا۔ فیض اقدس سے اسماء الہیہ کا ظہور علمی ہوا اور فیض مقدس سے اسماء الہیہ کا ظہور عالم کی صورت پر خارجی شہادی ہوا۔ جب ذات حق نے ظہور چاہا تو نفسِ رحمانی سے ازالہ کرب کیا یعنی اپنے بطون کو تجلی علمی سے مرتبہ علم میں اور تجلی وجودی اور شہودی سے مرتبہ خارج میں ظاہر کیا۔ نفس بمعنی سانس ہے یعنی اندر کے سانس کو باہر نکالنا یعنی کمالات باطن کو ظاہر کرنا۔ نفس سے مراد تجلی ہے اللہ تعالیٰ نے اسمِ رحمن کے ساتھ تجلی کی یعنی رحمت عامہ سے جملہ معلومات کو موجودات کی صورت پر ظاہر کیا اور جملہ موجودات کو اپنے وجود سے نوازا۔ چونکہ یہ ملائکہ اعلیٰ مختلف تضاد اسماء کے مظاہر

ہیں لہذا ان کی طبیعت میں تضاد اور تقابل ہے اسی لئے وہ آپس میں جھگڑتے ہیں۔ مرتبہ احدیت ذاتیہ میں جملہ اسماء الہیہ بالقوہ موجود ہیں لیکن اُس مرتبہ میں اسماء و صفات کا مطلق ظہور نہیں۔ اُس مرتبہ میں خلق ہے ہی نہیں اسلئے تقابل اور تضاد کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ اُس مرتبہ کی مثال بیج کی سی ہے۔ وہاں گل اور خار ایک حکم رکھتا ہے لیکن جب بیج سے درخت ظاہر ہوتا ہے تو گل اور خار علیحدہ علیحدہ معلوم ہو جاتے ہیں۔ بیج میں گل اور خار کی تمیز نہیں۔ لیکن اگر گل اور خار بیج میں بالقوہ موجود نہ ہوتے تو درخت پر بھی ظاہر نہ ہوتے۔ کیفۃً بجاء اتم مرتبہ احدیت ذات کے متعلق کیسے وارد ہوا ہے کہ وہ ذات عالمین سے غنی اور بے نیاز ہے۔ رب تعالیٰ ظہور کیلئے عالمین کا محتاج ہے لیکن مرتبہ بطون در بطون میں وہ عالمین سے بے نیاز ہے کیونکہ وہ بذات خود موجود ہے۔ وہ وجود کیلئے کسی کا محتاج نہیں البتہ ظہور کیلئے وہ ذات خلق کی محتاج ہے۔ اور خلق وجود کے لئے اللہ تعالیٰ کی محتاج ہے۔ چونکہ اسماء الہیہ میں تضاد اور تقابل پایا جاتا ہے اسلئے عالم اپنے موجد یعنی نفس الہی کی صورت پر ظاہر ہوا۔ یعنی موجودات عالم چونکہ اسماء الہیہ کے مظاہر ہیں اسلئے ان میں بھی آپس میں تضاد اور تقابل پایا جاتا ہے۔ مثلاً بعض اشیا میں حرارت غالب ہے اور بعض میں برودت غالب ہے، بعض میں یبوست غالب ہے اور بعض میں رطوبت غالب ہے۔ مراد یہ ہے کہ اربعہ عناصر جو نفس رحمانی کی صورت ہیں، میں بھی تضاد اور تقابل پایا جاتا ہے کیونکہ نفس رحمانی میں تضاد موجود ہے۔ بسبب اس چیز کے کہ نفس الہی میں حرارت ہے اربعہ عناصر میں بھی حرارت پائی جاتی ہے اور حرارت والے عنصر کو علو حاصل ہے یعنی نار کو علو حاصل ہے۔ ارکان اربعہ میں سے پہلی مخلوق نار ہے پھر ہوا پھر آب پھر خاک۔ اور بسبب اس چیز کے کہ ذات حق میں برودت و رطوبت ہے اربعہ عناصر میں بھی برودت و رطوبت پائی جاتی ہے جیسے ہوا و آب۔ برودت و رطوبت سے اشیا کو تہ نشینی و پستی حاصل ہوتی ہے یعنی تزلزل حاصل ہوتا ہے جیسے کہ آب بار در طب ہے اور بسبب غلبہ رطوبت کے جنبش کرتا ہے یا ہوا بسبب رطوبت کے جنبش کرتی ہے۔ اور بسبب اس چیز کے کہ ذات حق میں یبوست پائی جاتی ہے اربعہ عناصر میں بھی یبوست ہے جیسے خاک۔ خاک بسبب یبوست کے جنبش نہیں کرتی۔ حاصل کلام یہ ہے کہ رسوب یعنی تہ نشینی اور سفل خاصہ برودت کا ہے اور قرار و ثبوت خاصہ یبوست کا، اور علو خاصہ حرارت کا، اور تزلزل اور جنبش رطوبت کا خاصہ ہے۔ پس تہ نشینی اور سفل برودت و رطوبت کا خاصہ ہے۔ کیا تو نہیں

دیکھتا کہ تحقیق طبیب جب کسی مریض کو دوا پلانا چاہتا ہے تو اُس کے قارورہ بول کو دیکھتا ہے پس جب اُس نے بول میں رُسوب یعنی تہ نشینی دیکھی تو اُس نے جان لیا کہ تحقیق خلط کامل ہو گئی ہے۔ اُس کے بعد وہ بیمار کو دوا پلاتا ہے تاکہ وہ دوا اصلاح مزاج میں مُرعت سے اثر کرے۔ اور سوائے اُس کے نہیں کہ بول بسبب تری اور سردی طبعی کے تہ نشین ہوتا ہے۔

ثُمَّ إِنَّ الْخَلْقَ پھر جو یہ انسانی پتلا یعنی آدم ہے کی مٹی حقیقی نے اپنے دونوں ہاتھوں سے خمیر کی اور وہ دونوں ہاتھ باہم مقابل ہیں۔ مُراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی دونوں صفات جمال اور جلال سے پیدا کیا۔ اس میں صفات جمالیہ بھی پائی جاتی ہیں اور صفات جلالیہ بھی پائی جاتی ہیں یعنی انسان جمال اور جلال دونوں کا مظہر ہے۔ جمال سے مُراد لُطف و رحمت ہے، جلال سے مُراد غضب و تہر ہے۔ اگرچہ حقیقی کے دونوں ہاتھ یمن ہیں مُراد یہ ہے کہ حقیقی کے دونوں ہاتھ برکت والے ہیں، مبارک ہیں، اور موصل الی الکمال ہیں۔ یعنی حقیقی کی دونوں صفات جمال اور جلال انسان کیلئے رحمت ہی رحمت ہیں۔ اُس کے جلال میں بھی جمال پنہاں ہے۔ مثال کے طور پر جب ایک مجرم کو قید خانہ میں بھیجا جاتا ہے تو وہ گناہ سے توبہ تائب ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول ہو جاتا ہے اور جب قید خانہ سے باہر نکلتا ہے تو مومن اور ولی بن کر نکلتا ہے۔ پس وہ قید خانہ حقیقت میں اُس کے لئے رحمت ہے۔ جب انسان راہِ راست سے بھٹک جاتا ہے تو حقیقی اُسے تھپڑ مار کر راہِ راست پر ڈال دیتا ہے۔ تو یہ تھپڑ اُس انسان کیلئے حقیقت میں رحمت ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کے جلال میں بھی جمال مضمون ہے۔ لہذا اللہ تعالیٰ کے دونوں ہاتھ یمن ہیں یعنی دونوں صفات جلال اور جمال انسان کیلئے رحمت ہیں۔ اور بائیں کوئی پوشیدگی نہیں کہ کس وجہ سے دونوں ہاتھوں میں فرق ہے یعنی دونوں صفات جلال اور جمال میں کیوں تقابل اور تضاد ہے۔ تضاد کی وجہ یہ ہے کہ اسماء الہیہ میں تضاد اور تقابل ہے مثلاً تبارِ غفار کے مقابل ہے مُنْتَقِمٌ مِنْهُمْ کَیْمٌ تَقَابُل ہے جب اسماء الہیہ میں تضاد ہے تو صفات الہیہ میں تضاد بھی لازمی ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کی صفات متضاد ہیں لہذا انسان میں بھی ان دونوں متضادہ صفات کا ظہور اور اثر ہے اسی لئے حقیقی نے فرمایا کہ میں نے انسان کو اپنے دونوں ہاتھوں سے بنایا یعنی دونوں صفات جمال اور جلال کا مظہر بنایا۔ اور انسان کا خمیر اربعہ عناصر سے بنایا جو آپس میں متضاد ہیں۔ اور چونکہ اللہ تعالیٰ نے آدم کو دونوں ہاتھوں سے بنایا اسلئے اس مُباشرت یعنی ہاتھ لگانے کی وجہ سے اس کا نام بشر رکھا۔ بشر کے ساتھ دونوں ہاتھوں کے ساتھ مُباشرت جو اُس ذات کی طرف مضاف ہیں اُسی ذات کے لائق

ہے۔ یعنی بیشتر کو جامعیت کا کمال بخشا اُسی ذات کا کمال ہے۔ مُراد یہ ہے کہ بیشتر مہرِ الہی ہے اور اللہ تعالیٰ کا آئینہ ہے اور اس نوعِ انسانی کو ہی حق تعالیٰ نے اپنی عنایت سے دونوں ہاتھوں سے بنایا۔ باقی جملہ خلایق اللہ تعالیٰ نے کلمہ کُن سے پیدا کی۔ یہ صرف انسان ہی کو شرف حاصل ہے کہ اسکو اللہ تعالیٰ نے اپنے دونوں ہاتھوں سے بنایا۔ مُراد یہ ہے کہ اگرچہ ہر شے میں اللہ تعالیٰ کا ظہور ہے لیکن جملہ صفاتِ الہیہ کا ظہور سوائے حضرت انسان کے کسی شے میں نہیں۔ یہ شرف صرف حضرت انسان کو حاصل ہے کہ انسان جمیع صفاتِ الہیہ کا جامع ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ابلیس کو جس نے آدم کو سجدہ کرنے سے انکار کیا تھا، فرمایا (مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لَهَا خَلَقْتُ يَدَايَ اَسْتَكْبَرْتَ) کس چیز نے تجھ کو منع کیا کہ تو اُس ہستی کو سجدہ کرے جس کو میں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے بنایا۔ کیا تو نے اُس پر تکبر کیا کہ وہ تیری مثل ہے یعنی عنصری ہے۔ (اَمْ كُنْتَ مِنَ الْعَالِيْنَ) کیا تو اُس گروہ میں سے ہے جو عنصریوں سے بلند مرتبہ والے ہیں؟ تو ایسا نہیں ہے۔ اور عالین سے ہم وہ فرشتے مُراد لیتے ہیں جو بذاتِ خود عالی ہیں اور وہ اس امر سے مُنذر ہیں کہ وہ اپنی پیدائش نوری میں عنصری ہوں اگرچہ وہ فرشتے طبعی ہیں۔ یعنی یہ فرشتے محض نوری ہیں عنصری نہیں۔ یہ فرشتے جمالِ الہی میں محو اور مُستغرق رہتے ہیں۔ ان کو عالم اور عالمیان کی کوئی خبر نہیں۔ یہ فرشتے آدم کو سجدہ کرنے کے لئے مامور نہیں ہوتے کیونکہ ان کو شعور حاصل نہیں احکامِ شرع شعور کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں۔ یہ عالین ملائکہ کا گروہ ہے۔ پس انسان کو دیگر انواعِ عنصری پر صرف اسلئے فضیلت دی گئی ہے کہ حق تعالیٰ نے اس کی مٹی کے ساتھ دونوں ہاتھوں سے مباشرت کی ہے اور نوعِ انسانی اُن تمام انواع سے افضل ہے جو حق تعالیٰ نے عناصر سے بغیر مباشرتِ یَدین پیدا کی ہیں پس انسان رتبہ میں جملہ ملائکہ ارضیہ و سماویہ سے فوق ہے اور ملائکہ عالین نصِ الہی کے ساتھ اس نوعِ انسانی سے بہتر ہیں۔ مُراد یہ ہے کہ عام انسان عام ملائکہ سے افضل ہیں، خاص انسان خاص ملائکہ سے افضل ہیں، لیکن خاص ملائکہ عام انسانوں سے افضل ہیں۔ ملائکہ عالین اگرچہ نوری ہیں لیکن اُن کو فضیلت صرف عام انسانوں پر ہے۔ خواص یعنی انبیاء و اولیاء علیہم السلام اُن ملائکہ عالین سے افضل ہیں کیونکہ خواص لوگ اللہ تعالیٰ کے مظہرِ اتم ہیں اور یہ کمال اُن ملائکہ عالین کو حاصل نہیں۔ وہ تجلی ذات میں گو محو اور مُستغرق ہیں لیکن اُن کو جامعیت کا کمال حاصل نہیں یعنی وہ اللہ تعالیٰ کے مظہرِ اتم نہیں۔ اُن کو حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کا حکم اسلئے نہیں دیا گیا تھا کہ اُن کو سجدہ کرنے کا شعور ہی نہیں۔ یہ

نہیں کہ وہ حضرت آدم علیہ السلام سے افضل تھے۔ شریعت مظہرہ نے مجاذیب اور مجاہدین سے سجدہ کا حکم اٹھا
 لیا ہے کیونکہ اُن کو شعور نہیں ورنہ وہ اقطاب عارفین سے جو شرع شریف کے پابند ہیں، افضل نہیں۔
 فَمَنْ آذَانَ الْخَيْسِ جَوْشَخْصِ یہ ارادہ کرے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ذات کو شناخت کرے، اُسکو چاہیے
 کہ وہ عالم کو شناخت کرے کیونکہ جس نے اپنی ذات کو پہچانا پس تحقیق اُس نے اپنے رب کو پہچانا جو
 عالم میں ظاہر ہوا ہے۔ مراد یہ ہے کہ عالم ظہور حق ہے اور حضرت انسان جو خلاصہ عالم ہے اللہ تعالیٰ کا
 مظہر اتم ہے۔ یعنی عالم نفسِ رحمن میں ظاہر ہوا۔ مراد یہ ہے کہ عالم کی صورت پر اللہ تعالیٰ نے اسم
 رحمن کے ساتھ تجلی کی یعنی اپنی رحمت عامہ کے سبب عالم کو اپنے وجود سے نوازا۔ نیز اسماء الہیہ جو مرتبہ
 احدیت ذاتیہ میں بالقوہ موجود تھے، مرتبہ وحدت میں علم اجمالی کے ساتھ ظاہر ہوئے اور مرتبہ واحدیت
 میں اسماء الہیہ کا ظہور علمی تفصیلی ہوا۔ اس مرتبہ میں اسماء الہیہ جو ارباب ہیں، کیساتھ اسماء کیانیہ جو مرکوبات
 ہیں کا ظہور علمی تفصیلی ہوا۔ پس عالم جو مرتبہ احدیت میں بالقوہ موجود تھا، مرتبہ واحدیت اور مرتبہ واحدیت
 میں بالعلم ظاہر ہوا۔ اسماء الہیہ چونکہ مرتبہ ذات میں بالقوہ موجود تھے، اسلئے اُن کو ظہور کا شوق تھا اور
 بوجہ عدم ظہور اُن کو کرب تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اسماء الہیہ کے کرب کو دور کرنے کے لئے سانس بیا یعنی اسم
 رحمن کے ساتھ تجلی کی اور اسماء الہیہ کو ظہور علمی نصیب ہوا۔ اس کو فیض اقدس بھی کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ
 نے اُن علمی صورتوں کو ایجاد کرنے سے اپنی ذات پر احسان کیا اور اسماء کا کرب قدرے دور ہوا۔ یہ
 اُس سانس یعنی تجلی کا پہلا اثر تھا جو اپنی ہی ذات کے لئے تھا اور وہ اثر جناب الہی میں ہی تھا۔
 مرتبہ وحدت ظہور علمی اجمالی ہے اور مرتبہ واحدیت ظہور علمی تفصیلی ہے۔ مرتبہ وحدت میں ذات حق
 نے اپنی ہی ذات میں اپنی ہی ذات کیلئے اپنی ذات و اسماء و صفات کا ادراک کلیتہً اجمالاً کیا
 اور مرتبہ واحدیت میں ذات حق نے اپنی ذات میں اپنی ہی ذات کیلئے اپنی ذات و اسماء و صفات
 کا ادراک کلیتہً تفصیلً کیا۔ یہ ذات حق کا مرتبہ بطون سے ظہور کی طرف تنزل ہے۔ یہ ذات حق کا پہلا
 ظہور ہے۔ اس کو ظہور علمی کہتے ہیں۔ لیکن اس ظہور علمی سے اسماء الہیہ کی مراد پوری نہ ہوئی۔ ثَمَّ كَوْنُ الْخِ
 پھر ہمیشہ ذات حق کا تنزل ہوتا رہا تا کہ اسماء کے غنوم کو دور کیا جاتے حتیٰ کہ آخری مرتبہ تک جو پایا
 گیا۔ مراد یہ ہے کہ ذات حق نے مرتبہ واحدیت سے عالم ارواح میں تنزل فرمایا۔ عالم ارواح سے عالم
 مثال میں پھر عالم اجسام میں تنزل فرمایا۔ ان مراتب کو مراتبِ ستہ کہا جاتا ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ

نے ایک ایسا جامع مظہر بنایا جو ان چھ مراتب کا جامع ہے اور وہ حضرت انسان ہے یعنی ظہورِ عالم سے اسماء الہیہ کی مراد پوری نہ ہوتی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا تاکہ اسماء الہیہ کا ظہور قائم ہو اور ان کا کرب دور ہو جائے اور ان کی مراد پوری ہو۔ پس حضرت انسان اس شجرۃ الکون کا ثمر ہے اور اللہ تعالیٰ کا مظہر اتم ہے: ✽ شعر

(۱) پس تمام موجودات اللہ تعالیٰ کی عین ذات میں موجود تھے جیسے کہ روشنی آخر شب کی تاریکی میں پنہاں ہوتی ہے۔ تمام موجودات مرتبہ احدیت ذاتیہ میں بالقوۃ موجود تھے جیسے کہ سارا درخت بیج میں بالقوۃ موجود ہوتا ہے۔ پھر جملہ موجودات کا ظہور علمی مرتبہ علم میں بطور اعیان ثابتہ کے ہوا پھر جملہ موجودات کا ظہور اعیان خارجیہ کی صورت پر ہوا۔ آخر شب کی تاریکی میں روشنی بالقوۃ مندرج ہوتی ہے۔ مراد یہ ہے کہ آفتاب کے بطون کا نام تاریکی شب ہے اور آفتاب کے ظہور کا نام روشنی دن ہے۔ یہ ظاہری آفتاب رات کو بطون میں ہوتا ہے اور دن کو ظہور میں ہوتا ہے۔ ایسے ہی آفتاب عالم مرتبہ احدیت ذاتیہ میں بطون میں تھا اور مرتبہ شہادت میں ظاہر ہے۔ مراد یہ ہے کہ عالم عین ذات حق ہے: ✽

(۲) اور علم معرفت عقلی دلائل کے ساتھ ایسے ہے جیسے اُونگھنے والا بسبب غفلت کے دن کے اخیر حصہ میں اُونگھتا ہے۔ مراد یہ ہے کہ اہل ظواہر جو معرفت الہی عقلی دلائل سے حاصل کرنا چاہتے ہیں وہ معرفت الہی سے ایسے ہی بے بہرہ ہیں جیسا کہ ایک غفلت سے اُونگھنے والا شخص اُس حالت میں علم و ادراک سے بے بہرہ ہوتا ہے۔ دن کے آخری حصہ میں اُونگھنے سے مراد یہ ہے کہ انسان سارا دن خوب محنت سے اگر کام کرے تو دوپہر کے بعد وہ تھک جاتا ہے اور اُس پر اُونگھ غالب آجاتی ہے۔ اُونگھ کی حالت میں انسان کو نہ اپنی خبر رہتی ہے نہ کسی اور چیز کی۔ پس عقلی دلائل سوائے اُونگھ کے اور کچھ نہیں۔ ان دلائل سے معرفت الہی نہیں ہوتی۔ معرفت الہی سوائے ذوق و وجدان کے حاصل نہیں ہوتی: ✽

(۳) اور تحقیق جو حقیقت ہم نے ذات الہی کے متعلق بیان کی ہے، اہل ظاہر اُس کو خواب اور خیال دیکھتا ہے جو چند لمحوں پر دلالت کرتا ہے۔ مراد یہ ہے کہ خواب میں جو کچھ ناظم دیکھتا ہے وہ اُس پر پوری طرح یقین نہیں رکھتا یعنی اُس کو شک کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ ایسے ہی اہل ظاہر اس مسئلہ وحدت الوجود

(۸) اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کسی اور شے کو طلب کرتے تو البتہ حق تعالیٰ کو اُس شے میں دیکھتے اور سرنگوں نہ ہوتے۔ مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی یہ سنت جاری ہے کہ وہ اپنے طالب کو اُس صورت پر مشاہدہ کراتا ہے جس سے وہ محبت رکھتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو آگ کی طلب تھی اسلئے آگ کی صورت پر تجلی کیا۔ اگر اُس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام کسی اور شے کی طلب میں نکلتے تو اللہ تعالیٰ اُس مطلوبہ شے کی صورت پر تجلی کرتا اور آپ نا اُمید نہ ہوتے۔ اللہ تعالیٰ اپنے عاشق کو اُس صورت میں مشاہدہ کراتا ہے جس سے وہ محبت رکھتا ہے۔ یہ اسلئے ہے تاکہ عاشق لذت حاصل کرے۔ اگر اللہ تعالیٰ عاشق کو اُس صورت پر تجلی کرے جس سے وہ اُس نہیں رکھتا تو عاشق کیا لذت حاصل کرے گا؟

اب ان آیات قرآنی کے حقائق و دقائق بیان کئے جاتے ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حقیقت کے متعلق وارد ہوتے ہیں۔ اور لیکن اس کلمہ عیسوی کے واسطے جب حق تعالیٰ مقام ”حَتَّى نَعْلَمَ وَ يَعْلَمَ“ میں قائم ہوا تو حق تعالیٰ نے رُوح عیسوی سے اُس چیز کے متعلق پوچھا جو آپ کی طرف منسوب ہے۔ مقام ”حَتَّى نَعْلَمَ وَ يَعْلَمَ“ سے مراد مقام فرق و آزمائش ہے جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے (وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتَّى نَعْلَمَ اَتْمِعِدَّيْنِ مِنْكُمْ وَالصَّابِرِينَ وَ نَبْلُوَاْ اَخْبَادَكُمْ)۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ کا علم ازلی قدیم اور کامل ہے لیکن حق تعالیٰ کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے سوال کرنا بوجہ حکمت و مصلحت و آزمائش ہے۔ حق تعالیٰ نے باوجود اپنے ازلی علم کے سوال کیا کہ کیا وہ امر منسوب حق ہے یا نہیں آیا واقع ہوا یہ امر منسوب یا نہیں؟ پس حق تعالیٰ نے عیسیٰ کو فرمایا (وَ اَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَ اُتَّخِ اِلٰهِيْنَ مِنْ دُوْنِ اِلٰهِ) کیا تو نے لوگوں کو کہا تھا کہ مجھ کو اور میری ماں کو سوا اللہ تعالیٰ کے دو معبود پکڑ لو؟ ضروری ہے کہ پوچھنے والے یعنی حق تعالیٰ کے لئے جواب میں ادب ملحوظ رکھا جائے کیونکہ جب حق تعالیٰ ہی نے عیسیٰ علیہ السلام کیلئے اس مقام عبودیت اور اس صورت میں تجلی کی تو حکمت اس امر کی مقتضی ہوتی کہ باوجود مقام جمع کے مقام تفرقہ سے جواب دیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مقام جمع و مقام فرق کے جامع تھے یعنی مقام رُبُوبیت و مقام عبودیت کے جامع تھے لیکن اللہ تعالیٰ کی سوال میں یہ حکمت تھی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ادب ملحوظ رکھیں اور مقام عبودیت سے کلام کریں اسی لئے آپ نے جواب میں ادب ملحوظ رکھا اور حق تعالیٰ کی تنزیہ کو مقدم رکھا اور عرض کیا (سُبْحَانَكَ) تو پاک ہے۔ پس کاف کیساتھ آپ نے اللہ تعالیٰ کو محدود کر دیا کیونکہ کاف مواجہت اور خطاب کا مقتضی ہے یعنی

اپنے لئے مقام عبودیت ثابت کیا اور ربوبیت کو اپنے سے علیحدہ ثابت کیا کیونکہ کلمہ ”تو پاک ہے“ میں تو مخاطب کے لئے ہوتا ہے اور مخاطب کا وجود مخاطب سے علیحدہ ہوتا ہے۔ پس حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے عبودیت اپنی طرف منسوب کی اور ربوبیت رب تعالیٰ کی طرف منسوب کی اور یہ کمال حفظ ادب ہے۔ (مَا يَكُونُ لِي) یہ امر میرے واسطے مناسب نہیں ہے یعنی اس اعتبار سے کہ میری ذات تیرے بغیر ہو (أَنْ أَقُولَ مَا لَيْسَ فِيَّ بِحَقِّ) یہ کہ میں وہ چیز کہوں جس کا میں حقدار نہیں ہوں یعنی میری ہوتیت اور ذات الوبیت کا تقاضا نہیں کرتی ہے (إِنْ كُنْتُ قُلْتُ فَقَدْ عَلِمْتُ) اگر میں نے کہا ہوگا تو تحقیق تو اُس کو جانتا ہوگا کیونکہ میری صورت میں تو ہی مُتکَلِّم ہے۔ جب تو ہی میری صورت پر متجلی ہے اور میرا وجود ساتھ تیرے ہے تو میری زبان پر تو ہی مُتکَلِّم ہے۔ اور مُتکَلِّم جو کلام کرتا ہے وہ اُس کو جانتا ہے جو اُس نے کہا۔ بلکہ تو میری زبان ہے جس کے ساتھ میں کلام کرتا ہوں جیسے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث قدسی میں اپنے رب تعالیٰ سے خبر دی ہے کہ حق تعالیٰ نے فرمایا ”كُنْتُ لِسَانَهُ الَّذِي يَتَكَلَّمُ بِهِ“ میں اپنے بندے کی زبان ہو جاتا ہوں وہ اُس کے ساتھ کلام کرتا ہے۔ پس حدیث شریف کی رو سے حق تعالیٰ نے اپنی ہوتیت یعنی ذات کو مُتکَلِّم بندے کی زبان کا عین گردانا اور کلام کی نسبت اپنے بندے کی طرف کی۔ اصل حدیث شریف یہ ہے: لَا يَزَالُ الْعَبْدُ يَتَقَرَّبُ إِلَىٰ رَبِّهِ بِالتَّوَّافِلِ حَتَّىٰ أَحِبَّهُ فَإِذَا أَحَبَّهُ كُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِي بِهِ يَسْمَعُ وَبَصَرَهُ الَّذِي بِهِ يُبْصِرُ وَلِسَانَهُ الَّذِي بِهِ يَتَكَلَّمُ وَيَدًا الَّتِي بِهَا يَبْطِشُ وَرِجْلَهُ الَّتِي بِهَا يَمْشِي۔ یہ فنا فی الصفات کا مقام ہے یعنی اللہ کی صفات میں بندے کی صفات فنا ہو جائیں۔ اس قُرب میں فاعل بندہ اور آلَت رب ہے۔ یہ قُرب نوافل کا ثمرہ ہے۔ اور قُرب فرائض یہ ہے کہ بندہ بالکلیہ تمام موجودات کے شعور سے حتیٰ کہ اپنے آپ کے شعور سے بھی فنا ہو جائے اس حد تک کہ اُس کی نظر میں سوائے وجود حق سبحانہ و تعالیٰ کے اور کچھ باقی نہ رہے۔ یہ فنا فی الذات کا مقام ہے۔ اس قُرب میں آلَت بندہ اور فاعل حق ہے بِقَوْلِهِ تَعَالَى (وَمَا مَيِّتَ بِذَنبٍ مَيِّتٌ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ) ثُمَّ تَسْمَعُ الْخَبْرَ عَبْدُ صَالِحٍ یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنا جواب قول ذیل کے ساتھ مکمل کیا (تَعْلَمُ مَا فِيَّ نَفْسِي) تو جانتا ہے جو کچھ کہ میرے نفس میں ہے یعنی اُسے رب! تو جانتا ہے کہ تیری ذات میری ذات میں مُستتر ہے اور تو جانتا ہے جو کچھ میرے دل میں ہے اور جو میں نے اپنی اُمت سے کلام کی ہے کیونکہ میری صورت

پر حقیقی ہی مُتکَلِّم ہے (وَلَا أَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِكَ) اور میں نہیں جانتا تیرے نفس میں کیا ہے پس اللہ تعالیٰ نے علم کی نفی ہُویت عیسیٰ سے باعتبار ہُویت عیسیٰ کی ہے نہ باعتبار اس امر کے کہ تحقیق عیسیٰ قائل و ذواثر ہے۔ قائل و ذواثر سے مراد عیسیٰ علیہ السلام کی جہت ربوبیت ہے۔ یعنی عیسیٰ علیہ السلام سے علم کی نفی آپ کی جہت عبودیت سے کی گئی ہے نہ کہ آپ کی جہت ربوبیت سے۔ (إِنَّكَ أَنتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ) عیسیٰ علیہ السلام نے کہا کیونکہ تو ہی عَلَّامُ الْغُيُوبِ ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ضمیر فصل و عماد کو اپنے سابقہ بیان کی تاکید اور اس بیان پر اعتماد کیلئے لاتے ہیں۔ ضمیر منفصل کو اہل کو فہم فصل کہتے ہیں اور اہل بصرہ عماد کہتے ہیں۔ یعنی سوا اللہ تعالیٰ کے کوئی غیب نہیں جانتا۔ پس عیسیٰ علیہ السلام نے مقام فرق و مقام جمع و مقام وحدت و مقام کثرت و مقام وسعت و مقام تنگی بیان کیا یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے جواب میں حقیقی کے لئے دو جہتیں بیان کی ہیں، جہت عبودیت و جہت ربوبیت۔ مقام جمع میں اُس ذات کا نام رب ہے اور مقام فرق میں اُسی ذات کا نام عبد ہے۔ مقام جمع میں وہ عالم الغیب ہے اور مقام فرق میں وہ عالم الغیب نہیں ہے۔ وحدت مقام جمع ہے اور کثرت عالم مقام فرق ہے۔ مقام جمع میں وہ ذات قادر مطلق اور مقصر فی الالوان ہے اور مقام فرق میں وہ ذات عاجز اور حقیر ہے۔ پھر جواب سابق کی تکمیل میں عیسیٰ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا (مَا قُلْتُ لَهُمْ إِلَّا مَا أَمَرْتَنِي بِهِ) قول مَا قُلْتُ لَهُمْ (أَنْ كَيْفَ يَكُونُ) میں نے ان کے لئے نہیں کہا، میں آپ نے اولاً نفی کی یعنی اس امر کی طرف اشارہ کیا کہ تحقیق عیسیٰ خود وہاں نہیں ہیں یعنی وجود اور تعین عیسیٰ ذات حق میں فنا ہے اور وہاں عیسیٰ ہے ہی نہیں جو اُمت کے ساتھ کلام کرے بلکہ عیسیٰ کی صورت پر ذات حق جلوہ نما ہے لیکن رسول کا ادب دیکھئے۔ قول (إِلَّا مَا أَمَرْتَنِي بِهِ) مگر جو کچھ تو نے حکم کیا مجھ کو ساتھ اُس کے میں ادب کی خاطر قول حق کو ثابت کرتے ہیں اور اپنی جہت عبودیت کو ثابت کرتے ہیں۔ مقام جمع میں ہونے کے باوجود مقام فرق سے کلام کرتے ہیں۔ یہ حفظ مراتب ہے۔ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایسا نہ کرتے تو عدم علم حقائق کے ساتھ متصف ہوتے اور عیسیٰ اس جہالت سے پاک ہیں یعنی آپ علم حقائق سے واقف ہیں۔ اسی لئے ارشاد فرمایا (إِلَّا مَا أَمَرْتَنِي بِهِ)۔ بظاہر تو یہ مقام عبودیت کا اثبات ہے لیکن اصل مراد یہ ہے کہ تو ہی میری زبان پر مُتکَلِّم ہے اور تو ہی میری زبان ہے۔ اُسے عارف! اس خبرِ وحی الہی کی طرف غور کر کہ وہ کیسی لطف اور آدق ہے۔ عیسیٰ

علیہ السلام نے جواب میں عرض کیا کہ میں نے اپنی قوم کو کہا (آینا عُبُدُوا اللہ) تُم اللہ تعالیٰ کی عبادت
 کرو۔ پس حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بوجہ بندوں کے اختلاف عبادات و اختلاف شرائع اُمت کو اللہ
 تعالیٰ کی عبادت کا حکم دیا اور اللہ تعالیٰ کے کسی مخصوص اسم کی عبادت کا حکم نہ دیا بلکہ اسم اللہ جو جامع جمیع اسماء
 ہے کی عبادت کا حکم دیا۔ مراد آپ کی یہ تھی کہ اُمت اُس ذات کی عبادت کرے جو جمیع اسماء و صفات
 کو جامع ہے، جو جمیع مذاہب کی جامع ہے اور جو جمیع شرائع کو جامع ہے۔ یعنی آپ نے اُمت کو
 اشارہ کیا کہ آپ کی اُمت کسی ایک خاص مذہب، ایک خاص شرع، ایک خاص اسم کی مُقید نہ ہو
 اور نہ ہی کسی مذہب اور کسی شرع کو رد کرے بلکہ جمیع عبادات و جمیع مذاہب و جمیع شرائع کو حق جانے
 کیونکہ اسم اللہ جامع کل ہے۔ یعنی آپ نے اُمت کو توحید کی طرف اشارہ کیا کہ اُس ذات کو ہر شے
 ہر تعین، ہر انسان، ہر شرع اور ہر عبادت میں دیکھنے کی کوشش کرو اور اُس کو کسی ایک خاص تعین، خاص
 عبادت، خاص شرع، میں مقید نہ کرو بلکہ ہر صورت میں اُسی بی صورت کو دیکھو۔ آگے فرمایا (مَرِّی دَرَبَکُمْ)
 پروردگار میرا اور پروردگار تمہارا۔ اور یہ امر معلوم ہے کہ تحقیق اسم اللہ کی کسی ایک موجود کی طرف نسبت
 ربوبیت کے ساتھ کسی دوسرے موجود کی طرف نسبت کا عین نہیں ہے اسی لئے عیسیٰ نے اپنے قول
 (مَرِّی دَرَبَکُمْ) کیساتھ اس امر کی تفصیل کی ہے یعنی دو ضمیریں علیحدہ علیحدہ استعمال کیں، ایک ضمیر
 مُتکلم کی اور دوسری ضمیر مخاطب کی۔ مراد یہ ہے کہ قول (آینا عُبُدُوا اللہ) میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام
 نے اپنی اُمت کو توحید کی تعلیم دی اور اشارہ فرمایا کہ اُس وجود کی عبادت کرو جو جامع جمیع اسماء و صفات
 ہے یعنی جس وجود کا ہر صورت پر ظہور ہے۔ یعنی اُس وجود کو کسی ایک تعین یا صورت میں مقید یا حصر
 نہ کرو بلکہ اُس وجود مُطلق کی عبادت کرو جو ہر صورت، ہر شے، ہر تعین اور ہر انسان کا ہیولا اور جو ہر
 اور عین ہے۔ اس کے بعد اپنے قول (مَرِّی دَرَبَکُمْ) میں حفظ مراتب کی تعلیم دی یعنی اگرچہ وہ
 وجود ہر انسان پر جلوہ نما ہے اور ہر انسان کا عین ہے لیکن ہر انسان میں اُس وجود کا ظہور اُس انسان
 کی استعداد کے مطابق ہے۔ یعنی ہر انسان کا رتب مختلف ہے۔ کسی انسان کا رتب اسم ہادی ہے اور
 وہ انسان اسم ہادی کا مربوب اور مظہر ہے۔ کسی انسان کا رتب اسم مُضِل ہے اور وہ انسان اسم مُضِل
 کا مربوب اور مظہر ہے۔ کوئی اسم مُنعم کا مربوب اور مظہر ہے اور کوئی اسم مُنتقم کا مربوب اور مظہر ہے۔
 مراد یہ ہے کہ ہر انسان کا رتب اسماء الٰہیہ میں سے ایک خاص اسم ہے اور وہ اُس اسم کا مظہر ہے۔ پس

کوئی نیک ہے کوئی بد ہے، کوئی جنتی ہے کوئی دوزخی ہے، کوئی گل ہے کوئی خار ہے، کوئی عاجز اور
 حقیر ہے کوئی صاحب کُن فقیر ہے۔ اسی لئے ارشاد فرمایا (مَرَاتِقٍ وَ مَرَاجِعٍ) میرا رب اور تمہارا رب یعنی
 اے میری قوم! اگرچہ وہ ذات ہم سب کا عین ہے لیکن میرا رب اور ہے اور تمہارا رب اور ہے میں
 اسم اللہ کا مظہر ہوں اور تم اسماء الٰہیہ میں سے کسی ایک ایک خاص اسم کے مظہر ہو۔ یعنی اس قول میں
 ایک تو یہ اشارہ ہے کہ ہر انسان کا رب ایک خاص اسم ہے اور وہ انسان اُس اسم کا مربوب اور
 مظہر ہے۔ دوسرے اس میں یہ اشارہ ہے کہ اُمت کو اپنے نبی کی برابر میں نہیں کرنی چاہیے۔ نبی اسم
 اللہ کا مظہر ہے اور اُس میں صفات کاملہ الٰہیہ کا ظہور تامہ ہوتا ہے اور اُمتی جو اسماء الٰہیہ میں سے کسی
 ایک خاص اسم کا مظہر اور مربوب ہے، میں صفات الٰہیہ کا ظہور تامہ نہیں ہوتا بلکہ عام انسان میں صفات
 الٰہیہ کا ظہور اُس انسان کی استعداد کے مطابق ہوتا ہے جیسا کہ آفتاب کی روشنی سارے عالم پر پڑ رہی
 ہے لیکن کسی مکان میں روشنی زیادہ ہے کسی میں تھوڑی ہے۔ اگر مکان کا وزن جس میں سے روشنی
 آ رہی ہے تنگ ہے تو روشنی تھوڑی ہے اور اگر مکان کا وہ وزن فراخ ہے تو روشنی زیادہ ہے اور
 جس مکان سے چھت اُڑ جائے اُس میں آفتاب لٹ لٹ کر کے پوری تاب سے چمکتا ہے۔ وہ مکان جن
 کی چھتیں عشق الٰہی کی آندھی سے اُڑ گئی ہیں وہ انبیاء اور اولیاء علیہم السلام کے وجود ہیں جہاں صفات
 کاملہ الٰہیہ کا ظہور تامہ ہے۔ (رَآلَا مَا آخَرَتْنِي رِيَةً) مگر جو کچھ کہ حکم کیا تو نے مجھے ساتھ اُس کے یعنی میں نے
 وہ ہی کلام کی ہے جسکا تو نے مجھے حکم دیا ہے۔ پس عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے نفس کو مامور ثابت کیا ہر
 اور اللہ تعالیٰ کا آمر ثابت کیا ہے اور مامور ہونا سوائے عبودیت کے نہیں ہے یعنی عیسیٰ علیہ السلام نے
 اپنے لئے عبودیت ثابت کی ہے کیونکہ کوئی شخص کسی امر کیلئے مامور نہیں کیا جاتا جب تک اُس کے متعلق
 یہ تصور نہ ہو کہ وہ اُس امر کی فرمانبرداری کر لگا اگرچہ وہ اُس امر کی فرمانبرداری نہ کرے۔ یعنی اللہ تعالیٰ آمر
 ہے اور عبد مامور ہے لیکن اس سے یہ مراد نہیں کہ عبد ضرور ہی اُس امر کی اطاعت کرے۔ یہ صرف اللہ
 تعالیٰ کا تصور ہے کہ عبد اُس امر کا مامور ہے۔ اللہ تعالیٰ کی یہ منشاء نہیں کہ عبد اُس امر کی ضرور ہی اطاعت
 کرے کیونکہ اُس امر کی اطاعت عبد کے لئے اللہ تعالیٰ کی توفیق اور عبد کی استعداد پر منحصر ہے۔ اب اللہ
 تعالیٰ نے ہر انسان کو اپنی عبادت کا امر کیا ہے لیکن توفیق عبادت صرف بعض کو بخشی ہے۔ امر کرنے میں
 آمر کا یہ خیال ہوتا ہے کہ مامور کو اُس امر کی تعمیل کرنی چاہیے، آمر کا یہ مقصد نہیں ہے کہ مامور اُس امر کی

ضرور ہی اطاعت کرے کیونکہ آمر اس حکمت سے واقف ہے کہ مامور محض مجبور اور معذور ہے۔ اور امر الہی بندوں پر اُن کے نبی کی زبان پر بحکم مراتب نازل ہوتا ہے یعنی نبی لوگوں کو امر الہی یکساں پہنچاتا ہے لیکن مظاہر جمال حکم شرعی کی اطاعت کرتا ہے اور مظاہر جلال اُس امر کی اطاعت نہیں کرتا۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ مظاہر جمال کا رُب اسم ہادی ہے اور مظاہر جلال کا رُب اسم مُضِل ہے تو گویا امر الہی مراتب کے حکم کے مطابق نازل ہو رہا ہے اور ہر شخص اُس مرتبہ کی حقیقت کیساتھ رنگین ہے۔ اگرچہ مظاہر جمال اور مظاہر جلال دونوں کیلئے حکم شرعی نازل ہوتا ہے لیکن اُس کی تعمیل صرف مظاہر جمال کر سکتے ہیں کیونکہ اُن کی استعداد اُس امر کی مقتضی ہے پس ثابت ہوا کہ مامور کا ایسا مرتبہ ہے کہ ہر مامور میں اُس امر کا حکم اُس مامور کی استعداد کے مطابق ظاہر ہوتا ہے یعنی ہر مامور امر کے امر کی فرمانبرداری نہیں کر سکتا اور ایسے ہی آمر کا ایسا مرتبہ ہے کہ اُس کا حکم ہر آمر میں ظاہر ہوتا ہے یعنی ہر آمر پر یہ بات ظاہر ہے کہ مامور اُس امر کی تعمیل میں محض مجبور اور معذور ہے۔ آمر سے مراد نبی ہے جو حکم شرعی کو لوگوں تک پہنچانے والا ہے ورنہ ایک غیر عارف شخص اُس راز سے واقف نہیں۔ قَيِّقُولُ الْحَقِّ اَنْوَ پس حَقُّعَالی فرماتا ہے (اَرْتَيْنَا الصَّلٰوَةَ) تم نماز کو قائم کرو۔ تو حَقُّعَالی آمر ہے اور تکلیف دینے والا ہے اور عبد مامور اور مُکَلَّف ہے۔ عبد کہتا ہے (رَبِّ اغْفِرْ لِي) اے میرے رب! میری مغفرت کر۔ پس عبد آمر ہے اور حَقُّعَالی سے اجابت و دعا طلب کرتا ہے لہذا حَقُّعَالی مامور ہے۔ پس جو کچھ حَقُّعَالی اپنے عبد سے اپنے امر کے ساتھ طلب کرتا ہے وہ بعینہ وہ پتیر ہے جو عبد حَقُّعَالی سے اپنے امر کے ساتھ طلب کرتا ہے۔ حَقُّعَالی عبد سے اپنے حکم کی اجابت طلب کرتا ہے اور عبد حَقُّعَالی سے اپنی دُعا کی اجابت طلب کرتا ہے۔ عبد کا ظاہر خَلْق ہے اور عبد کا باطن حق ہے لہذا آمر بھی خود ہے اور مامور بھی خود ہے سائل بھی خود ہے اور مسئول بھی خود ہے لہذا عبد کی ہر دُعا مُستجاب ہے۔ اور دُعا کا مُستجاب ہونا ضروری ہے اگرچہ حصول اجابت میں تاخیر واقع ہو۔ اجابت دُعا میں تاخیر بھی کسی حکمت پر مبنی ہوتی ہے اور اُس میں عبد ہی کا فائدہ ہوتا ہے۔ اور بعض دُعاؤں کی اجابت نفی اور رد کی صورت میں ہوتی ہے اور وہ دُعا میں ہوتی ہیں جن کا مقصد ہمارے حق میں مُضر ہوتا ہے اور ہم اُس کو نہیں جانتے۔ حَقُّعَالی عَلَّامُ الْغُیُوب ہے اسلئے اذراہ کرم ہماری ایسی دُعا میں جن کا حصول ہمارے لئے باعث ضرر ہوتا ہے رد کر دیتا ہے۔ اور دُعاؤں کی اجابت میں تاخیر ایسے واقع ہوتی ہے جیسے بعض مُکَلَّفین بندوں سے حکم شرعی کی اجابت میں تاخیر واقع ہوتی ہے۔ یعنی وہ نماز

کو قائم کرنے کیساتھ مخاطب ٹھہراتے گئے ہیں لیکن وہ وقت مقرر پر نماز نہیں پڑھتا ہے اور امثال امر میں تاخیر کرتا ہے اور کسی دوسرے وقت میں نماز پڑھتا ہے اگر وہ اُس پر قادر ہو۔ پس عبد پر امر حق کی اجابت ضروری ہے اگرچہ اُس میں تاخیر واقع ہو۔ پھر عیسیٰ علیہ السلام نے کہا (وَ كُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا) اور میں اُن پر گواہ تھا۔ اور یہ نہیں فرمایا وَ كُنْتُ عَلَى نَفْسِي وَ أَنْفُسِهِمْ شَهِيدًا جیسے کہ آگے فرمایا (سَائِقِي وَ دَبَّكُم)۔ مَآيَ وَ رَبَّكُم میں اپنی عبودیت ثابت کرنا تھا اور اسجگہ اپنی حقتعالیٰ کیساتھ عینیت ثابت کرنا ہے۔ مراد یہ ہے کہ میری گواہی اُمت پر حقیقتاً تیری ہی گواہی تھی۔ (شَهِيدًا مَّا دُمْتُ فِيهِمْ) میں اُن پر گواہ تھا جب تک میں اُن میں تھا کیونکہ انبیاء علیہم السلام اپنی اُمتوں پر گواہ ہیں جب تک وہ اُن کے درمیان ہیں۔ (فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي) پھر جب تُو نے مجھے اپنی طرف اٹھالیا اور تُو نے اُن کو مجھ سے چھپایا اور مجھ کو اُن سے چھپایا (كُنْتُ اَنْتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ) تُو ہی اُن پر نگہبان تھا۔ بغیر میرے مادہ روحانی و جسمانی کے بلکہ اُن کے مواد روحانی و جسمانی میں یعنی تُو اُن پر نگہبان اُن ہی کی صورتوں پر تھا کیونکہ تُو ہی اُن کی آنکھ تھا اور اُن کی آنکھ سے تُو اُن کو دیکھتا تھا اور اُن ہی کی ذاتوں سے تُو اُن میں حاضر تھا۔ پس انسان کا اپنی ذات کا مشاہدہ کرنا اُس انسان کیلئے حقتعالیٰ کا مشاہدہ کرنا ہے کیونکہ انسان کی حقیقت حقتعالیٰ ہے۔ نیز عیسیٰ نے حقتعالیٰ کیلئے اسم رقیب استعمال کیا اور اپنے لئے شہید استعمال کیا۔ اس سے اُن کی مراد یہ تھی کہ اپنے اور اپنے رب کے درمیان فرق ظاہر کریں تاکہ معلوم ہو جائے کہ عیسیٰ بسبب عبد ہونے کے عیسیٰ ہے اور تحقیق حقتعالیٰ بسبب عیسیٰ کا رب ہونے کے حقتعالیٰ ہے لہذا عیسیٰ اپنے نفس کی واسطے اسم شہید لائے اور واسطے حقتعالیٰ کے اسم رقیب لائے۔ نیز عیسیٰ نے قوم کو اپنے نفس پر مقدم کیا اور فرمایا (عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَّا دُمْتُ فِيهِمْ)۔ یہ اُن کیلئے عیسیٰ کا تقدم میں اِثبات ہے اور واسطے ادب کے ہے۔ اور قوم کو حقتعالیٰ کی جانب میں حقتعالیٰ سے مؤخر ذکر کیا اور فرمایا (الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ)۔ یہ اسلئے کہ حقتعالیٰ کو عبد پر رتبہ میں تقدم حاصل ہے۔ پھر عیسیٰ نے آگاہ کیا کہ اگرچہ اسم رقیب حقتعالیٰ کیلئے ہے لیکن حقتعالیٰ کیلئے وہ اسم بھی ثابت ہے جو عیسیٰ نے اپنی ذات کیلئے گردانا اور وہ اسم شہید ہے جو آپ نے اپنے قول (عَلَيْهِمْ شَهِيدًا) میں استعمال کیا ہے لہذا کہا (وَ اَنْتَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدًا)۔ پس عیسیٰ علیہ السلام کلمہ کل واسطے عمومیت کے لائے اور لفظ شئی بھی اسبطرح عمومیت کیلئے لائے۔ یعنی عیسیٰ تو صرف اپنی قوم پر شہید تھا اور وہ بھی جب تک اُن کے درمیان رہے لیکن رب تعالیٰ ہر شے پر ازل سے ابد تک شہید اور حاضر ہے۔ پس حقتعالیٰ ہر مشہود پر اُس کی حقیقت

کے تقاضا کے مطابق شہید ہے یعنی ہر شے میں حق تعالیٰ کا ظہور اُس شے کی استعداد کے مطابق ہے۔ نیز عیسیٰ نے اس بات پر تنبیہ کی کہ اُس کے قول (وَ كُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَّا دُمْتُ فِيهِمْ) سے مراد یہ ہے کہ تحقیق اللہ تعالیٰ ہی قوم عیسیٰ پر شہید ہے اور یہ عیسیٰ کی شہادت مادہ عیسوی میں حق تعالیٰ کی شہادت ہے جیسا کہ یہ چیز ثابت ہے کہ تحقیق اللہ تعالیٰ ہی بندے کی زبان اور اُس کی سمع اور اُس کی بصر ہے۔ مراد یہ ہے کہ چونکہ عیسیٰ علیہ السلام کی صورت و معنی پر حق تعالیٰ کا ہی ظہور ہے لہذا عیسیٰ علیہ السلام کی شہادت حق تعالیٰ کی ہی شہادت ہے۔

ثُمَّ قَالَ اِلٰهِيْكُمْ عِيسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ نَعَمْ عِيسٰى اور محمدی کہا یعنی عرض کیا (اِنْ تُعَذِّبُوْهُمْ قَاتِلْتُمْ عِيَادُكَ وَ اِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ قَاتِلُكَ اَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيْمُ) اگر تو اُن کو عذاب کرے گا تو وہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو اُن کی مغفرت کرے گا تو تو ہی غالب حکمت والا ہے۔ لیکن اس کلام کا کلمہ عیسوی ہونا اسلئے ہے کہ یہ عیسیٰ کا قول ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی خبر اپنی کتاب یعنی قرآن مجید میں دی ہے اور اس کلام کا کلمہ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم ہونا اسلئے ہے کہ حدیث شریف میں وارد ہوا کہ سرکارِ دو عالم جناب محمد پاک صلی اللہ علیہ وسلم ایک پوری رات اس کلمہ کا تکرار کرتے رہے اور اُمت کیلئے مغفرت مانگتے رہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کلمہ کے سوا اور کوئی چیز نہ پڑھی تھی کہ فجر طلوع ہوئی۔ اس کلمہ میں الفاظ تُعَذِّبُوْهُمْ و قَاتِلْتُمْ تَغْفِرْ لَكُمْ میں لفظ ھُمْ ضمیر غائب ہے جیسا کہ بعض آیات میں تحقیق لفظ ھُوْ ضمیر غائب ہے۔ یا جیسے فرمایا (ھُوَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا) یہ وہ لوگ ہیں کہ کافر ہوئے۔ اس آیت میں بھی ھُمْ ضمیر غائب ہے۔ ضمیر غائب لا نیسے اللہ تعالیٰ کی مراد یہ ہے کہ کفار کی غیبت اُن کیلئے اُس ذات سے حجاب ہے جو مشہود و حاضر ہے۔ یعنی ھُمْ میں یہ اشارہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے دارِ دنیا میں غائب ہیں یعنی حجاب میں ہیں۔ اُن کو دارِ دنیا میں حق تعالیٰ کی معرفت نصیب نہیں۔ اسی بنا پر عیسیٰ علیہ السلام نے ضمیر غائب کیساتھ کہا (اِنْ تُعَذِّبُوْهُمْ)۔ یعنی ضمیر غائب لانے سے آپ کی مراد یہ تھی کہ دارِ دنیا میں یہ قوم حق تعالیٰ سے غائب ہے یعنی حجاب میں ہے۔ اُن کو مشاہدہ حق نصیب نہیں لیکن عیسیٰ علیہ السلام نے اُن کا یہ ذکر اللہ تعالیٰ کے سامنے اُن کے حضور سے قبل کیا ہے۔ یعنی دارِ دنیا کا ذکر کیا ہے اور اُن کی حضوری کا وقت روز قیامت ہے۔ جو وقت وہ قیامت کو اُٹھاتے جائیں گے تو اُن کا ستر اور حجاب رفع ہو جائیگا اور اُن کی استعداد کا خمیر اُن کے ابدان کے آٹے میں محکم کرے گا اور آٹے کو اپنی مثل کر لیگا یعنی معرفت الہی کا کمال اللہ

تعالیٰ نے ہر انسان کی سرشت میں رکھا ہوا ہے لیکن دار دنیا میں عوام الناس کے قلوب پر صفات بشریت کا
 حجاب چھا جاتا ہے اور روحانی کمال گم ہو جاتا ہے۔ روز محشر ہر انسان کے دل سے وہ حجاب اٹھا دیا جائیگا
 اور وہ مشاہدہ حق سے مشرف ہوگا لیکن مشاہدہ سے لذت صرف عشاق ہی حاصل کریں گے۔ آگے عیسیٰ علیہ
 السلام نے عرض کیا (فَإِنَّهُ عِبَادُكَ) پس عیسیٰ علیہ السلام نے توحید کی خاطر صیغہ واحد مخاطب کا استعمال
 کیا یعنی اگرچہ اس قوم کو توحید کا شعور نہیں لیکن ہر شے کی حقیقت تو ہی ہے اور تحقیق وہ تیرے ہی بندے
 ہیں یعنی تو ہی ان میں متصرف ہے بلکہ تو ہی ان کی صورت پر جلوہ نما ہے۔ اور عبودیت کی ذلت سے بڑھ
 کر اور کوئی ذلت نہیں کیونکہ جس انسان کو یہ شعور نہیں کہ وہ ربوبیت اور عبودیت کا جامع ہے اور وہ اپنے
 آپ کو محض عبودیت میں گرفتار کرتا ہے وہ چاہہاں جہالت میں اوندھا لٹکا ہوا ہے کیونکہ اُس کو اپنے کمال
 ربوبیت کی خوشبو نہیں پہنچی۔ نیز وہ تیرے عباد ہیں یعنی اُن کا اپنی ذاتوں میں کوئی تصرف نہیں بلکہ وہ مرد
 بدست زندہ ہیں اور اُن میں اُن کے مولا کا تصرف ہے اور اُن کا مولیٰ وہ ہے جسکا اُن کے بارہ میں کوئی
 شریک نہیں یعنی اُن میں صرف تیرا ہی تصرف اور تیرا ہی ظہور ہے اسی لئے عیسیٰ نے کہا (عِبَادُكَ) تیرے
 بندے۔ صیغہ واحد مخاطب لانے سے آپ کی مراد یہ ہے کہ اُن میں صرف تیرا ہی تصرف ہے۔ اور کلمہ
 (إِنْ تَعَذِّبْهُمْ) میں عذاب سے مراد اُن لوگوں کو ذلیل کرنا ہے اور اس سے ذلیل تر اور کوئی چیز نہیں
 کہ وہ تیرے بندے ہیں پس اُن کی ذاتیں اس بات کی مقتضی ہیں کہ وہ ذلیل ہوویں اسلئے تو اُن کو اور ذلیل
 نہ کر کیونکہ تو اُن کو اس سے زیادہ کیا ذلیل کر گیا کہ وہ عبودیت میں گرفتار ہیں۔ مراد عیسیٰ علیہ السلام کی
 یہ ہے کہ ان میں محض تیرا ہی تصرف ہے اور یہ محض مجبور اور معذور ہیں اسلئے ان کو عذاب نہ کر دوسرے
 ان کو یہ ہی عذاب کافی ہے کہ ان کے دلوں پر تو نے حجاب ڈالے ہوئے ہیں اور یہ وہم غیرت کے
 باعث تجھ سے غائب ہیں اور جہاں ہیں اور عبودیت میں گرفتار ہیں۔ آگے عرض کیا (وَإِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ) اور
 اگر تو اُن کی مغفرت کرے۔ لغت میں غفر بمعنی ستر اور چھپانے کے ہے یعنی اگر تو اُن کو وقوع عذاب
 سے چھپا دے اگرچہ وہ لوگ احکام الہیہ کی مخالفت کے باعث عذاب کے مستحق ہیں تو بعید نہیں ہے
 مراد یہ ہے کہ اگر تو اُن کیلئے ایک ستر بنائے جو اُن کو وقوع عذاب سے چھپا دے اور وہ ستر اُن کو عذاب
 سے باز رکھے تو تیرے لئے کچھ دشوار نہیں (فَإِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ) کیونکہ اے رب! تو عزیز ہے یعنی تو
 قوت رکھتا ہے اپنے اُس عہد سے جس کی تو حمایت کرے عذاب کو منع رکھے۔ اور یہ اسم عزیز ایک اسم

ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے کسی بندے کو یہ اسم عطا کرتا ہے تو حقتعالیٰ کا نام مُعَزَّز رکھا جاتا ہے اور اُس بندے کا نام جس کو یہ اسم عطا کیا گیا ہے، عزیز رکھا جاتا ہے۔ اور حقتعالیٰ اُس عبد سے جس کی حمایت کرتا ہے اُس چیز کو روکتا ہے جس کا اسم مُتَّقِم و اسم مُعَذِّب ارادہ کرتے ہیں یعنی اُس عبد سے انتقام و عذاب کو روکتا ہے۔ نیز عیسیٰ علیہ السلام ضمیمہ منقصل اَنْتَ اسلئے لاتے کہ اُن کے بیان کی تاکید ہو اور اس سے بھی تاکہ آپ کا یہ قول (اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ) بھی سابقہ اقوال (اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوبِ) اور (كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِیْبُ عَلَیْهِمْ) کے ہم وزن ہو۔ یعنی آپ نے کلام کو رب تعالیٰ کی بارگاہ میں مُسَمَّع و مُقَفَّی پیش کیا۔ یہ اسلئے کہ رب تعالیٰ مُقَفَّی کلام سُن کر خوش ہوں کیونکہ رب تعالیٰ کا عیسیٰ علیہ السلام سے سوال (وَ اَنْتَ فُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذْ ذُنُوبِيْ وَاُحْمِيْ اِلَیْهِمْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ) بطور اعتراض و عتاب کے تھا۔ پیرا سابق میں کلمہ عیسویہ (اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ) کے حقائق و دقائق بیان کئے گئے ہیں۔ اب سرکارِ دو عالم حضور نبی کریم جناب محمد پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اس کلمہ عیسویہ کو ساری رات تکرار کرنے کا سبب اور حکم بیان کی جاتی ہیں۔ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کلمہ کی تکرار ایک پوری رات طلوع فجر تک اسلئے کی کہ آپ اُمت کی مغفرت کیلئے اپنے رب تعالیٰ سے سوال و الحاح کرتے تھے۔ آپ بار بار اس کلمہ کی تکرار اسلئے کرتے تھے کہ آپ اجابت سوال حقتعالیٰ سے سُن لیں۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم پہلی ہی بار اجابت سوال کا مُرثدہ سُن لیتے تو ہرگز تکرار نہ کرتے۔ حقتعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اُمت کے انواع معاصی پیش کرتا تھا جس کے باعث وہ عذاب کے مُستحق تھے۔ حقتعالیٰ ہر گناہگار کے گناہ تفصیلاً پیش کرتا تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر گناہ اور ہر گناہگار کے بارہ میں سفارش فرماتے تھے (اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ) اگر تو اُن کو عذاب کرے گا تو وہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو اُن کو بخش دے گا تو تحقیق تو قُوَّت والا اور حکمت والا ہے۔ انبیاء علیہم السلام اللہ تعالیٰ کے راز دار ہیں۔ چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ عُصَاتِ اُمت کو معاف کرنے کا ارادہ رکھتا ہے اسلئے آپ نے عُصَاتِ اُمت کی مغفرت کیلئے دعا کی۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے معاصی اُمت پیش کرنے میں کوئی ایسی چیز دیکھتے جو تقدیم حق و ایثار حق کو واجب ٹھہراتی یعنی اگر آپ دیکھتے کہ حقتعالیٰ عُصَاتِ اُمت کو عذاب کرنا چاہتے ہیں تو آپ حقتعالیٰ کی مرضی کو مُقدم رکھتے اور اپنی خوشنودی کو حقتعالیٰ کی خوشنودی پر ایثار فرماتے یعنی البتہ

آپ اُن پر دُعائے بد کرتے اُن کے لئے دُعائے مغفرت نہ کرتے۔ حقیقی چُنکے عَصَاتِ اُمّت کو مُعاف کرنا ارادہ رکھتا تھا اس لئے حقیقی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اُمّت کا وہ گناہ پیش کیا جس کے باعث اُمّت اُس چیز کی مُستحق ٹھہری جو یہ آیت عطا کرتی ہے اور وہ چیز یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اُمّت کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کریں اور کُنایہ سے عَصَاتِ اُمّت کے لئے مغفرت طلب کریں۔ اِلَّا مَا اسْتَحَقُّوا بِہ میں لفظ بِہ اشارہ کرتا ہے کہ وہ ایک ہی قسم کا گناہ ہے یعنی حقیقی انواعِ معاصی اُمّت پیش کرنے کے بعد فرماتے کہ اگرچہ فاعل حقیقی حقیقی ہے لیکن یہ لوگ آلہ حق ہیں اور کارِ بد کے لئے آلہ ہونا بھی جرم ہے لیکن فَمَا عَزَّ عَنْ عَيْنِہ سے مراد اگر یہ لیا جائے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے سامنے وہ چیز پیش کرتے تھے جس کے باعث وہ عَصَاتِ اُمّت اس آیت سے بہرہ اندوز ہوں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرماتے تھے الہی! اگرچہ معاصی ان ہی کی طرف منسوب ہیں اور ان ہی کے اعیان ثابتہ اور استعدادات کے مطلوب ہیں لیکن ان کو استعدادات آپ ہی نے عطا کی ہیں، اگرچہ ناقص استعداد کا آلہ ہونا بھی جرم ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جان لیا کہ اللہ تعالیٰ عَصَاتِ اُمّت کی مغفرت کا ارادہ رکھتا ہے اس لئے مغفرت طلب کی لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ادب دیکھئے۔ آپ نے پہلے اُمّت کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کیا اور بعد میں مغفرت طلب کی۔ یعنی اس میں اشارہ ہے کہ جب بندہ پر کوئی بلا و مُصیبت نازل ہو تو پہلے بندہ پر فرض ہے کہ رضا بالقضاء کا مقام اختیار کرے یعنی اُس بلا پر راضی ہو جائے۔ اور بعد میں جب الہام الہی ہوا سوقت اُس کے دفعیہ کیلئے دُعایا مانگے۔ (اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ) مقام تسلیم و رضا ہے (وَ اِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيزُ الرَّحِيْمُ) الہام الہی سے مقام دُعایہ ہے۔

اب سرکارِ دو عالم حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم محبوب رب العالمین ہیں۔ پھر اس میں کیا حکمتیں ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ساری رات طلوع فجر تک رب تعالیٰ کی بارگاہ میں ایک ہی دُعایہ یعنی عَصَاتِ اُمّت کے لئے دُعائے مغفرت مانگتے رہے؟ اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ تحقیق حدیث شریف میں وارد ہوا ہے کہ جب حقیقی دُعائے وقت میں اپنے بندے کی آواز کو دوست رکھتا ہے تو اُس کی اجابت میں تاخیر کرتا ہے تاکہ وہ بندہ اُس دُعائے تکرار کرے۔ یہ تکرار اعراض کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ محبت کی وجہ سے ہے یعنی حقیقی کو اُس بندے کی آواز پیاری لگتی ہے اور حقیقی چاہتا ہے کہ اُس آواز کو سنتا رہے اس لئے اپنی محبت کا پرتو اُس بندے کے دل میں ڈال دیتا ہے اور الہام کرتا ہے کہ دُعائے تکرار کرے۔ پس

بندہ گڑ گڑاتا اور زاری کرتا ہے اور حق تعالیٰ اُس زاری کو پسند کرتا ہے۔ پس یہ تکرار محبت الہی کا عکس ہے نہ کہ رُوگردانی حق۔ پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تکرار اسی نوعیت کا ہے۔ رب تعالیٰ چاہتا تھا کہ آپ کی آواز مبارک بار بار سُنتا رہوں اسلئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رب تعالیٰ کی مُراد پوری کی۔ دوسری حکمت یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمت کو سبق دے دیا کہ رب تعالیٰ کی بارگاہ میں ہمیشہ نیاز کرنا چاہیے تیسری حکمت یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمت کو سکھلادیا کہ اگر دُعا کی اجابت میں تاخیر واقع ہو تو گھبرانا نہیں چاہیے بلکہ بار بار دُعا مانگتا رہے اور دروازہ الہی نہ چھوڑے۔ چوتھی حکمت یہ ہے کہ رب تعالیٰ چاہتا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان شفاعت ظاہر ہو اور میری شان بخشش ظاہر ہو۔ پانچویں حکمت یہ ہے کہ رب تعالیٰ چاہتا تھا کہ اُمت کو پتہ چل جائے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اُمت کیساتھ کیا شفقت ہے۔ چونکہ اس دُعا کے تکرار میں کئی حکمتیں تھیں اسلئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی دُعا میں اسم حکیم کالائے (فَإِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ) اور حکیم وہ شخص ہوتا ہے جو اشیا کو اپنے اپنے مقام پر رکھتا ہے اور جو ممکنات کے حقائق یعنی اعیان ثابۃ بسان استعداد سے طلب کرتے ہیں وہ اُن کو عطا کر دیتا ہے اُس میں تجاوز نہیں کرتا۔ پس حکیم وہ ہے جو اشیا کی ترتیب کا علم رکھتا ہے۔ یعنی ہمارے حقائق نے جو کچھ بسان استعداد سے حق تعالیٰ سے طلب کیا، حق تعالیٰ نے عطا کر دیا۔ اب ہماری جزع فزع جہالت پر مبنی ہے حکیم مطلق کے ہر فعل میں حکمت ہے۔ جناب رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ اللہ تعالیٰ کیلئے مِراۃ تاتمہ ہیں اسلئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم علم الہی سے مُشرف ہیں لہذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تکرار اُن وجوہ حکمتوں پر کی جو اللہ تعالیٰ یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی جانتے ہیں۔ پس جو شخص آیت مذکورہ کی تلاوت کرے اُسکو چاہیے کہ ان حکمتوں کو بد نظر رکھے ورنہ اس آیت کی تفسیر میں سکوت اولیٰ ہے۔ مُراد یہ ہے کہ ایک جاہل بے ادب اس واقع کو پڑھ کر یہ نہ کہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ساری رات دُعا مانگتے رہے پس آپ کا کمال حقیقی کہاں ہے اور آپ کا مقام ناز کہاں ہے؟ اُس جاہل کو مذکورہ بالا حکمتوں پر نظر رکھنی چاہیے حالانکہ اس فعل مبارک کی ساری حکمتیں اللہ تعالیٰ یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی جانتے ہیں۔ اگر اپنی جہالت اور غنہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کمال رُبُوبیت اور مقام ناز کا انکار کرے گا تو بے ایمان اور مُردود ہو جائے گا۔

فَإِذَا وَفَّقَ اللَّهُ أَمْرًا فَلَا مَدْرَ لَهُ عَلَيْهِ يَوْمَئِذٍ سِوَا اللَّهِ فَإِذَا وَفَّقَ اللَّهُ أَمْرًا فَلَا مَدْرَ لَهُ عَلَيْهِ يَوْمَئِذٍ سِوَا اللَّهِ

توفیق دیتا ہے جب اُس امر کے متعلق دُعا کی اجابت کا پختہ ارادہ رکھتا ہے اور اُس بندے کی حاجت پوری کرنا چاہتا ہے۔ لہذا جس کسی بندے کو دُعا کی توفیق می جاتی ہے اُس کو اُس خیر و برکت کو جو اُس دُعا کو شامل ہیں درنگ نہ جانا چاہیے۔ یعنی جس کو دُعا کی توفیق نصیب ہو جائے وہ سمجھ لے کہ اجابت دُعا میں درنگ و تاخیر نہ ہوگی۔ نیز بندہ کو چاہیے کہ اپنے جمیع احوال میں دُعا میں مواظبت یعنی ہمیشگی کرے جیسا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت جو عَصَابِ اُمّت کی مغفرت کیلئے دُعا ہے پر مواظبت کی۔ بندہ کو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ سے بار بار دُعا مانگے حتیٰ کہ اجابت دُعا ظاہری یا باطنی کانوں سے سُن لے۔ اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ جس طور سے تو چاہے یا جس طور سے وہ چاہے تیری دُعا کی قبولیت تجھ کو سنادے۔ پس اگر اللہ تعالیٰ تجھ کو تیرے سانی سوال کی جزا دے گا تو تیرے ظاہری کانوں کو اپنی اجابت سنادیگا اور اگر تجھ کو تیرے قلبی سوال کی جزا دیگا تو تیرے باطنی کانوں کو اپنی اجابت سنادیگا۔

فَصُّ حِكْمَةِ رَحْمَانِيَّةٍ فِي كَلِمَةِ سُلَيْمَانِيَّةٍ

(رَأَيْتُهُ) يَعْنِي الْكِتَابَ (مِنْ سُلَيْمَانَ وَرَأَيْتُهُ) أَيْ مَقْصُودُهُ (بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ) فَآخَذَ بَعْضُ النَّاسِ فِي تَقْدِيمِ اسْمِ سُلَيْمَانَ عَلَى اسْمِ اللَّهِ وَلَمْ يَكُنْ كَذَلِكَ وَكَلَّمُوا فِي ذَلِكَ بِمَا لَا يَنْبَغِي مِنَّا لَا يَلِيقُ بِمَعْرِفَةِ سُلَيْمَانَ عَلَيْهِ السَّلَامُ بِرَبِّهِ وَكَيْفَ يَلِيقُ مَا قَالُوا وَبَلْقَيْسُ تَقُولُ فِيهِ (رَأَيْتُ أُنْفِقَ إِلَى كِتَابِ كَرِيمٍ) أَيْ يُكْرَمُ عَلَيْهَا وَإِنَّمَا حَكَمَهُمْ عَلَى ذَلِكَ رَبُّنَا تَنْزِيْقُ كِسْرَى كِتَابِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَا مَرَّقَهُ حَتَّى قَرَأَ كُلَّهُ وَعَرَفَ مَقْصُودَهُ فَكَذَلِكَ كَانَتْ تَفْعَلُ بَلْقَيْسُ لَوْلَا تَوْفَقُ لِمَا وَفَّقَتْ لَهُ فَلَمْ يَكُنْ يَخْبِي الْكِتَابَ عَنِ الْاُخْرَاقِ بِحُرْمَةِ صَاحِبِهِ تَقْدِيمِ اسْمِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ عَلَى اسْمِ اللَّهِ وَلَا تَاخِيرُ لَاعْنَهُ فَإِنِّي سُلَيْمَانُ بِالرَّحْمَتَيْنِ رَحْمَةِ الْإِمْتِنَانِ وَرَحْمَةِ الْوُجُوبِ اللَّتَانِ هُمَا الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ فَاُمْتَنَ بِالرَّحْمَنِ وَأَوْجَبَ بِالرَّحِيمِ وَهَذَا الْوُجُوبُ مِنَ الْإِمْتِنَانِ فَدَخَلَ الرَّحِيمُ فِي الرَّحْمَنِ دُخُولَ تَضَمُّنٍ فَإِنَّهُ (كَتَبَ عَلَى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ) سُبْعَانَهُ لِيَكُونَ ذَلِكَ لِلْعَبْدِ بِمَا ذَكَرَكَ الْحَقُّ مِنَ الْأَعْمَالِ الَّتِي يَأْتِي بِهَا هَذَا الْعَبْدُ حَقًّا عَلَى اللَّهِ أَوْجِبُهُ لَهُ عَلَى نَفْسِهِ يَسْتَحِقُّ بِهَا هَذِهِ الرَّحْمَةَ أَعْنَى رَحْمَةِ الْوُجُوبِ وَمَنْ كَانَ مِنَ الْعَبِيدِ بِهَذِهِ الثَّابِتَةِ فَإِنَّهُ يَعْلَمُ مَنْ هُوَ الْعَامِلُ مِنْهُ

وَالْعَمَلُ مُنْقَسِمٌ عَلَى ثَمَانِيَةِ أَعْضَاءٍ مِنَ الْإِنْسَانِ وَقَدْ أَخْبَرَ الْحَقُّ أَنَّهُ تَعَالَى هُوِيَّةُ كُلِّ عَضْوٍ مِنْهَا
 فَلَمْ يَكُنِ الْعَامِلُ غَيْرَ الْحَقِّ وَالصُّورَةُ لِلْعَبْدِ وَالْهُوِيَّةُ مُنْذَرِجَةٌ فِيهِ أَيْ فِي أَسْمِهِ لَا غَيْرَ
 لِأَنَّهُ تَعَالَى عَيْنُ مَا ظَهَرَ وَسَمِيَ خَلْقًا وَبِهِ كَانَ الْإِسْمُ الظَّاهِرُ وَالْآخِرُ لِلْعَبْدِ وَبِحُكُومِهِ لَمْ يَكُنْ
 ثُمَّ كَانَ وَتَوَقَّفَ ظُهُورُهُ عَلَيْهِ وَصَدُّوا الْعَمَلِ مِنْهُ كَانَ الْإِسْمُ الْبَاطِنُ وَالْأَوَّلُ فَإِذَا رَأَيْتَ
 الْخَلْقَ رَأَيْتَ الْأَوَّلَ وَالْآخِرَ وَالظَّاهِرَ وَالْبَاطِنَ وَهَذِهِ مَعْرِفَةٌ لَا يَغِيبُ عَنْهَا سُلَيْمَانُ عَلَيْهِ
 السَّلَامُ بَلْ هِيَ مِنَ الْمَلِكِ الَّذِي لَا يَنْبَغِي لِأَحَدٍ مِنْ بَعْدِهِ يَعْنِي الظُّهُورَ بِهِ فِي عَالَمِ الشَّهَادَةِ فَقَدْ
 أُوتِيَ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا أُوتِيَتْهُ سُلَيْمَانُ وَمَا ظَهَرَ بِهِ فَمَكَتَهُ اللَّهُ تَمَكِّينَ قَهْرٍ
 مِنَ الْعِصْرِيَّتِ الَّذِي جَاءَهُ بِاللَّيْلِ يُضِلُّ بِهِ فَيَكْمَرُ بِأَخْذِهِ وَرَبُّهُ بِسَارِيَةٍ مِنْ سَوَارِي الْمَسْجِدِ
 حَتَّى يَصْبَحَ قِيلَعُ بِهِ وَلَدَانِ الْبَدِيَّةِ فَذَكَرَ دَعْوَةَ سُلَيْمَانَ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَرَدَّ اللَّهُ
 خَاسِيًا فَلَمْ يُظْهَرْ عَلَيْهِ السَّلَامُ بِمَا أَقْدَرَ عَلَيْهِ وَظَهَرَ بِذَلِكَ سُلَيْمَانُ ثُمَّ قَوْلُهُ (مُلْكًا) فَلَمْ
 يَعْمَ فَعَلِمْنَا أَنَّهُ يُرِيدُ مُلْكًا مَا وَرَأَيْنَا قَدْ شَوْرَكَ فِي كُلِّ جُزْءٍ جُزْءٍ مِنَ الْمُلْكِ
 الَّذِي أَعْطَاهُ اللَّهُ فَعَلِمْنَا أَنَّهُ مَا اخْتَصَّ إِلَّا بِالْجُمُوعِ مِنْ ذَلِكَ وَبِحَدِيثِ الْعِصْرِيَّتِ أَنَّهُ مَا
 اخْتَصَّ إِلَّا بِالظُّهُورِ وَقَدْ يُخْتَصُّ بِالْجُمُوعِ وَالظُّهُورِ وَلَوْ لَمْ يَقُلْ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي
 حَدِيثِ الْعِصْرِيَّتِ فَأَمْكَنْتَنِي اللَّهُ مِنْهُ لَقُلْنَا إِنَّهُ لَمَّا هَمَّ بِأَخْذِهِ ذَكَرَ اللَّهُ دَعْوَةَ سُلَيْمَانَ
 لِيَعْلَمَ أَنَّهُ لَا يَقْدِرُ اللَّهُ عَلَى أَخْذِهِ فَرَدَّ اللَّهُ خَاسِيًا فَلَمَّا قَالَ فَأَمْكَنْتَنِي اللَّهُ مِنْهُ عَلِمْنَا
 أَنَّ اللَّهَ تَعَالَى قَدْ وَهَبَهُ التَّصَرُّفَ فِيهِ ثُمَّ أَنَّ اللَّهَ ذَكَرَهُ فَتَذَكَرَ دَعْوَةَ سُلَيْمَانَ فَتَادَبَ
 مَعَهُ فَعَلِمْنَا مِنْ هَذَا أَنَّ الَّذِي لَا يَنْبَغِي لِأَحَدٍ مِنَ الْخَلْقِ بَعْدَ سُلَيْمَانَ الظُّهُورَ بِذَلِكَ فِي
 الْعُمُومِ وَلَيْسَ عَرَضًا مِنْ هَذِهِ السُّؤْلَةِ إِلَّا الْكَلَامُ وَالنَّبِيَّةُ عَلَى الرَّحْمَتَيْنِ اللَّتَيْنِ ذَكَرَ
 هُمَا سُلَيْمَانُ فِي الْإِسْمَيْنِ الَّذِينَ تَفْسِيرُهُمَا بِلِسَانِ الْعَرَبِ الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ فَقَيَّدَ رَحْمَةً
 الْوُجُوبِ وَأَطْلَقَ رَحْمَةً الْإِمْتِنَانِ فِي قَوْلِهِ (وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ) حَتَّى الْأَسْمَاءُ الْإِلَهِيَّةُ
 أَعْنَى حَقَائِقِ النَّسَبِ فَأُمْتَنَ عَلَيْهَا بِنَا فَتَحْنُ نَتِيجَةُ رَحْمَةِ الْإِمْتِنَانِ بِالْأَسْمَاءِ الْإِلَهِيَّةِ وَالنَّسَبِ
 الرَّبَّانِيَّةِ ثُمَّ أَوْجَبَهَا عَلَى نَفْسِهِ بِظُهُورِهَا لَنَا وَأَعْلَمْنَا أَنَّهُ هُوَ يَتَنَا يَعْلَمُ أَنَّهُ مَا أَوْجَبَهَا عَلَى
 نَفْسِهِ إِلَّا لِنَفْسِهِ فَمَا خَرَجَتْ الرَّحْمَةُ عَنْهُ فَعَلَى مِنْ أُمْتَنَ وَمَا تَعَدَّى إِلَّا أَنَّهُ لَا يَدُ مِنْ

حُكْمُ بَسَائِنِ التَّفْصِيلِ بِمَا ظَهَرَ مِنْ تَفَاضُلِ الْخَلْقِ فِي الْعُلُومِ حَتَّى يُقَالَ إِنَّ هَذَا أَعْلَمُ مِنْ هَذَا مَعَ
أَحَدِيَّةِ الْعَيْنِ وَمَعْنَاهُ مَعْنَى نُقْصِ تَعَلُّقِ الْإِرَادَةِ عَنْ تَعَلُّقِ الْعِلْمِ فَإِنَّ الْعِلْمَ فِي التَّعَلُّقِ بِأَشْيَاءٍ
مُتَحَكِّمٍ عَلَى الْإِرَادَةِ وَالْإِرَادَةُ مُتَحَكِّمَةٌ عَلَى الْقُدْرَةِ مِنْ دُونِ الْعَكْسِ أَلَا تَرَى أَنَّ الْعِلْمَ
مَا لَمْ يُعَيَّنِ الْإِرَادَةُ لَمْ تَتَعَلَّقْ بِأَشْيَاءٍ وَالْإِرَادَةُ مَا لَمْ تُخَصِّصِ الْقُدْرَةَ وَتَحْكُمَ عَلَيْهَا بِالتَّعْيِينِ
لَمْ تَتَعَلَّقْ بِهِ وَلَا حُكْمٌ لِلْقُدْرَةِ عَلَى الْإِرَادَةِ وَلَا لِلْإِرَادَةِ عَلَى الْعِلْمِ وَتَسْتَتِيعُ الْإِرَادَةُ
الْعِلْمَ وَالْإِرَادَةُ الْقُدْرَةَ دُونَ الْعَكْسِ فَهَذِهِ مُفَاضَلَةٌ فِي الصِّفَاتِ الْإِلَهِيَّةِ وَكَمَا تَتَعَلَّقُ
الْإِرَادَةُ وَفَضْلُهَا وَنِيَادَتُهَا عَلَى تَعَلُّقِ الْقُدْرَةِ وَكَذَلِكَ السَّمْعُ الْإِلَهِيُّ وَالْبَصَرُ وَجَمِيعُ الْأَسْمَاءِ
الْإِلَهِيَّةِ عَلَى دَرَجَتٍ فِي تَفَاضُلِ بَعْضِهَا عَلَى بَعْضٍ كَذَلِكَ تَفَاضُلُ مَا ظَهَرَ فِي الْخَلْقِ مِنْ أَنَّ
يُقَالَ هَذَا أَعْلَمُ مِنْ هَذَا مَعَ أَحَدِيَّةِ الْعَيْنِ وَكَمَا أَنَّ كُلَّ إِسْمٍ إِلَهِيٍّ إِذَا قَدَّمَ مَتَهُ سَمِيَّتَهُ
بِجَمِيعِ الْأَسْمَاءِ وَنَعْتَهُ بِهَا كَذَلِكَ فِيمَا ظَهَرَ مِنَ الْخَلْقِ فِيهِ أَهْلِيَّةٌ كُلُّ مَا فُوضِلَ بِهِ فَكُلُّ
جُزْءٍ مِنَ الْعَالَمِ مَجْبُوعٌ الْعَالِمِ أَيْ هُوَ قَابِلٌ لِحَقَائِقِ مُتَفَرِّقَاتِ الْعَالَمِ كُلِّهِ فَلَا يَقْدَحُ قَوْلُنَا إِنَّ
زَيْدًا دُونَ عَمْرٍو فِي الْعِلْمِ أَنَّ يَكُونُ هُوِيَّةُ الْحَقِّ عَيْنَ زَيْدٍ وَغَيْرُ يَكُونُ فِي غَيْرِهِ وَأَكْمَلُ
وَأَعْلَمُ مِنْهُ فِي زَيْدٍ كَمَا تَفَاضَلَتِ الْأَسْمَاءُ الْإِلَهِيَّةُ وَكَيْسَتْ غَيْرُ الْحَقِّ فَهُوَ تَعَالَى مِنْ حَيْثُ
هُوَ عَالِمٌ أَعَمُّ فِي التَّعَلُّقِ مِنْ حَيْثُ مَا هُوَ مُرِيدٌ وَقَادِرٌ وَهُوَ هُوَ لَيْسَ غَيْرُهُ فَلَا تَعْلَمُهُ يَا وَلِيَّ
هَذَا وَتَجْهَلُهُ هُنَا وَتُثَبِّتُهُ هُنَا وَتَنْفِيهِ هُنَا إِلَّا أَنَّ أَثْبَتَهُ بِأَلْوَجْهِ الَّذِي أَثْبَتَ نَفْسَهُ وَنَفِيَّتَهُ
عَنْ كَذَا بِأَلْوَجْهِ الَّذِي نَفَى نَفْسَهُ كَالْأَيَّةِ الْجَامِعَةِ لِلنَّفْيِ وَالْإِثْبَاتِ فِي حَقِّهِ حِينَ قَالَ (لَيْسَ
كَبِثْلِهِ شَيْءٌ) فَتَنَفَى (وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ) فَاتَّيَتْ بِصِفَةِ تَعْلُمِ كُلِّ سَامِعٍ بِصِيرٍ مِنْ حَيَوَانٍ وَ
مَاتِمٍ إِلَّا حَيَوَانٌ إِلَّا أَنَّهُ بَطَنَ فِي الدُّنْيَا عَنْ إِدْرَاكِ بَعْضِ النَّاسِ وَظَهَرَ فِي الْآخِرَةِ لِكُلِّ النَّاسِ
فَيَأْتِيكَ الدَّارُ الْحَيَوَانُ وَكَذَلِكَ الدُّنْيَا إِلَّا أَنَّ حَيَوَاتِهَا مَسْتُورَةٌ عَنْ بَعْضِ الْعِبَادِ لِيُظْهَرَ الْإِخْتِصَافُ
وَالْمُفَاضَلَةُ بَيْنَ عِبَادِ اللَّهِ بِمَا يُدْرِكُونَهُ مِنَ الْحَقَائِقِ الْعَالِمَةِ فَهِنَّ عَمَّا إِدْرَاكُهُ كَانَ الْحَقُّ
فِيهِ أَظْهَرَ فِي الْحُكْمِ مِنْ لَيْسَ لَهُ ذَلِكَ الْعُلُومُ فَلَا تُحْجَبُ بِالتَّفَاضُلِ وَتَقُولُ لَا يَصِحُّ
كَلَامُ مَنْ يَقُولُ إِنَّ الْخَلْقَ هُوِيَّةُ الْحَقِّ بَعْدَ مَا أَرَادَ يَتْلُو التَّفَاضُلَ فِي الْأَسْمَاءِ الْإِلَهِيَّةِ الَّتِي
لَا تَشْكُ أَنْتَ فِي أَنَّهَا هِيَ الْحَقُّ وَمَدْلُوكُهَا الْمُسَمَّى بِهَا لَيْسَ إِلَّا اللَّهُ ثُمَّ إِنَّهُ كَيْفَ يُقَدِّمُ

سَلِيمَانُ إِسْمُهُ عَلَى اسْمِ اللَّهِ كَمَا زَعَمُوا وَهُوَ مِنْ جُنَّةٍ مَنْ أَوْجَدَتْهُ الرَّحْمَةُ فَلَا بُدَّ أَنْ يَتَّقَهُ
الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ لِيَصِحَّ اسْتِنَادُ التَّرْحُومِ هَذَا عَكْسُ الْحَقَائِقِ تَقْدِيمُ مَنْ يَسْتَحِقُّ التَّأْخِيرَ
وَتَأْخِيرُ مَنْ يَسْتَحِقُّ التَّقْدِيمَ فِي الْمَوْضِعِ الَّذِي يَسْتَحِقُّهُ وَ مِنْ حِكْمَةِ بَلْقِيسَ وَعُلُوِّ عَلَيْهَا
كُونُهَا لَمْ تَذَكَّرْ مَنْ أَلْقَى إِلَيْهَا الْكِتَابَ وَ مَا عَمِلَتْ ذَلِكَ إِلَّا لِتُعْلِمَ أَصْحَابَهَا أَنَّ لَهَا اتِّصَالَ
إِلَى أُمُورٍ لَا يَعْلَمُونَ طَرِيقَهَا وَ هَذَا مِنَ التَّدْبِيرِ الْإِلَهِيِّ فِي الْهَلِكِ لِأَنَّهُ إِذَا جُهِلَ طَرِيقُ الْأَخْبَارِ
الْوَصِيلَةِ إِلَى الْهَلِكِ خَافَ أَهْلُ الدَّوْلَةِ عَلَى أَنْفُسِهِمْ فِي تَصَرُّفَاتِهِمْ فَلَا يَتَصَرَّفُونَ إِلَّا فِي أَمْرِ
إِذَا وَصَلَ إِلَى سُلْطَانِهِمْ عَنْهُمْ يَأْمَنُونَ غَائِلَةَ ذَلِكَ التَّصَرُّفِ فَلَوْ تَعَيَّنَ لَهُمْ عَلَى يَدَيْ مَنْ يَصِلُ
الْأَخْبَارُ إِلَى مَلِكِهِمْ لَصَانَعُوا وَ آعْطَوْهُ الرِّشَاءَ حَتَّى يَقْعُلُوا مَا يُرِيدُونَ وَلَا يَصِلُ ذَلِكَ إِلَى
مَلِكِهِمْ فَكَانَ قَوْلُهَا (إِنِّي أَلْقَيْتُ إِلَيْكَ) وَلَمْ تُسَمِّ مَنْ أَلْقَاهُ سِيَاسَةً مِنْهَا أَوْ رَأَتْ الْحَذَرَ مِنْهَا فِي
أَهْلِ مَمْلُكَتِهَا وَخَوَاصِّ مَدِيرِيهَا وَبِهَذَا اسْتَحَقَّتِ التَّقْدِيمَ عَلَيْهِمْ وَ أَمَّا فَضْلُ الْعَالِمِ مِنَ الصَّنِيفِ
الْإِنْسَانِيِّ عَلَى الْعَالِمِ مِنَ الْجِنِّ بِأَسْرَارِ التَّصَرُّفِ وَخَوَاصِّ الْأَشْيَاءِ فَمَعْلُومٌ بِالْقَدْرِ الزَّمَانِيِّ
فَإِنَّ رُجُوعَ الظَّرْفِ إِلَى النَّظِيرِ بِهِ أَسْرَعُ مِنْ قِيَامِ الْقَائِمِ مِنْ تَحْلِيلِهِ لِأَنَّ حَرَكَةَ الْبَصَرِ
فِي الْأَدْرَاكِ إِلَى مَا يُدْرِكُهُ أَسْرَعُ مِنْ حَرَكَةِ الْجِسْمِ نِيَامًا يَتَحَرَّكُ مِنْهُ فَإِنَّ الزَّمَانَ الَّذِي
يَتَحَرَّكُ فِيهِ الْبَصَرُ عَيْنُ الزَّمَانِ الَّذِي يَتَعَلَّقُ بِبَصَرِهِ مَعَ بُعْدِ الْمَسَافَةِ بَيْنَ النَّظِيرِ وَ
الْمَنْظُورِ فَإِنَّ زَمَانَ فَتْحِ الْبَصَرِ زَمَانُ تَعَلُّقِهِ بِقَلْبِ الْكَوَاكِبِ الثَّابِتَةِ وَ زَمَانُ رُجُوعِ
طَرَفِهِ إِلَيْهِ عَيْنُ زَمَانِ عَدَمِ ادْرَاكِهِ وَ الْقِيَامُ مِنْ مَقَامِ الْإِنْسَانِ لَيْسَ كَذَلِكَ أَيْ
لَيْسَ لَهُ هَذِهِ السَّرْعَةُ فَكَانَ أَصِيفُ بْنُ بَرْخِيَا أَتَمَّ فِي الْعَمَلِ مِنَ الْجِنِّ فَكَانَ عَيْنُ
قَوْلِ أَصِيفِ بْنِ بَرْخِيَا عَيْنُ الْفِعْلِ فِي الزَّمَانِ الْوَاحِدِ فَرَأَى فِي ذَلِكَ الزَّمَانِ بِعَيْنِهِ
سَلِيمَانُ عَلَيْهِ السَّلَامُ عَرْشَ بَلْقِيسَ مُسْتَقَرًّا عِنْدَهُ لِئَلَّا يَتَخَيَّلَ أَنَّهُ أَدْرَاكُهُ وَهُوَ فِي
مَكَانِهِ مِنْ غَيْرِ انْتِقَالٍ وَ لَمْ يَكُنْ عِنْدَ نَابِإِ تَحَادِ الزَّمَانِ انْتِقَالٌ وَ إِنَّمَا كَانَ إِعْدَامُ
وَرَأْيُ جَادٍ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُ أَحَدٌ بِذَلِكَ إِلَّا مَنْ عَرَفَهُ وَ هُوَ قَوْلُهُ تَعَالَى (بَلْ هُمْ فِي لَبْسٍ
مِنْ خَلْقٍ جَدِيدٍ) وَلَا يَنْفِي عَنْهُمْ وَقْتُ لَا يَرَوْنَ فِيهِ مَا هُمْ رَاءُونَ لَهُ وَإِذَا كَانَ هَذَا
كَمَا ذَكَرْنَا فَكَانَ زَمَانُ عَدَمِهِ أَعْنَى عَدَمِ الْعَرْشِ مِنْ مَكَانِهِ عَيْنُ وَجُودِهِ عِنْدَ سَلِيمَانَ

مِنْ تَجْدِيدِ الْخَلْقِ مَعَ الْأَنْفَاسِ وَلَا عِلْمَ لِأَحَدٍ بِهَذَا الْقَدْرِ بَلِ الْإِنْسَانُ لَا يَشْعُرُ بِهِ مِنْ نَفْسِهِ أَنَّهُ
فِي كُلِّ نَفْسٍ لَا يَكُونُ ثُمَّ يَكُونُ وَلَا تَقُلْ ثُمَّ تَقْتَضِي الْمُهْلَةَ فَلَيْسَ ذَلِكَ بِصَحِيحٍ وَإِنَّمَا شَرُّ
تَقْتَضِي تَقَدَّمَ الرَّتْبَةِ الْعِلِّيَّةِ عِنْدَ الْعَرَبِ فِي مَوَاضِعَ مَخْصُوصَةٍ كَقَوْلِ الشَّاعِرِ كَهْزِ الرَّدِّيِّ
ثُمَّ اضْطَرَبَ :

وَمَا مَانَ الْمَرَّ عَيْنُ نَرَمَانَ اضْطَرَابِ الْمَهْزُورِ بِلا شَكٍّ وَقَدْ جَاءَ بِثَمٍّ وَلَا مَدَّةَ كَذَلِكَ تَجْدِيدُ
الْخَلْقِ مَعَ الْأَنْفَاسِ نَرَمَانَ الْعَدَمِ زَمَانٌ وَجُودِ الْبَثْلِ كَتَجْدِيدِ الْأَعْرَاضِ فِي دَلِيلِ الْأَشَاعِرَةِ فَإِنَّ
مَسْئَلَةَ حُصُولِ عَرْشِ بُلْقِيسَ مِنْ أَشْكَالِ الْمَسَائِلِ إِلَّا عِنْدَ مَنْ عَرَفَ مَا ذَكَرْنَاكَ إِنْفَاءً فِي قِصَّتِهِ
فَلَمْ يَكُنْ لِأَصِفَ مِنَ الْفَضْلِ فِي ذَلِكَ إِلَّا حُصُولُ التَّجْدِيدِ فِي مَجْلِسِ سُلَيْمَانَ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَهَذَا
قَطْعَ الْعَرْشِ مَسَافَةً وَلَا نَرْوِيَتْ لَهُ أَرْضٌ وَلَا خَرَقَتْهَا يَمَنٌ فَيَلْمُ مَا ذَكَرْنَاكَ وَكَانَ ذَلِكَ عَلَى يَدَيْ
بَعْضِ أَصْحَابِ سُلَيْمَانَ عَلَيْهِ السَّلَامُ لِيَكُونَ أَعْظَمَ سُلَيْمَانَ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِي نُفُوسِ الْحَاضِرِينَ
مِنْ بُلْقِيسَ وَأَصْحَابِهَا وَسَبَبُ ذَلِكَ كَوْنُ سُلَيْمَانَ هَبَّةَ اللَّهِ تَعَالَى لِدَاوُدَ مِنْ قَوْلِهِ (وَهَبْنَا
لِدَاوُدَ سُلَيْمَانَ) وَالْهَبَّةُ عَطَاءُ الْوَاهِبِ بِطَرِيقِ الْإِنْعَامِ لَا بِطَرِيقِ الْجَزَاءِ الْيُوفَاقِ أَوِ الْإِسْتِحْقَاقِ
فَهُوَ النَّعْمَةُ السَّابِقَةُ وَالْحُجَّةُ الْبَاطِلَةُ وَالضَّرْبَةُ الدَّامِغَةُ وَأَمَّا عَلَيْهِ فَقَوْلُهُ تَعَالَى (فَفَهَّمْنَاهَا
سُلَيْمَانَ) مَعَ نَقِيضِ الْحُكْمِ (وَكُلًّا أَتَيْنَا حُكْمًا وَعِلْمًا) فَكَانَ عِلْمُ دَاوُدَ عِلْمًا مَوْتِيًّا أَتَاكَ
اللَّهُ وَعِلْمُ سُلَيْمَانَ عِلْمُ اللَّهِ فِي الْمَسْئَلَةِ إِذْ كَانَ هُوَ الْحَاكِمُ بِلا واسِطَةٍ فَكَانَ سُلَيْمَانَ رَجُلًا
الْحَقِّ فِي مَقْعَدِ صِدْقٍ كَمَا أَنَّ الْمُجْتَهِدَ الْمُصِيبَ بِحُكْمِ اللَّهِ الَّذِي يَحْكُمُ بِهِ اللَّهُ فِي الْمَسْئَلَةِ
تَوَلَّاهَا بِنَفْسِهِ أَوْ يَهْدِي بِهَ لِرَسُولِهِ لَهُ أَخْبَارٌ وَالْمُخْطِئُ بِهَذَا الْحُكْمِ الْمُبْعَيْنَ لَهُ أَجْرٌ
مَعَ كَوْنِهِ عِلْمًا وَحُكْمًا فَاعْطِيتَ هَذِهِ الْأُمَّةَ الْحَمْدِيَّةَ رُتْبَةَ سُلَيْمَانَ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِي الْحُكْمِ
وَرُتْبَةَ دَاوُدَ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَمَا أَفْضَلُهَا مِنْ أُمَّةٍ وَلَهَا رَأَتْ بُلْقِيسَ عَرْشَهَا مَعَ عَلَيْهَا يُعْجِدُ
الْمَسَافَةُ وَاسْتِحَالَةُ انْتِقَالِهِ فِي تِلْكَ الْمُدَّةِ عِنْدَهَا (قَالَتْ كَأَنَّهُ هُوَ) وَصَدَّقَتْ بِمَا
ذَكَرْنَاكَ مِنْ تَجْدِيدِ الْخَلْقِ بِالْأَمْثَالِ وَهُوَ هُوَ وَصَدَّقَ الْأَمْرُ كَمَا أَنَّكَ فِي نَرَمَانَ
التَّجْدِيدِ عَيْنُ مَا أَنْتَ فِي نَرَمَانَ الْمَاهِي ثُمَّ إِنَّهُ مِنْ كَمَالِ عِلْمِ سُلَيْمَانَ التَّيْبِيَّةِ الَّذِي
ذَكَرْنَاكَ فِي الصَّرِيحِ (قِيلَ لَهَا ادْخُلِي الصَّرِيحَ) وَكَانَ صَرِيحًا أَمْلَسَ لَا أُمَّةَ فِيهِ خُرُجًا (فَلَمَّا

رَأَتْهُ حَسِبَتْهُ لُجَّةً (أَيُّ مَاءٍ) (وَكَشَفَتْ عَنْ سَائِقِيهَا) حَتَّى لَا يُصِيبَ الْمَاءُ ثَوْبَهَا فَتَبَيَّنَ بِذَلِكَ عَلَى
 أَنَّ عَرَشَهَا الَّذِي رَأَتْهُ مِنْ هَذَا الْقَبِيلِ وَهَذَا غَايَةُ الْإِنْصَافِ فَإِنَّهُ أَعْلَمُهَا بِذَلِكَ إِصَابَتَهَا
 فِي قَوْلِهَا (كَأَنَّهُ هُوَ) فَقَالَتْ عِنْدَ ذَلِكَ (رَبِّ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي وَأَسْلَمْتُ مَعَ سُلَيْمَانَ لِلَّهِ رَبِّ
 الْعَالَمِينَ) أَيُّ إِسْلَامٍ سُلَيْمَانَ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ فَمَا انْقَادَتْ لِسُلَيْمَانَ وَإِنَّمَا انْقَادَتْ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ
 وَسُلَيْمَانَ مِنَ الْعَالَمِينَ فَمَا تَقَيَّدَتْ فِي انْقِيَادِهَا كَمَا لَا يَتَقَيَّدُ الرُّسُلُ فِي اعْتِقَادِهَا فِي الْمَلِكِ
 بِخِلَافِ فِرْعَوْنَ فَإِنَّهُ قَالَ (رَبِّ مُوسَى وَهَارُونَ) وَإِنْ كَانَ يَلْحَقُ بِهِ هَذَا الْإِنْقِيَادُ بِالْإِلَهِ فَقَسِي
 مِنْ وَجْهِهِ وَلَا يَكُنْ لَا يَقْوَى قُوَّتُهَا فَكَانَتْ أَفْقَهُ مِنْ فِرْعَوْنَ فِي الْإِنْقِيَادِ لِلَّهِ وَكَانَ فِرْعَوْنُ
 تَحْتَ حُكْمِ الْوَقْتِ حَيْثُ (قَالَ أَمَنْتُ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا الَّذِي أَمَنْتُ بِهِ بَنُو إِسْرَائِيلَ) فَخَصَّصَ
 وَإِنَّمَا خَصَّصَ يَمَّا رَأَى السَّحَرَةَ قَالُوا فِي إِيْمَانِهِمْ بِاللَّهِ (رَبِّ مُوسَى وَهَارُونَ) فَكَانَ إِسْلَامُ
 يَلْقَيْسَ إِسْلَامَ سُلَيْمَانَ إِذْ قَالَتْ (مَعَ سُلَيْمَانَ) فَتَبِعَتْهُ فَمَا يَهْرُ بِشَيْءٍ مِنَ الْعَقَائِدِ إِلَّا مَرَّتْ
 بِهِ مُعْتَقِدَةً ذَلِكَ كَمَا كُنَّا نَحْنُ عَلَى الصِّرَاطِ الْمُسْتَقِيمِ الَّذِي الرَّبُّ تَعَالَى عَلَيْهِ لِيَكُونَ نَوَاصِيئَنَا
 فِي يَدِهِ وَيُسْتَجِيلُ مَقَامَ قَتْنٍ أَيْ يَأْخُذُ فَتَحْنُ مَعَهُ بِالتَّضْمِينِ وَهُوَ مَعَنَا بِالتَّضَرُّيخِ فَإِنَّهُ قَالَ (وَهُوَ
 مَعَكُمْ أَيْنَمَا كُنْتُمْ) وَنَحْنُ مَعَ بِكُونِهِ أَخِذًا بِنَوَاصِيئِنَا فَهُوَ تَعَالَى مَعَ نَفْسِهِ حَيْثُمَا مَشَى بِنَا
 مِنْ صِرَاطِهِ فَمَا أَحَدٌ مِنَ الْعَالَمِ إِلَّا عَلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ وَهُوَ صِرَاطُ الرَّبِّ تَعَالَى وَكَذَلِكَ عَلِمَتْ
 يَلْقَيْسُ مِنْ سُلَيْمَانَ فَقَالَتْ (بِاللَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ) وَمَا خَصَّصَتْ عَالَمًا مِنْ عَالَمٍ وَمَا السَّخِيرُ
 الَّذِي اخْتُصَّ بِهِ سُلَيْمَانُ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَفُضِّلَ بِهِ عَلَى غَيْرِهِ وَجَعَلَهُ اللَّهُ لَهُ مِنَ الْمُلْكِ الَّذِي
 لَا يَنْبَغِي لِأَحَدٍ مِنْ بَعْدِهِ فَهُوَ كَوْنُهُ عَنْ أَمْرِهِ فَقَالَ (فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيحَ تَجْرِي بِأَمْرِهِ) فَمَا
 هُوَ مِنْ كَوْنِهِ تَسْخِيرًا فَإِنَّ اللَّهَ يَقُولُ فِي حَقِّنَا كُنَّا مِنْ غَيْرِ تَخْصِيصٍ (وَسَخَّرَ لَكُمْ مَا فِي
 السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مِنْهُ) وَقَدْ ذَكَرَ تَسْخِيرَ الرِّيحِ وَالنُّجُومِ وَغَيْرَ ذَلِكَ وَ
 لَكِنْ لَا عَنْ أَمْرِنَا بَلْ عَنْ أَمْرِ اللَّهِ فَمَا اخْتُصَّ سُلَيْمَانُ إِنْ عَقَلْتُ إِلَّا بِأَمْرٍ مِنْ غَيْرِ جَمْعِيَّةٍ
 وَلَا هِمَّةٍ بَلْ بِسُجَرْدِ الْأَمْرِ وَإِنَّمَا قُلْنَا ذَلِكَ لِأَنَّا نَعْرِفُ أَنَّ أَحْبَرَامَ الْعَالَمِ تَفَعَّلَ بِهِمْ
 النَّفُوسُ إِذَا أُقِيمَتْ فِي مَقَامِ الْجَمْعِيَّةِ وَقَدْ عَايَنَّا ذَلِكَ فِي هَذَا الطَّرِيقِ فَكَانَ مِنْ سُلَيْمَانَ
 مُعَبَّرًا بِالتَّلْفِظِ بِالْأَمْرِ لِيَتَنَ أَرَادَ تَسْخِيرَهُ مِنْ غَيْرِ هِمَّةٍ وَلَا جَمْعِيَّةٍ وَاعْلَمْ أَيُّدَنَا اللَّهُ وَ

إِيَّاكَ بِرُوحٍ مِنْهُ أَنْ مِثْلَ هَذَا الْعَطَاءِ إِذَا احْتَصَلَ لِلْعَبْدِ آيٌّ عَبْدِي كَانَ فَإِنَّهُ لَا يَنْقُصُهُ ذَلِكَ
 مِنْ مُلْكٍ آخِرَتِهِ وَلَا يُحْسَبُ عَلَيْهِ مَعَ كَوْنِ سُلَيْمَانَ عَلَيْهِ السَّلَامُ طَلِبَهُ مِنْ رَبِّهِ تَعَالَى فَيَقْتَضِي
 ذَوُقُ الطَّرِيقِ أَنْ يَكُونَ قَدْ عَجَّلَ لَهُ مَا آخِرَ بَغِيرِهِ وَيُحَاسَبُ بِهِ إِذَا أَرَادَهُ فِي الْآخِرَةِ
 فَقَالَ اللَّهُ تَعَالَى لَهُ (هَذَا عَطَاؤُنَا) وَلَمْ يَقُلْ لَكَ وَلَا يَغْيُرِكَ (فَأَمْتَنُ) آيٌّ أَعْطَى (أَوْ أَمْسَكَ)
 بَغَيْرِ حِسَابٍ) فَعَلِمْنَا مِنْ ذَوُقِ الطَّرِيقِ أَنْ سُؤَالَهُ ذَلِكَ كَانَ عَنْ أَمْرٍ رَأَى بِهِ وَالطَّلَبُ إِذَا وَقَعَ
 عَنْ الْأَمْرِ إِلَهِي كَانَ الطَّالِبُ لَهُ الْأَجْرُ التَّامُّ عَلَى طَلِبِهِ وَالْبَارِي تَعَالَى إِنْ شَاءَ قَضَى حَاجَتَهُ
 فِيمَا طَلَبَ مِنْهُ وَإِنْ شَاءَ أَمْسَكَ فَإِنَّ الْعَبْدَ قَدْ وَفَّى مَا أَوْجَبَ اللَّهُ عَلَيْهِ مِنْ أَمْتِنَالِ أَمْرِهِ
 فِيمَا سَأَلَ رَبَّهُ فِيهِ فَلَوْ سَأَلَ ذَلِكَ مِنْ نَفْسِهِ عَنْ غَيْرِ أَمْرٍ رَأَى بِهِ لَهُ بِذَلِكَ لِحَاسَبِهِ بِهِ وَ
 هَذَا سَائِرُ فِي جَمِيعِ مَا يُسَأَلُ فِيهِ اللَّهُ تَعَالَى كَمَا قَالَ نَبِيِّهِ مُحَمَّدٍ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (قُلْ
 رَبِّ نَزِدْنِي عِلْمًا) فَأَمْتَنَ أَمْرٌ رَأَى بِهِ فَكَانَ يَطْلُبُ الزِّيَادَةَ مِنَ الْعِلْمِ حَتَّى كَانَ إِذَا سِيقَ
 لَهُ لَبَنٌ يَتَأَوَّلُهُ عِلْمًا كَمَا تَأَوَّلَ رُؤْيَا كَمَا رَأَى فِي النَّوْمِ أَنَّهُ أُتِيَ بِقَدَحٍ لَبَنٍ فَشَرِبَهُ
 وَأَعْطَى فَضْلَهُ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ قَالُوا فَمَا أَوَّلَتْهُ قَالَ أَعْلَمُ وَكَذَلِكَ لَهَا أُسْرَى بِهِ
 أَتَاهُ الْمَلِكُ بِإِنَاءٍ فِيهِ لَبَنٌ وَإِنَاءٌ فِيهِ خَمْرٌ فَشَرِبَ اللَّبَنَ فَقَالَ لَهُ الْمَلِكُ أَصَبْتَ الْفِطْرَةَ
 أَصَابَ اللَّهُ بِكَ أَمَّتَكَ فَاللَّبَنُ مَتَى ظَهَرَ فَهُوَ صَوْرَةُ الْعِلْمِ فَهُوَ الْعِلْمُ تَمَثَّلَ فِي صُورَةِ اللَّبَنِ
 كَجِبْرِيلَ تَمَثَّلَ فِي صُورَةِ بَشِيرٍ سَوِيٍّ يَمْرُؤٍ وَلَمَّا قَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ النَّاسُ نِيَامٌ فَإِذَا مَاتُوا
 انْتَبَهُوا نَبَتْهُ عَلَى أَنَّهُ كُلُّ مَا يَرَاهُ الْإِنْسَانُ فِي حَيَاةِ الدُّنْيَا إِنَّمَا هُوَ يَنْزِلُ لَهُ الرَّؤْيَا لِلنَّاسِ
 خِيَالٌ فَلَا بُدَّ مِنْ تَأْوِيلِهِ شَعَرُ

إِنَّمَا الْكَوْنُ خِيَالٌ وَهُوَ حَقٌّ فِي الْحَقِيقَةِ ؛ كُلُّ مَنْ يَفْهَمُ هَذَا حَازَ أَسْرَارَ الطَّرِيقَةِ

فَكَانَ عَلَيْهِ السَّلَامُ إِذَا قُدِّمَ لَهُ لَبَنٌ قَالَ اللَّهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيهِ وَنَزِدْنَا مِنْهُ لِأَنَّهُ كَانَ يَرَاهُ
 صُورَةَ الْعِلْمِ وَقَدْ أَمَرَ بِطَلَبِ الزِّيَادَةِ مِنَ الْعِلْمِ وَإِذَا قُدِّمَ إِلَيْهِ غَيْرُ اللَّبَنِ قَالَ اللَّهُمَّ بَارِكْ
 لَنَا فِيهِ وَأَطْعِمْنَا خَيْرًا مِنْهُ فَهَمَّنَ أَعْطَاكَ اللَّهُ مَا أَعْطَاكَ بِسُؤَالٍ عَنْ أَمْرِ إِلَهِي فَإِنَّ اللَّهَ لَا يَحَاسِبُهُ
 فِي الدَّارِ الْآخِرَةِ وَمَنْ أَعْطَاكَ اللَّهُ مَا أَعْطَاكَ بِسُؤَالٍ عَنْ غَيْرِ أَمْرِ إِلَهِي فَلَا مَرْفُوعَ إِلَيْهِ إِلَى اللَّهِ
 إِنْ شَاءَ حَاسِبُهُ بِهِ وَإِنْ شَاءَ لَمْ يُحَاسِبْهُ بِهِ وَأَسْرَجُوا مِنَ اللَّهِ فِي الْعِلْمِ خَاصَّةً إِنَّهُ لَا يُحَاسِبُهُ

يَهْ فَإِنَّ أَمْرًا لِنَبِيِّهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَطْلُبُ الزِّيَادَةَ مِنَ الْعِلْمِ عَيْنُ أَمْرٍ لَا مَتَّهِ فَإِنَّ اللَّهَ يَقُولُ
(لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ) وَأَيُّ أُسْوَةٍ أَكْبَرُ مِنْ هَذَا النَّاسِيِّ بِعَيْنِ عَقْلٍ
عَنِ اللَّهِ تَعَالَى وَكَوْنِ بَهْتِكَ عَلَى الْمَقَامِ السُّلَيْمَانِي عَلَى تَبَاهِهِ لَرَأَيْتَ أَمْرًا يَهْوُ لَكَ الْإِطْلَافُ
عَلَيْهِ فَإِنَّ أَكْثَرَ عُلَمَاءِ هَذِهِ الطَّرِيقَةِ جَهِلُوا حَالَةَ سُلَيْمَانَ وَمَكَانَتَهُ وَلَيْسَ الْأَمْرُ كَمَا زَعَمُوا

یہ حکمتِ رحمانیہ کا فص کلمہ سلیمانہ کے بیان میں ہے

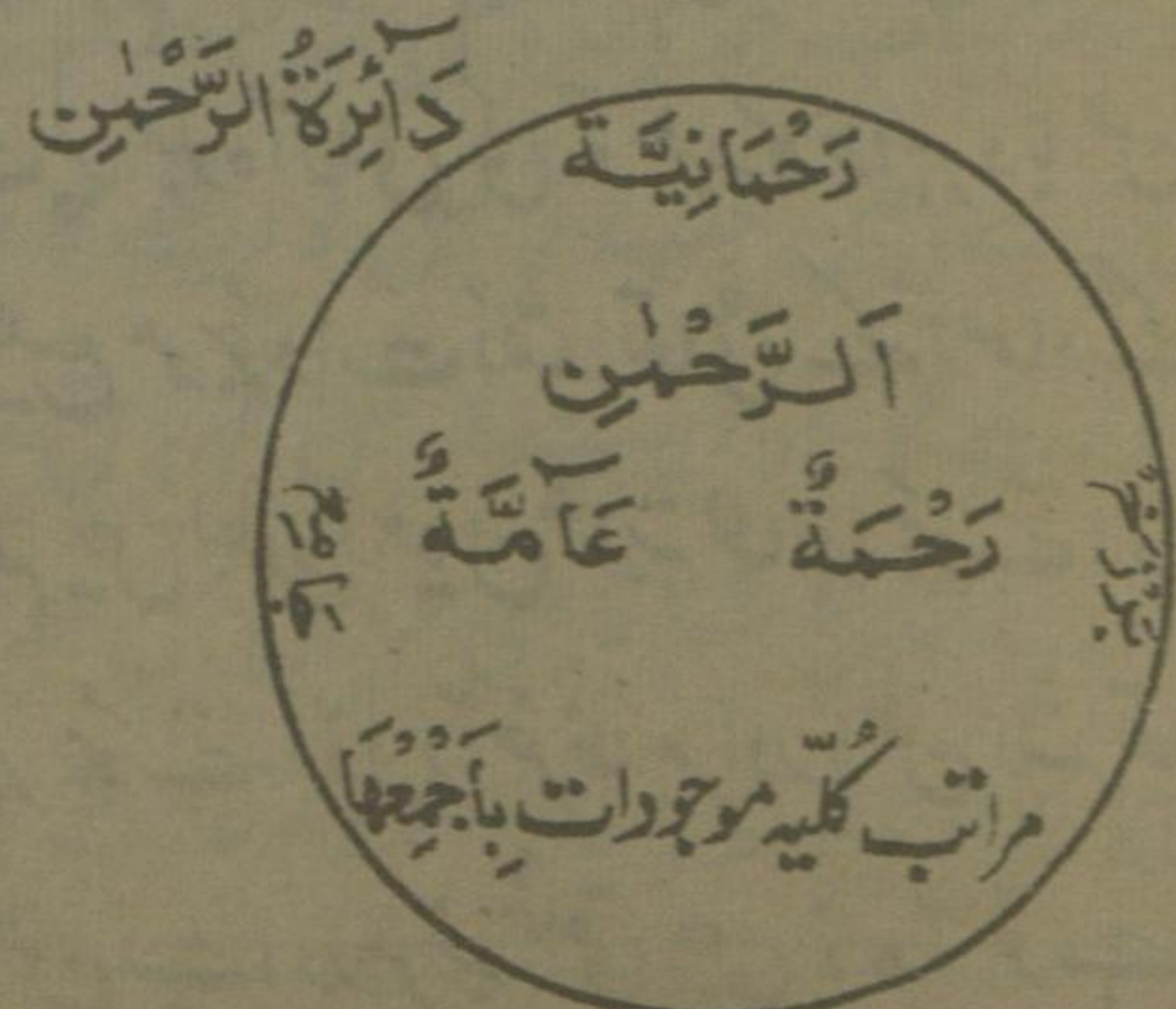
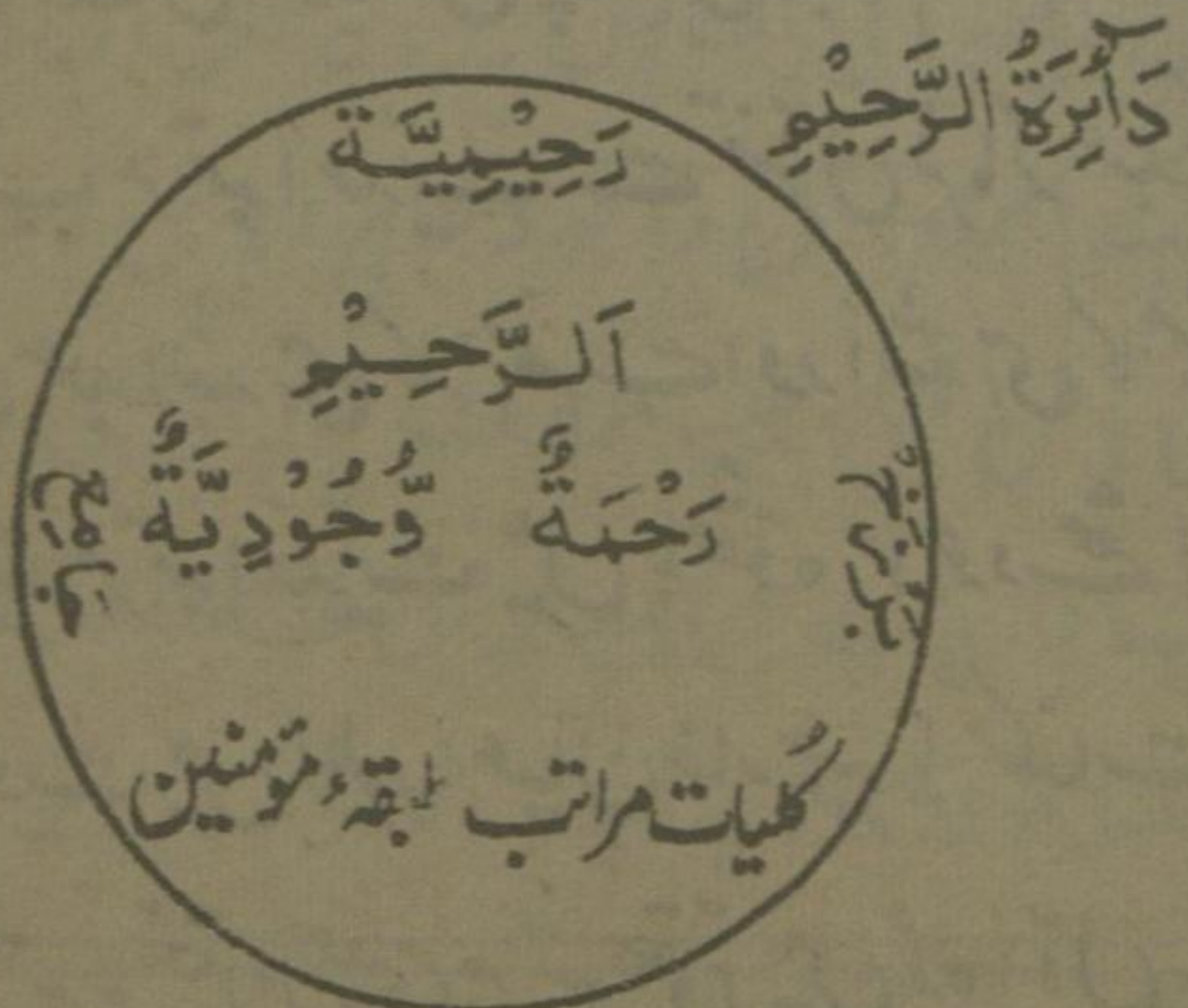
چونکہ حکمتِ نبویہ کا اختتام عصابتِ اُمت کیلئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت اور اللہ تعالیٰ کی
رحمت پر ہوا، اسلئے حکمتِ نبویہ کے بعد حکمتِ رحمانیہ کا ذکر لایا گیا ہے۔ حکمتِ رحمانیہ کو حضرت سلیمان
علیہ السلام کی طرف منسوب کرنے کی حکمت یہ ہے کہ آپ انواعِ رحمتوں سے سرفراز تھے۔ آپ عالمِ علوی
و سفلی دونوں پر حاکم تھے۔ آپ کا حکم جنوں، انسانوں، طیور بلکہ جمیع موجودات پر نافذ تھا۔ آپ جمیع جانداروں
و جمادات کی زبانیں سمجھتے تھے۔

(رَأَيْتَهُ) تحقیق وہ یعنی نامہ (مِنْ سُلَيْمَانَ وَرَأَيْتَهُ) سلیمان کی طرف سے ہے اور تحقیق وہ یعنی اُس کا
مضمون (بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ) سے شروع ہوتا ہے یعنی میں شروع کرتا ہوں ساتھ اسم اللہ کے جو
صاحبِ رحمتِ امتنانی و صاحبِ رحمت و تجویبی ہے۔ بعض مفسرین اس طرف گئے ہیں کہ سلیمان کا نام اللہ
کے نام سے مقدم لایا گیا ہے حالانکہ یہ امر ایسے نہیں ہے۔ اُن کے نزدیک حضرت سلیمان علیہ السلام کے نامہ
کا مضمون یہ ہے (رَأَيْتَهُ مِنْ سُلَيْمَانَ وَرَأَيْتَهُ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ) لَا تَعْلُوا عَلَيَّ وَأَتُونِي مُسْلِمِينَ
یہ غلط ہے۔ (رَأَيْتَهُ مِنْ سُلَيْمَانَ) تتمہ کلام بقیس ہے نہ کہ کلام سلیمان علیہ السلام۔ بقیس کا کلام ہے (يَا أَيُّهَا
الْمَلِكُ إِنِّي أَنَا كِتَابٌ كَرِيمٌ رَأَيْتَهُ مِنْ سُلَيْمَانَ) اسجگہ رَأَيْتَهُ کا مرجع کتاب یعنی نامہ ہے اور
(رَأَيْتَهُ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ) میں رَأَيْتَهُ کا مرجع نامہ کا مضمون ہے۔ تو پس بقیس نے کہا ”اے
دربار والو! تحقیق میری طرف ایک نامہ بزرگ ڈالا گیا ہے اور تحقیق اُس کا مضمون یہ ہے“ (بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ
الرَّحِيمِ) لَا تَعْلُوا عَلَيَّ وَأَتُونِي مُسْلِمِينَ۔ لہذا نامہ کا شروع اللہ کے اسم سے ہے نہ کہ سلیمان کے اسم
سے۔ اور اُن مفسرین نے سلیمان کے نام کو اللہ کے نام سے پہلے لانے کی ایک ایسی وجہ بیان کی ہے جو
سلیمان علیہ السلام کی معرفت الہی کے شایانِ شان نہیں ہے۔ انہوں نے یہ وجہ بیان کی ہے کہ سلیمان علیہ

السلام نے اپنے نام کو اللہ تعالیٰ کے نام سے مُقَدَّم اسلئے رکھا کہ اس نام کی حرمت کی وجہ سے وہ نامہ کو نہ پھاڑے
یہ اُن کی توجیہ سراسر نامناسب ہے۔ بقیس کا نامہ کو نہ پھاڑنا توفیق الہی سے ہے۔ وہ ازلی سعید تھی اسلئے
اللہ تعالیٰ نے اُس کو اُس نامہ کی تعظیم کی توفیق بخشی۔ اس میں نام کے مُقَدَّم یا موخر ہونے کا کچھ اثر نہیں
چنانچہ اُس نامہ کے حق میں بقیس کا قول اسی امر پر دلالت کرتا ہے۔ بقیس نے کہا (رَافِئُ اُنْقِیَ اِلٰی کِتَابِ
کَرِیْمٍ) یعنی وہ نامہ بقیس کے نزدیک بزرگ ہے۔ پس یہ توفیق الہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُس کے دل میں اُس
نامہ کی عظمت ڈال دی۔ اور سوائے اس کے نہیں کہ اُن مفسرین نے کسریٰ شاہ ایران کے جناب رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کے نامہ مبارک پھاڑنے کو اس پر حمل کیا ہے۔ یعنی اُن کا زعم ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے
چونکہ نامہ مبارک اللہ تعالیٰ کے اسم سے شروع کیا تھا اور بعد میں اپنا اسم مبارک اور اُس کے بعد کسریٰ کا نام
لکھا تھا اسلئے شاہ فارس نے نامہ مبارک کو پھاڑ دیا۔ شاہ فارس مجوسی تھا اور اُس کے دل میں اللہ اور اُس کے
رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم نہ تھی۔ نامہ مبارک کا عنوان یہ تھا یسوعا اللہ الرحمن الرحیم من محمد
رسول اللہ اِلٰی کسریٰ عظیم فارس۔ ان مفسرین نے لکھا ہے کہ تاجدار ایران نامہ مبارک کا عنوان سُنتے ہی آگ
بگولا ہو گیا اور متکبرانہ ہجہ میں کہنے لگا۔ میرے نام کے پہلے کسی دوسرے کا نام لکھنا سخت گستاخی ہے۔ یہ کہہ کر
بغیر اس کے کہ نامہ مبارک کا مضمون سُنے خط مبارک چاک کر کے پھینک دیا۔ حالانکہ یہ غلط ہے۔ اُس نے نامہ
مبارک سارا پڑھا اور اُس کے مضمون کو اچھی طرح پہچانا اور بعد میں نامہ مبارک پھاڑا۔ اب ان مفسرین کا زعم
ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کا اسم مبارک مُقَدَّم رکھا اور بعد میں اپنا اسم مبارک اور بعد میں کسریٰ
کا نام اسلئے شاہ ایران نے نامہ مبارک پھاڑ ڈالا اور سلیمان علیہ السلام نے اپنا نام مُقَدَّم رکھا اور اللہ تعالیٰ
کا بعد میں اسلئے بقیس نے نامہ نہ پھاڑا۔ یہ اُن کا زعم سراسر غلط ہے۔ سلیمان علیہ السلام نے بھی نامہ یسوعا
اللہ الرحمن الرحیم سے شروع کیا تھا۔ فرق یہ ہے کہ شاہ ایران ازلی شقی تھا اسلئے اُس کو نامہ مبارک
کی تعظیم کی توفیق نہ ملی اور بقیس ازلی سعید تھی سلیمان علیہ السلام کی ازلی منکوحہ تھی اسلئے اُس کو نامہ کی
تعظیم کی توفیق نصیب ہو گئی۔ اگر بقیس کو توفیق نہ ملتی تو وہ بھی ایسا ہی کرتی اور صاحب نامہ کی حرمت
بوجہ سلیمان علیہ السلام کے اسم کے مُقَدَّم ہونے اوپر اللہ تعالیٰ کے اسم کے نامہ کے پھاڑنے سے حفاظت
نہ کرتی اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کے اسم سے آپ کے اسم کی تاخیر نامہ کو محفوظ رکھتی۔ مراد یہ ہے کہ نامہ کے عنوان
کا نامہ کے نہ پھاڑنے میں کوئی دخل نہیں ہے۔ یہ بقیس پر فضل الہی ہے کہ اُس کو نامہ کی تعظیم کی توفیق

نصیب ہو گئی۔ یہاں تک اُن مفسرین کا رد ہے جو کہتے ہیں کہ سلیمان علیہ السلام نے نامہ میں اپنا اسم اللہ تعالیٰ کے اسم پر مقدم رکھا ہے۔

پس سلیمان اپنے نامہ میں دو رحمتیں لایا، ایک رحمت امتنانی اور دوسری رحمت وجوبی۔ رحمت امتنانی اسم رحمن کی صفت ہے اور رحمت وجوبی اسم رحیم کی صفت ہے۔ اسم رحمن کیساتھ اللہ تعالیٰ نے جمیع کائنات کو اپنی ذات سے پیدا کیا یعنی اللہ تعالیٰ نے ہر شے کو اپنا وجود عطا کیا۔ یہ رحمت عامہ ہے۔ پس اسم رحمن کیساتھ اللہ تعالیٰ نے جمیع مخلوق پر احسان کیا۔ اسم رحیم کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے طبقہ مومنین کو اپنی رحمت خاصہ و جودہ سے نوازا اور اُن کو اعمال صالح کی توفیق بخشی۔ اُن مومنین پر امتثال امر الہی واجب ہے اور اللہ تعالیٰ پر اُن کے اعمال صالح کی جزا میں رحمت واجب ٹھہری۔ اسم رحمن کے مظاہر جمیع مخلوقات ہے اور اسم رحیم کے مظاہر مومنین، اولیاء و انبیاء علیہم السلام ہیں۔ اور یہ رحمت وجوبی رحیمی بھی رحمت امتنانی رحمانی سے ہے کیونکہ رحمت وجوبی کا تعلق ساتھ اعمال صالح کے ہے اور اعمال صالح کی توفیق بھی اُسی کی رحمت سے ہے۔ پس اس اعتبار سے اسم رحیم بھی اسم رحمن میں داخل ہے جیسا کہ خاص عام کے ضمن میں داخل ہوتا ہے۔ یعنی حق تعالیٰ احکم الحاکمین ہے۔ اُس پر کوئی چیز واجب نہیں لیکن از روئے کمال شفقت و رحمت اُس ذات نے طبقہ مومنین کو اپنی رحمت رحیمیہ خاصہ متقلد و جودہ کے باعث اپنی دولت قرب سے نوازا اور اُن پر رحمت کرنی اپنے آپ پر واجب کر لی یقولہ تعالیٰ (کَتَبَ عَلٰی نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ) حق تعالیٰ نے اپنے نیک بندے پر اُس کے اعمال صالحہ کے عوض اُس پر رحمت کرنی اپنی ذات پر واجب کر لی ہے۔ آیہ مذکورہ میں رحمت سے مراد رحمت وجوبی ہے یعنی مومن پر اعمال صالحہ واجب ہیں اور حق تعالیٰ نے مومن کیلئے اُن اعمال صالحہ کی جزا میں اپنی ذات پر رحمت خاصہ و جودہ واجب کر لی ہے۔ اسم رحمن اور اسم رحیم کے معانی میں تمیز کرنے کیلئے ہر دو اسماء کے دائرہ پیش کئے جاتے ہیں:-



یعنی اسم رحمن کی صفت رحمانیت رحمت عامہ ہے اور اس کے مظاہر جمیع موجودات ہیں اور اسم رحیم کی صفت رحیمیت رحمت و بودیہ خاصہ منقلہ ہے اور اس کے مظاہر کلیات مراتب طبقہ مؤمنین ہیں۔

وَمَنْ كَانَ اتِّخَافُكَ أَوْ جُودُكَ أَوْ بَدْوُكَ أَوْ جُودُكَ أَوْ بَدْوُكَ أَوْ جُودُكَ أَوْ بَدْوُكَ
کا مظہر ہے اور دولت عرفان سے مشرف ہے پس تحقیق وہ عارف باللہ جانتا ہے کہ اُس میں عامل کون
ہے یعنی وہ اس بہر تو حید سے واقف ہے کہ اُس کی صورت پر حق تعالیٰ ہی جلوہ نما ہے اور حق تعالیٰ ہی عامل
ہے۔ عمل عبادت انسان کے اعضاء میں سے آٹھ اعضاء پر منقسم ہے اور وہ اعضاء دو ہاتھ، دو پاؤں، سمع، بصر،
زبان اور پیشانی ہیں۔ اور تحقیق حق تعالیٰ نے حدیث قدسی میں خبر دی کہ حق تعالیٰ بندے کے اعضاء میں سے
ہر ایک عضو کی ہوتیت یعنی حقیقت ہے پس عمل کہ نبوالا حق تعالیٰ کا غیر نہیں ہے یعنی عابد حقیقت میں حق
تعالیٰ ہے۔ اگرچہ ظاہری صورت میں عابد عبد ہے لیکن ہوتیت الہیہ عبد میں مندرج ہے یقولہ تعالیٰ اِذَا
اَحْبَبْتُ عَبْدًا كُنْتُ لَهُ سَمْعًا وَ بَصَرًا وَ لِسَانًا وَ يَدًا وَ رِجْلًا فَيَسْمَعُ وَ يَرَى وَ يَنْطِقُ وَ يَنْطِقُ
وَرَبِّي يَشْفِي۔ سابق میں مذکور ہوا ہے کہ ہوتیت الہیہ عبد میں مندرج ہے۔ اس جملہ سے دو وجود ثابت ہوتے
ہیں اور حق تعالیٰ کا عبد میں حلول ثابت ہوتا ہے۔ اس کی نفی فرمائی اور شرح میں فرمایا اَمَىٰ فِي اسْمِهِ لَا غَيْرَ
یعنی حق تعالیٰ اپنے ہی اسم میں مندرج ہے نہ کہ غیر میں کیونکہ حق تعالیٰ مظہر کا عین ہے اور حق تعالیٰ ہی کا نام
خلق یعنی عبد رکھا گیا ہے۔ مراد یہ ہے کہ موجودات اسماء الہیہ کے مظاہر ہیں اور عبد اُسی کا ایک اسم ہے جیسے
حروف الف ب ت وغیرہ سب سیاہی ہی کے اسماء ہیں۔ اب سیاہی حروف میں مندرج ہے لیکن
اس سے حروف کا اپنا ذاتی علیحدہ مستقل وجود ثابت نہیں ہوتا۔ ہر حرف کا ظاہر بھی سیاہی اور باطن بھی
سیاہی ہے یعنی سیاہی حروف کا عین ہے اور سیاہی کا نام حرف ہے۔ دوات میں سیاہی بے صورت تھی
لیکن حروف کی صورتوں پر اُسی بے صورت کا ظہور ہے۔ مرتبہ احدیت ذاتیہ میں حق تعالیٰ بے صورت ہے
لیکن جب مرتبہ احدیت سے تنزل فرما کر عبد کی صورت پر جلوہ آرائی کی تو عبد کا ظاہر و باطن حق تعالیٰ
ہے پس عبد اللہ ہی کا اسم ہے اور اللہ ہی کا مظہر ہے۔ جمیع موجودات اللہ تعالیٰ کے اسماء کے مظاہر ہیں۔
اسماء الہیہ مرتبہ احدیت میں بالقوہ موجود تھے اور مرتبہ علم میں بطور اعیان ثابتہ ظاہر ہوتے اور مرتبہ ظہور
اور شہادت میں بطور اعیان خارجیہ یا ممکنات عالم ظاہر ہوتے۔ اول آخر ظاہر اور باطن اللہ تعالیٰ کے اسماء
ہیں۔ مرتبہ لاتعین یعنی مرتبہ حقیقی میں وہ اول ہے اور باطن ہے اور مرتبہ خلقی میں وہ آخر ہے اور ظاہر ہے۔

پس اسم ظاہر و اسم آخر عبد کیلئے ہے کیونکہ عبد تجلی اخیر ہے اور ظہور اللہ تعالیٰ ہے۔ لہذا ثابت ہوا اللہ تعالیٰ کے اسماء ظاہر و آخر عبد کے بغیر ثابت نہیں ہوتے۔ عبد کے بغیر حق تعالیٰ ظاہر نہ تھا پھر اس کے سبب ظاہر ہوا۔ پس اس کا ظہور بغیر عبد کے موقوف رہتا ہے اور اس طرح عبد کے بغیر عمل کا صدور حق تعالیٰ کے لئے موقوف رہتا ہے۔ یعنی حق تعالیٰ بغیر عبد کے وجود کے نہ ظاہر ہو سکتا ہے اور نہ کوئی فعل و عمل کر سکتا ہے بلکہ حق تعالیٰ کا اسم باطن و اسم اول بھی خلق اور عبد کیساتھ ثابت ہے۔ مرتبہ احدیت ذاتیہ میں کسی اسم کا ظہور نہیں۔ حق تعالیٰ کے اسماء اول و آخر و ظاہر و باطن عبد کے یمن ثابتہ میں علمی طور پر ثابت تھے اور حق تعالیٰ کے اسماء اول و آخر و ظاہر و باطن عبد کے عین خارجیہ میں خارج اور شہادت میں ثابت ہیں۔ عبد کا ظاہر حق تعالیٰ کا ظاہر ہے اور عبد کا باطن حق تعالیٰ کا باطن ہے۔ عبد کا اول حق تعالیٰ کا اول ہے اور عبد کا آخر حق تعالیٰ کا آخر ہے۔ مراد یہ ہے کہ حق تعالیٰ کا تعین اول بھی عبد ہے اور لباس اخیر بھی عبد ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم وجود کے لحاظ سے سب سے اول اور ظہور کے لحاظ سے سب سے آخر ہیں۔ مراد یہ ہے کہ خلق یعنی موجودات اسماء الہیہ کے مظاہر ہیں۔ اول آخر ظاہر اور باطن ایسے اسماء ہیں کہ ان سے باہر کوئی شے نہیں ہو سکتی۔ یا کوئی شے اول ہے یا آخر، یا کوئی شے ظاہر ہے یا باطن۔ هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ کی رو سے حق تعالیٰ ہی اول حق تعالیٰ ہی آخر حق تعالیٰ ہی ظاہر اور حق تعالیٰ ہی باطن ہے۔ مراد یہ ہے کہ سوائے حق تعالیٰ کے کسی چیز کا وجود ہی نہیں ہے۔ اگرچہ ہم سب موجود ہیں لیکن ہمارا وجود ساتھ حق تعالیٰ کے ہے۔ پس ثابت ہوا کہ موجودات اسماء الہیہ کے مظاہر ہیں لہذا اول و آخر و ظاہر و باطن کے بھی مظاہر ہیں۔ عبد چونکہ شجرۃ الکون کا ثمرہ ہے لہذا اسم اللہ کا مظہر ہے اور اسکو جامعیت کا کمال حاصل ہے۔ یہ حق اور خلق دونوں کا جامع ہے۔ اس کا ظاہر خلق ہے اور اس کا باطن حق ہے۔ ظاہر کے لحاظ سے اسم آخر اور اسم ظاہر کا مظہر ہے اور باطن کے لحاظ سے اسم اول اور اسم باطن کا مظہر ہے۔ جامعیت کا پورا پورا کمال صرف سرکارِ دو عالم جناب محمد پاک صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو حاصل ہے۔ باقی انسانوں میں یہ کمال ان کی استعداد کے مطابق ہے۔ پس جب تو خلق کو دیکھے گا تو حق تعالیٰ کے اسماء اول و آخر و ظاہر و باطن کو دیکھے گا یعنی حق تعالیٰ کو دیکھے گا۔ مراد یہ ہے کہ خلق ظہور حق ہے اور حق باطن خلق جیسا حروف ظہور سیاہی ہیں اور سیاہی باطن حروف۔ شرح شفا قاضی عیاض میں حدیث شریف وارد ہے اِنَّ جِبْرِیْلَ عَلَیْهِ السَّلَامُ نَزَلَ عَلَیْہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اَسْلَامُ عَلَیْكَ يَا اَوَّلُ اَسْلَامُ عَلَیْكَ يَا اٰخِرُ اَسْلَامُ عَلَیْكَ يَا ظَاہِرُ

اَسْلَامٌ عَلَيْكَ يَا بَاطِنُ فَقَالَ يَا جِبْرِيلُ كَيْفَ تَكُونُ هَذِهِ الصِّفَةُ بِمَخْلُوقٍ مِثْلِي وَهِيَ صِفَةُ الْخَالِقِ لَا تَلِيْقُ اِلَّا بِهٖ فَقَالَ اِنَّ اِلٰهَ تَعَالٰی اَمْرًا اَنْ اُسَلِّمَ عَلَيْكَ بِهَا وَقَدْ خَصَّكَ بِهَا ذُوْنَ الْاَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِيْنَ
یعنی جبرائیل علیہ السلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئے اور کہا اَسْلَامٌ عَلَيْكَ يَا اَوَّلُ السَّلَامِ عَلَيْكَ
يَا اٰخِرُ السَّلَامِ عَلَيْكَ يَا ظَاهِرُ السَّلَامِ عَلَيْكَ يَا بَاطِنُ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اے جبریل یہ
یہ وصف مجھ جیسی مخلوق کیسے کیونکر ہو سکتا ہے حالانکہ یہ صفت اللہ تعالیٰ کے لائق ہے۔ جبرائیل علیہ السلام
نے کہا اللہ تعالیٰ نے مجھ کو آپ پر اسی طرح سلام کہنے کا حکم دیا ہے اور اس کے ساتھ تمام انبیاء و مرسلین علیہم
السلام کے سوا آپ ہی کو خاص فرمایا ہے۔ اس حدیث شریف سے ثابت ہوا کہ اَوَّلُ وَاٰخِرُ ظَاهِرُ وَبَاطِنُ حضور
صلی اللہ علیہ وسلم کے اسماء بھی ہیں۔ اس میں اشارہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جمیع اسماء الہیہ سے موسوم اور
مختص ہیں۔

یہ مذکورہ بالا بیان معرفت اسماء الہیہ میں سے ہے جس سے سلیمان علیہ السلام بے خبر نہیں ہیں یعنی سلیمان
علیہ السلام سر تو حید سے واقف تھے بلکہ یہ معرفت اُسی ملک سے ہے جو آپ کے بعد کسی کو نصیب نہیں۔ حضرت
سلیمان علیہ السلام نے دُعا مانگی (قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِي وَهَبْ لِي مُدْكًا لَا يَنْبَغِي لِاَحَدٍ مِّنْ اَعْدَائِي اِنَّكَ
اَنْتَ الْوَهَّابُ)۔ رب تعالیٰ نے آپ کی دُعا منظور فرمائی اور آپ کو ہر چیز پر ظاہر حکومت بخشی۔ آپ کا تخت
ہوا پر اُڑتا تھا۔ آپ کے شکر میں جن انسان اور پرندے ساتھ ہوتے تھے۔ آپ کو جمیع کائنات میں متصرف
ہونا کمالِ حقیقی کیساتھ تھا جس سے آپ مشرف تھے۔ پس وہ ملک جو آپ کو عطا کیا گیا تھا، ملک تو حید ہے
یعنی آپ فنا فی التوحید ہونیکے باعث مقامِ قطبیت پر فائز تھے اور مجملہ عوالم پر آپ کی حکومت تھی۔ **ہی**
مِنَ السُّنْدِ یعنی یہ معرفت اسماء الہیہ اُسی ملک تو حید سے ہے جو آپ کے بعد کسی کو حاصل نہیں۔ یہ نہیں
کہ آپ کے بعد کسی کو کمال تو حید یا کمال حقیقی نصیب نہیں البتہ اس کمال تو حید کو عالم شہادت میں ظاہر
کرنے کی آپ کے بعد کسی کو اجازت نصیب نہیں ہوتی۔ اگرچہ آپ کے بعد ہر زمانہ میں قطب زمان آ رہا
ہے لیکن کسی کو یہ اجازت نہیں کہ اپنے تصرف کو عالم شہادت میں ظاہر استعمال کرے۔ یعنی آپ کے
بعد کسی کا تخت ہوا پر نہیں اُڑا اور نہ ہی کسی کی مجلس میں جن ظاہر بیٹھے اور نہ ہی کسی کے شکر کے ساتھ
پرندے ساتھ اُڑے اور نہ ہی کسی کے ماتحت جنوں نے عمارتیں بنائیں یا اور کام کئے۔ اگرچہ ہر قطب زمان
کے ماتحت ملائکہ جن اور انسان ہوتے ہیں لیکن اُس کا تصرف باطن میں ہوتا ہے اور سلیمان علیہ السلام کا تصرف

ظاہر میں تھا۔ اُسی حکومت آپ کے بعد کسی نبی یا رسول کو نصیب نہیں ہوئی۔ جو کچھ سلیمان کو عطا ہوا وہ سب کچھ جناب محمد پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عطا ہوا لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکو ظاہر نہ کیا۔ بلکہ جو کچھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے سلیمان علیہ السلام کو اُس کی خوشبو بھی نہیں پہنچی البتہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مسکینی پسند ہے۔ آپ تخت پر ہوا میں بظاہر اُرتا پسند نہیں فرماتے اور نہ ہی جنوں اور پندوں کو بظاہر مجلس میں بلاتے ہیں۔ اس کرفر کو جناب پسند نہیں فرماتے ورنہ ہر شے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ماتحت ہے لِقَوْلِهِ تَعَالَى (وَسَخَّرَ لَكُم مَّا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ مِنْ جَبِيْعًا مِّنْهُ)۔ اس باطنی حکومت کو جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سلیمان علیہ السلام کی طرح ظاہر نہیں فرمایا، اس کی حکمتیں آپ ہی جانتے ہیں لیکن اس مسکین نے صرف اسقدر سمجھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ظاہری شان و شوکت کو پسند نہیں فرماتے۔ آپ مسکینی کو پسند فرماتے ہیں لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ اللَّهُمَّ احْنِ مَسْكِيْنًا وَتَوَفَّنِي مَسْكِيْنًا وَاحْشُرْنِي فِي زَمْرَةِ الْمَسَاكِيْنِ۔ حدیثِ عفریت سے ظاہر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیووں پر بھی اللہ تعالیٰ نے غلبہ بخشا ہوا تھا۔ وارد ہوا کہ ایک رات ایک دیو مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں آپ کے پاس اس ارادہ سے آیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یادِ الہی سے غافل کرے۔ آپ نے ارادہ کیا کہ اُس کو پکڑیں اور مسجد کے ستونوں میں سے کسی ایک ستون کیساتھ باندھ دیں حتیٰ کہ صبح ہو جائے اور مدینہ منورہ کے بچے اُس کے ساتھ کھیلیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کو سلیمان علیہ السلام کی دُعا یاد کرائی اور اللہ تعالیٰ نے اُس دیو کو ذلت کیساتھ رد کیا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے دُعا مانگی تھی کہ الہی! مجھے ایسا ملک عنایت کر جو میرے بعد کسی کو حاصل نہ ہو اور وہ ملک موجودات پر ظاہری حکومت تھی سلیمان علیہ السلام بظاہر جنوں کو بیڑیاں مارتے تھے اور قید کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عفریت کو باندھنے سے روکا اور کہا اے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم! آپ رحمتہ للعالمین ہیں۔ آپ کا منصب بہت ہی ارفع اور اعلیٰ ہے۔ آپ مجرموں کو پکڑنے کے لئے تشریف نہیں لاتے بلکہ آپ مجرموں کو چھڑانے کے لئے تشریف لاتے ہیں۔ قید میں ڈالنا سلیمان کا کام ہے اور قید سے آزاد کرنا آپ کی شان ہے۔ یہ وجہ تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دیو کو آزاد کر دیا۔ نیز جو کمالات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہیں آپ نے اُن سب کو ظاہر نہیں کیا اور سلیمان کو جو کمال حاصل تھا اُس نے پوری طرح ظاہر کر دیا۔ سلیمان نے اپنی کوئی قوت باقی نہیں رکھی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے باوجود لاکھوں معجزات دکھانے کے اپنی حقیقی قوت کا

اظہار ہی نہیں کیا۔ لاکھوں سلیمان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے چیونٹی کا حکم رکھتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے وہ تالی شان عطا کی ہے کہ آپ کی اُمت کے بعض مکمل افراد سلیمان علیہ السلام سے درجہ میں افضل ہیں۔

نخشد بہ مورے ز سنا ملک سلیمان! ۛ شایان جہان اند گدایان محمد (سعدی)

پھر سلیمان علیہ السلام کا قول (مُدْکَاً) ظاہر کرتا ہے کہ آپ نے ملکوں میں سے ایک ملک مانگا ہے آپ نے سب ملک نہیں مانگے۔ لفظ مُدْکَاً عام نہیں ہے۔ پس ہم نے جان لیا کہ آپ نے ایک خاص ملک کا ارادہ کیا ہے۔ یعنی آپ نے ممالک توحید میں سے ایک خاص ملک مانگا ہے مراد یہ ہے کہ آپ نے اپنی استعداد کے مطابق کمالات حقیقی میں سے ایک خاص کمال مانگا ہے اور ہم نے دیکھا ہے کہ جو ملک سلیمان علیہ السلام کو عطا ہوا اُس ملک کے ہر جز میں تحقیق کئی لوگ شریک ہیں۔ یعنی جو کمالات آپ کو نصیب ہیں وہ بن و عن کئی اور اہل اللہ کو بھی حاصل ہیں۔ ایسا کوئی کمال نہیں جو آپ کو حاصل ہے اور آپ کے سوا کسی اور کو حاصل نہیں۔ پس ہم نے جان لیا کہ تحقیق سلیمان علیہ السلام اُس ملک خاص کے ساتھ بہ ہیئت مجموعی مختص تھے یعنی آپ کو جمیع کمالات توحید حاصل نہیں تھے بلکہ ایک خاص کمال توحید حاصل تھا جس سے وہ عالم میں تصرف کرتے تھے۔ جمیع کمالات توحید پر حاوی ہونا صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خاصہ ہے۔ اور حدیثِ غفریت سے ہم نے اس بات کو جان لیا کہ تحقیق سلیمان علیہ السلام صرف ظہور تصرف کیساتھ مختص تھے یعنی وہ کمال اور ملک دوسروں کو بھی حاصل ہے لیکن اس کمال کے ظہور کی سوائے آپ کے کسی اور کو اجازت نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس حکم سے مستثنیٰ ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اس ظاہری کرم و قدر کو پسند نہیں فرمایا۔ پس وہ ملک توحید یعنی کمال اور اُس ملک کا ظہور یعنی ظہور کمال صرف سلیمان علیہ السلام کیلئے مخصوص ہے۔ اللہ تعالیٰ کی تجلیات غیر مکرر ہیں یَقُولُہ تَعَالٰی (کُلَّ یَوْمٍ هُوَ فِی شَیْءٍ) پس ہر انسان میں اللہ تعالیٰ نے ایک نئی شان سے تجلی کیا ہے۔ اس لئے جو کمال مجموعی طور پر ایک انسان کو حاصل ہے بن و عن وہ ہی کمال دوسرے کو حاصل نہیں ہو سکتا۔ لہذا وہ ملک یا کمال جو سلیمان علیہ السلام کو حاصل تھا وہ اُن ہی کے ساتھ مختص ہے۔ پس وہ کمال بالمجموع اور ظہور کمال آپ کیلئے مختص ہے۔ اور اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم حدیثِ غفریت میں یہ نہ فرماتے (فَاَمْکِنَنِی اللہُ مِنْہُ) کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو اُس کے اوپر قدرت بخشی، تو البتہ ہم کہتے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم

نے عفریت کے پکڑنے کا قصد کیا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو سلیمان کی دُعا یاد کرائی تاکہ آپ جان لیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو عفریت کے پکڑنے پر قادر نہ کرے گا۔ پس اللہ تعالیٰ نے ذلت کیساتھ عفریت کو زد کیا۔ پھر جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ کو اللہ تعالیٰ نے اُس پر قدرت بخشی تو ہم نے جان لیا کہ تحقیق اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عفریت پر تصرف بخشا ہوا تھا۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سلیمان کی دُعا یاد کرائی تو آپ نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ادب اختیار کیا۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم! سلیمان نے دُعا مانگی تھی کہ میرے بعد یہ ملک یعنی یہ ظاہری کروفر کسی کو عطا نہ کرنا۔ آپ کو اختیار ہے چاہے سلیمان جیسی کروفر اختیار کریں چاہے مسکینی اختیار کریں سلیمان علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے یہ ظہور تصرف اُن کے مانگے کے بغیر عطا کیا ہوا تھا۔ وہ امر الہی سے اس ظاہری کروفر پر رضا مند تھے کیونکہ رضا بالقضا کے مقام میں تھے۔ چونکہ نبی تھے اسلئے دل میں مسکینی تھی اور نیاز کو پسند فرماتے تھے۔ ظاہر ہوا میں تخت اُڑانا جنوں پرندوں پر بظاہر حکومت کرنا آپ کو دل سے پسند نہ تھا۔ آپ حقیقتاً اس کروفر سے متنفر تھے اسی لئے دُعا مانگی کہ الہی! میرے بعد یہ ملک یعنی عذاب کروفر کسی میرے بھائی کو نہ دینا کیونکہ حدیث شریف میں وارد ہوا کہ مومن وہ ہے جو اپنے دوسرے مومن بھائی کیلئے وہ چیز چاہے جو وہ اپنے لئے چاہتا ہے۔ چونکہ سلیمان علیہ السلام اس ظہور تصرف سے متنفر تھے اسلئے دُعا مانگی کہ الہی! میرے بعد یہ ظہور تصرف کا ملک کسی کو عطا نہ کرنا۔ جب اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہ مبارک اس دُعا کی طرف مبذول کی کہ سلیمان علیہ السلام تو اس ظہور تصرف سے متنفر تھے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ادب اختیار کیا یعنی مقام عبودیت اور نیاز کو پسند فرمایا اور عفریت کو قید کرنے اور ستون کے ساتھ باندھنے کا ارادہ مبارک ترک کر دیا۔ حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب الشفاء میں حضرت سلیمان علیہ السلام کی مسکینی کے متعلق فرماتے ہیں وَرَوَى أَنَّ سُلَيْمَانَ كَانَ مَعَ مَا أُعْطِيَ مِنَ الْمُلْكِ لَا يَرْفَعُ بَصَرَهُ إِلَى السَّمَاءِ تَخَشُّعًا وَتَوَاضَعًا لِلَّهِ تَعَالَى وَكَانَ يُطْعِمُ النَّاسَ لَذَائِدَ الْأَطْعِمَةِ وَيَا كُلُّ خُبْرٍ الشَّعِيرِ۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام باوجودیکہ اُن کو بڑا ملک و سلطنت عطا فرمائی ہوئی تھی مگر اللہ تعالیٰ کی جناب میں اُن کے خشوع و تواضع کا یہ عالم تھا کہ آپ آسمان کی طرف نظر نہ اٹھاتے تھے اور لوگوں کو تو قسم قسم کے لذیذ کھانے کھلاتے اور خود جو کی روٹی کھاتے تھے۔

اس مسئلہ کے بیان کرنے میں اصل غرض ہماری یہ ہے کہ ہم اُن دونوں رحمتوں کے متعلق کلام اور تنبیہ

کریں جن کا ذکر سلیمان نے اُن دو اسموں میں کیا ہے جن کی تفسیر لسانِ عرب میں رحمن اور رحیم ہے۔ رحمت
 و جُوبی کو اللہ تعالیٰ نے مُقید کیا ہے یعنی صفت رحیمیت کے مظاہر صرف مؤمنین ہیں۔ دولتِ قُرب سے اللہ
 تعالیٰ نے صرف طبقہ مؤمنین کو نوازا ہے، عوام الناس کا اس میں حصہ نہیں۔ رحمتِ امتنانی کو اللہ تعالیٰ نے
 مُطلق اور عام کیا ہے اور جمیع موجودات کو اس رحمت یعنی رحمانیت سے نوازا ہے یعنی جمیع موجودات کو اپنی
 ذات سے پیدا کیا ہے۔ مُراد یہ ہے کہ ہر شے کی صورت پر ذاتِ حق کا ظہور ہے جیسے جمیع حُرُوف کی صورت پر
 سیاہی کا ظہور ہے اور یہ اُس کی رحمتِ عامہ ہے جس میں جمیع کائنات کو بہرہ حاصل ہے۔ اُسماءِ الہیہ مرتبہ
 احدیت ذاتیہ میں بالقُوۃ موجود تھے لیکن اُن کو ظہور کیلئے کرب و اضطراب تھا۔ حق تعالیٰ نے فیضِ اقدس سے اسم
 رحمن کے ساتھ اپنی ذات پر تجلی کی اور اُسماءِ الہیہ کا ظہور علم میں فرمایا۔ اُسماءِ الہیہ سے مُراد اللہ تعالیٰ کی صفات
 اور نسبتوں کے حقائق ہیں۔ مُراد یہ ہے کہ ہر اسم ایک خاص صفت کا مالک ہے لیکن اسم اللہ جامع جمیع اُسماء
 و صفات ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے اُسماءِ الہیہ کا کرب و اضطراب دور کرنے کی خاطر اُن کو پہلے مرتبہ علم میں ظہور
 بخشا۔ اُسماءِ الہیہ کا ظہور علمی ہم اہل عالم کے اعیانِ ثابۃ ہیں۔ پھر رب تعالیٰ نے فیضِ مُقدس سے اُسماءِ الہیہ
 کو ظہور خارجی بخشا یعنی اُن کو مرتبہ علم سے مرتبہ عین شہودی میں لایا۔ مُراد یہ ہے کہ اہل عالم کے اعیانِ ثابۃ
 کو وجود اور ظہور کا لباس بخشا پس حق تعالیٰ نے اُسماءِ الہیہ پر امتنان اور احسان کیا یعنی ہم اہل عالم کو اُن کا
 مظاہر بنایا پس ہم اہل عالم اُس رحمتِ امتنانی کا نتیجہ ہیں جو حق تعالیٰ نے اُسماءِ الہیہ اور نسبِ ربانیت پر کی۔
 ہر اسم کی اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک خاص نسبت ہے اور ہر اسم کی ایک خاص حقیقت ہے۔ مُراد یہ ہے
 کہ عالم کی صورت پر اُسماءِ الہیہ کا ظہور ہے۔ اُسماءِ الہیہ عین اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات ہیں۔ لہذا ثابت
 ہوا کہ عالم کی صورت پر اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کا ظہور ہے اور یہ اُس کی رحمتِ عامہ ہے جس میں
 کائنات کا ہر ذرہ شریک ہے۔ یہ رحمتِ اسم رحمن کی طرف منسوب ہے اور اسی رحمت کا ذکر اس
 آیت میں کیا گیا ہے (وَمِنْ حَسَنَاتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ) اور میری رحمت نے ہر چیز کو سما لیا ہے۔ ثُمَّ أَدَّبَهَا
 اَللّٰہُ پھر حق تعالیٰ نے رحمت کو اپنی ذات پر واجب کیا اور ہمارے اعیانِ ثابۃ کو ہمارے اعیانِ خارجیہ کی صورت
 پر ہمارے لئے ظاہر فرمایا اور ہم کو آگاہ کیا کہ تحقیق ہماری ہُویت یعنی حقیقت حق تعالیٰ ہے۔ مُراد یہ ہے کہ
 پہلے رحمتِ رحمانیت سے ہم کو اپنی ذات سے پیدا کیا اور پھر رحمتِ رحیمیت سے ہم کو دولتِ معرفت
 سے نوازا اور ہم کو علم عطا فرمادیا کہ ہم مرتبہ علم سے مرتبہ عین میں لائے گئے ہیں۔ اور علم اللہ تعالیٰ کی صفت

ہے۔ صفات چونکہ ذات سے منفک نہیں ہو سکتیں اسلئے صفات عین ذات ہیں لہذا علم عین اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ پس ہم اللہ تعالیٰ کی ذات سے ظاہر ہوتے ہیں یا دوسرے الفاظ میں اللہ تعالیٰ ہمارے ظاہر و باطن پر جلوہ نما ہے۔ اُس نے ہمیں اپنی معرفت عطا کی تاکہ ہم جان لیں کہ حق تعالیٰ نے رحمت اپنی ذات پر واجب اپنی ذات ہی کیلئے کی ہے پس رحمت حق تعالیٰ سے خارج نہیں ہوتی۔ لہذا اللہ تعالیٰ نے کس پر احسان کیا یعنی کسی غیر پر احسان نہیں کیا بلکہ اپنی ذات پر ہی احسان کیا ہے اور اللہ تعالیٰ کے سوا وہاں کوئی مرحوم نہیں ہے۔ مراد یہ ہے کہ مخلوق کی صورتوں پر خالق کا ظہور ہے جیسے حروف کی صورتوں پر سیاہی کا ظہور ہے۔ اگرچہ ہر انسان کی صورت پر ذات حق کا ظہور ہے لیکن چونکہ ہر صورت میں ذات حق نے ایک نئی شان سے تجلی کی ہے يَقُولِہ تَعَالٰی (كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ) ہر انسان میں اُس کا ظہور مختلف قسم کا ہے۔ اس لئے ایک ولی کو جو علم نصیب ہو دوسرے ولی کو وہ علم نصیب نہیں۔ اسی بنا پر ہم کہتے ہیں کہ فلان شخص فلان سے زیادہ عالم ہے۔ اگرچہ ہر انسان کی حقیقت ذاتِ احد ہے لیکن مراتب اور مدارج علوم میں بڑا فرق ہے۔ مثال کے طور پر قطرہ بھی پانی ہے، کھال بھی پانی ہے، نہر بھی پانی ہے، دریا بھی پانی ہے اور سمندر بھی پانی ہے، لیکن سب کے کمالات میں بڑا فرق ہے۔ نیز ایک شخص دوسرے سے افضل ہے اور تیسرے سے ناقص ہے۔ نہر کھال سے افضل ہے اور دریا سے ناقص ہے۔ پس اگرچہ ہر انسان کی حقیقت حق تعالیٰ ہے لیکن سب کے علوم میں تفاوت ہے۔ آگے مثال فرماتے ہیں وَمَعْنَا مَعْنٰی اِنَّمَا یعنی تفاضل خلق کا آپس میں ایسے ہی ہے جیسے تفاضل صفات الہیہ کا آپس میں۔ اگرچہ صفات نفسیہ الہیہ یا آئمہ سبعہ سب ذات حق کی صفات ہیں لیکن ان میں بعض کو بعض پر فضیلت حاصل ہے۔ آئمہ سبعہ سے مراد حیات، علم، ارادہ، قدرت، سمع، بصر اور کلام ہیں۔ اب حیات سب سے افضل ہے کیونکہ حیات کے بغیر کسی صفت کا وجود ہی نہیں ہو سکتا۔ حیات کے بعد علم کا مرتبہ ہے کیونکہ علم سب صفات کی تیز کرتا ہے۔ ارادہ علم سے ناقص ہے اور قدرت ارادہ سے ناقص ہے۔ اب کسی شے کیساتھ ارادہ کا تعلق علم کے تعلق سے ناقص ہے کیونکہ کسی شے کے متعلق علم ارادہ پر حاکم ہے اور ارادہ قدرت پر حاکم بغیر عکس کے۔ مراد یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی شے کی ایجاد کا ارادہ کرتا ہے تو اُس شے کا عین ثابتہ لسان استعداد سے اللہ تعالیٰ کو علم عطا کرتا ہے۔ اُس کے بعد اللہ تعالیٰ اُس علم کے مطابق اُس شے کا ارادہ کرتا ہے۔ تو گو یا ارادہ علم کے تحت ہے لہذا صفت علم صفت ارادہ سے افضل ہے۔ اب جب اُس شے کی ایجاد کا اللہ تعالیٰ ارادہ کرتا ہے تو اُس کی قدرت حرکت میں

آتی ہے لہذا ارادہ قدرت پر حاکم ہے یعنی صفت قدرت صفت ارادہ سے ناقص ہے۔ کیا تو نہیں دیکھتا کہ جب تک علم ارادہ کو معین و مخصوص نہ کرے تب تک ارادہ اُس شے کے ساتھ متعلق نہیں ہوتا یعنی پہلے اللہ تعالیٰ اپنے علم میں فیصلہ فرما لیتا ہے کہ فلان شخص کو فلان شے عطا کرنی ہے بعد میں اُس کے متعلق ارادہ کرتا ہے۔ جب ارادہ پختہ کر لیتا ہے تو اُس کی قدرت حرکت میں آتی ہے۔ پس ثابت ہوا کہ قدرت کا ارادہ پر کوئی حکم نہیں اور ارادہ کا علم پر کوئی حکم نہیں بلکہ ہر حال میں ارادہ علم کے تابع ہے اور قدرت ارادہ کے تابع ہے۔ لہذا اس مذکور ثابت ہوا کہ صفات الہیہ میں بعض کو بعض پر فضیلت حاصل ہے اور یہ بھی ثابت ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کا کسی شے کیساتھ ارادہ کا تعلق اُس شے کیساتھ قدرت کے تعلق سے کامل افضل اور زیادہ ہے۔ مراد یہ ہے کہ ارادہ قدرت پر مقدم ہے ایسے ہی صفات الہیہ سمع و بصر کا حال ہے یعنی سمع بصر پر مقدم ہے۔ اور ایسے ہی اسماء الہیہ کے درجات ہیں بعض کو بعض پر فضیلت حاصل ہے اگرچہ تمام اسماء ایک ہی ذات کے ہیں۔ اور ایسے ہی خلق کا حال ہے۔ خلق اسماء الہیہ کے مظاہر ہیں اور چونکہ اسماء الہیہ میں بعض کو بعض پر فضیلت حاصل ہے اسلئے لازماً خلق میں بھی بعض کو بعض پر فضیلت حاصل ہے اگرچہ ساری خلق کی حقیقت اور غنیت ذات احد ہے صفات الہیہ کا ظہور ہر انسان میں اُس انسان کی استعداد کے مطابق ہے اور چونکہ انسانوں کی استعدادات مختلف ہیں اسلئے صفات الہیہ کا ظہور ہر انسان میں مختلف ہے۔ اسی بنا پر کہا جاتا ہے کہ زید بکر سے زیادہ عالم ہے۔

وَكُنَّا أَتَىٰ أَدْرَجِيَا کہ تو ہر اسم الہی کو جب تو اُس کو بعض پر مقدم کرتا ہے باقی جمیع اسماء الہیہ کیساتھ بھی موسوم کرتا ہے اور ان تمامی اسماء کیساتھ تو اُس کی تعریف کرتا ہے۔ مراد یہ ہے کہ بعض اسماء کو بعض پر تقدم حاصل ہے مثلاً حی کو عالم پر، عالم کو مرید پر، مرید کو قادر پر تقدم حاصل ہے۔ اب اگرچہ ایک اسم کو باقی تمام اسماء الہیہ پر تقدم حاصل ہے لیکن حقیقت میں ہر اسم کی حقیقت ذات الہی ہے۔ یعنی اُس اسم میں ظہور تو ہے اُس خاص صفت کا جو اُس اسم کی طرف منسوب ہے لیکن چونکہ ہوتیت اور حقیقت اُس اسم کی ذات الہی ہے اسلئے جملہ اسماء الہیہ اور جملہ صفات الہیہ اُس اسم میں بالقوہ مندرج ہیں۔ ایسے ہی خلق میں صفات الہیہ کے ظہور کا حال ہے۔ اگرچہ ایک کو دوسرے پر فضیلت حاصل ہے لیکن ہر ایک میں کل کی اہلیت ہے۔ مراد یہ ہے کہ اگرچہ زید عمر سے زیادہ عالم ہے لیکن چونکہ عمر کی حقیقت ذات الہی ہے اسلئے عمر میں جملہ کمالات الہیہ بالقوہ مندرج ہیں۔ یعنی جتنے لوگ

عمر سے مقدم ہیں اُن سب کے کمالات عمر میں بالقوہ مندرج ہیں اگرچہ وہ کمالات تفصیل اور ظہور کی رو سے نہیں پاتے جتنے
 پس ثابت ہوا کہ ہر جہز میں کُل کے کمالات بالقوہ مندرج ہوتے ہیں پس عالم کی ہر جہز تمامی عالم کے حقائق متفرقہ کے
 قابل ہے۔ مراد یہ ہے کہ جمیع عالم کے جمیع حقائق متفرقہ عالم کی ہر جہز میں بالقوہ مندرج ہیں۔ عالم کی حقیقت ذات الہی ہے
 اور عالم کی ہر جہز کی حقیقت بھی ذات الہی ہے۔ پس ہر جہز عالم میں ذات الہی کے جملہ کمالات بالقوہ مندرج ہیں۔
 ذات الہی کے کمالات جمیع عالم کے جمیع متفرقہ حقائق ہیں لہذا نتیجہ یہ نکلا کہ جمیع عالم کے جمیع حقائق متفرقہ ہر جہز عالم میں بالقوہ
 مندرج ہیں۔ ہمارا یہ قول کہ زید عمرو سے علم میں ناقص ہے، اس قول کو ضرر نہیں دیتا کہ ہُویت حق زید و عمرو کا عین ہے اور ہُویت
 حق کا ظہور عمرو میں زید کی بہ نسبت اکمل و اعلم ہے، جیسا کہ اسماء الہیہ اگرچہ آپس میں ایک دوسرے پر فضیلت رکھتے ہیں لیکن
 وہ اسماء الہیہ حقیقی کے غیر نہیں ہیں۔ یعنی جملہ اسماء الہیہ کی حقیقت واحد ہے اگرچہ بعض کو بعض پر فضیلت حاصل ہے اور وہ حقیقت
 ذات الہی ہے۔ مثال کے طور پر عالم مرید پر مقدم ہے اور مرید قادر پر مقدم ہے اگرچہ سب اسماء حقیقی کے عین ہیں۔ پس
 حقیقی کا تعلق کسی شے سے باعتبار عالم ہونیکے اُسکے مرید و قادر ہونیسے زیادہ عام اور وسیع ہے حالانکہ عالم مرید اور قادر کا عین
 ہونا غیر نہیں ہے یعنی ہر اسم الہی اللہ تعالیٰ کا عین ہے پس اے میرے دوست! ایسا نہ ہو کہ تو اُسکو ایک مرتبہ میں جانے اور ایک مرتبہ میں
 نہ جانے۔ ایک مرتبہ میں تو اُس کو ثابت کرے اور ایک مرتبہ میں تو اُس کی نفی کرے۔ مراد یہ ہے کہ اگرچہ
 حقیقی کیلئے مراتب ظہور بے حد ہیں اور مراتب کا آپس میں تفاضل ہے لیکن تو اُس وجود کو کسی ایک مرتبہ
 میں مقید نہ کر بلکہ ہر مرتبہ میں اُسی کو دیکھ۔ اگرچہ مراتب ظہور لامتناہی ہیں لیکن مراتب کلیہ سات ہیں پہلا
 مرتبہ احدیت ہے۔ یہ غیب در غیب اور بطون در بطون مرتبہ ہے۔ اس میں اسماء الہیہ بالقوہ مندرج ہیں
 لیکن اسماء و صفات کا ظہور نہیں۔ دوسرا مرتبہ وحدت ہے۔ یہ اسماء و صفات الہیہ کے لئے ظہور علمی اجمالی کا
 مرتبہ ہے۔ تیسرا مرتبہ واحدیت ہے۔ یہ اسماء و صفات الہیہ کیلئے ظہور علمی تفصیلی کا مرتبہ ہے۔ چوتھا مرتبہ عالم
 ارواح ہے۔ پانچواں مرتبہ عالم مثال ہے۔ چھٹا مرتبہ عالم شہادت یا عالم اجسام ہے۔ ساتواں مرتبہ حضرت
 انسان ہے جو جامع جمیع مراتب ہے۔ پہلے تین مراتب حقیقی ہیں اور پچھلے تین مراتب خلقی ہیں۔ مرتبہ
 احدیت خالص لا تعین مرتبہ ہے۔ مرتبہ وحدت و مرتبہ واحدیت ذات حقیقی کا علمی تعین ہے۔ عالم ارواح
 و عالم مثال و عالم اجسام ذات حق کا خارجی شہادی تعین ہے۔ مرتبہ لا تعین میں وہ ذات رب کے نام
 سے موسوم ہے اور مرتبہ تعین میں اُس ذات کا نام عید ہے۔ مرتبہ لا تعین میں وہ تمام اصناف سے منزہ
 اور معز ہے۔ مرتبہ تعین میں وہ تمام اصناف سے مشبہ ہے۔ عارف کامل وہ ہے جو حفظ مراتب کو نگاہ

رکھے اور اُس ذات کا اثبات ایک مرتبہ میں اُس وجہ سے کرے جیسا اُس نے خود کیا ہے اور اُس ذات کی
 نفی ایک مرتبہ میں اُس وجہ سے کرے جس طرح سے اُس نے خود کی ہے۔ اس میں آیت قرآنی (لَيْسَ كَمِثْلِهِ
 شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ) کی طرف اشارہ ہے جو حق تعالیٰ کے متعلق نفی اور اثبات کیلئے جامع آیت ہے۔
 (لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ) اُس کی مثل کوئی شے نہیں۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنی مماثلت سے نفی کی ہے۔
 اس نصف آیت میں تشبیہ کی نفی ہے اور تنزیہ کا اثبات ہے۔ (وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ) اور وہی سُننے
 والا اور دیکھنے والا ہے۔ اس نصف آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کو اُس صفت کیساتھ ثابت کیا ہے
 جو ہر سمیع اور ہر بصیر کو شامل ہے۔ اور ہر سمیع بصیر حقیقی ہے۔ اور عالم میں کوئی ایسی شے نہیں جو ذی حیات
 نہ ہو۔ پس ثابت ہوا کہ ہر شے کی صورت پر اُسی ذات کا ظہور ہے۔ پس اس نصف آیت میں اللہ تعالیٰ
 نے اپنی تنزیہ کی نفی کی ہے اور تشبیہ کا اثبات کیا ہے۔ پس عارف کامل وہ ہے جو حفظ مراتب نگاہ
 رکھے اور مراتب تنزیہ و تشبیہ میں تمیز کرے اور جان لے کہ سب مراتب اُسی وجود واحد کے ہیں۔ وَمَا تَشَاءُ
 إِلَّا أَنْتَ اِنَّ اُسَ جگہ یعنی وجود میں کوئی چیز ایسی نہیں جو ذی حیات نہ ہو لیکن دارِ دنیا میں بعض لوگوں کے
 ادراک سے یہ حقیقت پوشیدہ ہے۔ دارِ آخرت میں یہ راز ہر شخص پر فاش ہو جائیگا کیونکہ دارِ آخرت دارِ
 حیات ہے اور ایسے ہی دارِ دنیا بھی دارِ حیات ہے لیکن بعض بندوں پر دارِ دنیا میں ہر شے کا ذی حیات
 ہونا پوشیدہ ہے۔ اور یہ اسلئے ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بندوں میں اختصاص اور مفاضلت ظاہر ہو جائے۔ مُراد یہ
 ہے کہ دارِ دنیا میں ہر شے کا ذی حیات ہونا صرف عارف باللہ ہی دیکھتا ہے۔ عوام الناس اس حقیقت کو
 نہیں پاتے۔ دارِ آخرت میں ہر کوئی اس حقیقت کو پایگا کیونکہ جمادات بھی انسانوں کے افعال پر گواہی
 دیں گے۔ یہ بندوں میں تفاضل وجہ اُس علم باطن کے ہے جس سے حقائق عالم ادراک کئے جاتے ہیں
 پس جس کا ادراک بلند اور وسیع ہے اُس میں ظہور حق یعنی علم حق کا ظہور زیادہ ہے بہ نسبت اُس شخص
 کے جس کا ادراک بلند اور وسیع نہیں ہے۔ پس اُسے طالب! یہ سبب تفاضل و تفاوت مراتب خلق تجھے
 اصل حقیقت سے محبوب نہ ہونا چاہیے کہ تو کہنے لگ جاتے کہ یہ کلام صحیح نہیں ہے کہ خلق حق کی ہوتیت
 ہے یعنی حق کی حقیقت خلق ہے۔ مُراد یہ ہے کہ اگرچہ خلق کے مراتب میں تفاوت و تفاضل ہے لیکن
 خلق کی صورت پر حق جلوہ نما ہے۔ اور پیشتر میں نے تجھ کو دکھلایا ہے کہ اگرچہ اسماء الہیہ میں تفاضل پایا
 جاتا ہے لیکن تو اس امر میں شک نہیں رکھتا کہ جمیع اسماء حق تعالیٰ کے عین ہیں۔ اور ان اسماء کے مظاہر اور

مربوبات سوائے اللہ تعالیٰ کے نہیں ہیں۔ مراد یہ ہے کہ اسماء الہیہ کا ظہور خلق پر ہے اور خلق عین حق ہے یعنی ظہور حق ہے۔

پھر جب کہ سلیمان منجملہ اُن لوگوں کے ہیں جن کو رحمت نے ایجاد کیا تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے اسم کو اللہ تعالیٰ کے اسم پر مقدم کریں جیسا کہ بعض مفسرین کا زعم ہے۔ مراد یہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام رحمت امتنانی اور رحمت وجوبی یعنی دونوں رحمتوں کے مظہر ہیں۔ آپ عارف باللہ ہیں۔ اسماء الہیہ کی معرفت سے واقف ہیں۔ وہ کیسے مربوب کو رب پر، موسوم کو اسم پر، مظہر کو مظہر پر، مرحوم کو رحمت پر، اور بندہ کو رب پر مقدم کر سکتے ہیں۔ پس ضروری ہے کہ وہ اسم رحمن اور اسم رحیم کو مرحوم یعنی سلیمان پر مقدم رکھیں تاکہ مرحوم کی راحم کیساتھ نسبت صحیح ہو۔ جب اسماء الہیہ کا ظہور خلق کی صورت پر ہے تو تقدیم اسماء الہیہ کو حاصل ہے نہ کہ خلق کو۔ پس اُن مفسرین کا یہ زعم علم حقائق و عرفان کے خلاف ہے۔ یعنی جو چیز تاخیر کی مستحق ہے اُس کو مقدم کرنا اور جو چیز تقدیم کی مستحق ہے اُس کو مؤخر کرنا علم عرفان کے خلاف ہے۔ عارف کامل وہ ہے جو ہر شے کو اور ہر شخص کو اُس محل میں رکھے جس کا وہ مستحق ہو۔ نیز ہر نبی سرکارِ دو عالم جناب محمد پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا نواب ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر نبی کو علم شریعت پڑھا کر مبعوث فرماتے تھے۔ پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام آداب شریعت سے ناواقف ہوں جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کُلُّ امْرِئٍ ذِي بَالٍ لَا يَبْدَأُ فِيهِ بِبِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ اِقْطَعْ یعنی ہر وہ ذی عظمت امر جو بسم اللہ الرحمن الرحیم سے شروع نہ کیا جائے منقطع ہو جاتا ہے۔

آگے بقیس کا ذکر شروع ہوتا ہے۔ اور یہ چیز بقیس کی دانائی اور اُس کے کمالِ علم میں سے ہے کہ اُس نے اپنے اصحاب کے سامنے اُس شخص کا ذکر نہیں کیا جس نے سلیمان کا نامہ اُس کی طرف ڈالا۔ اور بقیس کا یہ فعل اسلئے تھا کہ وہ اپنے اصحاب کو اس امر پر آگاہ کرنا چاہتی تھی کہ تحقیق اُس کی رسائی اُن امور تک ہے جن کا طریقہ وہ نہیں جانتے۔ اور یہ بقیس کی دانائی تعلیم الہی میں سے ہے تاکہ وہ سلطنت کا انتظام سنبھال سکے کیونکہ جب اہل سلطنت اُن طریقوں سے بے خبر ہوں جن طریقوں سے خبریں بادشاہ تک پہنچتی ہیں، تو وہ اپنے تصرفات میں خود بخود ڈرتے ہیں یعنی وہ ملک میں ظلم و ستم نہیں کرتے کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ اُن کے ہر کام کی خبر بادشاہ تک پہنچ جائے گی۔ پس وہ ڈر کر صرف وہ کام کرتے ہیں کہ اگر بادشاہ تک اُس کام کی خبر پہنچ جائے تو اُس کام کے بدلے ہلاکت سے محفوظ

رہیں۔ اور اگر اہل سلطنت کیلئے وصول اخبار کا طریقہ متعین ہو یعنی وہ اُس شخص کو جانتے ہوں جس کے ذریعہ
 خبریں بادشاہ تک پہنچتی ہوں تو وہ اُس شخص کی خدمت کریں گے اور اُس کو رشوت دیں گے تاکہ وہ جو چاہیں
 کریں یعنی وہ ظلم و ستم کر سکیں اور اُس ظلم کی خبر اُن کے بادشاہ تک نہ پہنچے۔ لہذا بلقیس نے اپنے اصحاب
 کو کہا (إِنِّي أُنْفِقُ الْخَيْ) تحقیق میری طرف ایک نامہ ڈالا گیا اور نامہ ڈالنے والے کا نام نہ لینا اُس کی سیاست
 تھی تاکہ اہل مملکت اور اُس کے خواص مدبرین میں اُس کی طرف سے ہیبت اور رعب پیدا ہو اور اسی
 دانائی کے سبب وہ اُن پر تقدّم اور تخت کی مستحق ہوئی۔

اب بلقیس کے تخت کے لانے کا ذکر شروع ہوتا ہے۔ اور لیکن عالم انسانی کی عالم جنتی پر اسرار
 تصرف اور خواص الاشیا میں فضیلت مقدار زمانی سے معلوم اور ثابت ہے۔ عالم انسانی سے مراد آصف بن
 برزخیا ہے جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے وزیر تھے اور عالم جنتی سے مراد وہ غفریت ہے جس نے حضرت
 سلیمان علیہ السلام کو تخت بلقیس لانے کے لئے عرض کیا تھا (أَنَا آتِيكَ بِهِ قَبْلَ أَنْ تَقُومَ مِنْ مَقَامِكَ)
 میں تجھ کو وہ لا دیتا ہوں قبل اس سے کہ تو اپنے مقام سے اٹھے۔ اور آصف بن برزخیا نے عرض کیا تھا
 (أَنَا آتِيكَ بِهِ قَبْلَ أَنْ يَزِيدَ إِلَيْكَ طَوْفُكَ) میں تجھ کو وہ لا دیتا ہوں قبل اس سے کہ تیری آنکھ
 تیری طرف پھر آوے۔ اور جب سلیمان علیہ السلام نے دیکھا تو تخت پاس دھرا تھا بقولہ تعالیٰ (فَلَمَّا
 سَاءَ مَا مَسْتَقِرًّا عِنْدَكَا)۔ اس سے ثابت ہوا کہ عالم انسانی کا تخت کے حاضر کرنے کا زمانہ عالم جنتی کے احضار
 تخت کے زمانہ سے قلیل ہے اور یہ امر عالم انسانی کی عالم جنتی پر اسرار تصرف اور خواص الاشیا میں فضیلت
 پر دال ہے۔ عالم انسانی کا احضار تخت کا زمانہ مقدار میں عالم جنتی کے احضار تخت کے زمانہ سے اسلئے
 قلیل ہے کہ آنکھ اور اُس کی شمع کا ناظر کی طرف پلٹ آنا کسی شخص کا اپنے مقام سے کھڑے ہونے
 سے سریع تر ہے۔ ادراک میں حرکت بصر الی شے مدد کہ حرکت جسم برائے قیام سے سریع تر ہے کیونکہ
 حرکت بصر کا زمانہ اُس زمانہ کا عین ہے جس زمانہ میں بصر شے مبصرہ کے ساتھ متعلق ہوتی ہے باوجود
 اس امر کے کہ ناظر و منظور کے درمیان بُعد مسافت ہے۔ مراد یہ ہے کہ آنکھ کے کھلنے کا زمانہ اُس زمانہ کا عین
 ہے جس میں آنکھ کا تعلق فلک کو اکب ثابتہ کیساتھ ہوتا ہے یعنی بصر کو آسمان پر پہنچنے تک کوئی زمانہ درکار
 نہیں۔ ادھر نظر اٹھی ادھر آسمان پر پہنچی حالانکہ فلک اور زمین میں بُعد مسافت ہے۔ اور ناظر کی نظر کا ناظر
 کی طرف پلٹ آنے کا زمانہ شے منظور کے عدم ادراک کا زمانہ ہے یعنی نظر کو ناظر کی طرف پلٹ آنے کیلئے

کوئی زمانہ درکار نہیں لیکن انسان کا اپنے مقام سے کھڑا ہونا ایسا نہیں ہے یعنی قیام کے واسطے حرکت بھر جیسی سرعت نہیں۔ پس آصف بن برخیا تصرف میں جن سے زیادہ کامل تھا کیونکہ تخت بقیس کے احضار کے متعلق آصف بن برخیا کا قول اور فعل ایک زمانہ میں واقع ہوا۔ اس سے ثابت ہوا کہ آصف بن برخیا صاحب کن دلی تھے۔ ادھر فرمایا (اَنَا اَتَيْتُكَ يَهْ قَبْلَ اَنْ يَزِيَّتَكَ رَاَيْتُكَ طَرَفُكَ) ادھر دیکھا تو تخت پاس دھرا تھا يَقُوْلُهُ تَعَالٰی (فَلَمَّا رَاَاكَ مُسْتَقِرًّا عِنْدَكَ) پس سلیمان علیہ السلام نے تخت بقیس کو اپنے پاس رکھا ہوا عین اُس زمانہ میں دیکھا جب آصف بن برخیا تخت کو لانے کے متعلق آپ کو عرض کر رہا تھا۔ یہ نہیں کہ سلیمان علیہ السلام نے کشف میں تخت کو اپنے مکان میں بغیر انتقال کے دیکھا بلکہ تخت کو اُسی زمانہ میں اپنے پاس دھرا دیکھا۔ اور ہمارے نزدیک انتقال تخت زمانہ واحد میں نہیں ہوتا بلکہ یہ اعدام و ایجاد ہے یعنی آصف بن برخیا نے اُن واحد میں تخت کو مکان سابق سے معدوم کیا اور مکان لاحق میں موجود کر دیا۔ مکان سابق سے فنا کر دیا اور مکان لاحق میں بقا کر دیا۔ اس اعدام اور ایجاد کو سوائے عارف کامل کے کوئی نہیں جانتا اور یہ اعدام اور ایجاد اللہ تعالیٰ کے قول ذیل سے ثابت ہے (بَلْ هُمْ فِيْ لَبْسٍ مِّنْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ) بلکہ وہ لوگ خلق جدید سے شک میں ہیں۔ یہ تجدد امثال کا مسئلہ ہے۔ عارفین باللہ کے نزدیک اسم ممیت ہر شے کو فنا کر دیتا ہے اور اسم محی اُسی آن میں ہر شے کو بقا کر دیتا ہے۔ یہ مارنا اور زندہ کرنا اس سرعت سے ہے کہ عوام الناس اس ہر کو نہیں پاسکتے لیکن عارف باللہ اعدام اور ایجاد ممکنات عالم کو اُن واحد اور زمان واحد میں اپنی بصیرت سے ادراک کرتا ہے۔ شعلہ آتش یا شعلہ چراغ اعدام اور ایجاد کی مثال ہے۔ تیل قطرہ قطرہ ہو کر اُد پر بتی میں چڑھتا ہے۔ پہلا قطرہ جل جاتا ہے لیکن دوسرا قطرہ اُسی آن میں اُس کی جگہ لے لیتا ہے۔ پہلے قطرہ کے جل جانے پر شعلہ فنا ہو جاتا ہے اور دوسرے قطرہ کے پہنچنے پر شعلہ بقا ہو جاتا ہے لیکن یہ فنا و بقا اس سرعت سے پیالے جاری و ساری ہے کہ یہ ظاہری آنکھ اس راز کو نہیں پاسکتی اُسی لئے عوام الناس خلق جدید کے متعلق شک میں ہیں۔ نیز اُن کا شک اس وجہ سے ہے کہ اُن پر کوئی ایسا زمانہ نہیں گزرتا جس میں وہ اُس شے کو نہ دیکھتے ہوں جس کو وہ قبل اُس زمانہ سے دیکھتے ہوں یعنی وہ ہر شے کا وجود اس ظاہری آنکھ سے استمراری دیکھتے ہیں۔ اور جب تخت بقیس کے حاضر کرنے کا واقعہ ایسا ہی ہے جیسا کہ ہم نے ذکر کیا تو اُس تخت کے عدم کا زمانہ یعنی اپنے مکان قدیم سے اعدام تخت کا زمانہ اُس تخت کا سلیمان کے پاس موجود ہونے کے زمانہ کا عین ہو گا اور یہ امر تجدد خلق کے قبیل

سے ہے جو عالم میں ہر دم جاری و ساری ہے۔ اور اس قدر کسی کو علم نہیں یعنی تجدید خلق کے زمانہ کا کسی کو شعور نہیں بلکہ اس بارہ میں انسان کو اپنی ذات کے متعلق بھی شعور نہیں کہ تحقیق وہ ہر آن میں معدوم ہوتا ہے اور پھر موجود ہوتا ہے۔ لَا يَكُونُ ثُمَّ يَكُونُ میں لفظ ثُمَّ کی شرح میں فرماتے ہیں کہ اسے متوہم! تو یہ نہ کہہ کہ لفظ ثُمَّ مہلت کا مقتضی ہے کیونکہ تیرا یہ قول صحیح نہیں ہے۔ مراد یہ ہے کہ تجدید خلق کے متعلق کہا گیا ہے کہ اشیاء پہلے معدوم ہوتی ہیں پھر موجود ہوتی ہیں۔ لفظ ”پھر“ (ثُمَّ) سے وہم گذرتا ہے کہ معدوم ہونے اور موجود ہونے میں زمانہ پایا جاتا ہے۔ یہ غلط ہے۔ اعدام کو ایجاد پر تقدم زمانی نہیں ہے بلکہ تقدم ذاتی ہے جیسے کہ علت کو معلول پر تقدم حاصل ہے۔ اور اس جگہ بھی لفظ ثُمَّ رتبہ علیت کے تقدم کا مقتضی ہے اور عرب اس لفظ کو مخصوص مواضع میں ان ہی معنوں میں استعمال کرتے ہیں جیسا کہ کسی شاعر کا قول ہے۔

كَلِمَاتُ الرَّدِّ نَبِيٍّ ثُمَّ اضْطَرَبَ جِيسَے کہ نیزہ ردینی کا حرکت دینا تھا پھر وہ نیزہ متحرک ہوا۔ ردین ایک عورت کا نام ہے جو نہایت عمدہ نیزہ اور تلوار بناتی تھی۔ عرب لوگ عمدہ نیزہ اور تلوار اُسی کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ اب نیزے کو حرکت دینے کا زمانہ اُس نیزے کے حرکت کرنے کے زمانہ کا عین ہے حالانکہ شاعر نے لفظ ثُمَّ استعمال کیا ہے۔ لفظ ثُمَّ مہلت اور مدت کا مقتضی نہیں ہے۔ ایسے ہی تجدید خلق کا حال ہے کہ ہر آن ممکنات کا اعدام اور ایجاد ہو رہا ہے لیکن اُن کے عدم کا زمانہ اُن کے وجود کا زمانہ ہے۔ نیز یہ تجدید خلق ممکنات عالم میں ہے ذات حق میں نہیں ہے جیسے کہ فرقہ اشاعرہ اعراض میں تجدید کے قائل ہیں۔ اور چونکہ تحت بقیس کے حصول کا مسئلہ مشکل ترین مسائل میں سے ہے اسلئے اس مسئلہ کو وہ ہی سمجھتا ہے جو ہمارے اُس بیان کو جو ہم نے اس کے متعلقہ قصہ میں اب ذکر کیا ہے، جانتا ہے۔ مراد یہ ہے کہ تحت بقیس کے حصول کا مسئلہ وہ ہی سمجھ سکتا ہے جو تجدید خلق یعنی تجدید امثال کو سمجھتا ہے۔ تحت بقیس کو حاضر کرنے میں آصف کیلئے کوئی بزرگی نہیں، سوائے اس کے کہ اُس نے سلیمان علیہ السلام کی مجلس میں تحت کو تجدید کیا۔ جو شخص تجدید خلق کو سمجھتا ہے اُس کے نزدیک نہ تحت بقیس نے مسافت قطع کی اور نہ تحت کیلئے زمین پیٹی گئی اور نہ اُس نے زمین کو پھاڑا۔ احضار تحت بقیس کی کرامت سلیمان علیہ السلام کے اصحاب کے روبرو وقوع میں آتی تاکہ اصحاب بقیس جو مجلس میں حاضر تھے، کے قلوب میں سلیمان علیہ السلام کی عظمت پیدا ہو۔ اور سلیمان علیہ السلام کے وزیر آصف بن برخیا کو یہ تصرف اور کمال سلیمان علیہ السلام سے نصیب ہوا اور سلیمان علیہ السلام کو جملہ کمالات، انبیاء محض عظیمہ سے نصیب ہوتے کیونکہ آپ داؤد علیہ السلام کیلئے اللہ تعالیٰ کی

بخشش ہیں یَقُولِهِ تَعَالَى (وَدَّ هَبْنَا لِدَاوُدَ سُلَيْمَانَ) اور ہم نے داؤد کیلئے سلیمان بخشا۔ اور واسطے کی بخشش بطریق انعام محض عطا ہوتی ہے نہ بطریق جزاء وفاق یا استحقاق یعنی عطیہ محض کا نہ اعمال سے تعلق ہے نہ قابلیت سے بلکہ اس کا تعلق محض فضل الہی سے ہے۔

داد اور اقا بلیت شرط نیست! ؛ بلکہ شرط قابلیت داد اور دست

پس سلیمان علیہ السلام نعمت سابقہ و محبت بالغہ اور کفار کے دماغوں کیلئے ایک ضرب تھے۔

اب حضرت سلیمان علیہ السلام کے کمالِ علم کا ذکر شروع ہوتا ہے۔ اور لیکن سلیمان علیہ السلام کا علم اللہ تعالیٰ کے اس قول سے ظاہر ہے (فَفَقَّمْنَاهَا سُلَيْمَانَ) پس ہم نے مسئلہ زراعت سلیمان کو سمجھا دیا سلیمان علیہ السلام کا فیصلہ داؤد علیہ السلام کے فیصلہ کے خلاف تھا حالانکہ دونوں کو ہم نے حکم و علم عطا کیا ہوا تھا یَقُولِهِ تَعَالَى (وَكُلًّا آتَيْنَا حُكْمًا وَعِلْمًا)۔ اس قصہ کا ذکر اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں یوں فرماتا ہے (وَدَاوُدَ وَ سُلَيْمَانَ إِذْ يَخْكُنُ فِي الْحَرْثِ إِذْ نَفَسَتْ فِيهِ غَنَمُ الْقَوْمِ وَ كُنَّا يَحْكُمُهُمْ شَهِدِينَ)۔ اور داؤد اور سلیمان جب وہ کھیتی کے جھگڑے کا فیصلہ کرنے لگے، جب ایک قوم کی بکریاں اُس کو روند گئیں، اُن کا وہ فیصلہ ہمارے روبرو تھا۔ پھر ہم نے وہ فیصلہ سلیمان کو سمجھا دیا۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنی شریعت کے مطابق فیصلہ کیا اور نقصان کے بدلے بکریاں کھیتی والوں کو دلوادیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام ابھی لڑکے تھے۔ انہوں نے بھی یہ جھگڑا اپنے پاس منگوایا اور کہا کہ بکریاں کھیتی والے لیجا دیں اور اُن کا دودھ پیتے رہیں۔ بکریاں والے کھیتی کو پانی دیا کریں اور جب کھیتی پہلی اصلی حالت پر آجائے تو کھیتی والے کھیتی لے لیں اور بکریاں واپس کر دیں۔ فَكَانَ عِلْمُ الْاِخْتِیَارِ داؤد کا علم عطائی تھا جو اللہ تعالیٰ نے اُس کو عطا کیا ہوا تھا یعنی اس مسئلہ میں داؤد علیہ السلام نے اپنی شریعت کے مطابق فیصلہ کیا تھا اور اس مسئلہ میں سلیمان کا علم اللہ تعالیٰ کا علم تھا کیونکہ خود حقیقتاً اس فیصلہ میں بلا واسطہ حاکم تھا اور سلیمان مقعدِ صدق میں محض ترجمانِ حق تھا۔ سلیمان مقعدِ صدق میں تھا یعنی ذاتِ حق میں فانی تھا اور بقا باللہ کے مقام سے مشرف تھا۔ داؤد علیہ السلام کا فیصلہ بھی علم الہی یعنی شریعت کے مطابق تھا لیکن اس مسئلہ خاص میں اللہ تعالیٰ کا اپنا فیصلہ وہ تھا جو سلیمان علیہ السلام کو سمجھایا گیا۔ وہ فیصلہ چونکہ شریعت کے خلاف تھا اسلئے حقیقتاً نے وہ سلیمان علیہ السلام کو سمجھایا۔ اگر وہ ہی فیصلہ داؤد علیہ السلام کرتے تو وہ فیصلہ شریعت داؤدی کے خلاف ٹھہرتا اور لوگ اعتراض کرتے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام مجتہدِ مُصِیْب کی طرح تھا جو کسی مسئلہ کے فیصلہ میں اُس حکم الہی کی پیروی کرتا ہے جو اُس کو بذریعہ وحی خفی نصیب

ہوتا ہے یا اُس رسول کی مانند تھا جس کو بذریعہ وحی کوئی حکم الہی پہنچایا جاتا ہے۔ ایسے مجتہد کیلئے دو اجر ہیں۔ اور
مُحَلّی مجتہد کیلئے بھی ایک اجر ہے کیونکہ وہ بھی علم اور حکم شرعی کے مطابق فیصلہ دیتا ہے۔ پس اِس اُمت محمدیہ
صلی اللہ علیہ وسلم میں بعض اولیاء تو سلیمان علیہ السلام کا رتبہ رکھتے ہیں اور بعض داؤد علیہ السلام کا۔ سبحان اللہ!
اِس اُمت مبارکہ کو کیسی فضیلت نصیب ہوئی ہے کہ اِس اُمت کے بعض اولیاء کو سابقہ رسل علیہم السلام کے
مراتب حاصل ہیں بلکہ بعض کو سابقہ رسل علیہم السلام پر فضیلت حاصل ہے یَقُولُہ عَلَیْہِ السَّلَامُ اِنَّ مِنْ عِبَادِ
اللّٰہِ لَا نَاسًا مَا هُمْ بِاَنْبِیَاءٍ وَلَا شُهَدَآءٍ یُعْطٰیہُمُ الْاَنْبِیَاءُ وَالشُّہَدَآءُ یَوْمَ الْقِیَمَةِ بِمَا کَانُوا مِنْ اللّٰہِ
وَلَمَّا رَأَتْ اَنَّهُ اور جب بقیس نے اپنے تخت کو دیکھا تو بعد مسافت پر نظر رکھتے ہوئے اور اپنے نزدیک
اُس مدت قلیل میں انتقالِ تخت کو محال سمجھتے ہوئے کہا (کَاَنَّہُ هُوَ) گویا کہ یہ وہی تخت ہے۔ بقیس کا یہ
قول اُس کے کمالِ علم پر دال ہے یعنی اُس نے ہمارے اُس بیان کی تصدیق کی جو ہم نے احضارِ تخت کے
متعلق ارشاد فرمایا ہے کہ احضارِ تخت تجدیدِ تخت ہے جو تجدیدِ خلق بالامثال میں سے ہے۔ اگرچہ وہ بظاہر عین
وہی تخت تھا لیکن بقیس اِس راز کو پا گئی کہ وہ تخت من و عن یہاں مُنتَقِل نہیں ہوا بلکہ وہ تخت وہاں فنا
کیا گیا ہے اور یہاں بقا کیا گیا ہے۔ اسی لئے بقیس نے کہا کہ یہ تخت، اُسی کی مثل ہے۔ یہ نہیں کہا ہو
اگرچہ ایک چیز ظاہری آنکھ میں من و عن استمراری معلوم ہوتی ہے لیکن عند العارفین اُس کا وجود استمراری نہیں
ہے۔ ہر لمحہ اُس میں تجدید ہے۔ چونکہ تجدید نو وجود سابقہ کی مثل ہوتی ہے اسلئے وجود سابقہ استمراری معلوم
ہوتا ہے۔ پس بقیس نے عالم میں تجدیدِ امثال کی تصدیق کر دی۔ پس اے طالب! یہی وجہ ہے کہ زمان
تجدید میں تیرا وجود اُس وجود کا عین ہے جو زمانہ ماضی میں تھا۔ یعنی اگرچہ تو اپنے وجود کو مستمر قیاس کرتا
ہے لیکن حقیقت میں ہر لمحہ تیرا وجود فنا ہوتا ہے اور اُسی لمحہ میں اُسی سابقہ وجود کی مثل نیا وجود تجھے
عطا کیا جاتا ہے۔ ثُمَّ اِنَّہُ اَنَّهُ پھر تحقیق سلیمان کے کمالِ علم میں سے وہ تنبیہ ہے جس کا ذکر اُس نے محل میں
کیا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام محل میں بیٹھے تھے۔ آپ نے بقیس کو محل کے اندر بلایا یَقُولُہ تَعَالٰی (قَالَ
لَهَا اَدْخُلِ الصَّرْحَ)۔ محل میں شیشے بڑے ہوئے تھے۔ محل ہموار تھا، اُس میں کوئی کچی نہ تھی۔ اُس میں کمال
صنعت اور لطافت یہ تھا کہ دور سے ایسے معلوم ہوتا گویا پانی لہریں مار رہا ہے۔ جب بقیس نے محل کو دیکھا
تو خیال کیا کہ فرش پر پانی کھڑا ہے اسلئے اُس نے اپنی پنڈلیاں کھول دیں تاکہ پانی اُس کے کپڑوں تک نہ
پہنچے یَقُولُہ تَعَالٰی (فَلَمَّا رَأَتْہُ حَسِبَتْہُ لُجَّةً وَ كَشَفَتْ عَنْ سَاقِیْہَا)۔ سلیمان علیہ السلام نے کہا ”یہ پانی

نہیں ہے بلکہ اس محل میں شیشے جڑے ہوئے ہیں اور یہ کمال لطافت و کمال صنعت ہے۔" بقولہ
تَعَالٰی (قَالَ اِنَّهُ صَبَرٌ مُّثَمَّرٌ مِّنْ قَوَارِيرٍ)۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے محل کے
ساتھ اشارتاً بقیس کو آگاہ کر دیا کہ تحقیق جو اپنا تخت اُس نے دیکھا ہے وہ بھی اسی قبیل سے
ہے۔ یعنی جیسا کہ جو پانی تو نے فرش محل پر دیکھا ہے وہ پانی نہیں ہے بلکہ کمال
لطافت و حکمت سے پانی کی مثل بنایا گیا ہے ایسے ہی جو تخت تو نے میرے پاس دیکھا ہے وہ تخت
نہیں ہے جو شہر سبا میں تھا بلکہ کمال حکمت سے یہ تخت اُس تخت کی مثل تجدید کیا گیا ہے۔ اور یہ کمال
انصاف ہے کہ سلیمان نے اس حکمت سے بقیس کو آگاہ کر دیا کہ وہ اپنے قول (کَاَنَّهُ هُوَ) گویا کہ یہ وہی
تخت ہے، میں صواب پر تھی۔ جب بقیس نے معجزہ تخت اور معجزہ محل دیکھا تو حضرت سلیمان علیہ السلام
کی نبوت پر ایمان لے آئی اور اُس کو تحقیق ہو گئی کہ آفتاب کی پرستش ناجائز ہے بقولہ تَعَالٰی (قَالَتْ رَبِّ
اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ وَ اَسَلْتُ مَعَ سُلَیْمٰنَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ) بقیس نے کہا اے میرے رب! تحقیق میں نے
اپنے نفس پر ظلم کیا اور میں واسطے اللہ تعالیٰ کے جو رب العالمین ہے، سلیمان کیساتھ مطیع ہوئی۔ یعنی سلیمان
کے اسلام کے ساتھ اللہ تعالیٰ کیلئے جو رب العالمین ہے، میں مطیع ہوئی۔ پس سلیمان کے لئے وہ مطیع نہ ہوئی
بلکہ رب العالمین کیلئے مطیع ہوئی اور سلیمان بھی منجملہ عالمین میں سے ہے۔ مراد یہ ہے کہ بقیس اپنی اطاعت
میں مقید نہ ہوتی جیسا کہ رُسل اعتقاد فی اللہ میں مقید نہیں ہوتے۔ یعنی بقیس نے اللہ تعالیٰ کو سلیمان علیہ السلام
میں حصر نہ کیا بلکہ اُس کا اعتقاد تھا کہ اللہ تعالیٰ جمیع عوالم کا رب ہے یعنی جمیع عوالم کی حقیقت حق تعالیٰ ہے۔
جمیع عوالم کے ممکنات اللہ تعالیٰ کے مظاہر ہیں اور سلیمان علیہ السلام بھی اُس کے لئے ایک مظہر ہیں اور
جملہ رُسل علیہم السلام کا یہ ہی عقیدہ ہے۔ بقیس کا عقیدہ فرعون کے عقیدہ کے خلاف تھا کیونکہ جب وہ ایمان
لایا تو اُس نے کہا (رَبِّ مُوسٰی وَ هَارُوْنَ) یعنی میں اُس اللہ کے ساتھ ایمان لایا جو موسیٰ و ہارون کا رب ہے۔
اگرچہ ایک وجہ سے اطاعت فرعون اطاعت بقیس کی مانند ہے لیکن اطاعت فرعون اطاعت بقیس کی
مانند قوت نہیں رکھتی ہے پس اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں بقیس فرعون سے زیادہ فقیہ تھی۔ مراد یہ ہے کہ
بقیس اس حقیقت سے واقف تھی کہ عالم ظہور حق ہے لیکن فرعون اس حقیقت سے واقف نہ تھا۔ اگرچہ
فرعون نے اللہ تعالیٰ کو حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام میں حصر نہیں کیا لیکن سر تو حید سے ناواقف تھا۔ فرعون
اُس وقت کے حکم کے تحت تھا یعنی اُس وقت اُس نے دیکھا تھا کہ بنی اسرائیل اپنے ایمان کے باعث نجات

پاگئے ہیں اسلئے اُس نے کہا کہ میں اُس اللہ پر ایمان لایا جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں يَقُولِہ تَعَالٰی
 (قَالَ اٰمَنْتُ اَنْہٗ لَا اِلٰہَ اِلَّا الَّذِیْ اٰمَنْتُ بِہٖ بَنُوْا اِسْرَآئِیْلَ) پس اپنے فہم کے مطابق فرعون نے اللہ تعالیٰ
 کی تخصیص کی۔ اور اُس نے (رَبِّ مُوسٰی وَہَارُوْنَ) کیساتھ اسلئے تخصیص کی کہ اُس نے دیکھا ہوا تھا کہ جب
 اُس کے جادوگر اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے تو انہوں نے بھی اللہ تعالیٰ کی (رَبِّ مُوسٰی وَہَارُوْنَ) کیساتھ تخصیص
 کی۔ نیز بقیس کا اسلام سلیمان کا اسلام تھا کیونکہ اسلام قبول کرتے وقت اُس نے کہا تھا (اَسْلَمْتُ مَعَ
 سُلَیْمٰنَ) میں سلیمان کیساتھ مطیع ہوتی پس بقیس نے سلیمان کی متابعت کی۔ اور اللہ تعالیٰ کے متعلق سلیمان
 جن عقائد میں سے گذرتے تھے بقیس بھی اُن ہی عقائد میں سے گذرتی تھی۔ مراد یہ ہے کہ جن منازل میں
 سے حضرت سلیمان علیہ السلام گذرے تھے اُن ہی منازل و مراتب میں سے آپ نے بقیس کو گزارا۔ توحید
 کے تین مراتب ہیں علم یقین، عین یقین اور حق یقین۔ پس حضرت سلیمان علیہ السلام نے بقیس کو ان حُجہ
 مراتب میں سے گزارا۔ نیز تابع ہمیشہ متبوع کے رستہ پر ہوتا ہے لہذا وہ صراطِ مستقیم پر ہوتا ہے جیسا کہ ہم اہل
 عالم صراطِ مستقیم پر ہیں کیونکہ ہم رب تعالیٰ کی راہ پر ہیں اور وہ ہمیں اپنی راہ پر چلا رہا ہے۔ چونکہ ہماری پیشانی
 اُس کے ہاتھ میں ہے اسلئے ہماری اُس رب تعالیٰ سے مفارقت محال ہے۔ ہماری پیشانی اُس کے ہاتھ میں
 ہے يَقُولِہ تَعَالٰی (مَا مِنْ دَآبَّۃٍ اِلَّا ہُوَ اَخِذٌ بِنَاصِیَتِہَا) رَبِّیْ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ پس ہم اُس کیساتھ
 ضمنی ہیں اور وہ ہمارے ساتھ صراحت ہے کیونکہ اُس کا فرمان ہے (وَهُوَ مَعَكُمْ اَیْنَہَا کُنْتُمْ) اور حق تعالیٰ
 تمہارے ساتھ ہے جہاں کہیں تم ہو۔ مراد یہ ہے کہ ہم اہل عالم کی صورت پر اللہ تعالیٰ ظاہر ہے جیسے کتاب کی
 صورت پر سیاہی کا ظہور ہے۔ کتاب میں سے ہر کلمہ ہر لفظ ہر حرف سیاہی کیساتھ موجود ہے بغیر سیاہی کے
 وجود کے کسی حرف یا لفظ یا کلمے کا وجود ہو ہی نہیں سکتا۔ پس حقیقی وجود سیاہی کا ہے اور حرف کے وجود
 عارضی وہی ہیں ایسے ہی ہم اہل عالم کا وجود عارضی وہی ہے اور اللہ تعالیٰ کا وجود حقیقی قائم بنفسہ ہے۔
 اور ہم اہل عالم اُس کے ساتھ ہیں کیونکہ وہ ہماری پیشانیوں کو پکڑنے والا ہے یعنی وہ ہماری صورتوں پر ظاہر
 ہے پس اپنی راہ میں سے جس جگہ وہ ہم کو لے جاوے وہ بنفسہ ساتھ ہوتا ہے۔ مراد یہ ہے کہ ہمارا چلنا اُسی
 کا چلنا ہے۔ ہمارا فعل رب تعالیٰ کا فعل ہے پس عالم میں کوئی ایک شخص بھی نہیں جو صراطِ مستقیم پر نہ ہو اور
 وہی رب تعالیٰ کی راہ ہے۔ مراد یہ ہے کہ چونکہ ہر شے میں رب تعالیٰ کا ظہور ہے اسلئے ہر معبود معبودِ حق ہے اور
 عارف کامل رب تعالیٰ کو کسی خاص تعین میں حصر نہیں کرتا۔ چونکہ بقیس نے سلیمان سے یہ ہر توحید جان لیا تھا

اسلئے کہا (اَسْلَمْتُ مَعَ سُلَيْمَانَ عَلَيْهِ رَحْمَةُ رَبِّ الْعَالَمِينَ) میں اُس اللہ کے لئے مُطیع ہوتی جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے اور بقیس نے عالموں میں سے کسی ایک خاص عالم کی تخصیص نہ کی۔ مراد یہ ہے کہ اُس نے رب تعالیٰ کو کسی ایک خاص جنس یا کسی ایک خاص تعین میں حصر نہ کیا۔

اور لیکن وہ تسخیر جس کے ساتھ سلیمان علیہ السلام مُختص ہیں اور جس کی وجہ سے اُن کو دوسروں پر فضیلت حاصل ہے اور جس کو اللہ تعالیٰ نے اُن کیلئے ایک ایسا ملک گردانا ہے جو آپ کے بعد کسی کو نصیب نہیں، وہ اشیاء کا محض آپ کے امر سے موجود ہونا ہے بِقَوْلِهِ تَعَالَى (فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيحَ تَجْرِي بِأَمْرِهِ) پس ہم نے سلیمان کیلئے ہوا مُسخر کر دی ہے اور وہ اُس کے امر کیساتھ چلتی ہے۔ یعنی سلیمان علیہ السلام کو باطنی ہمت یا تصرف کی ضرورت نہیں، محض امر سے اشیاء کو موجود کر لیتے ہیں۔ یہ تسخیر سلیمان کے ساتھ مُختص نہیں بلکہ سب بنی آدم کو نصیب ہے بِقَوْلِهِ تَعَالَى (وَسَخَّرْنَا لَكُمْ مَّا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مِّنْهُ) اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے وہ سب کچھ جو آسمانوں اور زمینوں میں ہے، مُسخر کر دیا ہے اور تحقیق اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ہواؤں و ستاروں اور ان کے سوا دوسری چیزوں کا ہمارے لئے مُسخر ہونے کا ذکر کیا ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ ہمارے لئے تسخیر مُطلق ہمارے امر سے نہیں ہے بلکہ امر الہی سے ہے۔ مراد یہ ہے کہ ہم میں سے تسخیر مُطلق اُس شخص کیلئے ثابت ہے جو صاحب ہمت اور صاحب تصرف ہے اور حضرت سلیمان علیہ السلام کیلئے باطنی ہمت کی شرط نہیں۔ وہ محض امر سے کام لیتے تھے۔ اور ہم نے جو یہ کہا ہے کہ ہمارے لئے تسخیر اشیاء ہمت باطنی پر مشروط ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم تحقیق پہچانتے ہیں کہ واقعی اجرام عالم اہل اللہ کے نفوس کی ہمتوں کے مُسخر ہیں جب وہ مقام جمعیت میں قائم ہوں۔ اور تحقیق ہم نے اس امر کا اہل اللہ کے طریق میں معاینہ کیا ہے۔ سلیمان کو اختصاص اس بات میں حاصل ہے کہ اُس کو مجرد تلفظ امر سے بغیر ہمت و جمعیت باطن کے تسخیر مُطلق حاصل تھی۔ اور اُسے طالب اللہ تعالیٰ ہم کو اور تجھ کو اپنی رُوح کیساتھ قوت بخشے، اس امر کو جان لے کہ جب کسی بندہ کو خواہ وہ کون ہو سلیمان یا عطا کی مثل عطا نصیب ہو تو وہ عطا اُس کو ملک آخرت میں نقصان نہیں کرتی اور اُس بندے سے اُس عطا پر حساب نہ لیا جائیگا۔ اگرچہ سلیمان علیہ السلام نے یہ تسخیر مُطلق رب تعالیٰ سے طلب کی تھی اور ظاہر میں مذاق معرفت اس امر کا مُقتضی ہے کہ تحقیق چوتھوں نے اُن کو دُنیا میں ہی جلدی سے وہ چیز عطا کی گئی جو غیروں کیلئے آخرت میں ذخیرہ کی گئی ہے، اسلئے آخرت میں اللہ تعالیٰ اُن سے اس عطا پر محاسبہ کریگا، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اُن سے اس عطا پر حساب نہ لیا جائیگا بِقَوْلِهِ

تَعَالٰی (هَذَا عَطَاؤُنَا فَامْنُنْ اَوْ اَمْسِكْ بِغَيْرِ حِسَابٍ) یہ ہماری بخشش ہے اب تو احسان کر یعنی عطا کر یا رکھ
چھوڑ، کچھ حساب نہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ سلیمان علیہ السلام کو اُس عطا پر کچھ محاسبہ نہ ہوگا۔ اور یہ جو ہم
نے کہا ہے کہ جو کوئی اس سلیمانی عطا کی مثل عطا سے مشرف ہو اُس کا بھی دارِ آخرت میں محاسبہ نہ ہوگا، اس
امر پر اللہ تعالیٰ کا قول (هَذَا عَطَاؤُنَا) دال ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں کہا کہ یہ ہماری عطائیرے واسطے
مخصوص ہے اور نہ کہا کہ تیرے غیر کیلئے مخصوص ہے۔ مراد یہ ہے کہ ہماری یہ عطا عام ہے۔ اس میں سلیمان علیہ
السلام بھی داخل ہیں اور دیگر اہل اللہ جن کو تسخیرِ اشیا نصیب ہے سب کے سب داخل ہیں۔ پس ہم نے
ذوقِ برغان سے جانا کہ سلیمان کا وہ سوال یعنی تسخیرِ مطلق کیلئے سوال اُن کے رب کے امر سے تھا اور جب
سلیمان کی طلب امر الہی سے واقع ہوئی تو طالب کو اُس کی طلب پر اجرِ تام ملے گا۔ نیز رب تعالیٰ چاہے تو
اُس کی حاجت پوری کرے اور اگر چاہے تو روک لے، بندہ طالب نے اُس چیز کو پورا کیا جو اُس پر واجب
تھی یعنی اپنے رب سے سوال کرنے میں اُس نے رب تعالیٰ کے فرمان کی تعمیل کی۔ پس اگر سلیمان اپنے
رب کے امر کے بغیر محض اپنے نفس سے عطا کا سوال کرتا البتہ حق تعالیٰ اُس عطا پر اُس سے محاسبہ کرتا۔ اور یہ ہی
حکم اُن جمیع اشیا میں ساری و جاری ہے جنکے متعلق اللہ تعالیٰ کے امر سے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا جاتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ
نے اپنے نبی جناب محمد پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کو فرمایا (قُلْ مَرَّيْتُ رَدِّيْ عِلْمًا) اے حبیبِ پاک صلی اللہ علیہ
وسلم! فرمائیے اے میرے رب! میرا علم زیادہ کہ۔ پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرمانِ الہی کی تعمیل کی خاطر ہمیشہ
زیادتی علم کیلئے سوال کرتے تھے حتیٰ کہ اگر بیداری میں بھی آپ کے پاس دودھ لایا جاتا تو آپ اُس کی
تاویل علم کے ساتھ کرتے جیسا کہ آپ نے اپنے خواب کی تاویل کی۔ خواب کا واقع یوں ہے کہ حضور صلی اللہ
علیہ وسلم نے خواب مبارک میں دیکھا کہ آپ کو ایک دودھ کا پیالہ دیا گیا ہے۔ آپ نے اُس میں سے نوش
فرمایا اور باقی ماندہ عمر بن خطاب کو عطا کیا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ آپ نے اُس کی کیا تاویل
فرمائی۔ فرمایا علم۔ اور ایسا ہی ایک اور واقع ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو شبِ معراج میں سیر کراتی
گئی تو فرشتہ آپ کے پاس دو برتن لایا، ایک برتن میں دودھ تھا اور دوسرے میں شراب تھی۔ آپ نے دودھ
پی لیا۔ فرشتے نے عرض کیا کہ آپ فطرتِ اسلام اور علم کو پہنچے، رب تعالیٰ آپ کی طفیل آپ کی اُمت کو
بھی دینِ اسلام اور علم نصیب فرماوے۔ پس دودھ جسوقت ظاہر ہووے وہ علم کی صورت ہے کیونکہ وہی علم
دودھ کی صورت میں متمثل ہوا ہے جیسا کہ جبریل پوری بشری صورت میں مریم کیلئے متمثل ہوا۔ اور یہ ہوا ارشاد

ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیداری میں بھی دودھ کی تاویل علم کیساتھ کرتے تھے، اس میں آپ کا اشارہ یہ تھا کہ یہ ظاہری آنکھیں اشیاء کی ظاہری صورت دیکھ رہی ہیں۔ اشیاء کی حقیقت پر نظر رکھنی چاہیے۔ بظاہر سب انسان ہم صورت ہیں لیکن بعض دیو ہیں بعض ولی ہیں، بعض عاجز اور حقیر ہیں لیکن بعض صاحب کُن فقیر ہیں نیز ہر کسی کا نظارہ اپنی استعداد کے مطابق ہے گویا ہر کوئی عالم جس کو اپنے خیال کے مطابق دیکھ رہا ہے۔ پس موجودات عالم خیالی صورتیں ہیں۔ ایک شخص جب سرخ عینک لگاتا ہے تو اُس کو ہر شے سرخ نظر آتی ہے اور جب وہ ہی شخص سبز عینک لگاتا ہے تو اُس کو ہر شے سبز نظر آتی ہے۔ جب دل کی آنکھ پر نور کی عینک لگ جاتے تو ہر شے نور نظر آتی ہے۔ ایک شخص راستہ میں رستی پڑی دیکھتا ہے، دوسرا اُسی کو سانپ دیکھتا ہے لہذا ثابت ہوا کہ ممکنات عالم خیالی صورتیں ہیں اور ان کی حقیقت تک پہنچنے کیلئے ان کی تاویل کرنی چاہیے۔ اسی حقیقت کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اَلنَّاسُ نِيَامٌ فَاِذَا مَا تَوَارَتْ بَهْمُ الْاَدَمٰی خواب ہیں، جس وقت مریں گے ہوشیار اور بیدار ہوں گے۔ حدیث پاک میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات پر تنبیہ کی ہے کہ جو کچھ انسان حیات دُنیا میں دیکھتا ہے، وہ نام کیلئے بہتر خواب کے ہے اور خواب خیال ہوتا ہے اور اُس کی تاویل ضروری ہے۔ مراد یہ ہے کہ ظاہری آنکھوں سے صرف اشیاء کی ظاہری صورت نظر آتی ہے۔ موت کے بعد دل سے حجاب اٹھ جائیں گے اور نظر تیز ہو جائے گی اور ہر کوئی اشیاء کی حقیقت کو دیکھ لیگا۔ مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ ہے کہ اولیاء اللہ آج دارِ دُنیا میں ہر شے کی حقیقت دیکھ رہے ہیں اور غوام الناس موت کے بعد دیکھیں گے۔ شعر

(۱) سوائے اس کے نہیں کہ تمام عالم خیال ہے اور فی الحقیقت وہ حق ہے۔ مراد یہ ہے کہ ہم نے اپنے خیال میں عالم کا ایک مُستقل وجود ثابت کر رکھا ہے حالانکہ عالم کیلئے کوئی اپنا ذاتی مُستقل وجود نہیں بلکہ عالم کا قیام اور وجود اور نام حق تعالیٰ کے ساتھ ہے۔ دوسرے الفاظ میں عالم عالم نہیں بلکہ عالم حق ہے جیسے کہ کتاب کتاب نہیں بلکہ سیاہی ہے۔ کتاب کا ہر حرف ہر لفظ ہر کلمہ سیاہی ہے۔ کتاب عالم کا وجود ساتھ سیاہی ذات حق ہے۔ حقیقت میں کتاب سیاہی کا نام ہے اور سیاہی ہی کا وجود ہے۔ کتاب کا اول سیاہی آخر سیاہی ظاہر سیاہی اور باطن سیاہی ہے۔ جس شخص نے اس راہِ توحید کو پایا اُس نے طریقت کے جملہ اسرار جمع کر لئے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت کہ یہ تھی کہ جس وقت آپ کو دودھ پیش کیا جاتا تھا، آپ دعا فرماتے

تھے "اے رب! ہمارے واسطے اس میں برکت ڈال اور اس سے ہم کو زیادہ دے یعنی زیادہ دودھ" کیونکہ آپ اسکو صورتِ علم دیکھتے تھے اور علم میں زیادتی کی طلب پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم مامور تھے۔ اور جب آپ کو دودھ کے سوا کوئی اور شے پیش کی جاتی تھی تو آپ فرماتے تھے "اے اللہ! ہم کو اس میں برکت دے اور اس سے بہتر کھلا"۔ پس جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے سوال کے سبب کچھ عطا فرمایا اور اُس نے سوال امرِ الہی سے کیا، تو تحقیق اللہ تعالیٰ دارِ آخرت میں اُس شخص سے اُس عطا پر محاسبہ نہ کرے گا۔ اور جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے سبب سوال کچھ عطا فرمایا اور اُس نے سوال بغیر امرِ الہی سے کیا، تو اُس شخص کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے، اگر چاہے تو اُس عطا پر اُس سے محاسبہ کرے اور اگر چاہے تو اُس عطا پر اُس سے محاسبہ نہ کرے اور میں اللہ تعالیٰ سے خاص طور پر علم میں اُمید کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ صاحبِ علم سے علم پر محاسبہ نہ کرے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جو حکم نبی پاک علیہ السلام کو زیادتیِ علم کے سوال کے متعلق فرمایا ہے وہ حکم عینِ آپ کی اُمت کیلئے بھی ہے یَقُولُ تَعَالَى (لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ) البتہ تحقیق جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں تمہارے لئے نیک پیروی ہے۔ اور اُس شخص کیلئے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عقل رکھتا ہے اس پیروی سے اعظم کو نسی پیروی ہوگی۔ مراد یہ ہے کہ خوش نصیب وہ مومن ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح زیادتیِ علم کیلئے اللہ تعالیٰ سے سوال کرے۔ اور اے طالب! اگر ہم تجھے مقامِ سلیمانی سے کما حقہ آگاہ کریں تو تو اُس کو ایک ایسا امر دیکھے گا کہ اُس کی اطلاع تجھ کو دہشتِ بخشے گی کیونکہ اس طریقہ کے اکثر علماء سلیمان کی حالت اور مکانت سے جاہل ہیں اور جو کچھ وہ سلیمان کے متعلق گمان کرتے ہیں وہ فی الحقیقت غلط ہے۔ بعض کج فہم علماء کا گمان ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے اسم کو اسم اللہ پر مقدم کیا۔ یہ غلط ہے۔ اسکا جواب ابتدا میں دیا گیا ہے کہ إِنَّهُ مِنْ سُلَيْمَانَ بِقِيسِ کا قول ہے۔ دوسرے انکا گمان ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی نعش مبارک کو موت کے بعد عصاء کی ٹیک پر کھڑا کیا گیا۔ عصاء کو گھن کھا گیا اور عصا گر پڑا۔ عصاء کے گرنے سے آپ کی نعش مبارک زمین پر گر پڑی یَقُولُ تَعَالَى (فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ مَا دَلَّهُمْ عَلَى مَوْتِهِ إِلَّا دَابَّةُ الْأَرْضِ تَأْكُلُ مِنْسَأَتَهُ فَلَمَّا خَرَّالَتْهُ)۔ یہ غلط ہے۔ اس کا مفصل جواب تفسیرِ جلوئی میں دیا گیا ہے۔ نہ آپ کی نعش مبارک کو عصاء کی ٹیک پر کھڑا کیا گیا اور نہ ہی آپ کی نعش مبارک گری۔ عصاء ہی کو گھن نے کھایا اور عصاء ہی گرا۔ خَرَّ کا فاعل مِنْسَأَتَهُ ہے نہ کہ حضرت سلیمان علیہ السلام ❦

فَصُّ حِكْمَةٍ وَجُودِيَّةٍ فِي كَلِمَةِ دَاوُدِيَّةٍ

إِذْ عَلَّمَ آتَنَّهُ لَمَّا كَانَتْ النَّبُوءَةُ وَالرِّسَالَةُ اخْتِصَاصًا إِلَهِيًّا لَيْسَ فِيهَا شَيْءٌ مِنَ الْإِكْتِسَابِ أَعْنَى
 نُبُوءَةِ التَّشْرِيعِ كَانَتْ عَطَايَاكَ تَعَالَى لَهُمْ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ مِنْ هَذَا الْقَبِيلِ مَوَاهِبَ لَيْسَتْ جَزَاءً
 وَلَا يَطْلُبُ عَلَيْهَا مِنْهُمْ جَزَاءً فَإِعْطَاؤُكَ إِيَّاهُمْ عَلَى طَرِيقِ الْإِنْعَامِ وَالْإِفْضَالِ فَقَالَ تَعَالَى (وَهَبْنَا
 لَهُ إِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ) يَعْنِي لِإِبْرَاهِيمَ الْخَلِيلِ وَقَالَ فِي آيَتِ يُونُسَ (وَهَبْنَا لَهُ أَهْلَهُ وَمِثْلَهُمْ مَعَهُمْ)
 وَقَالَ فِي حَقِّ مُوسَى (وَهَبْنَا لَهُ مِنْ رَحْمَتِنَا أَخَاكَ هَارُونَ نَبِيًّا) إِلَى مِثْلِ ذَلِكَ فَالَّذِي تَوَلَّاهُمْ
 أَوَّلًا هُوَ الَّذِي تَوَلَّاهُمْ آخِرًا فِي عُمُومِ أَحْوَالِهِمْ أَوَّلًا كَثَرَهَا وَلَيْسَ إِلَّا اسْمُهُ الْوَهَّابُ وَقَالَ
 فِي حَقِّ دَاوُدَ (وَلَقَدْ آتَيْنَا دَاوُدَ مِنَّا فَضْلًا) فَلَمْ يَقْرِنْ بِهِ جَزَاءً يَطْلُبُهُ مِنْهُ وَلَا أَخْبَرَ أَنَّهُ
 أُعْطِيَ هَذَا الَّذِي ذَكَرَكَ جَزَاءً وَلَمَّا طَلَبَ الشُّكْرَ عَلَى ذَلِكَ بِالتَّعَمُّلِ طَلَبَهُ مِنْ آلِ دَاوُدَ
 وَلَمْ يَتَعَرَّضْ لِيَذْكُرْ دَاوُدَ بِشُكْرِهِ إِلَّا عَلَى مَا أَنْعَمَ بِهِ عَلَيْهِ عَلَى دَاوُدَ فَهُوَ فِي حَقِّ دَاوُدَ
 عَطَاءُ نِعْمَةٍ وَإِفْضَالٍ وَفِي حَقِّ آلِهِ عَلَى غَيْرِ ذَلِكَ يَطْلُبُ الْبُعَاوَةَ فَقَالَ تَعَالَى (إِعْمَلُوا آلَ
 دَاوُدَ شُكْرًا وَقَلِيلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّاكِرِينَ) وَإِنْ كَانَتْ الْأَنْبِيَاءُ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ قَدْ شَكَرُوا اللَّهَ
 تَعَالَى عَلَى مَا أَنْعَمَ بِهِ عَلَيْهِمْ وَوَهَبَهُمْ فَلَمْ يَكُنْ ذَلِكَ عَنْ طَلَبٍ مِنَ اللَّهِ بَلْ تَبَرَّعُوا بِذَلِكَ
 مِنْ نَفْسِهِمْ كَمَا قَامَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى تَوَسَّعَتْ قَدَمَاكَ شُكْرًا لَهَا غَفَرَ
 اللَّهُ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ وَمَا تَأَخَّرَ فَلَمَّا قِيلَ لَهُ فِي ذَلِكَ قَالَ أَفَلَا أَكُونُ عَبْدًا شَاكِرًا
 وَقَالَ فِي حَقِّ نُوحٍ (إِنَّهُ كَانَ عَبْدًا شَاكِرًا) فَالشَّاكِرُ مِنْ عِبَادِ اللَّهِ قَلِيلٌ فَأَوَّلُ نِعْمَةٍ أَنْعَمَ
 اللَّهُ تَعَالَى بِهَا عَلَى دَاوُدَ أَنْ أُعْطِيَ اسْمًا لَيْسَ فِيهِ حُرُوفٌ مِّنْ حُرُوفِ الْإِفْضَالِ فَقَطَعَهُ عَنِ
 الْعَالَمِ بِذَلِكَ إِخْبَارًا لَنَا عَنْهُ بِبُجَرْدِ هَذَا الْإِسْمِ وَهِيَ الدَّالُّ وَالْأَيْفُ وَالْوَاوُ وَسَمَّى اللَّهُ مُحَمَّدًا
 صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِحُرُوفِ الْإِفْضَالِ وَالْإِفْضَالِ فَوَصَلَهُ بِهِ وَفَصَلَهُ عَنِ الْعَالَمِ فَجَمَعَ
 لَهُ بَيْنَ الْعَالَمَيْنِ فِي اسْمِهِ كَمَا جَمَعَ لِدَاوُدَ بَيْنَ الْعَالَمَيْنِ مِنْ طَرِيقِ الْمَغْفَى وَلَمْ يَجْعَلْ
 ذَلِكَ فِي اسْمِهِ فَكَانَ ذَلِكَ اخْتِصَاصًا بِمُحَمَّدٍ عَلَى دَاوُدَ أَعْنَى التَّنْبِيْهِ عَلَيْهِ بِاسْمِهِ فَتَمَّ
 لَهُ الْأَمْرُ عَلَيْهِ السَّلَامُ مِنْ جَمِيعِ جِهَاتِهِ وَكَذَلِكَ فِي اسْمِهِ أَحْمَدُ فَهَذَا مِنْ حِكْمَةِ اللَّهِ ثُمَّ

قَالَ فِي حَقِّ دَاوُدَ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِيمَا آعُطَاهُ عَلَى طَرِيقِ الْإِنْعَامِ عَلَيْهِ تَرْجِيْعُ الْجِبَالِ مَعَهُ
 التَّسْبِيْحُ فَتُسَبِّحُ بِتَسْبِيْحِهِ لِيَكُوْنَ لَهُ عَمَلُهَا وَكَذَلِكَ الطَّيْرُ وَآعُطَاهُ الْقُوَّةَ وَنَعْتَهُ
 بِهَا وَآعُطَاهُ الْحِكْمَةَ وَفَصَلَ الْخَطَابِ ثُمَّ الْبَيْتَةُ الْكُبْرَى وَالْمَكَانَةُ الرَّؤْفَى الَّتِي خَصَّهُ
 اللَّهُ بِهَا التَّنْصِيصُ عَلَى خِلَافَتِهِ وَلَمْ يَفْعَلْ ذَلِكَ مَعَ أَحَدٍ مِّنْ أَبْنَاءِ جَنْسِهِ وَإِنْ كَانَ
 فِيهِمْ خُلَفَاءُ فَقَالَ (يَا دَاوُدُ إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ مِن قَاحِكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا
 تَتَّبِعِ الْهَوَى) أَيْ مَا يَخْطُرُ لَكَ فِي حُكْمِكَ مِنْ غَيْرِ وَحْيٍ مِنِّي (فِيضِلُّكَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ)
 أَيْ عَنْ طَرِيقِ الَّذِي أُوحِيَ بِهِ إِلَى رَسُولِي ثُمَّ تَأَذَّبَ سُبْحَانَهُ مَعَهُ فَقَالَ (رَأَيْتَ الَّذِينَ
 يُضِلُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ بِمَا نَسُوا يَوْمَ الْحِسَابِ) وَلَمْ يَقُلْ لَهُ فَإِنْ ضَلَلْتَ
 عَنْ سَبِيلِي فَلَكَ عَذَابٌ شَدِيدٌ فَإِنْ قُلْتَ فَادُمْ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَدْ نَصَّ عَلَى خِلَافَتِهِ قُلْنَا مَا
 نَصَّ مِثْلَ التَّنْصِيصِ عَلَى دَاوُدَ وَإِنَّمَا قَالَ يَلْمِزُكَ (رَأَيْتَ جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً) وَلَمْ يَقُلْ
 (رَأَيْتَ جَاعِلٌ آدَمَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ) وَلَوْ قَالَ لَمْ يَكُنْ مِثْلَ قَوْلِهِ (رَأَيْتَ جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ)
 فِي حَقِّ دَاوُدَ فَإِنَّ هَذَا مُحَقَّقٌ وَذَلِكَ لَيْسَ كَذَلِكَ وَمَا يَدُلُّ ذِكْرُ آدَمَ فِي الْقِصَّةِ بَعْدَ ذَلِكَ عَلَى
 أَنَّهُ عَيَّنَ ذَلِكَ الْخَلِيفَةَ الَّذِي نَصَّ اللَّهُ عَلَيْهِ فَاجْعَلْ بِأَلْكَ لِأَخْبَارِ الْحَقِّ عَنْ عِبَادِهِ إِذَا
 أَخْبَرَ وَكَذَلِكَ فِي حَقِّ إِبْرَاهِيمَ الْخَلِيلِ (رَأَيْتَ جَاعِلٌ لِلنَّاسِ إِمَامًا) وَلَمْ يَقُلْ خَلِيفَةً وَإِنْ
 كُنَّا نَعْلَمُ أَنَّ الْإِمَامَةَ هُنَا خِلَافَةٌ وَلَكِنَّ مَا هِيَ مِثْلُهَا لِأَنَّهُ مَا ذَكَرَهَا بِأَخْصِ أَسْمَاءِهَا وَهِيَ
 الْخِلَافَةُ ثُمَّ فِي دَاوُدَ مِنَ الْإِخْتِمَامِ بِالْخِلَافَةِ أَنْ جَعَلَهُ خَلِيفَةً حَكِيمٌ وَ لَيْسَ ذَلِكَ إِلَّا عَنِ
 اللَّهِ فَقَالَ لَهُ (فَاحْكُم بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ) وَخِلَافَةُ آدَمَ قَدْ لَا يَكُونُ مِنْ هَذِهِ السَّرْتَبَةِ
 فَيَكُونُ خِلَافَتُهُ أَنْ يَخْلُفَ مَنْ كَانَ فِيهَا قَبْلَ ذَلِكَ لَا أَنَّهُ نَائِبٌ عَنِ اللَّهِ فِي خَلْقِهِ بِالْحُكْمِ
 إِلَّا إِلَهِي فِيهِمْ وَإِنْ كَانَ الْأَمْرُ كَذَلِكَ وَقَعَ وَلَكِنْ لَيْسَ كَلَامُنَا إِلَّا فِي التَّنْصِيصِ عَلَيْهِ وَالتَّفَرُّعِ
 بِهِ وَبَلَّغَهُ فِي الْأَمْرِ مِنْ خِلَافَتِهِ عَنِ اللَّهِ وَهُمْ الرُّسُلُ وَأَمَّا الْخِلَافَةُ الْيَوْمَ فَقَدْ رَسُوْلُ لَا عَيْنَ اللَّهِ
 فَإِنَّهُمْ مَا يَحْكُمُونَ إِلَّا بِمَا شَرَعَ لَهُمُ الرُّسُلُ لَا يَخْرُجُونَ عَنْ ذَلِكَ غَيْرَ أَنَّ هَذَا حَقِيقَةٌ
 لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا أَمَّا لَنَا وَذَلِكَ فِي أَخِي مَا يَحْكُمُونَ بِهِ بِمَا هُوَ شَرَعَ لِلرُّسُولِ عَلَيْهِ السَّلَامُ
 فَالْخِلَافَةُ عَنِ الرُّسُولِ مَنْ يَأْخُذُ الْحُكْمَ بِالنَّقْلِ عَنْهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَوْ بِإِجْتِهَادِ الَّذِي

أَصْلُهُ أَيْضًا مَنْقُولٌ عَنْهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَفِينَا مَنْ يَأْخُذُ عَنِ اللَّهِ فَيَكُونُ خَلِيفَةً عَنِ
اللَّهِ بِعَيْنِ ذَلِكَ الْحُكْمِ فَتَكُونُ الْبَادَّةُ لَهُ مِنْ حَيْثُ كَانَتْ الْبَادَّةُ لِرَسُولِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ فَهَلْ فِي الظَّاهِرِ مُتَّبِعٌ يَعْدِمُ مُخَالَفَتِهِ فِي الْحُكْمِ كَعِيسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ إِذَا نَزَلَ فَيَجُكُمُ
وَكَأَيُّنِي مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي قَوْلِهِ (أُولَئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ فَبِهِدَاهُمْ أَقْتَدِ) وَهُوَ فِي حَقِّ مَا يَعْرِفُهُ مِنْ صُورَةٍ الْأَخَذِ مُخْتَصٌّ مُوَافِقٌ هُوَ فِيهِ بِبَنْزِلَةِ مَا قَرَّرَهُ النَّبِيُّ عَلَيْهِ
السَّلَامُ مِنْ شَرْعٍ مَنْ تَقَدَّمَ مِنَ الرُّسُلِ بِكُونِهِ قَرَّرَهُ فَاتَّبَعْنَاهُ مِنْ حَيْثُ تَقَرَّرَ لَا مِنْ حَيْثُ
أَنَّهُ شَرْعٌ بغيره قَبْلَهُ وَكَذَلِكَ أَخَذُ الْخَلِيفَةُ عَنِ اللَّهِ عَيْنٌ مَا أَخَذَ مِنْهُ الرَّسُولُ فَتَقُولُ
فِيهِ بِلِسَانِ الْكَشْفِ خَلِيفَةُ اللَّهِ وَبِلِسَانِ الظَّاهِرِ خَلِيفَةُ رَسُولِ اللَّهِ وَبِهَذَا مَاتَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَا نَصَرَ بِخِلَافَةٍ عَنْهُ عَلَى أَحَدٍ وَلَا عَيْنَهُ يَعْلِمُهُ أَنَّ فِي أُمَّتِهِ مَنْ يَأْخُذُ بِالْخِلَافَةِ
عَنْ رَبِّهِ فَيَكُونُ خَلِيفَةً عَنِ اللَّهِ مَعَ اتِّوَافَقَةٍ فِي الْحُكْمِ الْمَشْرُوعِ فَلَمَّا عَلِمَ ذَلِكَ رَسُولُ اللَّهِ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَحْجِرْ إِلَّا مَرَّةً قَلِيلًا خُلَفَاءُ فِي خَلْقِهِ يَأْخُذُونَ مِنْ مَعْدِنِ الرَّسُولِ وَالرُّسُلِ
مَا أَخَذَتْهُ الرُّسُلُ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ وَيَعْرِفُونَ فَضْلَ السُّتَقْدِيمِ هُنَاكَ لِأَنَّ الرَّسُولَ قَابِلٌ لِلزِّيَادَةِ
وَهَذَا الْخَلِيفَةُ لَيْسَ بِقَابِلٍ لِلزِّيَادَةِ الَّتِي تَوْكَانَ الرَّسُولُ قَبْلَهَا فَلَا يُعْطَى مِنَ الْعِلْمِ وَالْحُكْمِ
فِي مَا شُرِعَ إِلَّا مَا شُرِعَ لِلرَّسُولِ خَاصَّةً فَهَلْ فِي الظَّاهِرِ مُتَّبِعٌ غَيْرُ مُخَالِفٍ بِخِلَافِ الرُّسُلِ أَلَا
تَرَى عِيسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ لَمَّا تَخَيَّلَتْ إِلَيْهِمْ أَنَّهُ لَا يَزِيدُ عَلَى مُوسَى مِثْلَ مَا قُلْنَا كُفَى الْخِلَافَةِ
الْيَوْمَ مَعَ الرَّسُولِ آمَنُوا بِهِ وَأَقَرُّوا فَلَمَّا زَادَ حُكْمًا أَوْ نَسَخَ حُكْمًا كَانَ قَدْ قَرَّرَهُ مُوسَى
يَكُونُ عِيسَى رَسُولًا لَمْ يَخْتَلُوا ذَلِكَ لِأَنَّهُ خَالَفَ اعْتِقَادَهُمْ فِيهِ وَجَهَلَتْ إِلَيْهِمْ أَلَا مَرَّ عَلَى
مَا هُوَ عَلَيْهِ فَطَلَبَتْ قَتْلَهُ فَكَانَ مِنْ قِصَّتِهِ مَا أَخْبَرَنَا اللَّهُ تَعَالَى فِي كِتَابِهِ الْعَزِيزِ عَنْهُ وَ
عَنْهُمْ فَلَمَّا كَانَ رَسُولًا قَبْلَ الزِّيَادَةِ إِمَّا بِنُقُصٍ حُكْمٍ قَدْ تَقَرَّرَ أَوْ بِزِيَادَةِ حُكْمٍ عَلَى أَنَّ
النُّقْصَ زِيَادَةُ حُكْمٍ بِلَا شَكٍّ وَالْخِلَافَةُ الْيَوْمَ لَيْسَ لَهَا هَذَا السُّنْبُ وَرَأْسُهَا يَنْقُصُ أَوْ يَزِيدُ
عَلَى الشَّرْعِ الَّذِي قَدْ تَقَرَّرَ بِالْإِجْتِهَادِ لَا عَلَى الشَّرْعِ الَّذِي شُوفِيَهُ بِهِ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
فَقَدْ يَظْهَرُ مِنَ الْخَلِيفَةِ مَا يُخَالِفُ حَدِيثًا مَا فِي الْحُكْمِ فَيُتَخَيَّلُ أَنَّهُ مِنَ الْإِجْتِهَادِ وَلَيْسَ كَذَلِكَ
وَأَنَّ هَذَا الْإِمَامُ لَمْ يَتَّبِعْ عِنْدَهُ مِنْ جِهَةِ الْكَشْفِ ذَلِكَ الْخَبَرُ عَنِ النَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَتَوَ

ثَبَّتَ لِحُكْمِهِ بِهِ وَإِنْ كَانَ الطَّرِيقُ فِيهِ الْعَدْلُ عَنِ الْعَدْلِ فَبِمَا هُوَ مَعْصُومٌ عَنِ الْوَهْمِ وَلَا
عَنِ النَّفْلِ عَلَى الْمَعْنَى فَبِمَثَلِ هَذَا يَقَعُ مِنَ الْخَلِيفَةِ الْيَوْمَ وَكَذَلِكَ يَقَعُ مِنْ عِيْسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ
فَإِنَّهُ إِذَا نَزَلَ يَرْفَعُ كَثِيرًا مِّنْ شَرْعِ الْإِجْتِهَادِ الْمُقَرَّرِ فَتَبَيَّنَ بِرَفْعِهِ صُورَةُ الْحَقِّ الْمَشْرُوعِ
الَّذِي كَانَ عَلَيْهِ السَّلَامُ عَلَيْهِ وَلَا سِيَّامَا إِذَا تَعَارَفَتْ أَحْكَامُ الْأَيْمَةِ فِي النَّازِلَةِ الْوَاحِدَةِ
فَنَعْلَمُ قَطْعًا أَنَّهُ نَزَلَ وَحْيٌ لَّنَزَلَ بِأَحَدِ الْوُجُوهِ فَذَلِكَ هُوَ الْحُكْمُ الْإِلَهِيُّ وَمَا عَدَاكَ وَإِنْ
قَرَّرَهُ الْحَقُّ فَهُوَ شَرْعٌ تَقْرِيرٌ لِرَفْعِ الْحُجُجِ عَنْ هَذِهِ الْأُمَّةِ وَاتِّسَاعِ الْحُكْمِ فِيهَا وَأَمَّا قَوْلُهُ
عَلَيْهِ السَّلَامُ إِذَا بُوِيعَ بِخَلِيفَتَيْنِ فَامْتَلُوا الْأَخِيرَ مِنْهُمَا فَهَذَا فِي الْخِلَافَةِ الظَّاهِرَةِ الَّتِي لَهَا السَّيْفُ
وَإِنْ اتَّفَقَا فَلَا بُدَّ مِنْ قَتْلِ أَحَدِهِمَا بِخِلَافَةِ الْخِلَافَةِ الْمَعْنَوِيَّةِ فَإِنَّهُ لَا قَتْلَ فِيهَا وَإِنَّمَا جَاءَ
النَّقْلُ فِي الْخِلَافَةِ الظَّاهِرَةِ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ يَذَلِكَ الْخَلِيفَةُ هَذَا الْمَقَامُ وَهُوَ خَلِيفَةُ رَسُولِ
اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنْ عَدَلَ فَمِنْ حُكْمِ الْأَمْلِ الَّذِي بِهِ يُتَخَيَّلُ وَجُودُ الْهَيْئَةِ وَلَوْ كَانَ
فِيهِمَا إِلَهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا) وَإِنْ اتَّفَقَا فَتَحْنُ نَعْلَمُ أَنَّهُمَا لَوْ اخْتَلَفَا تَقْدِيرًا لِنَفَذِ حُكْمِ أَحَدِهِمَا
فَالسَّائِدُ الْحُكْمُ هُوَ الْإِلَهُ عَلَى الْحَقِيقَةِ وَالَّذِي لَمْ يَنْفُذْ حُكْمَهُ لَيْسَ بِإِلَهِ وَمِنْ هَهُنَا نَعْلَمُ أَنَّ
كُلَّ حُكْمٍ يَنْفُذُ الْيَوْمَ فِي الْعَالَمِ أَنَّهُ حُكْمُ اللَّهِ وَإِنْ خَالَفَ الْحُكْمُ الْمُقَرَّرَ فِي الظَّاهِرِ الْمُسَمَّى شَرْعًا
إِذَا لَا يَنْفُذُ حُكْمُ إِلَّا بِاللَّهِ فِي نَفْسِ الْأَمْرِ لِأَنَّ الْأَمْرَ الْوَاقِعَ فِي الْعَالَمِ إِنَّمَا هُوَ عَلَى حُكْمِ الْمَشِئَةِ
الْإِلَهِيَّةِ لَا عَلَى حُكْمِ الشَّرْعِ الْمُقَرَّرِ وَإِنْ كَانَ تَقْرِيرُهُ مِنَ الْمَشِئَةِ وَلِذَلِكَ نَفَذَ تَقْرِيرُهُ
خَاصَّةً فَإِنَّ الْمَشِئَةَ لَيْسَتْ لَهَا فِيهِ إِلَّا التَّقْرِيرُ لَا الْعَمَلُ بِمَا جَاءَ بِهِ فَالْمَشِئَةُ سُلْطَانُهَا عَظِيمٌ
وَلِهَذَا اجْعَلَهَا أَبُو طَالِبٍ عَرُشَ الدَّائِمَةِ لِأَنَّهَا إِذَا يَتَقَنَّى الْحُكْمَ فَلَا يَقَعُ فِي الْوُجُودِ شَيْءٌ
وَلَا يَزِيدُ تَفْعٌ خَارِجًا عَنِ الْمَشِئَةِ فَإِنَّ الْأَمْرَ الْإِلَهِيَّ إِذَا اخُولِفَ هُنَا بِالسَّمِيِّ مَعْصِيَةٍ فَلَيْسَ إِلَّا الْأَمْرُ
بِالْوَاسِطَةِ لَا الْأَمْرُ التَّكْوِينِي فَبِمَا خَالَفَ اللَّهُ أَحَدًا قَطُّ فِي جَمِيعِ مَا يَفْعَلُهُ مِنْ حَيْثُ أَمَرَ الْمَشِئَةَ
فَوَقَعَتِ الْخِلَافَةُ مِنْ حَيْثُ أَمَرَ الْوَاسِطَةَ فَافْهَمُوا وَ عَلَى الْحَقِيقَةِ فَأَمَرَ الْمَشِئَةَ إِنَّمَا يَتَوَجَّهُ
عَلَى إِبْجَادِ عَيْنِ الْفِعْلِ لَا عَلَى مَنْ ظَهَرَ عَلَى يَدَيْهِ فَيَسْتَحِيلُ أَنْ لَا يَكُونَ وَلَا كُنْ فِي هَذَا الْمَحَلِّ
الْغَايَةِ نَوْقًا يَسْمَى بِهِ مُخَالَفَةً لِأَمْرِ اللَّهِ وَوَقْتًُا يَسْمَى مُوَافَقَةً وَطَاعَةً لِأَمْرِ اللَّهِ وَ يَتَّبَعُهُ
لِسَانُ الْحَمْدِ وَالذِّمْرُ عَلَى حَسْبِ مَا يَكُونُ وَلَسْنَا كَانَ الْأَمْرُ فِي نَفْسِهِ عَلَى مَا قَرَّرْنَاكَ لِدَلِيلِكَ

كَانَ مَالُ الْخَلْقِ إِلَى السَّعَادَةِ عَلَى اخْتِلَافِ أَنْوَاعِهَا فَعَبَّرَ عَنْ هَذَا الْبَقَامِ بِأَنَّ الرَّحْمَةَ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ وَأَنَّهَا سَبَقَتْ الْغَضَبَ إِلَّا لِلرَّحْمَةِ وَالسَّابِقُ مُتَقَدِّمٌ فَإِذَا لِحَقُّهُ هَذَا الَّذِي حَكَمَ عَلَيْهِ الْمُنَاجَرَةُ حَكَمَ عَلَيْهِ الْمُسْتَقْدِمُ فَتَأَلَّاهُ الرَّحْمَةُ إِذْ لَمْ يَكُنْ غَيْرُهَا سَبَقَ فَهَذَا مَعْنَى سَبَقَتْ رَحْمَتُهُ غَضَبَهُ يَتَحَكَّمُ عَلَى مَنْ وَصَلَ إِلَيْهَا فَإِنَّهَا فِي الْغَايَةِ وَفَقَتْ وَالْكُلُّ سَالِكٌ إِلَى الْغَايَةِ فَلَا بُدَّ مِنَ الْوُصُولِ إِلَيْهَا فَلَا بُدَّ مِنَ الْوُصُولِ إِلَى الرَّحْمَةِ وَمُقَارَقَةِ الْغَضَبِ فَيَكُونُ الْحُكْمُ لَهَا فِي كُلِّ وَاصِلٍ إِلَيْهَا بِحَسَبِ مَا يُعْطِيهِ حَالُ الْوَاصِلِ إِلَيْهَا شَعَرُ

فَمَنْ كَانَ ذَا فِهْمٍ يُشَاهِدُ مَا قُلْنَا ۖ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ فَهَمُّ فَلْيَاخُذْكَ عَنَّا

فَبَاثِمًا إِلَّا مَا ذَكَرْنَاكَ فَأَعْتِدْ ۖ عَلَيْهِ وَكُنْ بِالْحَالِ فِيهِ لَعَاكُنَّا

فِيهِهِ إِلَيْنَا مَا تَلَوْنَا عَلَيْكَ ۖ وَمِنَّا إِلَيْكُمْ مَا وَهَبْنَاكُمْ مِنَّا

وَأَمَّا تَلْيِينُ الْحَدِيدِ فَقُلُوبٌ قَاسِيَةٌ يُلَيِّنُهَا الرَّجَرُ وَالْوَعِيدُ تَلْيِينُ النَّارِ الْحَدِيدِ وَإِنَّهَا الصَّعْبُ قُلُوبٌ أَشَدُّ قَسَاوَةً مِنَ الْحِجَارَةِ فَإِنَّ الْحِجَارَةَ تُكْسِرُهَا وَتُكَلِّسُهَا النَّارُ وَلَا تُلَيِّنُهَا وَمَا الْآنَ لَهُ الْحَدِيدُ إِلَّا يَعْبِلُ الدُّرُوعَ الْوَاقِيَةَ تَسْبِيحًا مِنْ اللَّهِ أَنْ لَا يَتَّقِيَ الشَّيْءَ إِلَّا بِنَفْسِهِ فَإِنَّ الدُّرْعَ تَتَّقِي بِهَ السِّنَانِ وَالسَّيْفِ وَالسَّكِينِ وَالنَّصْلَ فَاتَّقِيَتِ الْحَدِيدُ بِالْحَدِيدِ فَجَاءَ الشَّرْعُ الْمُحَمَّدِيُّ بِأَعْوَذِيكَ مِنْكَ فَأَفْهَمَ فَهَذَا رُوحُ تَلْيِينِ الْحَدِيدِ فَهَلْوَ السُّتُقُومُ الرَّحِيمُ وَاللَّهُ الْمُؤَفِّقُ وَالْمُبْعِثُ ۖ

یہ حکمت و جودیه کا قص کلمہ داؤدیه کے بیان میں ہے

چونکہ حکمت رحمانیہ کا اختتام علم پر ہوا جس کا تعلق رحمت و جودیه متصلہ کیساتھ ہے اس لئے حکمت رحمانیہ کے بعد حکمت و جودیه کا ذکر شروع کیا گیا ہے۔ اگرچہ جملہ انبیاء کرام علیہم السلام رحمت و جودیه متصلہ کے ساتھ مشرف ہیں لیکن حضرت داؤد علیہ السلام فضل خاص سے مشرف ہیں یَقُولُ تَعَالَى (وَلَقَدْ آتَيْنَا دَاوُدَ مِنَّا فَضْلًا) اور تحقیق ہم نے داؤد کو اپنے خزانہ سے بزرگی دی، اس لئے حکمت و جودیه حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف منسوب کی گئی۔ رحمت و جودیه کیساتھ جملہ انبیاء کرام علیہم السلام مشرف ہیں اور داؤد علیہ السلام رحمت خاص اور فضل خاص کے مظہر ہیں لیکن سرکارِ دو عالم جناب محمد پاک صلی اللہ علیہ

وسلم بذات خود رحمت ہیں اور اللہ تعالیٰ کی فردیت کے مظہر ہیں۔ اسی لئے حکمت فردیت کا قصّ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔

اے طالب! اسباب کو بطریق تحقیق جان لے کہ چونکہ نبوت و رسالت اختصاص الہیہ سے ہے اس لئے اس میں اکتساب کو کوئی دخل نہیں۔ نبوت سے مراد نبوت تشریعی ہے نہ کہ نبوت تشریفی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت مبارکہ کے کُل افراد بھی نبوت تشریفی سے مشرف ہیں، اس لئے وضاحت کی گئی ہے کہ نبوت سے مراد نبوت تشریفی ہے اور اس کے صاحب انبیاء علیہم السلام ہیں۔ اُن انبیاء علیہم السلام کیواسطے اللہ تعالیٰ کی عطایا بھی اسی قبیل مواہب سے ہیں۔ وہ جزا نہیں ہیں اور نہ ہی حق تعالیٰ اُن پر اُن سے جزا طلب کرتا ہے یعنی انبیاء علیہم السلام کو عطایا اُن کے اعمال کے بدلہ میں نہیں ملیں اور نہ ہی حق تعالیٰ اُن سے ان عطایا پر کچھ عوض مانگتا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کا اُن کو ان عطایا کا عطا کرنا بطریق انعام و افضل ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے (وَهَبْنَا لَهُ إِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ) یعنی واسطے ابراہیم خلیل کے ہم نے اسحق اور یعقوب کو بخشا۔ اور ایوب کے حق میں فرمایا (وَهَبْنَا لَهُ أَهْلَهُ وَمِثْلَهُم مَّحَبَّةً مِّمَّنَا) اور ہم نے اپنی رحمت سے اُس کو اُس کے گھر والے بخشے اور اُن کے برابر اُن کیساتھ اور عطا کئے۔ اور موسیٰ کے حق میں فرمایا (وَهَبْنَا لَهُ مِنْ رَحْمَتِنَا أَخَاهُ هَارُونَ نَبِيًّا) اور ہم نے اپنی رحمت سے موسیٰ کو اُس کا بھائی ہارون بخشا۔ اور ان آیات کی مثل اور آیات بھی ہیں۔ پس جو ذات اول ہیں انبیاء کی متولی ہوئی وہ ہی ذات آخر میں اُن کے عموم اور اکثر احوال میں متولی ہوئی۔ اور نہیں ہے کوئی متولی مگر اسم و ہاب۔ اول میں انبیاء علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فیض اقدس سے استعدادیں کا ملہ عطا فرمائیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا اُن کے لئے اول میں متولی ہونا ہے۔ بعد میں فیض مقدس سے اُن کے اعیان ثابۃ کو اعیان خارجیہ کا لباس پہنایا اور اُن کے عموم اور اکثر احوال وہی ہیں، کسی نہیں اور یہ اس لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ کا اسم و ہاب اُن کا متولی ہے۔ اللہ تعالیٰ بذریعہ اسم و ہاب جو چیز کسی کو عطا کرتا ہے، اُس کے عوض میں وہ بندہ سے کوئی عمل یا شکر طلب نہیں کرتا ہے۔ یاد رہے کہ آپ نے جمیع احوال نہیں فرمایا کیونکہ بعض عطایا میں اُن کی جزا یعنی عمل اور شکر مطلوب ہے۔ اور داؤد کے حق میں فرمایا (وَلَقَدْ آتَيْنَا دَاوُدَ مِنَّا فَضْلًا) اور تحقیق ہم نے داؤد کو اپنے خزانہ سے بزرگی دی۔ اللہ تعالیٰ نے اُس عطا کیساتھ کسی جزا کا ذکر نہیں فرمایا کہ اُس کو داؤد علیہ السلام سے طلب کرے اور نہ ہی اسباب کی خبر دی کہ تحقیق وہ عطا کسی سابقہ عمل کی جزا ہے۔ اور جب اللہ تعالیٰ

نے اُس عطا پر عمل کیساتھ شکر طلب کیا تو آل داؤد سے کیا لیکن داؤد کے ذکر میں تعریفیں نہیں کیا، تاکہ آل داؤد اُس نعمت پر شکر یہ ادا کرے جو حق تعالیٰ نے داؤد پر انعام کی۔ پس وہ نعمت داؤد کے حق میں بطریق نعمت و انضال عطا ہے اور اُس کی آل کے حق میں بوجہ طلب معاوضہ اس طریق کے سوا ہے بِقَوْلِهِ تَعَالَى (رَاعِلُوا آلَ دَاوُدَ شُكْرًا وَقَلِيلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّاكِرُونَ) اے آل داؤد! تم بطور شکر یہ نعمت عمل کرو اور میرے بندوں میں سے شکر کر نیوالے تھوڑے ہیں۔ اگرچہ انبیاء علیہم السلام اللہ تعالیٰ کے انعامات و مواہبات پر شکر یہ ادا کرتے تھے لیکن اللہ تعالیٰ اُن سے یہ شکر یہ طلب نہ کرتا تھا۔ انہوں نے اپنی ذاتوں پر خود بخود ہی شکرانہ انعام بغیر امر الہی واجب کر لیا جیسا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بارگاہ الہی میں اس قدر کھڑے رہتے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں اقدام مبارک ورم کر جاتے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قیام اپنی اُمت کے اگلے پچھلے گناہوں کی معافی پر شکر یہ تھا۔ جب صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اقدام مبارک پر ورم دیکھے تو اپنے کپڑے پھاڑ دیئے اور عرض کیا کہ اے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم! آپ اس قدر تکلیف کیوں فرماتے ہیں؟ فرمایا، کیا میں اللہ تعالیٰ کا شکر گزار بندہ نہ ہوں؟ اور ایسے اللہ تعالیٰ نے نوح کے حق میں فرمایا (رَأَيْتَ كَانَتْ عَبْدًا شَاكِرًا) وہ شکر کر نیوالا بندہ تھا۔ پس اللہ کے بندوں میں سے شکر کر نیوالے قلیل ہیں۔

پہلی نعمت جو اللہ تعالیٰ نے داؤد کو بخشی، وہ یہ ہے کہ آپ کو وہ نام عطا فرمایا جس میں حروف اتصال میں سے کوئی حرف نہیں ہے۔ حروف منفصلہ ۶ ہیں، الف دال ذال رے زے واؤ، باقی حروف مُفَصَّلہ ہیں۔ حروف اتصال وہ ہے جو اپنے حرف مابعد سے ملتا ہو پس حروف اتصال اور انفصال کا اعتبار بہ نسبت حروف مابعد کے ہے لیکن بہ نسبت حروف ماقبل کے ہر حرف اتصال کو قبول کرتا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے داؤد کو ایسا نام عطا فرما کر جس میں کوئی حرف اتصال نہیں ہے، عالم سے بالکل علیحدہ کر دیا یعنی مجرد اسم سے بغیر کسی اور شے میں نظر کرنے کے، اللہ تعالیٰ نے ہم کو اُن کے مرتبہ کی خبر دی کہ وہ خلق سے جدا ہیں اور حق کے ساتھ واصل ہیں۔ آپ کے اسم میں وہ حروف منفصلہ دال و الف اور واؤ ہیں۔ ہر اسم کی اپنے مسمیٰ کے ساتھ مناسبت ہے اور اس رمز کو عارف باللہ ہی جانتا ہے۔ اور جناب محمد پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک حروف اتصال اور انفصال دونوں سے رکھا گیا۔ دال حرف انفصال ہے اور اس کے سوا حروف اتصال ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حروف اتصال کے ساتھ اپنی ذات پاک

سے متصل کیا اور حروف انفصال کیساتھ عالم سے آپ کو منفصل اور مجدا فرمایا۔ لہذا اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے نام پاک میں دونوں حالتوں خدا سے اتصال اور عالم سے انفصال کا جامع بنایا لیکن داؤد کو ان دونوں حالتوں کا جامع بطور معنی بنایا نہ کہ بطور ظاہر۔ مراد یہ ہے کہ داؤد علیہ السلام کا نام تو صرف اس امر پر اشارہ کرتا ہے کہ آپ عالم سے مجدا ہیں لیکن آپ کا عالم سے مجدا ہونا اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ آپ واصل باللہ ہیں۔ پس آپ کے نام میں صراحتاً دونوں حالتوں انفصال عن العالم و اتصال بالحق کی جامعیت نہیں پاتی جاتی بلکہ معنماً اور اشارتاً یہ جامعیت آپ کے نام میں پاتی جاتی ہے اور جناب محمد پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم مبارک میں یہ دونوں حالتوں کی جامعیت ظاہراً پاتی جاتی ہے۔ اور یہ مرتبہ یعنی اسم پاک میں دونوں حالتوں کی جامعیت جناب محمد پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اختصاص اور داؤد علیہ السلام پر آپ کی فضیلت کی وجہ سے ہے۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ امر تمام جہات سے کامل طور پر حاصل ہے۔ مراد یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو داؤد علیہ السلام پر فضیلت صرف آپ کے اسم مبارک میں مذکورہ بالا دونوں حالتوں کی جامعیت کی وجہ سے نہیں بلکہ ہر اعتبار سے آپ داؤد علیہ السلام سے افضل ہیں۔ ذات کے لحاظ سے، صفات کے لحاظ سے، اعمال کے لحاظ سے، کمالات کے لحاظ سے، معجزات کے لحاظ سے، نسب کے لحاظ سے، اخلاق کے لحاظ سے، حسن کے لحاظ سے، لطافت کے لحاظ سے، عاشقی کے لحاظ سے، معشوقی کے لحاظ سے، فقر کے لحاظ سے، غنا کے لحاظ سے، اقل قوت کے لحاظ سے، قوت کے لحاظ سے، قرب کے لحاظ سے، رعب کے لحاظ سے، سخاوت کے لحاظ سے، جہاد کے لحاظ سے، غرضیکہ ہر لحاظ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم داؤد علیہ السلام سے افضل ہیں۔ بلکہ اصل حقیقت یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم آسمان ولایت کے شمس ہیں اور حضرت غوث اعظم پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ آسمان ولایت کے قمر ہیں **يَقُولُ تَعَالَى (وَالشَّمْسُ وَضُحَاهَا وَالْقَمَرُ إِذَا تَلَّهَا) اور دوازده ائمة اطہار اہلبیت علیہم السلام آسمان ولایت کے بروج ہیں کہما قال اللہ تعالیٰ (وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَاءِ بُرُوجًا وَزَيَّنَّاهَا لِلنَّظِيرِينَ) اور مجید سابقہ انبیاء علیہم السلام آپ کے صحابہ ہونے کے باعث آسمان ولایت کے نجوم ہیں **يَقُولُ تَعَالَى (فَلَا أُقْسِمُ بِمَوْقِعِ النُّجُومِ)۔ اب شمس کی قمر کی اور بروج کی نجوم پر فضیلت ظاہر باہر ہے یعنی سرکارِ دو عالم حضور نبی پاک جناب محمد پاک صلی اللہ علیہ وسلم و میرے حضرت سلطان غوث الثقلین جناب شیخ سید عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ اور دوازده ائمة اطہار اہلبیت علیہم السلام کو سابقہ انبیاء علیہم السلام پر فضیلت حاصل ہے۔ اور****

ایسے ہی آپ کے نام پاک احمد صلی اللہ علیہ وسلم میں دونوں حالتوں کو جمع فرمایا۔ اس میں حروف اتصال
 حاء اور میم ہیں اور حروف انفصال الف اور وال ہیں۔ پس یہ اللہ تعالیٰ کی بڑی حکمت ہے۔
 ثُمَّ قَالَ اِنَّ يٰہاں سے اُن آیات کی تفسیر شروع ہوتی ہے جو حضرت داؤد علیہ السلام کے حق میں وارد
 ہوتی ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کے حق میں اُن نعمتوں کا ذکر فرمایا ہے جو آپ کو بطریق انعام
 عطا کی گئی ہیں۔ سب سے اول ترجیع الجبال ہے یعنی پہاڑ حضرت داؤد علیہ السلام کیسا تھل کر حق تعالیٰ
 کی تسبیح پکارتے تھے یعنی پہاڑ باواز بلند داؤد علیہ السلام کی مثل حق تعالیٰ کی تسبیح کرتے تھے تاکہ عمل جبال
 کا ثواب داؤد علیہ السلام کو ملے۔ جبال چونکہ ثواب کا استحقاق نہیں رکھتے اسلئے اُن کا ثواب داؤد علیہ السلام
 کی طرف عائد ہوگا۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہ داؤد علیہ السلام کو معجزہ عطا کیا ہوا تھا کہ پہاڑ آپ کی مثل حق تعالیٰ کی
 تسبیح باواز بلند پکارتے تھے اور حکمت الہیہ یہ تھی کہ اُن کی تسبیح کا ثواب بھی آپ کو پہنچے۔ اور ایسے ہی
 ترجیع الطیر ہے یعنی پرندے آپ کی مثل آپ کیسا تھل کر حق تعالیٰ کی تسبیح باواز بلند پکارتے تھے۔ یہ آپ کا
 دوسرا معجزہ ہے۔ اس کی حکمت بھی وہی ہے کہ پرندوں کی تسبیح کا ثواب بھی حضرت داؤد علیہ السلام
 کو ملے۔ اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو خاص قوت بخشی ہوئی تھی جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے خود کیا ہے۔ آپ
 کے دست مبارک میں لوہا نرم ہو جاتا تھا اور آپ ہاتھ سے لوہے کی زڑہ بناتے تھے۔ یہ آپ کا تیسرا
 معجزہ ہے۔ نیز حق تعالیٰ نے آپ کو حکمت اور معرفت عطا کی ہوئی تھی اور فصل الخطاب عطا کیا ہوا تھا۔
 یعنی حکمت اور وحی الہی سے آپ بندگان خدا میں فیصلے کرتے تھے۔ ان نعمتوں کا ذکر آیات ذیل
 میں کیا گیا ہے (وَلَقَدْ آتَيْنَا دَاوُدَ مِنَّا فَضْلًا ۖ يٰجِبَالُ اَدْبِيْ مَعَهُ وَالطَّيْرُ ۚ وَآلَنَّا لَهُ الْحَدِيْدَ ۚ اِنْ
 اَعْمَلَ سَبِيْغًا ۙ وَقَدِّرْ فِي السَّرْرِ ۚ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ۙ اِنِّيْۤ اَبۡهَتُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا ۚ وَاِذْ كُرَّعِبۡدَا دَاوُدَ
 ذَاۤلَ الْاٰیٰتِ ۚ اِنَّہٗ اَوَّابٌ ۚ اِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعۡہٗ یُسَبِّحُنَّ بِالْحَمْدِ ۚ وَالطَّيْرُ مَحْشُوْرًا
 كُلُّ لَہٗ اَوَّابٌ ۚ وَشَدَدْنَا مُلۡکَہٗ ۚ وَآتٰیۡنَہُ الْحِکْمَۃَ ۚ وَفَصَّلَ الْخِطَابِ ۚ) پھر سب سے بڑا احسان
 اور مرتبہ قرب جس کے ساتھ داؤد علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے خاص کیا، وہ آپ کی خلافت پر تنفیص
 ہے کیونکہ آپ کے ہمجنسوں میں سے کسی ایک کی خلافت پر بھی نص الہی وارد نہیں ہوئی، اگرچہ اُن میں خلفاء
 بھی تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا (یٰۤاِذَا دَاوُدُ اِنَّا جَعَلْنٰکَ خَلِیْفَۃً فِی الْاَمْرِ ۚ مِنْۢ مَا حُکِّمۡ بَیۡنَ النَّاسِ ۚ بِاَلْحَقِّ وَلَا
 تَتَّبِعِ الْهَوٰی) اے داؤد! ہم نے تجھ کو زمین میں نائب کیا پس لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ حکم کر

اور خواہش نفس کی پیروی نہ کر۔ **فِي الْأَرْضِ** سے ثابت ہوا کہ آپ سارے عالم کیلئے خلیفہ تھے یعنی دین کے بھی بادشاہ تھے اور دنیا کے بھی بادشاہ تھے۔ انبیاء سابقہ علیہم السلام میں سے کوئی بھی نبی ساری زمین پر خلیفہ نہیں ہوا۔ یہ شرف صرف داؤد علیہ السلام کو حاصل ہے۔ نیز **فِي الْأَرْضِ** سے یہ بھی ثابت ہوا کہ داؤد علیہ السلام کی حکومت صرف زمین پر ہے آسمان پر نہیں لیکن سرکارِ دو عالم جناب محمد پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی حکومت عرش سے لیکر فرش تک ہے **يَقُولُ تَعَالَى (وَسَخَّرَ لَكُم مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مِّنْهُ)** اور اے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم! جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے سارے کا سارا آپ کے ماتحت کر دیا گیا ہے۔ اب داؤد علیہ السلام کو حکم ہو رہا ہے کہ لوگوں میں فیصلے حق کیساتھ کریں اپنی خواہش کی پیروی نہ کریں۔ یعنی آپ کے فیصلے وحی الہی پر مبنی ہونے چاہیں نہ کہ نفسانی خطرات پر۔ **(فَيُضِلُّكَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ)** پس وہ خطرہ تجھ کو راہ خدا سے گمراہ کر دے گا۔ **سَبِيلِ اللَّهِ** سے مراد وہ رستہ ہے جس کی طرف ہیں اپنے رسولوں کو وحی کرتا ہوں۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے داؤد کے مرتبہ کا لحاظ کیا اور فرمایا **(إِنَّ الدِّينَ يَفِضُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ لَمَّا عَذَّبَ شِدَائِدًا لِّمَا نَسُوا يَوْمَ الْحِسَابِ)** جو لوگ راہ خدا سے گمراہ ہو جاتے ہیں اُن کے واسطے سخت عذاب ہے کیونکہ وہ حساب کا دن بھول گئے اور حق تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کیلئے یہ نہیں فرمایا کہ اگر تو میری راہ سے گمراہ ہو جائیگا تو تجھ کو سخت عذاب ہوگا۔ یہ آپ کے مرتبہ کا پاس ہے کہ نام تو لیا غیروں کا لیکن تعلیم آپ کو دی۔ اور اگر تو کہے کہ آدم علیہ السلام کی خلافت پر بھی اللہ تعالیٰ نے نصّ وارد کی ہے، تو ہم کہیں گے کہ حق تعالیٰ نے خلافت داؤد پر جو نصّ وارد کی ہے اُس کی مثل نصّ وارد نہیں کی۔ سوائے اس کے نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کو فرمایا **(إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً)** تحقیق میں زمین میں ایک نائب بنانے والا ہوں اور یہ نہیں فرمایا کہ تحقیق میں آدم کو زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں۔ یعنی نصّ واردہ میں آدم علیہ السلام کا نام نہیں لیا گیا اسلئے یہ ضروری نہیں کہ خلیفہ سے مراد آدم علیہ السلام ہی ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ آدم علیہ السلام کی اولاد میں سے کوئی فرد مراد ہو کیونکہ اسم غائب میں غیر کا احتمال بھی ہو سکتا ہے لیکن داؤد علیہ السلام کیلئے ضمیر خطاب وارد ہے جس میں غیر کے احتمال کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ نیز اگر اللہ تعالیٰ فرماتا بھی **(إِنِّي جَاعِلٌ آدَمَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ)** تو یہ قول اس قول کی مثل نہیں ہے جو داؤد کے حق میں فرمایا **(إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ)** کیونکہ یہ قول محقق ہے اور وہ اس کی مثل محقق نہیں ہے۔ قول اول سے یہ ثابت نہیں ہوا کہ

آدم اللہ تعالیٰ کا خلیفہ ہے، ہو سکتا ہے کہ وہ اُن پہلے لوگوں کا خلیفہ ہو جو آدم علیہ السلام سے قبل موجود تھے
 لیکن قول ثانی اس امر پر صریح دلالت کرتا ہے کہ داؤد علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اپنا خلیفہ بنایا۔ نیز
 جب اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کو ارشاد فرمایا (إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً) تو اُس کے بعد ملائکہ نے نزاع کیا۔ یہ
 نزاع میں آدم علیہ السلام کا ذکر اس امر پر دلالت نہیں کرتا کہ تحقیق آدم اُس خلیفہ کا عین ہے جس کا نَص میں ذکر
 کیا گیا ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ کا خلیفہ وہ ہو سکتا ہے جو متصرف فی الاشیاء ہو اور اشیاء کے حقائق و اسرار سے واقف
 ہو۔ آدم علیہ السلام کے لئے یہ کمال ثابت نہیں۔ وہ صرف اشیاء کے اَسْمَاء جانتے تھے لِقَوْلِهِ تَعَالَى (وَعَلَّمَ آدَمَ
 الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا)۔ اس آیت سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ مُسَمَّیات کے اسرار و حقائق سے بھی واقف تھے۔ حضرت داؤد علیہ السلام
 متصرف فی الاکوان تھے اور مُسَمَّیات کے اسرار سے واقف تھے۔ جبال و طیور اور حدید میں آپکا متصرف ہونا اس امر پر شاہد ہے۔
 اے طالب! جب اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے متعلق خبر دیوے تو اُن اخبارات الہیہ کے سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ یعنی
 آیات اور احادیث کے معارف اور معانی سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اور ایسے ہی ابراہیم خلیل کے حق میں جو یہ آیت ہو (إِنِّي جَاعِلُكَ
 خَلِيفَةً) کہ تحقیق میں تجھ کو لوگوں کے واسطے امام بنانے والا ہوں، میں بھی خلافت کی تصریح نہیں ہے کیونکہ
 اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ میں تجھ کو لوگوں کے واسطے خلیفہ بنانے والا ہوں۔ اگرچہ ہم جانتے ہیں کہ اس جگہ
 امامت سے مراد خلافت ہے لیکن امامت خلیل خلافت داؤد کی مثل نہیں ہے کیونکہ تحقیق اللہ تعالیٰ نے
 خلافت خلیل کو خلافت کے اَخْصَ اَسْمَاء کیساتھ ذکر نہیں کیا اور وہ اَخْصَ اِسْم خلافت ہے یعنی اللہ تعالیٰ
 نے امام فرمایا ہے خلیفہ نہیں فرمایا۔ اگرچہ امام لوگوں کا پیشوا ہوتا ہے لیکن لفظ امام سے یہ نہیں پایا جاتا کہ وہ
 امام اللہ تعالیٰ کا مظہر اتم بھی ہو۔ خلیفہ وہ ہوتا ہے جو مُتَخَلَّف کی صفات سے موصوف ہو لہذا اللہ کا خلیفہ وہ
 ہے جو صفات کاملہ الہیہ سے موصوف ہو اللہ تعالیٰ کا مظہر اتم ہونے کے باعث اللہ تعالیٰ کا نائب ہو۔ حضرت
 ابراہیم خلیل اللہ اگر خلیفۃ اللہ ہوتے تو آپ میں اَحْیَاءِ الْمَوْتِی کا کمال ضرور ہوتا لیکن وہ آپ کو حاصل نہ تھا
 لِقَوْلِهِ تَعَالَى (وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ اَرِنِیْ کَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتِی)۔ پھر داؤد کی خلافت کے اخصاص میں
 سے ایک بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُس کو خلیفہ حُکَم بنایا اور یہ خلافت حُکَم اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی
 ہو سکتی ہے لِقَوْلِهِ تَعَالَى (فَاَحْكُم بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ) لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ حُکَم کر۔ لوگوں میں
 حق فیصلہ وہ ہی کر سکتا ہے جو وحی الہی سے مُشْرِف ہو بلکہ اُس کا عِلْم عِلْم الہی ہو یعنی وہ صفات کاملہ الہیہ
 سے مُشْرِف ہو اور یہ خلیفہ الہی ہی کی شان ہے۔ اور ہو سکتا ہے کہ خلافت آدم اس مرتبہ کی حامل نہ ہو۔

آگے ثابت کیا گیا ہے کہ آدم علیہ السلام کو اشیاء کے اسماء پڑھاتے گئے تھے، مسمیات کے اسرار و حقائق سے آپ کو بہرہ نہ تھا کیونکہ اس امر پر کوئی نص وارد نہیں۔ پس ممکن ہے کہ آدم کی خلافت سے یہ مراد ہو کہ وہ اُن لوگوں کا خلیفہ ہیں جو آپ سے قبل زمین میں رہتے تھے، نہ یہ کہ وہ حکم الہی کیساتھ مشرف ہو کر اُس کی خلق میں اللہ کی طرف سے اُن میں نائب تھے۔ اور اگر واقعی خلافتِ آدم خلافتِ داؤد کی مثل ہے تو ہمارا کلام اس امر پر ہے کہ خلافتِ داؤد کی مثل خلافتِ آدم کی تفصیل و تصریح نہیں ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کیلئے زمین میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے خلیفہ ہیں اور وہ رسل ہیں لیکن آجکل خلافت جناب رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہے نہ کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کیونکہ وہ خلفاء وہی حکم کرتے ہیں جو خاتم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کے لئے مشروع ٹھہرایا ہے۔ وہ شرع شریف سے باہر نہیں جاسکتے لیکن اس جگہ ایک باریک راز ہے جس کو سوائے اُن عارفین باللہ کے جو ہماری مثل ہیں کوئی نہیں جانتا۔ یعنی اس راز کو صرف وہ کمل افراد جانتے ہیں جو مقام محمدی صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرف ہیں۔ وہ باریک راز اُس حکم کے اخذ کرنے کے متعلق ہے جس کے ساتھ وہ خلفاء حکم کرتے ہیں اور وہ حکم اُن احکام میں سے ہے جو جناب رسول پاک علیہ السلام کیلئے مشروع ہیں۔ پس جناب خاتم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے خلیفہ وہ شخص ہے جو قرآن مجید و حدیث شریف سے حکم اخذ کرتا ہے یا اُس اجتہاد سے حکم اخذ کرتا ہے جس کی اصل قرآن مجید و حدیث شریف ہے۔ اور ہم گرد و عارفین میں سے وہ شخص بھی ہے جو حکم مشروع کو اللہ تعالیٰ سے اخذ کرتا ہے۔ پس وہ شخص اُس حکم کے اخذ کرنے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے خلیفہ ہے لہذا اُس خلیفہ کیلئے اخذ حکم کا مادہ اور اصل معدن وہی جگہ ہے جو اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا مادہ تھا۔ پس وہ خلیفہ یعنی ولی ظاہر میں جناب رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا متبع ہے کیونکہ اُس کا حکم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم شرعی کے خلاف نہیں ہو سکتا، جیسا کہ جب عیسیٰ علیہ السلام نازل ہوں گے تو شریعت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق حکم کریں گے یعنی عیسیٰ علیہ السلام بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی ولی کی طرح شرع محمدی کے مطابق حکم جاری کریں گے۔ اور وہ خلیفہ حکم کرنے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی اس طرح کرتا ہے جس طرح نبی پاک جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم سابقہ انبیاء کی پیروی کرتے تھے يَقُولِهِ تَعَالَى (اُوَكِّنْتُكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فِيْهِمْ هُمْ اَقْتَدَوْا) یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت کی پس آپ اُن کی ہدایت کی پیروی کریں۔ مراد یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم

اخذ احکام تو براہ راست اللہ تعالیٰ سے کرتے تھے لیکن چونکہ بعض احکام سابقہ انبیاء علیہم السلام کے احکام کے مطابق تھے یا دوسرے الفاظ میں سابقہ انبیاء علیہم السلام کے بعض احکام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے بحال رکھے گئے، اسلئے ارشاد ہوا کہ آپ اُن کی ہدایت کی پیروی کریں۔ یہ نہیں ارشاد ہوا کہ آپ سابقہ انبیاء علیہم السلام کی پیروی کریں۔ اس میں تنقیضِ شان پائی جاتی ہے۔ ارشاد ہوا کہ آپ اُن کی ہدایت کی پیروی کریں کیونکہ اُن کی ہدایت منجانب الہی تھی اور اُن کے احکام حقیقتاً احکامِ الہیہ تھے۔ اور وہ خلیفہ جو اللہ تعالیٰ سے احکام اخذ کرتا ہے، اخذ احکام کی صورت میں مختص ہے اور ظاہر میں خاتم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کے موافق ہے۔ اُس خلیفہ کا حکم بمنزلہ اُس حکم کے ہے جس کو خاتم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم نے سابقہ رسل کے احکام شرعیہ میں سے بحال رکھا کیونکہ اُس نے خاتم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم مشروع کو بحال رکھا۔ پس وہ خلیفہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس اعتبار سے پیروی کرتا ہے کہ آپ کے حکم مشروع کو ثابت اور بحال رکھتا ہے نہ اس اعتبار سے کہ وہ حکم سابقہ رسل کی شرع میں مشروع تھا۔ مراد یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اُمتی ولی کو سابقہ رسل کی شرائع سے کچھ سروکار نہیں، وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت مطہرہ کو چمکاتا ہے اور اسی کا اتباع کرتا ہے۔ اور ایسا ہی اُس خلیفہ کا اللہ تعالیٰ سے حکم اخذ کرنا اُس حکم کا عین ہے جو خاتم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے اخذ کیا۔ پس بسانِ کشف کیساتھ اُس خلیفہ کے متعلق ہم کہیں گے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا خلیفہ ہے اور بسانِ ظاہر کیساتھ ہم کہیں گے کہ وہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلیفہ ہے۔ اور یہ ہی وجہ ہے کہ جب جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رحلت فرمائی تو آپ نے کسی شخص کیلئے اپنی طرف سے خلافت منصوص اور معین نہ کی کیونکہ آپ جانتے تھے کہ تحقیق آپ کی اُمت میں سے ایسا شخص ہوگا جو اپنے رب سے خلافت لیگا۔ پس وہ ولی اللہ تعالیٰ کی طرف سے خلیفہ ہوگا اور حکم مشروع میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے موافقت کرے گا۔ مراد یہ ہے کہ خلفائے اُمت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم جو مقام محمدی سے مُشرف ہیں احکام شرعی اللہ تعالیٰ سے حاصل کرتے ہیں اور وہ احکام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے عین مطابق ہیں۔ پس چونکہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس بات کو جانتے تھے اس لئے خلافت کو اپنی ذات پر حصر اور ختم نہ کیا اور نہ ہی امر خلافت کو اپنی اُمت کیلئے منع فرمایا کیوں کہ آپ کُل افراد کی استعداد سے واقف تھے۔ حاصلِ کلام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کیلئے خلق میں بہت خلیفے ہیں جو احکامِ الہیہ کو اُس معدن سے اخذ کرتے ہیں جہاں سے خاتم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم و سابقہ رسل

علیہم السلام ان احکام کو حاصل کرتے تھے۔ لیکن خاتم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفاء اخذ احکام میں خاتم
 الرسل صلی اللہ علیہ وسلم جو انبیاء اور اولیاء کے پیشوا ہیں، کی فضیلت کو اچھی طرح پہچانتے ہیں کہ تحقیق خاتم
 الرسل صلی اللہ علیہ وسلم ان احکام الہیہ میں زیادتی کے قابل ہیں اور یہ خلیفہ ان احکام میں زیادتی کے قابل
 نہیں۔ اگر خاتم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم اس خلیفہ کے زمانہ میں ہوتے تو زیادتی احکام کے قابل ہوتے لیکن
 اللہ تعالیٰ اس خلیفہ کو علم و حکم میں کوئی ایسی چیز عطا نہیں کرتا جو خاص طور پر جناب خاتم الرسل صلی اللہ
 علیہ وسلم کے لئے مشروع نہ ہو۔ پس خلیفہ ظاہر میں خاتم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کا متبع ہے مخالف نہیں
 ہے، اگرچہ وہ اخذ احکام براہ راست اللہ تعالیٰ سے کرتا ہے۔ اب سابقہ رسل علیہم السلام بھی اللہ تعالیٰ
 کے خلیفے ہیں اور خاتم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کی امت مبارکہ میں بھی اللہ تعالیٰ کے خلیفے ہیں۔ آج کل
 کے خلیفہ اور سابقہ رسل علیہم السلام میں فرق یہ ہے کہ خلیفہ پر جناب خاتم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام
 شریعت سے کوئی حکم زائد نازل نہیں ہوتا لیکن سابقہ رسل علیہم السلام کی شریعتیں بدلتی چلی آتی ہیں۔ کیا
 تو عیسیٰ علیہ السلام کا حال نہیں دیکھتا کہ جب یہود نے یہ خیال کیا کہ تحقیق عیسیٰ موسیٰ کے احکام میں زیادتی
 نہیں کریں گے، جیسا کہ ہم نے خلیفہ خاتم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کی خلافت کے متعلق ذکر کیا ہے کہ وہ شرع
 محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں کمی بیشی نہیں کر سکتا، تو یہود عیسیٰ کے ساتھ ایمان لائے اور اس کی نبوت کا اقرار
 کیا۔ لیکن جب عیسیٰ نے بحیثیت رسول ہونے کے موسیٰ کے بعض مقرر کردہ احکام میں رد و بدل کیا تو یہود
 اس امر کو برداشت نہ کر سکے کیونکہ تحقیق عیسیٰ نے ان کے اس اعتقاد کی مخالفت کی جو وہ عیسیٰ کے حق میں
 رکھتے تھے۔ ان کا اعتقاد تو عیسیٰ علیہ السلام کے حق میں یہ تھا کہ وہ شریعت موسوی میں رد و بدل نہیں کریں گے۔
 اور یہود امر رسالت کو نہ سمجھ سکے کیونکہ ہر رسول نئی کتاب اور نئی شریعت لایا ہے۔ جمیع رسل علیہم السلام
 کی تعداد تین سو تیرا ہے۔ بڑی کتابیں چار ہیں تو ریت، زبور، انجیل اور قرآن مجید۔ باقی رسل پر چھوٹی کتب
 نازل ہوئی ہیں، ہر اس کتاب کا نام صحیفہ ہے۔ اسی بنا پر یہود نے عیسیٰ کو قتل کرنا چاہا جیسا کہ ہم کو اللہ تعالیٰ
 نے اپنی کتاب بزرگ میں عیسیٰ کے قصہ میں، عیسیٰ اور ان یہود کی خبر دی ہے۔ چونکہ عیسیٰ رسول تھا اس لئے
 احکام موسوی میں کمی یا بیشی کرنے کے قابل تھا۔ بیشک کسی حکم میں کمی کرنا بھی ایک زائد حکم ہے۔ لیکن
 خلیفہ خاتم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ منصب نصیب نہیں یعنی وہ شرع محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں کمی یا
 بیشی نہیں کر سکتا۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب خلیفہ اس امر کا مجاز نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی

مقرر کردہ شرع شریف میں کمی بیشی کر سکے تو پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد شرع شریف میں کمی بیشی اور اختلاف کیوں پایا جاتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ آئمہ اربعہ رضی اللہ عنہم نے اپنے اجتہاد سے احکام شرع مقرر کئے ہیں اور ان کا اجتہاد کتابی احادیث پر مبنی تھا۔ چونکہ احادیث مندرجہ کتب میں بعض بعض مقامات پر اختلافات پایا جاتا ہے اسلئے ان کے اجتہادی احکام میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔ سب کا اجتہاد احادیث پر مبنی تھا اسلئے سب حق پر ہیں اور قابل تقلید ہیں۔ اب یہ اختلاف اجتہادی شرع میں ہے لیکن وہ شرع شریف جس کے ساتھ جناب محمد پاک صلی اللہ علیہ وسلم بالمشافہ خطاب کئے گئے تھے اُس میں کمی بیشی نہیں ہو سکتی۔ آئمہ اربعہ کا اجتہاد کشف پر مبنی نہیں بلکہ کتب پر مبنی ہے۔ خلیفہ وقت یعنی قطب ارشاد جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دائمی حضوری ہوتا ہے وہ حکم اجتہادی و حکم نفس الامری میں تمیز کرتا ہے۔ یہ ہی وجہ ہے کہ بعض اوقات قطب ارشاد سے وہ قول ظاہر ہوتا ہے جو بظاہر حکم میں کسی حدیث شریف کے خلاف معلوم ہوتا ہے اور یہ خیال کیا جاتا ہے کہ تحقیق وہ قول اجتہاد سے ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ اور سوائے اس کے نہیں کہ قطب ارشاد امام وقت ہے اُس کے نزدیک ازراہ کشف وہ حدیث شریف حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں۔ اگر وہ حدیث شریف حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہوتی تو البتہ وہ اُسی کے مطابق حکم کرتا۔ اور یہ حکم کسی حدیث ضعیف کے متعلق نہیں بلکہ احادیث صحاح کیمتعلق ہے جن میں راوی عادل اور ثقہ ہیں۔ مراد یہ ہے کہ اقطاب عارفین کے نزدیک بعض احادیث جو صحاح میں شمار کی جاتی ہیں ہرگز ہرگز جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہی نہیں اور بعض احادیث جو ضعیف شمار ہونے کے باعث عالم میں متردک العمل ہیں سو فیصدی صحیح ہیں اور جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں۔ علمائے ظواہر کے نزدیک حدیث صحیح کا معیار یہ ہے کہ اُس حدیث میں راویان عادل اور ثقہ ہوں حالانکہ عادل راوی نہ حکم دہم سے معصوم ہو سکتا ہے اور نہ ہی نقل علی المعنی سے معصوم ہو سکتا ہے۔ مراد یہ ہے کہ راوی خواہ عادل ہو کسی حدیث شریف کے معانی سمجھنے میں اپنے وہم کے تصرف میں ضرور بالضرور ہوتا ہے یعنی جب ایک راوی دوسرے راوی سے ایک حدیث شریف سُنتا ہے تو وہ اُس کے معانی اپنے ادراک کے مطابق سمجھتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ حدیث شریف کا اصل مفہوم اُس نے نہ سمجھا ہو۔ پھر جب وہ راوی اُس حدیث شریف کو آگے نقل کرتا ہے تو ہو سکتا ہے کہ وہ راوی عادل حدیث شریف کا اصل معنی نقل کرنے میں گم کر دے۔ پس اس سے ثابت ہوا کہ احادیث صحاح کا صحیح معیار کشف ہے۔ لہذا قطب

ارشاد کا کوئی حکم شرع محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف نہیں ہو سکتا، البتہ شرع اجتہادی کے خلاف ہو سکتا ہے کیونکہ اُس کا ہر حکم کشف پر مبنی ہے یعنی وہ ہر حدیث شریف کی صحت براہ راست حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کرتا ہے۔ پیشتر جو یہ مذکور ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے خلاف اور جملہ رسل علیہم السلام مع خاتم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے اخذ احکام کا معدن ایک ہے، سے مراد یہ ہے کہ جملہ خلافت اور رسل حضور جناب خاتم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم سے احکام حاصل کرتے ہیں۔ پس خاتم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ یعنی قطب ارشاد سے اس قسم کا قول شرع اجتہادی کے خلاف واقع ہو سکتا ہے۔ اور ایسا ہی عیسیٰ علیہ السلام سے واقع ہو گا یعنی جب عیسیٰ نازل ہو گا تو بہت سے وہ احکام جو شرع اجتہادی سے قرار پائے تھے، اٹھا دے گا اور احکام اجتہادی کے اٹھانے سے شرع حقیقی جس پر جناب خاتم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم تھے، ظاہر ہو جائیگی۔ مراد یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نازل ہونے کے بعد آئمہ اربعہ رضی اللہ عنہم کے شرع اجتہادی میں اختلافات سب ہٹ جائیں گے۔ جب ایک ہی حکم خاص میں آئمہ اربعہ رضی اللہ عنہم کے احکام اجتہادی آپس میں متعارض ہوں تو ہم اسیات کو یقین کیساتھ جانتے ہیں کہ اگر اُس حکم خاص کے متعلق وحی نازل ہوتی تو کسی ایک ہی وجہ کے ساتھ نازل ہوتی یعنی آئمہ کی مختلف وجوہ میں سے ایک ہی وجہ حقیقتاً شرع حقیقی کے مطابق ہے اور وہ ہی حکم حکم الہی ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب احکام اجتہادی میں اختلاف ہے تو اللہ تعالیٰ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے باوجود قادر ہونے کے اُس حکم مخصوص مخصوص کے سوا باقی اجتہادی احکام کو اس اُمت مبارکہ کیلئے کیوں بحال رکھا ہے۔ اُس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ اُن اجتہادی احکام کو اسلئے بحال رکھا گیا ہے کہ اس اُمت سے حرج رفع ہو اور اس اُمت مبارکہ کیلئے اُس حکم خاص میں وسعت ہو۔ یعنی اگر ساری اُمت کو ایک حکم خاص میں ایک ہی وجہ کی قید لگا دی جاتے تو بعض طبیعتوں کو گھبراہٹ پیدا ہوگی۔ ایک حکم خاص میں مختلف وجوہ کی وسعت میں یہ حکمت ہے کہ جس وجہ اجتہادی کو کوئی شخص پسند کرے اسی پر چل کر پورا ثواب حاصل کرے۔

اور لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول مبارک اِذَا بُوِيعَ بِخَلِيفَتَيْنِ فَاَقْتُلُوا الْاٰخِرَ مِنْهُمَا جَبَدُوْ خَلِيفَتَيْنِ كَيْسَا تَهْ بَيْعَتِ كِي جَادے تو اُن دونوں میں سے خلیفہ آخر کو قتل کر دو، خلافت ظاہری یعنی بادشاہت کے متعلق ہے۔ ایسی صورت میں تلوار اٹھانا ضروری ہے۔ اگر وہ دونوں بادشاہ متفق بھی ہوں تو بھی اُن دونوں میں سے ایک کا قتل کرنا ضروری امر ہے۔ اور یہ امر خلافت معنوی کے خلاف ہے کیوں کہ اُس میں قتل

قتل وغیرہ کی کوئی گنجائش ہی نہیں۔ قطب ارشاد جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خلیفہ ہے ہر زمانہ میں واحد ہوتا ہے اور دیگر جملہ اولیاء اللہ جو تلقین و ارشاد کے منصب پر مامور ہوتے ہیں اُس کے ماتحت ہوتے ہیں۔ اسی طرح قطب ابدال جس کے سپرد عالم کا انتظام ہے بھی ہر زمانہ میں واحد ہوتا ہے اور جملہ اولیائے مستور اُس کے ماتحت کام کرتے ہیں لیکن اس جگہ خلیفہ معنوی سے مراد قطب ارشاد ہے کیونکہ دینی احکام کا اخذ کرنا اُسی کے متعلق ہے۔ اور بعض اوقات یہ دونوں منصب ایک ہی شخص کے سپرد کر دیئے جاتے ہیں۔ وَرَأْسُ الْخَلْفَةِ اور خلافت ظاہری یعنی بادشاہت میں خلیفہ اَوَّل کی خاطر خلیفہ اُجَر کا قتل کرنا لازمی ہے اگرچہ خلیفہ اَوَّل کا یہ مقام نہ ہو یعنی اگرچہ اُس میں اللہ تعالیٰ سے احکام اخذ کرنے کی اہلیت نہ ہو۔ نیز اگر وہ بادشاہ عادل ہو تو واقعی وہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلیفہ ہے۔ دو بادشاہوں میں سے ایک کو قتل کرنا اس لئے ضروری ہے کہ ایک ملک میں بیک وقت دو بادشاہوں کا وجود عالم میں دو معبودوں کے وجود کا تخیل پیدا کرتا ہے یعنی کوئی جاہل شخص دلیل پیش کر سکتا ہے کہ اگر ملک میں دو بادشاہ ہو سکتے ہیں تو عالم میں دو معبود بھی ہو سکتے ہیں حالانکہ (لَوْ كَانَتْ فِتْنَةً اِلَهَةً اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا) اگر آسمان اور زمین کے درمیان سوائے اللہ تعالیٰ کے کئی معبود ہوتے تو البتہ آسمان اور زمین دونوں بگڑ جاتے۔ مراد یہ ہے کہ تَعَدُّدِ اِلٰہ کا وجود توحید باری تعالیٰ کے خلاف ہے۔ مثال کے طور پر اگر دو معبود ہوں اور دونوں متفق ہوں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک کا حکم دوسرے میں جاری ہے کیونکہ کسی امر میں پہلا دوسرے سے متفق ہے اور کسی امر میں دوسرا پہلے سے متفق ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ جو کسی کے حکم کی اطاعت کرے وہ اِلٰہ نہیں ہو سکتا۔ پس وہ دونوں معبود نہیں ہیں۔ اور ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ اگر بالفرض اُن دو معبودوں کا آپس میں اختلاف ہو تو اُن دونوں میں سے ایک ہی کا حکم عالم میں جاری ہوگا۔ پس جس معبود کا حکم جاری ہے حقیقت میں اِلٰہ وہی ہے اور جس کا حکم جاری نہیں ہے وہ اِلٰہ نہیں ہے۔ لہذا ثابت ہوا کہ آسمانوں و زمینوں میں ایک ہی اِلٰہ ہے اور وہ اللہ تعالیٰ ہے اور عالم میں اُسی کا حکم جاری ہے۔

مذکورہ بالا بیان سے ہم جانتے ہیں کہ تحقیق ہر حکم ہر آن میں جو عالم میں جاری ہے تحقیق وہ حکم اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اگرچہ وہ حکم اُس حکم کے مخالف ہے جو ظاہر میں مقرر ہے اور جس کا نام شرع ہے کیونکہ حقیقت میں حکم نافذ کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے۔ ہر امر جو عالم میں واقع ہوتا ہے سوائے اس کے نہیں کہ وہ مَشِیَّتِ اَلْہیہ کے حکم پر ہوتا ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ وہ حکم شرع مقررہ کے حکم کے مطابق ہو اگرچہ قرار داد شرع بھی مَشِیَّتِ اَلْہی سے مقرر ہے۔ مراد یہ ہے کہ بندوں کیلئے اللہ تعالیٰ نے قوانین شرع تو یکساں مقرر کئے ہیں لیکن اُن پر عمل کی

توفیق بعض کو بخشی گئی ہے اور بعض کو نہیں۔ حاصل کلام یہ ہے کہ قوانین شرع بھی اللہ تعالیٰ نے مقرر کئے ہیں اور بندوں کے اعمال بھی اللہ تعالیٰ نے مقرر کئے ہیں۔ پس شرع کا محض تقرر نافذ ہوا ہے کیونکہ مشیت کا شرع میں صرف قرار داد شرع کیساتھ تعلق ہے نہ کہ عمل کیساتھ جس کو شرع ساتھ لائی ہے۔ پس مشیت الہی ایک عظیم سلطنت ہے اور اسی لئے عارف کامل ابو طالب مکی نے مشیت کو ذات الہی کا عرش گردانا ہے کیونکہ مشیت بہ سبب اپنی ذات کے حکم کا تقاضا کرتی ہے۔ یعنی جیسا کہ اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی ہو کر عالم میں احکام جاری کرنا ہے، ایسے ہی اللہ تعالیٰ مشیت کے تقاضا سے عالم میں احکام جاری کرتا ہے بِقَوْلِهِ تَعَالَى (فَإِذَا قَضَىٰ أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ)۔ حقیقتاً کی مشیت اُس کے علم کے تحت ہے اور اُس کا علم معلوم کے تحت ہے اور اُسے طالب! معلوم تو ہے یعنی تیرا عین ثابتہ ہے۔ لہذا عالم میں کوئی شے بغیر مشیت الہی کے نہ موجود ہوتی ہے نہ معدوم ہوتی ہے۔ جس وقت امر الہی کی مخالفت اسبگہ ساتھ اُس فعل کے کی جائے جس کا نام معصیت رکھا جاتا ہے، تو وہ امر بالواسطہ ہے امر تکوینی نہیں ہے۔ امر بالواسطہ وہ امر ہے جو انبیاء کرام کے واسطہ سے انکی امتوں کیسے نافذ کیا گیا ہے۔ اُس کا دوسرا نام قرار داد شرع یا قوانین شرع ہے۔ امر تکوینی وہ امر ہے جو اشیاء کی ایجاد کے متعلق نافذ کیا گیا ہے اور اعمال کا تعلق اس امر تکوینی کیساتھ ہے۔ امر تشریعی امر بالواسطہ ہے اور امر تکوینی امر بے واسطہ ہے۔ امر تکوینی یا امر مشیت بے واسطہ کے اعتبار سے جو کچھ حقیقتاً کرتا ہے، ہرگز کسی شخص نے اُس امر کی مخالفت نہ کی۔ یعنی جو اعمال اللہ تعالیٰ نے کسی بندہ پر اُس کے عین ثابتہ کے مطابق مقدر کر دیئے ہیں اُن کا ظہور ضرور ہو کر رہتا ہے۔ بندہ کو مقدر نہیں کہ اُن مقدرہ افعال سے سر پھیر سکے۔ پس مخالفت امر واسطہ یعنی امر تشریعی میں واقع ہوتی ہے۔ اے طالب! اس نکتہ کو سمجھ لے۔ اور حقیقت میں امر مشیت یعنی امر تکوینی صرف عین فعل کی ایجاد کی طرف متوجہ ہوتا ہے نہ اُس شخص کی طرف جس کے دونوں ہاتھوں پر وہ فعل ظاہر ہوتا ہے، پس محال ہے کہ وہ فعل موجود نہ ہو۔ مراد یہ ہے کہ جو فعل کسی کے عین ثابتہ میں مقدر ہے وہ ہو کر رہے گا خواہ وہ شخص عام ہو یا دلی ہو۔ یہ ہی وجہ ہے کہ خطایا اولیاء سے بھی سرزد ہو جاتی ہیں۔ لیکن ہر فعل محل خاص میں وقوع پاتا ہے یعنی ہر فعل جو اللہ تعالیٰ نے کسی کے عین ثابتہ میں مقدر کیا ہے اُس میں خاص حکمت ہے۔ کسی وقت اُس فعل کا نام امر الہی کی مخالفت یعنی معصیت رکھا جاتا ہے اور کسی وقت اُس فعل کا نام امر الہی کی اطاعت اور موافقت رکھا جاتا ہے۔ اور سان تعریف و مذمت اُس فعل کے تابع ہوتی ہے یعنی جیسا فعل ویسا ذکر۔ اگر فعل امر تشریعی کے مطابق ہے تو

اُس کی تعریف ہوگی اور اگر فعل امر تشریعی کے خلاف ہے تو اُس کی مذمت ہوگی۔ اور جب حقیقت میں اعمال کا تعلق ساتھ مشیت الہی کے ہے جیسا کہ ہم نے ثابت کیا، تو اسوجہ سے خلق کا انجام آخرت میں سعادت کی طرف ہے۔ یہ اور بات ہے کہ ہر کسی کی سعادت مختلف نوع کی ہے۔ خلق میں کفر و اسلام کی کوئی تمیز نہیں مراد یہ ہے کہ مومن کی سعادت جنت میں ہے اور کافر کی سعادت دوزخ میں ہے۔ یعنی مومن کا کمال اور راحت جنت میں ہے اور کافر کا کمال اور راحت دوزخ میں ہے۔ ہر ابھرا پودا باغ میں پھلتا اور پھولتا ہے اور خشک لکڑی آگ میں ہنستی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اسی مقام سعادت کی تعبیر اس طرح سے کی ہے کہ تحقیق رحمت ہر شے پر وسیع ہے اور تحقیق رحمت الہی غضب الہی پر سبقت لے گئی ہے۔ مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آخرت میں ہر انسان کے ساتھ خواہ وہ کافر ہے خواہ وہ مومن ہے اپنی رحمت کیساتھ معاملہ کرے گا۔ سابق یعنی رحمت متقدم ہے۔ جبوقت کسی بندے کو عذاب لاحق ہو چکا حکم حاکم متاخر یعنی غضب نے جاری کیا ہو، اسوقت حاکم مُقدم یعنی رحمت اپنا حکم جاری کرتا ہے۔ لہذا اُس بندے کو رحمت پہنچتی ہے کیونکہ سوائے رحمت کے کوئی دوسری شے نہیں جو غضب پر سبقت کرے۔ پس سَبَقَتْ رَحْمَتُهُ غَضَبَهُ کے یہی معنی ہیں۔ اور یہ اسلئے ہے کہ رحمت اُس بندہ پر جو رحمت کی طرف واصل ہوا ہے اپنا حکم کرے۔ نیز رحمت ہر انسان کیلئے نہایت میں وقف ہے۔ ہر سالک اپنی نہایت کی طرف پل رہا ہے لہذا ضروری ہے کہ وہ نہایت مرتبہ کیساتھ واصل ہو۔ نہایت مرتبہ چونکہ رحمت ہے لہذا ضروری ہے کہ ہر بندہ رحمت الہی سے واصل ہو اور غضب الہی سے جدا ہو۔ پس ہر واصل پر رحمت کا حکم جاری ہے اگرچہ وہ رحمت واصل کے حال کے مطابق عطا کی جاتی ہے۔ مومن جنت سے واصل ہو جاتا ہے اور کافر دوزخ کیساتھ واصل ہو جاتا ہے۔ مومن کو رحمت جنت میں اور کافر کو رحمت دوزخ میں نصیب ہو جاتی ہے۔ شعر

(۱) پس جو شخص اہل فہم یعنی عارف باللہ ہے وہ اُس چیز کا مشاہدہ کرتا ہے جس کو ہم نے بیان کیا۔ مراد یہ ہے کہ عارف باللہ اس امر کا مشاہدہ کرتا ہے کہ خلق کا انجام آخرت میں سعادت کی طرف ہے۔ اور اگر اُس عارف کو اس راز کی سمجھ نہیں تو اُس راز کو وہ ہم سے حاصل کرے۔

(۲) پس آخرت میں وہ ہی چیز ہے جس کا ہم نے ذکر کیا ہے اسلئے تو اُس پر اعتماد کر اور اُس میں تو ہماری طرح صاحب حال بن جا۔ یعنی اس راز کو تو اچھی طرح سمجھ لے اور قال سے حال تک ترقی کر جا۔ مراد یہ ہے کہ اس معاملہ کو آنکھ سے مشاہدہ کرے۔

(۱۳) اور جو کچھ ہم نے آپ لوگوں کے لئے بیان کیا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہم پر مکشوف ہوا ہے۔ اور تمہاری طرف ہم سے وہ چیز پہنچی ہے جو ہم نے تم کو اپنی ذات سے بخشی ہے۔ یعنی جو کچھ ہم اللہ تعالیٰ سے لیتے ہیں وہ ہی آگے خلقت کو پہنچا رہے ہیں۔

اور لیکن داؤد علیہ السلام کا لوہا نرم کرنا بِقَوْلِهِ تَعَالَى (وَإِنَّا لَهُ الْحَدِيدُ) سخت دلوں کے نرم کرنے کی طرف اشارہ ہے۔ زہر اور دغید عذاب دلوں کو اس طرح نرم کرتا ہے جس طرح آگ لوہے کو نرم کرتی ہے۔ سوائے اس کے نہیں کہ قلوب نہایت سخت ہیں۔ قساوت کے اعتبار سے وہ پتھروں سے بھی زیادہ سخت ہیں کیونکہ آگ پتھروں کو توڑ ڈالتی ہے اور چونا کر دیتی ہے اور لیکن اُن کو نرم نہیں کر سکتی۔ اور داؤد علیہ السلام کے لئے اللہ تعالیٰ نے لوہا صرف اس لئے نرم کیا کہ آپ اُس سے زرہیں بنائیں جو دشمن سے نگاہ رکھتی ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے داؤد علیہ السلام کو تنبیہ تھی کہ اللہ تعالیٰ ہر شے کی حفاظت اُس شے کی ذات ہی کے ساتھ کرتا ہے کیونکہ زرہ اس لئے ہے کہ تو اُس کے ساتھ اپنے آپ کو نیزہ و تلوار دھچھری اور بھال سے بچاتا ہے گویا تو نے لوہے کو لوہے کیساتھ بچایا۔ اسی کے مطابق جناب محمد پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اَللّٰهُمَّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْكَ اِلٰہی میں تیرے ساتھ تجھی سے پناہ مانگتا ہوں۔ پس اے طالب! اس راز کو پالے کہ تیرا حافظ حقیقی ہر اور تیرے عین ہے۔ تو اُس کا غیر نہیں۔ پس حقیقی اپنی آپ حفاظت کرتا ہے اور اپنے آپ سے استفادہ کرتا ہے۔ مرتبہ بطون میں اُس کا نام رب ہے اور مرتبہ ظہور میں اُس کا نام عہد ہے۔ پس عبد اپنی حقیقت کی طرف متوجہ ہو کر دعا کرتا ہے کہ اے رب! میری حفاظت کر اور میرا یہ وجود اور تعین تیرے ساتھ ہے۔ تیرے بغیر میرا وجود ہو ہی نہیں سکتا جیسا کہ حروف و الفاظ کا وجود بغیر سیاہی کے ہو ہی نہیں سکتا۔ پس یہ راز تینین الحدید کی روح ہے کیونکہ اگرچہ حقیقی مُنْتَقِم بھی ہے لیکن وہ رحیم بھی ہے یعنی اُس کی رحمت اُس کے غضب پر سبقت لیگئی ہے۔ مراد یہ ہے کہ ہم کو ہر وقت اُس کی رحمت سے اُمید دار رہنا چاہیے اور جب کہ عبد کا وجود اُسی کیساتھ ہے تو اس میں کوئی شک کی گنجائش ہی نہیں کہ خلق کا انجام آخرت میں سعادت کی طرف ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ہی ان امراء کے فہم کی توفیق بخشے والا ہے اور طالبانِ خدا کی خود ہی مدد کرنے والا ہے۔

فِصْحٌ حِكْمَةٍ نَفْسِيَّةٍ فِي كَلِمَةِ يُؤْنِسِيَّةٍ

اعْلَمْنَ أَنَّهُ هَذِهِ النَّشَاطَةُ الْإِنْسَانِيَّةُ بِكَمَالِهَا رُوحًا وَجِسْمًا وَنَفْسًا خَلَقَهَا اللَّهُ تَعَالَى عَلَى صُورَتِهِ فَلَا

يَتَوَلَّى حَلَّ نِظَامِهَا إِلَّا مَنْ خَلَقَهَا إِمَّا بِيَدِهِ وَ لَيْسَ إِلَّا ذَلِكَ أَوْ بِأَمْرِهِ وَمَنْ تَوَلَّى هَذَا بَغْيٌ أَمْرُ اللَّهِ فَقَدْ
ظَلَمَ نَفْسَهُ وَتَعَدَّى حُدُودَ اللَّهِ فِيهَا وَسَعَى فِي خَرَابٍ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِعِبَادَتِهِ وَاعْلَمْ أَنَّ الشَّقَقَةَ عَلَى
عِبَادِ اللَّهِ أَحَقُّ بِالرَّعَايَةِ مِنَ الْغَيْرَةِ فِي اللَّهِ أَسْرَادَ دَاوُدَ بُنْيَانِ بَيْتِ الْبُقَدَّسِ قَبْلَكَ مِرَارًا فَكُنَّا
فَرَعَمَ مِنْهُ تَهْدَمَ فَشَكَى ذَلِكَ إِلَى اللَّهِ فَأَوْحَى اللَّهُ إِلَيْهِ أَنَّ بَيْتِي هَذَا لَا يَقُومُ عَلَى يَدَيَّ مَنْ سَفَكَ
الدِّمَاءَ فَقَالَ دَاوُدُ يَا رَبِّ أَلَمْ يَكُنْ ذَلِكَ فِي سَبِيلِكَ قَالَ بَلَى وَلَكِنَّهُمْ أَلْيَسُوا عِبَادِي فَقَالَ يَا
رَبِّ فَاجْعَلْ بُنْيَانَهُ عَلَى يَدَيَّ مَنْ هُوَ مِنِّي فَأَوْحَى اللَّهُ إِلَيْهِ أَنَّ ابْنَكَ سُلَيْمَانُ بِبَيْتِهِ فَالْغَرَضُ
مِنْ هَذِهِ الْحِكَايَةِ مُرَاعَاتُ هَذِهِ النِّشَاطَةِ الْإِنْسَانِيَّةِ وَأَنَّ إِقَامَتَهَا أَوَّلَى مِنْ هَدْمِهَا أَلَا تَرَى
أَنَّ عَدُوَّ الدِّينِ قَدْ فَرَضَ اللَّهُ فِي حَقِّهِمُ الْجَزَاةَ وَالصُّلَحَ إِبْقَاءَ عَلَيْهِمْ وَقَالَ (وَإِنْ جَنَحُوا
لِلسَّلَامِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ) أَلَا تَرَى أَنَّ مَنْ وَجِبَ عَلَيْهِ الْقِصَاصُ كَيْفَ شَرَعَ يُولَى
الدِّمَّ أَخَذَ الْقُدِيَّةَ أَوْ الْعَفْوَةَ فَإِنْ أَبَى فَحِينَئِذٍ يُقْتَلُ أَلَا تَرَاهُ سُبْحَانَهُ إِذَا كَانَ أَوْلِيَاءَ الدِّمِّ
جَمَاعَةً فَرَضَ وَاحِدٌ بِالرِّدِّيَّةِ أَوْ عَفَا وَبَاقِي الْأَوْلِيَاءِ لَا يُرِيدُونَ إِلَّا الْقَتْلَ كَيْفَ يُرَاعَى مَنْ
عَفَا وَ يُرَجِّحُ عَلَى مَنْ لَمْ يَعْفَ فَلَا يُقْتَلُ قِصَاصًا أَلَا تَرَاهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَقُولُ فِي صَاحِبِ النَّسْعَةِ
إِنْ قَتَلَهُ كَانَ مِثْلَهُ أَلَا تَرَاهُ تَعَالَى يَقُولُ (وَجَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِثْلُهَا) نَجْعَلُ الْقِصَاصَ سَيِّئَةً
أَيُّ يَسُوءُ ذَلِكَ الْفِعْلُ مَعَ كَوْنِهِ مَشْرُوعًا (فَمَنْ عَفَى وَأَصْلَحَ فَأَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ) لِأَنَّهُ عَلَى صُورَتِهِ فَمَنْ
عَفَى عَنْهُ وَلَمْ يَقْتُلْهُ فَأَجْرُهُ عَلَى مَنْ هُوَ عَلَى صُورَتِهِ لِأَنَّهُ أَحَقُّ بِهِ إِذَا انْشَأَ لَهُ وَمَا ظَهَرَ بِالْإِسْمِ
الظَّاهِرِ لَا بِوُجُودِهِ فَمَنْ رَاعَاهُ نَاسًا يُرَاعَى الْحَقُّ وَمَا يُدَمُّ الْإِنْسَانُ يَعِينُهُ وَإِنْهَا يُدَمُّ الْفِعْلُ
مِنْهُ وَفِعْلُهُ لَيْسَ عَيْنُهُ وَكَلَامُنَا فِي عَيْنِهِ وَلَا فِعْلُ إِلَّا لِلَّهِ وَمَعَ هَذَا دُمُّ مِنْهَا مَا دُمَّ وَحِيدَ
مِنْهَا مَا حِيدَ وَبِإِسْنِ الدِّمِّ عَلَى جِلَّةِ الْغَرَمِ مَذْمُومٌ عِنْدَ اللَّهِ فَلَا مَذْمُومٌ إِلَّا مَا ذَمَّهُ الشَّرْعُ
فَإِنَّ دَمَ الشَّرْعِ بِحِكْمَةٍ يَعْلَمُهَا اللَّهُ أَوْ مَنْ أَعْلَمَهُ اللَّهُ كَمَا شَرَعَ الْقِصَاصَ لِلْمَصْلَحَةِ إِبْقَاءَ
بِهَذَا الشُّرْعِ وَإِذَا مَا لَمْ تَعْدِي حُدُودَ اللَّهِ فِيهِ (وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَوةٌ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ)
وَهُمْ أَهْلُ لُبِّ الشَّيْءِ الَّذِينَ عَثَرُوا عَلَى أَسْرَائِرِ الشَّوَامِيْسِ الْإِلَهِيَّةِ وَالْحِكْمِيَّةِ وَإِذَا عَلِمْتَ
أَنَّ اللَّهَ رَاعَى هَذِهِ النِّشَاطَةَ وَإِقَامَتَهَا فَانْتَ أَوَّلَى بِمُرَاعَاتِهَا إِذْ لَكَ بِذَلِكَ السَّعَادَةُ فَإِنَّهُ
مَا دَامَ الْإِنْسَانُ حَيًّا يُرْجَى لَهُ تَحْصِيلُ صِفَةِ الْكَمَالِ الَّذِي خُلِقَ لَهُ وَمَنْ سَعَى فِي هَدْمِهِ فَقَدْ

سَعَى فِي مَنَعِ وَصَوْلِهِ يَبْأَخْلِقَ لَهُ وَ مَا أَحْسَنَ مَا قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَّا أَنْبِئُكُمْ
بِمَا هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَأَفْضَلُ مِنْ أَنْ تَلْقَوْا عَذَابَكُمْ فَتَقْرَبُوا قَابِلَهُمْ وَيَضْرِبُوا بِكُمْ قَالُوا
نَعَمْ قَالَ هُوَ ذِكْرُ اللَّهِ وَ ذَلِكَ لِأَنَّهُ لَا يَعْلَمُ قَدْرَ هَذِهِ الشَّيْءِ إِلَّا نَسَائِيَّةٌ إِلَّا مَنْ ذَكَرَ اللَّهُ الذِّكْرَ
الْمَطْلُوبَ مِنْهُ فَإِنَّهُ تَعَالَى جَلِيسٌ مَنْ ذَكَرَهُ وَالْجَلِيسُ مَشْهُودٌ لِلذِّكْرِ وَ مَتَى لَمْ يُشَاهِدِ الذَّاكِرُ
الْحَقَّ الَّذِي هُوَ جَلِيسُهُ فَلَيْسَ بِذَاكِرٍ فَإِنَّ ذِكْرَ اللَّهِ سَائِرٌ فِي جَمِيعِ أَجْزَاءِ الْعَبْدِ لَا مَنْ ذَكَرَهُ
بِلِسَانِهِ خَاصَّةً فَإِنَّ الْحَقَّ لَا يَكُونُ فِي ذَلِكَ الْوَقْتُ إِلَّا الْجَلِيسُ اللِّسَانِ خَاصَّةً فَيَرَاهُ اللِّسَانُ
مِنْ حَيْثُ لَا يَرَاهُ الْإِنْسَانُ بِمَا هُوَ رَأَى بِهِ وَ هُوَ الْبَصَرُ فَافْهَمْ هَذَا السِّرَّ فِي ذِكْرِ الْغَافِلِينَ
فَالذَّاكِرُ مِنَ الْغَافِلِ حَاضِرٌ بِلَا شَكٍّ وَ الْمَذْكُورُ جَلِيسُهُ فَهُوَ يُشَاهِدُهُ وَ الْغَافِلُ مِنْ حَيْثُ
عَقْلِيَّتُهُ لَيْسَ بِذَاكِرٍ فَمَا هُوَ جَلِيسُ الْغَافِلِ فَإِنَّ الْإِنْسَانَ كَثِيرٌ مَا هُوَ أَحَدِي الْعَيْنِ وَالْحَقُّ
أَحَدِي الْعَيْنِ كَثِيرٌ بِأَلْسِنَةٍ إِلَّا لِلهِيَّةِ كَمَا أَنَّ الْإِنْسَانَ كَثِيرٌ بِأَجْزَاءٍ وَ مَا يَلْزَمُ مِنْ ذِكْرِ
جُزْءٍ مَا ذَكَرَ جُزْءٍ آخَرَ فَالْحَقُّ جَلِيسُ الْجُزْءِ الذَّاكِرُ مِنْهُ وَ الْآخِرُ مُتَّصِفٌ بِالْعَقْلَةِ عَنِ
الذَّاكِرِ وَلَا بُدَّ أَنْ يَكُونَ فِي الْإِنْسَانِ جُزْءٌ يُذَكِّرُ بِهِ الْحَقَّ جَلِيسُ ذَلِكَ الْجُزْءِ
فَيَحْفَظُ بَاقِيَ الْأَجْزَاءِ بِالْعِنَايَةِ وَ مَا يَتَوَلَّى الْحَقُّ هَذِهِ الشَّيْءَ بِالنُّسْمَةِ مَوْتًا فَلَيْسَ بِإِعْدَامٍ
وَأَنَّهُ هُوَ تَقْرِيقٌ فَيَأْخُذُ إِلَيْهِ وَ لَيْسَ الْمُرَادُ إِلَّا أَنْ يَأْخُذَ الْحَقُّ إِلَيْهِ (وَ إِلَيْهِ يُرْجَعُ الْأَمْرُ
كُلُّهُ) فَإِذَا أَخَذَهُ إِلَيْهِ سَوَّى لَهُ مَرْكَبًا غَيْرَ هَذَا الْمَرْكَبِ مِنْ جِسِّ الدَّارِ الَّتِي يَنْتَقِلُ إِلَيْهَا وَ
هِيَ دَارُ الْبَقَاءِ يَوْجُودِ الْإِعْتِدَالِ فَلَا يَهُوتُ أَبَدًا أَيْ لَا يَفْتَرِقُ أَجْزَاؤُهُ وَ أَمَّا أَهْلُ النَّارِ فَمَا لَهُمْ
إِلَّا النَّعِيمُ وَ الْحَرُّ فِي النَّارِ إِذْ لَا بُدَّ بِصُورَةِ النَّارِ بَعْدَ انْتِهَاءِ مَدَّةِ الْعِقَابِ أَنْ تَكُونَ بَرْدًا وَ
وَسَلَامًا عَلَى مَنْ فِيهَا وَ هَذَا نَعِيمُهُمْ فَنَعِيمُ أَهْلِ النَّارِ بَعْدَ اسْتِيفَاءِ الْحَقُوقِ نَعِيمٌ خَلِيلُ اللَّهِ حِينَ
أُلْقِيَ فِي النَّارِ فَإِنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ تَعَذَّبَ بِرُدِّيَّتِهَا وَ بِمَا تَعَوَّدَ فِي عَلَيْهِ وَ تَقَرَّرَ مِنْ أَنَّهَا صُورَةٌ
تَوَلَّى مِنْ جَاوَدَهَا مِنَ الْحَيَوَانِ وَ مَا عَلِمَ مُرَادَ اللَّهِ فِيهَا وَ مِنْهَا فِي حَقِّهِ فَبَعْدَ وَجُودِ هَذِهِ الْأَلَامِ
وَجَدَ بَرْدًا وَ سَلَامًا مَعَ شُهُودِ الصُّورَةِ اللَّوْنِيَّةِ فِي حَقِّهِ وَ هِيَ نَارٌ فِي عِيُونِ النَّاسِ فَاشْتَمُّ
الْوَاحِدُ يَتَنَوَّعُ فِي عِيُونِ النَّاسِ طَرِيقًا هَكَذَا هُوَ التَّجَلِّيُ إِلَّا لِهَيْئَةٍ فَإِنْ شِئْتَ قُلْتَ إِنَّ اللَّهَ تَجَلَّى فِي
مِثْلِ هَذَا الْأَمْرِ وَ إِنْ شِئْتَ قُلْتَ إِنَّ الْعَالَمَ فِي النَّظَرِ إِلَيْهِ وَ فِيهِ مِثْلُ الْحَقِّ فِي التَّجَلِّيِ فَيَتَنَوَّعُ

فِي عَيْنِ النَّاطِرِ بِحَسَبِ مَزَاجِ النَّاطِرِ أَوْ يَتَنَوَّعُ مَزَاجُ النَّاطِرِ لِتَنَوُّعِ التَّحَلُّيِّ وَكُلُّ هَذَا سَائِعٌ
فِي الْحَقَائِقِ فَلَوْ أَنَّ النَّبِيَّ أَوَّاسًا قَتَلَ أَوْ أَيْ مَقْتُولٍ كَانَ إِذَا مَاتَ أَوْ قُتِلَ لَا
يَرْجِعُ إِلَى اللَّهِ لَمْ يَقْنِ اللَّهُ بِمَوْتِ أَحَدٍ وَلَا شَرَعَ قَتْلَهُ فَمَا كُنَّ فِي قَبْضَتِهِ فَلَا فُقْدَانٍ فِي
حَقِّهِ فَشَرَعَ الْقَتْلَ وَحَكَمَ بِالنُّفُوتِ عَلَيْهِ بِأَنَّ عَبْدًا لَا يَقُوتُهُ فَهُوَ رَاجِعٌ إِلَيْهِ عَلَى أَنَّ
فِي قَوْلِهِ (وَالْيَهُ يُرْجَعُ الْأَمْرُ كُلُّهُ) أَيْ فِيهِ يَقَعُ التَّصَرُّفُ وَهُوَ الْمُتَصَرِّفُ فَمَا خَرَجَ عَنْهُ شَيْءٌ
لَمْ يَكُنْ عَيْنَهُ بِنَ هُوِيَّتِهِ عَيْنَ ذَلِكَ الشَّيْءِ وَهُوَ الَّذِي يُعْطِيهِ الْكَشْفُ فِي قَوْلِهِ (وَالْيَهُ
يُرْجَعُ الْأَمْرُ كُلُّهُ) ۞

یہ حکمت نفسیہ کا قصہ کلمہ یونسؑ کے بیان میں ہے

چونکہ حکمت وجودیہ کا اختتام حدیث شریف اَللّٰهُمَّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْكَ پر ہوا جس میں وضاحت
کی گئی ہے کہ انسان کا نفس یعنی ذات عین اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اسلئے حکمت وجودیہ کے بعد حکمت
نفسیہ کا ذکر لایا گیا ہے۔ حکمت نفسیہ کو حضرت یونس علیہ السلام کی طرف منسوب کرنے کی حکمت یہ ہے کہ
نفس الہی شکم انسان میں اس طرح پوشیدہ ہے جی طرح حضرت یونس علیہ السلام شکم ماہی میں پوشیدہ
رہے ۞

اے طالب! اس راز کو جان لے کہ تحقیق اس خلقت انسانی کو جو روح و جسم اور نفس کیساتھ مکمل
ہے اللہ تعالیٰ نے اپنی صورت پر پیدا کیا۔ حضرت انسان کا ایک جسم ہے اور ایک روح مخلوق ہے۔ روح
مخلوق کے ساتھ انسان کی صورت قائم ہے اور وہ روح مخلوق روح القدس کے ساتھ قائم ہے۔ روح
القدس کا دوسرا نام نفس ہے۔ نفس سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ روح مخلوق روح القدس کی شعاع
ہے۔ روح القدس سے مراد ابوالارواح سرکارِ دو عالم جناب محمد پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت ہے حقیقت
محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام جو حقیقت احدی ہے مثل آفتاب کے ہے اور مجملہ ارواح اس آفتاب کی
شعاعیں ہیں۔ ہر جسم روح کیساتھ قائم ہے اور ہر روح نفس الہی یعنی روح القدس کے ساتھ قائم ہے۔ ہر
روح میں روح القدس کا ظہور اس روح کی استعداد کے مطابق ہے۔ کوئی انسان بھی صرف جسم اور روح
مخلوق کیساتھ مکمل نہیں۔ روح مخلوق مثل شعاع کے ہے اور شعاع کا وجود بغیر آفتاب کے نہیں ہو سکتا۔ لہذا

ہر انسان ساتھ جسم و روح مخلوق و نفس الہی یعنی روح القدس کیساتھ مکمل ہے۔ ہاں! یہ اور بات ہے کہ بعض اقطاب عارفین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم از روتے جسم و روح مخلوق فنا کر دیتا ہے اور اُن کی صورتوں پر حقیقت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور ہوتا ہے یعنی روح القدس اُن کے اجسام کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ اس بات کو ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ اگرچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت پاک ہمارے ادراک سے بالاتر ہے لیکن اس امر پر مجملہ عارفین متفق ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سرِ اُپا روح القدس ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم جس شخص پر مہربان ہوتے ہیں اُس کی صورت پر خود جلوہ نما ہو جاتے ہیں۔ ہاتھی اگر چیونٹی کی بل میں پاؤں رکھے تو نہ چیونٹی رہ جاتی ہے نہ بل کا نشان رہ جاتا ہے۔ پس افراد لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے انواع لباس ہیں۔ اور خَلَقَهَا اللہُ تَعَالٰی عَلٰی صُوَرَتِہ سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت انسان کو اپنی صفات اور ذات کے حکم پر پیدا کیا ہے کَمَا قَالَ عَلَیْہِ السَّلَامُ اِنَّ اللہَ خَلَقَ اَدَمَ عَلٰی صُوَرَتِہِ اور اِلٰ نَشَانٍ مِّرَرٰی دَا قَا سِرُّکَا۔ اگرچہ ہر ذرہ میں ہر تعین میں اور ہر شے میں ذات حق کا ظہور ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے جمیع اسماء و صفات کا مظہر صرف حضرت انسان ہی ہے اور یہ ہی وجہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کا خلیفہ ہے۔ ہر انسان اللہ تعالیٰ کے لئے مرآت ہے لیکن انسان کامل جناب محمد پاک صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے مرآتِ تامہ ہیں۔ جمیع عوالم آفتاب محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شعاعیں ہیں لہذا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجموعہ کونین ہیں۔ چونکہ نشاتِ انسانیہ کو اللہ تعالیٰ نے اپنی صورت پر پیدا کیا ہے اسلئے کسی کو اُس کے اجزا کی تفریق میں متصرف نہیں ہونا چاہیے سوائے اُس ذات پاک کے جس نے اُس کو اپنے ہاتھ سے پیدا کیا ہے اور وہ ہی ذات اُس میں متصرف ہے یا وہ شخص تفریقِ اجزا میں تصرف کر سکتا ہے جو اُس کے امر سے کرے بِقَوْلِہِ تَعَالٰی (وَلَا تُکْفَرُ فِی اَنْقِصَاۃِ حَیٰوٰتِہِمْ شَیْءٌ وَّلٰی الْاَنْبِیَآءِ)۔ اور جو شخص پیدا تیشِ انسانی کی تخریب میں بغیر اللہ تعالیٰ کے امر کے متصرف ہوا، تحقیق اُس نے اپنے نفس پر ظلم کیا اور پیدا تیشِ انسانی کے متعلق اللہ تعالیٰ کی حد سے تجاوز کیا اور جس کے آباد کرنے کے متعلق اللہ تعالیٰ نے امر کیا، اُس کی تخریب میں کوشش کی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پاک سے ارشاد فرمایا اَلَا نَسَانُ بَنِیَانِ الرَّبِّ فَمَنْ هَدَمَ بَنِیَانَ الرَّبِّ فَلِیْسَ مِّنَا اور فرمایا وَمَنْ یَتَعَدَّ حُدُودَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَہٗ۔ اور اسے طالب! اس بات کو جان لے کہ تحقیق بندگانِ خدا پر شفقت اس امر کی مقتضی ہے کہ غیرت کی وجہ سے احکام شرعی جاری کرنے میں بندگانِ خدا

کیساتھ رعایت کی جاتے یعنی حتی المقدور قتل کی سزا نہ دی جاتے۔ داؤد نے بیت المقدس کے بنانے کا ارادہ کیا۔ اُس نے اُس کو کئی بار بنایا۔ ہر بار جب بنا کر اُس سے فارغ ہوتا تو وہ گر پڑتا۔ بالآخر اس معاملہ کی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں شکایت کی۔ اللہ تعالیٰ نے اُس کی طرف وحی بھیجی کہ تحقیق میرا یہ گھر اُس آدمی کے ہاتھ پر قائم نہیں ہوتا جس نے آدمیوں کا خون بہایا۔ داؤد نے عرض کیا، اے میرے رب! کیا وہ میری خونریزی تیری راہ میں نہ تھی؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ٹھیک ہے لیکن کیا وہ لوگ میرے بندے نہ تھے؟ پھر عرض کیا، اے میرے رب! اُس گھر کی بنیاد اُس شخص کے ہاتھ سے رکھا جو مجھی سے ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اُس کی طرف وحی کی کہ تحقیق تیرا بیٹا اُس گھر کو بنائے گا۔ اس حکایت سے یہ مقصود ہے کہ اس نشأت انسانی کی حفاظت کی جائے اور اُس کا قائم رکھنا اُس کے مٹانے سے بہتر ہے۔ کیا تو دین کے دشمنوں کی طرف نہیں دیکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کے حق میں جزئیہ اور صلح کو اُن کی حیات باقی رکھنے کیلئے فرض قرار دیا ہے یعنی کفار اگر اسلام قبول نہ کریں تو جزئیہ دے کر رہ سکتے ہیں بِقَوْلِهِ تَعَالَى (وَإِنْ جَنَحُوا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ) اور اے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم! اگر کفار صلح کیلئے جھکیں تو آپ بھی صلح کیلئے جھکیں اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھیں۔ کیا تو اُس شخص کو نہیں دیکھتا ہے کہ جس پر قصاص واجب ہوا، کیسے اللہ تعالیٰ نے وارثِ مقتول کیلئے اُس سے خون بہا لینا یا اُس کو معاف کرنا مشروع ٹھہرایا۔ پھر اگر وہ انکار کرے یعنی وارثِ مقتول خون بہا لینے یا معاف کرنے سے انکار کرے، تو اسوقت وہ قتل کیا جاتا ہے۔ کیا تو حقتعالیٰ کی طرف نہیں دیکھتا کہ جب وارثِ مقتول کے کئی ہوں اور اُن میں سے صرف ایک خون بہا لیا عفو پر راضی ہو اور باقی وارثانِ سوائے قتل کے اور کچھ نہ چاہتے ہوں تو اسوقت حقتعالیٰ اُس ایک شخص کی جس نے عفو کیا کیسے رعایت کرتا ہے۔ اُس کو اُن لوگوں پر جنہوں نے عفو نہ کیا، ترجیح دیتا ہے اور قاتل بوجہ قصاص کے قتل نہیں کیا جاتا ہے۔ کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نہیں دیکھتا کہ آپ نے صاحبِ تسمہ کے حق میں فرمایا کہ اگر وارثِ مقتول صاحبِ تسمہ کو قتل کرے گا تو وہ قاتل کی مانند ظالم ہوگا۔ نسعہ جبلِ عریض یعنی شتر کے سینہ بند کو کہتے ہیں اور وہ چمڑے کا تسمہ ہوتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں ایک شخص مارا گیا۔ اُس کے قاتل کا پتہ نہ چلا۔ وارثِ مقتول نے تسمہ مقتول ایک شخص کے ہاتھ میں پایا اور اُس شخص کو قصاص میں قتل کرنا چاہا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر وارثِ مقتول صاحبِ تسمہ کو قتل کرے گا تو وہ قاتل کی مثل ظالم ہوگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی عہدِ ثبوت شرعی پر مبنی تھا کیونکہ صرف تسمہ کا وجود شرعی ثبوت نہیں ہے۔ مراد یہ ہے کہ جب تک شرعی ثبوت مہیا

نہ ہو تب تک کوئی شخص قصاص میں قتل نہ کیا جائے۔ اکثر شرعی ثبوت مشکل مہیا ہوتا ہے اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عمدًا قاتل کو رعایت بخشی ہے اور اشارہ فرمایا ہے کہ نشأتِ انسانی کو قائم رکھنا اس کے ہدم کرنے سے بہتر ہے۔ کیا تو فرمانِ خداوندی کی طرف نہیں دیکھتا ہے (وَجَزَّوْا سَيِّئَةً سَيِّئَةً مِّثْلَهَا) اور بُرائی کا بدلہ اُسکی مِثْل بُرائی ہے۔ یعنی قتل کرنا تو بُرائی ہے ہی لیکن اس کا بدلہ قصاص بھی بُرائی ہے۔ پس حقتعالیٰ نے قصاص کو بُرائی گردانا ہے یعنی اگرچہ یہ فعل مشروع ہے لیکن از روئے معرفت اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ فعل بُرا ہے۔ اللہ تعالیٰ بھی قاتل کو رعایت دینا چاہتا ہے اور اس امر کو پسند کرتا ہے کہ وارثِ مقتول قاتل کیساتھ صلح کرے اور اُس کو معاف کر دے یَقُولِہ تَعَالٰی (فَمَنْ عَفَا وَأَصْلَحَ فَأَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ) پھر جو کوئی معاف کرے اور سنوارے سو اُس کا ثواب اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ظالموں کو پسند نہیں کرتا ہے۔ معاف کرنا سنوارنا ہے یعنی اس میں دین کی صلا ہے۔ نیز وارثِ مقتول کو جو قاتل کو قتل کے قصاص میں قتل کرتا ہے اللہ تعالیٰ نے ظالموں میں شمار کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ مقتول کے وارثوں کو صبر کرنے اور قاتل کو معاف کرنے کی ترغیب دیتا ہے اور فرماتا ہے کہ گناہگار کو معاف کرنا عالی ہمت لوگوں یعنی انبیاء و اولیاء علیہم السلام کا شیوہ ہے یَقُولِہ تَعَالٰی (وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ إِنَّ ذَلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ)۔ پس جو شخص عفو اور صلح کرے اُس کا اجر اللہ تعالیٰ کے اوپر ہے کیونکہ قاتل اللہ تعالیٰ کی صورت پر پیدا ہوا ہے۔ لہذا جس نے قاتل کو معاف کیا اور اُس کو قتل نہ کیا عفو کا اجر اُس پر ہے جس کی صورت پر قاتل ہے۔ یعنی حقیقت میں وہ حقتعالیٰ کو معاف کر رہا ہے کیونکہ قاتل کو حقتعالیٰ نے اپنے ظہور کیلئے پیدا کیا ہے۔ اور حقتعالیٰ اسمِ ظاہر کیساتھ بغیر انسان کے وجود کے ظاہر نہیں ہوا۔ یعنی حقتعالیٰ انسان ہی کی صورت پر ظاہر ہے پس جس نے انسان کی حفاظت کی تحقیق اُس نے حقتعالیٰ کی حفاظت کی۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ چونکہ قتل کرنا ایک فعلِ مذموم ہے اسلئے قاتل بھی مذمت کے لائق ہے۔ اس کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں وَمَا يُدْمِمُ إِلَّا الْإِنْسَانَ بِوَجْهِهِ حَقِيقَتِہِ کے مذموم نہیں ہے بلکہ بوجہ اپنے فعل کے مذموم ہے اور اُس کا فعل اُس کی ذات نہیں ہے اور ہمارا کلام اُس کی ذات کے متعلق ہے۔ مراد یہ ہے کہ انسان کے افعال نیک و بد ہو سکتے ہیں لیکن انسان کی ذات ان افعال سے منزه ہے۔ حروفِ سیدھے یا ٹیڑھے ہو سکتے ہیں لیکن سیاہی نہ سیدھی ہے نہ ٹیڑھی ہے۔ چونکہ انسان کی صورت پر اللہ تعالیٰ کا ظہور ہے اسلئے ہر فعل حقیقتاً اللہ تعالیٰ ہی کیلئے ہے یعنی فاعل حقیقی اللہ تعالیٰ ہے لیکن حفظ مراتب میں بعض افعال کی وجہ سے انسان مذموم ہے اور بعض افعال کی وجہ سے حقتعالیٰ محمود ہے۔ یعنی انسان کو چاہیے

کہ ہر فعل حسنہ کی اصناف اللہ تعالیٰ کی طرف کرے کہ اُس کی توفیق سے سرزد ہوا ہے اور ہر فعل بد کی اصناف اپنی طرف کرے، حق تعالیٰ کی طرف نہ کرے۔ اگر فعل بد کی اصناف، حق تعالیٰ کی طرف کرے گا تو ابلیس سے جا ملے گا اور اگر اپنی طرف کرے گا اور نادم و پشیمان ہوگا تو آدم علیہ السلام سے جا ملے گا۔ مَا ذُمَّ سے مراد انسان ہے اور مَا حُسِّدَ سے مراد اللہ تعالیٰ ہے۔ نیز کسی چیز کی مذمت کرنا اپنی نفسانی غرض کی خاطر اللہ تعالیٰ کے نزدیک مذموم ہے۔ مراد یہ ہے کہ اگر ایک چیز کسی کی طبع کے خلاف ہو اور وہ اُس کی مذمت کرے تو ایسی مذمت اللہ تعالیٰ کے نزدیک ناجائز ہے۔ مذموم وہ شے ہے جس کی مذمت شرع شریف نے کی ہے کیونکہ شرع شریف کی مذمت کسی حکمت پر مبنی ہے جس کو اللہ تعالیٰ جانتا ہے یا وہ شخص جانتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے علم عطا کیا ہے۔ اور ایسے ہی محمود وہ شے ہے جس کو شرع شریف نے کسی حکمت کی خاطر جائز قرار دیا ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے قصاص کو مشروع ٹھہرایا ہے اور اُس میں حکمت یہ ہے کہ یہ نوع انسانی باقی رہے اور اللہ تعالیٰ کی حدود سے تجاوز کر نیوالے کو باز رکھا جائے۔ یعنی قاتل جب قصاص میں قتل کیا جاتا ہے تو دوسرے لوگ عبرت پکڑتے ہیں اور فتنہ و فساد سے باز آجاتے ہیں اور بزدلی قتل سے بچی نوع انسانی کو حیات نصیب ہو جاتی ہے (وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَوةٌ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ) اے عقلمند! تم کو قصاص میں زندگی اور بقاء ہے شاید تم بچتے رہو۔ اُولِي الْأَلْبَابِ وہ لوگ ہیں جو ہر شے کے مغز یعنی ہر شے کی حقیقت سے واقف ہیں۔ یہ وہ عارف ہیں جو شرائع الہیہ کے اسرار اور معارف حکمیہ سے واقف کرائے گئے ہیں۔ اے طالب! اب جو وقت تو نے جان لیا کہ تحقیق اللہ تعالیٰ نے اس نشأت انسانی کی اور اُس کے بقا کی حفاظت کی ہے، تجھ پر بطریق اولیٰ واجب ہے کہ تو بھی پیدا ہونے کی انسانی کی نگہبانی کرے کیونکہ تیرے لئے اُس رہنمائی اور حفاظت میں سعادت ہے۔ حکمت اس میں یہ ہے کہ جب تک انسان زندہ ہے اُس کو صفت کمال حاصل کرنے کی امید ہے اور انسان کی پیدائش کی علت غائی یہی ہے کہ وہ دنیا میں رہ کر کمال معرفت حاصل کرے۔ جس شخص نے بناء انسانی کے ہدم کرنے کی کوشش کی اُس نے انسان کو اپنا کمال حاصل کرنے سے باز رکھا۔

اور کیا عمدہ قول ہے جو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کیا میں تم کو اُس چیز کی خبر نہ دوں جو تمہارے لئے اسباب سے افضل و بہتر ہو کہ تم اپنے دشمنوں سے ملو اور تم ان کی گردنیں مارو اور وہ تمہاری گردنیں ماریں۔ صحابہ نے عرض کیا کہ ہاں۔ فرمایا وہ اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے۔ حدیث پاک میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے ذکر کو جہاد سے افضل و بہتر قرار دیا ہے۔ جہاد میں اگرچہ اعداء کلمۃ اللہ اور شہادت

کا مرتبہ حاصل ہوتا ہے لیکن وہ یُرانی جو طرفین سے ہم بیداشت انسانی سے حاصل ہوتی ہے وہ ثواب جہاد کو
 فوت کر دیتی ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ جہاد کا نتیجہ جنت ہے اور ذکر الہی کا نتیجہ خود مشاہدہ ذات حق ہے
 کیونکہ حق تعالیٰ ذاکر کا جلیس ہے یَقُولِیْ تَعَالٰی اَنَا جَلِیْسٌ مِّنْ ذٰکِرِیْ اور جلیس ہمیشہ مشہود ہوتا ہے۔ تیسری
 وجہ یہ ہے کہ جہاد سے معرفت الہی نصیب نہیں ہوتی، ذکر الہی کے باعث ذاکر مذکور تک پہنچ جاتا ہے۔ ذٰ
 ذٰلِکَ اِنَّہٗ اور ذکر کی فضیلت اسلئے ہے کہ تحقیق اس نشأت انسانی کا مرتبہ سوائے اللہ تعالیٰ کے ذاکر کے کوئی نہیں
 جانتا، اور ذاکر بھی وہ ہو جو ذکر مطلوب کرے۔ ذکر مطلوب وہ ہے جو انسانی ذکر نہ ہو بلکہ ذکر کیساتھ فکر بھی
 ہو۔ یہ ذکر دو قسم کا ہے۔ ایک ذکر خفی دوسرا ذکر جلی۔ ذکر خفی پاس انفاس ہے اور وہ اَللّٰہُ هُوَ کا ذکر ہے
 ذکر جلی کلمہ طیبہ کا ذکر ہے۔ دونوں اذکار سے مراد یہ ہے کہ شجرہ کون پر ذات حق کا ظہور ہے اور اس درخت
 کا ثمر اور خلاصہ موجودات حضرت انسان ہے۔ ہر دو اذکار کے ساتھ مراقبہ وحدت الوجود مطلوب ہے۔ پس
 ذکر مطلوب وہ ذکر ہے جس کے ساتھ فکر توحید بھی شامل ہو۔ لہذا ذکر مطلوب کے ساتھ ذاکر حق تعالیٰ کو پالیتا
 ہے کیونکہ حق تعالیٰ اپنے ذاکر کا ہم نشین ہوتا ہے اور ہم نشین ذاکر کیلئے مشہود ہوتا ہے۔ مراد یہ ہے کہ ذاکر ذکر کرنے
 سے اپنی حقیقت کو پالیتا ہے اور اس راز کو پالیتا ہے کہ ذاکر ہی مذکور ہے یعنی انسان کی صورت اور معنی
 پر حق تعالیٰ جلوہ نما ہے۔ وَمَتٰی اِنَّہٗ اور جب ذاکر نے حق تعالیٰ کو نہ دیکھا جو اُس کا جلیس ہے تو وہ ذاکر نہیں ہے
 کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ذکر عبد کے جمیع اجزا میں ساری ہے۔ مراد یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کا ذکر ذاکر کے دل میں
 بیٹھ جاتا ہے اور دل میں قرار پکڑتا ہے تو دل صاف ہو کر نور معرفت سے منور ہو جاتا ہے اور ذاکر اپنی حقیقت
 کو پالیتا ہے۔ معرفت کا مقدمہ یہ ہے کہ ذاکر اپنے رُوم رُوم سے ذکر الہی سُنتا ہے اور جس ذاکر کو ذکر الہی مذکور
 تک نہ پہنچائے، حقیقت میں وہ ذاکر ہی نہیں ہے یعنی اُس کے ذکر کیساتھ فکر توحید نہیں۔ اُس کا ذکر انسانی
 ہے۔ وہ ذاکر جس کا ذکر محض انسانی ہو اس نشأت انسانی کے مرتبہ کو نہیں پاسکتا کیونکہ انسانی ذکر کیوقت
 حق تعالیٰ محض انسان کا جلیس ہوتا ہے اور لسان ذاکر حق تعالیٰ کو اُس بصر سے دیکھتی ہے کہ وہ فقط لسان کے
 ساتھ مختص ہے نہ اُس بصر کے ساتھ جس سے انسان دیکھتا ہے۔ مراد یہ ہے کہ لسان بصر روحانیت انسان کے
 ساتھ دیکھتی ہے نہ کہ چشم سر کے ساتھ۔ اُسے طالب! اس بات کو سمجھ لے، ذکر غافلین میں یہ راز ہے مراد یہ ہے کہ انسانی
 ذکر کے وقت لسان لذت حاصل کرتی ہے اور اگر یہ ذکر قلب اور روح تک پہنچ جائے تو قلب اور روح
 بھی لذت حاصل کرتے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ زبانی ذکر سے جو لذت حاصل ہوتی ہے گویا وہ مشاہدہ ذات حق ہے۔ یہ

نہیں کہ وہ سانی ذاکر معرفت الہی حاصل کر لیتا ہے۔ یہ لذت ہی غافل کیلئے مشاہدہ حق ہے۔ پس غافل کا جو جز ذاکر ہے وہ بلا شک حاضر ہے اور حقیقی اُس جز کا جلیس ہے لہذا وہ جز حقیقی کو دیکھتا ہے یعنی وہ جز لذت حاصل کرتا ہے۔ اور غافل کی جو جز ذاکر الہی سے غافل ہے وہ بسبب اپنی غفلت کے ذاکر نہیں ہے پس حقیقی اُس جز غافل کا جلیس نہیں ہے۔ مراد یہ ہے کہ انسان کے ایک جز کے ذاکر ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اُس کے دوسرے اجزا بھی ذاکر ہوں کیونکہ انسان کثیر ہے احدیت الذات نہیں ہے یعنی بطور کلی اگرچہ انسان واحد ہے لیکن اس کے ہر ہر جز کی خاصیت علیحدہ علیحدہ ہے۔ جسم کی اور خاصیت ہے اور روح کی اور خاصیت۔ حقیقی احدیت الذات ہے لیکن فقط بہ سبب اسماء الہیہ کے کثیر ہے جیسا کہ انسان اجزا کے ساتھ کثیر ہے۔ پس انسان کے ایک جز کے ذکر کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اُس کے دوسرے اجزا بھی ذاکر ہوں لہذا حقیقی غافل انسان کے جز ذاکر کا جلیس ہوگا اور باقی اجزا غفلت میں ہوں گے۔ ہر لطیفہ کا علیحدہ علیحدہ ذکر ہے۔ نفس یعنی محض لسان کا ذکر اور ہے، قلب کا ذکر اور روح کا ذکر اور ہے اور ہر کا ذکر اور خفی کا ذکر اور ہے اور اخفی کا ذکر اور۔ اس کے بعد مقام آتا ہے یعنی ذاکر مذکور میں محو ہو جاتا ہے اور عارف کے وجود میں مذکور یعنی حقیقی موج آتا رہتا ہے۔ منصور کجا بود خدا بود خدا بود ضروری ہے کہ انسان کا کوئی نہ کوئی جز حقیقی کا ذاکر ہو، پس حقیقی اُس جز کا جلیس ہوگا اور باقی انسان اجزا کی حفاظت اپنی عنایت کیساتھ کرے گا۔ اگر انسان سے اسجگہ مراد انسان کلی لی جاتے تو ہر ہر فرد اُس انسان کامل کا جز شمار ہوگا۔ اور اگر ایک فرد بھی ذاکر ہے تو اُس کی طفیل جملہ افراد کی اللہ تعالیٰ حفاظت کرتا ہے۔ یہ ہی وجہ ہے کہ یہ عالم اولیاء کی طفیل قائم ہے۔ اُن ہی کیلئے آسمان سے مینہ برستا ہے، اُن ہی کے لئے زمین سبزہ اُگاتی ہے۔ اسی بنا پر حدیث شریف میں وارد ہوا کہ جب تک روتے زمین پر ایک شخص بھی اللہ اللہ کرنے والا ہے قیامت قائم نہ ہوگی يَقُولُ لَهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَا تَقُومُ السَّاعَةُ وَ عَلَى وَجْهِ الْأَرْضِ مَنْ يَقُولُ اللَّهُ اللَّهُ ۞

ابتدا باب میں مذکور ہوا تھا کہ اس نشأت انسانی کے ہدم کرنے کا حق صرف حقیقی ہی کو پہنچتا ہے، اس سے یہ وہم پیدا ہوتا ہے کہ ہدم کے بعد انسان معدوم محض ہو جاتا ہے۔ اس توہم کے دفعیہ کیلئے فرمایا وَمَا يَتَوَلَّىٰ رَاحُہُ جو حقیقی اس پیدائش انسانی کی تخریب میں تصرف کرتا ہے اور جسکا نام موت ہے، وہ چیز محض معدوم کرنا نہیں ہے اور سوائے اس کے نہیں کہ وہ تفریق ہے یعنی روح کی جسم سے تفریق ہے اور حبسہ کے اجزا کی بھی تفریق ہے۔ یہ ذکر عام مسلمانوں کا ہے۔ انبیاء و اولیاء و شہداء و صالحین

کا اور حکم ہے۔ انبیاء و اولیاء دار دنیا میں ہی روحانی و ربانی ہو جاتے ہیں۔ روح القدس اُن کی صورتوں پر متجسّم ہو جاتا ہے۔ وہ ستر اہی ہیں۔ اُن کی حقیقت عقول و فہم سے بالاتر ہے۔ اُن کے اجساد کو مٹی نہیں کھاتی بلکہ اُن کے اجساد ہیں ہی روحانی، اسلئے اُن کے روح کی تفریق کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور نہ اجزا کی تفریق کا سوال پیدا ہوتا ہے۔ اُن کی موت ایک لمحہ بھر کی غشی کے سوا اور کچھ نہیں اور یہ بھی اللہ تعالیٰ نے ایک پردہ بنایا ہوا ہے۔ شہداء و صالحین کا اور حکم ہے۔ اُن کے روح کی جسم سے تفریق ہو جاتی ہے لیکن اجزا کی تفریق نہیں ہوتی۔ اُن کے اجساد کو مٹی نہیں کھاتی۔ عام مسلمانوں کی یہ حالت ہے کہ روح کی جسم سے تفریق ہو جاتی ہے اور اجساد بھی گل سڑ جاتے ہیں۔ پس حقیقی روح انسان کو اپنی طرف لے لیتا ہے اور موت کا اس کے سوا اور کوئی معنی نہیں کہ حقیقی اُس کو اپنی طرف اخذ کر لیتا ہے (وَاللّٰهُ يُجْعَلُ الْاَمْرُ كُلُّهُ) اور تمامی اُمور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ موجیں اور ٹھانٹیں سمندر سے پیدا ہوتی ہیں اور پھر سمندر میں مٹ جاتی ہیں۔ اصل حقیقت موت کی یہ ہے کہ سرکارِ دو عالم حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم مثل آفتاب کے ہیں اور ابوالارواح ہیں۔ جملہ ارواح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آفتاب کی شعاعیں ہیں۔ جس چیز کی طرف سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی توجہ مبارک کی شعاع بٹاتے ہیں وہ جسم بلا روح ہو جاتا ہے اور اسی کا نام موت ہے۔ فَإِذَا أَخَذَ كَاتِبٌ پس جبوقت حقیقی روح انسان کو اپنی طرف اخذ کر لیتا ہو تو اُس کے لئے ایک مرکب مساوی کرتا ہے جو اس دنیاوی مرکب کے سوا ہے۔ نیز وہ مرکب اُس مکان کی جنس سے ہوتا ہے جس کی طرف وہ روح انتقال کرتی ہے اور وہ دار اعتدال کے سبب دار بقا ہے پس وہاں انسان ہرگز نہ مرے گا یعنی اُس کے اجزا کبھی متفرق نہ ہوں گے۔ دار بقا دار اعتدال ہے اور دار اعتدال عالم ارواح ہے۔ حضرت انسان اللہ تعالیٰ کا لباسِ اخیر اور ساتواں مرتبہ ہے۔ پہلا مرتبہ احدیتِ دوسرا وحدتِ تیسرا وحدیت ہے۔ چوتھا مرتبہ جو مرتبہ اعتدال ہے وہ عالم ارواح ہے۔ پانچواں مرتبہ عالم مثال، چھٹا مرتبہ عالم اجسام اور ساتواں مرتبہ حضرت انسان ہے۔

وَأَمَّا أَهْلُ النَّارِ فَإِنَّهُم بِهَا فِي النَّارِ بِمَا كَانُوا فِي الدُّنْيَا فِيهِ يُنْفَخُونَ اور وہ نعیم اُن کو نار میں نصیب ہو گی کیونکہ صورتِ نار کیلئے یہ امر ضروری ہے کہ عقاب کی مدت کے خاتمہ پر وہ نارِ اہل نار کیلئے ٹھنڈی اور سلامتی والی ہو جائے۔ اہل نار یعنی مُشرکوں کو اسلئے نار میں ڈالا جائیگا کہ اُن کے قلوب سے وہم غیریت جل جائے۔ جب وہم غیریت جل جائیگا تو وہ ہی نار اُن کو یارِ نظر آئے گی اور نار کو دیکھ کر اُن کی آنکھیں

مٹ جائیں گی اور وہ لذت حاصل کریں گے۔ اور ہی نار اُن کے لئے گلزار اور نعم ہوگی۔ خلود عذاب پر کوئی نص وارد نہیں بلکہ خلود فی النار پر وارد ہے۔ پس اہل نار کیلئے نار استیفاء حُقوق کے بعد نعم ہے یعنی ہر انسان کا خیال ہے کہ آگ جلاتی ہے اور درد پہنچاتی ہے حالانکہ دوزخ کی نار ناریوں کیلئے لذت رسا ہی البتہ اہل جنت کیلئے وہ مُلائم طبع نہیں۔ لہذا اہل نار نار کو دیکھ کر چلا تھیں گے اور زاری کریں گے لیکن جب نار میں داخل ہو جائیں گے تو اُن کی وہی ہستی کے پتے سب جل جائیں گے اور وہ وہم غیرت سے نکل کر بحر عینیت میں غرقاب ہو جائیں گے۔ اُس وقت نار اُن کے حق میں گلزار ہو جائیگی جیسے ابراہیم خلیل اللہ کیلئے نار گلزار ہو گئی جب کہ وہ نار میں ڈالے گئے۔ خلیل علیہ السلام بھی آگ کو دیکھ کر عذاب پاتے تھے کیونکہ وہ اپنے علم میں اس چیز کے عادی تھے کہ تحقیق آتش ایک ایسی صورت ہے جو ہر جاندار کو جو اُسکی نزدیکی کرتا ہے، الم پہنچاتی ہے۔ ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی مُراد کو نہ جانا کہ آپ کو کیوں اور کس لئے نار میں ڈالا جا رہا ہے۔ یعنی آپ کو آتش کے دیکھنے سے ہی درد پہنچا اور جب آپ کو آتش میں ڈالا گیا تو آپ نے اپنے حق میں آگ کو ٹھنڈی اور سلامتی والی پایا باوجودیکہ آپ آتش کو آتش کی صورت اور رنگ پر دیکھتے تھے اور لوگوں کی نظروں میں بھی وہ نار نار تھی۔ یعنی وہ نار دیکھنے میں تو نار ہی تھی لیکن ابراہیم علیہ السلام کیلئے اُس نار کی خاصیت بدل گئی۔ اُس کی وجہ یہ ہے کہ خلیل علیہ السلام کے نور ایمان نے نار کو سرد کر دیا بقولہ علیہ السلام اِنَّ نَارَ جَهَنَّمَ تَقُولُ لِلْمُؤْمِنِیْنَ جُزْیَا مُؤْمِنٍ فَقَدْ اَظْفَا نُوْرُکَ لَیْلِیْ یعنی تحقیق جہنم کی نار مومن سے عرض کرے گی کہ اے مومن! پُصراط سے جلدی جلدی گزر کیونکہ تیرے نور نے میرے شعلوں کو بجھا دیا ہے۔ پُصراط دوزخ کے دونوں کناروں کے اوپر بنائی گئی ہے اسی لئے ہر مومن کو دوزخ کے اوپر سے عبور کرنا پڑیگا بقولہ تعالیٰ (وَ اِنْ مِّنْکُمْ اِلَّا وَ اِرْدُہَا)۔

پس ایک ہی شے ناظرین کی آنکھوں میں نوع بنوع ہوتی ہے جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام کی آگ لوگوں کی نظر میں نار تھی اور ابراہیم علیہ السلام کی نظر میں گلزار تھی۔ یہی حال تجلی الہی کا ہے کہ ایک ہی تجلی ہر متجلی لہ کی استعداد کے مطابق نوع بنوع معلوم ہوتی ہے اور نوع بنوع اثر پیدا کرتی ہے جیسا کہ بارش آسمان سے یکساں نازل ہوتی ہے لیکن کہیں سبزہ و گلزار اُگتا ہے، کہیں دُوب و سرکنڈا اُگتا ہے اور شور زمین میں تو کچھ بھی نہیں اُگتا۔ مراد یہ ہے کہ اگرچہ ہر انسان میں ذات حق کا ظہور ہے لیکن صفات کاملہ کا ظہور ہر انسان میں اُس انسان کی استعداد اور قوت جذب کے مطابق ہے۔ یہی وجہ ہے کہ

انسانوں میں بعض عاجز اور حقیر ہیں اور بعض صاحب کُن فقیر ہیں۔ پس اگر تو چاہے تو کہہ کہ اللہ تعالیٰ اس امر کی مثل یعنی آتش ابراہیم علیہ السلام کی مثل تجلی کرتا ہے۔ اسی تجلی الہی ناظر کی نظر میں ناظر کے مزاج کے مطابق نوع بنوع معلوم ہوتی ہے۔ دوسرے الفاظ میں تجلی الہی استعداد کے تحت ہے۔ اور اگر تو چاہے تو کہہ کہ عالم ناظر کی نظر میں تجلی حق کی مثل ہے یعنی تجلی الہی کے نوع بنوع ہونے سے مزاج ناظر نوع بنوع ہوتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں استعداد تجلی الہی کے تحت ہے۔ اس کی مثال ایسے ہے جیسے جنین کے بڑھنے سے رحم خود بخود بڑھتا چلا جاتا ہے یعنی تجلی الہی استعداد عطا کرتی ہے پس یہ دونوں صورتیں علم حقائق میں جائز ہیں۔ فیض اقدس سے اللہ تعالیٰ نے ممکنات عالم کے اعیان ثابتہ کو استعدادات عطا کیں اور فیض مقدس سے استعدادات کے مطابق اعیان ثابتہ کو اعیان خارجہ کا لباس پہنایا۔ پس فیض اقدس تجلی ذاتی ہے اور فیض مقدس تجلی اسمائی ہے۔

اگر یہ بات ہوتی کہ تحقیق میت یا مقتول یعنی کوئی بھی میت ہووے یا مقتول جس وقت مر جاوے یا قتل کیا جاوے، اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع نہیں کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کسی شخص کیلئے بھی موت کا حکم نہ کرتا اور نہ ہی کسی کا قتل قصاص میں مشروع ٹھہراتا۔ یعنی قتل سے یا موت سے انسان بالکلیہ معدوم نہیں ہو جاتا۔ انسان سے مراد حضرت روح ہے۔ قتل یا موت سے انسان کا پہلا مرکب معدوم ہو جاتا ہے اور اسے ایک لطیف روحانی مرکب عطا کیا جاتا ہے۔ حضرت انسان عالم شہادت سے عالم ملکوت یعنی عالم ارواح کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ ہر شے اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہے اور کوئی شے اُس کی بہ نسبت گم نہیں ہوتی۔ مراد یہ ہے کہ عالم اجسام بھی ظہور حق ہے اور عالم ارواح بھی ظہور حق ہے۔ روحانی صورت پر بھی وہی جلوہ نما ہے اور حسی صورت پر بھی وہی جلوہ نما ہے۔ پس حقیقتی نے بہ سبب اپنے اس علم کے کہ اُس کا عبد اُس سے فوت نہیں ہوتا، قتل کو مشروع ٹھہرایا اور موت کے ساتھ حکم کیا۔ موت کے بعد بندہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کر جاتا ہے جیسا ارشاد باری تعالیٰ ہے (وَالَّذِينَ يُرْجَعُونَ إِلَىٰ رَبِّهِمْ) اور تمامی امور اُسی کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ آیہ کریمہ سے مراد یہ ہے کہ ہر امر یعنی ہر فعل، ہر صفت اور ہر ذات کی اصناف حق تعالیٰ کی طرف ہیں یعنی متصرف اور متصرف فیہ حقیقتی ہے۔ مراد یہ ہے کہ ربوبیت اور عبودیت دونوں اللہ تعالیٰ کی شانیں ہیں۔ پس حقیقتی سے باہر کوئی ایسی شے نہیں جس کا وہ عین نہ ہو بلکہ حقیقتی کی ربوبیت یعنی حقیقت اُس شے کا عین ہے۔ مراد یہ ہے کہ ہر شے کی صورت پر حقیقتی کا ظہور ہے جیسے ہر حرف اور ہر

لفظ کی صورت پر سیاہی کا ظہور ہے۔ اس مسئلہ کو وحدت الوجود کہتے ہیں اور یہ مسئلہ اللہ تعالیٰ کے قول (وَاللّٰهُ
يُرْجِعُ الْأَمْرَ كُلَّهُ) سے صراحتاً ثابت ہے۔

فصل حکمت غیبیہ فی کلمۃ ایوبیۃ

إِذْ عَلَّمَ آدَمَ سِرَّ الْحَيَاةِ سَرَّائِ فِي الْمَاءِ فَهُوَ أَصْلُ الْعَنَاصِرِ وَالْأَسْرَافِ وَإِذْ ذَٰلِكَ جَعَلَ
اللَّهُ مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ وَمَا تَمَّ شَيْءٌ إِلَّا وَهُوَ حَيٌّ فَكَانَتْهُ مَا مِنْ شَيْءٍ إِلَّا وَهُوَ يُسَبِّحُ بِحَمْدِ
اللَّهِ وَلَكِنْ لَا نَفْقَهُ تَسْبِيحَهُ إِلَّا بِكَشْفِ الْإِلَهِيِّ وَلَا يُسَبِّحُ إِلَّا حَيٌّ فَكُلُّ شَيْءٍ حَيٍّ فَكُلُّ شَيْءٍ الْمَاءُ أَصْلُهُ
إِلَّا تَرَى الْعَرْشَ كَيْفَ كَانَ عَلَى الْمَاءِ لِأَنَّهُ مِنْهُ تَكُونُ قَطْعًا عَلَيْهِ فَهُوَ يَحْفَظُهُ مِنْ تَحْتِهِ كَمَا
أَنَّ الْإِنْسَانَ خَلَقَهُ اللَّهُ تَعَالَى عَبْدًا فَتَكَبَّرَ عَلَى رَأْيِهِ وَعَلَا عَلَيْهِ فَهُوَ سُبْحَانَهُ مَعَ هَذَا يَحْفَظُهُ مِنْ
تَحْتِهِ بِالنَّظَرِ إِلَى عُلُوِّ هَذَا الْعَبْدِ الْجَاهِلِ بِنَفْسِهِ وَهُوَ قَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَوْ دَلَيْتُمْ جِبِلَّ
لَهَبَطَ عَلَى اللَّهِ فَأَسَارَ إِلَى أَنَّ نِسْبَةَ التَّحْتِ إِلَيْهِ كَمَا أَنَّ نِسْبَةَ الْفَوْقِ إِلَيْهِ فِي قَوْلِهِ
(يَخَافُونَ رَبَّهُمْ مِنْ فَوْقِهِمْ وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهِ) فَلَهُ الْفَوْقُ وَالتَّحْتُ وَبِهَذَا مَا ظَهَرَ
الْجِهَاتُ السِّتُّ إِلَّا بِإِلَافَةِ نَسَائِنَ وَهُوَ عَلَى صُورَةِ الرَّحْمَنِ وَلَا مُطِيعَ إِلَّا اللَّهُ وَقَدْ قَالَ فِي حَقِّ
طَائِفَةٍ (وَلَوْ أَنَّهُمْ آقَامُوا التَّوْرَةَ وَالْإِنْجِيلَ) ثُمَّ نَكَرَ وَغَمَّ فَقَالَ (وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِمْ
مِّن رَّبِّهِمْ) فَدَخَلَ فِي قَوْلِهِ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِمْ مِّن رَّبِّهِمْ كُلُّ حَكِيمٍ مُنْزِلٌ عَلَى لِسَانِ رَسُولٍ أَوْ
مَلَكٍ (لَا تَكُلُوا مِنْ فَوْقِهِمْ) وَهُوَ الْمُطِيعُ مِنَ الْفَوْقِيَّةِ الَّتِي نُسِبَتْ إِلَيْهِ (وَمِنْ تَحْتِ أَرْجُلِهِمْ)
وَهُوَ الْمُطِيعُ مِنَ التَّحْتِيَّةِ الَّتِي نُسِبَتْ إِلَيْهِ نَفْسِهِ عَلَى لِسَانِ رَسُولِهِ الْمُتَرْجِمِ عَنْهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ وَتَوَلَّى يَكُنِ الْعَرْشُ عَلَى الْمَاءِ مَا انْحَفَظَ وَجُودُكَ فَإِنَّهُ بِالْحَيَاةِ يَنْحَفِظُ وَجُودُ النِّجَى
إِلَّا تَرَى النَّحْيَ إِذَا مَاتَ بِالنُّفُوتِ الْعُرْفِيِّ تَحَلُّ أجزَاء نظامه وَتَنْعِيدُ قَوَالًا عَنْ ذَٰلِكَ
النَّظْمِ الْخَامِسِ قَالَ تَعَالَى لَا يُؤُوبَ (أُرْكَضُ بِرَجْلِكَ هَذَا مَغْتَاسِلُ بَارِدٍ) يَعْنِي مَاءً بَارِدًا لِمَا
كَانَ عَلَيْهِ مِنْ إِفْرَاطِ حَرَارَةِ الْأَلَمِ فَسَكَنَهُ اللَّهُ بِبَرْدِ الْمَاءِ وَبِهَذَا كَانَ الطَّبُّ الْقَصْدُ مِنَ
الزَّائِدِ وَالزَّيَادَةِ فِي الشَّاقِصِ فَانْقُصُوا طَلَبُ الْإِعْتِدَالِ وَلَا سَبِيلَ إِلَيْهِ إِلَّا أَنَّهُ يُقَارِبُهُ
وَرَأَيْنَا قُلْنَا وَلَا سَبِيلَ إِلَيْهِ أَعْنَى الْإِعْتِدَالِ مِنْ أَجْلِ أَنَّ الْحَقَائِقَ وَالْمَشَاهِدَ تُعْطَى التَّكْوِينِ

مَعَ الْأَنْفَاسِ عَلَى الدَّوَامِ وَلَا يَكُونُ التَّكْوِينُ إِلَّا عَنْ مَيْلٍ يُسَيِّئُ فِي الطَّبِيعَةِ انْجِرَافًا وَتَعْظِيمًا وَفِي
 حَقِّ الْحَقِّ إِرَادَةً وَهِيَ مَيْلُ الْحَقِّ إِلَى الْمُرَادِ الْخَاصِّ دُونَ غَيْرِهِ وَالْإِعْتِدَالُ يُؤْذِنُ بِالسَّوَاءِ فِي
 الْجَسِيمِ وَهَذَا لَيْسَ بِوَقْعٍ فَلِهَذَا مَنَعْنَا مِنْ حُكْمِ الْإِعْتِدَالِ وَقَدْ وَرَدَ فِي الْعِلْمِ إِلَّا لِلَّهِ النَّبَوِيِّ
 الْإِصْفَاتُ الْحَقُّ بِالرَّضَاءِ وَالْغَضَبِ وَبِالصِّفَاتِ وَالرَّضَا مَزِيلٌ لِلْغَضَبِ وَالْغَضَبُ مَزِيلٌ لِلرَّضَا
 عَنِ الْمَرْضِي عَنْهُ وَالْإِعْتِدَالُ أَنْ يَتَسَاوَى الرَّضَا وَالْغَضَبُ فَمَا غَضِبَ الْغَاضِبُ عَلَى مَنْ غَضِبَ
 عَلَيْهِ وَهُوَ عَنْهُ رَاضٍ فَقَدْ انْتَصَفَ بِأَحَدِ الْحَكَمَيْنِ فِي حَقِّهِ وَهُوَ مَيْلٌ وَمَا رَضِيَ الرَّاضِي
 عَنْ مَنْ رَضِيَ عَنْهُ وَهُوَ غَاضِبٌ عَلَيْهِ فَقَدْ انْتَصَفَ بِأَحَدِ الْحَكَمَيْنِ فِي حَقِّهِ وَهُوَ مَيْلٌ وَإِنَّمَا
 قُلْنَا هَذَا مِنْ أَجْلِ مَنْ يَرَى أَنَّ أَهْلَ النَّارِ لَا يَزَالُ غَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ دَائِمًا أَبَدًا فِي زَعْمِهِ
 فَمَا لَهُمْ حُكْمُ الرَّضَا مِنْ اللَّهِ فَصَحَّ التَّقْصُودُ فَإِنْ كَانَ كَمَا قُلْنَا مَا لُ أَهْلُ النَّارِ إِلَى أَزَالَةِ
 الْأَلَامِ وَإِنْ سَكَنُوا النَّارَ فَذَلِكَ رَضِيَ فَزَالَ الْغَضَبُ لِزَوَالِ الْأَلَامِ إِذْ عَيْنُ الْأَلَمِ عَيْنُ الْغَضَبِ
 إِنْ فُهِمَتْ فَمِنْ غَضَبٍ فَقَدْ تَأَذَّى فَلَا يَسْعَى فِي انْتِقَامِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِ بِإِيلَامِهِ إِلَّا لِيَجِدَ
 الْغَاضِبُ الرَّاحَةَ بِذَلِكَ فَيَنْتَقِلُ اللَّامُ الَّذِي كَانَ عِنْدَهُ إِلَى الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِ وَالْحَقُّ
 إِذَا فَرَدَّ تَهْ عَنِ الْعَالِمِ يَتَعَالَى عُلُوًّا كَبِيرًا عَنْ هَذِهِ الصِّفَةِ عَلَى هَذَا الْحَدِّ وَإِذَا كَانَ الْحَقُّ
 هُوِيَّةَ الْعَالِمِ فَمَا ظَهَرَتْ الْأَحْكَامُ كُلُّهَا إِلَّا فِيهِ وَمِنْهُ وَهُوَ قَوْلُهُ تَعَالَى (وَالْيَهُ يَرْجِعُ
 الْأَمْرُ كُلَّهُ) حَقِيقَةً وَكَشْفًا (فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ) حِجَابًا وَسِتْرًا فَلَيْسَ فِي الْمَكَانِ
 أَبَدًا مِنْ هَذَا الْعَالِمِ لِأَنَّهُ عَلَى صُورَةِ الرَّحْمَنِ أَوْحَدًا اللَّهُ تَعَالَى آتَى ظَهَرَ وَجُودًا
 تَعَالَى بِظُهُورِ الْعَالِمِ كَمَا ظَهَرَ الْإِنْسَانُ بِوُجُودِ الصُّورَةِ الطَّبِيعَةِ فَتَحْنُ صُورَتَهُ الظَّاهِرَةَ
 وَهُوِيَّتَهُ تَعَالَى رُوحَ هَذِهِ الصُّورَةِ الْمُدَبَّرَةَ لَهَا فَمَا كَانَ التَّدْبِيرُ إِلَّا فِيهِ كَمَا لَمْ يَكُنْ
 إِلَّا مِنْهُ فَهَلْوَ الْأَوَّلُ بِالسَّعْيِ وَالْآخِرُ بِالصُّورَةِ وَهُوَ الظَّاهِرُ بِتَغْيِيرِ الْأَحْكَامِ وَالْأَحْوَالِ وَ
 الْبَاطِنُ بِالتَّدْبِيرِ (وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ فَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ) لِيُعْلَمَ عَنْ شُهُودِهِ لَا
 عَنْ فِكْرٍ فَكَذَلِكَ عِلْمُ الْأَذْوَاقِ لَا عَنْ فِكْرٍ وَهُوَ الْعِلْمُ الصَّحِيحُ وَمَا عَدَا ذَلِكَ فَحَدْسٌ وَ
 تَخْيِيلٌ لَيْسَ بِعِلْمٍ أَصْلًا ثُمَّ كَانَ لَا يُؤَبِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ ذَلِكَ الْمَاءُ شَرَابًا لِإِزَالَةِ أَلَمِ
 الْعَطَشِ الَّذِي هُوَ مِنَ النَّصَبِ وَالْعَذَابِ الَّذِي مَسَّهُ بِهِ الشَّيْطَانُ أَيْ الْبُعْدُ عَنِ الْحَقَائِقِ

أَنْ يُدْرِكَهَا عَلَى مَا هِيَ عَلَيْهِ فَيَكُونُ بِإِدْرَاكِهَا فِي مَحَلِّ الْقُرْبِ فَكُلُّ مَشْهُودٍ قَرِيبٍ
 مِنَ الْعَيْنِ وَتَوَكَّانَ بَعِيدًا بِالسَّافَةِ فَإِنَّ الْبَصَرَ يَتَّصِلُ بِهِ مِنْ حَيْثُ شُهِدَ بِهِ وَتَوَلَّى ذَلِكَ
 لَمْ يَشْهَدْ كَأَوْ يَتَّصِلُ الْمَشْهُودُ بِالْبَصَرِ كَيْفَ كَانَ فَهُوَ قَرِيبٌ بَيْنَ الْبَصَرِ وَالْمَبْصَرِ وَلِهَذَا كُنِيَ
 أَيُّوبُ فِي الْمَسِّ قَا ضَا فَهُوَ إِلَى الشَّيْطَانِ مَعَ قُرْبِ الْمَسِّ فَقَالَ الْبَعِيدُ مِنِّي قَرِيبٌ بِحِكْمَةٍ
 فِي وَ قَدْ عَلِمْتَ أَنَّ الْبُعْدَ وَالْقُرْبَ أَهْرَائِنِ إِضَافِيَانِ فَهَمَّا نِسْبَتَانِ لَا وَجُودَ لِهَمَّا فِي الْعَيْنِ
 مَعَ ثَبُوتِ أَحْكَامِهِمَا فِي الْبَعِيدِ وَالْقَرِيبِ وَاعْلَمْ أَنَّ سِرَّ اللَّهِ فِي أَيُّوبَ الَّذِي جَعَلَهُ
 عِبْرَةً لَنَا وَكِتَابًا مَسْطُورًا حَاكِيًا تَقَرُّوْكَ هَذِهِ الْأُمَّةُ السُّحُودِيَّةُ لَتَعْلَمَ مَا فِيهِ فَتَلَحُّقُ بِصَاحِبِهِ
 تَشْرِيفًا لَهَا فَانْتَبِهِ اللَّهُ عَلَيْهِ أَعْنَى عَلَى أَيُّوبَ بِالصَّبْرِ مَعَ دُعَائِهِ فِي رَفْعِ الضَّرِّ عَنْهُ فَعَلِمْنَا
 أَنَّ الْعَبْدَ إِذَا دَعَى اللَّهَ فِي كَشْفِ الضَّرِّ عَنْهُ لَا يَقْدِرُ فِي صَبْرِهِ وَأَنَّهُ صَابِرٌ وَأَنَّهُ يَنْفَعُ الْعَبْدَ
 كَمَا قَالَ (إِنَّهُ أَذَابُ) أَيْ رَجَاءُ إِلَى اللَّهِ لَا إِلَى الْأَسْبَابِ وَالْحَقُّ يَفْعَلُ عِنْدَ ذَلِكَ بِالسَّبَبِ
 لِأَنَّ الْعَبْدَ يَسْتَنِدُ إِلَيْهِ إِذَا الْأَسْبَابُ الْمُرِيْلَةُ لَا فَرْمًا كَثِيرَةً وَالْمَسَبِبُ وَاحِدُ الْعَيْنِ فَرَجُوعُ
 الْعَبْدِ إِلَى الْوَاحِدِ الْعَيْنِ الْمُرِيْلِ بِالسَّبَبِ ذَلِكَ أَلَا تَرَى أَوَّلِي مِنَ الرَّجُوعِ إِلَى سَبَبٍ خَاصٍّ
 رَبَّنَا لَا يُؤَافِقُ ذَلِكَ عِلْمُ اللَّهِ فِيهِ فَيَقُولُ إِنَّ اللَّهَ لَمْ يَسْتَجِبْ لِي وَهُوَ مَا دَعَاكَ وَإِنَّمَا
 جَنَحَ إِلَى سَبَبٍ خَاصٍّ لَمْ يَقْتَضِهِ الزَّمَانُ وَلَا الْوَقْتُ فَعَمِلَ أَيُّوبُ بِحِكْمَةِ اللَّهِ إِذَا كَانَ
 نَبِيًّا لَسَا عَلِمَ أَنَّ الصَّبْرَ الَّذِي هُوَ حَبْسُ النَّفْسِ عَنِ الشَّكْوَى عِنْدَ الطَّائِفَةِ وَكَيْسَ ذَلِكَ
 بِحَدِّ لِلصَّبْرِ عِنْدَنَا وَإِنَّمَا حَدُّهُ حَبْسُ النَّفْسِ عَنِ الشَّكْوَى لِغَيْرِ اللَّهِ لَا إِلَى اللَّهِ وَحَجَبَ الطَّائِفَةُ
 نَظَرُهُمْ فِي أَنَّ الشَّاكِيَ يَقْدِرُ بِالشَّكْوَى فِي الرِّضَاءِ بِالْقَضَاءِ وَكَيْسَ كَذَلِكَ فَإِنَّ الرِّضَاءَ
 بِالْقَضَاءِ لَا يَقْدِرُ فِيهِ الشَّكْوَى إِلَى اللَّهِ وَلَا إِلَى غَيْرِهِ وَإِنَّمَا يَقْدِرُ فِي الرِّضَاءِ بِالنُّقْضِ وَنَحْنُ
 مَا خُوطِبْنَا بِالرِّضَاءِ بِالنُّقْضِ وَالضَّرُّ هُوَ النُّقْضُ مَا هُوَ عَيْنُ الْقَضَاءِ وَعَلِمَ أَيُّوبُ أَنَّ فِي حَبْسِ
 النَّفْسِ عَنِ الشَّكْوَى إِلَى اللَّهِ فِي رَفْعِ الضَّرِّ مَقَامَ الْقَفْرِ إِلَّا إِلَهِي وَهُوَ جَهْلٌ بِالشَّخْصِ
 إِذَا ابْتَلَاهُ اللَّهُ بِمَا تَنَاقَرَتْ مِنْهُ نَفْسُهُ فَلَا يَدْعُو اللَّهَ فِي إِزَالَةِ ذَلِكَ إِلَّا مُرَاسِلًا بَلْ يَنْبَغِي
 لَهُ عِنْدَ الْمُحَقِّقِ أَنْ يَتَضَرَّعَ وَيَسْأَلَ اللَّهَ فِي إِزَالَةِ ذَلِكَ عَنْهُ فَإِنَّ ذَلِكَ إِزَالَةٌ عَنْ جَنَابِ
 اللَّهِ عِنْدَ الْعَارِفِ صَاحِبِ الْكَشْفِ فَإِنَّ اللَّهَ قَدْ وَصَفَ نَفْسَهُ بِأَنَّهُ يُؤْذِي فَقَالَ (إِنَّ

الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ) وَآيٌ أَدْنَىٰ أَعْظَمُ مِنْ أَنْ يَبْتَلِيكَ بِبَلَاءٍ عِنْدَ غَفْلَتِكَ عَنْهُ
أَوْ عَنْ مَقْلَمِ إِلَهِي لَا تَعْلَمُهُ يَتَرَجِّعُ إِلَيْهِ بِالشَّكْوَىٰ فَيَرْفَعُهُ عِنْدَكَ فَيَصِحُّ إِلَّا فِتْقَارُ الَّذِي هُوَ
حَقِيقَتُكَ فَيَرْفَعُ عَنِ الْحَقِّ الْأَدْنَىٰ بِسُؤَالِكَ رَأْيَاكَ فِي رَأْفَعِهِ عِنْدَكَ إِذَا أَنْتَ صَوَّرْتَهُ الظَّاهِرَةَ
كَمَا جَاءَ بَعْضُ الْعَارِفِينَ نَبْكَأ فَقَالَ لَهُ فِي ذَلِكَ مَنْ لَا ذَوْقَ لَهُ فِي هَذَا الْفِرْنِ مُعَارِبًا لَهُ فَقَالَ
الْعَارِفُ إِنَّمَا جَوَّعْنِي لَا بَكِي يَقُولُ إِنَّمَا ابْتَلَانِي بِالضَّرِّ لَا سُسْلَةَ فِي رَأْفَعِهِ عَنِّي وَ ذَلِكَ لَا
يَقْدِرُ فِي كَوْنِهِ صَاحِدًا فَعَلِمْنَا أَنَّ الصَّبْرَ إِنَّمَا هُوَ حَبْسُ النَّفْسِ عَنِ الشَّكْوَىٰ بِغَيْرِ اللَّهِ
وَأَعْنَىٰ بِالتَّغْيِيرِ وَجْهًا خَاصًّا مِنْ وَجْهِكَ اللَّهُ وَقَدْ عَيَّنَ الْحَقُّ وَجْهًا خَاصًّا مِنْ وَجْهِكَ اللَّهُ وَ
هُوَ الْمُسْتَسْتَسِي وَجْهَ الْهُوِيَّةِ قَيِّدٌ عَوْكَ مِنْ ذَلِكَ الْوَجْهِ فِي رَأْفَعِ الضَّرِّ عَنْهُ لَا مِنْ الْوُجُوهِ الْأُخْرَى
الْمُسْتَسْتَسِي أَسْبَابًا وَ لَيْسَتْ إِلَّا هُوَ مِنْ حَيْثُ تَقْصِيلُ الْأَمْرِ فِي نَفْسِهِ فَالْعَارِفُ لَا يَحْجِبُهُ سُؤَالُهُ
هُوِيَّةَ الْحَقِّ فِي رَأْفَعِ الضَّرِّ عَنْهُ عَنْ أَنْ يَكُونَ جَمِيعُ الْأَسْبَابِ عَيْنَهُ مِنْ حَيْثِيَّةٍ خَاصَّةٍ وَ
هَذَا لَا يَلْزَمُ طَرِيقَتَهُ إِلَّا الْأَدْبَاءُ مِنْ عِبَادِ اللَّهِ الْأُمَنَاءُ عَلَى اسْتِرَارِ اللَّهِ فَإِنَّ لِلَّهِ أُمَنَاءَ لَا
يَعْرِفُهُمْ إِلَّا اللَّهُ وَ يَعْرِفُ بَعْضُهُمْ بَعْضًا وَقَدْ نَفَحْنَاكَ فَاعْمِلْ وَإِيَّاكَ سُبْحَانَهُ فَاسْئَلْ

یہ حکمت غیبیہ کا فص کلمہ ایوبیہ کے بیان میں ہے

حکمت نفسیہ کے بعد حکمت غیبیہ لانے کی حکمت یہ ہے کہ حکمت نفسیہ کا اختتام چونکہ اس امر پر
ہوا کہ انسان موت کے بعد بالکلیہ معدوم نہیں ہوتا بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کر جاتا ہے اور عالم
شہادت سے منتقل ہو کر عالم غیب میں پہنچ جاتا ہے اسلئے حکمت نفسیہ کے بعد مرتبہ غیب کے اسرار
بیان کئے گئے ہیں۔ حکمت غیبیہ کو حضرت ایوب علیہ السلام کی طرف منسوب کرنے کی حکمت یہ ہے کہ
جب آپ بلا میں غیب سے مبتلا ہوتے تو آپ کے چالیس ہزار بھیڑ بکری مانتی گھوڑا اؤنٹ گاتے
بیل مویشی سب غیب سے ایک آگ نے آکر جلا دیئے۔ پھر تمام اسباب اثاث البیت گھر دروازے
فرش فرش سب ایک غیبی آگ سے جل گئے۔ چار بیٹے تین بیٹیاں معلم کے پاس پڑھتے تھے۔ غیب
سے ایسی بلا نازل ہوئی کہ معلم کے مکان کی چھت نیچے گر پڑی۔ ساری اولاد دُوب کر مر گئی۔ پھر حضرت
کے پاؤں میں ایک غیب سے چھالا پڑا اور زخم ہو گیا حتیٰ کہ غیب سے اُس میں کیڑے پڑ گئے۔ جب بلا

کا وقت غیب سے ختم ہوا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کیلئے ایک غیبی چشمہ جاری کیا اور غیب سے ہی پہلی اولاد عطا کی اور غیب سے ہی سابقہ اولاد کے برابر اور اولاد اپنی رحمت غیبی سے عطا کی **يَقُولُ تَعَالَى (اُرْكُضْ بِرِجْلِكَ هَذَا مُغْتَسَلٌ بَارِدٌ وَشَرَابٌ ۝ وَهَبْنَاهُ آهْلَهُ وَ مِثْلَهُمْ مَعَهُمْ رَحْمَةً مِنَّا وَذِكْرَىٰ لِرَٰوِلِيَ الْاَلْبَابِ)**۔ چونکہ حضرت ایوب علیہ السلام کو عالم غیب سے بہت ہی واسطہ پڑا لہذا حکمت غیبیہ ایوب علیہ السلام کی طرف منسوب کی گئی ہے ۛ

اے طالب! اس امر کو جان لے کہ بہر حیات نے پانی میں سرایت کی ہے لہذا تمام عناصر و ارکان کا اصل پانی ہے اور اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ہر زندہ شے پانی یعنی نطفہ سے بنائی ہے **يَقُولُ تَعَالَى (وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ)**۔ بظاہر ہر جاندار کا جسد تو نطفہ سے بنایا گیا ہے اور روح ہر جاندار کا عالم ارواح سے لایا گیا ہے۔ حقیقت میں پانی سے مراد علم الہی ہے۔ بہر حیات سے مراد ہویت الہیہ یعنی مرتبہ احدیت ذاتیہ ہے۔ ذات حق نے ظہور کی خاطر سب سے اول مرتبہ احدیت سے تنزل فرما کر مرتبہ علم میں ظہور فرمایا۔ یہ تجلی ذاتی ہے اور اس کا نام فیض اقدس ہے۔ ثانیاً ذات حق نے مرتبہ علم سے مرتبہ شہادت میں ظہور فرمایا یہ تجلی اسمائی ہے اور اس کا نام فیض مقدس ہے۔ یعنی جمیع عوالم مرتبہ علم سے ظہور میں آتے ہیں اور مرتبہ علم مرتبہ احدیت ذات سے ظہور پذیر ہوا ہے پس ثابت ہوا کہ جمیع عوالم کی صورت پر ذات حق کا ظہور ہے۔ نیز ہر چیز حیات ہے کیونکہ ہر شے اللہ تعالیٰ کی حمد کیساتھ تسبیح پکارتی ہے اگرچہ بغیر کشف الہی کے ہم اس کی تسبیح نہیں سمجھتے ہیں **يَقُولُ تَعَالَى (وَإِنْ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَلَكِنْ لَّا تَفْقَهُونَ تَسْبِيحَهُمْ)**۔ اور نہیں تسبیح کرتا ہے کوئی مگر زندہ پس ثابت ہوا کہ ہر شے زندہ ہے۔ چونکہ ہر شے زندہ ہے اسلئے ہر شے کی اصل پانی ہے یعنی ہر شے ظہور خارجی سے پہلے علم الہی میں موجود تھی۔ ممکنات عالم مرتبہ علم میں بطور صورت علمیہ موجود تھے۔ صورت علمیہ کو اعیان ثابۃ یا حقائق ممکنات یا ماہیات بھی کہا جاتا ہے۔ اور مرتبہ احدیت ذاتیہ سے تنزل فرما کر ذات حق کا ظہور اول ظہور علمی ہے لہذا ثابت ہوا کہ ہر شے کی اصل ذات حق ہے ۛ

اَلَا تَرَىٰ اَنْعَزَ شَرَاۤءُکُمْ کَمَا تُوۡفَوۡنَہُ۔ کیا تو نہیں دیکھتا کہ عرش کیسے پانی پر تھا کیونکہ تحقیق عرش اُسی پانی سے موجود ہوا اور اُسی پر ظاہر ہوا۔ عرش سے مراد قلب محمدی ہے صلی اللہ علیہ وسلم اور پانی سے مراد علم الہی ہے۔ مراد یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے جمیع عوالم کو اپنی ذات سے پیدا کیا تو بعد میں حضرت انسان کا بل صلی

اللہ علیہ وسلم کے وجودِ معنوی کا ظہور فرمایا لِقَوْلِهِ تَعَالَى (وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ وَكَانَ عَرْشُهُ عَلَى الْمَاءِ)۔ ایامِ ستہ سے مراد مراتبِ ستہ احدیت، وحدت، واحدیت، عالمِ ارواح، عالمِ مثال اور عالمِ اجسام ہے۔ ان چھ مراتب کے بعد اللہ تعالیٰ نے لباسِ اخیر و تجلیِ اخیر حضرت انسانِ کامل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ظاہر فرمایا جو ان مراتبِ ستہ کا جامع ہے۔ حضرت شیخ الاکبر محی الدین ابن العربی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی تفسیر میں سورۃ ق کی تفسیر میں فرماتے ہیں قِیَّاسًا دَلَّ عَلَى أَنَّ الْقَلْبَ الْمُحَمَّدِيَّ الَّذِي هُوَ الْعَرْشُ الْإِلَهِيُّ الْمَحْجُوظُ بِالْكَوْنِ صَادِقًا لِمَا أَشَارَ إِلَى صُورَتِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعْنِي قِیَّاسًا قَلْبِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی طرف اشارہ ہے اور وہ عرشِ الہی ہے جو کہ ہر شے پر محیط ہے جیسا کہ ص صورتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ ہے۔ پس عرش سے مراد قلبِ محمدی ہے صلی اللہ علیہ وسلم جو ہر شے پر محیط ہے یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم مجموعہ کونین ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود باوجود ظہورِ غنصری سے قبل علمِ الہی میں موجود تھا اور اُسی مرتبہ علم سے مرتبہ ظہورِ خارجی میں آیا فَطَفًا عَلَيْهِ یعنی آپ کا ظہور آپ کے عین ثابۃ کے احکام اور آثار کے مطابق ہوا۔ ظاہر میں بھی انسان کا قلب پانی پر ہے جس کے خشک ہونے پر پیاس لگ جاتی ہے پس پانی قلب کی حفاظت کرتا ہے۔ حقیقت میں علمِ الہی حضرت انسانِ کامل جنابِ محمد پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کرتا ہے یعنی علمِ الہی چونکہ لامتناہی ہے اور اُس کا ظہور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قلبِ پاک میں ہوتا ہے، اسلئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات اور علوم ہر دم ترقی پذیر ہیں اور لامتناہی ہیں۔ تحت میں یعنی حقیقت میں علمِ الہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قلبِ پاک کا نگہبان ہے یعنی علمِ الہی کی ہر دم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قلبِ پاک پر نظر ہے۔ مراد یہ ہے کہ انسانِ کامل کا علم حق کیلئے آئینہ ہے اور علم حق اُس پر متجلی ہے اور اُس کے ساتھ ظاہر ہے۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا علم عین علمِ الہی ہے بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات عین اللہ تعالیٰ کی ذات ہے جیسا کہ حضرت امام حسین پاک علیہ السلام اپنی تصنیف لطیف مرآت العارفین میں فرماتے ہیں بَيْنَ عِلْمِهِ عِلْمُهُ وَذَاتُهُ ذَاتُهُ۔ پس پانی بظاہر تحت سے قلبِ انسان کی نگہبانی کرتا ہے یعنی باطن اور اصل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم اور کمالات کا منبع علمِ الہی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مثال عرش کیسا قد دی گئی ہے۔ آگے عام انسانوں کا ذکر ہے جو عارف باللہ نہیں ہیں۔ اُن کیلئے هَذَا الْعَبْدُ الْجَاهِلُ بِرَبِّهِ کے القاب ہیں۔ اس طرح انسان کو اللہ تعالیٰ نے عبد پیدا کیا یعنی جب اللہ تعالیٰ نے اپنے

صرافت ذاتی کے مقام سے تنزل فرما کر عبد کی صورت پر جلوہ آرائی کی تو لباس ربوبیت کو ترک کر کے لباس عبودیت پہنا۔ صفات کاملہ حجب امکانیہ میں چھپ گئیں۔ اب عام انسانوں میں وہ صفات کاملہ نہیں پائی جاتیں، اسی لئے عبد نے اپنے رب پر تکبر کیا اور سرکشی کی یعنی اپنی علیحدہ مستقل ذاتی ہستی کا دعویٰ کر دیا کہ اللہ تعالیٰ سے علیحدہ میرا ایک وجود ہے۔ حقیقی باوجود عبد کے اس تکبر کے اُس عبد کے علو مرتبت پر نظر رکھتے ہوئے اپنے تحت اور باطن سے اُس عبد کی حفاظت کرتا ہے، اگرچہ وہ عبد اپنے رب سے جاہل ہے۔ حقیقی کیلئے نسبت تحت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قول ذیل سے ثابت ہے: **لَوْ دَلَيْتُمْ بِحَبْلِ لَهَبٍ عَلَى اللَّهِ** یعنی اگر تم رسی کیساتھ ڈول ڈالو گے تو اللہ تعالیٰ پر اترے گا۔ مراد یہ ہے کہ اگرچہ عبد جاہل اپنی حقیقت سے ناواقف ہے لیکن حقیقی اپنے تحت اور باطن سے اُس پر نگاہ رکھتا ہے یعنی اپنی ذات سے اُس پر نگہبان یعنی محیط ہے۔ مراد یہ ہے کہ اُس کے ظاہر و باطن پر حقیقی ہی متجلی ہے۔ حقیقی جیسے عرش پر متجلی ہے ویسے ہی تحت اثری میں متجلی ہے جیسا کہ حدیث شریف میں اشارہ کیا گیا ہے۔ اکثر کج فہم لوگ حقیقی کا تجلی صرف عرش پر سمجھتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کا یہ وہم دور کرنے کیلئے ارشاد فرمایا: **لَوْ دَلَيْتُمْ بِحَبْلِ لَهَبٍ عَلَى اللَّهِ** یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ فرمادیا کہ حقیقی کے لئے تحت کی نسبت تحقیق ایسے ہی ہے جیسے اُس کیلئے فوق کی نسبت ہے۔ اُس کیلئے فوق کی نسبت رب تعالیٰ کے قول **(يَخَافُونَ رَبَّهُمْ مِنْ فَوْقِهِمْ)** اور **(وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهِ)** سے ثابت ہے۔ پس ثابت ہوا کہ فوق و تحت دونوں حقیقی کیلئے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ ذات حق کسی جہت میں مقید نہیں بلکہ ہر جہت اور ہر مقام میں اُسی کا تجلی ہے **(قَائِنًا تَوَكَّلُوا فَتَمَّ وَجْهَ اللَّهِ)** نتیجہ یہ نکلا کہ وہ ذات شش جہات سے منزہ ہے۔ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ شش جہات انسان ہی کے وجود سے ثابت ہیں اور انسان بذات خود مجملہ جہات سے منزہ ہے لہذا انسان صورت رحمن پر ہے یعنی انسان اللہ تعالیٰ کیلئے مظہر اتم ہے۔

وَلَا مُطْعِمَ إِلَّا اللَّهُ اتم اور انسان کو سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی غذا دینے والا نہیں ہے۔ ایک تو یہ مراد ہے کہ انسان کو ظاہری باطنی بذق اللہ تعالیٰ ہی دینے والا ہے۔ دوسری مراد یہ ہے کہ انسان کو وجود کی غذا اللہ تعالیٰ ہی دینے والا ہے یعنی انسان کا وجود ساتھ اللہ تعالیٰ کے ہے جیسے حروف و الفاظ کا وجود ساتھ سیاہی کے ہے پس انسان کے فوق و تحت یعنی ظاہر و باطن پر حقیقی ہی متجلی ہے۔ لیکن

عارف کامل اللہ تعالیٰ کو تعین انسانی میں حصر نہیں کرتا بلکہ اُس کا عقیدہ ہے اِنَّهُ صُوْرَةٌ كُلِّ شَيْءٍ وَ
 عَيْنٌ كُلِّ شَيْءٍ یعنی اللہ تعالیٰ ہر شے کی صورت اور ہر شے کا عین ہے (فتوحات باب ۴) اور اسی کی مطابق
 اللہ تعالیٰ نے تحقیق موسوی اور عیسوی گروہ کے حق میں فرمایا (وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْحٰۤۡدَةَ وَاِلٰیٰنْجِلَ
 وَمَا اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاٰكُلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَ مِنْ تَحْتِ اَرْضِهِمْ) اور اگر وہ توریت اور انجیل
 کے احکام کو قائم رکھتے، اس کے بعد حق تعالیٰ نے احکام کی تنکیر اور تعمیم کی اور فرمایا (وَمَا اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ
 مِّنْ تَرٰۤیٰۤیْۡهِمْ) اور جو کچھ اُن پر اُن کے رب کی طرف سے نازل کیا گیا مراد یہ ہے کہ توریت اور انجیل کے علاوہ جو
 احکام اُن کے رسول کی زبانی یا کسی دلی کی زبانی اُن پر نازل کئے گئے، اُن سب پر اگر وہ قائم رہتے تو
 البتہ وہ اپنے فوق سے اور اپنے پاؤں کے تحت سے کھاتے۔ فوق سے اور تحت سے حق تعالیٰ ہی کھلانے
 والا ہے کیونکہ فوق اور تحت کی نسبت حق تعالیٰ ہی کی طرف ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے جناب رسول پاک
 صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پاک پر ارشاد فرمایا کَمَا ذَكَرَ۔ فوق سے آسمانی رزق مراد ہے اور تحت سے
 زمینی رزق مراد ہے۔ آسمانی رزق سے مراد مائدہ ہے جو آسمان سے غائبانہ موسوی اور عیسوی قوم پر
 نازل ہوتا تھا اور زمینی رزق سے مراد وہ اشیاء جو زمین سے دستیاب ہوتی ہیں۔ یہ ظاہر کے لحاظ سے ہی
 اور جسمانی رزق ہے۔ حقیقت کے لحاظ سے باطنی رزق یعنی روحانی رزق مراد ہے۔ فوق سے روحانی رزق
 وہ علوم اور اسرار ہیں جو وہی ہیں اور محض عطیہ الہی ہیں۔ تحت سے روحانی رزق وہ علوم اور اسرار ہیں
 جو سادک اپنی کوشش سے حاصل کرتا ہے۔

وَلَوْ اَنَّہٗ اب پھر عرش الہی یعنی قلب محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر خیر شروع ہوتا ہے۔ اور اگر
 حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وجود اقدس علم الہی میں ذات الہی کیساتھ موجود نہ ہوتا تو آپ کا وجود اقدس
 واطہر محفوظ نہ رہتا کیونکہ ہر شیء کا وجود ساتھ حیات کے محفوظ رہتا ہے۔ کیا تو نہیں دیکھتا کہ جب ایک جاندار
 موت طبعی کیساتھ مر جاتا ہے تو اُس کے جسم کے اجزا متفرق ہو جاتے ہیں اور اُس کی قوتیں اُس جسم غائی
 سے معدوم ہو جاتی ہیں مراد یہ ہے کہ چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم وجود موصوب الہیہ سے مشرف ہیں اور صفات کاملہ الہیہ سے موصوب
 اسلئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود اقدس پر موت طبعی کا کوئی اثر نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے
 ظاہری موت صرف ایک پردہ ہے ورنہ خواص لوگ جانتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے موت اور
 حیات میں کوئی فرق نہیں۔ آپ کا جسد اطہر و انور چونکہ ایک نورانی الطف ترین پیکر ہے اسلئے آپ کے

نورانی جسد مبارک پر موت کا کوئی اثر نہیں۔ عام انسانوں کی یہ حالت نہیں۔ جب اُن پر موت طبعی وارد ہوتی ہے تو اُن کے اجساد گل سڑ جاتے ہیں، اجزاء متفرق ہو جاتے ہیں، رُوح کی اُس جسم سے مفارقت ہو جاتی ہے، تو تئیں اُس جسم سے معدوم ہو جاتی ہیں اور اُن کو اُس جسم کی بجائے ایک مثالی جسم عطا کیا جاتا ہے۔ شروع شروع سے لیکر یہاں تک سب تمہید ہے۔ اب حضرت ایوب علیہ السلام کے حالات شروع ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ایوب کو فرمایا (اُرْكُضْ بِرِجْلِكَ هَذَا مُغْتَسَلٌ بَارِدٌ) یعنی زمین پر اپنا پاؤں مار، یہ نہانے کی ٹھنڈی جگہ ہے۔ چونکہ آپ کو اَلَم کی وجہ سے حرارت کی زیادتی تھی اس لئے آپ کو ٹھنڈے پانی کی ضرورت تھی لہذا اللہ تعالیٰ نے آپ کو ٹھنڈے پانی کیساتھ تسکین دی۔ جب حضرت ایوب علیہ السلام کا بلا کا زمانہ گزر گیا تو آپ نے اہام الہی سے صحت کیلئے دُعا کی (يَقُولُ تَعَالَىٰ رَاٰ ذُنَابِيْ فَقَدْ سَاۤءَ مَا كُنْتُ بِرِجْلِيْ) اللہ تعالیٰ نے آپ کی دُعا قبول فرمائی اور فرمایا (اُرْكُضْ بِرِجْلِكَ هَذَا مُغْتَسَلٌ بَارِدٌ وَشَوَابٌ) یعنی اُسے میرے نبی! زمین پر پاؤں مار۔ جب پاؤں زمین پر مارا تو اُس میں سے ایک چشمہ نکلا جو نہانے کو ٹھنڈا تھا اور پینے کو بھی ٹھنڈا۔ جب آپ نے اُس چشمہ میں نہایا اور اُس میں سے پیا تو آپ کی ظاہری و باطنی امراض سب دُور ہو گئیں۔ یہ چشمہ بھی آپ کیلئے غیب سے ظاہر ہوا۔ اس آیت کریمہ کا باطنی معنی یہ ہے کہ جب سالک اللہ کے راہ پر چلتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُس کی زمینِ قلب سے ایک معرفت کا چشمہ پیدا کر دیتا ہے جو عارف کے قلب کو سیراب کر دیتا ہے اور بھر و فراق کے اَلَم کی زیادتی حرارت کو ٹھنڈا کر دیتا ہے۔ عشقِ مُبتدٰی کیلئے نار ہے اور مُنتہٰی کیلئے گلزار یعنی نور ہو جاتا ہے۔ مراد یہ ہے کہ جب عارف کے قلب پر آفتابِ توحید چمکتا ہے اور اُسے معرفتِ الہی نصیب ہو جاتی ہے تو اُسے تسکینِ قلب نصیب ہو جاتی ہے۔ آیت کریمہ کی ایک اور حکمت بھی بیان کی گئی ہے کہ جب حضرت ایوب علیہ السلام کو اَلَم کی وجہ سے افراطِ حرارت پیدا ہو گئی تو اللہ تعالیٰ نے ٹھنڈا پانی عطا کیا تا کہ حرارت کی افراط دُور ہو جائے اور آپ کا مزاج اعتدال پر آجائے۔ گویا اللہ تعالیٰ نے طب کا ایک شعبہ بتا دیا ہے کہ معالج کو چاہیئے کہ مریض کے زائد اخلاط کو گھٹائے اور کم اخلاط کو بڑھائے۔ پس طبیب کا مقصود مریض کے مزاج کو اعتدال پر لانا ہے اور صحتِ جسم کیلئے اور کوئی سبیل نہیں مگر یہ کہ طبیب مزاج کو اعتدال کے قریب کر دے۔ نیز اس علاج سے روحانی علاج بھی مراد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اشارہ فرما دیا ہے کہ شیخِ کامل کو چاہیئے کہ روحانی مریض کا علاج اس طرح کرے کہ اُس میں سے صفاتِ ذمیمہ کو دُور کرے اور صفاتِ حسنہ کو بڑھائے حتیٰ کہ وہ صفات کا ملکہ الہیہ سے

مخلوق ہو جائے بقولہ عَلَیْہِ السَّلَامُ تَخْلُقُوا بِاخْلَاقِ اللّٰہِ اور یہ مقام اعتدال ہے۔ مراد یہ ہے کہ عارف کامل اس مقام پر پہنچ جائے کہ وہ صفات حقیقی اور خلقی کا جامع ہو۔ دائمی ربوبیت اور دائمی عبودیت اُس کی شان ہو۔ ظاہر ہمہ تن شریعت باطن ہمہ تن حقیقت سے لبریز ہو۔ ظاہر ہمیشہ اور باطن مست ہو۔ یہ حقیقتاً سرکارِ دو عالم حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام مبارک ہے۔ یہ مقام تمکین و استقامت ہے۔ اصلاً یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام مبارک ہے لیکن اصفاً جناب کی اُمت مبارکہ کے کمل عارفین رضی اللہ عنہم کو بھی نصیب ہے۔ مقام احدیت عالم ذات ہے۔ تجلی اخیر حضرت انسان ہے۔ انسان جب عروج کرتا ہے تو عالم امر یعنی عالم ارواح میں پہنچ جاتا ہے۔ عالم ارواح مقام اعتدال ہے۔ عالم ارواح سے ترقی کر کے انسان مرتبہ احدیت ذات میں داخل ہو جاتا ہے۔ اس مقام پر روح القدس عارف کامل کے جسم کی صولت اختیار کر لیتا ہے اور وہ روحانی و ربانی ہو جاتا ہے اور وہ بول اُٹھتا ہے۔

مَنْ نَعِمَ وَاللّٰهُ يَارَا مِنْ نَعِمٍ ۖ رُوحٌ رُوحٌ مَّہرٌ مَّہرٌ مِّنْ نِّعَمٍ

پس پیر کامل مرید کیلئے مقام اعتدال طلب کرتا ہے یعنی نہ محض سُکر نہ محض صحو نہ محض وحدت نہ محض کثرت۔ اور اس مقام اعتدال تک رسائی سالک کو اُس وقت نصیب ہوتی ہے جب پیر کامل اُسے مقرب بارگاہ کر دیتا ہے۔

وَإِنَّمَا قُلْنَا الْخَوَّارِ سَوَاءٌ اس کے نہیں کہہا ہم نے کہ اعتدال کی طرف کوئی راہ نہیں ہے۔ مراد یہ ہے کہ ممکنات عالم میں کسی شے کو حقیقت میں اعتدال حاصل نہیں۔ اُس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر شے جاندار یا بے جان یا انسان کو کسی خاص حکمت کی خاطر پیدا کیا ہے یعنی وہ شے کسی ایک خاص صفت اور کسی ایک خاص اسم کی مظہر ہے۔ لہذا ضروری ہے کہ اُس شے میں اُس صفت کا دوسری صفت پر غلبہ ہو اور یہ امر اعتدال کے خلاف ہے کیونکہ اعتدال کا تقاضا یہ ہے کہ اُس شے میں تمام اجزایا تمام صفت مساوی ہوں۔ ممکنات عالم جو اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات کا ظہور ہیں مرتبہ احدیت ذاتیہ میں بالقوہ موجود تھے۔ مرتبہ احدیت میں ممکنات عالم کا نام شیونات ہے۔ جب اسماء و صفات نے ظہور کا تقاضا کیا تو فیض اقدس سے اُن شیونات کا ظہور مرتبہ علم میں ہوا۔ مرتبہ علم میں اُن کا نام معلومات ہے۔ فیض مقدس سے اُن معلومات یا اعیان ثابۃ کا ظہور خارج میں اعیان خارجیہ یا ممکنات عالم کی صورت پر ہوا۔ علم حقائق و کشف عارف کامل کو یہ بہر اور حکمت عطا کرتا ہے کہ تکوین اور ایجاد ممکنات عالم ہر آن علی اللہ و ام ہے۔ یعنی ہر لحظہ

ذات مرتبہ احدیت سے مرتبہ علم میں اور مرتبہ علم سے مرتبہ عین خارج میں ظہور فرما رہی ہے۔ اُسما و صفات چونکہ لامتناہی ہیں اس لئے اُن کا ظہور لامتناہی ہے، مراتب ظہور لامتناہی ہیں اور اُن کا ظہور ابد الابد تک ہوتا رہیگا۔ مراتب ظہور اگرچہ لامتناہی ہیں لیکن مراتب کلیہ ظہور سات ہیں لِقَوْلِهِ تَعَالَى (إِنَّ رَبَّكُمُ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي مِثْقَةِ آيَاتٍ ثُمَّ اسْتَوَى عَلَى الْعَرْشِ)۔ آیات مِثْقَہ سے مراد چھ مراتب احدیت وحدت، واحدیت، عالم ارواح، عالم مثال اور عالم اجسام ہیں۔ ساتواں مرتبہ عرش ہے جو ہر شے کو محیط ہے۔ عرش سے مراد حضرت انسان کامل صلی اللہ علیہ وسلم ہے جو جامع جمیع مراتب ہے۔ احدیت، وحدت اور واحدیت تینوں مراتب حقیقی ہیں اور عالم ارواح، عالم مثال اور عالم اجسام تینوں مراتب خلقی ہیں، ان مراتب میں تقدّم و تاخر عقلی ہے زبانی نہیں۔ یہ تکوین عالم کا سبب اُسما و صفات کا تقاضا ظہور ہے۔ اس میلان ظہور کا نام حیوان کیلئے انحراف فی الطبیعت ہے اور غیر حیوان کے لئے تعین ہے اور اللہ تعالیٰ کے لئے ارادہ ہے۔ مراد یہ ہے کہ جب ایک شے مرتبہ عدم یا غیب سے ظہور چاہتی ہے تو گویا وہ اُس خاص صفت اور خاص اسم کا ظہور چاہتی ہو جس کا وہ مظہر ہے۔ اُس کا یہ میلان ہی اعتدال سے انحراف ہے۔ ایسے ہی اللہ تعالیٰ کا اُس شے کے ظہور کا ارادہ کرنا بھی اعتدال سے انحراف ہے۔ لہذا ثابت ہوا کہ اعتدال حقیقی کا وجود عدم ہے۔ قرآن مجید اور احادیث شریف میں تحقیق وارد ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ جامع الاضداد ہے اور مجملہ صفات متضادہ سے متصف ہے۔ مثال کے طور پر اللہ تعالیٰ رضا سے بھی متصف ہے اور غضب سے بھی متصف ہے۔ رضا غضب کو مغضوب علیہ سے زائل کرنے والی ہے اور غضب رضا کو مرضی عنہ سے زائل کرنے والی ہے اور اعتدال یہ ہے کہ رضا و غضب مساوی ہو۔ اور جب رضا و غضب مساوی ہوگا تو کوئی غضب کرنے والا کسی ایسے شخص پر غضب نہیں کر سکتا جس حال میں کہ وہ غضب کرنے والا اُس شخص کے ساتھ راضی ہے۔ غاصب غضب تب ہی کر سکتا ہے جب اُس کا غضب رضا پر غالب ہو یعنی مغضوب علیہ کے حق میں غاصب کو ان دو حکموں میں سے ایک ہی کے ساتھ متصف ہونا پڑے گا اور وہی اتصاف میلان اور اعتدال حقیقی سے انحراف ہے۔ ایسے ہی کوئی راضی ہونے والا کسی ایسے شخص کے ساتھ راضی نہیں ہو سکتا جس حال میں کہ وہ راضی ہونے والا اُس شخص پر غضب کرنے والا ہو۔ راضی ہونے والا راضی تب ہی ہو سکتا ہے جب اُس کی رضا غضب پر غالب ہو یعنی مرضی عنہ کے حق میں راضی ہونے والے کو ان دو حکموں میں سے ایک ہی کے ساتھ متصف ہونا پڑے گا اور وہی اتصاف میلان اور اعتدال حقیقی سے انحراف ہے۔

پس ان دلائل سے ثابت ہوا کہ حقیقی اعتدال کا وجود عدم ہے۔ اور یہ جو ہم عدم اعتدال کے قائل ہوئے ہیں اس شخص کے نظریہ کے مطابق ہے جو کہتا ہے کہ تحقیق دوزخیوں پر اللہ تعالیٰ ہمیشہ ابدالاً بادتک غضب کرتا رہیگا اور ان کیلئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے رضا کا حکم کبھی نہ ہوگا اگرچہ یہ مجاہدین کا اپنا زعم ہے۔ پس ہمارا مقصود صحیح ہوا کہ اعتدال حقیقی کا وجود عدم ہے۔ اور اگر حقیقت میں معاملہ ایسا ہے جیسا کہ سابقہ نصوص میں ہم نے ذکر کیا ہے کہ دوزخیوں کا انجام طرفِ نعیم کے ہے یعنی آلام کے ازالہ کی طرف ہے اگرچہ وہ لوگ میں ہی رہیں۔ پس آلام کا زائل ہو جانا ہی اللہ تعالیٰ کی رضا ہے کیونکہ آلام کے زوال کے باعث غضب الہی بھی زائل ہوا۔ مراد یہ ہے کہ عینِ اَلْمِ عینِ غضب ہے یعنی عبد کو اَلْمِ تب ہی ہوگا جب حقیقی غضب کرے گا۔ اے طالب! اگر تو اس حکمت کو سمجھے تو تجھے پتہ چل جائے گا کہ مذکورہ بالا قول میں بھی حق تعالیٰ معاً دونوں حکموں سے مُتَصِف نہیں بلکہ ایک ہی حکم سے مُتَصِف ہوا پہلے غضب اور بعد میں رضا اور یہی ہمارا مقصود ہے کہ اعتدال حقیقی ثابت نہیں ہے۔

نیز رَاذُ عَيْنٍ اِلَّا لِعَيْنٍ اَلْغَضَبِ اَلْمُرَادِ یہ ہے کہ اَلْمِ کا عینِ غضب کا عین ہے یعنی عبد اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کر کے اللہ تعالیٰ کو ایذا پہنچاتا ہے بعد میں اللہ تعالیٰ اُس پر غضب کرتا ہے حقیقت میں جو شخص جناب سرورِ کائنات مغرورِ موجودات جناب رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا پہنچاتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کو ایذا پہنچاتا ہے بِقَوْلِهِ تَعَالٰی (اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اُمَّةً وَرَسُولَهَا)۔ ایسے ہی جب ایک بندہ دوسرے شخص کو ناحق ایذا پہنچاتا ہے تو وہ شخص بھی اُس بندہ پر غضب کرتا ہے۔ لہذا نتیجہ یہ نکلا کہ عینِ غضب اَلْمِ پس جس نے غضب کیا، اُس نے تحقیق مغضوب علیہ کے ہاتھ سے پہلے ایذا پائی ہے اور بعد میں وہ مغضوب علیہ سے انتقام لینے کی خاطر اُس کو اَلْمِ پہنچاتا ہے تاکہ بدلا لینے سے اُس کا وہ اَلْمِ جاتا رہے اور اُس کو راحت نصیب ہو۔ اس طرح سے وہ اَلْمِ جو غضب کر نیوالے کو مغضوب علیہ کی طرف سے پہنچاتا تھا، مغضوب علیہ کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔

وَ اِنَّ حَقَّ اَلْمِ اور جب حقیقی کو عالم سے مُنَزَّہ اور جُدا کریں تو حقیقی اس صفت جو اوپر اس حد رضا، غضب اور انتقام کے ہے، سے بہت بڑا عالی اور مُنَزَّہ ہے۔ مراد یہ ہے کہ مرتبہ احدیت ذاتیہ میں جملہ صفات بالقوہ موجود ہیں لیکن اس مرتبہ میں اُن کا ظہور نہیں۔ جملہ صفات مرتبہ احدیت میں اس طرح بالقوہ موجود ہیں جس طرح بیج کی گٹھلی میں سارا درخت بالقوہ موجود ہوتا ہے یا جب ایک عالم

سورہا ہو تو اُس حالت میں اُس کو اپنے علوم کا شعور نہیں اگرچہ جمیع علوم اُس کے سینہ میں موجود ہوتے
 ہیں۔ اور جب حق تعالیٰ کو عالم کی حقیقت مان لیا جائے تو جملہ احکام کا ظہور اُسی میں اور اُسی سے ہوگا
 يَقُولِہ تَعَالٰی (وَإِلَیْہِ یُرجَعُ الْأَمْرُ کُلُّہُ) اور تمامی امور اللہ تعالیٰ ہی کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ اور یہ
 مشاہدہ حقیقت و کشف کی رو سے حاصل ہوتا ہے۔ مراد یہ ہے کہ جب حق تعالیٰ ہی عالم کی ہُویت ہے تو
 غائب بھی خود ہے مغضوب علیہ بھی خود، راضی بھی خود ہے اور مرضی عنہ بھی خود، اہل نار بھی خود ہے اہل
 جنت بھی خود۔ جلال اور جمال اُس کی دو ذاتی صفات ہیں، باقی جملہ صفات ان کے تحت ہیں۔ اہل جنت
 اُس کے جمال کے مظاہر ہیں اور اہل نار اُس کے جلال کے مظاہر ہیں۔ جمال جلال کی ضد ہے اور جلال
 جمال کی ضد اسی لئے مظاہر جمال اور مظاہر جلال آپس میں عداوت رکھتے ہیں۔ حکیم مطلق نے اُنکے ابدی
 ٹھکانے بھی الگ الگ بنا دیئے ہیں۔ مظاہر جمال کا کمال جنت میں ہے اور مظاہر جلال کا کمال دوزخ میں
 جیسے ہرا بھرا پودا باغ میں پھلتا اور پھولتا ہے اور خشک لکڑی آگ میں ہنستی ہے۔ جنتیوں کو جنت میں
 راحت ہے اور دوزخیوں کو دوزخ میں راحت۔ ہاں اصل مسئلہ یہ تھا کہ حق تعالیٰ ہی مرتبہ احدیت سے تنزل
 فرما کر عالم کی صورت پر جلوہ نما ہے۔ پس اُسے طالب جب معاملہ ایسا ہے (فَاعْبُدْکَ وَتَوَكَّلْ عَلَیْہِ) تو تو
 اُس کی عبادت کر اور اُس پر توکل کر یعنی تو اُس کی اس طرح عبادت کرے کہ تجھ کو توکل کا مرتبہ حاصل
 ہو جائے۔ مراد یہ ہے کہ تو کُلّی طور پر اپنے آپ کو حق تعالیٰ کے سپرد کر دے۔ اپنے افعال اپنی صفات اور
 اپنی ذات کو اُسی کی طرف منسوب کرے حتیٰ کہ تو اپنی وہی خودی سے فارغ ہو جائے اور اُسکی ذات
 میں مجبور اور مستور ہو جائے۔ آیہ کریمہ میں رَبِّ تَعَالٰی نے اشارہ کر دیا ہے کہ عبادت کرتے وقت یہ
 تصور رکھ کہ عابد بھی میں خود ہوں اور معبود بھی میں خود ہوں تاکہ وہم غیریت تیرے دل سے اٹھ جائے
 اور نور توحید تجھے حاصل ہو۔ جب سالک کے دل پر آفتاب توحید طلوع کرتا ہے تو غیریت کے نقوش
 سب مٹ جاتے ہیں اور اُسے (فَإِیْنَمَا تَوَلَّوْا فَمَّ وَجْہُ اللّٰہِ) کی حقیقت کا انکشاف ہو جاتا ہے فلیس
 اتج پس حضرت امکان میں اس عالم سے کوئی شے زیادہ عجیب نہیں ہے کیونکہ تحقیق اللہ تعالیٰ نے اُسکو
 صورت رحمن پر ایجاد کیا۔ اللہ تعالیٰ کی ذات واجب الوجود ہے اور عالم ممکن الوجود ہے کیونکہ عالم وجود
 کیلئے اللہ تعالیٰ کا محتاج ہے اور اللہ تعالیٰ کا وجود بالذات ہے۔ واجب الوجود وہ ذات ہے جس کا ہونا
 ضروری ہو اور ممکن الوجود وہ ہے جس کا ہونا نہ ہونا یکساں ہو۔ سیاہی واجب الوجود ہے اور

الفاظ ممکن الوجود۔ سیاہی کا وجود تھا بھی ہے بھی اور رہیگا بھی۔ الفاظ کا وجود پہلے کوئی نہ تھا، اب ہے اور مٹ بھی سکتا ہے۔ الفاظ کے تعین مٹ سکتے ہیں لیکن اُن کی حقیقت یعنی سیاہی کا وجود نہیں مٹ سکتا پس عالم امکان سے ہے یعنی ممکن الوجود ہے۔ اللہ تعالیٰ نے عالم کو صورتِ رحمن پر ایجاد کیا۔ اِسمِ رحمن رحمتِ عامہ کا مظہر ہے۔ مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عالم کو اپنی رحمتِ عامہ سے نوازا یعنی ہر ممکن کو اپنا وجود عطا کیا۔ اس میں ادنیٰ اعلیٰ، مُسلم کافر، نیک بد کی کوئی تمیز نہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ کا وجود ظہورِ عالم کیساتھ ظاہر ہوا جیسے حضرت انسان صورتِ طبعی غرضی کے وجود کیساتھ ظاہر ہوا۔ مراد یہ ہے کہ جیسے روح اولِ قالب کا نام انسان ہے ایسے ہی عالم کی صورت و معنی اللہ تعالیٰ ہے یعنی عالم عینِ حق ہے۔ مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی مرتبہ احدیت سے تنزل فرما کر عالم کی صورت پر جلوہ نما ہے یعنی ہر شے کی صورت اور ہر شے کا معنی اللہ تعالیٰ ہے۔ پس ہم اہل عالم اللہ تعالیٰ کی ظاہری صورت ہیں اور اللہ تعالیٰ کی ہوتِ اس صورتِ عالم کی روح ہے جو اس صورتِ عالم کے لئے مُدبّر ہے۔ اس سے ظاہر ہو گیا کہ ہر تدبیر منجانبِ الہی ہے اور اللہ تعالیٰ ہی میں ہے یعنی اللہ تعالیٰ ہی کی خاطر ہے۔ جب حقتعالیٰ کسی بندہ پر غضب کرتا ہے تو حقیقتاً غائب بھی اللہ ہے اور مغضوب علیہ بھی اللہ تعالیٰ ہے بلکہ اگر ایک بندہ دوسرے شخص پر غضب کرتا ہے تو حقیقتاً غائب بھی اللہ تعالیٰ ہے اور مغضوب علیہ بھی اللہ تعالیٰ ہے۔ مراد یہ ہے کہ عالم میں ہر فعل اور ہر حکم اللہ تعالیٰ ہی کی طرف راجع ہے (يَقُولُ تَعَالَىٰ) (وَالْيَوْمَ يُزْجَعُ الْأُمُورُ كُلُّهَا)۔ فہو الاولیٰ، اِثنا پس اللہ تعالیٰ معنی کے اعتبار سے اول ہے یعنی حقیقت کی رو سے ہر شے سے اَدل اللہ تعالیٰ ہے کیونکہ ہر شے اللہ تعالیٰ ہی کے وجود سے ظاہر ہوئی ہے۔ اور صورت کے لحاظ سے وہ آخر ہے یعنی جب اللہ تعالیٰ نے مرتبہ احدیت ذاتیہ سے ظہور کی خاطر تنزل فرمایا تو آخر میں انسان کی صورت کا لبادہ اوڑھا۔ پس تجلیِ اخیر اور لباسِ اخیر صورتِ انسان ہے۔ اور خلق میں احوال اور احکام کے تغیر سے حقتعالیٰ ظاہر ہے یعنی عالم کے مجملہ احکام و احوال و امور کی صورت پر حقتعالیٰ ہی ظاہر ہے۔ مراد یہ ہے کہ اگرچہ خلق کے احوال گونا گون ہیں لیکن ہر ہر خلق کی صورت پر اللہ تعالیٰ ہی ظاہر ہے اور تدبیر کے لحاظ سے وہ ذاتِ باطن ہے یعنی خلق کے احوال کے متعلق تدبیر کرنے والا بھی خود حقتعالیٰ ہے حقیقت میں مجملہ عوالم کی تدبیر سرکارِ دو عالم جنابِ محمد پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد ہے اور مجملہ اولیاء جو حل و عقد کے مالک ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانِ اقدس کے تحت ہیں۔ (وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ) اور

اللہ تعالیٰ ہر شے کو جاننے والا ہے یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صورتِ اقدس پر اللہ تعالیٰ ہی ہر شے کو جان رہا ہے کیونکہ علم الہی کا ظہور قلب محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کیساتھ ہے یَقُولُہ تَعَالٰی (حَمْدُہ عَسَقَہ) اَی الْحَقُّ ظَهَرَ بِمُحَمَّدٍ ظُہُورًا عِنْدَہ بِسَلَامَۃٍ قَلْبِہِ فَالْحَقُّ مُعَمَّدٌ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمُ ظَاہِرًا وَبَاطِنًا۔ (فہو علی کلِّ شئ شہید) پس اللہ تعالیٰ ہر شے پر شہید ہے یعنی ہر شے پر گواہ اور حاضر ہے۔ مراد یہ ہے کہ ہر شے کی صورت پر اللہ تعالیٰ ہی مشہود ہے۔ اُس محبوبِ لم یزلی نے چاہا کہ خلقت ساری میری ہی عاشق ہو، اسلئے ہر شے پر خود ہی متجلی ہو گیا تاکہ جس شے کا کوئی شخص عاشق ہو، وہ حقیقتاً میرا ہی عاشق ہو اور اُس صورت پر مجھ ہی کو دیکھے۔ کج فہم علماء اس امر کو تسلیم نہیں کرتے بلکہ اُس ذات کو اپنے جزوی عقل و فکر سے پانے کی کوشش کرتے ہیں اور یہ امر محال ہے۔ ہر شے میں حقیقی کا مشاہدہ سوائے عشق الہی اور سوائے پیر کامل کی تربیت کے حاصل نہیں ہوتا۔ یہ علم حقیقت علم اذواق ہے یعنی یہ علم عشق الہی سے حاصل ہوتا ہے اور عشق الہی اللہ تعالیٰ کا عطیہ ہے۔ یہ علم اپنے عقل و فکر سے حاصل نہیں ہوتا بلکہ شیخ کامل کی تربیت سے حاصل ہوتا ہے۔ یہ علم لدنی ہے اور صحیح علم ہے۔ اور ماسویٰ اس علم و حیدان کے جملہ علوم ظن اور گمان ہیں۔ وہ ہرگز علم نہیں ہیں کیونکہ

علم وہ ہے جس سے آوے بخودی : باخودی کا علم ہے سو سو بدی !

نہ بتا دے علم جب رنج یار کا ! : جہل اس سے خوب ہے سو بار کا

رَب تَعَالٰی نے قرآن مجید میں فرمایا (وَ اِذْ کُرُعَبْدًا اَیُّوبَ اِذْ نَادٰی رَبَّہٗ اِنِّیْ مَسْنٰی الشَّیْطٰنُ بِنُصْبٍ وَّعَذَابٍ اَمَّا کُفُّ بِرُجُلِکَ ہٰذَا مُغْتَسَلٌ کَبَّارٌ وَّ شَرَابٌ) اور یاد کر ہمارے بندے ایوب کو، جب اپنے رب کو پکارا کہ مجھ کو شیطان نے ایذا اور تکلیف لگادی۔ اپنے پاؤں سے لات مار۔ یہ نہانے کو اور پینے کو ٹھنڈا چشمہ ہے۔ پس ایوب علیہ السلام کی خاطر وہ پینے کا پانی آپ حیات تھا۔ بظاہر اُس سے آپ کو جسمانی صحت نصیب ہوئی اور حقیقت میں وہ آپ حیاتِ اہم تشنگی کو دور کرنے کیلئے تھا۔ تشنگی کا باعث وہ رنج اور عذاب تھا جو آپ کو شیطان سے پہنچا تھا۔ شیطان سے مراد بُعد عن الحقائق ہے۔ یعنی آپ کو علم حقائق و اسرار کا سخت شوق تھا اور مشاہدہ ذات حق کا کمال عشق تھا۔ وصالِ محبوبِ لم یزلی کا خیال ہر وقت دامنگیر تھا۔ ہجر و فراق کی کٹاریں دل پر چلتی تھیں۔ آتشِ عشقِ دل میں شعلہ زن تھی۔ جب بلا اور آزمائش میں آپ ثابت قدم رہے یَقُولُہ تَعَالٰی (رَاقَا وَحَبَدْنٰہُ صَابِرًا وَّطِيعًا الْعَبْدُ طَارَئَہٗ اَدَابٌ)

تو اللہ تعالیٰ نے آپ کے دل میں معرفت الہی کا چشمہ پیدا کر دیا جس نے آپ کی جان کو سیراب کر دیا آتش عشق کو ٹھنڈا کر دیا اور اہم تشنگی کو دفع کر دیا۔ حضرت ایوب علیہ السلام معرفت الہی کے باعث قرب الہی چاہتے تھے جو آپ کو اس بلا پر صبر کرنے سے نصیب ہو گیا۔ قرب بھی ایسا نصیب ہوا جس کے بعد بُعد کا شائبہ ہی نہ رہا۔

ہر بلا کیس قوم را حق دادہ است ؛ زیر آں گنج کرم بہادہ است

نیز ایوب علیہ السلام کی دُعائیں بھی ایک حکمت ہے۔ جب آپ نے اپنے رب کو پکارا (اِنِّیْ مَسْئِیْرُ الشَّیْطٰنِ) مجھے شیطان یعنی بُعد نے مَس کیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا (اُدْکُھْ بِرَجُلِیْثٍ) اپنے پاؤں سے زمین پر لات مار یعنی ارض قلب کو کھود تاکہ تیرے دل سے معرفت الہی کا چشمہ پیدا ہو۔ یعنی جب آپ کو حقائق و اسرار الہیہ کا ادراک نصیب ہوگا تو بُعد زائل ہو جائیگا اور تو محل قرب میں داخل ہو جائیگا۔ ہر مشہود آنکھ کے قریب ہوتا ہے اگرچہ مسافت کے لحاظ سے بعید ہو کیونکہ شعاع بصر مشہود کے اعتبار سے مشہود کے متصل ہوتی ہے اور اگر شعاع بصر کا مشہود کیساتھ اتصال نہ ہوتا تو بصر اُس مشہود کو نہ دیکھتی۔ یا دوسری صورت یہ ہے کہ مشہود بصر کے ساتھ متصل ہو۔ بہر حال جیسا بھی وہ اتصال ہو وہ اتصال بصر اور مشہود کے درمیان قریب ہے۔ انسان زمین پر بیٹھ کر ساتوں آسمانوں کے ستارے دیکھتا ہے۔ بڑے ستارے نچلے آسمانوں کے ہیں اور چھوٹے ستارے اوپر کے آسمانوں کے ہیں۔ پس بصر یعنی شعاع بصر ستاروں تک پہنچ رہی ہے۔ یہ تو ظاہری بصر کا حال ہے۔ باطنی بصر کیلئے مسافت ہے ہی نہیں۔ ہر چیز اُس کے قریب ہے۔ اور اسی لئے ایوب نے اپنی دُعائیں اس حکمت کی طرف اشارہ کیا ہے کہ شیطان یعنی بُعد نے مجھے مَس کیا ہے۔ گویا ایوب علیہ السلام نے کہا کہ بعید بسبب اُس خاص حکمت کے جو مجھ میں ہے مجھ سے قریب ہے۔ ایک تو یہ اشارہ ہے کہ میری باطنی نظر سے کوئی چیز بعید نہیں بلکہ ہر چیز قریب ہے۔ دوسرے اس دُعائے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ کو علم الیقین تو حاصل تھا لیکن عین الیقین اور حق الیقین حاصل نہ تھا۔ آپ توحید کے قائل تھے اور جانتے تھے کہ عالم ظہور حق ہے اور وہ پر ہی انسان کے دل میں بس رہی ہے لیکن عینی مشاہدہ حاصل نہ تھا۔ آپ نے رب تعالیٰ کو پکارا کہ الہی وہ پر ہی جو میرے قریب ہے اور میرے دل میں بس رہی ہے، عجب ہے کہ میں اُس سے بُعد اور حجاب میں ہوں۔ مہربانی فرما اور مجھے اُس کا مشہود نصیب فرما۔ رب تعالیٰ نے فرمایا (اُدْکُھْ

بِرَجُلٍ) زمین پر لات مار یعنی دل کی زمین کھود تاکہ معرفت الہی کا چشمہ تیرے دل سے پیدا ہو اور توحقائق
 و اسرار الہیہ سے لبریز ہو جائے۔ چنانچہ وہ ٹھنڈا چشمہ آپ کو نصیب ہو گیا اور آپ کی آتشِ فرقت ٹھنڈی
 پڑ گئی۔ مراد یہ ہے کہ آپ کو مشاہدہ ذاتِ نصیب ہو گیا اور آپ عینِ الیقین کے مرتبہ پر فائز ہو گئے۔ دل
 کی دو آنکھیں ہوتی ہیں۔ عین الصغریٰ و عین الکبریٰ۔ عین الصغریٰ سے عارف مخلوق کو دیکھتا ہے اور عین
 الکبریٰ سے عارف اللہ تعالیٰ کا مشاہدہ کرتا ہے۔ حضرت ایوب علیہ السلام کو پہلے صرف عین الصغریٰ حاصل
 تھی لیکن دعا کے بعد عین الکبریٰ بھی نصیب ہو گئی۔ آپ علمِ الیقین سے ترقی کر کے عینِ الیقین تک پہنچ
 گئے۔ وحدت الوجود کا قائل ہونا علمِ الیقین ہے۔ اس حقیقت کا مشاہدہ اور انکشاف ہو جانا عینِ الیقین
 ہے۔ یعنی بادشاہِ حقیقی سرکارِ دو عالم خاتمِ الرسل جناب محمد پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی بیداری میں زیارت
 پاک سے مشرف ہو جانا عینِ الیقین ہے۔ حقِ الیقین کا مرتبہ یعنی خود بادشاہ ہو جانا کسی سابقہ نبی کو
 نصیب نہیں۔ یہ صرف اور محض صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خاصہ ہے۔ ہاں آپ کی اُمت مبارکہ
 میں بعض کمل افراد جو فنا فی الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام سے کما حقہ مشرف ہیں، کو بھی حقِ الیقین
 کا مرتبہ حاصل ہے۔ اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت مبارکہ کے کمل افراد سابقہ انبیاء علیہم السلام
 سے مرتبہ میں افضل ہیں یَقُولُ عَلَيْهِ السَّلَامُ عَنْ يَمِينِ الرَّحْمَنِ رَجُلًا لَيْسُوا بِأَنْبِيَاءَ وَلَا شُهَدَاءَ
 يَفْشَى بَيَاضُ دُجُوهِهِمْ نَظَرَ النَّاطِرِينَ يَغْطِطُهُمُ النَّبِيُّونَ وَالشُّهَدَاءُ بِمَقْعِدِهِمْ وَتُرْبِهِمْ مِنَ اللَّهِ عَزَّ وَ
 وَجَدَ أَنَّهُ يَوْمَ تَوَكَّلَ أَفْرَادُ كَامِلٌ هِيَ۔ عالی سرکار جناب حضرت غوثِ اعظم پاک محبوب سبحانی خاتمِ الاولیاء سید
 عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ تو سابقہ انبیاء علیہم السلام کے علم و ولایت میں پیر و مرشد ہیں جیسا کہ نصِ شیشی
 میں تصریح کی گئی ہے۔ وَقَدْ عَلِمْتُ أَنَّهُ أَدْرَأْسُ طَائِفٍ تَوَنَّى ابْجَانُ لِيَا كَهْ بَعْدَ دَرْقُوبِ دَوَانِنَانِي أَمْرٌ هِيَ يَعْنِي دَو
 نِسْبَتِي هِيَ۔ خارج میں اُن دونوں کی واسطے کوئی وجود نہیں البتہ بعید اور قریب میں اُن دونوں کے
 احکام ثابت ہیں۔ مراد یہ ہے کہ ایک چیز مسافت کے لحاظ سے بعید ہے لیکن بصر کے ساتھ بالکل قریب
 ہے۔ اور ایک چیز بہت ہی قریب ہے لیکن نظر نہ آنے کی وجہ سے بعید ہو جاتی ہے پس اشیاء کیلئے
 قریب یا بعید ہونا ثابت ہے لیکن قُرب اور بُعد دو اصنافی امور ہیں۔ ایک چیز ایک شخص کیلئے بعید ہوتی
 ہے دوسرے کیلئے وہ ہی چیز قریب ہوتی ہے۔ عارف کیلئے ہر بعید چیز قریب ہے اور جاہل کے
 نزدیک قریب سے قریب چیز بھی بعید ہے۔ قریب سے قریب چیز حق تعالیٰ ہے۔ پس کسی چیز پر قریب یا

بعید کی مہر نہیں لگ سکتی۔ لہذا ثابت ہوا کہ کسی شے کے متعلق قُرب یا بُعد کی اضافت ہر شخص کی استعداد کے مطابق ہے۔ نیز اس میں ایک اور اشارہ ہے کہ طالبِ خدا ابتدا میں اللہ تعالیٰ کو اپنے آپ سے بعید جانتا ہے اور کوشش کرتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے قریب ہو جائے لیکن جب اللہ تعالیٰ اُس پر حقیقت کا انکشاف کرتا ہے تو وہ جان لیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کیلئے قُرب اور بُعد دونوں غلط ہیں۔ اللہ تعالیٰ نہ بندے کے قریب ہے نہ بعید کیونکہ قُرب اور بُعد کیلئے دو وجود ضروری ہیں لیکن یہاں ایک ہی وجود ہے اور وہ وجود اللہ تعالیٰ کا ہے۔ یعنی بندے اور اللہ تعالیٰ کا وہ ہی تعلق ہے جو لفظ اور سیاہی کا ہے۔ سیاہی نہ لفظ کے قریب ہے نہ بعید بلکہ لفظ کی صورت پر سیاہی ہی کا ظہور ہے اور لفظ کا وجود ہی ساتھ سیاہی کے ہے۔ **وَاعْلَمَ أَنَّ سَيِّدًا لِلَّهِ** اے طالب! اس حکمت کو جان لے کہ **اَيُّوبَ عَلَيْهِ السَّلَام** کے قصہ میں جو احوال اور اسرار ہمارے لئے بیان کئے گئے ہیں، ہم کو اُن سے عبرت حاصل کرنی چاہیئے آپ کا قصہ گویا ایک کتاب ہے جس کو اُمت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم پڑھتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مراد یہ ہے کہ اُمت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم **اَيُّوبَ عَلَيْهِ السَّلَام** کے احوال و اسرار پڑھ کر اُن کی پیروی کریں کیونکہ یہ امر اس اُمت مبارکہ کے شرف کیلئے ہے۔ یعنی اس اُمت مبارکہ کو اس قصہ سے سبق حاصل کرنا چاہیئے کہ حضرت **اَيُّوبَ عَلَيْهِ السَّلَام** نے بلاؤں پر کس قدر صبر کیا اور پھر انعامات و اکرامات کی آپ پر کس طرح بارش ہوئی؟

حضرت **اَيُّوبَ عَلَيْهِ السَّلَام** نے بالآخر امر الہی سے بلا کے دفع کیلئے دُعا مانگی تھی **يَقُولِہ تَعَالٰی (وَ اَيُّوبَ اِذَا نَادٰی رَبَّہٗ اِنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرَّحِیْمِیْنَ)**۔ باوجود دفعِ ضرر کیلئے دُعا مانگنے کے اللہ تعالیٰ نے **اَيُّوبَ** کی صبر کیساتھ تعریف کی ہے **يَقُولِہ تَعَالٰی (اِنَّا وَجَدْنٰہُ صَابِرًا وَّ نِعْمَ الْعَبْدُ اِنَّہٗ اَوْابٌ)** ہم نے اُس کو صابر پایا، وہ نیک بندہ تھا اور وہ رجوع رہنے والا تھا۔ پس ہم نے جان لیا کہ تحقیق جب بندہ دفعِ ضرر کیلئے اللہ تعالیٰ کو پکارتا ہے تو اُس کی وہ دُعا اُس کے صبر میں ضرر نہیں کرتی ہے بلکہ حضرت **اَيُّوبَ عَلَيْهِ السَّلَام** کی اللہ تعالیٰ نے تعریف کی ہے کہ وہ صابر تھے، نیک بندہ تھے اور اللہ تعالیٰ کی طرف بڑے رجوع کرنے والے تھے **يَقُولِہ تَعَالٰی (نِعْمَ الْعَبْدُ اِنَّہٗ اَوْابٌ)**۔ یعنی تکلیف میں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے کی اجازت تو درگنار بلکہ اللہ تعالیٰ نے اس امر کی تعریف کی ہے۔ حضرت **اَيُّوبَ عَلَيْهِ السَّلَام** اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع تھے نہ کہ اسباب کی طرف۔ جب بندہ کسی

کام کی خاطر اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُس کو کسی خاص سبب کے ذریعہ کرتا ہے خواہ وہ سبب ظاہری ہو یا باطنی اور یہ اُس کی حکمت میں داخل ہے۔ حضرت ایوب علیہ السلام نے جب مَرَض کے دفعیہ کیلئے دُعا کی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ زمین پر لات مار۔ لات مارنا ظاہری سبب تھا لیکن چشمہ اپنی قدرت کاملہ سے پیدا کر دیا۔ پھر اُس چشمہ میں بہانا اور اُس کا پانی پینا ظاہری سبب تھا اور خوبصورت تازہ چشم بنادینا اپنی قدرت کاملہ سے تھا۔ اللہ تعالیٰ بغیر اسباب کے کام کر سکتا ہے لیکن اُسکی مُنتہا یہ جاری ہے کہ وہ ہر کام کسی خاص سبب کے ذریعہ کرتا ہے۔ بندہ اللہ تعالیٰ کی طرف اِس لئے رجوع کرتا ہے کہ کسی امر مُضر کے زائل کرنیوالے کئی اسباب ہوتے ہیں اور مُسبب الاسباب ایک ہی ذات ہے۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ بھی اُس اہم کو کسی ایک خاص سبب کے ذریعہ زائل کرتا ہے لیکن بندے کا اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا کسی ایک سبب خاص کی طرف رجوع کرنے سے اولیٰ ہے کیونکہ بسا اوقات اُس اہم کے دفعیہ کیلئے وہ سبب خاص اللہ تعالیٰ کے علم کیساتھ موافقت نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ کے علم میں اُس اہم کے دفعیہ کا سبب کوئی اور ہوتا ہے۔ مُراد یہ ہے کہ بندہ کو محض اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا چاہیئے۔ اسباب وہ خود پیدا کر دیتا ہے۔ اور اگر بندہ جناب الہی میں کسی مُشکل کی آسانی کے لئے دُعا کرے اور ساتھ ہی کسی ایک خاص سبب کی طرف رجوع کرے تو ہو سکتا ہے کہ وہ سبب کارگر نہ ہو۔ البتہ عارف کامل جب الہام الہی سے کسی ضرر کے دفعیہ کیلئے دُعا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُسے اُس سبب کی طرف اشارہ کر دیتا ہے جو علم الہی میں اُس ضرر کے لئے مُقدّر ہے۔ جب ایک عام شخص دُعا کے بعد اپنی رائے سے کسی ایک سبب کی طرف رجوع کرتا ہے جو سبب مُقدّر کیساتھ موافقت نہیں کرتا تو اُس کا اہم دور نہیں ہوتا اور وہ بندہ اُس وقت کہتا ہے کہ تحقیق اللہ تعالیٰ نے میری دُعا قبول نہیں کی۔ حقیقت میں اُس بندے نے اللہ تعالیٰ سے دُعا ہی نہیں کی بلکہ اُس نے اُس سبب خاص کی طرف میلان کیا جس کا زمانہ اور وقت مُقتضی نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ جانتا تھا کہ ابھی اُس بلا کا وقت باقی ہے اور فلاں وقت فلاں سبب کے ذریعہ یہ اہم دور ہوگا۔ اِس میں یہ اشارہ ہے کہ عارف کامل کو چاہیئے کہ علی بصیرت کسی ضرر کے دفعیہ کیلئے اللہ تعالیٰ سے دُعا کرے یعنی جب اُس کا دل شہادت دے کہ اب اِس تکلیف کا وقت ختم ہو چکا ہے اُس وقت الہام الہی سے اُس ضرر کے دفعیہ کیلئے دُعا کرے۔ اِس سے پیشتر دُعا نہ کرے اور جب الہام الہی سے دُعا کرے تو جس سبب کی طرف اللہ تعالیٰ الہام

کرے اُس کی طرف رجوع کرے۔ اُس وقت بلا دور ہو جائیگی۔ ایک عام مومن ہر وقت دعا کر سکتا ہے لیکن
 سبب کی طرف فوراً رجوع نہ کرے۔ کچھ دن اُس بلا کا مزہ چکھے اور اُس کا استقبال کرے۔ جب بلا کے
 خاتمہ کا وقت آئے گا تو اللہ تعالیٰ اُسے کسی نہ کسی واسطہ سے وہ سبب بتا دیں گے جو اُس بلا کے دفعیہ
 کیلئے علم الہی میں مقدر ہے۔ چونکہ ایوب نبی تھے اسلئے حکمت الہیہ کے مطابق عمل کیا یعنی بلا کے زمانہ
 میں آپ نے دُعا نہ کی بلکہ جب جان لیا کہ بلا کا خاتمہ ہے اُس وقت الہام الہی سے ضرر کے دفعیہ کیلئے
 دُعا کی، اگرچہ وہ جانتے تھے کہ ایک گروہ کے نزدیک صبر سے مراد شکوای سے نفس کو روکنا ہے۔ یعنی اس
 گروہ کے نزدیک اپنی تکلیف کی شکایت نہ حق تعالیٰ کی طرف یجائے نہ خلق کی طرف۔ حضرت ایوب علیہ
 السلام نے چونکہ امرِ آ سے دُعا مانگی تھی اسلئے ثابت ہوا کہ دفعیہ بلا کیلئے اللہ تعالیٰ سے دُعا مانگنا صبر
 کے متافی نہیں۔ ہمارے نزدیک صبر کی یہ تعریف نہیں ہے بلکہ ہمارے نزدیک صبر کی تعریف یہ ہے
 کہ غیر اللہ کے پاس شکایت کرنے سے نفس کو روکے نہ کہ اللہ کی طرف شکایت کرنے سے نفس کو روکے
 کیونکہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دُعا کرنے سے بندہ کی عاجزی اور محتاجی ثابت ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی
 ربوبیت ثابت ہوتی ہے اور یہ امر بندہ کیلئے کمال ہے نہ کہ نقص۔ پس وہ گروہ محبوب ہے جن کی نظر میں
 شاکِ شکوای کے باعث رضا بالقضاء کے مقام سے گر جاتا ہے حالانکہ یہ امر ایسا نہیں ہے۔ عبد کی شکایت
 طرف اللہ تعالیٰ کے یا اُس کے غیر کے مقام رضا بالقضاء میں ضرر نہیں کرتی کیونکہ حقیقت میں غیر اللہ کا
 وجود عدم ہے۔ اسباب کی طرف رجوع حقیقتاً اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہے۔ شکایت رضا بالقضاء میں
 ضرر نہیں کرتی بلکہ رضا بالمقضیٰ میں ضرر کرتی ہے اور ہم کو رضا بالمقضیٰ کا امر نہیں ہوا۔ مقضیٰ سے مراد
 ضرر اور اہم ہے اور مقضیٰ قضاء کا عین نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ جب عارف کیلئے ایک بلا مقدر کرتا ہے تو
 عارف تزلزل بلا پر اُس بلا کا استقبال کرتا ہے اور اُس بلا کو قضاء الہی جان کر اُس پر راضی ہو جاتا
 ہے۔ یہ رضا بالقضاء کا مقام ہے۔ اب اُس بلا کی وجہ سے جو درد اُس کو پہنچتا ہے وہ اُس قضاء کا
 مقضیٰ ہے۔ اب عارف کو یہ حکم نہیں کہ وہ درد پر ابد الابد تک راضی رہے کیونکہ بینشاء ایزدی اور
 سنت الہی کے خلاف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر بلا کے بعد کشائش اور فرحت قضا کی ہوئی ہے یَقُولُ
 تَعَالَى (فَإِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا) اسلئے جب اُس بلا کا وقت ختم ہو جاتا ہے
 تو اللہ تعالیٰ عارف کو دُعا کا امر کر دیتا ہے کیونکہ یہ امر بھی اُس کی قضا میں داخل ہے۔ خاتمہ کے وقت

سے پہلے عارف درد پر راضی رہتا ہے لیکن جب دفعیہ درد کیلئے ابراہیمی پاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں
 دعا کرتا ہے۔ چونکہ دعا کرنا بھی قضاء الہی ہے لہذا قضاء الہی پر راضی ہو کر عارف حقیقی کی بارگاہ میں دعا
 کرتا ہے۔ پس دعا کرنے میں بھی وہ رضا یا قضاء کے مقام میں ہوتا ہے۔ وَ عَلَیْہِ اَیُّوبُ النَّحْ اور ایوب اس
 حکمت کو جانتا تھا کہ رفع ضرر کے متعلق اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں شکوہ سے نفس کو روکنا قہر الہی کیساتھ
 مقابلہ ہے اور وہ شخص جاہل ہے جس کو اللہ تعالیٰ کسی ایسی بلا میں مبتلا کرے جو اس کے نفس کو
 اطمینان پہنچائے اور وہ اس امر موبہ کے ازالہ کے متعلق اللہ تعالیٰ سے دعا نہ کرے بلکہ عارف محقق کے
 نزدیک اس شخص پر واجب ہے کہ اس درد کے ازالہ کیلئے جناب الہی میں زاری کرے اور سوال
 کرے کیونکہ صاحب کشف عارف کے نزدیک بندے سے درد کا ازالہ حقیقتاً جناب الہی سے درد
 کا ازالہ ہے۔ مراد یہ ہے کہ چونکہ اللہ تعالیٰ نے ہی ہر انت ذاتی کے مقام سے تنزل فرما کر انسان کی
 صورت پر جلوہ آرائی کی ہے اسلئے انسان کو درد حقیقتاً اللہ تعالیٰ کو درد ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے قرآن
 مجید میں اپنی ذات کا ایذا کیساتھ موصوف ہونا ثابت فرمایا ہے لِقَوْلِہِ تَعَالٰی (رَاقِی النَّیْنِ یُوْذُ ذُنَّ
 اَمْلَہُ دَسَّوْلَہُ) تحقیق جو لوگ اللہ تعالیٰ کو اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا دیتے ہیں بندگان
 العارین جناب رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذا ہی اللہ تعالیٰ کی ایذا ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ
 وسلم ہی اللہ تعالیٰ کیلئے ہر آت تائمہ ہیں۔

وَ اَیُّ اَذٰی النَّحْ اور اللہ تعالیٰ کو اس سے بڑی کونسی ایذا ہے کہ وہ تجھے حقیقی سے غفلت کے
 باعث یا کسی نامعلوم مقام الہی سے غفلت کے باعث کسی بلا کیساتھ مبتلا کرے یعنی جب بندہ
 اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل ہو جاتا ہے یا اس کے احکام کی تابعداری سے غافل ہو جاتا ہے یا اگر عارف
 ہے اور ایک خاص مقام پر ٹھہر جاتا ہے اور اس سے اعلیٰ مقامات و مراتب سے غافل ہو جاتا ہے تو
 حقیقی کو ایذا پہنچتی ہے اسلئے حقیقی اس بندہ کو کسی بلا میں مبتلا کر دیتا ہے۔ جب ایک عام آدمی
 احکام الہیہ سے غافل ہو جاتا ہے ایک عاشق ذکر الہی سے غافل ہو جاتا ہے اور ایک عارف اعلیٰ
 مقامات سے غافل ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو کسی بلا میں مبتلا کر دیتا ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ غیور ہے
 اسلئے بندہ کو اپنی ذات سے غافل دیکھ کر اس پر بلا مسلط کر دیتا ہے تاکہ وہ شکایت کیساتھ اللہ تعالیٰ
 کی طرف رجوع کرے۔ پس اے طالب! جب تو اس کی جناب میں گریہ و زاری کرے گا، وہ غفلت

کا حجاب بھی اُٹھ جائیگا اور وہ بلا بھی دور ہو جائیگی۔ نیز تیرے سوال کرنے سے تیری عاجزی اور افتقار ثابت ہو جائے گا اور تجھے پتہ چل جائیگا کہ تو اُسی کے فضل سے یادِ الٰہی میں مشغول ہوتا ہے اور اُسی کے فضل سے مقاماتِ الٰہیہ حاصل کرتا ہے۔ تو محض مجبور مامور اور معذور ہے۔ تیرے لئے محض عبودیت ہے اور عبودیت ہی تیرا کمال اور تیری حقیقت ہے۔ اگرچہ حق خلق کی صورت پر جلوہ نما ہے اور حق عین خلق ہے لیکن خلق عین حق نہیں یعنی بندہ میں کمالاتِ الٰہیہ کا ظہور کاملہ اور تامہ نہیں۔ یہ مشکلات کی آسانی کیلئے اللہ تعالیٰ یعنی اپنے شیخ کامل کا محتاج ہے۔ ہاں اگر کسی بانصیب کا قطرہ ہستی دریائے وحدت میں مل جائے اور روح القدس کو اُس کی صورت پر ظہور ہو جائے تو وہ بھی صفات کا ملکہ الٰہیہ سے موصوف ہو جاتا ہے۔ بہر حال عبد کے کمالِ رُبوبیت حاصل کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ کا محتاج ہے بلکہ اپنے وجود کی خاطر بھی اللہ تعالیٰ کا محتاج ہے۔ اس کا وجود بالذات قائم نہیں بلکہ اس کا وجود ساتھ اللہ تعالیٰ کے ہے جیسے الفاظ وجود کیلئے سیاہی کے محتاج ہیں۔ پس عبد کی حقیقت افتقار ہے۔ پس اُسے طالب! جب تیرے سوال کرنے سے اللہ تعالیٰ تجھ سے ایذا دور کر دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ سے ایذا بھی دور ہو جاتی ہے کیونکہ تو اُس کی ظاہری صورت ہے۔ مراد یہ ہے کہ چونکہ اللہ تعالیٰ ہی عبد کی صورت پر ظاہر ہے اسلئے عبد کی ایذا ہی اللہ تعالیٰ کی ایذا ہے۔ یعنی جب عبد کسی بلا کے باعث ایذا پاتا ہے تو اُس کی وہ ایذا حقیقتاً اللہ تعالیٰ کو ایذا ہے۔ کتنا جاعلِ ائمہ عارف کی ایذا اللہ تعالیٰ کی ایذا ہے اسی لئے جب وہ کسی بلا میں مبتلا ہوتا ہے تو جنابِ الٰہی میں اُس بلا کے دفعیہ کیلئے سوال کرتا ہے تاکہ وہ یعنی اللہ تعالیٰ ایذا سے فارغ ہو جائے جیسا کہ جب بعض عارفین بھوکے رہے تو روتے۔ ایک عارف بھوک کی وجہ سے رو رہا تھا۔ ایک جاہل نے جس کو اس فنِ معرفت میں ذوق حاصل نہ تھا، اُس کو اس رونے پر عتاب کیا۔ اُس عارف نے جواب دیا کہ حق تعالیٰ نے مجھے اسی لئے بھوکا رکھا ہے تاکہ میں روؤں اور اُس نے مجھے اس ضرر میں اسی لئے مبتلا کیا ہے کہ میں اپنی ذات سے اس ضرر کے دفعیہ کیلئے حق تعالیٰ سے سوال کروں۔ اُس عارف کا جنابِ الٰہی میں ضرر کے دفعیہ کے لئے سوال کرنا اُس کے صابر ہونے میں منافی نہیں ہے۔ اس میں حکمت یہ ہے کہ عارف کو جو بھوک کی وجہ سے تکلیف تھی حقیقت میں وہ اللہ تعالیٰ کو تکلیف تھی۔ اسی لئے عارف روتا تھا تاکہ اللہ تعالیٰ اس ایذا سے فارغ ہو جائے۔

پس ہم نے جان لیا کہ صبر سے مراد سوائے اس کے اور کچھ نہیں ہے کہ وہ غیر اللہ کی طرف شکایت

سے نفس کو روکنا ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب عالم میں غیر اللہ کا وجود ہی نہیں اور مجملہ اسباب
 عین حق ہیں تو پھر غیر اللہ سے کیا مراد ہے۔ غیر اللہ سے مراد اللہ تعالیٰ کے دُجوہ میں سے ایک خاص بُجری
 وجہ ہے یعنی ایک عام انسان ہے جو اپنی ہستی کی قید میں مقید ہے اور صفات کاملہ الہیہ سے موصوف
 نہیں ہے۔ وہ عاجز اور حقیر ہے۔ وہ سائل کی کچھ مدد نہیں کر سکتا۔ اسی لئے حق تعالیٰ نے انسان کامل کو
 خلقت کا فریادرس مقرر کیا ہے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے دُجوہ میں سے ایک خاص منظر جامع ہے۔
 وہ وجہ ہُویت ذات ہے یعنی انسان کامل اللہ تعالیٰ کے لئے ہر آیت تامہ ہے اور صفات حقیقی اور خلقی
 کا جامع ہے۔ پس سائل کو چاہیئے کہ وہ اپنے سے دفع ضرر کے لئے اللہ تعالیٰ کو اس وجہ خاص یعنی
 انسان کامل سے پکارے جیسا کہ حصین حصین میں حدیث شریف ہے **وَإِنْ أَرَادَ عَوْفًا فَلْيَقُلْ يَا عِبَادَ**
اللَّهِ أَعَيْنُونِي يَا عِبَادَ اللَّهِ أَعِينُونِي یعنی جب مدد لینا چاہے تو کہہ کہ اے
 اللہ کے بند و میری مدد کرو اے اللہ کے بند و میری مدد کرو۔ **يَا عِبَادَ اللَّهِ**
 سے مراد انبیاء اور اولیاء ہے۔ مراد یہ ہے کہ ہر انسان اپنے سے دفع ضرر کے لئے اپنے شیخ کامل کو
 پکارے اور اگر اُس کا کوئی شیخ نہیں تو کسی ولی کامل کے پاس فریاد کرے۔ اولیاء میں ایک جماعت
 غوثوں کی ہے۔ غوث کا لفظی معنی فریادرس ہے۔ اولیاء کی جماعت کے سردار عالی سرکار جناب
 حضرت غوث اعظم پاک پیران پیر دستگیر محبوب سبحانی میراں محی الدین شیخ سید عبد القادر جیلانی رضی
 اللہ عنہ ہیں۔ آپ کا لقب غوث الثقلین اور غوث اعظم ہے۔ اگر کسی شخص کو کوئی ولی نظر نہ آئے تو
 وہ براہ راست عالی سرکار جناب حضرت غوث اعظم پاک پیران پیر دستگیر رضی اللہ عنہ کی طرف مُنہ کر
 کے فریاد کرے۔ اُس کی مُشکل آسان ہو جائیگی۔ مجملہ اقطاب عارفین رضی اللہ عنہم کا عقیدہ ہے کہ سرکار
 دو عالم جناب شفیع المذنبین رحمۃ للعالمین ختم المرسلین حضرت محمد پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ اقدس
 میں حضرت غوث اعظم پاک رضی اللہ عنہ وسیلہ اعظم ہیں۔ پس سائل کو انسان کامل کی بارگاہ میں فریاد
 کرنی چاہیئے نہ کہ دوسرے بُجری دُجوہ کے پاس جن کا نام اسباب ہے۔ اگرچہ وہ اسباب بھی حقیقت
 میں انسان کامل کے اجزا ہیں لیکن اُن میں چونکہ صفات کاملہ الہیہ کا ظہور تامہ نہیں ہے اسلئے وہ
 قبلہ حاجات نہیں ٹھہراتے جاسکتے۔ لہذا عارف کا ہُویت حق سے اپنی ذات سے دفع ضرر کی متعلق
 سوال کرنا، اس حقیقت سے اُس کو مجرب نہیں کرتا کہ جمیع اسباب حق تعالیٰ کے عین ہیں اور ہر سبب کی

ایک خاص حیثیت ہے۔ ہویت حق سے مراد انسان کامل ہے جو اللہ تعالیٰ کی ذات کے لئے ہر آیت تامہ ہے انسان کامل۔ کے سوا ہر سبب حق انسان یا فرشتہ اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے کسی ایک خاص اسم کے مظہر ہیں اور انسان کامل اسم اللہ جو جامع جمیع اسماء و صفات ہے کا مظہر ہے۔ مراد یہ ہے کہ اگرچہ عارف بہر وحدت سے واقف ہے اور ہر سبب کو عین ذات سمجھتا ہے لیکن رفع ضرر کیلئے وہ اپنے شیخ کامل ہی کی بارگاہ کی طرف رجوع کرتا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ اُس کا شیخ کامل اُس کو کسی اور ولی کی طرف کسی خاص مصلحت کی خاطر اشارہ فرمادے۔ اور یہ مذکور طریقہ وہ ہے جس کو سوائے اللہ تعالیٰ کے صاحبِ ادب عباد جو اسرارِ الہیہ کے امین ہیں، کوئی لازم نہیں پکڑتا۔ مراد یہ ہے کہ سوائے اولیاء اللہ کے اس راز کو کوئی نہیں جانتا کہ خلق کے فریادرس یہی اغوات کا گمراہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی باطنی سلطنت کے امین ایسے ہیں کہ ان کو سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا۔ البتہ ان میں سے بعض کو جانتے ہیں۔ اے طالب! ہم نے تجھ کو تحقیق نصیحت کر دی ہے، پس اسی پر عمل کر اور خاص حق سبحانہ تعالیٰ سے سوال کر نہ کہ غیر سے۔ خاص حق سبحانہ سے مراد حضرت انسان کامل ہے جو حق تعالیٰ کے لئے ہر آیت تامہ ہے۔

فَصْحَمَةُ جَلَالِيَّةٍ فِي كَلِمَةِ يَحْيَى

هَذِهِ الْحِكْمَةُ الْاَوَّلِيَّةُ فِي الْاَسْمَاءِ فَإِنَّ اللَّهَ سَمَّاكَ يَحْيَى أَيْ يَحْيَى بِهِ ذِكْرُ ذِكْرِيَا لَمْ يَجْعَلْ لَهُ مِنْ قَبْلُ سَمِيًّا) فَجَمَعَ لَهُ بَيْنَ حُصُولِ الصِّفَةِ الَّتِي فِيهِ مِنْ عِبَرٍ مِمَّنْ تَرَكَ وَلَدًا يَحْيَى بِهِ ذِكْرُهُ وَبَيْنَ اسْمِهِ بِذَلِكَ فَسَمَّاكَ يَحْيَى فَكَانَ اسْمُهُ يَحْيَى كَالْعِلْمِ الَّذِي قَدْ قَانَ اَدَمَ حَيًّا ذِكْرُهُ يَشِيْثُ وَنُوحًا حَيًّا ذِكْرُهُ يَسَامُ وَكَذَلِكَ الْاَنْبِيَاءُ وَلَكِنْ مَا جَمَعَ اللَّهُ لِأَحَدٍ قَبْلَ يَحْيَى بَيْنَ الْاَسْمَاءِ الْعِلْمِ مِنْهُ وَبَيْنَ الصِّفَةِ اِلَّا بِذِكْرِيَا عِنَايَةً مِنْهُ اِذْ قَالَ (فَلَبَّ لِي مِنْ لَدُنْكَ وَرِيًّا) فَقَدَّمَ الْحَقَّ عَلَى ذِكْرٍ وَلَدِهِ كَمَا قَدَّمَ امِّيَّةَ ذِكْرٍ الْجَارِ عَلَى الدَّارِ فِي قَوْلِهَا (عِنْدَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ) فَكَوَمَهُ اللَّهُ بِأَنْ قَضَا حَاجَتَهُ وَسَمَّاكَ بِصِفَتِهِ حَتَّى يَكُوْنَ اسْمُهُ تَذْكَارًا لِمَا طَلَبَهُ مِنْهُ نَبِيُّهُ ذِكْرِيَا لِأَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَشْرَبَقَاءَ ذِكْرٍ اللَّهِ فِي عَقِبِهِ اِذْ الْوَلَدُ سِرًّا يَبِيْهُ فَقَالَ (يَرِثُنِي وَيَرِثُ مِنْ اِلٍ يَعْقُوبُ) وَ

لَيْسَ ثَمَّ مَوْرُوثٌ فِي حَقِّ هَؤُلَاءِ إِلَّا مَقَامُ ذِكْرِ اللَّهِ وَالِدَعْوَةِ إِلَيْهِ ثُمَّ إِنَّهُ تَعَالَى بِشَرِّهِمْ
 قَدَّمَ لَهُ مِنْ سَلَامِهِ عَلَيْهِ (يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوتُ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا) فَجَاءَ بِصِفَةِ الْحَيَاةِ وَ
 فِي إِسْمِهِ وَأَعْلَمَ بِسَلَامِهِ عَلَيْهِ وَكَلَامُهُ صِدْقٌ فَهُوَ مُقْطُوعٌ بِهِ وَإِنْ كَانَ قَوْلُ الرَّوْحِ
 (وَالسَّلَامُ عَلَى يَوْمٍ وُلِدْتَ وَيَوْمَ أَمُوتُ وَيَوْمَ أُبْعَثُ حَيًّا) أَكْمَلَ فِي الْإِتِّحَادِ فَهَذَا
 أَكْمَلَ فِي الْإِتِّحَادِ وَالْإِعْتِقَادِ وَأَرْفَعَ لِلتَّائِيلَاتِ فَإِنَّ الَّذِي انْخَرَقَتْ فِيهِ الْعَادَةُ فِي
 حَقِّ عِيسَى إِنَّمَا هُوَ النَّطْقُ فَقَدْ تَمَكَّنَ عَقْلُهُ وَتَكَمَّلَ فِي ذَلِكَ الزَّمَانِ الَّذِي أَنْطَقَهُ اللَّهُ
 فِيهِ فَلَا يَلْزَمُ لِلْمُسْتَكِينِ مِنَ النَّطْقِ عَلَى آيٍ حَالَةٍ كَانَ الصِّدْقُ فِيْنَا بِهِ يَنْطِقُ بِغَيْرِ
 الشَّهَادَةِ كَيْحَيِّ سَلَامُ الْحَقِّ عَلَى يَحْيَى مِنْ هَذَا الْوَجْهِ أَرْفَعُ لِلْإِتِّبَاسِ الْوَاقِعُ فِي الْعِنَايَةِ
 الْإِلَهِيَّةِ بِهِ مِنْ سَلَامِ عِيسَى عَلَى نَفْسِهِ وَإِنْ كَانَتْ قَرَائِنُ الْأَحْوَالِ تُدَلُّ عَلَى قُرْبِهِ مِنَ اللَّهِ
 فِي ذَلِكَ وَصِدْقِهِ إِذَا نَطَقَ فِي مَعْرِضِ الدَّلَالَةِ عَلَى بَرَاءَةِ أُمِّهِ فِي الشَّهَادَةِ فَلَوْ أَحَدُ الشَّاهِدِينَ
 وَالشَّاهِدُ الْآخِرُ هَذَا الْجَذْعُ الْيَبَاسُ فَسَقَطَ رُطْبًا جَنِيًّا مِنْ غَيْرِ فَحُلٍ وَلَا تَزْكِي كَمَا
 وَلَدَتْ مَرْيَمُ عِيسَى مِنْ غَيْرِ فَحُلٍ وَلَا ذَكْرٍ وَلَا جَمَاعٍ عُرِفِي مُعْتَادٍ لَوْ قَالَ نَبِيٌّ آتِي
 وَمُعْجَزَتِي أَنِّي يَنْطِقُ هَذَا الْحَايُطُ فَنَطَقَ الْحَايُطُ وَقَالَ فِي نَطْقِهِ تَكْذِيبٌ مَا أَنْتَ رَسُولُ
 اللَّهِ لَصَحَّتِ الْآيَةُ وَثَبَتَ بِهَا أَنَّهُ رَسُولُ اللَّهِ وَلَوْ يُلْتَفَتُ إِلَى مَا نَطَقَ بِهِ الْحَايُطُ فَلَمَّا دَخَلَ هَذَا
 الْإِحْتِمَالُ فِي كَلَامِ عِيسَى بِإِشَارَةِ أُمِّهِ إِلَيْهِ وَهُوَ فِي الشَّهَادَةِ كَانَ سَلَامُ اللَّهِ عَلَى يَحْيَى أَرْفَعُ مِنْ
 هَذَا الْوَجْهِ فَمَوْضِعُ الدَّلَالَةِ أَنَّهُ عَبْدُ اللَّهِ مِنْ أَجْلِ مَا قِيلَ فِيهِ إِنَّهُ ابْنُ اللَّهِ وَفَرَعَتِ
 الدَّلَالَةُ بِسُجَرِّدِ النَّطْقِ وَأَنَّهُ عَبْدُ اللَّهِ عِنْدَ الطَّائِفَةِ الْآخَرَى الْقَائِلَةِ بِالنَّبُوءَةِ وَبَقِيَ مَا
 زَادَ فِي حُكْمِ الْإِحْتِمَالِ فِي النَّظَرِ الْعَقْلِيِّ حَتَّى ظَهَرَ فِي الْمُسْتَقْبَلِ صِدْقُهُ فِي جَمِيعِ مَا أَخْبَرَ
 بِهِ فِي الشَّهَادَةِ فَتَحَقَّقَ مَا أَشَرْنَا إِلَيْهِ *

یہ حکمت جلالیہ کا فص کلمہ تکوینیہ کے بیان میں ہے

حکمت غیبیہ کے بعد حکمت جلالیہ لانے کی حکمت یہ ہے کہ سابقہ حکمت کا اختتام جلال پر ہوا۔
 اختتام پر ارشاد تھا کہ عارف کو دفع بلیات کیلئے صرف اللہ تعالیٰ سے سوال کرنا چاہیے۔ اگر وہ اسباب

کی طرف رجوع کرے گا تو جلال الہی کا شکار ہوگا اور اس حکمت کو حضرت یحییٰ علیہ السلام کی طرف منسوب کرنے کی حکمت یہ ہے کہ آپ پر ہر وقت جلال الہی وارد تھا۔ خوف الہی سے آپ اکثر روتے رہتے تھے۔

کما روی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال قال یحییٰ لعیسیٰ علیہما السلام معاتباً له حین ضحك کانک قد امنت مکدا لله وعذابہ فاجابہ عیسیٰ علیہ السلام کانک قد ايسنت من فضل اللہ ورحمتہ فادحی اللہ الیہما ان احبکما الی احسنکما ظناً بی یعنی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یحییٰ علیہ السلام نے عیسیٰ علیہ السلام کو آپ کے ہنسنے پر عتاب کے طور پر فرمایا کہ کیا آپ اللہ تعالیٰ کے مکر اور عذاب سے بیخوف ہو گئے ہیں۔ عیسیٰ علیہ السلام نے جواب میں فرمایا کہ کیا آپ اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی رحمت سے بائوس ہو گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کی طرف وحی کی کہ تم دونوں میں سے مجھ کو زیادہ پیارا وہ ہے جس کا میرے متعلق نیک گمان ہے۔

یہ حکمت جلالیہ اسماء میں پہلی حکمت ہے۔ اللہ تعالیٰ کے دو ذاتی اوصاف ہیں، ایک ہے جلال دوسرا ہے جمال۔ جلال جمال پر مقدم ہے لِقَوْلِهِ تَعَالَى (كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَيَبْقَىٰ وَجْهٌ دَرِّبَتْ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ) مراد یہ ہے کہ جلال بہ نسبت جمال کے اللہ تعالیٰ کے زیادہ قریب ہے اور جملہ صفات میں سے صفات جلالیہ کو اولیت حاصل ہے۔ آفتاب میں سوزش بھی ہے اور روشنی بھی لیکن روشنی کی بہ نسبت سوزش آفتاب کے زیادہ قریب ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے آیہ مذکورہ میں رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ فرمایا۔ جلال کو اولیت دی اور اکرام کو بعد میں ذکر فرمایا۔ دوسرے اس حکمت جلالیہ کو اسماء میں اس لئے اولیت حاصل ہے کہ یہ حکمت حضرت یحییٰ علیہ السلام کی طرف منسوب ہے اور اسماء میں حضرت یحییٰ علیہ السلام کو اولیت حاصل ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ سے پہلے کسی شخص کا نام یحییٰ نہیں رکھا لِقَوْلِهِ تَعَالَى (لَمْ نَجْعَلْ لَهُ مِنْ قَبْلُ سَمِيًّا)۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کا نام یحییٰ رکھا یعنی آپ کے سبب ذکر کیا کا ذکر زندہ ہو رہے۔ آپ اسم بامسمیٰ ہیں۔ آپ کیلئے اللہ تعالیٰ نے دو صفتیں جمع کی ہیں۔ ایک تو آپ کو وہ صفت حاصل ہے جس سے وہ شخص جو گذر گیا اپنے پیچھے ایسا فرزند چھوڑ گیا جس کے سبب اُس کا ذکر زندہ ہو رہے یعنی حضرت زکریا علیہ السلام کا ذکر آپ کے سبب زندہ رہا۔ دوسری صفت خود آپ کا اسم یحییٰ ہے کہ پہلی صفت مذکورہ کا ادراک خود آپ کے اسم سے ہوتا ہے پس آپ کا نام یحییٰ علم ذاتی کے مانند ہے علم ذاتی علم عالی ہے یعنی جس شخص کو معرفت الہی نصیب ہو جاتی ہے ولایت کے آثار اُس کے چہرے پر آ جاتے ہیں۔ دل کے انوارات چہرہ کو نورانی کر دیتے ہیں یعنی ولی کا چہرہ ہی علم ذاتی یعنی معرفت

ابھی کی شہادت دیتا ہے۔ ایسے ہی آپ کا اسم یحییٰ آپ کا اپنے باپ کے ذکر کو زندہ کرنے کی شہادت دیتا ہے۔ اگرچہ آدم کا ذکر بہ سبب ثبوت کے زندہ ہوا اور نوح کا ذکر بہ سبب سام کے زندہ ہوا اور اسی طرح جملہ سابقہ انبیاء کا ذکر بہ سبب اُن کی اولادوں کے زندہ ہوا لیکن یحییٰ سے قبل اللہ تعالیٰ نے یہ دو صفات کسی نبی کے نام میں جمع نہیں کیں۔ یعنی اگرچہ سابقہ انبیاء علیہم السلام کا ذکر اُن کی اولادوں کے توسط سے زندہ ہوا لیکن اُن کی اولادوں کے ناموں میں سے یہ شرف کسی نام میں نہیں پایا جاتا کہ اُس کا نام اس صفت یاد پر شاہد ہو۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام کا اسم گویا اسم علم ہے یعنی اُس ذکر کے زندہ کرنے کی صفت پر خود علامت اور نشانی ہے اور یہ شرف اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف سے از روئے عنایت صرف ذکر یا کو عطا کیا ہے کہ اُس کے فرزند کا نام ہی اس امر پر شاہد ہے کہ اُن کا ذکر زندہ ہے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ جب حضرت زکریا علیہ السلام نے فرزند کیلئے دعا کی (قَوْلِهِ تَعَالَىٰ فَلَهِبْ لِي مِنْ لَدُنْكَ ذَلِيلًا) پس تو اپنی طرف سے میرے لئے ایک ولی بخش، تو اللہ تعالیٰ کے ذکر کو اپنے ولد کے ذکر پر مقدم کیا جیسا کہ آسیہ زوجہ فرعون نے اپنی دعائیں جاریہ کا ذکر دار پر یعنی اللہ تعالیٰ کا ذکر جنت پر مقدم کیا تھا (قَوْلِهِ تَعَالَىٰ رَاٰ ذَا قَالَتْ رَبِّ ابْنِ لِي عِنْدَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ) جب بولی اے رب! میرے واسطے اپنے پاس ایک گھر بہشت میں بنا۔ چونکہ حضرت زکریا علیہ السلام نے دعائیں اللہ تعالیٰ کا اکرام کیا، اسلئے اللہ تعالیٰ نے بھی آپ کا اکرام کیا اور اس طرح حاجت پوری کی کہ اُس نے یحییٰ کا نام ساتھ صفت یحییٰ کے رکھا تا کہ اُس کا نام اُس چیز پر یادگار اور شاہد ہو جسکو اُس کے نبی زکریا نے اللہ تعالیٰ سے طلب کیا تھا۔ نیز حضرت زکریا علیہ السلام نے جو ولد کیلئے دعا کی تھی اُس سے آپ کی حقیقی مراد یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر اُن کے بعد باقی رہے۔ بیٹا چونکہ باپ کا راز ہوتا ہے اس لئے آپ کی مراد یہ تھی کہ اُن کا بیٹا اُن کی وراثت نبوت کا وارث ہوگا اور وہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دے گا لہذا دعائیں عرض کیا (فَلَهِبْ لِي مِنْ لَدُنْكَ ذَلِيلًا يَّرِثُنِي وَ يَرِثُ مِنْ اِلٰی يَعْقُوبَ وَ اجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا) سو اپنے پاس سے مجھے ایک کام اٹھانے والا بخش جو میری جگہ بیٹھے اور یعقوب کی اولاد کی جگہ بیٹھے اور اے رب! اُس کو من ماننا کر۔ اور انبیاء کے خاندان میں سوائے اس امر کے اور کوئی ترکہ نہیں ہوتا کہ وہ اللہ تعالیٰ کا ذکر قائم کریں اور خلقت کو دعوت حق دیں۔ پس آپ نے ولی اپنے بعد اسلئے مانگا کہ وہ ولی وراثت نبوت ہو اور آپ کے بعد آپ کے اصحاب کو دعوت حق دے تاکہ

آپ کے بعد وہ گمراہ نہ ہو جائیں بِقَوْلِهِ تَعَالَى (وَإِنِّي خِفْتُ الْمَوَالِیَ مِنْ دُونِی) :

آگے اللہ تعالیٰ کے قول (وَسَلَّمَ عَلَيْهِ یَوْمَ وُلِدَ وَ یَوْمَ یَمُوتُ وَ یَوْمَ یُبْعَثُ حَیًّا) اور حضرت عیسیٰ

علیہ السلام کے قول (وَالسَّلَامُ عَلَیَّ یَوْمَ وُلِدْتُ وَ یَوْمَ أَمُوتُ وَ یَوْمَ أُبْعَثُ حَیًّا) کا موازنہ کیا گیا ہے پھر

اللہ تعالیٰ نے یحییٰ علیہ السلام کو اپنی سلامتی کی بشارت دی ہے اور اپنے قول میں اُس کو مُقَدَّم رکھا ہے۔

یعنی اور سلام ہے اُس پر جس دن پیدا ہوا، اور جس دن مرے، اور جس دن جی کر اُٹھ کھڑا ہو۔ گویا اللہ

تعالیٰ نے بشارت دی ہے کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام حیات میں اور ممات میں یعنی ہر حال میں اللہ تعالیٰ

کی سلامتی کیساتھ سلامت اور حیات ہیں۔ گویا اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے حیات الہی ثابت کی ہے اور

آگاہ کیا ہے کہ آپ میری سلامتی کیساتھ سلامت ہیں۔ پس ثابت ہوا کہ یحییٰ علیہ السلام حیات الہی سے

مُشَرَّف ہیں۔ آئمہ سبعہ الہیہ میں سے حیات سب سے مُقَدَّم صفت ہے۔ اگر آپ حیات الہیہ سے

متصف ہیں تو دیگر صفات کا ملہ کا آپ میں پایا جانا تبعاً ثابت ہوا۔ نیز حیات سے کسی چیز کا وجود

ثابت ہوتا ہے۔ پس حیات اللہ تعالیٰ کا ذاتی وصف ہے یعنی حیات سے ذات الہی ثابت ہوتی ہے۔

دوسرے الفاظ میں حیات اللہ تعالیٰ کا اسم یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات سے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ حضرت یحییٰ علیہ

السلام اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات الہیہ کا ملہ سے مُشَرَّف ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا کلام سچا ہے اور یقینی ہے

اگرچہ رُوح اللہ یعنی عیسیٰ علیہ السلام کا قول (وَالسَّلَامُ عَلَیَّ یَوْمَ وُلِدْتُ وَ یَوْمَ أَمُوتُ وَ یَوْمَ أُبْعَثُ

حَیًّا) اور سلامتی ہے اُد پر میرے جسدن میں پیدا ہوا، اور جسدن میں مرونگا اور جسدن میں زندہ ہو کر

اُٹھوں گا، اتحاد میں اکمل ہے لیکن یہ یحییٰ کے حق میں اللہ تعالیٰ کا قول اتحاد میں بھی اکمل ہے اور

اعتقاد میں بھی اکمل ہے اور تاویلات سے بلند اور پاک ہے۔ مُراد یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے

چونکہ یہ کلام مہدی کی تھی لہذا بلاشبہ یہ کلام کلام الہی ہے اور چونکہ آپ نے اس قول میں اپنی حیات

اور ممات میں اپنے لئے سلامتی ثابت کی ہے لہذا آپ نے اشارہ فرمادیا ہے کہ آپ حیات الہیہ کا ملہ

سے مُشَرَّف ہیں اور صفات کا ملہ الہیہ سے موصوف ہیں۔ گویا آپ کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ اتحاد یا اتصال

اکمل طور پر حاصل ہے۔ اتحاد سے مُراد دو یا نگی والا اتحاد یا اتصال نہیں ہے بلکہ عُینیت والا اتحاد ہے۔

یعنی آپ کو اللہ تعالیٰ سے وہ اتحاد حاصل ہے جو الفاظ کو سیاہی کیساتھ حاصل ہے۔ آپ نے اپنی کلام

سے ہی اشارہ فرمادیا ہے کہ رُوح القدس آپ کی صورت پر جلوہ نما ہے۔ لیکن ایک عارف کامل ہی

آپ کی کلام مبارک سے یہ چیز تاویلات کیساتھ اخذ کرتا ہے۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام کے متعلق چونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے اس لئے وہاں بغیر کسی تاویل کے یہ چیز ثابت ہے اور ہر شخص کا اس پر اعتقاد ہے۔ نیز عیسیٰ کے حق میں مہد میں کلام کرنا خرقِ عادت تھا یعنی طفلی کے زمانہ میں ہی اُن کی عقل کامل اور قوی کمال کو پہنچے ہوتے تھے اور اللہ تعالیٰ نے طفلی ہی میں آپ کو ناطق کیا۔ لیکن ایک عام آدمی کے نزدیک یہ لازم نہیں کہ نطق پر قادر شخص خواہ وہ کسی حالت میں ہو، طفلی میں ہو یا بلوغت میں، اپنی اُس کلام میں سچا ہو۔ اگرچہ عارف کامل جانتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام اپنی اُس کلام میں سچے ہیں لیکن ایک جاہل آدمی کے نزدیک احتمال کو دخل ہے کیونکہ عیسیٰ علیہ السلام نے طفلی میں ہی نبوت کا دعویٰ کیا جس کی تصدیق مستقبل میں ہونی ہے۔ دوسری طرف یحییٰ علیہ السلام کے متعلق اللہ تعالیٰ کی شہادت ہے پس اللہ تعالیٰ کا سلام اُوپر یحییٰ کے بہ نسبت عیسیٰ کا سلام اپنی ذات پر، اس لحاظ سے ارفع ہے کیونکہ اُس میں احتمال کی کوئی گنجائش نہیں۔ عارف اور غیر عارف سب اُس کو تسلیم کرتے ہیں اور وہ سلام حقیقت میں قبل از وجود یحییٰ محض عنایتِ الہیہ سے تھا۔ اگرچہ عارف کامل کے نزدیک قرآن احوالِ عیسیٰ علیہ السلام کے قُربِ الہی پر دلالت کرتے ہیں اور اس قول کی سچائی پر دلالت کرتے ہیں کیونکہ آپ نے مہد میں اپنی ماں کی پاکی پر بطور شہادت معجزانہ کلام کیا، لیکن ایک جاہل شخص کے نزدیک اس کلام کی سچائی میں احتمال کی گنجائش ہے کیونکہ آپ اپنی ماں کی پاکی کے دو گواہوں میں سے ایک گواہ ہیں۔ یعنی اُن کے نزدیک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا گہوارے میں کلام کرنا حضرت مریم علیہا السلام کی کرامت ہے کیونکہ آپ حالتِ طفلی میں تھے اور مریم علیہا السلام نے آپ کی طرف اشارہ کیا اور اشارہ سے آپ کو ناطق کر دیا۔ حضرت مریم علیہا السلام کی پاکی پر دوسرا گواہ خشک کھجور کے درخت کا تنہ ہلانا ہے کیونکہ آپ کے تنہ کو ہلانے سے بغیر زرد بغیر بھفتی دینے کے تازہ چُنی ہوتی کھجوریں گریں جیسا کہ مریم علیہا السلام نے عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر زرد اور بغیر مردود بغیر عُرْفی مُعتاد جماع کے جنا۔ اور یہ بھی مریم علیہا السلام کی کرامت ہے۔ پس طفلی میں مہد میں عیسیٰ علیہ السلام کو ناطق کر دینا اور خشک کھجور کو ہلانے سے تازہ کھجوروں کا گرنا دونوں مریم علیہا السلام کی کرامتیں ہیں۔ اب اگر ایک نبی کہے کہ میری نبوت پر نشانی اور معجزہ یہ ہے کہ یہ دیوار کلام کرے۔ چنانچہ اُس کے اشارہ پر اُس دیوار نے کلام کیا اور اپنی کلام میں کہا ”تو جھوٹ کہتا ہے“ تو اللہ کا رسول نہیں ہے۔ پس دیوار کے کلام کرنے سے اُس

کی نبوت کی نشانی پایہ صحت کو پہنچ گئی اور ثابت ہو گیا کہ واقعی وہ اللہ کا رسول ہے۔ اب دیوار کے کلام کے مضمون پر التفات نہیں کیا جائیگا۔ ایسے ہی عیسیٰ علیہ السلام کا اپنی ماں کے اشارہ پر مہد میں کلام کرنا ہے۔ اس کلام سے حضرت مریم علیہا السلام کی کرامت تو ثابت ہے لیکن مضمون کلام پر احتمال کو دخل ہے کیونکہ آپ نے مہد میں نبوت کا دعویٰ کیا جس کی تصدیق مستقبل میں ہونی ہے پس اس لحاظ سے اللہ تعالیٰ کا سلام اُپر پہنچنے کے بہ نسبت عیسیٰ کا سلام اپنی ذات پر ارفع ہے۔

جب حضرت مریم علیہا السلام نے عیسیٰ علیہ السلام کی طرف مہد میں اشارہ کیا تو عیسیٰ علیہ السلام بولے (قَالَ إِنِّي عَبْدُ اللَّهِ إِنَّمَنِي الْكِتَابُ وَجَعَلَنِي نَبِيًّا)۔ آپ کا یہ قول (إِنِّي عَبْدُ اللَّهِ) میں اللہ کا بندہ ہوں اس گروہ کے قول کی نفی پر دلالت کرتا ہے جو آپ کے متعلق کہتے ہیں کہ عیسیٰ اللہ کا بیٹا ہے۔ آپ کا اپنے متعلق یہ کلام اس امر پر دلالت تام ہے۔ کسی اور شہادت کی ضرورت نہیں۔ دوسرا گروہ جو آپ کی نبوت کا قائل ہے، بھی یہی عقیدہ رکھتا ہے کہ تحقیق عیسیٰ اللہ کا بندہ ہے۔ آپ کی اس کلام سے آپ کی ماں کی پاکی کی شہادت بھی مرتبہ کمال کو پہنچ گئی کیونکہ اس کلام میں کوئی احتمال کی گنجائش نہیں۔ البتہ باقی رہی وہ چیز جو زائد ہے یعنی (إِنَّمَنِي الْكِتَابُ وَجَعَلَنِي نَبِيًّا) یہ خبریں آپ نے مہد میں دیں۔ ان کے صدق کے ظہور کا تعلق مستقبل سے ہے۔ طفلی کے زمانہ میں جاہل کے نزدیک ان میں احتمال کا دخل ہے۔ پس اے طالب! جو اسرار اور لطائف اشارتاً اس نص میں بیان کئے گئے ہیں ان پر یقین لے آؤ۔

فَصُحْبَةُ مَا رَكِبَتْ فِي كَلِمَةِ زَكَرِيَّا

إِعْلَمَ أَنَّ رَحْمَةَ اللَّهِ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ وَجُودًا وَحُكْمًا وَأَنَّ وَجُودَ الْغَضَبِ مِنْ رَحْمَةِ اللَّهِ بِالْغَضَبِ فَسَبَقَتْ رَحْمَتُهُ غَضَبَهُ أَيْ سَبَقَتْ نِسْبَةُ الرَّحْمَةِ إِلَيْهِ نِسْبَةُ الْغَضَبِ إِلَيْهِ وَلَمَّا كَانَ يَكُلُّ عَيْنٌ وَجُودَ يَطْلُبُهُ مِنَ اللَّهِ لِذَلِكَ عَمَّتْ رَحْمَتُهُ كُلَّ عَيْنٍ فَإِنَّهُ بِرَحْمَتِهِ إِنِّي رَحِمَهُ بِهَا قَبْلَ رَغْبَتِهِ إِنِّي وَجُودِي عَلَيْهِ فَإِذَا وَجَدَهَا فَلِذَلِكَ قُلْنَا إِنَّ رَحْمَةَ اللَّهِ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ وَجُودًا وَحُكْمًا وَالْأَسْمَاءُ الْإِلَهِيَّةُ مِنَ الْأَشْيَاءِ وَهِيَ تَرْجِعُ إِلَى عَيْنٍ وَاحِدَةٍ فَإِنَّ مَا وَسِعَتْهُ رَحْمَةُ اللَّهِ شَيْئِيَّةٌ يَلُوكَ الْعَيْنُ الْمَوْجِدَ لِلرَّحْمَةِ بِالرَّحْمَةِ فَإِنَّ شَيْئًا

وَسِعَتُهُ الرَّحْمَةُ نَفْسَهَا ثُمَّ الشَّيْئَةُ الْمَشَارُ إِلَيْهَا ثُمَّ شَيْئَةُ كُلِّ مَوْجُودٍ يُوجَدُ إِلَى مَا لَا يَتَنَاهَى
دُنْيَا وَآخِرَةً وَغَرَضًا وَجَوْهَرًا وَمَرْكَبًا وَبَسِيطًا وَلَا يَعْتَبَرُ فِيهَا حُصُولُ غَرَضٍ وَلَا مَلَأْمَةٌ
طَبِيعُ بَلِّ الْمَلَأِيمِ وَغَيْرُ الْمَلَأِيمِ كُلُّهُ وَسِعَتُهُ الرَّحْمَةُ الْإِلَهِيَّةُ وَجُودًا وَقَدْ ذَكَرْنَا فِي الْفَتْوَا
الْمَكِّيَّةِ أَنَّ الْأَثَرَ لَا يَكُونُ إِلَّا لِلْمَعْدُومِ لَا لِلْمَوْجُودِ وَإِنْ كَانَ لِلْمَوْجُودِ فَيَحْكُمُ الْمَعْدُومَ
وَهُوَ عِلْمٌ غَرِيبٌ وَمَسْئَلَةٌ نَادِرَةٌ وَلَا يَعْلَمُ تَحْقِيقَهَا إِلَّا الْمُعَابُ الْأَوْهَامِ فَذَلِكَ بِالدُّوْقِ
عِنْدَهُمْ وَأَمَّا مَنْ لَا يُؤَثِّرُ الْوُجُودُ فِيهِ فَهُوَ بَعِيدٌ عَنْ هَذِهِ الْمَسْئَلَةِ شَعْرٌ
فَرَحْمَةُ اللَّهِ فِي الْأَكْوَانِ سَابِرِيَّةٌ ۝ وَفِي الذَّوَاتِ وَفِي الْأَعْيَانِ جَابِرِيَّةٌ
مَكَانَةُ الرَّحْمَةِ الْمَثَلِي إِذَا عَلِمْتَ ۝ مِنَ الشُّهُودِ مَعَ الْأَفْكَارِ عَالِيَّةٌ
فَكُلُّ مَنْ ذَكَرَتْهُ الرَّحْمَةُ فَقَدْ سَعِدَ وَمَا ثُمَّ إِلَّا مَنْ ذَكَرَتْهُ الرَّحْمَةُ وَذَكَرَ الرَّحْمَةَ
الْأَشْيَاءَ عَيْنٌ رَاجِعَةٌ إِلَى مَا فَكُلُّ مَوْجُودٍ مَرْحُومٌ وَلَا تَحْبُبُ يَا وَرَلِيٍّ عَنْ رَادِرٍ
مَا قُلْنَا كَيْدًا تَرَاهُ مِنْ أَصْحَابِ الْبَلَاءِ وَمَا تُؤْمِنُ بِهِ مِنَ الْأَمْرِ الْآخِرَةِ الَّتِي لَا تَفْتَرُ عَنْ
قَامَتْ بِهِ فَاعْلَمْ أَنَّ الرَّحْمَةَ إِنَّمَا هِيَ فِي الْإِيجَادِ عَامَّةٌ فَبِالرَّحْمَةِ يَا لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ
الْأَلَامَ ثُمَّ إِنَّ الرَّحْمَةَ لَهَا الْأَثَرُ بِوَجْهَيْنِ أَثَرٌ بِالذَّاتِ وَهُوَ إِيْجَادُهَا كُلَّ عَيْنٍ مَوْجُودَةٍ
وَلَا تَنْظُرُ إِلَى غَرَضٍ وَلَا إِلَى عَدَلٍ غَرَضٍ وَلَا إِلَى مَلَأِيمٍ وَلَا إِلَى غَيْرِ مَلَأِيمٍ نَاهَا نَظَرَةٌ فِي
عَيْنِ كُلِّ مَوْجُودٍ قَبْلَ وَجُودِهِ بَلْ تَنْظُرُ فِي عَيْنِ ثُبُوتِهِ وَهَذَا رَأَتْ الْحَقُّ الْمَخْلُوقِ فِي
الْإِعْتِقَادَاتِ عَيْنًا ثَابِتَةً فِي الْعُيُونِ الثَّابِتَةِ فَرَحِمَتُهُ بِنَفْسِهَا بِإِيجَادِ وَبِذَلِكَ قُلْنَا رَأَتْ
الْحَقُّ الْمَخْلُوقِ فِي الْإِعْتِقَادَاتِ أَوَّلُ شَيْءٍ مَرْحُومٍ بَعْدَ رَحْمَتِهَا بِنَفْسِهَا فِي تَعَلُّقِهَا بِإِيجَادِ
الْمَرْحُومِينَ وَلَهَا أَثَرٌ آخَرٌ بِالسُّؤَالِ فَيَسْأَلُ الْمَحْجُوبُونَ الْحَقَّ أَنْ يَرْحَمَهُمْ فِي إِعْتِقَادِهِمْ
وَأَهْلُ الْكُشْفِ يَسْأَلُونَ رَحْمَةَ اللَّهِ أَنْ تَقُومَ بِهِمْ فَيَسْأَلُونَ نَهَا بِاسْمِ اللَّهِ فَيَقُولُونَ
يَا اللَّهُ إِرْحَمْنَا وَلَا يَرْحَمُهُمْ إِلَّا قِيَامُ الرَّحْمَةِ بِهِمْ فَلَهَا الْحُكْمُ لِأَنَّ الْحُكْمَ إِنَّمَا هُوَ
فِي الْحَقِيقَةِ لِلْمَعْنَى الْقَائِمِ بِالتَّحَلِّيِّ فَهُوَ الرَّاحِمُ عَلَى الْحَقِيقَةِ فَلَا يَرْحَمُ اللَّهُ عِبَادَهُ
الْمُعْتَنَى بِهِمْ إِلَّا بِالرَّحْمَةِ فَإِذَا قَامَتْ بِهِمُ الرَّحْمَةُ وَجَدُوا حُكْمَهَا ذَوَاتِ فَنَزَلَ ذَكَرَتْهُ
الرَّحْمَةُ فَقَدْ رَحِمَ وَاسْمُ الْفَاعِلِ هُوَ الرَّحِيمُ وَالسَّوَّاحِمُ وَالْحُكْمُ لَا يَتَّصِفُ بِالْخَلْقِ

لَا نَهْ أَمْرٌ تَوْجِيهٌ السَّعَافِي لِيَذَارَهَا فَلَا حَوَالٌ لَمْ يَوْجُدْ لَهَا وَلَا مَعْدُومَةٌ أَيْ لَا عَيْنَ لَهَا فِي
الْوُجُودِ لِأَنَّهَا نَسَبٌ وَلَا مَعْدُومَةٌ فِي الْحُكْمِ لِأَنَّ الَّذِي قَامَ بِهِ الْعِلْمُ يُسَمَّى عَالِيًا وَهُوَ الْحَالُ فَالْعَالِي
ذَاتٌ مَوْصُوفَةٌ بِالْعِلْمِ فَمَا هُوَ عَيْنُ الذَّاتِ وَلَا عَيْنُ الْعِلْمِ وَمَا شَاءَ إِلَّا عِلْمٌ وَذَاتٌ قَامَ بِهَا هَذَا
الْعِلْمُ وَكَوْنُهُ عَالِيًا حَالٌ لِهَذَا الذَّاتِ بِاتِّصَافِهَا بِهَذَا الْمَعْنَى فَعَدَّ شَيْءٌ نَسَبَةً الْعِلْمِ إِلَيْهِ نَهْ
الْمُسَمَّى عَالِيًا وَالرَّحْمَةُ عَلَى الْحَقِيقَةِ نَسَبَةٌ مِنَ الرَّاحِمِ وَهِيَ التَّوَجِيهَةُ لِلْحُكْمِ فِي الرَّاحِمَةِ
وَالَّذِي أَوْجَدَهَا فِي السُّرْحُونِ مَا أَوْجَدَهَا بِرَحْمَةٍ بِهَا وَإِنَّمَا أَوْجَدَهَا بِرَحْمَةٍ بِهَا مَنْ قَامَتْ
بِهِ وَهُوَ سُبْعَانَةٌ لَيْسَ بِحَقٍّ لِلْحَوَادِثِ فَلَيْسَ بِحَقٍّ لِإِجَادَةِ الرَّحْمَةِ فِيهِ وَهُوَ الرَّاحِمُ وَلَا
يَكُونُ الرَّاحِمُ رَاحِمًا إِلَّا بِقِيَامِ الرَّحْمَةِ بِهِ فَتَبَيَّنَ أَنَّ عَيْنَ الرَّحْمَةِ وَمَنْ لَمْ يَذُقْ هَذَا
الْأَمْرَ وَلَا كَانَ لَهُ فِيهِ قَدَمٌ مَا اخْتَرَأَ أَنْ يَقُولَ إِنَّ عَيْنَ الرَّحْمَةِ أَوْ عَيْنَ الصِّفَةِ فَقَالَ مَا
هُوَ عَيْنُ الصِّفَةِ وَلَا غَيْرُهَا فَصِفَاتُ الْحَقِّ عِنْدَكَ لَا هِيَ هُوَ وَلَا هِيَ غَيْرُكَ لَا نَهْ لَا يَقْدِرُ عَلَى
نَفْسِهَا وَلَا يَقْدِرُ أَنْ يَجْعَلَهَا عَيْنَهُ فَقَدْ دَلَّ إِلَى هَذَا الْعِبَارَةِ وَهِيَ عِبَارَةٌ حَسَنَةٌ وَغَيْرُهَا
أَحَقُّ بِالْأَمْرِ مِنْهَا وَأَرْفَعُ لِلَّهِ شُكَاكٍ وَهُوَ الْقَوْلُ بِبُغْيِ أَعْيَانِ الصِّفَاتِ وَجُودًا قَائِمًا بِذَاتِ
الْمَوْصُوفِ وَإِنَّمَا هِيَ نَسَبٌ وَإِنَّمَا فَاتٌ بَيْنَ الْمَوْصُوفِ بِهَا وَبَيْنَ أَعْيَانِهَا الْمَعْقُولَةِ وَإِنْ
كَانَتْ الرَّحْمَةُ جَامِعَةً فَإِنَّهَا بِالنَّسَبَةِ إِلَى كُلِّ اسْمٍ إِلَهِيٍّ مُخْتَلِفَةٍ فَلِهَذَا يُسَالُّ الْحَقُّ
سُبْحَانَهُ أَنْ يَرْحَمَ بِكُلِّ اسْمٍ إِلَهِيٍّ فَرَحْمَةُ اللَّهِ وَالْحِكْمَانِيَّةُ هِيَ الَّتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ
ثُمَّ لَهَا شَعْبٌ كَثِيرٌ تَعَدُّدٌ بِتَعَدُّدِ الْأَسْمَاءِ الْإِلَهِيَّةِ فَمَا تَعَدُّ بِالنَّسَبَةِ إِلَى ذَلِكَ الْإِسْمِ
الْغَايَةِ الْإِلَهِيَّةِ فِي قَوْلِ السَّائِلِ رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَغَيْرَ ذَلِكَ مِنَ الْأَسْمَاءِ حَتَّى الْمُنْتَقِمِ
لَهُ أَنْ يَقُولَ يَا مُنْتَقِمُ ارْحَمْنِي وَذَلِكَ لِأَنَّ هَذِهِ الْأَسْمَاءَ تَدُلُّ عَلَى الذَّاتِ الْمُسَمَّاةِ وَ
تَدُلُّ بِحَقَائِقِهَا عَلَى مَعَانٍ مُخْتَلِفَةٍ فَيَدْعُو بِهَا فِي الرَّحْمَةِ مِنْ حَيْثُ دَلَّاتِهَا عَلَى الذَّاتِ
الْمُسَمَّاةِ بِذَلِكَ الْإِسْمِ لَا غَيْرَ لَا يَسَاءُ يُعْطِيهِ مَدَّ تُولُ ذَلِكَ الْإِسْمِ الَّذِي يَنْفَصِلُ بِهِ عَنْ غَيْرِهِ
وَيَتَمَيَّزُ فَإِنَّهُ لَا يَتَمَيَّزُ عَنْ غَيْرِهِ وَهُوَ عِنْدَكَ ذَلِيلُ الذَّاتِ وَإِنَّمَا يَتَمَيَّزُ بِنَفْسِهِ عَنْ غَيْرِهِ
لِذَاتِهِ إِذَا الْمُسْطَلَحُ عَلَيْهِ بِأَيِّ لَفْظٍ كَانَ حَقِيقَةً مُتَمَيَّزَةً بِذَاتِهَا عَنْ غَيْرِهَا وَإِنْ كَانَ
الْكُلُّ قَدْ سِيَقَ بِدَلٍّ عَلَى عَيْنٍ وَاحِدَةٍ مُسَمَّاةٍ فَلَا خِلَافَ فِي أَنَّهُ بِكُلِّ اسْمٍ حُكْمٌ

لَيْسَ لِأَخِيرِ ذَلِكَ أَيُّضًا يَنْبَغِي أَنْ يُعْتَبَرَ كَمَا يُعْتَبَرُ دَلَالَتُهَا عَلَى الذَّاتِ الْمُسْتَنَاءَةِ وَهَذَا قَالَ
 أَبُو الْقَاسِمِ بْنُ قَيْسٍ فِي الْأَسْمَاءِ الْإِلَهِيَّةِ إِنَّ كُلَّ اسْمٍ عَلَى الْفِعْلِ إِدْرِكٌ مُسَمًّى بِجَمِيعِ الْأَسْمَاءِ
 الْإِلَهِيَّةِ كُلِّهَا إِذَا قَدَّمْتَهُ فِي الذِّكْرِ نَعْتَهُ بِجَمِيعِ الْأَسْمَاءِ وَذَلِكَ لِذَلَّتِهَا عَلَى عَيْنٍ وَاحِدَةٍ
 وَإِنْ تَكَثَّرَتْ الْأَسْمَاءُ عَلَيْهَا وَاخْتَلَفَتْ حَقَائِقُهَا آتَى حَقَائِقُ تِلْكَ الْأَسْمَاءِ ثُمَّ إِنَّ الرَّحْمَةَ
 تَنَالُ عَلَى طَرِيقَيْنِ طَرِيقُ الْوُجُوبِ وَهُوَ قَوْلُهُ (نَسَأَ كُتُبَهَا لِلَّذِينَ يَتَّقُونَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ)
 وَمَا قَيَّدَهُمْ بِهِ مِنَ الصِّفَاتِ الْعِلْمِيَّةِ وَالْعَمَلِيَّةِ وَالطَّرِيقُ الْآخِرُ الَّذِي تَنَالُ بِهِ هَذِهِ الرَّحْمَةُ
 عَلَى طَرِيقِ الْإِمْتِنَانِ إِلَهِي الَّذِي لَا يَقْتَرِنُ بِهِ عَمَلٌ وَهُوَ قَوْلُهُ (وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ
 شَيْءٍ) وَمِنْهُ قِيلَ (يَغْفِرُ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ) وَمِنْهَا قَوْلُهُ (اعْمَلْ مَا
 شِئْتَ فَقَدْ غَفَرْتُ لَكَ فَاَعْلَمْ ذَلِكَ) *

یہ حکمت مالکیہ کا فص کلمہ ذکر یو یہ کے بیان میں ہے

حکمت جلالیہ کے بعد حکمت مالکیہ لانے کی حکمت یہ ہے کہ حکمت جلالیہ کا اختتام مالکییت پر
 پر ہوا۔ یعنی جب قوم نے حضرت مریم علیہا السلام پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے متعلق
 بہتان باندھا تو رب تعالیٰ نے اپنی رحمت سے مریم علیہا السلام کو عیسیٰ علیہ السلام کی حقیقی شرعی مالکہ
 ثابت کر دکھایا۔ اور اس حکمت مالکیہ کو حضرت زکریا علیہ السلام کی طرف منسوب کرنے کی حکمت یہ ہے کہ
 جو ملک نبوت آپ کو یعقوب علیہ السلام کی اولاد سے نصیب ہوئی تھی آپ نے اُس ملک کی مالکییت کو
 اپنے بعد قائم کرنے کیلئے رب تعالیٰ سے دعا کی اور رب تعالیٰ نے اپنی رحمت سے اُس مالکییت کو قائم
 رکھنے کیلئے آپ کو یحییٰ علیہ السلام عطا کر دیا بقولہ تعالیٰ (ذَكَرْنَا حَسَنَتِ رَبِّكَ عَبْدًا زَكِيًّا هَذَا نَذَى
 رَبِّهِ نَذَاءٌ خَفِيًّا قَالَ رَبِّ إِنِّي وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّي وَاشْتَعَلَ الرَّأْسُ شَيْبًا وَلَوْ أَكُنَّ بِدُعَاؤِكَ رَبِّ
 شَقِيًّا وَإِنِّي خِفْتُ الْمَوَالِيَ مِنْ وَرَائِي وَكَانَتِ امْرَأَتِي عَاقِرًا فَهَبْ لِي مِنْ لَدُنْكَ وَلِيًّا هَئِذَا نَذَى
 رَبِّهِ مِنْ آلِ يَعْقُوبَ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا يٰزَكَرِيَّا إِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلَامٍ اسْمُهُ يَحْيَىٰ) *

اے طالب! اس راز کو جان لے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت نے ہر شے کو وجوداً و حکماً سما لیا ہے

بقولہ تعالیٰ (وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ)۔ مراد یہ ہے کہ ہر شے کو اللہ تعالیٰ نے اپنا وجود عطا کر دیا ہے

جیسا کہ سیاہی نے جملہ حروف کو اپنا وجود عطا کر دیا ہے۔ تحقیق اللہ تعالیٰ کی رحمت ہر شے پر از روتے وجود و
حکم وسیع ہے یعنی بعض اشیاء پر اللہ تعالیٰ کی رحمت بظاہر وسیع ہے اور بعض پر حکماً وسیع ہے۔ وہ اشیاء
جن میں خیر ہی خیر ہے اُن پر تو رحمت بظاہر وسیع ہے اور جن اشیاء میں شر پایا جاتا ہے اُن میں بھی
کوئی نہ کوئی خوبی اور حکمت ہے جو عوام الناس نہیں جانتے۔ حقیقت کے لحاظ سے وہ بھی انسان کے لئے
رحمت ہی ہیں اس لئے اُن پر بھی رحمت کا حکم صادر کیا جائیگا۔ بادشاہ جاگیریں بھی عطا کرتا ہے اور دار پر بھی
چڑھاتا ہے۔ جو بادشاہ کی اطاعت کرے اُس کو جاگیریں ملتی ہیں اور جو بادشاہ کے احکام کی نافرمانی کرے
اُس کو دار پر چڑھایا جاتا ہے۔ اب دار بھی ایک واعظ کا حکم رکھتی ہے جو سرکشوں اور نافرمانوں کو ڈرا کر
بادشاہ کی اطاعت کی طرف راغب کر دیتی ہے۔ لہذا دار اور جاگیر دونوں رحمت ہیں لیکن جاگیر تو از روتے
وجود یعنی بظاہر رحمت ہے اور دار از روتے حکم یعنی از روتے حقیقت رحمت ہے۔ اور تحقیق غضب کا وجود
اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ہے کیونکہ در پردہ غضب میں بھی اُس کی رحمت پوشیدہ ہے۔ مثال کے طور پر
بادشاہ ایک شخص کو رشوت کی سزا میں جیل خانہ میں قید کر دیتا ہے۔ جب وہ قید کی مشقت اٹھاتا ہے
تو اُسے اپنا گناہ سامنے نظر آ جاتا ہے۔ وہ دل میں استغفار پڑھتا ہے اور جناب الہی میں زاری کرتا ہے کہ الہی
اب مجھے اگر دوبارہ ملازمت مل گئی تو میں ہرگز رشوت نہ لوں گا۔ دن رات روتا ہے اور فریاد کرتا ہے۔
اُس کی تو بہ جناب الہی میں منظور ہو جاتی ہے۔ رب تعالیٰ قید خانہ میں ہی اُس کو اپنی محبت نصیب کر دیتے
ہیں اور وہ عبادت میں مشغول ہو جاتا ہے۔ دن رات عبادت کرتا ہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ کا اُس کو قرب
نصیب ہو جاتا ہے۔ جب قید سے باہر نکلتا ہے تو اپنے آپ کو اولیاء کے زمرہ میں پاتا ہے۔ سبحان اللہ!
بظاہر جیل خانہ کی قید ہے اور حقیقت میں بارگاہ الہی کا قرب ہے۔ پس ثابت ہوا کہ ہر غضب میں اُس کی
رحمت پوشیدہ ہے۔ وہ ذات سراپا رحمت ہے اور رحمت سے رحمت ہی کا صدور ہوتا ہے۔ اگرچہ کوئی پتیز
بظاہر غضب ہے لیکن حقیقت میں وہ رحمت ہے۔ مراد یہ ہے کہ اُس کا غضب بھی حکمت اور رحمت پر مبنی
ہے۔ لہذا اُس کی رحمت اُس کے غضب پر سبقت لیگئی ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت رحمت
نسبت غضب پر سبقت لیگئی ہے۔ مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا غضب ایک عارضی چیز ہے۔ اُس غضب
میں کوئی حکمت ہوتی ہے اور اُس غضب کا انجام انعام و اکرام ہوتا ہے لہذا وہ غضب غضب نہیں بلکہ
عین رحمت ہے۔ وَ لَسْنَا كَانُا اِلَٰهَ ہر عین خارجی کا مرتبہ امتدادیت ذاتیہ میں ایک وجود تھا یعنی ممکنات عالم

اللہ تعالیٰ کی ذات میں بالقوہ موجود تھے۔ مرتبہ احدیت ذاتیہ میں اُن کا نام شیونات الہیہ ہے۔ اُن شیونات الہیہ نے اللہ تعالیٰ سے ظہور طلب کیا۔ اللہ تعالیٰ نے فیض اقدس سے اُن شیونات کو علمی و وجود بخشا۔ مرتبہ علم میں شیونات کا نام معلومات الہیہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے ممکنات عالم کے قوای کو اعیان ثابۃ کی صورت پر ظاہر فرمایا۔ ممکنات عالم کے قوای سے مراد شیونات الہیہ ہے۔ اُن اعیان ثابۃ نے اللہ تعالیٰ سے خارج میں ظہور طلب کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے اُن کی وہ رغبت قبول فرمائی اور ہر عین علمی کو وجود خارجی بخشا اور اُس کو ایجاد کیا۔ اس کو فیض مقدس کہتے ہیں۔ فیض اقدس سے اللہ تعالیٰ نے شیونات الہیہ کو معلومات الہیہ کا لباس پہنایا اور فیض مقدس سے معلومات الہیہ کو ممکنات عالم کا ظاہری خارجی لباس پہنایا۔ اسی لئے ہم نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہر شے پر از روئی و جود اور حکم کے وسیع ہے۔ مرتبہ علم میں اشیاء کا وجود از روئے حکم علم ہے۔ مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت و وسیع سے ہر شے کو پہلے علمی وجود بخشا اور بعد میں خارجی وجود بخشا اور مجملہ صور علمیہ و خارجیہ پر اُس کی رحمت و وسیع ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے مرتبہ احدیت سے تنزل فرما کر پہلے صور علمیہ پر ظہور فرمایا اور بعد میں صور خارجیہ پر ظہور فرمایا۔ نیز ان دَحْمَةِ اللّٰهِ وَ سِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ وَ جُودًا وَ حُكْمًا سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے ہر شے کو وجود عطا کیا اور حکماً سے یہ مراد ہے کہ ہر شے نے زبان استعداد سے جو کچھ طلب کیا وہ ہی حقیقتاً ہی عطا کر دیا۔ گویا ہمارے اعیان ثابۃ نے اللہ تعالیٰ پر حکم کیا کہ ہم فلان فلان مدارج کے مستحق ہیں۔ پس حقیقتاً ہی نے ہمارے اعیان ثابۃ کو اپنے وجود کا لباس بھی پہنایا اور جو کچھ ہماری استعدادات نے حکم کیا وہ من و عن عطا کر دیا۔ وَالْاَسْمَاءُ اِلَٰهِيَّةُ الْاَمَامِ اور چونکہ اسماء الہیہ بھی اشیاء میں سے ہیں اسلئے اُن سب اسماء پر رحمت الہی وسیع ہے يَقُولُہُ تَعَالٰی (وَ تَخْتِی وَ سِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ)۔ اسماء جمالیہ رحیم کویم غفار ستار وغیرہ تو بظاہر رحمت ہیں لیکن اسماء جلالیہ جبار قہار وغیرہ پر بھی رحمت الہیہ وسیع ہے یعنی اسماء جلالیہ پر بھی رحمت ہی کا حکم جاری و ساری ہے۔ مراد یہ ہے کہ اسماء جلالیہ میں بظاہر تو غضب موجود ہے لیکن باطن میں ان میں بھی رحمت ہی پوشیدہ ہے۔ پس ثابت ہوا کہ ذات الہی خود رحمت ہے اور مجملہ اسماء الہیہ بھی رحمت ہی رحمت ہیں۔ اگر اسماء الہیہ رحمت ہیں تو اُن کے مظاہر یعنی جمیع ممکنات عالم بھی مرحوم ہیں۔ اُن میں ایک بھی مضروب نہیں۔ نیز یہ اسماء الہیہ ذات واحدہ کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ اسماء الہیہ مرتبہ احدیت میں بالقوہ موجود ہیں۔ ہر اسم اللہ تعالیٰ کی ایک خاص صفت کا مظہر ہے۔ صفات الہیہ چونکہ لامتناہی ہیں اسلئے اسماء الہیہ بھی لامتناہی ہیں۔ اَدَل چیز جس پر رحمت الہی وسیع ہوئی وہ

اس عین واحدہ کا ظہور ہے جو اپنی رحمت ذاتیہ کیساتھ رحمت کی مُوجد ہے پس اَوّل چیز جس پر رحمت الہیہ وسیع ہوتی وہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ یعنی مرتبہ احدیت ذاتیہ میں اسماء الہیہ بالقوہ موجود تھے۔ جب اسماء الہیہ نے ظہور کا تقاضا کیا تو سب سے اَوّل اسم رحمن کو جنبش ہوتی اور اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت رحمانیہ سے اسماء الہیہ کی ظہور کی درخواست منظور فرمائی۔ پس سب سے اَوّل چیز جو اُس عین واحدہ سے ظہور میں آتی وہ رحمت ہے اور اُس رحمت کا سب سے اَوّل ظہور اُس عین واحدہ کا ظہور ہے۔ مرتبہ احدیت ذاتیہ سے تنزل فرما کر ذات حق کا ظہور ہی اسماء الہیہ کا ظہور ہے پس سب سے اَوّل رحمت الہیہ کا ظہور خود اُس کی ذات پر ہوا کہ ذات نے مرتبہ احدیت سے جو بطون در بطون مرتبہ ہے ظہور کا ارادہ فرمایا لہذا ذات الہیہ کا اسماء الہیہ کو مرتبہ غیب الغیب سے ظاہر فرمانے کا ارادہ کرنا ہی سب سے اَوّل رحمت ہے۔ پھر اُس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فیض اقدس سے اسماء الہیہ کو جو مرتبہ احدیت ذاتیہ میں شیونات الہیہ تھے، شئیئت ثبوتی کا لباس پہنایا یعنی اسماء الہیہ کا ظہور علی ہوا۔ پھر اُس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فیض مقدس سے اُن اعیان ثابتہ کو شئیئت وجودی کا لباس پہنایا یعنی اسماء الہیہ کا ظہور خارجی ہوا۔ اسماء الہیہ چونکہ مرتبہ احدیت میں غیر متناہی ہیں اسلئے اُن کا ظہور بھی غیر متناہی ہے یعنی اُن کا ظہور ابد الابد تک ہوتا رہے گا۔ اسماء الہیہ چونکہ غیر متناہی ہیں اسلئے اُن کا ظہور بتدریج مرتبہ احدیت سے وحدت میں، وحدت سے واحدیت میں، واحدیت سے عالم ارواح میں، عالم ارواح سے عالم مثال میں، عالم مثال سے عالم اجسام میں، عالم اجسام سے لباس اخیر حضرت انسان میں ہوتا رہتا ہے اور یہ سلسلہ ابد الابد تک جاری رہے گا۔ نہ اسماء الہیہ یا شیونات الہیہ ختم ہوں نہ ظہور کا سلسلہ ختم ہو۔ جب انسان دُنیا سے آخرت کی طرف انتقال کر جاتا ہے تو پھر اس کا ابدی ٹھکانہ عالم ارواح ہے جو کہ مقام اعتدال ہے۔ لہذا اسماء الہیہ کا ظہور مرتبہ احدیت سے دُنیا میں اور پھر اُن کا ظہور دُنیا سے آخرت میں ابد الابد تک جاری رہیگا۔ نیز اسماء الہیہ کا ظہور مجملہ اشیاء پر خواہ وہ اعراض ہیں یا جواہر ہیں، مرکب ہیں یا بسیط ہیں، ابد الابد تک ہوتا رہے گا۔ ہر موجود کیساتھ رحمت کے تعلق میں کسی غرض کا حصول معتبر نہیں ہے اور نہ ہی موافقت طبعیت معتبر ہے بلکہ ہر ملائم اور غیر ملائم شے پر رحمت الہیہ وجوداً وسیع ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر شے کو اپنی رحمت رحمانی سے اپنا وجود عطا کر دیا ہے۔ یہ اُسکی محض رحمت ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی مخلوق سے کچھ غرض نہیں۔ اور نہ ہی مخلوق اس انعام کا شکر یہ ادا کر سکتی ہے۔ اگرچہ مخلوق میں سے بعض کیساتھ اللہ تعالیٰ کا محبت کا تعلق ہے یقولہ تعالیٰ (يُحِبُّهُمْ وَيُخَيِّرُهُمْ)۔

لیکن جن کے ساتھ محبت کا تعلق نہیں اُن کو بھی اپنا وجود عطا کر دیا ہے۔ جہاں انبیاء و اولیاء علیہم السلام کو اپنا وجود عطا کیا ہے وہاں کفار کو بھی اپنا وجود عطا کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہر شے پر وجوداً وسیع ہے یعنی ہر شے کو اللہ تعالیٰ نے اپنا وجود عطا کر دیا ہے۔ مراد یہ ہے کہ ہر شے کی صورت پر اللہ تعالیٰ کا ظہور ہے اور یہ اُس کی محض رحمت ہے۔

یہاں تک اس ایک قول کی شرح ہے کہ رحمت الہیہ ہر شے پر از روئے وجود اور حکم کے وسیع ہے۔ اس پر ایک اعتراض وارد ہوتا ہے کہ جب کہ رحمت کا خارج میں وجود ہی کوئی نہیں تو اس کا موجودات خارجہ پر کیسے اثر ہو سکتا ہے؟ جواب میں ارشاد فرمایا کہ فتوحات مکتبیہ میں اس مسئلہ کے متعلق تحقیق ذکر کیا گیا ہے کہ موجودات خارجہ میں اثر صرف معدوم کا ہے نہ کہ موجود کا اور اگر کسی موجود خارجی کا اثر ہو تو حقیقت میں وہ اثر حکم معدوم کی وجہ سے ہے۔ اسماء الہیہ مرتبہ احدیت ذات میں بالقوہ موجود تھے۔ جب اسماء الہیہ نے ظہور کا تقاضا کیا تو اللہ تعالیٰ نے پہلے ان کو مرتبہ علم میں بطور اعیان ثابتہ کے ظاہر کیا اور بعد میں مرتبہ خارج میں بطور موجودات خارجہ ظاہر کیا۔ ہر اسم ایک خاص صفت کا مظہر ہے مثلاً رحمت رحمت عامہ کا رحیم رحمت خاصہ کا بخیر خیر کا غفار غفر کا اور ستر ستر کا وغیرہ۔ ہر اسم مع صفت کی اللہ تعالیٰ کیساتھ ایک اصناف ہے۔ مجملہ موجودات خارجہ اسماء و صفات الہیہ کے مظاہر ہیں لیکن با اینہما اسماء و صفات الہیہ خارج میں نظر نہیں آتے۔ اسماء و صفات معدوم ہیں یعنی خارج میں ان کا کوئی وجود نہیں البتہ باطن میں اُن کا وجود ہے۔ اسماء و صفات اعدام ہیں یعنی مرتبہ احدیت میں بالقوہ موجود ہیں اور مرتبہ علم میں بالقوہ موجود ہیں لیکن خارج میں ان کا کوئی وجود نہیں۔ اب چونکہ ان اسماء و صفات کا اثر موجودات خارجہ میں ہے لہذا ثابت ہوا کہ معدوم کا اثر موجود ہے۔ ایسے ہی رحمت بھی ایک صفت ہے جو مرتبہ عدم میں ہے۔ عدم سے مراد محض عدم نہیں ہے بلکہ عدم اصنافی ہے۔ وہ چیز جس کا وجود باطن میں یا علم میں موجود ہو لیکن خارج میں اُس کا وجود نہ ہو اُس کو عدم اصنافی کہتے ہیں اور معدوم سے اس جگہ مراد عدم اصنافی ہے نہ کہ معدوم مطلق۔ پس ہر معدوم کی طرح رحمت بھی موجودات خارجہ میں اثر رکھتی ہے وَاِنْ كَانَ لَيْسَ بِوُجُودٍ اِلَّا اور اگر کسی موجود خارجی کا موجودات خارجہ پر اثر ہے تو وہ بھی حکم معدوم کی وجہ سے ہے۔ مثال کے طور پر ایک حاکم کا رعایا پر اثر ہے یا ایک افسر کا اپنے ماتحت عملہ پر اثر ہے تو حقیقت میں یہ اثر اُس منصب کی وجہ سے ہے جس پر وہ فائز ہیں اور وہ منصب خارج میں معدوم ہے۔ جب

وہ حاکم یا افسر اس منصب سے معزول ہو جاتے ہیں تو ان کا رعایا پر یا ماتحت عملہ پر کوئی اثر نہیں رہتا۔ لہذا ثابت ہوا کہ معدوم کا ہی موجود میں اثر ہے۔ معدوم خارجی مرتبہ علم سے بالکل خارج نہیں ہو سکتا البتہ معدوم کا حکم اور اثر موجود میں ظاہر ہو جاتا ہے۔ ہر عین ثابتہ مرتبہ عدم میں ہے اور ظہور کا مقتضی ہے لیکن جب اس عین ثابتہ کا خارج میں ظہور ہوتا ہے تو عین ثابتہ کا حکم اور اثر عین خارجیہ میں ظاہر ہو جاتا ہے عین ثابتہ مرتبہ علم میں بدستور موجود ہے۔ مثال کے طور پر ایک انجنیئر کے ذہن میں ایک عمارت کا نقشہ ہے۔ وہ اس نقشہ کو کاغذ پر اتار لیتا ہے۔ وہ ذہنی نقشہ بلحاظ خارج کے معدوم ہے اور ذہن اور علم میں موجود ہے اب اس کا غذی نقشہ میں اس ذہنی نقشہ کا ہی اثر اور ظہور ہے جو خارج میں معدوم ہے۔ کاغذی نقشہ موجود ہے اور ذہنی نقشہ معدوم ہے۔ ذہنی نقشہ اگرچہ کاغذ پر اتار لیا گیا ہے لیکن اس کا وجود ذہن اور علم میں بدستور موجود اور قائم ہے۔ صفات الہیہ کا اگرچہ ظہور موجودات خارجیہ میں ہے لیکن وہ بذات خود معدوم ہیں اور عقل اور علم میں ان کا وجود موجود ہے جیسا کہ نص آدمیہ میں مذکور ہوا **إِعْلَمَنَّ الْأُمُورَ الْكُلِّيَّةَ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهَا دُجُودٌ فِي عَيْنِهَا فَهِيَ مَعْقُولَةٌ مَعْلُومَةٌ بِلَا شَكٍّ فِي الذِّهْنِ فَهِيَ بَاطِنَةٌ لَا تَزُولُ عَنِ الْوُجُودِ الْعَيْنِيِّ وَلَهَا الْحُكْمُ وَالْأَثَرُ فِي كُلِّ مَالَةٍ وَجُودُ عَيْنِيٌّ بَلْ هُوَ عَيْنِيٌّ لَا غَيْرُهَا أَغْنَىٰ أَعْيَانِ السَّوْجَوَاتِ الْعَيْنِيَّةِ وَلَمْ تَزَلْ عَنْ كَوْنِهَا مَعْقُولَةٌ فِي نَفْسِهَا۔** یہ ایک عجیب علم ہے اور نادور مسئلہ ہے اور اس مسئلہ کی تحقیق سوائے اصحاب اہل ہمام کے کوئی نہیں جانتا۔ اصحاب اہل ہمام سے مراد اصحاب خیال ہے یعنی وہ اولیاء اللہ جن کے خیالات دوس نفسانی اور شیطانی سے مبرا اور منترہ ہیں اور ان کے قلوب الہامات الہیہ کے خزان ہیں۔ مراد یہ ہے کہ وہ لوگ علم لدنی سے مشرف ہیں اور انہوں نے اس مسئلہ کا علم اپنے ذوق سے حاصل کیا ہے۔ لیکن جس شخص میں خیال کا اثر نہیں وہ اس مسئلہ سے بعید ہے یعنی جس کا خیال صاف نہیں اور اس کا قلب روضہ ربانی نہیں وہ اس مسئلہ کو نہیں سمجھ سکتا۔ شعر

(۱) پس اللہ تعالیٰ کی رحمت اکوان میں سرایت کرنے والی ہے اور ذات اور اعیان میں جاری ہے۔ مراد یہ ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کی ذات اللہ تعالیٰ کے جمیع مراتب احدیت و وحدت و احدیت عالم ارواح عالم مثال عالم اجسام اور حضرت انسان میں سرایت کرنے والی ہے ایسے ہی رحمت اللہ تعالیٰ کے جمیع مراتب میں سرایت کر نیوالی ہے۔

(۲) اُس فضیلت والے کی رحمت کا مرتبہ جب شہود اور انکار کیساتھ جانا جاتے تو بہت ہی عالی ہے مُراد یہ ہے کہ عوام الناس اللہ تعالیٰ کی رحمت کے مرتبہ سے ناواقف ہیں۔ وہ رحمت الہیہ کو محدود جانتے ہیں۔ صاحب شہود و صاحب انکار لوگ یعنی اقطاب عارفین رضی اللہ عنہم کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی رحمت ہر شے پر وسیع ہے حتیٰ کہ وہ اُس کے جلال میں رحمت ہی دیکھتے ہیں۔

پس جس شخص کو رحمت الہیہ نے یاد کیا تحقیق وہ سعید ہوا اور عالم میں کوئی ایسا شخص نہیں جس کو رحمت الہیہ نے یاد نہ کیا ہو لہذا ہر شخص سعید ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا (ذَکُورْ حَمْدِ رَبِّکَ عَبْدًا ذَکِیًّا) یہ تیرے رب کی رحمت کا اپنے بندے کو یاد کرنا، عین اُن اشیاء کو یاد کرنا ہے۔ ممکنات عالم شخص ہی مرحوم اور سعید ہے۔ رحمت الہیہ کا اشیاء کو یاد کرنا، عین اُن اشیاء کو ایجاد کرنا ہے۔ ممکنات عالم کے اعیان ثابۃ ظہور کے مقتضی تھے اسلئے حق تعالیٰ نے اپنی رحمت سے اُن کو ایجاد فرمایا یعنی اعیان خارجہ کا لباس پہنایا۔ لہذا مجملہ موجودات عالم کو حق تعالیٰ نے اپنی رحمت سے ایجاد فرمایا۔ ثابت ہوا کہ ہر موجود مرحوم ہے۔ اس پر ایک اعتراض پیدا ہوتا ہے کہ بعض بلائیں انسان کو دنیا میں نصیب ہوتی ہیں اور بعض عذاب کے متعلق ہم اعتقاد رکھتے ہیں کہ آخرت میں انسان کو نصیب ہوتے ہیں تو پھر ہر شے کیسے مرحوم ہوتی۔ اس کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ اے میرے دوست! جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے کہ ہر شے مرحوم ہے اُس کے ادراک سے تجھے اہل بلا و اہل عذاب مانع نہ رکھیں کیونکہ ہر شے اس اعتبار سے مرحوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت عامہ سے ہر شے کو ایجاد فرمایا فاعلمہ پس اے طالب! پہلے اس بات کو جان لے کہ رحمت تحقیق سوائے اس کے نہیں ہے کہ رحمت عامہ سے اللہ تعالیٰ نے ہر شے کو بغیر کسی تخصیص کے ایجاد کیا لہذا آلام کو بھی اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے ایجاد کیا۔ نیز آلام کیساتھ بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت شامل ہے جیسے ارشاد ہوا قَبْلَ الْوَحْمَةِ بِالْآلَامِ یعنی اُس کے آلام میں رحمت الہی پوشیدہ ہے۔ دنیاوی بلاؤں کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں اَشَدُّ النَّاسِ بَلَاءً اَلْاَنْبِیَاءُ ثُمَّ الْاَوْیَاءُ ثُمَّ الْاَمْتَلُ فَاَلَا مَثَلٌ یعنی سب لوگوں سے بڑھکر انبیاء پر بلا نازل ہوتی ہے پھر اس سے کچھ کم اولیاء پر اور پھر اس سے کم درجہ بدرجہ لوگوں پر۔ عام مسلمانوں کیلئے تکالیف گناہ کا کفارہ ہوتی ہیں اور انبیاء و اولیاء کیلئے مراتب و مدارج کی ترقی کا باعث ہوتی ہیں۔ اب آلام آخرت کے متعلق سنئے۔ رب تعالیٰ دوزخیوں کو دوزخ میں اس لئے بھیجے گا تاکہ وہ عذاب کے باعث رب تعالیٰ کو یاد کریں۔

دُنیا میں اللہ تعالیٰ کی یاد سے وہ غافل تھے لیکن دوزخ میں پہنچتے ہی وہ ذاکر ہو جائیں گے۔ سبحان اللہ! جس عذاب کے باعث ایک غافل ذاکر بن جائے وہ عذاب اُس راحت سے ہزار درجہ افضل ہے جو بندہ کو خداوند تعالیٰ کی یاد سے غافل کر دے۔ پس عذاب آخرت میں بھی رحمت پوشیدہ ہے۔ لہذا آلام کو اللہ تعالیٰ نے اسلئے ایجاد فرمایا کہ آلام کیساتھ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے یعنی آلام میں بھی رحمت الہیہ شامل ہے۔

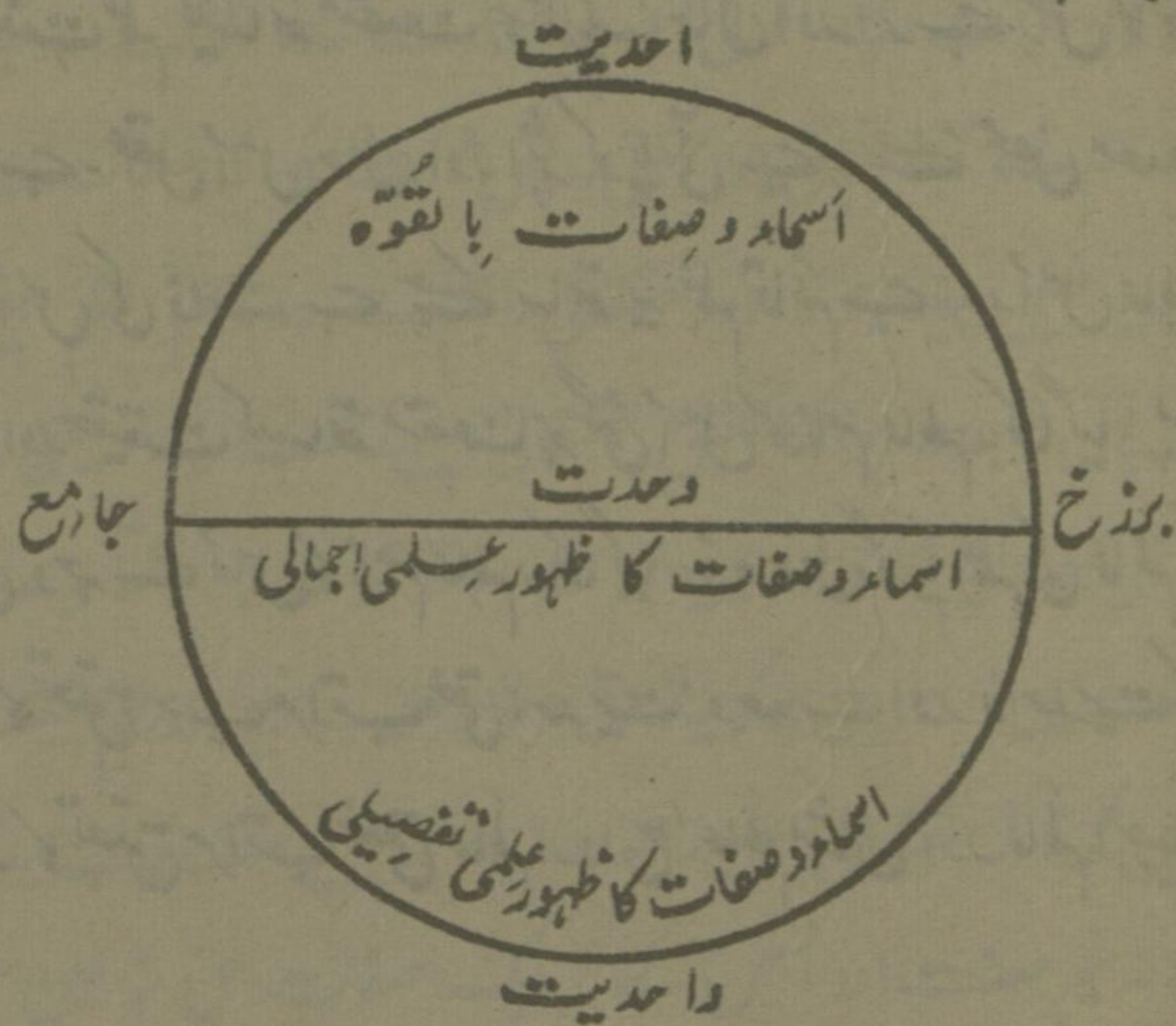
ثُمَّ إِنَّ رَأْفَةَ بَعْدِ تَحْقِيقِ رَحْمَتِ الْكَلْبَةِ كَمَا مَوْجُودَاتٍ بِرَأْفَةِ دُجُوهٍ سَعَةٍ هِيَ - ایک اثر بالذات ہے اور وہ ہر موجود کے عین ثابتہ کو رحمت کا ایجاد کرنا ہے یعنی جب موجودات خارجیہ کے اعیان ثابتہ نے مرتبہ علم میں ظہور خارجی کا تقاضا کیا تو اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت علامہ سے اُن اعیان ثابتہ کو اعیان خارجیہ کا لباس پہنا دیا اور یہ اُس کی رحمت عام ہے جو ہر موجود کو شامل ہے۔ اور اس ایجاد میں اللہ تعالیٰ کی رحمت کسی غرض اور ملائم طبع یا غیر ملائم طبع کی طرف نظر نہیں کرتی ہے۔ اعیان ثابتہ کو اعیان خارجیہ کا لباس ہر وقت پہنایا جا رہا ہے اور یہ سلسلہ ابد الابد تک جاری رہے گا۔ مرتبہ احدیت میں شیونات الہیہ لامتناہی ہیں اسلئے مرتبہ علم میں معلومات الہیہ بھی لامتناہی ہیں۔ چونکہ معلومات الہیہ یعنی ممکنات کے اعیان ثابتہ لامتناہی ہیں اسلئے اُن کا ظہور موجودات خارجیہ کی صورت پر لامتناہی ہے۔ لہذا یہ اعدامِ اضافی کا ایجاد ابد الابد تک ہوتا رہے گا۔ آگے ارشاد ہوا کہ رحمت ذاتیہ ہر موجود عینی کو بغیر کسی غرض کے اور بغیر کسی تخصیص کے ایجاد کر نیوالی ہے کیونکہ وہ ہر موجود عینی میں قبل وجود خارجی کے نظر کر نیوالی ہو بلکہ اُس کے عین ثابتہ میں نظر کرنے والی ہے۔ مراد یہ ہے کہ رحمت ذاتیہ کا اثر بالذات اللہ تعالیٰ کی ذات پر ہے۔ مرتبہ احدیت میں جب اسماء و صفات الہیہ ظہور کا تقاضا کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی رحمت اُس تقاضا کو پورا کرنے کی خاطر اُن کو پہلے علمی لباس پہناتی ہے اور بعد میں خارجی لباس پہناتی ہے۔ پس اس ایجاد میں رحمت الہیہ ہر شے پر وسیع ہے۔ نیز رحمت الہیہ ہر شے کو وجود خارجی عطا کرنے سے قبل اُس کے عین ثابتہ پر نظر کرتی ہے اور اُس کے عین ثابتہ کے احکام اور آثار کے مطابق اُس کو وجود خارجی عطا کرتی ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ مخلوق کی صورت پر حق ہی جلوہ نما ہے جس مخلوق کو مخلوق اپنے اعتقادات میں مخلوق سمجھ رہی ہے وہ حقیقت میں حق ہے۔ لہذا جب رحمت ذاتیہ اعیان ثابتہ میں سی کسی ایک عین ثابتہ پر نظر کرتی ہے تو اُس پر اپنی ذات سے رحمت کی یعنی اپنی ہی ذات

سے اُس کو وجود خارجی بخشا۔ گویا اللہ تعالیٰ کی رحمت نے سب سے اول اپنی ہی ذات پر رحم کیا اور اُس کو
ظہورِ علمی بخشا اور بعد میں ظہورِ علمی کے مطابق ظہورِ خارجی بخشا۔ اس طرح ایک ایک عین ثابۃ کو اللہ تعالیٰ اپنی
رحمت سے عین خارجیہ کا لباس پہنا رہا ہے۔ وَیَهْدِيكَ إِلَىٰ آثَرِ خَيْرٍ اور رحمت الہیہ کیلئے ایک دوسرا اثر
ہے جو سوال کے ساتھ متعلق ہے۔ پہلا اثر اپنی ذات کے متعلق تھا کہ اپنی ہی ذات کو اپنی ہی رحمت
سے مرتبہ بطون در بطون سے رحمت الہیہ نے مرتبہ ظہورِ خارجی بخشا۔ اب دوسرا اثر موجودات پر ہے کہ
ہر موجود ذاتِ حق سے رحمت کا سائل ہے اور وہ رحمت الہیہ ہر سائل کی استعداد کے مطابق اُس
موجود پر نازل ہوتی ہے اور اُس کی مراد پوری کرتی ہے۔ محبوب لوگ حقیقی سے اپنے اعتقاد کی مطابق
سوال کرتے ہیں یعنی وہ حقیقی کو عالم سے اور اپنی ذات سے جدا سمجھتے ہیں۔ وہ محض تنزیہ کے
قائل ہیں چونکہ وہ اہل اللہ کا گروہ نہیں بلکہ اہل دنیا و اہل آخرت ہیں اس لئے وہ اللہ تعالیٰ سے
دنیا یا آخرت کے طالب ہیں۔ اہل کشف جو وحدت وجود کے قائل ہیں اللہ تعالیٰ سے رحمت الہیہ
کا سوال کرتے ہیں کہ رحمت الہیہ ہر وقت اُن کے ساتھ قائم رہے۔ رحمت چونکہ اللہ تعالیٰ کی صفت
ہے اور صفت ذات سے مُنفک کسی حال میں نہیں ہوتی، اس لئے اُن کا سوال حقیقی یہ ہے کہ وہ
رحمت الہیہ کے باعث اپنی ذوات سے فانی ہو جائیں اور ذاتِ حق کیساتھ باقی ہو جائیں یعنی وہ
حقیقی سے فنا بقا اور استقامت کے طالب ہیں۔ وہ مولا سے مولا کے طالب ہیں۔ رحمت کا پہلا اثر
یعنی موجودات کو ایجاد کرنا، رحمت رحمانیہ کے باعث ہے اور رحمت کا دوسرا اثر یعنی مومنین کو نعیم
آخرت عطا کرنا اور عارفین کو اپنا قُرب عطا کرنا، رحمت رحیمیہ کے باعث ہے۔ رحمت رحمانیہ مجملہ
موجودات کو شامل ہے اور رحمت رحیمیہ انبیاء و اولیاء و مومنین کیلئے مختص ہے۔ نیز ہر محبوب کا اللہ
تعالیٰ کے بارہ میں ایک خاص عقیدہ ہے۔ وہ اُسی مقتدہ خدا سے رحمت طلب کرتا ہے لیکن اہل کشف
رحمت کا سوال اسم اللہ کیساتھ کرتے ہیں اور کہتے ہیں یا اللہ! ہم پر رحم فرما۔ مجاہدین اُس اللہ سے سوال کرتے
ہیں جو اُن سے جدا ہے لیکن اہل کشف اپنی ذات کیساتھ سوال ہی نہیں کرتے بلکہ اسم اللہ کیساتھ اللہ سے
سوال کرتے ہیں۔ یعنی عارف باللہ اپنے آپ کو معدوم سمجھتا ہے اور اپنی صورت اور معنی پر اللہ کا ظہور
جانتا ہے۔ اُس کی صورت کا نام عبودیت ہے اور اُس کی حقیقت کا نام ربوبیت ہے۔ پس عارف باللہ اپنے
ظاہر کیساتھ اپنے ہی باطن سے سوال کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ عارفین پر اس طرح رحمت کرتا ہے کہ رحمت

کو اُن کے وجود کیساتھ قائم کر دیتا ہے یعنی وہ مجسم رحمت ہو جاتے ہیں یعنی عین ذات ہو جاتے ہیں۔ اپنی وہی ہستی سے فانی اور ذات حق کیساتھ باقی ہو جاتے ہیں۔ نیز اللہ تعالیٰ عارفین کیساتھ اپنی رحمت خاصہ کو ہر وقت شامل حال کر دیتا ہے یعنی اُن پر رحمت الہیہ کی بارش ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اُن کے قلوب کو دولت عرفان سے منور کر دیتا ہے اور اُن کے دلوں میں ! ہمارے حکم جاری کر دیتا ہے اور اُن کے اسرار کو اسرار الہیہ کے لقمے کھلاتا ہے۔ **فَلَهَا الْحُكْمُ** اے پس ہر مرحوم و موجود پر رحمت ہی کا حکم جاری و ساری ہے کیونکہ رحمت الہیہ ہی نے ہر موجود کو ایجاد کیا اور رحمت الہیہ کے باعث ہر موجود کا بقا ہے۔ اگرچہ راجع بظاہر اللہ تعالیٰ ہے لیکن حقیقت میں حکم اُس معنی اور وصف کیلئے ہے جس کے ساتھ وہ محل یا موجود مرحوم قائم ہے اور وہ معنی رحمت ہی ہے۔ مثال کے طور پر ایک سلطان یا قاضی رعایا پر حاکم ہیں لیکن اُن کی حاکمیت بوجہ منصب سلطنت یا قضا کے ہے۔ گویا حقیقی حاکم وہ منصب ہے۔ اسی طرح حقیقی حکم واسطے رحمت ہی کے ہے۔ پس اللہ تعالیٰ اپنے معتبر بندوں یعنی انبیاء و اولیاء و صالحین پر رحمت کے ساتھ ہی رحم کرتا ہے اور جس وقت رحمت الہیہ اُن کے ساتھ قائم اور شامل حال ہوتی ہے وہ اُس کا حکم بطریق ذوق و وجدان کے پاتے ہیں۔ یعنی جب اللہ تعالیٰ عارفین باللہ کے قلوب پر اپنی رحمت نازل فرماتا ہے تو وہ اُس رحمت کے آثار اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔ اُن کو سرکارِ دو عالم حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حضوری نصیب ہو جاتی ہے۔ بعض اقطاب عارفین رضی اللہ عنہم تو ایسے ہیں کہ وہ دائمی حضوری واسے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود اُن کی تربیت فرماتے ہیں۔ باطنی سلطنت اُن کے سپرد کر دی جاتی ہے۔ جبرئیل علیہ السلام اُن کے دروازے پر خادم ہوتے ہیں۔ مجملہ عالم میں اموات، پیدائش، سرکشوں کی گرفت، ظاہری سلطنتوں کی تقسیم و دیگر ظاہری باطنی انتظام سب اُن کے ہاتھ میں دے دیا جاتا ہے۔ حقیقت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اُن کے قلوب میں ظہور ہوتا ہے۔ وہ اقطاب عارفین رضی اللہ عنہم خاتم الاولیاء عالی سرکار جناب حضرت غوث اعظم پاک پیران پیر دستگیر شیخ سید عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کے نائب مناب ہوتے ہیں۔ نیز وہ اقطاب عارفین رضی اللہ عنہم اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں کہ رحمت للعالمین شفیع المذنبین سرکارِ دو عالم جناب محمد پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں وزیر اعظم و وسیلہ اعظم اور مقرب ترین ہستی عالی سرکار جناب حضرت غوث اعظم پاک رضی اللہ عنہ ہیں۔ پس جس کو رحمت نے یاد کیا وہ مرحوم ہوا۔ رحمت عامہ ایجادی ہے وہ ہر موجود کو نصیب ہے اور رحمت خاصہ مومنین، اولیاء و انبیاء علیہم السلام کا خاصہ ہے۔ مرحوم راجع

مفعول ہے اور اسم فاعل وہ ہی رحیم اور رحیم ہے۔ یعنی رحمت عامہ کا اسم فاعل اسم رحمن ہے اور رحمت خاصہ کا اسم فاعل اسم رحیم ہے۔

وَالْحُكْمُ لَا يَأْتِي آگے ارشاد ہوا تھا وَجَدُوا حُكْمَهُمَا ذَوَاتًا یعنی عارف باللہ حکم رحمت بطریق ذوق پاتے ہیں۔ اس سے ثابتہ گذرتا تھا کہ حکم کا تعلق ساتھ خلق کے ہو سکتا ہے۔ اس کی نفی میں فرمایا کہ حکم خلق کیساتھ متصف نہیں ہوتا کیونکہ تحقیق وہ ایک امر ہے جو معانی کی ذوات کو واجب ہے۔ معانی سے مراد موجودات خارجیہ کے حقائق ہیں۔ ان کو اعیان ثابتہ یا صوۃ علمیہ یا ماہیات بھی کہا جاتا ہے۔ مرتبہ واحدیت میں یہ معانی معلومات الہیہ تفصیلی ہیں اور مرتبہ وحدت میں یہ معانی معلومات الہیہ اجمالی ہیں۔ معانی کی ذوات سے مراد اسماء و صفات ہیں جو مرتبہ احدیت میں بالقوہ موجود ہیں۔ پس موجودات پر حکم اور اثر اسماء و صفات الہیہ کیلئے ہے جو مرتبہ احدیت ذاتیہ ہے۔ لہذا حکم کا تعلق ساتھ حق کے ہے نہ کہ خلق کے۔ وضاحت کیلئے ایک دائرہ پیش کیا جاتا ہے:



احدیت، وحدت اور واحدیت تینوں مراتب حقیقی ہیں۔ ممکنات عالم اسماء و صفات الہیہ کے مظاہر ہیں لہذا موجودات خارجیہ پر حکم اور اثر اسماء و صفات الہیہ کا ہے۔ اسماء الہیہ کا ظہور پہلے مرتبہ علم میں ہوا اور مرتبہ علم میں ان کا نام حقائق ممکنات ہے۔ یہی ممکنات کے معانی ہیں۔ بعد میں ان معانی کا ظہور خارج میں موجودات کی صورت پر ہوا۔ پس معانی کی ذوات یا حقائق اسماء الہیہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ہر اسم ایک خاص صفت کا مظہر ہے لہذا ہر اسم کی اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک خاص نسبت ہے۔ معانی یعنی اعیان ثابتہ

کی ذات کا دوسرا نام مرتبہ احدیت میں شیونات الہیہ ہے۔ پس احوال نہ موجود ہیں نہ معدوم ہیں یعنی اُنکے واسطے وجود میں کوئی عین نہیں کیونکہ وہ احوال اور احکام نسبتیں ہیں اور حکم میں وہ احوال معدوم بھی نہیں ہیں۔ ہر اسم کا ایک خاص حکم ہے۔ رحمن رحمت عامہ کا حکم ہے۔ رحیم رحمت خاصہ کا حکم ہے۔ ستار ستر کا حکم ہے۔ گویا ہر اسم ایک خاص حکم ایک خاص اثر اور ایک خاص حال عطا کرتا ہے۔ ان احکام اور احوال کا خارج میں علیحدہ کوئی وجود نہیں اور یہ معدوم اسلئے نہیں کہ ان کا عقل میں اور علم میں وجود ہے۔ یہ احکام اور احوال نسبتیں ہیں جن کا تعلق اسماء الہیہ کے ساتھ ہے۔ اُن نسبتوں کا خارج میں علیحدہ کوئی وجود نہیں۔ مثال کے طور پر جس شخص کے ساتھ علم قائم ہوتا ہے اُس کا نام عالم رکھا جاتا ہے اور وہ ایک حال ہے یعنی علم نے اُس شخص پر ایک خاص اثر کیا ہے اور ایک خاص حال عطا کر دیا ہے۔ پس عالم ایک ذات ہے جو صفت علم کیساتھ موصوف ہے۔ اب وہ حال یعنی عالم کا علم کے ساتھ مُتصف ہونا نہ اُس ذات کا عین ہے نہ علم کا عین ہے۔ عالم کا صفت علم کیساتھ مُتصف ہونا ایک حال اور اثر ہے جس کا خارج میں کوئی وجود نہیں بلکہ عقل میں اُس کا وجود ہے۔ عقل اُس حال اور اثر کو پاتی ہے اسلئے محض معدوم بھی نہیں۔ عالم کے وجود اور ذات میں یا علم ہے یا اُس کی ذات ہے جسکے ساتھ یہ علم قائم ہے اور اُس عالم کا عالم ہونا حال ہے یعنی جب وہ ذات اسی معنی اور حقیقت کیساتھ مُتصف ہو گئی اُس کا نام عالم رکھا گیا۔ پس علم کی اُس عالم کیساتھ نسبت پیدا ہو گئی جس کی وجہ سے اُس کا نام عالم رکھا گیا۔ وہ حال گویا علم کی عالم کیساتھ ایک نسبت ہے۔ مُراد یہ ہے کہ ان صفات کا تعلق جب مراتب حقی احدیت و وحدت اور واحدیت کیساتھ ہو تو یہ صفات قدیم ہیں اور جب ان صفات کا تعلق مراتب خلقی عالم اروح عالم مثال اور عالم اجسام کیساتھ ہو تو یہ صفات حادث ہیں۔

وَالرَّحْمَةُ اَنْوَاعُ اور رحمت حقیقت میں راجح کی نسبتوں میں سے ایک نسبت ہے یعنی رحمت راجح کی ہی ایک صفت ہے اور اُس صفت کا راجح سے علیحدہ وجود نہیں۔ اور وہی رحمت ہی مرحوم میں حکم و اثر کا مُوجب ہے۔ پس حقیقت میں وہی رحمت ہی راجح ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے مرحوم میں اسلئے رحمت پیدا نہیں کی کہ وہ رحمت کیساتھ مرحوم پر رحم کرے بلکہ اُس نے مرحوم میں اسلئے رحمت پیدا کی ہے کہ وہ مرحوم غیر پر راجح ہو۔ مُراد یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی ولی کو اپنی رحمت کی آغوش میں پرورش کرتا ہے تو اُس کو اپنی ہستی سے فانی کر دیتا ہے اور اپنی ذات سے باقی کر دیتا ہے یعنی وہ ولی وجود محبوب الہیہ سے مشرف

ہو کہ صفات کاملہ الٰہیہ سے مُتصف ہو جاتا ہے۔ وہ مرحوم کے درجہ سے ترقی کر کے خودِ راحم کے مقام پر پہنچ جاتا ہے۔ مثال کے طور پر جب چیونٹی کی بل میں باقی اپنا پاؤں رکھتا ہے تو نہ چیونٹی کا وجود باقی رہ جاتا ہے نہ بل کا وجود۔ مُراد یہ ہے کہ جب حقیقی الٰہی رحمت سے عارف کے دل پر متجلی ہوتا ہے تو اُس کا بشری وجود گداز ہو جاتا ہے، وجودِ مواد سے فارغ ہو جاتا ہے اور روح القدس جسم کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ پس وہ بندہ مرحوم خودِ راحم کے مقام پر پہنچ جاتا ہے اور خلقِ خدا کو فیضانِ الٰہی تقسیم کرتا ہے۔ وہو سُبْحَانَهُ اور حق سُبْحَانَهُ و تعالیٰ حوادث کیلئے محل نہیں ہے پس وہ اپنی ذات میں ایجادِ رحمت کیلئے محل نہیں ہے۔ مُراد یہ ہے کہ ذاتِ حق نے رحمت کو اپنی ذات میں ایجاد نہیں کیا بلکہ رحمت اُس کی ذاتی صفت ہے جو اُس کی ذات سے جدا نہیں ہے۔ اگر حقیقی رحمت کو اپنی ذات میں ایجاد کرے تو رحمت ذات پر زائد ثابت ہوتی ہے اور رحمت حادث ثابت ہوتی ہے۔ اس اعتبار سے ذات محلِ حوادث ثابت ہوتی ہے جو محال ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہر صفت عین ذات ہے۔ کوئی صفت موصوف سے مُنفک اور جدا نہیں ہو سکتی۔ علمِ عالم سے جدا نہیں ہو سکتا۔ رحمت راحم سے جدا نہیں ہو سکتی۔ پس ثابت ہوا کہ صفات عین ذات ہیں۔ صفات کے ایجاد کرنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ اور حقیقی راحم ہے اور راحم راحم نہیں ہو سکتا جب تک رحمت کا قیام اُس کے ساتھ نہ ہو پس ثابت ہوا کہ تحقیق حقیقی عین رحمت ہے۔ یعنی راحم کا وجود ہی رحمت کے ساتھ ثابت ہو سکتا ہے۔ ایسے عالم کا وجود ہی علم کے ساتھ ثابت ہو سکتا ہے۔ رحمت کے بغیر کوئی ہستی راحم نہیں ہو سکتی لہذا ثابت ہوا کہ صفات عین ذات ہیں جبکہ یہ ذوقِ عرفان نصیب نہیں اور علم حقیقت میں کوئی مرتبہ نصیب نہیں۔ یہ بات کہنے کی جرات نہیں کرتا کہ حقیقی عین رحمت ہے یا عین صفت ہے۔ وہ اس امر کا قائل ہے کہ حقیقی نہ عین صفت ہے نہ غیر صفت اور اُس کے نزدیک صفات حق نہ عین حق ہیں اور نہ غیر حق کیونکہ تحقیق وہ شخص حقیقی سے صفات حق کو نفی کرنے پر بھی قادر نہیں اور نہ ہی صفات حق کو عین حق گردانے پر قادر ہے۔ اگرچہ اُس قائل نے اس عبارت کی طرف عدول کیا ہے یعنی اصل حقیقت سے روگردانی کی ہے لیکن پھر بھی ایک لحاظ سے یہ عبارت حسنہ ہے۔ ایک اعتبار سے وہ کہتا ہے کہ لاہی غیبر کا یعنی صفات حق غیر حق نہیں ہیں۔ جب غیر حق نہیں ہیں تو اس سے یہ استنباط کیا جائیگا کہ صفات حق عین حق ہیں اور اُس کا یہ دعویٰ لاہی ہو صفات حق عین حق نہیں ہیں، خود بخود رد ہو جاتا ہے۔ اس عبارت حسنہ کے سوا ایک اور قول ہے جو اس عبارت سے حقیقتاً زیادہ درست اور دفعِ اشکال کیلئے دافع تر ہے

اور وہ قول یہ ہے کہ ذاتِ صفات کی ذاتِ موصوف کیساتھ از روئے وجود قائم ہونے کی نفی کی جائے۔
یعنی اگر ذاتِ حق کے ساتھ صفاتِ حق کا علیحدہ وجود ثابت کیا جائے تو تعدد قدامت ثابت ہوتا ہے یعنی ایک
قدیم وجود ذاتِ حق کا اور لامتناہی قدیم وجوداتِ صفاتِ حق کیلئے ثابت کئے جائیں تو اس طرح کئی قدیم
وجود ثابت ہوتے ہیں اور یہ اشکال میں سے ہے۔ قدیم وجود صرف ذاتِ حق کیلئے ہے۔ اور سوائے اس کے
نہیں کہ وہ صفاتِ حق درمیان ذاتِ موصوف با صفات اور درمیان اعیان معقولہ صفات نسبتیں اور اضافات
ہیں۔ صفات کا کوئی علیحدہ وجود نہیں، البتہ اُن کے حقائق و معانی عقل میں علیحدہ علیحدہ پائے جاتے ہیں صفات
کا موصوف سے علیحدہ وجود رویت کے لحاظ سے نہیں ہے مگر موصوف کے عقل میں اُن کی علیحدہ علیحدہ تمیز
پائی جاتی ہے۔ عقل اور علم ایک ہی شے ہے۔ پس حیات، علم، ارادہ، قدرت، سمع، بصر اور کلام وغیرہ کی تمیز
موصوف کی عقل یا علم میں پائی جاتی ہے۔ لہذا ثابت ہوا کہ صفات موصوف اور حقائق معقولہ صفات کے
درمیان اضافات ہیں۔

ذرا جائزہ اور اگرچہ رحمت جامع ہے لیکن ہر اسم الہی کی طرف اس کی نسبت مختلف ہے۔ مراد یہ
ہے اللہ تعالیٰ کی ہر صفت میں رحمت پائی جاتی ہے اور ہر اسم ایک خاص صفت یعنی ایک خاص رحمت
کا مظہر ہے۔ اسی لئے حق سبحانہ تعالیٰ سے سوال کیا جاتا ہے کہ وہ ہر اسم الہی کیساتھ رحم کرے۔ اب بند
حق تعالیٰ سے حیات بھی مانگتا ہے، علم بھی مانگتا ہے، ارادہ بھی مانگتا ہے، قدرت بھی مانگتا ہے، سمع بھی
مانگتا ہے، بصر بھی مانگتا ہے، کلام بھی مانگتا ہے، صحت بھی مانگتا ہے، رزق بھی مانگتا ہے، گویا جب بندہ اللہ تعالیٰ سے
رحمت مانگتا ہے تو حقیقتاً وہ مجملہ صفات کا طالب ہے۔ جب مجملہ صفات کا طالب ہے تو گویا مجملہ
اسماء الہیہ کو پکارتا ہے لہذا دعا کرتا ہے کہ الہی! مجھے مجملہ اسماء الہیہ کیساتھ رحم کر یعنی مجھے اپنی مجملہ صفات
عطا کر۔ مجھے اپنے مجملہ انعام و اکرام عطا کر یعنی مجھے اپنی ذات کا مظہر بنا۔ اور اللہ تعالیٰ کی رحمت وہ
ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے اپنے قول (ذَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ) میں کنایہ کیا ہے یعنی ہر شے
میں اللہ تعالیٰ کی رحمت موجود ہے۔ ہر شے چونکہ ایک خاص اسم کی مظہر ہے، اسلئے ثابت ہوا کہ ہر اسم
میں اللہ تعالیٰ کی رحمت موجود ہے۔ پھر رحمت کے بہت شعبے ہیں جو اسماء الہیہ کی تعداد کے مطابق
متعدد ہوتے ہیں۔ اسماء الہیہ چونکہ لامتناہی ہیں اسلئے رحمت الہیہ کے شعبے بھی لامتناہی ہیں۔ اگرچہ
رحمت الہیہ کے شعبے اور شاخیں لامتناہی ہیں لیکن رحمت عام نہیں ہے یعنی ہر شعبے میں ایک ہی رحمت

نہیں بلکہ ہر شے میں ایک خاص رحمت ہے۔ اُس کی وجہ یہ ہے کہ رحمت الہیہ کی نسبت اُس خاص اسم الہی کی طرف ہوتی ہے جس کو سائل اپنے سوال میں پکارتا ہے۔ مثلاً سائل کہتا ہے اے میرے رب! مجھے معاف کر۔ اس سوال میں سائل اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہ کی مغفرت چاہتا ہے۔ اس سوال میں رحمت سے مراد مغفرت ہے۔ اور جب سائل کہتا ہے اے میرے رب! مجھ پر رحم کر۔ تو سائل کی مراد یہ ہے کہ مجھے اپنے مجملہ کمالات عطا کر۔ حتیٰ کہ ہر اسم ایک خاص رحمت کا مظہر ہے۔ چنانچہ اسم مُنتَقِم میں بھی ایک خاص رحمت ہے۔ جب سائل پکارتا ہے کہ اے مُنتَقِم! مجھ پر رحم کر، تو سائل کی مراد یہ ہے کہ مجھے عذاب میں تخفیف کر۔ اور رحمت کا عام نہ ہونا یعنی خاص ہونا، اسوجہ سے ہے کہ ایک اعتبار سے تو یہ اسماء الہیہ اُس ایک ذات پر دلالت کرتے ہیں جو مختلف اسماء کیساتھ مُسمّیٰ ہے اور ایک اعتبار سے اپنے حقائق مختلفہ کیوجہ سے وہ اسماء مختلف معانی پر دلالت کرتے ہیں۔ مثلاً 'رحمن'، 'رحیم'، 'غفار'، 'سار'، 'قہار' وغیرہ سب اللہ تعالیٰ کے ہی اسماء ہیں لیکن ہر اسم کی ایک مختص حقیقت ہے اور ہر اسم ایک خاص صفت کا مظہر ہے۔ پس سائل رحمت کے طلب کرنے میں اللہ تعالیٰ کو اُن اسماء کیساتھ پکارتا ہے بلکہ جس قسم کی خاص رحمت وہ طلب کرتا ہے اُسی خاص اسم کیساتھ اللہ تعالیٰ کو پکارتا ہے جو اُس ذات واحد پر دلالت کرتا ہے جو اُس خاص اسم کے ساتھ موسوم ہے۔ وہ اُس خاص اسم کے سوا کسی دوسرے اسم کو نہیں پکارتا کیونکہ ہر اسم کا مدلول اور معنی مختلف ہے۔ مجملہ اسماء کا مدلول اگر ذات واحد لیا جائے تو اُن میں کوئی تمیز نہیں۔ اُن میں تمیز اس اعتبار سے ہے کہ ہر اسم کے مدلول یعنی معنی اور حقیقت مختلفہ میں تمیز اور اختلاف ہے۔ ہر اسم سے دوسرے اسم سے اپنی ذات کے خاص مفہوم کی خاطر متمیز ہے اور اُس خاص مفہوم کی خاطر ایک خاص اصطلاحی لفظ ہے۔ مثلاً 'رحمت عامہ' کیلئے لفظ 'رحمن' ہے، 'رحمت خاصہ' کیلئے لفظ 'رحیم' ہے، 'مغفرت' کیلئے لفظ 'غفار' ہے، 'قہر' کیلئے لفظ 'قہار' ہے علیٰ ہذا القیاس۔ یعنی وہ ایک ہی ذات مختلف اصطلاحی اسماء کیساتھ مختلف معانی اور مفہومات کیساتھ متمیز ہے اگرچہ مجملہ اسماء الہیہ اس طرح پر وضع کئے گئے ہیں کہ وہ ذات واحدہ پر دلالت کرتے ہیں اور وہ ذات واحدہ مجملہ اسماء کیساتھ مُسمّیٰ ہے۔ پس اس امر میں کوئی خلاف نہیں ہے کہ تحقیق ہر اسم کیلئے ایک مختص حکم ہے جو دوسرے اسم کیلئے نہیں ہے اور یہ امر ایسا ہی قابل اعتبار ہے جیسا دوسرا امر قابل اعتبار ہے کہ مجملہ اسماء الہیہ اُس ذات واحدہ پر دلالت کرتے ہیں جو مُسمّیٰ بالاسماء ہے۔ اور اس اعتبار سے کہ مجملہ اسماء الہیہ ذات واحدہ پر دلالت کرتے ہیں، ابو القاسم بن قسّی نے اسماء الہیہ کے تعلق کہا

پر اللہ تعالیٰ عاشق ہے اور جنوں عشق میں فرما دیا اَعْمَلُوا مَا شِئْتُمْ۔ پس اسے عارف! اس حکمت کو ابھی طرح سمجھ لے۔

فِصْحٌ حِكْمَةٍ اِيْنَاْسِيَّةٍ فِيْ كَلِمَةِ اِلْيَاسِيَّةٍ

اِلْيَاسُ هُوَ اِذْرِيسُ كَانَ نَبِيًّا قَبْلَ نُوحٍ وَرَفَعَهُ اللّٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا فَهُوَ فِي قَلْبِ الْاَفْلَاقِ سَاكِنٌ وَهُوَ فَلَكَ الشَّسِ ثُمَّ بُعِثَ اِلَى قَرْيَةٍ بِعَلْبِكَ وَبَعْلُ اِسْمُ صَخْرَةٍ وَبِكَ هُوَ سُلْطَانُ يَلْكِ الْقَرْيَةِ وَكَانَ هَذَا الصَّنَمُ اَلْمُسَمَّى بَعْلًا مَحْضُومًا بِاَهْلِكَ وَكَانَ اِلْيَاسُ الَّذِي هُوَ اِذْرِيسُ قَدْ مَثَلَ لَهُ اِنْفِلَاقُ الْجَبَلِ الْمُسَمَّى لُبْنَانٍ مِنَ اللَّبَنَةِ وَهِيَ الْحَاجَةُ عَنْ قَرَسٍ مِنْ نَارٍ وَجَمِيعُ الْاَرِيَةِ مِنْ نَارٍ فَلَمَّا رَاَهُ رَكِبَ عَلَيْهِ فَسَقَطَتْ عَنْهُ الشَّهْوَةُ وَكَانَ عَقْلًا بِلَا شَهْوَةٍ فَلَمْ يَبْقَ لَهُ تَعَلُّقٌ بِمَا يَتَعَلَّقُ بِهِ الْاَغْرَاضُ النَّفْسِيَّةُ فَكَانَ الْحَقُّ فِيهِ مُنْزَهًا فَكَانَ عَلَى النِّصْفِ مِنَ الْمَعْرِفَةِ بِاللهِ فَإِنَّ الْعَقْلَ إِذَا تَجَرَّدَ لِنَفْسِهِ مِنْ حَيْثُ أَخَذَ الْعُلُومَ مِنْ نَظَرِهِ كَانَتْ مَعْرِفَتُهُ بِاللهِ عَلَى التَّنْزِيهِ لَا عَلَى التَّشْبِيهِ وَإِذَا أَعْطَاهُ اللهُ الْمَعْرِفَةَ بِالتَّجَلِّيِ كَمَلَتْ مَعْرِفَتُهُ بِاللهِ فَتَنَزَّاهُ فِي مَوْضِعٍ وَشَبَّهَ فِي مَوْضِعٍ وَدَايَ سَرِيَانِ الْحَقِّ بِالْوُجُودِ فِي الصُّوْرِ الطَّبِيعِيَّةِ وَالْعُنْصُرِيَّةِ وَمَا بَقِيَتْ لَهُ صُورَةٌ إِلَّا وَيَرَايُ عَيْنَ الْحَقِّ عَيْنَهَا وَهَذِهِ الْمَعْرِفَةُ التَّامَّةُ الَّتِي جَاءَتْ بِهَا الشَّرَائِعُ الْمُنَزَّلَةُ مِنْ عِنْدِ اللهِ وَحَكَمَتْ بِهَذِهِ الْمَعْرِفَةِ الْأَوْهَامُ كُلُّهَا وَبِذَلِكَ كَانَتْ الْأَوْهَامُ أَقْوَى سُلْطَانًا فِي هَذِهِ الشَّأْءِ مِنَ الْعُقُولِ لِأَنَّ الْعَاقِلَ وَكَوْبَلَمَ مَا بَلَمَ فِي عَقْلِهِ لَمْ يَخْلُ عَنْ حُكْمِ الْوُجُودِ عَلَيْهِ وَالصُّوْرِ فِيهَا عَقْلٌ فَالْوُجُودُ هُوَ السُّلْطَانُ الْأَعْظَمُ فِي هَذِهِ الصُّوْرِ وَالْكَامِلَةِ إِلَّا نَسَانِيَّةً وَبِهِ جَاءَتْ الشَّرَائِعُ الْمُنَزَّلَةُ فَشَبَّهَتْ وَنَزَّهَتْ شَبَّهَتْ فِي التَّنْزِيهِ بِالْوُجُودِ وَنَزَّهَتْ فِي التَّشْبِيهِ بِالْعَقْلِ فَارْتَبَطَ الْكُلُّ بِالْكُلِّ فَلَا يُبْكَرُ أَنْ يَخْلُو تَنْزِيهِ عَنْ تَشْبِيهِ وَلَا تَشْبِيهِ عَنْ تَنْزِيهِ قَالَ اللهُ تَعَالَى (لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ) فَتَنَزَّاهُ وَشَبَّهَ (وَهُوَ السَّبِيْعُ الْبَصِيرُ) تَشَبَّهَ وَهِيَ أَعْظَمُ آيَةٍ نَزَلَتْ فِي التَّنْزِيهِ وَمَعَ ذَلِكَ لَمْ تَخْلُ عَنْ تَشْبِيهِ بِالْكَافِ فَهُوَ أَعْلَمُ الْعُلَمَاءِ بِنَفْسِهِ وَمَا عَبَّرَ عَنْ نَفْسِهِ إِلَّا بِمَا ذَكَرْنَاهُ ثُمَّ قَالَ (سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُونَ) وَمَا يَصِفُونَهُ إِلَّا بِمَا تُعْطِيهِ عُقُولُهُمْ فَتَنَزَّاهُ

نَفْسَهُ عَنْ تَنْزِيلِهِمْ إِذْ حَدَّدُوا بِذَلِكَ التَّنْزِيهِ وَذَلِكَ يَقْصُرُ الْعُقُولَ عَنْ إِدْرَاكِ مِثْلِ
هَذَا ثُمَّ جَاءَتْ الشَّرَائِعُ كُلُّهَا بِمَا تَحْكُمُ بِهِ إِلَّا وَهَامٌ فَلَمْ تُخَلِّ الْحَقُّ عَنْ صِفَةٍ يَظْهَرُ
فِيهَا كَذَابًا قَالَتْ وَبِذَا جَاءَتْ فَعَلِمْتَ الْأُمَمُ عَلَى ذَلِكَ فَأَعْطَاهَا الْحَقُّ التَّجَلِّيَ فَلَحِظَتْ
بِالرُّسُلِ وَرَأَتْهُ فَتَنَطَّقَتْ بِمَا نَطَقَتْ بِهِ رُسُلُ اللَّهِ (أَلَلَّهُ أَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهُ) قَالَ اللَّهُ
أَعْلَمُ مُوَجِّهٌ لَهُ وَجْهٌ بِالْخَيْرِيَّةِ إِلَى رُسُلِ اللَّهِ وَلَهُ وَجْهٌ بِالْإِبْتِدَاءِ إِلَى أَعْلَمُ حَيْثُ
يَجْعَلُ رِسَالَتَهُ وَكِلَا الْوَجْهَيْنِ حَقِيقَةٌ فِيهِ فَلِذَلِكَ قُلْنَا بِالتَّشْبِيهِ فِي التَّنْزِيهِ وَبِالتَّنْزِيهِ
فِي التَّشْبِيهِ وَبَعْدَ أَنْ تَقَرَّرَ هَذَا فَرُخِيَ السُّتُورُ وَنُسِدَ الْحُجُبُ عَلَى عَيْنِ الْمُتَقِدِّ
إِنْ كَانَ مِنْ بَعْضِ صُورِ مَا تَجَلَّى فِيهَا الْحَقُّ وَلَكِنْ قَدْ أُمِرْنَا بِالسَّيْرِ لِيُظْهَرَ تَفَاضُلُ اسْتِعْدَادِ
الصُّورِ فَإِنَّ التَّجَلِّيَ فِي صُورَةٍ هُوَ بِحُكْمِ اسْتِعْدَادِ ذَلِكَ الصُّورَةِ فَيُنْسَبُ إِلَيْهِ مَا تُعْطِيهِ
حَقِيقَتُهَا وَكَوَارِزُهَا لَا بُدَّ مِنْ ذَلِكَ مِثْلُ مَنْ يَرَى الْحَقَّ فِي النَّوْمِ وَلَا يُنْكِرُ هَذَا وَآيَةٌ لَا
شَكَّ الْحَقُّ عَيْنُهُ فَيَتَّبِعُهُ كَوَارِزُ ذَلِكَ الصُّورَةِ وَحَقَائِقُهَا الَّتِي تَجَلَّى فِيهَا فِي النَّوْمِ ثُمَّ بَعْدَ
ذَلِكَ يَعْبُرُ آيُ يُجَاوِزُ عَنْهَا إِلَى آخِرٍ يَقْتَضِي التَّنْزِيهِ عَقْلًا فَإِنْ كَانَ الَّذِي يَعْبُرُهَا
ذَا كَشْفٍ أَوْ إِيْمَانٍ فَلَا يَجُوزُ عَنْهَا إِلَى تَنْزِيهِ فَقَطْ بَلْ يُعْطِيهَا حَقَّهَا مِنَ التَّنْزِيهِ وَمِمَّا
ظَهَرَ فِيهِ قَالَهُ عَلَى التَّحْقِيقِ عِبَارَةٌ لَيْسَ فِيهَا إِلَّا شَارَعَةٌ وَرُوحٌ هَذِهِ الْحِكْمَةُ وَنَفْسُهَا
أَنَّ الْأَمْرَ يَنْقَسِمُ إِلَى مُؤَثِّرٍ وَمُؤَثَّرٍ فِيهِ وَهُمَا عِبَارَتَانِ قَالَهُ مُؤَثِّرٌ بِكُلِّ وَجْهٍ وَعَلَى
كُلِّ حَالٍ وَفِي كُلِّ حَضَرَةٍ هُوَ اللَّهُ وَالمُؤَثَّرُ فِيهِ بِكُلِّ وَجْهٍ وَعَلَى كُلِّ حَالٍ وَفِي كُلِّ حَضَرَةٍ
هُوَ الْعَالَمُ فَإِذَا دَرَدَ قَدْ لَحِقَ كُلُّ شَيْءٍ بِأَصْلِهِ الَّذِي يُنَاسِبُهُ فَإِنَّ الْوَارِدَ أَبَدًا لَا
بَدَأَ أَنْ يَكُونَ فَرَعًا عَنْ أَصْلٍ وَكَانَتْ الْمَحَبَّةُ إِلَّا لِهَيْبَةٍ عَنِ التَّوَافُلِ مِنَ الْعَبْدِ فَبِذَا
أَشْرَ بَيْنَ مُؤَثِّرٍ وَمُؤَثَّرٍ فِيهِ كَانَ الْحَقُّ سَمِعَ الْعَبْدَ وَبَصَرَكَ وَقَوَاهُ عَنْ هَذِهِ الْمَحَبَّةِ
فَبِذَا أَشْرَ مُقَرَّرٌ لَا تَقْدِيرَ عَلَى انْكَارِهِ لِثَبُوتِهِ شَرَعًا إِنْ كُنْتَ مُؤْمِنًا وَآمَنَّا الْعَقْلُ
السَّلِيمُ فَهُوَ أَمَّا صَاحِبُ تَجَلِّيِ إِلَهِي فِي مَجَلِّ طَبِيعِي فَيَعْرِفُ مَا قُلْنَا وَآمَنَّا مُؤْمِنٌ مُسْلِمٌ
يُؤْمِنُ بِهِ كَمَا وَرَدَ فِي الصَّحِيحِ وَلَا بُدَّ مِنْ سُلْطَانِ الْوَهْمِ أَنْ يَحْكُمَ عَلَى الْعَاقِلِ الْبَاطِلَ
فِيهَا جَاءَ بِهِ الْحَقُّ فِي هَذِهِ الصُّورَةِ لِأَنَّهُ مُؤْمِنٌ بِهَا وَآمَنَّا غَيْرُ الْمُؤْمِنِ فَيَحْكُمُ عَلَى

الْوَهْمُ بِالْوَهْمِ فَيَتَخَيَّلُ بِنَظَرِهِ الْفِكْرِي أَنَّهُ قَدْ أَحَالَ عَلَى اللَّهِ مَا أَعْطَاكَ ذَلِكَ التَّجَلِّيُّ
 فِي الرُّؤْيَا وَالْوَهْمُ فِي ذَلِكَ لَا يُفَارِقُهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُ بِغَفْلَتِهِ عَنْ نَفْسِهِ وَمِنْ ذَلِكَ
 قَوْلُهُ (أَدْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ) قَالَ اللَّهُ تَعَالَى (وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ ط
 أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ) إِذْ لَا يَكُونُ مُجِيبًا إِلَّا إِذَا كَانَ مِنْ يَدِ عُوْدَةٍ وَإِنْ كَانَ
 عَيْنُ الدَّاعِي عَيْنَ الْمُجِيبِ فَلَا خِلَافَ فِي اخْتِلَافِ الصُّوَرِ فَمَا صُورَتَانِ بِلَا شَكٍّ وَتِلْكَ
 الصُّوَرُ كُلُّهَا كَالْأَعْنَاءِ لِيَزِيدَ مَعْلُومٌ أَنَّ زَيْدًا حَقِيقَةً وَوَاحِدَةً شَخْصِيَّةً وَأَنَّ يَدَهُ
 لَيْسَتْ صُورَةً رَجُلٍ وَلَا مَرَأَسِهِ وَلَا عَيْنِهِ وَلَا حَاجِبِهِ فَهُوَ الْكَثِيرُ الْوَاحِدُ الْكَثِيرُ بِالصُّوَرِ
 الْوَاحِدِ بِالْعَيْنِ وَكَأَنَّ نَسَانٍ بِالْعَيْنِ وَوَاحِدٌ بِلَا شَكٍّ وَلَا شَكٌّ أَنَّ عَمْرًا مَا هُوَ زَيْدٌ وَ
 لَا خَالِدٌ وَلَا جَعْفَرٌ وَأَنَّ أَشْخَاصَ هَذِهِ الْعَيْنِ الْوَاحِدَةِ لَا تَتَنَاهَى وَجُودًا فَهُوَ وَإِنْ
 كَانَ وَاحِدًا بِالْعَيْنِ فَهُوَ كَثِيرٌ بِالصُّوَرِ وَالْأَشْخَاصِ وَقَدْ عَلِمْتَ قَطْعًا أَنَّ كُنْتَ مُؤْمِنًا
 أَنَّ الْحَقَّ عَيْنُهُ يَتَجَلَّى يَوْمَ الْقِيَمَةِ فِي صُورَةٍ فَيَعْرِفُ ثُمَّ يَتَحَوَّلُ عَنْهَا فِي صُورَةٍ فَيَنْكُرُ
 ثُمَّ يَتَحَوَّلُ عَنْهَا فِي صُورَةٍ فَيَعْرِفُ وَهُوَ الْمُتَجَلِّي لَيْسَ غَيْرُهُ فِي كُلِّ صُورَةٍ وَمَعْلُومٌ
 أَنَّ هَذِهِ الصُّورَةَ مَا هِيَ تِلْكَ الصُّورَةُ الْآخَرَى فَكَانَ الْعَيْنُ الْوَاحِدَةَ قَامَتْ مَقَامَ
 الْمِرَاةِ فَإِذَا نَظَرَ النَّاسُ ظُرُنِيهَا إِلَى صُورَةٍ مُعْتَقَدَةٍ فِي اللَّهِ عَرَفَهُ فَأَقَرَّ بِهِ وَإِذَا اتَّفَقَ
 أَنْ يَرَى فِيهَا مُعْتَقَدَ غَيْرِهِ أَنْكَرَهُ كَمَا يَرَى فِي الْمِرَاةِ صُورَتَهُ وَصُورَةَ غَيْرِهِ فَاَلْمِرَاةُ
 عَيْنٌ وَوَاحِدَةٌ وَالصُّوَرُ كَثِيرَةٌ فِي عَيْنِ الرَّائِي وَلَيْسَ فِي الْمِرَاةِ صُورَةٌ مِنْهَا جُزْءٌ
 وَوَاحِدَةٌ مَعَ كَوْنِ الْمِرَاةِ لَهَا أَثَرٌ فِي الصُّوَرِ بِوَجْهِهِ وَمَا لَهَا أَثَرُ بِوَجْهِهِ فَلَا أَثَرَ الَّذِي
 لَهَا كَوْنُهَا تَرُدُّ الصُّورَةَ مُتَغَيِّرَةً الشَّكْلَ مِنَ الصَّغِيرِ وَالْكَبِيرِ وَالطَّوِيلِ وَالْقَصِيرِ
 فَلَهَا أَثَرٌ فِي الْمَقَادِيرِ وَذَلِكَ رَاجِعٌ إِلَيْهَا وَإِنَّمَا كَانَتْ هَذِهِ التَّغْيِيرَاتُ مِنْهَا لِاخْتِلَافِ
 مَقَادِيرِ الْمَرَايَا فَانْظُرْ فِي الْمِثَالِ مِرَاةً وَوَاحِدَةً مِنْ هَذِهِ الْمَرَايَا لَا تَنْظُرُ الْجَمَاعَةَ
 وَهُوَ نَظَرُكَ مِنْ حَيْثُ كَوْنُهُ دَائِمًا فَهُوَ غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ وَمِنْ حَيْثُ الْأَسْمَاءُ الْإِلَهِيَّةُ
 فَذَلِكَ الْوَقْتُ تَكُونُ كَالْمَرَايَا فَاتَّحَى اسْمُ إِلَهِي لَنَظَرْتِ فِيهِ نَفْسَكَ أَوْ مَنْ نَظَرَ
 فَإِنَّمَا يَظْهَرُ فِي النَّاسِ حَقِيقَةُ ذَلِكَ الْإِسْمِ فَهَكَذَا هُوَ الْأَمْرُ إِنَّ فِهِمْتَ فَلَا تَجْزَعُ

وَلَا تَخَفْ فَإِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الشَّجَاعَةَ وَلَوْ عَلَى قَتْلِ حَيَّةٍ وَ لَيْسَتْ الْحَيَّةُ سِوَى نَفْسِكَ وَالْحَيَّةُ
حَيَّةٌ لِنَفْسِهَا بِالصُّورَةِ وَالْحَقِيقَةِ وَ الشَّيْءُ لَا يُقْتَلُ عَنْ نَفْسِهِ وَإِنْ أُفِيدَتْ الصُّورَةُ فِي الْحَيِّ
فَإِنَّ الْحَدَّ يَضِطُّهَا وَالْخِيَالُ لَا يُزِيلُهَا وَإِذَا كَانَ الْأَمْرُ عَلَى هَذَا فَهَذَا هُوَ الْأَمَانُ عَلَى الذِّمَّةِ
وَالْعِزَّةِ وَالْمَنَعَةِ فَإِنَّكَ لَا تَقْدِرُ عَلَى إِنْسَادِ الْحُدُودِ وَ آتَى عِزَّةً آعْظَمَ مِنْ هَذِهِ الْعِزَّةِ
فَتَخَيَّلْ بِأَلْوَهُمِ أَنَّكَ قَتَلْتَ وَ بِأَلْعَقْلِ وَ أَلْوَهُمُ لَمْ تَزِلْ الصُّورَةَ مَوْجُودَةً فِي الْحَدِّ
وَالدَّلِيلُ عَلَى ذَلِكَ (وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ رَمَى) وَ أَلْعَيْنُ مَا أَذْرَكَتَ إِلَّا
الصُّورَةَ التَّحْمِيدِيَّةَ الَّتِي ثَبَتَ لَهَا الرُّمُومُ فِي الْحَيِّ وَ هِيَ الَّتِي نَفَى اللَّهُ الرُّمُومَ عَنْهَا
أَوَّلًا ثُمَّ أَثْبَتَهَا لَهَا وَ سَطًّا ثُمَّ عَادَ بِإِلَاسْتِدْرَاكِ أَنَّ اللَّهَ هُوَ الرَّامِي فِي صُورَةِ مُحَمَّدٍ
وَلَا بُدَّ مِنَ الْإِيْمَانِ بِهَذَا فَانْظُرْ إِلَى هَذَا الْمَوْثِرِ حَتَّى نَزَلَ الْحَقُّ فِي صُورَةِ مُحَمَّدٍ
وَ أَخْبَرَ الْحَقُّ نَفْسَهُ عِبَادَهُ بِذَلِكَ فَمَا قَالَ أَحَدٌ مِمَّنْ عَنْهُ ذَلِكَ بَلْ هُوَ قَالَ عَنْ نَفْسِهِ
وَ خَبَرَ صِدْقٌ وَ الْإِيْمَانُ بِهِ وَاجِبٌ سَوَاءٌ أَذْرَكَتَ عِلْمَ مَا قَالَ أَوْ لَمْ تُدْرِكْهُ فَإِنَّ مَا
عَالِمٌ وَ إِمَّا مُسْلِمٌ مُؤْمِنٌ وَ مِمَّا يَدُلُّكَ عَلَى ضَعْفِ النَّظَرِ الْعَقْلِيِّ مِنْ حَيْثُ فِكْرُهُ كَوْنُ
الْعَقْلِ يَحْكُمُ عَلَى الْعِلَّةِ أَنَّهَا لَا تَكُونُ مَعْلُومَةً يَسَنُ هِيَ عِلَّةٌ لَهُ وَ هَذَا حُكْمُ الْعَقْلِ لَا
خِفاءَ بِهِ وَ مَا فِي عِلْمِ النَّجَلِيِّ إِلَّا هَذَا وَ هُوَ أَنَّ الْعِلَّةَ تَكُونُ مَعْلُومَةً يَسَنُ هِيَ عِلَّةٌ لَهُ وَ أَلَا
حَكْمُ بِهِ الْعَقْلُ صَحِيحٌ مَعَ التَّجَرُّيدِ فِي النَّظَرِ وَ غَايَتُهُ فِي ذَلِكَ أَنْ يَقُولَ إِذَا رَأَى
الْأَمْرَ عَلَى خِلَافِ مَا آعْطَاهُ الدَّلِيلُ النَّظَرِيُّ إِنَّ الْعَيْنَ بَعْدَ أَنْ ثَبَتَ أَنَّهَا وَاحِدَةٌ فِي
هَذَا الْكَثِيرِ فَمِنْ حَيْثُ هِيَ عِلَّةٌ فِي صُورَةٍ مِنْ هَذِهِ الصُّوَرِ يَمْعُلُولِي مَا فَلَا تَكُونُ
مَعْلُومَةً يَمْعُلُولِيهَا فِي حَالِ كَوْنِهَا عِلَّةً بَلْ يَسْتَقِلُّ الْحُكْمُ بِإِتِّقَالِهَا فِي الصُّوَرِ فَتَكُونُ
مَعْلُومَةً يَمْعُلُولِيهَا نَيْصِيرٌ مَعْلُومٌ لَهَا عِلَّةٌ لَهَا هَذَا غَايَتُهُ إِذَا كَانَ قَدْ رَأَى الْأَمْرَ عَلَى مَا
هُوَ عَلَيْهِ وَ لَمْ يَقِفْ مَعَ نَظَرِهِ الْفِكْرِيِّ وَ إِذَا كَانَ الْأَمْرُ فِي الْعِلِّيَّةِ بِهَذِهِ الْمَثَابَةِ نَهَا
ظَنُّكَ بِاتِّسَاعِ النَّظَرِ الْعَقْلِيِّ فِي غَيْرِ هَذِهِ الْمَصْنُوعَاتِ فَلَا أَعْقِلُ مِنَ الرُّسُلِ صَلَوَاتُ اللَّهِ
عَلَيْهِمْ وَ قَدْ جَاءُوا بِمَا جَاءُوا بِهِ فِي الْخَبَرِ عَنِ الْجَنَابِ الْإِلَهِيِّ فَأَثْبَتُوا مَا أَثْبَتَهُ الْعَقْلُ
وَ زَادُوا فِيهِمَا لَا يَسْتَقِلُّ الْعَقْلُ بِإِذْرَاحِهِ وَ مَا يُجِيلُهُ الْعَقْلُ رَأْسًا وَ يَقَرُّ بِهِ فِي النَّجَلِ

إِلَّا إِلَهِي فَإِذَا خَلَا بَعْدَ التَّجَلِّي بِنَفْسِهِ حَارَفِيهَا رَأَى فَإِنْ كَانَ عَبْدَ رَبِّ رَدَّ الْعَقْلَ إِلَيْهِ وَ
 إِنْ كَانَ عَبْدَ لَظَرٍ رَدَّ الْحَقَّ إِلَى حُكْمِهِ وَهَذَا لَا يَكُونُ إِلَّا مَا دَامَ فِي هَذِهِ النَّشْأَةِ
 الدُّنْيَوِيَّةِ مُحْجُوبًا عَنْ نَشْأَةِ الْآخِرَوِيَّةِ فِي الدُّنْيَا فَإِنَّ الْعَارِفِينَ يَظْهَرُونَ هُنَا كَانَهُمْ
 فِي الصُّورَةِ الدُّنْيَوِيَّةِ لِمَا يَجْرِي عَلَيْهِمْ مِنْ أَحْكَامِهَا وَاللَّهُ تَعَالَى قَدْ حَوَّلَهُمْ فِي
 بَوَاطِنِهِمْ فِي النَّشْأَةِ الْآخِرَوِيَّةِ لَا بُدَّ مِنْ ذَلِكَ فَهُمْ بِالصُّورَةِ مُحْجُوبُونَ إِلَّا بِمَنْ كَشَفَ
 اللَّهُ عَنْ بَصِيرَتِهِ فَادْرَكَ فَمِنْ عَارِفٍ بِاللَّهِ مِنْ حَيْثُ التَّجَلَّى إِلَهِي إِلَّا وَهُوَ عَلَى النَّشْأَةِ
 الْآخِرَوِيَّةِ قَدْ حُشِرَ فِي دُنْيَاكَ وَنُشِرَ مِنْ قَبْرِهِ فَهُوَ يَرَى مَا لَا يَرُونَ وَيَشْهَدُ مَا لَا يَشْهَدُونَ
 عَنَانِيَّةً مِنَ اللَّهِ بِبَعْضِ عِبَادِهِ فِي ذَلِكَ فَمَنْ أَرَادَ الْعُثُورَ عَلَى هَذِهِ الْحِكْمَةِ الْإِلَهِيَّةِ
 إِلَّا دُرَيْسِيَّةَ الَّذِي أَنْشَأَهُ اللَّهُ نَشْأَتَيْنِ وَكَانَ نَبِيًّا قِيلَ نُوْحٌ ثُمَّ رَفَعَ وَنَزَلَ رَسُولًا
 بَعْدَ ذَلِكَ فَجَمَعَ اللَّهُ لَهُ بَيْنَ الْمَنْزِلَتَيْنِ فَلْيَنْزِلْ عَنْ حُكْمِ عَقْلِهِ إِلَى شَهْوَتِهِ وَلِيَكُنْ
 حَيَوَانًا مُطْلَقًا حَتَّى يَكْشِفَ مَا يَكْشِفُهُ كُلُّ دَابَّةٍ مَا عَدَا الثَّقَلَيْنِ فَيُخَيِّدُ يَخْلُو أَنَّهُ قَدْ
 تَحَقَّقَ بِحَيَوَانِيَّتِهِ وَعَلَامَتُهُ عَلَامَتَانِ أَلَوَاحِدَةٌ هَذَا الْكُشْفُ فَيَرَى مَنْ يُعَذِّبُ فِي
 قَبْرِهِ وَمَنْ يُنْعَمُ وَيَرَى الْهَيْبَتَ حَيًّا وَالصَّامِتَ مُتَكَلِّمًا وَالْقَاعِدَ مَا شِئَا وَالْعَلَامَةَ
 الثَّانِيَةَ الْخَرَسُ بِحَيْثُ أَنَّهُ لَوْ أَرَادَ أَنْ يَنْطِقَ بِهَا رَأَى لَمْ يَقْدِرْ فَحِينَئِذٍ يَتَحَقَّقُ
 بِحَيَوَانِيَّتِهِ وَكَانَ لَنَا تَلْمِيزٌ قَدْ حَصَلَ لَهُ هَذَا الْكُشْفُ غَيْرَ أَنَّهُ لَمْ يُحْفَظْ عَلَيْهِ
 الْخَرَسُ فَلَمْ يَتَحَقَّقْ بِحَيَوَانِيَّتِهِ وَلَمَّا آتَى مَنَى اللَّهِ فِي هَذَا الْمَقَامِ تَحَقَّقَتْ بِحَيَوَانِيَّتِهِ
 تَحَقُّقًا كَلْبِيًّا فَكُنْتُ أَرَى وَأُرِيدُ النُّطْقَ بِهَا أَشَاهِدُهَا فَلَا أَسْتَطِيعُ فَكُنْتُ لَا أَفِرُّ
 بَيْنِي وَبَيْنَ الْخَرَسِ الَّذِي لَا يَتَكَلَّمُونَ فَإِذَا تَحَقَّقَ بِهَا ذَكَرْنَا لَا نَنْتَقِلُ إِلَى أَنْ يَكُونَ
 عَقْلًا مُجَرَّدًا فِي غَيْرِ مَادَّةٍ طَبِيعِيَّةٍ فَيَشْهَدُ أَمُورًا هِيَ أُمُورٌ لَهَا يَظْهَرُ فِي الصُّورَةِ
 الطَّبِيعِيَّةِ وَالْعُضْرِيَّةِ فَيَعْلَمُ مِنْ آيِنٍ يَظْهَرُ هَذَا الْحُكْمُ فِي الصُّورَةِ الطَّبِيعِيَّةِ عَلِيمًا
 ذَوِيًّا فَإِنْ كُوشِفَ عَلَى أَنَّ الطَّبِيعَةَ عَيْنُ نَفْسِ الرَّحْمَنِ فَقَدْ أُدْتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا وَ
 إِنْ ائْتَصَرَ مَعَهُ عَلَى مَا ذَكَرْنَا هَذَا الْقَدْرُ يَكْفِيهِ مِنَ الْمَعْرِفَةِ الْعَاكِسَةِ عَلَى عَقْلِهِ
 قِيلَ حَقٌّ بِالْعَارِفِينَ وَيَعْرِفُ عِنْدَ ذَلِكَ ذَوَاتًا (لَمْ تَقْتُلُوهُمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ قَتَلَهُمْ) وَمَا قَتَلَهُمْ

إِلَّا الْحَدِيدُ وَالصَّارِبُ وَالَّذِي خَلَقَ هَذِهِ الصُّورَةَ فَيَا مُجَنُّوِمِ دَقَعَ الْقَتْلُ وَالرَّمْيُ فَيَشَاهِدُ
الْأُمُورَ بِأُصُولِهَا وَصُورِهَا فَيَكُونُ تَأَمُّلاً فَإِنْ شَهِدَ النَّفْسَ كَانَ مَعَ التَّهَامِ كَمَا مِلَّا فَلَا يَرَى
إِلَّا اللَّهَ عَيْنَ مَا يَرَى فَيَرَى الرَّائِيَ عَيْنَ النَّسْرِيِّ فَهَذَا الْقَدْرُ كَافٍ وَاللَّهُ السُّوْفِيُّ وَالْبَلَدُ

یہ حکمت ایناسیہ کا فص کلمہ ایاسیہ کے بیان میں ہے

حکمت مالکیہ کے بعد حکمت ایناسیہ کے لانے کی حکمت یہ ہے کہ حکمت مالکیہ کا اختتام اس امر
پر ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے بعض بندوں پر رحمت الہیہ محض امتنان الہی سے پہنچتی ہے اور اس میں اعمال
کا کوئی تعلق نہیں۔ یعنی اُن بندوں کو اللہ تعالیٰ کی اُنسٹ یا ایاس حاصل ہے۔ نیز حکمت ایناسیہ
کو حضرت ایاس علیہ السلام کی طرف منسوب کرنے کی حکمت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ان کے ساتھ خاص
اُنس ہے۔ ان کا سابقہ نام ادریس ہے۔ پہلے یہ حضرت نوح علیہ السلام سے قبل نبی بنا کر بھیجے گئے تھے
اور اللہ تعالیٰ کو ان کے ساتھ چونکہ خاص اُنس تھی اس لئے زندہ ہی چوتھے آسمان پر اُٹھائے
گئے تھے يَقُولُهُ تَعَالَى (وَإِذْ كُنَّا فِي الْكِتَابِ إِذْ رُسُلُ اللَّهِ كَانُوا نَبِيًّا وَرَفَعْنَاهُ مَكَانًا
عَلِيًّا)۔ پھر اللہ تعالیٰ کی ان کے ساتھ خاص اُنسٹ اس امر سے بھی ثابت ہوتی ہے کہ ان کا نام ادریس
تبدیل کر کے ایاس رکھا اور کئی عرصے کے بعد دوبارہ چوتھے آسمان سے زمین پر آپ کو نازل کیا اور شہر
بعلبک میں رسول بنا کر آپ کو مبعوث کیا يَقُولُهُ تَعَالَى (وَإِنَّ إِلْيَاسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ)۔ پھر اللہ تعالیٰ
کی ان کے ساتھ اُنسٹ اس امر سے بھی ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کا نام تبدیل کر کے اِل یا سین
بھی رکھا ہے يَقُولُهُ تَعَالَى (سَلِّمْ عَلَى إِبْرَاهِيمَ)۔ کئی نام ہمیشہ اُنس کی وجہ سے رکھے جاتے ہیں
نیز کوئی نبی دوبار نبی یا رسول مبعوث نہیں ہوا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دوبارہ نازل ہوں گے لیکن
آپ بحیثیت دلی نازل ہوں گے۔ یہ بھی اُنسٹ کی دلیل ہے۔ پھر اُنسٹ کی ایک اور دلیل ہے کہ
حضرت ایاس علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے ظاہری موت کا نشہ نہیں پلایا۔ آپ بلا موت زمین پر رہتے
ہیں اور بندگانِ خدا کی مدد کرتے ہیں چنانچہ عالی سرکار جناب حضرت غوثِ اعظم پاک پیرانِ پیر دستگیر
محبوبِ سبحانی شیخ سید عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ عنہ اپنی کتاب الفتح الربانی مجلس باسٹھویں میں فرماتے
ہیں وَمِنْهُمْ مَنْ يَفْتَنِي عَنِ الْهَاكُولِ وَالْمَشْرُوبِ وَيَعْزِلُ مِنَ الْخَلْقِ وَيَحْجُبُ عَنْهُمْ وَيَعْمُرُنِي

الْأَرْضِ يَلَامُوتِ كَالْيَاسِ وَالْخَضِرِ اور "بعض اولیاء اللہ کھانے پینے سے الگ اور مخلوق سے محبوب ہو کر الیاس و خضر علیہما السلام کی طرح بلا موت زمین پر بستے ہیں"۔

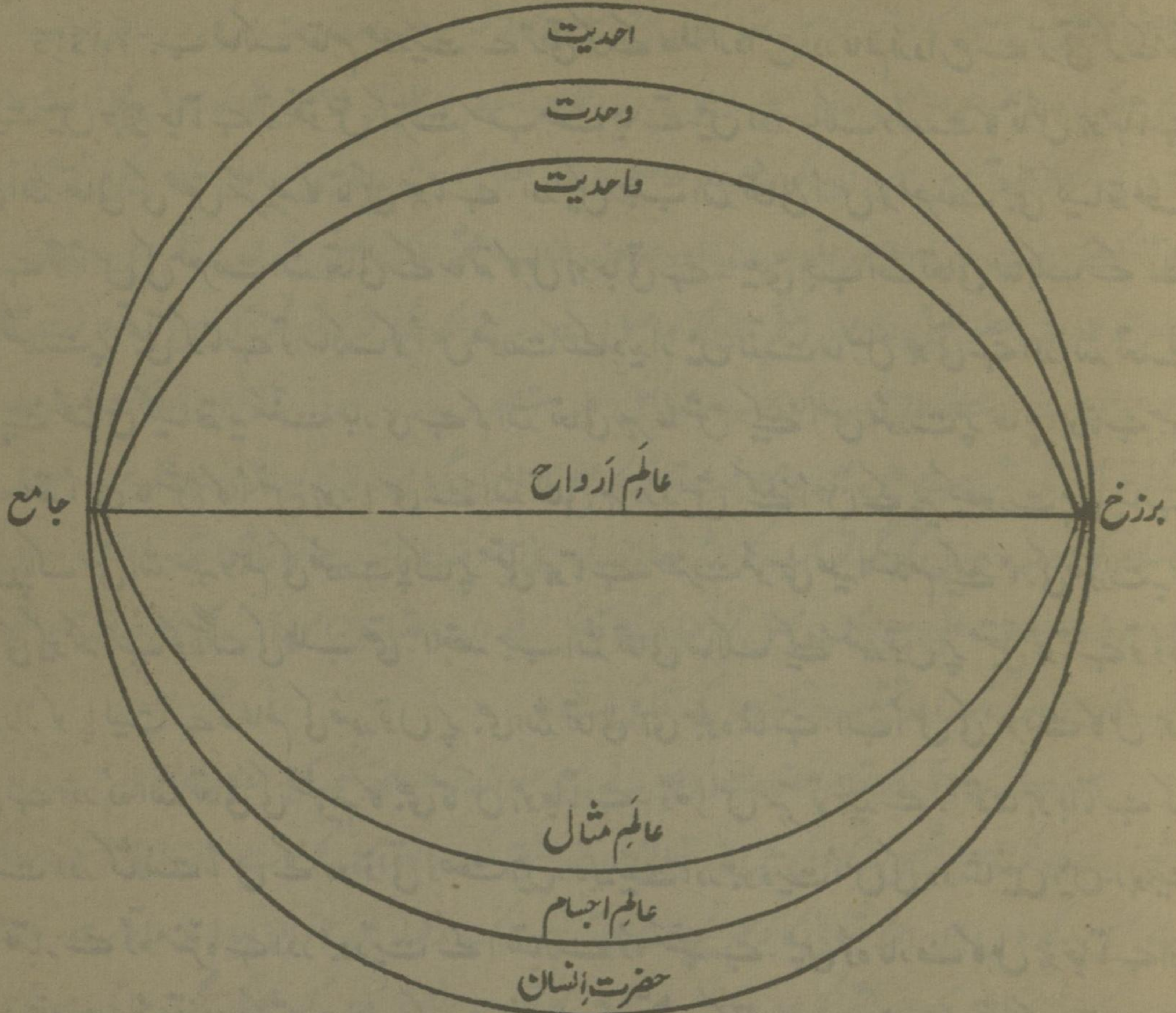
الیاس وہی ادریس ہے جو نوح سے قبل نبی تھا اور جس کو اللہ تعالیٰ نے مکان بلند پر اٹھالیا تھا۔ وہ قلبِ افلاک میں ساکن تھا۔ قلبِ افلاک سے مراد فلکِ شمس ہے۔ پھر وہی ادریس اہل بعلبک کی طرف رسول بنا کر مبعوث کیا گیا اور نام تبدیل کر کے الیاس رکھا گیا۔ نیز آپ کا اسم ان یا سین بھی آیا ہے۔ قرآن مجید کی رو سے ایک ہی شخص کے اب تین نام ثابت ہوتے۔ اس سے نام تبدیل کر نیکا جواز پایا جاتا ہے۔ نیز اس سے اللہ تعالیٰ کی آپ کیساتھ محبت ٹپکتی ہے کیونکہ محب محبوب کو مختلف اسماء کیساتھ پکارتا ہے۔ بعلبک ایک قریہ تھا۔ بعل ایک بُت کا نام تھا اور بک اُس قریہ کے بادشاہ کا نام تھا۔ اور یہ بُت جو بعل کے نام سے مسمیٰ تھا، بادشاہ کیساتھ مخصوص تھا۔ یعنی بادشاہ اس بُت کی خود بھی پرستش کرتا تھا اور لوگوں سے بھی کہہ داتا تھا۔ حضرت الیاس علیہ السلام کو اہل بعلبک کی طرف رسول بنا کر اسی لئے مبعوث کیا گیا کہ آپ اُن کو بُت پرستی سے منع فرمادیں اور توحید کی طرف تعلیم دیں۔

الیاس کہ وہ عین ادریس ہیں، یعنی جس زمانہ میں آپ کا نام ادریس تھا اور آپ حضرت نوح علیہ السلام سے قبل بطور نبی مبعوث تھے، آپ کیلئے عالمِ مثال میں لبنان پہاڑ کا انفلاق ہوا۔ لبنان کُبانَت سے مشتق ہے اور کُبانَت سے مراد حاجت ہے۔ کوہ لبنان میں سے ایک آتشی گھوڑا نکلا جس پر جمیع آلات بھی آتشی تھے۔ پس جب الیاس علیہ السلام (ادریس علیہ السلام) نے اُس گھوڑے کو دیکھا اُس پر سوار ہو گئے۔ یعنی آپ اپنے جسدِ مثالی سے اُس آتشی گھوڑے پر سوار ہو گئے۔ آتشی گھوڑے پر سوار ہونے کی وجہ سے شہوت اُن سے ساقط ہوئی اور وہ عقل بلا شہوت ہو گئے یعنی آپ کا اُن چیزوں کے ساتھ تعلق باقی نہ رہا جن کے ساتھ اغراضِ نفسیہ کا تعلق ہوتا ہے۔ آتش نے اوصافِ بشریت جلا دیئے اور آپ مجسمِ روح ہو گئے۔ جسدِ مثالی کا جسدِ عنصری کیساتھ گہرا تعلق ہوتا ہے۔ جسدِ مثالی پر جو چیز وارد ہو اُس کا اثر من و عن فوراً جسدِ عنصری پر مترتب ہو جاتا ہے۔ آپ چونکہ صفاتِ بشریت سے منزہ ہو گئے تھے اسلئے اللہ تعالیٰ نے اُن کو اس عالمِ نفسانی سے عالمِ ملکوت میں پہنچا دیا یَقُولُہُ تَعَالٰی (وَرَفَعْنَاهُ مَكَانًا عَلِيًّا)۔ حضرت ادریس علیہ السلام عقل بلا شہوت ہو گئے یعنی آپ مثل ملائکہ کے ہو گئے اور کھانے پینے اور جماع سے الگ ہو گئے۔ آپ عالمِ خلق سے عالمِ امر یعنی عالمِ ملکوت میں ترقی کر کے

پہنچ گئے اور ملائکہ کے مشابہ ہو گئے۔ حقیقتاً آپ انسانوں کی تبلیغ کے قابل نہ رہے کیونکہ نبی کیلئے لازمی ہو کہ وہ بظاہر انسانوں کے مشابہ رہے یعنی جملہ صفات عبودیت سے متصف ہوتا کہ وہ اُن کیسا تھ رہ سکے چونکہ وہ مثل ملائکہ کے ہو گئے تھے اسلئے آپ کو زمین سے اٹھا کر چوتھے آسمان پر ملائکہ کیسا تھ ملا دیا گیا۔ جب آپ کو دوبارہ رسول بنا کر اہل جبلت کی طرف مبعوث کیا گیا تو آپ کو دوبارہ صفات بشریت سے ملبوس کر کے زمین پر نازل کیا گیا اور آپ کا نام بھی تبدیل کر کے ایاس رکھا گیا۔

حضرت ادریس (الیاس) علیہ السلام کے نزدیک اللہ تعالیٰ مُنَزَّہ تھا یعنی آپ اللہ تعالیٰ کو عالمِ سروراء اوراء جانتے تھے۔ پس آپ کو نصف معرفت الہی حاصل تھی کیونکہ معرفت الہی کا دوسرا نصف اللہ تعالیٰ کو مُشَبَّہ جانتا ہے۔ عارفِ کامل اللہ تعالیٰ کی تنزیہ اور تشبیہ دونوں کا قائل ہے بلکہ وہ تنزیہ در تشبیہ اور تشبیہ در تنزیہ کا قائل ہے۔ وہ مرتبہ غیب الغیب اور ہر اہانت ذاتی کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کو بے صورت جانتا ہے اور باعتبار ظہور تجلیات کے اللہ تعالیٰ کو باصورت جانتا ہے۔ حضرت ادریس علیہ السلام (الیاس علیہ السلام) مقام عبودیت سے ترقی کر کے عالمِ امر یعنی عالمِ ملکوت میں پہنچ گئے تھے۔ عالمِ امر کا دوسرا نام عالمِ ارواح بھی ہے اس سے مراد عالمِ کون کی مجرد اور بسیط چیزیں ہیں جو اپنی ذاتوں اور مثالوں پر ظاہر ہوئی ہیں یعنی وہ کوئی چیزیں جو صورت اور مادہ سے مجرد اور پاک ہیں۔ جب ارواح کسی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں تو وہ مثالی صورت ہے اور عالمِ مثال ہے۔ جب انسان صفات بشریت سے فارغ ہو کر عالمِ ارواح میں پہنچ جاتا ہے تو وہ عقل مجرد ہوتا ہے اور اپنے آپ کو بصورت پاتا ہے۔ ایک نور کا لطیفہ پاتا ہے اسی لئے اس مقام پر انسان عقل ہی سے علوم حاصل کرتا ہے اور اپنے عقلی علم سے وہ اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرتا ہے۔ اس مقام پر چونکہ اُسے اللہ تعالیٰ کی کوئی صورت نظر نہیں آتی اس لئے وہ اللہ تعالیٰ کی محض تنزیہ کا قائل ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ کی تشبیہ کا قائل نہیں ہوتا۔ وضاحت کیلئے دائرۃ اللہ پیش کیا جاتا ہے :-

ذاتِ شریعت اللہ



حضرت ادریس (الیاس) علیہ السلام مقام انسان سے یعنی عبودیت سے ترقی کر کے عالم ارواح میں پہنچ گئے۔ عالم ارواح سے آگے مقام واحدیت، مقام وحدت اور مقام احدیت کی آپ کو سیر نصیب نہیں مقام احدیت تک سیر صرف سرکارِ دو عالم حضور نبی کریم جناب محمد پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خاصہ ہے اور پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا صدقہ یہ مقام آپ کی اُمت کے کُل افراد کو بھی نصیب ہے۔ یہ ہی وجہ ہے کہ سابقہ انبیاء علیہم السلام میں سے کسی نے بھی انا کی مروج نہیں ماری اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کے ہزاروں افراد نے انا کی موجیں ماری ہیں جیسے حضرت بایزید بسطامی علیہ الرحمۃ نے سُبحانی مَا اَعْظَمُ شَانِیْ، منصور علاج علیہ الرحمۃ نے اَنَا النُّحْی کی موجیں ماری ہیں۔ عالم ارواح چونکہ تمام اصناف مثلاً صورت، مادہ، جہت، زمان، مکان وغیرہ سے مُنترزہ ہے اسلئے حضرت ادریس (الیاس) علیہ السلام جب مُرُج

کر کے عالم ارواح میں پہنچے تو حقیقی کو تمام اضافات سے منزہ جانا اور محض تنزیہ کے قائل ہوئے۔
 وَإِذَا آتٰهُ جِب سَالِك مَقَام عِبُودِيَّت سے ترقی کر کے عالم ارواح اور عالم ارواح سے ترقی کر کے مقام
 اندیت میں پہنچ جاتا ہے تو نقوش کثرت سب مٹ جاتے ہیں اور سالک وحدت کا قائل ہو جاتا ہے
 لیکن اللہ تعالیٰ کی محض تنزیہ کا قائل ہوتا ہے۔ اور لیکن جب اللہ تعالیٰ اُس کو معرفت تجلی کیساتھ عطا
 کرتا ہے تو اُس کی معرفت اللہ تعالیٰ کے ساتھ کامل ہو جاتی ہے۔ یعنی جب اللہ تعالیٰ سالک کے لئے
 کسی صورت پر تجلی کرتا ہے تو سالک کو اُس صورت کے دیدار میں لذت حاصل ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ
 کی اپنے عشاق کیساتھ یہ سنت جاری ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر عاشق کیلئے اُس صورت پر ظاہر ہوتا ہے جس
 کے ساتھ اُس عاشق کا اُنس ہو۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ ہر درویش کیلئے اُس کے پیر کی صورت پر یا جناب
 رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت پاک پر متجلی ہوتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کیلئے نار کی صورت پر
 تجلی کی کیونکہ آپ کو آگ کی طلب تھی۔ القصد جب اللہ تعالیٰ سالک کیلئے صورتوں پر متجلی ہوتا ہے تو وہ
 اس راز کو پالیتا ہے کہ عالم کی صورتوں پر بھی اللہ تعالیٰ ہی جلوہ نما ہے۔ اب اُس کی معرفت کامل ہو
 جاتی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی تشبیہ کا بھی قائل ہو جاتا ہے۔ وہ اس سر تو حید سے واقف ہو جاتا ہے کہ
 لطافت اور کثافت اُس کے دو ذاتی وصف ہیں۔ ربوبیت اور عبودیت اُس کی دو شانیں ہیں۔ ربوبیت
 کے اعتبار سے وہ منزہ ہے اور عبودیت کے اعتبار سے وہ مشبہ ہے۔ پس وہ عارف کامل ہو جاتا ہے اور
 ایک موضع میں وہ تنزیہ کرتا ہے اور ایک موضع میں وہ تشبیہ کرتا ہے۔ صرافت ذاتی کے اعتبار سے
 وہ اللہ تعالیٰ کی تنزیہ کرتا ہے اور باعتبار تحوّل فی الصور وہ تشبیہ کرتا ہے۔ اور صور طبعیہ و غنصریہ میں
 حقیقی کی سرایت بالوجود دیکھتا ہے اور اُس کیلئے کوئی ایسی صورت باقی نہیں رہ جاتی جس کی ذات کو
 وہ عین حق نہیں دیکھتا۔ مراد یہ ہے کہ عارف کامل کے نزدیک ہر شے کی صورت اور ہر شے کا معنی ذات
 حق ہے۔ اسی کو وحدت و ہود کہتے ہیں یعنی عارف کامل کے نزدیک سوائے ذات حق کے کسی چیز کا وجود
 ہی نہیں ہے۔ گنجائش کو غیر کو نقش غیر۔ سوئی اللہ واللہ مافی الوجود (مولانا جامی)

اور یہی معرفت تامہ ہے جو انبیاء علیہم السلام کی شریعتیں لاتی ہیں اور وہ شرائع منجانب الہی منزہ
 ہیں۔ مراد یہ ہے کہ اس مسئلہ وحدت الوجود پر کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں کیونکہ جملہ آسمانی کتب
 اس پر شاہد ہیں۔ جملہ انبیاء علیہم السلام خلق خدا کو توحید کی دعوت دیتے تھے۔ توحید سے مراد وحدت وجود

ہے۔ یہ اور بات ہے کہ سابقہ انبیاء علیہم السلام میں بعض کو اس مسئلہ میں صرف علم الیقین حاصل تھا اور بعض کو عین الیقین کا مرتبہ حاصل تھا لیکن حق الیقین کا مرتبہ صرف اور صرف سرکارِ دو عالم جناب محمد پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے۔ یعنی بعض انبیاء علیہم السلام کو علم تو حاصل تھا کہ سوائے ذات واحد کے کسی چیز کا وجود نہیں لیکن اُن کو مُشاہدہ حاصل نہ تھا۔ بعض کو مُشاہدہ بھی حاصل تھا۔ لیکن چونکہ ذات حق کیلئے مَرآتِ تامہ اور مظہر اتم صرف اور صرف جناب محمد پاک صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اسلئے حق الیقین کا مرتبہ صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو حاصل ہے۔ نیز چونکہ جملہ شرائع مُنزلہ میں یہ معرفتِ تامہ کا علم موجود ہے اسلئے لازمی ہے کہ جب الیاس علیہ السلام دوبارہ رسول بنا کر اہل بعلبک کی طرف بھیجے گئے تو اُن کی شریعت میں بھی یہ معرفتِ تامہ کا علم نازل کیا گیا ہو۔ لہذا یہ لازمی ہے کہ جب الیاس علیہ السلام کو دوبارہ نازل کیا گیا تو آپ کو اللہ تعالیٰ نے اپنی معرفتِ تامہ سے نوازا ہوا تھا۔ باعتبار ادریس آپ کی معرفت نصف حقیقی یعنی آپ محض تنزیہ کے قائل تھے اور باعتبار الیاس آپ کی معرفت تام حقیقی اور آپ تنزیہ در تشبیہ اور تشبیہ در تنزیہ کے قائل تھے۔

وَحَكَمَتْ اِلٰہ اور تمام حضراتِ اَوہام نے اسی معرفت کیساتھ حکم کیا۔ حضراتِ اَوہام سے مراد اہل عشق ہے کیونکہ جس شخص کے دل پر اللہ تعالیٰ اپنے عشق کے ساتھ تجلی کرتا ہے یعنی اپنا عشق عطا کرتا ہے اُس کے دل میں اللہ تعالیٰ کا وہم پیدا ہو جاتا ہے۔ ایک دلولہ اور جنون پیدا ہو جاتا ہے۔ نارِ عشق سوائے اللہ تعالیٰ کے ہر شے کو چلا دیتی ہے۔ اُس کا قلب مثل آئینہ کے جھلکنے لگ جاتا ہے۔ اُس کے قلب سے وساوس نفسانی اور شیطانی سب جل جاتے ہیں۔ اُس کا قلب الہام الہی کا خزانہ بن جاتا ہے۔ جب عاشق کا دل صاف ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے اور اُس بندے کے درمیان سے حجابِ غیبت اٹھا دیتا ہے اور اُس کو اپنی معرفت عطا کر دیتا ہے۔ ایسے جملہ عشاق نے اسی معرفت کی خبر دی ہے یعنی وہ تنزیہ در تشبیہ اور تشبیہ در تنزیہ کے قائل ہیں۔ وہ مراتب حقیقی میں اللہ تعالیٰ کو منترہ جانتے ہیں اور مراتب خلقی میں اللہ تعالیٰ کو مُشبہ جانتے ہیں۔ مرتبہ بطون میں وہ ذات منترہ ہے اور مرتبہ ظہور میں وہ ذات مُشبہ ہے۔ حقیقت میں مرتبہ احدیت ہی ہے جہاں ذات حق تمام اصناف سے منترہ اور مُعرا ہے۔ مراتب وحدت اور واحدیت اگرچہ حقیقی ہیں لیکن ان میں ذات کے تعینات علمی پائے جاتے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ اہل عشق نے جس معرفت الہی کو بیان کیا ہے وہ بالکل صحیح ہے اور اُس میں

رجسٹروں پر جبرئیل علیہ السلام پہلے قُطْبِ زمان کے دستخط کراتے ہیں۔ بعد میں جُمْلہ رجسٹر عالی سرکار جناب حضرت غوثِ اعظم پاک پیرانِ پیر دستگیر محبوبِ سبحانی میراں محی الدین شیخ سید عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کی خدمت اقدس میں جبرئیل امین پیش کرتے ہیں۔ حضرت سلطانِ غوث الثقلین رضی اللہ عنہ اُن میں جو رد و بدل چاہیں کرتے ہیں کیونکہ جنابِ عمو اثبات کے مالک ہیں۔ جبرئیل امین ہر رجسٹر متعلقہ فرشتے کے سپرد کر دیتے ہیں جو اپنے اپنے انتظام میں لگے ہوئے ہیں۔ اصل مسئلہ یہ تھا کہ رُسل علیہم السلام پر شریعتیں وہم کی بدولت نازل ہوئی ہیں۔ مُراد یہ ہے کہ وہم یعنی دائمی تصور اور یکسوئی کی بدولت رُسل کے دل سے حجاب اُٹھ جاتا ہے اور وہ عالمِ مثال میں جبرئیل امین کو مثالی صورت میں دیکھتا ہے۔ جبرئیل امین اُس کو اللہ تعالیٰ کے احکام سناتے ہیں۔

فَشَبَّهَتْ وَ نَزَّهَتْ اِنَّہٗ پس وہ شرائعِ مُنَزَّلہ اللہ تعالیٰ کی تشبیہ کرتی ہیں اور تنزیہ، یعنی جُمْلہ آسمانی کُتب میں اللہ تعالیٰ نے اپنی تشبیہ بھی بیان کی ہے اور اپنی تنزیہ بھی بیان کی ہے۔ شرائعِ مُنَزَّلہ نے وہم کیساتھ تنزیہ میں تشبیہ کی ہے اور عقل کے ساتھ تشبیہ میں تنزیہ کی ہے۔ مُراد یہ ہے کہ محویت کی بدولت سائر مقامِ احدیت تک پہنچ جاتا ہے جو ذاتِ کالائعین مرتبہ ہے اور مقامِ تنزیہ ہے لیکن اس مقام میں بھی اشیاء بالقوہ موجود ہیں جیسا کہ درخت گھٹلی میں بالقوہ موجود ہوتا ہے۔ لہذا ثابت ہوا کہ اس مقامِ حقیقی میں بھی خلقِ مندرج ہے۔ جب سائر سیرِ عُروجی کے بعد نزول کرتا ہے اور مقامِ عبودیت میں پہنچتا ہے تو اُس کو شعور نصیب ہو جاتا ہے اور وہ مقامِ سُکر سے مقامِ صحو میں آ جاتا ہے۔ یہ مقامِ عقل ہے۔ حقیقی اُس پر صورتوں میں متجلی ہوتا ہے اور یہ مقامِ خلق ہے اور مقامِ تشبیہ ہے لیکن خلق میں جب غور کیا جائے تو خلق میں حقِ جلوہ نما ہے۔ عالمِ قبل از ظہور اللہ تعالیٰ کی ذات میں موجود تھا اور عالمِ کے ظہور کے بعد اللہ تعالیٰ عالم میں موجود ہے۔ موجیں اور ٹھاٹھوں قبل از ظہور دریا میں مندرج تھیں۔ موجوں اور ٹھاٹھوں کے ظہور کے بعد دریا امواج میں موجود ہے۔ حروفِ ظہور سے قبل سیاہی میں موجود تھے لیکن ظہورِ حروف کے بعد سیاہی حروف میں موجود ہے۔ کپڑے ظہور سے پہلے روئی میں مندرج تھے۔ اب کپڑوں کے ظہور کے بعد روئی کپڑوں میں موجود ہے۔ مُراد یہ ہے کہ وحدتِ بلا کثرت نہیں اور کثرتِ بلا وحدت نہیں۔ فَادَّ تَبَطَّ اِنَّہٗ اور کُل کُل کے ساتھ مرتبط ہے۔ پہلے کُل سے مُراد ذاتِ حق ہے کیونکہ ہوا کُل اور دوسرے کُل سے مُراد کُل مراتب ہے۔ یعنی جُمْلہ مراتبِ تنزیہی اور تشبیہی یعنی حقیقی اور

خلقی میں ذات الہی کا ظہور ہے۔ احدیت، وحدت اور واحدیت حقی مراتب ہیں، عالم اُرداح، عالم مثال
 اور عالم اجسام خلقی مراتب ہیں۔ اور حضرت انسان کامل جمیع مراتب حقی اور خلقی کا جامع ہے۔ پس یہ
 ممکن نہیں کہ تنزیہہ تشبیہہ سے خالی ہو اور تشبیہہ تنزیہہ سے خالی ہو یعنی کثرت خلق وحدت حق میں
 مندرج ہے اور وحدت حق کثرت خلق میں ظاہر ہے **يَقُولُ تَعَالَى (لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ)**۔ اگر حرف کاف
 کِمِثْلِهِ میں زائد لیا جاوے تو معنی ہوں گے، اُس کی مثل کوئی شے نہیں۔ یہ اُس کی تنزیہہ ہے اور اگر
 کاف مُثْلِيَّت کا لیا جاوے تو معنی ہوں گے، اُس کی مثل کی مثل کوئی شے نہیں۔ اس سے مثل کا اثبات
 پایا جاتا ہے اور یہ اُس کی تشبیہہ ہے۔ یہ کلام الہی کا اعجاز ہے کہ آیت کے ایک ہی ٹکڑے میں جہاں
 تنزیہہ ثابت کی ہے وہاں تشبیہہ بھی ثابت ہے۔ اس سے اللہ تعالیٰ کی مراد یہ ہے کہ تنزیہہ بلا تشبیہہ
 نہیں اور تشبیہہ بلا تنزیہہ نہیں۔ ایسے ہی **(وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ)** اور **وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ**۔ یہ تشبیہہ ہے
 کیونکہ مخلوق بھی حق تعالیٰ کی طرح سمیع اور بصیر ہے۔ لیکن چونکہ غیر حق کا وجود ہی نہیں، اسلئے وہی ذات
 سمیع اور بصیر ہے۔ یہ پھر تنزیہہ ہے۔ علاوہ ازیں تقدیم ضمیر موجب حصر ہے یعنی ہو حصر کا ہے۔ معنی ہونگے
 اور وہی ذات ہی سمیع البصیر ہے یعنی اُس کے بغیر اور کوئی سمیع و بصیر نہیں۔ یہ بھی تنزیہہ ہے۔ قرآن
 مجید کا معجز نما کلام دیکھیے۔ ایک ہی ٹکڑے میں تنزیہہ تشبیہہ دونوں جمع ہیں یعنی رب تعالیٰ نے اشارہ
 کر دیا ہے کہ تنزیہہ تشبیہہ کے بغیر نہیں اور تشبیہہ تنزیہہ کے بغیر نہیں۔ آیہ کریمہ **(لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ)** سب سے اعظم آیت ہے جو تنزیہہ کے متعلق قرآن مجید میں نازل کی گئی ہے
 حالانکہ یہ تشبیہہ سے خالی نہیں ہے کیونکہ لفظ کَمِثْلِهِ میں حرف کاف تشبیہہ کے معنی دیتا ہے۔ اللہ
 تعالیٰ اپنی ذات کے متعلق **أَعْلَمُ الْعُلَمَاءِ** ہے اور اُس نے اس آیہ کریمہ میں اپنی ذات کے متعلق
 وہی چیز بیان کی ہے جس کا ہم نے ذکر کیا ہے یعنی وہ ذات مُنَزَّہ بھی ہے اور مُشَبَّہ بھی ہے اور
 اُس کی تنزیہہ میں تشبیہہ موجود ہے اور تشبیہہ میں تنزیہہ موجود ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید
 میں فرمایا ہے **(سُبْحَنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُونَ)** یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! آپ کا
 رب جو صاحب غلبہ ہے اُس چیز سے پاک ہے جس سے اُس کی صفت کرتے ہیں۔ اور اہل عقل اُسکی
 اُس چیز کے ساتھ صفت کرتے ہیں جو اُن کے جُزوی عقول نے اُن کو عطا کی ہے مراد یہ ہے کہ اہل
 عقل اللہ تعالیٰ کی تنزیہہ بیان کرتے ہیں۔ آیہ مذکورہ میں اللہ تعالیٰ نے اُن کی تنزیہہ سے اپنی ذات

کی تنزیہ بیان کی ہے یعنی اُن کی محض تنزیہ سے بیزاری کا اظہار کیا ہے اور محض تنزیہ کی تردید کی ہے کیونکہ اُن لوگوں نے اُس تنزیہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو محدود کر دیا ہے۔ اُن کی بے سمجھی کی وجہ یہ ہے کہ اُن کے عقول اس امر مذکور کی مثل کے ادراک سے قاصر ہیں۔ جزوی عقول تنزیہ درتشبیہ اور تشبیہ درتنزیہ کے ادراک سے قاصر ہیں البتہ وہ عقول جن کو عقل کل سے حصہ ملا ہے اس مسئلہ کے ادراک پر قادر ہیں۔ پھر مجملہ شرائع وہ چیز لاتی ہیں جس کے ساتھ اہل وہم یعنی اہل عشق محکم کرتے ہیں۔ مجملہ آسمانی کتب میں اللہ تعالیٰ کیلئے تشبیہ درتنزیہ اور تنزیہ درتشبیہ بیان کی گئی ہے اور طالبان خدا نے اپنے ذوق اور وجدان سے یہ ہی چیز پائی ہے۔ یعنی مجملہ عشاق الہی تشبیہ درتنزیہ اور تنزیہ درتشبیہ کے قائل ہیں۔ شرائع رسل اللہ تعالیٰ کو اُس صفت سے خالی نہیں کرتی ہیں جس میں اللہ تعالیٰ ظاہر ہوا اور وہ صفت تشبیہ ہے یعنی کسی شریعت نے اللہ تعالیٰ کی صفت تشبیہ کی نفی نہیں کی بلکہ مجملہ شرائع نے ایسا ہی کہا ہے اور ساتھ اُسی کے آتی ہیں۔ مراد یہ ہے کہ مجملہ شرائع نے تشبیہ درتنزیہ اور تنزیہ درتشبیہ کا حکم کیا ہے۔ اُمتوں نے اُس پر عمل کیا اور حق تعالیٰ نے اُن اُمتوں کو تجلی عطا کر دی۔ قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ پہلے عقیدہ ہوتا ہے اور بعد میں دیدہ نصیب ہوتا ہے۔ جب اُن اُمتوں نے اپنے انبیاء علیہم السلام کا اللہ تعالیٰ کے متعلق یہ فرمان سنا اور اپنی آسمانی کتب میں پڑھا کہ اللہ تعالیٰ کو تشبیہ درتنزیہ اور تنزیہ درتشبیہ حاصل ہے تو انہوں نے تسلیم کر لیا اور اس عقیدہ پر یقین کر لیا۔ اس کو علم الیقین کہتے ہیں۔ بعد میں اللہ تعالیٰ نے اُن کو آنکھ سے یہ چیز مشاہدہ کرادی۔ اسکو عین الیقین کہتے ہیں۔ وہ اُمتیں علم الیقین سے ترقی کر کے عین الیقین کے مرتبہ پر پہنچ گئیں۔ اور عین الیقین سے ترقی کر کے حق الیقین کے مرتبہ پر پہنچ گئیں۔ فنا فی الرسول ہو کر مقام رسالت کے اسرار سے مطلع ہو جانا حق الیقین کا مرتبہ ہے۔

پس وہ اُمتیں وراثت کی رو سے رسل کیساتھ لاحق ہو گئیں۔ علم الیقین ہے بادشاہ پر ایمان لانا، عین الیقین ہے اُس بادشاہ کو آنکھ سے دیکھ لینا اور حق الیقین ہے خود بادشاہ ہو جانا۔ اللہ تعالیٰ کیلئے مراتب تامة اور خلیفہ واحد صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ مجملہ سابقہ رسل علیہم السلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفاء ہیں۔ پس وہ اُمتیں رسل کے مرتبہ پر پہنچ گئیں اور اُس چیز کے ساتھ ناطق ہوئیں جس کے ساتھ اللہ کے رسل ناطق ہوئے یعنی وہ اُمتیں بھی تنزیہ درتشبیہ اور تشبیہ درتنزیہ کی قائل ہوئیں۔

اس عربی عبارت میں صرف کے لحاظ سے ایک عقدہ ہے اور وہ یہ کہ بعض مقامات پر جمع کی بجائے واحد کے صیغے استعمال کئے گئے ہیں مثلاً دَبَّه جَاءَتِ الشَّرَائِعُ الْمُنَزَّلَةُ فَشَبَّهَتْ وَنَزَّهَتْ شَبَّهَتْ فِي التَّنْزِيهِ بِالتَّوْهِيدِ وَنَزَّهَتْ فِي التَّشْبِيهِ بِالتَّعْقِلِ۔ شرائع جمع کا صیغہ ہے اور شَبَّهَتْ وَنَزَّهَتْ واحد مؤنث غائب کے صیغے ہیں۔ اس میں ایک حکمت ہے اور وہ یہ کہ سابقہ رُسل علیہم السلام کی شریعتیں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مقرر کردہ شریعتیں ہیں اور وہ شریعتیں بھی حقیقتاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت میں داخل ہیں اسی لئے آگے واحد کے صیغے استعمال کئے یعنی شرائع مُنَزَّلَةٌ جو حقیقت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی شریعت ہے، نے پس تشبیہ بھی کی اور تنزیہ بھی کی۔ ایسے ہی آگے فرمایا فَعَيَّلْتُ الْأُمَّمَ عَلَى ذَلِكَ فَأَعْطَاهَا الْحَقَّ التَّحْيِيَّ فَلَحِجَّتْ بِالرُّسُلِ وَرَأَتْهُ فَتَنَطَّقَتْ بِمَا نَطَقْتُ بِهِ رُسلُ اللَّهِ۔ اُمم جمع کا صیغہ ہے اور فَعَيَّلْتُ فَلَحِجَّتْ اور فَتَنَطَّقَتْ واحد مؤنث غائب کے صیغے ہیں۔ اس میں بھی ایک حکمت ہے اور وہ یہ کہ سابقہ انبیاء بمعہ اُمم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت میں داخل ہیں۔ اسی لئے واحد کے صیغے استعمال کئے یعنی جُمْلہ اُمم جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت ہے، نے اُسی پر عمل کیا، پس وہ اُمت وراثت کی رُوسے رُسل کیساتھ لاحق ہوئی اور اُس چیز کے ساتھ ناطق ہوئی جس کے ساتھ اللہ کے رُسل ناطق ہوئے۔ نیز اس سے صراحتاً ثابت ہوتا ہے کہ فصوص الحکم کی عبارت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی کلام مبارک ہے۔ حضرت شیخ الاکبر رضی اللہ عنہ محض کاتب ہیں۔ چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جُمْلہ شرائع اور جُمْلہ اُمم کو اپنی شریعت اور اپنی اُمت جانتے ہیں، اسلئے شرائع اور اُمم کیلئے فعل ماضی معروف میں واحد کے صیغے استعمال فرما رہے ہیں۔

سابق میں مذکور ہوا کہ اُممیں وراثت کی رُوسے رُسل علیہم السلام کیساتھ لاحق ہوئیں اور اُس چیز کے ساتھ ناطق ہوئیں جس کے ساتھ اللہ کے رُسل ناطق ہوئے۔ اس پر استشہاداً یہ آیت کریمہ لَآئِيْ كُنِّيْ هِيَ (وَإِذَا جَاءَتْهُمْ آيَةٌ قَالُوا إِنَّا أَنْتُمْ نَحْنُ نَزَّلَتْ آيَاتُ اللَّهِ عَلَيْنَا) جِئْتُ بِمِلَّتِهِ (جس وقت اُن کے پاس کوئی نشانی آتی ہے، کہتے ہیں، ہم ہرگز ایمان نہ لائیں گے حتیٰ کہ ہم کو اُس چیز کی مثل دی جائے جو اللہ کے رُسل کو دی گئی ہے، اللہ خوب جانتا ہے کہ اپنی رستہ کو کس جگہ رکھے۔ مراد یہ ہے کہ جب رُسل اُن کو تشبیہ در تنزیہ اور تنزیہ در تشبیہ پیش کرتے تھے تو تو وہ اُس پر عینی برہان مانگتے تھے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ اُن پر تجلی کرتا تھا اور وہ اس امر کو ازراہ ذوق

و وجدان پالنے تھے۔ نیز اس آیت کریمہ سے تشبیہ در تنزیہ اور تنزیہ در تشبیہ ثابت کی گئی ہے۔ وہ اس طرح پر کہ (اللہ اعلم) میں اللہ کی دو وجہوں کیساتھ توجیہ کی گئی ہے۔ ایک وجہ تو یہ ہے کہ اللہ (رسل اللہ) کی خبر ہے یعنی (رسل اللہ) مبتدا ہے اور اللہ جو (اللہ اعلم) میں واقع ہے اس کی خبر ہے کیونکہ رسل حقیقت کی رو سے اللہ کے مظاہر ہیں یقولہ تعالیٰ (رَأَى الَّذِينَ يَتَوَلَّوْنَ الْآيَاتِ يَأْبَىٰ عَنْهُمْ وَيُجْزَىٰ عَنْهُمْ وَالَّذِينَ جَاءُوا مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِمْ يُخَلِّفُونَ فِيهِمْ أَهْلًا مُّشْرِكِينَ) اور (مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ)۔ آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ کے رسل یعنی اللہ ہی خوب جانتا ہے کہ اپنا پیغام کس کو بھیجے۔ یعنی جب امتیں اپنے رسولوں سے دیدار الہی کا سوال کرتی تھیں تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ رسل اللہ یعنی (اللہ) ہی خوب جانتا ہے کہ کون شخص دیدار الہی کے لائق ہے مراد یہ ہے کہ اللہ کے رسل چونکہ اللہ کے مظاہر ہیں اسلئے اللہ کے رسول ہی جانتے ہیں کہ کون شخص دیدار الہی کے قابل ہے۔ اس اعتبار سے اللہ کیلئے تشبیہ ثابت ہو گئی۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ (اللہ) مبتدا لیا جائے اور (اعلم) حیث یجعل رسلہ) اس کی خبر لی جائے۔ اس اعتبار سے اللہ کیلئے تنزیہ ثابت ہو گئی۔ اور یہ دونوں وجہیں آیت کریمہ میں حقیقت کی رو سے ہیں نہ کہ مجازاً۔ مراد یہ ہے کہ ہر اہل ذاتی کی رو سے اور بطون کی رو سے (اللہ اعلم) میں اللہ لا تعین ہے اور یہ تنزیہ ہے اور ظہور کی رو سے (اللہ اعلم) میں اللہ سے مراد رسل اللہ ہے اور یہ تشبیہ ہے۔ لہذا اسی واسطے یعنی مندرجہ بالا دلائل کی رو سے ہم تشبیہ در تنزیہ اور تنزیہ در تشبیہ کے قائل ہیں۔ یعنی حق در خلق اور خلق در حق ہے۔ وحدت در کثرت ہے اور کثرت در وحدت ہے۔ مراد یہ ہے کہ کثرت عالم یعنی اشیاء قبل از ظہور ذات حق میں بالقوہ مندرج تھیں۔ جیسے درخت قبل از ظہور بیج یا گٹھلی میں بالقوہ مندرج ہوتا ہے اور اب ظہور عالم کے بعد وحدت یعنی ذات حق کثرت عالم یعنی اشیاء میں موجود ہے۔ حروف قبل از ظہور سیاہی میں مندرج تھے اور اب ظہور حروف کے بعد سیاہی حروف میں موجود ہے۔ وَبَعْدَ آتِ الْآلِہِ اور بعد تقریر اسبات کے کہ تنزیہ تشبیہ سے خالی نہیں اور تشبیہ تنزیہ سے خالی نہیں، جس کا مطلب یہ ہے کہ توں حقیقی و توں خلقی دائرۃ اللہ کی دو قوسیں ہیں یعنی ربوبیت و عبودیت دونوں اللہ کی شانیں ہیں، ہم منتقدہ اور منقذہ کی آنکھوں پر پردوں کو پھوڑتے ہیں اور حجابوں کو لٹکاتے ہیں۔ منتقدہ سے مراد وہ شخص ہے جو اپنی جردی عقل سے اسرار الہیہ کے جواہر کو پرکھتا ہے یعنی وہ شخص جو محض تنزیہ کا قائل ہے اور منقذہ سے مراد وہ شخص ہے جو بلا تحقیق محض تشبیہ کا قائل ہے۔ پس ہم ان دونوں گروہوں کو ان کے

حال پر چھوڑتے ہیں اور اُن سے جھگڑا نہیں کرتے اگرچہ یہ دونوں گروہ بھی اُن صورت میں سے ہیں جن
 میں اللہ تعالیٰ نے تجلی کیا ہے۔ ہر صورت پر اللہ تعالیٰ اُس صورت کی استعداد کے مطابق متجلی ہے۔
 بعض کی استعدادات ناقصہ ہیں۔ وہ اسرارِ الہیہ کے قابل نہیں اسلئے ہم اُن کو اُن کے حال پر
 چھوڑتے ہیں۔ نیز ہم کو امر ہے کہ ناخبروں سے اسرارِ چھپائے جائیں۔ ایک اور حدیث شریف میں
 اس کی وضاحت موجود ہے نَحْنُ مَعَاشِرُ الْأَنْبِيَاءِ أَهْرَاقًا أَنْ تُنْزِلَ النَّاسَ مَنَازِلَهُمْ وَنُكَلِّمُهُمْ عَلَى
 قَدْرِ عَقُولِهِمْ یعنی ہم گروہِ انبیاء کو حکم ہے کہ لوگوں کو اُن کے مرتبوں میں رکھیں اور اُن سے اُن کی عقول
 کے موافق کلام کریں۔ حدیث شریف میں وارد ہے مَا حَدَّثَ قَوْمًا بِحَدِيثٍ لَا يَفْقَهُونَهُ إِلَّا كَانَ فِتْنَةً
 عَلَيْهِمْ یعنی جو کوئی تم میں سے کسی قوم سے ایسی بات بیان کرے گا جس کو وہ نہ سمجھیں تو وہ اُن پر ایک
 بلا ہوگی۔ ہم اس بات پر مامور ہیں کہ یہ اسرارِ الہیہ اُن لوگوں کے سامنے بیان کریں جن کی استعدادِ
 کاملہ ہیں تاکہ صورتوں کی استعداد میں تفاضل ظاہر ہو جائے۔ اگرچہ سب صورتیں اُسی بی صورت کی ہیں
 لیکن ہر صورت کی استعداد مختلف ہے کیونکہ ہر صورت میں اللہ تعالیٰ نے ایک نئی شان سے تجلی کی
 ہے لِقَوْلِهِ تَعَالَى (كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ)۔ پس بعض صورتوں کی استعداد ناقصہ ہے اور بعض کی کاملہ
 ہے اور اسی استعداد کی بنا پر بعض کو بعض پر فضیلت حاصل ہے۔ پس ہر صورت میں اللہ تعالیٰ اُس صورت
 کی استعداد کے مطابق متجلی ہے لہذا متجلی کی طرف وہ ہی چیز منسوب ہے جو متجلی لہ کے لوازم اور حقیقت
 اُس کو عطا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی مَشِیَّتِ اُس کے علم کے تحت ہے۔ اُس کا علم معلوم کے تحت ہے
 معلوم ہمارے اعیانِ ثابۃ اور اُن کی استعدادات ہیں۔ جو کچھ ہماری استعدادوں نے ازل میں یعنی مرتبہ
 علم میں یعنی عدمِ اضافی میں حقیقی سے طلب کیا، حقیقی نے عطا کر دیا۔ پس اب جو کچھ ہم کو خارج
 میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہنچ رہا ہے وہ وہی چیز ہے جو ہماری استعدادات نے اللہ تعالیٰ کو عطا
 کیا یعنی جو کچھ ہم نے اللہ تعالیٰ سے زبانِ استعداد سے مانگا۔ پس جو کچھ ہم نے مانگا وہ مل رہا ہے اسی
 لئے ارشاد ہوا (قَدْ لَبِئْسَ الْبَايِعَةُ) پس اللہ کیلئے حجتِ بالغہ ہے۔ لابیۃ الہ سابق میں مذکور ہوا کہ
 کہ متجلی یعنی حقیقی متجلی لہ یعنی صورت کی استعدادِ علمی کے مطابق تجلی کرتا ہے۔ اس حقیقت کی توضیح
 کیلئے ایک مثال دی گئی ہے۔ اور ضروری ہے کہ اس حقیقت کیلئے مثل یعنی مثال ہو۔ اس میں اشارہ ہے
 کہ ہر حقیقت کا وجود صورت میں ظہور پذیر ہوتا ہے۔ ہر حقیقت وہ مرتبہ احدیت میں بالقوہ مندرج ہے

مرتبہ وحدت میں وہ حقیقت یا سہر علم اجمالی کی صورت پر ظاہر ہوتا ہے۔ مرتبہ واحدیت میں وہ ہی سہر علم تفصیلی کی صورت پر ظاہر ہوتا ہے۔ عالم ارواح میں اُس کی صورت عقلی ہوتی ہے۔ عالم مثال میں وہ ہی حقیقت مثالی صورت اختیار کرتی ہے اور عالم اجسام میں وہ ہی حقیقت حسی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ بہر حال ہر حقیقت اور ہر سہر کیلئے ہر عالم میں صورت اور وجود ہے۔ لہذا متجلی کا متجلی نہ کی استعداد کے مطابق تجلی کرنا اس مثال سے واضح کیا گیا ہے کہ ایک شخص اللہ تعالیٰ کو خواب میں دیکھتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کو کسی صورت میں دیکھتا ہے اور اس کا انکار نہیں کیا جاتا کیونکہ اللہ تعالیٰ کی رویت صورت میں جائز ہے جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آگ کی صورت میں دیکھا یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو جو ان لڑکے کی صورت پر دیکھا لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ رَأَيْتُ رِبِّيَّ عَلَى صُورَةٍ شَايَتْ أَمْرًا اور اس بات میں کوئی شک نہیں کہ حق تعالیٰ اُس صورت مرتبہ کا عین ہے۔ نیز اُس صورت مرتبی کے لوازم اور حقائق اُس صورت مرتبی کے تابع ہوتے ہیں جیسے خواب میں اللہ تعالیٰ نے تجلی کی۔ مراد یہ ہے کہ ہر ولی اللہ تعالیٰ کو اپنی استعداد کے مطابق خواب میں دیکھتا ہے۔ سنت الہی یہ جاری ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر ولی کیلئے خواب میں اُس صورت میں متجلی ہوتا ہے جس کیساتھ اُس کی محبت ہوتی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو آگ کی طلب تھی اس لئے آگ کی صورت پر تجلی کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کیساتھ محبت تھی اس لئے علی مرتضیٰ کی صورت پر اللہ تعالیٰ نے تجلی کیا۔ مرید کو اپنے پیر کامل کیساتھ محبت ہوتی ہے اس لئے اللہ تعالیٰ کی رویت اُس کو اپنے شیخ کی صورت پر نصیب ہوتی ہے۔ چونکہ وہ اپنے شیخ کا بل کو عین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سمجھتا ہے اس لئے بسا اوقات اُسے اللہ تعالیٰ کی رویت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت پاک پر ہوتی ہے۔ اصل مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص خواب میں اللہ تعالیٰ کو کسی صورت میں دیکھتا ہے۔ یہ تشبیہ ہے لیکن وہ شخص عقل کی رُوسے اُس خواب کی تعبیر کرتا ہے اور اُس صورت مرتبی سے ایک دوسرے امر کی طرف تجاوز کرتا ہے جو تنزیہ کا مقتضی ہے۔ یعنی اگر اُس کی استعداد ناقص ہے تو وہ اپنے جردی عقل کی رُوسے اُس مرتبی صورت کے حق ہونے کا انکار کرتا ہے کیونکہ وہ محض تنزیہ کا قائل ہے اور اللہ تعالیٰ کیلئے صورت کا قائل نہیں۔ ایسے ہی اگرچہ عالم کی صورتوں پر اللہ تعالیٰ متجلی ہے لیکن استعداد ناقص والے لوگ اس تشبیہ کا انکار کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے لئے محض تنزیہ کے قائل ہیں۔ اور اگر وہ تعبیر کرنے والا شخص صاحب کشف ہے یا صاحب ایمان ہے تو وہ اُس صورت

مرئی سے محض تنزیہ کی طرف تجاوز نہیں کرتا ہے بلکہ وہ اُس صورت کو اُس کا حق تنزیہ سے بھی عطا کرتا ہے اور اُس چیز سے بھی عطا کرتا ہے جس میں وہ صورت ظاہر ہوئی ہے۔ یعنی وہ تعبیر کرتا ہے کہ وہ بی صورت ہی اس صورت میں جلوہ نما ہے یعنی وہ تنزیہ در تشبیہ اور تشبیہ در تنزیہ کا قائل ہوتا ہے۔ ایسے ہی عالم کی صورتوں کو دیکھ کر بھی اہل کشف اور اہل ایمان تنزیہ در تشبیہ اور تشبیہ در تنزیہ کے قائل ہیں۔ اہل ایمان وہ ہے جسکو اس حقیقت تنزیہ در تشبیہ اور تشبیہ در تنزیہ کا صرف علم ہے اور اس حقیقت پر اُس کو ایمان حاصل ہے۔ اسکو علم یقین بھی کہتے ہیں اور اہل کشف وہ ہے جس کو اس حقیقت کا مشاہدہ حاصل ہے۔ وہ علم یقین سے ترقی کر کے عین یقین اور حق یقین کے مراتب پر پہنچا ہوا ہے۔ **فَاَللّٰهُ اَمْ يَسْ اَللّٰهُ حَقِيقَتِیْ** ایک عبارت ہے اور یہ عبارت ہے اُس شخص کیلئے جس نے اشارہ سمجھا۔ یہ پھر اُسی آیت (وَ اِذَا حَاجَّوْهُمْ اٰیَۃً قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰی نُؤْتٰی مِثْلَ مَا اُوْتِیْ رُسُلُ اللّٰهِ ؕ اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسٰلَتَهٗ) کی طرف اشارہ کیا گیا ہے یعنی (اَللّٰهُ اَعْلَمُ) میں اللہ حقیقت میں اُس حقیقت سے عبارت ہے جو رُسُل کے تعینات میں ظاہر ہوتی ہے اور یہ اُس شخص کیلئے ہے جس نے آیہ کریمہ مذکورہ بالا کی تفسیر میں یہ نکتہ سمجھ لیا ہے کہ (رُسُلُ اللّٰهِ) مُبتدا ہے اور آگے (اَللّٰهُ) اُس کی خبر ہے۔ یعنی اہل کشف اور اہل ایمان کے نزدیک اللہ ہی رسولوں کی صورتوں پر جلوہ نما ہے۔ یعنی وہ بے صورت ہی ان رُسُل کی صورت پر متجلی ہے۔ یعنی اہل کشف اور اہل ایمان تنزیہ در تشبیہ اور تشبیہ در تنزیہ کے قائل ہیں اور استعداد ناقصہ والے لوگ محض تنزیہ کے قائل ہیں۔

اس حکمت ایناسیہ کی روح اور اُس کا خلاصہ یہ ہے کہ تحقیق امر حقیقت یعنی دائرۃ اللہ دو قوسوں میں منقسم ہے۔ ایک قوس کا نام مؤثر ہے اور دوسری قوس کا نام مؤثر فیہ ہے اور وہ دونوں قوسیں ایک ہی دائرہ کی ہیں یعنی ذات واحد کی وہ دو شانیں ہیں۔ مؤثر سے مراد صاحب تاثیر ہے اور مؤثر فیہ سے مراد تاثیر قبول کرنے والا ہے۔ مؤثر ہر وجہ کیساتھ اور ہر حال میں اور ہر مرتبہ میں وہی اللہ ہے اور مؤثر فیہ ہر وجہ کیساتھ اور ہر حال میں اور ہر مرتبہ میں وہی عالم ہے۔ وضاحت کیلئے دائرۃ اللہ پیش کیا جاتا ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ ہر شے پر محیط ہے **یَقُوْلُہٗ تَعَالٰی (اَلَا اِنَّہٗ بِکُلِّ شَیْءٍ مُّحِیْطٌ)** اسلئے لازمی ہے کہ اللہ تعالیٰ کیلئے ایک دائرہ ہو۔

کَا اِسْرَکَا اللّٰہِ

قُوْنِ حَقِّی یعنی قُوْنِ حَقِّی

مرتبہ احدیت

مرتبہ وحدت

مرتبہ واحدیت

حقیقت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام

برزخ

جامع

عالم ارواح

عالم مثال

عالم اجسام

قُوْنِ حَقِّی یعنی قُوْنِ حَقِّی

مُرَادِیہ ہے کہ حق مُؤَثِّر یعنی صاحب تاثیر ہے اور خَلْق مُؤَثَّر فیہ یعنی تاثیر قبول کرنے والی ہے۔ مُؤَثِّر کیلئے تین مراتب ہیں، احدیت، وحدت اور واحدیت۔ اللہ تعالیٰ کا عالم میں تاثیر ہے یعنی اَسْمَاء و صفات الٰہیہ کا عالم میں ظہور ہے۔ عالم یعنی مُؤَثِّر فیہ کے تین مراتب ہیں، عالم ارواح، عالم مثال اور عالم اجسام۔ اَسْمَاء و صفات الٰہیہ مرتبہ احدیت ذاتیہ میں بالقوہ مندرج ہیں۔ یہ جو ارشاد ہوا کہ مُؤَثِّر ہر مرتبہ میں اللہ ہے، اس سے مُرَادِیہ ہے کہ اَسْمَاء و صفات الٰہیہ کا ظہور تمام مراتب حقیقی میں ہے۔ مرتبہ وحدت میں اَسْمَاء و صفات الٰہیہ کا ظہور علی اجمالی ہوا اور مرتبہ واحدیت میں اَسْمَاء و صفات الٰہیہ کا ظہور علی تفصیلی ہے۔ مُؤَثِّر فیہ ہر مرتبہ میں عالم ہے پھر اَسْمَاء و صفات الٰہیہ کا ظہور مراتب خلقی میں پہلے عالم ارواح کی صورت پر پھر عالم مثال کی صورت پر پھر عالم اجسام کی صورت پر ہوا۔ مُرَادِیہ ہے کہ وہی اللہ مرتبہ احدیت سے تنزل فرما کر

عالم کی صورت پر جلوہ نما ہے۔ مرتبہ احدیت تنزیہی مرتبہ ہے اور مرتبہ عالم تشبیہی مرتبہ ہے۔ یعنی تنزیہ اور تشبیہ اللہ تعالیٰ کی دو شانیں ہیں۔ فَإِذَا دَرَدَ الْخَبْرُ جِبْ مُؤَثَّرٌ یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی چیز مؤثر نہ ہو۔ یعنی عالم میں وارد ہونے والے طالب! تو ہر وارد شدہ شے کو اپنی اصل کیساتھ لاحق کر۔ اصل سے مراد وہ اصل ہے جو اُس واردہ شے کے مناسب ہو کیونکہ جو شے وارد ہوتی ہے ہمیشہ ضروری ہے کہ وہ کسی اصل کی فرع ہو۔ مراد یہ ہے کہ جو شے عالم میں ظاہر ہوتی ہے وہ قبل از ظہور مرتبہ علم میں اپنے عین ثابۃ میں ہوتی ہے اور قبل از مرتبہ علم مرتبہ احدیت ذاتیہ میں مندرج ہوتی ہے۔ مراد یہ ہے کہ اشیا قبل از ظہور ذات حق میں مندرج تھیں جیسے درخت قبل از ظہور بیج میں موجود ہوتا ہو لہذا درخت فرع ہے اور بیج اصل ہے۔ بیج مقام تنزیہ ہے اور درخت مقام تشبیہ ہے۔ جس صورت میں درخت بالقوہ بیج میں مندرج ہے اُس صورت میں تنزیہ تشبیہ سے خالی نہیں۔ اور جب درخت کی صورت پر بیج کا ظہور ہے اُس صورت میں تشبیہ تنزیہ سے خالی نہیں۔ مراد یہ ہے کہ عالم فرع ہے اور اصل ذات الہی ہے۔ عالم کی ہر شے قبل از ظہور اللہ تعالیٰ کی ذات میں مندرج تھی اور بعد از ظہور اشیا اللہ تعالیٰ ہر شے میں موجود ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے لئے تشبیہ در تنزیہ اور تنزیہ در تشبیہ ثابت ہے۔ پس وہ ہی ذات مراتب حقیقی میں قدیم ہے اور مراتب خلقی میں حادث ہے۔ فَكَانَتْ الْمَحَبَّةُ الْخَبْرَ اس مثال سے یہ واضح کیا گیا ہے کہ مؤثر یعنی اللہ تعالیٰ کا مؤثر فیہ یعنی عبد میں کیسے اثر ہوتا ہے۔ اور محبت الہیہ عبد کو نوافل سے حاصل ہوتی ہے اور یہ مؤثر کا مؤثر فیہ میں اثر ہے۔ نیز اسی محبت کا نتیجہ ہے کہ حق تعالیٰ بندے کی سمع و بصر اور اُس کے ظاہری باطنی قوایں ہو جاتا ہے كَمَا دَرَدَ فِي الْحَدِيثِ لَا يَزَالُ الْعَبْدُ يَتَقَرَّبُ إِلَىٰ يَاسُوَافِلِ حَتَّىٰ أُحِبَّهُ فَإِذَا أَحْبَبْتُهُ كُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِي بِهِ يَسْمَعُ وَبَصَرَهُ الَّذِي بِهِ يَبْصُرُ وَسَانَهُ الَّذِي بِهِ يَتَكَلَّمُ وَيَدَهُ الَّتِي بِهَا يَبْطِشُ وَرِجْلَهُ الَّتِي بِهَا يَمْشِي۔ اس حدیث شریف سے ثابت ہوتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ بندے سے محبت کرتا ہے تو اُس بندے کے ظاہری باطنی قوایں اللہ تعالیٰ بن جاتا ہے یعنی اُس کا ظاہر بھی اللہ تعالیٰ ہو جاتا ہے اور اُس کا باطن بھی اللہ تعالیٰ ہوتا ہے۔ مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اُس بندے کی صورت و معنی پر جلوہ نما ہو جاتا ہے۔ گویا مؤثر مؤثر فیہ کی صورت پر متجلی ہو جاتا ہے۔ اور اُسے طالب! یہ ایسا مقرر اثر ہے کہ اگر تو مومن یا صاحب عقل سلیم ہے تو تو اُس کے انکار پر قادر نہیں ہے کیونکہ وہ شرعاً ثابت ہے مراد

یہ ہے کہ اگرچہ یہ حقیقت عوام الناس کی عقل سے بالاتر ہے لیکن چونکہ اس پر آیات و احادیث شاہد ہیں اس لئے مومن یا صاحب عقل سلیم اس حقیقت کا انکار نہیں کر سکتا۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ ذات حق مرتبہ احدیت سے تنزل فرما کر عالم کی صورت پر جلوہ نما ہے اور حضرت انسان کامل صلی اللہ علیہ وسلم حق اور خلق کے درمیان برزخ جامع ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت رکھتا ہے تو اُس کی ہستی فنا کر دیتا ہے اور روح القدس اُس کے جسم کی صورت اختیار کر لیتا ہے اور وہ سراپا روحانی و ربانی ہو جاتا ہے۔ اگرچہ ہر شے ہر تعین اور ہر انسان کی صورت پر ذات الہی کا ظہور ہے لیکن اُس ذات نے ہر شے میں ہر تعین میں اور ہر انسان میں ہر ہر کی استعداد کے مطابق تجلی کیا ہے۔ گویا ہر شے اُس ذات کیلئے ایک مرآت ہے لیکن اُس ذات کیلئے مرآتِ تامہ سرکارِ دو عالم حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ فہو راقاۃ سابق میں مذکور ہوا کہ جس بندے کیساتھ اللہ تعالیٰ محبت رکھتا ہے اللہ تعالیٰ اُس بندے کے ظاہری باطنی قوامی بن جاتا ہے۔ یہاں پر اُن محبوبوں کے مراتب بیان کئے گئے ہیں۔ پس اگر اُسکو تجلی الہی نصیب ہے تو اُس کو فنائے تام کے بعد وجودِ مہبوب الہی نصیب ہو جاتا ہے اور وہ صفات کاملہ الہیہ سے مشرف ہو جاتا ہے لہذا وہ اس حقیقت کو پہچانتا ہے جس کا ہم نے ذکر کیا ہے یعنی اُسکو عین الیقین اور حق الیقین کے مراتب حاصل ہو جاتے ہیں۔ یہ عارفِ کامل کے مراتب ہیں۔ اور اگر وہ بندہ مومن مسلم ہے تو اللہ تعالیٰ اُس کو علم الیقین کا مرتبہ عطا کر دیتا ہے اور وہ اُس حقیقت پر ایمان لے آتا ہے جو اس حدیث صحیح میں مذکور ہے۔ یعنی وہ اس حقیقت پر ایمان لے آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی ہر انسان کی صورت پر اُس کی استعداد کی مطابق متجلی ہے۔ مراد یہ ہے کہ ہر انسان میں صفات الہیہ کا ظہور ہر انسان کی استعداد کے مطابق ہے۔ وَلَا بُدَّ اَن مومن مسلم اس حدیث قدسی کے مضمون پر ایمان لاتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس صورت انسانی کی شان میں اس حدیث شریف میں بیان کیا ہے۔ حدیث قدسی میں وارد ہوا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت رکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُس بندے کے ظاہری باطنی قوامی بن جاتا ہے لیکن عاقل اپنے جزوی عقل سے اس مضمون پر بحث کرتا ہے اور انکار کرتا ہے کیونکہ وہ اپنی عقل کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی محض تنزیہ کا قائل ہے۔ یہ مومن مسلم اُس عاقل کے خلاف بوجہ غلبہ عشق کے حکم کرتا ہے۔ مراد یہ ہے کہ اس حقیقت کا ادراک سوائے عشق الہی کے نصیب نہیں ہو سکتا۔ جزوی عقل اس حقیقت کو نہیں پاسکتی۔ عشق الہی کی بدولت عاشق کو ایک نور یعنی ایک

عقل خاص نصیب ہوتی ہے جس کے باعث وہ اللہ تعالیٰ کی حقیقت کا ادراک کرتا ہے۔ اور لیکن غیر مومن یعنی جُزوی عقل کا صاحب اپنے وہمِ غیریت کیساتھ عاشقِ مولا کے خلاف حکم کرتا ہے یعنی وہ اللہ تعالیٰ کیلئے تشبیہ یعنی صورت کا قائل نہیں ہوتا۔ پس وہ اپنے جُزوی عقل سے اُسی بات کا خیال کرتا ہے جس بات کا اُس رائی نے خیال کیا تھا۔ تحقیق اُس رائی نے اللہ تعالیٰ کیلئے اُس چیز پر محال کا حکم کیا تھا جو چیز اُس تجلی نے اُس کو خواب میں عطا کی۔ سابق میں مذکور ہوا تھا کہ ایک شخص خواب میں اللہ تعالیٰ کو کسی صورت میں دیکھتا ہے۔ اگر وہ جُزوی عقل کا صاحب ہے تو وہ اُس صورت مرئی کا انکار کرتا ہے کیونکہ وہ محض تنزیہ کا قائل ہے۔ یہ اُسی رائی کی طرف اشارہ ہے۔ نیز یہ وہمِ غیریت اُس غیر مومن سے جدا نہیں ہوتا ہے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی حقیقت کو نہیں جانتا اور وہ اللہ تعالیٰ کی معرفت سے اسلئے محروم ہے کہ اُس کو اپنی ذات اور حقیقت کی معرفت نصیب نہیں۔ غیر مومن یا عاقل وہ شخص ہے جس کو محبتِ الہی نصیب نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کا بلہ سے انسانوں کے دلوں پر وہمِ غیریت کے پردے ڈالے ہوئے ہیں جس بندے کو اللہ تعالیٰ اپنی معرفت کیلئے برگزیدہ فرماتے ہیں اُس کو اپنی محبت عطا کر دیتے ہیں۔ بشرطِ محبت کا نام عشق ہے۔ عشقِ الہی سے وہمِ غیریت کا پردہ شق ہو جاتا ہے اور اُس وقت آفتابِ توحید دل کے آسمان پر طلوع فرماتا ہے اور معرفتِ الہی نصیب ہو جاتی ہے۔ اُس وقت وہ بندہ اس حدیثِ قدسی پر ایمان لے آتا ہے اور اللہ تعالیٰ کیلئے تنزیہ در تشبیہ اور تشبیہ در تنزیہ کا قائل ہو جاتا ہے۔ لیکن جس شخص کو عشقِ الہی نصیب نہ ہو وہ وہمِ غیریت سے فارغ نہیں ہو سکتا۔ پس یہ دولتِ معرفت محض اللہ تعالیٰ کا عطیہ ہے۔

وَمِنْ آتِی اور اُسی قبیل سے ہیں۔ آگے مذکور ہوا کہ اللہ تعالیٰ بندے کی صورت پر متجلی ہوا ہے۔ عارفِ کامل اس حقیقت کو جانتا ہے اور جاہل اس کو نہیں جانتا۔ اب فرمایا کہ مندرجہ ذیل آیاتِ قرآن میں یہ ہی رازِ مضمون ہے (وَقَالَ رَبُّكُمْ ادْعُونِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ) اور تمہارا رب کہتا ہے کہ تم مجھ سے دُعا کرو، میں تمہاری دُعا قبول کروں گا (وَ اِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ) اور جو وقت میرے بندے میرے حال سے آپ کو سوال کریں، پس تحقیق میں قریب ہوں، ہر داعی کی دُعا قبول کرتا ہوں جو وقت وہ مجھ کو پکارتا ہے۔ ان آیات میں راز یہ ہے کہ مجیب کا وجود ہی ثابت ہو سکتا ہے جب داعی کا وجود موجود ہو۔ عارفِ کامل اپنے ظاہر کیساتھ اپنے باطن سے دُعا کرتا ہے

یعنی اپنی صورت کیساتھ داعی ہے اور اپنی حقیقت کیساتھ مجیب ہے۔ یعنی داعی بھی خود ہے اور مجیب بھی خود ہے البتہ اس بات میں کوئی خلاف نہیں کہ داعی اور مجیب کی صورتیں مختلف ہیں اور داعی اور مجیب بلا شک دو صورتیں ہیں۔ انسان کامل عبودیت اور ربوبیت کا جامع ہے۔ عبودیت کے اعتبار سے وہ داعی ہے اور ربوبیت کے اعتبار سے وہ مجیب ہے۔

اور یہ جملہ صورتِ عالم ایسے ہی ہیں جیسے زید کیلئے اعضاء ہیں یعنی جیسے یہ حقیقت ثابت ہے کہ تحقیق زید ایک شخص ہے اور اُس کی حقیقت بھی ایک ہے لیکن اُس کے اعضاء کثیر ہیں، ایسے ہی وہ ذات واحد ہے اور یہ جملہ صورتیں اُسی ذات واحد کی ہیں۔ ہر صورت اُس ذات کا ایک بُرقع ہے اور اُس ذات نے بیشمار بُرقعے اوڑھ رکھے ہیں۔ اب زید ایک ہے لیکن اُس کے اعضاء کی صورتیں سب مختلف ہیں۔ اُسکے ہاتھ کی صورت اُس کے پاؤں کی صورت سے و اُس کے سر کی صورت سے و اُس کی آنکھ کی صورت سے اور اُسکے اُبرو کی صورت سے بالکل مختلف ہے۔ مراد یہ ہے کہ جیسے زید ایک شخص ہے اور اُس کے کئی مختلف صورتوں والے اعضاء ہیں، ایسے ہی وہ ذات واحد ہے اور اُس کی کئی مختلف صورتیں ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ کی ذات کثیر بھی ہے اور واحد بھی ہے، صورتوں کے ساتھ وہ کثیر ہے اور ذات کیساتھ وہ واحد ہے۔ اس مسئلہ کو وحدت الوجود کہا جاتا ہے یعنی جمیع عوالم کی صورت پر ذات الہی کا ظہور ہے۔ مثال کے طور پر ایک کتاب کو لیجئے۔ کتاب میں حروف و الفاظ کی کثرت ہے۔ سب کی صورتیں مختلف ہیں لیکن جملہ حروف و الفاظ کی صورت پر ایک سیاہی کا ظہور ہے۔ ایک اور مثال لیجئے۔ انسان حقیقت کے اعتبار سے بلا شک واحد ہے لیکن اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ تحقیق عمر زید و خالد و جعفر کا عین نہیں ہے۔ یعنی اگرچہ انسانوں کی صورتیں و کمالات مختلف ہیں لیکن ہر انسان کی صورت پر ذات الہی کا ظہور ہے۔ اگرچہ ہر انسان کی صورت پر ذات الہی کا ظہور ہے لیکن ہر انسان میں ذات الہی نے اُس انسان کی استعداد کے مطابق تجلی کیا ہے گویا ہر انسان اُس ذات کیلئے ایک مرآت ہے۔ کوئی مرآت چھوٹا ہے کوئی بڑا ہے لیکن اُس ذات کیلئے مرآت تامة صرف اور صرف ہر کارِ دو عالم جناب محمد پاک صلی اللہ علیہ وسلم ہیں گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم آسمان ولایت کے شمس ہیں اور حضرت سلطان غوث الثقلین شیخ سید عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ آسمان ولایت کے قمر ہیں اور دوازدہ ائمہ اہلبیت آسمان ولایت کے دوازدہ درج ہیں اور جملہ سابقہ انبیاء و اولیاء علیہم السلام آسمان ولایت کے ستارے ہیں۔ اس حقیقت پر آیات قرآنی شاہد ہیں۔ وضاحت کیلئے تفسیر جلوبی

ملاحظہ فرمائیے۔ پس ذات انسانی واحد ہے اور اس ذات انسانی کے اشخاص اور تعینات لامتناہی ہیں لہذا انسان باعتبار صور اور اشخاص کے کثیر ہے اور باعتبار حقیقت کے واحد ہے۔ مراد یہ ہے کہ جمیع ممکنات عالم کی صورتوں پر ذات واحد کا ظہور ہے۔

وَقَدْ اِنَّ اس مثال میں ایک حدیث شریف کی طرف اشارہ ہے جو بخاری شریف میں مندرج ہے۔ اس کو حدیث تحول فی الصور کہتے ہیں وَهُوَ هَذَا: هُوَ تَجَلَّى هُوَ سُبْحَانَهُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ فِي صُورَةِ انْكَرُوهَا اِنَّ یہ حدیث شریف تشبیہ پر نفل ہے یعنی اس حدیث شریف سے بھی یہ امر ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ صورتوں پر متجلی ہوگا۔ جب قیامت میں صورتوں پر متجلی ہوگا تو اب بھی عالم کی صورتوں پر ذات حق ہی متجلی ہے۔ اور اسے طالب الگو تو مومن ہے تو تو نے اس امر کو یقیناً جان لیا کہ حق تعالیٰ بذاتہ قیامت کے دن کسی ایک صورت میں تجلی کرے گا تو پہچانا جائیگا۔ پھر جب دوسری صورت میں متحول ہو کر تجلی کرے گا تو انکار کیا جائیگا۔ پھر اُس صورت سے متحول ہو کر کسی اور صورت میں تجلی کرے گا تو پہچانا جائے گا۔ اس سے دو چیزیں ثابت ہوتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ ہر ہر صورت میں وہی ذات متجلی ہے۔ اُس کے سوا اور کوئی متجلی نہیں۔ نیز یہ بھی معلوم ہے کہ ایک صورت دوسری صورت کا عین نہیں ہے۔ یعنی ذات واحد ہی مختلف صور پر متجلی ہوگی۔ پس اس میں اشارہ ہے کہ اب دار دنیا میں بھی جمیع ممکنات عالم کی صورتوں پر وہی ذات واحد متجلی ہے۔ دوسری چیز یہ ثابت ہوئی کہ ہر کوئی اللہ تعالیٰ کا اقرار اُسی صورت میں کرے گا جس صورت کا وہ معتقد ہے۔ نیز ہر کوئی دیدار الہی سے تب ہی لطف اندوز ہو سکتا ہے جب اپنی معتقدہ صورت میں حق تعالیٰ کو دیکھے۔ نیز حق تعالیٰ بھی مختلف صور میں اس لئے متحول ہوگا کہ ہر کوئی اُسے دیکھے۔ اس سے یہ ثابت ہوا کہ حق تعالیٰ متجلی نہ کی استعداد کے مطابق متجلی ہے۔ اب جو محض تنزیہ کا قائل ہے اور اللہ تعالیٰ کیلئے صورت کا قائل ہی نہیں وہ جہدِ صود میں حق تعالیٰ کا انکار کرے گا لہذا دیدار الہی سے محروم رہے گا۔ اُس کی محرومی کا باعث یہ ہے کہ اُس نے دار دنیا میں معرفت الہی حاصل نہیں کی یَقُولُ تَعَالَى (وَمَنْ كَانَ فِي هَذِهِ اَعْمٰی فَمَوٰی فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰی)۔ پس ذات حق مثل ایک آئینہ کے ٹھہری۔ جب ناظر اُس آئینہ میں اللہ تعالیٰ کی معتقدہ صورت کو دیکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ کو پہچانتا ہے اور اُس کا اقرار کرتا ہے اور جب ایسا اتفاق ہوتا ہے کہ اُس آئینہ میں اپنی غیر معتقدہ صورت کو دیکھتا ہے تو اُس کا انکار کرتا ہے۔ اس کی مثال ایسے ہے جیسے ایک آئینہ کے سامنے بہت آدمی کھڑے ہوں۔ اب ہر آدمی کی صورت اُس میں منعکس ہوتی ہے۔ ایک ناظر اُس آئینہ میں اپنی صورت بھی دیکھتا ہے اور دوسری

غیر لوگوں کی صورتیں بھی دیکھتا ہے لیکن وہ ناظر اپنی صورت کو فوراً شناخت کرتا ہے اور دوسری صورتوں کو شناخت نہیں کرتا۔ اب آئینہ ایک عین واحد ہے اور ناظر کی نظر میں صورتیں کثیر ہیں جو اُس ایک عین واحد میں نظر آرہی ہیں۔ ایسے ہی عالم (مجموعہ کائنات) ایک آئینہ حق ہے اور اُس میں صورتیں کثیر نظر آرہی ہیں لیکن آئینہ میں جو صورتیں نظر آتی ہیں وہ آئینہ کا غیر ہیں اور ممکنات عالم کی جملہ صورتِ حق تعالیٰ کا عین ہیں۔ مراد یہ ہے کہ وہ ذات واحد ہی عالم کی جملہ صورتوں پر متعلق ہے۔ ذیستِ حق اور حقیقت میں اُن جملہ صورتوں سے ایک صورت بھی آئینہ میں موجود نہیں۔ میرات سے مراد ذاتِ حق ہے۔ مراد یہ ہے کہ ہر صفت ذاتی کے مقام میں کسی صورت کا وجود نہیں کیونکہ اُس مرتبہ میں اشیاء بالقوہ مندرج ہیں جیسے بیج میں درخت بالقوہ مندرج ہے۔ آئینہ کا اُن صورتوں میں ایک وجہ سے اثر ہے بھی اور ایک وجہ سے کوئی نہیں۔ یعنی ذاتِ حق نے فیضِ اقدس سے ممکنات عالم کو استعدادات عطا کیں اور مرتبہ احدیت سے اشیاء کا ظہور مرتبہ علم میں ہوا۔ مراد یہ ہے کہ فیضِ اقدس سے ممکنات عالم کو صورتِ علمیہ بطورِ اعیان ثابتہ بمعہ استعدادات حاصل ہوئیں۔ یہ ہے آئینہ کا اثر صورتوں پر یعنی ذاتِ حق کا اثر ممکنات عالم پر۔ صورتِ خارجیہ پر آئینہ یعنی ذاتِ حق کا کوئی اثر نہیں بلکہ صورتِ علمیہ کا ہی صورتِ خارجیہ پر اثر ہے۔ ہر ممکن کا خارجی ظہور اُس کے عین ثابتہ کے مطابق ہے۔ صورتِ علمیہ میں استعدادات تجلی الہی کے مطابق ہیں اور صورتِ خارجیہ میں تجلی الہی استعدادات کے مطابق ہے یعنی ذاتِ حق مقبلی لہٰذا میں اُس کی استعداد کے مطابق متجلی ہے۔

فَالْأَشْيَاءُ الَّتِي فِي الْمَجْمَعِ أَشْيَاءُ ذَاتِ بَحْتٍ فِي بَيُوتٍ هِيَ ذَاتِ حَقِّ أَهْلِ فِيضِ اِقْدَسٍ مِنْ هَرْتِ

کو مختلف شکل کی علمی صورت عطا کرتی ہے۔ کسی شے کو چھوٹی کسی کو بڑی کسی کو لمبی اور کسی کو چوڑی عطا کرتی ہے۔ یعنی آئینہ کا اُن صورتوں کی مقادیر میں اثر ہے اور یہ اثر آئینہ کی طرف راجع ہے۔ مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر کسی کو مختلف قسم کی استعداد عطا کی ہے۔ کسی کی استعداد ناقص ہے کسی کی استعداد کامل ہے۔ کسی کو اپنے علم میں ادنیٰ گروانا ہے کسی کو اعلیٰ گروانا ہے۔ کسی کو مظہرِ جلال ٹھہرایا ہے اور کسی کو مظہرِ جمال ٹھہرایا ہے۔ یہ مرتبہ علم میں ہے لیکن خارج میں جملہ اشیاء کا ظہور اُن کی استعداد کے تحت ہے یعنی تجلی الہی استعداد کے تحت ہے۔ وَانْشَأَ كَانَتْ اَلْاُورَابُ اُس آئینہ کے سبب جو یہ صورتوں میں تغیرات پائے جاتے ہیں یہ مقادیر مرایا کے اختلاف کی وجہ سے ہے۔ مرایا سے مراد استعدادات کے مرایا ہے۔ یعنی اب ہر انسان میں اللہ تعالیٰ اُس انسان کی استعداد کے مطابق متجلی ہے۔ چوں کہ استعدادیں مختلف ہیں اُس لئے ذاتِ الہی کا ظہور ہر انسان میں مختلف ہے۔ کئی عاجز اور حقیر ہیں کئی

صاحب کُن فقیر ہیں۔ نیز سابقہ تمثیل میں جو ہم نے ذات حق کی مثال مراتب واحد کیساتھ دی ہے وہ اس اعتبار سے ہے کہ مرتبہ احدیت میں مجملہ اسماء الہیہ بالقوۃ مندرج ہیں۔ اُس مرتبہ میں ذات الہی ایک ذات بحت ہے جو غنی عن العالمین ہے۔ چونکہ ذات بحت ایک ہستی ساذج ہے اس لئے ذات بحت کی مثال مراتب واحد کے ساتھ دی گئی ہے۔ اور اگر اسماء الہیہ پر نظر رکھی جائے تو اُس وقت ذات الہی مثل مرایا کے ہوگی یعنی ذات الہی باعتبار صرافت ذاتی کے واحد ہو اور صورتوں سے منزہ ہو اور باعتبار ظہور کے مجملہ عالم کی صورتوں پر وہ ذات واحد ہی متجلی ہے۔ مجملہ عالم کی صورتیں اسماء الہیہ کے مظاہر ہیں یعنی اسماء الہیہ کے مرایا ہیں۔ اسماء الہیہ ذات بحت میں بالقوۃ مندرج ہیں۔ اس اعتبار سے ذات الہی مثل مرایا کے ہے۔ پس اے طالب! وہ کو نسا اسم الہی ہے جس میں تو اپنی ذات کو نظر کرے یا جو شخص اُس میں نظر کرے، سوائے اس کے نہیں کہ ناظر میں اُس اسم کی حقیقت ظاہر ہوگی۔ مراد یہ ہے کہ اسماء الہیہ اور صورت عالم ایک دوسرے کے مرایا ہیں۔ اگر اسماء الہیہ کو مرایا سمجھو تو صورت عالم اسماء الہیہ کے مرایا میں نظر آتی ہیں اور اگر صورت عالم کو مرایا سمجھو تو اسماء الہیہ کی حقیقت صورت عالم کے مرایا میں جلوہ گر ہے۔ مراد یہ ہے کہ ذات بحت ہی تنزل فرما کر ممکنات عالم کی صورتوں پر جلوہ نما ہے۔ پس اے طالب! اگر تو اس راز کو سمجھے تو شان الہی ایسے ہی ہے یعنی صرافت ذاتی کے اعتبار سے وہ ذات واحد ہے اور صورتوں سے منزہ ہے لیکن ظہور تجلیات کے اعتبار سے وہ ذات کثیر ہے اور صورت عالم کی صورتوں پر جلوہ نما ہے۔

پس اے طالب! نہ زاری کر اور نہ ڈر۔ طالب مولا اپنے محبوب لم یزلی کے وصال کی خاطر روتا ہے۔ اس گریہ وزاری سے اُس کا دل صاف ہو جاتا ہے۔ جب دل صاف ہو جاتا ہے تو چہرہ مقصود دل کے آئینہ میں نظر آ جاتا ہے۔ لیکن جب تک وہ زاری کی حالت میں ہوتا ہے وصال الہی کے قابل نہیں ہوتا جیسا کہ جب پانی ہلتا ہو تو اُس میں انسان کا چہرہ نظر نہیں آتا یا آئینہ ہلتا ہو تو اُس میں بھی چہرہ نظر نہیں آتا۔ جب شیخ کابل طالب مولا پر مہربان ہوتا ہے تو اُس کی زاری کی حالت بند کر دیتا ہے کیونکہ وصال الہی کیلئے تسکین قلب لازمی ہے۔ نیز طالب مولا ابتداء میں خوف کرتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے کیسے واصل ہوگا۔ آہستہ آہستہ اُس کا یہ خوف بھی زائل ہو جاتا ہے جیسا ارشاد باری تعالیٰ ہے (الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُمْ بِشِرْكَ مِمَّا كَانُوا يَعْبُدُونَ)۔ آگے ارشاد ہوا کہ مرد شجاع بن اور اپنے نفس کو قتل کر یعنی اپنی دہمی ہستی کو مٹا یعنی یہ ہو تو نے اللہ تعالیٰ کے سوا اپنا ایک علیحدہ ذاتی مستقل وجود تصور

کر رکھا ہے، یہ تیرا ایک وہم ہے۔ اس وہم غیریت کو مٹا۔ رَبِّ تَعَالٰی فرماتا ہے (ذَرِنَا أَنْفُسَكُمْ أَفَلَا تُبْصِرُونَ)۔ اے لوگو! میں تمہارے نفسوں میں یعنی ذاتوں میں بستا ہوں۔ اس قالب انسانی میں ایک ہی ممکن ہے اور وہ رَبِّ تَعَالٰی ہے۔ اس قالب انسانی میں ممکن حضرت رُوح ہے۔ یہی انسان کی رُوح اللہ تعالیٰ کی رُوح ہے۔ مراد یہ ہے کہ اے لوگو! تمہاری صورتوں پر میں متبجلی ہوں۔ یہ وہم غیریت ہی درمیان میں حجاب ہے، اسی لئے ارشاد ہوا کہ اس وہم غیریت کو مٹا دے۔ یہی وہم غیریت یعنی اپنی وہمی ہستی سانپ ہے، اس کو قتل کر دے کیونکہ رَأَتْ اُمَّةٌ يُّحِبُّ الشُّجَاعَةَ وَ لَوْ عَلَى قَتْلِ حَيَّةٍ (الحديث)۔ انسان کو بچپن سے ایک غلط خیال دل پر بیٹھ گیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے جدا ہے اور اللہ تعالیٰ کا غیر ہے۔ اب اس خیال کی نفی خیال ہی سے کرنی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے جدا نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا عین ہے۔ یہ وجود اس کا نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا ہے۔ یہ ہستی اس کی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی ہے۔ اب اس نے قتل کوئی چیز نہیں کی۔ ایک غلط خیال کی تصحیح کی ہے لہذا فقیری و درویشی تصحیح خیال ہے۔ اور کچھ نہیں۔ نیز وہ خودی جس کو اس نے سانپ سمجھ رکھا تھا حقیقت میں وہ اللہ تعالیٰ کی خودی ثابت ہوئی لہذا وہ خودی از رُوتے صورت اور از رُوتے معنی اپنے نفس اور حقیقت کے ساتھ زندہ ہے۔ مراد یہ ہے کہ انسان کی خودی اللہ تعالیٰ کی خودی ہے۔ انسان کی حقیقت اللہ کی حقیقت ہے۔ مراد یہ ہے کہ اللہ انسان کی صورت پر جلوہ نما ہے۔ دَاشْتِیُّ اور کوئی شے اپنی ذات سے قتل نہیں کی جاتی ہے اگرچہ جس ظاہر میں اُس کی صورت مٹ جاتی ہے کیونکہ حُدُّ اُس کو ضبط رکھتی ہے اور خیال اُس کو زائل نہیں کرتا ہے۔ ہر شے کی حُد یعنی حقیقت اللہ تعالیٰ ہے اس لئے کسی شے کی حقیقت فنا نہیں ہو سکتی۔ ہر شے کے دو وجود ہیں، ایک علمی وجود دوسرا خارجی وجود۔ اُس کا خارجی وجود مٹ سکتا ہے لیکن علمی وجود قدیم ہے وہ نہیں مٹ سکتا۔ اس طرح اُس کی جسدی صورت مٹ جاتی ہے لیکن خیالی یعنی مثالی صورت قائم رہتی ہے۔ پس جب ایک شے قتل کی جاتی ہے تو اُس کا ظاہری وجود اس عالم شہادت سے مٹ جاتا ہے لیکن اُس کا وجود دیگر عوالم میں بدستور قائم ہے یعنی اُس کا وجود عالم احدیت میں، عالم وحدت میں، عالم واحدیت میں، عالم اُرداح میں اور عالم مثال میں قائم رہتا ہے۔ اور جب اشیاء کے قتل کی حقیقت یہ ہے کہ اُن کی حقیقت فنا نہیں ہوتی تو یہ امر اشیاء کی ذوات کیلئے امان ہے اور ایک عزت ہے اور اُن کی ہلاکت کو منع کرتا ہے کیونکہ تو اُن کے حقائق کے مٹانے پر قادر نہیں ہے۔ اور

اس عزت سے کوئی بزرگ تر عزت ہے۔ یعنی اُسے طالب! جب تو اپنی دہی ہستی مٹا دے گا اور ذات حق میں فانی ہو جائیگا تو ذات حق کیساتھ باقی ہو جائیگا یعنی روح القدس تیرے جسم کی صورت اختیار کر لے گا۔ جب اللہ تعالیٰ درویش کے دل پر تجلی کرتا ہے تو اُس کا وجود مواد سے فارغ ہو جاتا ہے اور وہ روحانی و ربانی ہو جاتا ہے۔ تو اپنے وہم کے ساتھ خیال کرتا ہے کہ تو نے اپنے آپ کو قتل کر دیا ہے لیکن حقیقت میں عقل منور اور عشق کی رو سے تیری صورت ہمیشہ کیلئے موجود ہے۔ مراد یہ ہے کہ جب تو ذات حق میں فنا ہو جائیگا تو تو ذات حق کیساتھ باقی ہو جائیگا۔ تجھ میں صفات کا ملہ، آلہ کا ظہور ہوگا۔ تیرا بشری وجود گداز ہو جائیگا لیکن تجھے اُس کے عوض وجود مہربان الہی نصیب ہو جائیگا اور اس حقیقت پر اللہ تعالیٰ کا قول ذیل دلیل ہے (وَمَا ذَمِّتْ إِذْ ذَمِّتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ دَمَى) اُسے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ نے کنکریاں نہیں پھینکیں جب کہ آپ نے پھینکیں بلکہ اللہ نے پھینکیں۔ اور آنکھ نے صورت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا جس کی طرف جس میں رمی کو ثابت کیا۔ پہلے اللہ نے اس صورت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم سے رمی کے فعل کی نفی فرمائی۔ پھر وسط میں اس فعل کو صورت محمدیہ کیلئے ثابت کیا۔ پھر (لَكِنَّ) حرف استدراک کیساتھ غود کیا اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ہی صورت محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں رومی تھا اور اس پر ایمان لانا ضروری ہے۔ پس اس مؤثر کو دیکھو کہ حقتعالیٰ نے صورت محمدیہ میں نزول کیا یعنی اس مؤثر اور مؤثر فیہ کی مثال میں غور کرو کہ حقتعالیٰ نے صورت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں کیسے نزول فرمایا ہے۔ اور خود حقتعالیٰ نے اپنے بندوں کو اس سے خبر دی ہے۔ ہم میں سے کسی نے اس کو نہیں کہا ہے بلکہ خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ اور اُس کی خبر پہنچی ہے اور اُس پر ایمان لانا واجب ہے خواہ تم اُس کے کہنے کے راز کو سمجھو یا نہ سمجھو۔ آیہ مذکورہ میں بھی مؤثر یعنی حق تعالیٰ کا اثر مؤثر فیہ یعنی عبد میں ثابت کیا گیا ہے۔ آیہ کریمہ سے صاف ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت پاک پر جلوہ نما ہے۔ اس حقیقت پر ایمان لانا سب پر واجب ہے خواہ کوئی عالم ہے خواہ کوئی مسلم مومن ہے۔ مراد یہ ہے کہ عارف کامل کو تو عین الیقین بلکہ حق الیقین کا مرتبہ حاصل ہے اور وہ اس حقیقت کا واقف ہے لیکن مسلم اور مومن وہ شخص ہے جو اس حقیقت پر ایمان غیبی رکھے یعنی اُسکو کم از کم علم الیقین تو حاصل ہو۔

وَمَا ذَمِّتْ إِذْ ذَمِّتْ جانتا چاہیے کہ ارباب عقل و اصحاب فکر یعنی حکماء اور متکلمین کہتے ہیں کہ واجب تعالیٰ ممکن

کی علت موجدہ ہے اور ممکن واجب تعالیٰ کا معلول ہے، اسلئے واجب تعالیٰ ممکن کا غیر ہے کیونکہ ہر شے کی علت موجدہ اُس شے کی غیر ہوتی ہے۔ لیکن عند العارفین واجب تعالیٰ ممکن کی علت موجدہ اس طور پر نہیں ہے کہ ممکن اُس کا غیر ہو اور وہ ممکن کا غیر ہو۔ اُن کے نزدیک وجوب اور امکان وجود واحد کے دو کمال و دو شان ہیں یعنی ذات و اطلاق کی وجہ سے حق سبحانہ میں وجوب پایا جاتا ہے اور تعین و تفتید کی وجہ سے اُس میں امکان پایا جاتا ہے پس وہ ذات جامع الاضداد بلکہ عین الاضداد ہے۔ ارباب عقل کے نزدیک حق عالم کی علت موجدہ ہے اور عالم معلول لہذا علت معلول کی غیر ہے۔ ارباب عقل سے مراد عقل جزوی کے صاحب ہیں یعنی جن کی عقل جزوی کا دہانہ عقل کل سے نہیں ملا۔ مراد وہ ظاہری علماء ہیں جن کا عارفین باللہ سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ عبارت تمہید ہے۔ اصل کلام یہ ہے دہمتا اے طالب! جزوی عقل باعتبار اپنے فکر کے ضعیف ہے اور جس چیز پر وہ دلالت کرتی ہے وہ ضعیف نظر کے باعث ہے اور یہی وجہ ہے کہ وہ علت موجدہ پر اسبات کا حکم کرتی ہے کہ تحقیق علت معلول نہیں ہوتی ہے کیونکہ وہ علت اُس شے معلول کی علت موجدہ ہے۔ اور یہ عقل ضعیف کا حکم ہے۔ اس میں کوئی پوشیدگی نہیں۔ یعنی وہ علماء کرام جن کو عقل کل سے بہرہ نصیب نہیں کہتے ہیں کہ حقتعالیٰ عالم کی علت موجدہ ہے لہذا حقتعالیٰ عالم کا عین نہیں ہو سکتا۔ لیکن علم تہیکی میں سوائے اس کے اور کوئی بات نہیں کہ علت موجدہ تحقیق عین معلول ہے یعنی جس شے کی وہ علت ہے۔ یعنی عند العارفین حق تعالیٰ علت موجدہ ہے اور عالم معلول ہے اور علت عین معلول ہے یعنی حقتعالیٰ عین عالم ہے۔ علمائے اولہ کے دلوں پر دہم غیریت کا حجاب ہے، اسلئے وہ عالم کو غیر حق دیکھتے ہیں۔ علمائے باللہ کے دلوں پر سے دہم غیریت کا حجاب اٹھا دیا جاتا ہے، اسلئے وہ کشف سے اس حقیقت کا مشاہدہ کر لیتے ہیں کہ حقتعالیٰ ہر انت ذاتی کے مقام سے تنزل فرما کر عالم کی صورت پر جلوہ نما ہے۔ اور جو کچھ عقل جزوی نے حکم کیا ہے کہ معلول علت کا غیر ہے یعنی عالم غیر حقتعالیٰ ہے، وہ اس اعتبار سے صحیح ہے کہ نظر عقل جزوی کشف و مشاہدہ سے بے بہرہ ہے۔ یعنی جزوی عقل کا یہ ہی مقام ہے لیکن جب کسی کو عشق الہی نصیب ہو جاتا ہے تو اُس کی جزوی عقل زائل ہو جاتی ہے اور اُس کو عقل کل نصیب ہو جاتی ہے۔ پھر وہ ہی شخص اس حقیقت کو جب ذوق و وجدان سے مشاہدہ کرتا ہے تو اُس چیز کے خلاف پاتا ہے جو اُس کو دلیل نظری نے عطا کی تھی اور پھر وہ اس حقیقت کے متعلق کہتا ہے کہ وہی ذات واحد

اس کثیر میں جلوہ نما ہے۔ یعنی کثرتِ عالم میں وحدتِ جلوہ نما ہے پس وہ علتِ موجدہ کو عین معلول دیکھتا ہے۔ فَمِنْ حَيْثُ اتَّاهُ اور اس اعتبار سے کہ وہ ذاتِ ان صورت کثیرہ میں سے کسی ایک صورت معلولہ کی علتِ موجدہ ہے وہ ذاتِ علتِ موجدہ ہونے کی حالت میں اپنے معلول کی معلول نہ ہوگی یعنی اگرچہ علتِ عین معلول ہے لیکن معلول یعنی عالم اپنے وجود کیلئے حقتعالیٰ کا محتاج ہے اور وجود حقیقی بنفسہ واجب بالذات ہے اور وہ کسی علتِ موجدہ کا محتاج نہیں۔ مراد یہ ہے کہ وجود کی خاطر عالم حق تعالیٰ کا محتاج ہے، حقتعالیٰ عالم کا محتاج نہیں۔ مگر اُس ذاتِ واحد پر معلول ہونے کا حکم اُس علتِ موجدہ یعنی ذاتِ واحد کے صورت کثیرہ میں منتقل ہونے کی اعتبار سے منتقل ہوگا۔ یعنی وہ ذاتِ واحد اپنے معلول کے واسطے معلول ہوگی پس اس اعتبار سے اُسی علتِ موجدہ کا معلول اُس علتِ موجدہ کیلئے علت ہوگا۔ مراد یہ ہے کہ ظہور کی خاطر وہ ذاتِ واحد بھی صورتِ عالم کی محتاج ہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ وجود کی خاطر عالم حقتعالیٰ کا محتاج ہے اور ظہور کی خاطر حقتعالیٰ عالم کا محتاج ہے لیکن یہ محتاجی ایسی نہیں کہ عالم غیر حق ہو یا حق غیر عالم یعنی ممکن غیر واجب نہیں اور واجب غیر ممکن نہیں کیونکہ ممکن کا محتاج ہونا علت واجب تعالیٰ کے مثل محتاج ہونے حجاب کے طرف دریا کے ہے پس حجاب عین آب اور آب عین حجاب ہے۔ سیاہی حروف کی علتِ موجدہ ہے اور حروف سیاہی کے معلول ہیں۔ اب وجود کی خاطر معلول علتِ موجدہ کا محتاج ہے لیکن بغیر حروف کے سیاہی کا ظہور ناممکن ہے اسلئے ظہور کی خاطر سیاہی حروف کی محتاج ہے یعنی وہی معلول اس اعتبار سے علت ہے اور علتِ موجدہ معلول ہے۔ باہمہ سیاہی حروف کا عین ہے اور حروف سیاہی کا عین ہیں۔ هَذَا غَايَةُ اتِّوَايَةِ عَقْلِ كُلِّ كَيْفِيَّةٍ غَايَةُ هِيَ جَوْقَتِ وَه اس حقیقت کا مشاہدہ عینی حاصل کرے اور اپنی نظر فکری پر نہ ٹھہرے۔ مراد یہ ہے کہ جب جزوی عقل عقلِ کل کے مرتبہ پر پہنچتی ہے اور نظر فکری سے گذر کر مقامِ مشاہدہ پر فائز ہوتی ہے تو مندرجہ بالا حقائق اُس پر منکشف ہو جاتے ہیں۔ اور جب شانِ الہی علیت کے متعلق اس طور پر ہے تو اوی طالبِ نظر عقلی کی وسعت کیساتھ اس تنگ مقامِ علیت کے سوا دوسرے مقام میں تیرا کیا گمان ہے یعنی جب عقل جزوی سے ترقی کر کے سالک عقلِ کل سے بہرہ ور ہو جاتا ہے تو اُن مقامات کو جائز رکھتے ہیں جن کو عقلِ جزوی کے ساتھ ناجائز قرار دیتا تھا۔ عقلِ جزوی کیساتھ علتِ موجدہ یعنی ذاتِ حق کو معلول یعنی عالم سے جدا سمجھتا ہے اور علت کو غیر معلول قرار دیتا ہے اور جب عیشِ الہی کی بدولت نظر

عقلی میں وسعت یعنی عقل کل حاصل ہوتی ہے تو علت کو عین معلول یعنی ذات حق کو عین عالم جانتا ہو۔ اسی طرح اس سے بلند مقامات کو بھی وہ تسلیم کرتا ہے یعنی حضرت انسان کو اللہ تعالیٰ کا خلیفہ اور مظہر جانتا ہے۔ نیز سرکارِ دو عالم جناب محمد پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کیلئے مراتبِ تامہ مانتا ہے۔

فَلَا آعْقَلَ إِلَهُمُ نِزْرُسلُوات اللہ علیہم سے کوئی زیادہ عاقل نہیں ہے اور تحقیق جو کچھ وہ لائے ہیں وہ وہی اخبار ہیں جو اُن کو جناب الہی سے حاصل ہوئی ہیں۔ اُنہوں نے اُس چیز کو بھی ثابت کیا جو ارباب عقل ثابت کرتے ہیں اور اُس پر کچھ زیادہ بھی کیا جس کے ادراک میں اہل عقل مستعمل نہیں ہیں بلکہ اہل عقل اُس چیز کو تمامی وجوہ سے محال جانتے ہیں۔ ارباب عقل کہتے ہیں واجب تعالیٰ قدیم ہے بنفسہ موجود ہے، کسی علتِ موجودہ کا محتاج نہیں اور ممکن یعنی عالم حادث ہے اور وجود کیلئے واجب تعالیٰ کا محتاج ہے۔ اہل بُرہان یعنی رُسل علیہم السلام اس امر میں تو اہل عقل کیساتھ متفق ہیں لیکن اُنہوں نے ایک چیز زائد بیان کی کہ ممکن یعنی عالم واجب یعنی حق تعالیٰ کا غیر نہیں ہے۔ لیکن اہل عقل ممکن کو واجب تعالیٰ کا جمیع وجوہ غیر جانتے ہیں۔ البتہ اہل عقل میں سے جس کسی کو تجلی الہی نصیب ہو جاتی ہے وہ اس حقیقت کا اقرار کرتا ہے کہ عالم عین حق ہے اور جب وہ تجلی الہی سے فارغ ہوتا ہے یعنی حالتِ سُکر سے حالتِ صحو میں لوٹا یا جاتا ہے تو وہ اُس مشہودہ حقیقت میں حیران رہ جاتا ہے۔ جب آفتابِ توحید عارف کے دل کے آسمان پر طلوع کرتا ہے تو کثرت کے ستارے سب مٹ جاتے ہیں اور عارف اس حقیقت کو پا لیتا ہے کہ وہی ذات واحد ان کثیر صور پر جلوہ نما ہے۔ فَإِنْ كَانَ إِلَهُ أَبَ جَو کوئی عبدِ رب ہے وہ عقل کو رب تعالیٰ کی طرف پھیر دیتا ہے یعنی عاشقِ مولا جب اس حقیقت کو سُنتا ہے تو وہ اس حقیقت کو تسلیم کر لیتا ہے اور رب تعالیٰ کے فرمان پر عقل کو قربان کر دیتا ہے اور جو شخص عبدِ نظر ہے یعنی اپنی جُزوی عقل پر بھروسہ کرتا ہے تو وہ اس حقیقت کو حکم عقل کی طرف پھیر دیتا ہے۔ مراد یہ ہے کہ اہل عقل اُن آیات و اخبار کی جن میں حق تعالیٰ کی عالم کے ساتھ عینیت ثابت ہے، تحویلیں کر لیتا ہے اور عاشقِ مولا اُن کو من و عن تسلیم کر لیتا ہے۔ اہل عقل اس حقیقت کا اسلئے انکار کرتا ہے کہ وہ نَشَأَتْ دُنوی میں نَشَأَتْ اُخروی فی الدُنیا سے مجبُوب ہے اور عارفین باللہ اس حقیقت کا اسلئے اقرار کرتے ہیں کہ بظاہر تو وہ دُنیا میں ہیں کیونکہ دُنیا کے بعض احکام اُن پر جاری ہوتے ہیں، لیکن اُن کے بواطن کو اللہ تعالیٰ نے نَشَأَتْ اُخروی میں پھیر دیا ہے کَمَا قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ لِلَّهِ تَعَالَى عِبَادًا أَبَدَانًا

فِي الدُّنْيَا وَ قُلُوبُهُمْ تَحْتَ الْعَذْرَاءِ - مراد یہ ہے کہ ارباب عقل کے دلوں پر وہم غیریت کے حجاب ہیں اور عشاق الہی کے دلوں سے وہم غیریت کے حجاب اٹھا دیئے جاتے ہیں۔ عارفین باللہ کیلئے دنیا و آخرت یکساں ہو جاتی ہے۔ اُن کے ابدان دنیا میں ہیں اور قلوب آخرت میں اور یہی وجہ ہے کہ وہ ظاہری صورت سے پہچانے نہیں جاسکتے اَلْبَتَّہُ وہ شخص پہچانتا ہے جس کی چشم بصیرت کھول دی گئی ہے کَمَا وَ مَرَدَ فِي حَدِيثِ الْقُدْسِيِّ اَذِيَّائِي تَحْتَ تَبَائِي لَا يَغْرِ فُلُوحُ غَيْرِي - عارف باللہ باعتبار تجلی الہی کے دنیا میں ہی نشأت اخروی میں ہوتا ہے۔ بلا شک دنیا میں ہی اُس کا حشر ہو جاتا ہے اور دنیا ہی میں اپنے بدن کی قبر سے اُس کا نشر واقع ہو جاتا ہے۔ دنیا میں دیدار الہی سر کی آنکھوں سے ناممکن ہے اَلْبَتَّہُ دل کی آنکھوں سے جائز ہے۔ اللہ تعالیٰ جب عارف کے دل پر تجلی کرتا ہے تو جملہ حجب جل جاتے ہیں اور عارف اپنے دل کی آنکھ سے اللہ تعالیٰ کا مشاہدہ کرتا ہے۔ اُس وقت اُس کا وجود مواد سے فارغ ہو جاتا ہے اور وہ روحانی و ربانی ہو جاتا ہے۔ چونکہ روز محشر عام لوگوں کو دیدار الہی نصیب ہوگا اور عارف دنیا میں ہی دیدار الہی سے مشرف ہو جاتا ہے، اسلئے اُس کے لئے گویا دنیا میں ہی قیامت قائم ہو گئی۔ پس وہ ترقی کر کے عالم شہادت میں آ جاتا ہے اور وہ اُس چیز کو دیکھتا ہے جس کو دوسرے نہیں دیکھتے اور اُس چیز کا مشاہدہ کرتا ہے جس کا دوسرے نہیں مشاہدہ کرتے۔ ایک جگہ دیکھنا آیا ہے اور ایک جگہ مشاہدہ آیا ہے کیونکہ ایک جگہ ہے فَهُوَ يَرَى اور دوسری جگہ ہے وَيَشْهَدُ - اس میں حکمت یہ ہے کہ دل کی دو آنکھیں ہیں ایک ہے عَيْنُ الصُّغْرَى اور دوسری ہے عَيْنُ الْكُبْرَى - عَيْنُ الصُّغْرَى سے عارف اشیاء کو دیکھتا ہے اور عَيْنُ الْكُبْرَى سے عارف اللہ تعالیٰ کی ذات کا مشاہدہ کرتا ہے۔ دارِ دنیا میں یہ دولت عرفان اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے بعض بندوں پر محض عنایت ہے۔

اب جو کوئی اس حکمت الیاسیہ اور یسہ پر مطلع ہونا چاہے اور جس حکمت کے صاحب کو اللہ تعالیٰ نے دوبارہ پیدا کیا یعنی ایک دفعہ پیدا کر کے نبی بنا کر قبل نوح کے بھیجا۔ پھر اُس کو آسمان کی طرف اٹھالیا کیونکہ وہ ترقی کر کے عقل مجرد ہو گئے تھے اور مثل ملائکہ کے ہو گئے تھے۔ پھر دوبارہ پیدا کیا یعنی پھر کئی عرصہ کے بعد دوبارہ صفات بشریت عطا کیں اور الیاس نام رکھ کر بحیثیت رسول نازل کیا۔ پس اللہ تعالیٰ نے اُس کیلئے دو منزلیں جمع کیں یعنی آپ دو مراتب نبوت و رسالت کے جامع تھے۔ نیز اس سے یہ مراد ہے کہ آپ نے سیر و جی بھی کی اور سیر نزدلی بھی کی۔ پس اب جو اس حکمت پر مطلع ہونا چاہے اُسکو

چاہیے کہ وہ سیر عروجی و سیر نزولی کا ماہر ہو۔ اس فص میں کشف کوئی اور کشف الہی دونوں کا ذکر ہے
اسلئے اُس کو چاہیے کہ وہ ان دونوں کشفوں میں ماہر ہو۔ پہلے سیر عروجی کرے یعنی عالم خلق سے عالم امر
میں پہنچے اور پھر عالم امر سے ترقی کر کے عالم ذات میں پہنچے۔ عالم خلق سے عالم امر تک کشف کوئی ہے اور
عالم امر سے عالم ذات تک کشف الہی ہے۔ پس پہلے عالم خلق سے ترقی کر کے عالم امر تک پہنچے تاکہ کشف
کوئی حاصل ہو اور اس کیلئے یہ امر ضروری ہے کہ وہ شخص اپنی عقل کے حکم سے اپنی حیوانیت کی طرف اتر
آوے یعنی مطلق حیوان ہو جادے حتیٰ کہ وہ اُس چیز کو دیکھے جس کو ہر حیوان سوائے جنوں اور انسانوں کے
دیکھتا ہے۔ پس اُس وقت وہ اس بات کو جانے لگا کہ واقعی وہ اپنی حیوانیت کیساتھ متحقق ہو گیا ہے۔ مراد
یہ ہے کہ سالک کو چاہیے کہ اپنے نفس کیساتھ مجاہدہ کرے۔ اپنی جزوی عقل کی مخالفت کرے اور نفس کی تمام
لذتیں ترک کر کے مثل حیوانوں کے ہو جائے۔ اُس وقت حجاب اٹھا دیا جائے گا اور اُس کو کشف کوئی نصیب
ہو جائیگی۔ ہمارے شہر گجرات میں ایک بزرگ بابا کرم الہی صاحب علیہ الرحمۃ تھے۔ اس مسکین کاتب الحروف نے
بچپن میں آپ کو کئی مرتبہ دیکھا کہ روٹی پکاتے وقت آپ آٹے میں راکھ ملا لیتے تھے اور پھر وہ روٹی کھاتے
تھے۔ ساری رات جاگتے تھے۔ گاہے بگاہے اپنے آپ کو ایک پانی کے نالہ میں کافی عرصہ کھڑا رکھتے۔
غرضیکہ آپ نے بڑا سخت مجاہدہ کیا ہے۔ یہ ہی وجہ ہے کہ آپ کشف و کرامات کے سمندر تھے۔ پس حیوانیت
کیلئے لازمی ہے کہ وہ سالک نفس کی تمام لذتیں ترک کر دے اور نیز مثل حیوانوں کے گونگا بن جائے یعنی
زبان پر مہر سکوت لگائے۔ سوائے جنوں اور انسانوں کے سب حیوانوں کو کشف نصیب ہے اسی لئے
رب تعالیٰ نے اُن کی زبانوں پر مہر سکوت لگا دی ہے۔ وَ عَلَیْہِمْ سَکُوتٌ اَلْمَ اور جب سالک حیوانیت کے
ساتھ متحقق ہو جاتا ہے تو اُس کی حیوانیت کی تحقق کی علامت پر دو علامتیں ہیں۔ اُن میں سے ایک
علامت یہ ہے کہ اُس کو یہ کشف نصیب ہو جاتی ہے کہ وہ دیکھتا ہے کہ قبر میں کس کو عذاب ہو رہا ہے اور کس کو
انعام دیا جا رہا ہے۔ اور وہ میت کو زندہ دیکھتا ہے صامت کو متکلم دیکھتا ہے اور قاعد کو چلنے والا دیکھتا ہے۔ عارف میت کو زندہ
دیکھتا ہے کیونکہ موت کے وقت رُوح کی بدن سے مفارقت نہیں ہوتی بلکہ رُوح سر میں ہی قبض کر دی
جاتی ہے۔ رُوح کی بدن سے مفارقت قبر میں منکر نکیر کے سوالات کے بعد واقع ہوتی ہے اور اس چیز کا
عارف مشاہدہ کرتا ہے۔ مفارقت کے بعد بھی قبر میں رُوح کا جسد کے ساتھ تعلق رہتا ہے اور وہ جسد عوام کا
مثالی ہوتا ہے اور انبیاء و اولیاء و صالحین کا وہی اصلی دنیوی جسد ہوتا ہے کیوں کہ اُن کے اجساد کو مٹی نہیں

کھاتی کما کر فی الحدیث ان اللہ حَرَّمَ عَلَى الْأَمْوَانِ أَنْ تَأْكُلَ أَجْسَادَ الْأَنْبِيَاءِ فَنَبِيُّ اللَّهِ حَتَّى يُدْرَأَ
 عارف صامت کو مُشکلم دیکھتا ہے۔ ہر شے کی حقیقت مثالی صورت میں عارف کیساتھ کلام کرتی ہے اور یہ بے
 حرف و صوت کلام ہوتی ہے۔ عارف بیٹھنے والے کو چلنے والا دیکھتا ہے یعنی عارف جس قاعد کی طرف متوجہ
 ہوتا ہے اُس کی حقیقت مثالی صورت میں اُس کے پاس چل کر آ جاتی ہے۔ اور دوسری علامت اُس کا اس
 طرح پر گونگا ہونا ہے کہ اگر وہ ارادہ کرے کہ وہ اُس چیز کے متعلق کلام کرے جو اُس نے دیکھی تو وہ اُس پر
 قادر نہیں ہوتا ہے۔ پس اُس وقت وہ اپنی حیوانیت کے ساتھ متحقق ہوگا۔ ہمارا ایک مُرید تھا۔ اُس کو یہ
 کشف واقعی حاصل تھی لیکن وہ اپنے گونگاپن پر محافظ نہیں تھا پس وہ اپنی حیوانیت کیساتھ متحقق نہ ہوا۔
 اور جب اللہ تعالیٰ نے مجھ کو اس مقام میں قیام بخشا تو میں اپنی حیوانیت کیساتھ کامل طور پر متحقق ہوا چنانچہ جب میں کسی چیز
 کو مشاہدہ کرتا تھا کہ اُسکو بیان کروں تو ہرگز طاقت نہ رکھتا تھا کہ اُسکو بیان کروں۔ پس میں اس طرح ہو گیا کہ اپنے
 اور اُن گونگوں کے درمیان جو کلام نہیں کرتے فرق نہ کر سکتا تھا۔ فَيَاذَاتُحَقِّقُ اِنْوِیْہَاں تک کشف کوئی کا ذکر
 تھا۔ جب عارف کے دل سے حجاب اُٹھ جاتا ہے تو اُس کو کشف کوئی نصیب ہو جاتی ہے اور عرفان الہی
 بھی نصیب ہو جاتا ہے۔ لیکن اُس کو فنا سے تمام کا مرتبہ حاصل نہیں ہوتا۔ اب آگے عالمِ امر سے عالمِ ذات تک
 سیر ہے۔ عالمِ خلق سے ترقی کر کے عالمِ مثال اور عالمِ ارواح کی سیر کشف کوئی ہے۔ عالمِ ارواح سے آگے عالمِ
 واحدیت، عالمِ وحدت اور عالمِ احدیت حقیقی مراتب ہیں اور ان کی سیر کشف الہی ہے۔ پس جب وقت طالب
 اُس چیز کیساتھ متحقق ہو جاتے جس کا ہم نے ذکر کیا ہے یعنی حیوانیت کیساتھ متحقق ہو جاتے تو اُسکو چاہیے
 کہ وہ اُن مراتب کی طرف عروج کرے جہاں وہ عقل مجرّد ہو جائیگا اور اُس کا جسم مواد سے فارغ ہو جائیگا
 اور وہ طبعی ہو جائیگا یعنی روحانی و ربّانی ہو جائیگا۔ جب درویش پر حالت فنا یہ طاری ہوتی ہے تو اُسکا
 وجود مواد سے فارغ ہو جاتا ہے حیوانی روح گداز ہو جاتا ہے اور روح القدس اُس کے جسم کی صورت اختیار
 کر لیتا ہے۔ اُس کا بشری وجود گداز ہو جاتا ہے اور اُس کو وجود مہبوب الہی نصیب ہو جاتا ہے۔ اُس وقت
 اُس کے وجود میں صفات کاملہ الہیہ کا ظہور ہوتا ہے۔ فَيَشْفِدُ اِنْوِیْہَاں پس اُس وقت وہ سالک ایسے امور
 دیکھتا ہے جو اُن چیزوں کیلئے اُصول ہیں جو صورت طبعی و عنصری میں ظاہر ہوتی ہیں۔ سالک عالمِ ارواح
 سے ترقی کر کے مقامِ واحدیت میں پہنچتا ہے۔ مقامِ واحدیت میں ممکناتِ عالم کے اعیان ثابۃ علمی صورت
 میں تفصیلاً ظاہر ہیں۔ مقامِ واحدیت سے ترقی کر کے مقامِ وحدت میں پہنچتا ہے۔ مقامِ وحدت میں ممکناتِ

عالم کے اعیان ثابتہ علمی صورت میں اجمالاً ظاہر ہیں۔ مقام وحدت سے ترقی کر کے مقام احدیت میں پہنچتا ہے۔ یہ مقام لاہوت ہے۔ اس میں اسماء و صفات کا کوئی ظہور نہیں بلکہ اسماء و صفات الہیہ یعنی ممکنات عالم بالقوۃ مندرج ہیں جیسے درخت بیج میں بالقوۃ مندرج ہوتا ہے۔ پس مراتب حقیقی میں سائر ممکنات کے اعیان ثابتہ کا مشاہدہ کرتا ہے اور یہی اعیان ثابتہ اُن اشیاء کی اصل ہیں جو صورت طبیعی و عنصری میں ظاہر ہیں۔ یعنی صور عقلیہ عالم ارواح میں و صور مثالیہ عالم مثال میں اور صور حسیہ عنصریہ عالم خلق میں ان اعیان ثابتہ کے احکام اور آثار پر ظاہر ہوتی ہیں۔ پس وہ علم ذوق سے جان لیتا ہے کہ اُس کی صورت طبیعی میں یعنی رُوحانی صورت میں یہ حکم کس جگہ سے ظاہر ہوا ہے۔ اور اگر اُس پر یہ کشف ہو جاتا ہے کہ تحقیق طبیعت عین نفسِ رحمن ہے یعنی اُس کی ذات عین اللہ تعالیٰ کی ذات ہے تو تحقیق اُسے خیر کثیر دیا گیا۔ مراد یہ ہے کہ جب سائر مراتب الہیہ کی سیر کرتا ہے تو اُس کا عرفان کامل ہو جاتا ہے اور اُسے حق الیقین کا مرتبہ حاصل ہو جاتا ہے۔ کشف کوئی سے عین الیقین کا مرتبہ حاصل ہوتا ہے اور علم الیقین کا مرتبہ تو مومن کو بغیر دیکھنے ہی کے نصیب ہوتا ہے۔ سیر عروجی کے بعد سائر نزول کرتا ہے اور وہ کمالات حقیقی و خلقی کا جامع ہو جاتا ہے۔ حضرت ادریس علیہ السلام نے پہلے سیر عروجی کی اور بعد میں الیاس بن کر نزول فرمایا لہذا وہ بھی کمالات حقیقی و خلقی کے جامع تھے۔ ان دونوں سیروں کی تکمیل کے بعد عارف کمال کو پہنچ جاتا ہے اور وہ بطریق شہود جان لیتا ہے کہ ذات حق مرتبہ احدیت سے تنزل فرما کر مرتبہ وحدت میں اجمالاً علمی صورت پر، مرتبہ وحدت سے مرتبہ واحدیت میں تنزل فرما کر تفصیلاً علمی صورت پر، مرتبہ واحدیت سے عالم ارواح میں تنزل فرما کر عقلی صورت پر، عالم ارواح سے عالم مثال میں تنزل فرما کر مثالی صورت پر اور عالم مثال سے تنزل فرما کر اجسام میں عنصری صورت پر ظاہر ہوتی ہے اور نیز وہ اس بات کو بھی جان لیتا ہے کہ انسان کامل جمیع مراتب خلقی و حقیقی کا جامع ہے۔ ذرا ان مختصرات پر اور اگر وہ سائر اُس مقام حیوانیت جس کا ہم نے ذکر کیا ہے، کیساتھ مقصود رہے گا یعنی اگر اُس کی عروجی سیر عالم ارواح تک ہی رہی اور مراتب حقیقی کی سیر نہ کر سکا تو بھی اُس کو عین الیقین کا مرتبہ حاصل ہو جائیگا اور اسی قدر معرفت الہی اُس کے لئے کافی ہے کیونکہ اسی قدر معرفت کے باعث وہ اپنی عقل پر غالب آجائیگا۔ مراد یہ ہے کہ اپنی جزوی عقل اُس کو غیریت کی طرف دلالت کرتی تھی یعنی عالم غیر حق ہے لیکن اس معرفت کے باعث وہ عینیت کا قابل ہو جائیگا یعنی عالم عین حق ہے۔ پس وہ عارفوں کیساتھ لاحق ہوگا اور اللہ

تعالیٰ کے قول ذیل کی حقیقت ذوقاً پہچانے گا (فَلَمَّا تَقَاتَلُواهُمْ فَلَمَّا قَتَلْتُمْ لَيْسَ إِلَهُكُمْ وَمَا دَرَمَيْتُمْ إِذْ دَرَمَيْتُمْ
 وَلَيْسَ إِلَهُكُمْ رَحْمَى) پس تم نے کافروں کو قتل نہ کیا لیکن اللہ ہی نے اُن کو قتل کیا اور اُسے حبیب صلی اللہ
 علیہ وسلم! آپ نے کنکریاں نہیں پھینکیں جب کہ آپ نے پھینکیں بلکہ اللہ نے پھینکیں۔ اب غور کیا جاتے
 تو کافروں کو تین چیزوں نے بل کر قتل کیا یعنی تلوار، تلوار کا مارنے والا اور تیسری وہ ذات جس نے اس
 مارنے والے کی صورت کو پیدا کیا یعنی اُس مارنے والے کی حقیقت۔ اب ان تینوں کے باعث مجموعی طور
 پر قتل درمی واقع ہوا لیکن آیہ کریمہ میں دلالت ہے کہ قتل بھی اللہ نے کیا اور رَمَى بھی اللہ نے کیا۔ یعنی اللہ
 تعالیٰ نے اشارہ کر دیا ہے کہ تلوار کی صورت پر و تلوار مارنے والے کی صورت پر اور تلوار مارنے والے کی حقیقت
 پر اللہ تعالیٰ ہی کا ظہور ہے یعنی ہر شے کی صورت و معنی اللہ تعالیٰ ہے۔ پس وہ سالک جس کی سیر عروجی عالم
 ارواح تک ہے وہ اُمور کو اُن کے اُصول و صورت کے ساتھ مشاہدہ کرے گا اور اُس کی معرفت تام ہو جائیگی۔
 یعنی اُس عارف کو جن اُمور کا علم قرآن مجید اور حدیث شریف سے حاصل ہوتا ہے وہ اُن اُمور کی ظاہری
 صورتوں اور اُن کے حقائق و اسرار کو آنکھوں سے مشاہدہ کرتا ہے یعنی وہ علم الیقین کے مرتبہ سے ترقی کر کے
 عین الیقین کے مرتبہ پر فائز ہو جاتا ہے۔ مثلاً قرآن مجید میں جنت، دوزخ، سات زمینیں، سات آسمان،
 روزِ محشر، رُسل علیہم السلام، ملائکہ علیہم السلام اور جنات وغیرہ کا ذکر خیر ہے۔ جب عارف کو کشف کوئی
 نصیب ہوتی ہے تو ان جملہ اُمور کا وہ مشاہدہ کرتا ہے۔ نیز اگر کسی آیت یا حدیث شریف کی شرح مطلوب ہو
 تو وہ سرکارِ دو عالم حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے فیض حاصل کرتا ہے لہذا ایسے عارف کا علم تام ہوتا
 ہے۔ اور اگر وہ عارف ترقی کر کے مقامِ احدیث ذاتیہ تک پہنچ جاتا ہے تو اُس وقت اُس کی معرفت کامل
 ہو جاتی ہے اور عین الیقین کے مرتبہ سے ترقی کر کے حق الیقین کے مرتبہ پر فائز ہو جاتا ہے یعنی مقامِ محمدی
 صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرف ہو جاتا ہے۔ پس وہ عارف کامل سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی چیز نہیں دیکھتا
 یعنی ہر چیز کو عین ذات دیکھتا ہے اور رات کو عین مرئی دیکھتا ہے یعنی اپنی ذات کو عین اللہ تعالیٰ کی
 ذات دیکھتا ہے۔ پس عارف کیلئے اس قدر معرفت کافی ہے کیونکہ اس سے بالا اور کوئی مقام نہیں۔ لیکن
 یاد رہے کہ چونکہ علوم الہیہ لامتناہی ہیں اس لئے عارف بھی اپنے علوم میں ہر دم ترقی کرتا رہتا ہے حتیٰ
 کہ ترقی بعد الموت بھی ثابت ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ہی اس رستہ پر چلنے کی توفیق دینے والا ہے اور اس رستہ
 کی طرف ہدایت کرنے والا ہے۔

فَصُّ حِكْمَةِ إِحْسَانِيَّةٍ فِي كَلِمَةِ لُقْمَانِيَّةٍ

إِذَا شَاءَ إِلَٰهٌ يُرِيدُ رِزْقًا ۖ لَّهُ قَالُكُونَ أَجْمَعَةُ غِذَاءُ ۖ
 وَإِنْ شَاءَ إِلَٰهٌ يُرِيدُ رِزْقًا ۖ لَنَا قَالُوا الْغِذَاءُ كَمَا يَشَاءُ ۖ
 مَشِيتُهُ إِرَادَتُهُ فَقُولُوا ۖ بِهَا قَدْ شَاءَ هَا فِيهِ الْهَشَاءُ ۖ
 يُرِيدُ زِيَادَةً ۖ وَيُرِيدُ نُقْصًا ۖ وَلَيْسَ مَشَاؤُهُ إِلَّا الْهَشَاءُ ۖ
 فَهَذَا الْفَرْقُ بَيْنَهُمَا فَحَقِّقْ ۖ وَمِنْ وَجْهِ فَعَيْنَهُمَا سَوَاءٌ ۖ

قَالَ اللَّهُ تَعَالَى (وَلَقَدْ آتَيْنَا لُقْمَانَ الْحِكْمَةَ وَ مَنْ يُؤْتِ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا) فَلَقْنِي بِالنَّصِّ هُوَ ذُو الْخَيْرِ الْكَثِيرِ بِشَهَادَةِ اللَّهِ تَعَالَى لَهُ بِذَلِكَ وَالْحِكْمَةُ قَدْ تَكُونُ مُتَلَفَظًا مَنطُوقًا بِهَا وَمَسْكُوتًا عَنْهَا مِثْلُ قَوْلِ لُقْمَنِ لِابْنِهِ (يَا بُنَيَّ إِنَّهَا إِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِي صَخْرَةٍ أَوْ فِي السَّمَوَاتِ أَوْ فِي الْأَرْضِ يَأْتِ بِهَا اللَّهُ) فَهَذِهِ حِكْمَةُ مَنطُوقٍ بِهَا وَهِيَ أَنْ جَعَلَ اللَّهُ هُوَ الْأَتِي بِهَا وَقَرَّرَ اللَّهُ ذَلِكَ فِي كِتَابِهِ وَلَمْ يَرُدَّ هَذَا الْقَوْلَ عَلَى قَائِلِهِ (وَأَمَّا الْحِكْمَةُ الْمَسْكُوتُ عَنْهَا وَعَلِمَتْ بِقُرْبَانَةِ الْحَالِ فَكَوْنُهُ سَكَتٌ عَنِ الْمَوْتِ إِلَى بَيْتِكَ الْحَبَّةِ فَمَا ذَكَرَكَ وَلَا قَالَ لِابْنِهِ يَأْتِ بِهَا اللَّهُ إِلَيْكَ وَلَا إِلَى غَيْرِكَ فَأَرْسَلَ الْإِلَهِيَّاتِ عَامًّا وَجَعَلَ الْمَوْتِ بِهِ فِي السَّمَوَاتِ إِنْ كَانَ أَوْ فِي الْأَرْضِ مِنْ تَنْبِيْهَا يَنْظُرُ النَّاسُ فِي قَوْلِهِ (وَهُوَ اللَّهُ فِي السَّمَوَاتِ وَفِي الْأَرْضِ) فَتَبَهُ لُقْمَانُ بِمَا تَكَلَّمَ بِهِ وَبِمَا سَكَتَ عَنْهُ أَنَّ الْحَقَّ عَيْنُ كُلِّ مَعْلُومٍ لِأَنَّ الْمَعْلُومَ أَعَمُّ مِنَ الشَّيْءِ فَهُوَ أَنْكَرُ التَّكْرَارِ ثُمَّ تَمَّ الْحِكْمَةَ وَاسْتَوْفَاهَا بِتَكُونِ الشَّيْءِ كَامِلَةً فِيهَا فَقَالَ (إِنَّ اللَّهَ لَطِيفٌ) فَمِنْ لَطَافَتِهِ وَطُفِيفِ آتِهِ فِي الشَّيْءِ الْمُسَمَّى بِكَذَا الْمَحْدُودُ بِكَذَا عَيْنُ ذَلِكَ الشَّيْءِ حَتَّى لَا يُقَالَ فِيهِ إِلَّا مَا يَدُلُّ عَلَيْهِ اسْمُهُ بِالتَّوَاتُؤِ وَالْإِصْطِلَاحِ فَيُقَالُ هَذَا سَمَاءٌ وَآرْضٌ وَصَخْرَةٌ وَشَجَرَةٌ وَحَيَوَانٌ وَمَلَكٌ وَرِزْقٌ وَطَعَامٌ وَالْعَيْنُ وَاحِدَةٌ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ وَفِيهِ كَمَا تَقُولُ الْأَشَاعِرَةُ إِنَّ الْعَالَمَ كُلَّهُ مَتَمَاثِلٌ بِالْجَوْهَرِ فَهُوَ جَوْهَرٌ وَاحِدٌ فَهُوَ عَيْنُ قَوْلِنَا الْعَيْنُ وَاحِدَةٌ ثُمَّ قَالَتْ وَيَخْتَلِفُ

بِأَلْعَرَّاضِ وَهُوَ قَوْلُهُ وَتَخْتَلِفُ وَتَتَكَثَّرُ بِالصُّوَرِ وَالنِّسْبِ حَتَّى تَتَمَيَّزَ فَيَقَالَ هَذَا
 لَيْسَ هَذَا مِنْ حَيْثُ صُورَتُهُ أَوْ عَرَضُهُ أَوْ مِزَاجُهُ كَيْفَ شِئْتَ فَقُلْ وَهَذَا عَيْنُ هَذَا
 مِنْ حَيْثُ جَوْهَرُهُ وَلِهَذَا يُؤْخَذُ عَيْنُ الْجَوَاهِرِ فِي حَدِّ كُلِّ صُورَةٍ وَمِزَاجٍ فَتَقُولُ نَحْنُ
 إِنَّهُ لَيْسَ سِوَى الْحَقِّ وَيُظَنُّ الْمُتَكَلِّمُ أَنَّ مَسْمَى الْجَوْهَرِ وَإِنْ كَانَ حَقًّا مَا هُوَ عَيْنُ
 الْحَقِّ الَّذِي يُطْلِقُهُ أَهْلُ الْكُشْفِ وَاللَّحْجَلِيِّ فَهَذِهِ حِكْمَةُ كَوْنِهِ تَعَالَى لَطِيفًا ثُمَّ نَعَتْ
 فَقَالَ (خَيْرٌ) أَيْ عَالِمٌ عَنْ رَاخِتِبَارٍ وَهُوَ قَوْلُهُ تَعَالَى (وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتَّى نَعْلَمَ) وَهَذَا
 هُوَ عِلْمُ الْأَذْوَاقِ فَجَعَلَ الْحَقُّ نَفْسَهُ مَعَ عَلَيْهِ بِمَا هُوَ إِلَّا مُرُّ عَلَيْهِ مُسْتَفِيدًا عِلْمًا وَلَا تَقْدِيرًا
 عَلَى انْكَارِ مَا نَصَّ الْحَقُّ عَلَيْهِ فِي حَقِّ نَفْسِهِ فَفَرَّقَ تَعَالَى مَا بَيْنَ عِلْمِ الذَّوْقِ وَالْعِلْمِ الْمُطْلَقِ
 فَعِلْمُ الذَّوْقِ مُقَيَّدٌ بِالتَّقْوَى وَقَدْ قَالَ عَنْ نَفْسِهِ إِنَّهُ عَيْنُ قُوَى عَبْدِهِ فِي قَوْلِهِ تَعَالَى كُنْتُ
 سَمْعَهُ وَهُوَ قُوَّةٌ مِنْ قُوَى الْعَبْدِ وَبَصَرَهُ وَهُوَ قُوَّةٌ مِنْ قُوَى الْعَبْدِ وَلِسَانَهُ وَهُوَ عُضْوٌ
 مِنْ أَعْضَاءِ الْعَبْدِ وَرَحْلَهُ وَدَيْدَكَ فَمَا انْقَرَفَ فِي التَّعَرُّيفِ عَلَى الْقُوَى فَحَسِبُ حَتَّى ذَكَرَ الْأَعْضَاءَ
 وَلَيْسَ الْعَبْدُ بِغَيْرِ هَذِهِ الْأَعْضَاءِ وَالْقُوَى فَعَيْنُ مَسْمَى الْعَبْدِ هُوَ الْحَقُّ لَا عَيْنُ الْعَبْدِ هُوَ السَّيِّدُ
 فَإِنَّ النِّسْبَ مُتَمَيِّزٌ لِذَاتِهَا وَلَيْسَ النِّسْبُوبُ إِلَيْهِ مُتَمَيِّزًا فَإِنَّهُ لَيْسَ ثُمَّ سِوَى عَيْنِهِ فِي جَمِيعِ
 النِّسْبِ فَهُوَ عَيْنٌ وَاحِدٌ ذَاتُ نِسْبٍ وَإِضَافَاتٍ وَصِفَاتٍ فَبَيْنَ تَمَامِ حِكْمَةِ لُقْمَانَ فِي تَعْلِيمِهِ
 ابْنَهُ مَا جَاءَ بِهِ فِي هَذِهِ الْآيَةِ مِنْ هَذَيْنِ الْأَسْمَيْنِ الْإِلَهَيْنِ لَطِيفًا خَيْرًا سَمَى بِهِمَا اللَّهُ تَعَالَى
 فَلَوْ جَعَلَ ذَلِكَ فِي الْكُؤْنِ وَهُوَ الْوُجُودُ فَقَالَ كَانَ لَكَ أَنْ تَكُونَ فِي الْحِكْمَةِ وَأَبْلَغَ فَحَكَى
 اللَّهُ قَوْلَ لُقْمَانَ عَلَى الْمَعْنَى كَمَا قَالَ وَلَمْ يَزِدْ عَلَيْهِ شَيْئًا وَإِنْ كَانَ قَوْلُهُ (إِنَّ اللَّهَ
 لَطِيفٌ خَبِيرٌ) مِنْ قَوْلِ اللَّهِ فَلَيْسَ عِلْمُ اللَّهِ تَعَالَى مِنْ لُقْمَانَ أَنَّهُ لَوْ نَطَقَ مِمَّا لَتَمَّ بِهِذَا
 وَآمَّا قَوْلُهُ (إِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِنْ خَرْدَلٍ) لَيْسَ هِيَ لَهُ غِذَاءٌ وَلَيْسَ إِلَّا الذَّرَّةُ
 الْمَذْكُورَةُ فِي قَوْلِهِ تَعَالَى (فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ) وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ
 ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ) فَبِهِ أَصْغَرُ مَتَغَذٍّ وَالْحَبَّةُ مِنَ الْخَرْدَلِ أَصْغَرُ غِذَاءٍ وَلَوْ كَانَ ثَمَّةُ
 أَصْغَرُ لَجَاءَ بِهِ كَمَا جَاءَ بِقَوْلِهِ تَعَالَى (إِنَّ اللَّهَ لَا يَسْتَحْيِي أَنْ يَضْرِبَ مَثَلًا مَا بَعُوضَةً)
 ثُمَّ لَمَّا عَلِمَ أَنَّهُ ثَمَّةٌ مَا هُوَ أَصْغَرُ مِنَ الْبَعُوضَةِ قَالَ (فَمَا تَوْفَرَاهَا) يَعْنِي فِي الصَّغِيرِ وَهَذَا

قَوْلُ اللَّهِ وَالَّتِي فِي الدَّلِيلِ قَوْلُ اللَّهِ أَيْضًا فَأَعْلَمَ ذَلِكَ فَتَحَنُّنُ نَعْلَمُ أَنَّ اللَّهَ تَعَالَى مَا أَقْتَصَرَ
 عَلَى وَزْنِ الدَّلِيلِ وَثَمَّ مَا هُوَ أَصْغَرُ مِنْهَا فَإِنَّهُ جَاءَ بِذَلِكَ عَلَى السَّبَاطَةِ وَاللَّهُ أَعْلَمُ وَأَمَّا تَصْغِيرُ
 اسْمِ ابْنِهِ فَتَصْغِيرُ رَحْمَةٍ وَبِهَذَا وَصَّاهُ بِمَا فِيهِ سَعَادَتُهُ إِذَا عَمِلَ بِذَلِكَ وَأَمَّا حِكْمَةُ
 وَصِيَّتِهِ فِي نَهْيِهِ إِيَّاهُ (يَلْبَنِي) لَا تُشْرِكْ بِاللَّهِ إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ وَالْمَقَامُ الْمَقَامُ
 حَيْثُ نَعْتَهُ بِالْإِنْقِسَامِ وَهُوَ عَيْنٌ وَاحِدَةٌ فَإِنَّهُ لَا يُشْرِكُ مَعَهُ إِلَّا عَيْنُهُ وَهَذَا غَايَةُ الْجَهْلِ
 وَسَبَبُ ذَلِكَ أَنَّ الشَّخْصَ الَّذِي لَا مَعْرِفَةَ لَهُ بِالْأَمْرِ عَلَى مَا هُوَ عَلَيْهِ وَلَا بِحَقِيقَةِ الشَّيْءِ
 إِذَا اخْتَلَفَ عَلَيْهِ الصُّوَرُ فِي الْعَيْنِ الْوَاحِدَةِ وَهُوَ لَا يَعْرِفُ أَنَّ ذَلِكَ الْإِخْتِلَافَ فِي عَيْنٍ
 وَاحِدَةٍ جَعَلَ الصُّوَرَةَ مُشَارِكَةً لِلْآخِرَى فِي ذَلِكَ الْمَقَامِ فَجَعَلَ بِكُلِّ صُورَةٍ جُزْءًا مِّنْ
 ذَلِكَ الْمَقَامِ وَمَعْلُومٌ فِي الشَّرِيكَ أَنَّ الْأَمْرَ الَّذِي يَخْصُهُ مِمَّا وَقَعَتْ فِيهِ الْمُشَارَكَةُ لَيْسَ
 عَيْنَ الْآخِرِ الَّذِي شَارَكَهُ إِذْ هُوَ الْآخِرُ فَارْزَنْ مَا تَمَّ شَرِيكَ عَلَى الْحَقِيقَةِ فَإِنَّ كُلَّ
 وَاحِدٍ عَلَى حَظِّهِ مِمَّا قِيلَ فِيهِ وَإِنْ بَيْنَهُمَا مُشَارَكَةٌ فِيهِ وَسَبَبُ ذَلِكَ الشَّرْكَةُ الشُّعَاعَةُ
 وَإِنْ كَانَتْ مُشَاعَةً فَإِنَّ التَّصَرُّفَ مِنْ أَحَدِهِمَا مِمَّا يُزِيلُ إِلَّا شَاعَةً رَقْلًا أَدْعُوا اللَّهَ أَوْ
 (أَدْعُوا الرَّحْمَنَ) هَذَا دُوحُ الْمَسْئَلَةِ ۞

یہ حکمت احسانیت کا فص کلمہ تقابلیہ کے بیان میں ہے

حکمت ایناسیہ کے بعد حکمت احسانیت لانے کی حکمت یہ ہے کہ حکمت ایناسیہ کا اختتام اس امر پر
 ہوا کہ جب عارف ترقی کر کے مرتبہ حق الیقین پر فائز ہو جاتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی ذات کا مشاہدہ کرتا
 ہے۔ آگے فرمایا وَاللَّهُ الْمَوْفِقُ وَالْهَادِي یعنی اللہ تعالیٰ کا مشاہدہ اللہ تعالیٰ ہی کا احسان ہے۔ اور اس
 حکمت احسانیت کو حضرت لقمان علیہ السلام کی طرف منسوب کرنے کی حکمت یہ ہے کہ آپ کو مشاہدہ ذات
 الہی نصیب تھا اور آپ عارف کامل تھے بِقَوْلِهِ تَعَالَى (وَلَقَدْ آتَيْنَا لُقْمَانَ الْحِكْمَةَ)۔ پس اللہ
 تعالیٰ نے آپ کو عرفان کا کمال عطا کیا ہوا تھا جو عاشقوں اور عارفوں کا منتہائے مقصود ہے گویا آپ پر
 اللہ تعالیٰ کا بڑا بھاری احسان ہے بِقَوْلِهِ تَعَالَى (وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا) اور
 جس کو حکمت یعنی معرفت کا بل عطا کی گئی پس تحقیق اُس پر اللہ تعالیٰ کا بڑا بھاری احسان ہے ۞ شعر

(۱) و (۲) جس وقت اللہ تعالیٰ چاہے اور اپنے آپ کو رزق دینے کا ارادہ کرے تو سارا عالم اُس کی غذا ہے۔ اور اگر حقیقتاً چاہے تو ہم کو رزق دینے کا ارادہ کرے تو حقیقتاً ہماری غذا ہے جیسا کہ ہم چاہیں۔ مراد یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے اسماء و صفات کا ظہور چاہا تو عالم کو پیدا کر دیا گویا ظہور کی خاطر عالم اللہ تعالیٰ کی غذا ہے کیونکہ اپنے ظہور کی خاطر اللہ تعالیٰ عالم کا محتاج ہے۔ انسان اپنے بقا کیلئے غذا کا محتاج ہوتا ہے ایسے ہی اللہ تعالیٰ اپنے ظہور کی خاطر عالم کا محتاج ہے۔ اور جب حقیقتاً اہل عالم کو رزق دینے کا ارادہ کرتا ہے یعنی عالم کو وجود میں لانا چاہتا ہے تو عالم کی غذا حقیقتاً ہے یعنی عالم کو اپنی ذات کی غذا دیتا ہے۔ مراد یہ ہے کہ وجود کی خاطر عالم اللہ تعالیٰ کا محتاج ہے۔ سیاہی ظہور کی خاطر حروف کی محتاج ہے اور حروف وجود کی خاطر سیاہی کے محتاج ہیں پس ایک اعتبار سے سیاہی حروف کی غذا ہے اور ایک اعتبار سے حروف سیاہی کی غذا ہیں۔

(۳) و (۴) و (۵) ان اشعار میں حقیقتاً کی مشیت و حقیقتاً کے ارادہ میں فرق ظاہر کرنا مقصود ہے حقیقتاً کی مشیت عین اُس کا ارادہ ہے۔ پس تم حقیقتاً کی مشیت کے ساتھ قائل ہو جاؤ کیونکہ تحقیق جب اللہ تعالیٰ نے مشیت کو چاہا تو یہی مشیت اُس کا ارادہ ہے۔ مراد یہ ہے کہ مرتبہ احدیت ذاتیہ میں جملہ صفات ذات الہی میں بالقوہ مندرج ہیں۔ اُس مرتبہ میں جملہ صفات غیر متمیز ہیں اور سب ایک دوسرے کی عین ہیں۔ لہذا اس مرتبہ میں مشیت اور ارادہ میں کوئی فرق نہیں۔ (۴) مرتبہ واحدیت میں صفات الہیہ کا علمی ظہور ہے۔ اس مرتبہ میں مشیت اور ارادہ کی تمیز ہے۔ ارادہ میں حقیقتاً کی دبشتی کا ارادہ کرتا ہے لیکن مشیت محض مشیت ہے۔ مشیت کو ارادہ پر اس مرتبہ میں عقلی تقدّم حاصل ہے۔ پہلے حقیقتاً کسی شے کی ایجاد کے متعلق مشیت کرتا ہے اور بعد میں اُس کو ایجاد کرنے کا ارادہ کرتا ہے۔ اُس شے کو کیسے اور کس حکم اور کس نمونہ پر ایجاد کرتا ہے، اس کا تعلق علم کیساتھ ہے لہذا ارادہ میں اُس شے کے عین ثابۃ کو بھی دخل ہے۔ قدرت الہی ایجاد کیلئے اُس وقت کام کرے گی جب ارادہ الہی نے اُس شے کو اپنے علم میں مکمل طور پر متعین کر دیا۔ تو گویا ارادہ میں اُس شے کی دبشتی و دیگر کوائف و معلومات کا بھی فیصلہ کر لیا جاتا ہے لیکن مشیت محض مشیت ہے۔ اس میں محض اُس شے کی ایجاد کی منظوری ہے۔ (۵) پس اے طالب! اس حکمت کی تحقیق کر لے کہ اُن دونوں میں یہ فرق ہے یعنی مرتبہ واحدیت میں مشیت اور ارادہ میں فرق ہے اور ایک وجہ سے اُن دونوں کا عین برابر ہے یعنی مرتبہ احدیت ذاتیہ میں اُن دونوں کی ذات اور حقیقت

ایک ہے :

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا : لَقَدْ آتَيْنَا نُوحًا اَلْحِكْمَةَ (اور البتہ ہم نے نُوحؑ کو حکمت دی یعنی ہم نے نُوحؑ کو اپنی کامل معرفت عطا کی اور حق الیقین کے مرتبہ پر فائز کیا۔ کما حقہ حق الیقین کا مرتبہ سرکارِ دو عالم حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی حاصل ہے) سابقہ انبیاء علیہم السلام کو حق الیقین کا مرتبہ انکی استعدادات کے مطابق اُن کو حاصل تھا۔ چونکہ حضرت نُوحؑ علیہ السلام کو معرفت الہی کا کمال حاصل تھا اور آپ نبوت سے مُشرّف تھے اس لئے آپ پر اللہ تعالیٰ کا بڑا بھاری احسان ہے يَقُولِہِ تَعَالٰی (وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُذِیْ خَیْرًا کَثِیْرًا) اور جس کو حکمت دی گئی پس تحقیق اُس پر اللہ تعالیٰ کا بڑا بھاری احسان ہے۔ پس یہ ہی وجہ ہے کہ حکمت احسانِیہ آپ کی طرف منسوب ہے۔ لہذا نُوحؑ نصّ قرآن کے ساتھ صاحبِ غیرِ کثیر ہے کیونکہ خود اللہ تعالیٰ نے اس امر کی اُن کیلئے شہادت دی ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ آپ صاحبِ نبوت ہیں۔ یہ اُن لوگوں کا رد ہے جو حضرت نُوحؑ علیہ السلام کیلئے صرف حکمت ثابت کرتے ہیں اور نبوت ثابت نہیں کرتے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے (وَإِذْ قَالَ نُوحٌ رَبِّیْ لَا بُدَّ لَیَّ اِنْ اٰیٰتِیْ مِنْ چَند نصاریٰ مندرج ہیں جو حضرت نُوحؑ علیہ السلام نے اپنے لڑکے کو دیں۔ اس میں اشارہ ہے کہ آپ لوگوں کو وعظ و نصیحت فرماتے تھے یعنی آپ نبی تھے۔ دوسری دلیل اس امر پر یہ ہے کہ کتابِ فُصُوصِ الْحُکْمِ میں جُمْلہ فُصُوصِ انبیاء علیہم السلام کی طرف منسوب ہیں۔ کوئی فُصْ کسی ولی کی طرف منسوب نہیں۔ چونکہ حکمت احسانِیہ کا فُصْ آپ کی طرف منسوب ہے لہذا اس دلیل سے بھی آپ نبی ثابت ہوئے وَالْحِکْمَةُ الْاَمْرُ اور حکمت کبھی مُتَلَفِّظ اور مُنَطَوِّق بہا ہوتی ہے اور کبھی مُسکُوت عنہا ہوتی ہے۔ یعنی ایک حکمت وہ ہے جو کسی عبارت میں لکھی جاتی ہے اور نطق کیسا تھ پڑھی جاتی ہے۔ مراد یہ ہے کہ وہ حکمت عبارت کے ظاہر الفاظ میں موجود ہوتی ہے۔ اور دوسری حکمت وہ ہے جس سے زبان ساکت ہے لیکن وہ حکمت اُسی سابقہ عبارت میں اشارتاً اور کنایتاً رکھی گئی ہے۔ یعنی اس حکمت ثانی کو بظاہر عبارت میں نہیں لایا گیا اور نہ ہی نطق کے ساتھ پڑھی گئی ہے مگر اس حکمت کا تعلق باطنی طور پر اُسی سابقہ عبارت میں پوشیدہ و مخدوف ہوتا ہے۔ وہ حکمت جس کے ساتھ کلام کی جاتی ہے نُوحؑ کے اس قول کی مثل ہے جو اُس کے اپنے بیٹے کیلئے ہے (يٰۤاَبْنٰی اِنَّہَا اِنْ تَکُ مُثْقَلًا حَبِیْۃً مِّنْ خَرَدٍ لِّیْ فَتَکُنْ فِیْ مَخْرَجٍ اَوْ فِی السَّمُوٰتِ اَوْ فِی الْاَرْضِ یٰۤاَبْنٰی بِہَا اللّٰہُ) اے میرے پیارے بیٹے! اگر کوئی چیز خواہ رانی کے دانہ

کے برابر ہو اور وہ پتھر میں ہو اور وہ پتھر خواہ آسمانوں میں ہو یا زمینوں میں ہو، اللہ تعالیٰ اُس کو لے آتا ہے پس یہ ایک حکمت منطوق بہا ہے اور وہ حکمت یہ ہے کہ نُقْمَان علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ ہی کو اشیاء کا لایو الّا گردانا ہے۔ نُقْمَان علیہ السلام کی مراد یہ ہے کہ حقیر سے حقیر چیز کو بھی اللہ تعالیٰ ہی لاتا ہے یعنی ہر چیز کیا ادنیٰ کیا اعلیٰ کی وحدت پر اللہ تعالیٰ ہی جلوہ نما ہے۔ صخرہ یعنی پتھر میں سب ذرات بالقوہ مندرج ہوتے ہیں ایسے ہی ممکنات مرتبہ احدیت میں بالقوہ مندرج ہیں۔ پتھر کے پھٹنے سے سب ذرات ظاہر ہو جاتے ہیں ایسے ہی ذات حق برقع احدیت کو پھاڑ کر عالم کی صورتوں پر جلوہ نما ہو گئی ہے۔ صخرہ غیب سے دانہ نکل کر پہلے آسمانوں میں اور پھر زمینوں پر آتا ہے یعنی ذات حق مرتبہ احدیت سے تنزل فرما کر پہلے مراتب حقی وحدت اور وحدیت میں اور پھر مراتب خلقی عالم ارواح، عالم مثال اور عالم اجسام کی صورتوں پر ظاہر ہوئی ہے۔ پس اللہ تعالیٰ ہی ہر شے کو لایو الّا ہے یعنی اللہ تعالیٰ ہر شے کو مرتبہ احدیت سے لایو الّا ہے۔ مراد یہ ہے کہ ہر شے ظہور سے قبل اللہ تعالیٰ کی ذات بحت میں بالقوہ موجود تھی۔ پھر اللہ تعالیٰ ہر شے کو مرتبہ ذات بحت سے مرتبہ علم میں لایا اور مرتبہ علم سے مرتبہ شہادت میں لایا۔ چونکہ مجملہ اشیاء قبل از ظہور ذات حق میں مندرج تھیں اس لئے اب یہ ضروری ہے کہ اشیاء کے ظہور کے بعد ذات حق اشیاء میں موجود ہو۔ موجیں اور ٹھاٹھیں قبل از ظہور دریا میں مندرج تھیں۔ اب موجوں اور ٹھاٹھوں کے ظہور کے بعد دریا امواج میں موجود ہے۔ پس اس حکمت منطوق بہا میں حضرت نُقْمَان علیہ السلام نے اشارہ کر دیا ہے کہ حقیقتاً ہر شے کا عین ہے۔ نیز یہ بھی اشارہ کر دیا ہے کہ رب تعالیٰ اس دانہ توحید کو صخرہ غیب سے نکال کر پہلے آسمانوں میں لایا اور پھر زمینوں میں لایا یعنی حقیقتاً مرتبہ غیب غیب سے تنزل فرما کر مراتب حقی اور خلقی میں جلوہ نما ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ نے بھی اس قول کو اپنی کتاب میں ثابت کیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس قول کی تردید نہیں کی۔ کفار کے اقوال باطلہ رب تعالیٰ نے اپنی کتاب میں نقل کئے ہیں لیکن ساتھ ہی اُن کی تردید بھی کر دی ہے۔ اور لیکن وہ حکمت جس سے نُقْمَان علیہ السلام نے سکوت کیا، یہ ہے کہ قرینہ کلام سے ظاہر ہے کہ نُقْمَان علیہ السلام نے یہ ذکر نہیں کیا کہ وہ دانہ کس کی طرف لایا جاتا ہے یعنی مُؤْتٰی اِلَیْہِ کا ذکر نہیں کیا۔ نُقْمَان علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو یہ نہیں کہا کہ وہ دانہ تیری طرف لائیگا اور نہ یہ کہا کہ تیرے سوا کسی اور کی طرف لائیگا پس نُقْمَان نے اللہ تعالیٰ کے لانے کو عام چھوڑا۔ اللہ تعالیٰ مُؤْتٰی بہ یعنی دانہ برائی کو کس کی طرف لاتا ہے اس امر کی تعیین اور تحدید نہیں کی۔ اس حکمت میں بھی یہ اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جمیع

عوالم غیبیہ و شہادیہ کا عین ہے۔ اور حکمت منطوق بہا میں جو موتی بہ یعنی رانی کے دانہ کو آسمانوں میں یا زمینوں میں گردانا، اس میں تنبیہ ہے کہ ناظر اللہ تعالیٰ کے اس قول میں نظر کرے (ذَہُوَاللّٰہُ فِی السَّمٰوٰتِ وَفِی الْاَرْضِ) اور وہی اللہ آسمانوں میں بھی ہے اور زمینوں میں بھی ہے یعنی مراتب حقی اور خلقی میں اسی ذات بحت کا ظہور ہے۔ پس لقمان نے تکلم کے ساتھ اور سکوت کے ساتھ اس راز سے خبردار کیا ہے کہ تحقیق اللہ تعالیٰ ہر معلوم کا عین ہے کیونکہ معلوم شے سے عام تر ہے اور تمام نیکوؤں سے نیک تر ہے۔ شے سے مراد وہ شے ہے جس کا خارجی وجود ہو اور معلوم میں وہ شے بھی داخل ہے جس کا خارجی وجود نہ ہو۔ مراد یہ ہے کہ اگر کہا جائے اللہ تعالیٰ ہر شے کا عین ہے تو بظاہر اس سے یہ استنباط کیا جائیگا کہ اللہ تعالیٰ صرف اس عالم شہادت کا عین ہے اور یہ عقیدہ غلط ہے۔ اسلئے احسن اور انسب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے متعلق یہ کہا جائے کہ وہ ہر معلوم کا عین ہے یعنی وہ ذات جمیع عوالم غیبیہ و شہادیہ پر جلوہ نما ہے۔

ثُمَّ تَسْتَحْذِرُ لِقَامِیْ پھر لقمان نے اُس حکمت کو تمام اور پورا کیا تا کہ نشأت انسانی اُس حکمت میں کامل ہو جائے لہذا فرمایا (رَآیَ اللّٰہَ یَطِیْفٌ) کہ اللہ تعالیٰ لطیف ہے۔ پس حقیقی کی لطافت اور لطف سے یہ مراد ہے کہ تحقیق حقیقی ہر شے میں خواہ وہ شے کسی اسم کیساتھ موسوم ہو اور کسی حد کیساتھ محدود ہو، اُس شے کا عین ہے۔ یعنی یہ اللہ تعالیٰ کا کمال لطف ہے کہ ہر شے کو اپنا وجود عطا کر دیا ہے اور کوئی شے اُس کے وجود سے خالی نہیں۔ سیاہی کا کمال لطف ہے کہ مجملہ حروف کو اپنا وجود عطا کر دیا ہے۔ سیاہی ہر حرف کی عین ہے خواہ اُس حرف کا کوئی نام ہو یا اُس حرف کی کوئی تعریف ہو۔ مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا لطف ہر شے پر ہے۔ کوئی شے اُس کے وجود سے خالی نہیں۔ اور اُس کا لطف یہاں تک ہے کہ ہر شے اُس اسم کے ساتھ پکاری جاتی ہے جو موافق اتفاق اہل لغت و اہل اصطلاح اُس کے اوپر دلالت کرتا ہے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ممکنات عالم پر احسان کیا ہے کہ اپنا نام تو گم کر دیا ہے اور اُن کا نام ظاہر کر دیا ہے۔ اب کہا جاتا ہے یہ آسمان ہے اور یہ زمین ہے اور یہ پتھر ہے اور یہ درخت ہے اور یہ حیوان ہے اور یہ فرشتہ ہے اور یہ رزق ہے اور یہ طعام ہے حالانکہ ہر شے کی ذات ایک ہے اور ہر شے میں ایک ہی ذات ہے جیسے کہ شاعر کہتے ہیں کہ عالم بتمامہ جوہر کی مثل ہے یعنی عالم جوہر واحد ہے۔ پس شاعر کا وہ قول ہمارے قول اَلْعَیْنُ وَاحِدٌ یعنی ہر موجود کی ذات واحد ہے، کا عین ہے۔ پھر شاعر نے کہا کہ عالم اعراض کے ساتھ مختلف ہوتا ہے اور اُن کا یہ قول بھی ہمارے اس قول کے مطابق ہے کہ وہ ذات واحد

بِسَبَبِ اخْتِلَافِ صُورٍ وَنَسَبِ مُخْتَلَفٍ وَمُتَكَثِرٍ هُوتِي هِيَ حَقٌّ كَمَا مُمَكِّنَاتِ عَالَمٍ اِسِي اِخْتِلَافِ صُورٍ وَنَسَبِ كَمَا
 كَمَا بَاعِثِ اَیَسِی مِی مُمْتَزِی هُوتِی هِی. وَصَاحَتِ كِیْلَی جُوهَرِ اَوْرِ عَرْضِ كِی تَعْرِیْفِ لِكَمِّی جَاتِی هِی. جُوهَرِ وَه
 شَیْءِ هِی جُوهَرِ مَوْجُودِ هُو اَوْرِ دُجُودِ كِیْلَی كِی دُوسَرِی شَیْءِ كِی مَحْتَاجِ نَہِ هُو. عَرْضِ وَه شَیْءِ هِی جُوهَرِ دُجُودِ كِی لَیْ
 كِی دُوسَرِی شَیْءِ كِی مَحْتَاجِ هُو. مَثَلًا رُوتِی جُوهَرِ هِی اَوْرِ كِیْرُ اَعْرَضِ هِی. سَوَا جُوهَرِ هِی اَوْرِ سَوَا كِی زَیَوَاتِ
 عَرْضِ هِی. اِیْسِی هِی ذَاتِ حَقِّ جُوهَرِ هِی اَوْرِ مُمَكِّنَاتِ عَالَمِ سَبِ اَعْرَاضِ هِی. یَعْنِی مُمَكِّنَاتِ عَالَمِ دُجُودِ كِیْلَی
 ذَاتِ حَقِّ كِی مَحْتَاجِ هِی اَوْرِ ذَاتِ حَقِّ ظُہُورِ كِی لَیْ مُمَكِّنَاتِ عَالَمِ كِی مَحْتَاجِ هِی. فَيُقَالُ اِنَّ ابَ كَمَا جَاتَا هِی
 كَمَا یَہِ چِیْرِ یَہِ نَہِی هِی مَثَلًا اِنْسَانِ فَرِشْتِہِ نَہِی هِی. یَہِ اِخْتِلَافِ بُوجِہِ اُسِ كِی صُورَتِ یَا اُسِ كِی عَرْضِ یَا اُسِ كِی
 مَزَاجِ سِی هِی، جِطْرَحِ چَا ہِی كَہِ. اَوْرِ یَہِ اِسِ كَا عَیْنِ هِی مَثَلًا اِنْسَانِ فَرِشْتِہِ كَا عَیْنِ هِی تُو یَہِ بُوجِہِ اُسِ كِی
 جُوهَرِ اَوْرِ حَقِیْقَتِ كِی هِی. حُرُوفِ بَ حُرُوفِ تَ كَا غَیْرِ ہِی یَعْنِی بَ تَ نَہِی هِی. یَہِ بُوجِہِ صُورَتِ كِی هِی.
 اَوْرِ بَ تَ ہِی. یَہِ بُوجِہِ حَقِیْقَتِ كِی ہِی كِیونكہ دُونوں كِی حَقِیْقَتِ یَا جُوهَرِ وَاحِدِ ہِی اَوْرِ وَہ سِیَا ہِی ہِی. اب
 عَالَمِ مِی كِی اَشْیَاءِ جُوهَرِ ہِی اَوْرِ كِی اَعْرَاضِ ہِی. عَالَمِ كِی جُہِہِ جُوهَرِ كَا اِیكِ جُوهَرِ لِیَا جَاتَا ہِی اَوْرِ ہِمِ كَہْتِ ہِی
 كَمَا وَہ جُوهَرِ سِوَا تِ حَقِّقَالِ كِی نَہِی ہِی یَعْنِی عَالَمِ مِی صُورِ اَوْرِ مَزَاجِہِ كِی كَثَرَتِ ہِی لَیكِنِ سَبِ كَا جُوهَرِ وَاحِدِ
 ہِی اَوْرِ وَہ ذَاتِ حَقِّ ہِی. لَیكِنِ مُتَكَلِّمِ یَعْنِی عَالَمِ ظَاہِرِ اَكْرَہِ جُوهَرِ كِی تَعْرِیْفِ كُو وَہ ثَابِتِ كَرْتَا ہِی مَكْرُگَمَانِ كَرْتَا
 ہِی كَمَا یَہِ جُوهَرِ حَقِّقَالِ كَا اِسِ طَرَحِ پَرِ عَیْنِ نَہِی ہِی جِطْرَحِ پَرِ كَا اہِلِ كَشْفِ وَتَجَلِّی اُسِ كُو اِطْلَاقِ كَرْتِ ہِی
 یَعْنِی عَالَمِ ظَاہِرِ جُوهَرِ اَوْرِ عَرْضِ كِی تَعْرِیْفِ تُو جَاتَا ہِی لَیكِنِ یَہِ نَہِی مَانْتَا كَمَا عَالَمِ كِی جُہِہِ جُوهَرِ اَوْرِ اَعْرَاضِ كَا جُوهَرِ
 وَاحِدِ ہِی اَوْرِ وَہ ذَاتِ حَقِّ ہِی. پَسِ حَقِّقَالِ كِی لَطِیْفِ ہُونِی مِی یَہِ حَكْمَتِ ہِی یَعْنِی لَطِیْفِ سِی یَہِ مُرَادِ ہِی
 كَمَا اُسِ ذَاتِ كِی ہِرِ شَیْءِ مِی سَمَیْتِ ہِی اَوْرِ ہِرِ شَیْءِ كِی صُورَتِ پَرِ اُسِ كَا ظُہُورِ ہِی. ثُمَّ نَعَتِ اِنَّ پَہِرِ لَمَانِ نِ
 حَقِّقَالِ كِی تَعْرِیْفِ كِی اَوْرِ لَطِیْفِ كِی بَعْدِ فَرَمَا یَا (خَبِیْرُ) یَعْنِی خَبَرِ لَیْنِ سِی عَالَمِ. مُرَادِ یَہِ ہِی كَمَا اللہ تَعَالٰی پَہِلِ
 خَبَرِ حَاصِلِ كَرْتَا ہِی اَوْرِ بَعْدِ مِی اُسِ خَبَرِ كِی وَجِہِ سِی اُسِ شَیْءِ كِی مُتَعَلِّقِ عَالَمِ بِنْتَا ہِی. یَعْنِی اللہ تَعَالٰی كَا عِلْمِ
 مَعْلُومِ كِی تَحْتِ ہِی. مَرْتَبِہِ اَحَدِیْتِ ذَاتِیہِ مِی جُہِہِ صِفَاتِ بِالْقُوَّةِ مُنْدَرِجِ ہِی یَعْنِی كِی صِفَتِ كَا ظُہُورِ نَہِی لَہٰذَا
 عِلْمِ كَا بَہِی اُسِ مَرْتَبِہِ مِی كُوئی ظُہُورِ نَہِی. مَرْتَبِہِ وَحْدِیْتِ مِی جُہِہِ صِفَاتِ كَا ظُہُورِ عِلْمِ اِجْمَالِ ہِی اَوْرِ مَرْتَبِہِ وَاحِدِیْتِ
 مِی جُہِہِ صِفَاتِ كَا ظُہُورِ عِلْمِ تَفْصِیْلِ ہِی لَہٰذَا عِلْمِ كَا ظُہُورِ مَرْتَبِہِ وَاحِدِیْتِ مِی تَفْصِیْلِ ہُوَا. مُمَكِّنَاتِ كِی اَعْيَانِ ثَابِتِہِ
 جُو اُسِ مَرْتَبِہِ مِی مَعْلُومَاتِ ہِی، نِ حَقِّقَالِ كُو زَبَانِ اسْتِعْدَادِ سِی اِپْنَا عِلْمِ عَطَا كِیَا لَہٰذَا حَقِّقَالِ نِ مَعْلُومَاتِ

خبریں حاصل کیں اور بعد میں اُن کا عالم بنا۔ اللہ تعالیٰ کی ذات کے مظہر اتم سرکار دو عالم حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور علم الہی کیلئے مرآتِ تامہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قلب مبارک ہے۔ نیز علم الہی کا ظہور بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک کیساتھ ہے۔ یعنی علم مطلق کا ظہور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک میں ہوا۔ پس علم مطلق کیساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ممکنات کے جملہ حالات سے ازل سے ہی واقف ہیں کیونکہ اعیان خارجیہ کا ظہور معلومات الہیہ کے احکام اور آثار کے مطابق ہو رہا ہے۔ ازل میں بھی اللہ تعالیٰ نے علم معلومات سے حاصل کیا اور جب نزول کر کے انسان کی صورت پر جلوہ آرائی کی تو اب بھی ہوتی الہیہ خبریں لینے کے بعد عالم بنتی ہے (وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتَّىٰ تَعْلَمَ الْمُجَاهِدِينَ مِنكُمْ وَالصَّابِرِينَ) اور ہم تمہاری آزمائش کریں گے تاکہ ہم معلوم کریں کہ تم میں مجاہدین کون ہیں اور صابرین کون ہیں۔ اللہ تعالیٰ یعنی حقیقت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام تو ازل سے ہی مجاہدین اور صابرین کو جانتے ہیں، یہ اُن لوگوں کیلئے ہے جو موقع پر ایک چیز دیکھ کر بعد میں اُس چیز کے عالم بنتے ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے اشارہ کر دیا ہے کہ اُسے لوگو! تمہاری صورتوں پر خبریں حاصل کرنے کے بعد ہم ہی عالم بنتے ہیں یعنی تمہاری صورتوں پر ہم ہی خیر ہیں۔ پس نعمان علیہ السلام نے حکمت کو مکمل کر دیا اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ لطیف بھی ہے اور خیر بھی ہے۔ یعنی مطلق بھی ہے اور مقید بھی ہے۔ نیز اشارہ فرما دیا ہے کہ اگرچہ عالم ظہور حق ہے لیکن اُس ذات کیلئے مرآتِ تامہ اور خلیفہ حضرت انسان ہے۔ مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان ہی کی صورت پر خیر ہے کیونکہ خیرِ دہ ہوتا ہے جو پہلے خبریں حاصل کرے اور بعد میں عالم بنے اور یہ علم اذواق ہے۔ ہر دلی پہلے اپنے شیخ کا بل سے خبریں لیتا ہے اور بعد میں عالم بنتا ہے۔ پس آیہ کریمہ (وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتَّىٰ تَعْلَمَ) سے یہ ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے باوجود اپنے علم اذلی کے اپنے لئے یہ چیز ثابت کی ہے وہ علم سے مستفید بھی ہوتا ہے اور نص کی رو سے اس کا انکار نہیں کیا جاسکتا یعنی باوجود اپنے علم قدیم کے خود علم حاصل بھی کرتا ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے اشارہ کر دیا ہے کہ انسان کی صورت پر وہ خود ہی علم حاصل کرتا ہے پس اللہ تعالیٰ نے علم ذوق و علم مطلق میں فرق ظاہر کر دیا۔ علم قدیم و علم حادث میں فرق ظاہر کر دیا یعنی اُس کی ذات قدیم میں قدیم ہے اور حادث میں حادث ہے اور ایسے ہی اُس کا علم قدیم میں قدیم ہے اور حادث میں حادث ہے۔ پس حادث کی صورت پر قدیم ہی خبریں حاصل کر کے علم حاصل کرتا ہے۔ دلی جو اپنے شیخ کا بل سے علم حاصل کرتا ہے وہ ایک ذوقی علم ہے۔ اُس کا تعلق دل سے ہے نہ کہ کتابوں سے۔

پس ذوقی علم قوای کیساتھ مقید ہے اور اللہ تعالیٰ نے حدیث قدسی میں اپنی ذات کے متعلق شہادت دی ہے کہ حقیقتی بندے کی قوتوں کا عین ہے جیسا کہ وارد ہوا کہ میں بندے کی سمع و بصر ہوتا ہوں اور سمع و بصر بندے کی قوتیں ہیں۔ بلکہ فرمایا کہ میں بندے کی زبان و پاؤں و ہاتھ ہوتا ہوں اور یہ بندے کے اعضاء ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے اپنی تعریف میں صرف قوی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اعضاء کا بھی ذکر کیا ہے اور بندہ یہی اعضاء و قوای کا مجموعہ ہے۔ لہذا ثابت ہوا کہ بندے کی حقیقت وہی حقیقتی ہے یعنی انسان کے ظاہر و باطن پر حقیقتی ہی جلوہ نما ہے لیکن غلام عین آقا نہیں ہے۔ مراد یہ ہے کہ بسبب اختلاف صور و امزجہ و صفات ایک انسان دوسرے انسان کا عین نہیں ہے کیونکہ نسبتیں آپس میں اپنی ذات کے واسطے متمیز ہیں۔ اب غلامگی و خواجگی دو علیحدہ علیحدہ نسبتیں ہیں۔ غلام خواجہ نہیں ہو سکتا اور خواجہ غلام نہیں ہو سکتا اگرچہ غلام اور خواجہ دونوں کی حقیقت حقیقتی ہے۔ وَلَیْسَ الْوَاحِدُ اور حقیقتی کی طرف کوئی چیز متمیزاً منسوب نہیں ہے یعنی مرتبہ احدیت ذاتیہ میں کسی صفت کی تمیز نہیں ہے۔ وہاں خواجگی اور غلامگی کی کوئی تمیز نہیں۔ اُس مرتبہ میں جمیع نسب عین ذات ہیں۔ پس وہ ذات عین واحد ہے اور مجملہ نسب و اصناف و صفات اُسی ذات کی طرف منسوب ہیں۔ مجملہ اسماء و صفات مرتبہ احدیت ذاتیہ میں بالقوہ مندرج ہیں اعیان ثابۃ کی صورت پر اُن کا علمی ظہور ہے اور ممکنات عالم کی صورت پر اُن کا خارجی ظہور ہے۔

فَیْمَنْ تَسْلَمُ اِنَّہٗ پس نُقْمَان کی حکمت کا کمال اس امر سے ثابت ہے کہ وہ اپنے بیٹے کی تعلیم کے سلسلہ میں اس آیت میں اللہ تعالیٰ کے دو اسم لاتے جو لطیف اور خبیر ہیں۔ آپ نے اللہ تعالیٰ کو ان دو اسموں کیساتھ پکارا۔ اور اگر نُقْمَان اس حکمت کو کون میں گردانتے جو وجود ہے اور کَانَ کہتے تو البتہ نُقْمَان حکمت میں کامل تر اور بلیغ تر ہوتے یعنی اگر حضرت نُقْمَان علیہ السلام (اِنَّ اللّٰهَ لَطِیْفٌ خَبِیْرٌ) کی بجائے کَانَ اللّٰهَ لَطِیْفٌ خَبِیْرٌ کہتے تو یہ کلمہ حکمت میں پہلے کلمہ سے زیادہ کامل اور زیادہ بلیغ ہوتا کیونکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ کَانَ یعنی کون اللہ ہے جو لطیف ہے اور خبیر ہے۔ اس کی مراد یہ ہوتی کہ شجرۃ الکون کی صورت پر اللہ تعالیٰ کا ظہور ہے اور یہ اُس ذات کا کمال لطف ہے اور اس شجرۃ الکون کا ثمرہ خبیر یعنی حضرت انسان ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ نے یہ قول نُقْمَان ہمارے لئے بالمعنی نقل کیا ہے یعنی نُقْمَان علیہ السلام کا قول عربی لغت میں نہ تھا بلکہ کسی اور لغت میں تھا اور اللہ تعالیٰ نے اُس قول کا مفہوم بیان کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مِنْ دَعْنِ اُس قول کی نقل کی ہے اُس قول کے مفہوم میں کوئی رد و بدل نہیں کیا۔ اور اگر نُقْمَان کا یہ

قول (إِنَّ اللَّهَ لَطِيفٌ خَبِيرٌ) اللہ تعالیٰ کا قول ہے تو پھر کلمہ کان کا ترک کرنا اس لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نعمان
 کی استعداد سے جان لیا تھا کہ اگر نعمان اس حکمت کو تمام کرتے تو ضرور اس قول کے ساتھ تمام کرتے۔
 وَآمَّا آتِہٖ اَوْ لٰیکنُ نعمان کا قول (إِنَّ تِلْكَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ) اگر کوئی چیز رائی کے دانہ کے برابر
 ہو، اُس حیوان خورد کیلئے ہے جس کی غذا رائی کا دانہ ہے اور وہ حیوان چوئیٹی ہے۔ ذرہ سے اس جگہ مراد چوئیٹی
 ہے جو اللہ تعالیٰ کے قول ذیل میں مذکور ہے (فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ) وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ
 شَرًّا يَرَهُ۔ پس اصغر متغذی چوئیٹی ہے اور اصغر غذا رائی کا دانہ ہے۔ حکمت اس قول میں یہ ہے کہ ہر
 ذرہ اور ہر رائی کے دانہ پر حق تعالیٰ محیط ہے یعنی کوئی حقیر سے حقیر شے بھی اُس کے وجود سے خالی نہیں۔ نیز
 ہر غذا اور ہر متغذی کی صورت پر حق تعالیٰ کا ظہور ہے یعنی ہر شے کی صورت اور ہر شے کا معنی حق تعالیٰ ہے۔
 اور اگر کوئی چیز وجود میں ذرہ سے چھوٹی ہوتی تو اللہ تعالیٰ البتہ اُس کو لاتا جیسا کہ اپنے قول ذیل میں لایا
 ہے (إِنَّ اللَّهَ لَا يَسْتَحْيِي أَنْ يَضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوضَةً) کہ اللہ تعالیٰ اس بات سے نہیں شرماتا ہے کہ
 کوئی مچھر کی مثال بیان کرے، پھر جب جانا کہ وجود میں تحقیق مچھر سے بہت چھوٹی چیز ہے تو فرمایا (فَمَا
 تَوْفَّاهَا) پھر جو مافوق اُس کے ہے یعنی چھوٹائی میں بڑھ کر ہے۔ اور یہ مچھر والا قول اللہ تعالیٰ کا ہے اور ایسے
 ہی ذرہ والا قول جو سورہ زلزال میں ہے وہ بھی اللہ تعالیٰ کا قول ہے۔ یعنی یہ دونوں اقوال حکایتاً نقل
 نہیں کئے گئے بلکہ اللہ تعالیٰ کے اقوال ہیں۔ اُسے طالب! تو اس کو جان لے یعنی یہ اقوال تو اللہ تعالیٰ کے
 ہیں اور (إِنَّ تِلْكَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ) نعمان علیہ السلام کا قول ہے۔ مچھر والی آیت سے یہ ثابت ہوتا
 ہے کہ جب مچھر سے چھوٹی چیز ہے تو ذرہ سے بھی چھوٹی چیز ضرور ہے۔ پس ہم نے جان لیا کہ اللہ تعالیٰ نے
 ذرہ کے وزن پر اور اُس چیز پر جو اُس سے چھوٹی ہے یعنی مچھر کے وزن پر قصر نہیں کیا بلکہ ان دونوں کو مبالغہ کے طور پر لایا ہے اور
 اللہ تعالیٰ دانا تو ہے۔ یعنی ذرہ اور مچھر سے چھوٹی چیزیں ہیں لیکن ان بڑی چیزوں کا ذکر اس لئے کیا ہے کہ یہ چیزیں لوگوں کے ذہن میں آ سکتی ہیں
 ذرہ اور مچھر اُن اصغر چیزوں کے مقابلہ میں بڑی ہیں۔ مراد یہ ہے کہ نعمان علیہ السلام نے جو رائی کے دانہ کی
 مثال دی ہے اس سے اُن کی یہ مراد ہرگز نہیں کہ صغیر ترین چیز رائی کا دانہ ہے بلکہ اُن کی مراد یہ ہے کہ
 رائی کے دانہ سے بھی اصغر چیزیں ہیں مگر رائی کا دانہ لوگوں کے ذہن میں آ سکتا ہے۔ لُب لب اس قول
 کا یہ ہے کہ صغیر ترین اور حقیر ترین چیز کو بھی اللہ تعالیٰ ہی لاتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کا ظہور صرف انبیاء اور اولیاء
 کی صورت پر ہی نہیں کیا بلکہ کفار اور منافقین اور مشرکین کی صورت پر بھی اُسی کا ظہور ہے۔ کیا ادنیٰ اور

کیا اعلیٰ سب اُسی کے مظاہر ہیں ؟

اور لیکن لقمان کا اپنے بیٹے کے نام کو تصغیر کرنا یعنی رابن کی بجائے یبْنٰی فرمانا رحمت کی رُو سے ہے۔ اور اسی لئے لقمان نے اپنے بیٹے کو اُس چیز کے ساتھ وصیت کی جس پر عمل پیرا ہونے سے وہ سعادت مند ہو جاتے اور زمرہ صالحین میں شامل ہو جاتے ؟

اور لیکن لقمان کی اُس وصیت کی حکمت جو اُس نے اپنے لڑکے کو شرک سے منع کرنے میں کی اور جو آیہ کریمہ (یُبْنٰی لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ) میں مندرج ہے، یہ ہے کہ مُشْرک ظالم ہے و شرک ظلم ہے اور مقام اُلُوہیت مظلوم ہے۔ مُشْرک بتوں کی پرستش کرتا ہے۔ ہر بُت کو معبود مانتا ہے۔ کسی بُت کو رزق دینے والا خدا مانتا ہے، کسی کو بارش دینے والا، کسی کو صحت دینے والا، علیٰ ہذا القیاس ہر بُت سے وہ ایک خاص حاجت مانگتا ہے۔ نیز وہ اللہ تعالیٰ کو بھی مانتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ بُت مجھے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مقرب کر دیں گے اور یہ بُت میری اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں شفاعت کریں گے۔ مُشْرک ظالم ہے اور مقام اُلُوہیت مظلوم ہے کیونکہ مُشْرک نے مقام اُلُوہیت کی تعریف ساتھ انقسام کے کی حالانکہ اللہ تعالیٰ تقسیم و انقسام سے منزہ ہے۔ صفات ذات سے مُتفک و جدا کسی صورت میں نہیں ہو سکتیں اور وہ صفات الہیہ کو ذات سے علیحدہ کرتا ہے اور ایک ایک صفت کو علیحدہ علیحدہ معبودوں میں حصر کرتا ہے حالانکہ مقام اُلُوہیت ایک عین واحدہ ہے یعنی وہ ایک ذات ہے جس کی صفات لامتناہی ہیں۔ ہر صفت کیلئے ایک اسم ہے اور جملہ اسماء الہیہ اُس ذات واحدہ کے ہی اسماء ہیں جو اُس ذات سے مُتفک اور جدا نہیں ہو سکتے یعنی وہ ذات ٹکڑے ٹکڑے نہیں ہو سکتی کہ ہر صفت علیحدہ علیحدہ ہو سکے۔ مُشْرک مقام اُلُوہیت میں سے ناذر قیت کو علیحدہ کر کے اُس کو ایک خاص معبود میں حصر کر دیتا ہے اور ایسے ہی خالقیت کو علیحدہ کر کے اُس کو ایک دوسرے معبود میں حصر کر دیتا ہے حتیٰ کہ ہر ہر صفت الہیہ کو ایک ایک معبود میں حصر کر دیتا ہے اور یہ ہی شرک ہے کہ ہر معبود کو اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہراتا ہے یعنی صفات الہیہ کو اصل مقام سے اٹھا کر غلط مقام پر حمل کرتا ہے اور یہ ہی ظلم ہے کیونکہ کسی شے کو اُس کے اصل مقام سے اٹھا کر غلط مقام پر رکھنے کا نام ظلم ہے۔ اور پھر جہالت کی غایت یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہی کو اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہراتا ہے یعنی مُشْرک اپنے معبودوں کو صفات الہیہ کاملہ میں شریک ٹھہراتا ہے اور ساتھ ہی ان معبودوں کو غیر اللہ مانتا ہے حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ ہی کے مظاہر ہیں پس وہ اللہ تعالیٰ ہی کی ذات کو اللہ تعالیٰ

کہ شریک ٹھہراتا ہے۔ اور اس شرک کا سبب یہ ہے کہ اُس مُشرک شخص کو معرفت الہی حاصل نہیں اور نہ ہی
 وہ اشیاء کی حقیقت کو جانتا ہے۔ وہ یہ نہیں جانتا کہ یہ مختلف صُور اُسی عین واحدہ کی ہیں اور وہ ہی ذات ان
 مختلف صُورتوں پر جلوہ نما ہے۔ مُشرک اُس مقام اُلوہیت میں ایک صُورت کو دوسری کا شریک ٹھہراتا ہے
 اور اسی لئے ہر ایک صُورت کیلئے اُس مقام رُبوبیت میں ایک خاص جُز ٹھہراتا ہے۔ وہ ایک صُورت کو خالق
 مانتا ہے اور ایک صُورت کو رازق مانتا ہے اور اس طرح ایک کو دوسرے کا شریک یعنی بَدّ مقابل ٹھہراتا ہے،
 حالانکہ شراکت کے معاملہ میں یہ امر معلوم ہے کہ جب ایک محل یا مکان دو آدمیوں میں مُشرک ہے اور ہر
 ایک کا اپنا اپنا حصّہ اُس میں مُعین ہے تو اس صُورت میں اُن کی کوئی شراکت نہیں البتہ مکان واحد ہو سکی
 صُورت میں وہ آپس میں شریک ہیں۔ پس بظاہر بھی ایک صُورت دوسری صُورت کی شریک نہیں اور حقیقت
 کی رُوسے تو اللہ تعالیٰ کا شریک کوئی ہو سکتا ہی نہیں کیونکہ اُس کے سوا کوئی دوسرا وجود ہے ہی نہیں جو
 اُس کا شریک بنے۔ اسی طرح ایک صُورت دوسری کی شریک نہیں ہو سکتی کیونکہ دونوں اُسی عین واحدہ
 کی صُورتیں ہیں اور ہر صُورت کو اُس عین واحدہ سے ایک خاص حُظ نصیب ہے۔ اس سے یہ مُراد نہیں کہ
 ہر صُورت ایک خاص صفت کیلئے مختص ہے بلکہ اس سے یہ مُراد ہے کہ ہر صُورت میں صفات الہیہ کا ظہور
 اُس صُورت کی استعداد کی مطابق ہے۔ وہ ذات تقسیم و انقسام سے مُنترہ ہے۔ چند آدمیوں کی ایک مکان میں
 شراکت اس طور پر جائز ہے کہ وہ مکان سب میں مُشرک ہو یعنی اُس شراکت کا سبب مُشااعت ہے مُشااعت
 سے مُراد یہ ہے کہ حصّے مُعین نہ کئے جائیں۔ مُراد یہ ہے کہ جملہ صُور مرتبہ ذات بحت میں بالقوہ مندرج ہیں۔
 اُس مرتبہ میں اُن کی آپس میں کوئی تمیز نہیں لہذا وہ سب عین ذات ہیں اور وہ شیونات الہیہ ہیں۔ مُشااعت
 سے مُراد غیر تقسیم شدہ زمین ہوتا ہے۔ دَرَانُکَ نَتَّ اِلَیْہِ اور اگر ایک مکان میں دو آدمی شریک ہیں اور اُنکی
 شراکت مُشااعت ہے تو بھی تصرّف اُن دونوں میں سے ایک کا ہوگا اور اس اعتبار سے بھی شراکت مُشااعت
 زائل ہو جاتی ہے۔ مُراد اس عبارت کی یہ ہے کہ عالم میں تصرّف حقیقی اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے۔ مخلوق
 میں اُسی کا تصرّف ہے۔ اُس کے کاروبار میں کسی کو شراکت نہیں۔ نیز جب کہ غیر کا وجود ہی عدم ہے تو شریک
 باری تعالیٰ کا وجود بھی عدم ہے۔ مخلوق اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ایسے بے جیسے کاتب کے ہاتھ میں قلم ہوتا ہے یا کاریگر کے ہاتھ میں ہتھیار ہوتا
 ہے۔ نیز اس مسئلہ شراکت کی رُوح اور حقیقت یہ ہے کہ جملہ صُور اُسی عین واحدہ کی ہیں۔ جملہ اسماء اُسی
 ذات واحدہ کے ہیں۔ جب کوئی شخص کسی ایک اسم کیساتھ اللہ تعالیٰ کو پکارتا ہے تو حقیقت میں وہ اللہ تعالیٰ

ہی کو پکارتا ہے اسی لئے ارشاد ہوا (قُلْ ادْعُوا اللَّهَ أَدْعُوا الرَّحْمٰنَ) پکارو تم اللہ کو یا پکارو تم جن کو بات ایک ہی ہے۔ بلکہ ارشاد ہوا (وَبِلِلّٰهِ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنٰی فَادْعُوهُ بِهَا) اور سب خاص نام اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں پس اُن کے ساتھ اُس کو پکارو۔ مراد یہ ہے کہ جس صورت سے کوئی حاجت طلب کرتا ہے تو وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ ہی سے حاجت طلب کرتا ہے کیوں کہ ہر صورت پر اللہ تعالیٰ ہی متعلق ہے۔

فَصُّ حِكْمَةِ إِمَامِيَّةٍ فِي كَلِمَةِ هَارُونِيَّةٍ

إِعْلَمَ أَنَّ وُجُودَ هَارُونَ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَانَ مِنْ حَضَرَةِ الرَّحْمٰنِ يَقُولُهُ تَعَالَى (وَوَهَبْنَاهُ مِنْ رَحْمَتِنَا) يَعْنِي يُوسَى (أَخَاهُ هَارُونَ نَبِيًّا) فَكَانَتْ نُبُوَّتُهُ مِنْ حَضَرَةِ الرَّحْمٰنِ فَإِنَّهُ كَانَ أَكْبَرَ مِنْ مُوسَى سِنًا فَكَانَ مُوسَى أَكْبَرَ مِنْهُ نُبُوَّةً وَلَمَّا كَانَتْ نُبُوَّةُ هَارُونَ مِنْ حَضَرَةِ الرَّحْمٰنِ إِذْ ذَٰلِكَ قَالَ لِأَخِيهِ مُوسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ (يَا بُنَاؤُمَّ) فَتَ دَاكَا بِأُمِّهِ لَا بِأَبِيهِ إِذْ كَانَتْ الرَّحْمَةُ لِلْأُمِّ دُونَ الْآبِ أَوْ فَرَفِي الْحُكْمِ وَ لَوْ لَا تِلْكَ الرَّحْمَةُ مَا صَبَرْتُ عَلَى مُبَاشَرَةِ التَّوْبِيَةِ ثُمَّ قَالَ (لَا تَأْخُذْ بِرَحْمَتِي وَلَا بِرَأْسِي) فَلَا تُشِيتْ بِي الْأَعْدَاءُ فَلَمَّا أَكَلَهُ نَفْسٌ مِنْ أَنْفَاسِ الرَّحْمَةِ دَسَبَ ذَٰلِكَ عَدَمُ التَّثَبُّتِ فِي النَّظَرِ فِيمَا كَانَ فِي يَدَيْهِ مِنَ الْأَوْجِ الْبَتَّى الْقَاهَا مِنْ يَدَيْهِ فَلَوْ نَظَرَ فِيهَا نَظَرَ تَثَبُّتٍ لَوَجَدَ فِيهَا الْهُدَى وَالرَّحْمَةَ فَالْهُدَى بَيِّنٌ مَا وَقَعَ مِنَ الْأَمْرِ الَّذِي أَغْضَبَهُ مِمَّا هُوَ آيَ هَارُونَ بِرَأْسِي مِنَ الرَّحْمَةِ بِأَخِيهِ فَكَانَ لَا يَأْخُذُ بِرَحْمَتِهِ بِرَأْسِي مِنْ قَوْمِهِ مَعَ كِبَرِهِ وَأَنَّهُ أَسَنُ مِنْهُ وَكَانَ ذَٰلِكَ مِنْ هَرُونَ شَفَقَةً عَلَى مُوسَى لِأَنَّ نُبُوَّةَ هَارُونَ مِنْ رَحْمَةِ اللَّهِ فَلَا يَقْدَرُ مِنْهُ إِلَّا مِثْلُ هَٰذَا ثُمَّ قَالَ هَارُونَ يُوسَى عَلَيْهِمَا السَّلَامُ (رَأَيْتُ خَشْيَتُ أَنْ تَقُولَ فَرَّقْتَ بَيْنَ بَنِي إِسْرَءِيلَ) فَجَعَلَهُ سَبِيًّا فِي تَفْرِيقِهِمْ فَإِنَّ عِبَادَةَ الْعِجْلِ فَرَّقَتْ بَيْنَهُمْ فَكَانَ مِنْهُمْ مَنْ عَبَدَ الْإِسْبَاقَ وَالسَّامِرِيِّ وَتَقْلِيدَ آلِهِ وَمِنْهُمْ مَنْ تَوَقَّفَ عَنْ عِبَادَتِهِ حَتَّى يَرْجِعَ مُوسَى إِلَيْهِمْ فَيَسْأَلُونَهُ فِي ذَٰلِكَ فَخَشِيَ هَارُونَ أَنْ يَنْسَبَ ذَٰلِكَ الْهَرَقَانِ بَيْنَهُمْ إِلَيْهِ وَكَانَ مُوسَى أَعْلَمَ بِالْأَمْرِ مِنْ هَرُونَ لِأَنَّهُ عَلَيْهِ مَا عَبَدَ الْإِسْبَاقَ الْعِجْلَ يَعْلَمُهُ بِأَنَّ اللَّهَ قَدْ قَضَى (لَا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ) وَ مَا حَكَمَ اللَّهُ بِشَيْءٍ إِلَّا وَ قَدْ كَانَ عَنَبُ مُوسَى أَخَاهُ هَارُونَ لِيَدَا وَقَعَ الْأَمْرُ

فِي انْكَارِهِ وَعَدَمِ اتِّسَاعِهِ فَإِنَّ الْعَارِفَ مَنْ يَرَى الْحَقَّ فِي كُلِّ شَيْءٍ بَلْ يَرَاهُ عَيْنَ كُلِّ شَيْءٍ
 فَكَانَ مُوسَى يَرِي هَارُونَ تَرْبِيَةً عَلَيْهِ وَإِنْ كَانَ أَصْغَرَ مِنْهُ فِي السِّنِّ وَلِذَلِكَ لَمَّا قَالَ
 لَهُ هَارُونَ مَا قَالَ رَجَعَ إِلَى السَّامِرِيِّ فَقَالَ لَهُ (فَمَا خَطْبُكَ يَا سَامِرِيُّ) يَعْنِي فِيمَا صَنَعْتَ مِنْ
 عَدُوْلِكَ إِلَى صُورَةِ الْعِجْلِ عَلَى الْإِخْتِصَاصِ وَصُنْعِكَ هَذَا الشَّبَهَ مِنْ حُلِيِّ الْقَوْمِ حَتَّى أَخَذْتَ
 بِقُلُوبِهِمْ مِنْ أَجْلِ أَمْوَالِهِمْ فَإِنَّ عَيْسَى يَقُولُ لِبَنِي إِسْرَائِيلَ يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ قَلْبُ كُلِّ
 إِنْسَانٍ حَيْثُ مَالُهُ فَاجْعَلُوا أَمْوَالَكُمْ فِي السَّمَاءِ تَكُنْ قُلُوبُكُمْ فِي السَّمَاءِ وَمَا سُمِّيَ الْمَالُ
 مَالًا إِلَّا لِيَكُونَهُ بِالذَّاتِ تَسِيلُ الْقُلُوبِ إِلَيْهِ بِالْعِبَادَةِ فَهُوَ الْمَقْصُودُ الْأَعْظَمُ الْمُعْظَمُ فِي الْقُلُوبِ
 لِمَا فِيهَا مِنَ الْإِفْتِقَارِ إِلَيْهِ وَلَيْسَ لِلصُّورَةِ بَقَاءٌ فَلَا بُدَّ مِنْ ذَهَابِ صُورَةِ الْعِجْلِ لَوْ لَمْ يَسْتَعْجِلْ
 مُوسَى بِحَرْقِهِ فَغَلَبَتْ عَلَيْهِ الْغَيْرَةُ فَحَرَّقَهُ ثُمَّ نَسَفَ بِمَا دَتَكَ الصُّورَةُ فِي الْيَوْمِ نَسْفًا
 وَقَالَ لَهُ (وَالنَّظَرُ إِلَى إِلَهِكَ) فَسَمَّاكَ إِلَهًا بِطَرِيقِ التَّشْبِيهِ لِلتَّعْلِيمِ لَهَا عِلْمٌ أَنَّه بَعْضُ
 السَّجَاجِي إِلَّا لِهَيْئَةِ لَأَحَرِّقَنَّهُ فَإِنَّ حَيَوَانِيَّةَ الْإِنْسَانِ لَهَا التَّصَرُّفُ فِي حَيَوَانِيَّةِ الْحَيَوَانِ
 يَكُونُ اللَّهُ سَخَّرَهَا لِلْإِنْسَانِ وَلَا سِيَّيَا دَا صُلَهُ لَيْسَ مِنْ حَيَوَانٍ فَكَانَ أَعْظَمَ فِي التَّخْيِيرِ
 لِأَنَّ غَيْرَ الْحَيَوَانِ مَالُهُ إِرَادَةً بَلْ هُوَ بِحُكْمٍ مَنْ يَتَصَرَّفُ فِيهِ مِنْ غَيْرِ إِبَاءٍ وَآمَّا
 الْحَيَوَانُ فَهُوَ ذُو إِرَادَةٍ وَغَرَضٍ فَقَدْ يَقَعُ مِنْهُ الْإِبَاءُ فِي بَعْضِ التَّصَرُّفِ فَإِنْ كَانَ فِيهِ
 قُوَّةٌ إظهار ذلك فظهر منه الْجُمُوحُ لِمَا يُرِيدُ مِنْهُ الْإِنْسَانُ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ هَذِهِ
 الْقُوَّةُ أَوْ يُصَادَتْ غَرَمَ الْحَيَوَانِ انْقَادَ مَذَلًّا لِمَا يُرِيدُ مِنْهُ كَمَا يَنْقَادُ مِثْلُهُ
 لِأَمْرِ فَيُنَادِي رَفَعَهُ اللَّهُ بِهِ مِنْ أَجْلِ الْمَالِ الَّذِي يَرْجُو مِنْهُ الْمَعْبَرُ عَنْهُ فِي بَعْضِ الْأَحْوَالِ
 بِالْأَجْرَةِ فِي قَوْلِهِ (وَمَنْ نَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ لِيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سَخِرِيًّا) فَمَا
 تَسَخَّرَ مَنْ هُوَ مِثْلُهُ إِلَّا مِنْ حَيَوَانِيَّتِهِ لَا مِنْ إِنْسَانِيَّتِهِ فَإِنَّ الْمِثْلَيْنِ مِنْهُ أَنْ يَتَسَخَّرَ الْأَرَفَعُ فِي الْمَنْزِلَةِ بِالسَّالِ أَوْ
 بِالْمَجْلُوكِ بِإِنْسَانِيَّتِهِ وَيَتَسَخَّرَ لَهُ ذَلِكَ الْآخِرُ إِمَّا خَوْفًا أَوْ طَمَعًا مِنْ حَيَوَانِيَّتِهِ لَا مِنْ إِنْسَانِيَّتِهِ فَمَا تَسَخَّرَ
 لَهُ مَنْ هُوَ مِثْلُهُ إِلَّا تَرَى مَا بَيْنَ الْبَهَائِمِ مِنَ التَّخْرِيشِ لِأَنَّهُمْ أَمْثَالُ قَالِمِثْلَانِ مِنْهُ إِنْ
 وَلِذَلِكَ قَالَ تَعَالَى (وَمَنْ نَعْبُذُكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ) فَمَا هُوَ مَعَهُ فِي دَرَجَةِ تَوْقَعِ
 التَّخْيِيرِ مِنْ أَجْلِ الدَّرَجَاتِ وَالتَّخْيِيرُ عَلَى قِسْمَيْنِ تَخْيِيرٌ مُرَادٍ لِلْمُسَخَّرِ اسْمٌ فَاعِلٍ قَاهِرٌ

فِي تَسْخِيرِهِ لِهَذَا الشَّخْصِ الْمُسَخَّرِ كَتَسْخِيرِ السَّيِّدِ لِعَبْدِهِ وَإِنْ كَانَ مِثْلَهُ فِي الْإِنْسَانِيَّةِ وَ
 كَتَسْخِيرِ السُّلْطَانِ لِرَعَايَاكَ وَإِنْ كَانُوا أَمْثَالاً لَهُ فِي الْإِنْسَانِيَّةِ فَسَخَّرَهُمْ بِالذَّرَجَةِ وَ
 الْقِسْمِ الْآخِرِ تَسْخِيرُ بِالْحَالِ كَتَسْخِيرِ الرُّعَايَا لِلْمَلِكِ الْقَائِمِ بِأَمْرِهِمْ فِي الذِّبِّ عَنْهُمْ وَ
 حِمَايَتِهِمْ وَتَقَاتِلَ مَنْ عَادَاهُمْ وَحِفْظِ أَمْوَالِهِمْ وَ أَنْفُسِهِمْ عَلَيْهِمْ وَ هَذَا كُلُّهُ تَسْخِيرٌ بِالْحَالِ
 مِنَ الرُّعَايَا يُسَخَّرُونَ بِذَلِكَ مَلِكُهُمْ وَيُسَمَّى عَلَى الْحَقِيقَةِ تَسْخِيرًا لِهَرْتَبَةٍ قَالِبَرْتَبَةٍ
 حَكَمَتْ عَلَيْهِ بِذَلِكَ فَمِنَ الْمُلُوكِ مَنْ سَعَى لِنَفْسِهِ وَمِنْهُمْ مَنْ عَرَفَ الْآخِرَ فَعَلِمَ أَنَّ
 بِالْهَرْتَبَةِ فِي تَسْخِيرِ رَعَايَاكَ فَعَلِمَ قَدَرَهُمْ وَحَقَّهُمْ فَأَحَدَهُ اللَّهُ عَلَى ذَلِكَ أَخْبَرَ الْعُلَمَاءَ
 بِالْآخِرِ عَلَى مَا هُوَ عَلَيْهِ وَ أَخْبَرُ مِثْلُ هَذَا يَكُونُ عَلَى اللَّهِ مِنْ كَوْنِ اللَّهِ فِي شُئُونِ عِبَادِهِ
 فَالْعَالَمُ كُلُّهُ مُسَخَّرٌ بِالْحَالِ مِنْ لَا يُنْكِرُ أَنْ يُطْلَقَ عَلَيْهِ أَنَّهُ مُسَخَّرٌ قَالَ تَعَالَى رُكِّلَ
 يَوْمَهُ هُوَ فِي شَأْنٍ نَكَانَ عَدَمُ قُوَّةٍ إِنْ دَاخِلَ هَارُ ذُنْ بِالْفِعْلِ أَنْ تَنْفَعَهُ فِي آصْحَابِ الْعِجْلِ
 بِالتَّسْلِيْطِ عَلَى الْعِجْلِ كَمَا سُلِّطَ مُوسَى عَلَيْهِ حِكْمَةٌ مِنَ اللَّهِ ظَاهِرَةً فِي الْوُجُودِ لِيُعْبَدَ
 فِي كُلِّ صُورَةٍ وَإِنْ ذَهَبَتْ تِلْكَ الصُّورَةُ بَعْدَ ذَلِكَ فَمَا ذَهَبَتْ إِلَّا بَعْدَ مَا تَلَبَّسَتْ
 عِنْدَ عَابِدِهَا بِالْأُلُوْهِيَّةِ وَلِهَذَا مَا بَقِيَ نَوْعٌ مِنَ الْأَنْوَاعِ إِلَّا وَ عِبَادَةً تَأْتِي
 وَ مَا عِبَادَةً تَسْخِيرٍ فَلَا بُدَّ مِنْ ذَلِكَ بِمَنْ عَقَلَ وَ مَا عِبْدَ شَيْءٍ مِنَ الْعَالَمِ إِلَّا لِبَعْدِ التَّلَبُّسِ
 بِالرَّفْعَةِ عِنْدَ الْعَابِدِ وَالظُّلُومِ بِالذَّرَجَةِ فِي قَلْبِهِ وَ لِذَلِكَ يُسَمَّى الْحَقُّ لَنَا بِرَفِيعِ الدَّرَجَاتِ
 وَلَمْ يَقُلْ بِرَفِيعِ الدَّرَجَةِ فَكَثُرَتْ الدَّرَجَاتُ فِي عَيْنٍ وَاحِدَةٍ فَإِنَّهُ تَقْنَى (إِلَّا تَعْبُدُوا
 إِلَّا إِيَّاهُ) فِي دَرَجَاتٍ كَثِيرَةٍ مُخْتَلِفَةٍ آعْطَتْ كُلَّ دَرَجَةٍ مَحَلًّا إِلَهِيًّا عِبْدَ فِيهَا وَ آعْظَمُ
 مَحَلًّا عِبْدَ فِيهِ وَ آَعْلَاهُ الْهُوَى كَمَا قَالَ تَعَالَى (أَفَرَأَيْتَ مَنْ اتَّخَذَ إِلَهَهُ هَوَاهُ) فَهُوَ
 آَعْظَمُ مَعْبُودٍ فَإِنَّهُ لَا يُعْبَدُ شَيْءٌ إِلَّا بِهِ وَ لَا يُعْبَدُ هُوَ إِلَّا بِذَاتِهِ وَ فِيهِ آَقُولُ شَعْرُ
 وَ حَقِّ الْهُوَى إِنْ الْهُوَى سَبَبُ الْهُوَى ؛ وَلَوْ لَا الْهُوَى فِي الْقَلْبِ مَا عِبَدَ الْهُوَى
 آَلَا تَرَى عِلْمَ اللَّهِ بِالْأَشْيَاءِ مَا آَكْمَلَهُ كَيْفَ تَسْمَعُ فِي حَقِّ مَنْ عِبَدَ هَوَاهُ وَ اتَّخَذَ إِلَهًا
 فَقَالَ (وَآَحْتَلَّهُ اللَّهُ عَلَى عِلْمِهِ) وَ الصَّلَاةُ الْحَيْرَةُ وَ ذَلِكَ أَنَّ لَمَّا رَأَى هَذَا الْعَابِدَ مَا
 عِبَدَ إِلَّا هُوَ بِالْقِيَادَةِ بِطَاعَتِهِ فِيمَا يَأْمُرُكَ بِهِ مِنْ عِبَادَةٍ مِنْ عِبَادَةٍ مِنَ الْأَشْيَاءِ حَتَّى

أَنَّ عِبَادَةَ اللَّهِ كَانَتْ عَنْ هَوَىٰ أَيْضًا لِأَنَّهُ لَوْ لَمْ يَقَعْ لَهُ فِي ذَلِكَ الْجَنَابِ الْمَقْدَرُ مِنْ هَوَىٰ وَ
 هُوَ الْإِرَادَةُ بِمَحَبَّةِ مَا عِبَدَ اللَّهُ وَلَا اشْرَكَ عَلَى غَيْرِهِ وَكَذَلِكَ كُلُّ مَنْ عِبَدَ صُورَةً مَّا مِنْ
 صُورِ الْعَالَمِ وَاتَّخَذَهَا إِلَّا بِالْهَوَىٰ فَالْعَابِدُ لَا يَزَالُ تَحْتَ سُلْطَانِ هَوَاكَ ثُمَّ رَأَى الْمَعْبُودَاتِ
 تَتَنَوَّعُ فِي الْعَابِدِينَ فَكُلُّ عَابِدٍ أَمْرًا مَا يُكْفِرُ مَنْ يَعْبُدُ سِوَاكَ وَالَّذِي عِنْدَكَ أَذْنًا تَنْبُهُ
 يَحَارُ لَا يَحَادِثُ الْهَوَىٰ بَلْ لِأَحَدِيَّةِ الْهَوَىٰ فَإِنَّهُ عَيْنٌ وَاحِدَةٌ فِي كُلِّ عَابِدٍ فَأَصْلَهُ اللَّهُ أَمْ
 خَيْرَكَ عَلَىٰ عِلْمٍ فَإِنَّ كُلَّ عَابِدٍ مَا عِبَدَ إِلَّا هَوَاهُ وَلَا اسْتَعْبَدَكَ إِلَّا هَوَاهُ سِوَاءَ صَادَقَ الْأَمْرُ
 الْمَشْرُوعَ أَوْ لَمْ يُصَادَفْ وَالْعَارِفُ الْمُكَمَّلُ مِنْ رَأَى كُلَّ مَعْبُودٍ مُجَلِّيًّا لِلْحَقِّ يُعْبَدُ فِيهِ وَ
 لِذَلِكَ سَمَّوْهُ كُلَّهُمْ إِلَهًا مَعَ اسْمِهِ الْخَامِ بِحَجَرٍ أَوْ شَجَرٍ أَوْ حَيَوَانٍ أَوْ إِنْسَانٍ أَوْ نَارٍ
 أَوْ كَوْكَبٍ أَوْ مَلَكٍ هَذَا اسْمُ الشَّخْصِيَّةِ فِيهِ وَالْأُلُوهِيَّةُ مَرْتَبَةٌ تَخِيلُ الْعَابِدُ لَهُ أَنَّهَا
 مَرْتَبَةٌ مَعْبُودَةٌ وَهِيَ عَلَى الْحَقِيقَةِ مُجَلِّيٌّ لِلْحَقِّ لِيَبْصُرَ هَذَا الْعَابِدُ الْخَامِ مِنَ الْمُتَعَكِّفِ عَلَى
 هَذَا الْمَعْبُودِ فِي هَذَا الْمَجَلِّيِّ الْمُخْتَصِرِ وَبِهَذَا قَالَ بَعْضُ مَنْ لَمْ يَعْرِفْ مَقَالَةَ جَهَالَةٍ (مَا
 نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللَّهِ زُلْفَى) مَعَ تَسْيِيئِهِمْ رَأْيًا هُوَ إِلَهَةٌ حَتَّى قَالُوا (أَجْعَلِ الْإِلَهَةَ
 إِلَهًا وَاحِدًا إِنَّا هَذَا شَيْءٌ عَجَابٌ) فَمَا أَنْكَرُوهُ بَلْ تَعَجَّبُوا مِنْ ذَلِكَ فَإِنَّهُمْ دَقُّوا
 مَعَ كَثْرَةِ الصُّوَرِ وَنِسْبَةِ الْأُلُوهِيَّةِ لَهَا فَجَاءَ الرَّسُولُ وَدَعَا هُمْ إِلَى الْإِلَهِ وَاحِدٍ يُعْرَفُ وَ
 لَا يُشْهَدُ بِشَهَادَتِهِمْ أَنَّهُمْ أَثْبَتُوهُ عِنْدَهُمْ وَاعْتَقَدُوهُ فِي قَوْلِهِمْ (مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا
 إِلَى اللَّهِ زُلْفَى) يَعْلَمُهُمْ بِأَنَّ تِلْكَ الصُّورَ حِجَارَةٌ وَبِذَلِكَ قَامَتِ الْحُجَّةُ عَلَيْهِمْ بِقَوْلِهِ (قُلْ
 سَمُّوهُمْ) فَمَا يَسْمُونَهُمْ إِلَّا بِمَا يَعْلَمُونَ أَنَّ تِلْكَ الْأَسْمَاءَ لَهُمْ حَقِيقَةٌ وَ أَمَّا الْعَارِفُونَ بِالْأَمْرِ
 عَلَى مَا هُوَ عَلَيْهِ فَيُظْهِرُونَ بِصُورَةٍ الْإِنْكَارِ لِمَا عِبَدَ مِنَ الصُّوَرِ لِأَنَّ مَرْتَبَتَهُمْ فِي الْعِلْمِ تُعْطِيهِمْ
 أَنْ يَكُونُوا بِحُكْمِ الْوَقْتِ بِحُكْمِ الرَّسُولِ الَّذِي آمَنُوا بِهِ عَلَيْهِمُ الَّذِي يَهِي بِهِ سُمُّوا مُؤْمِنِينَ
 فَلَهُمْ عِبَادَةُ الْوَقْتِ مَعَ عَلَيْهِمْ يَا نَبِيَّ هُمْ مَا عِبَدُوا مِنْ تِلْكَ الصُّوَرِ أَعْيَانَهَا وَإِنَّهَا عِبَادَةُ اللَّهِ
 فِيهَا بِحُكْمِ سُلْطَانِ التَّجَلِّيِّ الَّذِي عَرَفُوهُ مِنْهُمْ وَجَهَلَهُ الْمُنْكَرُ الَّذِي لَا عِلْمَ لَهُ بِهَا
 تَجَلَّى وَسَتَرَ الْعَارِفُ الْمُكَمَّلُ مِنْ نَبِيِّ وَرَسُولٍ وَوَارِثٍ عَنْهُمْ فَأَمْرُهُمْ بِالْإِنْتِزَاجِ
 عَنْ تِلْكَ الصُّوَرِ لِمَا إِنْتَزَحَ عَنْهَا رَسُولُ الْوَقْتِ رَاتِبًا عَالِمًا لِلرَّسُولِ طَمَعًا فِي مَحَبَّةِ اللَّهِ رَأْيًا هُوَ

التَّائِبَةُ يَقُولُ تَعَالَى (قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ) فَدَعَا إِلَى إِلَهِ يُفَمِّدُ
إِلَيْهِ وَيُعَلِّمُ مِنْ حَيْثُ الْجُهْلَةِ وَلَا يُشْهَدُ وَ (لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ) لِلطُّفِ
وَسَرَ يَا نَبِيَّ فِي أَعْيَانِ الْأَشْيَاءِ فَلَا تُدْرِكُهُ إِلَّا بَصَارُ كَمَا أَنَّهَا لَا تُدْرِكُ أَرْوَاحُهَا الْمُدْبِرَةُ
أَشْبَاهَهَا وَصُورَاهَا الظَّاهِرَةُ (وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ) وَالْخُبْرَةُ ذَوْقٌ وَالذَّوْقُ تَجَلٍّ وَ
التَّجَلِّيُّ فِي الصُّورِ فَلَا بُدَّ مِنْهَا وَلَا بُدَّ مِنْهُ فَلَا بُدَّ أَنْ يَعْبُدَكَ مَنْ رَأَى بِهَوَاكَ إِنْ قَدِمْتَ
وَعَلَى اللَّهِ تَصَدُّ السَّبِيلِ ۝

یہ حکمت امامیہ کا قصّ کلمہ ہارونیہ کے بیان میں ہے

حکمت احسانیہ کے بعد حکمت امامیہ لانے کی حکمت یہ ہے کہ احسان کا نتیجہ امامت ہے۔ اللہ تعالیٰ
جس پر احسان کرتا ہے اُس کو لوگوں کا امام بنا دیتا ہے۔ حکمت امامیہ کو حضرت ہارون علیہ السلام کی طرف
منسوب کرنے کی حکمت یہ ہے کہ ہارون علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام سے انصح اللسان تھے اور موسیٰ
علیہ السلام کی طرف سے امامت کے فرائض آپ ہی ادا کرتے تھے يَقُولُهُ تَعَالَى (وَآخِیْ هَادُونَ هُوَ
أَفْصَحُ مِنِّي لِسَانًا فَأَرْسَلْهُ مَعِيَ رِدْءًا يُصَدِّقُنِي إِنْ خِفْتُ أَنْ يُكَذِّبُونِ)۔ نیز قول ذیل بھی اس
پر شاہد ہے (وَیَضِيقُ صَدْرِي وَلَا يَنْطَلِقُ لِسَانِي فَأَرْسَلْ إِلَى هَادُونَ)۔ اگرچہ جملہ انبیاء علیہم السلام
لوگوں کے امام اور پیشوا ہوتے ہیں لیکن ہارون علیہ السلام کی امامت نرالی ہے کیونکہ جملہ انبیاء علیہم
السلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے بلا واسطہ امام مقرر کئے گئے ہیں اور ہارون علیہ السلام ایک رسول یعنی
موسیٰ علیہ السلام کی سفارش پر بلا واسطہ امام مقرر کئے گئے ہیں۔ اگرچہ نبی ہیں لیکن ایک رسول کی بھی
امامت کہہ رہے ہیں ۝

اے طالب! اس بات کو جان لے کہ تحقیق ہارون علیہ السلام کا وجود حضرت رحمت سے تھا۔
رحمت مبالغہ رحمت کا ہے یعنی آپ سرِ ایا رحمت و جمال کے مظہر تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر
جوشیلے رسول تھے چنانچہ جب آپ اللہ تعالیٰ کی طرف سے توریت لاتے تو دیکھا کہ قوم گوسالہ پرستی
میں مشغول ہے۔ آپ نے غصے میں آکر وہ توریت کی تختیاں زمین پر پھینک دیں اور اپنے بڑے بھائی
ہارون علیہ السلام کی داڑھی پکڑ لی يَقُولُهُ تَعَالَى (وَآلَقَى الْأَتَاحَ وَآخَذَ بِرَأْسِ أَخِيهِ يَجُرُّكَ إِلَيْهِ)

گویا آپ اجرائے احکام دین میں بڑے سخت تھے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت ہارون علیہ السلام کو آپ
 کیساتھ دین کی تبلیغ کیلئے شریک کیا کیونکہ ہارون علیہ السلام سراپا رحمت تھے، اخلاقِ حسنہ کے مالک تھے
 اور فصیح اللسان تھے۔ ہارون علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے امامت کے فرائض ادا کرتے تھے۔
 پس وہ سراپا رحمت تھے کیونکہ وہ رحمتِ الہیہ کے مظہر تھے بِقَوْلِهِ تَعَالَى (وَوَهَبْنَا لَهُ مِنْ رَحْمَتِنَا
 أَخَاكَ هَارُونَ نَبِيًّا) ہم نے اپنی رحمت سے اُس کو یعنی موسیٰ کو اُس کا بھائی ہارون بنی نجشا۔ پس
 ہارون علیہ السلام کی نبوت حضرت رحمت سے تھی۔ یعنی ہارون علیہ السلام کی نبوت محض عطیہ الہی تھا۔
 آپ نبوت سے پہلے نہ کسی آزمائش میں مبتلا کئے گئے اور نہ ہی آپ نے کوئی مجاہدہ کیا۔ آپ کی نبوت
 محض وہی تھی اور محض رحمتِ الہیہ سے تھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نبوت سے پہلے آزمائش میں ڈالے
 گئے اور آپ نے سخت مجاہدہ کیا۔ آپ پیدائش سے ہی آزمائش میں ڈالے گئے۔ فرعون جو دشمن تھا اُس
 کے گھر ہی پر درش پائی۔ بالآخر مدین کی طرف ہجرت کرنی پڑی اور حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس جا
 کر سخت مجاہدہ کیا۔ ہارون موسیٰ سے عمر میں بڑا تھا اور موسیٰ ہارون سے نبوت میں بڑا تھا کیونکہ موسیٰ علیہ
 السلام صاحبِ کتاب بنی یعنی رسول تھے اور ہارون علیہ السلام اُسی کتاب کی تائید کرتے تھے۔ دَلِيلًا
 اَدْرُجُوْنَكَ هَارُونَ كِي نُبُوْت حَضْرَت رَحْمَت سَے تھي يَحْنُ كِي چُونَكِ اَپ سَراپا رَحْمَت تھے اور غَضَبِ كَا اَپ مِي
 نَام تَك نَه تَهَا اَسَلْے جِب حَضْرَت مُوسَى عَلِيْهِ السَّلَام نَه غَضَبِنَاك هُو كَر اَپ كِي دَاڑْھِي پَكْرِي اور اِپنِي طَرَف
 كِهِيْنجِي تَو اَپ نَه فرمایا اُسے ميري مَال كے بيٹے! ميري دَاڑْھِي اور سَر نہ پَكْر اور مُجھ پَر دُشْمَنوں كو نہ بھنسا۔
 اَپ كے يِه مُجْد كَلِمَات انْفَاس رَحْمَت مِي سَے اِيك نَفْس هے۔ قُرْآن مجيد مِي يِه وَاقِع دَو جَك پَر مَذْكُور هے
 سُورَةُ طه مِي ارشاد هُوَا (قَالَ يَا بُنُوِّمْ لَا تَأْخُذْ بِلِحْيَتِي وَلَا بِرَأْسِي إِنِّي خَشِيتُ أَنْ تَقُولَ فَرَّقْتَ
 بَيْنَ بَنِي إِسْرَآئِيلَ وَلَمْ تَرْقُبْ قَوْلِي)۔ سُورَةُ اَعْرَاف مِي ارشاد هُوَا (وَلَمَّا رَجَعَ مُوسَى إِلَى قَوْمِهِ
 غَضْبَانَ أَيسِفًا قَالَ بَلْأَسَآ خَلَقْتُمُونِي مِنْ بَعْدِي أَفَعَلْتُمْ أَفَرَّ رَبُّكُمْ وَآلَفَى الْآلُفَاحَ وَآخَذَ
 بِرَأْسِ أَخِيهِ يَجُرُّهُ إِلَيْهِ قَالَ ابْنَ أُمَّ إِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضَعُّوْنِي وَكَادُوا يَكْتُلُونِي فَلَاسِيَتْ
 مِنِّي الْأَعْدَاءُ وَلَا تَجْعَلْنِي مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ)۔ (يَا بُنُوِّمْ) اُسے ميري مَال كے بيٹے! ہارون نے
 موسیٰ کو اِپنِي مَال كِيسَا تَه پَكَرَا اُپنَے باپ كِيسَا تَه نہ پَكَرَا۔ يِه اِس لُٹْ هے كِه اَوْلَاد كے سَق مِي مَال كِي رَحْمَت
 باپ كِي بَه نِسْبَت بَهْت زِيَادَه هے اور اَكْر مَال كے دِل مِي اَوْلَاد كِيسَلْے اسْقَدَر رَحْمَت نہ هُوتِي تَو وَه اَوْلَاد كِي

تربیت کی مباحثرت پر صبر نہ کرتی۔ وَ سَبَّٰتِ اَیْمٍ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہ طور سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے توریت لائے تو واپسی پر دیکھا کہ قوم گوسالہ پرستی میں مشغول ہے۔ آپ ہارون علیہ السلام سے غضبناک ہوئے اور آپ کی داڑھی پکڑی۔ آپ کے غضبناک ہونے کا سبب یہ ہے کہ آپ نے الواح توریت میں جو آپ کے ہاتھ میں تھیں نظر نہ کی بلکہ اُن تختیوں کو اپنے ہاتھ سے پھینک دیا۔ اگر موسیٰ علیہ السلام غور سے اُن الواح کو پڑھتے تو اُن میں ہدایت و رحمت پاتے۔ ہدایت تو اُس چیز کے بیان میں مذکور تھی جس کی وجہ سے موسیٰ غضب میں آیا۔ یعنی توریت میں گوسالہ پرستی کا ذکر مندرج تھا۔ اگر پڑھتے تو آپ کو پتہ چل جاتا کہ ہارون اُس سے بری تھے۔ نیز توریت میں یہ امر بھی مذکور تھا کہ حقیقی بھائی کا احترام کرنا چاہیے اور خاص کر بڑے بھائی کا ادب تو باپ کی مانند ہے۔ اگر پڑھتے تو بھائی کے ساتھ رحمت سے پیش آتے اور آپ کی بڑی عمر کا خیال رکھ کر اپنی قوم کے سامنے اُس کی داڑھی نہ پکڑتے۔ اگرچہ ہارون عمر میں موسیٰ سے بڑا تھا لیکن موسیٰ کی اس حرکت سے غضبناک نہ ہوا بلکہ کہا اے میری ماں کے بیٹے! میری داڑھی اور میرا سر نہ پکڑ اور میرے دشمنوں کو خوش نہ کر۔ یہ کلمات ہارون کی موسیٰ پر شفقت پر دال ہیں اگرچہ موسیٰ علیہ السلام نے ہارون علیہ السلام کو قوم کے سامنے ذلیل کیا لیکن پھر بھی ہارون علیہ السلام خلیق عظیم کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔ چونکہ خلیق عظیم امامت کیلئے لازمی ہے اسی لئے امامت اور تبلیغ کے فرائض ہارون علیہ السلام کے سپرد تھے۔ ہارون نے غضب ناک ہونے کی بجائے موسیٰ پر جو کمال شفقت کی اُس کی وجہ یہ ہے کہ نبوت ہارون رحمت الہیہ سے تھی یعنی آپ سرِ ایا رحمت اور سرِ ایا جمال تھے اور اس کے سوا اور کوئی چیز آپ سے صادر نہ ہو سکتی تھی۔ مراد یہ ہے کہ آپ کی رحمت بے اختیاری تھی۔

پھر ہارون علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام کو کہا (رَاٰی خَشِیَّتُ اَنْ تَقُوْلَ قَوْلَ بَيْنَ بَنِیْ) (مَسْرَآئِیْلَ) میں ڈرا کہ تو کہے گا، تو نے بنی اسرائیل میں پھوٹ ڈال دی۔ یعنی تو اُن کی آپس میں تفریق کا سبب مجھ کو گردانے۔ گوسالہ پرستی نے اُن کے درمیان جدائی ڈالی کیونکہ بعض اُن میں سے وہ شخص تھے جنہوں نے سامری کی تقلید و اتباع میں گوسالہ پرستی کی اور بعض اُن میں سے وہ شخص تھے جنہوں نے اُس کی پرستش سے توقف کیا تاکہ موسیٰ علیہ السلام اُن کی طرف لوٹ آویں اور وہ اُس سے اس امر یعنی گوسالہ پرستی کے متعلق دریافت کر لیں۔ اور ہارون اس بات سے ڈرے کہ موسیٰ اُن کی آپس میں اس تفریق کو اُس کی طرف منسوب کریں۔

اور موسیٰ اس گوسالہ پرستی کے امر میں ہارون سے زیادہ عالم تھا اور تحقیق وہ اس چیز کو جانتا تھا جس کی گوسالہ پرستوں نے عبادت کی ہے کیونکہ اس کو اس حقیقت کا علم تھا کہ اللہ تعالیٰ نے حکم کیا ہوا ہے کہ سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کسی کی عبادت نہ کرو۔ مراد یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت ہارون علیہ السلام سے معرفت الہی میں زیادہ عالم تھے۔ ہارون علیہ السلام اس وقت تک اللہ تعالیٰ کیلئے محض تنزیہ کے قائل تھے اور موسیٰ علیہ السلام تنزیہ اور تشبیہ دونوں کے قائل تھے۔ موسیٰ علیہ السلام ستر توحید سے واقف تھے کہ ہر ذرہ میں اللہ تعالیٰ ہی کا ظہور ہے اور اس راز سے واقف تھے کہ صرافت ذاتی کے اعتبار سے وہ ذات تمام قیود سے منزہ ہے اور لاتعین ہے اور تجلیات ظہور کے اعتبار سے وہ ہی ذات جملہ تعینات میں مقید ہے۔ لہذا موسیٰ علیہ السلام اپنے علم معرفت کی رو سے جانتے تھے کہ حقیقت میں گوسالہ پرستی میں بھی اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت ہوتی ہے مگر وہ اللہ تعالیٰ کے اس حکم سے بھی واقف تھے کہ معبود مقید کی عبادت نہ کرو بلکہ معبود مطلق کی عبادت کرو کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ کو کسی ایک خاص تعین میں حصر کر دیا جائے تو باقی جملہ تعینات غیر اللہ ثابت ہوتے ہیں لہذا یہ کفر ہے۔ چونکہ گوسالہ پرستوں نے اللہ تعالیٰ کو اس صورت میں مقید کر کے اس کی عبادت کی، اس لئے وہ کافر ٹھہرے۔ وَمَا آتٰہُ اُوْرْجِسْ شے کا اللہ تعالیٰ حکم کرتا ہے وہ ہی ظہور میں آتی ہے۔ مراد یہ ہے کہ گوسالہ پرستی کا ظہور بھی اُسی کے حکم سے ہوا اور اس کا حکم ہمارے عین ثابۃ کے مطابق ہے یعنی اُن کی استعداد ہی ایسی تھی اس لئے اللہ تعالیٰ نے اُن کی استعداد اور اعتقاد کی مطابق گوسالہ پرستی کا ظہور فرمایا۔ ہارون علیہ السلام کو جب موسیٰ علیہ السلام نے اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا تو انہوں نے بوجہ تنگی قلب کے اس حقیقت کا انکار کیا حالانکہ عارف وہ ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کو ہر شے میں دیکھے بلکہ ہر شے کا عین دیکھے۔ یعنی جب موسیٰ علیہ السلام نے ہارون علیہ السلام کو اشارہ کیا کہ گوسالہ پرستی بھی حق پرستی ہے کیونکہ گوسالہ بھی اُسی ذات کی ایک صورت ہے تو ہارون علیہ السلام نے بوجہ تنگی قلب کے اس حقیقت کا انکار کیا لہذا موسیٰ نے اپنے بھائی ہارون کو عتاب کیا۔ پس حقیقت میں موسیٰ نے ہارون کی علم معرفت میں تربیت کی اگرچہ عمر میں اُس سے چھوٹا تھا۔ وَلِذَا لَکَ الْاِخْرَ اور واسطے اسی کے جبکہ ہارون نے موسیٰ کو کہا جو کچھ کہہا، موسیٰ نے سامری کی طرف رجوع کیا۔ واسطے اسی کے یعنی واسطے اس علم معرفت کی تربیت کے پھر موسیٰ سامری کی طرف متوجہ ہوا اور کہا (فَتَا خَطْبُکَ یَا سَامِرِیُّ) اے سامری تیرا کیا حال ہے یعنی یہ کام جو تو نے کیا ہے اس میں تیری غرض و غایت کیا ہے۔ تو نے عدول کیا ہے اور رب مطلق کو

گو سالہ کی صورت میں مخصوص کر دیا ہے۔ یعنی موسیٰ علیہ السلام نے سامری کو بھی اشارہ کر دیا کہ گو سالہ بھی چونکہ اسی ذات کی ایک صورت ہے لہذا گو سالہ پرستی بھی حق پرستی ہے لیکن چونکہ تُو نے اُس رَبِّ مُطْلَق کو ایک خاص صورت گو سالہ میں حصر کر دیا ہے اسلئے گو سالہ پرستی کُفر ہے۔ اور فرمایا اے سامری! تُو نے گو سالہ کا یہ کالبہ قوم کے زیورات سے بنایا تھا اسی لئے تُو نے اُن کے دل بسبب اُن کے اموال کے پکڑ لئے ہیں۔ عیسیٰ بنی اسرائیل کو کہا کرتے تھے اے بنی اسرائیل! ہر انسان کا دل اُس جگہ ہے جہاں اُس کا مال ہے لہذا تم اپنے اموال آسمان میں رکھو تاکہ تمہارے قلوب آسمان میں رہیں یعنی اپنے اموال راہِ اللہ خرچ کرو تاکہ تمہارے قلوب اللہ تعالیٰ کے پاس رہیں۔ اور مال کا نام مال اُس لئے ہے کہ قلوب کا اُس کی طرف میلان ہے یہاں تک کہ مال قلوب کا معبود ہے کیونکہ ہر انسان کا معبود وہی ہے جو اُس کا مقصود ہے۔ اور قلوب کا اعظم اور معظم مقصود یہی مال ہے کیونکہ اُس کی طرف افتقار ہے۔ ذَلِيسَ الْاِنْسَانُ بِاَشْيَا كَقَوْلِ سَابِقٍ كَيْسَ تَهْ رَ بَطْ هَ وَ هُوَ هَذَا (فَبَاخَطَبْتُ يٰ اَسَافِرِیُّ) یعنی اے سامری! تُو نے یہ کہا حادثہ بنا دیا ہے کہ رَبِّ مُطْلَق کو صورت گو سالہ میں حصر اور مخصوص کر دیا ہے حالانکہ صورتوں کے لئے بقا نہیں ہے۔ اشیاء کی غرضی شہادی صورتیں بٹ جانے والی ہیں لیکن اُن کی عقلی اور مثالی صورتیں ابد الابد تک باقی ہیں۔ پس وہ گو سالہ کی صورت بھی ضرورتاً ہونے والی تھی اگر موسیٰ اُس کو جلانے میں جلدی نہ کرتے یعنی اگر موسیٰ علیہ السلام اُس گو سالہ کو نہ جلاتے تو بھی آخر گو سالہ کی وہ صورت فنا ہونے والی تھی لیکن موسیٰ پر غیرت الہی غالب آتی اور اُس نے اُس کو جلا دیا۔ پھر موسیٰ نے اُس صورت کی راکھ کو اڑا کر دریا میں بکھیر دیا۔ اور موسیٰ نے سامری کو کہا (وَ اَنْظُرْ اِلٰی الْاِلَهِکَ) اپنے معبود کی طرف دیکھ۔ پس موسیٰ نے گو سالہ کا نام الہ رکھا۔ یہ تنبیہ اور تعلیم کی خاطر تھا کیونکہ موسیٰ نے اس امر کو جانا تھا کہ تحقیق گو سالہ بعض مجالی الہیہ میں سے ہے یعنی اس کلام میں موسیٰ علیہ السلام نے سامری کو اشارہ کر دیا کہ سب صورتیں اُسی ذات واحد کی ہیں لیکن اُس ذات واحد کو کسی ایک خاص صورت میں حصر کر دینا کُفر ہے۔

لَا تُخَيِّرُ قَتْلَہُ موسیٰ نے کہا البتہ میں اُس کو جلا دوں گا۔ آیہ کریمہ میں لَنْ خَيَّرَ قَتْلَہُ ہے البتہ ہم اُس کو جلا دیں گے۔ یہ اس لئے کہا کہ قوت انسان کو قوت حیوان میں تصرف حاصل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حیوان کو انسان کیلئے مسخر کر دیا ہے۔ اور خاص کر چونکہ گو سالہ کی اصل حیوان سے نہ تھی بلکہ جماد سے تھی اسلئے وہ زیادہ تسخیر کے قابل تھا کیونکہ غیر حیوان یعنی جمادات کا اپنا کوئی ارادہ نہیں ہوتا بلکہ وہ بغیر کسی انکار کے

مُتَصَرِّف کے حکم کے تحت ہوتی ہیں۔ اور لیکن حیوان چونکہ اپنے ارادہ اور اپنی غرض کا مالک ہوتا ہے اسلئے بعض اوقات جب انسان اُس کو مُسَخَّر کرنے کیلئے اپنا تصرف کرتا ہے تو اُس سے انکار واقع ہوتا ہے یعنی حیوان بعض اوقات انسان کے حکم کے تحت نہیں آتا۔ پس اگر حیوان میں انکار ظاہر کرنے کی قُوّت ہوتی ہے تو اُس سے اُس چیز سے جو انسان اُس سے ارادہ رکھتا ہے، سرکشی ظاہر ہوتی ہے اور اگر حیوان میں یہ قُوّت نہ ہو یا انسان کا تصرف حیوان کی غرض کے موافق ہو، تو حیوان انسان کے ارادہ کے مطابق ذلت کے ساتھ منقاد ہو جاتا ہے۔ مُراد یہ ہے کہ اگر انسان ایک حیوان کو اس ارادہ سے پکڑتا ہے کہ اُس کو پکڑ کر آخور پر باندھے گا اور اُس کو چارہ ڈالے گا تو چونکہ انسان کا یہ ارادہ حیوان کی غرض کے مطابق ہوتا ہے اس لئے حیوان اُس چارہ کے طمع کیلئے خود بخود انسان کا منقاد ہو جاتا ہے۔ اس کی مثال ایسے ہے جیسے ایک انسان اپنے ہم مثل انسان کا ایک امر یعنی طمع کی خاطر منقاد ہو جاتا ہے۔ یعنی اُس کو اپنے ہم مثل انسان سے اُس چیز کا طمع ہے جس کی وجہ سے اُس ہم مثل انسان کو اللہ تعالیٰ نے بلند مرتبہ کیا ہوا ہے اور وہ چیز مال ہے جو وہ اُس دوسرے انسان سے اُمید رکھتا ہے۔ اور بعض احوال میں وہ مال اُجرت کیساتھ تعبیر کیا جاتا ہے یعنی طمع کی کئی صورتیں ہیں۔ ایک انسان دوسرے انسان سے فی سبیل اللہ مانگتا ہے، یہ بھی طمع ہے، ایک انسان دوسرے انسان سے قرضہ حسنہ مانگتا ہے، یہ بھی طمع ہے۔ ایک انسان دوسرے انسان سے اپنی مزدوری مانگتا ہے، یہ بھی طمع ہے۔ ایک انسان کا دوسرے انسان کو مزدور پکڑنے پر اللہ تعالیٰ کا یہ قول دال ہے (وَدَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ يَتَوَلَّوْنَ بَعْضَهُم بَعْضًا سَخِرَ لَكُمْ مِنْهُنَّ لَعَلَّكُمْ تَعْلَمُونَ) ہم نے اُن کے بعض کو بعض پر درجات میں بلند کیا تاکہ اُن کے بعض بعضوں کو مزدور پکڑیں۔ پس ایک انسان دوسرے ہم مثل انسان کا حیوانیت کی وجہ سے مُسَخَّر ہوتا ہے نہ کہ انسانیت کی وجہ سے مُراد یہ ہے کہ جس شخص پر حیوانیت غالب ہو یعنی صفات ذمیمہ اُس میں پائی جائیں، وہ اُس شخص کا مُسَخَّر ہو جاتا ہے جس میں انسانیت کا کمال پایا جاتے۔ انسانی کمال یہ ہے کہ انسان میں صفات کاملہ، الٰہیہ کا ظہور ہو۔ وہ دونوں صورت کے اعتبار سے ہم مثل ہیں، حقیقت کے اعتبار سے اُن دونوں میں بڑا فرق ہے۔ اگر حقیقت کی رو سے وہ دونوں ہم مثل ہوتے یعنی دونوں میں ایک جیسا کمال پایا جاتا تو ایک دوسرے کی تابعداری نہ کرتا کیونکہ دو ہم مثل چیزیں آپس میں ہتدیں ہیں یعنی دو ہم مثل چیزیں آپس میں جنگ کرتی ہیں۔ جب ایک پہلوان طاقت میں دوسرے پہلوان کے برابر ہوتا ہے تو وہ اُس سے جنگ کرتا ہے، اُس کی تابعداری نہیں کرتا۔ پس

ایک انسان دوسرے انسان کو اپنے بلند تر مرتبہ کی وجہ سے مُسَخَّر کرتا ہے، خواہ وہ مرتبہ مال کی وجہ سے ہو یا وہ مرتبہ اُس کے انسانی کمال کی وجہ سے ہو۔ اور یہ دوسرا انسان خوف یا طمع کی وجہ سے اُس پہلے انسان کا مُسَخَّر ہوتا ہے اور خوف یا طمع اُس کی صفات ذمیمہ میں سے ہیں۔ یہ دوسرا انسان پہلے انسان کا حیوانیت کی وجہ سے مُسَخَّر ہوتا ہے نہ کہ انسانیت کی وجہ سے، یعنی دوسرے انسان میں پہلے انسان جیسا انسانی کمال نہیں ہے پس ثابت ہوا کہ ایک انسان کا دوسرا ہم مثل انسان مُسَخَّر نہیں ہوتا بلکہ کوئی چیز دوسری ہم مثل چیز کی مُسَخَّر نہیں ہوتی۔ کیا تو چارپایوں کی طرف نہیں دیکھتا کہ اُن میں آپس میں بُغض اور عداوت ہے یعنی وہ آپس میں ایک دوسرے سے جنگ کرتے ہیں۔ ایک بھینس دوسری بھینس سے اور ایک بیل دوسرے بیل سے جنگ کرتا ہے کیونکہ وہ ایک دوسرے کے ہم مثل ہیں اور دو ہم مثل اشیاء آپس میں ہنڈیں ہوتی ہیں۔ مُراد یہ ہے کہ ایک قسم کے چارپائے صورت میں اور حقیقت یعنی مرتبہ میں سب برابر ہیں۔ چونکہ مرتبہ میں برابر ہیں لہذا ہم مثل ہیں۔ چونکہ ہم مثل ہیں لہذا ایک دوسرے کی تابعداری نہیں کرتے اور نہ ہی سوائے انسان کے تصرف کے یہ اکٹھے رہ سکتے ہیں۔ انسان اپنے تصرف سے حیوانوں کو اکٹھا رکھتا ہے۔ انسان اس لئے اکٹھے رہتے ہیں کہ ان کے مراتب مختلف ہیں لِقَوْلِهِ تَعَالٰی (وَدَفَعَ بَعْضُكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ) اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے بعض کو بعض پر درجات میں بلند کیا۔ اور مُسَخَّر کیا گیا انسان درجہ میں مُسَخَّر کرنے والے انسان کے برابر نہیں ہو سکتا کیونکہ تسخیر ہمیشہ درجات میں تفاوت کی وجہ سے واقع ہوتی ہے۔

اور ایک انسان کا دوسرے انسان کو تسخیر کرنا دو قسم پر ہے۔ اُن دونوں تسخیروں میں سے ایک کا نام تسخیر مُرادِی ہے یعنی مُسَخَّر جو اسم فاعل ہے، اس شخص مُسَخَّر پر جو اسم مفعول ہے، اپنی تسخیر میں اس طرح غالب ہے جس طرح مالک اپنے غلام کو تسخیر کرتا ہے اگرچہ غلام انسانیت میں مالک کی مثل ہو۔ اور دوسری مثال اس تسخیر کی یہ ہے کہ جیسے بادشاہ اپنی رعایا کو تسخیر کرتا ہے اگرچہ رعایا انسانیت میں بادشاہ کی ہم مثل ہو۔ پس مالک اپنے غلام کو اور بادشاہ اپنی رعایا کو درجہ کی وجہ سے مُسَخَّر کرتے ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ چونکہ غلام اپنے مالک سے اور رعایا اپنے بادشاہ سے مُرادیں حاصل کرتے ہیں لہذا وہ اُنکے محکوم اور مُسَخَّر ہیں۔ یہ تسخیر درجہ کی وجہ سے ہے، انسانیت کی وجہ سے نہیں۔ ہو سکتا ہے کہ انسانی کمال میں یعنی معرفت الہی میں غلام اپنے مالک سے یا رعایا کے کئی افراد اپنے بادشاہ سے افضل ہوں۔ اور تسخیر

کی دوسری قسم کا نام تسخیر عالی ہے جیسے رعایا کا بادشاہ کو تسخیر کرنا ہے یعنی بادشاہ رعایا کے امور میں قائم رہتا ہے مثلاً وہ اُن سے ضرر کو دفع کرتا ہے اور اُن کی نگہبانی کرتا ہے اور جو اُن سے عداوت رکھے اُس کے ساتھ جنگ کرتا ہے اور اُن کے اموال کی اور اُن کی جانوں کی حفاظت کرتا ہے۔ اور یہ سب تسخیر رعایا کے حل کی وجہ سے ہے کہ ان امور میں رعایا بادشاہ کو مُسَخَّر کرتی ہے۔ اور حقیقت میں اس تسخیر عالی کا نام تسخیر مرتبہ ہے کیونکہ رعایا کا مرتبہ بادشاہ پر حُکْم کرتا ہے کہ وہ ان امور میں رعایا کا مُسَخَّر ہو۔

بادشاہوں میں سے ایک وہ ہے جو اپنے نفس کی خاطر کوشش کرتا ہے یعنی وہ اپنی راحت اور اپنی ذات کے فوائد کی طرف خیال رکھتا ہے۔ اُس کو رعایا کی کچھ پرواہ نہیں کہ رعایا خوشحال ہے یا بدحال ہے۔ اور بادشاہوں میں سے ایک وہ ہے جو بادشاہت کی حقیقت سے واقف ہے یعنی بادشاہ کے فرائض کو پہچانتا ہے اور اس بات کو جانتا ہے کہ رعایا کے مرتبہ کی وجہ سے وہ اپنی رعایا کی تسخیر میں ہے پس وہ بادشاہ اُن کی قدر اور اُن کا حق جانتا ہے لہذا اللہ تعالیٰ اُس کو اس رعایا پروری پر اُن علمائے ربّانی کی مثل اجر دیتا ہے جو معرفت الہی سے واقف ہیں یعنی چونکہ وہ بادشاہ رعایا کی نگہبانی محض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کی خاطر کرتا ہے اسلئے وہ اُن علمائے ربّانی کی مثل ہے جو خلق خدا کی خدمت محض اللہ تعالیٰ کی خاطر کرتے ہیں۔ اور ایسی خدمت کا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے۔ نیز ایسا بادشاہ ظَلَم اللہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ کا منظر ہے کیونکہ وہ لوگوں کے کاروبار میں لگا ہوا ہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ بادشاہ دو قسم کے ہیں، ایک نفس پرور اور دوسرے رعایا پرور۔

فَالْعَالَمُ الْاَوَّلُ آگے تسخیر عالی یا تسخیر مرتبہ میں مذکور ہوا کہ رعایا کے حال اور مرتبہ کی وجہ سے بادشاہ رعایا کا مُسَخَّر ہے اور اس میں کوئی نقص لازم نہیں آتا ایسے ہی عالم سارے کا سارا اپنے حال کیساتھ اُس ذات کو مُسَخَّر کرنے والا ہے جس پر تحقیق لفظ مُسَخَّر کا اطلاق ناممکن ہے یعنی عالم اللہ تعالیٰ کا مُسَخَّر ہے اور اللہ تعالیٰ مُسَخَّر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ عالم کے انتظام میں ہے يَقُولُ تَعَالَى (كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ)۔ ممکنات عالم کے اعیان ثابتہ کے مطابق اللہ تعالیٰ عالم کا کاروبار چلا رہا ہے گویا ہمارے اعیان ثابتہ بسان استعداد سے اللہ تعالیٰ پر حاکم ہیں یعنی عالم اللہ تعالیٰ پر حاکم ہے۔ شرع کی رُو سے یہ نازیبا ہے لیکن حقیقت میں کوئی قباحت نہیں کیونکہ عالم عین حق ہے لہذا حق ہی حق پر حاکم ہے۔

ہارون نے ربّانی تو اپنی قوم کو گوسالہ پرستی سے منع کیا لیکن وہ بالفعل اصحاب گوسالہ اور گوسالہ پر

مُسَلَّط نہ ہو سکا جیسا کہ موسیٰ کو سالہ پر غالب کیا گیا۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی یہ حکمت تھی کہ اُس ذات مُطلق کی ظاہر وجود خارجی میں ہر ہر صورت میں عبادت کی جائے اگرچہ وہ صورت بعد پرستش کے مٹ جائے۔ اور اُس صورت کے عابد کے نزدیک اُلوہیت کے ساتھ مُتصِف ہونے کے بعد ہی وہ صورت مٹتی ہے یعنی جب ایک عابد ایک صورت کی عبادت کرتا ہے تو اُس کے دل میں اُس کی عظمت بیٹھ جاتی ہے خواہ وہ صورت بعد میں مٹ جائے۔ اور اسی لئے انواع موجودات میں سے کوئی نوع باقی نہیں رہی جس کی عبادت نہ کی گئی ہو، خواہ وہ عبادت ساتھ اُلوہیت کے ہے یا وہ عبادت ساتھ تسخیر کے ہے۔ بعض اشیاء کی عبادت مثلاً آفتاب کی، آگ کی، گوسالہ کی وغیرہ تو ان اشیاء کو معبود ٹھہرا کر کی گئی ہے اور بعض اشیاء کی عبادت از روتے تسخیر کی گئی ہے۔ غریب امیر کا، شاگرد استاد کا، غلام مالک کا، مُسخر اور محکوم ہوتا ہے۔ ہر محکوم اپنے حاکم سے اور ہر مُسخر اپنے مُسخر سے حاجت روائی کرتا ہے لہذا ہر مُسخر اپنے مُسخر کی عبادت کرتا ہے اور یہ عبادت تسخیری ہے۔ اہل عقل کے نزدیک عبادت تسخیری ضروری ہے کیونکہ ہر انسان عالم میں ایک دوسرے کا محتاج ہے خواہ وہ بادشاہ ہو یا دلی ہو کیونکہ بادشاہ یا دلی کو بھی حجام و دھوبی و خاکروب و درزی و موچی بلکہ ہر فن کے ماہر کی محتاجی ہے پس ثابت ہوا کہ ہر انسان دوسرے انسان کیلئے مُسخر بھی ہے اور مُسخر بھی ہے لہذا عبادت تسخیری سے کوئی انسان خالی نہیں۔ مراد یہ ہے کہ عالم میں ہر شے کی عبادت خواہ معبودانہ خواہ مُسخرانہ کسی نہ کسی طور پر ضرور ہوتی ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی یہ حکمت ہے کہ وہ ہر صورت پر معبود بنے اور ہر صورت پر عابد بنے تاکہ ثابت ہو جائے کہ وہ ذات خود ہی عابد ہے اور خود ہی معبود ہے نیز عالم میں سے کسی شے کی عبادت اُس وقت تک نہیں ہوتی جب تک وہ شے عابد کے نزدیک رفعت کے ساتھ متلبس نہ ہوئی ہو اور اُس کے قلب میں ایک عالی درجہ کے ساتھ ظاہر نہ ہوئی ہو۔ اس سے یہ ثابت ہوا کہ ہر معبود عابد کے نزدیک رفیع الدرجہ ہے اور چونکہ ہر شے کسی نہ کسی طور میں معبود ہے جیسا کہ سابق میں مذکور ہوا، اس لئے ہر شے رفیع الدرجہ ہے اور اہل عالم رفیع الدرجات ہیں۔ اور آیہ کریمہ (رَفِيعُ الدَّرَجَاتِ ذُو الْعَرْشِ يُلْقِي الرُّوحَ مِنْ أَمْرِهِ عَلَى مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ لِيُنْذِرَ يَوْمَ التَّلَاقِ) میں جو اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کا نام رفیع الدرجات رکھا ہے، اس میں اللہ تعالیٰ نے اشارہ کر دیا ہے کہ وہ رفیع الدرجات ذات ہم اہل عالم کی صورت پر جلوہ نما ہے۔ اُس نے اپنے آپ کو رفیع الدرجہ نہیں کہا یعنی اُس کا ایک ہی درجہ نہیں بلکہ اُس ذات واحد کے

درجات کثیر ہیں۔ اسی لئے اُس ذات نے امر کیا (اَلَّا تَعْبُدُوْا اِلَّا رِیَّآءَ) تم کسی کی عبادت نہ کرو مگر خاص اُسی کی۔ یعنی درجات کثیرہ مختلفہ میں اُسی ذات واحد کی عبادت کرو۔ مراد یہ ہے کہ ہر معبود کو عین ذات سمجھ کر عبادت کرو کیونکہ ہر درجہ یعنی ہر شے مجلی الہی ہے اور اُس میں حق تعالیٰ ہی معبود ہے۔ اور اعظم و اعلیٰ مجلی الہی جس میں حق تعالیٰ معبود ہے وہ محبت ہے بِقَوْلِهِ تَعَالٰی (اَفَرَأٰیثَ مِمَّنْ اتَّخَذَ اِلٰهَةً هَؤُلَاءِ) کیا پس آپ نے وہ شخص دیکھا جس نے اپنی محبت کو معبود پکڑا۔ پس محبت معبود اعظم ہے کیونکہ ہر شے کی عبادت محبت کے ساتھ کی جاتی ہے۔ پہلے انسان کسی چیز کے ساتھ محبت رکھتا ہے اور بعد میں اُس کی عبادت کرتا ہے۔ جس چیز کے ساتھ بندہ کو محبت ہو اُس چیز کی صورت پر اللہ تعالیٰ اُس کے لئے متجلی ہوتا ہے یعنی اُس چیز کے دیکھنے سے اُس کو لذت حاصل ہوتی ہے لہذا وہ اُس کو معبود ٹھہراتا ہے۔ ایک آدمی گھوڑے کے ساتھ محبت رکھتا ہے، اللہ تعالیٰ اُس کیلئے اُس گھوڑے کی صورت پر متجلی ہوتا ہے اور وہ گھوڑے کے مشاہدہ سے لذت حاصل کرتا ہے۔ قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر شخص کیلئے اُس صورت پر متجلی ہوتا ہے جس صورت کے ساتھ اُس کی محبت ہوتی ہے۔ مرید کی اپنے شیخ کے ساتھ محبت ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ اُس کیلئے شیخ کی صورت پر متجلی ہوتا ہے تاکہ مرید دیدار شیخ سے لذت حاصل کرے۔ پس ہر شے کی عبادت کا سبب اُس شے کی محبت ہے لہذا حقیقت میں ہر شے میں محبت کی عبادت ہو رہی ہے اور اسی کے متعلق میں کہتا ہوں شعر

(۱) قسم ہے محبت کے حق ہونے کی کہ محبت ہی عبادت کی محبت کا سبب ہے اور اگر قلب میں محبت نہ ہوتی تو محبت کی عبادت نہ ہوتی۔ مراد یہ ہے کہ ہر چیز کی عبادت کا سبب اُس چیز کی محبت ہے تو پس حقیقت میں ہر معبود میں محبت ہی کی عبادت ہو رہی ہے اور محبت چونکہ تجلی ذاتی ہے اسلئے ہر معبود کی صورت میں ذات حق کی عبادت ہو رہی ہے۔

اے طالب! کیا تو نہیں دیکھتا ہے کہ اشیاء کے متعلق اللہ تعالیٰ کا علم کیسا کامل ہے اور کس طرح اُس ذات نے اپنے اُس علم کی تتمیم اُس شخص کے حق میں کی ہے جس نے محبت کی عبادت کی اور محبت کو معبود بنایا یعنی فرمایا (وَاَصْلَهُ اَدْلٰہُ عَلٰی عَلٰہِ) اور اللہ تعالیٰ نے اُس شخص کو کمال علم پر صلاات بخشی اور صلاات سے مراد حیرت ہے۔ سابق میں فرمایا کہ کسی چیز کی عبادت محبت کے سبب کی جاتی ہے اور حقیقت میں ہر معبود میں محبت ہی کی عبادت ہو رہی ہے، اس قول پر استشہاداً یہ آیت لائی گئی ہے

(وَأَصْلَهُ اللَّهُ عَلَى عِلْمٍ) یعنی جب اُس شخص کو اس راز کا علم ہو جاتا ہے کہ ہر معبود میں عبادت کا سبب محبت ہی ہے تو وہ حیران رہ جاتا ہے۔ آگے سب اسی کی شرح ہے وَذَلِكَ آيَةٌ اور اُس حیرت کی وجہ یہ ہے کہ جب اُس عابد نے دیکھا کہ اُس نے اپنے معبود میں سوائے اپنی محبت کے اور کسی چیز کی عبادت نہیں کی کیونکہ افراد و ممکنات عالم میں سے اُس خاص فرد یا ممکن ہی کی محبت نے اُس کو اُس ممکن کی طاعت میں مفاد کیا اور محبت ہی نے اُس کو اُس ممکن کی عبادت پر مجبور کیا تو اس چیز کے علم پر وہ حیران رہ جاتا ہے۔ یعنی جب اُس کو یہ علم حاصل ہو جاتا ہے کہ اُس نے اُس الہ ممکنہ میں اپنی محبت ہی کی عبادت کی ہے اُس الہ کی عبادت نہیں کی تو وہ حیران رہ جاتا ہے۔ حتیٰ کہ وہ عابد اس راز کو بھی پالیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت بھی محبت ہی سے ہو رہی ہے یعنی الہ مطلق کی عبادت بھی محبت ہی سے ہو رہی ہے کیونکہ اگر عابد الہ مطلق کے دل میں اُس جناب مقدس کی ہوا یعنی اُس ذات پاک کیساتھ ارادہ محبت نہ ہوتا تو ہرگز وہ اُس کی عبادت نہ کرتا اور نہ ہی اُس کو اُس کے قیصر پر اختیار کرتا۔ جناب مقدس میں یہ اشارہ ہے کہ وہ ذات مرتبہ احدیت میں تمام اصناف سے منترہ ہے یعنی وہ شخص جو ذات حق کی محض تنزیہ کا قائل ہے اور اُس ذات مطلق کی عبادت کرتا ہے اور اُس کو تمام عالم کی اشیاء چھوڑ کر اختیار کرتا ہے تو اس کا باعث بھی محبت ہی ہے۔ اور ایسے ہی وہ اس راز کو بھی پالیتا ہے کہ ہر شخص جس نے صورتِ عالم میں سے کسی ایک صورت کی عبادت کی اور اُس نے اُس صورت کو اپنا معبود پکڑا، اُس نے اُس صورت کو بغیر محبت کے معبود نہیں پکڑا یعنی عابد ہمیشہ اپنی محبت کے سلطان کے تحت ہے۔ مراد یہ ہے کہ جس چیز کے ساتھ کسی کی محبت ہے وہ ہی اُس کا معبود ہے۔ پھر اُس عابد محبت نے دیکھا کہ عابدین میں معبودات نوع، بنوع ہیں اور ہر عابد اپنے معبود کے سوا دوسرے معبود کے عابد کی تکفیر کرتا ہے تو وہ حیران رہ جاتا ہے مراد یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ عابد محبت کو محبت کے مندرجہ بالا اسرار کا علم عطا کرتا ہے تو وہ حیران رہ جاتا ہے۔ اور وہ شخص جس کو مندرجہ بالا اسرار میں سے ادنیٰ علم بھی نصیب ہو جاتا ہے تو وہ حیران رہ جاتا ہے یعنی اتحاد محبت بلکہ احدیت محبت پر وہ حیران رہ جاتا ہے کیونکہ ہر عابد میں محبت عین واحدہ ہے۔ مراد یہ ہے کہ ہر عابد میں جو ہر محبت ایک ہی ہے اور محبت تجلی ذاتی ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے اُس عابد کو علم پر ضلالت بخشی یعنی اس علم کے سبب اُس کو حیرت بخشی کہ ہر عابد نے اپنی ہی محبت کی عبادت کی ہے اور اُس کی محبت ہی نے اُس سے عبادت طلب کی ہے خواہ وہ محبت امر مشروع کی مطابق

ہے یا امر مشروع کے خلاف ہے :

اور عارف مکمل وہ ہے جس نے ہر معبود کو مجلی حق دیکھا اور اس امر کی تحقیق کر لی کہ ہر صورت میں ذات حق ہی معبود ہے۔ یعنی عارف کامل جانتا ہے کہ اصنام میں عبادت تو حقیقی ہی کی ہو رہی ہے لیکن عابدین اصنام کو وہ واسطے کافر ٹھہراتا ہے کہ انہوں نے ذات حق کو ایک خاص تعین میں حصر کر دیا ہے۔ اور واسطے اسی وجہ کے عابدین اصنام نے ہر معبود کا نام اللہ رکھا ہے باوجود اس امر کے کہ ہر معبود کا ایک خاص نام بھی ہے مثلاً پتھر یا درخت یا حیوان یا انسان یا آگ یا ستارہ یا فرشتہ۔ یہ ہر اسم اسم شخصیت ہے یعنی اگرچہ ہر معبود منظر ذات حق ہے لیکن ہر تعین میں اور ہر معبود میں اُس کا ایک خاص نام ہے تاکہ ایک معبود کی دوسرے معبود سے تشخیص واقع ہو جائے۔ اور ہر معبود کیلئے مرتبہ الوہیت اُس معبود کے عابد کا تخیل ہے۔ ہر عابد کا یہ تخیل ہے کہ تحقیق مرتبہ الوہیت اُس کے معبود خاص کیلئے مختص ہے اور حقیقت میں اُس عابد خاص کی آنکھوں کیلئے جو اپنے اس معبود پر معتکف ہے، یہ معبود مجلی حق ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اُس معبود خاص میں اُس کے لئے مقبلی ہے۔ مراد یہ ہے کہ جس صورت پر اللہ تعالیٰ کسی شخص کیلئے تجلی کرتا ہے وہ شخص اُس صورت کو دیکھ کر لذت حاصل کرتا ہے اور اُس صورت پر قربان ہو جاتا ہے حتیٰ کہ اُسی صورت کو وہ اپنا معبود ٹھہراتا ہے اور اُس کی عبادت کرتا ہے۔ گویا ہر عابد مرتبہ الوہیت کو اپنے معبود میں ہی حصر کرتا ہے کیونکہ کسی دوسرے معبود کو دیکھ کر اُسے وہ لذت حاصل نہیں ہوتی اور نہ ہی اُس کے دل میں کسی دوسرے معبود کی عظمت پیدا ہوتی ہے۔ وَلِهَذَا اَلَمْ يَدْعُوا وَلَهُمْ اَصْنَامٌ مِّنْ بَعْضِ اَسْمَاءِ حَقِيقَتِ سِے واقف نہیں ہیں اور اسی لئے انہوں نے یہ جہالت کا قول کہا ہے (مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَا اِلَى اللّٰهِ ذُنُوبًا) ہم اُن کی اس لئے عبادت کرتے ہیں کہ وہ ہم کو مرتبہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف مقرب کر دیں یعنی وہ اُن اصنام کو غیر اللہ جانتے تھے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں وسیلہ جانتے تھے اور باوجود اس بات کے وہ پھر اُن اصنام کو اِلٰہ یعنی معبودوں کے نام سے پکارتے تھے جیسا کہ اُن کا قول اللہ تعالیٰ نے نقل کیا ہے (اَجْعَلِ الْاِلٰهَةَ الْهَادِیَّةً اِنْ هٰذَا نَشِئُ عُجَابًا) کیا اُس نے سب معبودوں کو ایک ہی معبود گردانا یہ ایک بہت ہی تعجب کی چیز ہے۔ مراد یہ ہے کہ بعض بُت پرست اس حقیقت سے واقف تھے کہ ہر بُت کی حقیقت اللہ تعالیٰ ہے لیکن وہ اپنے اپنے بتوں میں یعنی معبودوں میں الوہیت کو حصر کرنے کے باعث کافر ہوئے اور بعض اس حقیقت سے واقف نہ تھے۔ وہ

اپنے معبودوں کو محض وسیلہ اور شفیع جانتے تھے اور اللہ تعالیٰ کو اُن کے سوا مانتے تھے لیکن پھر بھی اپنے اہنام کو معبودوں کے نام سے پکارتے تھے۔ جب سرکارِ دو عالم حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے کلمہ توحید لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کفار تک پہنچایا تو وہ اس کی حقیقت سمجھ گئے کہ کلمہ توحید سے مراد یہ ہے "نہیں ہے الہ مگر اللہ" یعنی ہر الہ عین اللہ ہے۔ تبھی تو وہ حیران ہوئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام معبودوں کا ایک معبود بنا دیا ہے۔ وہ کلمہ توحید کی حقیقت سمجھ گئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد یہ ہے کہ ہر معبود کی صورت پر اللہ تعالیٰ کا ظہور ہے اور اُسے گروہ کفار! تم کسی ایک معبود میں اُس ذات کو حصر نہ کرو یعنی معبودِ مقید کی عبادت نہ کرو بلکہ معبودِ مطلق کی عبادت کرو۔ کفار نے کلمہ توحید کی حقیقت کا انکار نہیں کیا بلکہ اس پر تعجب کیا کیونکہ وہ کثرتِ صورت کے ساتھ اور اُن صورت کی طرف اُلوہیت منسوب کرنے کے ساتھ ٹھہرے ہوئے تھے۔ یعنی وہ ہر صورت کو مظہرِ حق نہیں مانتے تھے بلکہ چند صورت کو مظاہرِ حق مانتے تھے۔ نیز بعض اُن چند معبودہ صورت میں اُلوہیت کو حصر کرتے تھے اور بعض الہ مطلق کے قائل تھے اور اُن چند معبودوں کو الہ مطلق کی بارگاہ میں وسیلہ جانتے تھے۔ پھر جناب رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لاتے اور اُن کو ایسے الہ واحد کی طرف دعوت دی جو پہچانا جاتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن کو فرمایا لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ یعنی نہیں ہے الہ مگر اللہ اور جناب محمد پاک صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کیلئے مرآتِ تامہ ہیں۔ مراد آپ کی یہ تھی کہ اُسے گروہ کفار! ہر صورت پر اللہ تعالیٰ کا ظہور ہے، ہر ذرہ میں اُس کا ظہور ہے، تمہارے معبودوں کی صورتوں پر بھی اُسی کا ظہور ہے لیکن ہر تعین میں اُس کا ظہور اُس تعین کی استعداد کے مطابق ہے اور جناب محمد پاک صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کیلئے مجلیٰ اعظم اور مرآتِ تامہ ہیں۔ تو پس کلمہ توحید میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو الہ واحد کی معرفت سکھادی۔ لیکن وہ الہ مطلق کے قائل تھے یعنی اُس ذات کو محض منزہ جانتے تھے۔ اُن کی شہادت یہ تھی کہ وہ ذات مشہود نہیں ہے یعنی وہ اُس ذات کیلئے تشبیہ کے قائل نہ تھے وہ اُس ذات کو عالم سے اور اپنے معبودوں سے وراء الوراء جانتے تھے۔ اپنے معبودوں کو غیر اللہ جانتے تھے اور اُن کو اُس الہ مطلق کی بارگاہ میں وسیلہ جانتے تھے۔ تحقیق وہ اپنے نزدیک اُس الہ واحد کو ثابت کرتے ہیں اور اُس پر اعتقاد رکھتے ہیں جیسا کہ اُن کے قول سے ظاہر ہے (مَا نَعْبُدُ إِلَّا لِيُقَيِّدَ بُونَا إِلَى اللَّهِ ذُلْفَى) ہم اُن کی اس لئے عبادت کرتے ہیں کہ وہ ہم کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ

میں رتبہ کے لحاظ سے مقرب کر دیں بسبب اپنے اس علم کے کہ وہ بُت محض پتھر کی صورتیں تھیں وہ انکو غیر اللہ جانتے تھے اور اسی لئے اُن بُت پرستوں پر اللہ تعالیٰ کی الزامی محبت قائم ہوئی بِقَوْلِهِ تَعَالٰی (قُلْ سَمُّوهُمْ) اے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم! ان بُت پرستوں کو فرمائیے کہ ان کے نام لیں۔ پس وہ اُن کو اُن اسماء سے پکارتے ہیں جن کے متعلق وہ جانتے ہیں کہ اُن اسماء میں سے ہر ایک اسم کی ایک خاص علیحدہ حقیقت ہے۔ مراد یہ ہے کہ وہ عابدین اصنام اُن اصنام کو اُن کے ناموں ہی سے پکاریں گے، اُن کو اللہ کے نام سے نہ پکاریں گے یعنی وہ اُن کو اُن کے ناموں مثلاً حجر، شجر، کوکب، نار وغیرہ ہی کے ناموں سے پکاریں گے۔ مراد اللہ تعالیٰ کی یہ ہستی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اُن پر الزامی محبت قائم فرمادیں کہ وہ لوگ غیر اللہ کی عبادت کرتے ہیں۔ اور لیکن جو لوگ اس حقیقت کے عارف ہیں وہ اُن معبودہ صُور سے انکار ظاہر کرتے ہیں کیونکہ تحقیق اُن کا مرتبہ معرفت اُن کو یہ چیز عطا کرتا ہے کہ وقت کے تقاضا کے مطابق وہ جناب رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع رہیں۔ چونکہ وہ جناب رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاتے ہیں اسلئے اُن پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی واجب ہے اور اسی پیروی کی بدولت اُن کا نام مومنین رکھا گیا ہے۔ پس وہ عارفین باللہ عبادِ وقت ہیں یعنی تابعِ حکمِ وقت ہیں جب جناب رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرما دیا کہ اِلَہَہ مَقِیْدَہ یعنی صُور متعینہ کی عبادت نہیں کرنی تو انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم مبارک کی پیروی کی اگرچہ اُن کو اس بات کا علم ہے کہ تحقیق عابدین اصنام نے اُن ظاہری صُورتوں کی عبادت نہیں کی بلکہ اُن صُور میں انہوں نے اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کی ہے کیونکہ اُن صُور متعینہ پر اللہ تعالیٰ ہی متجلی ہے۔ عارفین باللہ اس حقیقت سے واقف ہیں اور مُنکِر جو اس راز سے واقف نہیں کہ کس ذات نے ان صُور اصنام پر تجلی کیا ہے، اس حقیقت سے جاہل ہے۔ عارف مکمل خواہ وہ نبی ہے خواہ وہ رسول ہے خواہ اُن کا وارث ہے، اس راز کو مُنکِر سے چھپاتا ہے۔ پس عارفین کاملین اُن صُور متعینہ کی عبادت سے اجتناب کرتے ہیں اور اُن کا اجتناب کرنا بسبب اُس امر کے ہے جس کے سبب رسول وقت نے اُن صُور سے اجتناب کیا ہے۔ مراد یہ ہے کہ ہر رسول اپنے زمانہ میں اپنی اُمت کو صُور متعینہ کی عبادت سے اسلئے روکتا تھا کہ اس طرح صُور متعینہ میں اللہ تعالیٰ کا حصر پایا جاتا ہے اور یہ کُفر ہے۔ اگرچہ ہر صُورت میں اللہ تعالیٰ متجلی ہے لیکن کسی ایک خاص صُورت

میں اللہ تعالیٰ کو حصر کر دینا کفر ہے کیونکہ اُس متعینہ صورت کے سوا دیگر جملہ صور غیر اللہ ثابت ہوں گی اور یہ عقیدہ باطل ہے۔ پس عارفین کا ملین ہر زمانہ میں اس حقیقت سے واقف تھے اسلئے اپنے اپنے رسول کی متابعت کی خاطر صور متعینہ کی عبادت سے اجتناب کرتے تھے۔ نیز عارفین باللہ اسلئے اپنے اپنے رسول کی متابعت کرتے تھے کہ وہ اپنی خاطر اللہ تعالیٰ کی محبت کا طمع رکھتے تھے جس پر اللہ تعالیٰ کا قول ذیل دال ہے (قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ) اے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم! ان لوگوں کو فرما دیجئے کہ اگر تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت رکھتے ہو تو میرا اتباع کرو تا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ محبت رکھے۔ لہذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس معبود کی طرف دعوت کی جسکی طرف حاجات لائی جاتی ہیں یعنی جو حاجات خلق بر لانے پر قادر ہے اور باعتبار اجمال کے وہ جانا جاتا ہے اور اُس کی ذات مشہود نہیں ہے۔ چونکہ اسماء الہیہ لامتناہی ہیں اسلئے ذات حق کی معرفت کا حقہ ناممکن ہے۔ اب اُس ذات کی اجمالی معرفت تو جائز ہے لیکن تفصیلی معرفت ناممکن ہے نیز باعتبار صرافت ذاتی کے اور مرتبہ غیب الغیب کے وہ ذات بطون در بطون ہے اسلئے مشہود نہیں ہے لیکن باعتبار تجلیات ظہور کے ہر صورت میں وہ ہی ذات مشہود ہے۔ اور (لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ) آنکھیں اُس کا ادراک نہیں کرتیں اور وہ آنکھوں کا ادراک کرتا ہے۔ اب کئے ذات حق غیر مدرك ہے کیونکہ کوئی بندہ اس امر پر قادر نہیں کہ اُس ذات پر احاطہ کر سکے بلکہ اللہ تعالیٰ بھی اس پر قادر نہیں کہ اپنی ذات پر احاطہ کر سکے کیونکہ اس طرح ذات حق محدود ہو جاتی ہے اور یہ نقص ہے۔ پس اُس ذات کا ادراک ناممکن ہے اور وہ ذات ابصار کا ادراک کر سکتی ہے یعنی وہ ذات اشیاء کا ادراک کر سکتی ہے کیونکہ وہ ذات لطیف ہے اور لطیف کثیف کا ادراک کر سکتا ہے کثیف لطیف کا ادراک نہیں کر سکتا اسلئے ابصار اُس ذات کا ادراک نہیں کر سکتیں۔ نیز وہ ذات اشیاء کو ادراک کرتی ہے کیونکہ اُس ذات نے اشیاء کی ذات میں سرایت کی ہوئی ہے یعنی چونکہ اُس ذات نے جملہ اشیاء کی صورتوں پر خود ہی جلوہ آرائی کی ہوئی ہے اسلئے وہ ذات جملہ اشیاء کا ادراک کرتی ہے۔ پس ابصار اُس ذات کا ادراک نہیں کر سکتیں جیسا کہ وہ اپنے ارواح کا ادراک نہیں کر سکتیں جو اپنے ابدان اور اپنی ظاہری صورتوں کی مدبر ہیں۔ اس میں اشارہ ہے کہ انسان کی روح ہی اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور انسان کی ظاہری آنکھیں انسان کے روح کا ادراک نہیں کر سکتیں حالانکہ

روح ہی انسان کے جسم کی مدبر ہے یعنی روح کا ادراک ہی اللہ تعالیٰ کا ادراک ہے جو ناممکن ہے۔ (۱)
 هُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ اور حق تعالیٰ لطیف اور خبیر ہے۔ لطیف سے لطف کی طرف اشارہ ہے یعنی اُس ذات
 نے اپنے کمال لطف سے موجودات کو اپنا وجود عطا کر دیا ہے جیسا سیاہی نے الفاظ کو اپنا وجود عطا
 کر دیا ہے۔ خبیر و خبرت سے مشتق ہے بمعنی کسی چیز کا جاننا۔ گو یا خبیر سے مراد عالم ہے۔ مرتبہ احدیت ذاتیہ
 میں کسی صفت کا ظہور نہیں لہذا علم کا بھی ظہور نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات کا مظہر جامع حضرت
 انسان ہے لہذا علم کا ظہور بھی انسان کے وجود کے ساتھ ہے پس وہ ذات خبیر ہے تو انسان کے وجود
 کیساتھ خبیر ہے۔ نیز علم الہی انسان تب ہی حاصل کر سکتا ہے جب اُس کو اللہ تعالیٰ کی محبت نصیب
 ہو اور محبت تجلی ذاتی ہے۔ جب عاشق مولا اللہ تعالیٰ سے دیدار طلب کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُس کے
 لئے کسی صورت میں تجلی کرتا ہے اور وہ اُس صورت پر صد جان سے قربان ہو جاتا ہے۔ اکثر مرید کے
 لئے اللہ تعالیٰ پیر کی صورت پر متجلی ہوتا ہے یا سرکارِ دد عالم حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت پر
 متجلی ہوتا ہے۔ قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ جس چیز کے ساتھ عاشق مولا کی محبت ہوتی ہے اُس چیز کی صورت
 پر اللہ تعالیٰ تجلی کرتا ہے تاکہ وہ عاشق اُس چیز کو دیکھ کر ذوق اور لذت حاصل کرے۔ لہذا جب عاشق
 اُس شے کو دیکھتا ہے تو لذت حاصل کرتا ہے اور اُس ذوق و لذت کے باعث وہ اُس شے کو عین
 اللہ تعالیٰ کی ذات جانتا ہے۔ جب ایک ممکن میں یا ایک صورت میں وہ اللہ تعالیٰ کو دیکھتا ہے تو
 وہ اس راز کو پا لیتا ہے کہ جملہ ممکنات عالم کی صورتوں پر اللہ تعالیٰ ہی کا ظہور ہے۔ پس ضروری ہے
 صورتوں کا ہونا اور ضروری ہے تجلی کا ہونا۔ مراد یہ ہے کہ علم الہی تب نصیب ہو سکتا ہے جب اُس
 کے دل پر اللہ تعالیٰ اپنی محبت کے ساتھ تجلی کرے یعنی اُس کو عشق الہی نصیب ہو۔ جب اُس کو
 عشق الہی نصیب ہو جاتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ اُس کو کسی صورت کی طرف مائل کر دیتا ہے اور اُس
 صورت پر بھی خود ہی تجلی کرتا ہے تاکہ اُس عاشق کو اُس صورت کے دیکھنے سے ایسا ذوق حاصل ہو
 کہ وہ اُسے عین اللہ تعالیٰ کی ذات سمجھے۔ پس اُسے طالب! اگر تو اس راز کو سمجھے تو ضروری ہے کہ
 وہ عاشق جس نے اپنے عشق کی بدولت ذات حق کو اُس صورت میں دیکھا، اُس ذات کی عبادت
 کرے جس نے اُس صورت میں اُس کے لئے تجلی کی ہے۔ مراد یہ ہے کہ عاشق کو چاہیے کہ اپنے معشوق
 کی صورت کو معبود نہ ٹھہرائے بلکہ اُس حقیقت اور ذات کو معبود ٹھہرائے جو صورت معشوق پر جلوہ نما ہے۔

مراد یہ ہے کہ عاشق اُس ذات کو اپنے معشوق کی صورت میں حصر نہ کرے بلکہ اس راز کو پالے کہ ہر صورت پر اُسی بے صورت کا ظہور ہے بقولہ تعالیٰ (كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ)۔ اور اس راہ حق پر چلنے کی توفیق اللہ تعالیٰ ہی عطا کرتا ہے۔

فِصْحٌ حِكْمَةٍ عَلَوِيَّةٍ فِي كَلِمَةِ مُوسَى

حِكْمَةُ قَتْلِ الْآبَاءِ مِنْ أَجْلِ مُوسَى لِيَعُودَ إِلَيْهِ بِإِلَامَدٍ حَيَوَةٍ كُلِّ مَنْ قُتِلَ مِنْ أَجْلِهِ لَا نَهَ قَتَلَ عَلَى آتِهِ مُوسَى وَمَا تَمَّ جَهْلٌ فَلَا بُدَّ أَنْ تَعُودَ حَيَوَتُهُ عَلَى مُوسَى أَعْنِي حَيَوَةَ الْمُقْتُولِ مِنْ أَجْلِهِ وَهِيَ حَيَوَةُ طَاهِرَةٍ عَلَى الْفِطْرَةِ لَمْ تُدْخَلْ فِيهَا الْأَغْرَاضُ النَّفْسِيَّةُ بَلْ هِيَ عَلَى فِطْرَةِ بَلَى فَكَانَ مُوسَى مَجْمُوعَ حَيَوَةٍ مَنْ قَتَلَ عَلَى آتِهِ هُوَ فَكُلُّ مَا كَانَ مَهْيَأً لِدَ الْإِنْفِطَارِ مِمَّا كَانَ اسْتِعْدَادَ رُوحِهِ لَهُ كَانَ فِي مُوسَى وَهَذَا اخْتِصَاصٌ لِلَّهِ بِمُوسَى لَوْ كُنْ أَحَدٌ قَبْلَهُ فَإِنَّ حِكْمَ مُوسَى كَثِيرَةٌ وَإِنَّا إِن شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى أَسْوَدُ مِنْهَا فِي هَذَا الْبَابِ عَلَى قَدْرِ مَا بَلَغَ بِهِ إِلَّا قُرْ الْإِلَهِي فِي خَاطِرِي وَكَانَ هَذَا أَوَّلَ مَا شُفِهُتُ بِهِ مِنْ هَذَا الْبَابِ فَمَا وَلَدَ مُوسَى إِلَّا وَهُوَ مَجْمُوعٌ أَرْوَاحِ كَثِيرَةٍ جَمِيعَ قُوَى فَعَالَةٍ لِأَنَّ الصَّغِيرَ يَفْعَلُ فِي الْكَبِيرِ أَلَا تَرَى الطِّفْلَ يَفْعَلُ فِي الْكَبِيرِ بِالْخَاصِيَّةِ فَيُنْزِلُ الْكَبِيرَ مِنْ رِيَاسَتِهِ إِلَيْهِ فَيَلَاعِبُهُ وَيُزَقِّقُ لَهُ وَيُظْهِرُ لَهُ بِعَقْلِهِ فَمُوتُ تَحْتَ تَسْخِيرِهِ وَهُوَ لَا يَشْعُرُ ثُمَّ يَشْغُلُهُ بِتَرْبِيَّتِهِ وَحِمَايَتِهِ وَتَفْقِدُ مَصَارِعِهِ وَتَأْنِيْسِهِ حَتَّى لَا يَضِيقَ صَدْرُهُ هَذَا كُلُّهُ مِنْ فِعْلِ الصَّغِيرِ بِالْكَبِيرِ وَذَلِكَ بِقُوَّةِ الْمَقَامِ فَإِنَّ الصَّغِيرَ حَدِيثُ عَهْدٍ بِرَبِّهِ لَا تَمَّ حَدِيثُ التَّكْوِينِ وَالْكَبِيرُ أَبْعَدُ فَمَنْ كَانَ مِنَ اللَّهِ أَقْرَبَ سَخَّرَ مَنْ كَانَ مِنَ اللَّهِ أَبْعَدَ كَخَوَافِ الْمَلِكِ لِلْقُرْبِ مِنْهُ يُسَخِّرُونَ الْأَبْعَدِينَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَبْرُمُ بِنَفْسِهِ لِلْمَطَرِ إِذَا نَزَلَ وَيَكْثِفُ رَأْسَهُ لَهُ حَتَّى يُصِيبَ مِنْهُ وَيَقُولُ إِنَّهُ حَدِيثُ عَهْدٍ بِرَبِّهِ فَانْظُرْ إِلَى هَذِهِ الْمَعْرِفَةِ بِاللَّهِ مِنْ هَذَا النَّبِيِّ مَا أَجَلَّهَا وَمَا أَعْلَاهَا وَمَا أَوْضَحَّهَا فَقَدْ سَخَّرَ الْمَطَرُ أَفْضَلَ الْبَشَرِ يَقْرُبُهُ مِنْ رَبِّهِ فَكَانَ مِثْلَ الرَّسُولِ الَّذِي يَنْزِلُ إِلَيْهِ بِالْوَحْيِ قَدْ عَاكَ بِأَحَالٍ يَذَاتِهِ فَبَرَزَ إِلَيْهِ لِيُصِيبَ مِنْهُ مَا

أَتَى بِهِ مِنْ رَبِّهِ فَلَوْ لَا مَا حَصَلَتْ لَهُ مِنْهُ الْفَائِدَةُ إِلَّا لِإِلَهِيَّةٍ بِهَا أَصَابَ مِنْهُ مَا بَرَزَ بِنَفْسِهِ إِلَيْهِ
 فَهَذَا بِرِسَالَةِ مَا جَعَلَ اللَّهُ مِنْهُ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ فَافْهَمُوا مَا حِكْمَةُ الْقَائِمَةِ فِي التَّابُوتِ
 وَرَمِيهِ فِي الْيَمِّ فَالتَّابُوتُ نَاسُوتُهُ وَالْيَمُّ مَا حَصَلَ لَهُ مِنَ الْعِلْمِ بِوَسَاطَةِ هَذَا الْجِسْمِ
 مِمَّا آعْطَتْهُ الْقُوَّةُ النَّظَرِيَّةُ الْفِكْرِيَّةُ وَالْقُوَّةُ الْحِسِّيَّةُ وَالْخَيَالِيَّةُ الَّتِي لَا يَكُونُ
 شَيْءٌ مِنْهَا وَلَا مِنْ أَمْثَالِهَا بِهَذَا النَّفْسِ الْإِنْسَانِيَّةِ إِلَّا بِوُجُودِ هَذَا الْجِسْمِ الْعَنْصُرِيِّ
 فَلَمَّا حَصَلَتْ النَّفْسُ فِي هَذَا الْجِسْمِ وَأُمِرَتْ بِالتَّصَرُّفِ فِيهِ وَتَدْبِيرِهِ جَعَلَ اللَّهُ لَهَا
 هَذِهِ الْقُوَّةَ الْكَاتِبَةَ تَتَوَصَّلُ بِهَا إِلَى مَا أَرَادَ اللَّهُ مِنْهَا فِي تَدْبِيرِهِ هَذَا التَّابُوتِ
 الَّذِي فِيهِ سَكِينَةُ الرَّبِّ فَرَمَى بِهِ فِي الْيَمِّ لِيَحْصَلَ بِهَذِهِ الْقُوَّةِ عَلَى فُنُونِ الْعِلْمِ
 فَاعْلَمَهُ بِذَلِكَ أَنَّهُ وَإِنْ كَانَ الرُّوحُ الْمُدَبِّرُ لَهُ هُوَ الْمَلِكُ فَإِنَّهُ لَا يُدَبِّرُكَ
 إِلَّا بِهِ فَاصْحَبَهُ هَذِهِ الْقُوَّةَ الْكَاتِبَةَ فِي هَذَا النَّاسُوتِ الَّذِي عَبَّرَ عَنْهُ بِالتَّابُوتِ
 فِي بَابِ الْإِشَارَاتِ وَالْحِكْمِ كَذَلِكَ تَدْبِيرُ الْحَقِّ لِلْعَالَمِ مَا دَبَّرَكَ إِلَّا بِهِ أَوْ بِصُورَتِهِ
 فَمَا دَبَّرَكَ إِلَّا بِهِ كَتَوَقُّفِ الْوَلَدِ عَلَى إِيْجَادِ الْوَالِدِ وَالْمُسْتَبَيَاتِ عَلَى أَسْبَابِهَا وَ
 الْمَشْرُوطَاتِ عَلَى شُرُوطِهَا وَالْمَعْلُوكَاتِ عَلَى عِلَلِهَا وَالْمَدْكُوكَاتِ عَلَى أَدِلَّتِهَا
 وَالْمُحَقَّقَاتِ عَلَى حَقَائِقِهَا وَكُلُّ ذَلِكَ مِنَ الْعَالَمِ وَهُوَ تَدْبِيرُ الْحَقِّ فِيهِ فَمَا
 دَبَّرَكَ إِلَّا بِهِ وَأَمَّا قَوْلُنَا أَوْ بِصُورَتِهِ أَعْنَى صُورَةِ الْعَالَمِ فَاعْنَى بِهِ الْأَسْمَاءَ الْحُسْنَى
 وَالصِّفَاتِ الْعُلَى الَّتِي يُسَمَّى الْحَقُّ بِهَا وَاتَّصِفَ بِهَا فَمَا وَصَلَ إِلَيْنَا مِنْ إِسْمٍ يُسَمَّى بِهِ
 إِلَّا وَوَجَدْنَا مَعْنَى ذَلِكَ الْإِسْمِ وَرُوحَهُ فِي الْعَالَمِ فَمَا دَبَّرَ الْعَالَمَ أَيْضًا إِلَّا بِصُورَةِ
 الْعَالَمِ وَبِذَلِكَ قَالَ فِي حَقِّ آدَمَ الَّذِي هُوَ الْبَرُّ نَامِجٌ الْجَامِعُ يُنْعَوَتُ الْحَضَرَةُ الْإِلَهِيَّةُ
 الَّتِي هِيَ الذَّاتُ وَالصِّفَاتُ وَالْأَفْعَالُ إِنَّ اللَّهَ خَلَقَ آدَمَ عَلَى صُورَتِهِ وَلَيْسَتْ
 صُورَتُهُ سِوَى الْحَضَرَةِ الْإِلَهِيَّةِ فَإِنَّ جَدِّي هَذَا الْمُخْتَصِرَ الشَّرِيفَ الَّذِي هُوَ الْإِنْسَانُ
 الْكَامِلُ مِنْ جَمِيعِ الْأَسْمَاءِ الْإِلَهِيَّةِ وَحَقَائِقِ مَا خَرَجَ عَنْهُ فِي الْعَالَمِ الْكَبِيرِ الْمُنْقَصِلِ
 وَجَعَلَهُ رُوحًا لِلْعَالَمِ فَيَسْخَرُ لَهُ الْعُلُوُّ وَالسُّفْلُ بِكَمَالِ الصُّورَةِ ذِكْرًا أَنَّهُ لَيْسَ
 شَيْءٌ فِي الْعَالَمِ إِلَّا وَهُوَ يُسَمَّى اللَّهُ بِحَمْدِهِ كَذَلِكَ لَيْسَ شَيْءٌ فِي الْعَالَمِ إِلَّا وَهُوَ

مُسَخَّرٌ لِهَذَا الْإِنْسَانِ بِمَا تُعْطِيهِ حَقِيقَةُ صُورَتِهِ فَقَالَ (وَسَخَّرَ لَكُمْ مِمَّا فِي السَّمٰوٰتِ
 وَمِمَّا فِي الْأَرْضِ جَنَیْبًا مِّنْهُ) فَكُلُّ مَا فِي الْعَالَمِ تَحْتَ تَسْخِيرِ الْإِنْسَانِ عَلِيمٍ ذَلِكَ مَنْ
 عَلِمَهُ وَهُوَ الْإِنْسَانُ الْكَامِلُ وَجَهْلُ ذَلِكَ مَنْ جَهَلَهُ وَهُوَ الْإِنْسَانُ الْحَيَوَانُ فَكَانَتْ
 صُورَةُ الْقَاءِ مُوسَى فِي التَّابُوتِ وَالْقَاءِ إِبْرَاهِيمَ فِي الْيَمِّ صُورَةُ هَلَاكِ فِي الظَّاهِرِ
 فِي الْبَاطِنِ كَانَتْ نَجَاةً لَهُ مِنَ الْقَتْلِ فَحَيَّ كَمَا تَحْيَى النَّفُوسُ بِأَعْلَمٍ مِنْ مَوْتِ الْجَهْلِ
 كَمَا قَالَ تَعَالَى (أَوْ مَنْ كَانَ مَيِّتًا) يَعْنِي بِالْجَهْلِ (فَأُحْيَيْنَاكَ) يَعْنِي بِأَعْلَمٍ (وَجَعَلْنَا لَهُ
 نُورًا أَتَّبِعُهُ فِي النَّاسِ) وَهُوَ الْهُدَى (كَمَنْ مَثَلُهُ فِي الظُّلُمَاتِ) وَهِيَ الضَّلَالَةُ (لَيْسَ
 بِخَارِجٍ مِنْهَا) أَيْ لَا يَهْتَدِي أَبَدًا فَإِنَّ الْأَمْرَ فِي نَفْسِهِ لَا غَايَةَ لَهُ فَيُوقِفُ عِنْدَهَا الْقَاهِدُ
 هُوَ أَنْ تَهْتَدِيَ الْإِنْسَانُ إِلَى الْخَيْرَةِ فَيَعْلَمَ أَنَّ الْأَرْحِيزَةَ وَالْخَيْرَةَ قَلْبٌ وَحَرَكَةٌ
 وَالْحَرَكََةُ حَيَوَةٌ فَلَا سُكُونٌ وَلَا مَوْتٌ وَوُجُودٌ فَلَا عَدَمٌ وَكَذَلِكَ فِي الْمَاءِ الَّذِي بِهِ
 حَيَوَةُ الْأَرْضِ وَحَرَكَتُهَا قَوْلُهُ (أَهْتَرَزْتُ) وَحَمَلْتُ قَوْلُهُ (وَرَبَّتْ) وَكَأَنَّهَا قَوْلُهُ
 (وَأَنْبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍ بَیْهٍ) أَيْ أَنَّهَا مَا وَلَدَتْ إِلَّا مَا يَسْتَبِيهَا أَيْ طَبِيعًا مِثْلَهَا
 فَكَانَتْ الرَّوْحِيَّةُ الَّتِي هِيَ الشَّفِيعَةُ لَهَا بِهَا تَوَلَّدَ مِنْهَا وَظَهَرَ عَنْهَا كَذَلِكَ وَجُودُ الْحَقِّ
 كَانَتْ الْكَثْرَةُ لَهُ وَتَعَدُّ الْأَسْمَاءِ أَنَّهُ كَذَا وَكَذَا بِمَا ظَهَرَ عَنْهُ مِنَ الْعَالَمِ
 الَّذِي يَطْلُبُ بِنَشْأَتِهِ حَقَائِقَ الْأَسْمَاءِ إِلَّا لِهَيْئَةٍ فَيَثْبُتُ بِهِ وَبِخَالِقِهِ أَحَدِيَّةُ الْكثرةِ
 وَقَدْ كَانَ أَحَدٌ مِنَ الْعَيْنِ مِنْ حَيْثُ ذَاتِهِ كَالْجَوْهَرِ الْهَيَوُ لَا فِي أَحَدٍ مِنَ الْعَيْنِ مِنْ
 حَيْثُ ذَاتِهِ كَثِيرٌ بِالصُّوَرِ الظَّاهِرَةِ فِيهِ الَّتِي هُوَ حَامِلٌ لَهَا بِذَاتِهِ كَذَلِكَ الْحَقُّ
 بِمَا ظَهَرَ مِنْهُ مِنْ صُورِ الشَّجَلِيِّ فَكَانَ الْحَقُّ مَحْجُولِي صُورِ الْعَالَمِ مَعَ الْأَحَدِيَّةِ الْمُعْقُولَةِ
 فَانْظُرْ مَا أَحْسَنَ هَذَا التَّعْلِيمِ إِلَّا لِلَّهِ الَّذِي خَصَّ اللَّهَ بِالْإِطْلَاعِ عَلَيْهِ مَنْ شَاءَ مِنْ
 عِبَادِهِ وَكَمَا وَجَدَ الْإِسْرَءِيلُ فِي الْيَمِّ عِنْدَ الشَّجَرَةِ سَبَّحًا فِرْعَوْنَ مُوسَى (وَالْمَوْ)
 هُوَ الْمَاءُ بِالْقَبْطِيَّةِ وَ (السَّي) هُوَ الشَّجَرَةُ فَسَبَّحًا بِمَا وَجَدَ لَا عِنْدَ لَا فَإِنَّ التَّابُوتَ وَقَفَ
 عِنْدَ الشَّجَرَةِ فِي الْيَمِّ فَأَرَادَ قَتْلَهُ فَقَالَتْ إِمْرَأَتُهُ وَكَانَتْ مُنْطَقَةً بِالنُّطْقِ الْإِلَهِيِّ
 فِيمَا قَالَتْ فِرْعَوْنَ إِذْ كَانَ اللَّهُ خَلَقَهَا لِلْكَمَالِ كَمَا قَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ عَنْهَا حَيْثُ شَهِدَ

لَهَا وَيَسْأَلُ ابْنَتَ عِمْرَانَ يَا لِكَمَلِ الَّذِي هُوَ لِلدُّكْرَانِ فَقَالَتْ لِفِرْعَوْنَ نِي حَقِّ مُوسَى
إِنَّهُ (قُرَّةُ عَيْنٍ لِي وَلك) فِيهِ قُرَّةٌ عَيْنِيهَا يَا لِكَمَلِ الَّذِي حَصَلَ لَهَا كَمَا قُلْنَا وَكَانَ قُرَّةً
عَيْنٍ لِفِرْعَوْنَ يَا إِيْمَانِ الَّذِي أَعْطَاهُ اللَّهُ عِنْدَ الْغَرْقِ فَقَبَضَهُ طَاهِرًا وَمُطَهَّرًا لَيْسَ فِيهِ
شَيْءٌ مِّنَ الْخُبْثِ لِأَنَّهُ قَبَضَهُ عِنْدَ إِيْمَانِهِ قَبْلَ أَنْ يَكْتَسِبَ شَيْئًا مِّنَ الْإِثْمِ وَالْإِسْلَامُ
يَجِبُ مَا قَبْلَهُ وَجَعَلَهُ آيَةً عَلَى عِبَادِهِ سُبْحَانَهُ لِمَنْ شَاءَ حَتَّى لَا يَيَّسَ أَحَدٌ مِّنْ
رَّحْمَةِ اللَّهِ (إِنَّهُ لَا يَأْيُسُ مِنْ رَّوْحِ اللَّهِ إِلَّا الْقَوْمُ الْكَافِرُونَ) فَلَوْ كَانَ فِرْعَوْنُ مِّنْ
يَيَّاسٍ مَا بَادَرَ إِلَى الْإِيْمَانِ فَكَانَ مُوسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ كَمَا قَالَتْ إِمْرَأَةً فِرْعَوْنَ
فِيهِ إِنَّهُ (قُرَّةُ عَيْنٍ لِي وَلك) لَا تَقْتُلُوهُ عَسَى أَنْ يَنْفَعَنَا) وَكَذَلِكَ وَقَعَ فَإِنَّ
اللَّهَ نَفَعَهُمَا بِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَإِنْ كَانَا مَا شَعَرَا بِأَنَّهُ هُوَ النَّبِيُّ الَّذِي يَكُونُ عَلَى
يَدَيْهِ هَلَاكُ مُلْكِ فِرْعَوْنَ وَهَلَاكُ آلِهِ وَلَمَّا عَصَمَهُ اللَّهُ مِنْ فِرْعَوْنَ (وَأَصْبَحَ فُؤَادُ
أُمِّ مُوسَى فَارِغًا) مِنَ الْهُوِّ الَّذِي كَانَ قَدْ أَصَابَهَا ثَوْرَاتُ اللَّهِ حَرَّمَ عَلَيْهِ الْهَرَامِضَ حَتَّى
أَقْبَلَ عَلَى ثَدْيِ أُمِّهِ فَأَرْضَعَتْهُ يُكَمِّلُ اللَّهُ لَهَا سُرُورَهَا بِهِ كَذَلِكَ عَلِمُوا الشَّرَّاعِمَ
كَمَا قَالَ (يَكُلُّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً) أَيْ طَرِيقًا (وَمِنْهَا جَاءَ) أَيْ مِنْ تِلْكَ الطَّرِيقَةِ
جَاءَ فَكَانَ هَذَا الْقَوْلُ إِشَارَةً إِلَى الْأَصْلِ الَّذِي مِنْهُ جَاءَ فَهُوَ غِذَاؤُهُ كَمَا أَنَّ فَرْعَ
الشَّجَرَةِ لَا يَتَغَذَّى إِلَّا مِنْ أَصْلِهِ فَمَا كَانَ حَرَامًا فِي شَرْعٍ يَكُونُ حَلَالًا فِي شَرْعٍ
آخَرَ يَعْنِي فِي الصُّورَةِ أَعْنَى قَوْلِي (يَكُونُ حَلَالًا) وَفِي نَفْسٍ الْإِمْرُ مَا هُوَ عَيْنُ مَا
مَعْنَى لَا تَنْزِيلَ الْإِمْرُ خَلْقُ جَدِيدٍ وَلَا تَكَدُّرًا فَبِهَذَا نَبَّهْنَاكَ فَكُنْ عَنْ هَذَا نِي حَقِّ مُوسَى
بِتَجْرِيدِ الْهَرَامِضِ فَأُمُّهُ عَلَى الْحَقِيقَةِ مِمَّنْ أَرْضَعَتْهُ لَا مَنْ وَلَدَتْهُ فَإِنَّ أُمَّ الْوَلَاةِ
حَبَلَتْهُ عَلَى جَهْلٍ إِلَّا مَا نَهَى فَتَكُونُ فِيهَا وَتَغْذَى بِدَمِ طَمِيئَةٍ مِنْ غَيْرِ إِرَادَةٍ لَهَا فِي
ذَلِكَ حَتَّى لَا يَكُونَ لَهَا عَلَيْهِ رَامَتَانِ فَإِنَّهُ مَا تَغْذَى إِلَّا بِهَا لَوْ أَنَّ لَهَا يَتَغَذَّى بِهِ
وَلَوْ يَخْرُجُ عَنْهَا ذَلِكَ الدَّمُ لَا هُلَكَهَا وَآمَرَضَهَا فَلِجَنَيْنِ الْبَيْتَةِ عَلَى أُمِّهِ بِكَوْنِهِ
تَغْذَى بِذَلِكَ الدَّمِ فَوَقَّيْهَا بِنَفْسِهِ مِنَ الضَّرَرِ الَّذِي كَانَتْ تَجِدُكَ لَوْ مُتَسَّكَ ذَلِكَ
الدَّمُ عِنْدَهَا وَلَا يَخْرُجُ وَلَا يَتَغَذَّى بِهِ جَنَيْنُهَا وَالْهَرَضَةُ لَيْسَتْ كَذَلِكَ فَإِنَّهَا قَصَدَتْ

بِرِضَاعَتِهِ حَيَاتَهُ وَإِثْقَاءَهُ فَجَعَلَ اللَّهُ ذَلِكَ لِمُوسَى فِي أُرْمٍ وَلَا دَرِيهَ فَلَمْ يَكُنْ إِلَّا مُرَآةً
عَلَيْهِ فَضْلٌ إِلَّا لَأُرْمٍ وَلَا دَرِيهَ (كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا) أَيْضًا بِأَرْبَعِيَّتِهِ وَتَشَاهِدُ إِنْشَاءَهُ فِي حَجَرِهَا
(وَلَا تَحْزَنْ) وَنَجَاةُ اللَّهِ مِنْ غَمِّ التَّابُوتِ فَخَرَقَ ظُلُمَةَ الطَّبِيعَةِ بِهَا أَعْطَا اللَّهُ
مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا لِلَّهِ وَإِنْ لَمْ يَخْرُجْ عَنْهَا (وَقَتْلِكَ فُتُونًا) أَيْ اخْتِبَرَكَ فِي مَوَاطِنَ كَثِيرَةٍ
لِيَتَحَقَّقَ فِي نَفْسِهِ صَبْرُكَ عَلَى مَا ابْتَلَى اللَّهُ بِهِ فَأَوَّلُ مَا ابْتَلَاكَ اللَّهُ بِهِ قَتْلُهُ الْقُبُطِيَّ بِهَا
أَلْهَمَهُ اللَّهُ وَوَقَّعَهُ لَهُ فِي سِرِّهِ وَإِنْ لَمْ يَعْلَمْ بِذَلِكَ وَلَكِنْ لَمْ يَجِدْ فِي نَفْسِهِ إِكْتِرَاءً
بِقَتْلِهِ مَعَ كَوْنِهِ مَا تَوَقَّعَ حَتَّى يَأْتِيَهُ أَمْرٌ بِهِ بِذَلِكَ لِأَنَّ اللَّيْثَ مَعْصُومٌ الْبَاطِنُ مِنْ
حَيْثُ لَا يَشْعُرُ حَتَّى يُنْبَأَ أَيْ يُخْبَرَ بِذَلِكَ وَلِهَذَا أَرَاهُ الْخِصْرُ قَتَلَ الْغُلَامَ فَأَنْكَرَ
عَلَيْهِ قَتْلَهُ وَلَمْ يَتَذَكَّرْ قَتْلَهُ الْقُبُطِيَّ فَقَالَ لَهُ الْخِصْرُ (وَمَا فَعَلْتَهُ عَنْ أَمْرِي) يُنَبِّهُهُ
عَلَى مَرْتَبَتِهِ قَبْلَ أَنْ يُنْبَأَ أَنَّهُ كَانَ مَعْصُومٌ الْحَرَكَةُ فِي نَفْسِ الْأَمْرِ وَإِنْ لَمْ يَشْعُرْ
بِذَلِكَ وَأَرَاهُ أَيْضًا خَرَقَ السَّيْفِيَّةَ الَّتِي ظَاهِرُهَا هَلَاكٌ وَبَاطِنُهَا نَجَاةٌ مِنْ يَدِ الْغَايِبِ
جَعَلَ لَهُ ذَلِكَ فِي مُقَابَلَةِ التَّابُوتِ لَهُ الَّذِي كَانَ فِي الْيَمِّ مُطْبَقًا عَلَيْهِ فَظَاهِرُهَا هَلَاكٌ
وَبَاطِنُهَا نَجَاةٌ وَإِنَّهَا فَعَلَتْ بِهِ أُمُّهُ ذَلِكَ خَوْفًا مِنْ يَدِ الْغَايِبِ فِرْعَوْنَ أَنْ يَذْبَحَهُ صَبْرًا
وَهِيَ تَنْظُرُ إِلَيْهِ مَعَ الْوَحْيِ الَّذِي أَلْهَمَهَا اللَّهُ بِهِ مِنْ حَيْثُ لَا تَشْعُرُ فَوَحَّدَتْ فِي نَفْسِهَا
أَنَّهَا تُرْضِعُهُ فَإِذَا خَافَتْ عَلَيْهِ الْقَتْلَ فِي الْيَمِّ لِأَنَّ فِي الْمَثَلِ عَيْنٌ لَا تَرَى قَلْبٌ لَا
يَفْجَعُ فَلَمْ تَخَفْ عَلَيْهِ خَوْفَ مُشَاهَدَةِ عَيْنٍ وَلَا حَزْنَتْ عَلَيْهِ حُزْنَ رُؤْيَا بَصَرٍ وَغَلَبَ
عَلَى ظَنِّهَا أَنَّ اللَّهَ رُبُّهَا سَادَّهَا إِلَيْهَا يُحْسِنُ ظَنِّهَا بِهِ فَعَاشَتْ بِهَذَا الظَّنِّ فِي نَفْسِهَا وَالْجَاءُ
يُقَابِلُ الْخَوْفَ وَالْيَأْسَ وَقَالَتْ حِينَ أُلْهِمَتْ لِذَلِكَ لَعَلَّ هَذَا هُوَ الرَّسُولُ الَّذِي
يَهْلِكُ فِرْعَوْنَ وَالْقُبُطِيَّ عَلَى يَدَيْهِ فَعَاشَتْ وَسَرَّتْ بِهَذَا التَّوَهُّمِ وَالظَّنِّ بِالنَّظَرِ إِلَيْهَا
وَهُوَ عِلْمٌ فِي نَفْسِهَا أَنَّ مَرْمُوحَ عِنْدَ اللَّهِ ثُمَّ أَنَّهَا وَقَعَ عَلَيْهِ الطَّلِبُ خَرَجَ فَأَرَادَ خَوْفًا
فِي الظَّاهِرِ وَكَانَ فِي الْبُعْتَى حُبًّا فِي النَّجَاةِ فَإِنَّ الْحَرَكَةَ أَبَدًا إِنَّهَا هِيَ حَيَّةٌ وَيُحِبُّ
النَّظَرُ فِيهَا بِأَسْبَابٍ أُخَرٍ وَلَيْسَتْ تِلْكَ وَذَلِكَ لِأَنَّ الْأَصْلَ حَرَكَةُ الْعَالَمِ مِنَ الْعَدَمِ
الَّذِي كَانَ سَاكِنًا فِيهِ إِلَى الْوُجُودِ وَبِذَلِكَ يُقَالُ إِنَّ الْأَمْرَ حَرَكَةً عَنْ سُكُونٍ فَكَانَتْ

الْحَرَكَةُ الَّتِي هِيَ وَجُودُ الْعَالَمِ حَرَكَةُ حُبٍّ وَقَدْ نَبَّهَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى
ذَلِكَ بِقَوْلِهِ كُنْتُ كَنْزًا مُحَقَّقًا لَمْ أُعْرِفْ فَأَخْبَيْتُ أَنْ أُعْرِفَ فَلَوْلَا هَذِهِ الْمَحَبَّةُ مَا
ظَهَرَ الْعَالَمُ فِي عَيْنِهِ فَحَرَكَتُهُ مِنَ الْعَدَمِ إِلَى الْوُجُودِ حَرَكَةُ حُبٍّ الْمَوْجِدِ لِذَلِكَ
لَا أَنَّ الْعَالَمَ أَيْضًا يُحِبُّ شُهُودَ نَفْسِهِ وَجُودًا كَمَا شَهِدَهَا ثُبُوتًا فَكَانَتْ بِكُلِّ وَجَبٍ
حَرَكَتُهُ مِنَ الْعَدَمِ الثُّبُوتِيًّا إِلَى الْوُجُودِ حَرَكَةُ حُبٍّ مِنْ جَانِبِ الْحَقِّ وَجَانِبِهِ
فَإِنَّ الْكَمَالَ مَحْبُوبٌ لِنَدَاتِهِ وَعِلْمُهُ تَعَالَى بِنَفْسِهِ مِنْ حَيْثُ هُوَ غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ هُوَ
لَهُ وَمَا بَقِيَ إِلَّا تَمَامُ مُرْتَبَةِ الْعِلْمِ بِالْعِلْمِ الْخَادِتِ الَّذِي يَكُونُ مِنْ هَذِهِ الْأَعْيَانِ
أَعْيَانِ الْعَالَمِ إِذَا وَجِدَتْ تَبَيَّنَتْ صُورَةُ الْكَمَالِ بِالْعِلْمِ الْمُحْدَثِ وَالْقَدِيرِ الْمُتَكَمِّلِ
مُرْتَبَةِ الْعِلْمِ بِالْوُجْهِينِ وَكَذَلِكَ تَكْمُلُ مَرَاتِبُ الْوُجُودِ فَإِنَّ الْوُجُودَ مِنْهُ أَزَلِيٌّ
وَعَبْرٌ أَزَلِيٌّ وَهُوَ الْخَادِتُ فَلَا أَزَلِيٌّ وَجُودُ الْحَقِّ بِنَفْسِهِ وَغَيْرُ الْأَزَلِيِّ وَجُودُ الْحَقِّ
بِصُورِ الْعَالَمِ الثَّابِتِ قَيْسِيٌّ خَدُّو ثَائِلًا لَهُ ظَهَرَ بَعْضُهُ بِبَعْضِهِ وَظَهَرَ لِنَفْسِهِ بِصُورِهِ
الْعَالَمِ فَكَمُلَ الْوُجُودُ فَكَانَتْ حَرَكَةُ الْعَالَمِ حَبِيَّةً لِلْكَمَالِ فَافْهَمُوا لَا تَرَاهُ كَيْفَ
نَفْسٌ عَنِ الْأَسْمَاءِ إِلَّا إِلَهِيَّةٌ مَا كَانَتْ تَجِدُكَ مِنْ عَدَمِ ظُهُورِ أَثَارِهَا فِي عَيْنِ مُسَمًّى
الْعَالَمِ فَكَانَتْ الرَّاحَةُ مُحَبُّوبَةً لَهُ وَلَمْ يُوصِلْ إِلَيْهَا إِلَّا بِالْوُجُودِ الصُّورِيِّ الْأَعْلَى
وَالْأَسْفَلِ فَثَبَّتَ أَنَّ الْحَرَكَةَ كَانَتْ لِلْحُبِّ فَمَا تَمَّ حَرَكَةُ فِي الْكَوْنِ إِلَّا وَهِيَ
حَبِيَّةٌ فَيَنْبَغِي الْعُلَمَاءُ مَنْ يَعْلَمُ ذَلِكَ وَمِنْهُمْ مَنْ يَحْجِبُهُ السَّبَبُ الْأَقْرَبُ بِحُكْمِهِ
فِي الْحَالِ وَرَأْسُ تِلْكَ عَلَى النَّفْسِ فَكَانَ الْخَوْفُ بِمُوسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ مَشْهُودًا لَهُ
بِمَا وَقَعَ مِنْ قَتْلِهِ الْقِبْطِيَّ وَتَضَمَّنَ الْخَوْفُ حُبَّ النِّجَاةِ مِنَ الْقَتْلِ فَفَرَّ لِمَا خَافَ
وَفِي الْمَعْنَى فَفَرَّ لِمَا أَحَبَّ النِّجَاةَ مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمِلَهُ بِهِ فَذَكَرَ السَّبَبَ الْأَقْرَبَ
الْمَشْهُودَ لَهُ فِي الْوَقْتِ الَّذِي هُوَ فِيهِ كَصُورَةِ الْجِسْمِ لِلْبَشَرِ وَحُبَّ النِّجَاةِ مُتَقَرَّرٌ
فِيهِ تَضَمُّنَ الْجَسَدِ لِلرُّوحِ الْمَدِيرِ لَهُ وَالْأَنْبِيَاءُ لَهُمْ لِسَانُ الظَّاهِرِ بِهِ يَتَكَلَّمُونَ
بِعُمُومِ الْخَطَابِ وَإِعْتِمَادِهِمْ عَلَى فَهْمِ الْعَالِمِ السَّامِعِ فَلَا يَعْتَبِرُ الرُّسُلُ إِلَّا الْعَامَّةُ
بِعِلْمِهِمْ بِمُرْتَبَةِ أَهْلِ الْفَهْمِ كَمَا نَبَّهَ عَلَيْهِ السَّلَامُ عَلَى هَذِهِ الرُّتَبَةِ فِي الْعَطَايَا

فَقَالَ إِنِّي لَا أُعْطِي الرَّجُلَ وَغَيْرُهُ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْهُ خَفَافَةً أَنْ يُكَبِّهَ اللَّهُ فِي النَّارِ فَأُتْبَرَضَّعِفَ
الْعَقْلُ وَالنَّظَرُ الَّذِي تَغْلِبُ عَلَيْهِ الطَّمَعُ وَالطَّبَعُ فَكَذَلِكَ مَا جَاءُوا بِهِ مِنَ الْعُلُومِ جَاءُوا بِهِ
وَعَلَيْهِ خِلْعَةٌ أَذْنِي الْفُهْلُومِ رِيْقِفَ مَنْ لَا غَوْصَ لَهُ عِنْدَ الْخِلْعَةِ فَيَقُولُ مَا أَحْسَنَ هَذِهِ الْخِلْعَةُ
وَيَرَاهَا غَايَةَ الدَّرَجَةِ وَيَقُولُ صَاحِبُ الْفُلْهِمِ الدَّقِيقِ الْغَائِصِ عَلَى دُرِّ الْحِكْمِ بِهَا اسْتَوْجِبَ
هَذِهِ الْخِلْعَةَ مِنَ الْمَلِكِ فَيَنْظُرُ فِي قَدْرِ الْخِلْعَةِ وَصِنْفِهَا مِنَ الثِّيَابِ فَيَعْلَمُ مِنْهَا قَدْرَ
مَنْ خُلِعَتْ عَلَيْهِ فَيَعْتَرُ عَلَى عِلْمِهِ لَمْ يَحْصِلْ لِغَيْرِهِ مِنْ مَنْ لَا عِلْمَ لَهُ بِمِثْلِ هَذَا وَلَمَّا عَلِمَتْ
الْأَنْبِيَاءُ وَالرُّسُلُ وَالْوَرَثَةُ أَنَّ فِي الْعَالَمِ وَأُمَّتِهِمْ مَنْ هُوَ بِهَذِهِ الثَّنَابَةِ عَمْدٌ وَإِنِّي
الْعِبَارَةُ إِلَى اللِّسَانِ الظَّاهِرِ الَّذِي يَقَعُ فِيهِ اسْتِرَاكُ الْخَاصِّ وَالْعَامِّ فَيَفْهَمُ مِنْهُ الْخَاصُّ
مَا فَهِمَ الْعَامَّةُ مِنْهُ وَزِيَادَةٌ مِمَّا صَحَّ لَهُ بِهِ اسْمُهُ تَهْ خَاصُّ فَيَتَمَيَّزُ بِهِ عَنِ الْعَامِّ فَانْتَفَى
الْمُبَلِّغُونَ الْعُلُومَ بِهَذَا فَهَذَا حِكْمَةُ قَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ (فَقَرَرْتُ مِنْكُمْ لَمَّا خِفْتُمْ)
وَلَمْ يَقُلْ فَقَرَرْتُ مِنْكُمْ حَبَابًا فِي السَّلَامَةِ وَالْعَافِيَةِ فَجَاءَ إِلَى مَدِينَةِ فَوْجِدَ الْجَارِسِيِّينَ
(فَسَقَى لَهُمَا) مِنْ غَيْرِ أَجْرٍ (ثُمَّ تَوَلَّى إِلَى الظِّلِّ) إِلَهِي (فَقَالَ رَبِّ إِنِّي لَمَّا أَنْزَلْتَ
إِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيرٌ) فَجَعَلَ عَيْنًا عَلَيْهِ السَّقَى عَيْنَ الْخَيْرِ الَّذِي أَنْزَلَ لَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ
وَوَصَفَتْ نَفْسَهُ بِالْفَقْرِ إِلَى اللَّهِ فِي الْخَيْرِ الَّذِي عِنْدَهُ فَارَاكَ الْخَصْرُ إِقَامَةَ الْجِدَارِ
مِنْ غَيْرِ أَجْرٍ فَعَتَبَهُ عَلَى ذَلِكَ فَذَكَرَكَ بِسِقَايَتِهِ مِنْ غَيْرِ أَجْرٍ إِلَى غَيْرِ ذَلِكَ مِمَّا لَمْ
يُذَكَرْ حَتَّى تَمَيَّنَ عَلَى اللَّهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ يَسْكُتَ مُوسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ وَلَا يَعْتَرِضَ حَتَّى
يَقْضَى اللَّهُ عَلَيْهِ مِنْ أَمْرِهِمَا فَيَعْلَمُ بِذَلِكَ مَا وَقَفَ اللَّهُ مُوسَى مِنْ غَيْرِ عِلْمٍ مِنْهُ إِذْ
لَوْ كَانَ عَنْ عِلْمِهِ مَا أَنْكَرَ مِثْلَ ذَلِكَ عَلَى الْخَصْرِ الَّذِي قَدْ شَهِدَ اللَّهُ لَهُ عِنْدَ مُوسَى وَ
ذَكَرَهُ وَعَدَّ لَهُ وَمَعَ هَذَا غَفَلَ مُوسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ عَنْ تَرْكِيَةِ اللَّهِ وَعَمَّا شَرَطَهُ عَلَيْهِ
فِي رَاتِبَائِهِ رَحْمَةً بِنَا إِذَا سَيِّئًا أَمَرَ اللَّهُ وَلَوْ كَانَ مُوسَى عَالِمًا بِذَلِكَ لَمَّا قَالَ لَهُ الْخَصْرُ
(وَكَيْفَ تَصْبِرُ عَلَى مَا لَمْ تُحِطْ بِهِ خُبْرًا) أَيْ إِنِّي عَلَى عِلْمٍ لَمْ يَحْصِلْ لَكَ عَنْ ذَوْقِكَ كَمَا
أَنْتَ عَلَى عِلْمٍ لَا أَعْلَمُهُ أَنَا فَانْصَفْ وَآمَّا حِكْمَةُ فِرَاقِهِ فَلِأَنَّ الرَّسُولَ يَقُولُ
اللَّهُ فِيهِ (وَمَا آتَاكُمْ الرَّسُولُ فَخُذُوا وَمَا نَهَىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا) فَوَقَفَ الْعُلَمَاءُ

بِاللهِ الَّذِينَ يَعْرِفُونَ قَدْرَ الرِّسَالَةِ وَالرَّسُولِ عِنْدَ هَذَا الْقَوْلِ وَقَدْ عَلِمَ الْخِضْرُ أَنَّ مُوسَى
 رَسُولُ اللهِ فَآخَذَ يَتَرَقَّبُ مَا يَكُونُ مِنْهُ لِيُؤْتِيَ الْأَدَبَ حَقَّهُ مَعَ الرَّسُولِ فَقَالَ لَهُ (إِنْ
 سَأَلْتُكَ عَنْ شَيْءٍ بَعْدَهَا فَلَا تَصَاحِبْنِي) فَهَذَا عَنْ مُحَبَّتِهِ فَلَمَّا وَقَعَتْ مِنْهُ الثَّالِثَةُ (قَالَ
 هَذَا فِرَاقُ بَيْنِي وَبَيْنِكَ) وَلَمْ يَقُلْ لَهُ مُوسَى لَا تَفْعَلْ وَلَا طَلَبَ مُحَبَّتَهُ لِيَعْلِمَهُ بِقَدْرِ
 الرَّتَبَةِ الَّتِي هُوَ فِيهَا الَّتِي أَنْطَقَتْهُ بِأَنَّهَا عَنْ أَنْ يَفْجَبَهُ فَسَكَتَ مُوسَى وَوَقَعَ الْفِرَاقُ
 فَانْظُرْ إِلَى كَمَالِ هَذَيْنِ الرَّجُلَيْنِ فِي الْعِلْمِ وَتَوْفِيقَةِ الْأَدَبِ الْإِلَهِيِّ حَقَّهُ وَإِنْصَافِ
 الْخِضْرِ فِيهَا اعْتَرَفَ بِهِ عِنْدَ مُوسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ حَيْثُ قَالَ لَهُ (إِنِّي عَلَى عِلْمِ عِلْمِي أَنَّ اللهَ
 لَا تَعْلَمُهُ أَنْتَ وَأَنْتَ عَلَى عِلْمِ عِلْمِكَ اللهُ لَا أَعْلَمُهُ أَنَا فَكَانَ هَذَا الْإِعْلَامُ مِنَ الْخِضْرِ
 لِمُوسَى دَوَاءً لِمَا جَرَحَهُ بِهِ فِي قَوْلِهِ (وَكَيْفَ تَصْبِرُ عَلَى مَا لَمْ تُحِطْ بِهِ خَيْرًا) مَعَ
 عَلَيْهِ يَعْلَمُ رُتَبَتَهُ بِالرِّسَالَةِ وَلَيْسَتْ تِلْكَ الرَّتَبَةُ لِلْخِضْرِ وَظَهَرَ ذَلِكَ فِي الْأَمَةِ الْمُحَمَّدِيَّةِ
 فِي حَدِيثِ إِبَارِ النَّخْلِ فَقَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَا صَحَابَةَ أَنْتُمْ أَعْلَمُ بِمَصَارِيحِ دُنْيَاكُمْ
 وَلَا شَيْءَ أَنَّ الْعِلْمَ بِأَشْيَاءٍ خَبِرَ مِنَ الْجَهْلِ بِهِ وَهَذَا مَدَحُ اللهِ لِنَفْسِهِ بِأَنَّهُ (رِكْزُ
 شَيْءٍ عِلْمٍ) فَقَدْ اعْتَرَفَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِأَصْحَابِهِ يَا نَهْمُ أَعْلَمُ بِمَصَارِيحِ دُنْيَاكُمْ
 مِنْهُ لِكُونِهِ لَا خَبَرَ لَهُ بِذَلِكَ فَإِنَّهُ عِلْمُ ذَوِي وَتَجَرُّبَةٌ وَلَمْ يَتَفَرَّغْ عَلَيْهِ السَّلَامُ
 بِعِلْمِ ذَلِكَ بَلْ كَانَ شَغْلُهُ بِالْأَهْمِّ فَأَلْهَمَ فَقَدْ نَبَّهْتُكَ عَلَى آدَبٍ عَظِيمٍ تَنْتَفِعُ بِهِ إِنْ
 اسْتَعْمَلْتَ نَفْسَكَ فِيهِ وَقَوْلُهُ (فَوَهَبْ لِي رَأْيَ حُكْمًا) يُرِيدُ الْخِلَافَةَ (وَجَعَلَنِي
 مِنَ الْمُرْسَلِينَ) يُرِيدُ الرِّسَالَةَ فَمَا كُلُّ رَسُولٍ خَلِيفَةٌ فَالْخَلِيفَةُ صَاحِبُ السَّيْفِ وَالْعَزْلِ
 وَالْإِوْلَايَةِ وَالرَّسُولُ لَيْسَ كَذَلِكَ إِنَّمَا عَلَيْهِ الْبَلَاغُ لِمَا أُرْسِلَ بِهِ فَإِنْ قَاتَلَ عَلَيْهِ
 وَحَمَا لَا بِالسَّيْفِ فَذَلِكَ الْخَلِيفَةُ الرَّسُولُ فَكَمَا أَنَّهُ مَا كُلُّ نَبِيٍّ رَسُولًا كَذَلِكَ
 مَا كُلُّ رَسُولٍ خَلِيفَةٌ أَيْ مَا أُعْطِيَ الْمُلْكُ وَالْإِحْكَامُ فِيهِ وَأَمَّا حِكْمَةُ سُؤَالِ
 فِرْعَوْنَ عَنِ الْمَاهِيَةِ الْإِلَهِيَّةِ بِقَوْلِهِ (وَمَا رَبُّ الْعَالَمِينَ) فَلَمْ يَكُنْ عَنْ جَهْلِ وَإِنَّمَا
 كَانَ عَنْ اخْتِيَارٍ حَتَّى يَرَى جَوَابَهُ مَعَ دَعْوَاهُ الرِّسَالَةَ عَنْ رَبِّهِ وَقَدْ عَلِمَ فِرْعَوْنُ مَرْتَبَةَ
 الْمُرْسَلِينَ فِي الْعِلْمِ فَيَسْتَدِلُّ بِجَوَابِهِ عَلَى صِدْقِ دَعْوَاهُ وَسَأَلَ سُؤَالَ إِيْهَامٍ مِنْ أَجْلِ

الْحَاضِرِينَ حَتَّى يُعِيرَ قُلُوبَهُمْ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُونَ بِمَا شَعَرَ هُوَ فِي نَفْسِهِ فِي سُؤَالِهِ فَإِذَا
 أَجَابَهُ جَوَابُ الْعُلَمَاءِ بِالْأَمْرِ أَظْهَرَ فِرْعَوْنَ رِاقَاءَ لِمَنْصِبِهِ أَنَّ مُوسَى مَا أَجَابَهُ عَلَى
 سُؤَالِهِ فَتَبَيَّنَ عِنْدَ الْحَاضِرِينَ يَقْضُونَ قُلُوبَهُمْ أَنَّ فِرْعَوْنَ أَعْلَمُ مِنْ مُوسَى وَبِهَذَا
 لَمَّا قَالَ لَهُ فِي الْجَوَابِ مَا يَنْبَغِي وَهُوَ فِي الظَّاهِرِ غَيْرُ جَوَابٍ عَلَى مَا سَأَلَ عَنْهُ وَقَدْ
 عَلِمَ فِرْعَوْنَ أَنَّهُ لَا يُجِيبُهُ إِلَّا بِذَلِكَ فَقَالَ لَا مَخَافَةَ (إِنَّ رَسُولَكُمْ الَّذِي أُرْسِلَ
 إِلَيْكُمْ لَمَجْنُونٌ) أَيْ مَسْتُورٌ عَنْهُ عِلْمُ مَا سَأَلَتْهُ عَنْهُ إِذْ لَا يَتَصَوَّرُ أَنْ يَعْلَمَ أَصْلًا فَالسُّؤَالُ
 صَحِيحٌ فَإِنَّ السُّؤَالَ عَنِ الْمَاهِيَةِ سُؤَالٌ عَنْ حَقِيقَةِ الْمَطْلُوبِ وَلَا بُدَّ أَنْ يَكُونَ عَلَى حَقِيقَةٍ
 فِي نَفْسِهِ لَا تَكُونُ بِغَيْرِهَا وَأَمَّا الَّذِينَ جَعَلُوا الْحُدُودَ مَرَكِبَةً مِنْ جِنْسٍ وَفَصَّلٍ فَذَلِكَ
 فِي كُلِّ مَا يَقَعُ فِيهِ إِلَّا شَرَاكَ وَمَنْ لَا جِنْسَ لَهُ لَا يَلِيزُ أَنْ لَا يَكُونَ عَلَى حَقِيقَةٍ فِي
 نَفْسِهِ لَا تَكُونُ بِغَيْرِهَا فَالسُّؤَالُ صَحِيحٌ عَلَى مَذْهَبِ أَهْلِ الْحَقِّ وَالْعِلْمِ الصَّحِيحِ وَالْعَقْلِ
 السَّلِيمِ وَالْجَوَابُ عَنْهُ لَا يَكُونُ إِلَّا بِمَا أَجَابَ بِهِ مُوسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ وَهَذَا سِرٌّ كَبِيرٌ
 فَإِنَّهُ أَجَابَ بِأَفْعُلٍ لِمَنْ سَأَلَ عَنِ الْحَدِّ الذَّاتِيِّ فَجَعَلَ الْحَدَّ الذَّاتِيَّ عَيْنَ إِضَافَتِهِ
 إِلَى مَا ظَهَرَ بِهِ مِنْ صُورِ الْعَالَمِ أَوْ مَا ظَهَرَ فِيهِ مِنْ صُورِ الْعَالَمِ نَكَاتُهُ قَالَ لَهُ فِي جَوَابِ
 قَوْلِهِ (وَمَا رَبُّ الْعَالَمِينَ) قَالَ الَّذِي يَظْهَرُ فِيهِ صُورُ الْعَالَمِينَ مِنْ عُلُوٍّ وَهُوَ السَّمَاءُ وَ
 سِفْلٍ وَهُوَ الْأَرْضُ وَمَا بَيْنَهُمَا (إِنَّ كُنْتُمْ مُوقِنِينَ) أَوْ يَظْهَرُ هَوَاهَا فَلَمَّا قَالَ فِرْعَوْنَ
 لَا مَخَافَةَ (إِنَّ رَسُولَكُمْ الَّذِي أُرْسِلَ إِلَيْكُمْ لَمَجْنُونٌ) كَمَا قُلْنَا فِي مَعْنَى كَوْنِهِ مَجْنُونًا
 زَادَ مُوسَى فِي الْبَيَانِ لِيَعْلَمَ فِرْعَوْنَ رُتَبَتَهُ فِي الْعِلْمِ إِلَّا لِلَّهِ يَعْلَمُ بِهِ بِأَنَّ فِرْعَوْنَ يَعْلَمُ
 ذَلِكَ فَقَالَ (رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ) فَجَاءَ بِمَا يَظْهَرُ وَيَسْتَتِرُ وَهُوَ الظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ
 (وَمَا بَيْنَهُمَا) (وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ) (إِنَّ كُنْتُمْ تَعْقِلُونَ) أَيْ إِنْ كُنْتُمْ أَهْلَ تَقْيِيدٍ
 فَإِنَّ الْعَقْلَ تَقْيِيدٌ فَالْجَوَابُ الْأَوَّلُ جَوَابُ الْمُوقِنِينَ وَهُوَ أَهْلُ الْكَشْفِ وَالْوُجُودِ فَقَالَ
 لَهُمْ إِنْ كُنْتُمْ مُوقِنِينَ أَيْ أَهْلَ كَشْفٍ وَوُجُودٍ فَقَدْ أَعْلَمْتُكُمْ بِمَا يَتَقَنَّ مُوسَى فِي شُهُودِهِمْ
 وَوُجُودِهِمْ فَإِنْ لَمْ تَكُونُوا مِنْ هَذَا الصِّنفِ فَقَدْ أَجَبْتُكُمْ فِي الْجَوَابِ الثَّانِي إِنْ كُنْتُمْ
 أَهْلَ عَقْلِ وَتَقْيِيدٍ وَحَصَرْتُمْ الْحَقَّ فِيْمَا تُعْطِيهِ أَدَلَّةُ عُقُولِكُمْ فَظَهَرَ مُوسَى بِالْوُجُوبِ

لِيَعْلَمَ فِرْعَوْنُ فَضْلَهُ وَصِدْقَهُ وَعِلْمَ مُوسَى أَنَّ فِرْعَوْنَ عَلِمَ ذَلِكَ أَوْ يَعْلَمُ ذَلِكَ يَكُونُ سَأَلَهُ
عَنِ الْمَاهِيَةِ فَعِلِمَ مُوسَى أَنَّ سُؤَالَهُ لَيْسَ عَلَى اصْطِلَاحِ الْقُدَمَاءِ الْحُكْمَاءِ فِي السُّؤَالِ بِمَا
فَلِذَاكَ إِنْ جَابَ فَلَوْ عَلِمَ مِنْهُ غَيْرَ ذَلِكَ لَخَطَأَهُ فِي السُّؤَالِ فَلَمَّا جَعَلَ مُوسَى السُّؤَالَ عَنْهُ عَيْنَ
الْعَالِمِ خَاطِبَةً فِرْعَوْنَ بِهَذَا اللَّسَانِ وَالْقَوْمُ لَا يَشْعُرُونَ فَقَالَ لَهُ (لَيْنَ اتَّخَذْتَ إِلَهًا غَيْرِي
لَا جَعَلْتَنِي مِنَ الْمَسْجُونِينَ) وَالسَّيِّئُ فِي السَّجْنِ مِنْ حُرُوفِ الزَّوَائِدِ أَيْ لَا سَتْرَ لَكَ فَانْكَرَ
أَحْبَبْتَ بِمَا آيَّدْتَنِي بِهِ أَنْ أَقُولَ لَكَ مِثْلَ هَذَا الْقَوْلِ فَإِنْ تُلَّتْ لِي فَقَدْ جَهِلْتَ يَا فِرْعَوْنَ
بِوَعِيدِكَ إِيَّايَ وَالْعَيْنُ وَاحِدَةٌ فَكَيْفَ فَرَّقْتَ فَيَقُولُ فِرْعَوْنَ إِنَّمَا فَرَّقْتُ مَرَاتِبَ الْعَيْنِ
مَا تَفَرَّقَتْ الْعَيْنُ وَلَا انْقَسَمَتْ فِي ذَاتِهَا وَمَرَّتَبَتِي الْأَنْ تَحْكُمَ فِيكَ يَا مُوسَى يَا لِفِعْلِ وَأَنَا
أَنْتَ يَا لَعَيْنٍ وَغَيْرُكَ يَا لِرُتْبَةٍ فَلَمَّا فهِمَ ذَلِكَ مُوسَى مِنْهُ أَعْطَاهُ حَقَّهُ فِي كَوْنِهِ يَقُولُ لَهُ لَا
تَقْدِرُ عَلَى ذَلِكَ وَالرُّتْبَةُ تَشْهَدُ لَهُ بِالْقُدْرَةِ عَلَيْهِ وَإِظْهَارِ الْأَشْرَفِيَّةِ لِأَنَّ الْحَقَّ فِي رُتْبَةِ فِرْعَوْنَ
مِنَ الصُّورَةِ الظَّاهِرَةِ لَهَا التَّحْكُمُ عَلَى الرُّتْبَةِ الَّتِي كَانَتْ فِيهَا ظُهُورُ مُوسَى فِي ذَلِكَ الْمَجْلِسِ
فَقَالَ لَهُ يُظْهِرُ لَهُ الْمَالِئُ مِنْ تَعَدِّيهِ عَلَيْهِ (أَوْ تَوْجِيْتُكَ بِشَيْءٍ مُبِينٍ) فَلَمَّا سَمِعَ فِرْعَوْنَ إِلَّا أَنْ
يَقُولَ لَهُ (فَأَبَتْ بِهِ إِنْ كُنْتُ مِنَ الصَّادِقِينَ) حَتَّى لَا يُظْهِرَ فِرْعَوْنَ عِنْدَ ضُعْفَاءِ الرَّايِ مِنْ
تَوْمِهِ بَعْدَ الْإِنْصَافِ فَكَانُوا يَرْتَابُونَ فِيهِ وَهِيَ الطَّائِفَةُ الَّتِي اسْتَحَفَّهَا فِرْعَوْنَ (فَأَطَاعُوهُ إِنَّهُمْ
كَانُوا قَوْمًا فَاسِقِينَ) أَيْ خَارِجِينَ عَمَّا يُعْطِيهِ الْعُقُولُ الصَّحِيحَةُ مِنْ انْكَارِ مَا آدَعَاهُ فِرْعَوْنَ
بِاللِّسَانِ الظَّاهِرِ فِي الْعَقْلِ فَإِنَّ لَهُ حَدًّا يَقِفُ عِنْدَهُ إِذَا جَاوَزَهُ صَاحِبُ الْكُشْفِ وَالْيَقِينِ
وَبِهَذَا جَاءَ مُوسَى بِالْجَوَابِ بِمَا يَقْبَلُهُ الْبُوقِينُ وَالْعَاقِلُ خَاصَّةً (فَأَلْقَى عَصَاهُ) وَهِيَ مُؤَرَّةٌ
مَا عَصَى بِهِ فِرْعَوْنَ مُوسَى فِي إِيَّاكَ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنِ إِبْرَاهِيمَ دَعْوَتِهِ (فَإِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُبِينٌ) أَيْ حَيَّةٌ
ظَاهِرَةٌ فَانْقَلَبَتِ النُّعْمِيَّةُ الَّتِي هِيَ السَّيِّئَةُ طَاعَةً أَيْ حَسَنَةً كَمَا قَالَ اللَّهُ تَعَالَى (يَبْدِلُ
اللَّهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ) يَعْنِي فِي الْحُكْمِ فَظْهَرَ الْحُكْمُ هُنَا عَيْنًا مُتَمَيِّزَةً فِي جَوْهَرٍ وَاحِدٍ هِيَ
الْعَصَا وَهِيَ الْحَيَّةُ وَالثُّعْبَانُ الظَّاهِرَةُ فَانْقَسَمَ امْتِثَالُهُ مِنَ الْحَيَّاتِ مِنْ كَوْنِهَا حَيَّةً وَ
الْعَصَا مِنْ كَوْنِهَا عَصًا فَظْهَرَتْ حُجَّةُ مُوسَى عَلَى حُجَجِ فِرْعَوْنَ فِي مُؤَرَّةٍ عِصِيٍّ وَحَيَّاتٍ
وَرَجَبِيٍّ فَكَانَتْ لِلشَّعَرَةِ جِبَالٌ وَلَمْ يَكُنْ بِمُوسَى حَبْلٌ وَالْحَبْلُ الشَّلُّ الصَّغِيرُ أَيْ مَقَادِيرُهُمْ

بِالنِّسْبَةِ إِلَى قَدْرِ مُوسَى بِمَنْزِلَةِ الْجِبَالِ مِنَ الْجِبَالِ الشَّاهِقَةِ فَلَمَّا رَأَتْ السَّحَرَةُ ذَلِكَ عَلِمُوا
 رُتْبَةَ مُوسَى فِي الْعِلْمِ وَأَنَّ الَّذِي رَأَوْهُ لَا لَيْسَ مِنْ مَقْدُورِ الْبَشَرِ وَإِنْ كَانَ مِنْ مَقْدُورِ
 الْبَشَرِ فَلَا يَكُونُ إِلَّا مِثْلَ لَهْ تَهَيَّزُ فِي الْعِلْمِ الْمُحَقِّقِ عَنِ التَّخِيلِ وَإِلَّا لِهَامَ قَامُوا (قَالُوا)
 أَمَّا بِرَبِّ الْعَالَمِينَ رَبِّ مُوسَى وَهَارُونَ) أَيْ الرَّبِّ الَّذِي يَدْعُو إِلَيْهِ مُوسَى وَهَارُونَ
 لِعَلِّمِهِمْ بِأَنَّ الْقَوْمَ يَعْلَمُونَ أَنَّهُ مَا دَعَا لِيَفْرَعُونَ وَلَمَّا كَانَ فِرْعَوْنُ فِي مَنْصِبِ التَّحْكُمِ صَاحِبِ
 الْوَقْتِ وَأَنَّ الْخَلِيفَةَ بِالسَّيْفِ وَإِنْ جَارَ فِي الْعُرْبِ النَّامُوسِي بِذَلِكَ قَالَ (أَنَارُكُمْ الْأَعْلَى)
 أَيْ وَإِنْ كَانَ الْكُلُّ أَرْبَابًا بِنِسْبَةِ مَا قَانَا الْأَعْلَى مِنْهُمْ بِمَا أُعْطِيَتْهُ فِي الظَّاهِرِ مِنَ التَّحْكُمِ
 فِيكُمْ وَلَمَّا عَلِمَتِ السَّحَرَةُ صِدْقَهُ فِيمَا قَالَ لَمْ يُنْكِرُوهُ وَأَقْرَبُوا لَهُ بِذَلِكَ فَقَالُوا لَهُ
 (فَا قُصِ مَا أَنْتَ قَاضٍ إِنَّهَا تَقْضِي هَذِهِ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا) فَالِدَوْلَةُ لَكَ فَصَمَّ قَوْلَهُ أَنَارُكُمْ
 الْأَعْلَى وَإِنْ كَانَ عَيْنَ الْحَقِّ فَالصُّورَةُ لِفِرْعَوْنَ فَقَطَعَ الْأَيْدِي وَالْأَرْجُلَ وَصَلَبَ يَعْزِي
 حَقٌّ فِي صُورَةٍ بَاطِلٍ يَنْبِيلُ مَرَاتِبَ لَا تَنَالُ إِلَّا بِذَلِكَ الْفِعْلِ فَإِنَّ الْأَسْبَابَ لَا سَبِيلَ إِلَى
 تَعْطِيلِهَا لِأَنَّ الْأَعْيَانَ الثَّابِتَةَ رَاقَتْصَتِهَا فَلَا تَظْهَرُ فِي الْوُجُودِ إِلَّا بِصُورَةٍ مَا هِيَ عَلَيْهِ فِي
 الثَّبُوتِ إِذَا (لَا تَبْدِيلَ لِكَلِمَاتِ اللَّهِ) وَلَيْسَتْ كَلِمَاتُ اللَّهِ سِوَى أَعْيَانِ الْوُجُودَاتِ
 فَيُنْسَبُ إِلَيْهَا الْقِدَمُ مِنْ حَيْثُ ثُبُوتُهَا وَيُنْسَبُ إِلَيْهَا الْحُدُوثُ مِنْ حَيْثُ وُجُودُهَا وَظُهُورُهَا
 كَمَا تَقُولُ حَدَثَ الْيَوْمَ عِنْدَنَا إِنْسَانٌ أَوْ ضَيْفٌ وَلَا يَلْزِمُ مِنْ حُدُوثِهِ أَنَّهُ مَا كَانَ لَهُ
 وُجُودٌ قَبْلَ هَذَا الْحُدُوثِ لِذَلِكَ قَالَ تَعَالَى فِي كَلَامِهِ الْعَزِيزِ أَيْ فِي إِنْشَائِهِ مَعَ قِدَمِ
 كَلَامِهِ (مَا يَأْتِيهِمْ مِنْ ذِكْرِ مِنْ رَبِّهِمْ مُحَدَّثٍ إِلَّا اسْتَمِعُوا وَهُمْ يَلْعَبُونَ) (وَمَا يَأْتِيهِمْ
 مِنْ ذِكْرِ مِنَ الرَّحْمَنِ مُحَدَّثٍ إِلَّا كَانُوا عَنْهُ مُعْرِضِينَ) وَالرَّحْمَنُ لَا يَأْتِي إِلَّا بِالرَّحْمَةِ
 وَمَنْ أَعْرَضَ عَنِ الرَّحْمَةِ اسْتَقْبَلَ الْعَذَابَ الَّذِي هُوَ عَدَمُ الرَّحْمَةِ وَأَمَّا قَوْلُهُ (فَلَمْ
 يَكُ يَنْفَعُهُمْ إِيَّاهُ نُهُمْ لَمَّا رَأَوْا بَأْسَ سُنَّةِ اللَّهِ الَّتِي قَدْ خَلَتْ فِي عِبَادِهِ) (فَلَوْلَا كُنْتُمْ
 قَرِيَةً أَمَنْتُمْ فَنَفَعَهُمَا إِيَّاهُ زُهْرًا إِلَّا قَوْمُ يُونُسَ) فَلَمْ يَدُلْ ذَلِكَ عَلَى أَنَّهُ لَا يَنْفَعُهُمْ فِي الْآخِرَةِ
 يَقُولُهُ فِي الْإِسْتِثْنَاءِ إِلَّا قَوْمُ يُونُسَ فَإِذَا كَانَ ذَلِكَ لَا يَرْفَعُ عَنْهُمْ إِلَّا خَدَّ فِي الدُّنْيَا فَيَذَلُّ
 أَخَذَ فِرْعَوْنُ مَعَ وُجُودِ الْإِيمَانِ مِنْهُ هَذَا إِنْ كَانَ أَهْرُكَ أَمْ مِنْ تَيَقَّنَ بِالْإِنْتِقَالِ فِي تِلْكَ

السَّاعَةِ وَ قَرِيبَةً الْحَالِ تُعْطَى أَنَّهُ مَا كَانَ عَلَى يَقِينٍ مِّنَ الْإِنْتِقَالِ لِأَنَّهُ عَايَنَ الْمُؤْمِنِينَ
يَمُشُونَ فِي طَرِيقِ النَّبِيِّ الَّذِي ظَهَرَ بِضَرْبِ مُوسَى بِعَصَاهُ الْبَحْرَ فَلَمْ يَتَيَقَّنْ فِرْعَوْنُ
بِالْهَلَاكِ إِذَا أَمَّنَ بِخِلَافِ الْمُحْتَصِرِ حَتَّى لَا يُدْحَقَ بِهِ فَا مَن (قَالَ أَمَنْتُ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا
الَّذِي أَمَنْتُ بِهِ بَنُو إِسْرَائِيلَ) عَلَى التَّيَقُّنِ بِالنَّجَاةِ فَكَانَ كَمَا تَيَقَّنَ لَكِنَّ عَلَى غَيْرِ
الصُّورَةِ الَّتِي أَرَادَ فَتَجَاكَ اللَّهُ مِنْ عَذَابِ الْآخِرَةِ فِي نَفْسِهِ وَ تَجَا بَدَنَهُ كَمَا قَالَ تَعَالَى
(فَالْيَوْمَ نُنَجِّيكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُونَ لِمَن خَلْفَكَ آيَةً) لِأَنَّهُ لَوْ غَابَ بِصُورَتِهِ رَبُّهَا قَالَ قَوْمُهُ
إِحتَجَبَ فَظَهَرَ بِالصُّورَةِ الْمَعْمُودَةِ مَيِّتًا لِيَعْلَمَ أَنَّهُ هُوَ فَقَدْ عَمَّتْهُ النَّجَاةُ حِسًّا وَمَعْنَى وَمَن
حَقَّتْ عَلَيْهِ كَلِمَةُ الْعَذَابِ الْآخِرَةِ لَا يُؤْمِنُ (وَلَوْ جَاءَتْهُمْ كُلُّ آيَةٍ حَتَّى يَدْرُوا الْعَذَابَ
الْآخِرَ) آيٌ يَدْرُوا الْعَذَابَ الْآخِرَةَ فَخَرَجَ فِرْعَوْنُ مِنْ هَذَا الصِّنْفِ هَذَا هُوَ الظَّاهِرُ
الَّذِي دَرَدَرَتْ بِهِ الْقُرْآنُ ثُمَّ إِنَّا نَقُولُ بَعْدَ ذَلِكَ وَالْأَمْرُ فِيهِ إِلَى اللَّهِ لِيَسْتَقَرَّ فِي نُفُوسِ
عَامَّةِ الْخَلْقِ مِنْ شَفَاعِهِ وَمَا لَهُمْ نَصٌّ فِي ذَلِكَ يَسْتَنْدُونَ إِلَيْهِ وَأَمَّا إِلَهُ قُلُوبِهِمْ حُكْمُ
الْآخِرِ لَيْسَ هَذَا مَوْضِعُ ذِكْرِهِ ثُمَّ لِيَعْلَمَ أَنَّهُ مَا يَقْبِضُ اللَّهُ أَحَدًا إِلَّا وَهُوَ مُؤْمِنٌ آيٌ
مُصَدِّقٌ بِمَا جَاءَتْ بِهِ الْأَخْبَارُ إِلَّا لِهَيْئَةٍ وَاعْنِي بِذَلِكَ مِنَ الْمُحْتَصِرِينَ وَبِهَذَا يُكْرَهُ مَوْتُ
الْفُجَاءَةِ وَ قَتْلُ الْغَفْلَةِ فَأَمَّا مَوْتُ الْفُجَاءَةِ فَحَدُّهُ أَنْ يَخْرُجَ النَّفْسُ الدَّخِلُ وَلَا يَدْخُلُ
النَّفْسُ الْخَارِجُ فَهَذَا مَوْتُ الْفُجَاءَةِ وَ هَذَا غَيْرُ الْمُحْتَصِرِ وَ كَذَلِكَ قَتْلُ الْغَفْلَةِ بِضَرْبِ
عُنُقِهِ مِنْ وَرَائِهِ وَ هُوَ لَا يَشْعُرُ يَقْبِضُ عَلَى مَا كَانَ عَلَيْهِ مِنْ إِيْمَانٍ أَوْ كُفْرٍ وَ لِيَذَلِكَ
قَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَيُحْشَرُ النَّاسُ عَلَى مَا مَاتَ عَلَيْهِ كَمَا أَنَّهُ يَقْبِضُ عَلَى مَا كَانَ عَلَيْهِ وَ
وَالْمُحْتَصِرُ مَا يَكُونُ إِلَّا مَاحِبٌ شَهْوِيٍّ فَهُوَ مَاحِبٌ إِيْمَانٍ بِمَا ثُمَّ فَلَا يَقْبِضُ إِلَّا عَلَى مَا كَانَ
عَلَيْهِ لِأَنَّ كَلِمَةَ كَانَ حَرْفٌ وَجُودِيٌّ يَنْجُزُ مَعَهُ الزَّمَانُ إِلَّا بِقَرَارَيْنِ الْأَحْوَالِ فَيُفَرِّقُ
بَيْنَ الْكَافِرِ الْمُحْتَصِرِ فِي الْمَوْتِ وَ بَيْنَ الْكَافِرِ الْمَقْتُولِ غَفْلَةً أَوْ لِهَيْئَةٍ فَجَاءَتْ كَمَا
قُلْنَا فِي حَدِّ مَوْتِ الْفُجَاءَةِ وَأَمَّا حِكْمَةُ التَّجَلِّيِّ وَالْكَلَامِ فِي صُورَةِ النَّارِ فَلِأَنَّهَا كَانَتْ
بَغِيَّةَ مُوسَى فَتَجَلَّى لَهُ فِي مَطْلُوبِهِ لِيُقْبَلَ عَلَيْهِ وَلَا يُعْرِضَ عَنْهُ فَإِنَّهُ لَوْ تَجَلَّى لَهُ فِي غَيْرِ
صُورَةٍ مَطْلُوبِهِ أَعْرِضَ عَنْهُ لَا جِتْمَاعَ هَيْئَتِهِ عَلَى مَطْلُوبٍ خَاصٍّ وَلَوْ أَعْرِضَ لَعَادَ عَمَلُهُ

عَلَيْهِ فَاَعْرَضَ عَنْهُ الْحَقُّ وَهُوَ مُصْطَفَىٰ مُقَرَّبٌ قَرِيبٌ إِلَيْهِ تَجَلَّى لَهُ فِي مَطْلُوبِهِ وَهُوَ
لَا يَعْلَمُ شَيْعَرٌ

كَنَّارِ مُوسَىٰ رَأَاهَا عَيْنٌ حَاجَتِهِ ۖ وَهُوَ إِلَّا لَهُ وَلَكِنْ لَيْسَ يُدْرِيهِ ۖ

یہ حکمت علویہ کا قصّ کلمہ موسویہ کے بیان میں ہے

حکمت امامیہ کا اختتام اس امر پر ہوا کہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ اپنی محبت عطا کرتا ہے اُسکو معرفت الہی نصیب ہو جاتی ہے اور جس کو معرفت الہی نصیب ہو جاتی ہے اُس کو عام انسانوں پر علوٰ اور غلبہ نصیب ہو جاتا ہے۔ پس اسی وجہ سے حکمت امامیہ کے بعد حکمت علویہ لائی گئی ہے۔ حکمت علویہ کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف منسوب کرنے کی حکمت یہ ہے کہ آپ کو اپنے دشمنوں پر سخت غلبہ نصیب ہوا۔ سب سے پہلے فرعون نے چار ہزار جادوگر آپ کے مقابلہ میں کھڑے کئے۔ وہ سخت مغلوب ہوئے اور اسلام قبول کیا بِقَوْلِهِ تَعَالَى (فَوَقَعَ الْحَقُّ وَبَطَلَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۚ فَغَلِبُوا هَٰذَا لَكَ وَانْقَلَبُوا صَٰغِرِينَ ۚ وَآلُ يُقَافِ السَّحَرَةَ سَٰجِدِينَ ۚ قَالُوا آمَنَّا بِرَبِّ الْعَالَمِينَ ۚ رَبِّ مُوسَىٰ وَهَارُونَ)۔ بالآخر فرعون اور اُس کے لشکر پر بھی آپ کو غلبہ نصیب ہوا۔ فرعون نے آخر وقت اسلام قبول کر لیا۔ اس لئے اُس کے بدن کو بھی نجات دی گئی۔ باقی لشکر نے اسلام قبول نہ کیا اس لئے سب دریا میں غرق کر دیئے گئے۔ رب تعالیٰ نے فرعون کو اپنی رحمت واسع کا نمونہ گردانا کہ ایک شخص ساری زندگی سرکشی میں گزارنے کے بعد آخر وقت بھی اگر توبہ کر لے تو رب تعالیٰ اُس کے سب گناہ معاف کر دیتا ہے بِقَوْلِهِ تَعَالَى (وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ) وَسَبَقَتْ رَحْمَتِي عَلَىٰ غَضَبِي ۖ

فرعون نے جو موسیٰ کی خاطر یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش روکنے کی خاطر اطفال بنی اسرائیل قتل کئے اُس میں حکمت یہ تھی کہ ہر روح مقتول موسیٰ کی امداد کیلئے عود کرے کیونکہ ہر طفل اس گمن پر قتل کیا گیا تھا کہ وہ تحقیق موسیٰ ہے اور اس معاملہ میں فرعون کو جہل نہ تھا۔ اور اگر دَمًا ثَمَّةً جَمَلٌ کی اصناف اللہ تعالیٰ کی طرف کی جائے تو مراد یہ ہوگی کہ اللہ تعالیٰ نے یہ قتال اطفال علی بصیرت مُقَدَّر کیا ہوا تھا۔ پس ضروری ہے کہ ہر روح مقتول موسیٰ کی امداد کیلئے عود کرے کیونکہ وہ موسیٰ کی خاطر قتل کیا گیا تھا۔ مراد یہ ہے کہ فرعون ہر طفل کو موسیٰ سمجھ کر قتل کرتا تھا اور اُن اطفال کے قتال

میں اللہ تعالیٰ کی حکمت یہ تھی کہ جملہ ارواحِ مقتولین اپنا انتقام لینے کیلئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سر
اڑے وقت میں امداد کریں اور فرعون کے لشکر کو ہلاک کرنے میں موسیٰ علیہ السلام کا ساتھ دیں۔
تفاسیر میں مذکور ہے کہ فرعون نے نوے ہزار اطفال قتل کرائے۔ رب تعالیٰ نے اپنے علمِ قدیم میں
جان لیا تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش روکنے کی خاطر فرعون نوے ہزار بنی اسرائیل کے اطفال
قتل کرے گا لیکن رب تعالیٰ کی اس قتالِ اطفال کے مقدر کرنے کی حکمت یہ تھی کہ رب تعالیٰ نے
جان لیا تھا کہ فرعون پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی فتح کا راز اسی بات میں مضمر ہے کہ نوے ہزار
ارواحِ مقتولین حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مدد کریں۔ ارواحِ اطفال چونکہ اغراضِ نفسانی سے مکدر نہ ہوتی
تھیں اس لئے وہ ظاہر تھیں اور اپنی فطرت پر تھیں بلکہ وہ فطرتِ بلی پر تھیں۔ ازل میں جب اللہ تعالیٰ
نے عالمِ ارواح پیدا کیا تو جملہ ارواح سے اپنی ربوبیت کا اقرار لیا یَقُولِیْہِ تَعَالٰی (اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ قَالُوْا
بَلٰی) لہذا فطرتِ بلی سے مراد عالمِ ارواح والی فطرت ہے۔ مراد یہ ہے کہ عالمِ ارواح سے تنزل کر کے
ارواح کے دُنیا میں ظہور سے ارواح کے کمالات پر کوئی اثر نہیں پڑتا جب تک اغراضِ نفسانی سے
ارواح ملوث نہ ہوں۔ پس اُن نوے ہزار مقتولین اطفال کی ارواح بوقتِ قتل ظاہر تھیں اور اپنی
روحانی فطرت پر تھیں اس لئے جب وہ واپس قتل کے بعد اپنے اصلی مقام پر پرواز کر گئیں تو وہ
اپنی اصلی روحانی استعداد پر تھیں اور اپنے روحانی کمالات کے باعث صاحبِ تصرف تھیں۔ صاحبِ
تصرف ہونے کے باعث وہ ارواح اطفال حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مدد کرتی تھیں۔ پس موسیٰ اُن
جملہ ارواحِ اطفال کا مجموعہ تھا جو موسیٰ سمجھ کر قتل کئے گئے تھے یعنی اُن جملہ مقتولین کے روحانی کمالات
موسیٰ کی ذات میں جمع تھے۔ مراد یہ ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تو اُن مقتولین
اطفال کی ارواح امداد کیلئے موسیٰ علیہ السلام کے گرد اگرد رہتی تھیں اور یہ موسیٰ کیلئے ایک ایسی خصوصیت
الہی ہے جو اُس سے قبل کسی کو نصیب نہیں ہوئی۔ اگرچہ موسیٰ کی حکمتیں بہت ہیں لیکن میں اس
باب میں انشاء اللہ تعالیٰ وہی حکمتیں لکھوں گا جن کے اظہار کے متعلق میرے دل میں امر الہی پہنچا
ہے اور اس باب میں سب سے اول چیز جس کے ساتھ میں مخاطب کیا گیا یہی تھی یعنی وہ
موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ اجتماعِ ارواحِ اطفال تھی۔ لفظ شَوْفِہْتُ میں یہ صراحت ہے کہ سرکارِ
دو عالم حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم مکاشفہ میں حضرت شیخ اکبر رضی اللہ عنہ کو یہ کتاب بالمشافہ

لکھا رہے ہیں۔ پس موسیٰ اس حالت میں پیدا ہوا کہ وہ ارواح کثیرہ کا مجموعہ تھا یعنی مؤثرہ قوتیں
 موسیٰ کیلئے جمع کی گئیں۔ مراد یہ ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تو ارواح کثیرہ کا مجمع
 آپ کے گرد گرد رہتا تھا۔ ارواح انسانوں میں اس لئے مقصوف ہیں کہ تحقیق صغیر کبیر میں مقصوف
 ہے۔ کیا تو نہیں دیکھتا ہے کہ شیر خوار بچہ اس خاصیت کیساتھ کبیر میں مقصوف کرتا ہے کہ اُس کو اُسکی
 بزرگی سے اتار کر اپنی طرف متوجہ کر لیتا ہے حتیٰ کہ وہ کبیر اُس کے ساتھ بازی کرتا ہے اور اُسکو اچھالتا
 اور نچاتا ہے اور طفل کی عقل کے مطابق اُس کیلئے ظاہر ہوتا ہے یعنی طفل کے سامنے ایسی حرکات کرتا
 ہے جن کو دیکھ کر طفل خوش ہو۔ حقیقت میں وہ کبیر طفل کی تسخیر کے تحت کام کرتا ہے لیکن کبیر کو اس
 حقیقت کا شعور نہیں۔ پھر وہ طفل کبیر کو اپنی تربیت و اپنی حفاظت و اپنی مصلحتوں کی تلاش اور اپنی
 اُلفت کیلئے مشغول کر لیتا ہے تاکہ اُس طفل کا دل تنگ نہ ہو اور یہ سب کچھ صغیر کے کبیر میں مقصوف
 ہونے کا نتیجہ ہے۔ اور یہ صغیر کا کبیر میں مقصوف کرنا مقام کی قوت کی وجہ سے ہے یعنی چونکہ صغیر کا کبیر
 کی یہ نسبت جناب الہی میں بلند مرتبہ ہے اسلئے صغیر کبیر میں مقصوف ہے۔ صغیر کا کبیر سے جناب الہی
 میں اس لئے بلند مرتبہ ہے کہ صغیر نوزائیدہ ہونے کی وجہ سے اپنے رب کے زیادہ نزدیک ہے اور کبیر
 دور تر ہے۔ مراد یہ ہے کہ صغیر نیا نیا اپنے رب سے آیا ہے یعنی نیا نیا عالم ارواح سے آیا ہے اور عالم ارواح
 پر اللہ تعالیٰ ہی کا ظہور ہے اس لئے اُس میں کمالات الہیہ کا اثر ہے اور کبیر کو اپنے رب سے آئے ہوئے
 کافی عرصہ گزر گیا ہو اسلئے اُس کے ذاتی روحانی کمالات پر بشری خواہشات کا حجاب آگیا ہے اور وہ روحانی
 کمالات اب مفقود ہیں۔ پس جو شخص اللہ تعالیٰ کے زیادہ قریب ہوگا وہ اُس شخص کو تابع کر لیتا ہے جو
 اللہ تعالیٰ سے زیادہ دور ہے جیسا کہ بادشاہ کے خواص لوگ اپنے قرب کی وجہ سے اُن لوگوں کو مسخر کر
 لیتے ہیں جو بادشاہ سے بہت دور ہیں۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اقرب من اللہ آبعد من اللہ کو مسخر کر لیتا ہے۔
 اب اسی موضوع پر ایک اور مثال لائی گئی ہے کہ جب بارش نازل ہوتی تھی تو جناب رسول اللہ صلی اللہ
 علیہ وسلم بنفس نفیس بارش میں باہر نکلتے تھے اور اپنا سر مبارک بارش کیلئے ننگا کر لیتے تھے تاکہ اُس سے
 فائدہ پہنچے اور فرماتے تھے کہ بارش کا اپنے رب کے ساتھ نیا زمانہ ہے۔ پس اے طالب! تو اس معرفت
 باللہ کی دیکھ جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے کہ کس قدر بزرگ ہے اور کس قدر اعلیٰ ہے اور کس قدر
 واضح تر ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود اللہ تعالیٰ کیلئے مراتب تامل ہیں

تو بارش کو جسے رب کی طرف سے آئی۔ اس میں راز یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حفظ مراتب کی تعلیم دی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم زمین پر بطور نبی و رسول جلوہ نما تھے اور عرش پر آپ ہی بطور احد جلوہ نما تھے یَقُولُ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَنَا نَسَمْتُ عَلَى الْاَرْضِ مِنْ بِنْتِ حَمْدٍ وَفِي السَّمَاءِ بِاَحْمَدٍ وَفِي الْاَرْضِ بِبَحْمَدٍ وَ عَلَى الْعَرْشِ بِاَحَدٍ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بہر اہی ہیں اور آپ کی حقیقت کو سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا یَقُولُ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَا يَعْلَمُ حَقِيقَتِي غَيْرُ رَجَائِي۔ پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیک وقت عرش پر بھی ہیں اور زمین پر بھی ہیں۔ نیز ہر قبر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تشریف لیجا نا بھی اس حقیقت پر شاہد ہے کیونکہ بیک وقت سارے عالم میں لا تعداد اموات واقع ہو رہی ہیں۔ پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ بارش کا اپنے رب کے ساتھ نیا زمانہ ہے، چند دُجوہ پر مبنی ہے۔ ایک تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حفظ مراتب کی تعلیم دی کہ اللہ تعالیٰ عرش پر متمنی ہے اور ہم اُس کے نبی اور رسول ہیں یعنی اپنے لئے عبودیت پسند فرمائی۔ دوسرے اس میں یہ بھی اشارہ فرما دیا کہ ہماری ہی حقیقت کا نام عرش پر احد ہے۔ تیسرے اللہ تعالیٰ جب خوش ہوتا ہے تو بارش نازل کرتا ہے اسلئے بارش میں اللہ تعالیٰ کی رحمت شامل ہوتی ہے لہذا رحمت الہی حاصل کرنے کیلئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنا سر مبارک بارش کیلئے ننگا کرتے تھے۔ چوتھے اس میں یہ بھی تعلیم ہے کہ اس راز حقیقت کو چھپا کر رکھنا چاہئے۔ عارف کامل کو چاہئے کہ ہمیشہ دائرہ عبودیت میں رہ کر کلام کرے۔ پانچویں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تعلیم عطا فرمائی کہ جہت علوی کو جہت سفلی پر ترجیح دینی چاہئے۔ اگرچہ ربوبیت اور عبودیت دونوں ذات واحد کی شانیں ہیں لیکن ربوبیت عبودیت پر اور لطافت کو کثافت پر ترجیح دینی چاہئے۔ چھٹے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم عطا فرمائی کہ عارف کامل کو چاہئے کہ حفظ مراتب نگاہ رکھے۔ ربوبیت اور عبودیت میں تمیز ہر حال میں قائم رکھے۔ ساتواں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عطا فرمائی کہ باوجودیکہ ہم تمام کمالات سے مکمل ہیں اور خود سراپا رحمت ہیں لیکن پھر بھی باران رحمت سے برکت حاصل کرنے کے متمنی ہیں۔ مراد یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ فرما دیا کہ عارف کامل خواہ کسی مرتبہ اور کمال پر پہنچ جائے، ہمیشہ ترقی کیلئے کوشش کرتا رہے کیونکہ کمالات الہیہ لامتناہی ہیں۔ فَقَدْ سَخَّرَ اَنَّهُ پس تحقیق بارش نے افضل البشر صلی اللہ علیہ وسلم کو مسخر کر لیا کیونکہ بارش کو اپنے رب سے زیادہ قُرب حاصل تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بشریت کی جہت سے زمین پر تھے اور اپنی حقیقت کی جہت سے عرش معلیٰ پر متمنی تھے چنانچہ حدیث شریف میں وارد ہوا کہ ایک روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم

مسجد شریف میں دستار مبارک باندھ رہے تھے کہ جبرائیل علیہ السلام حاضر ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے جبرائیل! تو یہ کلام ہمارے پاس کہاں سے لاتا ہے۔ اُس نے عرض کیا کہ میرے مقام کے سامنے ایک نور کا گنبد ہے۔ اُس گنبد کا ایک دریچہ ہے۔ میں اُس دریچہ کے آگے کان لگا کر بیٹھا رہتا ہوں۔ جو حکم میرے کانوں میں پہنچتا ہے میں اُس کو نیچے پہنچا دیتا ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کبھی اُس دریچہ کے اندر بھی جا کر دیکھا ہے۔ جبرائیل نے عرض کیا کہ مجھے اُس گنبد میں داخل ہونے کی اجازت نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جاؤ ہم تم کو اجازت دیتے ہیں۔ جبرائیل امین فوراً پرہیز کر کے اُس گنبد میں داخل ہو گئے۔ جب دیکھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی گنبد کے اندر دستار مبارک باندھ رہے ہیں۔ جبرائیل امین ششدر رہ گئے۔ فوراً مسجد شریف میں حاضر ہوئے، دیکھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسجد شریف میں دستار مبارک باندھ رہے ہیں۔ چنانچہ جبرائیل امین متر و دفعہ اوپر نیچے آئے۔ جب دیکھا کہ عرشِ معلیٰ پر بھی آپ ہی ہیں اور مسجد شریف میں بھی آپ ہی ہیں تو قدموں مبارکوں میں گر پڑے اور عرض کیا (یٰسے) یعنی یا ہر ذات! جب عرش پر بھی آپ ہی ہیں اور فرش پر بھی آپ ہی ہیں تو پھر میری کیا ضرورت ہے۔ فرمایا: اس میں بھی ہماری ایک حکمت ہے۔ اور یہ راز تو حید تجھ پر اسلئے منکشف کیا گیا ہے کہ تو ہماری خدمت کرتا ہو اور ہمارا خادم معرفت الہی سے بے بہرہ نہیں رہ سکتا۔ پس بارش چونکہ آسمان سے نازل ہوتی تھی اس لئے بارش کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جہتِ ربوبیت سے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بہ نسبت یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جہتِ بشریت کی بہ نسبت زیادہ قُرب حاصل تھا لہذا بارش حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مسخر کر لیتی تھی۔ پس بارش اُس فرشتہ کی مثل تھی جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی الہی کے ساتھ اُترتا تھا اور بارش نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو زبانِ حال کے ساتھ اپنی ذات کی طرف بلایا لہذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اُس کی طرف ظاہر ہوئے تاکہ آپ کو اُس سے وہ چیز پہنچے جو وہ اپنے رب کی طرف سے لاتی ہے۔ مراد یہ ہے کہ بارش کے ساتھ رحمت الہی کا ورود ہوتا تھا لہذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی الہی ہوتی تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اُس رحمت الہی سے فائدہ اور برکت حاصل کریں۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اُس بارش سے فائدہ الہیہ حاصل نہ ہوتا آپ ہرگز بنفس نفیس سر مبارک کو ننگا کر کے بارش میں کھڑے نہ ہوتے۔ پس بارش کی یہ دعوت پانی کیلئے ایک رسالت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہر شے کو جو خلی ہے پانی سے پیدا کیا ہے۔ اُسے طالب! اس راز کو سمجھ لے۔ مراد یہ ہے کہ بارش اُس فرشتہ کی مثل ہے

جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیغام لاتا ہے اور بارش یہ پیغام لاتی ہے کہ ہر شے جو زندہ ہے مجھ سے پیدا کی گئی ہے۔ ہر شے چونکہ تسبیح پکارتی ہے بِقَوْلِهِ تَعَالَى (وَرَأَى مِنْ شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ) لہذا ہر شے زندہ ہے۔ پس ثابت ہوا کہ ہر شے پانی سے پیدا کی گئی ہے۔ یہ ظاہری مراد ہے۔ باطنی مراد یہ ہے کہ ہر شے کا ظہور علم الہی سے ہوا ہے۔ ماسے مراد علم الہی ہے۔ ذات الہی مرتبہ احدیت سے تنزل فرما کر مرتبہ علم میں آتی اور پھر مرتبہ علم سے تنزل فرما کر مرتبہ شہادت میں آتی۔ پس عالم ظہور حق ہے۔ عالم قبل از ظہور اللہ تعالیٰ کے علم میں موجود تھا لہذا یہ اُن علماء کا رد ہے جو کہتے ہیں کہ عالم کو اللہ تعالیٰ نے محض عدم سے پیدا کیا ہے۔ نیز بارش کے ہر قطرے کے ساتھ ایک فرشتہ نازل ہوتا ہے۔ ہر فرشتہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے علوم و اسرار لاتا تھا بظاہر حضور صلی اللہ علیہ وسلم بارش سے فائدہ حاصل کرتے تھے اور باطن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اُن ملائکہ سے علوم و اسرار الہیہ حاصل کرتے تھے۔

قرآن مجید میں مذکور ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی ماں کو ابھام کیا کہ اس کو صندوق میں ڈال اور صندوق کو دریا میں ڈال دے بِقَوْلِهِ تَعَالَى (وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلَيْكَ مَرَّةً أُخْرَىٰ إِذْ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ أُمِّكَ مَا يُوحَىٰ إِنَّ أَقْبَضَ فِيهِ فِي التَّابُوتِ فَأَقْضِ فِيهِ رُحِيَ النُّفُوسِ) چنانچہ آپ کی والدہ نے آپ کو صندوق میں ڈال دیا اور صندوق کو دریا میں ڈال دیا۔ اس جگہ آیات مذکورہ میں تابوت اور یم کے اسرار بیان کئے گئے ہیں۔ تابوت سے مراد موسیٰ کا ناسوتی جسم ہے اور یم سے مراد وہ دریا ہے علم ہے جو موسیٰ کو اس جسم کی وساطت سے حاصل ہوا۔ موسیٰ سے مراد حضرت روح ہے۔ مراد یہ ہے کہ روح بغیر تن کے ذرہ کمال تک نہیں پہنچ سکتی۔ اور جو علم روح موسیٰ نے حاصل کیا وہ اُس کو قوت نظر و فکر اور قوای حسیہ اور خیالیہ نے عطا کیا یعنی انسان جو علوم حاصل کرتا ہے وہ ظاہری باطنی قوای کے وسیلہ سے حاصل کرتا ہے۔ اور انسان کی ذات کو ان قوای حسیہ اور خیالیہ اور ان کی مثل جو اُور قوای ہیں سے بغیر اس جسم عنصری کے کوئی چیز حاصل نہیں ہوتی ہے یعنی انسان ان ظاہری باطنی قوای سے فائدہ جسم کے بغیر حاصل نہیں کر سکتا ہے۔ جب اس جسم کو روح حاصل ہوتی اور روح اس جسم کی تدبیر اور جسم میں تصرف کرنے پر مامور ہوتی تو اللہ تعالیٰ نے یہ قوای اُس کے لئے آلات بنائے تاکہ ان قوای کے ذریعہ سے حضرت روح اُس چیز کے ساتھ واصل ہو جائے جس چیز کا اللہ تعالیٰ اُس سے ارادہ رکھتا ہے یعنی جس چیز کی خاطر حضرت روح اس تابوت کی تدبیر میں مامور ہوتی۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو حضرت روح اس لئے عطا کی کہ وہ اس کے ساتھ معرفت الہی کا شکار کیلئے۔ معرفت الہی میں ہی انسان کو تسکین قلب نصیب ہوتی ہے۔ مومن کو اللہ تعالیٰ کے مشاہدہ کے بغیر آرام و تسکین نصیب نہیں ہوتا کیونکہ کوئی عاشق معشوق کے وصال کے بغیر قرار نہیں پکڑتا۔ جب عاشق معشوق سے واصل ہو جاتا ہے تو ہجر فراق ختم ہو جاتا ہے اور اُس کو تسکین قلب نصیب ہو جاتا ہے۔ عاشق کی صورت پر چونکہ خود ذات ہی جلوہ نما ہے اس لئے عاشق کی تسکین ہی رب تعالیٰ کی تسکین ہے۔ لیکن حقیقت میں رب تعالیٰ عاشق ہے اور بندہ معشوق ہے کیونکہ محبت کا تقاضا رب تعالیٰ کی طرف سے ہے بقولہ **لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ** لہذا جب تک بندہ رب تعالیٰ کے ساتھ واصل نہیں ہو جاتا اللہ تعالیٰ بیقرار رہتا ہے اور جب بندہ واصل ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کو تسکین نصیب ہو جاتی ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ کو تسکین بھی اسی جسم کی وساطت سے حاصل ہوتی ہے۔ طالب مولا بھی جب تک اللہ تعالیٰ کا مشاہدہ صورت میں نہیں کرتا، قرار نہیں پکڑتا اور رب تعالیٰ بھی اُس بندہ کی صورت دیکھ کر قرار پکڑتا ہے۔ قرآنی یہ انداز پس حق تعالیٰ نے موسیٰ کو بمعہ اس تابوت کے دریا میں ڈال دیا تاکہ ان قوای کے ذریعہ موسیٰ مختلف علوم حاصل کرے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے انسان کو قالب اور روح کا مجموعہ بنایا تاکہ انسان ظاہری باطنی قوای یعنی جسمانی و روحانی قوتوں کے ساتھ دریائے علم میں غوطہ زن ہو کہ انواع علوم حاصل کر سکے۔ پس آیات متدرجہ بالا جن میں موسیٰ علیہ السلام کو تابوت میں بند کر کے دریا میں ڈالنے کا ذکر ہے، سے اللہ تعالیٰ نے موسیٰ کو اس بات سے آگاہ کیا کہ اگرچہ جسم ناسوتی کیلئے روح مدبر بادشاہ ہے لیکن روح جسم کی تدبیر بغیر جسم کے نہیں کرتی۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان جملہ قوای ظاہری و باطنی جو اس ناسوتی جسم میں ثابت ہیں، کو اس جسم ناسوتی کا مصاحب اور خادم بنایا اور اسی جسم ناسوتی کو اللہ تعالیٰ نے اشارات و حکم کے باب میں تابوت کے ساتھ تعبیر کیا۔ ایسے ہی حق تعالیٰ عالم کیلئے تدبیر کرتا ہے یعنی جیسے روح بدن کیلئے مدبر ہے ایسے ہی حق تعالیٰ عالم کیلئے مدبر ہے یعنی حق تعالیٰ نے عالم کی تدبیر بغیر عالم کے نہ کی یا بغیر صورت عالم کے نہ کی۔ **فَبَاذَبْرَكَ** اَلَا يَهْدِي اللَّهُ فَوْسِدًا يَفْسِدُ فَاُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ پس حق تعالیٰ نے عالم کی تدبیر عالم کے ساتھ کی جیسا کہ ولد ایجاد والد پر موقوف ہے یعنی عالم کی بعض اشیاء بعض پر موقوف ہیں جیسا کہ بیٹے کا وجود بغیر باپ کے نہیں ہو سکتا۔ اگر آپ کہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کا نہ والد ہے نہ والدہ تو آپ کا قالب بھی اسی عالم کے عناصر سے تیار کیا گیا لہذا آپ کی تدبیر بھی عالم کیسے تھ ہوئی۔ پس اللہ تعالیٰ نے عالم کی تدبیر عالم کیسے تھ کی جیسے ولد کی تدبیر والد کیسے تھ

وَمُسَبِّبَاتِ كِي تَدْبِيرِ اُنْ كے اَسْبَابِ كِيسَا تَهْ وَمَشْرُوطَاتِ كِي تَدْبِيرِ اُنْ كِي تَشْرُوطِ كے سَا تَهْ وَمَعْلُولَاتِ كِي تَدْبِيرِ اُنْ كِي مَعْلُولَاتِ كے سَا تَهْ وَتَدْبِيرِ اُنْ كِي دَلِيلُوں كے سَا تَهْ اَوْر مُخَفِّقَاتِ كِي تَدْبِيرِ اُنْ كے حَقَائِقِ كِيسَا تَهْ كِي۔ اَوْر يِهْ مُجْمَلِ اُمُورِ عَالَمِ سَے ہيں اَوْر سَبْ اِيكْ دُوسَرِے پَر مَوْقُوفِ ہيں اَوْر حَقِّقَاتِ كِي عَالَمِ مِیں وَہِي تَدْبِيرِ ہِے جُو مَذْكُورِ ہِے يَعْنِي حَقِّقَاتِ كِي عَالَمِ نَے عَالَمِ كِي تَدْبِيرِ بَغِيرِ عَالَمِ كے ہِنِیں كِي يَعْنِي بَعْضِ كُو بَعْضِ كَا مَحْتَاجِ بِنَا يَا ہِے۔ مُرَادِ يِهْ ہِے كِهْ اللّٰهُ تَعَالٰی نَے اِسْ طَرَحِ عَالَمِ كِي تَدْبِيرِ كِي ہِے كِهْ بَعْضِ اُمُورِ كُو بَعْضِ پَر مَوْقُوفِ رُكْھَا ہِے۔ وَ اَمَّا قَوْلُنَا اِنَّہٗ اَوْر لٰكِنِ ہِمَارَا يِهْ قَوْلِ كِهْ اَوْ يَصُوْرَتِيْہِ سَے مُرَادِ صُوْرَتِ عَالَمِ ہِے۔ سَابِقِ مِیں مَذْكُورِ ہُوا مَا ذَبَرَكَ اِلَّا بِہٖ اَوْ يَصُوْرَتِيْہِ۔ مَا ذَبَرَكَ اِلَّا بِہٖ كِي تَرْجُحِ ہو چُكِي ہِے۔ اَبْ اَوْ يَصُوْرَتِيْہِ كِي تَرْجُحِ پِيشِ كِي جَاتِي ہِے۔ يَعْنِي اللّٰهُ تَعَالٰی عَالَمِ كِي تَدْبِيرِ صُوْرَتِ عَالَمِ كِيسَا تَهْ كَرْتَا ہِے۔ صُوْرَتِ عَالَمِ سَے مُرَادِ اَسْمَاءِ وَصِفَاتِ اَلٰہِيَّہِ ہِے۔ اَسْمَاءِ وَصِفَاتِ اَلٰہِيَّہِ مَرْتَبَہٗ اَحَدِيَّتِ ذَاتِيَّہِ مِیں بِاَلْقُوْہِ مَوْجُودِ ہيں۔ مَرْتَبَہٗ عِلْمِ مِیں اُنْ كَا ظُہُورِ عِلْمِي ہِے اَوْر اُنْ كَا نَامِ اَعْيَانِ ثَابِتِ ہِے۔ مَرْتَبَہٗ شَہَادَتِ مِیں اَسْمَاءِ وَصِفَاتِ كَا ظُہُورِ خَارِجِي ہِے۔ عَالَمِ كُو يَا اَسْمَاءِ وَصِفَاتِ اَلٰہِيَّہِ كَا مَظْہَرِ ہِے۔ ہِمْ تَكْ كُو تِي اِيسا اِسْمِ نَہِيں پَہنچَا جِسْ كے سَا تَهْ حَقِّقَاتِ مَوْسُومِ ہو، مَگر اِسْ حَالِ مِیں كِهْ ہِمْ اُسْ اِسْمِ كَا مَعْنِي اَوْر رُوحِ عَالَمِ مِیں پَاتَے ہيں۔ مُرَادِ يِهْ ہِے كِهْ مُمَكِّنَاتِ عَالَمِ كِي تَدْبِيرِ اَعْيَانِ ثَابِتِ كے تَحْتِ ہِے اَوْر اَعْيَانِ ثَابِتِ كِي تَدْبِيرِ اَسْمَاءِ اَلٰہِيَّہِ كے تَحْتِ ہِے پِسْ حَقِّقَاتِ عَالَمِ كِي تَدْبِيرِ اَسْمَاءِ اَلٰہِيَّہِ سَے كَر رَہَا ہِے اَوْر اَسْمَاءِ اَلٰہِيَّہِ ہِي عَالَمِ كِي صُوْرَتِ پَر ظَاہِرِ ہيں يَعْنِي اَسْمَاءِ اَلٰہِيَّہِ كَا دُوسَرَا نَامِ صُوْرَتِ عَالَمِ ہِے پِسْ اِسْ صُوْرَتِ مِیں بَہِي اللّٰهُ تَعَالٰی نَے عَالَمِ كِي تَدْبِيرِ صُوْرَتِ عَالَمِ يَعْنِي اَسْمَاءِ وَصِفَاتِ كے سَا تَهْ كِي۔ مُرَادِ يِهْ ہِے كِهْ عَالَمِ ظُہُورِ حَقِّ ہِے اَوْر اِسْ شَجَرَةِ الْكُوْنِ كِي صُوْرَتِ پَر بِيَجِ اَلٰہِي كَا ظُہُورِ ہِے اَوْر حَضْرَتِ اِنْسَانِ شَجَرَةِ الْكُوْنِ كَا ثَمَرِ ہِے۔ اِسی واسطَے حَضْرَتِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْہِ وَسَلَّمِ نَے اَدَمِ كے حَقِّ مِیں جُو اللّٰهُ تَعَالٰی كَا اِيكْ نَمُونِہٗ ہِے وَحَضْرَتِ اَلٰہِيَّہِ كِي نَعُوْتِ يَعْنِي ذَاتِ وَصِفَاتِ اَوْر اَفْعَالِ كَا جَامِعِ ہِے، فَرَمَا يَا اِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ اَدَمَ عَلٰی صُوْرَتِيْہِ يَعْنِي تَحْقِيقِ اللّٰهُ تَعَالٰی نَے اَدَمِ كُو اِپْنِي صُوْرَتِ پَر پِيْدَا كِيَا جِيسَا كِهْ تَرْجِيْحِ كِي صُوْرَتِ پَر ہوتا ہِے۔ اَوْر حَقِّقَاتِ كِي صُوْرَتِ سِوَا تَے حَضْرَتِ اَلٰہِيَّہِ كے ہِنِیں ہِے اَوْر حَضْرَتِ اَلٰہِيَّہِ سَے مُرَادِ ذَاتِ وَصِفَاتِ وَ اَفْعَالِ اَلٰہِيَّہِ ہيں۔ پِسْ اَدَمِ يَعْنِي حَضْرَتِ اِنْسَانِ كَا مِلِ اللّٰهُ تَعَالٰی كِي صُوْرَتِ پَر ہِے يَعْنِي اللّٰهُ تَعَالٰی كِي ذَاتِ وَصِفَاتِ وَ اَفْعَالِ كَا جَامِعِ ہِے۔ لٰہِذَا اللّٰهُ تَعَالٰی نَے عَالَمِ كِي تَدْبِيرِ عَالَمِ كے سَا تَهْ كِي يَا صُوْرَتِ عَالَمِ يَعْنِي حَضْرَتِ اِنْسَانِ كَا مِلِ كے سَا تَهْ كِي۔ حَضْرَتِ اِنْسَانِ كَا مِلِ مِیں سَارَا عَالَمِ جَمْعِ ہِے اِسْ لَئے اِنْسَانِ كَا مِلِ صُوْرَتِ عَالَمِ ہِے۔ اَوْر اللّٰهُ تَعَالٰی نَے اِسْ مُخَفَّرِ شَرِيفِ يَعْنِي

انسان کامل میں جمیع اسماء الہیہ و حقائق کونیہ جو خارج میں عالم کبیر میں تفصیلاً موجود ہیں کو ایجاد کیا۔ مراد یہ ہے کہ انسان کامل جمیع حقائق الہیہ کونیہ کا جامع نسخہ ہے یعنی جمیع صفات حقی و خلقی کا جامع ہے اور اسی لئے اللہ تعالیٰ نے انسان کامل کو عالم کیلئے روح گردانا یعنی جیسے روح بدن کی تدبیر کرتی ہے ایسے ہی انسان کامل عالم کی تدبیر کرتا ہے۔ اور بوجہ کمال صودت یعنی کمال جامعیت اللہ تعالیٰ نے عالم علوی و سفلی اُس کیلئے مسخر کیا۔ اور جیسا کہ عالم میں کوئی ایسی شے نہیں جو اللہ تعالیٰ کی حمد نہ پکارتی ہو ایسے ہی عالم میں کوئی ایسی شے نہیں جو اس انسان کیلئے مسخر نہ کی گئی ہو کیونکہ انسان کو اُس کی صورت کی حقیقت یہ چیز عطا کرتی ہے۔ انسان کی صورت اللہ تعالیٰ کی صورت ہے یعنی چونکہ اللہ تعالیٰ حضرت انسان کامل کی صورت پر حیوہ نما ہے لہذا ہر شے انسان کامل کے تابع ہے بِقَوْلِهِ تَعَالَى (وَسَخَّرَ لَكُم مَّا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ مِنْ جَمِیْعًا مِّنْهُ) اے حبیب پاک صلی اللہ علیک وسلم! اللہ تعالیٰ نے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے سارے کا سارا اپنی طرف سے آپ کیلئے مسخر کر دیا۔ پس جو کچھ عالم میں ہے وہ سب انسان کی تسخیر کے تحت ہے۔ انسان سے مراد انسان کامل ہے۔ اس راز کو وہ ہی جانتا ہے جو اللہ تعالیٰ کا عالم ہے یعنی جس کو معرفت الہی نصیب ہے اور وہ انسان کامل ہے اور اس راز سے وہ ہی جاہل ہے جس کو اللہ تعالیٰ کی معرفت نصیب نہیں اور وہ انسان حیوان ہے۔ پس موسیٰ کے تابوت میں ڈالنے اور تابوت کو دریا میں ڈالنے کی صورت ظاہر میں موسیٰ کیلئے ہلاکت کی صورت تھی اور باطن میں اُس کے لئے قتل سے نجات کی صورت تھی۔ مراد یہ ہے کہ جب انسان دریائے توحید میں غوطہ زن ہوتا ہے تو اُس کی وہمی ہستی فانی ہو جاتی ہے اور وہ وجود حقانی کے ساتھ زندہ جاوید ہو جاتا ہے۔ پس جب موسیٰ علیہ السلام دریائے توحید میں غوطہ زن ہوئے تو زندہ جاوید ہو گئے جیسا کہ نفوس یعنی ارواح جہالت کے سبب مردہ ہوتے ہیں اور علم سے زندہ ہو جاتے ہیں كَمَا قَالَ تَعَالَى (اَوْ مِّنْ كَانَ مَیِّتًا) کیا وہ شخص جو مردہ تھا یعنی جہالت کے سبب مردہ تھا (فَاَحْيٰیْنٰهُ) پھر ہم نے اُس کو زندہ کیا یعنی علم کے ساتھ زندہ کیا (وَجَعَلْنَا لَہٗ نُورًا یَّہْدِیْہِ فِی النَّاسِ) اور ہم نے اُس کیلئے ایک نور گردانا جس کے ساتھ وہ لوگوں میں چلتا ہے اور وہ نور ہدایت ہے (کَمَثَلِ نُورٍ فِی الظُّلُمٰتِ) برابر ہے اُس شخص کے جو اندھیروں میں پڑا ہے اور اندھیروں سے مراد ضلالت ہے (لَیْسَ بِخَارِجٍ مِّنْہَا) وہ وہاں سے نکل نہیں سکتا یعنی وہ ابد الابد تک ہدایت نہیں پاتا کیونکہ امر ضلالت کیلئے کوئی غایت نہیں جہاں پہنچ کر وہ شخص ٹھہر جاتے۔ جمال اور جلال اللہ تعالیٰ کی

دو ذاتی صفات ہیں۔ مظہر جمال کیلئے دنیا میں ہدایت ہے اور اُس کا آخرت میں ٹھکانہ جنت ہے۔ مظہر جلال کے لئے دنیا میں ضلالت ہے۔ اور اُس کا آخرت میں ٹھکانہ دوزخ ہے۔ اب مظہر جلال کا کمال ہی ضلالت میں ہے اس لئے وہ ابد الابد تک چاہِ ضلالت میں ہی رہے گا۔ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات لامتناہی ہیں لہذا اُس کا جلال بھی لامتناہی ہے۔ چونکہ صفتِ جلال لامتناہی ہے اسلئے ضلالت بھی لامتناہی ہے۔ فالہدای الیہ پس ہدایت وہ ہے کہ انسان حیرت کی طرف ہدایت پائے یعنی جسکو اللہ تعالیٰ ہدایت کرتا ہے اُس کو توحید کی تعلیم دیتا ہے۔ جب وہ جان لیتا ہے کہ عالم ظہور حق ہے اور حضرت انسان اللہ تعالیٰ کا نمونہ ہے تو خیران رہ جاتا ہے۔ پس وہ عارفِ جان لیتا ہے کہ تحقیق امر معرفت حیرت ہی حیرت ہے۔ اس کو علم الیقین کہتے ہیں۔ اس حیرت کے بعد اللہ تعالیٰ اُس کو اپنا عشق عطا کرتا ہے اور عشق الہی کے باعث عاشق ہر وقت قلق و اضطراب میں رہتا ہے۔ اسی عشق کی بدولت وہ ہر وقت حرکت میں رہتا ہے یعنی منازل طے کرتا ہے اور اسی حرکت کے باعث اُسے حیات نصیب ہو جاتی ہے یعنی سیر کرتے کرتے اُس کا قطرہ ہستی دریائے وحدت میں مل جاتا ہے اور وہ اپنی ہستی سے فانی ہو جاتا ہے اور ذاتِ حق سے باقی ہو جاتا ہے۔ اُس کو حیاتِ ابدی نصیب ہو جاتی ہے۔ عارفِ کامل کیلئے سکون نہیں ہے یعنی وہ کسی مقام پر ٹھہر نہیں جاتا۔ ہر دم کمالاتِ الہیہ میں ترقی کرتا رہتا ہے کیونکہ کمالاتِ الہیہ لامتناہی ہیں۔ اور عارفِ کامل کیلئے موت نہیں ہے۔ ظاہری موت اُس کے لئے ایک لمحہ بھر کی غشی ہوتی ہے۔ چونکہ وہ صفاتِ کاملہ الہیہ سے مُتصف ہو جاتا ہے لہذا وہ حیاتِ الہیہ سے مشرف ہو جاتا ہے اور اب اُس کیلئے موت نہیں ہے۔ اور حرکت ایک وجود ہے جس کیلئے عدم نہیں ہے۔ یعنی عارفِ ترقی کر کے وجودِ مہبوب الہیہ سے مشرف ہو جاتا ہے۔ اُس کا بشری وجود گداز ہو جاتا ہے اور اُس کے عوض اُسے وجودِ حقانی نصیب ہو جاتا ہے یعنی روح القدس جسم کی صورت اختیار کر لیتا ہے اور اُس کا وہ وجود کبھی نیست نہیں ہوتا۔ پس عارفِ کامل علم الیقین سے ترقی کر کے عین الیقین اور پھر عین الیقین سے ترقی کر کے حق الیقین کے مرتبہ پر پہنچ جاتا ہے لہذا انسان کو علم کی بدولت حیرت، عشق، ترقی و کمالات اور حیاتِ جاودانی نصیب ہو جاتی ہے۔ علم سے مراد علم باللہ ہے۔ علم کی ظاہری صورت پانی کی ہے۔ جیسا کہ ارضِ قلب کی حرکت و حیات کا سبب علم ہے، ایسے ہی اس ظاہری زمین کی حرکت و حیات کا سبب پانی ہے بِقَوْلِهِ تَعَالَى (وَتَرَى الْأَرْضَ خَامِدَةً فَإِذَا أَنْزَلْنَا عَلَيْهَا

السَّمَاءِ اهْتَزَّتْ وَرَبَّتْ وَانْزَبَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍ بَیِّنٍ) اور آپ زمین کو دبی ہوئی دیکھتے ہیں پھر جب
 ہم نے اُس پر پانی اتارا تازی ہوئی اور ابھری اور ہر بھانت بھانت رونق کی چیزیں اُگائیں۔ پانی کی
 وجہ سے زمین کی حرکت اللہ تعالیٰ کے اس قول سے ثابت ہے (اهْتَزَّتْ) زمین ہلتی ہے اور پھر زمین
 کا حامل ہونا اس قول سے ثابت ہے (وَرَبَّتْ) اور زمین ابھرتی ہے اور ولادت زمین پر قول ذیل دل
 ہے (وَانْزَبَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍ بَیِّنٍ) اور زمین ہر بھانت بھانت رونق کی چیزیں اُگاتی ہے یعنی تحقیق
 زمین نے وہ ہی چیز جنی جو اُس کے مشابہ ہے اُسی وہ چیز زمین کی مثل طبعی ہے۔ پس پانی کی وجہ سے
 زمین کو زوجیت حاصل ہوئی اور زوجیت سے مراد زمین کا جفت ہونا بسبب اُس چیز کے جو اُس سے
 تولد و ظاہر ہوئی ہے۔ مراد یہ ہے کہ علم معرفت کی مثال پانی کی سی ہے جو دل کی مردہ زمین کو زندہ کر
 دیتا ہے اور اُس سے گونا گون حقائق و اسرار الہیہ کی سبزیاں اُگ آتی ہیں۔ كَذٰلِكَ اِلٰهٌ اِیْسٰی وُجُوْد
 حق ہے کہ اُس کیلئے کثرت و تعدد اسماء حاصل ہوا کہ تحقیق وہ ایسا ہے اور وہ ایسا ہے۔ اور اس
 کثرت کا سبب وہ چیز ہے جو اُس وجود حق سے ظاہر ہوئی اور وہ چیز عالم ہے جو اپنی پیدائش کیلئے
 اسماء الہیہ کے حقائق کو طلب کرتا ہے۔ پس عالم اور عالم کے خالق کے سبب احدیت کثرت ثابت ہوئی
 مراد یہ ہے کہ جیسا کہ زمین واحد ہے اور اُس سے گونا گون سبزیاں ظاہر ہوئی ہیں، ایسے ہی وجودِ حق تعالیٰ
 واحد ہے اور اُس سے گونا گون مخلوق پیدا ہوئی ہے۔ مرتبہ احدیت ذاتیہ میں اسماء الہیہ بالقوۃ مندرج
 ہیں۔ مرتبہ علم میں اسماء الہیہ کا ظہور علمی ہے اور مرتبہ شہادت میں اسماء الہیہ کا ظہور خارجی ہے۔ پس
 ممکنات عالم اسماء الہیہ کا ظہور ہیں اور اسماء الہیہ مرتبہ ذات میں عین ذات ہیں لہذا ممکنات عالم ظہور
 ذات ہیں۔ یعنی کثرت عالم اُسی احدیت ذاتیہ سے ظاہر ہوئی ہے۔ اور تحقیق حق تعالیٰ باعتبار اپنی ذات
 کے احد ہے جیسا کہ جوہر ہیولانی باعتبار اپنی ذات کے احد ہے۔ اور بسبب اُن صورتوں کے جو اُس سے
 ظاہر ہوئی ہیں کثیر ہے۔ نیز وہ ہیولا اُن صورتوں کا بذاتہ حامل ہے۔ دریا باعتبار ذات کے احد ہے اور
 بسبب اُن امواج کے جو اُس سے ظاہر ہوئی ہیں کثیر ہے۔ نیز امواج قبل از ظہور دریا میں مندرج تھیں۔
 پس ایسے ہی حق تعالیٰ کی شان ہے یعنی باعتبار صورت تجلیات کے جو حق تعالیٰ سے ظاہر ہوئی ہیں حق تعالیٰ
 صورت عالم پر متجلی ہے اور باوجود اس کے وہ ذات اپنی احدیت معقولہ پر بھی بدستور قائم ہے۔ یعنی وہ ذات
 معاً احد بھی ہے اور کثیر بھی ہے۔ باعتبار صرافت ذاتی کے احد ہے اور باعتبار ظہور کے وہ ہی ذات صورت کثیرہ پر

متجلی ہے۔ اُس ذات کی اُحدیت معقولہ ہے کیونکہ کثرتِ عالم قبل از ظہور ذات میں مندرج ہے۔ دریا کی اُحدیت بھی معقولہ ہے کیونکہ کثرتِ امواج قبل از ظہور دریا میں مندرج ہے۔ پس اُسے طالبِ دیکھ یہ تعلیم الہی کیسی اُحسن ہے اور کیسی خاص تعلیم ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی اطلاع اپنے بندوں میں سے جسکو چاہتا ہے بخشا ہے۔ مُراد یہ ہے کہ اسرارِ توحید سے اعلیٰ اور کوئی تعلیم نہیں اور اسرارِ توحید کی تعلیم اللہ تعالیٰ اپنے انھل الخواص بندوں کو عطا کرتا ہے۔

اور جب اہل فرعون نے موسیٰ کو دریا میں درخت کے نزدیک پایا تو فرعون نے موسیٰ کا نام موسیٰ رکھا۔ (موسیٰ) قبیلۂ زبان میں پانی کو کہتے ہیں اور (سئی) درخت کو کہتے ہیں۔ پس فرعون نے موسیٰ کا اُس پیر کیساتھ نام رکھا جس کے نزدیک اُس نے موسیٰ کو پایا کیونکہ موسیٰ کا تابوت دریا میں درخت کے پاس ٹھہر گیا تھا۔ فرعون نے جب موسیٰ کے قتل کا ارادہ کیا تو فرعون کی بیوی بولی یہ میرے لئے اور تیرے لئے آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔ اس کو قتل نہ کر شاید ہمارے کام آوے کہَا قَالَ تَعَالَى (وَقَالَتِ امْرَأَتُ فِرْعَوْنَ قُرَّتُ عَيْنٍ لِّیْ ذَٰلِكَ لَا تَقْتُلُوْهُ عَسَیْ اَنْ یَّنْفَعَنَا)۔ اسیہ زوجہ فرعون نے فرعون کے حق میں جو کلام کی وہ لُطْفِ الہی سے کی یعنی وحی الہی سے کی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اُس کو ولیہ کاملہ پیدا کیا تھا جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور شہادت اُس کے لئے اور مریم بنت عمران کیلئے فرمایا کہ اُنکو مردانِ حق جیسا کمال حاصل تھا کہَا وَذَٰلِیْ فِی الْاَحْدِیْثِ کہَا مِنْ النِّسَاءِ اربع مریم بنت عمران و اسیہ امراۃ فرعون و خدیجہ و فاطمہ۔ اسیہ زوجہ فرعون نے فرعون کے لئے موسیٰ کے حق میں کہا کہ وہ میرے لئے اور تیرے لئے آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔ اسیہ کیلئے موسیٰ کا آنکھ کی ٹھنڈک ہونا اُس کمال کی وجہ سے تھا جو اُس کو حاصل تھا جیسا کہ ہم نے بیان کیا۔ یعنی اسیہ زوجہ فرعون چونکہ ولیہ تھی اس لئے نورِ ولایت سے وہ جانتی تھی کہ یہ بچہ رسول ہوگا لہذا وہ موسیٰ علیہ السلام کو محبت کی نگاہ سے دیکھتی تھی۔ اور موسیٰ فرعون کیلئے اُس ایمان کے سبب آنکھوں کی ٹھنڈک تھا جو اُس کو اللہ تعالیٰ نے غرق ہونے سے قبل عطا کیا۔ پس اللہ تعالیٰ نے فرعون کے رُوح کو اس حال میں قبض کیا کہ وہ طاہر اور مُطہَّر تھا یعنی اُس میں خُبث میں سے کوئی شے باقی نہ تھی۔ غرق ہونے سے قبل جب فرعون موسیٰ پر ایمان لے آیا تو اُس کے سابقہ سب گناہ معاف ہو گئے کیونکہ جب کوئی شخص اسلام قبول کر لیتا ہے تو اسلام سے پہلے کے گناہ سب معاف ہو جاتے ہیں۔ اسلام لانے کے فوراً بعد ہی فرعون غرق کر دیا گیا اور اُسکی رُوح

قبض کر لی گئی، قبل اس کے کہ وہ کوئی چیز گناہوں میں سے حاصل کر سکے۔ یعنی اسلام قبول کرنے کے بعد اگر فرعون کو زندہ رہنے دیا جاتا تو شاید اُس سے کئی گناہ سرزد ہوتے، اس لئے رب تعالیٰ نے اسلام لانے کے بعد فوراً ہی اُس کی روح قبض کر لی تاکہ وہ طاہر اور مطہر اپنے رب کی طرف لوٹے۔ حق سبحانہ و تعالیٰ نے فرعون کو اپنی عنایت پر ایک نشانی گر دانا اور یہ نشانی اُس کے لئے ہے جس کو چاہتا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے خواص لوگ تو جانتے ہیں کہ فرعون کا ایمان سلامت ہے لیکن عوام الناس فرعون کے ایمان کے قائل نہیں۔ فرعون نے ساری عمر کفر و شرک میں گزاری لیکن آخر وقت توبہ نصیب ہو گئی اور اسلام قبول کر لیا۔ رب تعالیٰ نے اُس کو اپنی عنایت کا نمونہ بنایا اور اُس کے بدن کو نجات دی۔ فرعون کا جسد مصر کے عجائب گھر میں آج تک سلامتی سے محفوظ ہے۔ فرعون کو اپنی رحمت کا نمونہ اس لئے گر دانا تاکہ کوئی شخص کتنا ہی گنہگار کیوں نہ ہو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید نہ ہو، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے سوائے قوم کفار کے کوئی شخص ناامید نہیں ہوتا ہے (يَقُولُ تَعَالَىٰ إِنَّهُ لَا يَأْتِيَنَّكَ مِنَ رَّوْحِ اللَّهِ إِلَّا أَنْقَومٌ مُّكْفَرُونَ)۔ پس اگر فرعون اُن لوگوں میں سے ہوتا جو ناامید ہوتے ہیں تو وہ ایمان لانے کی طرف جلدی نہ کرتا۔ پس موسیٰ علیہ السلام ایسے ہی ہوئے جیسا کہ زوجہ فرعون نے اُن کے متعلق کہا تھا کہ (قَدْ كُنَّا عَيْنَ بَنِي دَاوُدَ لَا تَقْتُلُوهُ عَسَىٰ أَنْ يَنْفَعَنَا) وہ میرے لئے اور تیرے لئے آنکھوں کی ٹھنڈک ہے، اُس کو قتل نہ کرو شاید وہ ہم دونوں کو نفع دے۔ اور ایسا ہی واقع ہوا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی طفیل اُن دونوں کو نفع بخشا اگرچہ اُن دونوں کو اس بات کا علم نہ تھا کہ وہ وہی نبی ہیں جن کے ہاتھ سے ملک فرعون و تابعین فرعون ہلاک ہوں گے۔ فرعون کو واقعی خبر نہ تھی لیکن آسیدہ زوجہ فرعون چونکہ ولیہ کاملہ تھی اس لئے سوال پیدا ہوتا ہے کہ اُس کو اس واقع ہلاکت کا کیوں علم نہ تھا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ رب تعالیٰ نے اُس کو یہ علم تو عطا کر دیا کہ فرعون کو موسیٰ علیہ السلام کی طفیل اسلام نصیب ہوگا لیکن اس واقع ہلاکت کو صیغہ راز میں رکھا اور اپنی ولیہ کاملہ محبوبہ کو اس دہشتناک واقع کی اطلاع نہ دی۔ اطلاع نہ دینے کی دو وجہ ہیں۔ ایک تو یہ کہ یہ واقع ہلاکت آسیدہ کی وفات کے بعد ہونا تھا اس لئے اس واقع کی اطلاع دینا بے سود تھا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ واقع ہلاکت ایک دہشتناک واقع ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس واقع کو اپنی ولیہ سے رخصت میں رکھا تاکہ محبوبہ کے دل کو رنج نہ پہنچے۔ لہذا آیات مذکورہ سے فرعون کا ایمان ثابت ہے۔ علماء کرام کی خدمت میں التماس ہے کہ مجملہ آیات قرآنی و

احادیث نبوی صلی اللہ علیہ السلام جو فرعون کے متعلق وارد ہیں، کی تفسیر و شرح اسی رنگ میں کریں۔ کتاب
فصوص الحکم بظاہر حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن العربی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف منسوب ہے لیکن حقیقت
میں یہ سرکارِ دو عالم حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی کلام مبارک ہے۔

وَلَمَّا آتٰهُ اور جب موسیٰ کو اللہ تعالیٰ نے فرعون سے بچا لیا تو صبح کو موسیٰ کی ماں کے دل میں قرار
نہ رہا یَقُولِہُ تَعَالٰی (وَاصْبِرْ فَوَادُ اُمِّ مُوسٰی فِی رَیَا)۔ اس بیکراری کا سبب وہ غم تھا جو اُس کو پہنچا تھا۔
پھر اللہ تعالیٰ نے موسیٰ پر دائیں حرام کر دی تھیں تاکہ وہ اپنی ماں کی چھاتی کی طرف رجوع کرے۔ اَلْقَصَّة
موسیٰ کی ماں نے موسیٰ کو دودھ پلایا اور اللہ تعالیٰ نے ماں کی خوشی موسیٰ کی وجہ سے کامل کر دی۔ حضرت
موسیٰ علیہ السلام پر دائیں کا دودھ حرام کر دیا یَقُولِہُ تَعَالٰی (وَحَرَّمْنَا عَلَیْہِ الْہَرَا جِیْعَ مِنْ قَبْلُ) سے
مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سابقہ شریعتوں کو موسیٰ علیہ السلام پر حرام کر دیا تھا۔ دودھ سے مراد علم شریعت
ہے۔ پانی سے مراد علم معرفت ہے کیونکہ حقیقت میں پانی کی رنگت شراب کی سی ہوتی ہے جیسا کہ احادیث
معراجیہ میں مذکور ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج کی رات دو پیالے پیش کئے گئے۔ ایک پیالہ دودھ
کا تھا اور دوسرا پانی کا تھا۔ دودھ کا پیالہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود نوش فرمایا اور پانی کا پیالہ حضور صلی
اللہ علیہ وسلم نے رکھ دیا۔ مراد یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شیر شریعت تو خود نوش فرمایا اور شراب
توحید اپنی اُمت کے دیوانوں اور مستانوں کیلئے رکھ لیا یعنی اُن کے ساتھ بل کر نوش فرمائیں گے۔ ہر رسول
ایک نئی شریعت لیکر آتا ہے یَقُولِہُ تَعَالٰی (لَکُنَّ جَعَلْنَا مِنْکُمْ شِرْعَةً وَ مِنْہَا جَا)۔ شریعت سے
مراد طریقِ دراہ ہے اور (مِنْہَا جَا) دو الفاظ سے مرکب ہے۔ ایک (مِنْہَا) اور دوسرا (جَا) ہے۔ یعنی
جو حکم اس طریق سے نکلا۔ مراد شریعت اور اُس شریعت کے احکام ہیں۔ نیز مِنْہَا جَا میں ایک اصل کی
طرف اشارہ ہے جس سے ہر شریعت نکلی یعنی تمام شریعتیں ایک اصل سے نکلی ہیں اور وہ اصل خاتم الرسل
صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود اقدس و اظہر ہے۔ فص شیشی میں مذکور ہے کہ جملہ رسل علیہم السلام کو علم شریعت
حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھایا ہے اور علم معرفت خاتم الاولیا رضی اللہ عنہ نے پڑھایا ہے۔ خاتم الاولیاء سے
مراد حضرت غوث اعظم پاک محبوب سبحانی شیخ سید عید القادر جیلانی رضی اللہ عنہ ہے۔ پس وہی اصل موسیٰ
کی غذا ہے جیسا کہ درخت کی شاخ اپنی جڑ سے غذا لیتی ہے یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک نئی شریعت
لائے۔ جیسا کہ درخت کی کئی شاخیں ہوتی ہیں اور ہر شاخ جڑ سے غذا لیتی ہے، ایسے ہی دین کی کئی شریعتیں

ہیں اور ہر شریعت بڑے غذا لیتی ہے یعنی ہر شریعت کی اصل خاتم الرسل جناب محمد پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود مبارک ہے۔ نیز ایک چیز جو ایک شریعت میں حرام تھی وہ دوسری میں حلال ہوتی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ہر امت کی استعداد کے مطابق اللہ تعالیٰ احکام شریعت نازل فرماتا تھا۔ ایک شریعت کی حرام چیز کا دوسری شریعت میں حلال ہونا ظاہر میں ہے۔ حقیقت میں وہ حلال چیز اُس حرام چیز کا عین نہیں ہے کیونکہ ہر چیز ہر لمحہ فنا ہو رہی ہے اور ہر لمحہ اُس کو نیا وجود حاصل ہوتا ہے۔ اس کو تجدد امثال کہتے ہیں بقولہ تعالیٰ (بَلْ هُمْ فِي لَبْسٍ مِّنْ خَلْقٍ جَدِيدٍ) لیکن محبوب لوگ بوجہ تعاقب امثال اُس چیز کو ایک ہی حال میں دیکھتے ہیں۔ اسم محی اور مُبیت ہر دم کام کر رہے ہیں۔ انقطاع فیض اور تجلی روا نہیں ہے کیونکہ اس کے انقطاع سے تعطل اسماء الہیہ لازم آتا ہے اور یہ ممنوع ہے۔ اسی لئے ارشاد ہوا (كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ) ہر آن وہ ذات نئی شان میں ہے۔ اللہ تعالیٰ شان بدلتا ہے اور عالم کا حال بدلتا ہے۔ اُسکی تجلیات غیر مکرر ہیں۔ جس شان سے ایک دفعہ تجلی کی پھر من و عن اُس شان سے ابد الابد تک تجلی نہیں کرے گا کیونکہ اُس کے اسماء و صفات لامتناہی ہیں۔ پس ثابت ہوا کہ ہر لمحہ ہر شے کو نیا وجود حاصل ہوتا ہے لہذا وہ شے جو اب حلال ہے اور ماضی میں حرام تھی اُس حرام شے کا عین نہیں ہے۔ وہ حلال شے اُس حرام شے کی صورت میں مثل ہو سکتی ہے لیکن حقیقت میں یعنی صفات اور کمالات میں وہ حلال شے اُس حرام شے کا عین نہیں ہے کیونکہ ہر لمحہ اللہ تعالیٰ اُس شے پر نئی شان سے تجلی کرتا تھا اور نیا لباس عطا کرتا تھا۔ اُس کی تجلیات میں تکرار نہیں ہے۔ ایک انسان کو یچھے۔ اُس کی من و عن مثل سارے عالم میں ابد الابد تک نہ ملے گی۔ ایک درخت کو یچھے۔ اُس کی من و عن مثل سارے عالم میں ابد الابد تک نہ ملے گی کیونکہ (كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ) ہر لمحہ اُس کی نئی شان ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر لمحہ نئی شان سے متجلی ہوتا ہے کیونکہ اُس کی تجلیات غیر متناہی ہیں۔ ایک لباس کو تو انسان بھی پسند نہیں کرتا لہذا رب تعالیٰ بھی ایک لباس یعنی ایک شان کو پسند نہیں کرتا۔ وہ ہر لمحہ نیا لباس بدلتا ہے لہذا ہر شے کو ہر لمحہ نیا وجود عطا کرتا ہے۔ اس کو خلق جدید اور تجدد امثال کہتے ہیں۔ یہ ہی وجہ ہے کہ ایک حرام شے جب نئے نئے لباس بدلتی ہے تو ایک وقت آجاتا ہے جب اُس کی صفات و کمالات بدل جاتے ہیں جس کو اُس زمانے کا رسول دیکھتا ہے۔ اُس شے کے بدلے ہوئے کمالات و صفات کی وجہ سے وہ اُس شے کو حلال قرار دے دیتا ہے۔ لیکن سرکارِ دو عالم جناب محمد پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ زالی شان ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم

کی شریعت قیامت تک نہیں بدلے گی۔ حرام شے حرام اور حلال شے حلال ہی رہے گی۔ باوجودیکہ تجد و امثال اور تجدیدِ خلق کے اشیاء کی خاصیتیں نہیں بدلیں گی اور یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ مبارک ہے یَقُولُہ تَعَالٰی (وَسَخَّرَ لَكُم مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مِّنْهُ)۔ فَلِهٰذَا رَاْنَا اَنْہٗ اُسے طالب! اسی واسطے ہم نے تجھ کو آگاہ کر دیا ہے اور موسیٰ کے حق میں تحریم مراضع کیساتھ حق تعالیٰ نے اسی حقیقت کی طرف کنایہ کیا یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں سابقہ شرائع کی بعض حرام اشیاء حلال ہو گئیں اور بعض حلال اشیاء حرام ہو گئیں اور وجہ اس امر کی تجد و امثال اور تجدیدِ خلق ہے :-

اور حقیقت میں بچہ کی ماں وہ ہوتی ہے جس نے اُس کو دودھ پلایا، نہ وہ جس نے اُس کو جنا کیونکہ جننے والی ماں نے فقط بطریقِ امانت اُس کو اٹھایا۔ بچہ ماں کے رحم میں پیدا ہوتا ہے اور اپنی ماں کے خون حیض کو بغیر اُس کے ارادہ کے غذا کرتا ہے تاکہ ماں کا بچے پر کوئی احسان نہ ہو۔ اور تحقیق ولد مذکور نے اُس خون کے ساتھ غذا کی کہ اگر وہ اُس خون کو غذا نہ کرتا اور ماں سے وہ خون خارج نہ ہوتا تو وہ خون ماں کو ہلاک کرتا اور بیمار کرتا۔ پس جنین کا ماں پر احسان ہے کیونکہ اُس نے اُس خون حیض کو غذا کیا اور ماں کو اُس ضرر سے ہلاتا نگاہ رکھا جو اُس کو پہنچتا اگر وہ خون بند رہتا و خارج نہ ہوتا اور اُس کو اُس کا جنین غذا نہ کرتا۔ لہذا جننے والی ماں پر بچہ کا احسان ثابت ہے لیکن دودھ پلانے والی ایسی نہیں ہے یعنی اُس کا بچہ پر احسان ہے کیونکہ اُس نے رضاعت کے سبب بچے کی حیات اور بقا کا قصد کیا ہے۔ دودھ سے مراد علم ہے یعنی عالم ربانی کا انسان پر اُس کے والدین سے زیادہ احسان ہے۔ موسیٰ کیلئے حیات اور بقا اللہ تعالیٰ نے اُس کی اُم ولادت میں ہی گردانا یعنی اُس کی جننے والی ماں نے ہی اُس کو دودھ پلایا اسلئے سوائے اُس کی اُم ولادت کے کسی عورت کو موسیٰ پر احسان نہ تھا۔ مراد یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے علم شریعت براہِ راست ہرگز دو عالم حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل کیا اس لئے کسی سابقہ رسول کا موسیٰ علیہ السلام پر احسان نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی رضاعت آپ کی اُم ولادت کے سپرد کی تاکہ موسیٰ کی پرورش کیساتھ اُس کی ماں کی آنکھ ٹھنڈی رہے اور موسیٰ کی نشوونما اپنی گود میں دیکھے اور غم نہ کھائے یَقُولُہ تَعَالٰی (کِی تَقَرَّرَ عَیْنُہَا وَلَا تَحْزَنُ) *

اور اللہ تعالیٰ نے موسیٰ کو غمِ تابوت سے نجات دی یعنی موسیٰ نے علم الہی کے باعث جو اُس کو اللہ تعالیٰ نے عطا کیا تھا، ظلمتِ طبیعت کو پھاڑا اگرچہ وہ اُس سے باہر نہیں نکلا۔ مراد یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ

السلام کو معرفت الہی کے باعث علم یقین اور عین یقین کے مراتب تو حاصل تھے لیکن حق یقین کا مرتبہ حاصل نہ تھا۔ فنا سے تام اور مقام تمکین و استقامت حاصل نہ تھا۔

(وَفَتَنَّاكَ فُتُونًا) اور اے موسیٰ! ہم نے تجھ کو پوری طرح آزمایا یعنی اللہ تعالیٰ نے موسیٰ کو بہت جگہوں میں آزمایا تاکہ موسیٰ کی ذات میں بلا پر صبر کا مادہ متحقق ہو جائے۔ انبیاء کرام علیہم السلام کیلئے بلا میں مراتب مدارج کی ترقی کا باعث ہوتی ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کئی بار بلا میں مبتلا کیا گیا تاکہ آپ علم باللہ میں ترقی حاصل کریں۔ اور اول ان چیزوں کا جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ کو آزمایا، موسیٰ کا ایک قبیلے کو قتل کرنا تھا یَقُولُ تَعَالَى (وَقَتَلْتَ نَفْسًا)۔ موسیٰ کا قبیلے کو قتل کرنا الہام الہی سے تھا کیونکہ نبی قبل از ظہور نبوت ولی ضرور ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ہی موسیٰ کو اُس کے باطن میں اُس قتل کیلئے وقف کیا تھا اگرچہ موسیٰ کو اس الہام کا علم نہ تھا کیونکہ اگر موسیٰ علیہ السلام کو اس حقیقت کا علم ہوتا تو قتل کے فعل کو اپنی طرف منسوب نہ کرتے یَقُولُ تَعَالَى (قَالَ رَبِّ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي فَاغْفِرْ لِي فَقَفَرَلَهُ إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ)۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اُس وقت مُبْتَدِی درویش کی طرح تھے جو وسوسہ شیطانی اور الہام ربانی کی تمیز نہیں کر سکتا۔ انبیاء کرام قبل از بعثت بھی معصوم ہوتے ہیں اور رب تعالیٰ اُن کی حفاظت کرتا ہے۔ قبیلے چونکہ کافر تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ایک مُوَذِّی کافر کے قتل کا الہام کیا تاکہ آپ غازی کا درجہ حاصل کریں۔ آپ چونکہ ابھی بچے ہی تھے اس لئے الہام ربانی کو وسوسہ شیطانی قرار دیا یَقُولُ تَعَالَى (قَالَ هَذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ إِنَّهُ عَدُوٌّ مُّضِلٌّ مُّبِينٌ)۔ وَلَٰكِنَّ الْإِنَّمَا اور موسیٰ نے قبیلے کے قتل کرنے کے وقت اپنے باطن میں خوف نہ پایا اور نہ ہی توقف کیا کہ قتل کرنے کیلئے اُس کے رب کا امر ظاہر اُس تک پہنچے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ باطن میں اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو اس فعل پر مامور کیا ہوا تھا اور یہ معاملہ اُن کے ارادہ کے بغیر ہی سرزد ہوا۔ نبی باطن کے معصوم ہوتے ہیں یعنی قبل از بعثت بھی وہ باطن کے معصوم ہوتے ہیں۔ شیطان اُن پر غالب نہیں آ سکتا یَقُولُ تَعَالَى (رَأَيْتَ عَبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ) یعنی اُن کا ہر فعل الہام الہی سے ہوتا ہے اگرچہ ابتدا میں اُن کو اس حقیقت کا شعور نہیں ہوتا جب تک اُن کو اُن کی عصمت کی خبر نہ دی جائے۔ اسی لئے حضرت موسیٰ کو ایک لڑکے کا قتل کرنا دکھلایا جس کا مُفَضَّل ذکر سورہ کہف میں موجود ہے۔ موسیٰ نے حضرت لڑکے کا قتل کرنے پر اعتراض کیا اور خود جو بچپن میں قبیلے کو قتل کیا تھا، یاد نہ کیا۔ حضرت موسیٰ کو کہا (وَمَا فَعَلْتُهُ عَنْ أَمْرِي) میں نے اُس فعل کو اپنے امر سے نہیں کیا۔ اس قول سے حضرت موسیٰ کو اُس کے مرتبہ

سے آگاہ کیا جو اُس کو قبل از نبوت حاصل تھا یعنی خضر علیہ الرحمۃ نے موسیٰ علیہ السلام کو اشارتاً آگاہ کر دیا کہ قبلی کے قتل میں وہ معصوم الحُرکت تھے اگرچہ اُن کو اس امر کا شعور نہیں تھا۔ معصوم الحُرکت تھے یعنی اُن کا قتل کرنا الہام الہی سے تھا۔

اور ایسے ہی خضر نے موسیٰ کو کشتی کا پھاڑنا دکھلایا جو سورۃ کہف میں مذکور ہے۔ ظاہر میں وہ پھاڑنا کشتی کے لئے ہلاکت کا سبب تھا اور باطن میں کشتی کیلئے غاصب بادشاہ کے ہاتھ سے نجات تھی۔ خضر نے موسیٰ کے لئے کشتی کو تابوت موسیٰ کے مقابل میں گردانا تھا جو دریا میں پانی کے اوپر چسپاں تھا۔ ظاہر میں تابوت موسیٰ کیلئے ہلاکت تھی اور باطن میں اُس کیلئے نجات تھی اور موسیٰ کی ماں نے وہ فعل غاصب کے ہاتھ کے خوف سے کیا تھا یعنی موسیٰ کی ماں اس بات سے ڈری کہ کہیں فرعون موسیٰ کے ہاتھ پاؤں باندھ کر اُس کے سامنے موسیٰ کو ذبح کرے اور وہ اس فعل کو اپنی آنکھوں سے دیکھے۔ موسیٰ کی ماں کا یہ فعل الہام الہی سے تھا لیکن اُس کو الہام ربّانی کا شعور نہیں تھا۔ الہام الہی سے موسیٰ کی ماں نے اپنے دل میں یہ چیز جان لی تھی کہ تحقیق وہ ہی موسیٰ کو دودھ پلائیں گی۔ پس جب وہ موسیٰ پر ڈری کہ فرعون موسیٰ کو قتل نہ کر دے، اُس نے موسیٰ کو تابوت میں بند کر کے تابوت کو دریا میں ڈال دیا تاکہ وہ اپنی آنکھ سے بچے کو ذبح ہوتے نہ دیکھے کیونکہ مثل مشہور ہے ”عَيْنٌ لَا تَرَى قَلْبٌ لَا يَفْجَعُ“ آنکھ نہ دیکھے تو دل نہ دکھے۔ موسیٰ کی ماں نے تابوت کو دریا میں ڈال دیا کہ دیکھیں اب تقدیر الہی اس کو کہاں لے جاتی ہے۔ موسیٰ کی ماں کے دل میں خوف و غم تو تھا لیکن یہ خوف و غم اُس خوف و غم کے مقابلہ میں جو بچہ کی ہلاکت اپنی آنکھ سے دیکھنے سے حاصل ہوتا، بیچ تھا۔ موسیٰ کی ماں پر یہ ظن غالب ہوا کہ تحقیق اللہ تعالیٰ موسیٰ کو اُس کی طرف کسی وقت پھیر دے گا کیونکہ اُس کو اللہ تعالیٰ کیساتھ حُسن ظن تھا۔ پس اس نیک گمان کی وجہ سے جو اُس کے دل میں تھا وہ خوش ہو گئی اور خوف و یاس کا مقابلہ اُمید ہی سے ہوتا ہے۔ جب موسیٰ کی ماں کو اس امر کا الہام ہوا تو اُس نے کہا کہ شاید یہ وہی رسول ہوگا جس کے ہاتھ سے فرعون اور قبلی قوم ہلاک ہوگی اور اس توہم اور ظن کی وجہ سے وہ شاد اور مسرور ہوئی۔ موسیٰ کی ماں کے نزدیک تو یہ ایک وہم اور ظن تھا حالانکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ بات نفس الامر میں ایک علم محقق تھا یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ سے فرعون اور اُس کے لشکر کی ہلاکت علم الہی میں مُقدّر تھی اور اُسی علم کا پر تو موسیٰ علیہ السلام کی ماں کے دل میں ڈالا گیا۔

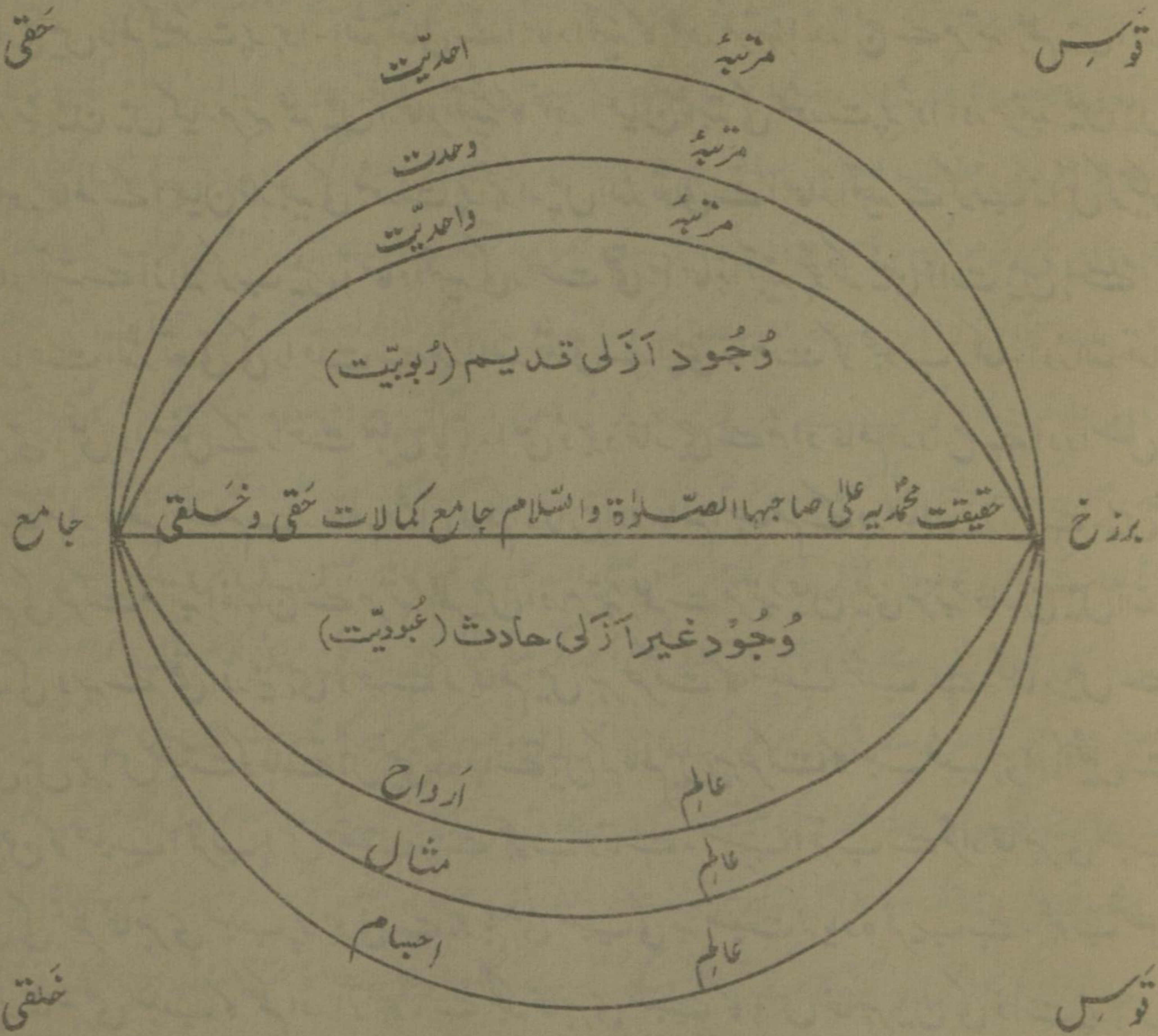
ثُمَّ أَنَّهُ أَتَىٰ جِبَ حَضْرَتِ مُوسَىٰ عَلَيْهِ السَّلَامُ نَے اِیْکِ قَبِیْلِی کو قَتْل کیا اور فرعون والوں نے قصاص طلب
 کیا تو آپ مصر سے بھاگتے ہوئے نکلے یَقُولِہِ تَعَالٰی (فَوَکَذَّٰلَا مُوسٰی نَقَضَی عَلَیْہِ الْاِخْرَجَ مِنْہَا خَافًا
 یَّتَرَقَّبُ قَالَ رَبِّ نَجِّنِی مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِیْنَ)۔ موسیٰ کا بھاگنا بظاہر خوف کی وجہ سے تھا لیکن حقیقت
 میں حُبِ نجات کیلئے تھا کیونکہ حرکت ہمیشہ حُب سے ہوتی ہے۔ مراد یہ ہے کہ حُبِ انسان حرکت کرتا ہے
 تو کسی شے کی حُب کی خاطر کہتا ہے۔ مثال کے طور پر حُبِ انسان ایک شہر سے دوسرے شہر کو جاتا ہے
 تو دوسرے شہر میں کوئی ایسی شے موجود ہے جس کی اُس کو حُب ہے۔ یعنی ہر حرکت کا باعث حُب ہے
 لیکن دیکھنے والے کی نظر چونکہ دوسرے ظاہری اسباب پر ہوتی ہے اسلئے وہ اس حقیقت سے محجوب رہتا
 ہے۔ اور یہ بات ایسے نہیں ہے یعنی ظاہری اسباب حقیقت میں حرکت کا باعث نہیں بلکہ حُب ہی حرکت
 کا باعث ہے۔ ایک شخص کسی شہر میں اپنے محبوب کی ملاقات کی خاطر جاتا ہے اور ظاہر میں کئی اور اشیاء
 بھی خرید لاتا ہے۔ اب ظاہر میں تو اُس کی حرکت خریداری کیلئے ہے لیکن حقیقت میں اُس کی حرکت حُب
 یار کیلئے ہے۔ اور اس حقیقت کہ تمام حرکات کی وجہ حُب ہے، کی اصل یہ ہے کہ عدم جس میں عالم ساکن
 تھا، سے وجود خارجی کی طرف عالم کی حرکت کا سبب یہی حُب ہے اور اسی لئے کہا جاتا ہے کہ ظہورِ عالم کا
 باعث عالم کا مرتبہ سکون سے مرتبہ شہادت کی طرف حرکت کرنا ہے اور یہ حرکت جو وجودِ عالم کا سبب ٹھہری
 حرکت حُب تھی جیسا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے اس قول کو ہمارے لئے نقل فرمایا
 کُنْتُ کَنْزًا مَّخْفِیًّا لَّہٗ اُعْدْتُ فَاَحْبَبْتُ اَنْ اُعْدْتُ یعنی میں ایک پوشیدہ خزانہ تھا جو پہچانا نہیں جاتا
 تھا پس مجھے اس بات کی حُب پیدا ہوئی کہ میں پہچانا جاؤں۔ عالم قبل از ظہور مرتبہ علم میں تھا اور مرتبہ علم
 سے قبل مرتبہ احدیت ذاتیہ میں مندرج تھا جیسے درخت نیچ میں مندرج ہوتا ہے۔ مرتبہ احدیت ذاتیہ کو عدم
 اس لئے کہا گیا ہے کہ یہ بطون در بطون اور غیب الغیب مرتبہ ہے اور باعتبار ظہور کے یہ مرتبہ عدم کا حکم رکھتا
 ہے اور یہی مرتبہ سکون ہے۔ اللہ تعالیٰ کو جب یہ حُب پیدا ہوئی کہ میں پہچانا جاؤں تو اللہ تعالیٰ نے عالم کو
 مرتبہ اندراج سے مرتبہ علم میں ظاہر کیا اور پھر مرتبہ علم سے مرتبہ خارج میں ظاہر کیا۔ گٹھلی میں درخت عین
 گٹھلی اور گٹھلی عین درخت ہے پس درخت کا مرتبہ سکون سے مرتبہ وجود خارجی کی طرف حرکت کرنا ایسے
 ہی ہے جیسے گٹھلی کا درخت کی صورت پر ظاہر ہوتا ہے یعنی عالم کا مرتبہ سکون سے مرتبہ خارج کی طرف حرکت
 کرنا ذات حق کا مرتبہ سکون یعنی احدیت ذاتیہ سے تنزل فرما کر عالم کی صورت پر جلوہ نما ہوتا ہے۔ فَلَوْلَا

الخ پس اگر اللہ تعالیٰ کو یہ محبت نہ ہوتی کہ وہ پہچانا جائے تو عالم اس وجود خارجی میں ظاہر نہ ہوتا کیونکہ عالم کی
 مرتبہ عدم یعنی بطون سے وجود خارجی کی طرف حرکت موجد کی وجود عالم کیلئے ایک جہی حرکت ہے یعنی جب
 اللہ تعالیٰ کو یہ محبت پیدا ہوتی کہ میں ظاہر ہوں تو عالم کو ظاہر کیا یعنی عالم ظہور حق ہے۔ نیز عالم کو بھی حُب
 پیدا ہوتی کہ وہ اپنی ذات کا مشاہدہ وجود خارجی میں کرے جیسا کہ وہ اپنی ذات کا مشاہدہ مرتبہ علم میں کرتا
 تھا۔ مرتبہ علم میں فیض اقدس سے اللہ تعالیٰ کو عالم کے اعیان ثابتہ حاصل ہوئے۔ اعیان ثابتہ کو ظہور کی محبت
 پیدا ہوتی اس لئے اللہ تعالیٰ نے فیض مقدس سے ان کو اعیان خارجیہ کا وجود بخشا۔ مرتبہ علم عدم ثبوتی کا
 مرتبہ ہے کیونکہ اس مرتبہ میں ممکنات عالم کے اعیان ثابت ہیں لیکن بلحاظ ظہور کے عدم ہیں۔ عدم ثبوتی کو
 عدم اضافی بھی کہتے ہیں۔ بہر حال عالم کی عدم ثبوتی سے یعنی مرتبہ علم سے وجود خارجی کی طرف حرکت ایک
 جہی حرکت ہے یعنی عالم کا مرتبہ علم سے مرتبہ خارج میں ظاہر ہونے کا سبب حُب ہے خواہ وہ حُب حق
 تعالیٰ کی طرف منسوب ہو خواہ عالم کی طرف بات ایک ہی ہے۔ حُرُوف قبل از ظہور سیاہی میں مندرج
 تھے۔ مرتبہ اندراج میں سیاہی اور حُرُوف ایک دوسرے کا عین ہیں۔ اب حُرُوف کو حُب پیدا ہوتی کہ مرتبہ
 اندراج سے مرتبہ تفصیل میں ظاہر ہوں یا سیاہی کو حُب پیدا ہوتی کہ میں مرتبہ اندراج اور بطون سے تفصیل
 میں یا وجود خارجی میں ظاہر ہوں بات ایک ہی ہے۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ سیاہی حُرُوف کی صورت پر ظاہر
 ہے اور یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ حُرُوف مرتبہ اندراج سے مرتبہ تفصیل میں ظاہر ہوئے ہیں۔ بہر حال عالم کے
 ظہور کا سبب حُب ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کا مرتبہ بطون سے مرتبہ خارج میں ظہور اس لئے
 طلب کیا کہ اُس کا کمال ظاہر ہو کیونکہ کمال بنفسہ محبوب ہے۔ اَسْمَاء و صفات الہیہ مرتبہ احدیت ذاتیہ میں
 بالقوہ مندرج تھے۔ اَسْمَاء و صفات الہیہ نے ظہور کا تقاضا کیا تو اللہ تعالیٰ نے اَسْمَاء و صفات کو مرتبہ علم میں
 ظاہر کیا یا ذات حق مرتبہ بطون سے تنزل فرما کر مرتبہ علم میں ظاہر ہوتی۔ مرتبہ علم میں جب ذات حق نے
 اپنی ذات کا اپنے اَسْمَاء و صفات کا اور جمیع کائنات کا ادراک کیا تو چاہا کہ میرے یہ کمالات ظاہر ہوں اسلئے اَسْمَاء و صفات
 کو مرتبہ علم سے مرتبہ خارج میں عالم کی صورت پر ظاہر کیا۔ اللہ تعالیٰ نے عالم کو اسلئے پیدا کیا کہ اُس کا کمال ظاہر ہو۔ حضرت انسان شجرۃ
 الکون کا ثمرہ ہے اس لئے اللہ تعالیٰ کے جمیع کمالات انسان میں جمع ہیں۔ مراد یہ ہے کہ کسی شے کا کمال
 اُس کے ظہور میں ہے۔ ہر محبوب اپنے رُخ سے پردہ اتارنے کی کوشش کرتا ہے تاکہ اُس کے حُسن کو کوئی
 دیکھے۔ پس ذات حق مرتبہ بطون سے خارج میں عالم کی صورت پر اس لئے ظاہر ہوتی کہ اُس کا کمال ظاہر

ہو اور اُس کے حُسن پر کوئی عاشق ہو اور اُس کے ساتھ کوئی عشق بازی کرے۔ وَ عِلْمُهُ الْاَنَّهُ اور اللہ تعالیٰ کا علم بنفسہ اس اعتبار سے کہ وہ ذات غنی عن العالمین ہے، اُسی ذات کیلئے ہے یعنی مرتبہ احدیت ذاتیہ میں اللہ تعالیٰ کو علم حاصل ہے لیکن اسماء و صفات کے ظہور کیلئے اللہ تعالیٰ عالم کا محتاج ہے لہذا اس صفتِ علم کے ظہور کیلئے اللہ تعالیٰ ممکناتِ عالم کا محتاج ہے۔ مرتبہ احدیت میں علم کا ظہور نہیں۔ علم کا ظہور ساتھ خلق کے ہے۔ پس علم کو مرتبہ کمال پر پہنچانے کیلئے اللہ تعالیٰ خلق کا محتاج ہے اور وہ علم قدیم ممکناتِ عالم میں حادث ہے۔ اعیان خارجیہ کی صورت پر اعیان ثابتہ کا ظہور ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کے علم کے کمال کی صورت علم حادث و علم قدیم دونوں کے ساتھ ظاہر ہوگی اور مرتبہ علم کی تکمیل دونوں وجہوں حادث اور قدیم کیساتھ ہوگی۔ مراد یہ ہے کہ مرتبہ ذات میں علم کا ظہور نہیں۔ علم کا ظہور اور کمال مرتبہ خلقی میں ہے۔ اللہ تعالیٰ کو علم کا کمال انسان کی صورت پر حاصل ہوا۔ جب حضرت انسان ترقی کر کے مقام احدیت تک پہنچتا ہے تو وہ علم قدیم سے مشرف ہو جاتا ہے اور حضرت انسان قدیم اور حادث کا جامع ہو جاتا ہے۔ جہت بشریت سے وہ علم حادث سے مشرف ہے اور جہت ربوبیت سے وہ علم قدیم سے مشرف ہے۔ پس علم کا کمال ساتھ عالم کے ہے۔ وَ كَذَلِكَ الْاَنَّهُ اور ایسے ہی وجود ذات کے مراتب کامل ہوتے ہیں یعنی جب تک ذات حق مراتب حقیقی سے مراتب خلقی میں تنزل نہ کرے ذات حق کے کمالات کا ظہور نہیں ہو سکتا۔ وجود کے مراتب چھ ہیں۔ ان کو تنزلاتِ بستہ یا مراتب بستہ کہتے ہیں۔ ذات حق مرتبہ بطون یعنی مرتبہ احدیت سے تنزل کر کے مرتبہ وحدت میں اور پھر مرتبہ واحدیت میں ظاہر ہوتی۔ یہ تینوں مراتب حقیقی ہیں۔ پھر واحدیت سے عالم ارواح، عالم ارواح سے عالم مثال اور عالم مثال سے عالم اجسام میں ظاہر ہوتی۔ یہ تینوں مراتب خلقی ہیں۔ ساتواں مرتبہ حضرت انسان ہے جو تمام مراتب حقیقی اور خلقی کا جامع ہے۔ دائرۃ الوجود کی دو قوسیں ہیں۔ ایک اُزلی یعنی قدیم ہے اور دوسری غیر اُزلی یعنی حادث ہے۔ اُزلی وجود حق تعالیٰ کا وجود ہے جو خاص اپنی ذات کیلئے ہے اور غیر اُزلی وجود حق تعالیٰ کا وجود ہے جو عالم کی صورت پر ظاہر ہے اور مرتبہ علم میں ثابت ہے۔ اس غیر اُزلی وجود کا نام حادث ہے۔ پس مراتب وجود کی تکمیل بھی وجود قدیم اور وجود حادث کیساتھ ہے کیونکہ قدیم ہی حادث کی صورت پر ظاہر ہے یعنی اعیان خارجیہ اعیان ثابتہ کے مظاہر ہیں اور خود ذات حق ظہور کی خاطر صورِ عالم پر ظاہر ہوتی ہے لہذا دائرۃ وجود دو قوسوں یعنی قوس قدیم و قوس حادث کیساتھ مکمل ہوا۔ پس عالم کی حرکت یعنی عالم کا مرتبہ علم سے مرتبہ خارج میں ظاہر ہونا اللہ تعالیٰ کی حُب کا نتیجہ ہے جو اُس کو اپنا کمال

ظاہر کرنے کیلئے پیدا ہوئی۔ اسے طالب اس حقیقت کو سمجھ۔ وضاحت کیلئے دائرۃ الوجود پیش کیا جاتا ہے:-

دائرۃ الوجود



دائرۃ وجود کی دو قوسیں ہیں یعنی ذات حق کی دو شانیں ہیں۔ ایک شان ربوبیت ہے دوسری شان عبودیت ہے۔ خط وسطانی دائرہ کو دو قوسوں میں تقسیم کرتا ہے۔ حق تعالیٰ تقسیم و انقسام سے منزہ ہے یہ محض سمجھانے کیلئے ہے کہ اس وجود کیلئے دو جہتیں ہیں۔ ایک جہت سے وہ وجود ازلی اور قدیم ہے اور ایک جہت سے وہ وجود غیر ازلی اور حادث ہے۔ مراتب احدیت، وحدت اور واحدیت ازلی ہیں اور مراتب ارواح، مثال اور اجسام غیر ازلی ہیں۔ وسطانی خط سے مراد حقیقت محمدیہ ہے صلی اللہ علیہ وسلم جو تمام مراتب ازلی و غیر ازلی کی جامع ہے۔ ان مراتب وجود پر اللہ تعالیٰ کا قول ذیل دال ہے (إِنَّ دَبَّكُمُ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ)۔ ایام بستہ سے مراد مراتب بستہ ہے اور عرش سے مراد حقیقت محمدیہ ہے علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام۔ آلا تَوَاصُلُ الخ اسے طالب! کیا تو نہیں دیکھتا ہے کہ کس طرح

اللہ تعالیٰ نے اسماء الہیہ سے اُس کرب کو زائل کیا جو وہ اپنے آثار کے عدم ظہور کی وجہ سے پاتے تھے۔ مرتبہ احدیت میں اسماء الہیہ بالقوہ مندرج تھے۔ اسماء الہیہ نے تقاضا کیا کہ اُنکا خارج میں ظہور ہو اور اسماء الہیہ کے آثار کا ظہور عین میں یعنی خارج میں عالم کی صورت پر ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے اسماء الہیہ کا ظہور مرتبہ اندراج سے مرتبہ علم میں اور مرتبہ علم سے مرتبہ عین میں کیا۔ مرتبہ علم میں اسماء الہیہ کا ظہور اعیان ثابتہ کی صورت پر ہوا اور مرتبہ عین میں اسماء الہیہ کا ظہور عالم کے اعیان خارجیہ کی صورت پر ہوا۔ پس اللہ تعالیٰ نے اسماء الہیہ سے کرب زائل کر نیکو محبوب رکھا۔ اسماء الہیہ سے ازالہ کرب میں اسماء الہیہ کی راحت تھی۔ اسماء الہیہ چونکہ عین ذات ہیں اس لئے اسماء الہیہ کی راحت اللہ تعالیٰ کی راحت ہے لہذا اللہ تعالیٰ نے اپنی راحت کو محبوب رکھا۔ اور اللہ تعالیٰ بغیر وجود خارجی اعلیٰ و اسفل کے راحت نہیں پاتا۔ اعلیٰ وجود خارجی سے مراد عالم ارواح ہے اور اسفل وجود خارجی سے مراد عالم اجسام ہے۔ عالم مثال عالم ارواح اور عالم اجسام کے درمیان برزخ ہے۔ پس ثابت ہوا کہ عالم کی حرکت مرتبہ اندراج سے مرتبہ علم میں اور مرتبہ علم سے مرتبہ عین یعنی مرتبہ خارج میں اللہ تعالیٰ کی حُب کی وجہ سے تھی اور یہ ہی وجہ ہے کہ عالم میں ہر حرکت کا سبب حُب ہے۔ علماء میں سے بعض وہ شخص ہیں جو اس حقیقت کو جانتے ہیں یعنی وہ جانتے ہیں کہ عالم میں ہر حرکت کا سبب حُب ہی اور انہیں سے بعض وہ ہیں جن کو سبب اقرب اس حقیقت سے محبوب کرتا ہے۔ سبب اقرب سے مراد ظاہری سبب ہے۔ یعنی ان کی نظر ظاہری سبب پر ہوتی ہے جو باطنی سبب کی بہ نسبت زیادہ قریب ہے۔ محبوب شخص کی حالت پر ظاہری سبب کا حکم اور اثر ہوتا ہے بلکہ ظاہری سبب کا اس ظاہرین کی ذات پر اس قدر غلبہ ہوتا ہے کہ وہ باطنی حکمت کی طرف توجہ ہی نہیں کرتا۔ پس موسیٰ علیہ السلام کے فرار کیلئے ظاہری سبب وہ خوف تھا جو قبلی کے قتل کے بعد اُس کے دل میں پیدا ہوا اور خوف کیساتھ قتل سے نجات کی حُب بھی شامل تھی لہذا موسیٰ علیہ السلام دوڑے جب ڈرے اور حقیقت میں موسیٰ دوڑا جب اُس نے فرعون سے اور فرعون کے اپنے ساتھ عمل سے نجات کی حُب کی۔ فرعون کا موسیٰ کیساتھ عمل موسیٰ کو قبلی مقتول کے قصاص میں قتل کرنا تھا پس موسیٰ دوڑا جب اُس نے فرعون کے ہاتھوں قتل ہونے سے نجات کی حُب کی۔ اور جب موسیٰ مدین سے واپس لوٹا اور رسالت سے مشرف ہو کر فرعون سے ملاقات کی تو موسیٰ نے ظاہری سبب یعنی خوف جو اُس کو فرار کے وقت مشہود تھا، کا ذکر کیا کَمَا قَالَ تَعَالَى (فَفَرَّ مِنْكُمْ لَمَّا خِفْتُمْ) فرار کے وقت خوف ایسا تھا جیسے آدمی کیلئے جسم کی صورت ہوتی ہے اور حُب

نجات خوف میں اس طرح شامل تھی جس طرح جسد میں روح شامل ہوتی ہے۔ روح ہی جسم کے لئے مدبر ہے۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے سامنے ظاہری سبب کا کیوں ذکر کیا اور حقیقی سبب کا ذکر کیوں نہ کیا؟ اس کے جواب میں فرمایا **وَالْأَنْبِيَاءُ آتَوْا اور انبیاء کیلئے بسان ظاہر ہے۔** وہ عوام اہل خطاب کیساتھ بسان ظاہر سے کلام کرتے ہیں اور اگر ان کی مجلس میں کوئی خاص اہل فہم عالم ان کی کلام سن رہا ہو تو ان کو اس کے فہم پر اعتماد ہوتا ہے یعنی خواص لوگ انبیاء کرام کی ظاہری کلام میں سے حقائق و اسرار اپنے فہم سے اخذ کر لیتے ہیں چنانچہ مذکور ہے کہ جب حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا دور خلافت آیا تو آپ نے منبر پر چڑھ کر وہ اسرار و حقائق بیان کئے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم دنگ رہ گئے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا حضرت کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ علوم آپ کو کسی گوشہ میں پڑھائے ہیں؟ فرمایا، نہیں، جو کلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم عام مجلس میں فرماتے تھے میں وہ بھی سمجھتا تھا لیکن اُسی کلام میں سے کئی چیزیں اور بھی اخذ کر لیتا تھا۔ پس رسل اپنی کلام میں عوام کا خیال رکھتے ہیں یعنی عام فہم کلام کرتے ہیں کیونکہ ان کو خواص اہل فہم کے مرتبہ کا علم ہے یعنی وہ جانتے ہیں کہ تیز ادراک والے لوگ ان کے کلام کی حقیقت بھی سمجھتے ہیں۔ پس رسل علیہم السلام اپنی کلام میں عوام کو خواص پر ترجیح دیتے ہیں کیونکہ وہ خواص کے مرتبہ سے واقف ہیں جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اموال غنیمت کی تقسیم میں عوام کو خواص پر ترجیح دیکر خواص کے مرتبہ سے آگاہ فرمایا ہے۔ **وَعَنْ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ قَالَ** **أَعْطَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَهْطًا وَأَنَا جَائِسٌ فَتَرَكْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْهُمْ رَجُلًا هُوَ أَحَبُّهُمْ إِلَيَّ فَقُلْتُ مَا لَكَ عَنْ فَلَانٍ وَاللَّهِ إِنِّي لَأَسْأَلُكَ مُؤَمِّنًا فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوْ مُسْلِمًا ذَكَرْتُكَ سَعْدُ ثَلَاثًا وَآجَابَهُ بِسِتْلٍ ذَلِكَ ثُمَّ قَالَ إِنِّي لَا أُعْطِي الرَّجُلَ وَغَيْرَهُ أَحَبَّ إِلَيَّ مِنْهُ خَشْيَةً أَنْ يَلْبَسَ فِي النَّارِ عَلَى وَجْهِهِ۔** حضرت سعد بن ابی وقاص کہتے ہیں کہ میں بیٹھا ہوا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جماعت کو کچھ مال عطا فرمایا اور اس جماعت میں سے صرف ایک شخص کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ نہ دیا جو میرے نزدیک ان سب میں بہتر تھا۔ یہ دیکھ کر میں کھڑا ہو گیا اور عرض کیا ”کیا ہے فلاں شخص کیلئے کہ آپ نے اس کو کچھ نہیں دیا۔ خدا کی قسم میں تو اس کو مومن سمجھتا ہوں“ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، یہ کہہ کہ میں اس کو مسلمان سمجھتا

ہوں۔ سعد نے تین بار آپ کے سامنے یہ بات کہی اور آپ نے بھی ہر بار یہی جواب دیا اور پھر فرمایا کہ میں ایک شخص کو مال دیتا ہوں حالانکہ دوسرا شخص مجھ کو اُس سے زیادہ محبوب ہوتا ہے اور یہ شخص اس اندیشہ سے کرتا ہوں کہ کہیں وہ شخص مُنہ کے بل دوزخ میں نہ ڈالا جائے۔ پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ضعیف العقل و ضعیف النظر کا اعتبار کیا کیونکہ اُس پر حرص اور خواہش غالب تھی یعنی آپ نے ایک عام مسلمان کو ایک خاص صحابی پر ترجیح دی اور فرمایا کہ اگر میں اُس کو مال نہ دوں تو وہ مجھ سے پھر جائیگا اور دوزخ میں جائیگا، اور دوسرے محبوب شخص کو اگر میں مال نہ بھی دوں تو بھی وہ میرے ساتھ رہے گا۔ فَكَذَّابًا پس جو علوم انبیاء لائے ہیں اُن کا بھی یہی حال ہے یعنی مثل عطایا کے اُن علوم میں یہ اُنہوں نے عوام کا خیال رکھا ہے۔ وہ اُن علوم پر ادنیٰ فہوم کا خلعت پہنا دیتے ہیں یعنی وہ اپنے علوم کو ایسے احسن پیرایہ میں اور ایسے احسن الفاظ میں پیش کرتے ہیں کہ ناقص فہم والے بھی سمجھیں۔ مُراد یہ ہے کہ جو شخص تیز فہم والا نہیں اور اُن کی عبارات میں غوامی نہیں کر سکتا وہ کم از کم اُس ظاہری لباس سے ہی واقف ہو جاتے یعنی ظاہری عبارت سے ہی فائدہ اٹھاتے۔ اس میں اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی کلام اس پیرایہ کی ہوتی ہے کہ اُس کی ظاہری عبارت کو تو ہر کوئی سمجھتا ہے لیکن اُس عبارت میں اہل فہم اور خواصوں کیلئے دقیق اسرار بھی ہوتے ہیں جو صرف خواص لوگ ہی سمجھ سکتے ہیں۔ جب ایک عام شخص انبیاء کرام کی کلام کو دیکھتا ہے تو کہتا ہے کہ کیسی احسن عبارت ہے، کیسی لذیذ کلام ہے اور کیا اس کا بلند درجہ ہے یعنی وہ اُن کی کلام کے ظاہری الفاظ پر ہی مفتوں ہے جیسا کہ علمائے ظواہر قرآن مجید و حدیث شریف کے ظاہری الفاظ و ظاہری عبارت پر ہی مُست ہیں۔ اور ایک خاص شخص جو فہم دقیق کا مالک ہے اور انبیاء کرام کی کلام میں غوامی کر کے اُس میں سے حکمتوں کے دُر نکالتا ہے، اُن کی کلام دیکھ کر کہتا ہے کہ کس چیز کے باعث یہ شخص اس شاہی خلعت کا مستوجب ہوا اور وہ خلعت کی قدر اور کپڑے کی قسم میں نظر مارتا ہے اور وہ خلعت سے اُس شخص کی قدر جان لیتا ہے جس کو خلعت نصیب ہوئی جیسا کہ ایک عالم ربانی جب قرآن مجید اور حدیث شریف میں غور و خوض کر کے اسرار کے جواہر نکالتا ہے تو کہتا ہے کہ سرکارِ دو عالم حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی کیا زالی شان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایسی عالی کلام نازل فرمائی ہے کہ اس کی تہ میں کئی قسم کے جواہر ہیں۔ نیز وہ کلام کی قسم میں غور کرتا ہے کہ یہ کس قسم کی کلام ہے یعنی آیا یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بشری جہت کے متعلق ہے یا انکی جہت کے متعلق ہے یا حق جہت کے متعلق ہے۔ نیز اسی کلام سے ہی

وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان مبارک کا اندازہ کرتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم مبارک و کمالات مبارک بشری عقول و فہوم سے بالاتر ہیں۔ پس ایک خاص شخص جو تیز ادراک والا ہے، انبیاء علیہم السلام کی کلام میں سے اُس علم سے مطلع ہوتا ہے جو ایک عام شخص کو حاصل نہیں ہوتا ہے اور اُن کی کلام کو جیسا کہ ایک خاص شخص سمجھتا ہے ایک عام نہیں سمجھتا۔ وَلَسْنَا اَنْتَ اَوْرَجِبُ انبیاء و رسل اور اُن کے وارثوں نے اِس بات کو جان لیا کہ تحقیق عالم میں اور اُن کی اُمتوں میں اِس مرتبہ والے یعنی تیز فہم والے اشخاص ہیں تو انہوں نے عَمْدًا اِس ظاہر سے کلام کی کیونکہ اُس کلام میں خاص و عام سب مشترک ہیں یعنی اُس کلام کی ظاہری عبارت کو خواص بھی سمجھتے ہیں اور عوام بھی سمجھتے ہیں لیکن خواص لوگ اُس کلام سے وہ چیز بھی سمجھتے ہیں جو عوام سمجھتے ہیں اور اُس کلام سے کچھ زائد چیز بھی سمجھتے ہیں یعنی وہ چیز جو عوام نہیں سمجھتے۔ زائد چیز سے مراد اُس کلام کے باطنی معانی یعنی حقائق و دقائق ہیں۔ ان حقائق و دقائق کے فہم کے باعث اُن کا نام خواص ہے اور اسی خاص تیز ادراک کی وجہ سے وہ عوام سے متمیز ہوتے ہیں۔ لِهَذَا مُبْتَلَوْنَ بِطُغْمٍ نے یعنی انبیاء و رسل اور اُن کے وارثوں نے اِس ظاہر پر ہی اکتفا کیا۔ پس موسیٰ علیہ السلام کے قول (فَقَرَرْتُ مِنْكُمْ لَمَّا خِفْتُكُمْ) جب میں تم سے ڈرا تو میں تم سے بھاگا کی یہی حکمت ہے یعنی آپ نے فرعون کیساتھ اِس ظاہر کے ساتھ کلام کی اور یہ نہ کہا کہ میں تم سے سلامتی اور عافیت کی حُصْب میں بھاگا کیونکہ آپ جانتے تھے کہ آپ کے قول کے باطنی معانی یہ ہیں اور خواص ان معانی کو اُس ظاہری عبارت سے ہی اخذ کر لیں گے۔

موسیٰ مصر سے بھاگ کر مدین آیا۔ وہاں حضرت شعیب علیہ السلام کی دو لڑکیاں پائیں جو بکریاں لیکر کھڑی تھیں۔ موسیٰ نے اُن دونوں کی بکریوں کو بغیر اجرت کے پانی پلایا بِقَوْلِهِ تَعَالَى (فَسَقَى لَهُمَا ثُمَّ تَوَلَّى إِلَى الظِّلِّ فَقَالَ رَبِّ إِنِّي مِمَّنْ خَلِّفَ فِيهِ) پس موسیٰ نے اُن دونوں کی بکریوں کو پانی پلایا پھر بہت کر چھاؤں کی طرف آیا اور بولا اے رب! تحقیق وہ چیز جو تو نے میری طرف بھلائی سے اتاری میں اُس کا محتاج ہوں۔ ظِلّ سے مراد ظِلّ الہی ہے اور موسیٰ نے اپنے پانی پلانے کے عمل کو نیکی گردانا جس کی توفیق اللہ تعالیٰ نے اُس کو عطا کی تھی۔ نیز موسیٰ نے نیکی میں اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کا محتاج بیان کیا کیونکہ نیکی منجانب الہی ہے۔ اِس میں اِس امر کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی توفیق کے ساتھ ہی بندہ اعمال صالح کر سکتا ہے اِس لئے اگر کوئی نیکی بندہ سے سرزد ہو تو اُس کو اپنی ذات کی طرف

منسوب نہ کرے بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرے۔ نیز نیک کام وہ ہے جو محض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کیلئے کیا جاتے۔ اور جب خضر نے موسیٰ کو دیوار کا بغیر اجرت کے قائم کرنا دکھایا جس کا مفصل ذکر سورہ کہف میں موجود ہے، تو موسیٰ نے خضر کو اُس فعل پر عتاب کیا۔ خضر نے موسیٰ کو اُس کا بغیر اجرت کے پانی پلانا یاد دلایا یعنی خضر علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام کو سمجھا دیا کہ اُن کا بغیر اجرت کے دیوار کا قائم کرنا الہام الہی سے ہے جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام کا بکریوں کو بغیر اجرت کے پانی پلانا الہام الہی سے تھا مگر فرق صرف اتنا ہے کہ خضر اُس الہام الہی کو جانتے ہیں اور موسیٰ اُس الہام الہی سے ناواقف تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بچپن سے لیکر خضر علیہ السلام کی ملاقات تک بہت سے کام الہام الہی سے کئے تھے لیکن موسیٰ علیہ السلام الہام الہی سے واقف نہ تھے۔ خضر علیہ السلام نے اُن امور کی مثال کئی امور تیار کئے ہوتے تھے لیکن جیسا کہ سورہ کہف میں مذکور ہے موسیٰ علیہ السلام تین امور پر بھی صبر نہ کر سکے اور خضر علیہ السلام نے اُن کو جفا کر دیا۔ حدیث شریف میں وارد ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر موسیٰ علیہ السلام خضر علیہ السلام کے پاس خاموش رہتے اور اُس پر اعتراض نہ کرتے تو اللہ تعالیٰ سارا قصہ نازل فرماتا یعنی اُن جملہ امور کا جو خضر علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام کی خاطر تیار کئے تھے، رب تعالیٰ قرآن مجید میں ذکر فرماتا تا کہ ہم جان لیتے کہ وہ کون سے امور تھے جو موسیٰ علیہ السلام سے الہام الہی سے سرزد ہوتے اور اُن کو اس تعلیم الہی کا علم نہ تھا۔ اگر موسیٰ علیہ السلام کو یہ علم ہوتا کہ اُن کے جملہ اعمال الہام الہی سے تھے تو وہ خضر کے اُن اعمال کا جو موسیٰ کے اعمال کی مثال تھے، ہرگز انکار نہ کرتا۔ خضر وہ ہستی ہے کہ تحقیق اللہ تعالیٰ نے اُس کے کمال علم کی شہادت موسیٰ کے سامنے دی۔ نیز اللہ تعالیٰ نے موسیٰ کے سامنے اُس کی پاکیزگی اور عدالت بیان کی۔ باوجود اس کے موسیٰ علیہ السلام اُس اللہ تعالیٰ کی شہادت سے اور اُس شرط سے جو خضر نے موسیٰ سے اپنے اتباع کے متعلق ٹھہرائی تھی، غافل ہو گئے۔ یہ موسیٰ علیہ السلام کی غفلت ہم کو رحمت الہی کا سبق دیتی ہے کہ جب ہم اللہ تعالیٰ کے کسی امر کو بھول جائیں تو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ہمیں معاف کر دیتا ہے۔ مراد یہ ہے کہ اگر انسان سے کوئی خطا سرزد ہو جاتے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت پر نظر رکھے کہ اللہ تعالیٰ اُسے ضرور معاف کر دے گا۔ وکونہ اور اگر موسیٰ امور مذکورہ کا عالم ہوتا، امور مذکورہ سے مراد وہ تین امور جو خضر نے موسیٰ کو دکھائے، تو البتہ خضر ہرگز اُس کو یہ نہ کہتا (وَكَيفَ تَصْبِرُ عَلَىٰ مَا لَمْ تُحِطْ بِهِ خُبْرًا) اور تو اُس چیز پر کیسے صبر کرے گا جو تیرے حیطہ ادراک سے باہر ہے۔ یعنی تحقیق مجھے ایک ایسا علم حاصل ہے جو تجھ کو ذوق کی رُو سے حاصل

رہیں۔ سابق میں مذکور ہوا قَوَّفَ الْعُلَمَاءُ بِالله۔ اس میں اشارہ ہے کہ خضر رضی اللہ عنہ علماء باللہ میں سے
 ہیں یعنی دلی ہیں، نبی نہیں جیسا کہ بعض لوگ گمان کرتے ہیں۔ فَانْظُرُوا اِنَّمَا پس اُسے طالب ان دونوں
 مردان حق کے کمال، علمی کی طرف نظر کر یعنی جان لے کہ موسیٰ علیہ السلام کو علم شریعت کا کمال حاصل ہو
 اور خضر رضی اللہ عنہ کو علم حقیقت کا کمال حاصل ہے۔ چونکہ مردان حق کے نزدیک تقدّم کا تعلق ساتھ علم باللہ
 کے ہے اس لئے خضر رضی اللہ عنہ کو موسیٰ علیہ السلام پر فضیلت حاصل ہے۔ نیز اُسے طالب! دیکھ کہ دونوں
 نے ادب الہی کا حق کیسا ادا کیا۔ موسیٰ علیہ السلام باوجود رسول ہونے کے، امر الہی کی تعمیل کی خاطر خضر کے
 پاس جو دلی ہے، چل کر گئے اور خضر رضی اللہ عنہ نے باوجود فضیلت حاصل ہونے کے، امر الہی کی تعمیل کی خاطر
 موسیٰ علیہ السلام کے حکم کی تعمیل کی اور اپنی مصاحبت سے اُن کو الگ کر دیا۔ نیز اُسے طالب! خضر کے انصاف
 کی طرف دیکھ کہ وہ موسیٰ علیہ السلام کے سامنے کس طرح معترف ہوئے جب خضر نے موسیٰ کو کہا کہ میں
 ایک ایسے علم پر ہوں جو مجھے اللہ تعالیٰ نے سکھایا ہے اور تو اُس کو نہیں جانتا اور تو ایک ایسے علم پر ہے
 جو تجھے اللہ تعالیٰ نے سکھایا ہے اور میں اُس کو نہیں جانتا یعنی میں علم حقیقت جانتا ہوں اور تو علم
 شریعت جانتا ہے۔ حقیقت میں خضر کا یہ قول موسیٰ کے زخم پر بطور مرہم تھا باوجود خضر کے اس علم کے کہ
 موسیٰ رسالت کے عالی مرتبہ پر فائز ہے اور خضر کو یہ رتبہ رسالت نصیب نہیں، جب خضر نے موسیٰ کو یہ
 کہا (وَكَيفَ تَصْبِرُ عَلَى مَا لَمْ تُحِطْ بِهِ خَيْرًا) موسیٰ علیہ السلام کے دل پر زخم ہو گیا۔ اس قول سے حضرت
 موسیٰ علیہ السلام پاگئے کہ خضر وہ علم جانتا ہے جو میں نہیں جانتا اس لئے دل پر زخم ہو گیا۔ جب خضر
 نے دیکھا کہ ان کے دل پر صدمہ گزرا ہے تو آپ نے زخم پر مرہم لگا دی اور فرمایا، اے موسیٰ! آپ وہ
 علم جانتے ہیں جو میں نہیں جانتا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام علم شریعت میں خضر رضی اللہ عنہ سے دانا تر
 ہیں لیکن علم شریعت کا تعلق دنیاوی مصالح سے ہے اور خضر رضی اللہ عنہ علم حقیقت میں موسیٰ علیہ
 السلام سے دانا تر ہیں۔ علم باللہ چونکہ علم شریعت سے زیادہ اہم ہے اس لئے خضر رضی اللہ عنہ کی موسیٰ
 علیہ السلام پر فضیلت ظاہر ہے۔ وَظَهَرَ اِنَّمَا اور یہ ہی چیز امت محمدیہ میں ابار نخل والی حدیث میں
 ظاہر ہوتی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کو فرمایا اَنْتُمْ اَعْلَمُوْا بِمَصَالِحِ دُنْيَاكُمْ ثُمَّ اپنے دنیاوی
 مصالح میں دانا تر ہو اور اس میں کوئی شک نہیں کہ تحقیق ایک شے کا علم اُس شے کی بے علمی سے بہتر
 ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کی تعریف اس طرح کی ہے کہ تحقیق اللہ تعالیٰ ہر شے کو جانتے

والا ہے۔ پس تحقیق حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کیلئے اعتراف کیا کہ تحقیق وہ اپنے دنیاوی مصالح میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دانا تر ہیں کیونکہ تحقیق دنیاوی کاروبار کا علم ذوق و تجربہ سے حاصل ہوتا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس علم کے سیکھنے کیلئے فرصت نہیں ملی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا شغل نہایت ہی ضروری اُمور کیساتھ تھا۔ ضروری اُمور سے مراد علم باللہ ہے۔ پس اُسے طالبِ تحقیق میں نے تجھے ایک عظیم ادب کے متعلق آگاہ کیا۔ اگر تو اس ادب کو ملحوظ رکھے گا تو نفع پائے گا۔ مراد یہ ہے کہ کامل کے لئے یہ لازمی نہیں کہ اُس کو ہر فن میں تقدّم حاصل ہو۔ تقدّم کا تعلق ساتھ علم باللہ کے ہے۔ اگرچہ صحابہ رضی اللہ عنہم دنیاوی اُمور میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دانا تر تھے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو صحابہ رضی اللہ عنہم پر علم باللہ کی وجہ سے فضیلت حاصل ہے۔ ایسے ہی اگرچہ موسیٰ علیہ السلام علم شریعت میں خضر رضی اللہ عنہ سے دانا تر تھے لیکن خضر رضی اللہ عنہ کو موسیٰ علیہ السلام پر علم باللہ کی وجہ سے فضیلت حاصل ہے۔

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام مذہب سے واپس رسالت لیکر فرعون کے پاس آئے تو آپ نے فرعون سے کہا (فَقَدْ رَأَيْتُ مِنْكُمْ لَمَّا خِفْتُمْ فَوَهَبَ لِي رَبِّي حُكْمًا وَجَعَلَنِي مِنَ الْمُرْسَلِينَ)۔ فَقَدْ رَأَيْتُمْ مِنْكُمْ لَمَّا خِفْتُمْ کے اسرار آگے بیان ہو چکے ہیں۔ اب فَوَهَبَ لِي رَبِّي حُكْمًا وَجَعَلَنِي مِنَ الْمُرْسَلِينَ کے اسرار بیان کئے جاتے ہیں۔ (فَوَهَبَ لِي رَبِّي حُكْمًا) پس میرے رب نے مجھے حکومت بخشی۔ حکومت سے موسیٰ کی مراد خلافت تھی (وَجَعَلَنِي مِنَ الْمُرْسَلِينَ) اور حق تعالیٰ نے مجھے رسولوں میں سے گردانا۔ موسیٰ کی مراد اس سے رسالت تھی۔ یعنی موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو اشارہ کیا کہ میں خلیفہ بھی ہوں اور رسول بھی ہوں۔ ہر رسول خلیفہ نہیں ہوتا کیونکہ خلیفہ صاحبِ سیف و صاحبِ عزل و صاحبِ ولایت ہوتا ہے اور رسول کیلئے یہ چیز نہیں۔ رسول کا کام محض تبلیغ احکام ہے جو اُس تک نہ بھیجے جاتے ہیں۔ اور اگر کوئی رسول رسالت پر مقاتلہ کرے اور اُس کی یعنی رسالت کی تلوار سے نگہبانی کرے تو وہ رسول خلیفہ بھی ہے اور رسول بھی ہے۔ پس جیسا کہ ہر نبی رسول نہیں ہوتا ایسے ہی ہر رسول خلیفہ نہیں ہوتا یعنی ہر رسول کو ملک نہیں دیا جاتا جس میں وہ حکومت کرے۔ صاحبِ کتاب نبی کو رسول کہتے ہیں۔ پس موسیٰ علیہ السلام خلیفہ بھی تھے اور رسول بھی تھے۔

اب آیت کریمہ (قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ الْعَالَمِينَ) کے اسرار بیان کئے جاتے ہیں۔ اور لیکن فرعون کے سوال کرنے کی حکمت، جو اُس نے ماہیتِ الہیہ کے متعلق بقولہ (وَمَا رَبُّ الْعَالَمِينَ) کیا تھا،

یہ ہے کہ یہ فرعون کا سوال نادانی سے نہ تھا بلکہ بطور آزمائش تھا یعنی موسیٰ کے دعویٰ رسالت پر جو اسکو
منہ بانب الہی نصیب ہوئی تھی، فرعون موسیٰ کا جواب دیکھنا چاہتا تھا۔ اور تحقیق فرعون رسول کا علم باللہ
میں مرتبہ جانتا تھا اس لئے وہ موسیٰ کے جواب سے اس کے دعویٰ کی صداقت پر استدلال کرتا ہے۔ جملہ
رسل علیہم السلام اللہ تعالیٰ کی توحید کو سمجھتے ہیں۔ فرعون اگرچہ اسوقت کا فر تھا لیکن توحید میں اس کو
علم الیقین کا مرتبہ حاصل تھا یعنی وہ وحدت الوجود کا قائل تھا۔ رسل علیہم السلام عین الیقین اور حق الیقین
کے مراتب پر فائز ہوتے ہیں۔ فرعون نے جو آتاکم الّا علی کا دعویٰ کیا تھا وہ رعوت کی وجہ سے کیا تھا۔
خود وہ توحید کا قائل تھا۔ فرعون کے حاضرین یعنی درباری لوگ توحید سے ناواقف تھے۔ ان کا رب فرعون
ہی تھا۔ اس لئے فرعون نے جو سوال کیا تھا وہ بطور انہام کے کیا تھا یعنی وہ حاضرین کو غلطی اور شک میں
ڈالنا چاہتا تھا۔ مراد یہ ہے کہ فرعون نے سوال اس طرز پر کیا کہ حاضرین کو اس چیز کا شعور نہ ہو جو فرعون
کے دل میں اس کے سوال میں تھی۔ یعنی ذماتہ الغلیبین سے حقیقت میں تو فرعون کی یہ غرض تھی
کہ اگر موسیٰ علیہ السلام واقعی رسول ہیں تو ان کے جواب میں توحید کا انکشاف ہوگا اور یہ چیز ان کی
رسالت کی تصدیق کرے گی اور اگر وہ بہر توحید سے ناواقف نہ ہوں تو ان کا دعویٰ رسالت غلط ثابت ہو
جائیگا۔ لیکن فرعون نے سوال اس طرز پر کیا کہ حاضرین کو یہ شک نہ پڑے کہ فرعون بھی خود کسی اور خدا
خدا کا قائل ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا کہ اگر تم موقتین میں سے ہو تو وہ آسمانوں کا
اور زمینوں کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے، سب کا رب ہے بقولہ تعالیٰ (قَالَ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَ
الْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا اَنْ كُنْتُمْ مُّوقِنٰیْنَ)۔ جب موسیٰ نے فرعون کو ایسا جواب دیا جو علمائے باللہ جو
معرفت الہی کے جاننے والے ہیں، کے جواب کی مثل تھا تو فرعون پر موسیٰ کے دعویٰ رسالت کی صداقت
تو ثابت ہوگئی لیکن فرعون نے اپنے منصب کو باقی رکھنے کی خاطر یہ ظاہر کیا کہ تحقیق موسیٰ نے فرعون کو اس کے
سوال کا صحیح جواب نہیں دیا۔ پس حاضرین فرعون پر بوجہ ان کے فہم کے قصور کے یہ چیز ظاہر ہوئی کہ
فرعون موسیٰ سے زیادہ عالم ہے۔ اور اسی لئے جب موسیٰ نے فرعون کو جواب میں وہ چیز بیان کی جو
مناسب تھی اور وہ ظاہر میں سوال کا صحیح جواب نہ تھی، اور تحقیق فرعون جانتا تھا کہ موسیٰ سوائے جواب
مذکور کے اور کوئی جواب نہ دے گا تو فرعون نے اپنے اصحاب کو کہا (اِنَّ رَسُوْلَكُمْ الَّذِیْ اُرْسِلَ
اِلَیْكُمْ لَمَجْنُوْنٌ) کہ یہ رسول جو تمہاری طرف بھیجا گیا ہے البتہ مجنون ہے۔ فرعون نے موسیٰ علیہ السلام

سے اللہ تعالیٰ کی ماہیت یعنی کُنہ کے متعلق سوال کیا تھا کہ رَبِّ الْعَالَمِينَ کی کیا حقیقت ہے۔ چونکہ ذات حق کی کُنہ غیر مُذَرک ہے، اس لئے مُوسٰی علیہ السلام نے کُنہ ذات کے متعلق کوئی جواب نہ دیا بلکہ اُس ذات کے افعال و صفات کی طرف اشارہ کیا کیونکہ اللہ تعالیٰ کی یہی مناسب تعریف ہے اور کہا ذات حق وہ ہے جو آسمانوں اور زمینوں اور جو کچھ اُن کے درمیان ہے، کا پروردگار ہے یعنی آسمانوں اور زمینوں اور جو کچھ اُن کے درمیان ہے، سب کی صورتوں پر اُسی ذات واحد کا ظہور ہے۔ فرعون بھی جانتا تھا کہ اس کے بسوا اور کوئی جواب ہو سکتا ہی نہیں لیکن اپنے حاضرین پر یہ دکھانے کیلئے کہ مُوسٰی معرفت الہی سے بے خبر ہے اور فرعون مُوسٰی سے زیادہ عالم ہے، اُس نے اپنے اصحاب سے کہا کہ یہ رسول البیتہ مجنون ہے۔ مجنون جنون سے ہے جس کا معنی ستر یعنی چھپانا ہے۔ مُراد فرعون کی یہ تھی کہ اُس چیز کا علم جس کے متعلق میں نے سوال کیا تھا، اس رسول سے مستور یعنی پوشیدہ ہے کیونکہ ذات حق کی کُنہ اور حقیقت کو ہرگز کوئی جان نہیں سکتا۔ سابق میں جو مذکور ہوا کہ فرعون کا سوال اپنے اصحاب کے لئے بطور ایہام کے تھا، اُس سے مُراد یہ ہے کہ فرعون نے سوال ہی ایسا کیا جس کا جواب ہو سکتا ہی نہیں اور اس چیز کو فرعون خود بھی جانتا تھا لیکن حاضرین کو شک میں ڈالنا چاہتا تھا کہ مُوسٰی علیہ السلام کو معرفت الہی حاصل نہیں، اس لئے رسول بھی نہیں ہو سکتے۔ سوال تو صحیح ہے کیونکہ کُنہ ذات کے متعلق سوال مطلوب کی حقیقت کے متعلق سوال ہے اور ضروری ہے کہ وہ مطلوب اپنی ذات میں ایسی حقیقت پر ہو جو اُس کے غیر کو حاصل نہیں۔ یعنی ذات حق کی کُنہ یعنی حقیقت ایک ایسی حقیقت ہے جو مخلوق میں کسی کو حاصل نہیں لہذا اُس حقیقت کے متعلق سوال ہو سکتا ہے۔ بندہ اللہ تعالیٰ کی ذات کا ادراک کرتا ہے اور معاً اس چیز کا بھی ادراک کرتا ہے کہ اُس کی ذات غیر مُذَرک ہے بلکہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات کا ادراک کرتا ہے اور معاً اس بات کا بھی ادراک کرتا ہے کہ اُس کی ذات غیر مُذَرک ہے۔ اُس ذات کی کُنہ اور حقیقت نہ بندے کے حیطہ ادراک میں آ سکتی ہے نہ اللہ تعالیٰ کے حیطہ ادراک میں آ سکتی ہے کیونکہ اگر اُس ذات کی کُنہ بندے یا اللہ تعالیٰ کے حیطہ ادراک میں آ جاتے تو وہ ذات محدود ہو جاتی ہے حالانکہ وہ ذات لا محدود ہے۔ وَآلَہَا الذِّنِّیْنَ اِنَّہُمْ اور لیکن جن لوگوں نے حدود یعنی تعریف اشیاء کو جنس اور فِصْل سے مُرکب گردانا ہے، یہ اُس شے کیلئے ہے جس کا جنس اور فِصْل سے اشتراک ہے۔ مُراد یہ ہے کہ جب کسی شے کی تعریف کی جاتی ہے تو وضاحت کیلئے کہا جاتا ہے کہ فلاں شے، اس شے کی جنس ہے اور فلاں

شے سے یہ جدا ہے اور جس شے کے واسطے جنس ہی کوئی نہیں، لازمی ہے کہ وہ اپنی ذات میں ایسی حقیقت پر ہو جو اُس کے غیر کو حاصل نہیں۔ مراد یہ ہے کہ مخلوق میں سے ایک شے دوسری شے کی جنس ہوتی ہے اور کسی اور شے سے جدا اور متمیز ہوتی ہے لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ کے وجود سے علیحدہ کوئی شے ہی نہیں اس لئے نہ اُس کی کوئی جنس ہے اور نہ ہی وہ کسی شے سے جدا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کی حقیقت ایک ایسی حقیقت ہے جو اُس کے سوا کسی اور شے کو حاصل نہیں۔ نیز چونکہ اُس ذات کیلئے جنس و فصل کا اشتراک ثابت نہیں لہذا اللہ تعالیٰ کی ذات یعنی کُنہ کی تعریف ناممکن ہے۔ اہل حق و اہل علم صحیح و اہل عقل سلیم کے مذہب کے موافق فرعون کا سوال صحیح ہے یعنی چونکہ ذات حق کی کُنہ عوام الناس بلکہ خواص کے ادراک سے بھی بالاتر ہے اسلئے اس پر سوال ہو سکتا ہے یعنی اس میں اشارہ ہے کہ طالب مولا کو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر عاشق ہو، کشف کوئی کا طالب نہ بنے بلکہ کشف ذاتی کا طالب بنے۔ جب عاشق کُنہ ذات میں محو ہو جائیگا تو اپنی ہستی کو کھو بیٹھے گا اور یہی کمان ہے۔ جڑ گل کی حقیقت کو نہیں پاسکتا البتہ جڑ گل میں فنا ہو کر گل ہو سکتا ہے۔ قطرہ دریا کی حقیقت کو نہیں پاسکتا لیکن اگر قطرہ دریا کی حقیقت میں غواصی ہی نہ کرے تو قطرہ دریا میں محو نہیں ہو سکتا۔ جب قطرہ دریا کے ساتھ داخل ہو جاتا ہے تو قطرہ منزل مقصود پر پہنچ جاتا ہے۔ کُنہ ذات حق سے مراد مرتبہ احدیت ذاتیہ ہے۔ یہ صرافت ذاتی کا مرتبہ ہے۔ غیب الغیب اور بطون در بطون مرتبہ ہے۔ سقوط الاضافات کا مرتبہ ہے۔ اس مرتبہ میں اسماء و صفات کا ظہور نہیں ہے۔ اسماء و صفات اکہیہ اس مرتبہ میں بالقوہ مندرج ہیں۔ اب فرعون کا سوال کُنہ ذات حق کے متعلق تھا کہ عالمین کا رب کیا ہے یعنی رب العالمین کی کیا حقیقت ہے۔ چونکہ کُنہ ذات حق کی تعریف کَمَّا حَقَّقَ ممکن ہی نہیں، اس لئے اس سوال کا جواب سوائے اُس جواب کے جو موسیٰ علیہ السلام نے دیا، اور کوئی ہو سکتا ہی نہیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا کہ عالمین کا پروردگار وہ ہے جو آسمانوں اور زمینوں اور جو کچھ اُن کے درمیان ہے، کا رب ہے اگر تم موقنین ہو یَقُولِہُ تَعَالٰی (قَالَ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا اَنْ كُنْتُمْ مُّوَقِنِیْنَ)۔ اس جواب میں ایک بزرگبیر ہے کیونکہ موسیٰ نے فرعون کو تعریف کُنہ ذات حق کے سوال کا جواب فعل ذات حق کیساتھ دیا یعنی موسیٰ نے ذات حق کو اُس چیز کا عین گردانا جس کی طرف ذات حق کے ظہور کی اضافت ہے اور وہ صَوْرَہِ عَالَمِہِیں یا جو چیز صَوْرَہِ عَالَمِہِیں سے اُس ذات میں ظاہر ہوئی۔ گویا فرعون کے قول (وَمَا رَبُّ الْعَالَمِیْنَ) اور رب العالمین کیا

ہے، کے جواب میں موسیٰ نے کہا رب العالمین وہ ہے کہ اُس میں عالمین کی صورتیں ظاہر ہوتی ہیں
 علوی صورتیں آسمان میں، سفلی صورتیں زمین میں اور جو کچھ اُن کے درمیان ہے سب اُسی میں
 ظاہر ہوئے ہیں لیکن اس چیز کا مشاہدہ موقنین ہی کر سکتے ہیں۔ یا رب العالمین وہ ہے جو صورت
 عالمین کیساتھ ظاہر ہے۔ یعنی موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ وہ ذات آسمانوں، زمینوں اور جو کچھ
 اُن کے درمیان ہے، کی پرورش اپنے دُجود کے ساتھ کرتی ہے جیسے سیاہی حروف کی پرورش اپنے
 دُجود کے ساتھ کرتی ہے۔ مُراد یہ ہے کہ وہ ذات ہر اُقت ذاتی کے مقام سے تنزل کر کے عالمین کی
 صورتوں پر جلوہ آ رہا ہے جیسے بیج درخت کی صورت پر جلوہ آ رہا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ آسمانوں
 یعنی جمیع مراتب حقی وزمینوں یعنی جمیع مراتب خلقی اور جو کچھ اُن کے درمیان ہے یعنی برزخ جامع
 جناب محمد پاک صلی اللہ علیہ وسلم، سب کی صورتوں پر وہ ذات ہی جلوہ نما ہے لیکن اس حقیقت کا مشاہدہ
 وہ لوگ کرتے ہیں جو عین الیقین کے مرتبہ پر فائز ہیں۔ مومنین صرف علم الیقین کے مرتبہ پر فائز ہوتے
 ہیں، اُن کو اس حقیقت کا عینی مشاہدہ حاصل نہیں ہوتا۔ مراتب حقی سے مُراد احدیت، وحدت اور
 واحدیت ہے۔ مراتب خلقی سے مُراد عالم ارواح، عالم مثال اور عالم اجسام ہے۔ وَمَا بَيْنَهُمَا سے
 مُراد علو اور سفلی کے درمیان برزخ جامع یعنی حضرت انسان کامل جناب محمد پاک صلی اللہ علیہ وسلم
 جو جمیع مراتب حقی اور خلقی کے جامع ہیں، مُراد ہے۔ خاتم الرسل جناب محمد پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور
 خاتم الاولیاء جناب شیخ سید عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ ظہور غمضی سے قبل عالم ارواح میں تھے اور
 جملہ سابقہ انبیاء علیہم السلام کو علم شریعت حضور صلی اللہ علیہ وسلم پڑھاتے تھے اور علم معرفت حضرت
 غوث اعظم پاک رضی اللہ عنہ پڑھاتے تھے۔ یہ ہی وجہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے جواب میں بہتر کبیر ہے۔
 اس جواب پر فرعون نے اپنے اصحاب کو کہا کہ یہ رسول جو تمہاری طرف بھیجا گیا ہے اَلْبَتَّهٗ مَجْنُونٌ ہے
 یعنی اس سے ماہیت الہیہ پوشیدہ ہے يَقُولُہٗ تَعَالٰی (قَالَ اِنَّ رَسُوْلَکُمُ الَّذِیْ اُرْسِلَ اِیْکُمْ
 لَمَجْنُوْنٍ)۔ مجنون کے معنی آگے بیان کئے جا چکے ہیں۔ فرعون خود تو جانتا تھا کہ موسیٰ علیہ السلام کے
 اس جواب کے بغیر اور کوئی جواب ہو سکتا ہی نہیں لیکن اپنے اصحاب کو شک میں ڈالنے کیلئے ایسا کہا
 موسیٰ نے بیان میں زیادتی کی اور ایک اور جواب دیا تا کہ فرعون موسیٰ کا علم الہی میں رتبہ جان لے
 کیونکہ فرعون علم الہی یعنی علم توحید میں علم الیقین کا مرتبہ رکھتا تھا۔ موسیٰ نے کہا کہ رب العالمین وہ

ہے جو مشرق کا رب ہے و مغرب کا رب ہے اور جو اُن کے درمیان ہے کا رب ہے، اگر تم عقل جزوی کے صاحب ہو بقولہ تعالیٰ (قَالَ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَمَا بَيْنَهُمَا إِنَّ كُنْتُمْ تَعْقِلُونَ)۔ پس لاتے موسیٰ اُس چیز کو جو ظاہر ہے اور اُس چیز کو جو پوشیدہ ہے۔ مشرق سے مراد جاتے طلوع شمس احدیت ہے یعنی وہ ذات جو عالم شہادت کی صورتوں پر ظاہر ہے۔ مراد ربُّ الْمَشْرِقِ سے یہ ہے کہ وہ ذات محض مُشَبَّہ ہے۔ مغرب سے مراد جاتے غروب شمس احدیت ہے یعنی وہ ذات جو عالم غیب میں باطن ہے پس ربُّ الْمَغْرِبِ سے وہ ذات مراد ہے جو محض مُنْزَّہ ہے۔ اُس کے ظہور پر هُوَ الظَّاهِرُ اور اُس کے بطون پر هُوَ الْبَاطِنُ دال ہے بقولہ تعالیٰ (هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ)۔ وَمَا بَيْنَهُمَا اور جو کچھ اُن دونوں یعنی مشرق و مغرب کے درمیان ہے یعنی تشبیہ اور تنزیہ کے درمیان جتنے عقائد ہیں وہ سب کا رب ہے یعنی ہر عقیدہ کا وہ رب ہے بقولہ تعالیٰ (وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ)۔ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُونَ یعنی اگر تم اصحاب تَقْنِیْد ہو کیونکہ عقل ایک تَقْنِیْد ہے۔ مراد یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر تم عقل جزوی کے مالک ہو اور اپنی اپنی عقل کے مطابق اللہ تعالیٰ کو ایک خاص عقیدہ میں مُقْنِیْد کرنے والے ہو تو تم میں سے بعض اُس کو محض مُشَبَّہ جانتے ہو اور بعض محض مُنْزَّہ جانتے ہو اور پھر تشبیہ اور تنزیہ میں بھی تمہارے کئی عقائد ہیں۔ اور جوابِ اَوَّلِ مُؤْتَنِّین کا جواب تھا جو اہل کشف و وجدان ہیں، اسی لئے موسیٰ نے اُن کو کہا کہ اگر تم مُؤْتَنِّین ہو یعنی اہل کشف و وجدان ہو تو تحقیق میں نے تم کو اُس حقیقت سے آگاہ کیا جس کو تم اپنے مشاہدہ و وجدان میں یقین جانتے ہو اور اگر تم اس گروہ سے نہیں ہو تو میں نے تم کو جوابِ ثانی میں جواب دیا یعنی میرا جوابِ ثانی اہل عقل و تَقْنِیْد کیلئے ہے کیونکہ وہ لوگ عقلی دلائل سے اللہ تعالیٰ کو ایک ایک عقیدہ میں حصر کرتے ہیں جو اُن کو اُن کی عقل عطا کرتی ہے۔ پس موسیٰ نے دونوں وجہوں سے جواب دیا یعنی اللہ تعالیٰ کے بارہ میں عوام الناس کا عقیدہ بھی بیان کیا اور عارفین باللہ کا عقیدہ بھی بیان کیا تا کہ فرعون موسیٰ کی فضیلت اور صداقت کو جان لے۔ اور موسیٰ نے جان لیا تھا کہ تحقیق فرعون نے موسیٰ کی فضیلت اور صداقت کو جاننا تھا یا اب جانتا ہے کیونکہ فرعون نے یہ چیز جان کر ہی کُنہ ذات حق کے متعلق موسیٰ سے سوال کیا تھا۔ چونکہ موسیٰ نے جان لیا تھا کہ فرعون کا سوال لفظ مَا کیسا تھا (وَمَا رَبُّ الْعَالَمِينَ) متقدمین حکماء کی اصطلاح کے مطابق نہیں ہے اس لئے موسیٰ نے جواب دیا یعنی موسیٰ علیہ السلام نے جان لیا تھا کہ

فرعون کا سوال ذات حق کی ماہیت کے متعلق نہیں کیونکہ ماہیت الہیہ کا بیان کرنا ناممکن ہے لہذا موسیٰ علیہ السلام نے افعال اور صفات الہیہ کا ذکر فرمایا۔ اور اگر موسیٰ فرعون سے امر مذکورہ کے سوا کوئی اور چیز جانتا تو البتہ موسیٰ فرعون کی سوال میں خطا پکڑتا یعنی اگر موسیٰ علیہ السلام یہ جانتے کہ فرعون واقعی ماہیت الہیہ کے متعلق سوال کر رہا ہے تو آپ اُسی وقت فرعون کو فرماتے کہ یہ تمہارا سوال ہی غلط ہے کیونکہ ماہیت الہیہ کا ذکر انسانی ادراک سے بالاتر ہے :-

جب موسیٰ نے مستول عنہ یعنی اللہ تعالیٰ کو عالم کا عین گردانا تو فرعون نے موسیٰ کو اس سان تو حید کیساتھ خطاب کیا اور قوم فرعون یعنی اُس کے صاحبین ان اسرار سے ناواقف تھے پس فرعون نے موسیٰ کو کہا کہ اگر تُو نے میرے سوا کوئی اور معبود ٹھہرایا تو میں ضرور تجھ کو قید میں ڈالوں گا کَمَا قَالَ تَعَالَى (قَالَ لَيُبَيِّنَنَّ لَكَ مَا غَيْرِي لَأَجْعَلَ لَك مِنْ السَّجُونِ)۔ لفظ مَسْجُونِین سے مشتق ہے اور سجن میں حرف س حروف زوائد میں سے ہے۔ حروف زوائد صرف کی رُو سے دس ہیں سجن میں اگر سین زائد لیا جاوے تو باقی لفظ جن رہ جاتا ہے۔ جن بمعنی ستر اور پوشیدہ کے ہے یعنی میں تجھ کو البتہ عدم میں چھپاؤں گا یعنی ہلاک کروں گا۔ یعنی چونکہ تُو نے وہ چیز بیان کی ہے جو میرے دعویٰ الٰہیہ کی تائید کرتی ہے اور پھر تُو میرا انکار کرتا ہے اس لئے میں نے تجھ کو اس قول سے خطاب کیا ہے۔ مُراد فرعون کی یہ تھی کہ اے موسیٰ! جب تُو نے ممکنات عالم کو عین حق قرار دیا ہے تو میں بھی ایک ممکن ہوں لہذا میں بھی عین حق ہوں۔ اب اگر تُو میرا انکار کرے گا تو میں تجھے ہلاک کروں گا۔ اور اے موسیٰ! اگر تُو بھی مجھ پر یہ اعتراض کرے کہ جب کہ ذات واحدہ ہے تو تُو نے مجھ میں اور اپنے میں کیونکر فرق کیا لہذا اے فرعون! تُو نے جو مجھے قید کی وعید بتلائی، اس میں تحقیق تُو نے نادانی کی۔ اس کے جواب میں میں فرعون کہوں گا کہ میں نے ذات کے مراتب میں فرق کیا ہے وہ ذات متفرق نہیں ہوتی اور نہ ہی وہ ذات منقسم ہوتی ہے۔ میرا مرتبہ اس وقت حکومت کا ہے جو تجھے حاصل نہیں۔ اے موسیٰ! میں تجھ میں فعل اور تصرف کیساتھ حکم کر سکتا ہوں اور میں تیرا ذات کے اعتبار سے عین ہوں اور رتبہ کے اعتبار سے غیر ہوں۔ اس میں اشارہ ہے کہ ذات حق کے مختلف مراتب میں اور ہر مرتبہ کا ایک خاص حکم ہے اس لئے عارف کامل وہ ہے جو حفظ مراتب نگاہ رکھے۔ مُراد یہ ہے کہ اگرچہ ہر صورت پر ذات حق کا ظہور ہے لیکن مُسلم و کافر، نیک و بد، ادنیٰ و اعلیٰ میں تمیز کرے۔ فَلَمَّا فَلَاحَ الْآخِرُ جَبَّ مُوسَىٰ لَیْسَ

اُس حکم قید کو سمجھا تو موسیٰ نے فرعون کو اُس کے مرتبہ حکومت کا حق عطا کیا اور یہ نہ کہا کہ تقدیر علی ذلک
یعنی اسے فرعون! تو اس حکم کے جاری کرنے پر قادر نہ ہوگا۔ اور فرعون کا رتبہ اُس کیلئے اس امر پر شاہد
ہے کہ اُس کو ظاہری طور پر موسیٰ پر قدرت حاصل ہے اور اُس کو موسیٰ میں اُس قدرت کے اثر کے اظہار
کی بھی قدرت ہے کیونکہ اُس مجلس میں تحقیق حق تعالیٰ کے لئے رتبہ فرعون میں جو ظاہری صورت حق تعالیٰ
کی ہے، رتبہ موسیٰ پر حکومت حاصل ہے اگرچہ موسیٰ علیہ السلام کی صورت پر بھی حق تعالیٰ کا ظہور ہے یعنی
موسیٰ علیہ السلام کی صورت پر بھی حق تعالیٰ کا ظہور ہے اور فرعون کی صورت پر بھی حق تعالیٰ کا ظہور ہے لیکن مراتب ظہور
میں فرق ہے۔ فرعون کو اُس وقت ظاہری حکومت حاصل ہے اور موسیٰ علیہ السلام کو اُس مجلس میں ظاہری
حکومت حاصل نہیں۔ پس موسیٰ نے جواب میں وہ چیز بیان کی جو فرعون کو موسیٰ پر تعدی کرنے سے مانع تھی یعنی کہا کہ کیا اگر میں تیرے
پاس ایک روشن معجزہ لے آؤں تو بھی تو مجھ کو قید میں ڈالے گا کَمَا قَالَ تَعَالَى (قَالَ اَوْ لَوْ جِئْتُكَ بِشَيْءٍ
مُبِينٍ)۔ اس پر فرعون کیلئے سوائے اس بات کے اور کوئی گنجائش نہ رہی کہ وہ موسیٰ کو کہے کہ اگر تو سچا
ہے تو اُس معجزہ کو لے آ بَقَوْلِهِ تَعَالَى (قَالَ فَاَنْتَ بِهٖ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ) کیونکہ اگر وہ ایسا نہ کہتا
تو اُس کی قوم کے ضعیف العقل لوگ فرعون کو بے انصاف ٹھہراتے اور اُس کے دعویٰ ربوبیت میں شک
کرتے۔ اور یہ وہ گروہ ہے کہ فرعون نے اُن کی عقل کھودی اور انہوں نے اُس کی اطاعت کی، تحقیق وہ
لوگ بے حکم تھے کَمَا قَالَ تَعَالَى (فَاَسْتَخَفَّ قَوْمَهُ فَاَطَاعُوْهُ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ) فاسقین سے
یہ مراد ہے کہ وہ اُس حکم سے خارج ہیں و عقل صحیحہ کا ملہ عطا کرتی ہیں۔ مراد یہ ہے کہ عقل ضعیفہ والے لوگ
اللہ تعالیٰ کے متعلق یا تو محض تنزیہ کے قائل ہیں یا محض تشبیہ کے قائل ہیں۔ عقل کا ملہ والے لوگ تنزیہ
در تشبیہ اور تشبیہ در تنزیہ کے قائل ہیں یعنی تنزیہ اور تشبیہ دونوں کے جامع ہیں۔ فرعون کے مصاب
محض تشبیہ کے قائل تھے اور فرعون کے دعویٰ (اَنَا رَبُّكُمْ اِلَّا عَلٰی) کا انکار نہ کرتے تھے۔ عقل ضعیفہ کے
نزدیک فرعون کا یہ دعویٰ بسان ظاہر کیسا تھا تھا یعنی وہ اللہ تعالیٰ کو فرعون کے تعین میں حصر کرتے تھے
اسی لئے وہ کافر ہوئے۔ تحقیق عقل ضعیف ایک حد پر ٹھہر جاتی ہے کیونکہ اُس کے لئے ایک معین حد ہی
یعنی صاحب عقل ضعیف یا تو محض تنزیہ پر ٹھہر جاتا ہے یا محض تشبیہ پر ٹھہر جاتا ہے لیکن صاحب کشف
اور یقین اس سے آگے گذر جاتا ہے یعنی وہ تنزیہ اور تشبیہ دونوں کا جامع ہے اسی لئے موسیٰ نے جواب
میں وہ چیز پیش کی جو صاحب کشف و یقین بھی قبول کرے اور صاحب عقل ضعیف بھی قبول کرے جواب

اَدَل مُوقِنِینَ کیلئے تھا اور جواب ثانی اصحابِ عقول ضعیفہ کیلئے تھا۔ (فَاتَّقُوا عَصَا) یعنی جب فرعون نے
 موسیٰ علیہ السلام سے معجزہ طلب کیا تو آپ نے اپنا عصا ڈال دیا۔ عصا سے مراد اُس چیز کی صورت ہے جسکے
 سبب فرعون نے موسیٰ کی نافرمانی کی اور موسیٰ کی دعوت قبول کرنے سے انکار کیا یعنی عصا سے مراد نفس
 امارہ ہے جو برائی کا حکم دیتا ہے۔ جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنے عصا کو زمین پر پھینک دیا یعنی نفس امارہ
 کو ترک کر دیا (فَاِذَا هِيَ تَعْبَانُ مُبِينٌ) تو وہ شعبانِ مبین یعنی ظاہر اثر دہا بن گیا یعنی جب نفس امارہ کی
 مخالفت کی تو وہ ترقی کر کے نفسِ مطمئنہ بن گیا۔ نفسِ مطمئنہ غیریت کے مہومات اور متخیلات کو نگل جاتا
 ہے پس معصیت جو گناہ ہے طاعت یعنی نیکی میں تبدیل ہو گئی کَمَا قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی (فَاُولٰٓئِكَ يَبْدِلُ
 اللّٰهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ) اللہ تعالیٰ اُن لوگوں کے سیئات کو حسنات کے ساتھ تبدیل کر دیتا ہے یعنی حکم
 میں مراد یہ ہے کہ اُن لوگوں کی سیئات حسنات کا حکم رکھتی ہیں۔ اس میں اشارہ ہے کہ فانی فی اللہ اور
 باقی باللہ اولیاء اللہ کا ہر فعل فعلِ الہی ہے اس لئے اُن کی سیئات حسنات کا حکم رکھتی ہیں جیسا کہ خضر
 علیہ السلام کا کشتی بھاڑنا اور مصوم بچہ کو قتل کرنا عینِ اطاعت تھا۔ پس اس جگہ بھی عینِ یہی حکم ظاہر
 ہوا یعنی جیسا کہ سیئات کا حکم حسنات کا ہو جاتا ہے ایسے ہی نفس امارہ کا حکم نفسِ مطمئنہ کا ہو جاتا ہے یعنی نفس
 امارہ ہی ترقی کر کے نفسِ مطمئنہ ہو جاتا ہے۔ اس کی مثال ایسے ہے جیسے ایک راہزن تو بہ کر کے ولی ہو
 جاتا ہے۔ شخص ایک ہی ہے پہلے چور تھا پھر ولی ہو جاتا ہے۔ ایسے ہی نفس امارہ اور نفسِ مطمئنہ روح
 کے ہی دو نام ہیں۔ نفس امارہ ترقی کر کے نفسِ مطمئنہ بن جاتا ہے لیکن اگرچہ دونوں کا جوہر اور ذات واحد
 ہے لیکن دونوں آپس میں صفات متضادہ کے باعث متمیز ہیں۔ پس موسیٰ علیہ السلام کا عصا عصا بھی ہے
 اور ظاہر اثر دہا بھی ہے یعنی جب طالبِ خدا اپنے عصا کو زمین پر پھینک مارتا ہے تو وہ عصا اثر دہا بن
 جاتا ہے۔ مراد یہ ہے کہ جب درویشِ نفس امارہ کو کچل دیتا ہے تو اُس میں صفات کا ملہ الہیہ کا ظہور ہو
 جاتا ہے۔ نفس امارہ کے ساتھ وہ عاجز اور حقیر ہوتا ہے اور نفسِ مطمئنہ کے ساتھ وہ
 صاحبِ کُن فقیر ہو جاتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ اُس کو قُوَّتِ تکوین عنایت کر دیتا ہے۔ فَاَتَقَهَ
 اَنۡ يُّسَـٰءِدَ عَصَاہُ مُوسٰی جب اثر دہا بنا تو اپنے امثال کو نگل گیا یعنی ساحرین کے سانپوں کو بہ سبب
 سانپ ہونے کے نگل گیا اور ساحرین کے عصاؤں کو بہ سبب عصا ہونے کے نگل گیا۔ مراد یہ ہے کہ عصا
 موسیٰ کی چونکہ دو صورتیں تھیں، عصا بھی اور اثر دہا بھی، اس لئے ساحرین کے عصا اور سانپ اُس کی مثل

تھے اور قدرت الہی سے وہ اپنی مثل کتنی گنا زیادہ غصا اور سانپ بگل گیا اور اُس کا پیٹ نہ پھولا۔ آخر میں
 وہی غصا کا غصا تھا۔ یہ سب موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ سے قدرت الہی کا ظہور ہوا پس موسیٰ کی محبت فرعون
 کی تجتوں پر جو غصاؤں و سانپوں اور رسیوں کی صورتوں میں تھیں، غالب آتی۔ ساحروں کے پاس رسیاں
 تھیں اور موسیٰ کے پاس کوئی رسی نہ تھی۔ جیل سے مراد ریت کا تودہ صغیر ہے یعنی ساحروں کے مراتب موسیٰ
 کے مرتبہ کی بہ نسبت ایسے تھے جیسے ریت کے صغیر تودے بلند پہاڑوں کی بہ نسبت ہوتے ہیں۔ پس جب
 ساحروں نے یہ معجزہ دیکھا تو موسیٰ کا معرفت الہی میں رتبہ جان لیا۔ نیز یہ بھی جان لیا کہ جو معجزہ انہوں
 نے دیکھا ہے وہ بشر کی طاقت نہیں ہے اور اگر اس معجزہ کو بشری مقدور کی طرف مضاف کیا جائے تو یہ
 اُس شخص کیلئے ہوگا جس کو علم محقق اور تخیل و ایہام میں تمیز حاصل ہے۔ یعنی ایسا معجزہ اُس شخص سے
 صادر ہو سکتا ہے جس کو معرفت الہی کا کمال حاصل ہو اور اُس کا علم تخیل و ایہام سے بالاتر ہو۔ عام انسانوں
 کا اللہ تعالیٰ کے متعلق عقیدہ ایک خیال ہے جو شک پر مبنی ہے لیکن انبیاء کرام کو معرفت الہی میں عین
 الیقین اور حق الیقین کے مراتب حاصل ہوتے ہیں۔ اس معجزہ کو دیکھ کر وہ ایمان لے آئے کَمَا قَالَ تَعَالَى
 (قَالُوا آمَنَّا بِرَبِّ الْعَالَمِينَ رَبِّ مُوسَى وَ هَارُونَ) جادوگر بولے، ہم رب العالمین پر ایمان لاتے جو
 موسیٰ و ہارون کا رب ہے یعنی وہ رب جس کی طرف موسیٰ اور ہارون علیہما السلام دعوت کرتے ہیں
 کیونکہ اُن ساحروں کو اس امر کا علم تھا کہ تحقیق قوم فرعون اس بات کو جانتی ہے کہ موسیٰ نے فرعون کی
 طرف دعوت نہ کی۔ اور چونکہ فرعون اپنے وقت میں حکومت کے منصب پر فائز تھا اور خلیفہ بالسیف
 بھی تھا اگرچہ وہ شریعت کی رو سے ظالم تھا، اسی لئے اُس نے کہا (اِنَّا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰی) میں تم سب
 سے اعلیٰ رب ہوں۔ مراد اُس کی یہ تھی کہ اگرچہ ایک وجہ سے تمامی لوگ ارباب ہیں لیکن میں اُن
 سب سے اعلیٰ ہوں کیونکہ مجھے بظاہر اُن میں حکومت عطا کی گئی ہے۔ یعنی اگرچہ تم سب لوگ اللہ
 تعالیٰ ہی کے مظاہر ہو لیکن میں تم سب سے اعلیٰ مظہر حق ہوں کیونکہ مجھے تم سب پر بظاہر حکومت
 حاصل ہے۔ جب ساحروں نے فرعون کے اس قول کی صداقت کو جان لیا تو انہوں نے اس قول
 کا انکار نہ کیا بلکہ اقرار کیا، اسی لئے جب فرعون نے اُن کو اُن کے ہاتھ پاؤں کاٹنے کا حکم سنایا تو انہوں
 نے کہا (فَاَقْضِ مَا اَنْتَ قَاضٍ اِنَّمَا تَقْضِيْ هٰذِہِ الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا) پس تو حکم کر جو کچھ تو حکم کر نیوالا
 ہے، سوائے اس کے نہیں کہ تو اس حیات دُنیا کے بیچ حکم کرتا ہے کیونکہ تیرے لئے حکومت ہے پس

فرعون کا قول (اَنَارُبُكُمْ اِلَّا عَلٰی) صحیح ہوا کیونکہ اگرچہ فرعون حقیقی کا عین تھا لیکن ظاہری صورت فرعون کے واسطے تھی۔ یعنی اگرچہ یہ کلام بھی اللہ تعالیٰ کی کلام تھی لیکن چونکہ فرعون کی زبان سے صادر ہوئی اس لئے فرعون کی طرف منسوب ہوئی۔ لہذا ساحر دلوں کے ہاتھ پاؤں کاٹے گئے اور ان کو سولی چڑھایا گیا یعنی حق نے صورتِ باطل میں ان کو سولی چڑھایا۔ مراد یہ ہے کہ ساحر دلوں کو سولی چڑھانے کا فعل منجانبِ الہی تھا لیکن اس حکم کا اجرا صورتِ باطل یعنی صورتِ فرعون سے ہوا۔ فرعون نے سمجھا کہ یہ حکم اُس کا ہے حالانکہ یہ حکم اللہ تعالیٰ کا تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ کی منشاء یہ تھی کہ ساحرین مراتبِ شہادت حاصل کریں اور اس فعل یعنی سولی چڑھانے کے بغیر وہ یہ مراتب حاصل نہیں کر سکتے تھے۔

جادوگر بغیر سولی چڑھنے کے مراتبِ شہادت حاصل نہیں کر سکتے تھے کیونکہ کوئی جزا بغیر عمل کے نصیب نہیں ہو سکتی۔ عمل یا فعل ہی جزا کیلئے سبب ہوتا ہے۔ نیز اسبابِ ہرگز مُعطل نہیں ہو سکتے کیونکہ اعیانِ ثابتہ اُن اسباب کے مُقتضی ہیں یعنی ہمارے اعیانِ ثابتہ نے زبانِ استعداد سے حقیقی سے کوئی چیز طلب کی تو حقیقی نے اپنے علم میں اُس چیز کے حصول کیلئے اسباب مہیا کر دیئے۔ اب اُن علمی اسباب کا ظہور خارج میں ہونا ضروری ہے تاکہ وہ مطلوبہ چیز خارج میں حاصل ہو۔ اعیانِ ثابتہ کا خارج میں ظہور اُسی صورت میں ہوگا جس صورت میں وہ مرتبہ علمی میں ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کے کلمات تبدیل نہیں ہو سکتے یَقُولِہُ تَعَالٰی (لَا تَبْدِلُ یَٰلَہٗٔ اِلٰہِیۡکُمۡتِ اللّٰہُ)۔ اللہ تعالیٰ کے کلمات سے مراد موجودات خارجی کے اعیانِ ثابتہ ہیں۔ موجودات باعتبار وجود علمی کے قدیم ہیں اور باعتبار وجود خارجی اور ظہور کے حادث ہیں یعنی ہر شے کے دو وجود ہیں۔ ایک ظاہری خارجی وجود، دوسرا علمی وجود۔ علمی وجود کی رُو سے ہر شے قدیم ہے اور خارجی وجود کی رُو سے ہر شے حادث ہے۔ مراد یہ ہے کہ ہر شے قبل از خارجی ظہور مرتبہ علمی میں موجود تھی جیسا کہ تو کہتا ہے کہ آج ہمارے ہاں ایک انسان یا ایک مہمان نیا وارد ہوا ہے۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ تیرے گھر وارد ہونے سے قبل اُس مہمان کا وجود کوئی نہ تھا اسی لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اپنی بزرگ کلام کو باوجود دنیا میں نئے نزول کے قدیم ثابت کیا ہے کَمَا قَالَ تَعَالٰی (مَا یَا تِیْہِمۡمۡ مِّنۡ ذِکْرِ مِّنۡ دَرَجَۃٍ مَّحْدُثٍ اِلَّا اَسْتَمَعُوۡا وَّہُمۡ یَلْعَبُوۡنَ) (وَمَا یَا تِیْہِمۡمۡ مِّنۡ ذِکْرِ مِّنۡ السَّحَابِیۡنَ مَحْدُثٍ اِلَّا کَاَنُوۡا عِنۡتَہُ مُعْرِضُوۡنَ) انکے پردردگار کی طرف سے اُن کے پاس کوئی ذکر نیا اور حادث نہیں آتا ہے مگر وہ اُس کو کھیلتے ہوئے

سُنّتے ہیں، اور رحمن کی طرف سے اُن کے پاس کوئی ذکر نیا اور حادث نہیں آتا ہے مگر وہ اُس سے اعراض کرنے والے ہوتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ نے اشارتاً اس امر کی صراحت فرمادی ہے کہ قرآن مجید قبل از نزول اللہ تعالیٰ کے علم قدیم میں موجود تھا لہذا کلام الہی قدیم ہے۔ وَاللّٰهُ خَلَقَ النَّاسَ وَارْحَمَهُمْ لَئِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْا اَمْرًا مِّنْهُ لَعَلَّكُمْ تَرْحَمُوْنَ اور رحمن نہیں لاتا ہے کچھ مگر رحمت یعنی قرآن مجید کے جملہ احکام سب رحمت ہی رحمت ہیں۔ اگر کسی حکم میں کوئی غضب موجود ہے تو اُس میں بھی رحمت پوشیدہ ہے۔ اگر کوئی شخص کسی ایک حکم قرآنی سے بھی منہ پھیرے گا تو وہ رحمت سے اعراض کرنے والا ہوگا اور جس نے رحمت سے اعراض کیا اُس کو عذاب پیش آئیگا کیونکہ عذاب ہند رحمت ہے۔ نیز اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ بندہ پر نازل کرتا ہے وہ رحمت ہی رحمت ہے۔ ساحرین کا سُولی پر چڑھانا بھی رحمت ہی تھا کیونکہ اس فعل کی بدولت انہوں نے مراتب شہادت حاصل کئے۔ مراد یہ ہے کہ مومن کو چاہیے کہ رضا بالقضاء کا مقام حاصل کرے۔ جو کچھ اللہ تعالیٰ بندہ پر غیب سے بھیجتا ہے اُس میں بندہ کی بہتری مقصود ہوتی ہے۔ جو کوئی تقدیر الہی کے سامنے جزع جزع کرتا ہے وہ حقیقت میں رحمت سے اعراض کرتا ہے اور عذاب الہی میں گرفتار ہو جاتا ہے۔

وَاَمَّا قَوْلُهُ اِنَّ سَابِقَ فِيْهِ مَذْكُوْرٌ ہوا تھا کہ فرعون کا ایمان سلامت ہے جیسا ارشاد ہوا فَخَبَّرْنَاهُ طَاهِرًا وَمُطَهَّرًا لِّیْسَ فِیْهِ شَیْءٌ مِّنَ الْخُبْرِ کَاَنَّہُ قَبَضْنَاهُ عِنْدَ اٰیٰتِنَا مِنْ قَبْلِ اَنْ یَّکْتَسِبَ شَیْئًا مِّنَ الْاِثْمِ۔ یہاں اُن علماء کی تردید بیان کی گئی ہے جن کے نزدیک فرعون کا ایمان ایمانِ یاس ہے جو نافع نہیں ہے اور وہ مندرجہ ذیل آیات پیش کرتے ہیں (فَلَوْ یَّکُ یَنْفَعُهُمْ اٰیٰتُنَا مِمَّا رَاَوْا بَا سُنَّتِ اللّٰهِ الَّتِیْ قَدْ خَلَتْ فِیْ عِبَادِہٖ وَخَسِرَ هٰذَا لَکَ الْکُفْرُوْنَ) پس نہ تھا کہ اُن کو اُن کا ایمان نفع کرتا جب انہوں نے ہمارا عذاب دیکھا، یہ اللہ تعالیٰ کی رسم پڑی ہوئی ہے جو اُس کے بندوں میں چلی آتی ہے اور کافر اس جگہ خراب ہوتے۔ (اِنَّ الَّذِیْنَ حَقَّتْ عَلَیْہُمْ کَلِمَتُ رَبِّکَ لَا یُؤْمِنُوْنَ وَکُوْجَاوَتْہُمْ کُلُّ اٰیۃٍ حَتّٰی یَرَوْا الْعَذَابَ الْاَلِیْمَ فَلَوْ کَا کَانَتْ قَرِیۃً اٰمَنَتْ فَنَفَعَهَا اٰیٰتُنَا اِلَّا قَوْمَ یُوشَیْسَ اٰمَنُوْا کَشَفْنَا عَنْہُمْ عَذَابَ الْخِزْرِ فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَمَتَّعْنٰہُمْ اِلٰی حَیٰیۃٍ) جن پر تیرے رب کی بات ٹھیک آتی وہ نہ مانیں گے اور اگرچہ اُن کو ساری نشانیاں پہنچیں جب تک عذاب الیم نہ دیکھیں۔ سو کیوں کوئی بستی نہ ہوتی کہ ایمان لاتی پھر اُن کا

ایمان لانا کام آتا، مگر یونس کی قوم کہ جب ایمان لائے تو ہم نے اُن پر سے ذلت کا عذاب دُنیا کی حیات میں کھول دیا اور اُن کا ایک وقت تک کام چلایا۔ ہمارے نزدیک اَوّل چیز یہ ہے کہ فرعون کا ایمان ایمانِ باس نہیں ہے اور اگر یہ تقدیر ایمانِ باس ہے تو یہ آیات اس امر پر دلالت نہیں کرتیں کہ ایمانِ باس آخرت میں بھی نافع نہیں ہے۔ ان آیات کا یہ مفہوم ہے کہ ایمانِ باس دُنیا میں نافع نہیں یعنی ایمانِ باس دُنیا میں مواخذہ کو دفع نہیں کرتا مگر ایمانِ باس آخرت میں نافع ہے۔ نیز یہ قاعدہ کلیہ بھی ثابت نہیں کیونکہ یونس کی قوم کو ایمانِ باس نے دُنیا میں ہی نفع پہنچا دیا اور اُن سے مواخذہ دفع کر دیا گیا۔ البتہ بالعموم ان آیات سے اللہ تعالیٰ کی مراد یہ ہی ہے کہ ایمانِ باس دُنیا میں مواخذہ کو دفع نہیں کرتا، اسی لئے فرعون باوجود ایمانِ صحیح کے ماخوذ ہوا۔ فرعون کے باوجود ایمانِ صحیح کے ماخوذ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ جب فرعون ربّ تعالیٰ پر ایمان لے آیا تو کفر و شرک کی نجاست سے پاک ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اُسی پاکی کی حالت میں اُس کی رُوح قبض کر لی تاکہ وہ طاہر اور مُطہّر آخرت کی طرف جاتے۔ اگر وہ بدن کی سلامتی کیساتھ واپس دُنیا میں بھیجا جاتا تو شاید وہ سیّات میں مُلوّث ہو جاتا۔ پس فرعون کے حق میں یہ مواخذہ نہیں بلکہ رحمت ہے۔ ایمانِ فرعون کا ایمانِ باس ہونا اُس تقدیر میں ہے اگر فرعون کا حال اُس شخص کی مثل ہو جو اپنی موت کا یقین کر کے اُسی ساعت میں ایمان لاتا ہے لیکن قرینہ حال یہ بات عطا کرتا ہے کہ ایمان لانے کے وقت فرعون کو ہرگز اپنی موت کا یقین نہ تھا کیوں کہ جب اُس نے مومنین یعنی بنی اسرائیل کو اُس خشک راہ میں چلتے دیکھا جو موسیٰ کے عصاء کی ضرب سے دریا میں ظاہر ہوا تھا، تو بنی اسرائیل کے ربّ پر ایمان لے آیا۔ پس اُس کے ایمان لانے کا باعث یہ مُعجزہ تھا۔ مُعجزات تو اُس نے پہلے بھی بہت دیکھے تھے لیکن اس انفلاق البحر والے معجزہ کو دیکھ کر اس قدر متاثر ہوا کہ ایمان لے آیا۔ حقیقت میں یہ اللہ تعالیٰ کا ہی فضل تھا کہ اُس کو ایمان کی توفیق بخشی۔ اور جب وقت فرعون ایمان لایا تھا اُس وقت اُس نے اپنی ہلاکت کا یقین نہ کیا تھا اس لئے اُس کی حالت مُختَصِر کے خلاف ہے۔ مُختَصِر وہ شخص ہوتا ہے جو قریب الموت ہو پس فرعون مُختَصِر کیساتھ لاحق نہ کیا جائیگا۔ جب بنی اسرائیل دریا سے پار ہو گئے اور فرعون و فرعون کے لشکر شرارت سے پیچھے لگے تو فرعون یہ مُعجزہ دیکھ کر خیرت کے دریا میں غرق ہو گیا اور اُس پر استغراق اور محویت کا عالم طاری ہو گیا۔ سابقہ ازلی نے یاد دہانی کی اور اسی حیرانگی میں ایمان لے آیا بِقَوْلِهِ تَعَالٰی (وَجَاوَزْنَا بِبَنِي إِسْرَآئِيلَ الْبَحْرَ

فَاتَّبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ وَجُنُودُهُ كَافُغًا وَكَذَّابًا حَتَّىٰ إِذَا آذَرَكَهُ الْغَرَقُ قَالَ آمَنْتُ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا الَّذِي آمَنْتُ بِهِ بَنُو إِسْرَائِيلَ وَآمَنَ الْمُسْلِمُونَ)۔ فرعون نجات کے یقین پر ایمان لایا یعنی جب اُس نے اپنی آنکھوں سے معائنہ کیا کہ بنی اسرائیل دریا سے پار ہو گئے ہیں تو وہ بھی اُسی رب پر ایمان لایا جو بنی اسرائیل کا رب تھا۔ مراد فرعون کی یہ تھی کہ جس رب نے بنی اسرائیل کو دریا سے پار کیا ہے وہ مجھے بھی پار کر دیگا۔ اُسکو اللہ تعالیٰ پر یقین محکم تھا کہ وہ فرعون کو بھی پار کر دیگا۔ پس فرعون کو اپنی ہلاکت کا شک بھی نہ گذر لہذا فرعون کا ایمان ایمان صحیح ہے نہ کہ ایمان باس۔ چونکہ فرعون کا اللہ تعالیٰ نے اُس کے گمان کے مطابق اُس کو نجات دی گمراہی کے احادیث القدریہ آقا عند ظن عبیدی فلیظن بیتی ما شاء۔ پس اُس کے یقین کے مطابق اُس کو نجات حاصل ہو گئی لیکن نجات کی صورت اُس صورت کے خلاف تھی جس کا فرعون نے ارادہ کیا تھا یعنی فرعون کو دنیوی نجات کی طلب تھی۔ وہ چاہتا تھا کہ بنی اسرائیل کی طرح وہ بھی دریا سے صحیح سلامت پار ہو جائے لیکن حکیم مطلق کا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اُس پر کرم کیا اور اسلام لانے کے بعد فوراً ہی اُس کی رُوح قبض کر لی تاکہ وہ ظاہر اور مظہر اپنے رب کی طرف لوٹے پس اللہ تعالیٰ نے اُس کی رُوح کو عذاب آخرت سے نجات دی اور اُس کے بدن کو غرق ہونے سے نجات دی گمراہی کا قال تعالیٰ (فَالْيَوْمَ تُجْزَىٰ بِبَدَنِكَ لَتَسْكُوتَ بِمَنْ خَلَقْتَ آيَةً وَ إِنَّ كَثِيرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ آيَاتِنَا لَغَفُلُونَ)۔ جب فرعون رب تعالیٰ پر ایمان لے آیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اگرچہ تو اس سے پہلے بے حکم رہا اور فساد کرتا رہا لیکن چونکہ (وَدَحْمَتِي وَ سَعَتُ كُلِّ شَيْءٍ) اس لئے آج کے دن ہم تیرے بدن کو ہلاکت اور غرق ہونے سے نجات دیں گے تاکہ تو بعد والوں کے لئے ہماری رحمت کی نشانی بنے، بہت لوگ ایسے ہیں جو ہماری نشانیوں سے غافل ہیں۔ فرعون کا جسم آج تک مثل انبیاء علیہم السلام کے مصر کے عجائب گھر میں قائم و دائم ہے۔ ایک عام جسم گل سڑ جاتا لیکن اُس کے بدن پر رحمت الہی کی بارش ہوتی، اس لئے وہ آج تک سلامت ہے بلکہ اُس کا جسم قیامت تک سلامت رہے گا۔ اللہ تعالیٰ علام الغیوب ہے۔ وہ جانتا تھا کہ اکثر مسلمان فرعون کے ایمان پر شک کریں گے، اس لئے ارشاد فرمایا کہ اے فرعون کے ایمان پر شک کرنے والو! تم فرعون کے ایمان کے متعلق یہود و نصاریٰ سے دریافت کر لو۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حق بات نازل ہوتی ہے، اس لئے تم بہترین امت بنو اور ان لوگوں میں سے مت بنو جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی آیات کو جھٹلایا اور گھاٹا پانے والے رہے گمراہی

قَالَ تَعَالَى (فَإِنْ كُنْتَ فِي شَكٍّ مِّمَّا أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ فَسْئَلِ الَّذِينَ يَقْرَأُونَ الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكَ
 لَقَدْ جَاءَكَ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِينَ وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِ
 اللَّهِ فَتَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ)۔ اگر فرعون کا جسد بھی لشکر یوں کے اجساد کیساتھ ہلاک اور غرق ہو جاتا تو
 اُس کی قوم کے اکثر لوگ کہتے کہ وہ چھپ گیا یعنی اُس کا ایمان لانا ظاہر نہ ہوتا لہذا فرعون کی نقش اُسی
 صورتِ معبودہ کیساتھ ظاہر ہوتی تاکہ معلوم ہووے کہ تحقیق فرعون یہی ہے پس ثابت ہوا کہ فرعون کو
 نجات جستی و معنوی نصیب ہوئی۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے اُس کی نقش کو ذرا آنچ نہ آنے دی اور اُسی اصل
 صورت میں دریا سے باہر اپنی قدرت کاملہ سے کنارے پر صحیح و سلامت رکھ دیا تاکہ لوگ اللہ تعالیٰ کی حُریت
 کا نظارہ کریں کہ ایک شخص باوجود ساری عمر حکم عدولی کرنے کے اگر آخر وقت بھی ایمان لے آئے تو اللہ
 تعالیٰ چاہے تو اُس کو مثل انبیاء علیہم السلام کے زندہ جاوید کر دے۔ نیز آیات (إِنَّ الَّذِينَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ
 كَلِمَةُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ دَلِيلًا أَنْ جَاءَهُمْ كُلُّ آيَةٍ حَتَّى يَسْأَلُوا الْعَذَابَ الْآلِئِمَّ) وہ لوگ کہ اُن پر عذاب
 آخرت ثابت ہوا ایمان نہیں لاتے ہیں اگرچہ اُن کے پاس ہر قسم کی نشانی آوے حتیٰ کہ وہ عذاب الیم
 دیکھیں یعنی وہ عذاب آخرت چکھیں، اس بات پر دال ہیں کہ اذلی بد نصیب لوگ جن کیلئے عذاب آخرت
 ثابت اور مُقدّر ہے ہرگز ایمان نہیں لاسکتے خواہ وہ کتنے معجزات دیکھیں۔ فرعون چونکہ ایمان لایا اس لئے
 وہ اس گروہ سے خارج ہے یعنی وہ اس گروہ سے جن کیلئے عذاب آخرت مُقدّر ہے خارج ہے لہذا
 فرعون کا ایمان صحیح ثابت ہوا۔ جو کچھ ہم نے فرعون کے ایمان کے متعلق کہا ہے یہی ظاہریات ہے جسکے
 موافق قرآن مجید میں آیات بلیغات وارد ہوئی ہیں۔ پھر اس تحقیق کے بعد ہم کہتے ہیں کہ اس معاملہ میں امر
 ہدایت اللہ تعالیٰ ہی کی طرف ہے یعنی اللہ تعالیٰ ہی لوگوں کو ہدایت کر سکتا ہے کیونکہ
 عوام الناس کے دلوں میں یہ چیز قرار پکر گئی ہے کہ فرعون شقی ہے حالانکہ اُن کے پاس فرعون
 کی شقاوت کے متعلق کوئی مستند نص نہیں ہے۔ اور لیکن اُس کے تابعین کیلئے دوسرا حکم ہے یعنی وہ
 سب شقی ہیں۔ اُن کے ذکر کا یہ مقام نہیں ہے۔

ثُمَّ إِنَّ اس حکہ مختصر اور غیر مختصر کی اموات میں فرق بیان کیا گیا ہے۔ پہلے مختصر یعنی بیمار قریب
 الموت کا ذکر ہے۔ پھر چاہیے کہ یہ بات جانی جائے کہ اللہ تعالیٰ کسی کی بھی رُوح قبض نہیں کرتا مگر اُس
 حال میں کہ وہ مومن ہے یعنی جو چیز اخبار الہیہ لاتے ہیں اُن کا تصدیق کر نیوالا ہے اور مقبوض مذکور سے

میری مراد وہ شخص ہے جو مختصرین سے ہے۔ یعنی بیمار قریب الموت کے دل سے پردہ اٹھا دیا جاتا ہے۔ وہ احوال آخرت یعنی جنت، دوزخ اور ملائکہ وغیرہ کا مشاہدہ کر لیتا ہے اور اُس کے بعد اُس کی روح قبض کی جاتی ہے پس وہ مومن ہو کر دنیا سے جاتا ہے۔ اب غیر مختصر کا بیان شروع ہوتا ہے۔ اور اسی لئے مرگ مفاجات اور کسی کا حالت غفلت میں قتل ہونا مکروہ ہے یعنی مرگ مفاجات اور قتل غفلت کی صورت میں انسان آخرت کے احوال دیکھے بغیر ہی مر جاتا ہے اس لئے اگر وہ کافر ہے تو کفر کی حالت میں مرا اور اگر وہ مسلمان ہے تو بھی اُس نے احوال آخرت کا مشاہدہ نہ کیا یعنی وہ بھی خسارے میں رہا۔ وہ بھی مومن ہو کر نہ مرا بلکہ مسلم ہو کر مرا۔ مسلم وہ ہے جس کا ایمان بالغیب ہے اور اُس کو اخبارِ الہیہ کا مشاہدہ حاصل نہیں مومن وہ ہے جس کا ایمان بالمشاہدہ ہے اور اُس کیلئے اخبارِ معائنہ ہو گئی ہیں۔ اور لیکن مرگ مفاجات کی تعریف یہ ہے کہ اندر کی سانس خارج ہووے اور باہر کی سانس نہ داخل ہووے پس یہ اچانک موت ہوتی ہے مثلاً دل کی دھڑکن کا اچانک بند ہو جانا اور ایسا شخص غیر مختصر ہے۔ اور ایسا ہی حال اُس شخص کا ہے جو غفلت میں قتل کیا جائے یعنی پیچھے سے اُس کی گردن اچانک ماری جائے اور اُسے اس چیز کا پتہ نہ ہو پس وہ اُسی چیز پر قبض کیا جاتا ہے جس پر وہ ہے یعنی ایمان یا کفر اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ لوگ اُس حال میں حشر کئے جائیں گے جس حال پر وہ مر گئے جیسا کہ وہ اُس حال پر قبض کئے جاتے ہیں جس حال پر کہ وہ ہوتے ہیں۔ پس غیر مختصر کافر جو غفلت میں قتل کیا جائے یا مرگ مفاجات سے مرے کفر کی حالت میں قبض کیا جائے گا اور کفر کی حالت میں اُس کا حشر ہوگا اور مختصر کافر چونکہ آخر وقت صاحبِ شہود ہو جاتا ہے اور احوال آخرت کا معائنہ کر لیتا ہے اس لئے وہ اُس شہود کے باعث صاحبِ ایمان ہو جاتا ہے اس لئے وہ اُس حالت میں قبض کیا جائیگا جس حالت میں وہ اب ہے یعنی وہ مومن ہو کر مقبوض ہو گا۔ حدیث شریف و یُحْشَرُ النَّاسُ عَلَى مَا مَاتَ عَلَيْهِ كَمَا أَنَّهُ يُقْبَضُ عَلَى مَا كَانَ عَلَيْهِ میں لفظ کان سے حرفِ وجودی ہے اور زمانہ اس کے ساتھ قرائنِ احوال کے مطابق مصاحب ہوتا ہے یعنی کبھی کان سے مراد 'تھا' یعنی زمانہ ماضی لیا جاتا ہے اور کبھی کان سے مراد 'ہے' یعنی زمانہ حال لیا جاتا ہے۔ مثلاً زید کی فقر اور ذلت کی حالت میں ہم کہتے ہیں کان زید غنیا اور اُس کے بڑھاپے کی حالت میں ہم کہتے ہیں کان زید شاباً حسن الوجه۔ ان کلمات میں کان زمانہ ماضی پر اطلاق ہوگا۔ اور کلمات کان اللہ علیہما حکیم و کان ذلک فی الكتاب مسطوراً میں کان زمانہ حال پر اطلاق ہوگا۔ مراد یہ ہے کہ آئندہ

يُقْبَضُ عَلَى مَا كَانَ عَلَيْهِ فِي كَانٍ كَالِاطْلَاقِ زَمَانَهُ حَالٍ بِهَوَاكَ نَهْ مَا ضَمْنِي بِرِيعْنِي أُسْ كَالِقَبْضِ أُسْ حَالٍ
میں ہوگا جس حال میں وہ اب ہے یعنی مختصر کافر چونکہ موت کے وقت معائنہ کے باعث مومن ہو
جاتا ہے اسلئے وہ مومن کی حالت میں مقبوض ہوگا۔ لہذا مختصر کافر کی موت میں اور غیر مختصر کافر جو غفلت
میں قتل ہو یا مرگ مفاجات مرے کی موت میں فرق کیا جائیگا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ مختصر کافر مومن ہو کر مر گیا
اور غیر مختصر کافر کافر ہو کر مر گیا۔ اس میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ اگر فرعون کو مختصر کافر ہی شمار
کیا جائے تو بھی حدیث شریف کی رو سے وہ مومن ہو کر مرا کیونکہ مختصر معائنہ کے باعث مومن ہو جاتا
ہے۔ نیز مرگ مفاجات اچانک موت کو کہتے ہیں۔ اس کا اطلاق بھی فرعون پر نہیں ہو سکتا۔ ہمارے
نزدیک فرعون مختصر کافر نہیں کیونکہ وہ اُس وقت ایمان لایا جب اُسے اپنی موت کا شائبہ بھی نہ تھا
یعنی انفلاق البحر والا معجزہ دیکھ کر ایمان لے آیا اور اگر بزرگ علمائے ظاہر فرعون مختصر کافر ہے تو بھی
حدیث شریف کی رو سے وہ مومن ہو کر مرا اور مومن کی حالت میں مقبوض ہوا لہذا اُس کا حشر بھی
مومن کی حالت میں ہوگا۔

وَأَمَّا أَنَا أَوْ لَيْكِن مُوسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ كَيْلِي تَجَلَّى رَبَّانِي وَكَلَامُ رَبَّانِي نَارُ كِي صُورَتِ فِي هُونِي كَمَا
قَالَ تَعَالَى (فَلَمَّا قَضَى مُوسَى الْأَجَلَ وَسَارَ بِأَهْلِهِ آنَسَ مِنْ جَانِبِ الطُّورِ نَارًا قَالَ لِأَهْلِهِ امْكُثُوا
إِنِّي آنَسْتُ نَارًا تَعْلَى أْتِيكُمْ مِنْهَا بَخِيرٌ أَوْ جَذْوَةٌ مِنَ النَّارِ تَلَعَلَّكُمْ تَصْطَلُونَ هَ فَلَمَّا أَنشَأَتْهَا
نُودِي مِنْ شَارِطِ الْأَوَادِ الْآيَتِينَ فِي الْبُقْعَةِ الْمُبَارَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ أَنْ يُّسْمِعُنِي رِيقِي أَنَا اللَّهُ
رَبُّ الْعَالَمِينَ) کی حکمت یہ ہے کہ اُس وقت موسیٰ کو آگ کی طلب تھی اس لئے اللہ تعالیٰ نے
اُس کے مطلوب کی صورت میں تجلی کی تاکہ موسیٰ محبت سے اُس کو قبول کرے اور اُس سے منہ
نہ پھیرے۔ اور اگر اللہ تعالیٰ اُس کے لئے اُس کے مطلوب کے سوا کسی اور صورت میں تجلی کرتا تو
موسیٰ اُس صورت سے منہ پھیر لیتا کیونکہ اُس وقت اُس کی ساری ہمت اپنے مطلوب خاص یعنی نار
پر مجتمع تھی۔ اور اگر موسیٰ اُس صورت سے منہ پھیرتا تو اُس کا عمل اُسی پر غود کرتا یعنی حق تعالیٰ بھی
اُس سے منہ پھیر لیتا یعنی اللہ تعالیٰ اُس سے ناراض ہو جاتا۔ اور چونکہ موسیٰ برگزیدہ اور مقرر
بارگاہ تھا اس لئے یہ اُس کے قُرب کی وجہ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُس کیلئے اُس کے مطلوب
یعنی نار کی صورت پر تجلی کی اور موسیٰ اس راز کو نہ جانتا تھا۔ شعر

(۱) موسیٰ نے اپنی حاجت یعنی نار کو دیکھا حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ تھا اور موسیٰ کو اس راز کی پہلے خبر نہ تھی۔ موسیٰ علیہ السلام آگ کی تلاش میں نکلے۔ اللہ تعالیٰ نے عناب کے درخت میں سے آگ کی صورت پر تجلی کی۔ وہ آگ سمجھ کر درخت کے نزدیک گئے۔ جب نزدیک پہنچے تو آگ میں سے آواز آئی (رَإِنِّي أَنَا اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ) یعنی اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کیساتھ آگ کی صورت پر کلام کی۔ اس میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر طالب کے لئے اس صورت پر متجلی ہوتا ہے جس صورت کیساتھ اس طالب کی محبت ہوتی ہے اسی لئے مرید صادق کیلئے اللہ تعالیٰ سرکارِ دو عالم جناب محمد پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت پاک پر یا اس کے شیخ کی صورت پاک پر متجلی ہوتا ہے تاکہ عاشق اپنے معشوق کے دیدار سے لذت حاصل کر سکے۔

فِصْحُ حِكْمَةِ صَدِيقِيَّةٍ فِي كَلِمَةِ خَالِدِيَّةٍ

وَأَمَّا حِكْمَةُ خَالِدِ بْنِ سَنَانَ فَإِنَّهُ أَظْهَرَ بِدَعْوَاهُ النَّبُوَّةَ الْبَرَزِيَّةَ فَإِنَّهُ
مَا ادَّعَى الْإِخْبَارَ بِهَا هُنَالِكَ إِلَّا بَعْدَ الْمَوْتِ فَأَمَرَ أَنْ يَنْبَشَ عَنْهُ وَيَسْأَلَ فَيُخْبِرُ أَنْ
الْحُكْمَ فِي الْبَرَزِخِ عَلَى صُورَةِ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فَيَعْلَمُ بِذَلِكَ صِدْقَ الرُّسُلِ كُلِّهِمْ فِيمَا
أَخْبَرُوا بِهِ فِي حَيَاتِهِمْ الدُّنْيَا فَكَانَ غَرَضُ خَالِدٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ إِيْمَانُ الْعَالَمِ كُلِّهِ
بِمَاجَاءَتِ بِهِ الرُّسُلُ لِيَكُونَ رَحْمَةً لِلْجَمِيعِ فَإِنَّهُ تَشَرَّفَ بِقُرْبِ نُبُوَّتِهِ مِنْ نُبُوَّةِ
مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَعْلَمَ أَنَّ اللَّهَ تَعَالَى أَرْسَلَهُ رَحْمَةً لِلْعَالَمِينَ وَلَمْ يَكُنْ
خَالِدٌ بِرَسُولٍ فَإِذَا أَنْ يَحْصَلَ مِنْ هَذِهِ الرَّحْمَةِ فِي الرِّسَالَةِ الْمُحَمَّدِيَّةِ عَلَى حَظِّ
وَأَفِيدَ وَلَمْ يُؤْمَرْ بِالتَّبْلِيغِ فَإِذَا أَنْ يَخْطِئَ بِذَلِكَ فِي الْبَرَزِخِ لِيَكُونَ أَقْوَى فِي الْعِلْمِ
فِي حَقِّ الْخَلْقِ فَأَمَّا عَنْ قَوْمِهِ وَلَمْ يَمِيعِ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَوْمَهُ بِأَنَّهُمْ
هَذَا عُوا وَإِنَّهَا وَصَفَهُمْ بِأَنَّهُمْ أَصَاغُوا نَبِيَّهُمْ حَيْثُ لَمْ يُبَلِّغُوا مُرَادَ مَا فَهَلَ بَلَّغَهُ اللَّهُ
أَجْرًا مُنِيسَتِهِ فَلَا شَكَّ وَلَا خِلَافَ فِي أَنَّ لَهُ أَجْرًا مُنِيسَتِهِ وَإِنَّهَا الشُّكُّ وَالْخِلَافُ
فِي أَجْرِ الْمَطْلُوبِ هَلْ يُسَادِي تَمَنَّى وَقُوْعِهِ مَعَ نَفْسٍ وَقُوْعِهِ بِأَلَوْجُودِ أَمْ لَا فَإِنَّ فِي
الشَّرْعِ مَا يُؤَيِّدُ التَّسَادِي فِي مَوَاضِعَ كَثِيرَةٍ كَالْآتِي لِلصَّلَاةِ فِي الْجَمَاعَةِ فَيَقُوتُ

الْجَمَاعَةُ فَلَهُ أَجْرٌ مِّنْ حَضَرِ الْجَمَاعَةِ وَكَانَتْ تَبَيَّنَ مَعَ فَقِيرٍ مَا هُمْ عَلَيْهِ أَصْحَابُ الثَّرْوَةِ
وَالنَّسَائِلِ مِّنْ فِعْلِ الْخَيْرَاتِ فَلَهُ مِثْلُ أَجُورِهِمْ وَكَانَتْ مِثْلُ أَجُورِهِمْ فِي نِيَّاتِهِمْ أَوْ
فِي عَمَلِهِمْ فَإِنَّهُمْ جَمَعُوا بَيْنَ الْعَمَلِ وَالنِّيَّةِ وَكَانَ يَنْصُرُ النَّبِيَّ عَلَيْهِمَا وَكَانَ عَلَى وَاحِدٍ
مِنْهُمَا وَالظَّاهِرُ أَنَّهُ لَا تَسَاوَى بَيْنَهُمَا وَلِذَا لَكَ طَلَبُ خَالِدِ بْنِ سِنَانٍ فَيَحْصُلُ الْإِبْلَغُ
حَتَّى يَصِغَّ لَهُ مَقَامُ الْجَمْعِ بَيْنَ الْأَمْرَيْنِ فَيَحْصُلُ عَلَى الْأَجْرَيْنِ وَادَّلهُ آخِرُهُ ۝

یہ حکمتِ صمدیہ کا فص کلمہ خالدیہ کے بیان میں ہے

حکمتِ علویہ کے بعد حکمتِ صمدیہ لانے کی حکمت یہ ہے کہ حکمتِ علویہ کا اختتام اس بات پر
ہوا کہ اللہ تعالیٰ اپنے محبوبوں کیلئے اُن کی مطلوبہ صورتوں پر متعلق ہو کر اُن کو مقرب بارگاہِ بنالیتا
ہے اور اُن کو اپنے ساتھ واصل کر کے مقامِ صمدیت میں پہنچا دیتا ہے۔ حکمتِ صمدیہ کے حضرت
خالد علیہ السلام کی طرف منسوب کرنے کی حکمت یہ ہے کہ حضرت خالد علیہ السلام مقامِ صمدیت پر فائز
تھے۔ اپنی قوم کے مجاہد و ماوی تھے۔ اپنی قوم کے فریاد رس تھے لیکن تبلیغِ احکام سے بے نیاز تھے ۝
اور لیکن خالد بن سنان کی حکمت یہ ہے کہ اُس نے اپنے دعویٰ کیسا تھا اس بات کا اظہار کیا تھا
کہ وہ اپنی قوم کو برزخ کے حالات کی خبر دے گا اور اُس نے یہ بھی دعویٰ کیا تھا کہ وہ برزخ کے
حالات کی خبر اپنی موت کے بعد اُن کو دے گا۔ برزخ کے حالات سے مراد وہ حالات ہیں جو
مرنے کے بعد قبر میں انسان پر وارد ہوتے ہیں یعنی خالد علیہ السلام نے اپنی قوم سے یہ کہا تھا کہ
وہ موت اور قبر کے چشم دید حالات اُن کو بیان کریں گے اس لئے اُس نے اپنی قوم کو حکم کیا کہ چالیس
دن کے بعد اُس کی قبر کو کھولیں اور اُس سے برزخ کے حالات کے متعلق سوال کریں۔ خالد علیہ
السلام کی مراد یہ تھی کہ اُن کی قوم اُن کی قبر کھولے اور اُن سے موت اور قبر کے متعلق سوال کرے
اور وہ اُن کو اس راز کی خبر دیں کہ تحقیق قبر میں حکمِ حیاتِ دنیا کی صورت پر ہے یعنی انبیاء کرام
قبر میں زندہ ہیں اور ظاہری باطنی رزق دیئے جاتے ہیں اور اُن کو قبر میں بھی علوم الہی حاصل ہیں۔
نیز مومنین کیلئے قبر کشادہ ہو جاتی ہے۔ جنت کا دریچہ کھل جاتا ہے۔ پس آپ کی غرض یہ تھی کہ آپ
کے خبر دینے سے جملہ سابقہ رُسل کی صداقت ثابت ہو جائیگی یعنی آپ کی اُن اخبار سے یہ تصدیق

ہو جائیگی کہ جملہ سابقہ رُسل علیہم السلام نے جو برزخ کے حالات اپنی اپنی دُنیاوی حیات میں بیان
 کئے تھے وہ سب درست ہیں۔ پس خالد علیہ السلام کی غرض یہ تھی کہ جملہ عالم اُن حالات برزخ
 پر جو سابقہ رُسل لاتے ہیں، ایمان لے آئے تاکہ وہ جملہ عالم کے لئے رحمت بنیں اور اُن کا یہ تقاضا
 اس لئے تھا کہ نبوت کے اعتبار سے وہ سرکارِ دو عالم جناب محمد پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے قُرب
 سے مُشرَّف تھے یعنی خالد علیہ السلام اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان اور کوئی نبی نہ تھا اور خالد
 جانتا تھا کہ تحقیق اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو رحمتہ للعالمین بنایا ہے اور خالد رُسول نہ تھا۔ اُس
 نے ارادہ کیا کہ اس رحمت سے جو رسالت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ہے، حَقّ وافر حاصل کر دوں اور
 چونکہ وہ تبلیغ احکام پر مامور نہ تھا یعنی بظاہر دُنیا میں وہ تبلیغ احکام پر مامور نہ تھا بلکہ اپنی قوم کا محض
 فریادرس تھا، اُس لئے اُس نے ارادہ کیا کہ وہ برزخ میں پہنچ کر تبلیغ احکام کرے تاکہ خلقت کے لئے
 برزخ کے علم کے متعلق وہ سابقہ رُسل علیہم السلام سے زیادہ قوی ثابت ہو۔ مُراد یہ ہے کہ اُس کا ارادہ
 یہ تھا کہ برزخ کے متعلق وہ اپنا عینی مشاہدہ بیان کرے گا اور عینی مشاہدہ اخبار سے زیادہ قوی ہوتا
 ہے لیکن اُس کی قوم نے اُس کو ضائع کیا یعنی قوم نے اُس کی وصیت کے مطابق عمل نہ کیا۔ انہوں
 نے نہ قبر کو کھولا اور نہ ہی برزخ کے متعلق حالات دریافت کئے۔ جب سرکارِ دو عالم حضور نبی پاک صلی
 اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں خالد علیہ السلام کی بیٹی
 حاضر ہوئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مرحبا یا بنت نبی صناعہ قومہ۔ نبی پاک صلی اللہ
 علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ تحقیق اُس کی قوم ضائع ہوئی بلکہ اُن لوگوں کا یہ وصف بیان فرمایا کہ
 انہوں نے اپنے نبی کو ضائع کیا کیونکہ انہوں نے اُس کی مُراد پوری نہ کی۔ قوم اس لئے ضائع نہ
 ہوتی کہ حالات برزخ سے وہ پہلے ہی آگاہ تھے اور اُن کا اُن حالات پر ایمان تھا۔ خالد علیہ
 السلام چاہتے تھے کہ وہ برزخ میں خود پہنچ کر اپنی قوم کو برزخ کے حالات بیان کریں تاکہ
 ایک تو سابقہ رُسل علیہم السلام کی صداقت ثابت ہو جائے اور دوسرے جملہ عالم حالات برزخ
 پر ایمان لے آئے تاکہ اُن کی تبلیغ سابقہ رُسل کی بہ نسبت زیادہ قوی ثابت ہو اور وہ جملہ عالم
 کے لئے رحمت ثابت ہوں۔ قوم نے وصیت کے مطابق عمل نہ کیا اور اُن کی آرزو پوری نہ کی۔
 اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ خالد علیہ السلام کی آرزو تو نیک تھی لیکن اُن کی قوم نے اُن کی وہ

نیک آرزو پوری نہ کی۔ کیا اللہ تعالیٰ اُس کو اُس کی نیک آرزو کا اجر دے گا یا نہیں؟ پس اس میں کوئی شک اور کوئی خلاف نہیں کہ تحقیق اُس کو اُس کی نیک آرزو کا اجر دیا جائیگا۔ شک و خلاف جو ہے وہ اجر مطلوب میں ہے یعنی کیا وقوع مطلوب کی محض تمنا اور عین وقوع مطلوب کا خارجی وجود میں ظاہر ہونا آپس میں مساوی ہیں یا نہیں؟ یعنی کسی امر کیلئے محض نیک آرزو رکھنے کا اجر مل جاتا ہے خواہ وہ امر موقع پر حاصل نہ ہو لیکن اختلاف اس بات میں ہے کہ کیا اُس امر مخصوص کیلئے محض نیک آرزو رکھنے کا اجر اور اُس امر مخصوص کا موقع پر موجود اور حاصل ہونے کا اجر دونوں مساوی ہیں یا نہیں؟ پس ہم جواب میں کہتے ہیں کہ شرع شریف محمدی صلی اللہ علیہ وسلم یعنی اکثر احادیث شریف میں وہ چیز وارد ہے جو اس بات کی تائید کرتی ہے کہ اجر نیت عمل خیر و اجر وقوع عمل خیر ہر دو مساوی ہیں مثال کے طور پر ایک شخص گھر سے اس نیت سے مسجد میں آتا ہے کہ وہ نماز باجماعت ادا کرے لیکن اتفاقاً جماعت اُس سے فوت ہو جاتی ہے۔ حدیث شریف کی رو سے اُسے اجر اُس شخص کے برابر ملے گا جو جماعت میں حاضر ہوا۔ ایک اور مثال یہ ہے۔ ایک فقیر شخص اُن نیک اعمال کی نیت رکھتا ہے جن کا قصد اصحاب ثروت و اصحاب مال کرتے ہیں تو حدیث شریف کی رو سے اُس فقیر شخص کو اجر اغنیاء کے اجر کے برابر ملے گا۔ یعنی ایک فقیر شخص اس امر کی تمنا کرتا ہے کہ کاش اُس کے پاس مال ہوتا اور وہ اُسکو راہ اللہ خرچ کرتا۔ اُس سے مسجد تعمیر کرتا و درس جاری کرتا و سرائے بنواتا اور لنگر جاری کرتا۔ اب اُس شخص کو اجر اُن اغنیاء کے اجر کے برابر ملے گا جنہوں نے موقع پر مسجد تعمیر کرائی و درس جاری کیا و سرائے بنوائی اور لنگر جاری کیا۔ حدیث شریف میں وارد ہے فَلَهُ مِثْلُ اُجُورِهِمْ اُس فقیر کیلئے اجر اُن اغنیاء کے اجر کی مثل ہے۔ اب اس پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اُس فقیر کا اجر اُن اغنیاء کے اجر کی مثل فقط انکی نیت میں ہو یا انکے عمل میں ہے یا دونوں میں ہے کیونکہ اغنیاء نے تو عمل اور نیت دونوں کو جمع کیا ہے اور فقیر کے پاس فقط نیت ہے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس امر کی صراحت نہیں فرمائی کہ فقیر کو اجر اغنیاء کی نیت اور عمل دونوں کے اجر کی مثل ملتا ہے یا دونوں میں سے کسی ایک نیت یا عمل کے اجر کی مثل ملتا ہے اور یہ چیز ظاہر ہے کہ فقط نیت اور نیت بمعہ عمل خیر مساوی نہیں ہیں یعنی بظاہر تو یہ چیز معلوم ہوتی ہے کہ ایک شخص نے کسی کار خیر کیلئے محض نیت کی اور دوسرے نے نیت کے ساتھ موقع پر وہ کار خیر بھی کیا۔ اب دونوں کا اجر عقل کی رو سے برابر نہیں ہے۔ اسی لئے خالد بن سنان نے احکام برزخ کی تبلیغ کا قصد کیا تاکہ

وہ دونوں امور نیت اور عمل کا جامع بن جاتے اور اُس کو دونوں اجر حاصل ہوں یعنی نیت کا بھی اجر حاصل ہو اور عمل کا بھی اجر حاصل ہو لیکن اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ حقیقت حال کیا ہے۔ اگرچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قَلَّةٌ مِّثْلُ أَجْوِرِهِمْ کی صراحت نہیں فرمائی لیکن مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہی ہے کہ فقیر کا کارِ خیر کی نیت کا اجر اختیار کی نیت اور عمل دونوں کے اجر کے مساوی ہوگا کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ ہیں۔ نیز آیہ کریمہ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصَّٰلِحٰتِ لَهُمْ اَجْرٌ غَیْرُ مَمْنُوْنٍ میں غَیْرُ مَمْنُوْنٍ سے مراد غیر مقطوع ہے یعنی اجر نیت اور اجر نیت اور عمل دونوں مساوی ہیں پس اس اعتبار سے خالید علیہ السلام کو نیت اور عمل دونوں کا اجر ملے گا۔

اس حکمت کے آخر میں وَاللّٰهُ اَعْلَمُ لکھا ہے حالانکہ ساری کتاب میں کوئی ایسی حکمت نہیں جس کی صراحت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ فرمائی ہو۔ اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انکسار کی تعلیم دی ہے۔ نیز اس میں اشارہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے دو جہتیں ہیں، ایک جہت ربوبیت ہے اور دوسری جہت عبودیت ہے۔ جہت ربوبیت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسرارِ الہیہ کو جانتے ہیں اور جہت عبودیت سے آپ اسرارِ الہیہ کو نہیں جانتے۔ اعزیز! کتاب فصوص الحکم بظاہر حضرت شیخ الاکبر رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہے لیکن حقیقتاً یہ ساری کتاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی لکھائی ہوئی ہے جیسا کہ دیا چہ میں حضرت شیخ الاکبر قدس سرہ نے صراحت فرمائی ہے وَجَزَّ دَتْ الْقَصْدَ وَ اِلٰهِيَّةَ لَا بُدَّ اِذَا هَذَا الْكِتَابِ كَمَا حَدَّثَنَا فِي رَسُوْلٍ اَللّٰهُ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْہِ وَسَلَّمُ مِنْ غَیْرِ ذِیَادَةٍ وَلَا نُقْصَانٍ اور میں نے اپنے قصد اور اپنی ہمت کو اغراضِ نفسانی سے پاک کیا تاکہ میں اس کتاب کو مطابق اُس حد کے جو میرے لئے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقرر فرمائی ہے، بغیر کسی کمی یا بیشی کے ظاہر کروں۔

فَصْحَكُمۡةٌ فَرْدِیَّةٌ فِی کَلِمَةِ مُحَمَّدِیَّةِ

اِنَّمَا کَانَ حِکْمَتُہٗ فَرْدِیَّةً لِاَنَّهُ اَکْمَلُ مَوْجُوْدٍ فِیْ هٰذَا النَّوْعِ الْاِنْسَانِیِّ وَ لِهٰذَا اُبْدِیُّ بِہِ الْاَمْرُ وَ خَتَمَ بِہِ فَکَانَ نَبِیًّا وَ اَدَمُ بَیْنَ السَّمَاءِ وَ الْاَرْضِ ثُمَّ کَانَ بِنَشْأَتِہِ الْعُنْصُرِیَّةِ خَاتِمَ النَّبِیِّیْنَ وَ اَوَّلُ الْاَفْرَادِ السَّلَاطَةِ وَ مَا زَادَ عَلٰی هٰذَا اِلَّا وَ لِیَّةٌ مِنْ

الْأَفْرَادِ فَإِنَّهَا فَكَانَ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَوَّلَ دَلِيلٍ عَلَى رَبِّهِ فَإِنَّهُ أَوْقَى جَوَامِعَ الْكَلِمِ
 الَّتِي هِيَ مُسَمِّيَاتُ أَسْمَاءِ آدَمَ فَأَشْبَهَ الدَّلِيلَ فِي تَثْلِيثِهِ وَالدَّلِيلُ دَلِيلٌ لِنَفْسِهِ وَلَهَا
 كَانَتْ حَقِيقَتُهُ تُعْطَى الْفَرْدِيَّةُ الْأُولَى بِمَا هُوَ مُثَلَّثُ النِّشَاطَةِ بِذَلِكَ قَالَ فِي بَابِ الْمَحَبَّةِ
 الَّتِي هِيَ أَصْلُ الْوُجُودِ حَبِيبٌ إِلَى مَنْ دُنِيَائَكُمْ ثَلَاثٌ بِمَا فِيهِ مِنَ التَّثْلِيثِ ثُمَّ ذَكَرَ النِّسَاءَ
 وَالطِّيبَ وَجُعِلَتْ قُرَّةُ عَيْنِهِ فِي الصَّلَاةِ فَأَبْتَدَأَ بِذِكْرِ النِّسَاءِ وَآخَرَ الصَّلَاةِ وَ
 ذَلِكَ لِأَنَّ الْمَرْأَةَ جُزْءٌ مِنَ الرَّجُلِ فِي أَصْلِ ظُهُورِ عَيْنِهَا وَمَعْرِفَةِ الْإِنْسَانِ بِنَفْسِهِ
 مُتَقَدِّمَةٌ عَلَى مَعْرِفَتِهِ بِرَبِّهِ فَإِنَّ مَعْرِفَتَهُ بِرَبِّهِ نَتِيجَةٌ عَنْ مَعْرِفَتِهِ بِنَفْسِهِ بِذَلِكَ قَالَ
 عَلَيْهِ السَّلَامُ مَنْ عَرَفَ نَفْسَهُ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهُ فَإِنْ شِئْتَ قُلْتَ بِتَنْعِ الْمَعْرِفَةِ بِنَفْسِهِ فِي
 هَذَا الْخَبَرِ وَالْعَجَبُ عَنِ الْوُصُولِ فَإِنَّهُ سَأِغٌ فِيهِ وَإِنْ شِئْتَ قُلْتَ بِثُبُوتِ الْمَعْرِفَةِ
 فَلَا أَوْلَ أَنْ تَعْرِفَ أَنَّ نَفْسَكَ لَا تَعْرِفُهَا فَلَا تَعْرِفُ رَبَّكَ وَالثَّانِي أَنْ تَعْرِفُهَا فَتَعْرِفَ
 رَبَّكَ فَكَانَ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوْضَحَ دَلِيلٍ عَلَى رَبِّهِ فَإِنَّ كُلَّ جُزْءٍ مِنَ الْعَالَمِ
 دَلِيلٌ عَلَى أَصْلِهِ الَّذِي هُوَ رَبُّهُ فَافْهَمُوا وَإِنَّمَا حَبِيبُ إِلَيْهِ النِّسَاءُ تَحَنُّنٌ إِلَيْهِنَّ لِأَنَّهُ مِنْ
 بَابِ حَيْنِ الْكُلِّ إِلَى جُزْءِهِ فَأَبَانَ بِذَلِكَ عَنِ الْإِفْرَاقِ فِي نَفْسِهِ مِنْ جَانِبِ الْحَقِّ فِي
 قَوْلِهِ فِي هَذِهِ النِّشَاطَةِ الْإِنْسَانِيَّةِ الْعُنْصُرِيَّةِ (وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُوحِي) ثُمَّ وَصَفَ
 نَفْسَهُ بِشِدَّةِ الشَّوْقِ إِلَى يَقَائِهِ فَقَالَ لِلْمُشْتَاقِينَ يَا دَاوُدُ إِنِّي لَا شَدَّ شَوْقًا إِلَيْهِمْ
 يَغْنَى لِلْمُشْتَاقِينَ إِلَيْهِ وَهُوَ لِقَاءُ خَاصٍّ فَإِنَّهُ قَالَ فِي حَدِيثِ الدَّجَالِ إِنَّ أَحَدَكُمْ
 لَنْ يَرَى رَبَّهُ حَتَّى يَمُوتَ فَلَا بُدَّ مِنَ الشَّوْقِ بِمَنْ هَذِهِ صِفَتُهُ شَوْقُ الْحَقِّ إِلَى الْوَلَاءِ
 الْمَقَرَّرِينَ مَعَ كَوْنِهِ يَرَاهُمْ فَيَجِبُ أَنْ يَرَوْهُ وَيَأْتِيَ الْمَقَامَ ذَلِكَ فَأَشْبَهَ قَوْلَهُ (حَتَّى
 تَعْلَمَ) مَعَ كَوْنِهِ عَالِمًا فَهُوَ يَشْتَاقُ لِهَذِهِ الصِّفَةِ الْخَاصَّةِ الَّتِي لَا وَجُودَ لَهَا إِلَّا عِنْدَ
 التَّوْبِ قَبْلَ بِهَا شَوْقُهُمْ إِلَيْهِ كَمَا قَالَ تَعَالَى فِي حَدِيثِ التَّوَدُّدِ وَهُوَ مِنْ هَذَا الْبَابِ
 مَا تَرَدَّدَتْ فِي شَيْءٍ أَنَا فَاعِلُهُ تَرَدَّدِي فِي قَبْضِ نَسَبَةِ عَبْدِي الْمُؤْمِنِ يُكْرِهُ الْمَوْتَ
 وَأَنَا أَكْرِهُ مَسَاقَتَهُ وَلَا بُدَّ لَهُ مِنْ يَقَائِي فَبَشَّرَهُ بِلِقَائِهِ وَمَا قَالَ لَهُ وَلَا بُدَّ لَهُ مِنْ
 التَّوْبِ لِئَلَّا يَغُمَّهُ بِذِكْرِ الْمَوْتِ وَلَهَا كَانَ لَا يُلْقِي الْحَقَّ إِلَّا بَعْدَ التَّوْبِ كَمَا قَالَ عَلَيْهِ

السَّلَامُ إِنَّ أَحَدَكُمْ لَنْ يَرَى رَبَّهُ حَتَّى يَمُوتَ لِذَلِكَ قَالَ تَعَالَى وَلَا بُدَّ لَهُ مِنْ لِقَائِي
فَاسْتَيْقِظْ الْحَقُّ بِوُجُودِ هَذِهِ النِّسْبَةِ شَعْر

يَحْنُ الْحَبِيبُ إِلَى رُؤُوسِي ! يَا نَبِيَّ إِلَيْهِ أَشَدُّ حَيْنًا
وَتَهْوِي النَّفُوسُ وَيَا بِي الْقَفَا فَا شَكُوا الْآرِنِينَ وَيَشْكُوا الْآرِنِيَا

فَلَمَّا أَبَانَ أَنَّهُ نَفَخَ فِيهِ مِنْ رُوحِهِ فَمَا اسْتَقَاتَ إِلَّا لِنَفْسِهِ إِلَّا تَرَاهُ كَيْفَ خَلَقَهُ عَلَى
صُورَتِهِ لَا أَنَّهُ مِنْ رُوحِهِ وَلَمَّا كَانَتْ نَشَأَتُهُ مِنْ هَذِهِ الْأَمْرَ كَانِ الْأَمْرَ بَعْدَ الْمُسْتَأْذِنِ فِي
جَسَدِهِ أَخْلَاطًا حَدَثَ عَنْ نَفْخِهِ اسْتِيعَالَ بِهَا فِي جَسَدِهِ مِنَ الرُّطُوبَةِ فَكَانَ رُوحُ
الْإِنْسَانِ نَارًا لِأَجْلِ نَشَأَتِهِ وَهَذَا مَا كَلَّمَ اللَّهُ مُوسَى إِلَّا فِي صُورَةِ النَّارِ وَجَعَلَ حَاجَتَهُ
فِيهَا فَلَوْ كَانَتْ نَشَأَتُهُ طَبِيعِيَّةً لَكَانَ رُوحُهُ نُورًا وَكَفَى عَنْهُ يَا نَفْخُ يُشِيرُ إِلَى أَنَّهُ
مِنْ نَفْسِ الرَّحْمَنِ فَإِنَّ هَذَا النَّفْسَ الَّذِي هُوَ النَّفْخَةُ ظَهَرَ عَيْنُهُ وَيَا سِتْعَدَادِ الْمَقُورِ
فِيهِ كَانَ إِلَّا اسْتِيعَالَ نَارًا لَا نُورًا قَبْطَنَ نَفْسُ الْحَقِّ فِيمَا كَانَ بِهِ الْإِنْسَانُ إِنْسَانًا ثُمَّ اسْتَقَاتَ
لَهُ مِنْهُ شَخْصًا عَلَى صُورَتِهِ سَمَاءً أَمْرًا فَظَهَرَتْ بِصُورَتِهِ فَحَقَّ إِلَيْهَا حَيْنُ الشَّيْءِ
إِلَى نَفْسِهِ وَحَنَّتْ إِلَيْهِ حَيْنُ الشَّيْءِ إِلَى وَطَنِهِ فَحَبَّبَ إِلَيْهِ النِّسَاءَ فَإِنَّ اللَّهَ تَعَالَى أَحَبَّ
مَنْ خَلَقَهُ عَلَى صُورَتِهِ وَاسْتَجَدَّ لَهُ مَلَكُوتُهُ النُّورِيَّ عَلَى عِظَمِ قَدَرِهِمْ وَمَنْزِلَتِهِمْ
وَعُلُوِّ نَشَأَتِهِمْ الطَّبِيعِيَّةِ فَبَيْنَ هُنَاكَ وَقَعَتِ الْمُنَاسَبَةُ وَالصُّورَةُ الْعَظِيمُ مَنَاسِبَتِي وَ
أَجَلُهَا وَأَكْمَلُهَا فَإِنَّهَا زَوَّجَتْ آتَى شَفَعَتْ وَجُودَ الْحَقِّ كَمَا كَانَتْ الْمَرْأَةُ شَفَعَتْ
بِوُجُودِهَا الرَّجُلَ فَصَيَّرَتْهُ زَوْجًا فَظَهَرَتْ الثَّلَاثَةُ حَقٌّ وَرَجُلٌ وَأَمْرًا فَحَنَّتْ الرَّجُلُ إِلَى
رَبِّهِ الَّذِي هُوَ أَصْلُهُ حَيْنُ الْمَرْأَةِ إِلَيْهِ فَحَبَّبَ إِلَيْهِ رَبُّهُ النِّسَاءَ كَمَا أَحَبَّ اللَّهُ
مَنْ هُوَ عَلَى صُورَتِهِ فَمَا وَقَعَ الْحُبُّ إِلَّا بَيْنَ تَكُونِ عَنْهُ وَقَدْ كَانَ حُبُّهُ لِمَنْ
تَكُونُ مِنْهُ وَهُوَ الْحَقُّ فَلِهَذَا قَالَ حَبِيبُ إِلَى وَلَمْ يَقُلْ أَحَبَّتْ مِنْ نَفْسِهِ يَتَعَلَّقُ
حُبُّهُ بِرَبِّهِ الَّذِي هُوَ عَلَى صُورَتِهِ حَتَّى فِي مَحَبَّتِهِ لَا مَرَأَتَهُ فَإِنَّهُ أَحَبَّهَا بِحُبِّ اللَّهِ
إِيَّاهُ تَخَلُّقًا إِلَهِيًّا وَلَمَّا أَحَبَّ الرَّجُلُ الْمَرْأَةَ طَلَبَ الْوَصْلَةَ آتَى غَايَةَ الْوَصْلَةِ
الَّتِي تَكُونُ فِي الْمَحَبَّةِ فَلَوْ يَكُنْ فِي صُورَةِ النِّشَاءِ الْعُنْصُرِيَّةِ الْعَظِيمُ وَصْلَةٌ مِنْ

النِّكَاحَ وَهَذَا اتَّعَمُّ الشَّهْوَةَ أَجْزَاءَ كُلِّهَا وَبِذَا لِكَ أَمْرٌ بِالْإِغْتِسَالِ مِنْهُ فَعَمَّتِ الطَّهَارَةُ
 كَمَا عَمَّ الْقَنَاءُ فِيهَا عِنْدَ حُصُولِ الشَّهْوَةِ فَإِنَّ الْحَقَّ غَيُورٌ عَلَى عَبْدِهِ أَنْ يَعْتَقِدَ أَنَّ
 يَلْتَدُّ بِغَيْرِهِ فَطَهَّرَهُ بِالْغُسْلِ لِيَرْجِعَ بِالنَّظَرِ إِلَيْهِ فَيَمُنَّ فِيهِ إِذَا لَا يَكُونُ إِلَّا
 ذَلِكَ فَإِذَا شَهِدَ الرَّجُلُ الْحَقَّ فِي الْمَرْأَةِ كَانَ شُهُودًا فِي مُنْفَعِلٍ وَإِذَا شَهِدَ
 فِي نَفْسِهِ مِنْ حَيْثُ ظَهَرَ الْمَرْأَةُ عَنْهُ شَهِدًا فِي قَاعِلٍ وَإِذَا شَهِدَ مِنْ نَفْسِهِ
 مِنْ غَيْرِ اسْتَحْضَارِ صُورَةٍ مَا تَكُونُ عَنْهُ كَانَ شُهُودًا فِي مُنْفَعِلٍ عَنِ الْحَقِّ بِلاَ واسِطَةٍ
 فَشُهُودًا لِلْحَقِّ فِي الْمَرْأَةِ أَتَمُّ وَأَكْمَلُ لِأَنَّهُ يُشَهِدُ الْحَقَّ مِنْ حَيْثُ هُوَ قَاعِلٌ وَ
 مُنْفَعِلٌ وَمِنْ نَفْسِهِ مِنْ حَيْثُ هُوَ مُنْفَعِلٌ خَاصَّةً فَلِهَذَا أَحَبَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
 النِّسَاءَ بِكَمَالِ شُهُودِ الْحَقِّ فِيهِمْ إِذَا لَا يُشَهِدُ الْحَقَّ مُجَرَّدًا عَنِ الْمَوَادِّ أَبَدًا
 فَإِنَّ اللَّهَ بِالذَّاتِ غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ فَإِذَا كَانَ الْأَمْرُ مِنْ هَذَا الْوَجْهِ مُمْتَنِعًا وَلَمْ يُمْكِنْ الشَّهَادَةُ
 إِلَّا فِي مَادَّةٍ فَشُهُودُ الْحَقِّ فِي النِّسَاءِ أَعْظَمُ الشُّهُودِ وَأَكْمَلُهُ وَأَعْظَمُ الْوَصْلَةِ النِّكَاحُ
 وَهُوَ نَظِيرُ التَّوَجُّهِ إِلَهِيٍّ عَلَى مَنْ خَلَقَهُ عَلَى صُورَتِهِ لِيَخْلُقَهُ فَيَرَى فِيهِ صُورَتَهُ بَلْ
 نَفْسُهُ تَسَوَّاكَ وَعَدَلَهُ وَنَفَخَ فِيهِ مِنْ رُوحِهِ الَّذِي هُوَ نَفْسُهُ فَظَاهِرًا خَلَقَ وَبَاطِنًا حَقَّقَ
 وَلِهَذَا وَصَفَهُ بِالتَّدْبِيرِ لِهَذَا الْهَيْكَلِ فَإِنَّهُ تَعَالَى بِهِ يَدِيرُ الْأَمْرَ مِنَ السَّمَاءِ وَهُوَ
 الْعُلُوُّ إِلَى الْأَرْضِ وَهُوَ أَسْفَلُ السَّافِلِينَ لِأَنَّهَا أَسْفَلُ الْأَرْكَانِ كُلِّهَا وَسَمَاهُنَّ بِالنِّسَاءِ وَهُوَ
 جَمْعٌ لَا وَاحِدَ لَهُ مِنْ نَفْطِهِ وَبِذَا لِكَ قَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ حُبُّ إِيَّائِي مِنْ دُنْيَاكُمْ ثَلَاثُ
 النِّسَاءِ وَلَمْ يَقُلِ الْمَرْأَةَ فَرَأَيْتَ تَأَخَّرَهُنَّ فِي الْوُجُودِ عَنْهُ فَإِنَّ النِّسَاءَةَ هِيَ التَّأَخِيرُ قَالَ
 اللَّهُ تَعَالَى (إِنَّمَا النَّسِيءُ زِينَةٌ فِي الْكُفْرِ) وَالْبَيْعُ بِنَسِيَةٍ أَيْ يَقُولُ بِتَأْخِيرٍ فَلِذَا لِكَ
 ذَكَرَ النِّسَاءَ فَمَا أَحَبَّهُنَّ إِلَّا بِالنَّسَبَةِ فَإِنَّهُنَّ مَحَلُّ الْإِنْفَعَالِ فَهُنَّ لَهُ كَالطَّبِيعَةِ لِلْحَقِّ
 الَّتِي قُتِمَ فِيهَا صُورُ الْعَالِمِ بِالتَّوَجُّهِ إِلَادِيٍّ وَالْأَمْرُ إِلَهِيُّ الَّذِي هُوَ نِكَاحٌ فِي عَالِمِ
 الصُّورِ الْعُنْصُرِيَّةِ وَهِيَ فِي عَالِمِ الْأَرْوَاحِ النُّورِيَّةِ وَتَرْتِيبُ مُقَدِّمَاتٍ فِي السَّعَائِي
 لِلْإِنْتَابِ وَكُلُّ ذَلِكَ نِكَاحُ الْفَرْدِيَّةِ الْأُولَى فِي كُلِّ وَجْهِ مِنْ هَذِهِ الْوُجُودِ فَمَنْ أَحَبَّ
 النِّسَاءَ عَلَى هَذَا الْحَبِّ فَهُوَ حَبُّ إِلَهِيٍّ وَمَنْ أَحَبَّهُنَّ عَلَى جِهَةِ الشَّهْوَةِ الطَّبِيعِيَّةِ خَاصَّةً

نَقَصَهُ عِلْمُ هَذِهِ الشَّهْوَةِ فَكَانَ صُورَةً بِلا رُوحٍ عِنْدَكَ وَإِنْ كَانَتْ تِلْكَ الصُّورَةُ فِي نَفْسٍ
الْأَمْرِ ذَاتِ رُوحٍ وَلَكِنَّهَا غَيْرُ مَشْهُودَةٍ بِمَنْ جَاءَ لَا مَرَأَتَهُ وَلَا نَفْسَ حَيْثُ كَانَتْ لِحَبَرٍ
إِلَّا لَتَذَازِدَ لَكِنْ لَا يَدْرِي بِمَنْ فَجْهَلٍ مِنْ نَفْسِهِ مَا يَجْهَلُ الْغَيْرُ مِنْهُ مَا لَمْ يُسَيِّمِهِ
هُوَ بِلِسَانِهِ حَتَّى يَعْلَمَ كَمَا قَالَ بَعْضُهُمْ شَعْرَ

صَمَّ عِنْدَ النَّاسِ أَتَى عَاشِقٌ غَيْرُ أَنْ لَمْ يَعْرِفُوا عِشْقِي بِمَنْ

كَذَلِكَ هَذَا أَحَبُّ إِلَتِذَاذَ فَاحَبَّ الْبَحْلَ الَّذِي يَكُونُ فِيهِ وَهُوَ الْمَرَأَةُ وَلَكِنْ
غَابَ عَنْهُ رُوحُ الْمَسْأَلَةِ فَلَوْ عَلِمَهَا لَعَلِمَ بِمَنْ التَّدَّ وَمِنْ التَّدَّ وَكَانَ كَامِلًا وَكَمَا
نَزَلَتْ الْمَرَأَةُ عَنْ دَرَجَةِ الرَّحْلِ بِقَوْلِهِ (وَالرِّجَالُ عَلَيْهِمْ دَرَجَةٌ) نَزَلَ الْبَخْلُوقُ
عَلَى الصُّورَةِ عَنْ دَرَجَةٍ مِنْ أَنْشَأَ عَلَى صُورَتِهِ مَعَ كَوْنِهِ عَلَى صُورَتِهِ فَتِلْكَ الدَّرَجَةُ
الَّتِي تَسَيِّرُ بِهَا عَنْهُ بِهَا كَانَ غَنِيًّا عَنِ الْعَالَمِينَ وَفَاعِلًا أَوَّلًا فَإِنَّ الصُّورَةَ فَاعِلٌ ثَانٍ فَمَا
لَهُ إِلَّا وَليَّةُ الَّتِي لِلْحَقِّ فَتَسَيِّرُ الْأَعْيَانُ بِالْمَرَاتِبِ فَأَعْطَى كُلَّ ذِي حَقٍّ حَقَّهُ كُلُّ عَارِفٍ
فِيهِذَا كَانَ حُبُّ الْيَسَاءِ لِيُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ تَحَبُّبِ إِلَهِي وَأَنَّ اللَّهَ (أَعْطَى
كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهُ) وَهُوَ عَيْنُ حَقِّهِ فَمَا أَعْطَاهُ إِلَّا بِإِلَاسْتِحْقَاقِ الَّذِي اسْتَحَقَّهُ بِسُمِّيَاةٍ
أَيُّ بَذَاتِ ذَلِكَ الْمُسْتَحَقِّ وَإِنَّمَا قَدَّمَ الْيَسَاءَ لَا تَهْنُ مَحَلُّ الْإِنْفَعَالِ كَمَا تَقَدَّمَ
الطَّبِيعَةُ عَلَى مَنْ وَجَدَ مِنْهَا بِالصُّورَةِ وَلَيْسَتْ الطَّبِيعَةُ عَلَى الْحَقِيقَةِ إِلَّا النَّفْسُ الرَّحْمَانِيَّةُ
فَوَاتَهُ فِيهِ أَنْ تَفِخَتْ صُورُ الْعَالَمِ أَعْلَا وَآسْفِلِهِ سَرَيَانِ النَّفْخَةِ فِي الْجَوْهَرِ الْيُولَانِي
فِي عَالِمِ الْأَجْبَرِ خَاصَّةً وَأَمَّا سَرَيَانُهَا يَوْجُودُ الْأَرْوَاحِ السُّورِيَّةِ وَالْأَعْرَاجِ فَذَلِكَ
سَرَيَانُ أَخْرَئِمْ إِنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ غَلَبَ فِي هَذَا الْخَبَرِ التَّائِيثُ عَلَى التَّذْكِيرِ لَا نَهْ
قَصْدَ التَّهْنِئَةِ بِالْيَسَاءِ فَقَالَ ثَلَاثٌ وَلَمْ يَقُلْ ثَلَاثَةً بِأَلْهَائِي الَّذِي هُوَ يَعْدُ الذُّكْرَانِ
إِذْ فِيهَا ذِكْرُ الطَّيِّبِ وَهُوَ مَذْكَرٌ وَعَادَةُ الْعَرَبِ أَنْ يُغْلِبَ التَّذْكِيرُ عَلَى التَّائِيثِ
فَتَقُولُ الْفَوَاطِمْ وَزَيْدٌ خَرَجُوا وَلَا تَقُولُ خَرَجَنَ فَغَلَبُوا التَّذْكِيرَ وَإِنْ كَانَ وَاحِدًا
عَلَى التَّائِيثِ وَإِنْ كُنَّ جَمَاعَةً وَهُوَ عَرَبِيٌّ فَدَاغَى صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَعْنَى الَّذِي
قَصَدَ بِهِ فِي التَّحَبُّبِ إِلَيْهِ مَا لَمْ يَكُنْ يُؤَثِّرُ حُبَّهُ فَعَلَّمَهُ اللَّهُ مَا لَمْ يَكُنْ يَعْلَمُ (وَأَنْزَلَ

اللَّهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُن تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا
 فَغَلَّبَ التَّائِيثَ عَلَى التَّذْكَيرِ بِقَوْلِهِ ثَلَاثُ بَغِيرِ هَاءٍ فَمَا أَعْلَمَهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
 بِالْحَقَائِقِ وَمَا أَشَدَّ رِعَايَتَهُ لِلْحَقُوقِ ثُمَّ إِنَّهُ جَعَلَ الْخَاتِمَةَ نَظِيرَةً لِأُولَى فِي التَّائِيثِ
 وَأَدْرَجَ بَيْنَهُمَا الْبَدْكَرَ فَبَدَأَ بِالنِّسَاءِ وَخَتَمَ بِالصَّلَاةِ وَكَلَّمَا هُمَا تَائِيثٌ وَالطَّيِّبُ
 بَيْنَهُمَا كَهَوْنِي وَجُودِي فَإِنَّ الرَّجُلَ مُدْرَجٌ بَيْنَ ذَاتٍ ظَهَرَ عَنْهَا وَبَيْنَ رَأْيٍ ظَهَرَتْ
 عَنْهُ فَهُوَ بَيْنَ مَوْثِقَيْنِ تَائِيثٌ ذَاتِيٌّ وَتَائِيثٌ حَقِيقِيٌّ وَكَذَلِكَ النِّسَاءُ تَائِيثٌ حَقِيقِيٌّ وَ
 الصَّلَاةُ تَائِيثٌ غَيْرُ حَقِيقِيٌّ وَالطَّيِّبُ مُدْكَرٌ بَيْنَهُمَا كَأَدَمَ بَيْنَ الذَّاتِ الْهَوِجُودِ هُوَ
 عَنْهَا وَبَيْنَ حَوَاءِ الْهَوِجُودِ عَنْهُ وَإِنْ شِئْتَ قُلْتَ الصِّفَةُ فَهُوَ نَشَأٌ أَيْضًا وَإِنْ شِئْتَ
 قُلْتَ الْقُدْرَةُ فَهُوَ نَشَأٌ أَيْضًا فَكُنْ عَلَى آرِيٍّ مَذْهَبٍ شِئْتَ فَإِنَّكَ لَا تَجِدُ إِلَّا التَّائِيثَ
 يَتَقَدَّمُ حَتَّى عِنْدَ أَصْحَابِ الْعِلَّةِ الَّذِينَ جَعَلُوا الْحَقَّ عِلَّةً فِي وَجُودِ الْعَالَمِ وَالْعِلَّةُ مُؤَيَّدَةٌ
 وَأَمَّا حِكْمَةُ الطَّيِّبِ وَجَعَلَهُ بَعْدَ النِّسَاءِ فَلِمَا فِي النِّسَاءِ مِنْ رَأْيٍ وَارْتِجَ التَّكْوِينِ فَإِنَّهُ
 أَطْيَبُ الطَّيِّبِ عِنَاقُ الْحَبِيبِ كَذَا قَالُوا فِي الْمَثَلِ السَّائِرِ وَلَمَّا خُلِقَ عَبْدًا بِالْأَصَالَةِ
 لَمْ يَرْفَعْ رَأْسَهُ قَطُّ إِلَى السِّيَادَةِ بَلْ لَمْ يَزَلْ سَاجِدًا وَاقِفًا مَعَ كَوْنِهِ مُنْفَعِلًا حَتَّى كَوَّنَ
 اللَّهُ عَنْهُ مَا كَوَّنَ فَأَعْطَاهُ رُتْبَةً الْفَاعِلِيَّةِ فِي عَالَمِ الْأَنْفَاسِ الَّتِي هِيَ الْأَعْدَانُ الطَّيِّبَةُ
 فَحُبِّبَ إِلَيْهِ الطَّيِّبُ فَلِذَاكَ جَعَلَهُ بَعْدَ النِّسَاءِ فَدَاعَى الدَّرَجَاتِ الَّتِي لِلْحَقِّ فِي قَوْلِهِ
 (رَفِيعُ الدَّرَجَاتِ ذُو الْعَرْشِ) لَا سُبُوتَ أَيْدِيهِ عَلَيْهِ بِأَسْمِهِ الرَّحْمَنِ فَلَا يَبْقَى فِيهِمْ حَوَا
 عَلَيْهِ الْعَرْشُ مَنْ لَا تُصِيبُهُ الرَّحْمَةُ إِلَّا لِهَيْئَةٍ وَهُوَ قَوْلُهُ تَعَالَى (وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ
 شَيْءٍ) وَالْعَرْشُ وَسِعَ كُلَّ شَيْءٍ وَالْهُسْتَوَى الرَّحْمَنُ فَبِحَقِيقَتِهِ يَكُونُ مَرِيَانُ الرَّحْمَةِ
 فِي الْعَالَمِ كَمَا قَدْ بَيَّنَّا فِي غَيْرِ مَوْضِعٍ مِنْ هَذَا الْكِتَابِ وَمِنْ الْفَتْحِ الْمَكِّيِّ وَقَدْ
 جَعَلَ الطَّيِّبَ الْحَقُّ تَعَالَى فِي هَذَا الْإِلْتِحَامِ الْيَكَا حِي فِي بَدَءِ عَائِشَةَ فَقَالَ تَعَالَى
 (الْخَبِيثَاتُ لِلْخَبِيثِينَ وَالْخَبِيثُونَ لِلْخَبِيثَاتِ وَالطَّيِّبَاتُ لِلطَّيِّبِينَ وَالطَّيِّبُونَ لِلطَّيِّبَاتِ
 أُولَئِكَ مُبَرَّءُونَ مِمَّا يَقُولُونَ) فَجَعَلَ رَوَايَهُمْ طَيِّبَةً لِأَنَّ الْقَوْلَ نَفْسٌ وَهُوَ عَيْنُ
 الرَّائِحَةِ فَيَخْرُجُ بِالطَّيِّبِ وَبِالْخَبِيثِ عَلَى حَسَبِ مَا يَظْهَرُ بِهِ فِي صُورَةِ النُّطْقِ فَيَهْنُ

حَيْثُ هُوَ إِلَهٌ بِالْإِصْلَاحِ كُلُّهُ طَيِّبٌ فَهُوَ طَيِّبٌ وَمِنْ حَيْثُ مَا يُعْجِدُ وَيُدْمُ فَهُوَ طَيِّبٌ وَخَبِيثٌ فَقَالَ فِي
 حَبِثِ التَّوْبَةِ هِيَ شَجَرَةٌ أَكْرَهُ رِيحَهَا وَلَمْ يَقُلْ أَكْرَهُهَا فَإِنَّهَا لَا تُكْرَهُ وَإِنَّمَا يُكْرَهُ
 مَا يَظْهَرُ مِنْهَا وَالْكَرَاهَةُ إِذَا لَمْ تُعْرَفْ أَوْ يُعْجِدُ مِلَّةً طَبِيعُ أَوْ غَرَمٍ أَوْ شَرٍّ أَوْ
 نَقْصٍ عَنْ كَمَالٍ مَطْلُوبٍ وَمَا شَمَّةٌ غَيْرُ مَا ذَكَرْنَا وَلَسْنَا أَنْقَسَمَ إِلَّا مُرًّا إِلَى خَبِيثٍ وَطَيِّبٍ
 كَمَا قَرَّرْنَا حَبِثَ إِلَيْهِ الطَّيِّبُ دُونَ الْخَبِيثِ وَوَصَفَ الْمَلِيكَةَ بِأَنَّهَا تَأْتِي بِالرَّوَائِجِ
 الْخَبِيثَةِ لِهَا فِي هَذِهِ النِّسْبَةِ الْعَنْصَرِيَّةِ مِنَ التَّعْفِينِ فَإِنَّهُ مُخْلُوقٌ (مِنْ مَصْلَحَاتٍ مِنْ حَبِثِ
 مَسْنُونٍ) أَيْ مُتَغَيِّرِ الرِّيحِ فَتَكْرَهُهُ الْمَلِيكَةُ بِالنِّدَابِ كَمَا أَنَّ مِزَاجَ الْجُعَلِ يَتَغَيَّرُ
 بِرَائِحَةِ الْوَرْدِ وَهِيَ مِنَ الرَّوَائِجِ الطَّيِّبَةِ فَلَيْسَ الْوَرْدُ عِنْدَ الْجُعَلِ بِرِيحٍ طَيِّبَةٍ وَمِنْ
 كَانَ عَلَى مِثْلِ هَذَا الْمِزَاجِ مَعْنَى وَصُورَةٍ أَفْرَ بِهِ الْحَقُّ إِذَا سَبَعَهُ وَسَرَّ بِأَلْبَابِ طِلْدٍ
 هُوَ قَوْلُهُ تَعَالَى (وَالَّذِينَ آمَنُوا بِأَلْبَابِ طِلْدٍ وَكَفَرُوا بِإِلَهِهِ) وَوَصَفَهُمْ بِالْخُسْرَانِ فَقَالَ
 (أُولَئِكَ هُمُ الْخُسْرُونَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنْفُسَهُمْ) فَإِنَّهُ مَنْ لَمْ يُدْرِكِ الطَّيِّبَ مِنَ الْخَبِيثِ
 فَلَا إِدْرَاكَ لَهُ فَبَا حَبِثَ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَّا الطَّيِّبُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ وَمَا
 تَمَّ إِلَّا هُوَ وَهَلْ يَتَصَوَّرُ أَنْ يَكُونَ فِي الْعَالَمِ مِزَاجٌ لَا يَجِدُ إِلَّا الطَّيِّبَ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ وَلَا
 يَعْرِفُ الْخَبِيثَ أَمْ لَا قُلْنَا هَذَا لَا يَكُونُ فَإِنَّمَا وَجَدْنَا فِي الْأَصْلِ الَّذِي ظَهَرَ الْعَالَمُ
 مِنْهُ وَهُوَ الْحَقُّ فَوَجَدْنَا لَا يَكْرَهُ وَيُحِبُّ وَلَيْسَ الْخَبِيثُ إِلَّا مَا يُكْرَهُ وَلَا الطَّيِّبُ إِلَّا مَا
 يُحِبُّ وَالْعَالَمُ عَلَى صُورَةِ الْحَقِّ وَالْإِنْسَانُ عَلَى صُورَتَيْنِ فَلَا يَكُونُ شَمَّةً مِزَاجٌ لَا يُدْرِكُ
 إِلَّا الْأَمْرَ الْوَاحِدَ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ بَلْ شَمَّةً مِزَاجٌ يُدْرِكُ الطَّيِّبَ مِنَ الْخَبِيثِ مَعَ عَلَيْهِ بِأَنَّهُ
 خَبِيثٌ بِالدَّوْقِ طَيِّبٌ بِغَيْرِ الدَّوْقِ فَيَشْغَلُهُ إِدْرَاكَ الطَّيِّبِ مِنْهُ عَنِ الْإِحْسَاسِ بِخَبِيثِهِ
 هَذَا قَدْ يَكُونُ وَأَمَّا رَفْعُ الْخَبِيثِ مِنَ الْعَالَمِ أَيْ مِنَ الْكَوْنِ فَإِنَّهُ لَا يُصِحُّ وَرَحْمَةُ
 اللَّهِ فِي الْخَبِيثِ وَالطَّيِّبِ عِنْدَ نَفْسِهِ طَيِّبٌ وَالطَّيِّبُ عِنْدَ الْخَبِيثِ فَشَمَّةً شَيْءٌ
 طَيِّبٌ إِلَّا وَهُوَ مِنْ وَجْهِهِ فِي حَقِّ مِزَاجٍ مَا خَبِيثٌ وَكَذَلِكَ بِالْعَكْسِ وَأَمَّا الثَّلَاثُ الَّذِي
 بِهِ كَمُلَتِ الْفَرْدِيَّةُ فَالْمُصْلُوَةُ فَقَالَ وَجُعِلَتْ قُرَّةُ عَيْنِي فِي الْمُصْلُوَةِ لِأَنَّهَا مُشَاهِدَةٌ وَذَلِكَ
 لِأَنَّهَا مُنَاجَاتٌ بَيْنَ اللَّهِ وَبَيْنَ عَبْدِهِ كَمَا قَالَ (فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ) وَهِيَ عِبَادَةٌ

مَقْسُومَةٌ بَيْنَ اللَّهِ وَبَيْنَ عَبْدِهِ بِنِصْفَيْنِ نِصْفُهَا لِلَّهِ وَنِصْفُهَا لِلْعَبْدِ كَمَا وَرَدَ فِي الْخَبَرِ
الصَّحِيحِ عَنِ اللَّهِ تَعَالَى أَنَّهُ قَالَ قُسِمَتِ الصَّلَاةُ بَيْنِي وَبَيْنَ عَبْدِي نِصْفَيْنِ نِصْفُهَا لِي وَ
نِصْفُهَا لِعَبْدِي وَ لِعَبْدِي مَا سَأَلَ يَقُولُ الْعَبْدُ (بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ) يَقُولُ اللَّهُ ذَكَرَ
فِي عَبْدِي يَقُولُ الْعَبْدُ (اَلْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ) يَقُولُ اللَّهُ حَمْدِي فِي عَبْدِي يَقُولُ الْعَبْدُ
(الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ) يَقُولُ اللَّهُ أَتَنِي عَلَى عَبْدِي يَقُولُ الْعَبْدُ (مَا لِكَ يَوْمَ الدِّينِ) يَقُولُ اللَّهُ مُجَدِّي عَبْدِي وَ
فَوَضَّ إِلَيَّ عَبْدِي فَهَذَا النِّصْفُ كُلُّهُ لِلَّهِ تَعَالَى خَارِصٌ ثُمَّ يَقُولُ الْعَبْدُ (يَا كَ تَعْبُدُ وَيَا كَ نَسْتَعِينُ)
يَقُولُ اللَّهُ هَذَا بَيْنِي وَبَيْنَ عَبْدِي وَ لِعَبْدِي مَا سَأَلَ فَأَوْقَعَ الْإِشْتِرَاكَ فِي هَذِهِ الْآيَةِ يَقُولُ
الْعَبْدُ (اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَ
كَالضَّالِّينَ) يَقُولُ اللَّهُ فَهُوَ لَاءِ لِعَبْدِي وَ لِعَبْدِي مَا سَأَلَ فَخَلَصَ هُوَ لَاءِ لِعَبْدِي كَمَا
خَلَصَ الْآوَالُ لَهُ تَعَالَى فَعَلِمَ مِنْ هَذَا دُجُوبُ قِدَارَةِ الْحَمْدِ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ فَهَنَ لَمْ
يَقْرَأَهَا صَلَّى الصَّلَاةَ الْمَقْسُومَةَ بَيْنَ اللَّهِ وَبَيْنَ عَبْدِهِ وَلَمَّا كَانَتْ مُنَاجَاةً فِيهِ ذِكْرٌ وَمَنْ ذَكَرَ
الْحَقَّ فَقَدْ جَالَسَ الْحَقَّ وَجَالَسَهُ الْحَقُّ فَإِنَّهُ صَحَّ فِي الْخَبَرِ إِلَّا لِلَّهِ أَنَّهُ تَعَالَى قَالَ أَنَا
جَلِيسُ مَنْ ذَكَرَنِي وَمَنْ جَالَسَ مَنْ ذَكَرَكَ وَهُوَ ذُو بَصَرٍ رَأَى جَلِيسَهُ فَهَذِهِ مُشَاهَدَةٌ
وَمُرُوءِيَّةٌ فَإِنْ لَمْ يَكُنْ ذَا بَصَرٍ لَمْ يَرَ هُنَا يَعْلَمُ الْمُصَلِّيُ رُتْبَتَهُ هَلْ يَرَى الْحَقَّ
بِهَذِهِ الرُّؤْيَا فِي هَذِهِ الصَّلَاةِ أَمْ لَا فَإِنْ لَمْ يَرَ فَلْيَعْبُدْ يَا لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَّهُ يَرَاهُ فَيُخَيِّلُهُ
فِي قِبَلَتِهِ عِنْدَ مُنَاجَاتِهِ وَيُلْقَى السَّمْعَ لَهَا يَرُدُّ بِهِ عَلَيْهِ مِنَ الْحَقِّ فَإِنْ كَانَ إِمَامًا لِعَالَمِهِ
الْخَاصِّ بِهِ وَلِلْمَلِئِكَةِ الْمُصَلِّينَ مَعَهُ فَإِنَّ كُلَّ مُصَلٍّ فَهُوَ إِمَامٌ بِلَا شَكٍّ فَإِنَّ الْمَلِئِكَةَ
تُصَلِّيُ خَلْفَ الْعَبْدِ إِذَا صَلَّى وَحْدًا كَمَا وَرَدَ فِي الْخَبَرِ فَقَدْ حَصَلَ لَهُ رُتْبَةُ الرَّسُولِ فِي
الصَّلَاةِ وَهِيَ الْإِنِّيَابَةُ عَنِ اللَّهِ تَعَالَى وَإِذَا قَالَ سَمِعَ اللَّهُ بِمَنْ حَمِدَكَ فَيُخَبِّرُ نَفْسَهُ وَمَنْ
خَلْفَهُ يَا نَ اللَّهُ قَدْ سَمِعَهُ فَتَقُولُ الْمَلِئِكَةُ وَالْحَاضِرُونَ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ فَإِنَّ اللَّهَ
قَالَ عَلَى لِسَانِ عَبْدِكَ سَمِعَ اللَّهُ بِمَنْ حَمِدَكَ فَانْظُرْ عُلُوَّ رُتْبَةِ الصَّلَاةِ وَإِلَى آيَاتِ تَنْتَهَى بِصَاحِبِهَا
فَمَنْ لَمْ يَحْصِلْ لَهُ دَرَجَةُ الرُّؤْيَا فِي الصَّلَاةِ فَمَا بَلَغَ غَايَتَهَا وَلَا كَانَ لَهُ فِيهَا قُرَّةُ عَيْنٍ
لَا نَهْ لَمْ يَرَمْ يَنْجِيهِ فَإِنْ لَمْ يَسْمَعْ مَا يَرُدُّ مِنَ الْحَقِّ عَلَيْهِ فِيهَا فَمَا هُوَ مِثْلُ مَنْ أَلْقَى السَّمْعَ

وَلَا سَمْعَهُ وَمَنْ لَمْ يَحْضَرْ فِيهَا مَعَ رَبِّهِ مَعَ كَوْنِهِ لَمْ يَسْمَعْ وَلَمْ يَرِ فَلَيْسَ بِمُصَلٍّ أَصْلًا وَلَا
هُوَ مِمَّنْ (أَلْفَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيدٌ) وَمَا تَمَّ عِبَادَةُ تَمَنُّعٌ مِنَ التَّصَرُّفِ فِي غَيْرِهَا مَا دَامَتْ
سِوَى الصَّلَاةِ وَذَكَرُ اللَّهِ فِيهَا أَكْبَرُ مَا فِيهَا لِهَا تَشْتَبِلُ عَلَيْهِ مِنَ الْأَقْوَالِ وَالْأَفْعَالِ وَقَدْ
ذَكَرْنَا صِفَةَ الرَّجُلِ الْكَامِلِ فِي الصَّلَاةِ فِي الْفُتُوحَاتِ الْمَكِّيَّةِ كَيْفَ يَكُونُ لِأَنَّ اللَّهَ
تَعَالَى يَقُولُ (إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهَى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ) لِأَنَّهُ شَرَعَ لِلْمُصَلِّي أَنْ لَا يَتَصَرَّفَ
فِي غَيْرِ هَذِهِ الْعِبَادَةِ مَا دَامَ فِيهَا وَيُقَالُ لَهُ مُصَلٍّ (وَلِذِكْرُ اللَّهِ أَكْبَرُ) يَعْنِي فِيهَا آيُ الدِّكْرِ
الَّذِي يَكُونُ مِنَ اللَّهِ لِعِبَادِهِ حِينَ يُجِيبُهُ فِي سُؤَالِهِ وَالتَّنَاءُ عَلَيْهِ أَكْبَرُ مِنْ ذِكْرِ الْعَبْدِ رَبَّهُ
فِيهَا لِأَنَّ الْكِبْرِيَاءَ يَلِدُ تَعَالَى وَلِذَا لِكَ قَالَ (وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا تَصْنَعُونَ) وَقَالَ (أَدَا لَقَى السَّمْعَ
وَهُوَ شَهِيدٌ) فَالْقَاوَةُ السَّمْعَ هُوَ لَهَا يَكُونُ مِنْ ذِكْرِ اللَّهِ آيَا فِيهَا وَمِنْ ذَلِكَ الْوُجُودُ لَهَا كَانَ مِنْ حَرَكَةٍ مَعْقُودَةٍ
نَقَلَتْ الْعَالَمَ مِنَ الْعَدَمِ إِلَى الْوُجُودِ عَمَّتِ الصَّلَاةُ جَمِيعَ الْحَرَكَاتِ وَهِيَ ثَلَاثُ حَرَكَاتٍ
مُسْتَقِيمَةٌ وَهِيَ حَالُ قِيَامِ الْمُصَلِّي وَحَرَكَةُ أُفْقِيَّةٌ وَهِيَ حَالُ رُكُوعِ الْمُصَلِّي وَحَرَكَةُ
مَنْكُوسَةٌ وَهِيَ حَالُ سُجُودِ الْمُصَلِّي وَحَرَكَةُ الْإِنْسَانِ مُسْتَقِيمَةٌ وَحَرَكَةُ الْحَيَوَانِ
أُفْقِيَّةٌ وَحَرَكَةُ النَّبَاتِ مَنْكُوسَةٌ وَلَيْسَ لِلْجَهَادِ حَرَكَةٌ مِنْ ذَاتِهِ فَإِذَا اتَّحَرَّكَ تَحَرَّكَ
فَانْتَابَ يَتَحَرَّكَ بِغَيْرِهِ وَأَمَّا قَوْلُهُ جُعِلَتْ قُرَّةُ عَيْنِي فِي الصَّلَاةِ وَلَمْ يَنْسِبِ الْجَعْلَ إِلَى
نَفْسِهِ فَإِنَّ تَجَلَّى الْحَقِّ لِلْمُصَلِّي إِنَّهَا هُوَ رَاجِعٌ إِلَيْهِ تَعَالَى لَا إِلَى الْمُصَلِّي فَإِنَّهُ لَوْ كَمَّ يَدُ كَرِهَ هَذِهِ
الصِّفَةَ عَنْ نَفْسِهِ لَا مَرَكًا بِالصَّلَاةِ عَلَى غَيْرِ تَجَلَّى مِنْهُ لَهُ فَلَمَّا كَانَ مِنْهُ ذَلِكَ بِطَرِيقِ الْإِمْتِنَانِ
فَقَالَ وَجُعِلَتْ قُرَّةُ عَيْنِي فِي الصَّلَاةِ وَلَيْسَ إِلَّا مُشَاهَدَةً لِلْحُبُوبِ الَّتِي تَقَرُّ بِهَا عَيْنُ
السُّحْبِ مِنَ الْإِسْتِقْرَارِ فَتَسْتَقِرُّ الْعَيْنُ عِنْدَ رُؤُوسِهِ فَلَا تَنْظُرُ مَعَهُ إِلَى شَيْءٍ غَيْرِهِ فِي شَيْءٍ
وَفِي غَيْرِ شَيْءٍ وَلِذَا لِكَ نَهَى عَنِ الْإِلْتِفَاتِ فِي الصَّلَاةِ فَإِنَّ الْإِلْتِفَاتِ شَيْءٌ يَخْتَلِسُهُ الشَّيْطَانُ
مِنْ صَلَاةِ الْعَبْدِ فَيُحْرِمُهُ مُشَاهَدَةً مُحَبُّوبِهِ بَلْ لَوْ كَانَ مُحَبُّوبَ هَذَا الْمُلْتَفِتِ مَا التَفَتَ
فِي صَلَاتِهِ إِلَى غَيْرِ قِبَلَتِهِ بِوَجْهِهِ وَالْإِنْسَانُ يَعْلَمُ حَالَهُ فِي نَفْسِهِ هَلْ هُوَ بِهَذِهِ الْمَشَابَةِ فِي هَذِهِ
الْعِبَادَةِ الْخَاصَّةِ أَمْ لَا (بَلِ الْإِنْسَانُ عَلَى نَفْسِهِ بَصِيرَةٌ) وَتَوَالَفَى مَعَاذِيرُهُ (فَهُوَ يَعْرِفُ كَذِبَهُ
مِنْ صِدْقِهِ فِي نَفْسِهِ) لَكِنَّ الشَّيْءَ لَا يَجْهَلُ حَالَهُ فَإِنْ حَالَهُ لَهُ ذَوْنِي ثُمَّ إِنَّ مَسْمَى الصَّلَاةِ لَهَا

تَسْمَهُ أُخْرَى فَإِنَّهُ تَعَالَى أَمَرَنَا أَنْ نُصَلِّيَ لَهُ وَآخَرَنَا أَنَّهُ يُصَلِّيَ عَلَيْنَا فَالصَّلَاةُ مِنَّا وَمِنْهُ
فَإِذَا كَانَ هُوَ الْمُصَلِّيُّ فَإِنَّمَا يُصَلِّيُ بِرَأْسِهِ الْآخِرُ فَيَتَأَخَّرُ عَنْ وَجُودِ الْعَبْدِ وَهُوَ عَيْنُ الْحَقِّ الَّذِي
يَخْلُقُهُ الْعَبْدُ فِي قَلْبِهِ يَنْظُرُ فِي الْفِكْرِ أَوْ بِتَقْلِيدِهِ وَهُوَ إِلَاهُ الْمُعْتَقِدِ وَيَتَنَوَّمُ بِحَسَبِ مَا
قَامَ بِذَلِكَ الْحَالِ مِنَ الْإِسْتِعْدَادِ كَمَا قَالَ الْجَنِيدُ حِينَ سُئِلَ عَنِ الْمَعْرِفَةِ بِاللَّهِ وَالْعَارِفِ
فَقَالَ تَوْنُ الْبَاءِ تَوْنُ إِنَائِهِ وَهُوَ جَوَابُ سَأْدٍ أَخْبَرَ عَنِ الْأَمْرِ بِهَا هُوَ عَلَيْهِ فَهَذَا هُوَ اللَّهُ الَّذِي
يُصَلِّيَ عَلَيْنَا وَإِذَا صَلَّيْنَا نَحْنُ كَانَ لَنَا الْإِسْمُ الْآخِرُ فَكُنَّا فِيهِ كَمَا ذَكَرْنَا فِي حَالِ مَنْ
لَهُ هَذَا الْإِسْمُ فَكَوْنُ عِنْدَهُ بِحَسَبِ حَالِنَا فَلَا يَنْظُرُ إِلَيْنَا إِلَّا بِصُورَةٍ مَا جُنَّاهُ بِهَا فَإِنَّ الْمُصَلِّيَّ
هُوَ الْمُتَأَخِّرُ عَنِ السَّابِقِ فِي الْحَلْبَةِ وَقَالَ اللَّهُ تَعَالَى (كُلُّ قَدْ عَلِمَ صَلَوَتَهُ وَتَسْبِيحَهُ) أَيْ
رُتَبَتَهُ فِي التَّأَخُّرِ فِي عِبَادَتِهِ لِرَبِّهِ وَتَسْبِيحَهُ الَّذِي يُعْطِيهِ مِنَ التَّزْوِيهِ إِسْتِعْدَادُهُ فَمَا مِنْ
شَيْءٍ إِلَّا وَهُوَ يُسَبِّحُ بِحَمْدِ رَبِّهِ الْحَلِيمِ الْغَفُورِ وَلِذَلِكَ لَا نَفْقَهُ تَسْبِيحَ الْعَالَمِ عَلَى التَّفْصِيلِ
وَاحِدًا وَاحِدًا وَثَبَّتَهُ مُرْتَبَةً يَعُودُ الظَّاهِرُ فِيهَا إِلَى الْعَبْدِ الْمُسَبِّحِ فِيهَا فِي قَوْلِهِ (وَإِنْ مِنْ
شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ) أَيْ بِحَمْدِ ذَلِكَ الشَّيْءِ فَالظَّاهِرُ الَّذِي فِي قَوْلِهِ بِحَمْدِهِ يَعُودُ إِلَى
الشَّيْءِ أَيْ بِالنَّشَاءِ الَّذِي يَكُونُ عَلَيْهِ كَمَا قُلْنَا فِي الْمُعْتَقِدِ أَنَّهُ إِنَّمَا يَتَنَبَّهُ عَلَى إِلَهِ الَّذِي فِي
مُعْتَقِدِهِ وَرَبَطَ بِهِ نَفْسَهُ وَمَا كَانَ مِنْ عَمَلِهِ فَهُوَ رَاجِعٌ إِلَيْهِ فَمَا أَتَى إِلَّا عَلَى نَفْسِهِ فَإِنَّهُ
مَنْ مَدَحَ الصَّنِيعَةَ فَإِنَّمَا مَدَحَ الصَّارِعَ بِلَا شَكٍّ فَإِنْ حُسِنَتْهَا وَعَدَمَ حُسْنَهَا رَاجِعٌ إِلَى صَارِعِهَا
وَاللَّهُ الْمُعْتَقِدُ مَصْنُوعٌ لِلنَّظِيرِ فِيهِ فَهُوَ صَنَعَتْهُ فَتَنَاءُ دَوْلَا عَلَى مَا أُعْتَقِدَ لَا تَنَاءُ دَوْلَا عَلَى نَفْسِهِ
وَلِهَذَا إِذَا يَدُومُ مُعْتَقِدٌ غَيْرُهُ وَكَوْنُ أَنْصَفَ لَمْ يَكُنْ لَهُ ذَلِكَ إِلَّا أَنْ صَاحِبَ هَذَا الْمَعْبُودِ الْخَاصِّ
جَاهِلٌ بِلَا شَكٍّ فِي ذَلِكَ لِإِعْتِرَاضِهِ عَلَى غَيْرِهِ فِي مَا أُعْتَقِدَ فِي اللَّهِ إِذَا لَوْ عَرَفَتْ مَا قَالَ
الْجَنِيدُ تَوْنُ الْبَاءِ تَوْنُ إِنَائِهِ لَسَلَّمَ بِكُلِّ ذِي إِعْتِقَادٍ مَا أُعْتَقِدَ لَا وَعَرَفَتْ اللَّهُ فِي كُلِّ
صُورَةٍ وَكُلِّ مُعْتَقِدٍ فَهُوَ ظَانٌّ لَيْسَ بِعَالِمٍ فَبِذَلِكَ قَالَ تَعَالَى أَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِي بِي أَيْ لَا
أُظْهِرُ لَهُ إِلَّا فِي صُورَةٍ مُعْتَقِدَةٍ فَإِنْ شَاءَ أَطْلَقَ وَإِنْ شَاءَ تَيَّدَ قَالَ اللَّهُ الْمُعْتَقِدُ تَأْخُذُكَ
الْحُدُودُ وَهُوَ إِلَاهُ الَّذِي وَسِعَتْهُ قَلْبُ عَبْدِهِ فَإِنَّ إِلَاهَ الْمُطْلَقِ لَا يَسَعُهُ شَيْءٌ إِلَّا أَنَّهُ عَيْنُ
الْأَشْيَاءِ وَعَيْنُ نَفْسِهِ وَالشَّيْءُ لَا يُقَالُ فِيهِ يَسَعُ نَفْسَهُ وَلَا لَا يَسَعُهَا فَانْهَمُوا وَادَّعَى يَقُولُ الْحَقِّ

یہ حکمت فردیہ کا قصہ کلمہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان میں ہے

چونکہ حکمت فردیہ مجملہ حکمتوں کی خاتم ہے اس لئے اس کا بیان سب سے آخر میں کیا گیا ہے اور حکمت فردیہ کو سرکارِ دو عالم جناب محمد پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرنے کی حکمت یہ ہے کہ کمالِ فردیت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس و اطہر پر ختم اور اتم ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے خلیفہ واحد ہیں اور دیگر مجملہ انبیاء علیہم السلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفاء ہیں یَقُولُ لَهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَنَا مِنَ اللَّهِ وَالْمُؤْمِنُونَ مِنْ قَبْلِ نُوحٍ

سوائے اس کے نہیں کہ جناب محمد پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی حکمت فردیت ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس نوعِ انسانی میں کامل ترین ہستی ہیں یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام انسانوں کے سردار ہیں کَمَا قَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَنَا سَيِّدُ النَّاسِ وَلَا فَخْرَ۔ امرِ نبوت کی ابتدا حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کیسا تھے ہوئی اور آپ ہی کے ساتھ ختم ہوئی۔ سب سے پہلی چیز جو اللہ تعالیٰ نے اپنے نورِ پاک سے پیدا کی وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رُوحِ پاک ہے یَقُولُ لَهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللَّهُ رُوحِي اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اُس وقت نبوت سے مشرف تھے جب نہ عالم کا وجود تھا اور نہ آدم کا وجود تھا کَمَا وَدَّ فِي الْحَدِيثِ كُنْتُ نَبِيًّا وَاَدَمُ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رُوحِ پاک سے مجملہ ارواح پیدا کی گئیں بلکہ مجملہ ارواح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شعائیں ہیں۔ یہ ہی وجہ ہے کہ کوئی نبی یا ولی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت کو نہیں پاسکتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بحرِ مَوج کی مثل ہیں انبیاء و اولیاء علیہم السلام اُس بحرِ نور سے انہار نکالی گئی ہیں اور باقی مخلوقات اُس بحرِ نور کے قطرات ہیں۔ مجملہ انبیاء علیہم السلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نائب ہیں۔ عالمِ ارواح میں انبیاء علیہم السلام کو علم و لایت خاتم الاولیاء حضرت نورِ عظیم پاک سیدِ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ پڑھاتے تھے اور علمِ شریعت خاتم الرسل سرکارِ دو عالم جناب محمد پاک صلی اللہ علیہ وسلم پڑھاتے تھے جیسا کہ فص شیشی میں اس امر کی صراحت کی گئی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم انبیاء کرام کو پڑھا کر دُنیا میں بھیجتے رہے اور بالآخر ظہورِ عنصری میں خاتم النبیین بن کر دُنیا میں تشریف لے آئے یعنی اب آپ کے بعد ابد الابد تک کوئی نبی یا رسول

کیلئے دلیل اول یعنی تعین اول ہیں ایسے ہی تثلیث میں یعنی کمال جامعیت میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم جملہ افراد سے اول ہیں مراد یہ ہے کہ رب تعالیٰ کیلئے سوائے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کوئی ہستی مرآتِ تامہ نہیں ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ذات پر آپ ہی دلیل ہیں یعنی آپ کی مثل کوئی نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بوجہ مظہریتِ تامہ کے رب تعالیٰ کی دلیل یعنی رب تعالیٰ کی نشانی ہیں۔ لیکن اس دلیل پر اور کوئی چیز دلیل نہیں یعنی اور کوئی شے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مثل نہیں۔ مراد یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو اللہ تعالیٰ کی مثل ہیں لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مثل کوئی نہیں گنا قال تعالیٰ (لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ) حضرت شیخ الاکبر رضی اللہ عنہ فتوحات کے جز ثانی باب ۲۸۸ میں ص ۶۲۱ پر فرماتے ہیں هُوَ الْإِنْسَانُ الْكَامِلُ الَّذِي لَا يُبَادِلُ فِي لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ یعنی لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ میں جس سے مثل کی نفی کی گئی ہے وہ انسان کامل صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ اور فتوحات کے جز ثالث باب ۳۲۹ میں فرمایا لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ اَيْ لَيْسَ مِثْلَ شَيْءٍ اَيْ مَنْ هُوَ مِثْلٌ لَهُ يَوْجُودُهُ عَلَى صُورَتِهِ لَا يُقْبَلُ اَيْ مِثْلُ لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ کے یہ معنی ہیں کہ خدا کی مثل کی مثل نہیں ہے یعنی جو خدا کی صورت پر ہونے کی وجہ سے اس کی مثل ہو وہ مثل کو قبول نہیں کرتا۔ ہکذا فی ج ۲ ص ۸۹۶ وج ۲ ص ۱۹۸ ص ۲۰۰

اور چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت بہ سبب آپ کے مُثَلَّثُ الْخَلْقِ ہونے کے آپ کو فردیتِ اولیٰ عطا کرتی ہے یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام انسانوں کے سردار اسلئے ہیں کہ آپ جمیع کمالاتِ حقی و ملکی و بشری کے جامع ہیں اسلئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے محبت کے متعلق جو وجودِ عالم کا باعث ہے فرمایا حُبِّ اِلٰی مِنْ دُنْيَا كَمَثَلِ ثَلَاثِ اَنْثِيَاءٍ وَ الطَّيِّبُ وَ جُعِلَتْ قُرَّةُ عَيْنِي فِي الصَّلَاةِ تمہاری دنیا میں سے میری طرف تین چیزیں محبوب رکھائی گئی ہیں عورتیں و خوشبو اور میری آنکھ کی ٹھنک نماز میں کی گئی ہے۔ محبتِ ایجادِ عالم کا باعث ہے گنا قال تعالیٰ فِي حَدِيثِ الْقُدْسِيِّ كُنْتُ كَنْزًا مَخْفِيًّا فَاجَبْتُ اَنْ اُعْرَفَ فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ مجھے تین چیزوں سے محبت ہے بلکہ فرمایا مجھے یہ تین چیزیں محبوب رکھائی گئی ہیں یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت تو صرف اللہ تعالیٰ سے ہے اور اللہ تعالیٰ نے یہ تین چیزیں آپ کی محبوب بنائیں۔ نیز فرمایا دُنْيَا كَمَثَلِ ثَلَاثِ اَنْثِيَاءٍ اس سے یہ ثابت ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے نہیں ہیں بلکہ ایک برائی حقیقت ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے نہیں ہیں بلکہ دنیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نورِ پاک سے ہے بقولہ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَنَا مِنْ نُورِ اَمَلِهِ وَالْخَلْقُ كُلُّهُمْ مِنْ نُورِي۔ پھر دنیا میں سے تین چیزیں کیوں محبوب رکھائی گئیں اسلئے کہ آپ مظہرِ تثلیث ہیں یعنی آپ تین کمالاتِ حقی و ملکی و بشری کے جامع ہیں عورتوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بشری کمال مضمر ہے و نماز میں ملکی کمال مضمر ہے اور خوشبو میں حقی کمال مضمر ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم مجسمِ خوشبو ہیں اور یہ ہی وجہ ہے کہ جس گلی مبارک سے آپ گزر جاتے تھے وہاں سے خوشبو کے محلے آتے تھے

نہیں آئیگا۔ فَقَالَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا رَسُولَ بَعْدِي وَلَا نَبِيٍّ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی ہستی کا لقب نبی نہیں ہو سکتا خواہ وہ کتنی ہی بزرگ کیوں نہ ہو۔ اور اب ابد الابد تک شرح محمدی صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن مجید کے احکام کا دور دورہ رہیگا۔ ذِاَوَّلُ اٰخِرُ اور افراد کا اوّل تین ہے یعنی ذات حق نے سب سے اوّل فیض اقدس سے اپنی ذات سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عین ثابۃ پیدا کیا اور پھر اُس عین ثابۃ کے مطابق فیض مقدس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رُوح اقدس پیدا کی۔ یاد رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جسدِ مُعْتَبَر و مُعْطَر بھی رُوحانی و ربّانی ہے۔ پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رُوح اقدس جو جملہ افراد یعنی جملہ اُمّیین سے اوّل ہے ذاتِ بحت کا تیسرا مرتبہ ہے نیز اوّل افراد تین ہے سے مراد یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم عالم ذات، عالم امر اور عالم خلق کا مجموعہ ہیں۔ آپ حقیقی صفات، ملکی صفات اور خلقی صفات کے جامع ہیں اور جو کچھ اس اوّل الّا افراد پر زائد ہے وہ اسی سے ہے یعنی جمیع عوالم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نورِ پاک سے پیدا کئے گئے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے نور سے پیدا کئے گئے ہیں اور جمیع کون و مکان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نورِ پاک سے پیدا کئے گئے ہیں کَمَا قَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَنَا مِنْ نُورِ اللَّهِ وَالْخَلْقُ كُلُّهُمْ مِنْ نُورِي حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے نور سے اس طرح ظاہر ہوئے ہیں جس طرح بیج سے انگور ظاہر ہوتا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نورِ پاک سے جمیع کائنات اس طرح ظاہر ہوئی ہیں جس طرح انگور سے درخت ظاہر ہوتا ہے۔ پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رب پر پہلی دلیل ہوئے یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے تعین اوّل ہیں۔ مراد یہ ہے کہ ذاتِ بحت مرتبہ بطون در بطون سے تنزل فرما کر سب سے اوّل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صورتِ پاک پر جلوہ نما ہوئی۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کلماتِ جامع عطا کئے يَقُولُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ اُذِتِيَتْ جَوَامِعُ الْكَلِمِ۔ کلم کلمہ کی جمع ہے اور عالم کی ہر شے کلمہ ہے کَمَا قَالَ تَعَالَى (وَكَلِمَتُهُ اَنْقَاهَا اِلَى مَرْيَمَ) یعنی خدا نے اپنا کلمہ مریم کی طرف اَلْقَا کیا اور وہ عیسیٰ علیہ السلام ہے پس تمام اعیانِ موجودات اللہ تعالیٰ کے کلمات ہیں جو ختم نہیں ہوتے یعنی لامتناہی ہیں۔ پس ثابت ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جمیع موجودات کے اسماء اور اُن کے معانی کا علم حاصل ہے یعنی آپ کو اسماء اور مُسمّیات دونوں کا علم حاصل ہے اور آدم علیہ السلام کو صرف اسماء کا علم حاصل ہے يَقُولُهُ تَعَالَى (وَعَلَّمَهُ اَدَمُ الْاَسْمَاءَ كُلَّهَا)۔ پس آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے صرف اسماء سکھائے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اُن اسماء کے معانی کے حامل ہیں۔ فَاشْبَهَ اٰخِرُ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی تثلیث میں دلیل کے مشابہ ہوئے اور وہ دلیل اپنے نفس پر آپ ہی دلیل ہے یعنی جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم رب تعالیٰ

کہ اللہ تعالیٰ کا ظہور ہر ذرہ میں ہر تعین میں اور ہر انسان میں ہے لیکن اُس ذات نے ہر شے میں اُس شے کی استعداد کے مطابق ظہور فرمایا ہے۔ اس اعتبار سے ہر شے اُس ذات کیلئے ایک مرآت ہے لیکن اُس ذات کیلئے مظہر اتم اور مرآت تامہ صرف اور صرف سرکارِ دو عالم جناب محمد پاک صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کَمَا قَالَ اللَّهُ تَعَالَى فِي حَدِيثِ الْقُدْسِيِّ كَوَلَاكَ كَمَا ظَهَرَتْ دُبُورِيَّتِي اے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم! اگر آپ نہ ہوتے تو میری رُبُوبیت ظاہر نہ ہوتی۔

وَإِنَّمَا آتَىٰ أَوَّلَ سَوَاتِي اس کے نہیں ہے کہ عورتیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف محبوب کی گئیں ہیں یعنی اللہ تعالیٰ نے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک میں عورتوں کی محبت ڈالی اور آپ نے اُن کی طرف میلان کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عورتوں کی طرف میلان ایسے ہی ہے جیسے گل کا میلان جُز کی طرف ہوتا ہے۔ عورت چونکہ مرد کی پسلی سے پیدا کی گئی ہے اسلئے عورت مرد کا جُز ہے۔ نیز ساری خلق چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نور پاک سے پیدا کی گئی ہے کَمَا قَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَنَا مِنْ نُورِ اللَّهِ وَانْخَلَقْتُ كُلُّهُمْ مِنْ نُورِي اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم بمنزلہ گل ہیں اور ہر موجود آپ کی جُز ہے یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک بحرِ مَواج ہیں اور جمیع موجودات اُس سمندر کے قطرات ہیں۔ مُراد یہ ہے کہ حقیقت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اپنی ہی ذات کیساتھ ہے۔ اور حقیقت میں اُس حدیث شریف حُبِّ رَاقِیَّہ کیساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایسے امر کو ظاہر کیا ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اُس کے قول (وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُوحِي) جو اس نشأتِ انسانی عنفوی کے متعلق وارد ہے میں مندرج ہے (وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُوحِي) اور انسان میں میں نے اپنی رُوح پھونکی سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ انسانی رُوح اللہ تعالیٰ کی رُوح ہے یعنی انسان اللہ تعالیٰ کی جُز ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کی انسان کے ساتھ محبت کی وجہ بھی یہی ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی جُز ہے۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ فرمادیا ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کا محبوب ہے جیسے کہ عورتیں ہماری محبوب ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کا اس طرح وصف بیان کیا ہے کہ اُس کو انسان کے بقاء کا سخت شوق ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے مُشتاقین کے بارہ میں فرمایا اے داؤد! میں اپنے مُشتاقین کا سخت شوق رکھتا ہوں مُراد یہ ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کا بقاء چاہتا ہے اللہ تعالیٰ اُس بندے پر عاشق ہے اور اُس کے بقاء کا سخت مُشتاق ہوتا ہے۔ وَهُوَ آتَىٰ أَوَّلَهُ بَقَاءً خَاصً ہے یعنی اللہ تعالیٰ کا بقاء خاص انسان ہی کی صورت پر ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کیلئے مجلی اعظم اور مرآتِ تامہ سرکارِ دو عالم جناب محمد پاک صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کَمَا قَالَ تَعَالَى
 (ص وَالْقُدْرَانِ ذِي الذِّكْرِ) قسم ہے آپ کی صورتِ پاک کی کیونکہ یہ میری صورت ہے اور قسم ہے سمجھانے
 والے قرآن کی یعنی آپ کی حقیقت کی کیونکہ آپ کی حقیقت میں میری حقیقت تلاوت کی جا رہی ہے۔ اللہ
 تعالیٰ ظاہر بھی ہے اور باطن بھی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ظاہر اللہ تعالیٰ کا ظاہر ہے اور حضور صلی اللہ
 علیہ وسلم کا باطن اللہ تعالیٰ کا باطن ہے۔ اللہ تعالیٰ اول بھی ہے اور آخر بھی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی
 حقیقت کے اعتبار سے اول ہیں اور ظہور غنصری کے اعتبار سے آخر ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ کا بقاء خاص طالب
 مولا کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صورتِ پاک پر نصیب ہوتا ہے يَقُولُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ مَنْ رَأَى فَقَدْ رَأَى
 الْحَقَّ۔ اور روایت حق تعالیٰ کے متعلق حدیثِ دجال میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اِنَّ اَحَدَكُمْ
 لَنْ يَرَى رَبَّهُ حَتَّى يَمُوتَ ثُمَّ يَمُوتُ مِنْ رُبِّهِ حَتَّى يَرَى رَبَّهُ حَتَّى يَمُوتَ ثُمَّ يَمُوتُ مِنْ رُبِّهِ حَتَّى يَرَى رَبَّهُ
 بندہ اپنی وہمی خودی کو نہ مٹائے رب تعالیٰ کو نہیں دیکھ سکتا۔ عشق کے بغیر ہستی نہیں مٹتی اسلئے ضروری
 ہے کہ طالب مولا کو عشق نصیب ہو۔ حقیقت میں جن ارواح کو اللہ تعالیٰ نے ازل میں اپنی بارگاہ کیلئے
 منتخب فرمایا ہے اُن کو عشق کی کمند ڈال کر اپنی بارگاہ میں کھینچ لیتا ہے پس اللہ تعالیٰ کا اِن مُقَرَّبِينَ کے
 لئے شوق ثابت ہے۔ اللہ تعالیٰ ازل سے اُن ارواح پر عاشق ہے اور اُن ارواح پر اُس کی نظر ہے۔
 اُس عشق الہی کا پر تو جب بندہ پر پڑتا ہے تو بندہ بھی اللہ تعالیٰ کا عاشق ہو جاتا ہے اور رویت الہی کا
 طالب بن جاتا ہے۔ لہذا پہلے محبت اللہ تعالیٰ کو ہوتی ہے اور بعد میں بندہ کو کَمَا قَالَ اللَّهُ تَعَالَى (يُحِبُّهُمْ
 وَيُحِبُّوْنَہُ)۔ دِیَابِی اِنّہ اور یہ مقام دُنیا رویت حق کو مانع ہے یعنی دُنیا میں رویت حق دل کی آنکھ سے
 جائز ہے سر کی آنکھ سے جائز نہیں۔ سر کی آنکھ سے آخرت میں جائز ہے۔ پس حدیثِ شوق یَا دَاؤُدُ اِنِّی
 لَا شَدُّ شَوْقًا اِلَیْہِمُ یَعْنِی لِلْمُسْتَاقِیْنَ اِلَیْہِ اللہ تعالیٰ کے قول (وَلَنَبْلُوَنَّکُمْ حَتّٰی نَعْلَمَ الْمُجْتَهِدِیْنَ
 مِنْکُمْ وَالصَّابِرِیْنَ وَنَبْلُوْا اَخْبَادَکُمْ) اور البتہ تم کو جانچیں گے تاکہ تم میں سے مجاہدین و صابرین کو معلوم
 کریں اور تمہاری خبریں تحقیق کریں کے مشابہ ہے۔ یعنی اگرچہ اللہ تعالیٰ اپنے علم قدیم سے خلق کے حالات
 کو جانتا ہے لیکن اُس علم قدیم کی تحقیق حق تعالیٰ دارِ دُنیا میں خلق کے حالات سے کرتا ہے۔ اسی طرح
 اگرچہ اللہ تعالیٰ ازل ہی سے مُقَرَّبِیْنَ کے ارواح پر عاشق ہے لیکن وہ اس عشق کا ظہور دارِ دُنیا میں
 چاہتا ہے اور تقاضا کرتا ہے کہ وہ مُقَرَّبِیْنَ بھی اُس ذات کو دیکھیں۔ اور وہ اس صفتِ خاص کا مُشْتَق

ہے لیکن یہ صفت خاص بغیر موت کے عاشقوں کو نصیب نہیں ہو سکتی یعنی جب تک عاشق اپنی دہی خودی سے نہ گزرے وہ اصل باللہ نہیں ہو سکتا اور عاشقوں کا شوق ملاقات ہی سے تسکین پاتا ہے مراد یہ ہے کہ عاشق وصال یار کی خاطر ارادی موت کو قبول کرتا ہے بلکہ حقیقت میں اللہ تعالیٰ جس پر مہربان ہوتا ہے اُس کی ہستی مٹا دیتا ہے، وہم غیرت کا حجاب اٹھا دیتا ہے اور اُس کو اپنا چہرہ دکھا دیتا ہے۔ ظاہر میں عاشق محبوب لم یزلی کی خاطر گریہ و زاری کرتا ہے حقیقت میں اللہ تعالیٰ اُس کے آئینہ قلب کو مصفا کرتا ہے تاکہ عاشق آئینہ قلب میں چہرہ محبوب دیکھ سکے۔ پس عاشق ملاقات یار کی خاطر ارادی موت کو قبول کرتا ہے جیسا کہ حدیث شریف میں حکم ہے **مُوتُوا قَبْلَ أَنْتُمْ مَوْتُوا**۔ یہ حکم خواص کیلئے ہے۔ عوام الناس کو جب موت نصیب ہوتی ہے تو حجاب اٹھ جاتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے بقاء و مشرف ہو جاتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حدیث تردّد میں فرمایا ہے اور حدیث تردّد بھی اسی باب سے ہے یعنی اُس میں بھی حقیقتی کا اشتیاق مضمّن ہے اور وہ حدیث قدسی یہ ہے **مَا تَرَدَّدْتُ فِي شَيْءٍ أَنَا فَاعِلُهُ تَرَدَّدِي فِي قَبْضِ نَسَمَةِ عَبْدِي الْمُؤْمِنِ يُكْرَهُ الْمَوْتُ وَأَنَا أَكْرَهُ مَسَاقَا** وَلَا بُدَّ لَهُ مِنْ رِقَائِي میں نے کسی شے میں جس کا میں فاعل ہوں تردّد نہیں کیا مثل اپنے اُس تردّد کے جو اپنے بندہ مومن کی جان قبض کرنے میں کرتا ہوں، وہ موت کو مکر وہ جانتا ہے اور میں اُس کی ناخوشی کو مکر وہ جانتا ہوں حالانکہ اُس کو میری ملاقات ضروری ہے۔ مراد یہ ہے کہ عارف کامل تو دار دنیا میں ہی رویت الہی سے مشرف ہو جاتا ہے لیکن ایک عام مومن موت کے بعد ہی رویت الہی سے مشرف ہو سکتا ہے۔ پس موت میں یہ ہی حکمت ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندہ کا مشتاق ہے اور اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ مومن بھی اُس کو دیکھے۔ لہذا اللہ تعالیٰ نے حدیث شریف میں اپنے بقاء کی بشارت دی ہے اور مومن بندہ کیلئے یہ نہیں کہا وَلَا بُدَّ لَهُ مِنَ الْمَوْتِ اور اُس کے لئے موت ضروری ہے تاکہ اُس کو موت کا ذکر غمگین نہ کرے۔ اور چونکہ اللہ تعالیٰ کا بقاء بغیر موت کے نصیب نہیں ہو سکتا جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے **إِنَّ أَحَدَكُمْ لَن يَرَى رَبَّهُ حَتَّى يَمُوتَ**، اسلئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَلَا بُدَّ لَهُ مِنْ رِقَائِي پس اللہ تعالیٰ کا اشتیاق اس نسبت کے وجود سے ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے اشارہ فرمادیا ہے کہ اگرچہ میں بندہ مومن کو دار دنیا میں دیکھتا ہوں لیکن چونکہ وہ مجھے نہیں دیکھتا اس لئے میں نے موت مقدر کر

دی ہے تاکہ حجابات رفع ہو جائیں اور وہ مجھے دیکھے اور میں اُسے دیکھوں۔ مراد یہ ہے کہ اس حدیث شریف سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ ذات اپنے بندہ مومن کی خود مشتاق ہے اور وہ پری اپنا چہرہ مبارک دکھانے کی مشتاق ہے۔ پس موت ایک پُل ہے جس کو طالب مولا عبور کر کے واصل باللہ ہو جاتا ہے يَقُولُ عَلَيْهِ السَّلَامُ التَّوْتُ جَسْرٌ يُؤْصِلُ الْحَبِيبَ إِلَى الْحَبِيبِ۔ شعر (۱) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرا دوست میری رُیت کا مشتاق ہوتا ہے حالانکہ میں اُس کا اُس سے زیادہ مشتاق ہوں ۛ

(۲) نفوس میری ملاقات کو دوست رکھتے ہیں اور قضا اس امر کو منع کرتی ہے پس میں گریہ و زاری کیساتھ شکایت کرتا ہوں اور دوست بھی گریہ و زاری کیساتھ شکایت کرتا ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ بعض طالبانِ خدا کو اللہ تعالیٰ کی رُیت دارِ دنیا میں نصیب نہیں ہوتی بلکہ موت کے بعد نصیب ہوتی ہے اور وہ ساری عمر رونے میں گزار دیتے ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا مشاہدہ اللہ تعالیٰ کے فضل پر منحصر ہے۔

عُرْفِی اگر بہ گریہ میسر شد سے وصال ۛ صد سال بہ تمنا باید گریستن ۛ

اور جبکہ اللہ تعالیٰ نے اس امر کو ظاہر کر دیا کہ تحقیق اُس نے اپنے بندے میں اپنی رُوح پھونکی تو ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ اپنی رُوح یعنی ذات پر ہی مشتاق ہوا۔ کیا تو نہیں دیکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کیسے اُس کو اپنی صورت پر پیدا کیا کیونکہ تحقیق بندہ اللہ تعالیٰ کی رُوح سے ہے کَمَا وَرَدَنِي الْحَدِيثُ إِنَّ اللَّهَ خَلَقَ آدَمَ عَلَى صُورَتِهِ۔ مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان کی صورت پر جلوہ نما ہے لیکن ہر انسان میں اللہ تعالیٰ کا ظہور اُس کی استعداد، قابلیت اور قوت جذب کے مطابق ہے۔ اللہ تعالیٰ کے لئے مجلی اعظم اور مرآت تامہ سرکارِ دو عالم جناب محمد پاک صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ علمائے باللہ کے نزدیک اللہ جناب محمد پاک صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا اسم ہے یعنی ایک ایسا وجود ہے جس کے دو نام ہیں۔ جاہل اُس کو اللہ تعالیٰ کہتے ہیں اور عارف اُس کو جناب محمد پاک صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہیں۔ وَلَسْنَا أَنَا أَوْ الْإِنْسَانُ كِيْ بَدَأَ تَشْرَأْنِ چار ارکانِ نار ہوا، آب اور خاک سے ہوئی اور جسدِ انسان میں ان کا نام اخلاط ہے۔ اربعہ عناصر کے اخلاط سے جسدِ انسان میں رُطوبت پیدا ہوتی جو مثلِ روغن کے تھی۔ جب اللہ تعالیٰ نے جسدِ انسان میں اپنی رُوح پھونکی تو اس روغن کے باعث ایک شعلہ پیدا ہوا گویا رُوح بدن کا چراغ ہے۔ پس

رُوح انسان اپنی پیدائش کے سبب نار ہوتی۔ رُوح انسان کی اصل اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور
 عند العارفين أَلْعِشْقُ هُوَ الذَّاتُ یعنی عشق ہی اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور حدیث شریف میں وارد
 ہوا أَلْعِشْقُ نَارُ عِشْقِ آگ ہے پس ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات بھی نار ہے۔ چونکہ رُوح انسان
 اللہ تعالیٰ کی ذات سے پیدا ہوئی ہے لہذا رُوح انسان بھی نار ہے۔ حقیقت میں حضور صلی اللہ علیہ
 وسلم ابوالارواح ہیں اور جملہ ارواح آپ کے نور پاک سے پیدا ہوئی ہیں کَمَا قَالَ تَعَالَى (وَالشَّمْسُ
 شَمْسٌ مِّنْ سُورِش بھی ہے اور روشنی بھی ہے۔ سورِش روشنی سے مقدم ہے کیونکہ سورِش روشنی کی
 بہ نسبت شمس سے قریب تر ہے لہذا جلال کو جمال پر تقدم حاصل ہے۔ وَيَهْدِي إِلَىٰ آوَرِ اسی لئے
 اللہ تعالیٰ نے موسیٰ کیساتھ کلام صرف نار کی صورت پر کیا یعنی چونکہ رُوح انسان کی اصل نار ہے
 اور اللہ تعالیٰ کی ذات بھی نار ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کیلئے نار کی صورت پر تجلی
 کیا۔ مراد یہ ہے کہ درختِ عناب میں سے جو نار نمودار ہوئی تھی وہ موسیٰ علیہ السلام کے دل کا پر تو
 تھا۔ وہ نار کہیں خارج سے نہیں آتی تھی۔ نیز اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو حاجت بھی نار کی ڈالی
 تاکہ موسیٰ علیہ السلام اپنے مطلوب کو دیکھ کر دلی میلان کریں اور محبت کی نگاہ سے نار کی طرف دیکھیں
 اور اگر انسان کی پیدائش طبعی یعنی نورِ غیر عنصری ہوتی البتہ انسان کی رُوح نور ہوتی۔ نیز
 رُوح انسان کے متعلق جو اللہ تعالیٰ نے نَفَخَ کیساتھ کیا ہے يَقُولُ تَعَالَى (وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ
 رُّوحِي) یہ اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ تحقیق رُوح انسان رُوح القدس سے قائم ہے۔ رُوح القدس
 سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت ہے۔ اور اس نفسِ رحمن سے جو ایک نفع ہے انسانی رُوح
 خارج میں ظاہر ہوتی۔ مراد یہ ہے کہ انسان کی رُوح رُوح القدس ہی کی ایک شعاع ہے۔ شعاع
 آفتاب کا عین ہے نہ کہ غیر۔ آفتاب کے بغیر شعاع کا وجود نہیں ہو سکتا ایسے ہی انسانی رُوح کا
 وجود بغیر رُوح القدس کے نہیں ہو سکتا۔ اور مَنْفُوخٌ فیہ یعنی جسد کی استعداد کے سبب نار کا شعلہ
 پیدا ہوا نہ کہ نور کا یعنی جب اللہ تعالیٰ نے انسانی جسد میں اپنی رُوح پھونکی تو جسد میں اربعہ
 امکان کے اخلاط کے باعث جو روغن پیدا ہوا تھا وہ جل اُٹھا اور ایک شعلہ پیدا ہوا۔ رُوح الہی
 نار تھی۔ جب نار روغن تک پہنچی تو آگ کا ایک شعلہ نمودار ہوا۔ یعنی چونکہ رُوح الہی بھی نار ہے

اس لئے انسانی رُوح بھی ایک نار کا شعلہ ہے جو جسدِ انسان کیلئے مثل چراغ ہے۔ پس رُوح الہی اُس چیز میں پوشیدہ ہو گئی جس کے سبب انسان انسان ہے۔ انسان رُوح کیساتھ قائم ہے اور رُوح انسان رُوح الہی کیساتھ قائم ہے بلکہ رُوح انسان رُوح الہی کی شعاع ہے۔ رُوح الہی سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس ہے۔

ثُمَّ آتٰهُمُ پھر اللہ تعالیٰ نے آدم سے آدم کی واسطے آدم کی صورت پر ایک شخص نکالا اور اُس کا نام عورت رکھا۔ پس وہ عورت صورتِ آدم پر ظاہر ہوتی یعنی آدم کے سارے کمالات عورت میں ظاہر ہوتے۔ عورت حقیقت میں آدم ہی کی جز اور آدم ہی کی ذات اور حقیقت ہے۔ پس آدم نے اُس عورت کی طرف اس طرح میلان کیا جس طرح کوئی شے اپنی ذات کی طرف میلان کرتی ہے اور عورت نے آدم کی طرف اس طرح میلان کیا جس طرح کوئی شے اپنے وطن کی طرف میلان کرتی ہے لہذا اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا محبوب گردانا۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی صورت پر پیدا کیا یعنی اپنے ذاتی نور سے پیدا کیا کَمَا وَرَدَ فِي الْحَدِيثِ الْقُدْسِيِّ خَلَقْتُ رُوحَ مُحَمَّدٍ صَلَّيَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ نُورِ دَجْجِي اِس لئے اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نورِ پاک کی خاطر نوری فرشتوں سے آدم کو سجدہ کرایا حالانکہ نوری ملائکہ عظیم القدر و عظیم المنزلت ہیں اور طبعی نوری پیدائش کی وجہ سے اُن کو علو حاصل ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی ذات سے پیدا کیا اور اپنے جملہ کمالات عطا کئے اِس لئے اللہ تعالیٰ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں مناسبت واقع ہوئی بلکہ اللہ تعالیٰ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں اعظم و اَجَل اور اکمل مناسبت واقع ہوئی۔ اور صورتِ انسان کامل صلی اللہ علیہ وسلم نے جوڑا بنا لیا یعنی اُس صورت نے اپنے وجود کیساتھ وجودِ حق کیساتھ جوڑا بنا لیا۔ مراد یہ ہے کہ صورت تو ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اور وجود ہے اللہ تعالیٰ کا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے وجودِ اقدس کیساتھ وجودِ حق کیساتھ ایسے جوڑا بنا لیا ہے جیسے عورت نے اپنے وجود کیساتھ وجودِ مرد کیساتھ جوڑا بنا لیا ہے پس عورت نے مرد کو جوڑا کر دانا۔ مراد یہ ہے کہ جیسے آدم علیہ السلام بغیر حوا علیہا السلام کے بے چین تھے ایسے ہی اللہ تعالیٰ بغیر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بے چین تھا۔ جیسے حوا علیہا السلام آدم علیہ السلام کی ذات سے پیدا ہوئیں ایسے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی ذات سے پیدا ہوئے۔ پس

تین وجود ظاہر ہوتے، ایک وجود حق تعالیٰ کا اور دوسرا وجود مرد کا اور تیسرا وجود عورت کا۔ مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات سے آدم علیہ السلام پیدا ہوئے اور آدم علیہ السلام کی ذات سے نوا علیہا السلام پیدا ہوئیں۔ پس مرد اپنے رب کی طرف مائل ہوا کیونکہ رب تعالیٰ اُسکی اصل ہے اور عورت مرد کی طرف مائل ہوئی کیونکہ مرد اُس کی اصل ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے انسان کامل صلی اللہ علیہ وسلم کو نساء کا محبت گردانا جیسے کہ اللہ تعالیٰ اُس شخص کا جو اُس کی صورت پر ہے یعنی انسان کامل صلی اللہ علیہ وسلم کا محبت ہے پس مرد کی محبت عورت کیسا تھا اس وجہ سے ہے کہ عورت مرد کی ذات سے پیدا ہوئی ہے اور مرد کی محبت اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس وجہ سے ہے کہ مرد اللہ تعالیٰ کی ذات سے پیدا ہوا ہے۔ اور اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حُبِّ رَأْسِ عَوْرَتِیْ مِیْرِیْ طَرَفِ مَحْبُوبِ رِکْهَاتِیْ گئی ہیں اور یہ نہیں فرمایا کہ میں نے بذاتِ خود اُن کو محبوب بنایا کیونکہ آپ کا محبت کا تعلق تو اپنے رب کیساتھ تھا۔ مراد یہ ہے کہ چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم عارفوں کے سر تاج ہیں اس لئے آپ عورتوں میں جمالِ الہی کا مشاہدہ فرماتے تھے لہذا اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا محبوب گردانا تاکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رب تعالیٰ کو عورتوں کے نازک لباس میں دیکھ کر مسرور ہوں اور حظِ تمام حاصل کریں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی صورت پر ہیں گویا اللہ تعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لباسِ مبارک میں ظاہر ہے۔ اس سے یہ ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ خود ہی اپنا حُسن عورتوں کے نازک لباس میں دیکھتا ہے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کیساتھ محبت بھی اسی قبیل سے ہے یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی خاطر محبت رکھتے تھے۔ مراد یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو اخلاقِ الہیہ سے متخلق جانتے تھے یعنی صفاتِ الہیہ سے موصوف اور ذاتِ الہیہ سے مشرف جانتے تھے اِغْنِیْ حُضُورُ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اُمَ الْمُؤْمِنِیْنَ حَضْرَتِ عَائِشَہِ صَدِیقَہِ رَضِیَ اللہُ عَنْہَا کے لباسِ پاک میں اللہ تعالیٰ کے حُسن یعنی اپنے حُسنِ پاک کا نظارہ فرماتے تھے۔

اور جب مرد نے عورت کیساتھ محبت رکھی تو وصال طلب کیا کیونکہ محبت کی غایت وصال ہے یعنی مرد اور عورت کی محبت جب غایت کو پہنچتی ہے تو دونوں آپس میں وصال چاہتے ہیں اور پیدائشِ غصہ کی صورت میں کوئی وصال نہ کرا جیسا کہ جماع سے اعظم نہیں ہے اور اسی لئے مرد

کے جملہ اجزا کو شہوت شامل ہوتی ہے یعنی جماع کے وقت انسان کے جملہ اعضاء لذت حاصل کرتے ہیں۔ چونکہ انسان کے جملہ اعضاء جماع سے لذت حاصل کرتے ہیں اسلئے جماع کے بعد انسان غسل کے ساتھ مامور ہوا اور طہارت بھی جملہ اجزا کیلئے ضروری ہے جیسا کہ حصول شہوت کے وقت جملہ اجزا عورت میں فنا ہو جاتے ہیں۔ جماع کے وقت انسان عورت کے خیال میں فنا ہو جاتا ہے یعنی اپنے آپ سے گذر جاتا ہے کیونکہ انسان کا روم روم لذت حاصل کرتا ہے۔ اور چونکہ حق تعالیٰ اپنے بندہ پر غیور ہے یعنی اس بات کی غیرت کرتا ہے کہ وہ بندہ یہ اعتقاد کرے کہ اُس نے حق تعالیٰ کے غیر سے لذت حاصل کی ہے اس لئے حق تعالیٰ نے اُس کو غسل کے ساتھ پاک کیا یعنی عوام الناس چونکہ اس راز سے آگاہ نہیں ہیں کہ عورت کی صورت پر ذات حق کا ظہور ہے اور وہ لذت جماع کو عورت کی طرف منسوب کرتے ہیں اس لئے وہ خطا کرتے ہیں۔ اس خطا سے اُنکو پاک کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ نے اُن پر غسل فرض ٹھہرا دیا۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ عارفین کا ملین پر جو اس راز سے آگاہ ہیں جماع کے بعد غسل کیوں فرض ہے؟ کا ملین پر جماع کے بعد غسل اسلئے فرض ہے کہ وہ خلقت کے مقتدا ہیں۔ اگر وہ شرعی حدود کو توڑ ڈالیں تو عوام الناس کیسے شرع شریف کی پابندی کریں گے۔ اللہ تعالیٰ کی مراد یہ ہے کہ مرد عورت میں اللہ تعالیٰ کو دیکھے اور اُسی کی طرف رجوع کرے یعنی جس وقت حصول شہوت کی خاطر عورت میں فنا ہوتا ہے اُس وقت عورت میں وہ ذات حق کا مشاہدہ کرے کیونکہ عارف کامل کو جماع کی وقت سوائے مشاہدہ ذات حق کے اور کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

اور جس وقت مرد عورت میں حق تعالیٰ کا مشاہدہ کرے اُس کا شہود مُنْفَعِل میں ہوگا اور جس وقت مرد حق تعالیٰ کا مشاہدہ اپنی ذات میں کرے اس اعتبار سے کہ عورت کا ظہور اُسی سے ہے اُس وقت مرد حق تعالیٰ کو فاعل میں مشاہدہ کرے گا یعنی جب عورت کو مرد اپنی ہی ذات دیکھے اُس وقت مرد حق تعالیٰ کو فاعل میں یعنی اپنی ذات میں مشاہدہ کرے گا۔ پس مرد عورت میں حق تعالیٰ کا مشاہدہ بطور فاعل و مُنْفَعِل دونوں اعتبار سے کرتا ہے یعنی عورت میں حق تعالیٰ فاعل بھی ہے اور مُنْفَعِل بھی ہے۔ مُنْفَعِل یعنی محل انفعال کیونکہ عورت فعل مرد کو قبول کرنے والی ہے۔ فاعل اس اعتبار سے کہ عورت عین مرد ہے۔ اور جس وقت مرد حق تعالیٰ کو اپنی ذات میں بغیر اُس صورت کے استحضار

کے جو اُس سے پیدا ہوئی ہے یعنی بغیر عورت کے دیکھے تو اُس کا شہود مرد مُتَفَعِّل میں ہوگا کیونکہ اس اعتبار سے مرد بلا واسطہ حَقِّقَتاً کیلئے محل انفعال ہے۔ پس مرد کی صورت میں حَقِّقَتاً کا مشاہدہ صرف بطور مُتَفَعِّل ہوگا بطور فاعل نہ ہوگا۔ یعنی جس صورت میں مرد کا واسطہ صرف حَقِّقَتاً سے ہو اور حَقِّقَتاً کے سوا کسی اور چیز سے واسطہ نہ ہو اُس صورت میں مرد محض مُتَفَعِّل کی حیثیت رکھتا ہے پس مرد میں حَقِّقَتاً کا مشاہدہ بطور مُتَفَعِّل ہوگا۔ پس مرد کیلئے عورت میں اللہ تعالیٰ کا مشاہدہ اتم و اکمل ہے کیونکہ عورت میں وہ اللہ تعالیٰ کو دونوں اعتبار سے یعنی بطور فاعل و بطور مُتَفَعِّل دونوں اعتبار سے مشاہدہ کرتا ہے اور اپنی ذات میں وہ اللہ تعالیٰ کا مشاہدہ محض بطور مُتَفَعِّل کرتا ہے۔ اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کیساتھ محبت رکھی کیونکہ اُن کی صورت میں شہود حق بدرجہ کمال ہے۔ حَقِّقَتاً کا مشاہدہ اُس حال میں جب کہ وہ مواد سے مجرّد ہو ابد الابد تک ناممکن ہے یعنی جب تک اللہ تعالیٰ اپنے مرتبہ ذات میں بطون در بطون ہے وہ عالمین کا محتاج نہیں ہے لیکن اپنے ظہور اور شہود کی خاطر وہ عالمین کا محتاج ہے۔ سوائے ممکنات عالم کی صورتوں پر ظاہر ہونے کے حَقِّقَتاً کا شہود اور مشاہدہ ناممکن ہے۔ مرتبہ احدیت ذاتیہ میں حَقِّقَتاً مواد سے مجرّد ہے لیکن اس مرتبہ میں مشاہدہ حق مُمْتَنِع ہے۔ حَقِّقَتاً کا مشاہدہ بغیر مادہ کے یعنی بغیر جسد کے ناممکن ہے اور نساء میں حَقِّقَتاً کا شہود اعظم و اکمل شہود ہے۔ نیز وصال اعظم جماع میں حاصل ہوتا ہے کیونکہ جماع کی حالت میں مرد عورت میں فنا ہو جاتا ہے، بخود ہو جاتا ہے، مست ہو جاتا ہے گویا مَحَبِّ محبوب کی ذات میں محو اور مستغرق ہو جاتا ہے اور باقی ذات ہی ذات رہ جاتی ہے۔ مرد عورت میں محو اور مستغرق ہو جاتا ہے عورت مرد میں محو اور مستغرق ہو جاتی ہے اور دونوں کے قلوب مستی اور ذوق کی شراب سے لبریز ہو جاتے ہیں۔ عارف کامل اُس ذوق کو ذوق الہی سے تعبیر کرتا ہے اور اپنے محبوب کو عین ذات حق مشاہدہ کرتا ہے۔ وَهُوَ اَتَمُّ اب حَقِّقَتاً اور حضرت انسان کامل جناب محمد پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کی کیفیت بیان کی جاتی ہے اور ایسے ہی حق تعالیٰ اور حضرت انسان کامل صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال اعظم کی مثال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت انسان کامل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی صورت پر پیدا کیا یعنی اپنے کمالات حق سے کمال کی تا کہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے خلیفہ ہوں۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر توجہ یعنی محبت کا تعلق ہے اس لئے اپنے جملہ کمالات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کر دیئے تاکہ آپ سلطنت الہیہ کا انتظام کر سکیں۔ اللہ تعالیٰ کی منشا یہ تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس میں اپنی صورت بلکہ اپنی ذات دیکھے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد اقدس و اظہر و معتبر کو برابر اور درست کیا اور اُس میں اپنی رُوح پھونکی جو کہ اُس کی ذات ہے۔ پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ظاہر خلق ہے اور آپ کا باطن حق ہے یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم حق اور خلق کے درمیان برزخ جامع ہیں۔ مراد یہ ہے کہ آپ تمام کمالات حقی و خلقی کے جامع ہیں۔ عالم میں سوائے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کوئی فرد اللہ تعالیٰ کیلئے مرآتِ تامہ نہیں ہے۔ اور اس ہیکل انسانی یعنی جسد انسان کی تدبیر رُوح کرتی ہے اور انسانی رُوح رُوح محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک شعاع ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اس امر وجود کی تدبیر رُوح محمدی صلی اللہ علیہ وسلم سے کرتا ہے۔ دائرہ وجود جمیع عوالم اور جمیع مراتب کو شامل ہے۔ آسمان سے مراد عالم اعلیٰ ہے اور زمین سے مراد عالم اسفل السّافلیین ہے اور جمیع عوالم کی رُوح سرکارِ دو عالم جناب محمد پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی رُوح القدس ہے۔ پس جمیع عوالم کا انتظام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد ہے۔ زمین اس لئے اسفل السّافلیین ہے کہ یہ تمامی ارکان سے اسفل ہے۔ ارکان اربعہ میں سے پہلی مخلوق نار ہے پھر ہوا، پھر آب اور پھر خاک۔ اور اللہ تعالیٰ نے عورتوں کا نام عربی زبان میں نساء رکھا اور نساء جمع کا صیغہ ہے۔ لفظ نساء کیلئے واحد کا صیغہ اس لفظ سے مشتق نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث تشریف حَبَّ اِلَیَّ مِنْ دُنْیَاكُمْ ثَلَاثٌ اَلْنِّسَاءُ میں لفظ نساء کا استعمال کیا ہے، لفظ اِفْرَآئِکَ نہیں فرمایا۔ اِفْرَآئِکَ کی جمع نِسَاءُ ہے۔ کبھی جمع کے حرف اور ہوتے ہیں اور واحد کے اور، اس کو اصطلاح میں جمع من غیر لفظہ کہتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لفظ جمع کا اس لئے استعمال فرمایا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کئی عورتیں مرغوب تھیں یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عورتیں بالعموم محبوب تھیں مراد یہ ہے کہ آپ عورتوں کی محبت میں مُطلق تھے۔ نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی محبت میں مقید بھی تھے۔ اُمہات المؤمنین میں سے آپ کو سب سے زیادہ محبت ان ہی کیسا تھ تھی۔ یہ اس لئے تھا کہ آپ مُطلق بھی ہیں اور مقید بھی ہیں۔ جہتِ حقی سے آپ

مطلق ہیں اور جہت خلقی سے آپ مقید ہیں۔ نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لفظ نساء کا استعمال کر کے اس امر کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ عورت کو وجود خارجی میں مرد سے تاخیر حاصل ہے کیوں کہ نساء کے معنی تاخیر کے ہیں کَمَا قَالَ اللَّهُ تَعَالَى (إِنَّمَا النِّسَاءُ زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ) سوائے اسکے نہیں کہ مہینوں میں تاخیر کو ناکفر میں زیادتی ہے۔ ایسے ہی عرب لوگ بیع کو بسبب تاخیر کے بیع نسبیہ کہتے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لفظ نساء کا ذکر فرما کر اشارہ فرمادیا ہے کہ عورت کو وجود خارجی میں مرد سے تاخیر حاصل ہے۔ نیز اس میں یہ بھی حکمت ہے کہ لفظ انسان کا قلب نساء ہے۔ اس میں ایک راز تو یہ ہے عورت مرد کے وجود سے پیدا ہوتی ہے۔ دوسرے چوں کہ نساء انسان کا قلب ہے اسلئے طبعاً عورت مرد کی مرغوب اور محبوب ہے۔ اور نسا کی اصل چوں کہ مرد ہے اسلئے عورت طبعاً مرد پر مائل ہے۔ پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم نسا کیساتھ محبت مرتبہ کی وجہ سے کرتے تھے کیونکہ وہ محل انفعال ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے جب ظہور کی خاطر مرتبہ بطون سے نزول فرمایا تو اللہ تعالیٰ کا آخری لباس نسا ٹھہرا یعنی اللہ تعالیٰ کا کمال حُسن و کمال محبوبیت و کمال نزاکت و کمال جاذبیت نساء میں ظاہر ہوا اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نساء میں حُسن الہی کا نظارہ فرماتے تھے بلکہ نساء میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے حُسن کا نظارہ فرماتے تھے۔ تَهْنِئَ لَهَا اَلَمْ يَسْأَلِ نِسَاءَ حَضْرَةَ صَلَّى اللہ علیہ وسلم کیلئے ایسے ہی ہیں جیسے طبیعت واسطے اللہ تعالیٰ کے ہے جس میں توجہ ارادی و امر الہی کے باعث صورِ عالم مفتوح ہوتی ہیں اور توجہ ارادی و امر الہی سے مراد اللہ تعالیٰ کا نکاح عالم اجسام میں ہے۔ طبیعت سے مراد حقیقت محمدی ہے صلی اللہ علیہ وسلم اور اللہ تعالیٰ کے نکاح سے مراد اللہ تعالیٰ کا عالم اجسام کی صورتوں پر ظہور ہے۔ یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ حقیقت محمدیہ علی صابہا الصلوٰۃ والسلام کے واسطے سے عالم اجسام کی صورتوں پر ظاہر ہوا ہے ایسے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نسا کے واسطے سے مرتبہ احدیت ذاتیہ تک عروج فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ذات مثل بیچ کے ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت مثل انگور کے ہے اور عالم اجسام مثل درخت کے ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نسا کی واسطے سے عالم مثال بلکہ عالم ارواح جو عالم ملائکہ ثوری ہے کا قصد کرتے ہیں۔ نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم عالم ارواح سے ترقی کر کے عالم واحدیت و عالم وحدت و عالم احدیت تک پہنچ جاتے ہیں۔ مرتبہ احدیت میں معانی اسماء الہیہ بالقوہ مندرج ہیں۔ مرتبہ وحدت میں اسماء

الہیہ کا ظہور علی اجمالی ہے اور مرتبہ واحدیت میں اسماء الہیہ کا ظہور علی تفصیلی ہے اور ان معانی یعنی اسماء الہیہ کا ظہور مرتبہ علم سے مرتبہ شہادت میں ہوا۔ اور یہ سب کچھ فردیت اولیٰ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ان وجوہ میں سے ہر ایک وجہ میں نکاح ہے یعنی ان تمام مراتب مذکور میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا ظہور ہے۔ مراد یہ ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نسا کے واسطے سے عالم مثال، عالم ارواح، عالم واحدیت، عالم وحدت اور عالم ذات میں عروج فرماتے ہیں تو حقیقت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان سب مراتب میں اپنی ہی جلوہ آرائی اور اپنا ہی ظہور پاتے ہیں۔ پس جس شخص نے نساء کیساتھ محبت مذکورہ بالا تعریف و طور پر رکھی ایسی محبت محبت الہی ہے یعنی جس نے عورتوں کو مظہر ذات حق سمجھ کر ان کے ساتھ محبت رکھی وہ عارف کامل ہے اور اُس کی وہ محبت بھی محبت الہی ہے۔ اور جس نے محض شہوت کی خاطر ان کے ساتھ محبت کی اُس سے اس شہوت کا سہرا اور علم فوت ہوا پس اُس شخص کے نزدیک وہ محبت صورت بلا روح ہے اگرچہ عند اعرافین وہ صورت صاحب روح ہے۔ اور لیکن اُس شخص کیلئے جو اپنی عورت کے پاس یا کسی دوسری عورت یعنی کنیزک محللہ کے پاس محض لذت کی خاطر آتا ہے اور یہ نہیں جانتا کہ کون لذت حاصل کرتا ہے اور کس سے لذت حاصل کرتا ہے، وہ صورت محبت ساتھ روح کے مشہود نہیں ہے۔ مراد یہ ہے کہ عارف کامل جانتا ہے کہ لذت حاصل کرنے والا بھی خود حق تعالیٰ ہے اور حقیقتی ہی سے حقیقتی لذت حاصل کر رہا ہے۔ یعنی فاعل بھی خود حق ہے اور محل انفعال بھی خود حق ہے۔ پس جو شخص اس بہر محبت سے ناواقف ہے وہ اپنی حقیقت اور حال سے جاہل ہے جیسا کہ غیر لوگ اُس کے حال سے جاہل ہیں۔ اگر وہ اپنی حقیقت کو جان کر غیروں کو اپنی زبان سے اپنے حال کے متعلق آگاہ کرتا تو وہ بھی جان لیتے جیسا کہ عارفوں میں سے کسی کا قول ہے شعر

(۱) لوگوں کے نزدیک ثابت ہوا کہ تحقیق میں عاشق ہوں لیکن وہ یہ نہیں جانتے کہ میرا عشق کس کیلئے ہے۔ یعنی میں اپنے معشوق کو عین ذات حق سمجھتا ہوں۔

ایسا ہی حال اُس شخص کا ہے جس نے لذت کو دوست رکھا ہے اور لذت ہی کی خاطر اُس محل کو دوست رکھا جس سے لذت حاصل کرتا ہے اور وہ محل عورت ہے۔ اُس سے اس مسئلہ

کی رُوح فوت ہو گئی۔ اگر وہ اس مسئلہ مُجَبَّت و جَماع کو جانتا تو البتہ جان لیتا کہ اُس نے کسکے ساتھ
لذت پائی اور کس نے لذت پائی اور وہ عارت کا بل ہوتا ہے۔

اور جیسا کہ عورت باوجود اپنی اصل یعنی مرد کی صورت پر مخلوق ہونے کے مرد کے درجہ سے
اُتر آئی ہے یَقُولِہ تَعَالٰی (وَلِلرِّجَالِ عَلَیْہِمْ دَرَجَاتٌ) ایسے ہی مرد باوجود اپنی اصل یعنی حق تعالیٰ
کی صورت پر مخلوق ہونے کے حق تعالیٰ کے درجہ سے اُتر آیا ہے۔ اور حق تعالیٰ کا وہ درجہ ایسا ہے جسکے
باعث حق تعالیٰ اپنے خلیفہ جناب محمد پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے متمیز ہے۔ وہ درجہ صرافت ذاتی کا
درجہ ہے جس میں حق تعالیٰ غنی عن العالمین ہے۔ حق تعالیٰ بنفسہ موجود ہے لہذا واجب الوجود ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم وجود مبارک کیلئے حق تعالیٰ کے محتاج ہیں۔ نورِ احد سے نورِ محمد صلی اللہ علیہ
وسلم اس طرح پیدا ہوا جس طرح بیج سے انگور پیدا ہوا۔ جس طرح بیج کو انگور پر تقدّم حاصل ہو
ایسے ہی نورِ احد کو نورِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر تقدّم حاصل ہے۔ لیکن یاد رہے کہ نورِ احد کو نورِ محمد
صلی اللہ علیہ وسلم پر تقدّم عقلی حاصل ہے نہ کہ تقدّم زمانی جیسے سورج کو سورج کی روشنی پر تقدّم
حاصل ہے لیکن یہ تقدّم عقلی ہے زمانی نہیں ہے۔ بہر حال ذات حق نے مرتبہ احدیت سے ایک
درجہ تنزل فرما کر مرتبہ وحدت یعنی نورِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم پر جلوہ آرائی کی۔ سب سے پہلی چیز جو
اللہ تعالیٰ نے اپنے علم میں پیدا کی وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عین ثابتہ ہے اور سب سے پہلے

چیز جو خارج میں اللہ تعالیٰ نے پیدا کی وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رُوح پاک ہے کَمَا قَالَ عَلَیْہِ السَّلَامُ
(اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ رُوْحِی) پس اس اعتبار سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ربّ تعالیٰ سے
ایک درجہ کم ہیں۔ نیز اگرچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت میں اور اللہ تعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم
کا معنی ہے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت مبارک میں فاعل حقیقی اور فاعلِ اوّل اللہ تعالیٰ
ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم فاعل ثانی کی حیثیت رکھتے ہیں۔ آپ کیلئے وہ اولیت نہیں جو حق
تعالیٰ کو حاصل ہے اسی لئے جنگِ بدر میں جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مُشَتّ خاکِ کُفّار کی
طرف پھینکی تو اللہ تعالیٰ نے اُس فعل کی آپ سے نفی کی اور اُس فعل کو اپنی طرف منسوب کیا
یَقُولِہ تَعَالٰی (وَمَا دَمِیْتُ اِذْ دَمِیْتُ وَ لَکِنَّ اللّٰہَ دَمِی) یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے حبیبِ پاک
صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کے وجودِ اقدس و اطہر و مُغَبَّر میں فاعلِ اوّل اور فاعل حقیقی میں ہوں آپ

فاعل ثانی کا مرتبہ رکھتے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ ظاہر کے لحاظ سے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم فاعل ہیں لیکن حقیقت کے لحاظ سے آپ کے وجود اقدس میں اللہ تعالیٰ ہی فاعل ہے۔ قَسَمَیْزَاتِ الْاَنْفِیْسِ اَعِیَانِ مراتب کیساتھ متمیز ہوئے۔ اَعِیَانِ خارجیہ یعنی ممکناتِ عالم قبل از ظہور مرتبہ علم میں اَعِیَانِ ثابتہ تھے اور مرتبہ ذات میں اُن کا نام شیوناتِ الہیہ ہے۔ اگرچہ ذات حق ہی مرتبہ احدیت سے تنزل فرما کر مرتبہ وحدت، مرتبہ واحدیت، مرتبہ عالم ارواح، مرتبہ عالم مثال اور مرتبہ عالم شہادت میں جلوہ آ رہا ہے لیکن ہر مرتبہ ایک دوسرے سے متمیز ہے۔ مراتب میں یہ تقدم و تاخر عقلی ہے زمانی نہیں ہے۔ اَعِیَانِ خارجیہ کا ظہور اَعِیَانِ ثابتہ کے احکام کے مطابق ہے۔ فیض اقدس سے اللہ تعالیٰ نے ممکناتِ عالم کو استعدادیں عطا کیں جن کا نام اَعِیَانِ ثابتہ ہے۔ پھر فیض مقدس سے اَعِیَانِ ثابتہ کو اَعِیَانِ خارجیہ کا لباس پہنایا۔ یعنی ہر شے کا خارجی ظہور اُس کی ازلی استعداد کے تحت ہے اس لئے ہر عارف کامل ہر شے کو اُس کا ازلی حق عطا کرتا ہے۔ نساء کے اَعِیَانِ ثابتہ میں یہ امر مندرج ہے کہ نساء محبوب رجال ہیں یعنی اُن کی استعداد نے اللہ تعالیٰ کو یہ علم عطا کیا کہ نساء محبوب رجال ہیں پس اللہ تعالیٰ نے اُن کے اَعِیَانِ ثابتہ میں یہ امر ثبت کر دیا۔ ہر عارف چونکہ ہر حقدار کو اُس کا ازلی حق عین ثابتہ کے مطابق عطا کرتا ہے اس لئے جناب محمد پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی نساء کا حق ادا کیا اور اُن سے محبت منشاء الہی کے مطابق رکھی یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے امر الہی سے نساء کیساتھ محبت رکھی پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نساء کیساتھ محبت اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی خاطر تھی۔ اور تحقیق ہر شے کو اللہ تعالیٰ نے علم الہی میں اُس کی استعداد عطا کی یَقُولِیْہِ تَعَالٰی (قَالَ رَبُّنَا الَّذِیْ اَعْطٰی كُلَّ شَیْءٍ خَلْقَہٗ ثُمَّ هَدٰی) بخلق بمعنی استعداد ہے اور ثُمَّ هَدٰی یعنی اُس کی استعداد کے مطابق پھر اُس کو ہدایت کی۔ مراد یہ ہے کہ ہر شے کا ظہور خارج میں اُس کی استعداد یعنی عین ثابتہ کے مطابق ہے۔ وَ هُوَ الْاَوَّْلُ اَوَّلُ اُس کی وہ عطا کردہ استعداد عین اُس کا حق ہے۔ یعنی مرتبہ علم میں ہر شے نے اپنی استعداد کے مطابق جو کچھ اللہ تعالیٰ سے مانگا اللہ تعالیٰ نے عطا کر دیا۔ کسی نے جنت مانگی تو عطا کر دی کسی نے دوزخ مانگی تو عطا کر دی۔ اب اُس جو اِدِّ مَطْلُوْق کی طرف سے تو عطا ہی عطا ہے اسی لئے فرمایا کہ ہم نے کسی بندہ پر ظلم نہیں کیا كَمَا قَالَ تَعَالٰی (مَا یُبَدِّلُ الْقَوْلُ لَدَیَّ وَ مَا اَنَا بِظَلّٰمٍ لِّلْعَبِیْدِ)۔ پس اللہ تعالیٰ نے سوائے استحقاق کے کوئی شے کسی کو عطا نہیں کی۔ مرتبہ علم میں اللہ تعالیٰ نے ہر شے کو اُس کا حق جو اُس کی استعداد نے طلب کیا عطا کر دیا اور اب خارج میں اُس علم کا ظہور ہو رہا ہے یعنی مرتبہ

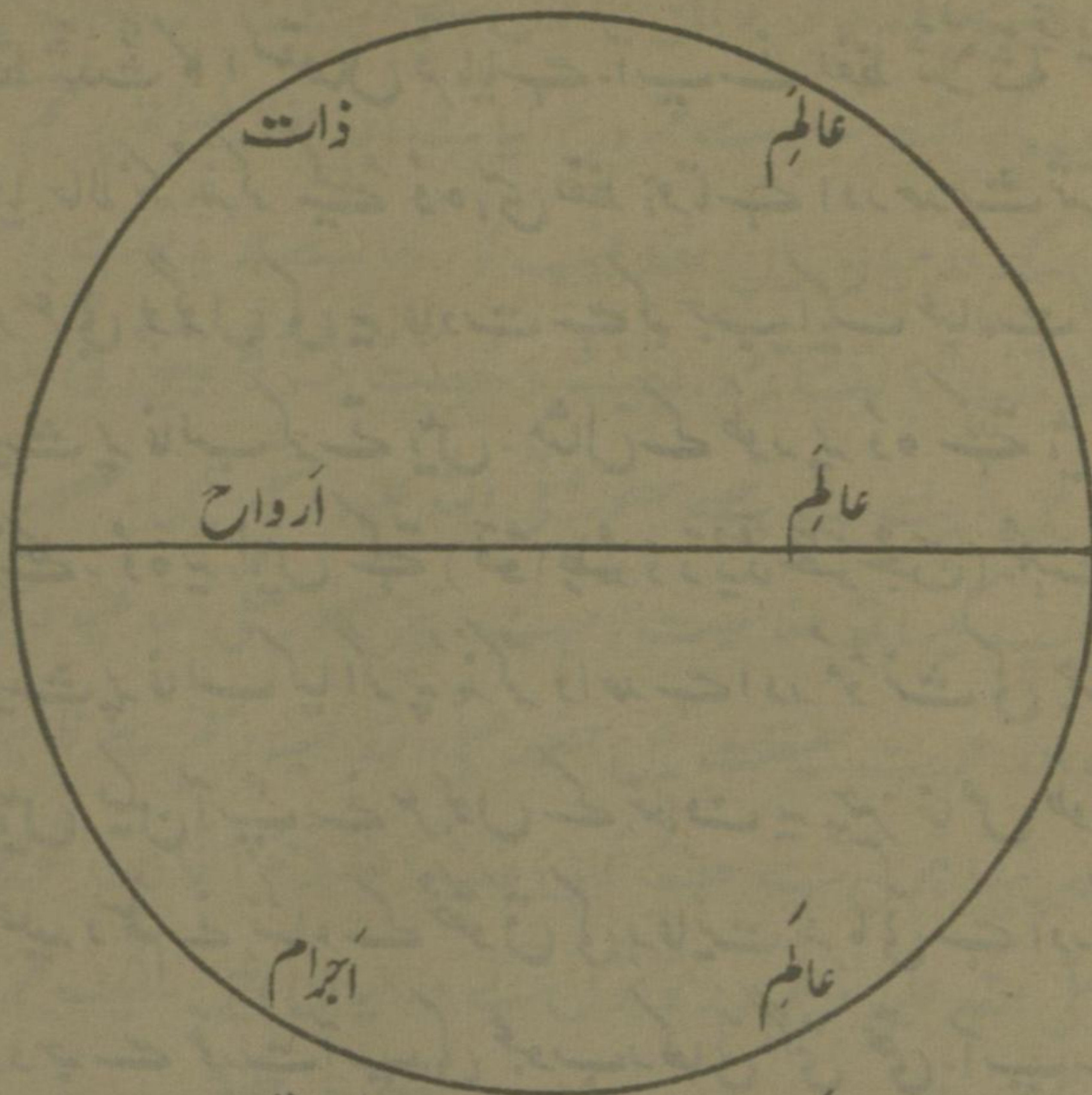
علم میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عین ثابتہ نے نساء کی حُب اللہ تعالیٰ سے طلب کی اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو حُب نساء عطا کر دی اسی لئے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عالم شہادت میں ظہور ہوا تو حُب نساء کا بھی ظہور ہوا۔

وَإِنَّمَا أَنَا آتٍ سَوَاءٌ اس کے نہیں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث شریف حَبِيبِیِّ مِنْ دُنْيَاكُمْ ثَلَاثُ أَلْفِ نِسَاءٍ آتٍ میں نساء کو مقدم رکھا ہے کیونکہ وہ محلّ الْفِعَالِ ہیں جیسا کہ طبیعت اُد پر اُس شے کے جو اُس سے بالصُّورَتِ ایجاد ہوئی مقدم ہوتی یعنی نساء کو ایک طرح پر مرد پر تقدم حاصل ہے کیونکہ وہ مرد کا اثر قبول کرتی ہیں جیسے کہ ذاتِ حق کو عالم پر تقدم حاصل ہے کیونکہ عالم صورت یعنی ظہورِ حق ہے اور ذاتِ حق عالم کا اثر قبول کرنے والی ہے۔ ذاتِ حق کا ظہور ہر شے میں اُس شے کی استعداد کے مطابق ہے پس ذاتِ حق میں ہر اُس شے کا اثر ہے جس میں اُس کا ظہور ہے۔ مثال کے طور پر سیاہی کا حروف کی صورتوں پر ظہور ہے۔ سیاہی ہر حرف کی صورت کو قبول کرتی ہے گویا ہر حرف کا سیاہی میں اثر ہے پس سیاہی محلّ الْفِعَالِ ہے۔ آگے طبیعت کی شرح کی گئی ہے طبیعت حقیقت میں نفسِ رحمانی ہے کیونکہ اسی نفسِ رحمانی میں صورتِ عالم چھونکی گئیں ہیں۔ نیز نفسِ رحمانی دو قوسوں پر منقسم ہے، ایک قوسِ اعلیٰ ہے اور دوسری قوسِ اسفل ہے۔ مراد یہ ہے کہ طبیعت سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور مجملہ عوالم کی صورتوں پر ذاتِ الہی کا ظہور ہے۔ ایک اعتبار سے ذاتِ الہی کا تین عالموں پر ظہور ہے، عالم ذات، عالم ارواح اور عالم اجسام۔ ذاتِ الہی کو نفسِ رحمانی اس لئے کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر شے کو اپنا وجود اپنی رحمتِ رحمانی سے عطا کیا۔ رحمانیتِ اسمِ رحمن کی صفت ہے۔ جب اسماءِ الہیہ یا اللہ تعالیٰ کی ذات نے ظہور کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات میں ایک کرب و اندوہ پایا۔ رحمن کے سانس لینے سے مراد اسماءِ الہیہ کا ظہور کرنا اور اُن کا کرب دور کرنا ہے جو وہ عدمِ ظہور کی وجہ سے اپنی ذات میں پاتے تھے یا ذاتِ حق اپنی ذات میں پاتی تھی۔ اُس وجودِ باری تعالیٰ کا ظہور تین عالموں کی صورتوں پر ہوا۔ اگرچہ عوالمِ بیشمار ہیں لیکن وہ سب ان تین کے تحت ہیں۔ وضاحت کیلئے دائرۃ الوجود پیش کیا جاتا ہے:-

کَیْسِرُکَ وَجُود

اَعْلٰی

قَوَس



اَسْفَل

قَوَس

وجود کے مراتب ظہور لا متناہی ہیں لیکن مجملہ عوالم ان تین کے تحت ہیں۔ عالم ذات، عالم ارواح اور عالم اجرام۔ عالم اجسام ہی عالم اجرام ہے۔ عالم ذات عالم اعلیٰ ہے۔ عالم اجرام عالم اسفل ہے۔ عالم ارواح عالم ذات اور عالم اجرام کے درمیان برزخ ہے۔ مجملہ عوالم کی صورتوں پر حقتعالیٰ کا ظہور ہے۔ ہر شے میں نفعِ رحمانی یا نفسِ رحمانی کی سرایت ہے یعنی ہر شے کو اللہ تعالیٰ نے اپنا وجود عطا کیا ہے جیسے جمیع حروف کو سیاہی نے اپنا وجود عطا کیا ہے۔ نفعِ رحمانی کی پہلی سرایت مرتبہ علم میں ہے جو عالم اجرام کیلئے جوہر ہیولانی ہے یعنی ذاتِ حق نے فیضِ اقدس سے مرتبہ علم میں ظہور فرمایا اور حقتعالیٰ کو ممکناتِ عالم کے اعیانِ ثابتہ حاصل ہوئے۔ اعیانِ ثابتہ عالم اجرام یعنی اعیانِ خارجیہ کیلئے جوہر ہیولانی ہے یعنی اعیانِ خارجیہ کا ظہور اعیانِ ثابتہ کے احکام و آثار کے مطابق ہے۔ اور لیکن نفعِ رحمانی کا ارواحِ نوری و اعراض کا وجود میں سریانِ دوسری سرایت ہے یعنی فیضِ مقدس سے اللہ تعالیٰ نے اعیانِ ثابتہ کو اعیانِ خارجیہ کا لباس پہنایا۔ عالم ارواح، عالم مثال اور عالم اجسام اعیانِ خارجیہ میں داخل ہیں۔ مرتبہ ذات مرتبہ احدیت ہے۔ مرتبہ وحدت ظہورِ علمی اجمالی ہے اور مرتبہ واحدیت ظہورِ علمی تفصیلی ہے۔ عالم مثال اور عالم اجسام ارواح کے اعراض ہیں اور ارواح اُن کیلئے جوہر ہیں۔

پھر اس حدیث شریف حَبِيبُ رَاٰ اَنْ مِنْ دُنْيَاكُمْ ثَلَاثٌ اَلْنِّسَاءُ وَ الطَّيِّبُ الْخَمِيْرُ میں حضور صلی اللہ علیہ

وسلم نے تائیت کو تذکیر پر غالب کیا ہے کیونکہ آپ نے نساء کی فضیلت کا قصد فرمایا ہے اسی لئے حضور
صلی اللہ علیہ وسلم نے لفظ ثَلَاثٌ کا استعمال فرمایا ہے۔ آپ نے لفظ ثَلَاثَةٌ تاکیساتھ جو موقوف ہو کر
بارہ جاتا ہے نہیں فرمایا حالانکہ مذکور کیلئے وہ ہی لفظ ہوتا ہے اور حدیث شریف میں لفظ طیب کا بھی
ذکر ہے جو مذکور ہے۔ اور عربی لوگوں کی یہ عادت ہے کہ جب ایک عبارت میں مذکور اور مؤنث اکٹھے
ہوں تو وہ تذکیر کو تائیت پر غالب کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر وہ کہتے ہیں (فَوَاطِطٌ وَذَيْدٌ خَرَجُوا)
بہت عورتیں اور زید نکلے۔ وہ یہ نہیں کہتے (فَوَاطِطٌ وَذَيْدٌ خَرَجَتَا) بہت عورتیں اور زید نکلیں پس
انہوں نے تذکیر کو تائیت پر غالب کیا اگرچہ مذکور واحد ہے اور مؤنث کی جماعت ہے۔ حضور صلی اللہ
علیہ وسلم حالانکہ عربی ہیں لیکن آپ نے عربوں کے خلاف یہ چیز خاص طور پر فرمائی ہے۔ اسکی وجہ
یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نساء کے حقوق کی رعایت فرمائی ہے اور ایک خاص حقیقت کی طرف
اشارہ فرمایا ہے جس کی وجہ سے عورت آپ کی محبوب رکھائی گئی تھی۔ آپ نے خود بخود عورت کو محبوب
نہیں رکھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نساء کیساتھ اس لئے محبت رکھتے تھے کہ نساء میں شہود حق اعظم و اکمل
ہے۔ پس آپ نے نساء کو طیب پر فضیلت دیتے ہوئے تائیت کو تذکیر پر غالب کیا ہے اور فرمایا ہے
ثَلَاثٌ جو مؤنث کا صیغہ ہے۔ ثَلَاثٌ بغیر تا کے جو موقوف ہو کر بارہ جاتا ہے
استعمال فرمایا ہے۔ مذکور کیلئے لفظ ثَلَاثَةٌ ہے۔ حدیث شریف چونکہ بمنزلہ قرآن ہے بِقَوْلِهِ تَعَالَى (وَمَا
يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ) اسلئے حدیث شریف بھی وحی الہی ہے۔ پس آپ نے جو
تائیت کو تذکیر پر غالب کیا ہے وحی الہی سے کیا ہے۔ نیز یہ علم معارف و حقائق بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم
کو اللہ تعالیٰ نے سکھایا ہے بِقَوْلِهِ تَعَالَى (وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمْنَاكَ مَا
كَرِهْتَ تُعَلِّمُ وَكَانَ فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا)۔ پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم حقائق و معارف میں کیسے
دانا ہیں اور حقوق کی خاطر آپ کی کیا اشد رعایت ہے یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر حقدار کو اسکو حق
عطا فرماتے ہیں۔ یہ حقوق نساء کی خاطر تھا کہ آپ نے تائیت کو تذکیر پر غالب کیا ہے۔ اور یہ جو فرمایا
فَقَلَّمَهُ اللَّهُ مَا كَرِهَ يَكُنَّ يَعْلَمُ اور آپ کو اللہ تعالیٰ نے اس چیز کی تعلیم دی جس کو آپ نہیں جانتے
تھے یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جہت بشریت کے متعلق ہے ورنہ جہت ربوبیت کے اعتبار سے آپ کا
علم عین علم الہی ہے اور قدیم ہے۔

ثُمَّ رَأَيْتُ أَنَّهُ أَتَى بِحَدِيثِ تَشْرِيفِ مَنْذُورِهِ فِي حَضْرَةِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَعْدِ حَدِيثِ تَشْرِيفِ كَاخَاتِهِ بَعْدَ بَعْدٍ
 چیز کی مثل تانیث میں کیا ہے اور مذکر کو اُن دونوں کے درمیان میں درج کیا ہے یعنی حضور صلی اللہ
 علیہ وسلم نے حدیث تشریف کو لفظ نساء سے شروع کیا ہے اور لفظ صلوة پر ختم کیا ہے اور یہ دونوں الفاظ
 اسم تانیث کے ہیں۔ ان کے درمیان میں لفظ طیب کو رکھا ہے جو مذکر ہے۔ اصل حدیث تشریف یہ ہے
 حَيْثُ رَأَيْتُ مَنْ دُنْيَاكُمْ تَلَّتْ أَلَيْسَاءُ وَالطَّيِّبُ وَجُعِلَتْ قَرَّةُ عَيْنِي فِي الصَّلَاةِ۔ اُن دو مؤنث کے
 درمیان طیب اپنے وجود میں ایسے ہے جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مجسم خوشبو
 ہیں اس لئے آپ کی طیب کیساتھ مناسبت تام ہے۔ نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نور انور اللہ تعالیٰ کی
 ذات سے ظاہر ہوا ہے اور عورت حقیقت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ظاہر ہوئی ہے کیونکہ ہر شے
 جناب کے نور پاک سے پیدا ہوتی ہے کَمَا قَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَنَا مِنْ نُورِ اللَّهِ وَاللَّهُ مِنْ نُورِي
 مِنْ نُورِي پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم دو مؤنثوں کے درمیان ہیں۔ ایک مؤنث ذات حق ہے جسکی
 تانیث فقط لفظ ذات کے اعتبار سے ہے۔ یہ تانیث لفظی غیر حقیقی ہے اور دوسری مؤنث عورت
 ہے جو مؤنث حقیقی ہے۔ اور ایسے ہی لفظ طیب حدیث تشریف میں دو مؤنثوں کے درمیان ہے
 ایک مؤنث نساء ہے جس کی تانیث حقیقی ہے اور دوسری مؤنث صلوة ہے جس کی تانیث لفظی
 غیر حقیقی ہے۔ آگے طیب کی مثال آدم علیہ السلام کیساتھ دی گئی ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم
 کے خلیفہ اول آدم علیہ السلام ہیں۔ اُن دونوں مؤنثوں کے درمیان طیب مذکر مثل آدم کے ہے
 کیونکہ آدم ذات حق جس سے آدم موجود ہوا اور خواجہ آدم سے موجود ہوئی کے درمیان ہے۔ ذات
 حق کی تانیث لفظی غیر حقیقی ہے اور خواجہ علیہا السلام کی تانیث حقیقی ہے۔ اور اگر تو کہے کہ آدم علیہ السلام
 ذات حق سے موجود نہیں بلکہ حق تعالیٰ کی صفت سے موجود ہے تو پھر بھی لفظ صفت مؤنث ہے۔ اس
 طرح بھی وجود آدم پر تقدم تانیث کو حاصل ہے۔ اور اگر تو کہے کہ آدم علیہ السلام قدرت حق سے موجود
 ہے تو پھر بھی لفظ قدرت مؤنث ہے۔ اس طرح بھی وجود آدم پر تقدم تانیث کو حاصل ہے۔ پس جس
 مذہب پر چاہے رہے تو وجود آدم پر مؤنث غیر حقیقی کو مقدم پائے گا حتیٰ کہ اصحابِ ملت کے نزدیک
 بھی جو حق تعالیٰ کو وجود عالم کیلئے علت ثابت کرتے ہیں اور عالم کو غیر حق ٹھہراتے ہیں مؤنث غیر حقیقی
 کو آدم علیہ السلام پر تقدم حاصل ہے کیونکہ ملت بھی مؤنث غیر حقیقی ہے۔ مراد یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ

وسلم نے حدیث شریف میں اشارہ فرمادیا ہے کہ آدم حقیقی یا آدم صوری کا وجود اللہ تعالیٰ کی ذات سے ہے اور خود یعنی عالم کا وجود آدم ہی کا جز ہے یعنی حضرت انسان کامل مجموعہ عالم ہے ۛ

وَأَمَّا آخُورُ لَیْکِن حَضُورِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی طیب یعنی خوشبو کے ساتھ محبت کی حکمت اور طیب کو نساء کے بعد ذکر کرنے کی حکمت یہ ہے کہ نساء میں رواجِ تنکوین پائی جاتی ہے اور سب سے عمدہ خوشبو معانقہ محبوب ہے جیسا کہ مثل مشہور ہے۔ خوشبو کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی وجہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مجسم خوشبو ہیں اور چونکہ جنس جنس کی طرف مائل ہو جاتی ہے الجنس یہیل الجنس اسلئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم خوشبو کیساتھ محبت رکھتے ہیں۔ قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب الشفاء بتعريف حقوق المصطفى صلی اللہ علیہ وسلم میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک کی نظافت اور خوشبو کے متعلق ایک باب باندھا ہے۔ کتاب کو معطر کرنے کیلئے چند احادیث شریف نقل کی جاتی ہیں (۱) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بالاسناد مروی ہے کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک کی خوشبو سے بڑھ کر کسی غیر کستوری اور کسی چیز کی خوشبو کو نہ پایا۔ (۲) جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کے رُخسار کو چھوا تو میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دست اقدس میں ایسی ٹھنڈک اور خوشبو پائی کہ گویا ابھی آپ نے عطار کے ڈبہ سے اپنے ہاتھ کو باہر نکالا ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے علاوہ بھی مروی ہے کہ خواہ آپ نے خوشبو لگائی ہوتی یا نہیں لیکن آپ جس سے بھی مصافحہ فرماتے تو وہ شخص سارے دن اُس کی خوشبو سے معطر رہتا۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی بچہ کے سر پر اپنے دست اقدس کو پھیرتے تو وہ بچہ خوشبو سے پہچانا جاتا کہ اس پر حضور نے دست شفقت پھیرا ہے۔ (۳) ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کے گھر آرام فرمایا۔ آپ کو پسینہ آگیا۔ حضرت انس کی والدہ ایک شیشی لائیں اور حضور کے پسینہ مبارک کو جمع کرنے لگیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا تو عرض کیا کہ میں اس کو اپنی خوشبوؤں میں رکھوں گی کیونکہ یہ سب سے عمدہ اور طیب خوشبو ہے۔ (۴) اسحق بن راہویہ نے ذکر کیا کہ آپ کی خوشبو بلا خوشبو لگائے ہوتی تھی یعنی آپ کے جسم اقدس و اطہر کی ذاتی خوشبو ہوتی تھی صلی اللہ علیہ وسلم۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے شمائل و اخبار میں بعض محدثین نے بیان کیا کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم رفع حاجت کا ارادہ فرماتے تو زمین شق ہو کر آپ کا بول و براز نکل جاتی۔ صرف وہاں خوشبو ہی خوشبو معلوم ہوتی۔

اور طیب کو نساء کے بعد لانے کی حکمت یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نساء میں سے رواج تکوین سونگتے
 تھے۔ چونکہ رواج تکوین سونگتے تھے۔ چونکہ رواج تکوین کا وجود وجود نساء سے ہے اسلئے طیب پر نساء
 کو تقدم حاصل ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ فرمادیا ہے کہ نساء سے تکوین کی خوشبوئیں آتی ہیں۔ لفظ
 نساء لفظ انسان کا قلب ہے کیونکہ لفظ انسان سے پہلا حرف اےف اور آخری حرف نون محذوف کر دیا جائے
 تو باقی نساء رہ جاتا ہے۔ مراد یہ ہے کہ لفظ نساء سے مراد لفظ انسان ہے۔ اس نوع انسانی کی تکوین چار قسم
 پر ہے۔ (۱) بغیر باپ اور بغیر ماں کے جیسے آدم علیہ السلام (۲) صرف باپ سے جیسے خوا علیہا السلام آدم علیہ
 السلام سے پیدا ہوئیں (۳) صرف ماں سے جیسے عیسیٰ علیہ السلام مریم علیہا السلام سے پیدا ہوئے (۴) باپ
 اور ماں سے من حیث المجموع سائر اولاد آدم پیدا ہو رہی ہے۔ رب تعالیٰ نے پیدائش کی ان اربعہ انواع کا
 ذکر قرآن مجید میں علیحدہ علیحدہ بھی کیا ہے لیکن قرآن مجید کی مہجز نما کلام دیکھئے کہ ان اربعہ انواع تکوین
 کو ایک ہی آیت کریمہ (يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ) میں درج کر دیا ہے۔ خَلَقْنَاكُمْ
 سے مراد آدم علیہ السلام کی پیدائش ہے، مِنْ ذَكَرٍ سے مراد خوا علیہا السلام کی پیدائش ہے، مِنْ أُنْثَىٰ
 سے مراد عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش ہے اور مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ مجموع سے مراد من حیث المجموع سائر
 اولاد آدم کی پیدائش ہے کَمَا صَرَخَ بِهِ الشَّيْخُ الْإِسْلَامُ قَدَسَ سِرُّهُ فِي انْفُتُوْحَاتِ الْهَكِّيَّةِ ثُمَّ
 رَاتِ اللَّهُ قَدْ جَمَعَ هَذِهِ الْأَرْبَعَةَ الْأَنْوَاعَ مِنَ الْخَلْقِ فِي آيَةٍ مِنَ الْقُرْآنِ فِي سُورَةِ الْحَجَرَاتِ
 فَقَالَ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ بِرِيدِ أَدَمَ مِنْ ذَكَرٍ بِرِيدِ حَوَا وَأُنْثَىٰ بِرِيدِ عِيسَىٰ عَلَيْهِ
 السَّلَامُ وَمِنْ الْمَجْمُوعِ أَيْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ بِمَعَابِطِ طَرِيقِ النِّكَاحِ وَالْتِوَالِدِ بِرِيدِ بَنِي أَدَمَ فَهَذَا
 الْآيَةُ مِنْ جَوَامِعِ الْكَلِمِ وَفَصْلُ الْخَطَابِ الَّذِي آوَتْهُ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاصْحَابُهُ
 وَسَلَّمَ أَنْتَهَىٰ۔ فَإِنَّهُ أَطْيَبُ الْبَطِيْبِ عِنَاقُ الْحَبِيْبِ سَبَّحَ مِنْهُ خَوْشَبُوْهُ مُعَانَقَةُ حَبِيْبٍ هِيَ۔ چونکہ
 معانقہ بغیر حبیب کے نصیب نہیں ہو سکتا اس لئے طیب کا ذکر نساء کے بعد فرمایا ہے۔ وَ لَسْنَا الْخَبِيْلُ
 نساء کے بعد طیب کو لانے کی ایک اور وجہ بیان کی گئی ہے۔ اور چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم عبد بالاصلا
 پیدا کئے گئے تھے اس لئے آپ نے ہرگز سرداری کی طرف نہ اٹھایا بلکہ آپ ہمیشہ ساجد رہتے
 تھے حالانکہ آپ اس راز سے واقف تھے کہ آپ اللہ تعالیٰ کیلئے مَحَلِّ انْفَعَالِ ہیں۔ یعنی اگرچہ حضور صلی اللہ
 علیہ وسلم جانتے تھے کہ آپ اللہ تعالیٰ کیلئے مَرَاتِ تَامَّةِ ہیں اور آپ کی اصل اور حقیقت اللہ تعالیٰ ہے

لیکن بوجہ غیبی تعین کے آپ ہمیشہ عبودیت کا لحاظ رکھتے تھے اور ہمیشہ ساجد رہتے تھے۔ مُراد یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے درجات کا پاس رکھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ مرتبہ احدیت سے تنزل فرما کر مرتبہ وحدت پر جلوہ نما ہوا۔ مرتبہ وحدت سے مُراد نورِ محمدی ہے صلی اللہ علیہ وسلم۔ مرتبہ احدیت ذاتِ حق کا لا تعین مرتبہ ہے اور مرتبہ وحدت اللہ تعالیٰ کا تعین اول ہے۔ پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ مرتبہ تعین میں تھے اسلئے آپ مرتبہ لا تعین کا ادب نگاہ رکھتے تھے۔ نیز آپ اُمت کے کُل عارفین کو تعلیم دے گئے ہیں کہ باوجود کمالِ ربوبیت کے عارف کو ہمیشہ مقامِ عبودیت اور نیاز میں رہنا چاہیے یعنی اگرچہ ذاتِ حق ہی تنزل فرما کر عبد کی صورت پر جلوہ نما ہے لیکن عارف کامل وہ ہے جو حفظِ مراتب پر نگاہ رکھے۔

نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ زبانی شان ہے کہ مجملہ عوالم آپ کے نورِ پاک سے پیدا کئے گئے ہیں کَمَا قَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَنَا مِنْ نُورِ اللَّهِ وَالْخَلْقُ كُلُّهُمْ مِنْ نُورِي۔ ذاتِ الہی کی مثال بیج کی سی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت مثل انگور کے ہے اور مجملہ عوالم مثل درخت کے ہیں۔ اب درخت سارے کا سارا انگور سے پیدا ہوتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ابوالارواح ہیں اور مجملہ ارواح آپ سے پیدا ہوئی ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم آفتابِ حقیقت ہیں اور مجملہ ارواح اُس آفتاب کی شعاعیں ہیں۔ اب عالمِ انفاس یعنی عالمِ ارواح میں آپ ہی فاعل ہیں اور عالمِ اجسام عالمِ ارواح کا ظاہری لباس ہے۔ چونکہ ارواح میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رُوح اقدس کی خوشبو ہے اسلئے اُن کا نام اعرافِ طیبہ یعنی روائحِ طیبہ رکھا۔ چونکہ ارواح میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طیب ہے اسلئے آپ طیب کو دوست رکھتے تھے یعنی ارواح کو دوست رکھتے تھے۔ نیز چونکہ ارواح کا مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہے اسلئے طیب کا ذکر نساء کے بعد فرمایا۔ نسا لفظ انسان کا مخفف ہے لہذا نساء سے مُراد انسان ہے۔ چونکہ انسان کامل صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد یعنی مرتبہ وحدت کے بعد مرتبہ عالمِ ارواح کا ہے اسلئے طیب کا ذکر نساء کے بعد فرمایا۔ پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے درجاتِ حق کی رعایت فرمائی۔ درجاتِ حق اللہ تعالیٰ کے قول (مَرَفِيعُ الدَّرَجَاتِ ذُو الْعَرْشِ) صاحبِ عرش بلند درجوں والا ہے سے ثابت ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے درجات یعنی مراتب چھ ہیں، احدیت، وحدت، واحدیت، عالمِ ارواح، عالمِ مثال اور عالمِ اجسام۔ ساتواں مرتبہ حضرت انسان کامل صلی اللہ علیہ وسلم ہے جو ان تمام مراتب کو شامل ہے۔

آگے (دَرَفِیْعُ الدَّرَجَاتِ ذُو الْعَرْشِ) کی تفسیر بیان کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ بلند درجوں والا صاحب عرش ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے مرتبہ احدیت سے تنزل فرما کر عالم کی صورت پر جلوہ آرائی کی اور پھر عرش پر مُستوی ہوا یَقُولُ تَعَالٰی (اَلَّذِیْنَ عَلٰی الْعَرْشِ اُسْتَوٰی) یعنی قلبِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے عرش پر کامل تجلی سے اپنی تمام صفات کیساتھ قائم ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی صفتِ رحمانی سے ہر شے کو اپنا وجود عطا کیا ہے اس لئے اسمِ رحمن کی حقیقت کے ساتھ رحمت، امتنانی و جود کا سرِ بیان عالم میں ہوتا ہے۔ ہر شے میں اللہ تعالیٰ کا سرِ بیان اُس شے کی استعداد کے مطابق ہے اور اللہ تعالیٰ نے قلبِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں اپنی صفات کا ملہ تاتمہ کیساتھ ظہور فرمایا ہے اسلئے سوائے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کوئی شے اللہ تعالیٰ کیلئے برأتِ تاتمہ نہیں ہے۔ عرش الہی جمیع عالم پر محیط ہے اور قلبِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کو عرش اسلئے کہا گیا ہے کہ حقیقتِ محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام بھی مجموعہ جمیع عوالم ہے۔ پس کوئی شے باقی نہ رہی جس پر عرشِ رحمانی محیط ہے کہ اُس کو رحمت الہی نہ پہنچے یَقُولُ تَعَالٰی (وَدَخَلْتُ فِیْ سِعَتِ كُلِّ شَیْءٍ) اور میری رحمت ہر شے پر وسیع ہے یعنی ہر شے کو میں نے اپنا وجود عطا کر دیا ہے جیسا کہ سیاہی نے اپنا وجود حروف کو عطا کر دیا ہے۔ ہم نے اس مسئلہ کی وضاحت اس کتاب میں اکثر مقام پر اور کتاب فتوحات مکیہ میں بھی کی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارتباطِ نکاحی جو مرد اور عورت کے درمیان ہوتا ہے، میں طیب یعنی پاکی کا لحاظ رکھا ہے یعنی پاک مردوں کیلئے ہمیشہ پاک عورتیں مخصوص ہوتی ہیں چنانچہ اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر جب طوفان باندھا گیا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی برأت میں ارشاد فرمایا (اَلْخَبِیْثَاتُ لِلْخَبِیْثِیْنَ وَ اَلْخَبِیْثَاتُ لِلْخَبِیْثِیْنَ وَ اَلطَّیِّبَاتُ لِلطَّیِّبِیْنَ وَ اَلطَّیِّبَاتُ لِلطَّیِّبِیْنَ اُولٰٓئِكَ مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا یَقُوْلُوْنَ) ناپاک عورتیں ناپاک مردوں کے واسطے ہیں اور ناپاک مرد ناپاک عورتوں کے لئے ہیں اور پاک عورتیں پاک مردوں کیلئے ہیں اور پاک مرد پاک عورتوں کیلئے ہیں یہ لوگ اُس طوفان سے جو لوگ کہتے ہیں مُبرّا ہیں۔ آیہ کہ میہ سے یہ ثابت ہوا کہ سرکارِ دو عالم جناب محمد پاک صلی اللہ علیہ وسلم اَطِیْبُ الطَّیِّبِیْنَ ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام ازواجِ مطہرات اَطِیْبُ الطَّیِّبَاتِ ہیں۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم طیب یعنی پاکی کو درست رکھتے ہیں۔ نیز پاک لوگوں کے رواجِ اقوال کو حقیقتی نے طیب ٹھہرایا ہے کیونکہ قول ایک سانس ہے جو رائج کا عین ہے۔ مُراد

یہ ہے کہ پاک لوگوں کے کلام میں خُشبو ہوتی ہے یعنی اُن کی کلام میں نیکی اور ہدایت ہوتی ہے اور ناپاک لوگوں کے کلام میں بدبو ہوتی ہے یعنی اُن کی کلام میں شرارت اور گمراہی ہوتی ہے۔ پس یہ سانس کلام کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے۔ طیب آدمی سے کلام طیب ظاہر ہوگی اور خبیث آدمی سے کلام خبیث ظاہر ہوگی۔ اور اگر حقیقت پر نظر رکھی جائے اور انسان کو مرآتِ رحمان تصور کیا جائے تو اُس کی سانس سانس اہی ہے اور کلام کلام اہی ہے۔ انسان سارے کا سارا یعنی سہرا یا طیب ہے اور اُس کی سانس اور کلام بھی طیب ہے۔ اور اگر اُس کلام کو بندے کی طرف منسوب کیا جائے تو جو کلام از روئے شرع تہریت محمود ہے وہ طیب ہے اور جو کلام از روئے شرع تہریت مذموم ہے وہ خبیث ہے۔ مراد یہ ہے کہ انسان کی حقیقت ہر حال میں طیب ہے اور محمود ہے البتہ جو چیز یعنی کلام و فعل اُس سے ظاہر ہوتا ہے وہ مذموم اور خبیث ہو سکتا ہے۔ وہ طیب مرد جو ذاتِ حق میں محو اور مستغرق ہیں، اعتراض سے بالاتر ہیں۔ اُن کی شان شانِ اہی ہے اور وہ آیہ کریمہ (لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْئَلُونَ) کے مصداق ہیں۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بہسن کے پودے کی بدبو کے متعلق فرمایا کہ وہ ایک پودا ہے میں اُس کی بو کو ناپسند کرتا ہوں اور یہ نہیں فرمایا کہ میں اُس پودے کو ناپسند کرتا ہوں۔ پس اس میں یہ اشارہ ہے کہ کسی شے کی ذات ناپسند نہیں کی جاتی اور سوائے اس کے نہیں کہ وہ چیز ناپسند کی جاتی ہے جو اُس شے سے ظاہر ہوتی ہے اور اُس چیز سے کراہت کے کئی وجوہ ہیں یا تو باتفاق عرف عام کے ہے یا بسبب عدم مناسبت طبع کے یا بسبب کسی غرض کے یا بسبب شرع شریف کے یا وہ کمال جو اُس شے میں مطلوب ہے اُس میں نقص ہے۔ کسی چیز کی کراہت کیلئے مذکورہ بالا وجوہ کے سوا اور کوئی وجہ نہیں ہو سکتی۔ بہر حال ہر شے کی حقیقت اگرچہ ذاتِ اہی ہے لیکن ہر شے ظہورِ صفات کے اعتبار سے یا خبیث ہے یا طیب ہے جیسا کہ اوپر مذکور ہوا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پاک اور خوشبودار چیزیں محبوب رکھائی گئی ہیں نہ کہ ناپاک اور بدبودار چیزیں :

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرشتوں کے اس طرح پر وصف بیان کیا ہے کہ وہ روائحِ خبیثہ سے یعنی بدبو سے ایذا پاتے ہیں، اس پیدائشِ عنصری میں جو عُفُونَت پاتی جاتی ہے اُس سے ایذا پاتے ہیں۔ اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جمعہ کی نماز کیلئے عید کی نماز کیلئے تلاوتِ قرآن مجید کیلئے اور ویسے بھی سنت سمجھ کر خوشبو لگایا کر و۔ ایک تو وجہ یہ ہے کہ آپس میں ایک دوسرے کی

بدبو سے محفوظ رہو گے اور دوسری وجہ یہ کہ روحانی لوگ ملائکہ تمہاری بدبو سے ایذا نہ پائیں۔ پیدائش
 غصری میں عفو نہ کی وجہ یہ ہے کہ انسان کی پیدائش اُس نبی والی خشک مٹی سے ہے جو سڑی
 ہوئی کچھڑ سے بنی تھی يَقُولِہ تَعَالٰی (وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِنْ حَمِیْمٍ مَّسْنُونٍ) ملائکہ
 انسان سے اسوجہ سے کراہت کرتے ہیں کہ انسان بوجہ عفو نہات اور فضلات کے متغیر الہی ہے اور
 فرشتے نوری ہیں یا غصری ہیں سب کے سب عفو نہات اور فضلات سے پاک ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ
 وسلم اس عفو نہت سے مستثنیٰ ہیں جو عام انسانوں میں پائی جاتی ہے۔ سابق میں احادیث شریفہ درج
 کی گئی ہیں جن سے اس امر کی صراحت پائی جاتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جملہ فضلات مبارک
 خوشبودار تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پسینہ مبارک خوشبودار تھا اور جہاں آپ رفع حاجت کے لئے
 بیٹھتے وہاں رفع حاجت کا کوئی نشان نہ پاتے۔ بول و براز زمین نکل جاتی اور وہاں صرف خوشبو ہی
 خوشبو معلوم ہوتی۔ ایسے ہی عالی سرکار جناب حضرت غوث اعظم پاک شیخ سید عبدالقادر جیلانی رضی
 اللہ عنہ کی شان اقدس ہے۔ جملہ اکابر محدثین و علمائے باللہ نے اس امر پر اتفاق کیا ہے کہ حضرت غوث
 الثقلین رضی اللہ عنہ کا پسینہ مبارک خوشبودار تھا اور حضور کا بول و براز بھی زمین نکل جاتی اور وہاں
 صرف خوشبو ہی خوشبو معلوم ہوتی (تحقیق الاولیاء فی شان سلطان الاولیاء) سبحان اللہ! عشق الہی
 کی خوشبو بھی عجیب خوشبو ہے کہ اس کی بدولت اقطاب عارفین رضی اللہ عنہم کے قلوب میں حقیقت
 محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا ظہور ہوتا ہے اور نوری ملائکہ کا سرتاج حضرت جبریل امین علیہ السلام
 اُن کا خادم ہوتا ہے۔ پس فرشتے اپنی ذات سے انسان کی بدبو سے کراہت کرتے ہیں انسان کی ذات
 سے کراہت نہیں کرتے۔ یہ ہی وجہ ہے کہ عام فرشتے عام انسانوں کے خادم ہیں اور خاص فرشتے
 خاص انسانوں کے خادم ہیں۔ کَمَا اَنَّ الرَّجُلَ جِیْسًا کَالْکَبْرِ کے کیرے کا مزاج گلاب کے پھول کی خوشبو
 سے ضرر پاتا ہے اور اُس کے نزدیک گلاب کا پھول خوشبودار نہیں ہے، ایسے ہی اُس شخص کا حال
 ہے جسکا مزاج ظاہر و باطن گوبر کے کیرے کی طرح ہے کیونکہ حق بات جب اُس کو وہ سُنتا ہے
 اُس کو ضرر کرتی ہے اور باطل بات کو سُن کر وہ خوش ہوتا ہے کَمَا قَالَ تَعَالٰی (وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا
 بِالْبَاطِلِ وَکَفَرُوْا بِاللّٰهِ اُولٰٓئِکَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ الَّذِیْنَ خَسِرُوْا اَنْفُسَهُمْ) اور وہ لوگ جو
 باطل پر ایمان لاتے اور اللہ تعالیٰ کیساتھ کُفر کیا یہ وہ لوگ ہیں جو خسارہ پانیوا لے ہیں۔ اللہ تعالیٰ

نے اُن کی توصیف خُسران کیساتھ کی۔ جو شخص پاک اور ناپاک میں، خوشبود اور بدبو میں تمیز نہ کرے اُس کے لئے ادراک نہیں ہے یعنی جس شخص کو اللہ تعالیٰ فہم عطا کرے وہ ہی حق اور باطل میں، خوشبود اور بدبو میں تمیز کر سکتا ہے۔ پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے ہر ف پاک چیزیں محبوب رکھائیں اسلئے جناب کو ہر ف پاک اور خوشبودار چیزوں اور حق باتوں کیساتھ محبت ہے۔

اور کیا یہ بات متصور ہے کہ عالم میں کوئی ایسا مزاج بھی ہو جو ہر شے میں سوائے پاکی اور خوشبود کے اور کوئی شے نہ پائے اور ناپاکی و بدبو کو نہ پہچانے یا نہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ ایسا مزاج نہیں پایا جاتا کیونکہ یہ محکم تو ہم نے اُس اصل میں بھی نہیں پایا جس سے عالم ظاہر ہوا ہے اور وہ اصل حقیقی ہے اور ہم نے یہ چیز پائی ہے کہ حقیقی بعض سے کراہت کرتا ہے اور بعض سے محبت رکھتا ہے اور خبیث وہی ہے جس سے کراہت کی جائے اور طیب وہی ہے جس سے محبت رکھی جائے۔ عالم صورت حق پر ہے اور انسان دونوں صورتوں پر ہے یعنی انسان کا ظاہر عالم کو شامل ہے اور باطن حقیقی کو شامل ہے۔ پس عالم میں کوئی ایسا مزاج نہیں جو ہر شے میں سے ہر ف امر واحد کو ادراک نہ کرتا ہو یعنی ہر مزاج کے نزدیک عالم کی کوئی شے یا طیب ہے یا خبیث ہے۔ بَلْ ثَمَّةَ آتٍ بلکہ عالم میں ایسا مزاج پایا جاتا ہے جو پاک کو ناپاک سے ادراک تو کرتا ہے لیکن اُس کو اس امر کا علم ہے کہ تحقیق وہ ناپاک چیز ایک ذوق یعنی شرعی تمیز کیساتھ خبیث ہے اور بغیر ذوق تمیز کے وہ طیب ہے۔ پس صاحب مزاج کو اُس شے کے خبیث ہونے کا احساس اس امر سے اُس کو باز رکھتا ہے کہ وہ اسی ناپاک شے کو پاک ادراک کرے اور یہ امر کبھی ہوتا ہے۔ یہ غارت کامل کی شان ہے جو مرتبہ استغراق یا جمع میں ہر شے کو طیب دیکھتا ہے لیکن مرتبہ فرق بعد از جمع میں پاک کو ناپاک سے تمیز کرتا ہے۔ اور لیکن عالم یعنی موجودات سے ناپاکی کا اٹھا دینا یہ صحیح نہیں ہے۔ مراد یہ ہے کہ عالم میں ایسا کوئی مزاج نہیں پایا جاتا جو ہر شے کو پاک تصور کرے۔ مثال کے طور پر ایک شے ایک مذہب میں پاک ہے اور وہی شے دوسرے مذہب میں ناپاک ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی رحمت ہر شے کی خبیث کیا طیب سب میں پائی جاتی ہے کَمَا قَالَ تَعَالَى (وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ) یعنی اللہ تعالیٰ نے ہر شے کو اپنا وجود عطا کر دیا ہے جیسا کہ سیاہی نے جملہ حروف کو اپنا وجود عطا کر دیا ہے۔ پس اس اعتبار سے خبیث شے اپنی ذات اور حقیقت کے لحاظ سے طیب ہے کیونکہ خبیث شے کی حقیقت

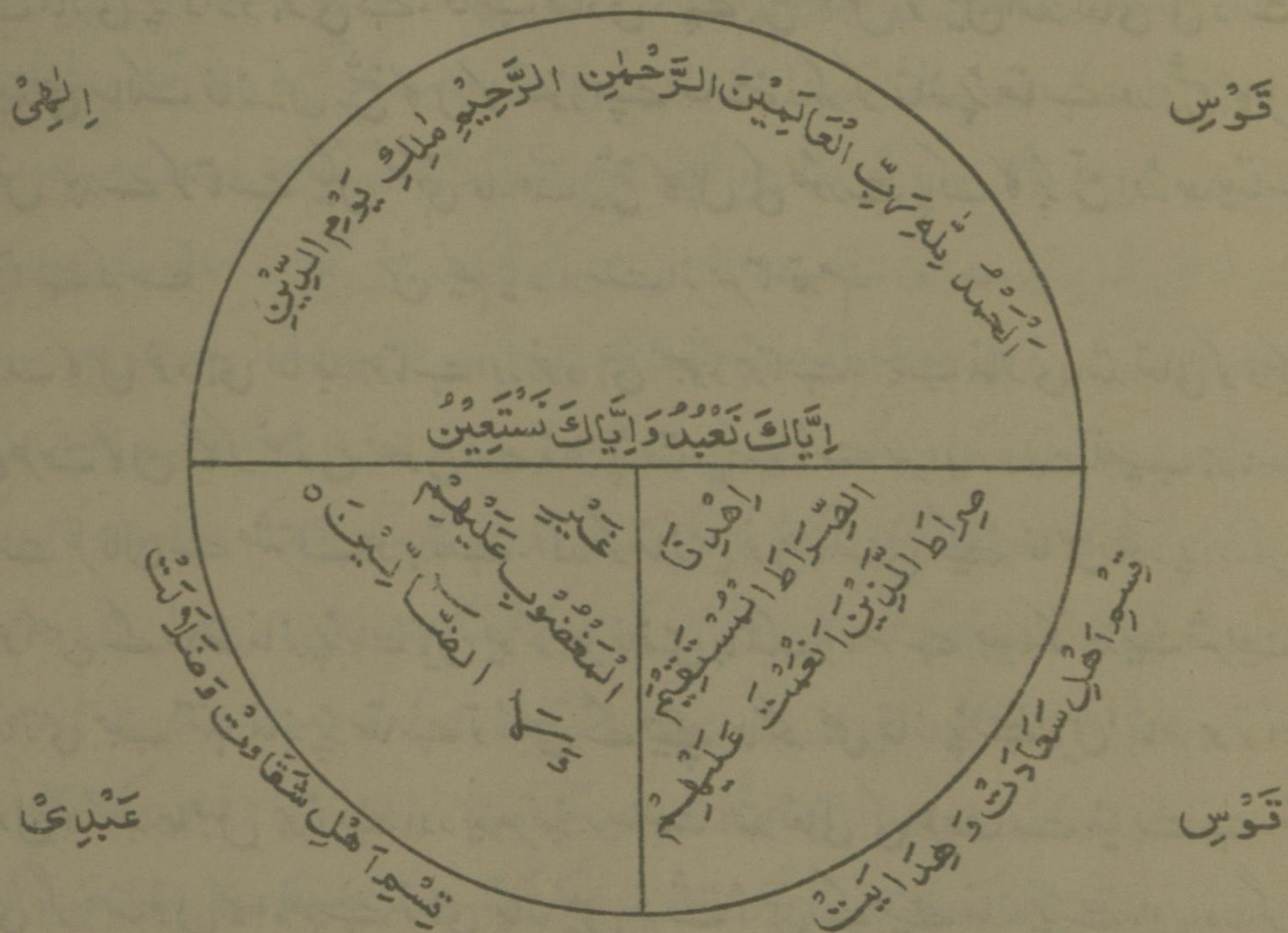
بھی حقیقی ہے۔ اور خبیث شے کے نزدیک طیب بھی خبیث ہے جیسا کہ گوبر کے کیرے کے نزدیک گلاب کا پھول خبیث ہے کیونکہ پھول کی خوشبو سے وہ مر جاتا ہے۔ لہذا نتیجہ یہ نکلا کہ عالم میں کوئی طیب شے ایسی نہیں جو کسی وجہ سے کسی دوسرے مزاج کیلئے خبیث نہ ہو اور ایسا ہی برعکس اس کے یعنی عالم میں کوئی خبیث شے ایسی نہیں جو کسی وجہ سے کسی دوسرے مزاج کیلئے طیب نہ ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ لوگوں کے امزجہ مختلف ہیں اور متضاد ہیں۔ ایک مزاج کے نزدیک خنزیر کا گوشت طیب ہے اور دوسرے کے نزدیک خبیث ہے۔ مراد یہ ہے کہ مرتبہ احدیت ذاتیہ میں ہر شے طیب ہے اور مرتبہ کثرت اور تفصیل میں اعداد کا ظہور ہے، طبائع کا اختلاف ہے اسلئے ہر شے طیب بھی ہے اور خبیث بھی ہے۔ طیب کے نزدیک خبیث خبیث ہے اور خبیث کے نزدیک طیب خبیث ہے۔

وَأَمَّا اُور تیسری چیز جس کے سبب فردیت اولیٰ کامل ہوتی وہ نماز ہے اسی لئے فرمایا وَجَعَلْتُ قُرْبَةً عَيْنِي فِي الصَّلَاةِ کیونکہ تحقیق نماز مشاہدہ ہے۔ اور تیسری چیز جس کے ساتھ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت رکھائی گئی وہ نماز ہے، اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔ نماز میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم رویت الہی سے مشرف ہوتے تھے اسلئے دیدارِ یار کی لذت سے آپ کی آنکھیں مبارک ٹھنڈی ہو جاتی تھیں نماز میں حقیقی کا مشاہدہ ہونا اسلئے لازمی ہے کہ تحقیق نماز اللہ تعالیٰ اور بندے کے درمیان مناسبت یعنی سرگوشی کرنا ہے کَمَا قَالَ تَعَالَى (فَاذْكُرُونِي اَذْكُرْكُمْ) جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ تو میرا ذکر کر میں تیرا ذکر کر دوں گا۔ حدیث شریف میں وارد ہوا اَنْ تَجِدَ اللّٰهَ كَاَنْكَ تَرَ اللّٰهَ تعالیٰ کی عبادت ایسے کر گویا تو اُسے دیکھ رہا ہے۔ نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا الصَّلَاةُ مَعْرَاجُ الْمُؤْمِنِينَ نماز مومنوں کی معراج ہے۔ معراج میں چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیدارِ الہی نصیب ہوا تھا اسلئے آپ نے اشارہ فرمادیا کہ مومنین کو نماز میں دیدارِ الہی نصیب ہوتا ہے۔ عارف کامل اپنے مرتبہ تعین سے عاجز ہے اور اپنے مرتبہ لاتعین یعنی اپنی حقیقت کی رُوسے مسجود ہے یعنی خود ہی ساجد ہے اور خود ہی مسجود، خود ہی حامد ہے اور خود ہی محمود کَمَا قَالَ تَعَالَى (حَسْبُ) یعنی اُسے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم! آپ حامد بھی خود ہیں اور محمود بھی خود ہیں۔ پس اے عزیز! نماز وہ چیز ہے جس

میں عرفان الہی نصیب ہوتا ہے۔ نماز میں عبد اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ عبد کا ذکر کرتا ہے نماز ایک عبادت ہے جو اللہ تعالیٰ اور عبد کے درمیان دو حصوں پر تقسیم کی گئی ہے اُس کا ایک حصہ اللہ تعالیٰ کیلئے ہے اور اُس کا دوسرا حصہ عبد کیلئے ہے جیسا کہ حدیث قدسی میں وارد ہوا کہ تحقیق اللہ تعالیٰ نے فرمایا "نماز میرے اور میرے بندے کے درمیان دو حصوں میں تقسیم کی گئی ہے اُس کا ایک حصہ میرے لئے ہے اور اُس کا دوسرا حصہ میرے بندے کیلئے ہے اور میرے بندے کیلئے وہ چیز ہے جو اُس نے مجھ سے سوال کیا" بندہ نماز میں کہتا ہے (يَسُو اللّٰهُ الرَّحْمٰنَ الرَّحِيْمَ) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ذَكَرَنِي عَبْدِي میرے بندے نے مجھ کو یاد کیا بندہ کہتا ہے (اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے حَمَدَنِي عَبْدِي میرے بندے نے میری تعریف کی۔ بندہ کہتا ہے (الرَّحْمٰنَ الرَّحِيْمَ) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اَتْنِي عَبْدِي میرے بندے نے میری ثنا کی۔ بندہ کہتا ہے (مَلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مَجَّدَنِي عَبْدِي دَفَوْضَ اِلَيَّ عَبْدِي میرے بندے نے میری بزرگی کی اور اپنے سب امور میری طرف سوئے۔ پس یہ تمام حصہ خالص اللہ تعالیٰ کیلئے ہے یعنی ازل میں اللہ تعالیٰ نے اپنی شان ان الفاظ میں آپ ہی کی اور اب بندے کی زبان پر اپنی ثنا آپ ہی کرتا ہے۔ پھر بندہ کہتا ہے (رَاٰیَاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یہ میرے اور میرے بندے کے درمیان ہے اور میرے بندے کی واسطے وہ چیز ہے جو اُس نے مجھ سے سوال کیا۔ پس اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اشتراک ثابت کر دیا یعنی اس آیت میں چونکہ مخاطب کا صیغہ ہے اس لئے اس سے یہ ثابت ہوا کہ بندہ اللہ تعالیٰ کو دیکھ کر اُس سے کلام کر رہا ہے۔ اس آیت سے نماز میں بندہ کیلئے رویت الہی ثابت ہے۔ بندہ کہتا ہے (رَاهِدَنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّیْنَ) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ تمام میرے بندے کی واسطے ہے اور میرے بندے کی واسطے وہ چیز ہے جو اُس نے سوال کیا۔ پس یہ خاص میرے بندے کیلئے ہے جیسا کہ اوّل حصہ خاص اللہ تعالیٰ کیلئے ہے۔ لہذا اس حدیث شریف سے نماز میں سورہ فاتحہ کی قرأت کا وجوب معلوم ہوا اور جس نے نماز میں سورہ فاتحہ کو نہ پڑھا اُس نے حقیقتاً نماز نہ پڑھی جو اللہ اور بندے کے درمیان تقسیم کی گئی ہے۔ مراد یہ ہے کہ نماز کا مقصود دیدار الہی ہے اور دیدار الہی سوائے سورہ فاتحہ کی تلاوت کے نصیب نہیں ہو سکتا اور جو شخص سورہ فاتحہ نماز میں نہ پڑھے اُس نے نماز کا مقصود گم کر دیا۔ سید الکونین امام عالی مقام حضرت امام حسین پاک صلوٰۃ اللہ

علیہ و علی آباءہ الکرام اپنی تصنیف لطیف مرآت العارفین میں سورہ فاتحہ کی وضاحت کیلئے ایک دائرہ پیش فرماتے ہیں اور فرماتے ہیں فَاَلْفَاتِحَةُ مِنْ اَوْ يَهْدِي إِلَىٰ مَلِكٍ يَوْمَ الدِّينِ مُتَعَلِّقٌ بِالْحَقِّ الصَّرَفِ وَرِايَاكَ نَعْبُدُ وَرِايَاكَ نَسْتَعِينُ مُتَعَلِّقٌ بِالْحَقِّ وَالْعَبْدُ مِنْ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ إِلَىٰ اٰخِرِ الْفَاتِحَةِ مُتَعَلِّقٌ بِالْعَبْدِ الصَّرَفِ وَالتَّحْقِيقِ هَذِهِ الْاَقْسَامُ الثَّلَاثَةُ دَسْمًا دَاثِرَةً وَتَسْمَا هَا بِقِسْمَيْنِ بِسَبَبِ خَطِّ مَآزٍ بَيْنَهُمَا وَجَعَلْنَاهَا قِسْمًا لِلْحَقِّ وَ قِسْمًا لِلْعَبْدِ وَ قِسْمًا جَامِعًا لِكِلَيْهِمَا وَ هِيَ هَذِهِ :-

دائرۂ سورۃ فاتحہ



اور چونکہ نماز مناجات ہے اسلئے نماز ذکر ہے اور جس نے حق تعالیٰ کا ذکر کیا پس تحقیق وہ حق تعالیٰ کا ہم نشین ہوا اور حق تعالیٰ اُس کا ہم نشین ہوا جیسا کہ حدیث قدسی میں وارد ہوا کہ تحقیق اللہ تعالیٰ نے فرمایا اَنَا جَلِيسُ مَنْ ذَكَرَنِي جو شخص میرا ذکر کرتا ہے میں اُس کا ہم نشین ہوں۔ اور جو ذکر حق تعالیٰ کا ہم نشین ہوا اور وہ تیز بصر والا ہے وہ اپنے ہم نشین یعنی حق تعالیٰ کو دیکھے گا۔ پس اس نماز کے سبب حق تعالیٰ کا مشاہدہ اور اُس کی رویت نصیب ہوتی ہے اور اگر وہ ذکر تیز بصر نہیں تو وہ حق تعالیٰ کو نہیں دیکھے گا۔

یعنی ہر ذاکر اللہ تعالیٰ کا ہم نشین تو ہوتا ہے لیکن مشاہدہ حق سے وہ ہی مُشترَف ہوتا ہے جس کا دل نورِ عرفان سے منور ہو۔ پس ہر نمازی نماز میں اپنا رُتبہ معلوم کر لیتا ہے کہ آیا وہ نماز میں اس رُویت الہی سے مُشترَف ہوتا ہے یا نہیں۔ اور اگر نمازی نماز میں حقیقی کو نہ دیکھے تو اس ایمان کیساتھ عبادت کرے کہ گویا وہ حقیقی کو دیکھ رہا ہے۔ یعنی اگر نمازی عارفِ کامل ہے اور اس راز کو جانتا ہے کہ وہ خود ہی عابد ہے اور خود ہی معبود ہے تو وہ رُویت الہی سے مُشترَف ہے اور اگر اس رازِ حقیقت سے واقف نہیں تو وہ اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کی کوشش کرے اور دیکھ کر نماز پڑھے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ وہ اپنے قبلہ میں مناجات کے وقت حقیقی کا تصور کرے اور اُس چیز کی خاطر کان لگائے جو حقیقی کی طرف نمازی پر وارد ہوتی ہے۔ طالبِ صادق اپنے شیخِ کامل کو عین اللہ تعالیٰ کی ذات جانتا ہے۔ مُبتدئی سالک نماز میں شیخِ کامل کا تصور اپنے سامنے رکھ کر نماز پڑھتا ہے اور شیخِ کامل کے پاؤں میں سجدے کرتا ہے لیکن مُنتہی عارف شیخِ کامل کی صورتِ پاک کا بُرقع اور ہڈھ لیتا ہے اور تصور کرتا ہے کہ

مَنْ نِیمِ یَا رَاسِست از سر تا قدم۔

پس عارفِ کامل خود ہی ساجد ہوتا ہے اور خود ہی مسجود ہوتا ہے۔ جب نمازی اللہ تعالیٰ کو دیکھ کر اور اُس کی طرف کان لگا کر خشوعِ خضوع سے نماز پڑھتا ہے تو اُسے سرورِ وحدت نصیب ہوتا ہے اور وہ دولتِ عرفان سے مُشترَف ہو جاتا ہے۔ اور اگر نمازی نوعِ انسانی کیلئے خاص طور پر اور اُن ملائکہ کیلئے جو اُس کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں کیونکہ ہر نمازی بلا شک امام ہے جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہوا کہ نمازی جب تنہا نماز پڑھتا ہے تو اُس کے پیچھے ملائکہ بھی نماز پڑھتے ہیں، امام ہو تو اُس کو نماز میں رسول کا رُتبہ حاصل ہوتا ہے اور یہ مرتبہ رسالت اللہ تعالیٰ کی طرف سے نیا بت ہے۔ مراد یہ ہے کہ نمازی اگر انسانوں کا امام ہے تو بھی نماز میں فرشتے اُس کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں اور اگر اکیلا نماز پڑھتا ہے تو بھی فرشتے اُس کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں تو پس یہ سعادتِ انسان کو نماز میں ہی حاصل ہوتی ہے۔ نیز جب نمازی انسانوں کا اور فرشتوں کا نماز میں امام ہوتا ہے تو اُس کو رسول کا مرتبہ حاصل ہوتا ہے کیونکہ وہ لوگوں کا رسول کی طرح مُقتدا ہوتا ہے اور لوگ اُس کی اقتدا کرتے ہیں نیز وہ چونکہ مُقتدیوں کے جملہ سوالات جو نماز میں کئے جاتے ہیں، اکیلا ہی جنابِ الہی میں پیش کرتا ہے اور لوگ آمین کہتے ہیں، اُس وقت وہ خلق اور حق کے درمیان ایک رسول کی طرح وسیلہ ہے نیز

چونکہ وہ نماز میں قرآن مجید کی تلاوت کرتا ہے اسلئے قرآن مجید کے جملہ احکام وہ مقتدیوں کو پہنچاتا ہے اور یہ ایک رسول کی شان ہے کیونکہ ہر رسول احکام الہیہ خلق تک پہنچاتا ہے۔ اور رسالت حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی نیابت ہے۔ مراد یہ ہے کہ انسان کامل کی باطنی جہت چونکہ حقیقتاً ہی ہے اسلئے ہر رسول حقیقت کے لحاظ سے عین حق ہے لیکن حقیقتاً کیلئے ہر آیت تاملہ سوائے جناب محمد پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اور کوئی رسول نہیں بقولہ تعالیٰ (قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُبِينٌ) وَكَمَا قَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَدْمُ وَمَنْ دُونَهُ تَحْتَ يَوَاقِي وَلَا فَخْرَ۔ اور جس وقت امام نماز میں سَمِعَ اللّٰهُ يَمَنَ حَمْدًا کہتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے اُس شخص کی حمد سنی جس نے اللہ تعالیٰ کی حمد کی تو گویا وہ اپنی ذات کو اور اپنے مقتدیوں کو اس امر کی خبر دیتا ہے کہ تحقیق اللہ تعالیٰ نے اُن کی حمد سن لی ہے۔ اس پر ملائکہ اور دیگر حاضرین کہتے ہیں رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ یعنی اے ہمارے رب! سب تعریف خاص طور پر تیرے ہی لئے ہے اور اس میں کچھ شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہی اپنے بندے یعنی امام کی زبان پر فرمایا سَمِعَ اللّٰهُ يَمَنَ حَمْدًا۔ پس اے طالب! نماز کے عالی مراتب پر نظر کر اور دیکھ کہ نمازی کو نماز کہاں تک پہنچاتی ہے۔ مراد یہ ہے کہ جب امام کہتا ہے سَمِعَ اللّٰهُ يَمَنَ حَمْدًا اُس وقت جو حمد اللہ تعالیٰ کیلئے امام کرتا ہے وہ خود ہی اُس حمد کو سنتا ہے۔ اُس کے وجود سے علیحدہ کوئی اللہ تعالیٰ کا وجود نہیں جو اُس کی حمد کو سنتا ہے۔ پس اس حال میں وہ حامد بھی خود ہے اور حمدُ سننے والا یعنی محمود بھی خود ہے۔ جہت بشریت سے وہ حامد ہے اور جہت حقیقت و جہت باطن کی رُوسے وہ خود ہی محمود ہے اور اپنی حمد کو خود ہی سنتا ہے۔ نیز حاضرین جو اُس کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی حمد کرتے ہیں اُن کو مخاطب ہو کر کہتا ہے کہ سَمِعَ اللّٰهُ يَمَنَ حَمْدًا یعنی آپ لوگ جو حمد اللہ تعالیٰ کی کر رہے ہیں اُس حمد کو اللہ تعالیٰ میرے کانوں سے سن رہا ہے اور اس پر مقتدیان مہر ثبت کر دیتے ہیں کہ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ یعنی اے ہمارے رب! سب حمد خاص طور پر تیرے ہی لئے ہے یعنی وہ بھی امام کو عین حق جانتے ہیں اور کہتے ہیں رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ۔ پس امام نماز میں اللہ تعالیٰ کا نائب ہے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا مظہر ہے نہیں بلکہ عین ذات ہے۔ اے طالب! دیکھ نماز میں امام کی کیا عالیشان ہے۔ پس جس شخص کو نماز میں رُوسیت الہی کا درجہ حاصل نہیں وہ نماز کی غرض و غایت کو نہ پہنچا اور اُس کو نماز میں آنکھ کی ٹھنڈک حاصل نہ ہوتی کیونکہ اُس نے تحقیق

اُس ذات کو نہ دیکھا جس کے ساتھ وہ سرگوشی کرتا ہے۔ مراد یہ ہے کہ عارف کامل جب نماز میں یہ چیز محسوس کرتا ہے کہ وہ خود ہی حامد ہے اور خود ہی محمود ہے خود ہی ساجد ہے اور خود ہی مسجود ہے تو اُس پر ایک وجد کی حالت طاری ہو جاتی ہے، اُس کا دل ذوق سے پُر ہو جاتا ہے اور اُس کا روم روم لذت حاصل کرتا ہے حتیٰ کہ وصالِ یار کی ٹھنڈک اُس کی آنکھ کو ٹھنڈک پہنچاتی ہے۔ اور جس نمازی نے نماز میں وہ چیز نہ سُنی جو حق تعالیٰ کی طرف سے نمازی پر وارد ہوتی ہے وہ اُن لوگوں میں نہیں ہے جنہوں نے کان لگایا اور اُس چیز کو سنا۔ مراد یہ ہے کہ قرآن مجید کے جو احکام نماز میں تلاوت کئے جاتے اگر نمازی نماز میں اُن احکام کو غور سے نہ سُنے تو وہ اُن لوگوں میں شامل نہیں جو نماز میں قرآن مجید کی آیات میں غور کرتے ہیں۔ اور جو نمازی نماز میں اپنے رب تعالیٰ کے حضور میں نہ ہو اور اُس سے نہ کلام سُنے اور نہ اُس کو دیکھے وہ ہرگز نمازی نہیں ہے اور وہ اُن لوگوں میں نہیں ہے جن کے متعلق وارد ہوا ہے (إِنَّ فِي ذَلِكَ لَإِكْثَٰرَ مِمَّنْ لَّهِ قَلْبٌ أَوْ أَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيدٌ) یعنی قرآن مجید میں اُن لوگوں کیلئے نصیحت ہے جس کا قلب آگاہ ہے یا کم از کم وہ کان لگا کر سُنتا ہے اور وہ حاضر ہے۔ یعنی نمازی وہ ہے جو عارف کامل ہے اور اُس راز کو جانتا ہے کہ وہ خود ہی حامد ہے اور خود ہی محمود ہے اور اگر اُس کا یہ مرتبہ نہیں تو کم از کم نماز میں اپنے مسجود کو قبلہ میں تصور کرے اور اُس کے پاؤں میں سجدے کرے اور قرآن مجید اُس کی کلام سمجھ کر پڑھے اور اُس سے سُنے۔ یہ مُبتدی سادک کی حالت ہے جو نماز میں اپنے شیخ کامل کا تصور اپنے سامنے کرتا ہے اور شیخ کو عین مسجود جانتا ہے اور اُسی کے پاؤں میں سجدے کرتا ہے۔ لیکن مُنتہی عارف شیخ کامل کی صورت کا بُرقع اڑھ کر نماز پڑھتا ہے اور اپنے آپ کو نیست کر دیتا ہے اور تصور کرتا ہے کہ اب شیخ ہی ساجد ہے اور شیخ ہی مسجود ہے۔ آیہ کریمہ میں (يَسْمَعُ لَهُ قَلْبٌ) عارف کامل کی طرف اشارہ ہے جس کا قلب دولتِ عرفان سے منور ہے اور وہ نماز میں خود ہی ساجد اور خود ہی مسجود ہوتا ہے (أَوْ أَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيدٌ) اُس نمازی کی طرف اشارہ ہے جو ابھی طریقت میں مُبتدی ہے اور رب تعالیٰ کو خود سے جدا سمجھتا ہے اور شیخ کامل کو عین ذاتِ حق سمجھ کر شیخ کامل کا تصور اپنے سامنے قبلہ میں کرتا ہے اور اُسی کے پاؤں میں سجدے کرتا ہے اور اُسی کو دیکھتا ہے اور اُسی کا قرآن سمجھ کر اُسی سے سُنتا ہے۔ پس وہ بھی ذوق حاصل کرتا ہے اگرچہ عرفان میں ناقص ہے۔ ان دو حالتوں کے علاوہ جتنے نمازی ہیں سب کے سب جاہل ہیں اور

اُن کو نماز میں کچھ ذوق حاصل نہیں ہوتا۔ اُن کی نماز حقیقی نماز نہیں ہے البتہ فریضہ ادا ہو جاتا ہے۔
 وَمَا تَشَاءُ اور سوائے نماز کے کوئی ایسی عبادت نہیں جو عابد کو اُس عبادت کے دوران غیر
 اُمور سے منع کرے یعنی نماز ہی ایک ایسی عبادت ہے کہ اس کے اندر اور کوئی کام نمازی نہیں کر سکتا
 دوسری عبادات کا یہ حال نہیں کیونکہ صوم، زکوٰۃ اور حج میں انسان دیگر اُمور میں بھی تصرف کر سکتا
 ہے۔ اور نماز میں نمازی کیلئے جملہ ارکان نماز سے جن پر نماز مشتمل ہے اللہ تعالیٰ کا ذکر سب سے بزرگ
 ہے، خواہ وہ ارکان اقوال سے ہیں یا افعال سے ہیں۔ اور تحقیق ہم نے اپنی کتاب فتوحات مکیہ میں
 مردِ کامل کا نماز میں وصف بیان کیا ہے یعنی نماز میں اُس کی کیا حالت ہوتی ہے۔ عارفِ کامل کو نماز
 میں رُوحانی معراج حاصل ہو جاتا ہے۔ وہ ذوق سے پُر ہو جاتا ہے کیونکہ وہ اپنی حمد آپ ہی کرتا ہے
 اور اپنے آپ کو آپ ہی سجدے کرتا ہے۔ درود شریف بھی اپنے آپ پر ہی پڑھتا ہے کیونکہ اُس کے
 قلب میں حقیقت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا ظہور ہوتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے قول (إِنَّ الصَّلٰوةَ
 تَنْهٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ) کہ نماز بے حیائی اور بُری بات سے روکتی ہے سے مراد یہ ہے کہ اللہ
 تعالیٰ نے نمازی کیلئے یہ امر مشروع کیا ہے کہ جب تک نمازی نماز میں ہے اور اُس کو نمازی کہا جائے
 وہ اس عبادت کے سوا کسی اور چیز میں تصرف نہ کرے یعنی نماز نمازی کو صرف نماز کے دوران ہی
 بُرے کاموں سے روکتی ہے کیونکہ نماز کے دوران وہ شرعاً کوئی ناجائز حرکت نہیں کر سکتا۔ نیز مردِ کامل
 تو نماز میں اس قدر غور اور مستغرق ہوتا ہے کہ اُس کو نماز میں غیر کا خیال آتا ہی نہیں۔ (وَلَا يَذْكُرُ الْمَلٰٓئِ
 كَظَبْرًا) اور البتہ اللہ تعالیٰ کا ذکر سب سے بزرگ ہے یعنی نماز میں اللہ تعالیٰ کا ذکر سب سے بزرگ
 ہے۔ نماز چُونکہ اللہ تعالیٰ اور بندے کے درمیان عبادتِ مقسومہ ہے اسلئے نماز میں بندہ اللہ تعالیٰ کا
 ذکر کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ بندے کا ذکر کرتا ہے یعنی اُس کے سوالوں کا جواب دیتا ہے اور اُس پر
 رحمت سے رجوع فرماتا ہے۔ آیہ کریمہ میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ نماز ایسی بزرگ عبادت
 ہے کہ ہمیں اللہ تعالیٰ اپنے بندے کا ذکر کرتا ہی یعنی اپنے بندے کے سوال اللہ کا جواب دیتا ہی اور اللہ تعالیٰ کا بندے کو
 یاد کرنا بندے کا اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے سے افضل اور بزرگ ہے کیونکہ کبریائی اور بزرگی تحقیق خاص اللہ
 تعالیٰ کیلئے ہے۔ مراد یہ ہے کہ بندے کا اللہ تعالیٰ کو یاد کرنا تو کوئی اچنبہ بات نہیں۔ بندے کا تو کام ہی
 یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے مگر نماز ایک ایسی بزرگ چیز ہے کہ اس میں ربِّ کریم باوجود اپنی

کبریائی کے اپنے عبد ذلیل کا ذکر کرتا ہے یعنی اپنے بندے کے سوالات کا جواب دیتا ہے اور اپنے بندے کی طرف نظر رحمت سے دیکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا بندے کا ذکر کرنا ایک تو نفی ہے جیسا آگے مذکور ہوا سَمِعَ اللہُ مَسْنَدَہُ اللہ تعالیٰ کی کلام ہے اور دوسرا ذکر معنوی ہے یعنی جب بندہ نماز میں خشوع خضوع سے اللہ تعالیٰ کی حمد کرتا ہے اور اُس سے سوال کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُس کی حمد کو پسند فرماتا ہے اور سوالوں کو قبول فرماتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ اُس پر رحمت و عنایت سے رجوع فرماتا ہے اور اس رحمت و عنایت الہی کا بندے کا دل پر یہ اثر ہوتا ہے کہ اُس کو نماز میں لذت و سرور نصیب ہوتا ہے۔ یہ نماز کی جناب الہی میں قبولیت کی علامت ہے اور حقیقت میں یہ لذت و ذوق ہی اللہ تعالیٰ کی بسبب ہے۔ اسی لئے ارشاد ہوا (وَاللّٰهُ يُعَلِّمُ مَا كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ) اور ارشاد ہوا (اِذَا لَقِيَ السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيدٌ)۔ اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو تم نماز میں کرتے ہو یعنی اللہ تعالیٰ بندے کے خشوع خضوع کو نماز میں دیکھتا ہے۔ یہ تو اشارہ ہے اُس ذکر کا جو بندہ اللہ تعالیٰ کا کرتا ہے۔ (اِذَا لَقِيَ السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيدٌ) یا نمازی نے کان لگایا ہو اور وہ حاضر ہو یعنی نمازی اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہو اور وہ اُس ذکر کو سُن رہا ہو جو اللہ تعالیٰ اُس نمازی کا کرتا ہے۔ اس آیت میں اُس ذکر کی طرف اشارہ ہے جو اللہ تعالیٰ بندے کا کرتا ہے۔ بندے کے دل میں ذوق و سرور پیدا ہو جانا ہی اللہ تعالیٰ کا بندے کو یاد کرتا ہے۔

اور نماز کے اسرار میں سے ایک یہ ہے کہ چونکہ وجود عالم ایک حرکت معقولہ سے حاصل ہوا جو عالم کو وجود علی سے وجود خارجی کی طرف لائی اس لئے نماز عالم کی جمیع حرکات کو شامل ہوئی یعنی عالم کا مرتبہ علم سے مرتبہ خارج میں ظاہر ہونا ایک حرکت عقلی ہے جتنی نہیں۔ فیض مقدس سے اللہ تعالیٰ عالم کو مرتبہ عدم اضافی سے مرتبہ ظہور خارجی میں لایا۔ نیز عالم کی جمیع حرکات نماز میں رکھنے کا مقصد یہ ہے کہ نمازی کو پتہ چل جائے کہ انسان مجموعہ عالم ہے۔ عالم کی حرکات تین قسم پر ہیں ایک حرکت مستقیم ہے اور وہ نمازی کے قیام کا حال ہے۔ دوسری حرکت انفی ہے اور وہ نمازی کے رکوع کا حال ہے۔ تیسری حرکت منکوسہ ہے اور یہ نمازی کے سجود کا حال ہے یعنی عالم میں تین قسم کی حرکات ہیں ایک تو یہ کہ کوئی چیز اسفل سے اعلیٰ یعنی زمین سے آسمان کی طرف حرکت کرے۔ قیام میں نمازی بیدھا اوپر کھڑا ہو جاتا ہے پس یہ حرکت مستقیم ہے۔ دوسری یہ کہ کوئی چیز اعلیٰ سے اسفل یعنی آسمان سے زمین کی طرف حرکت کرے۔ سجود میں نمازی

اپنا سر اپنے پاؤں میں رکھ دیتا ہے پس یہ حرکت منکوسہ ہے۔ تیسری یہ کہ کوئی چیز اُفق یعنی آسمان کے کناروں کے درمیان حرکت کرے۔ رُکوع میں نمازی کا سر آسمان کے کنارہ کی طرف ہوتا ہے پس یہ حرکت اُفق ہے۔ نماز کی حالت میں نمازی میں عالم کی جمیع حرکات پائی جاتی ہیں یعنی نماز نمازی کو اشارہ کر رہی ہے کہ تو مجموعہ عالم ہے۔ اسی لئے انسان کامل کی نماز جملہ عالم کی نماز ہے اور انسان کامل کا استغفار پڑھنا جملہ عالم کیلئے ہے۔ یہ ہی وجہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر روز ستر دفعہ اور ایک خاص روایت میں سو دفعہ استغفار پڑھتے تھے یعنی آپ کا استغفار پڑھنا اُمت صنیفہ کے گناہوں کیلئے تھا۔ عالم کو وجود حرکت تجلی الہی سے حاصل ہوا اسلئے عالم کی ہر شے حرکت میں ہے یعنی کسی نہ کسی عبادت میں ہے کَمَا قَالَ تَعَالَى (وَرَأَى مِنْ شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ وَ لَكِنْ لَا تَفْقَهُونَ تَسْبِيحَهُمْ)۔ انسان کی حرکت مستقیم ہے یعنی انسان جب چلتا پھرتا ہے ہو تو اُس کی حرکت مستقیم ہوتی ہے یعنی وہ حالت قیام میں ہے۔ اور حیوان کی حرکت اُفق ہے یعنی جملہ حیوانات حالت رُکوع میں ہیں اور نبات کی حرکت منکوسہ ہے یعنی نبات کی جڑیں یعنی سر زمین ہوتے ہیں اور شاخیں اُدپر کی طرف ہوتی ہیں تو گویا نباتات حالت سُجود میں ہیں۔ اور جہاد کے لئے اپنی ذاتی کوئی حرکت نہیں۔ مثال کے طور پر پتھر خود حرکت نہیں کرتا بلکہ کوئی اور شخص اُس کو حرکت دیتا ہے۔ مراد یہ ہے کہ جمادات سب بیٹھے ہوئے ہیں یعنی جملہ جمادات حالت تشہد میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ لہذا ثابت ہوا کہ نماز میں جملہ عالم کی انواع عبادات کی جامعیت کا شرف حاصل ہے :

وَأَمَّا آيَةُ اُدْر لِيَكُنْ حَدِيثُ شَرِيفٍ فِي حَضْرَةِ صَلَّي اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمُ نے فرمایا جُعِلَتْ قُرْبَاتِي عَيْنِي فِي الصَّلَاةِ میری آنکھ کی ٹھنڈک نماز میں گردانی گئی ہے۔ آپ نے جُعِلَتْ ساتھ صیغہ مؤنث مجہول کے فرمایا اور فَعْل جَعَلَ کی نسبت اپنی ذات کی طرف نہیں کی بلکہ حق تعالیٰ کی طرف کی ہے۔ اس میں حکمت یہ ہے کہ نماز میں آنکھ کی ٹھنڈک دیدار الہی کے ساتھ ہوتی ہے اور نماز کے لئے تجلی الہی اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہے نہ کہ نمازی کی طرف یعنی نمازی کو نماز میں مشاہدہ حق ہونا اللہ تعالیٰ کے فضل پر موقوف ہے نمازی کا اس میں کوئی دخل نہیں۔ اللہ تعالیٰ چاہے تو نماز میں دیدار الہی حاصل ہوتا ہے ورنہ نہیں۔ ہر نمازی دولت دیدار الہی سے مشرف نہیں۔ اور اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ذات کیلئے اس صفت یعنی قُرْبَاتِي عَيْنِي کا ذکر نہ فرماتے تو البتہ اللہ تعالیٰ آپ کو بغیر تجلی الہی

کے نماز پڑھنے کا حکم فرماتا، یعنی چونکہ نماز میں نمازی کو حکم ہے کہ اللہ تعالیٰ کو دیکھ کر نماز پڑھے گا
 وَدَدَ فِي الْغَيْبِ الْإِحْسَانُ أَنْ تَعْبُدَ اللَّهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ اسلئے اللہ تعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
 کیسے نماز میں تہجدی فرماتا تھا اور آپ دیدار الہی سے مُشرّف ہوتے تھے اور دیدار الہی ہی آپ کی آنکھ
 کی ٹھنڈک کا باعث تھا۔ لہذا آپ نے اپنی آنکھ کی ٹھنڈک کا ذکر فرمایا۔ چونکہ یہ تہجدی الہی حضور صلی اللہ علیہ
 وسلم کیسے محض اللہ تعالیٰ کی رحمت سے تھی اور آپ کا یہ مشاہدہ حق محض اللہ تعالیٰ کے فضل پر موقوف
 تھا اسلئے فرمایا وَجَعَلْتُ قُرَّةَ عَيْنِي فِي الصَّلَاةِ۔ اور آنکھ کو ٹھنڈک سوائے مشاہدہ محبوب کے نصیب
 نہیں ہو سکتی۔ مشاہدے کیساتھ محب کی آنکھ کو قرار اور ٹھنڈک نصیب ہوتی ہے کیونکہ بغیر دیدارِ یار کے
 عاشق کی آنکھ بھر اور فراق میں روتی ہے۔ فراق کی حالت میں عاشق کے دل میں سوزش ہوتی ہے
 لہذا اس سوزش کے باعث عاشق کے آنسو گرم ہوتے ہیں اور آنکھ میں بھی جلن رہتی ہے۔ جب عاشق
 کو رُیت محبوب نصیب ہوتی ہے تو اُس کا دل بھی ٹھنڈا ہو جاتا ہے اور آنکھ بھی ٹھنڈی ہو جاتی ہے۔
 مراد یہ ہے کہ اُس کو اطمینان قلب نصیب ہو جاتا ہے۔ پس آنکھ مشاہدہ محبوب کیوقت محبوب کے سوا
 کسی اور شے کی طرف نظر نہیں کرتی خواہ وہ مشاہدہ کسی شے میں ہو یا غیر شے میں ہو۔ شے سے مراد
 صورت ہے اور غیر شے سے مراد بی صورت ہے۔ تہجدی الہی دد قسم پر ہے۔ ایک تہجدی صوری ہے یعنی اللہ
 تعالیٰ کسی صورت پر متہجدی ہوتا ہے اور عاشق اُس صورت کو دیکھنے سے اللہ تعالیٰ کو دیکھ لیتا ہے۔ طاب
 صادق کیسے اللہ تعالیٰ شیخ کابل کی صورت پر یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت پاک پر متہجدی ہوتا ہے۔
 اکثر قاعدہ و سنت الہی یہ جاری ہے کہ طاب کو جس شے کیساتھ محبت ہو اُسی صورت پر اللہ تعالیٰ
 متہجدی ہوتا ہے۔ دوسرا تہجدی بے صورتی کا ہے جیسے عاشق مولا کے دل سے بعض ادقات نور کی شعاعیں
 نکلتی ہیں اور وہ اُس نور کو دیکھتا ہے یا بیٹری کا بٹن دبانے سے بیٹری سے روشنی کی شعاعیں نکلتی ہیں۔ یہ
 شعاعیں بی صورت ہیں یعنی ان کی کوئی خاص صورت نہیں۔ بہر حال عاشق جب مشاہدہ محبوب میں محو
 ہوتا ہے خواہ وہ مشاہدہ کسی صورت خاص میں ہو یا بی صورتی میں ہو، وہ محبوب کے بغیر کسی طرف نظر نہیں
 اٹھاتا اور اسی لئے نمازی نماز میں غیر حق کی طرف التفات کر نیسے منع کیا گیا ہے کیونکہ نمازی کی غیر حق
 کی طرف التفات ایک ایسی شے ہے جس کو شیطان بندے کی نماز میں سے اپنا حصہ بنا لیتا ہے یعنی جب
 بندہ غیر حق کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے تو حقیقتاً وہ شیطان کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔ پس شیطان اُس صورت

میں نمازی کو مشاہدہ محبوب سے محروم کر دیتا ہے بلکہ اگر اس غیر حق کی طرف التفات کرنے والے نمازی کا محبوب حقیقی ہوتا اور وہ اُس کے مشاہدہ میں محو ہوتا تو ہرگز اپنی نماز میں اپنے قبلہ کے غیر کی طرف کسی وجہ سے بھی بالتفات نہ کرتا یعنی نمازی کا اپنے قبلہ سے توجہ ہٹا کر ادھر ادھر توجہ کرنا اس امر کی دلیل ہے کہ نمازی کو نماز میں مشاہدہ حق نصیب نہیں۔ اور ہر انسان اپنا حال اپنے دل میں خوب جانتا ہے کہ کیا وہ اس عبادت خاصہ میں اس مرتبہ شہود پر فائز ہے یا کہ نہیں کَمَا قَالَ تَعَالَى (بَلِ الْإِنْسَانُ عَلَى نَفْسِهِ بَصِيرَةٌ ۚ وَلَوْ أَن تَقَىٰ مَعَاذَ بِيَرَةٍ) بلکہ انسان اپنے باطن پر خوب آگاہ ہے اگرچہ وہ عذروں کو پیش کرے یعنی اپنے حال کو غیروں سے چھپانے کی خاطر جھوٹ بولے۔ پس انسان اپنی ذات میں اپنے کذب کو اپنے صدق سے پہچانتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کوئی شے اپنے حال سے جاہل نہیں ہوتی کیونکہ اُس کا حال اُس کیلئے ذوقی و وجدانی ہوتا ہے یعنی حال کا تعلق چونکہ دل سے ہوتا ہے اسلئے ہر شے اپنے حال سے خوب آگاہ ہوتی ہے۔

ثُمَّ رَأَىٰ أَنَّهُ پھر یہ کہ صلوٰۃ کی ایک دوسری تقسیم بھی ہے۔ پہلی تقسیم میں مذکور ہوا کہ یہ عبادت اللہ اور بندے کے درمیان مقسومہ ہے۔ یہ تقسیم اصطلاح کے اعتبار سے ہے۔ دوسری تقسیم لغت کے اعتبار سے ہے۔ پہلی تقسیم تو نماز کے اندر ہے کہ نماز کا کچھ حصہ بندے کیلئے ہے اور کچھ حصہ اللہ تعالیٰ کیلئے ہے۔ دوسری تقسیم لفظ صلوٰۃ کے معانی کے اعتبار سے ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو بھی حکم کیا ہے کہ ہم اس کی نماز پڑھیں اور اس بات کی بھی خبر دی ہے کہ تحقیق اللہ تعالیٰ بھی ہم پر صلوٰۃ بھیجتا ہے پس صلوٰۃ ہم سے بھی ہے اور حقیقی سے بھی ہے۔ بندے پر صلوٰۃ کا حکم تو ظاہر ہے لیکن حقیقی کا بندے کیلئے مُصَلًّی ہونا آیہ ذیل سے ثابت ہے (هُوَ الَّذِي يُصَلِّيٰ عَلَيْكُمْ وَمَلَائِكَتُهُ لِيُخْرِجَكُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ ۚ وَكَانَ بِأَنفُسِكُمْ وَرَاحِيَةً)۔ لفظ صلوٰۃ کے کئی معانی ہیں۔ ہم حقیقی کیلئے مُصَلًّی ہیں اور حقیقی ہمارے اوپر مُصَلًّی ہے۔ ہم اُس کی حمد پکارتے ہیں، اُس کے آگے نیاز کرتے ہیں اور اُس سے حاجات طلب کرتے ہیں۔ یہ بندہ کی صلوٰۃ اللہ تعالیٰ کیلئے ہے۔ حقیقی ہمارے اوپر صلوٰۃ بھیجتا ہے یعنی رحمت ہمارے حاجات پوری کرتا ہے، ہم کو ایجاد کرتا ہے بلکہ اپنی رحمت رحمانی سے ہماری صورتوں پر متجلی ہے۔ اور جب حقیقی مُصَلًّی ہوتا ہے تو اپنے اسم آخر کیساتھ مُصَلًّی ہوتا ہے۔ (هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ) میں ایک اسم آخر بھی ہے پس

حقیقی عبدِ مصلیٰ کے وجود سے متاخر ہوتا ہے یعنی پہلے عبدِ مصلیٰ کا وجود ہوگا اور بعد میں حقیقی
 اُس پر اپنی رحمت نازل کرے گا، اُس کی حاجات پوری کرے گا اور اُس کو ظلمتِ جہالت سے نور
 عرفان کی طرف لائے گا۔ نیز یہ حق متاخر اُس حق کا عین ہوگا جس کو نمازی بندہ اپنے قلب میں اپنی
 نظرِ فکری کیساتھ یا تقلید کے ساتھ پیدا کرتا ہے۔ مراد یہ ہے کہ ہر نمازی کا اللہ تعالیٰ کے متعلق ایک خاص
 عقیدہ ہے خواہ وہ عقیدہ اُس کا اپنا گھڑا ہوا ہے یا کسی کی تقلید سے حاصل کیا ہے۔ جب وہ نماز شروع
 کرتا ہے تو وہ اپنے اُس معتقدہ معبود کا دل میں خیال کرتا ہے۔ پس وہ اپنے معبود کو نماز میں خود ہی
 تراش لیتا ہے اور اُس کا وہ معبود اُس کا اعتقادی معبود ہوتا ہے۔ نیز یہ اعتقادی معبود محلِ استعداد کے
 مطابق نوع بنوع ہوتا ہے یعنی ہر نمازی کا معبود اُس کی استعداد یعنی اُس کے فہم کے مطابق ہوتا ہے
 جیسا کہ جب جنید کو معرفتِ باللہ اور عارف کے متعلق سوال کیا گیا تو اُس نے جواب میں کہا کَوْنُ
 الْمَاءِ كَوْنُ رِنَائِهِ پانی کا رنگ برتن کا رنگ ہوتا ہے یعنی جیسی برتن کی رنگت ہوگی ویسی ہی پانی
 کی رنگت ہوگی اور یہ جواب بہت درست ہے کیونکہ اُس نے حقیقتِ حال سے خبر دی ہے۔ پس یہ
 وہی اللہ ہے جو ہمارے اوپر مصلیٰ اور متجلی ہوتا ہے۔ مراد یہ ہے کہ نمازی جس صورت میں اللہ تعالیٰ کو
 معبود مانتا ہے اللہ تعالیٰ اُسی صورت میں ہو کر اُس پر رحمت بھیجتا ہے، اُس کی مرادیں پوری کرتا ہے
 اور اُسی صورت میں اُس کیلئے متجلی ہوتا ہے۔ میدانِ سیاق میں اوّل گھوڑے کو متجلی کہتے ہیں اور جو
 گھوڑا عقب میں ہوا اسکو مصلیٰ کہتے ہیں پس جب اللہ عبد کے اوپر مصلیٰ ہوتا ہے تو عبد متجلی ہوتا ہے اور حقیقی مصلیٰ۔
 وَإِذَا الْآلَمَةُ أَدْرَجَتْ ہم نماز پڑھتے ہیں تو ہمارے لئے اسمِ آخر کا ہوگا کیونکہ پہلے اللہ تعالیٰ کا وجود ہوگا
 اور بعد میں ہم اُس کیلئے نماز پڑھیں گے پس ہمارا حال جیسا کہ آگے مذکور ہوا حقیقی کی مثل ہوگا۔
 اور ہم حقیقی کے نزدیک اپنے حال کے موافق ہوں گے پس حقیقی ہماری طرف اُس صورت
 استعداد کے مطابق نظر فرمائے گا جو ہم حقیقی کے نزدیک لائے ہیں یعنی ہمارے خضوع اور خشوع کے
 مطابق حقیقی ہم پر متوجہ ہوگا۔ اور میدانِ سیاق میں مصلیٰ معنی میں متاخر کے ہے اور سابق کو متجلی کہتے ہیں
 پس اس صورت میں حقیقی متجلی ہے اور عبد مصلیٰ۔ الغرض ہر مصلیٰ خواہ حق ہو خواہ عبد ہو تاخر کا حکم لکھا
 ہے اور اس پر اللہ تعالیٰ کا قول (كُلُّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهُ وَتَسْبِيحَهُ) تحقیق ہر ایک نے اپنی صلوٰۃ اور
 تسبیح جان رکھی ہے۔ شاہد ہے۔ آیہ کہ یہ سے یہ مراد ہے کہ ہر ایک نے اپنی عبادت میں اپنا رتبہ جان

لیا ہے اور وہ یہ کہ وہ اپنے رب سے متاثر ہے۔ نیز ہر ایک نے اپنی تسبیح جان لی ہے۔ ہر شخص کی تسبیح اُس کی استعداد کے مطابق ہے اور وہ حق تعالیٰ کی تنزیہ ہے۔ سوائے عارف کامل کے ہر شخص محض تنزیہ حق کا قابل ہے یعنی ذات حق کو نقائص امکانیہ سے منزہ جانتا ہے۔ عارف کامل حق تعالیٰ کیلئے تنزیہ در تنزیہ اور تشبیہ در تشبیہ کا قابل ہے۔ صرافت ذاتی کے اعتبار سے ذات حق محض منزہ ہے اور ظہور اور تجلیات صفات کے اعتبار سے وہ ذات مشبہ ہے۔ اور عالم میں کوئی ایسی شے نہیں جو اپنے رب جو علیم اور غفور ہے کی تسبیح نہیں کرتی کَمَا قَالَ تَعَالَى (وَإِنْ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ) یعنی صرف انسان ہی حق تعالیٰ کی تسبیح نہیں پکارتے بلکہ ہر شے اُس کی تسبیح پکارتی ہے۔ چونکہ ہر شے کی تسبیح اُس شے کی استعداد کے مطابق ہے اور استعدادات مختلف ہیں اسلئے ہر شے کی تسبیح مختلف ہے۔ نیز چونکہ ایک شے کی استعداد کو دوسری شے نہیں جان سکتی اسلئے ایک شے کی تسبیح کو دوسری شے نہیں جانتی اور یہ ہی وجہ ہے کہ ہم عالم کی ہر ایک شے کی فرداً فرداً تفصیل وار تسبیح نہیں جانتے۔ یہ حکم عوام الناس کیلئے ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی اُمت مبارکہ کے کُل افراد رضی اللہ عنہم، علم الہی سے مشرف ہونے کے باعث ہر شے کی تسبیح کو جانتے ہیں۔ وَثَلَّثَهُ اَلْحَمْدُ عارف کامل جو اس راز سے واقف ہے کہ ذات حق مرتبہ غیب الغیب سے تنزل فرما کر عالم کی صورت پر جلوہ نما ہے، ایسے مرتبہ میں ہے کہ اُس کے نزدیک اللہ تعالیٰ کے قول (وَإِنْ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ) میں بِحَمْدِهِ کی ضمیر عبدُ مسبح کی طرف عود کرتی ہے یعنی بِحَمْدِهِ سے مراد اُسی شے کی حمد ہے یعنی اپنی حمد۔ مراد یہ ہے کہ ہر شے اپنی ہی حمد کی تسبیح کر رہی ہے کیونکہ ہر شے کی حقیقت حق تعالیٰ ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کے قول بِحَمْدِهِ میں ۴ کی ضمیر اُسی شے کی طرف راجع ہے یعنی ہر شے اپنی ذات کی حمد کی تسبیح کر رہی ہے۔ مراد یہ ہے کہ ہر شے اپنی وہ شنا کر رہی ہے جس شنا کے وہ لائق ہے جیسا کہ ہم نے ہر معتقد کے متعلق بیان کیا ہے کہ وہ صرف اُس معبود پر ثنا کرتا ہے جو اُس کے اعتقاد میں ہے اور جس کے ساتھ اُس نے دل لگایا ہے۔ اور جو عمل وہ معتقد کرتا ہے وہ اُسی معتقد کی طرف راجع ہے پس اُس معتقد نے سوائے اپنی ذات کے کسی چیز کی ثنا نہیں کی کیوں کہ مصنوع کی مدح بلا شک صانع کی مدح ہے اور مصنوع کا حُسن اور قبح صانع کی طرف راجع ہے۔ ظاہر میں ہر شے کا صانع اللہ تعالیٰ ہے اور حقیقت میں وہ ہر شے کا عین ہے یعنی صانع مصنوع کی حقیقت ہے۔ اور اعتقادی معبود اُس شخص کا مصنوع ہے جو اُس معبود میں ناظر ہے یعنی اُس شخص نے اُس معبود کو اپنے

پایہ تکمیل کو پہنچی *

دُعَا: اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰی سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ السَّابِقِ لِلْخَلْقِ نُورُهُ الرَّحْمَةِ لِلْعَالَمِيْنَ
ظُهُورُهُ عَدَدَ مَا مَفِي مِنْ خَلْقِكَ وَمَا بَقِيَ وَمَنْ سَعِدَ مِنْهُمْ وَمَنْ شَقِيَ صَلَوَاتُكَ تَسْتَغْرِقُ الْعَدَدَ
وَتُحِيطُ بِالْحَدِّ صَلَوَاتُكَ لَا غَايَةَ لَهَا وَلَا اَنْتَهَاءَ وَلَا اَمَدَ لَهَا وَلَا اَنْقِصَاءَ صَلَوَاتِكَ الَّتِي صَلَّيْتَ
عَلَيْهِ صَلَوَاتُكَ مَعْرُوضَةٌ عَلَيْهِ مَقْبُولَةٌ لَدَيْهِ صَلَوَاتُكَ دَائِمَةٌ بِدَوَامِكَ بَاقِيَةٌ بِبَقَائِكَ لَا مُنْتَهَا
لَهَا دُونَ عَلَيْكَ صَلَوَاتُكَ تُرَضِيكَ وَتُرَضِيهِ وَتَرْضَى بِهَا عَنَّا صَلَوَاتُكَ تَمْلَأُ الْاَرْضَ مِنَ وَالسَّمَاءَ
صَلَوَاتُكَ تَحُلُّ بِهَا الْعُقَدُ وَتَفَرِّجُ بِهَا الْكُودُ وَيَجْرِى بِهَا لُطْفُكَ مِنْ اَمْرِى وَاُمُورِ
الْمُسْلِمِيْنَ وَبَارِكْ لَنَا عَلَى الدَّوَامِ وَاهْدِنَا وَعَافِنَا وَاجْعَلْنَا اَمِيْنًا وَيَسِّرْ لَنَا اُمُورَنَا
مَعَ الرَّاحَةِ يَقْلُوبِنَا وَابْدَايِنَا وَالسَّلَامَةَ وَالْعَافِيَةَ فِي دِينِنَا وَدُنْيَانَا وَآخِرَتِنَا وَتَوَفَّنَا
عَلَى الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ وَاجْمَعْنَا مَعَهُ فِي الْجَنَّةِ مِنْ غَيْرِ عَذَابٍ اَبْيُسَ وَاَنْتَ رَاضٍ عَنَّا
وَلَا تَمُكِّرْ بَيْنَنَا وَاخْتِمْ لَنَا مِنْكَ بِخَيْرٍ وَعَافِيَةٍ بِلاَ مِحْنَةٍ اَجْمَعِيْنَ خَتَمَ اللّٰهُ بَيْنَنَا بِالْحُسْنِ
هُوَ مَوْلَانَا نِعْمَ الْمَوْلَى وَنِعْمَ النَّصِيرُ سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ وَسَلَامٌ
عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ه اَمِيْن *

تجدید

میرے عالی سرکار جناب حضرت غوث اعظم پاک پیران پیر و شگیر میراں محی الدین باز
اشھب محبوب سبحانی شیخ سید عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق حضرت شیخ عبدالحق
محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سرکار دو عالم شفیع المذنبین
رحمۃ للعالمین ختم المرسلین جناب محمد پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد دوسرا نمبر جناب حضرت غوث اعظم
پاک رضی اللہ عنہ کا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں آپ وزیر اعظم ہیں اور حضرت
غوث اعظم پاک رضی اللہ عنہ جمیع سابقہ انبیاء و جمیع اولیاء علیہم السلام کے علم ولایت میں پیر و مرشد ہیں۔
آپ کی تین کتابوں کا حوالہ پیش کیا جاتا ہے :-

زبدۃ الاسرار صفحہ ۵۸: وَكَانَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ يَقُولُ عَلَى الْكُرْسِيِّ يَا غُلَامُ لَا يَكُنْ قَوْدُكُ

عَنِّي عِنْدَ تَعُوذِي هَهُنَا أَلَوْ لَا يَهُنَا أَلَدَّرَجَاتُ هَهُنَا يَا مُشْتَرِي التَّوْبَةِ بِسْمِ اللَّهِ تَقْدَمُ يَا
 مُشْتَرِي الْإِخْلَاصِ بِسْمِ اللَّهِ تَقْدَمُ ابْتِنِي فِي كُلِّ اسْبُوعٍ مَرَّةً أَوْ فِي كُلِّ شَهْرٍ أَوْ فِي كُلِّ عَامٍ أَوْ فِي
 ذَهْرِكَ مَرَّةً وَخُذْ أَلْفَ أَلْفِ شَيْءٍ يَا غُلَامُ سَافِرُ أَلْفِ عَامٍ لِيَسْمَعَ مِنِّي كَلِمَةً وَاحِدَةً إِذَا
 دَخَلْتَ هَهُنَا فَاحْلَمْ عَنْكَ رُؤْيَا عَمَلِكَ وَزُهْدِكَ وَدَرَجَتِكَ وَأَحْوَالِكَ تَأْخُذُ مَا عِنْدِي لَكَ حَضَرٌ
 مَجْلِسِي بَطَائِنُ الْمَلِكِ وَخَوَاصُّهُ وَالْأَوْلِيَاءُ وَالْغَيْبِيُّونَ يَتَعَلَّمُونَ مِنِّي التَّوَاضُّعَ لِلْجَنَابِ الْمُنْزَوِيِّ
 وَمَا مِنْ نَبِيٍّ خَلَقَهُ اللَّهُ وَلَا وَليٍّ إِلَّا وَقَدْ حَضَرَ مَجْلِسِي الْأَحْيَاءُ بِأَجْسَادِهِمْ وَالْأَمْوَاتُ بِأَرْوَاحِهِمْ
 يَعْنِي آنحضرت رضی اللہ عنہ کرسی و عظم پر بیٹھے ہوتے فرماتے تھے کہ اے لڑکے! جب میں کلام کرنے
 بیٹھوں تو گھر بیٹھنے سے توبہ کرو۔ ولایت یہاں ہے درجات یہاں ہیں۔ اے توبہ کے خریدار بسم اللہ آگے بڑھو۔ آ
 اخلاص کے خریدار بسم اللہ آگے بڑھو۔ تو میرے پاس ہر ہفتہ میں ایک دفعہ یا ہر ماہ میں ایک دفعہ یا ہر سال میں
 ایک دفعہ یا تمام عمر میں ایک دفعہ آ اور لاکھوں چیزیں مجھ سے لے۔ اے لڑکے! ہزار سال سفر کر تاکہ مجھ سے
 ایک کلمہ سنے۔ جب تو یہاں داخل ہو تو اپنے عمل، زہد، پرہیزگاری اور احوال کی نمائش اپنے سے نکال
 دے۔ اور اپنا حصہ مجھ سے لے جا۔ میری مجلس میں بادشاہ یعنی اللہ تعالیٰ کے رازدار دوست، اس کے خاص
 بندے، اولیاء اور رجال الغیب حاضر ہوتے ہیں اور مجھ سے رب تعالیٰ کی بارگاہ کا ادب سیکھتے ہیں۔ اللہ
 تعالیٰ نے کوئی ایسا نبی یا ولی پیدا نہیں کیا جو میری مجلس میں حاضری نہ دے زندہ اپنے جہموں کے ساتھ اور
 وصال شدہ اپنی ارواح کے ساتھ۔

زُبْدَةُ الْأَثَارِ بِرَحَاشِيهِ زُبْدَةُ الْأَسْرَارِ صَفْحَةُ ۴۷ - ۴۸ : وی رضی اللہ عنہ میگفت بر کرسی ای غلام مباد
 نشستن تو از من نزد نشستن من اینجا ولایت اینجا است درجات اینجا است ای خریدار توبہ بسم اللہ پیش
 آ۔ ای خریدار عفو بسم اللہ پیش آ۔ ای خریدار اخلاص بسم اللہ پیش آ بیامرا در ہفتہ یکبار یا در ہر ماہ یا در ہر سال یا
 در عمر تو یکبار و بگیر ہزار ہزار چیز ای غلام مسافرت کن ہزار سال تا بشنوی از من یک کلمہ و قتیکہ در آئی تو اینجا
 پس بکش از خود دیدن عمل خود را و زہد خود را و ورع خود را و احوال خود را اما بگیر چیزی را کہ نزد من است برآ
 تو حاضر میشوند مجلس مرا بطاین ملک و خواص او و اولیاء و غیبیان دمی آموزند از من تواضع را برای جناب
 منزہ و نیست هیچ پیغمبری کہ پیدا کردہ است اورا حق تعالیٰ و نہ دلی مگر آنکہ حاضر شود مجلس مرا احوال با جساد خود
 و اموات با ارواح خود و روایت کردہ اند مشائخ از شیخ قدوۃ ابی سعید قیلوی کہ میگفت دیدم رسول خدا را

صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم دیگر جملہ انبیاء صلوٰۃ اللہ علیہم در مجلس دی بارہا و بد رستی و راستی سید مشرق
میکردند بندہ خود را و بد رستی ارواح انبیاء جولان میکنند در آسمان و زمین ہچو جولان باد ہا در آفاق و دیدم فرشتگان
را کہ حاضر میشوند طوائف بعد طوائف و دیدم رجال غیب را و جان را کہ یکدگر سبقت میکنند بسوی مجلس او و
دیدم ابوالعباس خضر را علیہ السلام کہ بسیار میکند حضور خود را پس سوال کردم او را پس گفت ہر کہ خواہد فلاح را
پس بروی باید ملازمت ایں مجلس ۛ

اور آپ گُری پر بیٹھ کر فرمایا کرتے تھے۔ اے لڑکے! میرے پاس بیٹھنے کے سوا کسی اور جگہ مت بیٹھ۔ یہاں تو
تقسیم ہوتی ہے۔ یہاں درجات تقسیم ہوتے ہیں۔ اے توبہ کے خریدار بسم اللہ میرے پاس آ۔ اے خریدار غفو بسم اللہ سامنے آ۔
اے خریدار اخلاص بسم اللہ آگے آ۔ میرے پاس ہفتہ میں ایک دفعہ آیا ہر ماہ میں ایک دفعہ یا کم از کم سال میں ایک دفعہ ضرور آئیں
تو ساری عمر میں ایک بار ضرور آ اور میرے خزانے سے ہزار ہزار انعامات لیجا۔ اے لڑکے ہزار سال سفر کر تاکہ مجھ سے ایک
کلمہ ہی سُن سکے۔ جب میرے پاس آئے تو اپنے اعمال اپنا زہد اپنا تقویٰ اور اپنے احوال ترک کر کے آ اور اپنا حصہ مجھ
سے لیجا۔ میرے پاس اولیاء مستور و اولیاء خواص و رجال الغیب حاضر ہوتے ہیں اور مجھ سے رب تعالیٰ کی بارگاہ کے
آداب سیکھتے ہیں۔ کوئی نبی اور ولی جو حق تعالیٰ نے پیدا کیا ہے ایسا نہیں جو میری مجلس میں حاضری نہ دے زندہ
اپنے اجساد کیساتھ اور وصال شدہ اپنے ارواح کیساتھ ۛ

مشائخ کرام شیخ قدوۃ ابو سعید قیلوی قدس سرہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ میں نے حضرت سلطان
شیخ سید عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کی مجلس مبارک میں کئی مرتبہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و دیگر
جملہ انبیاء صلوٰۃ اللہ علیہم کو دیکھا ہے۔ بیشک حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اس غلام کو زیارت سے مشرف کراتے ہیں
اور بیشک انبیاء علیہم السلام کی ارواح آسمان و زمین میں اس طرح جولان کرتی ہیں جس طرح عالم میں ہوائیں اور
میں نے ملائکہ علیہم السلام کو دیکھا ہے کہ وہ آنحضرت رضی اللہ عنہ کی خدمت اقدس میں جوق در جوق آتے ہیں۔
اور میں نے رجال الغیب اور جنوں کو دیکھا ہے کہ آپ کی مجلس مبارک میں ہر ایک دوسرے پر سبقت لیجانا چاہتا
ہے۔ اور میں نے ابوالعباس حضرت خضر علیہ السلام کو آپ کی حضوری میں بہت ہی دیکھا ہے۔ میں نے اُن سے
پوچھا تو فرمایا کہ جو شخص کامیابی چاہتا ہے اُسکو چاہیئے کہ اس بارگاہ عالیہ کی ملازمت اختیار کرے ۛ

اختیار الاخیار فی السرائر الابرار صفحہ ۱۳۱: نقل مست در وقتی آن حضرت بکری می آید بانواع علوم تکلم می کرد و
حاضران ہمہ از مشاہدہ مہبت و عظمت ساکت و صامت می بودند ناگاہ در میان کلام میفرمودند مَضَى النِّقَالَ وَ عَطَفْنَا بِالْحَاجِّ

اِس گفتن و در مردم اضطراب و وجد و حال در آمدن یکی در گریہ و فریاد می در آمد و دیگری جامہ پارہ می کرد و صحرای گرفت و دیگری بیہوش می افتاد و جان میداد و قہتا بودی کہ از مجلس و عطا آنحضرت جنازہ با بیرون می آمد از بہت غلبہ شوق ہیبت و تصرف و قہر مان عظمت و جلال او و از آنچہ از خوارق و کرامات و تجلیات و عجائب و غرائب و حدوث اشیا عجیبہ و ظہور امور غریبہ در مجلس و عطا آنحضرت نقل کردہ اند خارج از حد حصر و احصاست و کلمات مافی الارض من شجرۃ اقلام و البحر یبکک و فرمودہ اند کہ جمیع اولیاء و انبیاء احياء باجساد و اموات با ارواح و جن و ملائکہ در مجلس او حاضر می شدند و حضرت حبیب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم و آلہ اجمعین نیز از برائے تربیت و تائید تجلی میفرمودند و حضرت علیہ السلام اکثر اوقات از حاضران مجلس شریف می بود و از مشائخ عصر ہر کرا ملاقات می کرد و وصیت می نمود بملازمت مجلس شریف او می فرمود من اراد الفلاح فعلیہ بملازمتہ ہذا المجلس ۛ

یعنی نقل ہے کہ جب آنحضرت رضی اللہ عنہ تخت پر جلوہ فرما ہوتے تو انواع علوم میں تکلم فرماتے اور معین آپکی ہیبت و عظمت دیکھ کر ساکت ہو جاتے تھے۔ ناگاہ کلام کرتے کرتے فرماتے مضی القال و عطفنا بالحل اب ہم قال چھوڑ کر حال کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ آپکا یہ کلمہ مبارک فرمانے پر لوگوں پر اضطراب و وجد و حال کی کیفیت طاری ہو جاتی۔ کوئی گریہ و زاری شروع کر دیتا کوئی کپڑے پھاڑنے شروع کر دیتا اور صحرا کو چلا جاتا کوئی بیہوش ہو جاتا اور جان بحق ہو جاتا۔ بعض اوقات آپکی مجلس و عطا سے غلبہ شوق ہیبت و تصرف اور آپکے جلال و عظمت کی وجہ سے کئی جنازے نکلتے تھے۔ اور آنحضرت کی مجلس و عطا میں جو خوارق و کرامات و تجلیات و عجائب و غرائب و حدوث اشیا عجیبہ و ظہور امور غریبہ منقول ہیں حد حصر و احصا سے خارج ہیں بلکہ اگر عالم کے درخت اقلام بن جائیں اور سمندر سیاہی بن جائیں تو حیطہ تحریر سے باہر ہیں۔ اور مشائخ کرام نے فرمایا ہے کہ آپ کی مجلس مبارک میں جمیع انبیاء و اولیاء زندہ اپنے اجساد کیساتھ اور وصال شدہ اپنی ارواح کیساتھ حاضری دیتے تھے۔ نیز جن و ملائکہ بھی حاضری دیتے تھے۔ اور حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم بھی آنحضرت رضی اللہ عنہ کی تربیت و تائید کی خاطر متبعی ہوتے تھے اور حضرت علیہ السلام آپ کی مجلس مبارک میں اکثر حاضری دیتے تھے۔ اور مشائخ عصر میں سے جس کیساتھ ملاقات کرتے اس کو آپ کی مجلس مبارک میں حاضری کی وصیت کرتے اور فرماتے جس کسی کا فلاح کا ارادہ ہو وہ اس مجلس مبارک میں حاضری کو اپنے پر لازم کر لے ۛ

مسکین عطا محمد عفی اللہ عنہ الصمد

گجرات پاکستان

۲۲۲	فَقْرُ حِكْمَةٍ جَلَالِيَّةٍ فِي كَلِمَةٍ يَحْيَوِيَّةٍ	۲۲
۲۳۰	فَقْرُ حِكْمَةٍ مَائِيَّةٍ فِي كَلِمَةٍ زَكَاوِيَّةٍ	۲۳
۲۳۹	فَقْرُ حِكْمَةٍ إِنْسَانِيَّةٍ فِي كَلِمَةٍ إِنْسَانِيَّةٍ	۲۴
۲۸۷	فَقْرُ حِكْمَةٍ إِحْسَانِيَّةٍ فِي كَلِمَةٍ لُقْمَانِيَّةٍ	۲۵
۵۰۰	فَقْرُ حِكْمَةٍ إِمَامِيَّةٍ فِي كَلِمَةٍ هَارُونِيَّةٍ	۲۶
۵۲۰	فَقْرُ حِكْمَةٍ عَلَوِيَّةٍ فِي كَلِمَةٍ مُوسَوِيَّةٍ	۲۷
۵۷۸	فَقْرُ حِكْمَةٍ صَمَدِيَّةٍ فِي كَلِمَةٍ خَالِدِيَّةٍ	۲۸
۵۸۲	فَقْرُ حِكْمَةٍ فَرْدِيَّةٍ فِي كَلِمَةٍ مُحَمَّدِيَّةٍ	۲۹
۶۳۳	دُعَا	۳۰
۶۳۳	تَحْمِيد	۳۱

تجدید

سلطان العارفین حضرت سلطان باہو رضی اللہ عنہ کا میرے عالی سرکار جناب حضرت غوث اعظم پاک پیران پیر دستگیر میراں محی الدین بانہ اشہب محبوب سبحانی حضرت شیخ سید عبدالقادر جیلانی المحسنی الحسینی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق عقیدہ یہ ہے کہ سرکارِ دو عالم شفیع المذنبین رحمۃ للعالمین ختم المرسلین حضور نبی کریم جناب محمد پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد دوسرا نمبر جناب حضرت غوث اعظم پاک رضی اللہ عنہ کا ہے، جمیع سابقہ انبیاء و جمیع اولیاء علیہم السلام حضرت غوث اعظم پاک رضی اللہ عنہ کے مرید ہیں، آپ کا قدم مبارک جمیع اولیاء اللہ کی گردنوں پر ہے۔ چونکہ ہر نبی ولی بھی ہوتا ہے اسلئے آپ کا قدم مبارک جمیع سابقہ انبیاء و جمیع اولیاء علیہم السلام کی گردنوں پر ہے، سب سے پہلے آپ کا قدم مبارک مولا مشککش حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اپنی گردن مبارک پر رکھا۔ حضرت سلطان باہو صاحب رضی اللہ عنہ اپنی کتاب محکم الفقرا کلاں کے صفحہ ۹۸ پر فرماتے ہیں:

ہر کہ دولت و نعمت و سعادت مراتب غوثی و قطبی و درویشی و فقری و اولیائی و ولایت و ہدایت یافتہ از حضرت ایشاں یافت کہ مفتاح الکونین بدست ایشاں است ہر کہ منکر از ایشاں در ہر دو جہان مردود الحق و پریشان مثل ابلیس خبیث پریشان ہر کہ بندہ الہ چنانچہ مومن مسلم پیغمبر صاحب است و ہر کہ اُمت پیغمبر بود مثل غوث و قطب و اولیاء اللہ ہمہ کس مرید حضرت

پیراستہ پہنچ کس از مریدی ایشان بیرون نیست و ہر کہ از ایشان بیرون شود ہرگز بمعرفت مولیٰ راہ نبرد و سلب شود کہ خطب
ایشان را غوث الثقلین و غوث الانس و الجن و الملائکہ شدہ عاقلان را بس است اشارت باشارت از برای آنکہ قدم مبارک
حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم برگردن ایشان نہادہ بود و قدم ایشان مبارک بر ہر اسرار غفر

پیر من نائب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شاہ محی الدین قال محی الدین رحمۃ اللہ علیہ لا ینوت مریدی الا علی الایمان قال محی الدین
رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مریدی لا یغفرتہ اللہ دینی۔ چون حشر پیغامبران نفسی نفسی گویند و پیغامبر صاحب امتی امتی میفرماید و حضرت پیر
شاہ محی الدین علیہ الرحمۃ مریدی مریدی میفرماید آنوقت کہ حضرت پیغامبر صلی اللہ علیہ وسلم فرمودہ کہ قدم من برگردن تست و قدم تو
یا محی الدین برگردن ہر ولی اللہ دریں احوال ہمہ ولی اللہ شدی پیش حضرت علی ولی اللہ آوردند پیغامبر صاحب چنین فرمودہ است
توجہ میفرمائی حضرت علی التماس با پیغامبر آوردہ حضرت فرمود یا علی شاہ محی الدین از آل من و اولاد تست کسی کہ لائق فرزند را قدم برگردن نہاد
فرزند را قدم برگردن بدشتن بدشتن عیب نیست اول حضرت علی عزت داد بعد از آن قدم حضرت پیر برگردن ہمہ ولی اللہ نہاد و ہر ولی اللہ
سعادت مند شد و با ہر یک مرتبہ ولایت و ہدایت یافت

یعنی جس کسی نے دولت نعمت و سعادت و غوثی قطبی درویشی فقیری و اولیائی کے مراتب ولایت و ہدایت پائی آپکی بارگاہ سی پائی
کیونکہ دونوں جہان کی گنجی آپکے ہاتھ مبارک میں ہے۔ جو کوئی آپ کا منکر ہے وہ ہر دو جہان میں مردود و ناجی ہے اور مثل بلطیس
خبیث پریشان ہے۔ جو کوئی اللہ تعالیٰ کا بندہ ہے خواہ مومن ہے خواہ مسلم ہے خواہ پیغمبر صاحب ہے اور جو کوئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امانت
میں داخل ہے خواہ غوث ہے خواہ قطب ہے خواہ ولی ہے سب کے سب حضرت پیر کے مرید ہیں۔ کوئی شخص آپکی مریدی سے باہر
نہیں ہے۔ اور جو کوئی آپکی مریدی سے باہر ہو جاتا ہے ہرگز اسے معرفت الہی نصیب نہیں ہوتی بلکہ سلب ہو جاتی ہے کیونکہ آپ کا خطب
غوث الثقلین و غوث الانس و الجن و الملائکہ ہے۔ عاقلوں کیلئے اشارہ ہی کافی ہوتا ہے اور وہ اشارہ یہ ہے کہ چونکہ حضرت محمد رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا قدم مبارک آپکی گردن پر رکھا ہے اس لئے آپ کا قدم مبارک ہر اسرار پر ہے

میرے پیر شاہ محی الدین جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نائب ہیں حضرت محی الدین رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے میرے مرید ضرور بالضرور ایمان
پر ہو گا اور فرمایا ہے میرے مرید خوف نہ کر اللہ میرا پروردگار ہو۔ جب حشر کے روز پیغمبر نفسی نفسی کہیں گے حضور صلی اللہ علیہ وسلم امتی امتی فرمائیں گے اور حضرت پیر
شاہ محی الدین علیہ الرحمۃ مریدی مریدی فرمائیں گے جو وقت حضرت پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یا محی الدین میرا قدم تیری گردن پر رکھا ہے تیرا
قدم ہر ولی اللہ کی گردن پر ہو تو مجھ کو ایسا اللہ حضرت علی ولی اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان اقدس پہنچایا حضرت علی نے
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیافت کیا حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا یا علی شاہ محی الدین میری آل ہیں اور آپکی اولاد میں فرزند گرامی ہو تو اس کا قدم گردن پر رکھنے اور
اس کو اسٹاکر کندھوں پر رکھنے میں کوئی عیب نہیں۔ سب پہلے حضرت علی نے آپکی عزت دی اور بعد میں حضرت پیر نے اپنا قدم مبارک ہر ولی کی گردن پر رکھا
اور ہر ولی اللہ نے سعادت حاصل کی اور مرتبہ ولایت و ہدایت پایا

